فضائل صدقات

مع فضائل حج

حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ

مکتبہ امدادیہ

ملتان ——— پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عکسی

فضائل صدقات

حصہ اوّل

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

ناشر

مکتبہ امدادیہ، ملتان پاکستان

فہرست فضائل صدقات حصہ اول

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا

اَمَّا بَعْدُ یہ چند اوراق اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے فضائل میں ہیں جن کے متعلق اپنے سابق رسالہ "فضائلِ حج" کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ چچا جان نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کو اس رسالہ کا بہت اہتمام تھا اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں بار بار اس کی تاکید فرمائی اور ایک مرتبہ جب کہ عصر کی نماز کھڑی ہو رہی تھی تکبیر ہوتے ہوئے صف سے آگے منہ نکال کر اس ناپاک کو حکم فرمایا کہ دیکھو اس کو بھولنا نہیں۔ اس زمانہ میں چچا جان علالت کی وجہ سے خود امامت نہ کرتے تھے، اس لئے مقتدیوں کی صف ہی میں وہ بھی شریک تھے۔ اتنے اصرار۔ اور تاکید کے باوجود اپنی کوتاہی سے اس میں تاخیر ہوتی ہی چلی گئی اور نہ صرف تاخیر بلکہ تقریباً التواء ہی ہو گیا تھا۔

کہ مُقدّرات سے شوال ۱۳۶۶ھ میں "نظام الدین" کا طویل قیام پیش آیا، جیسا کہ رسالہ "فضائل حج" کے ابتداء میں لکھ چکا ہوں اور اس رسالہ کے اختتام کے بعد بھی جب سہارنپور واپسی کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، تو ۲۴ شوال ۱۳۶۶ھ چہار شنبہ کو اس رسالہ کی ابتداء کر دی گئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے اس لطف و انعام اور کرم سے جو میری گندگیوں کے باوجود دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے روز افزوں ہیں، اس کو تکمیل کو پہنچا کر قبول فرمائے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

اس رسالہ میں سات فصلیں لکھنے کا خیال ہے۔ پہلی فصل میں اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے فضائل، دوسری فصل میں بخل کی مذمت، تیسری فصل میں صلہ رحمی کا خصوصی اہتمام، چوتھی فصل میں زکوٰۃ کا وجوب، اور پانچویں فصل میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعیدیں، چھٹی فصل میں زہد و قناعت اور سوال نہ کرنے کی ترغیب، ساتویں فصل میں زاہدوں اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کی حکایات۔

فصل اوّل

مال خرچ کرنے کے فضائل میں

اللہ کے پاک کلام اور اس کے سچے رسول سیّد البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں خرچ کرنے کی ترغیب اور اس کے فضائل اتنے کثرت سے وارد ہیں کہ حد نہیں۔ ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیسہ پاس رکھنے کی چیز ہے ہی نہیں، یہ پیدا ہی اس لئے ہوا ہے کہ اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کیا جائے۔ جتنی کثرت سے اس مسئلہ پر ارشادات ہیں ان کا دسواں بیسواں حصہ بھی جمع کرنا مشکل ہے نمونہ کے طور پر چند آیات اور چند احادیث کا ترجمہ اپنی عادت کے موافق پیش کرتا ہوں۔

آیات

(۱) هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (بقرہ - ع ۱)

(یہ کتاب یعنی قرآن شریف) راستہ بتانیوالی ہے۔ خُدا سے ڈرنے والوں کو جو یقین لاتے ہیں غیب کی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں جو یقین رکھتے ہیں (ایمان لاتے ہیں) اس کتاب پر بھی جو آپ پر نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئیں اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اس صحیح راستہ پر ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ملا ہے اور یہی لوگ فلاح کو پہنچنے والے ہیں۔

ف: اس آیتِ شریفہ میں کئی مضمون قابلِ غور ہیں۔

(الف) راستہ بتانے والی ہے خُدا سے ڈرنے والوں کو، یعنی جس کو مالک کا خوف نہ ہو، مالک کو مالک نہ جانتا ہو، وہ اپنے پیدا کرنے والے سے جاہل ہو، اس کو قرآن پاک کا بتایا ہوا راستہ کب نظر آسکتا ہے، راستہ اُسی کو نظر آتا ہے جس میں دیکھنے کی صلاحیت بھی ہو، جس میں دیکھنے کا ذریعہ آنکھ ہی نہ ہو، وہ کیا دیکھے گا۔ اسی طرح جس کے دل میں مالک کا خوف ہی نہ ہو وہ مالک کے حکم کی کیا پرواہ کرے گا۔

(ب) نماز کو قائم رکھنا یہ ہے کہ اسکو اس کے آداب اور شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے پابندی اور اہتمام سے ادا کرے جس کا تفصیلی بیان رسالہ "فضائل نماز" میں گذر چکا ہے۔ اس میں حضرت ابنِ عباس رضؓ کا اِرشاد نقل کیا گیا ہے کہ نماز کو قائم کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کے رکوع و سجود اچھی طرح ادا کرے، ہمہ تن مُتوجہ رہے اور خُشوع کے ساتھ پڑھے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ نماز کا قائم کرنا اس کے اوقات کی حفاظت رکھنا اور وضو کا اور رکوع و سجود کا اچھی طرح ادا کرنا ہے۔

(ج) فلاح کو پہنچنا بہت اونچی چیز ہے۔ فلاح کا لفظ جہاں کہیں آتا ہے وہ اپنے مفہوم میں دین اور دُنیا کی بہبود اور کامیابی کو لئے ہوئے ہوتا ہے۔ امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ دُنیوی فلاح اُن خوبیوں کا حاصل کر لینا ہے جن سے دُنیوی زندگی بہترین بن جائے اور وہ بقاء اور غنا اور عزت ہیں، اور اُخروی فلاح چار چیزیں ہیں، وہ بقاء جس کو کبھی فنا نہ ہو، وہ تونگری جس میں فقر کا شائبہ نہ ہو، وہ عزت جس میں کسی قسم کی ذلت نہ ہو، وہ علم جس میں جہل کا دخل نہ ہو، اور جب فلاح کو مُطلق بولا گیا تو اس میں دین و دُنیا دونوں کی فلاح آگئی۔

(۲) لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ

سارا کمال اسی میں نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف، لیکن اصل کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر، اور اللہ کی کتابوں پر اور سب پیغمبروں پر، اور اللہ کی محبت میں مال دیتا ہو، اپنے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور غریبوں کو اور مسافروں کو اور (لاچاری میں) سُوال کرنے والوں کو اور (قیدیوں اور غلاموں کی) گردن چھڑانے میں خرچ کرتا ہو

وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج (الاٰیۃ ۔ سورۂ بقرہ ۔ ع۲۲)

اور نماز کو قائم رکھتا ہو اور زکوٰۃ کو ادا کرتا ہو کہ اصل کمالات یہ چیزیں ہیں (آیت شریفہ میں ان کی بعض اور صفات کا ذکر فرما کر ارشاد ہے) کہ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

ف: حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہود مغرب کی طرف نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف نماز پڑھتے تھے، اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ اور بھی متعدد حضرات سے اس قسم کا مضمون نقل کیا گیا ہے۔ (دُرِّ منثور) امام جصّاصؒ نے لکھا ہے کہ آیت شریفہ میں یہود اور نصاریٰ پر رد ہے کہ جب انہوں نے قبلہ کے منسوخ ہونے (یعنی بیتُ المقدّس کی بجائے کعبہ کو قبلہ قرار دینے) پر اعتراض کیا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی "کہ نیکی اللہ کی اطاعت میں ہے بغیر اس کی اطاعت کے مشرق و مغرب کی توجہ کوئی چیز نہیں ہے (احکام القرآن)" اللہ کی محبّت میں مال دیتا ہو" کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں میں اللہ جلّ شانہٗ کی محبّت اور خوشنودی کی وجہ سے خرچ کرے نام و نمود، اپنی شہرت عزّت کی وجہ سے خرچ نہ کرے کہ اس ارادہ سے خرچ کرنا نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق ہے۔ اپنا مال بھی خرچ کیا اور اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں بجائے ثواب کے گناہ ہوا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتے (کہ کتنا خرچ کیا) بلکہ تمہارے اعمال اور تمہارے دلوں کی طرف دیکھتے ہیں (کہ کس نیّت اور کس ارادہ سے خرچ کیا)۔ (مشکوٰۃ) ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے تم پر بہت زیادہ خوف شرکِ اصغر کا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! شرکِ اصغر کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، دکھلاوے کے لئے عمل کرنا۔ احادیث میں بہت کثرت سے دکھاوے کے لئے خرچ کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے جو آئندہ آئے گی۔ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ آیت شریفہ میں اللہ کی محبّت میں دینا مراد ہو۔ بعض علماء نے خرچ کرنے کی محبّت کا ترجمہ کیا ہے، یعنی جو خرچ کیا ہے اس پر مسرور رہو، یہ نہ ہو کہ اُس وقت تو خرچ کر دیا، پھر اس پر قلق ہو رہا ہے کہ میں نے کیوں خرچ کر دیا۔ کیسی بیوقوفی ہوئی روپیہ کم ہو گیا وغیرہ وغیرہ (احکام القرآن) اور اکثر علماء نے مال کی محبّت کا ترجمہ کیا ہے یعنی باوجود مال کی محبّت کے ان مواقع میں خرچ کرے۔ ایک حدیث

میں ہے، کسی شخص نے عرض کیا یارسولَ اللہؐ مال کی مَحبّت کا کیا مطلب ہے مال سے تو ہر ایک کو مَحبّت ہوتی ہے۔ حُضورؐ نے فرمایا کہ جب تو مال خرچ کرے تو اس وقت تیرا دل تیری اپنی ضرورتیں جتائے اور اپنی حاجت کا ڈر دل میں پیدا ہو کہ عمر ابھی بہت باقی ہے، مجھے اِحتیاج نہ ہو جائے۔

(ایک حدیث میں ہے، حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا۔ بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو ایسے وقت میں خرچ کرے جب تندرست ہو، اپنی زندگی اور بہت زمانہ تک دُنیا میں رہنے کی اُمّید ہو، ایسا نہ کر کہ صدقہ کرنے کو ٹالتا رہے یہاں تک کہ جب دم نکلنے لگے اور موت کا وقت قریب آجائے تو کہنے لگے کہ اتنا فلاں کو دیا جائے اور اتنا فلانی جگہ دیا جائے کہ اَب تو وہ فلاں کا ہو گیا (دُرِّ مَنثور) مطلب یہ ہے کہ جب اپنے سے مایوسی ہو گئی اور اپنی ضرورت اور حاجت کا ڈر نہ رہا تو آپ نے کہنا شروع کر دیا کہ اتنا فلاں مسجد میں اتنا فلاں مَدرسہ میں حالاں کہ اَب وہ گویا وارث کا مال بن گیا اب حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ ہے۔ جب تک اپنی ضرورتیں وابستہ تھیں تب تو خرچ کرنے کی توفیق نہ ہوئی، اَب جب کہ وہ دوسرے کے یعنی وارث کے پاس جانے لگا، تو آپ کو اللہ واسطے دینے کا جذبہ پیدا ہوا، اسی واسطے شریعتِ مُطَہَّرہ نے حکم دے دیا کہ مرتے وقت کا صدقہ ایک تہائی مال میں اثر کر سکتا ہے اگر کوئی اس وقت سارا مال بھی صدقہ کر کے مر جائے تو وارثوں کی اجازت بغیر تہائی سے زیادہ میں اس کی وصیت معتبر نہ ہو گی)

اس آیت شریفہ میں مال کو یتامیٰ مساکین وغیرہ پر خرچ کرنے کو مُستقل طور پر ذکر فرمایا ہے اور آخر میں زکوٰۃ کو علیٰحدہ ذکر فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخراجات زکوٰۃ کے علاوہ باقی مال میں سے ہیں۔ اس کا بیان احادیث کے ذیل میں نمبر ا پر آرہا ہے۔

(۳) وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○ بقرہ ع ۲۴

اور تم لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں نہ ڈالو اور (خرچ وغیرہ کو) اچھی طرح کیا کرو۔ بےشک حق تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو۔

ف: حضرت حُذَیفہؓ فرماتے ہیں کہ "اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" یہ فقر کے ڈر سے اللہ کے راستہ میں خرچ کا چھوڑ دینا ہے۔ حضرت ابنِ عبّاسؓ فرماتے ہیں کہ ہلاکت میں ڈالنا یہ نہیں ہے، کہ

آدمی اللہ کے راستہ میں قتل ہوجاتے بلکہ یہ اللہ کے راستہ میں خرچ سے رُک جانا ہے۔ حضرت ضحّاک بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ انصار اللہ کے راستہ میں خرچ کیا کرتے تھے اور صدقہ کیا کرتے تھے۔ ایک سال قحط ہوگیا، اُن کے خیالات بُرے ہوگئے اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا چھوڑ دیا اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔

حضرت اَسلمؒ کہتے ہیں کہ ہم قُسطنطینیہ کی جنگ میں شریک تھے، کفار کی بہت بڑی جماعت مقابلہ پر آگئی۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص تلوار لے کر ان کی صف میں گھس گیا دوسرے مسلمانوں نے شور کیا کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی اس جنگ میں شریک تھے وہ کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں ہے، تم اس آیت شریفہ کا یہ مطلب بتاتے ہو، یہ آیت تو ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ بات یہ ہوئی تھی کہ جب اسلام کو فروغ ہونے لگا اور دین کے حامی بہت سے پیدا ہوگئے تو ہماری یعنی انصار کی چپکے چپکے یہ رائے ہوئی کہ اب اللہ جلّ شانُہٗ نے اسلام کو غلبہ تو عطا فرما ہی دیا ہے اور لوگوں میں دین کے مددگار بہت سے پیدا ہوگئے۔ ہمارے اَموال کھیتیاں وغیرہ عرصہ سے خبر گیری پوری نہ ہو سکنے کی وجہ سے برباد ہو رہی ہیں ہم ان کی خبر گیری اور اصلاح کریں۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی، اور ہلاکت میں اپنے کو ڈالنا، اپنے اموال کی اصلاح میں مشغول ہوجانا اور جہاد کو چھوڑ دینا ہے (دُرِّ منثور)

(۴) وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ (بقرہ۔ ع ۲۷) — لوگ آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ (خیرات میں) کتنا خرچ کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ جتنا (ضرورت سے) زائد ہو۔

ف: یعنی مال تو خرچ ہی کرنے کے واسطے ہے۔ جتنی اپنی ضرورت ہو اس کے مُوافق رکھ کر جو زائد ہو وہ خرچ کر دے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اپنے اہل وعیال کے خرچ سے جو بچے وہ عفو ہے۔ حضرت ابو اُمامہؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اے آدمی جو تجھ سے زائد ہے اس کو تو خرچ کر دے، یہ بہتر ہے تیرے لئے۔ اور تو اس کو روک کر رکھے یہ تیرے لئے بُرا ہے اور بقدرِ ضرورت پر کوئی ملامت نہیں اور خرچ کرنے میں ان لوگوں سے ابتدا کر جو تیرے عیال میں ہیں اور اُونچا ہاتھ (یعنی دینے والا ہاتھ) بہتر ہے اس ہاتھ سے جو نیچے ہو (یعنی لینے کے لئے پھیلا ہوا ہو) حضرت عطاءؒ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ عفو سے مراد ضرورت سے زائد ہے (دُرِّ منثور)

(حضرت ابُوسعید خُدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا کہ جس کے پاس سواری زائد ہو وہ ایسے شخص کو سواری دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس توشہ زائد ہو وہ ایسے شخص کو توشہ دے جس کے پاس توشہ نہ ہو (حضورؐ نے اس قدر اہتمام سے یہ بات فرمائی) ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ کسی شخص کا اپنے کسی ایسے مال میں حق ہی نہیں ہے جو اس کی ضرورت سے زائد ہو (ابو داؤد) اور کمال کا درجہ ہے بھی یہی کہ آدمی کی اپنی واقعی ضرورت سے زائد جو چیز ہے وہ خرچ ہی کرنے کے واسطے ہے، جمع کر کے رکھنے کے واسطے نہیں ہے۔) بعض عُلماء نے عَفْو کا ترجمہ سَہل کا کیا ہے یعنی جتنا آسانی سے خرچ کر سکے کہ اس کو خرچ کرنے سے خُود پریشان ہو کر دُنیوی تکلیف میں مُبتلا نہ ہو اور دوسرے کا حق ضائع ہونے سے آخرت کی تکلیف میں مُبتلا نہ ہو، حضرت ابنِ عَبّاسؓ سے نقل کیا گیا کہ بعض آدمی اس طرح صدقہ کرتے تھے کہ اپنے کھانے کو بھی ان کے پاس نہ رہتا تھا حتّٰی کہ دوسرے لوگوں کو ان پر صدقہ کرنے کی نوبت آجاتی تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابُوسعید خُدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں تشریف لائے، حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ان کی یہ حالت دیکھ کر لوگوں سے کپڑا خیرات کرنے کو اِرشاد فرمایا۔ بہت سے کپڑے چندہ میں جمع ہو گئے حُضورؐ نے ان میں سے دو کپڑے ان صاحب کو عطا فرما دیئے۔ اس کے بعد پھر حُضورؐ نے صدقہ کرنے کی ترغیب دی، اور لوگوں نے صدقہ کا مال دیا تو ان صاحب نے بھی دو کپڑوں میں سے ایک صدقہ میں دے دیا تو حُضورؐ نے ناراضی کا اِظہار فرمایا اور ان کا کپڑا واپس فرما دیا۔ (دُرِّ مَنثُور)

قرآنِ پاک میں اپنی اِحتیاج کے باوجود خرچ کرنے کی ترغیب بھی آئی ہے۔ لیکن یہ انہیں لوگوں کے لئے ہے جو اس کو بشاشت سے برداشت کر سکتے ہوں، ان کے دِلوں میں واقعی طور پر آخرت کی اہمیّت دُنیا پر غالب آگئی ہو۔ جیسا کہ آیات کے سلسلہ میں نمبر ۲۸ پر یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے۔

⑤ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ ع ۳۲)	کون ہے ایسا شخص جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کو قرض دے اچھی طرح قرض دینا، پھر اللہ تعالےٰ اس کو بڑھا کر بہت زیادہ کر دے (اور خرچ کرنے سے تنگی کا خوف نہ کرو) کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ ہی تنگی اور فراخی کرتے ہیں (اسی کے قبضہ میں ہی)

اور اسی کی طرف (مرنے کے بعد) لوٹائے جاؤ گے۔

ف: اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کو قرض سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ جیسے قرض کی ادائیگی اور واپسی ضرور ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب اور بدلہ ضرور ملتا ہے۔ اس لئے اس کو قرض سے تعبیر کیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا مراد ہے۔ حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو حضرت ابُوالدَّحداح انصاریؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسولؐ اللہ، اللہ جَلَّ شَانُہٗ ہم سے قرض مانگتے ہیں. حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا بیشک، وہ عرض کرنے لگے اپنا دستِ مبارک مجھے پکڑا دیجئے (تاکہ میں آپ کے دستِ مبارک پر ایک عہد کر دوں) حضورؐ نے اپنا ہاتھ بڑھا. انہوں نے معاہدے کے طور پر حضورؐ کا ہاتھ پکڑ کر عرض کیا کہ یارسُولؐ اللہ میں نے اپنا باغ اپنے اللہ کو قرض دے دیا۔ ان کے باغ میں چھ سو درخت کھجوروں کے تھے اور اسی باغ میں ان کے بیوی بچے رہتے تھے۔ یہاں سے اُٹھ کر پھر اپنے باغ میں گئے اور اپنی بیوی اُمّ دَحْداحؓ سے آواز دے کر کہا کہ چلو اس باغ سے نکل چلو، یہ باغ میں نے اپنے رب کو دے دیا۔ دوسری حدیث میں حضرت ابُوہُریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے اس باغ کو چند یتیموں پر تقسیم کر دیا۔

(ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ الآیۃ جو ایک نیکی کرے اس کو دس گنا ثواب ملیگا۔ تو حضورؐ نے دُعا کی کہ یا اللہ میری اُمّت کو ثواب اس سے بھی زیادہ کر دے اس کے بعد یہ آیت مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللہَ نازل ہوئی۔ حضورؐ نے پھر دُعا کی۔ یا اللہ میری اُمّت کا ثواب اور بھی زیادہ کر دے پھر مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ الآیۃ جو نمبر ۲ پر آرہی ہے نازل ہوئی۔ حضورؐ نے پھر دُعا کی۔ یا اللہ میری اُمّت کا ثواب بڑھا دے۔ اس پر اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ (زمر۔ ع ۲) نازل ہوئی کہ صبر کرنے والوں کو ان کا ثواب پُورا پُورا دیا جائے گا۔ جو بے اندازہ اور بے شمار ہوگا۔)

ایک حدیث میں ہے کہ ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کون ہے جو آج قرض دے اور کل کو پورا بدلہ لے لے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ فرماتے ہیں۔ اے آدمی اپنا خزانہ میرے پاس امانت رکھا دے نہ اس میں آگ لگنے کا اندیشہ ہے نہ غرق ہوجانے کا، نہ چوری کا۔ میں ایسے وقت میں وہ تجھ کو پورا کا پورا

واپس کروں گا جس وقت تجھے اس کی انتہائی ضرورت ہوگی۔ (دُرِّ منثور)

(۶) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ (البقرہ - ع ۳۴)

اے ایمان والو خرچ کرلو ان چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہو سکتی ہے نہ دوستی ہوگی نہ کسی کی (اللہ کی اجازت بغیر) سفارش ہوگی۔

ف: یعنی اس دن نہ تو خرید و فروخت ہے کہ کوئی اس دن دوسروں کی نیکیاں خرید لے، نہ دوستی ہے کہ تعلقات میں کوئی دوسرے سے نیکیاں مانگ لے، نہ بغیر اجازت کے سفارش کا کسی کو حق ہے کہ اپنی طرف سے منت سماجت کرکے سفارش ہی کرالے، غرض جتنے اسباب دوسرے سے اعانت حاصل کرنے کے ہوا کرتے ہیں وہ سب ہی اس دن مفقود ہوں گے۔ اس دن کے واسطے کچھ کرنا ہے تو آج کا دن ہے، جو بونا ہے بو لیا جائے، اس دن تو کھیتی کے کاٹنے ہی کا دن ہے۔ جو بویا گیا ہے وہ کاٹ لیا جائے گا۔ غلہ ہو یا پھول کانٹے ہوں یا ایندھن، ہر شخص خود ہی غور کرلے کہ وہ کیا بو رہا ہے۔

(۷) مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (سورہ بقرہ - رکوع ۳۶)

جو لوگ اللہ کے راستے میں (یعنی خیر کے کاموں میں) اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک دانہ ہو، جس میں سات بالیں اُگی ہوں اور ہر بال میں سو دانے ہوں (تو ایک دانے سے سات سو دانے مل گئے) اور اللہ جل شانہٗ جس کو چاہے زیادہ عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ بڑی وسعت والے ہیں (ان کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں) اور جاننے والے ہیں (کہ خرچ کرنے والے کی نیت کا حال بھی ان کو خوب معلوم ہے۔)

ف: ایک حدیث میں آیا ہے کہ اعمال چھ۶ قسم کے ہیں اور آدمی چار قسم کے ہیں۔ اعمال کی چھ۶ قسمیں یہ ہیں کہ دو۲ عمل تو واجب کرنے والے ہیں اور دو۲ عمل برابر سرابر ہیں اور ایک عمل دس گنا ثواب رکھتا ہے اور ایک عمل سات سو گنا ثواب رکھتا ہے، جو واجب کرنے والے ہیں وہ تو یہ ہیں کہ جو شخص اس

حالت میں مرے کہ شرک نہ کرتا ہو، وہ جنّت میں داخل ہو کر رہے گا۔

اور جو ایسی حالت میں مرے کہ شرک کرتا ہو وہ جہنّم میں داخل ہوگا اور برابر سرابر یہ ہیں کہ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور عمل نہ کر سکے، اس کو ایک ثواب ملتا ہے اور جو گناہ کرے اس کو ایک بدلہ ملتا ہے۔ اور جو شخص کوئی نیکی کرے اس کو دس گنا ثواب ملتا ہے اور جو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے اس کو ہر خرچ کا سات سو گنا ثواب ملتا ہے۔ اور آدمی چار طرح کے ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جن پر دُنیا میں بھی وُسعت ہے آخرت میں بھی، دوسرے وہ جن پر دُنیا میں وُسعت آخرت میں تنگی، تیسرے وُہ جن پر دُنیا میں تنگی آخرت میں وُسعت چوتھے وہ جن پر دُنیا میں بھی تنگی آخرت میں بھی تنگی (کنز العمال) کہ یہاں کے فقر کے ساتھ اعمال بھی خراب ہوئے، جن کی وجہ سے وہاں بھی کچھ نہ ملا، دُنیا اور آخرت دونوں ہی برباد ہوگئے۔ حضرت ابُوہریرہؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ایک کھجور کے بقدر بھی صدقہ کرے بشرطیکہ طیّب مال سے ہو، خبیث مال نہ ہو، اس لئے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ طیّب مال کو ہی قبول کرتے ہیں تو حق تعالیٰ شانُہٗ اس صدقہ کی پرورش کرتے ہیں جیسا کہ تم لوگ اپنے بچھیرے کی پرورش کرتے ہو، حتیٰ کہ وہ صدقہ بڑھتے بڑھتے پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کھجور اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے حق تعالیٰ شانُہٗ اس کے ثواب کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ وہ اُحد کے پہاڑ سے بڑا ہو جاتا ہے۔ اُحد کا پہاڑ مدینہ طیبہ کا بہت بڑا پہاڑ ہے۔ اس صورت میں سات سو سے بہت زیادہ اجر و ثواب ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ سات سو گُنے والی آیت شریف نازل ہوئی تو حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اللہ جَلَّ شانُہٗ سے ثواب کے زیادہ ہونے کی دُعا کی۔ اس پر پہلی آیت نمبر ۵ والی نازل ہوئی (بیان القرآن) اس قول کے موافق اس آیت شریفہ کا نزول مقدم ہوا۔ دوسری حدیث میں اس کا عکس آیا ہے۔ جیسا کہ پہلے نمبر ۵ کے ذیل میں گذرا۔

(۸) اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی لَّھُمْ

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر نہ تو (جس کو دیا اس پر) احسان جتاتے ہیں اور نہ (کسی اور طرح) اس کو اذیت پہنچاتے ہیں تو ان کے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

لئے ان کے رب کے پاس اس کا ثواب ہے اور (قیامت کے دن) ان کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(سورہ بقر۔ رکوع ۳۶)

ف: یہ آیت شریفہ پہلی آیت کے بعد ہی ہے اور اس رکوع میں سارا ہی مضمون اسی کے مُتعلق ہے۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب، اور احسان جتا کر اس کو برباد نہ کرنے پر تنبیہ ہے اور کسی اور طرح سے اَذِیت پہنچانے کا یہ مطلب ہے کہ اپنے اس احسان کی وجہ سے اسکے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے، اس کو ذلیل سمجھے۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اِرشاد ہے کہ چند آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو اپنے دیئے پر احسان جتائے۔ دوسرا وہ ہے جو والدین کی نافرمانی کرے۔ تیسرے وُہ ہے جو شراب پیتا رہتا ہو وغیرہ وغیرہ (دُرِّ منثور) اِمام غزالیؒ نے احیاء میں صدقہ کے آداب میں لکھا ہے کہ اس کو مَنّ اور اَذٰی سے برباد نہ کرے۔ مَنّ اور اَذٰی کی تفسیر میں عُلماء کے چند قول ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ مَنّ یہ ہے کہ خود اس سے اس کا تذکرہ کرے اور اَذٰی یہ ہے کہ اس کا دوسروں سے اظہار کرے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ مَنّ یہ ہے کہ اس عطا کے بدلہ میں اس سے کوئی بیگار لے اور اَذٰی یہ ہے کہ اس کو فقیری کا طعنہ دے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ مَنّ یہ ہے کہ اس عطا کی وجہ سے اپنی بڑائی اس پر ظاہر کرے اور اَذٰی یہ ہے کہ اس کو سُوال کی وجہ سے جھڑکے۔ اِمام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اصل مَنّ یہ ہے کہ اپنے دل میں اپنا اس پر احسان سمجھے اسی کی وجہ سے پھر اُمورِ بالا ظاہر ہوتے ہیں۔ حالاں کہ اس فقیر کا اپنے اوپر احسان سمجھنا چاہیئے کہ اس نے اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا حق اس سے قبول کرکے اس کو بَرِیُ الذِّمہ بنا دیا، اور اس کے مال کی پاکی کا سبب بنا اور جہنم کے عذاب سے جو زکوٰۃ کے روکنے کی وجہ سے ہوتا نجات دلائی (احیاء) مشہور مُحدِّث اِمام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو ثواب کا اس سے زیادہ محتاج نہ سمجھے جتنا فقیر کو اپنے صدقہ کا محتاج سمجھتا ہے، اس نے اپنے صدقہ کو ضائع کر دیا اور وہ صدقہ اس کے منہ پر مار دیا جاتا ہے (احیاء العلوم) قیامت کا دن نہایت ہی سخت رنج وغم اور خوف کا دن ہے، جیسا کہ اس رسالہ کے ختم پر آرہا ہے۔ اس دن کسی کا بے خوف ہونا، غمگین نہ ہونا بہت اونچی چیز ہے۔

(۹) اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا (صدقات کو اگر تم ظاہر کرکے دو تب بھی اچھی بات

هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ (بقرہ، ع ۳۷)

ہے اور اگر تم ان کو چھپکے سے فقیروں کو دیدو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دیں گے اور اللہ جَلّ شانُہٗ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔)

دوسری آیت میں ارشاد ہے:۔

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (بقرہ ع ۳۸)

(جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں رات دن پوشیدہ اور کُھلم کُھلا، ان کے لئے ان کے رب کے پاس اس کا ثواب ہے اور قیامت کے دن نہ ان کو کوئی خوف ہوگا نہ وہ مغموم ہوں گے)

ف:- ان دونوں آیتوں میں صَدَقہ کو چُھپا کر دینا اور کُھلم کُھلا ظاہر کر کے دینا، دونوں طریقوں کی تعریف کی گئی ہے اور بہت سی احادیث اور قرآن پاک کی آیات میں ریا کی یعنی دکھلاوے کے لئے کام کرنے کی بُرائی اور اس کو شرک بتایا ہے، اور ثواب کو ضائع کر دینے والا، بلکہ گناہ کو لازم کر دینے والا بتایا ہے۔ اس لئے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ دِکھلاوا اور چیز ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ جو کام کُھلم کُھلا کیا جائے وُہ ریا ہی ہو، بلکہ ریا یہ ہے کہ اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے واسطے اپنی شہرت کے واسطے اپنا کمال ظاہر کرنے اور عزّت حاصل کرنے کے واسطے کوئی کام کیا جائے تو وُہ ریا ہے۔

(اور جو اللہ جَلّ شانُہٗ کی رِضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے، اور اللہ کی خوشنودی کسی مَصلحت سے اعلان ہی میں ہو تو وُہ ریا نہیں ہے۔ اس کے بعد ہر عمل بالخصوص صَدَقہ میں افضل یہی ہے کہ وہ اِخفا کے ساتھ کیا جائے کہ اس میں ریا کا احتمال بھی نہیں رہتا۔ اور صدقہ لینے والے کی ذِلّت اور اَذیت سے بھی امن ہے) اور یہ بھی مَصلحت ہے کہ اس وقت اگرچہ ریا نہ ہو لیکن جب عام طور سے لوگوں میں سخاوت مشہور ہونے لگے تو عُجب اور خُود بینی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ لوگوں میں اگر شہرت ہوگی تو پھر بہت سے لوگ سُوالات سے پریشان کرنے لگیں گے اور اپنے مالدار ہونے کی شہرت سے دُنیوی نقصانات کئی قسم کے پیدا ہونے لگیں گے۔ حکومت کے ٹیکس، چوروں کی نگاہیں حاسدوں کی دُشمنی۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ صَدَقہ کا مخفی طور سے دینا ریا اور شہرت سے زیادہ

بعید ہے اور حضورؐ کا ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ افضل صدقہ کسی تنگدست کا اپنی کوشش سے کسی نادار کو چُپکے سے دے دینا ہے اور جو شخص اپنے صدقہ کا تذکرہ کرتا ہے وُہ اپنی شہرت کا طالب ہے اور جو مجمع میں دیتا ہے وُہ ریا کار ہے۔

(پہلے بُزرگ اِتنی کوشش کرتے تھے کہ وہ یہ بھی نہیں پسند کرتے تھے کہ فقیر کو بھی اس کا علم ہو کہ کِس نے دیا۔ اس لئے بعض تو نابینا فقیروں کو چھانٹ کر دیتے تھے اور بعض سوتے ہوئے کی جیب میں ڈال دیتے تھے اور بعض کسی دوسرے کے ذریعے سے دِلواتے کہ فقیر کو پتہ نہ چلے اور اس کو حیا نہ آوے۔ بہرحال اگر شہرت اور ریا مقصود ہے تو نیکی برباد گناہ لازم ہے۔)

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جہاں شہرت مقصود ہو گی وہ عمل بیکار ہو جائے گا اس لئے کہ زکوٰۃ کا وجوب مال کی محبت کو زائل کرنے کے واسطے ہے اور حُبِّ جاہ کا مرض لوگوں میں حُبِّ مال سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور آخرت میں دونوں ہی ہلاک کرنے والی چیزیں ہیں لیکن بُخل کی صِفَت تو قبر میں بچھو کی صورت میں مسلط ہوتی ہے اور ریا اور شہرت کی صِفت اژدہا کی صورت میں مُنتقِل ہو جاتی ہے (احیاء العلوم)

ایک حدیث میں ہے کہ آدمی کی بُرائی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ کیا جانے لگے دینی اُمور میں اشارہ ہو یا دُنیوی اُمور میں۔ حضرت ابراہیم بن اَدھمؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی شہرت کو پسند کرتا ہو، اس نے اللہ تعالیٰ سے سچائی کا معاملہ نہیں کیا۔ ایّوب سختیانیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ جَلَّ شانُہٗ سے سچائی کا معاملہ کرتا ہے، اس کو یہ پسند ہوا کرتا ہے کہ کوئی اس کا گھر بھی نہ جانے کہ کہاں ہے۔ (احیاء العلوم) حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت مُعاذؓ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی قبر شریف کے پاس بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کیوں رو رہے ہو۔ حضرت مُعاذؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سُنا تھا کہ ریا کا تھوڑا سا حصّہ بھی شرک ہے اور حق تعالیٰ شانہ ایسے مُتقی لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو زاویۂ خمول میں رہتے ہوں کہ اگر کہیں چلے جاویں تو کوئی تلاش نہ کرے اور مجمع میں آویں تو کوئی ان کو پہچانے بھی نہیں ان کے دِل ہدایت کے چراغ ہوں اور ہر گرد آلود تاریک مقام سے خلاصی پانے والے ہوں۔ (احیاء العلوم) غرض ریاء کی مَذمّت بہت سی آیات اور احادیث میں وارد ہوئی ہے لیکن ان سب کے باوجود کبھی اعلان میں دینی مَصْلحت ہوتی ہے مثلاً دوسروں کو ترغیب کہ ضرورت کے موقعہ پر ایک آدھ شخص کے صدقہ سے دینی اہم ضرورتیں پوری

نہیں ہوسکتیں، ایسے وقت میں صدقہ کا اظہار دوسروں کی ترغیب کا سبب بن کر ضرورت کے پورا ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی لئے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ قرآن پاک کو آواز سے پڑھنے والا ایسا ہے جیسا اعلان کے ساتھ صدقہ کرنے والا، اور قرآن پاک کو آہستہ پڑھنے والا ایسا ہے جیسا کہ چُپکے سے صدقہ کرنے والا۔ (مشکوٰۃ شریف) کہ قرآن پاک کا بھی مُقتضائے وقت کے مناسب کبھی آواز سے پڑھنا افضل ہوتا ہے اور کبھی آہستہ پڑھنا۔ پہلی آیت شریفہ کے مُتعلّق بہت سے علماء سے نقل کیا گیا کہ اس آیت شریفہ میں صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ اور صدقہ نفل، دونوں کا بیان ہے، اور صدقہ فرض کا اعلان سے ادا کرنا افضل ہے جیسا کہ اور فرائض کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کا اعلان کے ساتھ کرنا افضل ہے اس لئے کہ اس میں دوسروں کی ترغیب کے ساتھ اپنے اوپر سے اس اِلزام اور اِتّہام کا دفع کرنا مقصود ہے کہ یہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے دوسری مَصالح کے عِلاوہ نماز میں جماعت مشروع ہوئی کہ اس میں اس کے ادا کرنے کا اعلان ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں کہ عَلّامہ طَبَریؒ وغیرہ نے اس پر عُلماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ صدقہ فرض میں اعلان افضل ہے اور صدقہ نفل میں اِخفاء افضل ہے۔ زَین بن المُنیرؒ کہتے ہیں کہ یہ حالات کے اختلاف سے مُختلف ہوتا ہے۔ مثلاً اگر حاکم ظالم ہوں اور زکوٰۃ کا مال مَخفی ہو تو زکوٰۃ کا اِخفاء اَولیٰ ہوگا اور اگر کوئی شخص مقتدا ہے، اس کے فعل کا لوگ اِتّباع کریں گے تو صدقہ نفل کا بھی اِعلان اولیٰ ہوگا۔ (فتح الباری)

حضرت ابنِ عَبّاسؓ نے آیتِ شریفہ (مذکورہ بالا) کی تفسیر میں اِرشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے نفل صدقہ میں آہستہ کے صدقہ کو عَلانیہ کے صدقہ پر ستّر درجہ فضیلت دی ہے اور فرض صدقہ میں عَلانیہ کو مَخفی صدقہ پر پچّیس درجہ فضیلت دی ہے اور اسی طرح اور سب عبادات کے نوافل اور فرائض کا حال ہے۔ (دُرِّ منثور) یعنی دوسری عبادات میں بھی فرائض کو اعلان کے ساتھ ادا کرنا چُھپ کر ادا کرنے سے افضل ہے کہ فرائض کو چُھپ کر ادا کرنے میں ایک اپنے اوپر تہمت ہے، دوسرے یہ بھی مَضرّت ہے کہ اپنے مُتعلّقین یہ سمجھیں گے کہ یہ شخص فلاں عبادت کرتا ہی نہیں اور اس سے ان کے دلوں میں اس عبادت کی وُقعت اور اہمیت کم ہو جائے گی، اور نوافل میں بھی اگر دوسروں کے اِتّباع اور اِقتداء کا خیال ہو تو اعلان افضل ہے۔

حضرت ابنِ عمرؓ کے واسطے سے حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ نیک عمل کا چُپکے سے کرنا اعلان سے افضل ہے مگر اس شخص کے لئے جو اتّباع کا ارادہ کرے۔ حضرت ابُواُمامہؓ کہتے

ہیں کہ حضرت ابُو ذر رضی اللہ عنہ نے حضُور سے دریافت کیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے۔ حُضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ کسی فقیر کو چُھپکے سے کچھ دے دینا اور نادار کی کوشش افضل ہے اور اصل یہی ہے کہ نفلی صدقہ کا مخفی طور سے ادا کرنا افضل ہے البتہ اگر کوئی دینی مَصلَحت اِعلان میں ہو تو اعلان بھی افضل ہو جاتا ہے لیکن اس بات میں اپنے نفس اور شیطان سے بے فکر نہ رہے کہ وہ صدقہ کو برباد کرنے کے لیے دِل کو یہ سمجھائے کہ اعلان میں مَصلحت ہے بلکہ بہت غور سے اس کو جانچ لے کہ اعلان میں واقعی دینی مَصلَحت ہے یا نہیں؟ اور صدقہ کرنے کے بعد بھی اس کا تذکِرہ نہ کرتا پھرے کہ یہ بھی عَلانیہ صدقہ کرنے میں داخل ہو جاتا ہے) ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کوئی عمل مُخفی کرتا ہے تو وہ مُخفی عمل لکھ لیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ اس کا کسی سے اظہار کر دے تو وہ مُخفی سے عَلانیہ میں مُنتقِل کر دیا جاتا ہے، پھر اگر وہ لوگوں سے کہتا پھرے تو وُہ عَلانیہ سے رِیا میں مُنتقِل کر دیا جاتا ہے (احیاء العلوم) حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس دن اپنے سایہ میں رکھیں گے جس دن اللہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہو گا (یعنی قیامت کے دن)۔ ایک عادل بادشاہ (حاکم) دوسرے وُہ نوجوان جو اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی عبادت میں نشوونما پاتا ہے، تیسرے وہ شخص جس کا دِل مسجد میں اٹکا ہُوا ہو۔ چوتھے وُہ دو شخص جنہیں صرف اللہ کی وجہ سے محبّت ہو، کوئی دُنیوی غرض ایک کی دوسرے سے وابستہ نہ ہو، اسی پر اُن کا آپس میں اجتماع ہو اور اِسی پر علیحدگی ہو۔ پانچویں وہ شخص جس کو کوئی حسب نسب والی خوبصورت عورت اپنی طرف مُتوجّہ کرے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (اسی طرح کوئی مرد کسی عورت کو مُتوجّہ کرے اور وہ عورت یہی کہہ دے) چھٹے وہ شخص جو اتنا چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا) ساتویں وہ شخص جو تنہائی میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کو یاد کر کے رو پڑے۔ اس حدیث میں سات آدمی ذِکر فرمائے ہیں۔ دوسری احادیث میں ان کے عِلاوہ اور بھی بعض لوگوں کے مُتعلّق یہ وارد ہُوا ہے کہ وُہ اس سخت دن میں عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گے عُلماء نے ان کی تعداد بیاسی ۸۲ تک گنوائی ہے جن کو صاحبِ اتحاف نے نقل کیا ہے۔ بہت سی احادیث میں حضور کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مُخفی صدقہ اللہ کے غصّہ کو زائل کر دیتا ہے۔

حضرت سالم ابنِ اَبی الجعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک عورت اپنے بچّے کے ساتھ جا رہی تھی۔ راستہ میں بھیڑیئے نے اس بچّہ کو اُچک لیا۔ یہ عورت اس بھیڑیئے کے پیچھے دوڑی۔ اتنے میں ایک سائل راستہ میں مِلا۔ اس نے سُوال کیا۔ عورت کے پاس ایک روٹی تھی وہ سائل کو دے دی۔ وہ بھیڑیا واپس آیا اور اس کے بچّے کو چھوڑ کر

چلا گیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ تین آدمیوں کو حق تعالیٰ شانہٗ محبوب رکھتے ہیں، اور تین آدمیوں سے ناراض ہیں۔ جن کو حق تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں ان میں ایک تو وہ شخص ہے کہ ایک آدمی کسی مجمع سے کچھ سوال کرنے آیا جو محض اللہ تعالیٰ کے واسطے سے سوال کرتا تھا کہ اس کی ان لوگوں سے کچھ قرابت بھی نہ تھی۔ ایک شخص اس مجمع سے اُٹھا اور ان کی غیبت میں چپکے سے سائل کو کچھ دے دیا۔ جس کے عطیہ کی اللہ جل شانہٗ کے سوا کسی کو بھی خبر نہ ہوئی۔ دوسرا وہ شخص محبوب ہے کہ ایک جماعت رات بھر سفر میں چلی اور جب نیند اُن چلنے والوں پر غالب ہو گئی ہو اور وہ تھوڑی دیر آرام لینے کے لئے سواریوں سے اُترے ہوں۔ انمیں کوئی شخص اسوقت بجائے لیٹنے کے نماز میں کھڑا ہو کر حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے عاجزی کرنے لگا ہو۔ تیسرا وہ شخص ہے کہ ایک جماعت جہاد کر رہی ہو اور کفار سے مقابلہ میں شکست ہونے لگے اور لوگ پشت پھیرنے لگیں، اسوقت یہ شخص ان میں سے سینہ تان کر مقابلہ میں ڈٹ جائے حتّٰی کہ شہید ہو جائے یا فتح ہو جائے۔ اور تین شخص جن سے حق تعالیٰ شانہٗ ناراض ہیں، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو بوڑھا ہو کر بھی زنا میں مبتلا ہو۔ دوسرے وہ شخص ہے جو فقیر ہو کر تکبّر کرے۔ تیسرے وہ مالدار ہے جو ظالم ہو۔ احادیث کے سلسلہ میں نمبر ۱۵ پر بھی یہ حدیث آرہی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا۔ جس میں ارشاد فرمایا اے لوگو، مرنے سے پہلے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کر لو اور نیک عمل کرنے میں جلدی کیا کرو، ایسا نہ ہو کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جاؤ اور وہ رہ جائے اور اللہ جل شانہٗ کیساتھ اپنا رشتہ جوڑ لو کثرت سے اُس کا ذکر کرکے اور مخفی اور علانیہ صدقہ کرکے اس سے تمہیں رزق دیا جائیگا، تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہاری شکستگی کی اصلاح کی جائے گی۔" ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں ہو گا جبتک کہ حساب کا فیصلہ نہ ہو۔ یعنی قیامت کے دن جب آفتاب نہایت قریب ہو گا ہر شخص پر اسکے صدقات کی مقدار سے سایہ ہو گا جتنا زیادہ صدقہ دیا ہو گا اتنا ہی زیادہ سایہ ہو گا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ صدقہ قبروں کی گرمی کو دُور کرتا ہے اور ہر شخص قیامت میں اپنے صدقہ سے سایہ حاصل کرے گا۔ اور یہ مضمون تو بہت سی روایات میں آیا ہے کہ صدقہ . کو دُور کرتا ہے۔ اس زمانہ میں جب کہ مسلمانوں پر ان کے اعمال کی بدولت ہر طرف سے ہر قسم کی بلائیں مسلّط ہو رہی ہیں، صدقات کی بہت زیادہ کثرت کرنا چاہیئے، بالخصوص جب کہ دیکھتی آنکھوں عُمر بھر کا اندوختہ کھڑے کھڑے چھوڑنا پڑجاتا ہے، ایسی حالت میں بہت اہتمام سے بہت زیادہ مقدار میں صدقات کرتے رہنا چاہیئے کہ اس میں وہ مال بھی ضائع ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے جو صدقہ کیا گیا اور اس کی برکت سے اپنے اوپر سے بلائیں بھی ہٹ جاتی ہیں، مگر افسوس کہ ہم لوگ ان احوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی صدقات کا اہتمام نہیں کرتے

ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ بُرائی کے ستر دروازے بند کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے غصّے کو دُور کرتا ہے اور بُری موت سے حفاظت کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ عمر کو بڑھاتا ہے اور بُری موت کو دُور کرتا ہے اور تکبر اور فخر کو ہٹاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ایک روٹی کے لقمہ سے یا ایک مُٹھی کھجور یا اور کوئی ایسی ہی معمولی چیز جس سے مسکین کی ضرورت پوری ہوتی ہو تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں۔ ایک صاحبِ خانہ جس نے صدقہ کا حکم دیا، دوسرے گھر کی بیوی جس نے روٹی وغیرہ پکائی، تیسرے وہ خادم جس نے فقیر تک پہنچایا۔ یہ حدیث بیان فرما کر ارشاد فرمایا۔ ساری تعریفیں ہمارے اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمارے خادموں کو بھی ثواب میں فراموش نہیں کیا۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دریافت فرمایا جانتے ہو کہ بڑا سخت طاقتور کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا جو مقابلہ میں دوسرے کو پچھاڑ دے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ بڑا بہادر وُہ ہے جو غصّہ کے وقت اپنے اُوپر قابو یافتہ ہو۔ پھر دریافت فرمایا جانتے ہو کہ بانجھ کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ جس کے اولاد نہ ہو حضورؐ نے فرمایا نہیں، بلکہ وہ آدمی ہے جس نے کوئی اولاد آگے نہ بھیجی ہو۔ پھر حضورؐ نے فرمایا جانتے ہو فقیر کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا جس کے پاس مال نہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا فقیر اور پورا فقیر وہ ہے جس کے پاس مال ہو اور اُس نے آگے کچھ نہ بھیجا ہو (کہ وہ اُس دن خالی ہاتھ کھڑا رہ جائے گا جس دن اس کو سخت احتیاج ہوگی)، حضرت ابُو ہُرَیْرَہؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ سے خرید لے اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، میں تجھے اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے کسی مطالبہ سے نہیں بچا سکتا۔ اے عائشہؓ! کوئی مانگنے والا تیرے پاس سے خالی نہ جائے، چاہے بکری کا کھُر ہی کیوں نہ ہو۔ (درمنثور) امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ پہلے لوگ اس کو بُرا سمجھتے تھے کہ کوئی دن صدقہ کرنے سے خالی جائے چاہے ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو، چاہے روٹی کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا۔ (احیاء اوّل)

(۱۰) یَمْحَقُ اللہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ط (بقرہ۔ ع ۳۸)

حق تعالیٰ شانہٗ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔

ف: صدقات کا بڑھانا اس سے پہلے بہت سی روایات میں گذر چکا ہے کہ آخرت میں اس کا ثواب پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ یہ تو آخرت کے اعتبار سے تھا اور دُنیا میں بھی اکثر بڑھتا ہے کہ جو شخص صدقہ

اخلاص کے ساتھ کثرت سے کرتا رہتا ہے اس کی آمدنی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، جس کا دل چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے البتہ اخلاص شرط ہے ریا اور فخر نہ ہو، اور سُود آخرت میں تو مٹایا ہی جاتا ہے، دُنیا میں بھی اکثر برباد ہو جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ سود اگرچہ بڑھا ہوا ہو لیکن اس کا انجام کمی کی طرف ہوتا ہے، اور مَعْمَرؒ کہتے ہیں کہ چالیس سال ہی سود میں کمی ہو جاتی ہے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ سُود دنیا میں بڑھتا ہے اور آخرت میں مٹا دیا جاتا ہے۔ حضرت اَبُو بَرزَہؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی ایک ٹکڑا دیتا ہے، وہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں اس قدر بڑھتا ہے کہ اُحُد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

(۱۱) لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ (سورہ آل عمران۔ رکوع ۱۰) اے مسلمانو! تم (کامل) نیکی کو حاصل نہ کر سکو گے، یہاں تک کہ اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تم کو (خوب) محبوب ہو۔

ف: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ انصار میں سب سے زیادہ درخت کھجوروں کے حضرت اَبُو طلحہؓ کے پاس تھے اور ان کا ایک باغ تھا جس کا نام بَیْرُحَاء تھا۔ وہ ان کو بہت ہی زیادہ پسند تھا۔ یہ باغ مسجدِ نبویؐ کے سامنے ہی تھا، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی نوش فرماتے جو بہت ہی بہترین پانی تھا۔ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو حضرت اَبُو طلحہؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسولَ اللہ حق تعالیٰ شانُہٗ یوں ارشاد فرماتے ہیں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ اور مجھے ساری چیزوں میں بَیْرُحَاء سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ کے لئے صدقہ کرتا ہوں اور اس کے اجر و ثواب کی اللہ سے اُمید رکھتا ہوں۔ آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کو خرچ فرما دیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، واہ واہ بہت ہی نفع کا مال ہے۔ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ اَبُو طلحہؓ نے عرض کیا بہتر ہے اور اس کو اپنے چچازاد بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں میں بانٹ دیا۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ اَبُو طلحہؓ نے عرض کیا یا رسولَ اللہ میرا باغ جو اتنی بڑی مالیت کا ہے وہ صدقہ ہے اور میں اگر اس کی طاقت رکھتا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو تو ایسا کرتا۔ مگر باغ ایسی چیز نہیں جو مخفی رہ سکے۔

حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے اس آیتِ شریفہ کا علم ہوا تو میں نے ان سب چیزوں میں غور کیا جو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے مجھے عطا فرمائی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ ان سب میں مجھے سب سے زیادہ محبوب

اپنی باندی مَرجَانہ ہے۔ میں نے کہا کہ وہ اللہ کے واسطے آزاد ہے۔ اس کے بعد اگر میں اس چیز سے جس کو اللہ کے واسطے دیدیا ہو، دوبارہ نفع حاصل کرنا گوارا کرتا تو اس باندی سے آزاد کر دینے کے بعد نکاح کر لیتا (کہ وہ جائز تھا اور اس سے صَدَقہ میں کچھ کمی نہ ہوتی تھی لیکن چونکہ اس میں صورت صدقہ میں رجوع کی سی تھی) یہ مجھے گوارا نہ ہوا۔ اس لئے اس کا نکاح اپنے غلام حضرت نافعؒ سے کر دیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ تلاوت میں جب اس آیتِ شریفہ پر گذر ہوا تو نماز ہی میں اِشارہ سے اپنی ایک باندی کو آزاد کر دیا۔ حق تعالےٰ شانہٗ اور اس کے پاک رسولؐ کے اِرشادات کی توقعت اور ان پر عمل کرنے میں پیش قدمی تو کوئی ان حضرات صحابہ کرامؓ سے سیکھے۔ واقعی یہی حضرات اس کے مُستحق تھے کہ حضورؐ کے صحابی بنائے جاتے۔ حضورؐ کی خادمیت انہی حضرات کے شایانِ شان تھی۔ رَضِیَ اللہُ تعالےٰ عَنھُمْ وَاَرْضَاھُمْ اَجْمَعِیْن۔

حضرت عمرؓ نے حضرت اَبُو مُوسیٰ اَشعَرِیؓ کو لکھا کہ جلولاء کی باندیوں میں سے ایک باندی اُن کیلئے خرید دیں۔ انہوں نے ایک بہترین باندی خرید کر بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے اس باندی کو اپنے پاس بُلایا اور یہ آیت شریفہ پڑھی اور اس کو آزاد کر دیا۔ حضرت محمد بنُ مُنکَدِرؒ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت زَیدبنُ حَارِثہؓ کے پاس ایک گھوڑا تھا جو انکو اپنی ساری چیزوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ وہ اس کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ صدقہ ہے۔ حضورؐ نے اس کو قبول فرمالیا اور لے کر ان کے صاحبزادہ حضرت اسامہؓ کو دیدیا۔ حضرت زید کے چہرہ پر اس سے کچھ گرانی کے آثار ظاہر ہوئے (کہ گھر کے گھر ہی میں رہا، باپ کے بجائے بیٹے کا ہوگیا) حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے تمہارا صدقہ قبول کر لیا یعنی تمہارا صدقہ ادا ہوگیا، اَب میں چاہے اس کو تمہارے بیٹے کو دوں یا کسی اور رشتہ دار کو یا اجنبی کو (اسلئے کہ تم تو بیٹے کو نہیں دے رہے جس سے خود غرضی کا شبہ ہو، تم تو مجھے دے چکے اَب مجھے اختیار ہے کہ میں جس کو دِل چاہے دوں)۔

قبیلہ بَنِی سُلیم کے ایک شخص کہتے ہیں کہ حضرت اَبُوذَرغِفاریؓ رَبذہ نام ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ وہاں ان کے پاس اونٹ تھے اور ان کا چرانے والا ایک ضعیف آدمی تھا۔ میں بھی وہاں اُن کے قریب ہی رہتا تھا، میں نے ان سے عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ آپکے چرواہے کی مدد کروں گا اور آپ کے فیوض حاصل کروں گا۔ شاید اللہ جَلَّ شانہٗ آپ کی برکات سے مجھے بھی نفع عطا فرمادیں

حضرت ابُوذر رضؓ نے فرمایا میرا ساتھی وُہ ہے (یعنی ایسے شخص کو میں اپنا ساتھی بنا سکتا ہوں) جو میرا کہنا مانے اگر تم اس کے لیے تیار ہو تو مضائقہ نہیں ورنہ میرے ساتھ رہنے کا ارادہ نہ کرو۔ میں نے پوچھا کہ آپ کس چیز میں میری اطاعت چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ جب میں کوئی چیز کسی کو دینے کے لئے مانگوں تو سب سے بہتر چھانٹ کر دو۔ میں نے قُبول کر لیا اور ایک زمانہ تک ان کی خدمت میں رہا۔ ان کو معلوم ہوُا کہ اس گھاٹ پر جو لوگ آباد ہیں، اُن کو تنگی ہے۔ مجھ سے فرمایا کہ ایک اُونٹ میرے اونٹوں میں سے لاؤ۔ میں نے حسبِ وعدہ تلاش کیا تو اُن سب میں بہترین ایک اونٹ نر تھا جو بہت سِدھا ہوُا تھا۔ اس جیسا کوئی جانور ان میں نہیں تھا۔ میں نے اس کے لے جانے کا ارادہ کیا لیکن مجھے خیال ہوُا کہ اس کی خود یہاں بھی (جُفتی وغیرہ کے لئے) ضرورت رہتی ہے، اس کو چھوڑ کر باقی اونٹوں میں جو سب سے افضل اور بہتر جانور تھا وہ ایک اونٹنی تھی مَیں اس کو لے گیا۔ اِتّفاق سے حضرت کی نظر اُس اونٹ پر پڑ گئی جس کو میں مَصْلحت کی وجہ سے چھوڑ کر گیا تھا۔ مجھ سے فرمانے لگے تم نے مجھ سے خیانت کی۔ میں سمجھ گیا اور اس اونٹنی کو واپس لا کر وُہ اونٹ لے گیا۔ حاضرینِ مجلس سے مُخاطِب ہو کر فرمایا کہ دو آدمی ایسے چاہئیں جو ایک ثواب کا کام کریں۔ دو شخصوں نے اپنے آپکو پیش کیا کہ ہم حاضِر ہیں۔ فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی عذر نہ ہو تو اس اونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت کے اتنے ٹکڑے کئے جائیں جتنے گھر اس گھاٹ پر آباد ہیں اور سب گھروں میں ایک ایک ٹکڑا اِس گوشت کا پہنچا دیا جائے اور میرا گھر بھی ان میں شمار کر لیا جائے اور اس میں بھی اتنا ہی جائے جتنا جتنا اور گھروں میں جائے، زیادہ نہ جائے ان دونوں نے قبول کر لیا اور تعمیلِ ارشاد کر دی۔

جب اس سے فارغ ہو گئے تو مجھے بُلایا اور فرمایا کہ مُجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تم میرے اس وعدہ کو جو شروع میں ہوُا تھا بھُول گئے تھے تب تو میں معذور سمجھتا ہوں۔ یا تم نے باوجود یاد ہونے کے اس کو پس پُشت ڈال دیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھُولا تو نہیں تھا، مجھے وہ یاد تھا، لیکن جب مَیں نے تلاش کیا اور یہ اونٹ سب سے افضل ملا تو مُجھے آپ کی ضرورت کا خیال پیدا ہوُا کہ آپ کو خود اس کی ضرورت ہے۔ فرمانے لگے کہ محض میری ضرورت کی وجہ سے چھوڑا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ محض اسی وجہ سے چھوڑا تھا۔ فرمانے لگے کہ میں اپنی ضرورت کا وقت بتاؤں، میری ضرورت کا وقت وُہ ہے جب میں قبر کے گڑھے میں ڈال دیا جاؤں گا۔ وُہ دن میری مُحتاجی کا دن ہو گا۔ تیرے

ہر مال میں تین شریک ہیں۔ ایک تو مُقدّر شریک ہے، معلوم نہیں کہ تقدیر اچھے مال کو لے جائے یا بُرے کو، وہ کسی چیز کا انتظار نہیں کرتی (یعنی جس مال کو میں عمدہ اور بہتر اور اپنے دوسرے وقت کے لئے کارآمد سمجھ کر چھوڑ دوں، معلوم نہیں کہ وہ دوسرے وقت میرے کام آسکے گا یا نہیں، تو پھر اسی وقت کیوں نہ اس کو آخرت کا ذخیرہ بنا کر اللہ کے بنک میں جمع کر دوں)۔ دوسرا شریک وارث ہے جو ہر وقت اس انتظار میں رہتا ہے کہ کب تو گڑھے میں جاوے تاکہ وہ سارا مال وصول کرے۔ تیسرا تو خُود اس مال کا شریک ہے (کہ اپنے کام میں لاسکتا ہے) پس اس کی کوشش کر کہ تو تینوں شریکوں میں کم حصّہ پانے والا نہ ہو (ایسا نہ ہو کہ مُقدّر اس کو لے اُڑے کہ وُہ ضائع ہو جائے، یا وارث لے اُڑے۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ تو اس کو جلدی سے حق تعالےٰ شانُہ کے خزانہ میں جمع کر دے) اس کے علاوہ حق تعالیٰ شانُہ کا ارشاد ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط اور یہ اونٹ جب مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو کیوں نہ اس کو اپنے لیے مخصوص کر کے محفوظ کر لوں اور آگے بھیج دوں۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ایک جانور کا گوشت حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضورؐ نے خُود اس کو پسند نہیں کیا مگر دوسروں کو کھانے سے منع بھی نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کو فقیروں کو دیدوں۔ حضورؐ نے فرمایا، ایسی چیزیں ان کو مت دو جس کو خود کھانا پسند نہیں کرتی ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضؓ شکر خرید کر غرباء پر تقسیم کر دیتے۔ حضرت کے خادم نے عرض کیا کہ اگر شکر کی بجائے کھانا جایا کرے تو غرباء کو اس سے زیادہ نفع ہو۔ فرمایا صحیح ہے میرا بھی یہی خیال ہے لیکن حق تعالےٰ شانہٗ کا ارشاد ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط اور مجھے شکر (میٹھا) زیادہ مرغوب ہے (درمنثور) یہ حضرات کسی چیز کو افضل سمجھتے ہوئے بھی حق تعالےٰ شانُہٗ اور اس کے پاک رسولؐ کے ظاہر الفاظ پر عمل کرنے کی اکثر کوشش کیا کرتے تھے۔ اس کی بہت سی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ یہ محبّت کی انتہا ہے کہ محبوب کی زبان سے نکلی ہوئی بات پر عمل کرنا ہے چاہے افضل دوسری چیز ہو۔

(۱۲) وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

اور دوڑو اس بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور دوڑو اس جنّت کی طرف جس کا پھیلاؤ سارے آسمان اور زمین ہیں۔ جو

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (سورہ آلِ عمران۔ رکوع ۱۴)

تیار کی گئی ہے ایسے مُتقی لوگوں کے لیے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، فراخی میں بھی اور تنگی میں بھی۔ اور غصّہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کی خطاؤں کو مُعاف کرنیوالے ہیں اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ محبوب رکھتے ہیں احسان کرنے والوں کو۔

ف: عُلماء نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے بَنِی اسرائیل کی اس بات پر رشک کیا تھا کہ جب کوئی شخص ان میں سے گناہ کرتا تو اس کے دروازہ پر وہ گناہ لکھا ہوا ہوتا اور اس کا کفارہ بھی کہ فلاں کام اس گناہ کے کفارہ میں کیا جائے، مثلاً ناک کاٹ دی جائے کان کاٹ دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ ان حضرات کو اس پر رشک تھا کہ کفّارہ ادا کرنے سے اس گناہ کے زائل ہو جانے کا یقین تھا اور گناہ کی اَہمیت ان حضرات کی نگاہ میں اتنی سخت تھی کہ اس قسم کی سزاؤں کو بھی اس کے مُقابلہ میں ہلکا اور قابلِ رشک سمجھتے تھے۔ ان حضرات کے جو واقعات حدیث کی کتابوں میں آتے ہیں وہ واقعی ایسے ہی ہیں کہ بشریّت سے کسی گناہ کے سرزد ہو جانے کے بعد اس کی ہیبت اور اَہمیّت ان پر بہت زیادہ مُسلّط ہو جاتی۔ مرد تو مرد تھے ہی، عورتوں میں بھی یہی جذبہ تھا۔ ایک عورت سے زِنا صادر ہو گیا، خود حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، خود اعترافِ جرم کیا، اور گناہ سے پاک ہونے کے شوق میں اپنے آپکو سنگسار ہونے کے لیے پیش کیا اور سنگسار ہو گئیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ گناہ کی ہیبت ان کے دِل میں اس مرنے سے بہت زیادہ تھی۔

نماز پڑھتے ہوئے حضرت اَبُو طلحہؓ کے دِل میں اپنے باغ کا خیال گذر گیا۔ اس کو اللہ کے راستے میں صدقہ کر کے چین پڑی۔ محض اس غیرت میں کہ نماز میں دُنیا کی چیز کا خیال آگیا۔ ایسی چیز جو نماز میں اپنی طرف مُتوجّہ کرے اپنے پاس نہیں رکھنی۔ ایک اور انصاریؓ کے ساتھ بھی اس قِسم کا قِصّہ گذرا کہ کھجوریں شباب پر آ رہی تھیں، نماز میں ان کا خیال آگیا (کہ کیسی پک رہی ہیں)۔ حضرت عُثمانؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، ان کی خدمت میں حاضر ہو کر باغ کا قصّہ ذکر کر کے ان کے حوالہ کر دیا۔ جس کو انہوں نے پچاس ہزار میں فروخت کر کے اس کی قیمت دینی کاموں میں خرچ کر دی۔ حضرت اَبُوبکر صِدّیقؓ نے ایک مُشتبہ لقمہ ایک مرتبہ غلطی سے کھا لیا، بار بار پانی پی پی کر قے کی کہ وُہ ناجائز لقمہ بدن کا جز نہ بن جائے۔ بہت سے واقعات ان حضرات کے اپنے رسالہ "حکایاتِ صحابہ" میں لکھ چکا ہوں۔ ایسی حالت میں ان حضرات کو اگر اس پر رشک ہو کہ بنو اسرائیل کے گناہوں کا کفّارہ ان کو معلوم ہو جاتا تھا اور اس سے گناہ زائل ہو جاتا تھا بے محل نہیں۔ ہم نا اہلوں کا ذہن

بھی یہاں تک نہیں پہنچتا کہ گناہ اس قدر سخت چیز ہے۔ غرض ان حضرات کے اس رشک پر اللہ جل شانہ نے اپنے لطف و کرم اور اپنے محبوب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر فضل و انعام کیوجہ سے یہ آیت شریفہ نازل فرمائی کہ ایسے نیک کاموں کی طرف دوڑو جن سے اللہ جل شانہ کی مغفرت مُیسّر ہو جائے۔ حضرت سعید بن جُبیرؒ اس آیت شریفہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نیک اعمال کے ذریعہ سے اللہ کی مغفرت کی طرف سبقت کرو اور ایسی جنت کی طرف سبقت کرو جس کی وُسعت اتنی ہے کہ ساتوں آسمان برابر برابر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے جائیں جیسا کہ ایک کپڑا دوسرے کے برابر جوڑ دیا جاتا ہے اور اسی طرح ساتوں زمینیں ایک دوسرے کیساتھ جوڑ دی جائیں تو جنت کی وسعت ان کے برابر ہو گی۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک دوسرے کے برابر جوڑ دی جائیں تو جنت کی چوڑائی ان کے برابر ہو گی۔

حضرت ابن عباسؓ کے غلام حضرت کُریبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباسؓ نے تورات کے ایک عالم کے پاس بھیجا اور ان کی کتابوں سے جنت کی وُسعت کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کے صحیفے نکالے اور ان کو دیکھ کر بتایا کہ جنت کی چوڑائی اتنی ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دی جائیں تو اس کے برابر ہوں۔ یہ تو چوڑائی ہے اور اس کی لمبائی کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو ایسی جنت کی طرف بڑھو جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین ہیں۔ حضرت عُمیر بن حمام انصاریؓ نے (تعجب سے) عرض کیا یا رسول اللہ ایسی جنت جس کی چوڑائی اتنی زیادہ ہے؟ حضورؐ نے فرمایا بیشک۔ حضرت عُمیرؓ نے عرض کیا۔ واہ واہ یا رسول اللہ۔ بخدا کی قسم میں اس میں داخل ہونے والوں میں ضرور ہوں گا۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں ہاں تم اس میں جانے والوں میں ہو۔ اس کے بعد حضرت عُمیرؓ نے چند کھجوریں اونٹ کے ہودج میں سے نکال کر کھانا شروع کیں (کہ لڑنے کی طاقت پیدا ہو) پھر کہنے لگے کہ ان کھجوروں کے کھا چکنے کا انتظار تو بڑی لمبی زندگی ہے یہ کہہ کر ان کو پھینک کر لڑائی کی جگہ چل دیئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔[1]

اس آیت شریفہ میں مؤمنین کی ایک خاص مدح اور تعریف یہ بھی ذکر کی گئی کہ غصہ کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے۔ یہ بڑی اُونچی اور خاص صفت ہے۔ علماء نے لکھا ہے، کہ جب تیرے بھائی سے لغزش ہو جائے تو اس کے لئے ستر عذر پیدا کر اور پھر اپنے دل کو سمجھا کہ اس کے پاس اتنے عذر

[1] درمنثور

ہیں اور جب تیرا دل ان کو قبول نہ کرے تو بجائے اس شخص کے، اپنے دل کو ملامت کر کہ تجھ میں کس قدر قساوت اور سختی ہے کہ تیرا بھائی ستّر عذر کر رہا ہے اور تو ان کو قبول نہیں کرتا، اور اگر تیرا بھائی کوئی عذر کرے تو اس کو قبول کر، اس لئے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی عذر کرے اور وہ قبول نہ کرے تو اس پر اتنا گناہ ہوتا ہے جتنا چنگی کے محرّر کو۔ حضورؐ نے مومن کی یہ صفت بتائی ہے کہ جلدی غصہ آجائے اور جلدی ہی زائل ہو جائے، یہ نہیں فرمایا کہ غصہ نہ آتا ہو بلکہ یہ فرمایا کہ جلدی زائل ہو جاتا ہو۔

امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ جس کو غصہ کی بات پر غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے اور جو راضی کرنے پر راضی نہ ہو وہ شیطان ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے غصہ کو پینے والے فرمایا یہ نہیں فرمایا کہ ان کو غصہ نہ آتا ہو (احیاء) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایسی حالت میں غصہ کو پی لے کہ اس کو پورا کرنے پر قادر ہو تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو امن اور ایمان سے بھرپور کرتے ہیں (درمنثور) یعنی مجبوری کا نام صبر تو ہر جگہ ہوتا ہے، کمال یہ ہے کہ قدرت کے باوجود صبر کرے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی غصہ کا گھونٹ پی ڈالے، اس سے زیادہ پسندیدہ کوئی گھونٹ اللہ کے نزدیک نہیں ہے۔ جو اس گھونٹ کو پی لے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے باطن کو ایمان سے بھر دیتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص قدرت کے باوجود غصہ پی جائے اللہ تعالیٰ قیامت میں ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر فرمائیں گے کہ جس حور کو دل چاہے انتخاب کرلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہادر وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے، بہادر وہ ہے جو غصہ میں اپنے اوپر قابو پالے۔ حضرت علیؓ بن امام حسینؓ کی ایک باندی ان کو وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا ہاتھ سے گرا جس سے ان کا منہ زخمی ہو گیا۔ انہوں نے تیز نگاہ سے باندی کو دیکھا۔ وہ کہنے لگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے اپنا غصہ پی لیا۔ اس نے پھر پڑھا وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ۔ آپ نے فرمایا تجھے اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ اس نے پھر پڑھا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ آپؓ نے فرمایا تو آزاد ہے۔ (درمنثور)

ایک مرتبہ ایک مہمان کے لئے ان کا غلام گرم گرم گوشت کا پیالہ بھرا ہوا لا رہا تھا۔ وہ ان کے چھوٹے بچے کے سر پر گر گیا۔ وہ مر گیا۔ آپ نے غلام سے فرمایا کہ تو آزاد ہے، اور خود بچے کی تجہیز و تکفین میں لگ گئے۔[1]

(۱۳) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا

بس ایمان والے تو وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ جل شانہٗ کا ذکر آجائے تو ان کے

[1] (روض)

تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (انفال ع ۱)

کی عظمت کے خیال سے) ان کے دِل ڈر جائیں۔ اور جب اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی آیتیں اُن کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے ربّ ہی پر توکّل کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (اللہ کے واسطے) خرچ کرتے ہیں۔ بس یہی ہیں سچے ایمان والے، ان کے لئے بڑے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور ان کے لئے مغفرت ہے اور ان کے لئے عزت کی روزی ہے۔

ف : حضرت اَبُو الدَّرداءؓ فرماتے ہیں کہ دِل کا ڈر جانا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ کھجور کے خشک پتّوں میں آگ لگ جانا اس کے بعد اپنے شاگرد شہر بن حَوشَب کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے شہر تم بدن کی کپکپی نہیں جانتے۔ انہوں نے عرض کیا، جانتا ہوں۔ فرمایا۔ اس وقت دُعا کیا کرو۔ اس وقت کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت ثابت بُنانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ میری کونسی دُعا قبول ہوئی اور کونسی نہیں ہوئی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کس طرح معلوم ہو جاتا ہے؟ فرمایا کہ جس وقت میرے بدن پر کپکپی آجائے اور دِل خوف زدہ ہو جائے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں، اس وقت کی دُعا مقبول ہوتی ہے۔ حضرت سُدّیؒ فرماتے ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذِکر آجائے" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر ظلم کا ارادہ کرے یا کسی اور گناہ کا قصد کرے اور اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر، تو اس کے دِل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے۔ حارث بن مالک انصاریؓ ایک صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ حارثؓ کیا حال ہے؟ عرض کیا، یارسُولَ اللہ میں بیشک سچا مومن بن گیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ سوچ کر کہو، کیا کہتے ہو؟ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ (یعنی تم نے کس بات کی وجہ سے یہ طے کر لیا کہ میں سچا مومن بن گیا) عرض کیا کہ میں نے اپنے نفس کو دُنیا سے پھیر لیا۔ رات کو جاگتا ہوں، دن کو پیاسا رہتا ہوں (یعنی روزہ رکھتا ہوں) اور جنت والوں کی آپس کی ملاقاتوں کا منظر میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور جہنم والوں کے شور وشغب اور واویلا کا نظارہ بھی آنکھوں کے سامنے ہے (یعنی دوزخ جنت کا تصور ہر وقت رہتا ہے) حضورؐ نے

فرمایا حارث، بیشک تم نے دُنیا سے اپنے نفس کو پھیر لیا، اِس کو مضبوط پکڑے رہو، تین مرتبہ حضورؐ نے یہی فرمایا۔ (دُرِّ منثور) اور ظاہر بات ہے کہ جس شخص کے سامنے ہر وقت دوزخ اور جنت کا منظر رہے گا وُہ دُنیا میں کہاں پھنس سکتا ہے۔

(۱۴) وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○ (انفال ع ۸)

اور جو کچھ تم اللہ کے راستہ میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا۔

ف: جن آیات اور احادیث میں ثواب بڑھا کر ملنے کا بیان ہے وہ اس کے مُنافی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان اعمال میں کسی قسم کی کمی نہیں ہو گی۔ باقی ثواب کی مقدار کیا ہو گی، وہ موقع کی ضرورت خرچ کرنے والے کی نیت، اور حالات کے اعتبار سے جتنی بھی بڑھ جائے یہ تو آخرت کے اعتبار سے ہے۔ اور بسا اوقات دُنیا میں بھی اس کا پورا بدل ملتا ہے، جیسا کہ دوسری آیات اور احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ آیات کے ذیل میں نمبر ۲ پر اور احادیث کے ذیل میں نمبر ۸ پر آ رہا ہے اور اس لحاظ سے اگر آیت شریفہ میں اس طرف اشارہ ہو تو بعید نہیں۔

(۱۵) قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ○ (ابراہیم ع ۵)

جو میرے خاص ایمان والے بندے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز کو قائم رکھیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے رہیں پوشیدہ طور سے بھی اور اعلانیہ بھی، ایسے دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی نہ دوستی ہو گی۔

ف: "پوشیدہ طور سے بھی اور علانیہ بھی" یعنی جس وقت جس قسم کا صدقہ مناسب ہو کہ حالات کے اعتبار سے دونوں قسموں کی ضرورت ہوتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کہ فرض صدقات بھی جن کا علانیہ ادا کرنا اولیٰ ہے اور نوافل بھی جن کا اِخفاء اولیٰ ہے جیسا کہ آیت شریفہ نمبر ۹ کے ذیل میں گذرا اور اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے جیسا کہ آیت شریفہ نمبر ۶ میں گذرا، اور نماز قائم رکھنا، سب سے پہلی آیت شریفہ میں گذر چکا ہے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے خطبہ پڑھا۔ اس میں فرمایا لوگو مرنے سے پہلے پہلے توبہ کر لو (ایسا نہ ہو کہ موت آ جائے اور توبہ رہ جائے) اور مشاغل کی کثرت سے پہلے

پہلے نیک اعمال کرلو (ایسا نہ ہو کہ پھر مشغلوں کی کثرت سے وقت نہ ملے) اور اپنا اور اپنے رب کا تعلق مضبوط کرلو۔ اسکی یاد کی کثرت کیساتھ اور مخفی اور علانیہ صدقہ کی کثرت کے ذریعہ سے، کہ اس کی وجہ سے تمہیں رزق بھی دیا جائے گا، تمہاری مدد بھی ہوگی، تمہاری شکستہ حالی بھی دُور ہوگی۔ (ترغیب)

(۱۶) وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (سورۃ حج ۔ ع ۵)

آپ خوشخبری دیجئے ان عاجزی کرنے والے مسلمانوں کو جو ایسے ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو مصیبتیں ان پر پڑتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھنے والے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اُس سے خرچ کرتے ہیں۔

ف: مُخْبِتِیْن جس کا ترجمہ عاجزی کرنیوالوں کا کیا گیا ہے، اس کے ترجمہ میں علماء کے کئی قول ہیں۔ اس کا اصل ترجمہ پستی کی طرف جانے والوں کا ہے۔ بعض علماء نے اس کا ترجمہ احکامِ الٰہیہ کے سامنے گردن جھکا دینے والوں کا کیا ہے کہ وہ بھی گردن کو نیچے کی طرف لے جاتے ہیں۔ بعض نے تواضع کرنے والوں کا کیا ہے کہ وہ تو گردن جھکانے والے ہر وقت ہی ہیں۔ حضرت مُجاہدؒ نے اس کا ترجمہ مُطْمَئِن لوگوں سے کیا ہے۔ عَمرو بن اَوسؒ فرماتے ہیں کہ مُخْبِتِیْن وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہ کریں اور اگر ان پر ظلم کیا جائے تو وہ بدلہ نہ لیں۔ ضحّاکؒ کہتے ہیں کہ مُخْبِتِیْن متواضع لوگ ہیں۔ حضرت عَبْدُاللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا گیا کہ وہ جب حضرت ربیعؒ بن خُثیمؒ کو دیکھتے تو فرماتے کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں، مجھے مُخْبِتِیْن یاد آجاتے ہیں۔

(۱۷) وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ ۙ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ (مؤمنون ۔ ع ۴)

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں، جو کچھ دیتے ہیں اور اس پر بھی ان کے دل اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس جانیوالے ہیں، یہی لوگ ہیں جو نیکیوں میں دوڑنے والے ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

ف: یعنی باوجود اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ دیکھئے اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں ان نیکیوں کا کیا حشر ہو، قبول ہوتی ہیں یا نہیں۔ یہ حق تعالےٰ شانہٗ کی غایت عظمت اور علوِ مرتبہ کی وجہ سے ہے، جو شخص جتنا اونچے مرتبہ کا ہوتا ہے اتنا اس کا خوف غالب ہوتا ہے۔ بالخصوص اس

شخص کے لئے جس کے دل میں واقعی عظمت ہو، نیز وہ اس سے بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ اس کے خرچ کرنے میں نیت بھی ہماری خالص ہے یا نہیں۔ بسا اوقات نفس اور شیطان کے مکر کی وجہ سے آدمی کسی چیز کو نیکی سمجھتا رہتا ہے اور وہ نیکی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ سورۂ کہف کے آخری رکوع میں ارشاد ہے:۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ (سورہ مریم ۱۲ ع)

آپ کہہ دیجئے کہ ہم تم کو ایسے آدمی بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا میں گئی گذری ہوگئیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔

ف: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مومن نیکیاں کر کے ڈرتا ہے اور منافق برائیاں کر کے بے خوف ہوتا ہے۔ "فضائل حج" میں متعدد واقعات اس قسم کے ذکر ہو چکے ہیں کہ جن کے دلوں میں حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت اور جلال کامل درجہ کا ہوتا ہے وہ زبان سے لبیک کہتے ہوئے اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ مردود نہ ہو جائے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ یا رسول اللہ! اَلَّذِينَ يُؤْتُونَ الآیۃ یہ آیت شریفہ ان لوگوں کے بارہ میں ہے کہ ایک آدمی چوری کرتا ہے، زنا کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور دوسرے گناہ کرتا ہے اور اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کو اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے (یعنی اس کو اپنے گناہوں کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ کے حضور میں پیش ہونے کا ڈر ہوتا ہے کہ وہاں جا کر کیا منہ دکھائے گا)۔ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ایک آدمی روزہ رکھتا ہے، صدقہ دیتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور وہ اس کے باوجود اس سے ڈرتا ہے کہ وہ قبول نہ ہو۔

دوسری حدیث میں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ، یہ وہ لوگ ہیں جو خطائیں کرتے ہیں، گناہ کرتے ہیں اور وہ ڈرتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، صدقے دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ وہ لوگ اعمال کرتے ہیں ڈرتے ہوئے۔ سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ وہ صدقات دیتے ہیں اور قیامت میں اللہ جل شانہٗ کے سامنے کھڑے ہونے سے اور حساب کی سختی سے ڈرتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ سے نقل کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نیک عمل کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان اعمال

کی وجہ سے بھی عذاب سے نجات نہ ملے۔ (درمنثور)

حضرت زین العابدین علی بن حسینؓ جب وضو کرتے تو چہرہ کا رنگ زرد ہو جاتا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تو بدن پر کپکپی آجاتی۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا۔ جانتے بھی ہو کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔ (روض) "فضائل نماز" میں متعدد واقعات اس قسم کے ذکر کیے گئے اور "حکایات صحابہؓ" کا ایک باب مستقل اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ڈرنے والوں کے بیان میں ہے۔

(۱۸) وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (سورۂ نور۔ ع ۳)

اور جو لوگ تم میں (دین کے اعتبار سے) بزرگی والے (اور دنیا کے اعتبار سے) وسعت والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں گے اور ان کو یہ چاہیئے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کردیں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصوروں کو معاف کر دے (پس تم بھی اپنے قصور داروں کو معاف کر دو) بیشک اللہ تعالیٰ غَفُورٌ رَّحِیم ہے۔

ف: ۶ھ میں غزوہ بنی المصطلق کے نام سے ایک جہاد ہوا ہے۔ جس میں حضرت عائشہؓ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا۔ اس پر ہودج تھا یہ اپنے ہودج میں رہتی تھیں۔ جب چلنے کا وقت ہوتا، چند آدمی ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیتے۔ بہت ہلکا پھلکا بدن تھا۔ اٹھانے والوں کو اس کا احساس بھی نہ ہوتا تھا کہ اس میں کوئی ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ جب چار آدمی مل کر ہودج کو اٹھائیں، اس میں ایک کمسن ہلکی پھلکی عورت کے وزن کا کیا پتہ چل سکتا ہے۔ حسب معمول ایک منزل پر قافلہ اترا ہوا تھا۔ جب روانگی کا وقت ہوا تو لوگوں نے ان کے ہودج کو باندھ دیا۔ یہ اسوقت استنجے کے لئے تشریف لے گئی تھیں۔ واپس آئیں تو دیکھا کہ ہار نہیں ہے جو پہن رہی تھیں۔ یہ اس کو تلاش کرنے چلی گئیں۔ پیچھے یہاں قافلہ روانہ ہو گیا۔ یہ تنہا اس جنگل میں کھڑی رہ گئیں۔ انہوں نے خیال فرمایا کہ جب راستہ میں حضورؐ کو میرے نہ ہونے کا علم ہوگا تو آدمی تلاش کرنے اسی جگہ آئے گا۔ وہیں بیٹھ گئیں اور جب نیند کا غلبہ ہوا تو سو گئیں۔ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے طمانیت قلب تو حق تعالیٰ شانہٗ نے ان سب حضرات کو کمال درجہ کی عطا فرما رکھی تھی آج کل کی کوئی عورت

ہوتی تو تنہا جنگل بیابان میں رات کو نیند آنے کا تو ذکر ہی کیا، خوف کی وجہ سے رو کر چلّا کر صبح کر دیتی۔

حضرت صفوان بن مُعطّل رضی اللہ عنہ ایک بزرگ صحابی تھے جو قافلے کے پیچھے اس لئے رہا کرتے کہ راستہ میں گری پڑی چیز کی خبر رکھا کریں۔ وُہ صبح کے وقت جب اس جگہ پہنچے تو ایک آدمی کو پڑا دیکھا اور چونکہ پردہ کے نازل ہونے سے پہلے حضرت عائشہ رضؓ کو دیکھا تھا اس لئے ان کو یہاں پڑا دیکھ کر پہچان لیا اور زور سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ ان کی آواز سے ان کی آنکھ کُھلی اور منہ ڈھانک لیا۔ انہوں نے اپنا اُونٹ بٹھایا، یہ اس پر سوار ہو گئیں اور وُہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر لے گئے اور قافلہ میں پہنچا دیا۔ عبد اللہ بن اُبی جو منافقوں کا سردار اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا، اس کو تہمت لگانے کا موقع مل گیا اور خوب اس کی شہرت کی۔ اس کے ساتھ بعض بھولے مسلمان بھی اس تذکرے میں شامل ہو گئے اور اللہ کی قدرت اور شان کہ ایک ماہ تک یہ ذکر تذکرے ہوتے رہے۔ لوگوں میں کثرت سے اس واقعہ کا چرچا ہوتا رہا اور کوئی وحی وغیرہ حضرت عائشہ رضؓ کی براءت کی نازل نہ ہوئی۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور مسلمانوں کو اس حادثہ کا سخت صدمہ تھا، اور جتنا بھی صدمہ ہونا چاہیے تھا وُہ ظاہر ہے۔ حضورؐ مردوں سے اور عورتوں سے اس بارے میں مشورہ فرماتے تھے، احوال کی تحقیق فرماتے تھے مگر یکسوئی کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ ایک ماہ کے بعد سورۂ نُور کا مستقل ایک رکوع قرآن پاک میں حضرت عائشہ رضؓ کی براءت میں نازل ہوا، اور اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے ان لوگوں پر سخت عتاب ہوا جنہوں نے بے دلیل، بے ثبوت اس تہمت کو شائع کیا تھا۔ اس واقعہ کو شہرت دینے والوں میں حضرت مسطح رضؓ ایک صحابی بھی تھے جو حضرت ابُوبکر صدّیق رضؓ کے رشتہ دار تھے اور حضرت ابوبکر رضؓ ان کی خبر گیری اور اعانت فرمایا کرتے تھے۔

اس تہمت کے قصّہ میں ان کی شرکت سے حضرت اُبُوبکر رضؓ کو رنج ہوا، اور ہونا بھی چاہیئے تھا کہ انہوں نے اپنے ہو کر بے تحقیق اس بات کو پھیلایا۔ اس رنج میں حضرت اُبُوبکر صدّیق رضؓ نے قسم کھائی کہ مسطح رضؓ کی اعانت نہ کریں گے۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی جو اوپر لکھی گئی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدّیق اکبر رضؓ کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ رضؓ نے بھی ایسے لوگوں کی اعانت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا جنہوں نے اس تہمت کے واقعہ میں زیادہ حصّہ لیا تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ مسطح رضؓ نے اس میں بہت زیادہ حصّہ لیا اور حضرت ابوبکر رضؓ کے رشتہ دار تھے، انہیں کی پرورش میں رہتے تھے۔ جب براءت نازل ہوئی تو حضرت ابُوبکر رضؓ نے قسم کھائی کہ ان پر خرچ نہ کریں گے۔ اس پر یہ آیت وَلَا یَأْتَلِ نازل ہوئی اور آیتِ شریفہ کے نازل

ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اپنی پرورش میں پھر لے لیا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اس آیتِ شریفہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جتنا پہلے سے خرچ کرتے تھے اس کا دوچند کر دیا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دو یتیم تھے جو حضرت ابوبکرؓ کی پرورش میں تھے جن میں سے ایک مسطحؓ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دونوں کا نفقہ بند کرنے کی قسم کھالی تھی۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ میں کئی آدمی ایسے تھے جنہوں نے حضرت عائشہؓ کے اوپر بہتان میں حصّہ لیا، جس کی وجہ سے بہت سے صحابہ کرامؓ جن میں حضرت ابوبکرؓ بھی ہیں ایسے تھے جنہوں نے قسم کھالی تھی کہ جن لوگوں نے اس بہتان کی اشاعت میں حصّہ لیا، ان پر خرچ نہ کریں گے۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی کہ بزرگی والے اور وسعت والے حضرات اس کی قسم نہ کھائیں کہ وہ صلہ رحمی نہ کریں گے اور جس طرح پہلے خرچ کرتے تھے اسی طرح خرچ نہ کریں گے۔ (درمنثور) کس قدر مجاہدہ عظیم ہے کہ ایک شخص کسی کی بیٹی کی آبروریزی میں جھوٹی باتیں کہتا پھرے اور پھر وہ اس کی اعانت اسی طرح کرے جس طرح پہلے سے کرتا تھا بلکہ اس سے بھی دوچند کر دے۔

(۱۹) تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (سورہ سجدہ رکوع ۲)

رات کو ان کے پہلو بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں اس طرح کہ وہ لوگ اپنے رب کو (عذاب کے) خوف سے اور (ثواب کی) امید میں پکارتے رہتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے رہتے ہیں پس کوئی نہیں جانتا کہ ایسے لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان خزانۂ غیب میں موجود ہے۔ یہ بدلہ ہے ان کے نیک اعمال کا۔

ف: "رات کو ان کے پہلو بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں" کے متعلق علمائے تفسیر کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مغرب عشاء کا درمیان مراد ہے۔ بہت سے آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے کہ یہ آیتِ شریفہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ ہم انصار کی جماعت مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے گھر واپس نہ ہوتے تھے اس وقت تک کہ حضورؐ کے ساتھ عشاء کی نماز نہ پڑھ لیں۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں حضرت انسؓ ہی سے نقل کیا گیا کہ مہاجرین صحابہؓ کی ایک جماعت کا معمول یہ تھا کہ وہ مغرب کے بعد سے عشاء تک نوافل پڑھا کرتے۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ حضرت

بلال رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مغرب کے بعد بیٹھے رہتے اور صحابہؓ کی ایک جماعت مغرب سے عشاء تک نماز پڑھتی تھی، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ عبداللہ بن عیسیٰ رضؓ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ انصار کی ایک جماعت مغرب سے عشاء تک نوافل پڑھتی تھی، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے تہجد کی نماز مراد ہے۔

حضرت معاذ رضؓ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس سے رات کا قیام مراد ہے۔ ایک حدیث میں مجاہدؒ سے نقل کیا گیا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے قیام کا ذکر فرمایا اور حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ فرماتے ہیں تورات میں لکھا ہے کہ جن لوگوں کے پہلو رات کو بستروں سے دور رہتے ہیں، ان کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا، اور نہ کسی آدمی کے دل پر ان کا وسوسہ بھی پیدا ہوا، نہ ان کو کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے، نہ کوئی نبی رسول، اور اس کا ذکر قرآن پاک کی اس آیت شریفہ میں ہے۔

(حضرت ابوہریرہ رضؓ بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا، نہ کسی کے دل پر ان کا وسوسہ گذرا۔ روض الریاحین وغیرہ میں سینکڑوں واقعات ایسے لوگوں کے مذکور ہیں جو ساری رات مولا کی یاد میں رو رو کر گذار دیتے تھے (حضرت امام ابوحنیفہؒ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا ایسی معروف چیز ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں اور ماہِ مبارک میں دو قرآن شریف روزانہ ایک دن کا ایک رات کا ختم کرنا بھی معروف ہے۔)

(حضرت عثمانؓ کا ساری رات جاگنا اور ایک رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھ لینا بھی مشہور واقعہ ہے) حضرت عمر رضؓ لبسا اوقات عشاء کی نماز پڑھ کر گھر میں تشریف لے جاتے اور گھر جا کر نماز شروع کر دیتے اور نماز پڑھتے پڑھتے صبح کر دیتے۔ حضرت تمیم داری رضؓ مشہور صحابی ہیں، ایک رکعت میں تمام قرآن شریف پڑھنا اور کبھی ایک ہی آیت کو صبح تک بار بار پڑھتے رہنا ان کا معمول تھا۔ حضرت شداد بن اوس رضؓ سونے کے لئے لیٹتے اور ادھر ادھر کروٹیں بدل کر یہ کہہ کر کھڑے ہو جاتے کہ یا اللہ جہنم کے خوف نے میری نیند اڑا دی۔ اور صبح تک نماز پڑھتے رہتے حضرت عمیرؒ ایک ہزار رکعت نفل اور ایک لاکھ مرتبہ تسبیح روزانہ پڑھتے۔

حضرت اُویس قرنی مشہور تابعی ہیں، حضورؐ نے بھی ان کی تعریف فرمائی اور ان سے دُعا کرانے کی لوگوں کو ترغیب دی۔ کسی رات کو فرماتے کہ آج کی رات رکوع کرنے کی ہے اور ساری رات رکوع میں گذار دیتے۔ کسی رات فرماتے کہ آج کی رات سجدہ کی ہے اور ساری رات سجدہ میں گذار دیتے (اقامۃ الحجۃ) غرض ان حضرات کے واقعات رات بھر مالک کی یاد میں محبوب کی تڑپ میں گذار دینے کے اتنے کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ ناممکن ہے۔ یہی حضرات حقیقتاً اس شعر کے مصداق تھے ؎

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں — ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا

کاش حق تعالیٰ شانہٗ، ان حضرات کے جذبات کا ذرا سا سایہ اس ناپاک پر بھی ڈال دیتا۔

(۲۰) قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ○

(سورۂ سبا۔ رکوع ۵)

(آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے روزی کی وسعت عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے روزی کی تنگی دیتا ہے اور جو کچھ تم (اللہ کے راستے میں) خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا کرے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔)

ف: یعنی تنگی اور فراخی اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہے۔ تمہارے خرچ کو روکنے سے فراخی نہیں ہوتی اور خرچ زیادہ کرنے سے تنگی نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے راستہ میں جو خرچ کیا جائے اس کا بدلہ آخرت میں تو ملتا ہی ہے دنیا میں بھی اکثر اس کا بدل ملتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اللہ جل شانہٗ کا یہ ارشاد نقل کیا۔ میرے بندوں نے تم کو اپنے فضل سے عطا کیا اور تم سے قرض مانگا۔ پس جو شخص مجھے اپنی خوشی اور رضا و رغبت سے دیگا میں اس کا بدل دنیا میں جلدی دونگا اور آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ بنا کر رکھوں گا، اور جو خوشی سے نہ دے گا بلکہ اس سے میں اپنی دی ہوئی چیز جبراً واپس لے لوں گا اور وہ اس پر صبر کرے گا اور ثواب کی امید رکھے گا، اس کے لئے میں اپنی رحمت واجب کر دوں گا اور اس کو ہدایت یافتہ لوگوں میں لکھوں گا اور اس کیلئے اپنے دیدار کو مباح کر دوں گا۔

کس قدر حق تعالیٰ شانہٗ کا احسان ہے کہ اپنی خوشی سے نہ دینے کی صورت میں بھی اگر بندہ جبر سے لئے جانے میں بھی صبر کرے تو اس کے لئے بھی اجر فرما دیا حالانکہ جب وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عطا کی ہوئی چیز خوشی سے واپس نہیں کرتا، جبراً اس سے لی جاتی ہے۔ تو پھر اجر کا کیا مطلب لیکن حق تعالیٰ

شانہٗ کے احسانات کا کوئی شمار ہو سکتا ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت شریفہ کے بارے میں فرمایا کہ تم جو کچھ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو بغیر اسراف کے اور بغیر کنجوسی کے، وہ سب اللہ کے راستہ میں ہے۔ حضرت جابرؓ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آدمی جو کچھ شرعی نفقہ میں خرچ کرے اللہ تعالیٰ کے ذمہ اس کا بدل ہے بجز اس کے کہ جو تعمیر میں خرچ کیا ہو یا معصیت میں۔ حضرت جابرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ہر احسان صدقہ ہے اور جو کچھ آدمی اپنے نفس پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے وہ صدقہ ہے اور جو کچھ اپنی آبرو کی حفاظت میں خرچ کرے وہ صدقہ ہے، اور مسلمان جو کچھ (شریعت کے موافق) خرچ کرتا ہے اللہ جل شانہٗ اس کے بدل کے ذمہ دار ہیں مگر وہ خرچ جو گناہ میں ہو یا تعمیر میں۔

حکیم ترمذیؒ نے حضرت زبیرؓ سے ایک مفصل قصہ نقل کیا جو احادیث کے ذیل میں ۱۲ پر مفصل آرہا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے درِ منثور میں اس کو حکیم ترمذیؒ کی روایت سے مفصل نقل کیا ہے لیکن خود انہوں نے لآلی المصنوعۃ میں اس کو بہت مختصر طور پر ابن عدی کی روایات سے موضوعات میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ روزانہ صبح کو دو فرشتے حق تعالیٰ شانہٗ سے دعا کرتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے، اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما۔ دوسرا عرض کرتا ہے اے اللہ روک کے رکھنے والے کے مال کو ہلاک کر۔ احادیث کے ذیل میں یہ حدیث ۲ پر آرہی ہے، اور تجربہ میں بھی اکثر آیا ہے کہ جو حضرات سخاوت کرتے ہیں اللہ جل شانہٗ کے دربار سے فتوحات کا دروازہ ان کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے، اور جو لوگ کنجوسی سے جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں، اکثر کوئی سماوی آفت بیماری، مقدمہ، چوری وغیرہ ایسی چیز پیش آجاتی ہے جس سے برسوں کا اندوختہ دنوں میں ضائع ہو جاتا ہے اور اگر کسی کے دوسرے نیک اعمال کی برکت سے اور اس کی نیک نیتی سے اس پر کوئی ایسا خرچ نہیں پڑتا تو نالائق اولاد باپ کے اندوختہ کو جو اس کی عمر بھر کی کمائی تھی مہینوں میں برابر کر دیتی ہے۔

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خوب خرچ کیا کر اور گن گن کر مت رکھ کہ اللہ جل شانہٗ تجھے بھی گن گن کر عطا کرے گا، اور جمع کر کے مت رکھ کہ اللہ جل شانہٗ تجھ سے بھی جمع کر کے رکھنے لگے گا۔ عطا کر جتنا تجھ سے ہو سکے۔ (مشکوٰۃ بروایۃ الشیخین)

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کے پاس

___________ ایک ڈھیری کھجوروں کی رکھی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، کہ آئندہ کی ضرورت کے لئے رکھ لیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اس کا دھواں جہنّم کی آگ میں دیکھو، بلال خوب خرچ کرو اور عرش کے مالک سے کمی کا خوف نہ کرو۔ (مشکوٰۃ) یہاں ضرورت کے درجہ میں بھی آئندہ کے لئے ذخیرہ رکھنے پر عتاب ہے اور جہنّم کا دھواں دیکھنے کی وعید ہے۔

حضرت بلالؓ کی شایانِ شان یہی چیز تھی اس لیے کہ یہ ان عالی مرتبہ لوگوں میں ہیں جن کے لئے حضورؐ اس کو گوارا نہ فرماسکتے تھے کہ ان کو کل کا فکر ہو اور ان کو اپنے مالک پر اس کا پورا وثوق نہ ہو کہ جس نے آج دیا وہ کل کو بھی دے گا۔ ہر شخص کی ایک شان اور اس کا ایک مرتبہ ہوا کرتا ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْنَ مشہور مقولہ ہے کہ عامی نیک لوگوں کے لیے جو چیزیں نیکیاں ہیں، مقرّب لوگوں کی شان میں وہ بھی کوتاہیاں شمار ہو جاتی ہیں۔ بہت سے واقعات اِس کی نظیریں ہیں۔ بہر حال مال رکھنے کے واسطے ہرگز نہیں، جمع کرنے کی چیز بالکل نہیں ہے، یہ صرف خرچ کرنے کے واسطے پیدا ہوا ہے۔ اپنی ذات پر کم سے کم اور دوسروں پر زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا اس کا فائدہ ہے، لیکن یہ بات نہایت ہی اہم اور ضروری ہے، کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سارا مدار نیّت ہی پر ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ مشہور حدیث ہے کہ اعمال کا مدار نیّت ہی پر ہے۔ جہاں نیک نیّتی ہو، محض اللہ کے واسطے خرچ کرتا ہو، چاہے اپنے نفس پر ہو چاہے اہل و عیال پر، چاہے اقرباء پر، چاہے اغیار پر، وہ برکات اور ثمرات لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور جہاں بدنیّتی ہو، شہرت اور عزت مقصود ہو، نیک نامی اور دوسری اغراض مل گئی ہوں وہاں نیکی برباد گناہ لازم ہو جاتا ہے وہاں برکت کا سوال ہی نہیں رہتا۔

(۲۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ ۙ لِیُوَفِّیَھُمْ اُجُوْرَھُمْ وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ط اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ ۝ (سورہ فاطر۔ رکوع ۴)

جو لوگ قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے اُمیدوار ہیں جس میں گھاٹا نہیں ہے اور یہ اس لئے تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کو ان کے اعمال کی اُجرتیں بھی پوری پوری عطا کرے اور اس کے علاوہ اپنے فضل سے (بطور انعام کے) اور زیادہ عطا کرے۔ بیشک وہ بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔

ف: حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ "ایسی تجارت سے جس میں گھاٹا نہیں" جنت مراد ہے جو نہ کبھی برباد ہوگی نہ خراب ہوگی۔ اور اپنے "فضل سے زیادتی" سے مراد وہ ہے جس کو (قرآن پاک میں) وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ سے تعبیر کیا ہے۔ (درمنثور) یہ آیت جس کی طرف حضرت قتادہؒ نے اشارہ کیا ہے، سورۂ قٓ کی آیت ہے جس میں اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝ ان (جنت والوں) کے لئے جنت میں ہر وہ چیز موجود ہوگی جس کی یہ خواہش کریں گے اور (ان کی چاہی ہوئی چیزوں کے علاوہ) ہمارے پاس ان کے لئے اور بھی زیادہ ہے (جو ہم ان کو عطا کریں گے)۔ اور اس کی تفسیر میں احادیث میں بہت ہی عجیب عجیب چیزیں ذکر کی گئیں جو بڑی تفصیل طلب ہیں اور ان میں سب سے اونچی چیز حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا کا پروانہ ہے اور بار بار کی زیارت جو خوش قسمت لوگوں کو نصیب ہوگی۔ اور یہ اتنی بڑی دولت کیسی کم محنت چیزوں پر مرتب ہے جن میں کوئی مشقت اٹھانا نہیں پڑتی۔ اللہ کی راہ میں کثرت سے خرچ کرنا، نماز کو قائم رکھنا اور قرآن پاک کی تلاوت کثرت سے کرنا جو خود دنیا میں بھی لذت کی چیز ہے۔ قرآن پاک کی کثرت کے چند واقعات ابھی گذر چکے ہیں اور کچھ واقعات فضائل قرآن میں ذکر کئے گئے، ان کو غور سے دیکھنا چاہیئے۔

(۲۲) وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ص وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ج

(سورہ شوریٰ۔ رکوع ۴)

اور جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز کو قائم کیا اور ان کا ہر (مہتم بالشان) کام مشورے سے ہوتا ہے۔ اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس سے وہ خرچ کرتے رہتے ہیں (ایسے لوگوں کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں جو عطایا ہیں وہ دنیا کے ساز و سامان سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہیں)۔

ف: ان آیات میں کامل لوگوں کی بہت سی صفات ذکر کی ہیں اور ان کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے پاس جو ہے اور وہ دنیا کی نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان آیات میں لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ سے بالترتیب حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی خصوصی صفات اور وقتی حالات کی طرف اشارہ ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ سے لے کر حضرت علیؓ بلکہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ تک کے احوال سے خلافت کی ترتیب کی طرف اشارہ ہے۔

اور اسی ترتیب سے صفات واحوال پر تنبیہ ہے۔ جس ترتیب سے حضرات کی خلافت ہوئی اور ان آیات میں اشارہ کے طور پر آخرت میں ان حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے لئے بہت کچھ عطایا کا وعدہ ہے اور الفاظ کے عموم سے اِن سب لوگوں کے لئے وعدہ ہے جو ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کا اہتمام کریں۔ کاش ہم مسلمانوں کو دین کا شوق ہوتا اور قرآن اور حدیث کے بتائے ہوئے بہترین اخلاق کو تلاش کر کے اپنانے کا جذبہ ہوتا۔ مگر ہمارے اخلاق اس قدر گرتے جارہے ہیں بلکہ گر چکے ہیں کہ ان کو دیکھ کر غیر مسلموں کو اسلام سے نفرت ہوتی ہے۔ ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں کہ اسلامی اخلاق پر آج کل مسلمان چل ہی نہیں رہے وہ مسلمانوں کے جو اخلاق دیکھتے ہیں، انہیں کو اسلامی اخلاق سمجھتے ہیں۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔

(۲۳) وَفِیْٓ اَمْوَالِہِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (ذاریات۔ ع ۱)

اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے کا اور (سوال نہ کرنے والے) نادار کا حق ہے۔

ف: اوپر سے کامل ایمان والوں کی خاص صفتیں بیان ہو رہی ہیں جن کے ذیل میں ان کی ایک خاص صفت یہ بھی ہے کہ وہ صدقات اتنے کثرت اور ایسے اہتمام سے دیتے ہیں کہ گویا یہ ان کے ذمہ حق ہو گیا ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کے اموال میں حق ہے یعنی زکوٰۃ کے علاوہ جس سے وہ صلہ رحمی کرتے ہیں، اور مہمانوں کی دعوت کرتے ہیں اور محروم لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس سے زکوٰۃ کے علاوہ مراد ہے۔ ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنے مالوں میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق سمجھتے ہیں۔ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ محروم وہ پریشان حال ہے جو دُنیا کا طالب ہو اور دُنیا اس سے منہ پھرتی ہو اور آدمیوں سے سوال نہ کرتا ہو۔ ایک اور حدیث میں ان سے نقل کیا گیا کہ محروم وہ ہے جس کا کوئی حصہ بَیْتُ الْمَال میں نہ ہو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ محروم وہ تنگی میں پڑا ہوا شخص ہے جس کی کمائی اس کو کافی نہ ہو۔ ابو قلابہؒ کہتے ہیں کہ یمامہ میں ایک آدمی تھا۔ ایک مرتبہ سیلاب آیا اور اس کا سب کچھ مال ومتاع بہا کر لے گیا۔ ایک صحابیؓ نے فرمایا کہ اس کو محروم کہتے ہیں اس کی اعانت کی جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مسکین وہ شخص نہیں ہے جس کو ایک ایک لقمہ دربدر پھراتا ہے، یعنی دروازوں سے بھیک مانگتا ہے، اصل مسکین وہ ہے جس کے پاس نہ خود اتنا مال ہو، جو اس کی حاجت کو پورا کرے اور نہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو کہ اس کی اعانت کی جائے، یہی شخص دراصل محروم ہے۔

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے اس آیتِ شریفہ کے متعلق سوال کیا

توحضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے (در منثور)۔ یہ حدیث اسی فصل کی احادیث میں ۱۶ پر آئے گی۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت شریفہ پڑھی لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ (البقرۃ ع ۲۲) اس آیت شریفہ کا کچھ حصہ ۲ پر گذر چکا ہے۔ اس آیت میں مساکین وغیرہ کے دینے کا ذکر علیحدہ ہے اور زکوٰۃ دینے کا ذکر علیحدہ ہے جس میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ آدمی کو صرف زکوٰۃ ہی پر کفایت نہ کرنا چاہیئے، بلکہ اس کے علاوہ بھی اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں کثرت سے خرچ کرنا چاہیئے۔ مگر آج ہم لوگوں کے لئے زکوٰۃ کا ہی ادا کرنا وبال ہو رہا ہے۔ کتنے مسلمان ایسے ہیں جو زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتے، ہاں شادی اور تقریبات کی لغو رسموں میں گھر بھی گروی رکھ دیں گے، جہاں دنیا میں مال برباد ہوا اور آخرت میں گناہ کا وبال ہو۔

(۲۴) اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ○ (حدید۔ ع ۱)

تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور (انہوں نے اللہ کی راہ میں) خرچ کیا ان کیلئے بہت بڑا اجر ہے۔

ف: قائم مقام کا مطلب یہ ہے کہ یہ مال پہلے کسی اور کے پاس تھا، اب چند روز کو تمہارے پاس ہے تمہاری آنکھ بند ہو جانے کے بعد کسی اور کے پاس چلا جائے گا۔ ایسی حالت میں اس کو جوڑ جوڑ کر رکھنا بیکار بات ہے، یہ بے مروّت مال نہ سدا کسی کے پاس رہا نہ رہے۔ خوش نصیب ہے وہ جو اس کو اپنے پاس رکھنے کی تدبیر کر لے اور وہ صرف یہی ہے کہ اس کو اللہ جل شانہ کے بنک میں جمع کرا دے، جس میں نہ ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، نہ چھوٹ جانے کا خطرہ ہے، اور دنیا میں رہتے ہوتے ہر وقت خطرہ ہی خطرہ ہے اور آج کل تو قدرت نے آنکھوں سے دکھا دیا کہ بڑے بڑے محل، بڑی بڑی جاگیریں، ساز و سامان سب کا سب کھڑے کھڑے ہاتھ سے نکل کر دوسروں کے قبضہ میں آ گیا۔ کل تک جن مکانات کے بلا شرکت غیرے خود مالک تھے آج دوسروں کو اپنی آنکھوں سے اپنا جانشین ان میں دیکھتے ہیں پھر بھی عبرت حاصل نہیں ہوتی۔

(۲۵) وَمَا لَکُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ

اور تمہیں کیا ہو گیا کیوں نہیں خرچ کرتے اللہ کے راستہ میں حالاں کہ سب آسمان زمین آخر میں اللہ ہی کی میراث ہے۔

وَالْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝

(سورہ حدید - ع ۱)

جو لوگ مکہ مکرمہ کے فتح ہونے سے پہلے اللہ کے راستہ میں خرچ کر چکے ہیں اور جہاد کر چکے ہیں وہ برابر نہیں ہو سکتے (ان لوگوں کے جن کا ذکر آگے ہے بلکہ) وہ بڑھے ہوئے ہیں درجہ میں ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے ثواب کا وعدہ تو سب ہی سے کر رکھا ہے (چاہے فتح مکہ سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہو یا بعد میں) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ کی میراث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب سب آدمی مر جائیں گے تو آخر میں آسمان، زمین، مال و متاع سب اسی کا رہ جائے گا کہ اس پاک ذات کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔ تو جب سب کچھ سب کو چھوڑنا ہی ہے تو پھر اپنی خوشی سے اپنے ہاتھ سے کیوں نہ خرچ کرے کہ اس کا ثواب بھی ملے۔ اس کے بعد آیت شریفہ میں اس پر تنبیہ کی گئی کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کے کام پر خرچ کیا یا جہاد کیا، ان کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا یا جہاد کیا، اس لئے کہ فتح سے قبل احتیاج زیادہ تھی اور جو چیز جتنی زیادہ حاجت کے وقت خرچ کی جائے گی اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔

جیسا کہ سلسلہ احادیث میں ۱۳ پر آ رہا ہے لوگوں کی ضرورت کے وقت بہت زیادہ خیال کرنا چاہیئے اور ایسے وقت کو جس میں دوسروں کو ضرورت ہو، اپنے خرچ کرنے کے لئے بہت غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے صحابہ کرامؓ میں بھی یہ تفریق فرما دی کہ جن حضرات نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا ان کے ثواب کو بہت زیادہ بڑھا دیا۔ اس طرح ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے، کہ کسی کی ضرورت کے وقت اس پر خرچ کرنا بہت اونچی چیز ہے۔

(۲۶) مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۝ (سورۃ حدید - ع ۲)

کون شخص ہے ایسا جو اللہ جل شانہٗ کو قرض حسنہ دے پھر اللہ تعالیٰ اس کے ثواب کو اس کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لئے بہترین

بدلہ ہے۔

ف: ۵ پر ایک آیتِ شریفہ اس کے ہم معنی گذر چکی ہے۔ خاص اِہتمام کی وجہ سے اس مضمون کو دوبارہ اِرشاد فرمایا ہے، اور قرآنِ پاک میں بار بار اس پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ آج اللہ کے راستہ میں خرچ کا دن ہے جو خرچ کرنا ہے کرلو، مرنے کے بعد حسرت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(۲۷) اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ○ (حدید۔ رکوع ۲)

بیشک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور (یہ صدقہ دینے والے) اللہ جَلَّ شَانُہٗ کو قرضہ حَسَنہ دے رہے ہیں ان کا ثواب بڑھایا جائے گا اور ان کے لئے نفیس اَجر ہے۔

ف: یعنی لوگ صدقہ کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کو قرض دیتے ہیں اس لئے کہ یہ بھی قرض کی طرح سے صدقہ دینے والوں کو واپس ملتا ہے پس یہ بہت زیادہ معاوضہ اور بدلہ لے کر ایسے وقت میں واپس ہوگا جو وقت صدقہ کرنے والے کی سخت حاجت اور سخت ضرورت اور سخت مجبوری کا ہوگا۔ لوگ شادیوں کے واسطے اور سفروں کے واسطے اور دوسری ضرورتوں کے واسطے تھوڑا تھوڑا جمع کر کے رکھتے ہیں کہ فلاں ضرورت کا وقت آرہا ہے، اولاد کی شادی کرنا ہے اس کے لئے ہر وقت فکر میں لگے رہتے ہیں اور جو گنجائش ملے، کچھ نہ کچھ کپڑا زیور وغیرہ خرید کر ڈالتے رہتے ہیں کہ اس وقت دِقت نہ ہو۔ آخرت کا وقت تو ایسی سخت حاجت اور ضرورت کا ہے کہ اس وقت نہ کسی سے خریدا جا سکتا ہے نہ قرض لیا جا سکتا ہے، نہ بھیک مانگی جا سکتی ہے۔ ایسے اہم اور کٹھن وقت کے واسطے تو جتنا بھی زیادہ سے زیادہ ممکن ہو، جمع کرتے رہنا نہایت ہی دور اندیشی اور کار آمد بات ہے۔ تھوڑا تھوڑا جمع کرتے رہنا یہاں تو معلوم بھی نہ ہوگا اور وہاں وہ پہاڑوں کی برابر ملے گا۔

(۲۸) وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ

(اور اس میں ان لوگوں کا بھی حق ہے) جو لوگ دارُالاِسلام میں (یعنی مدینہ منورہ میں پہلے سے رہتے تھے) اور ایمان میں ان (مُہاجرین کے آنے) سے پہلے قرار پکڑے ہوئے ہیں (یعنی ان مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی وہ ایمان لے آئے تھے اور یہ ایسی خوبی کے لوگ ہیں کہ) جو لوگ ان کے پاس ہجرت

بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (سورہ حشر۔ رکوع ۱)

کر کے آتے ہیں ان سے یہ لوگ (یعنی انصار) محبت کرتے ہیں۔ اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ اپنے دلوں میں کوئی غرض نہیں پاتے (کہ اس کو لینا چاہیں یا اس پر رشک کریں) اور ان مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں چاہے خود اُن پر فاقہ ہی کیوں نہ ہو، اور (حق یہ ہے کہ) جو شخص اپنی طبیعت کے لالچ سے محفوظ رہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

ف: اوپر کی آیات میں بَیْتُ المال کے مُستحقین کا ذکر ہو رہا ہے کہ کن کن لوگوں کا اس میں حق ہے۔ منجملہ ان کے اس آیتِ شریفہ میں انصار کا ذکر ہے اور ان کے خصوصی اوصاف کی طرف اشارہ ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے اپنے گھر میں رہ کر ایمان اور کمالات حاصل کئے ہیں اور اپنے گھر رہ کر کمالات کا حاصل کرنا عام طور سے مشکل ہوا کرتا ہے۔ دُنیوی دھندے اور دوسرے اُمور اکثر آڑے بن جاتے ہیں۔

اور دوسری خاص صفت انصار کی یہ ہے کہ یہ لوگ مُہاجرین سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ اسلام کی اُبتدائی تاریخ کا جس کو علم ہے وہ ان حضرات کے حالات اور ان کی محبت کے واقعات سے حیرت میں رہ جاتا ہے۔ چند واقعات "حکایاتِ صحابہؓ" میں بھی گذر چکے ہیں۔

ایک واقعہ مثال کے طور پر یہاں لکھتا ہوں کہ جب حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مہاجرین اور انصار کے درمیان میں حضورؐ نے بھائی چارہ اس طرح فرما دیا تھا کہ ہر مہاجر کا ایک انصاری کے ساتھ خصوصی جوڑ پیدا کر دیا تھا، اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا تھا۔ اس لئے کہ حضرات مہاجرین پردیسی حضرات ہیں ان کو اجنبی جگہ ہر قسم کی مشکلات پیش آئیں گی۔ انصار مقامی حضرات ہیں وہ اگر ان لوگوں کی خاص طور سے خبر گیری اور معاونت کریں گے تو ان کو سہولتیں پیدا ہو جائیں گی۔ کیسا بہترین انتظام تھا حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا کہ اس میں مہاجرین کو بھی ہر قسم کی سہولت ہو گئی اور انصار کو بھی دِقت نہ ہوئی کہ ایک شخص کی خبر گیری ہر شخص کو آسان ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ خود اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم لوگ مدینہ طیبہ آئے تو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے میرے اور سعد بن ربیعؓ کے درمیان بھائی بندی کا رشتہ جوڑ دیا۔

سعدؓ بن الربیعؓ نے مجھ سے کہا کہ مَیں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، میرے مال میں سے آدھا تم لے لو اور میری دو بیبیاں ہیں، ان میں سے جونسی تمہیں پسند ہو، مَیں اس کو طلاق دیدوں جب اس کی عدّت پوری ہوجائے تم اس سے نکاح کرلینا۔ (بخاری)

یزید بن اصمؒ کہتے ہیں کہ انصار نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے درخواست کی کہ ہم سب کی زمینیں مہاجرین پر آدھی آدھی بانٹ دیجئے۔ حضورؐ نے اس کو قبول نہیں فرمایا بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ کھیتی وغیرہ میں یہ لوگ کام کریں گے اور پیداوار میں حصّہ دار ہوں گے (درمنثور) کہ ان کی محنت سے تم کو مدد ملے گی اور تمہاری زمین سے ان کو مدد ملے گی۔

اس قسم کے تعلّقات اور آپس کی محبّت محض دینی برادری پر آج عقل میں بھی مشکل سے آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ آج وہ مسلمان جس کا خصوصی امتیاز، ایثار اور ہمدردی تھی محض خودغرضی اور نفس پروری میں مبتلا ہے۔ دوسروں کو جتنی بھی تکلیف پہنچ جائے، اپنے کو راحت مل جائے۔ کبھی مسلمان کا شیوہ یہ تھا کہ خود تکلیف اُٹھاتے تاکہ دوسروں کو راحت پہنچ جائے۔ مسلمانوں کی تاریخ اس سے بھری ہوئی ہے۔ ایک بزرگ کی بیوی بہت زیادہ بدخلق تھیں، ہر وقت تکلیف دیتی تھیں کسی نے ان سے عرض کیا کہ آپ اسکو طلاق دیدیجئے۔ فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ پھر یہ کسی دوسرے سے نکاح کریگی اور اس کی بدخلقی سے اسکو تکلیف پہنچے گی راحت کیسی باریک چیز ہے۔ آج ہم میں سے بھی کوئی اس لئے تکلیف اُٹھانے کو تیار ہے کہ کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔

تیسری صفت آیتِ شریفہ میں انصار کی یہ بیان کی کہ مہاجرین کو اگر کہیں سے غنیمت وغیرہ میں سے کچھ ملتا ہے تو اس سے انصار کو دِل تنگی یا رشک نہیں ہوتا۔ اور حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مہاجرین کو انصار پر جو عمومی فضیلت دی گئی اس سے انصار کو گرانی نہیں ہوئی (درمنثور)

چوتھی صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ باوجود اپنی احتیاج اور فاقہ کے دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے واقعات بہت کثرت سے ان کی زندگی کی تاریخ میں ملتے ہیں۔ جن میں سے چند واقعات مَیں اپنے رسالہ "حکایاتِ صحابہؓ" کے بابِ ایثار و ہمدردی میں لکھ چکا ہوں۔ منجملہ ان کے وہ مشہور واقعہ بھی ہے جو اس آیت شریفہ کی شانِ نزول میں ذکر کیا جاتا ہے، کہ ایک صاحب حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بھوک کی اور تنگی کی شکایت کی۔ حضورؐ نے اپنی بیبیوں

کے گھروں میں آدمی بھیجا مگر کہیں بھی کچھ کھانے کو نہ ملا، تو حضورؐ نے باہر مردوں سے ارشاد فرمایا کہ کوئی صاحب ایسے ہیں جو ان کی مہمانی قبول کریں۔ ایک انصاری جن کا اسم گرامی بعض روایات میں ابُوطلحہؓ آیا ہے، اُن کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ حضورؐ کے مہمان ہیں ان کی خوب خاطر کرنا، اور گھر میں کوئی چیز ان سے بچا کر نہ رکھنا۔ بیوی نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کے لئے کچھ کھانے کو رکھا ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سُلا دو اور جب ہم کھانا لے کر مہمان کے ساتھ بیٹھیں تو تم چراغ کو درست کرنے کے لئے اُٹھ کر اس کو بُجھا دینا تاکہ ہم نہ کھاویں اور مہمان کھالے۔

چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ صبح کو جب حضورؐ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جلّ شانُہ، کو ان میاں بیوی کا طرز بہت پسند آیا، اور یہ آیتِ شریفہ ان کی شان میں نازل ہوئی۔ (درمنثور)

احادیث کے سلسلہ میں نمبر ۱۳ پر ایک حدیث شریف اس آیتِ شریفہ کی تفسیر کے طور پر آرہی ہے۔ اس کے بعد اللہ جلّ شانُہ، کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی طبیعت کے شُحّ (لالچ) سے بچا دیا جائے وہی لوگ فلاح کو پہنچنے والے ہیں۔ "شُحّ" کا ترجمہ طبعی حرص اور بخل ہے۔ یعنی طبعی تقاضا بخل کا ہو چاہے عمل سے بخل نہ ہو۔ اسی لئے علماء سے اس کی تفسیر میں مختلف الفاظ نقل کئے گئے۔ حرص اور لالچ سے اس کی تعبیر کرنا صحیح ہے جو اپنے مال میں بھی ہوتا ہے، دوسرے کے مال میں بھی ہوتا ہے۔

ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں تو ہلاک ہوگیا۔ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ کیوں؟ وہ کہنے لگے کہ اللہ جلّ شانُہ، نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ "شُحّ" سے بچائے جائیں وہی فلاح کو پہنچنے والے ہیں، اور مجھ میں یہ مرض پایا جاتا ہے، میرا دل نہیں چاہتا کہ میرے پاس سے کوئی چیز بھی نکل جاوے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہ شُحّ نہیں ہے یہ بخل ہے اگرچہ بخل بھی اچھی چیز نہیں ہے لیکن شُحّ یہ ہے کہ دوسرے کا مال ظلم سے کھاوے۔

حضرت ابنِ عمرؓ سے بھی اس کے قریب ہی نقل کیا گیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ شُحّ یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے مال کو خرچ کرنے سے روک لے، یہ تو بخل ہوا اور یہ بھی بہت بُری چیز ہے لیکن شُحّ یہ ہے، کہ دوسرے کی چیز پر نگاہ پڑنے لگے۔ حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ بخل یہ ہے کہ آدمی اپنے مال کو خرچ نہ کرے اور شُحّ یہ ہے کہ دوسرے کے مال میں بخل کرے یعنی کوئی دوسرا خرچ کرے اس سے بھی دل تنگی ہوتی

ہو۔ حضرت ابنِ عمرؓ سے نقل کیا گیا کہ شُحّ بخل سے زیادہ سخت ہے اس لئے کہ بخیل تو اپنے مال کو روکتا ہے اور بس، اور شحیح اپنے مال کو بھی روکتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ دوسروں کے پاس جو کچھ ہے وہ بھی اس کے پاس آجائے۔

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ شُحّ سے بری ہے۔ مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہو، مہمانوں کی مہمان داری کرتا ہو اور لوگوں کی مصائب میں مدد کرتا ہو۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد آیا ہے کہ اسلام کو کوئی چیز ایسا نہیں مٹاتی جیسا کہ شُحّ مٹاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ اللہ کے راستہ کا غبار اور جہنّم کا دھواں یہ دونوں چیزیں کسی ایک شخص کے پیٹ میں جمع نہیں ہو سکتیں، اور ایمان اور شُحّ کسی ایک دل میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

ایک حدیث میں حضرت جابرؓ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ظلم سے بچو، اس لئے کہ ظلم قیامت میں تو بتو اندھیرا ہو گا (یعنی ایسا سخت اندھیرا پیدا کریگا کہ اندھیرے کی تہہ پر تہہ جم جائے گی) اور اپنے آپکو شُحّ سے بچاؤ کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا کہ اسی کی وجہ سے ان لوگوں نے دوسرے لوگوں کے خون بہائے اور اسی کی وجہ سے اپنی محرم عورتوں سے زنا کیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو شُحّ اور بخل سے بچاؤ کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو قطع رحمی پر ڈال دیا اور ان کو اپنے محرموں سے زنا کرنے پر ڈال دیا اور ان کو خون بہانے پر ڈال دیا۔ یعنی اگر آدمی اجنبی عورت سے زنا کرے تو اس کو کچھ دینا پڑے اور بیٹی سے زنا کرے تو مفت ہی میں کام چل جائے اور مال کی وجہ سے لوٹ مار تو ظاہر ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا۔ لوگ کہنے لگے کہ یہ جنتی آدمی تھا۔ حضورؐ نے فرمایا تمہیں اس کے سارے حالات کا کیا علم ہے۔ کیا بعید ہے کہ کبھی اس نے ایسی بات زبان سے نکالی ہو جو بیکار ہو، یا ایسی چیز میں بخل کیا ہو جو اسکو نفع نہ پہنچاتی ہو۔ دوسری حدیث میں یہ قصہ اس طرح نقل کیا گیا کہ اُحد کی لڑائی میں ایک صاحب شہید ہو گئے۔ ایک عورت ان کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ بیٹا تجھے شہادت مبارک ہو۔ حضورؐ نے فرمایا تمہیں اس کی کیا خبر ہے کہ اس نے کبھی کوئی بیکار بات زبان سے کہی ہو یا ایسی چیز میں بخل کیا ہو جو اس کی ضرورت کی نہ ہو۔ (درِ منثور) کہ ایسی معمولی چیز میں بخل کرنا بھی حرص اور لالچ کی انتہا سے ہوتا ہے ورنہ معمولی چیزیں جن میں اپنا نقصان نہ ہو بخل کے قابل نہیں ہوتیں۔

(۲۹) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(منافقون ۔ ع ۲)

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں، اور جو ایسا کرے گا، ایسے ہی لوگ خسارہ والے ہیں اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے اور وہ کہنے لگے، اے میرے رب مجھ کو تھوڑے دن کی اور مہلت کیوں نہ دے دی کہ میں خیرات کر دیتا، اور نیک لوگوں میں ہو جاتا، اور اللہ جلّ شانہٗ کسی شخص کو بھی جب اس کی موت کا وقت آجائے ہرگز مہلت نہیں دیتا، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔"

ف: مال و متاع کی مشغولی، اہل و عیال کی مشغولی ایسی چیزیں ہیں جو اللہ جلّ شانہٗ کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کا سبب بنتی ہیں لیکن یہ بات یقینی اور طے ہے کہ موت کے وقت کا کسی کو حال معلوم نہیں کہ کب آجائے، اس وقت بجز حسرت اور افسوس کے کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ اور دیکھتے آنکھوں اہل و عیال، مال و متاع سب کچھ چھوڑ کر چل دینا ہوگا۔ آج مہلت ہے جو کرنا ہے کر لو ے

زنگالے نہ چُندیا، گندھالے نہ سی — تو کیا کیا کرے گی اری دن کے دن
نہ جانے بُلالے پیا کِس گھڑی — تو دیکھا کرے گی گھڑی دن کے دن

حضرت ابنِ عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ حج کر سکے، اس پر زکوٰۃ واجب ہو اور ادا نہ کرے تو وہ مرنے کے وقت دنیا میں واپس لوٹنے کی تمنا کرے گا۔ کسی شخص نے ابنِ عباس رضؓ سے کہا کہ دنیا میں لوٹنے کی تمنا کافر کرتے ہیں مسلمان نہیں کرتے، تو حضرت ابنِ عباس رضؓ نے یہ آیت شریفہ تلاوت کی کہ اس میں مسلمانوں ہی کے متعلق اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابنِ عباس رضؓ سے نقل کیا گیا کہ اس آیتِ شریفہ میں مؤمن آدمی کا

ذکر ہے۔ جب اس کی موت آجاتی ہے اور اس کے پاس اتنا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہو اور زکوٰۃ ادا نہ کی ہو، یا اس پر حج فرض ہو گیا ہو اور حج ادا نہ کیا ہو یا کوئی اور حق، اللہ تعالیٰ شانہٗ کے حقوق میں سے ادا نہ کیا ہو تو وہ مرتے وقت دنیا میں واپسی کی تمنا کرے گا تاکہ زکوٰۃ اور صدقات ادا کرے۔ لیکن اللہ جلّ جلالہٗ کا پاک ارشاد ہے کہ جس کا وقت آجائے وہ ہرگز مؤخر نہیں ہوتا۔ (درمنثور)

قرآن پاک میں بار بار اس پر تنبیہ کی گئی کہ موت کا وقت ہر شخص کے لئے ایک طے شدہ وقت ہے۔ اس میں ذرا سی بھی تقدیم یا تاخیر نہیں ہو سکتی۔ آدمی سوچتا رہتا ہے کہ فلاں چیز کو صدقہ کروں گا، فلاں چیز کو وقف کروں گا، فلاں فلاں کے نام وصیت لکھوں گا، مگر وہ اپنے سوچ اور فکر ہی میں رہتا ہے، اُدھر سے ایک دم بجلی کے تار کا بٹن دبا دیا جاتا ہے اور یہ چلتے چلتے مرجاتا ہے، بیٹھے بیٹھے مرجاتا ہے، سوتے سوتے مرجاتا ہے۔ اس لئے تجویزوں اور مشوروں میں ہرگز ایسے کاموں میں تاخیر نہ کرنا چاہیئے، جتنا جلد ہو سکے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے میں، اللہ کے یہاں جمع کر دینے میں جلدی کرنا چاہیئے۔ واللہ الموفق۔

(۳۰) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝

(سورہ حشر۔ رکوع ۳)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص یہ غور کرے کہ اُس نے کل (قیامت) کے دن کے واسطے کیا چیز آگے بھیج دی ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے، اور ان لوگوں کی طرح سے مت بنو، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا۔ پس (اس کی سزا میں) اللہ تعالیٰ نے خود ان کو اُن کی جان سے بھلا دیا۔ یہی لوگ فاسق ہیں (اور یاد رکھو کہ) جنّت والے اور جہنم والے برابر نہیں ہو سکتے۔ جنّت والے ہی کامیاب ہیں (حقیقی کامیابی صرف جنّت والوں ہی کی ہے)

ف: ("اللہ جلّ شانہٗ نے ان کو ان کی جان سے بھلا دیا" کا یہ مطلب ہے کہ ان کی ایسی عقل ماردی گئی کہ وہ اپنے نفع نقصان کو بھی نہیں سمجھتے۔ اور جو چیزیں ان کو ہلاک کرنے والی ہیں، ان کو اختیار کرتے ہیں۔)

حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ میں دوپہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

تھا کہ قبیلہ مُضَر کی ایک جماعت حاضر ہوئی جو ننگے پاؤں ننگے بدن بھوکے تھے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان پر فاقہ کی حالت دیکھی تو حضورؐ کا چہرۂ انور متغیر ہوگیا، اُٹھ کر اندر مکان میں تشریف لے گئے (غالباً گھر میں کوئی چیز ان کے قابل تلاش کرنے کے لئے تشریف لے گئے ہوں گے) پھر باہر مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت بلالؓ سے اذان کہنے کا حکم فرمایا اور ظہر کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور حمد و ثناء کے بعد قرآن پاک کی چند آیات تلاوت کیں، جن میں یہ آیات بھی تھیں جو اوپر لکھی گئیں۔ پھر حضورؐ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ صدقہ کرو اس سے پہلے کہ صدقہ نہ کرسکو، صدقہ کرو اس سے پہلے کہ تم صدقہ کرنے سے عاجز ہو جاؤ، کوئی شخص جو بھی دے سکے، دینار دے سکے، درم دے سکے، کپڑا دے سکے، گیہوں دے سکے، جَو دے سکے، کھجور دے سکے حتیٰ کہ کھجور کا ٹکڑا ہی دے سکے وہ دیدے۔

ایک انصاری اُٹھے اور ایک تھیلہ بھرا ہوا لائے جو اُن سے اُٹھتا بھی نہ تھا۔ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضورؐ کا چہرۂ انور مسرّت سے چمکنے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص بہتر طریقہ جاری کرے اس کو اس کا بھی ثواب ہے اور جو اس پر عمل کریں گے ان کا بھی ثواب اس کو ہوگا اس طرح پر کہ عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی اور اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی بُرا طریقہ جاری کرتا ہے تو اس کا گناہ تو اس کو ہو ہی گا، جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے اِن سب کا گناہ بھی اسکو ہوگا۔ اس طرح سے کہ ان کے گناہوں کے وبال میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

اس کے بعد سب لوگ متفرق ہو کر چلے گئے۔ کوئی دینار (اشرفی) لایا، کوئی درم لایا، کوئی غلّہ لایا۔ غرض غلّہ اور کپڑے کے دو ڈھیر حضورؐ کے قریب جمع ہوگئے اور حضورؐ نے وہ سب قبیلۂ مُضَر کے آنے والوں پر تقسیم کردیئے۔ (نسائی، درمنثور)

ایک حدیث میں آیا ہے لوگو! اپنے لئے کچھ آگے بھیج دو، عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جبکہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد، ایسی حالت میں کہ نہ کوئی واسطہ درمیان میں ہوگا، نہ کوئی پردہ درمیان میں ہوگا، یہ ہوگا کیا تیرے پاس رسول نہیں آئے جنھوں نے تجھے احکام پہنچادیئے ہوں؟ کیا میں نے تجھ کو مال عطا نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تجھے ضرورت سے زیادہ نہیں دیا تھا؟ تو نے اپنے لئے کیا چیز آگے بھیجی؟ وہ شخص اِدھر اُدھر دیکھے گا کچھ نظر نہ آئے گا، آنکھوں کے سامنے جہنم ہوگی۔ پس جو شخص اس سے بچ سکتا ہو بچنے کی کوشش کرے، چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو (کنز)

بڑا سخت منظر ہوگا، بڑا سخت مطالبہ ہوگا، دہکتی ہوئی دوزخ سامنے ہوگی اور ہر آن اسمیں پھینک دیئے جانے کا اندیشہ ہوگا۔ اس وقت قلق ہوگا کہ ہم نے دنیا میں سب کچھ کیوں نہ خرچ کر دیا آج فرضی ضرورتوں سے ہم خرچ کرنے سے ہاتھ کھینچتے ہیں لیکن اگر آج آنکھ بند ہو جائے تو ساری ضرورتیں ختم ہو جائیں گی اور ایک سخت ضرورت جہنم سے بچنے کی سر پر موجود رہے گی۔

حضرت ابُوبکر صدیق رضؓ نے ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا کہ یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم لوگ صبح و شام ایسی مدت میں چلتے ہو جس کا حال تم سے پوشیدہ ہے کہ وہ کب ختم ہو جائے۔ پس اگر تم سے ہو سکے تو ایسا کرو کہ یہ مدت احتیاط کے ساتھ ختم ہو جائے اور اللہ ہی کے ارادہ سے تم ایسا کر سکتے ہو، ایک قوم نے اپنے اوقات کو ایسے امور میں خرچ کر دیا جو ان کے لئے کار آمد نہ تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے تمہیں ان جیسا ہونے سے منع کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ کہاں ہیں تمہارے وہ بھائی جن کو تم جانتے تھے، وہ اپنا اپنا زمانہ ختم کر کے چلے گئے اور ان کے عمل ختم ہو گئے اور اب وہ اپنے اپنے عمل پر پہنچ گئے جیسے بھی کئے (اچھے کئے ہوں گے تو مزے اڑا رہے ہوں گے بُرے کئے ہوں گے تو ان کو بھگت رہے ہوں گے)۔

کہاں ہیں وہ گذرے ہوئے زمانہ کے جابر لوگ جنہوں نے بڑے بڑے شہر بنائے اونچی اونچی دیواروں سے اپنی محافظت کی۔ اب وہ پتھروں اور ٹیلوں کے نیچے پڑے ہیں۔ یہ اللہ کا پاک کلام ہے کہ نہ اس کے عجائب ختم ہوتے ہیں نہ اس کی روشنی ماند پڑتی ہے۔ اس سے آج روشنی حاصل کر لو اندھیرے کے دن کے واسطے، اور اس سے نصیحت پکڑ لو۔

اللہ جل شانہٗ نے ایک قوم کی تعریف کی۔ پس فرمایا:۔

كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَ	وہ لوگ نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور ہم کو
يَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوا	پکارتے تھے رغبت کرتے ہوئے اور ڈرتے
لَنَا خٰشِعِينَ (انبیاء۔ ع ۶)	ہوئے، اور ہمارے سامنے عاجزی کرنیوالے تھے۔

اس کلام میں کوئی خوبی نہیں جس سے اللہ کی رضا مقصود نہ ہو، اور اس مال میں کوئی بھلائی نہیں جو اللہ کے راستہ میں خرچ نہ ہو، اور وہ آدمی اچھا نہیں جس کا حلم اس کے غصہ پر غالب نہ ہو، اور وہ آدمی بہتر نہیں جو اللہ کی رضا کے مقابلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کرے۔ (درمنثور)

(۳۱) اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

(سورہ تغابن - رکوع ۲)

"اس کے سوا دوسری بات نہیں کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے (پس جو شخص ان میں پڑ کر بھی اللہ کو یاد رکھے تو) اس کے لئے اللہ کے پاس بڑا اجر ہے پس جہانتک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو، اور اس کی بات سُنو اور مانو اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہا کرو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہوگا اور جو شخص اپنے نفس کے شُحّ یعنی لالچ سے محفوظ رہا، پس یہی لوگ فلاح کو پہنچنے والے ہیں۔"

ف: شُحّ بخل کا اعلیٰ درجہ ہے جیسا کہ نمبر ۲۸ پر گذر چکا۔ "مال اور اولاد کے امتحان کی چیز ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات جانچنی ہے کہ کون شخص ان میں پھنس کر اللہ جلّ شانُہٗ کے احکام کو اور اس کی یاد کو بُھلا دیتا ہے اور کون شخص ان کے باوجود اللہ جلّ شانُہٗ کی فرمانبرداری کرتا ہے، اور اس کی یاد میں مشغول رہتا ہے۔ اور نمونہ کے لئے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اُسوہ سامنے ہے۔ یہاں کسی کے ایک دو بیبیاں ہوں گی، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نَو بیبیاں تھیں، اولاد بھی تھی، بیٹے بیٹیاں، نواسے سب کچھ موجود تھا۔

حضور کے علاوہ حضرات صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُم کے حالات دُنیا کے سامنے ہیں اور بہت تفصیل سے کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت انس رضؓ کی اولاد کا شمار ہی مشکل ہے۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ میری اولاد کی اولاد تو علیحدہ رہی، خود بلا واسطہ اپنی اولاد میں سے ایک سو پچیس تو دفن کر چکا ہوں (اصابہ) اور جو زندہ رہے وہ ان کے علاوہ اور اولاد کی اولادیں مزید برآں۔ اس کے باوجود ان حضرات صحابۂ کرامؓ میں شمار ہے، جن سے کثرت سے احادیث نقل کی گئیں۔ اور جہاد میں کثرت سے شرکت کرتے رہے ہیں۔ اولاد کی اتنی کثرت نہ تو علم کی مشغولی سے مانع ہوئی نہ جہاد سے۔

حضرت زُبیرؓ جس وقت شہید ہوئے، نَو بیٹے، نَو بیٹیاں اور چار بیویاں تھیں، اور بعض پوتے بعض بیٹوں سے بھی بڑے تھے (بخاری) اور جن کا باپ کی زندگی میں انتقال ہو گیا وہ علیحدہ اس کے باوجود نہ کبھی ملازمت کی نہ کوئی اور شغل، جہاد میں عمر گذاری۔ اسی طرح اور بہت سے حضرات

کا حال ہے کہ نہ مال ان کو دین سے مانع ہوتا تھا نہ اولاد کی کثرت۔ اور ان میں سے جو لوگ تجارت پیشہ تھے ان کے لئے تجارت بھی دین کے کاموں سے مانع نہ ہوتی تھی۔ خود حق تعالےٰ شانہٗ نے ان کی تعریف قرآن پاک میں فرمائی رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ الآیۃ (نور۔ ع ۵) "وہ ایسے لوگ ہیں جن کو خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں روکتی۔ وہ لوگ ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ ہو جائیں گی اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ حق تعالےٰ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے گا اور ان کو اپنے فضل سے (بدلہ کے علاوہ انعام کے طور پر) اور بھی زیادہ دیگا۔" اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں بہت سے آثار میں یہ مضمون ذکر کیا گیا کہ "جو لوگ تجارت کرتے تھے تجارت انکو اللہ تعالےٰ کی یاد سے مانع نہ ہوتی تھی۔ جب اذان سنتے فوراً اپنی اپنی دُکانیں چھوڑ کر نماز کے لئے چل دیتے[1]

(۳۲) إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ۝ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (سورہ تغابن۔ رکوع ۲)

"اگر تم اللہ جل شانہٗ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دو گے تو وہ اسکو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائیگا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ جل شانہٗ بڑی قدر کرنیوالا ہے (کہ تھوڑے سے عمل کو بھی قبول کر لیتا ہے) اور بڑا بردبار ہے (کہ بڑے سے بڑے گناہ پر بھی مؤاخذہ میں جلدی نہیں کرتا) پوشیدہ اور ظاہر اعمال کا جاننے والا ہے۔ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

ف: آیات میں نمبر ۵ اور نمبر ۲۶ و نمبر ۲۷ پر اس قسم کے مضامین گذر چکے ہیں۔ یہ اللہ جلّ شانہٗ کا خاص لُطف و کرم ہے کہ ہماری خیر خواہی اور بندوں پر کرم کی وجہ سے جو چیزیں ان کے لئے اہم اور ضروری ہیں ان کو بار بار تاکید کے ساتھ فرمایا جاتا ہے، اور ہم لوگ ان آیات کو بار بار پڑھتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ بہت ثواب قرآن پاک کے پڑھنے کا مل گیا۔ یہ کریم کا احسان اور انعام ہے کہ وہ اپنے پاک کلام کے محض پڑھنے پر بھی ثواب عطا فرمائے۔ لیکن یہ پاک کلام محض پڑھنے کے لئے تو نازل نہیں ہوا، پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے پاک ارشادات پر عمل بھی تو ہونا چاہیئے۔ ایک چیز کو مالک الملک اپنا آقا، اپنا محسن، اپنا مربی، اپنا رازق، اپنا خالق بار بار ارشاد فرمائے اور ہم کہیں کہ ہم نے آپ کا ارشاد پڑھ لیا بس کافی ہے، یہ

[1] درمنثور

ہماری طرف سے کتنا سخت ظلم ہے۔

(۳۳) وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (مزمل۔ ع ۲)

"اور تم لوگ نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ جلّ شانہٗ کو قرضہ حسنہ دیتے رہو اور جو نیکی بھی تم اپنے لئے ذخیرہ بنا کر آگے بھیج دو گے اس کو اللہ جلّ شانہٗ کے پاس جا کر اس سے بہت بہتر اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ سے گناہ معاف کراتے رہو بیشک اللہ جلّ شانہٗ مغفرت کرنیوالا اور رحم کرنیوالا ہے

ف: اس کو اللہ جلّ شانہٗ کے پاس جا کر اس سے بہتر پانے کا" مطلب یہ ہے کہ جو کچھ دنیا کی چیزیں خریدنے میں خرچ کیا جاتا ہے یا دُنیوی ضرورتوں میں خرچ کیا جاتا ہے اور اس کا بدل دُنیا میں ملتا ہے۔ مثلاً ایک روپیہ کے دو سیر گندم دنیا میں ملتے ہیں، آخرت کے بدل کو اس پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے بلکہ آخرت میں جو بدل اُن چیزوں کا ملتا ہے جو اللہ کے راستہ میں خرچ کی جائیں۔ وہ مقدار کے اعتبار سے بھی اور کیفیت کے لحاظ سے بھی بدرجہا زائد اس بدل سے ہوگا جو دُنیا میں اس پر ملتا ہے۔ چنانچہ آیت نمبر ۷ کے ذیل میں گذر چکا ہے، کہ اگر طیّب مال سے نیک نیّتی کے ساتھ ایک کھجور بھی صدقہ کی جائے تو حق تعالیٰ شانہٗ، اس کے ثواب کو اُحد پہاڑ کی برابر فرما دیتے ہیں۔

کاش اس قدر زیادہ مُعاوضہ دینے والے کریم کی ہم قدر کرتے اور زیادہ سے زیادہ قیمت اس کے یہاں جمع کرتے تاکہ زیادہ سے زیادہ مال بڑی سخت ضرورت کے وقت ہم کو ملتا اور اس کے ساتھ ہی اس آیت شریفہ میں اللہ جلّ شانہٗ، فرماتے ہیں کہ جس قسم کی نیکی بھی تم آگے بھیج دو گے اس کا مُعاوضہ ایسا ہی ملے گا۔

رسالہ "برکاتِ ذکر" میں بہت تفصیل سے ایسی روایتیں گذر چکی ہیں کہ ایک مرتبہ سُبحانَ اللّٰہ یا اَلحمدُ لِلّٰہ یا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یا اللّٰہُ اکبر کہنے کا ثواب اللہ تعالیٰ شانہٗ، کے یہاں اُحد پہاڑ سے زیادہ مل جاتا ہے بشرطیکہ اِخلاص سے کہا جائے۔ اور اخلاص کی شرط تو آخرت کے ہر کام میں ہے اخلاص بغیر وہاں کسی چیز کی پوچھ نہیں۔ اور اسی چیز کے پیدا کرنے کے واسطے بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں کہ یہ دولت

ان کے قدموں میں پڑنے سے ملتی ہے۔

(۳۴) إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ○ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ○ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ○ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ○ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ○ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ○ فَوَقَاهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ○ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ○ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ○ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ

بے شک نیک لوگ (جنت میں) ایسے جام شراب پئیں گے جن میں کافور کی آمیزش ہوگی ایسے چشموں سے بھرے جاویں گے جن سے اللہ کے خاص بندے پیتے ہیں (ان چشموں میں یہ عجیب بات ہوگی) کہ وہ جنتی لوگ ان چشموں کو جہاں چاہیں لے جائیں گے۔ (یعنی یہ چشمے ان کے اشاروں کے تابع ہوں گے) یہ ایسے لوگ ہیں جو منّتوں کو پورا کرتے ہیں (اور اسی طرح دوسرے واجبات کو) اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس دن کی سختی پھیلی ہوئی ہوگی (یعنی عام ہوگی کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ اس دن پریشانی میں مبتلا ہوگا) یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو (باوجودیکہ وہ قیدی کافر اور لڑائی میں برسرپیکار ہوتے تھے) اور وہ لوگ (اپنے دل میں یا زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض اللہ کے واسطے کھلاتے ہیں۔ نہ تو ہم اس کا تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ اس کا شکریہ چاہتے ہیں (بلکہ اس وجہ سے کھلاتے ہیں) کہ ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا (یعنی قیامت کے دن کا) خوف رکھتے ہیں پس اللہ جلّ شانہ ان کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور سرور عطا کرے گا اور ان کو اس پختگی کے بدلہ میں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا، اس حالت میں کہ وہ جنت میں مسہریوں پر تکیہ لگائے

قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ○ وَيُطَافُ
عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَ
أَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا ○
قَوَارِيرَا مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا
تَقْدِيرًا ○ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا
كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ○
عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ○
وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
مُّخَلَّدُونَ ○ إِذَا رَأَيْتَهُمْ
حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ○
وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ
نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ○
عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ
خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوا
أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ ج
وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا
طَهُورًا ○ إِنَّ هَٰذَا
كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ
سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ○

(سورہ دہر۔ رکوع ۱)

ہوئے بیٹھے ہوں گے نہ وہاں گرمی کی تپش پاویں گے نہ سردی (بلکہ معتدل موسم ہوگا) اور درختوں کے سایے ان لوگوں پر جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے خوشے ان کے مطیع ہوں گے (کہ جس وقت جس کو پسند کریں گے وہ قریب آجائیگا) اور ان کے پاس (کھانے پینے کے لئے) چاندی کے برتن اور شیشہ کے آبخورے لائے جائیں گے ایسے شیشے جو چاندی کے ہوں گے (یعنی وہ شیشے بجائے کانچ کے چاندی کے بنے ہوئے ہوں گے جو اس عالم میں دشوار نہیں) اور ان کو بھرنے والوں نے صحیح اندازہ سے بھرا ہوگا (کہ ضرورت سے کم نہ زیادہ) اور وہاں (کافوری شراب کے علاوہ) ایسے جام شراب بھی پلائے جائیں گے جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی (جیسا کہ جنجر کی بوتل میں ہوتا ہے) یہ ایسے چشمے سے بھرے جائیں گے جس کا نام سَلْسَبِیل ہے (کافور ٹھنڈا ہوتا ہے اور سونٹھ گرم، مطلب یہ ہے کہ وہاں مُختَلِفُ المزاج شرابیں ہیں) اور ان کو ایسے لڑکے لے کر آتے جاتے رہیں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اور ایسے (حسین) اگر تو ان کو دیکھے تو یہ گمان کرے کہ یہ موتی ہیں جو بکھرے ہوئے ہیں (اور جو چیزیں اوپر ذکر کی گئیں یہی فقط نہیں بلکہ) جب تو اس جگہ کو دیکھے گا تو وہاں بڑی بڑی نعمتیں اور بہت بڑا ملک نظر آئیگا اور ان لوگوں پر وہاں باریک ریشم کے سبز کپڑے ہونگے اور موٹے ریشم کے (غرض مختلف انواع کے بہترین لباس ہوں گے) اور ہاتھوں میں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور حق تعالیٰ شانہٗ ان کو ایسی شراب پلائیں گے جو نہایت پاکیزہ ہوگی اور یہ کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے اور

تم نے جو کوشش دنیا میں کی تھی وہ قابلِ قدر ہے۔"

ف: اس کلام پاک میں شراب کا تین جگہ ذکر آیا ہے اور تینوں جگہ نوعیتِ شراب، اور طریقہ استعمال جُدا ہے۔ پہلی جگہ ان کا خود پینا مذکور ہے، دوسری جگہ خُدّام کے پلانے کا ذکر ہے اور تیسری جگہ خود ربُّ العالمین مالکُ الملک کی طرف پلانے کی نسبت ہے۔ کیا بعید ہے کہ یہ ابرار کی تین قسموں ادنیٰ اوسط اعلیٰ کے اعتبار سے ہو۔

ان آیات میں جتنے فضائل اکرام اور اعزاز نیک کام کرنے والوں کے بالخصوص اللہ کی رضا میں کھلانے والوں کے ذکر کئے گئے ہیں اگر ہم میں ایمان کا کمال ہو تو ان وعدوں کے بعد کون شخص ایسا ہو سکتا ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح کوئی چیز بھی گھر میں اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے سوا چھوڑے۔ ان آیات میں چند امور قابلِ غور ہیں۔

(۱) پہلے چشمہ کے بارے میں ذکر ہوا ہے کہ جنّتی لوگ ان چشموں کو جہاں چاہیں لے جائیں گے۔ مُجاہدؒ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ لوگ ان چشموں کو جہاں چاہیں گے کھینچ لیں گے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ اُن کیلئے کافور کی آمیزش ہوگی اور مُشک کی مہر اُن پر لگی ہوئی ہوگی، اور وہ اس چشمہ کو جدھر کو چاہیں گے اُدھر کو اس کا پانی چلنے لگے گا۔ ابنِ شوذبؒ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس سونے کی چھڑیاں ہوں گی وہ اپنی چھڑیوں سے جس طرف اشارہ کریں گے اسی طرف کو وہ نہریں چلنے لگیں گی۔

(۲) مَنّتوں کے پورا کرنے کے متعلق قتادہؒ سے نقل کیا گیا کہ اللہ کے تمام احکام کو پورا کرنے والے لوگ ہیں۔ اسی وجہ سے شروع میں ان کو ابرار سے تعبیر کیا گیا۔ مُجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس سے وہ مَنّتیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حق میں کی گئی ہوں (یعنی کوئی شخص روزوں کی نذر کرلے، اعتکاف کی نذر کرلے، اسی طرح عبادات کی نذر کرلے) عکرمہؓ کہتے ہیں کہ شکرانہ کی مَنّتیں مراد ہیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ حضورؐ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے یہ مَنّت مان رکھی تھی کہ میں اپنے آپ کو اللہ کے واسطے ذبح کردوں گا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز میں مشغول تھے، اِلتفات نہیں فرمایا۔ یہ صاحب حضورؐ کے سکوت سے اجازت سمجھے اور (حضورؐ سے عرض کر دینے کے بعد) اُٹھے، دُور جا کر اپنے آپ کو ذبح کرنے لگے۔ حضورؐ کو اس کا علم ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا کئے جو مَنّت کے پورا کرنے کا اس قدر اہتمام کریں۔ اس

کے بعد (ان کو اپنے ذبح کرنے سے منع فرمایا اور) ان سے فرمایا، کہ اپنی جان کے بدلہ سو اونٹ اللہ کے نام پر ذبح کریں (اس لئے کہ اپنے آپ کو ذبح کرنا ناجائز ہے اور جان کا فدیہ دیت میں سو اونٹ ہیں)

(۳) قیدیوں کے کھلانے سے آیت شریفہ میں مشرک قیدی مراد ہیں۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں مشرک قیدی ہی ہوتے تھے، مسلمان قیدی اس وقت نہ تھے۔ اور جب کافروں کے کھلانے پر یہ ثواب ہے تو مسلمان قیدی اس میں بطریق اولیٰ آ گئے۔

مُجاہدؒ کہتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے قیدیوں کو (جو کافر تھے) پکڑ کر لائے تو سات حضرات صحابۂ کرام حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، زبیرؓ، عبدالرحمنؓ، سعدؓ، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم نے ان پر خاص طور سے خرچ کیا۔ جس پر انصار نے کہا کہ ہم نے تو اللہ کے واسطے ان سے قتال کیا تھا تم اتنا زیادہ خرچ کر رہے ہو۔ اس پر اِنَّ الْاَبْرَارَ سے انیس ۱۹ آیتیں ان حضرات کی تعریف میں نازل ہوئیں۔

حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اس وقت قیدی مشرکین تھے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ جب اللہ جل شانہٗ نے ان آیات میں قیدی کے ساتھ احسان کرنے کا حکم فرمایا ہے، حالانکہ اس وقت قیدی مشرک تھے، تو مسلمان قیدی کا حق تجھ پر اور بھی زیادہ ہو گیا۔

ابن جُریجؒ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں مسلمان قیدی نہ تھے، مشرک قیدیوں ہی میں یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خیر خواہی کا حکم فرماتے تھے۔ ابو رزینؒ کہتے ہیں کہ میں شقیق بن سلمہؒ کے پاس تھا چند مشرک قیدی وہاں کو گذرے تو شقیق نے مجھے ان پر صدقہ کرنے کا حکم دیا اور یہ آیۃ شریفہ تلاوت کی۔

(۴) "نہ اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ اس کا شکریہ چاہتے ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات اس کو بھی گوارا نہ کرتے تھے کہ ان کے احسان کا کوئی بدلہ، چاہے شکر گزاری اور دعا ہی کے قبیل سے ہو، ان کو دنیا میں ملے۔ یہ اپنا سب کچھ آخرت ہی میں لینا چاہتے تھے۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت اُمِّ سلمہؓ کا معمول نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی فقیر ضرورت مند کے پاس کچھ بھیجتیں تو قاصد سے کہتیں کہ چپکے سے سننا کہ وہ اس پر کیا الفاظ کہتا ہے اور جب قاصد وہ الفاظ دعا وغیرہ کے آکر نقل کرتا تو اسی نوع کی دعائیں وہ فقیر کو دیتیں اور یہ کہتیں کہ اس کی دعا ول

کا بدلہ یہ ہے تاکہ ہمارا صدقہ خالص آخرت کے واسطے رہ جائے۔ حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ کا بھی اسی نوع کا معمول نقل کیا گیا۔ (احیاء)

حضرت زین العابدینؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مال خرچ کرنے کے واسطے طلب کرنے والے کا انتظار کرے وہ سخی نہیں۔ سخی وہ ہے جو اللہ کے حقوق کو از خود اس کے نیک بندوں تک پہنچائے اور ان سے شکریہ کا امیدوار رہے اس لئے کہ اس کو اللہ کے ثواب پر کامل یقین ہو۔ (احیاء)

(۵) "جنت کے خوشے ان کے مطیع ہوں گے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کی خواہش کے تابع ہونگے۔ حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ جنتی لوگ جنت کے پھلوں کو کھڑے بیٹھے لیٹے جس حال میں چاہیں گے کھا سکیں گے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اگر کھڑے ہونگے تو وہ پھل اوپر کو ہو جائیں گے اور وہ لوگ اگر بیٹھے ہوں گے تو وہ جھک جائیں گے اور اگر وہ لیٹیں گے تو وہ اور زیادہ جھک جائیں گے۔ دوسری روایت میں ان سے نقل کیا گیا کہ جنت کی زمین چاندی کی ہے اور اس کی مٹی مشک ہے اور اس کے درختوں کی جڑیں سونے کی ہیں اور ان کی ٹہنیاں اور پتے موتیوں کے اور زبرجد کے ہیں، جن کے درمیان پھل لٹکے ہوئے ہیں۔ اگر وہ کھڑے ہوئے کھانا چاہیں گے تو کوئی دقت نہیں، بیٹھ کر یا لیٹ کر کھانا چاہیں گے تو وہ اس کی بقدر جھک جائیں گے۔

(۶) "چاندی کے شیشوں" کا مطلب یہ ہے کہ چاندی سے ایسے بنائے جائیں گے جیسا کہ شیشہ ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں تو چاندی کو لے کر اس قدر باریک کر لے کہ مکھی کے پر کی برابر باریک کر دے جب بھی اس کے اندر کا پانی نظر نہ آئیگا لیکن جنت کے آبخورے چاندی کے ہو کر شیشے کی طرح صاف ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جنت کی ہر چیز کا نمونہ دنیا میں ہے لیکن چاندی کے ایسے آبخوروں کا نمونہ دنیا میں نہیں ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ اگر ساری دنیا کے آدمی جمع ہو کر چاندی کا ایسا برتن بنا دیں جس میں شیشہ کی طرح سے اندر کی چیز نظر آئے تو نہیں بنا سکتے (درمنثور)

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا شان نزول حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا ایک واقعہ ہے جو اسی رسالہ کے ختم پر حکایات میں نمبر ۳۱ پر آرہا ہے اور متعدد واقعات کا کسی آیت کا شان نزول ہونا کوئی مستبعد بات نہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایک

زمانہ میں چند واقعات پیش آئے، اس زمانہ میں کوئی آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو وہ آیتِ شریفہ سب واقعات کے متعلق ہو سکتی ہے۔

(۳۵) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○ (سورہ اعلیٰ)

"وہ بامراد ہوگیا وہ شخص جو پاک ہوگیا، اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ بلکہ تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو مقدم رکھتے ہو۔ حالانکہ آخرت دنیا سے بہت زیادہ بہتر اور ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔"

ف: "پاک ہوگیا" کی متعدد تفسیریں علماء سے نقل کی گئی ہیں۔ بہت سے علماء کا قول ہے کہ اس سے صدقۂ فطر ادا کرنا مراد ہے جیسا کہ متعدد روایات میں آیا ہے۔ اور بہت سے علماء نے اس کو عام قرار دیا ہے۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ پاک ہوگیا کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے مال سے پاک ہوگیا۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ بامراد ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے مال سے اپنے خالق کو راضی کرلیا۔

حضرت ابو الاحوصؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص پر رحم فرماتا ہے جو صدقہ کرے پھر نماز پڑھے۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ ایک روایت میں ان سے یہ نقل کیا گیا جو شخص اس کی طاقت رکھتا ہو کہ نماز سے پہلے کچھ صدقہ کردیا کرے وہ ایسا کیا کرے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز پڑھنے کا ارادہ کرے کیا حرج ہے کہ کچھ صدقہ اس سے پہلے کردیا کرے۔ پھر یہ آیت شریفہ پڑھی۔

عرفجہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سَبِّحِ اسْمَ پڑھنے کی درخواست کی۔ انہوں نے سُنانا شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا تو پڑھنا چھوڑ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ لوگ چپ بیٹھے تھے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے دنیا کو ترجیح دی، اس لئے کہ ہم نے اس کی زینت کو، اس کی عورتوں کو، اس کے کھانے پینے کو دیکھا اور آخرت کی چیزیں ہم سے پوشیدہ تھیں۔ پس اس موجود چیز میں لگ گئے اور اس وعدہ کی چیز کو چھوڑ دیا۔

قتادہؒ کہتے ہیں کہ تمام لوگ حاضر (یعنی دنیا میں موجود چیز) میں لگ گئے اور اس کو اختیار کرلیا

بجزان کے جن کو اللہ نے محفوظ رکھا، حالانکہ آخرت بھلائی میں بڑھی ہوئی تھی اور دیرپا تھی۔

حضرت انسؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ بندوں کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی ناراضی سے محفوظ رکھتا ہے جب تک کہ دُنیا کو دین پر ترجیح نہ دیں اور جب دُنیا کو دین پر ترجیح دینے لگیں تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ بھی ان پر لوٹا دیا جائے گا، اور یہ کہا جائیگا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔

ایک دوسری حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد منقول ہے کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کی شہادت لیکر آئے وہ جنت میں داخل ہوگا جبتک کہ اسکے ساتھ دوسری چیز نہ ملادے (یعنی اپنے اس کلام میں کھوٹ اور میل پیدا نہ کردے، حضورؐ نے تین مرتبہ یہی بات ارشاد فرمائی۔ مجمع چُپ چاپ تھا (حضورؐ غالباً اس کے منتظر تھے، کہ کوئی پوچھے اور مجمع ادب اور رُعب کی وجہ سے چُپ تھا) دُور سے ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان، دوسری چیز ملانے کا کیا مطلب ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ دُنیا کی محبت اور اسکو ترجیح دینا اور اس کیلئے مال جمع کر کے رکھنا اور ظالموں کا سا برتاؤ کرنا۔

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ جو شخص دُنیا سے محبت رکھتا ہے وہ آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ دُنیا کو نقصان پہنچاتا ہے۔ پس ایسی چیز کی (یعنی آخرت کی) محبت کو ترجیح دو جو باقی رہنے والی ہے اس چیز (یعنی دُنیا) پر جو فنا ہو جانے والی ہے۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دُنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہیں اور اس شخص کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہیں اور اس کے لئے وہی شخص جمع کرتا ہے جسکو عقل نہیں ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اسکی مخلوقات میں سے کوئی چیز دُنیا سے زیادہ مبغوض نہیں ہے، اور اس نے جب سے اس کو پیدا کیا ہے کبھی بھی اسکی طرف نظرِ التفات نہیں فرمائی۔ ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ دُنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔[1]

رسالہ کے ختم پر چھٹی فصل میں دُنیا اور آخرت کے متعلق بہت سی آیات اور احادیث کا ذکر اختصار کیساتھ آرہا ہے۔ ان آیات کے علاوہ جو اب تک ذکر کی گئی ہیں اور بھی بہت سی آیات میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی راہ میں خرچ کرنیکی ترغیب وارد ہوئی ہے اور جس بات کو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے اپنے پاک کلام میں بار بار مختلف عنوانات سے متعدد طرح کی ترغیبوں سے ذکر فرمایا ہو اسکی اہمیت کا کیا پوچھنا، بالخصوص جبکہ یہ سب کچھ اُسی کا عطا کیا ہوا ہے۔ ایک شخص کسی اپنے نوکر کو کچھ روپیہ دیکر یہ کہتا ہے کہ اسکو اپنی ضروریات میں خرچ کرلو اور میری خوشی یہ ہے کہ اسمیں سے کچھ پس انداز کرکے

[1] در منثور

فلاں جگہ پر بھی خرچ کر دینا، اگر تم ایسا کرو گے تو میں اس سے بہت زیادہ دونگا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی حالت میں کون ایسا ہو گا جو اس میں سے پس انداز کر کے اس جگہ اس اُمّید پر خرچ نہ کرے گا کہ اس سے بہت زیادہ ملے گا۔

احادیث

اللہ جلّ شانہٗ کے اتنے ارشادات کے بعد پھر احادیث کے ذکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن چونکہ احادیث بھی اللہ جلّ شانہٗ کے پاک کلام کی توضیح اور تفسیر ہی ہیں اس لئے تکمیل کے طور پر چند احادیث کا ترجمہ بھی لکھا جاتا ہے۔

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَّا یَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَیَالٍ وَّ عِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اُرْصِدُهٗ لِدَیْنٍ، رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ (مشکوٰۃ)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر میرے پاس اُحد کے پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے اوپر تین دن گذر جائیں اس حال میں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی ہو بجز اسکے کہ کوئی چیز ادا قرض کے لئے رکھ لی جائے۔"

ف: اُحد کا پہاڑ مدینہ طیبہ کا مشہور پہاڑ ہے جو بہت بڑا پہاڑ ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر اس کے برابر سونا میرے پاس ہو تو میری خواہش یہ ہے کہ تین دن کے اندر اندر اس سب کو تقسیم کر دوں، کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھوں۔ تین دن کی قید نہیں ہے اس لئے ذکر فرمایا کہ اتنی بڑی مقدار کے خرچ کرنیکے لئے کچھ نہ کچھ وقت تو لگے ہی گا۔ البتہ اگر قرض ذمہ ہو اور جس کو دینا ہے وہ اس وقت موجود نہ ہو تو اس کو ادا کرنا چونکہ صدقہ سے مقدّم ہے اس لئے اسکے ادا کرنے کے لئے کچھ روکنا اور محفوظ رکھنا پڑے تو دوسری بات ہے۔

اس حدیث شریف میں جہاں ایک جانب کثرت سے صدقہ کی ترغیب ہے، دوسری جانب اس سے زیادہ اہمیت قرضہ کے ادا کرنے کی ثابت ہوتی ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصی عادت شریفہ تھی کہ ذخیرہ رکھنے کا وہاں گذر ہی نہ تھا حضرت اَنسؓ جو حضورؐ کے مخصوص خادم ہر وقت کے مشہور

خدمت گذار ہیں فرماتے ہیں کہ حضورؐ کل کے لئے کوئی چیز ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔

حضرت انسؓ ہی سے دوسری حدیث میں ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں ہدیہ میں کہیں سے تین پرند آئے۔ ان میں سے ایک حضورؐ نے اپنے خادم کو مرحمت فرما دیا۔ دوسرے دن وہ خادم اس پرند کو لے کر حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں منع نہیں کر رکھا کہ کل کے واسطے کوئی چیز نہ رکھو۔ کل کی روزی اللہ جَلَّ شانُہٗ خود مرحمت فرمائیں گے۔ حضرت سمرہؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میں بعض مرتبہ دوباری کو محض اس لئے دیکھنے جاتا ہوں کہ کہیں اس میں کوئی چیز پڑی نہ رہ جائے اور میری موت اس حال میں آجائے کہ وہ میرے پاس ہو (ترغیب)

حضرت ابو ذر غفاریؓ مشہور صحابی ہیں۔ بڑے زاہد حضرات میں تھے۔ مال سے عداوت کے ان کے بہت سے عجیب واقعات ہیں جن میں سے ایک عجیب قصہ آیات کے ذیل میں نمبر ۱۱ پر گذر چکا ہے ان سے بھی یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضورؐ کیساتھ تھا، حضورؐ نے اُحد کے پہاڑ کو دیکھ کر یہ فرمایا کہ اگر یہ پہاڑ سونے کا بن جائے تو مجھے یہ پسند نہیں کہ اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس تین دن سے زیادہ ٹھہرے مگر وہ دینار جس کو میں قرض کے ادا کرنے کے لئے محفوظ رکھوں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ بہت زیادہ مال والے ہی اکثر کم ثواب والے ہیں مگر وہ شخص جو اس طرح اس طرح کرے۔ حدیث نقل کرنے والے نے اس طرح اس طرح کی صورت دونوں ہاتھ ملا کر دائیں بائیں جانب کر کے بتائی یعنی دونوں ہاتھ بھر کر دائیں طرف والے کو دیدے اور بائیں طرف والے کو یعنی ہر شخص کو خوب تقسیم کرے۔ (بخاری)

انہی حضرت کا ایک اور قصہ مشکوٰۃ شریف میں آیا ہے کہ یہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت کعبؒ سے کہا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے ترکہ میں مال چھوڑا ہے تمہارا کیا خیال ہے کچھ نامناسب تو نہیں ہوا، کعبؒ نے فرمایا کہ اگر وہ اس مال میں اللہ کے حقوق ادا کرتے رہے ہوں تو پھر کیا مضائقہ ہے۔ حضرت ابو ذرؓ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، اس سے حضرت کعبؒ کو مارنا شروع کر دیا کہ میں نے خود حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سُنا ہے کہ اگر یہ پہاڑ سونے کا ہو جائے اور میں اسکو سب کو خرچ کر دوں اور وہ قبول ہو جائے تو مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اس میں سے چھ اُوقیہ بھی اپنے بعد چھوڑوں۔ اس کے بعد ابو ذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے

کہا کہ میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا حضورؐ سے تم نے یہ حدیث تین مرتبہ سُنی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا بیشک سُنی ہے۔

ان کا ایک اور قصہ بخاری شریف وغیرہ میں آیا ہے۔ اَحنَفُ بن قیسؒ کہتے ہیں کہ میں مدینہ مُنوّرہ میں قریش کی ایک جماعت کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک صاحب تشریف لائے جن کے بال سخت تھے (یعنی تیل وغیرہ لگا ہُوا نہیں تھا) کپڑے بھی موٹے تھے، ہَیئَت بھی ایسی ہی تھی یعنی بہت معمولی سی۔ اُس مجمع کے پاس کھڑے ہو کر اوّل سلام کیا، پھر فرمایا کہ خزانہ جمع کرنے والوں کو خوشخبری دو، اُس پتّھر کی جو جہنّم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر وہ ان کے پستان پر رکھ دیا جائے گا جس کی گرمی سے اور شدّت سے گوشت وغیرہ پک کر مونڈھے کے اوپر سے اُبلنے لگے گا۔ اور پھر وہ پتّھر مونڈھے پر رکھا جائیگا تو وہ سب کچھ پستان سے بہنے لگے گا۔ یہ کہہ کر وہ مسجد کے ایک ستون کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ اَحنَفؒ کہتے ہیں کہ میں ان کو جانتا نہ تھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ میں اُن کی بات سُن کر ان کے پیچھے پیچھے چل دیا اور اُسی ستون کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے عرض کیا کہ اس مجمع والوں نے آپ کی بات کی طرف کچھ توجّہ نہیں کی بلکہ اس گفتگو کو ناپسند سمجھا۔ وہ فرمانے لگے، یہ بیوقوف ہیں کچھ سمجھتے نہیں ہیں۔ مجھ سے میرے محبوب نے کہا ہے۔ اَحنَف نے پوچھا کہ آپ کے محبوب کون؟ کہنے لگے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، اے ابُوذر! تم اُحُد کا پہاڑ دیکھتے ہو۔ میں یہ سمجھا کہ کسی جگہ کام کو بھیجنا مقصود ہے اس لئے یہ دکھلانا ہے کہ کتنا دن باقی ہے۔ میں نے کہا، جی ہاں دیکھ رہا ہوں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے پاس اس پہاڑ کی برابر سونا ہو تو میرا دل چاہتا ہے کہ اس کو سارے کو خرچ کر دوں مگر تین دینار (جن کا بیان اَور روایات میں ہے)، اس کے بعد ابُوذرؓ نے کہا لیکن یہ لوگ سمجھتے نہیں، دُنیا کو جمع کرتے جاتے ہیں، اور مجھے خدا کی قسم نہ تو ان سے دُنیا کی طلب نہ دین کا اِستفسار کرنا ہے (پھر میں کیوں دبوں مجھے تو صاف صاف کہنا ہے)۔ (فتح) حضرت ابُوذرؓ کا ایک واقعہ دوسری فصل کے سلسلہ آیات میں نمبر ۵ پر بھی آرہا ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے (آسمان سے) اُترتے ہیں۔ ایک دُعا کرتا ہے، اے اللہ خرچ کرنے والے کو

اَحَدُ هُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا	بدل عطا فرما، دوسرا دُعاء کرتا ہے اے
خَلَفًا وَّيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ	اللہ روک کر رکھنے والے کا مال
اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا ، متفق علیہ	برباد کر۔ (مشکوٰۃ)

ف: قرآن پاک کی آیات میں بھی نمبر۲ پر جو آیت گذری ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا کرے گا۔ اس جگہ اور بھی متعدد روایات اس کی تائید میں گذر چکی ہیں۔ حضرت ابو درداءؓ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بھی آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کی دونوں طرف دو فرشتے اعلان کرتے ہیں جس کو جن و انس کے سوا سب سنتے ہیں کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو، تھوڑی چیز جو کفایت کا درجہ رکھتی ہو اُس زیادہ مقدار سے بہت بہتر ہے، جو اللہ سے غافل کر دے۔

(اور جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو اس کے دونوں جانب دو فرشتے زور سے دُعا کرتے ہیں۔ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روک کر رکھنے والے کے مال کو برباد کر (عینی بروایت احمد) ایک حدیث میں ہے کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں جانب دو فرشتے آواز دیتے ہیں کہ یا اللہ خرچ کرنے والے کا بدل جلدی عطا فرما اور یا اللہ روک کر رکھنے والے کے مال کو جلدی ہلاک فرما۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آسمان میں دو فرشتے ہیں، جن کے متعلق صرف یہی کام ہے کوئی دوسرا کام نہیں، ایک کہتا رہتا ہے، یا اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما، دوسرا کہتا ہے یا اللہ روک کر رکھنے والے کو ہلاکت عطا فرما۔ (کنز)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح شام کی خصوصیت نہیں، ان کی ہر وقت یہی دُعا ہے۔ لیکن پہلی روایات کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتے آفتاب طلوع ہونے کے وقت اور غروب کے وقت خاص طور سے یہ دُعا کرتے ہیں، اور مشاہدہ اور تجربہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ مال جمع کر کے رکھنے والوں پر اکثر ایسی چیزیں مسلط ہو جاتی ہیں جن سے وہ سب ضائع ہو جاتا ہے کسی پر مقدمہ مسلط ہو جاتا ہے کسی پر آوارگی سوار ہو جاتی ہے، کسی کے چور پیچھے لگ جاتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ بربادی کبھی تو بعینہٖ اس مال کی ہوتی ہے اور کبھی صاحب مال کی، یعنی وہ خود ہی چل دیتا ہے، اور کبھی بربادی نیک اعمال کے ضائع ہونے سے ہوتی ہے کہ وہ

اس میں پھنس کر نیک اعمال سے جاتا رہتا ، اور اس کے بالمقابل جو خرچ کرتا ہے اس کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص صدقہ اچھی طرح کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے ترکہ میں اچھی طرح نیابت کرتے ہیں۔ (احیاء) یعنی اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا مال وارث برباد نہیں کرتے، لغو چیزوں میں ضائع نہیں کرتے ورنہ اکثر رؤسا کے لڑکے باپ کے مال کا جو حشر کرتے ہیں وہ معلوم ہی ہے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ جو خرچ پسندیدہ ہے وہ وہی خرچ ہے جو نیک کاموں میں ہو، اہل و عیال کے نفقہ میں ہو یا مہمانوں پر خرچ ہو یا دوسری عبادتوں میں ہو۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ یہ فرض عبادت اور نفل عبادت دونوں کو شامل ہے، لیکن نوافل سے رکنے والا بد دعا کا مستحق نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کی طبیعت پر ایسا بخل مسلط ہو جائے کہ جو واجبات میں بھی خوشی سے خرچ نہ کرے۔ (فقط) لیکن آئندہ حدیث تعمیم کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

(۳) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضـ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَیْرٌ لَّکَ وَاَنْ تُمْسِکَہٗ شَرٌّ لَّکَ وَلَا تُلَامُ عَلٰی کَفَافٍ وَّابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ
رواہ مسلم ، مشکوٰۃ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے آدم کے بیٹے تو ضرورت سے زائد مال کو خرچ کر دے یہ تیرے لئے بہتر ہے، اور تو اس کو روک کر رکھے تو یہ تیرے لئے برا ہے اور بقدر کفایت روکنے پر ملامت نہیں، اور خرچ کرنے میں جن کی روزی تیرے ذمہ ہے ان سے ابتداء کر (کہ ان پر خرچ کرنا دوسروں سے مقدم ہے)۔

ف: اس مضمون کی تائید بھی آیات نمبر ۴ پر گذر چکی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ خود ہی فرما چکے ہیں کہ جتنا زائد ہو وہ خرچ کر دو۔ اس جگہ یہ حدیث شریف بھی گذر چکی ہے، اہتمام کی اور توضیح کی وجہ سے یہاں دوبارہ ذکر کی گئی۔ حقیقت یہی ہے کہ اپنے سے جو مال زائد ہو وہ جمع کر کے رکھنے کے واسطے ہے ہی نہیں۔ اس کے لئے بہترین بات یہی ہے کہ وہ اللہ کے بنک میں جمع کر دیا جائے جس کو کوئی زوال نہیں، اس پر کوئی آفت نہیں آتی، اور ایسے سخت مصیبت کے وقت کام آنے والا ہے جس وقت کے مقابلہ میں یہاں کی ضرورتیں کچھ بھی نہیں ہیں اور وہاں اس وقت کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اثاثہ صرف وہی ہوگا

جو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ دوسری چیز اس حدیث شریف میں یہ ہے کہ بقدرِ کفایت روکنے پر ملامت نہیں۔ یعنی جتنی کی واقعی ضرورت ہو کہ اس کے بغیر گذر مشکل ہو یا دستِ سُوال دراز کرنا پڑے اس کو محفوظ رکھنے پر الزام نہیں ہے اور جن کی روزی اپنے ذمہ ہے اہل و عیال ہوں یا دوسرے لوگ ہوں حتیٰ کہ جانور بھی اگر محبُوس کر رکھا ہے تو اس کی خبر گیری اپنے ذمّہ ہے اس کو ضائع اور برباد کرنے کا گناہ اور وبال ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہی بہت ہے کہ جس کی روزی اس کے ذمّہ ہو اس کو ضائع کر دے۔ (مشکوٰۃ)

عبداللہ بن صامتؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابُوذرؓ کے ساتھ تھا کہ ان کا وظیفہ جو بَیْتُ المَال میں تھا وہ ان کو مِلا۔ وہ اپنی ضروریات خریدنے کے لئے جا رہے تھے، ان کی باندی ساتھ تھی جو ان کی ضرورتیں مہیا کر رہی تھی۔ اس کے پاس ضروری چیزوں کے بعد سات اشرفیاں بچ گئیں۔ انہوں نے باندی سے فرمایا کہ ان کے پیسے لے آ (تاکہ انکو تقسیم کر دیں) میں نے کہا کہ اگر ان اشرفیوں کو آپ ابھی رہنے دیں کہ اور ضرورتیں پیش آئیں گی، مہمان بھی آتے رہتے ہیں فرمایا کہ مجھ سے میرے دوست (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) نے یہ قرار داد کی تھی کہ جو سونا یا چاندی باندھ کر رکھا جائے گا وہ مالک پر آگ کی چنگاری ہے جب تک کہ اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کر دیا جائے (ترغیب)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی طرف سے اپنی ضرورت سے زیادہ چیز کو خرچ کر دینے کی اتنی ترغیبات وارد ہوئی ہیں کہ بعض صحابۂ کرامؓ کو یہ خیال ہونے لگا کہ آدمی کو اپنی ضرورت سے زیادہ چیز رکھنے کا حق ہی نہیں۔ حضرت ابُو سعید خُدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے کہ ایک شخص اپنی اونٹنی کو کبھی اِدھر کبھی اُدھر لے جاتے تھے۔ اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس سواری زائد ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس سواری نہیں، اور جس کے پاس توشہ زائد ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس توشہ نہیں، حتیٰ کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آدمی کا اپنی ضرورت سے زیادہ میں کوئی حق ہی نہیں۔ (ابوداؤد) ان صاحب کا اپنی اونٹنی کو اِدھر اُدھر پھرانا یا تو اس پر تفاخر اور بڑائی کی وجہ سے تھا تب تو حضورؐ کے آئندہ ارشاد کے مُخاطب یہی صاحب ہیں۔ اور حاصل یہ ہے کہ ضرورت سے زائد چیز تفاخر کے لئے نہیں ہوتی، دوسروں کی اعانت کے لئے ہوتی ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ پھرانا اس کی ناگفتہ بہ حالت دکھانے کے واسطے صورتِ سُوال تھا۔ اس صُورت میں حضورؐ کے ارشاد کے مُخاطب

دوسرے حضرات ہیں۔

(۴) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَآءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ إِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَاٰى اَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ قَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِّنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ اَنْ يَّحْبِسَنِيْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ۔

(رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ)

عُقبہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی حضورؐ نے نماز کا سلام پھیرا اور تھوڑی دیر بعد اُٹھ کر نہایت عُجلت کے ساتھ لوگوں کے مونڈھوں پر کو گذرتے ہوئے اَزْواجِ مُطہّرات کے گھروں میں سے ایک گھر میں تشریف لے گئے۔ لوگوں میں حضورؐ کے اس طرح جلدی تشریف لے جانے سے تشویش پیدا ہوئی کہ نہ معلوم کیا بات پیش آگئی۔ حضورؐ مکان سے واپس تشریف لائے تو لوگوں کی حیرت کو محسوس فرمایا اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سونے کا ایک ٹکڑا یاد آگیا تھا جو گھر میں رہ گیا تھا مجھے یہ بات گراں گذری (کہ کبھی موت آجائے اور وہ رہ جائے اور میدانِ حشر میں اس کی جواب دہی اور اس کا حساب) مجھے روک لے اس لئے اس کو جلدی بانٹ دینے کو کہہ کر آیا ہوں۔"

ف: اسی قصّہ میں دوسری حدیث میں ہے کہ مجھے یہ بات ناپسند ہوئی کہ کہیں میں اس کو بھول جاؤں اور وہ رات کو میرے پاس رہ جائے۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک اور قصّہ حدیث میں آیا ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بیماری میں حضورؐ کے پاس چھ سات اشرفیاں تھیں (اسی وقت کہیں سے آگئی ہوں گی) حضورؐ نے مجھے حکم فرمایا کہ ان کو جلدی بانٹ دو۔ حضورؐ کی بیماری کی شدّت کی وجہ سے مجھے ان کو تقسیم کرنے کی مہلت نہ ملی۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ اشرفیاں تقسیم کر دیں۔ میں نے عرض کیا۔ آپ کی بیماری نے بالکل مہلت نہ دی۔ فرمایا اُٹھا کر لاؤ۔ ان کو لے کر ہاتھ پر رکھا اور فرمایا کہ اللہ کے نبی کا کیا گمان ہے (یعنی اس کو کس قدر ندامت ہوگی) اگر وہ اس حال میں اللہ جَلَّ شانُہٗ سے ملے کہ یہ اس کے پاس ہوں۔ (مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضؓ سے اسی قسم کا ایک اور قصّہ نقل کیا گیا جس میں وارد ہے کہ رات

ہی کو کہیں سے آگئی تھیں، حضورؐ کی نیند اُڑ گئی۔ جب اخیر شب میں مَیں نے اُن کو خرچ کر دیا جب نیند آئی۔ (احیاء) حضرت سہلؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے پاس سات اشرفیاں تھیں جو حضرت عائشہؓ کے پاس رکھی تھیں۔ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ وہ علیؓ کے پاس بھیج دو۔ یہ فرمانے کے بعد حضورؐ پر غشی طاری ہو گئی جس کی وجہ سے حضرت عائشہؓ اس میں مشغول ہو گئیں۔ تھوڑی دیر میں افاقہ ہوا تو پھر یہی فرمایا اور پھر غشی ہو گئی، بار بار غشی ہو رہی تھی۔ آخر حضورؐ کے بار بار فرمانے پر حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کے پاس وہ بھیج دیں۔ انہوں نے تقسیم فرما دیں۔

یہ قصہ تو دن میں گذرا، اور شام کو کہ دوشنبہ کی رات حضورؐ کی زندگی کی آخری رات تھی۔ حضرت عائشہؓ کے گھر میں چراغ میں تیل بھی نہ تھا۔ ایک عورت کے پاس چراغ بھیجا کہ حضورؐ کی طبیعت زیادہ خراب ہے وصال کا وقت قریب ہے، اس میں گھی ڈال دو کہ اسی کو جلالیں (ترغیب)

حضرت اُمِّ سلمہؓ سے اس قسم کا اور قصہ نقل کیا گیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ تشریف لائے اور آپؐ کے چہرہ مبارک پر تغیُّر (گرانی) کا اثر تھا، میں یہ سمجھی کہ طبیعت ناساز ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسولَ اللہ! آپ کے چہرہ پر کچھ گرانی کا اثر ہے کیا بات ہوئی۔ فرمایا سات دینار رات آگئے تھے وہ بستر کے کونے پر پڑے ہیں اب تک خرچ نہیں ہوئے۔ (عراقی احیاء)

حضورؐ کی خدمت میں ہدایا تو آتے ہی رہتے تھے لیکن دن ہو، رات ہو، صحت ہو، بیماری ہو، اس وقت تک طبیعت مبارک پر بوجھ رہتا تھا جب تک وہ خرچ نہ ہو جائیں اور حد ہے کہ اپنے گھر میں بیماری کی شدت میں رات کو جلانے کو تیل بھی نہیں لیکن سات اشرفیاں موجود ہونے پر بھی گھر کی ضرورت کا نہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو خیال آیا، نہ اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہؓ ہی کو یاد آیا کہ تھوڑا سا تیل بھی منگالیں۔

مجھے اپنے والد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ کا یہ معمول دیکھنے کا بارہا موقعہ ملا کہ رات کو وہ اپنے مِلک میں کوئی روپیہ پیسہ رکھنا نہیں چاہا کرتے تھے۔ قرضہ تو ہمیشہ ہی سر رہا حتّٰی کہ وصال کے وقت بھی سات آٹھ ہزار روپیہ قرض تھا۔ اس لئے اگر رات کو روپیوں کی کوئی مقدار ہوتی تو وہ کسی قرض خواہ کے حوالے کر دیتے اور پیسے ہوتے تو وہ بچوں میں سے کسی کو دیدیتے، اور فرمایا کرتے تھے میرا نہیں جی چاہتا کہ یہ گندگی رات کو میرے پاس رہے موت کا اعتبار نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر میں نے حضرتِ اقدس قُدوۃُ الزّاہدین شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ کے متعلق سُنا ہے کہ حضرت کے پاس

فتوحات کی کثرت تھی، اور جب کچھ جمع ہو جاتا، تو بہت اہتمام سے اس کو خیر کے مواقع میں تقسیم فرما دیا کرتے۔ اس کے بعد پھر کہیں سے کچھ آجاتا تو چہرۂ مبارک پر گرانی کے آثار ہوتے اور ارشاد فرماتے کہ یہ اور آگیا۔ آخر میں حضرت نے اپنے پہننے کے کپڑے بھی تقسیم فرما دیئے تھے اور اپنے مخصوص خادم حضرت مولانا عبدالقادر صاحب[ؒ] زاد مجدہم سے فرمایا تھا کہ بس اب تو تم سے کپڑا مستعار لے کر پہن لیا کروں گا۔ اللہ کے اولیاء کی شانیں اور انداز بھی عجیب ہوا کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک ولولہ ہے کہ جیسے آئے تھے ویسے ہی واپس جاویں، اس دنیا کے متاع کا ذخیرہ ملک میں نہ ہو۔

(۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللهِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَخْشَی الْفَقْرَ وَتَأْمُلُ الْغِنٰی وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ۔

متفق علیه (مشکوٰۃ)

"ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسا صدقہ ثواب کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا یہ کہ تو صدقہ ایسی حالت میں کرے، کہ تندرست ہو مال کی حرص دل میں ہو، اپنے فقیر ہو جانے کا ڈر ہو، اپنے مال دار ہونے کی تمنا ہو اور صدقہ کرنے کو اس وقت تک مؤخر نہ کر کہ روح حلق تک پہنچ جائے یعنی مرنے کا وقت قریب آجائے تو تو یوں کہے کہ اتنا مال فلاں (مسجد) کا اور اتنا مال فلاں (مدرسہ) کا، حالانکہ اب مال فلاں (وارث) کا ہو گیا"

ف: "فلاں (وارث) کا ہو گیا" کا مطلب یہ ہے کہ وارث کا حق اس میں شامل ہو گیا۔ اسی لئے وصیت صرف ایک تہائی میں ہو سکتی ہے اور مرض الموت کے صدقات بھی تہائی میں ہو سکتے ہیں، اس سے زیادہ کا حق مرنے والے کو نہیں ہے۔ اسی واسطے ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ آدمی کہتا ہے میرا مال میرا مال، حالانکہ اس کا مال صرف تین چیزیں ہیں۔ جو کھا لیا یا پہن لیا یا اللہ کے خزانہ میں صدقہ کر کے جمع کر دیا، اس کے علاوہ جو رہ گیا وہ جانے والا ہے یعنی یہ شخص اسکو لوگوں کے لئے چھوڑنے والا ہے۔ (مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کر دے وہ اس سے بہتر ہے کہ

[ؒ] حضرت مولانا عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ وفات پاگئے۔ آپکا وصال ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو لاہور میں ہوا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرتے وقت سو درہم صدقہ کرے (مشکوٰۃ) اس لئے کہ واقعی مرتے وقت تو وہ گویا دوسرے کے مال میں سے صدقہ کر رہا ہے کہ اب اس کا کیا رہا اس کو تو بہرحال اس مال کو چھوڑ کر جانا ہے۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص مرتے وقت صدقہ کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص جب خوب پیٹ بھر لے تو بچے ہوئے کھانے کا ہدیہ تحفہ کسی کے پاس لے کر جائے۔ (مشکوٰۃ) حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مختلف مثالوں سے اس پر تنبیہ فرمائی کہ اصل صدقہ کا وقت تندرستی اور صحت کا ہے کہ اپنے نفس سے اصل مقابلہ اسی وقت ہے لیکن ان سب کا مطلب یہ نہیں کہ مرتے وقت کا صدقہ یا وصیت بیکار ہے۔ بہرحال ثواب اس کا بھی ہے، ذخیرۂ آخرت وہ بھی بنتا ہے البتہ اتنا ثواب نہیں ہوتا جتنا اپنی ضرورتوں اور راحتوں کے مقابلہ میں صدقہ کرنے کا ثواب ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (بقرہ۔ع ۲۲) "تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت آنے لگے اگر وہ مال چھوڑے تو والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے لئے کچھ وصیت کر جائے جو معروف طریقہ پر ہو جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری چیز ہے۔" یہ حکم جو اس آیت شریفہ میں ذکر کیا گیا، ابتدائِ اسلام کا ہے۔ اس وقت ماں باپ کے لئے بھی وصیت فرض تھی، اس کے بعد جب میراث کا حکم نازل ہوا تو والدین اور جن رشتہ داروں کا حق شریعت نے معیّن کر دیا، ان کے لئے وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا، لیکن جن رشتہ داروں کا حق شریعت نے مقرر نہیں کیا، ان کے لئے ایک تہائی مال میں وصیت کا حق اب بھی باقی ہے لیکن میراث کے حکم سے پہلے یہ فرض تھا اب فرض نہیں ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ شریفہ کے حکم سے ان کو وصیت منسوخ ہو گئی جو وارث بنتے ہیں، اور جو وارث نہیں بنتے ان کو وصیت منسوخ نہیں ہوئی۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس آیتِ شریفہ میں وصیت اب ان کے لئے رہ گئی جو وارث نہیں ہوتے، خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں (درمنثور)

ایک حدیث میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ارشاد آیا ہے، اے آدم کے بیٹے تو زندگی میں بخیل تھا مرنے کے وقت اسراف کرنے لگا دو بُرائیاں اکٹھی نہ کر۔ ایک زندگی (میں بخل) کی، دوسری مرنے کے وقت کی۔ تو اپنے ایسے رشتہ داروں کو دیکھ جو تیری میراث سے محروم ہیں اور ان کے لئے کچھ وصیت کر جا (کنز)

آیات میں نمبر۲ پر خود حق تعالیٰ شانہٗ کے پاک کلام میں بھی اس طرف اشارہ گذر چکا ہے، کہ صدقہ اس وقت کا افضل ہے جب کہ آدمی کو مال کی محبت ستا رہی ہو بمقابلہ اسکے کہ دل سرد ہو چکا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ اُس شخص سے ناراض ہوتے ہیں جو اپنی زندگی میں تو بخیل ہو اور مرنے کیوقت سخی ہو جائے

اس لئے جو لوگ صدقات واوقاف میں مرنے کے وقت کا انتظار کرتے ہیں یہ پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ اوّل تو اسی کا علم کسی کو نہیں کہ کب اور کس طرح موت آجائے۔ متعدد واقعات اس قسم کے قابلِ عبرت دیکھنے میں آئے کہ مرنے کے وقت بہت کچھ صدقات اور اوقاف کرنے کی اُمنگیں لوگوں میں تھیں لیکن بیماری نے ایسا گھیرا کہ مہلت ہی نہ لینے دی، کسی پر فالج گر گیا، کسی کی زبان بند ہو گئی، کہیں وَرثہ بیمار داری بیچ میں حائل ہو گئے اور اگر ان سب عوارض سے بچ کر اس کی نوبت آبھی جائے جو بہت کم آتی ہے تب بھی وہ درجۂ ثواب کا تو ہوتا نہیں جو اپنی خواہشات کو نقصان پہنچا کر صدقہ کرنے کا ہے۔ البتہ اگر اپنی زندگی میں کوتاہی سے نہ کر سکا ہو تو مرنے ہی کیوقت کو غنیمت سمجھے کہ مرنے کے بعد کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔ سب دو چار دن رو کر بھول جاتے ہیں۔ روزانہ کے یہ مُشاہدے ہیں۔ جو کچھ لے جانا ہے خود ہی اپنے ساتھ لے جاؤ کام دے گا۔

(۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضـ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِیْ یَدِ سَارِقٍ فَاَصْبَحُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّیْلَةَ عَلٰى سَارِقٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى سَارِقٍ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِیْ یَدِ زَانِیَةٍ فَاَصْبَحُوْا

(بنی اسرائیل کے) ایک آدمی نے اپنے دل میں کہا کہ آج رات کو چھپکے سے صدقہ کروں گا۔ چنانچہ رات کو چپکے سے ایک آدمی کے ہاتھ میں مال دے کر چلا آیا صبح کو لوگوں میں آپس میں چرچا ہوا کہ رات کوئی شخص ایک چور کو صدقہ دے گیا اس صدقہ کرنے والے نے کہا یا اللہ چور پر صدقہ کرنے میں بھی تیرے ہی لئے تعریف ہے (کہ اس سے بھی زیادہ بدحال کو دیا جاتا تو تب بھی میں کیا کر سکتا تھا) پھر اس نے دوبارہ ٹھانی کہ آج رات کو پھر صدقہ کروں گا (کہ پہلا تو ضائع گیا) چنانچہ رات کو صدقہ کا مال لے کر نکلا اور اس کو ایک عورت کو دے آیا (یہ خیال کیا ہو گا کہ یہ تو چوری کیا کرے گی) صبح کو چرچا ہوا

یَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّیْلَةَ عَلٰی زَانِیَةٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰی زَانِیَةٍ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِیْ یَدِ غَنِیٍّ فَاَصْبَحُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّیْلَةَ عَلٰی غَنِیٍّ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰی سَارِقٍ وَّزَانِیَةٍ وَّغَنِیٍّ. فَاُتِیَ فَقِیْلَ لَهٗ اَمَّا صَدَقَتُكَ عَلٰی سَارِقٍ فَلَعَلَّهٗ اَنْ یَّسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهٖ وَاَمَّا الزَّانِیَةُ فَلَعَلَّهَا اَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا وَاَمَّا الْغَنِیُّ فَلَعَلَّهٗ یَعْتَبِرُ فَیُنْفِقُ مِمَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ۔

(متفق علیہ۔ مشکوٰۃ)

کہ رات کوئی شخص فلاں بدکارہ عورت کو صدقہ دے گیا۔ اس نے کہا یا اللہ تیرے ہی لئے تعریف ہے زنا کرنیوالی عورت پر بھی (کہ میرا مال تو اس سے بھی کم درجہ کے قابل تھا) پھر تیسری مرتبہ ارادہ کیا کہ آج رات کو ضرور صدقہ کرونگا چنانچہ رات کو صدقہ لے کر گیا اور اس کو ایک شخص کو دیدیا جو مالدار تھا صبح کو چرچا ہوا کہ رات ایک مالدار کو صدقہ دیا گیا۔ اس صدقہ دینے والے نے کہا یا اللہ تیرے ہی لئے تعریف ہے چور پر بھی زنا کرنے والی عورت پر بھی اور غنی پر بھی۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ (تیرا صدقہ قبول ہو گیا ہے)، تیرا صدقہ چور پر اس لئے کرایا گیا) کہ شاید وہ اپنی چوری کی عادت سے توبہ کرلے اور زانیہ پر اس لئے کہ وہ شاید زنا سے توبہ کرلے (جب وہ یہ دیکھے گی کہ بغیر منہ کالا کرائے بھی اللہ جَلَّ شَانُہٗ عطا فرماتے ہیں تو اس کو غیرت آئے گی)، اور غنی پر اس لئے تاکہ اس کو عبرت حاصل ہو (کہ اللہ کے بندے کس طرح چھپ کر صدقہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے) شاید وہ بھی اس مال میں سے جو اس کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے عطا فرمایا ہے صدقہ کرنے لگے۔)

ف: ایک حدیث میں یہ قصہ اور طرح سے ذکر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ وُہ دوسرا قصہ ہو، کہ اس قسم کے متعدد واقعات میں کوئی اشکال نہیں، اور اگر وہ یہی قصہ ہے تو اس سے اس قصہ کی کچھ وضاحت ہوتی ہے۔ طاؤسؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے منّت مانی کہ جو شخص سب سے پہلے اس آبادی میں نظر پڑیگا اس پر صدقہ کروں گا۔ اتفاق سے سب سے پہلے ایک عورت ملی اس کو صدقہ کا مال دے دیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو بڑی خبیث عورت ہے۔ اس صدقہ کرنے والے نے اس کے بعد جو شخص سب سے پہلے نظر پڑا اُس کو مال دیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو بدترین شخص ہے۔ اس شخص نے اس کے بعد جو سب سے پہلے نظر پڑا

اس پر صدقہ کیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو بڑا مالدار شخص ہے۔ صدقہ کرنے والے کو بڑا رنج ہوا۔ تو اس نے خواب میں دیکھا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے تیرے تینوں صدقے قبول کر لئے۔ وُہ عورت فاحشہ عورت تھی لیکن محض ناداری کی وجہ سے اس نے یہ فعل اختیار کر رکھا تھا۔ جب سے تو نے اس کو مال دیا ہے۔ اس نے یہ بُرا کام چھوڑ دیا۔ دوسرا شخص چور تھا اور وُہ بھی تنگدستی کی وجہ سے چوری کرتا تھا، تیرے مال دینے پر اس نے چوری سے علیحدگی اختیار کر لی۔ تیسرا شخص مالدار ہے اور کبھی صدقہ نہ کرتا تھا، تیرے صدقہ کرنے سے اس کو عبرت ہوئی کہ میں اس سے زیادہ مالدار ہوں اس لئے زیادہ صدقہ کرنے کا مُستحق ہوں، اب اس کو صدقہ کی توفیق ہو گئی۔

(اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر صدقہ کرنے والے کی نیت اِخلاص کی ہو، اس کے باوجود وہ بے محل پہنچ جائے تو اس میں بھی اللہ جلّ شانہٗ کی کوئی حکمت ہوتی ہے۔ اس سے رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے۔ آدمی کا اپنا کام یہ ہے کہ اپنی نیتِ اِخلاص کی رکھے کہ اصل چیز اپنا ہی ارادہ اور فعل ہے اور ان صدقہ کرنے والے بزرگ کی فضیلت بھی ظاہر ہوئی کہ باوجود اپنی کوشش کے جب صدقہ بے جگہ صرف ہو گیا تو اس کی وجہ سے بددل ہو کر صدقہ کرنے کا ارادہ ترک نہیں کیا، بلکہ دوبارہ سہ بارہ صدقہ کو اپنے مَصرف پر خرچ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ یہی وہ ان کا اخلاص اور نیک نیتی تھی جس کی برکت سے تینوں صدقے قبول بھی ہو گئے اور قبول کی بشارت بھی خواب میں ظاہر ہو گئی۔ حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر صدقہ ظاہر کے اعتبار سے اپنے محل پر خرچ نہ ہوا ہو تو اس کو دوبارہ ادا کرنا مستحب ہے اور دوبارہ ادا کرنے سے اُکتانا نہیں چاہیئے، جیسا کہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ خدمت کو قطع نہ کرے، اگرچہ عدمِ قبول کے آثار ظاہر ہوں۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اللہ جلّ شانہٗ آدمی کی نیک نیتی کا بدلہ ضرور عطا فرماتے ہیں، اس لئے کہ ان صدقہ کرنے والوں نے خالص اللہ کے واسطے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا (اسی لئے رات کو چھپا کر دیا تھا) تو حق تعالےٰ شانہٗ نے اس کو قبول فرمایا اور بے محل خرچ ہو جانے کی وجہ سے مردود نہیں ہوا۔

(۷) عَنْ عَلِيٍّ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا (رواہ رزین، مشکوٰۃ)

(ترجمہ) حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو، اسلئے کہ بلاء صدقہ کو پھاند نہیں سکتی۔"

ف: یعنی اگر کوئی بلاء ومصیبت آنے والی ہوتی ہے تو وہ صدقہ کی وجہ سے پیچھے رہ جاتی ہے۔ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ بُرائی کے ستّر دروازوں کو بند کرتا ہے۔ایک حدیث میں آیا ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔اپنے مالوں کو زکوٰۃ ادا کر کے پاک کرو اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو اور مصیبتوں کی موجوں کا دُعا سے استقبال کرو (ترغیب)۔

کنزالعُمّال میں کئی احادیث کے ذیل میں یہ مضمون آیا ہے کہ اپنی بیماریوں کی صدقہ سے دوا کیا کرو، اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے کہ صدقہ کی کثرت بیماری سے شفاء ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ سے بیماریوں کا علاج کیا کرو کہ صدقہ آبروریزیوں کو بھی ہٹاتا ہے اور بیماریوں کو بھی ہٹاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے اور عمر بڑھاتا ہے۔ (کنز) ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کرنا ستّر بلاؤں کو روکتا ہے جن میں کم سے کم درجہ جذام کی اور برص کی بیماری ہے (کنز) ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے تفکرات اور غموں کی تلافی صدقہ سے کیا کرو، اس سے حق تعالیٰ شانہٗ تمہاری مضرّت کو بھی دفعہ کرے گا اور تمہاری دشمن پر مدد کرے گا (کنز) ایک اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی مسلمان کو کپڑا پہنائے تو جب تک پہننے والے کے بدن پر ایک بھی ٹکڑا اس کپڑے کا رہے گا پہنانے والا اللہ کی حفاظت میں رہیگا۔ابنِ اَبی الجعدؒ کہتے ہیں کہ صدقہ برائیوں کے ستّر دروازے بند کرتا ہے (احیاء) ایک حدیث میں ہے کہ صبح کو سویرے سویرے صدقہ کردیا کرو،اس لئے کہ بلا صدقہ سے آگے نہیں بڑھتی (ترغیب) آیات کے ذیل میں نمبر ۹ پر ابنُ اَبی الجعدؒ کی نقل سے ایک واقعہ بھی بھیڑیئے کا گذر چکا ہے اور متعدد روایات اس مضمون کی گذر چکی ہیں۔حضرت انسؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ صدقہ اللہ جلّ شانہٗ کے غصہ کو دُور کرتا ہے اور بُری موت کو ہٹاتا ہے (مشکوٰۃ)

عُلماء نے لکھا ہے کہ صدقہ مرنے کے وقت شیطان کے وسوسہ سے محفوظ رکھتا ہے اور مرض کی شدّت کی وجہ سے ناشکری کے الفاظ نکلنے سے حفاظت کرتا ہے اور ناگہانی موت کو روکتا ہے۔ غرض حُسنِ خاتمہ کا مُعین ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ قبر کی گرمی کو زائل کرتا ہے اور آدمی قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا (کنز) یعنی جتنا زیادہ صدقہ کرے گا، اتنا ہی زیادہ سایہ ہوگا۔

حضرت معاذؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، مجھے ایسا عمل بتادیجئے، جو جنّت

میں داخل کردے اور جہنّم سے دور رکھے۔ حضورؐ نے فرمایا تم نے بہت بڑی بات پوچھی اور وہ بہت آسان چیز ہے جس پر اللہ جلّ شانہٗ آسان کردے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی اخلاص سے عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو، رمضان المبارک کے روزے رکھو، اور بیت اللہ شریف کا حج کرو، اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا، کہ میں تمہیں خیر کے دروازے بتاؤں (یعنی جن دروازوں سے آدمی خیر تک پہنچتا ہے) اور وہ یہ ہیں روزہ ڈھال ہے (یعنی جیسا ڈھال کی وجہ سے آدمی دشمن کے حملہ کو روکتا رہتا ہے اسی طرح روزہ کے ذریعہ شیطان کے حملوں کو روکتا ہے) اور صدقہ خطاؤں کو ایسا بجھا دیتا ہے، جیسا پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور رات کے درمیانی حصّہ میں نماز (بھی ایسی ہی چیز ہے)۔ اس کے بعد حضورؐ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ۔ یہ آیت شریفہ آیات کے ذیل میں نمبر ۱۹ پر گذر چکی ہے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ میں تم کو سارے کام کا سر اور اس کا ستون اور اس کی بلندی بتاؤں۔ سب کا سر تو اسلام ہے (کہ اس کے بغیر تو کوئی چیز معتبر ہی نہیں) اور اس کا ستون نماز ہے (کہ جیسے بغیر ستون کے مکان کا باقی رہنا مشکل ہے ایسے ہی بغیر نماز کے اسلام کا بقاء مشکل ہے) اور اس کی بلندی جہاد ہے (یعنی جہاد سے اس کو بلندی ملتی ہے)۔

پھر حضورؐ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کی جڑ بتاؤں (جس پر ساری بنیاد قائم ہوتی ہے) حضورؐ نے اپنی زبانِ مبارک پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اس کو قابو میں رکھو۔ حضرت معاذؓ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ کیا ہم اس پر بھی پکڑے جائیں گے جو کچھ بات چیت زبان سے کر لیتے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا تجھ کو تیری ماں روئے اے معاذؓ! کیا آدمیوں کو ناک کے بل اوندھے منہ جہنّم میں زبان کے علاوہ اور کوئی چیز بھی ڈالتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

"تجھ کو تیری ماں روئے"، عرب کے محاورہ میں تنبیہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہم زبانوں کو جو قینچی کی طرح چلاتے رہتے ہیں وہ سب مجموعہ اعمال نامہ میں ملے گا اور اس میں لغو اور بیہودہ ناجائز چیزیں جتنی بولتے ہیں وہ جہنّم میں جانے کا سبب ہوتی ہیں۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آدمی اللہ جلّ شانہٗ کی خوشنودی کا کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے جس کو وہ بولنے والا کچھ اہم بھی نہیں سمجھتا لیکن حق تعالیٰ شانہٗ اس کلمہ کی وجہ سے اس کے درجے جنّت میں بلند کر دیتے ہیں، اور آدمی اللہ جلّ شانہٗ کی ناراضی کا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جس کو وہ کہنے والا سرسری سمجھتا ہے لیکن اس کلمہ کی وجہ سے جہنّم میں

پھینک دیا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جہنّم میں اتنی دُور پھینک دیا جاتا ہے جیسا کہ مشرق سے مغرب دُور ہے۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا پاک اِرشاد ہے کہ جو شخص دو چیزوں کا ذمہ لے لے کہ بے محل اِستعمال نہیں کرے گا، ایک وہ چیز جو دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان)، اور دوسری وہ جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو میں اس کے لئے جنّت کا ضامن ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جہنم میں آدمیوں کو کثرت سے یہی دو چیزیں ڈالتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک آدمی کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے اور محض اتنی غرض ہوتی ہے کہ لوگ ذرا ہنس پڑیں گے تفریح ہوگی لیکن اس کے وبال سے جہنّم میں اتنی دُور پھینک دیا جاتا ہے جتنی آسمان سے زمین دُور ہے۔

حضرت سُفیان ثقفیؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپ کو اپنی اُمّت پر سب سے زیادہ ڈر کس چیز کا ہے؟ حضورؐ نے اپنی زبان مُبارک پکڑ کر فرمایا کہ اس کا (مشکوٰۃ)۔ ان کے علاوہ اور بہت سی روایات میں مختلف عنوانوں سے یہ چیز وارد ہوئی ہے ہم لوگ اس سے بہت ہی غافل ہیں۔ یقیناً آدمی کو اس کا اکثر لحاظ رکھنا چاہیئے کہ زبان سے جو کچھ کہہ رہا ہے اس سے اگر کوئی نفع نہ پہنچے تو کم از کم کسی آفت اور مصیبت میں تو گرفتار نہ ہو۔

حضرت سُفیان ثوریؒ مشہور امام حدیث اور فقہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک گناہ صادر ہوگیا تھا جس کی وجہ سے پانچ مہینے تک تہجّد سے محروم رہا۔ کسی نے پوچھا۔ ایسا کیا گناہ ہوگیا تھا؟ فرمایا ایک شخص رو رہا تھا میں نے اپنے دِل میں یہ کہا تھا یہ شخص رِیاکار ہے (احیاء)۔ یہ دل میں کہنے کی نحوست ہے۔ ہم لوگ اس سے کہیں زیادہ سخت لفظ زبان سے لوگوں کے مُتعلق کہتے رہتے ہیں اور بے وجہ کہتے رہتے ہیں۔ اور اگر اس سے مخالفت بھی ہو پھر تو اس کے اوپر بہتان باندھنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتے، اس کے ہر ہُنر کو عیب اور ہر عیب کو زیادہ وقیع بنا کر شہرت دیتے ہیں۔

(۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اِرشاد ہے کہ صدقہ کرنا مال کو کم نہیں کرتا اور کسی خطاوار کے قصور کو مُعاف کر دینا، مُعاف کرنے والے کی عزّت ہی کو بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی رضا کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو رفعت اور

اِلَّا رَفَعَهُ - (رواہ مسلم - مشکوٰۃ) بلندی عطا فرماتے ہیں۔

ف: اس حدیث پاک میں تین مضمون وارد ہوئے ہیں ۱ یہ کہ صدقہ دینے سے ظاہر کے اعتبار سے اگرچہ مال میں کمی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں مال میں اس سے کمی نہیں ہوتی، بلکہ اس کا بدل اور نِعْمَ الْبَدَل آخرت میں تو ملتا ہی ہے جیسا کہ اب تک کی سب آیات اور روایات سے بکثرت معلوم ہو چکا ہے۔ دنیا میں بھی اکثر اس کا بدل ملتا ہے، جیسا کہ آیات میں نمبر ۱۴ پر اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے اور نمبر ۲۰ پر تو گویا اس کی تصریح گذر چکی ہے کہ جو کچھ تم (اللہ کے راستہ میں) خرچ کروگے اللہ جَلَّ شَانُہٗ اُس کا بدل عطا کرے گا۔ اور اس آیت کے ذیل میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مُتَعَدِّد ارشادات اس کی تائید میں گذر چکے ہیں۔ اور احادیث کے ذیل میں نمبر ۲ پر حضور کا ارشاد گذر چکا ہے کہ روزانہ دو فرشتے یہ دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روکنے والے کو بربادی عطا کر۔

حضرت اَبُو کَبْشَہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں اور اس کے بعد ایک بات خاص طور سے تمہیں بتاؤں گا، اس کو اچھی طرح محفوظ رکھنا۔ وہ تین باتیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں، ان میں سے اوّل یہ ہے کہ کسی بندہ کا مال صدقہ کرنے سے کم نہیں ہوتا۔ اور دوسری یہ ہے کہ جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس صبر کی وجہ سے اس کی عزت بڑھاتے ہیں۔ اور تیسری یہ ہے کہ جو شخص لوگوں سے مانگنے کا دروازہ کھولے گا حق تعالیٰ شانہٗ اس پر فقر کا دروازہ کھولتے ہیں۔ ان تین کے بعد ایک بات تمہیں بتاتا ہوں اس کو محفوظ رکھو، وہ یہ ہے کہ دنیا میں چار قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے علم بھی عطا فرمایا اور مال بھی عطا فرمایا وہ (اپنے علم کی وجہ سے) اپنے مال میں اللہ سے ڈرتا ہے (کہ اس کی خلاف مرضی خرچ نہیں کرتا بلکہ) صلہ رحمی کرتا ہے اور اللہ کے لئے اس مال میں نیک عمل کرتا ہے، اس کے حقوق ادا کرتا ہے یہ شخص سب سے اُونچے درجوں میں ہے۔

دوسرا وہ شخص ہے جس کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے علم عطا فرمایا اور مال نہیں دیا۔ اس کی نیت سچی ہے وہ تمنا کرتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں کی طرح سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتا تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کی نیت کی وجہ سے اس کو بھی وہی ثواب دیتا ہے جو پہلے کا ہے۔ اور یہ دونوں ثواب میں برابر ہو جاتے ہیں۔

تیسرے وہ شخص ہے جس کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے مال عطا کیا مگر علم نہیں دیا وہ اپنے مال میں گڑبڑ کرتا ہے (بے محل لہو ولعب اور شہوتوں میں خرچ کرتا ہے) نہ اس مال میں اللہ کا خوف کرتا ہے نہ صلہ رحمی کرتا ہے نہ حق کے موافق خرچ کرتا ہے۔ یہ شخص (قیامت میں) خبیث ترین درجہ میں ہوگا۔

چوتھا وہ شخص ہے جس کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے نہ مال عطا کیا نہ علم دیا۔ وہ تمنا کرتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہو تو میں بھی فلاں (یعنی نمبر۳) کی طرح خرچ کروں تو اس کو اس کی نیت کا گناہ ہوگا اور وبال میں یہ اور نمبر۳ برابر ہو جائیں گے (مشکوٰۃ بروایۃ الترمذی وقال حدیث صحیح)۔

حضرت ابن عباسؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ صدقہ کرنا مال کو کم نہیں کرتا اور جب کوئی شخص صدقہ کرنے کیلئے ہاتھ بڑھاتا ہے تو وہ مال فقیر کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے پاک ہاتھ میں جاتا ہے (یعنی قبول ہوتا ہے) اور جو شخص ایسی حالت میں دستِ سوال بڑھاتا ہے کہ بغیر سوال کے اس کا کام چل جاتا ہو، توحق تعالیٰ شانُہٗ اُس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔[1]

حضرت قیس بن سلع انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میرے بھائیوں نے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے شکایت کی کہ یہ بہت اِسراف کرتا ہے اور اپنے مال کو بے جا خرچ کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ میں باغ میں سے اپنا حصہ لے لیتا ہوں اور اللہ کے راستہ میں بھی خرچ کرتا ہوں اور جو مجھ سے ملنے آتے ہیں ان کو بھی کھلاتا ہوں۔ حضورؐ نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر تین بار فرمایا، کہ خرچ کیا کر، اللہ جَلَّ شَانُہٗ تجھ پر خرچ فرمائیں گے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں ایک سفرِ جہاد میں چلا تو میرے پاس سواری بھی اپنی تھی اور اپنے سب گھر والوں سے زیادہ ثروت مجھے حاصل تھی۔ (ترغیب) یعنی جو لوگ بڑی احتیاط کے ساتھ خرچ کرتے تھے اُن کے پاس اتنا نہ تھا جتنا مجھ بے دریغ خرچ کرنے والے کے پاس تھا۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو، قبل اس کے کہ تمہیں موت آجائے۔ اور نیک کاموں میں جلدی کرو اس سے پہلے کہ تم اِدھر اُدھر مشغول ہو جاؤ اور اپنے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے درمیان تعلقات کو جوڑ لو۔ اس کا ذکر کثرت سے کرکے اور مخفی اور علانیہ صدقہ بہت کثرت سے دیکر کہ اس کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جائے گا، تمہاری مدد کی جائے گی، تمہارے نقصان کی تلافی کی جائے گی۔ (ترغیب)۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کے ذریعے رزق پر مدد چاہو۔ دوسری حدیث میں آیا ہے، کہ

[1] ترغیب

صدقہ کے ذریعہ سے رزق اُتارو (کنز) ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ سے مال میں زیادتی ہوتی ہے۔[1]

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں ان چیزوں پر قسم کھاتا ہوں۔ اوّل یہ کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، اس لئے خوب صدقہ کیا کرو۔ دوسرے یہ کہ جس بندہ پر کوئی ظلم کیا جائے اور وہ اس کو معاف کردے تو حق تعالیٰ شانہٗ قیامت میں اسکی عزت بڑھاتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ نہیں کھولتا کوئی بندہ سُوال کے دروازہ کو مگر حق تعالیٰ شانہٗ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں (ترغیب)

حضرت ابُوسلمہؓ سے بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا پس صدقہ کیا کرو (درمنثور)۔ کم نہ ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کا نعم البدل بہت جلد عطا فرماتے ہیں۔ حضرت حبیب عجمیؒ مشہور بزرگ ہیں ان کی بیوی ایک مرتبہ آٹا گوندھ کر برابر کے گھر سے آگ لینے گئیں، پیچھے کوئی سائل آگیا، حضرت حبیبؒ نے وہ آٹا اس سائل کو دیدیا۔ یہ جب آگ لے کر آئیں تو آٹا ندارد، خاوند سے پوچھا۔ آٹا کیا ہوا۔ وہ کہنے لگے کہ وہ روٹی پکنے گیا ہے۔ ان کو یقین نہ آیا، اصرار کرنے لگیں۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ تو میں نے صدقہ کردیا۔ کہنے لگیں، سُبحان اللہ تم نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ اتنا ہی آٹا تھا، اب سب کیا کھائیں گے آخر ہمارے لئے بھی تو کچھ چاہیے تھا وہ کہہ رہی تھیں کہ ایک آدمی بڑے پیالہ میں گوشت اور روٹیاں لے کر حاضر ہوا، کہنے لگیں، کیسے جلدی پکا لائے اور سالن اضافہ میں ساتھ لائے (روض)

اس قسم کے واقعات کثرت سے پیش آتے ہیں مگر ہم چونکہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے اس لئے غور بھی نہیں کرتے کہ یہ نعمت کس چیز کے بدلہ میں ملی۔ ایسی چیزوں کو سمجھتے ہیں، کہ اتفاقاً فلاں چیز مل گئی ورنہ کیا ہوتا، حالانکہ وہ چیز آئی ہی ہے خرچ کرنے کی وجہ سے۔

(۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رض عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْاَرْضِ فَسَمِعَ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص ایک جنگل میں تھا، اس نے ایک بادل میں سے یہ آواز سُنی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے۔ اس آواز کے بعد فوراً وہ بادل ایک طرف چلا اور

[1] کنز

صَوْتًا فِي سَحَابَةٍ اِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰى ذٰلِكَ السَّحَابُ فَافْرَغَ مَاءَهٗ فِي حَرَّةٍ فَاِذَا شَرْجَةٌ مِّنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِكَ الْمَاءَ كُلَّهٗ فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ فَاِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِي حَدِيْقَتِهٖ يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهٖ فَقَالَ لَهٗ يَا عَبْدَ اللّٰهِ مَا اسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ اَلْاِسْمُ الَّذِيْ سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهٗ يَا عَبْدَ اللّٰهِ لِمَ تَسْأَلُنِيْ عَنِ اسْمِيْ فَقَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ الَّذِيْ هٰذَا مَاءُهٗ وَيَقُوْلُ اِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ لِاسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيْهَا قَالَ اَمَّا اِذَا قُلْتَ هٰذَا فَاِنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَاَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَ اٰكُلُ اَنَا وَعِيَالِيْ ثُلُثًا وَ

ایک پتھریلی زمین میں خوب پانی برسا اور وہ سارا پانی ایک نالے میں جمع ہو کر چلنے لگا۔ یہ شخص جس نے آواز سُنی تھی، اس پانی کے پیچھے چل دیا۔ وہ پانی ایک جگہ پہنچا جہاں ایک شخص کھڑا ہوا بیلچہ سے اپنے باغ میں پانی پھیر رہا تھا۔ اُس نے باغ والے سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے وہی نام بتایا، جو اُس نے بادل میں سُنا تھا۔ پھر باغ والے نے اس سے پُوچھا کہ تم نے میرا نام کیوں دریافت کیا۔ اُس نے کہا۔ میں نے اس بادل میں جس کا پانی یہ آرہا ہے یہ آواز سُنی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے اور تمہارا نام بادل میں سُنا تھا۔ تم اس باغ میں کیا کام ایسا کرتے ہو (جس کی وجہ سے بادل کو یہ حکم ہوا کہ اس کے باغ کو پانی دو) باغ والے نے کہا کہ جب تم نے یہ سب کہا تو مجھے بھی کہنا پڑا۔ میں اس کے اندر جو کچھ پیدا ہوتا ہے اس کو دیکھتا ہوں (اور اس کے تین حصے کرتا ہوں) ایک حصہ یعنی تہائی تو فوراً اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیتا ہوں اور ایک تہائی میں اور میرے اہل وعیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اسی باغ کی ضروریات میں لگا دیتا

وَ اَرُدُّ فِيهَا ثُلُثَهٗ ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ) ہوں ۔

ف: کس قدر برکت ہے اللہ کے نام پر صرف ایک تہائی آمدنی کے خرچ کرنے کی، کہ پردۂ غیب سے ان کے باغ کی پرورش کے سامان ہوتے ہیں، اور کھلی مثال ہے اِس مضمون کی جو پہلی حدیث میں گذرا کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا کہ باغ کی ایک تہائی پیداوار صدقہ کی تھی اور تمام باغ کے دوبارہ پھل لانے کے اِنتظامات ہو رہے ہیں۔

اس حدیث شریف سے ایک بہترین سبق اور بھی حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ آدمی کو اپنی آمدنی کا کچھ حصہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے متعیَّن کر لینا زیادہ مفید ہے۔ اور تجربہ بھی یہی ہے کہ اگر آدمی یہ طے کرلے کہ اتنی مقدار اللہ کے راستہ میں خرچ کرنی ہے تو پھر خیر کے مَصارِف اور خرچ کرنے کے مَواقع بہت ملتے رہتے ہیں۔ اور اگر یہ خیال کرے کہ جب کوئی کارِخیر ہوگا اس وقت دیکھا جائیگا، تو اوّل تو کارِخیر ایسی حالت میں بہت کم سمجھ میں آتے ہیں اور ہر موقعہ پر نفس اور شیطان یہی خیال دل میں ڈالتے ہیں کہ یہ کوئی ضروری خرچ تو ہے نہیں۔ اور اگر کوئی بہت ہی اہم کام ایسا بھی ہو جس میں خرچ کرنا کھلی خیر ہے تو اکثر موجود نہیں ہوتا اور موجودگی میں بھی اپنی ضروریات سامنے آکر کم سے کم خرچ کرنے کو دل چاہتا ہے اور اگر مہینہ کے شروع ہی میں تنخواہ ملنے پر ایک حصہ علیحدہ کر کے رکھ دیا جائے یا روزانہ تجارت کی آمدنی میں سے صندوقچی کا ایک حصہ علیحدہ کر کے اس میں مُتعیَّنہ مقدار ڈال دی جایا کرے کہ یہ صرف اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے تو پھر خرچ کے وقت دل تنگی نہیں ہوتی کہ اس کو تو بہر حال وہ مقدار خرچ کرنا ہی ہے، بڑا مُجرَّب نسخہ ہے، جس کا دل چاہے کچھ روز تجربہ کر کے دیکھ لے۔

اَبُو وائِل رحؒ کہتے ہیں کہ مجھ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے قُرَیظہ کی طرف بھیجا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں وہاں جاکر وہی عمل اختیار کروں جو بنی اسرائیل کا ایک نیک مرد کرتا تھا، کہ ایک تہائی صدقہ کر دوں اور ایک تہائی اس میں چھوڑ دوں اور ایک تہائی ان کے پاس لے آؤں (کنز)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام بھی اس نسخہ پر عمل فرماتے تھے۔

(۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضـ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِاِمْرَاَةٍ مُوْمِسَةٍ

(حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک فاحشہ عورت (رنڈی) کی اتنی بات پر بخشش کر دی گئی کہ وہ چلی جا رہی تھی اس نے ایک کنویں پر دیکھا

مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَأَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ قِيْلَ اِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ اَجْرًا قَالَ فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ۔ متفق علیہ ۔ (مشکوٰۃ)

کہ ایک کتّا کھڑا ہوا ہے جس کی زبان پیاس کی شدّت کی وجہ سے باہر نکلی پڑی ہے اور وہ مرنے کو ہے۔ اس عورت نے اپنے پاؤں کا (چمڑہ کا) موزہ نکالا اور اس کو اپنی اوڑھنی میں باندھ کر کنوئیں میں سے پانی نکالا اور اس کتّے کو پلایا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کیا ہم لوگوں کو جانوروں کے صلہ میں بھی ثواب ملتا ہے حضورؐ نے فرمایا ہر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار) پر احسان کرنے میں ثواب ہے (مسلمان ہو یا کافر، آدمی ہو یا جانور)

ف (یہ قصّہ بنی اسرائیل کی ایک رنڈی کا ہے جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے (کنز)، بخاری شریف وغیرہ میں ایک اور قصّہ اسی قسم کا ایک مرد کا بھی آیا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص جنگل میں چلا جارہا تھا۔ اس کو پیاس کی شدّت نے بہت پریشان کیا، وہ ایک کنوئیں میں اُترا، اور جب پانی پی کر باہر نکلا تو اُس نے دیکھا کہ ایک کتّا پیاس سے بیتاب ہے اور پیاس کی شدّت سے گارے میں منہ مار رہا ہے۔ اس شخص کو خیال ہوا کہ اس کو بھی پیاس کی وہی تکلیف ہو رہی ہے جو مجھے تھی۔ کوئی چیز پانی نکالنے کی تھی نہیں، اس لئے اپنے پاؤں کا موزہ نکالا اور دوبارہ کنوئیں میں اُتر کر اس کو بھرا، اور موزہ کو منہ سے پکڑ کر دونوں ہاتھوں کی مدد سے اوپر چڑھا اور وہ پانی اس کتّے کو پلایا۔ حق تعالےٰ شانہٗ نے اس کے اس کارنامہ کی قدر فرمائی، اور اُس شخص کی مغفرت فرمادی۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جانوروں میں بھی اجر ہوتا ہے حضورؐ نے فرمایا کہ ہر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار) میں اجر ہے (بخاری)

ایک حدیث میں ہے ہر گرم جگر والے میں اجر ہے (کنز) "موزہ میں پانی بھرنے" کا مطلب یہ ہے کہ عرب میں چمڑہ کے موزوں کا عام رواج ہے اور ان میں پانی بھرنے سے کم گرتا ہے۔ اور منہ سے پکڑنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جنگل کے کنووں میں عام طور سے کچھ اینٹیں وغیرہ اس

طرح باہر کو نکال دیتے ہیں کہ جن کی مدد سے آدمی اگر اس کے پاس ڈول رسّی نہ ہو تو نیچے اُتر سکتا ہے لیکن اُترنے چڑھنے کے لئے ہاتھوں سے مدد لینے کی ضرورت ضرور پیش آیا کرتی ہے اس لئے موزہ کو منہ سے سنبھالنا پڑا۔ رسالہ کے ختم پر حکایات کے ذیل میں نمبر ۴۲ پر ایک ظالم کا قصہ بھی ایسا ہی ہے جس نے ایک خارشی کتے کو پناہ دی تھی اس کی وہی بات پسند آگئی۔ ان دونوں حدیثوں میں کتے جیسے ذلیل جانور پر احسان کرنے کا جب یہ بدلہ ہے تو آدمی جو اَشرَفُ المَخلُوقات ہے اس پر احسان کرنے کا کیا کچھ بدلہ ہوگا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایسے جانور جن کو مارنا مستحب ہے جیسے کہ سانپ، بچھو، وغیرہ اس سے مُستثنیٰ ہیں لیکن دوسرے اہلِ علم حضرات فرماتے ہیں کہ ان کے مارنے کے حکم کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ان کا پیاسا ہونا معلوم ہو جائے تو ان کو پانی نہ پلایا جائے، اس لئے کہ ہم مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ جس کو کسی وجہ سے قتل کیا جائے اس میں بہتری کی رعایت رکھی جائے۔ اسی وجہ سے جس کو قتل کرنا ضروری ہے اس کے بھی ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹنے کی ممانعت ہے۔ (فتح)

(ان دونوں حدیثوں سے اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث سے ایک لطیف چیز یہ بھی معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ شانہٗ، کو کسی شخص کا کوئی ایک عمل بھی اگر پسند آجائے تو اس کی برکت سے عمر بھر کے گناہ بخش دیتے ہیں، اس کے لطف و کرم کے مقابلہ میں یہ کوئی بھی چیز نہیں ہے، البتہ قبول ہو جانے اور پسند آجانے کی بات ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر گناہ گار کے سارے گناہ پانی پلانے سے یا کسی ایک نیکی سے بخش دیئے جائیں، ہاں کوئی چیز کسی کی قبول ہو جائے تو کوئی مانع نہیں۔ اس لئے آدمی کو نہایت اخلاص سے کوشش کرتے رہنا چاہیئے اللہ جانے کونسا عمل وہاں پسند ہو جائے پھر بیڑا پار ہے۔)

بڑی چیز اخلاص ہے یعنی خالص اللہ کے لئے کوئی کام کرنا، جس میں دُنیا کی کوئی غرض شامل نہ ہو نہ اس سے دُنیا کمانا مقصود ہو، نہ شہرت وجاہت مطلوب ہو، ان میں سے کوئی چیز شامل ہو جاتی ہے تو وہ سارا کیا کرایا برباد کر دیتی ہے، اور محض اس کے لئے کوئی کام ہو تو معمولی سے معمولی کام بھی پہاڑوں سے وزن میں بڑھ جاتا ہے۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے صاحبزادہ کو نصیحت کی کہ جب تجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو صدقہ کیا کر (احیاء) اس لئے کہ یہ گناہ کو دھوتا ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ، کے غصہ کو دُور کرتا ہے

(۱۱) عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ جنت

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَغُرَفًا يُرٰى ظُهُوْرُهَا مِنْ بُطُوْنِهَا وَ بُطُوْنُهَا مِنْ ظُهُوْرِهَا قَالُوْا لِمَنْ هِيَ قَالَ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ أَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلّٰى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔ اخرجہ ابن ابی شیبۃ والترمذی وغیرہما کذا فی الدر۔

میں ایسے بالاخانے ہیں جو گویا آئینوں کے بنے ہوئے ہیں کہ انکے اندر کی سب چیزیں باہر سے نظر آتی ہیں اور ان کے اندر سے باہر کی سب چیزیں نظر آتی ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کن لوگوں کے لئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، جو اچھی طرح بات کریں (یعنی تُرش روئی سے منہ چڑھا کر بات نہ کریں) اور لوگوں کو کھانا کھلائیں، اور ہمیشہ روزہ رکھیں اور ایسے وقت میں رات کو تہجّد پڑھیں کہ لوگ سو رہے ہوں۔

ف: حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، کہتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، میں خبر سنتے ہی فوراً گیا اور آپ کا چہرۂ مبارک دیکھ کر میں نے کہا کہ یہ مُبارک چہرہ جھوٹے شخص کا نہیں ہو سکتا۔ وہاں پہنچ کر جو سب سے پہلا ارشاد حضورؐ کی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا "لوگو! سلام کا آپس میں رواج ڈالو، اور کھانا کھلایا کرو، صلۂ رحمی کیا کرو، اور رات کے وقت جب سب لوگ سوتے ہوں، نماز پڑھا کرو، سلامتی کے ساتھ جنّت میں داخل ہو جاؤگے" (مشکوٰۃ)

آیات کے ذیل میں بھی نمبر ۱۴ کی طویل آیت میں یہ مضمون گذر چکا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو، اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض اللہ کے واسطے کھانا کھلاتے ہیں نہ تو ہم تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ چاہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کو روٹی کھلائے کہ اس کا پیٹ بھر جائے اور پانی پلائے کہ پیاس جاتی رہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اور جہنم کے درمیان سات خندقیں کر دیتے ہیں، ہر خندق اتنی بڑی کہ سات سو سال میں طے ہو (کنز) ایک حدیث میں ہے کہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (بمنزلہ اولاد کے) پس اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی عیال کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہے (کنز) ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے، اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی

سے پیش آئے اور اپنے ڈول میں سے پڑوسی کے برتن میں پانی ڈال دے (کنز)۔ اچھی طرح گفتگو کرنے کا اہم جزو یہ بھی ہے، کہ اس سے خندہ پیشانی سے بات کرے، منہ چڑھا کر ترشروئی سے بات نہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ احسان کا کوئی حصہ بھی حقیر نہیں، چاہے اتنا ہی ہو کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ کوئی شخص احسان کے کسی درجہ کو بھی حقیر نہ سمجھے اور کچھ بھی نہ ہو، تو کم از کم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی ہی سے پیش آئے (کنز) ایک حدیث میں آیا ہے تیرا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنا بھی صدقہ ہے۔ کسی کو نیکی کا حکم کرنا یا برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے کسی بھولے ہوئے کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے۔ راستہ سے کسی کانٹے وغیرہ تکلیف دینے والی چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے۔ اپنے ڈول سے کسی کے برتن میں پانی ڈال دینا بھی صدقہ ہے (کنز)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جہنمی آدمی ایک صف میں کھڑے کئے جائیں گے ان پر ایک مسلم (کامل جنتی) گذرے گا۔ اس صف میں سے ایک شخص اس سے کہے گا کہ تو میرے لئے اللہ تعالےٰ کے یہاں سفارش کردے۔ وہ پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جہنمی کہے گا کہ تو مجھے نہیں پہچانتا، تو نے دنیا میں ایک مرتبہ مجھ سے پانی مانگا تھا جس پر میں نے تجھے پانی پلایا تھا۔ اس پر وہ سفارش کرے گا۔ (اور وہ قبول ہو جائے گی)۔ اسی طرح دوسرا شخص کہے گا کہ تو نے مجھ سے دنیا میں فلاں چیز مانگی تھی وہ میں نے تجھ کو دی تھی۔ (کنز)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جہنمیوں کی صف پر ایک جنتی کا گذر ہوگا تو ان میں سے ایک شخص اسکو آواز دے کر کہے گا کہ تم مجھے نہیں پہچانتے، میں وہی تو ہوں جس نے فلاں دن تمہیں پانی پلایا تھا، فلاں وقت تمہیں وضو کا پانی دیا تھا۔ (مشکوٰۃ) ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جنتی اور جہنمی لوگوں کی جب صفیں لگ جائیں گی تو جہنمی صفوں میں سے ایک شخص کی نظر جنتی صفوں میں سے کسی شخص پر پڑے گی، اور وہ اس کو یاد دلائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے ساتھ فلاں احسان کیا تھا، اس پر وہ جنتی شخص اس کا ہاتھ پکڑ کر حق تعالےٰ شانہٗ کی بارگاہ میں عرض کریگا کہ یا اللہ اس کا مجھ پر فلاں احسان ہے۔ اللہ پاک کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت کے طفیل اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے۔ (کنز)

ایک حدیث میں ہے کہ فقراء کی جان پہچان کثرت سے رکھا کرو اور ان کے اوپر احسانات کیا کرو ان کے پاس بڑی دولت ہے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ دولت کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا

کہ ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جس نے تمہیں کوئی ٹکڑا کھلایا ہو یا پانی پلایا ہو یا کپڑا دیا ہو، اس کا ہاتھ پکڑ کر جنّت میں پہنچا دو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالےٰ شانہٗ فقیر سے قیامت کے دن میں ایسی طرح مَعذرت کریں گے جیسا کہ آدمی آدمی سے کیا کرتا ہے اور فرمائیں گے کہ میری عزّت اور جلال کی قسم، مَیں نے دُنیا کو تجھ سے اس لئے نہیں ہٹایا تھا کہ تو میرے نزدیک ذلیل تھا بلکہ اس لئے ہٹایا تھا کہ تیرے لئے آج بڑا اعزاز ہے، میرے بندے ان جہنّمی لوگوں کی صفوں میں چلا جا، جس نے تجھے میرے لئے کھانا کِھلایا ہو یا کپڑا دیا ہو وُہ تیرا ہے۔ وہ اس حالت میں ان میں داخل ہو گا کہ یہ لوگ منہ تک پسینہ میں غرق ہوں گے، وہ پہچان کر ان کو جنّت میں داخل کرے گا (روض الریاحین)

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک اعلان ہو گا کہ اُمّتِ محمّدیہ کے فقراء کہاں ہیں اٹھو اور لوگوں کو میدانِ قیامت میں سے تلاش کر لو، جس شخص نے تم میں سے کسی کو میرے لئے ایک لقمہ دیا ہو یا میرے لئے کوئی گھونٹ پانی کا دیا ہو یا میرے لئے کوئی نیا یا پُرانا کپڑا دیا ہو، ان کے ہاتھ پکڑ کر جنّت میں داخل کر دو، اس پر فقراءِ اُمّت اٹھیں گے اور کسی کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے کہ یا اللہ اس نے مجھے کھانا کھلایا تھا، اس نے مجھے پانی پلایا تھا۔ کوئی بھی فُقراءِ اُمّت میں سے چھوٹا یا بڑا شخص ایسا نہ ہو گا جو اُن کو جنّت میں داخل نہ کرائے (کنز)، ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی جاندار کو جو بُھوکا ہو کھانا کھلائے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو جنّت کے بہترین کھانوں میں سے کھانا کھلائیں گے (کنز)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس گھر سے لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہو، خیر اس گھر کی طرف ایسی تیزی سے بڑھتی ہے جیسی تیزی سے چُھری اُونٹ کے کوہان میں چلتی ہے (کنز) حضرت عبداللہ بن مُبارکؒ عمدہ کھجوریں دوسروں کو کِھلاتے اور کہتے کہ جو شخص زیادہ کھائے گا اس کو فی کھجور ایک دِرہم دیا جائے گا (احیاء)

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اِعلان کرنے والا اعلان کرے گا، کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے فقیروں اور مسکینوں کا اِکرام کیا، آج تم جنّت میں ایسی طرح داخل ہو جاؤ کہ نہ تم پر کسی قسم کا خوف ہے، نہ تم غمگین ہو۔ اور ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا، کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے بیمار، فقیروں اور غریبوں کی عیادت کی، آج وہ نُور کے منبروں پر بیٹھیں، اور اللہ جَلّ شانہٗ سے باتیں کریں اور دوسرے لوگ حساب کی سختی میں مُبتلا ہوں گے (کنز)، ایک حدیث میں ہے کتنی حوریں ایسی ہیں جن کا مہر ایک مُٹھی بھر کھجور یا اتنی ہی مقدار کوئی اور چیز دینا ہے (کنز)، ایک حدیث میں آیا ہے

کہ بُھوکے کو کھانا کھلانے سے زیادہ افضل کوئی صدقہ نہیں (کنز) ایک حدیث میں آیا ہے کہ مغفرت کے واجب کرنیوالی چیزوں میں بھوکوں کو کھانا کھلانا ہے (کنز)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جَلّ شانُہٗ کے نزدیک سب اعمال سے زیادہ محبوب کسی مسلمان کو خوش کرنا ہے یا اس پر سے غم کا ہٹانا ہے یا اس کا قرض ادا کر دینا ہے یا بھوک کی حالت میں اس کو کھانا کھلانا ہے (کنز) یعنی یہ سب اعمال زیادہ پسندیدہ ہیں جو بھی ہو سکے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ مغفرت کے واجب کرنے والی چیزوں میں کسی مسلمان کو خوشی پہنچانا ہے، اس کی بھوک کو زائل کرنا ہے، اس کی مصیبت کو ہٹانا ہے (کنز)، ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی دنیاوی حاجت پوری کرتا ہے حق تعالےٰ شانُہٗ اس کی بہتر حاجتیں پوری کرتے ہیں جن میں سے سب سے ہلکی چیز اس کے گناہوں کی مغفرت ہے (کنز) یعنی اور حاجتیں مغفرت سے بھی بڑھ کر ہیں نیز حدیث نمبر ۱۳ میں بھی اس کا بیان آرہا ہے۔

(۱۲) عَنْ اَسْمَاءَ رضؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْفِقِيْ وَلَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ اِرْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ۔ متفق علیه كذا فی المشكوٰة

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ (خوب) خرچ کیا کر اور شمار نہ کر (اگر ایسا کریگی) تو اللہ جَلّ شانُہٗ بھی تجھ پر شمار کرے گا اور محفوظ کر کے نہ رکھ (اگر ایسا کریگی) تو اللہ جَلّ شانُہٗ تجھ پر محفوظ کر کے رکھے گا۔ (یعنی کم عطا کریگا) عطا کر جتنا بھی تجھ سے ہو سکے۔

ف: یہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ کی ہمشیرہ ہیں، حضورؐ نے اس پاک حدیث میں کئی نوع سے خرچ کے زیادہ کرنے کی ترغیب ارشاد فرمائی۔ اوّل تو خوب خرچ کرنے کا صاف صاف حکم ہی فرمایا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ خرچ وہی پسندیدہ ہے جو شریعت مُطہّرہ کے موافق اللہ کی رضا کی چیزوں میں کیا جائے۔ شریعت کے خلاف خرچ کرنا موجبِ ثواب نہیں، وبال ہے۔ اس کے بعد حضورِ اقدس صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے شمار کرنے کی مُمانعت فرمائی جو پہلے ہی مضمون کی تاکید ہے۔ اس کے علماء نے دو مطلب ارشاد فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ گننے سے مراد گن گن کر رکھنا اور جمع کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر تو گن گن کر رکھے گی

تو اللہ جَلّ شانُہٗ کی طرف سے عطا میں بھی تنگی کی جائے گی۔ جیسا کرنا ویسا بھرنا۔

(دوسرا مطلب یہ ہے کہ فقراء کو دینے میں شمار نہ کر، تاکہ اللہ جَلّ شانُہٗ کی طرف سے بدلہ اور ثواب بھی بے حساب ملے۔ اس کے بعد پھر اس مضمون کو اور زیادہ مؤکّد فرمایا کہ محفوظ کرکے نہ رکھ، اگر تو اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے بجائے محفوظ کرکے رکھے گی، تو اللہ جَلّ شانُہٗ بھی اپنی عطا اور احسان وکرم کی زیادتی کو تجھ سے روک لے گا، اس کے بعد اس کو اور زیادہ مؤکّد کرنے کو ارشاد فرمایا کہ جتنا بھی تجھ سے ہوسکے خرچ کیا کر، یعنی کم وزیادہ کی پرواہ نہ کیا کر، نہ یہ خیال کر کہ اتنی بڑی مقدار مناسب نہیں، نہ یہ سوچا کر کہ اتنی ذرا سی چیز کیا دوں، جو اپنی طاقت اور قدرت میں ہو اس کے خرچ کرنے میں دریغ نہ کیا کر۔

(دوسری احادیث میں کثرت سے یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جہنّم کی آگ سے صدقہ کے ساتھ اپنا بچاؤ اور اپنی حفاظت کرو، چاہے کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو کہ وہ بھی جہنّم کی آگ سے حفاظت کا سبب ہے بخاری شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت اسماءؓ نے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے دریافت کیا کہ حضورؐ میرے پاس اپنی تو کوئی چیز اب ہے نہیں، صرف وہی ہوتا ہے جو (میرے خاوند) حضرت زبیرؓ دے دیں، کیا اس میں سے صدقہ کر دیا کروں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ صدقہ کیا کرو اور برتن میں محفوظ کرکے نہ رکھا کرو (اگر ایسا کرے گی، تو اللہ جَلّ شانُہٗ بھی تجھ سے (اپنی عطا کو) محفوظ فرمالے گا۔ اس حدیث پاک میں اگر حضرت زبیرؓ کے دینے سے مراد ان کا حضرت اسماءؓ کو مالک بنا دینا ہے تب تو یہ مال حضرت اسماءؓ کا ہو گیا وہ جس طرح چاہیں اپنے مال کو خرچ کریں ان کو اختیار ہے اور اگر اس سے مراد گھر کے اخراجات کے واسطے دینا ہے تو پھر حضورؐ کے ارشاد مبارک کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کو حضرت زبیرؓ کی طبیعت سے اس کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ان کو صدقہ کرنے میں گرانی نہیں ہوتی۔

اور اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت زبیرؓ کو خاص طور سے صدقہ کرنے کی ترغیب اور تاکید فرمائی تھی۔ یہ حضرات صحابۂ کرامؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی عمومی ترغیبات پر جان ودل سے فدا ہوتے تھے، اور اگر کسی شخص کو خصوصی ترغیب ونصیحت حضورؐ فرمادیتے تو اس کی قدر دانی کا تو پوچھنا ہی کیا۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں واقعات اس کے شاہد ہیں۔ "حکایاتِ صحابہ" کے نویں باب میں مثال کے طور پر چند قصّے اس کے لکھ چکا ہوں۔

(علامہ سیوطیؒ نے دُرِّ منثور میں خود حضرت زبیرؓ سے ایک قصّہ نقل کیا ہے جس میں حضورؐ نے انکو خروج

کرنے کی خصوصی ترغیب دی ہے۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضورؐ کے سامنے بیٹھا تھا، کہ حضورؐ نے (اہتمام اور تنبیہ کے طور پر) میرے عمامہ کا پچھلا کنارہ پکڑ کر فرمایا کہ اے زبیرؓ میں اللہ کا قاصد ہوں تمہاری طرف خاص طور سے اور سب لوگوں کی طرف عام طور سے (یعنی یہ بات تمہیں اللہ جل شانہ، کی طرف سے خاص طور سے پہنچاتا ہوں)۔ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جل شانہ، نے کیا فرمایا ہے۔ میں عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ، جب اپنے عرش پر جلوہ فرما تھا تو اللہ جل شانہ، نے اپنے بندوں کی طرف (کرم کی) نظر فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بندو تم میری مخلوق ہو، میں تمہارا پروردگار ہوں۔ تمہاری روزیاں میرے قبضہ میں ہیں، تم اپنے آپ کو ایسی چیز کے اندر مشقت میں نہ ڈالو جس کا ذمہ میں نے لے رکھا ہے۔ اپنی روزیاں مجھ سے مانگو۔ اس کے بعد حضورؐ نے پھر فرمایا کہ اور بتاؤں تمہارے رب نے کیا کہا۔ یہ کہا کہ اے بندے تو لوگوں پر خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ تو لوگوں پر فراخی کر، میں تجھ پر فراخی کروں گا۔ تو لوگوں پر خرچ میں تنگی نہ کر، تاکہ میں تجھ پر تنگی نہ کروں۔ تو لوگوں سے (بچاکر) باندھ کر نہ رکھ تاکہ میں تجھ سے باندھ کر نہ رکھوں۔ تو خزانہ جمع کر کے نہ رکھ، تاکہ میں تیرے (نہ دینے) پر جمع کر کے نہ رکھ لوں۔ رزق کا دروازہ سات آسمانوں کے اوپر سے کھلا ہوا ہے جو عرش سے ملا ہوا ہے، وہ نہ رات کو بند ہوتا ہے نہ دن میں۔ اللہ جل شانہ، اس دروازہ سے ہر شخص پر روزی اتارتا رہتا ہے، اس شخص کی نیت کے بقدر اس کی عطا کے بقدر، اس کے صدقہ کے بقدر، اس کے اخراجات کے بقدر اس کو عطا فرماتا ہے۔ جو شخص زیادہ خرچ کرتا ہے اس کے لئے زیادہ اتارا جاتا ہے، جو کم خرچ کرتا ہے اس کے لئے کمی کر دی جاتی ہے، اور جو روک کر رکھتا ہے اس سے روک دیا جاتا ہے۔ اے زبیرؓ! خود بھی کھاؤ دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ اور باندھ کر نہ رکھو کہ تم پر باندھ کر رکھ دیا جائے اور شمار نہ کرو کہ تم پر بھی شمار کیا جائے۔ تنگی نہ کرو کہ تم پر بھی تنگی کر دی جائے۔ مشقت میں (لوگوں کو) نہ ڈالو کہ تم پر مشقت ڈال دی جائے۔

اے زبیرؓ، اللہ جل شانہ، خرچ کرنے کو پسند کرتا ہے اور تنگی کو ناپسند کرتا ہے۔ سخاوت (اللہ جل شانہ، کے ساتھ) یقین سے ہوتی ہے اور بخل شک سے پیدا ہوتا ہے جو شخص (اللہ جل شانہ، کے ساتھ کامل یقین رکھتا ہے وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا، اور جو شک کرتا ہے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ زبیرؓ! اللہ جل شانہ سخاوت کو پسند کرتا ہے چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو اور اللہ تعالے

بہادری کو پسند کرتا ہے چاہے سانپ اور بچھو ہی کے مارنے میں کیوں نہ ہو۔

اے زبیرؓ! اللہ جلّ شانہٗ زلزلوں (اور حوادث) کے وقت صبر کو محبوب رکھتا ہے، اور شہوتوں کے غلبہ کے وقت ایسے یقین کو پسند کرتا ہے جو سب جگہ سرایت کر جائے (اور شہوت کے پورا کرنے سے روک دے) اور (دین میں) شبہات پیدا ہونے کے وقت عقل کامل کو محبوب رکھتا ہے، اور حرام اور گندی چیزوں کے سامنے آنے پر تقوے کو پسند کرتا ہے۔ اے زبیرؓ! بھائیوں کی تعظیم کرو اور نیک لوگوں کی عظمت بڑھاؤ اور اچھے آدمیوں کا اعزاز کرو، پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور فاسق لوگوں کے ساتھ راستہ بھی نہ چلو، جو ان چیزوں کا اہتمام کرے گا، جنت میں بغیر عذاب کے اور بغیر حساب کے داخل ہوگا۔ یہ اللہ کی نصیحت ہے مجھ کو اور میری نصیحت ہے تم کو۔

آیات کے ذیل میں نمبر ۲ پر بھی اس قصہ کی طرف مختصر اشارہ گذر چکا ہے اور اس کے متعلق کلام بھی۔ حضورؐ کے اس تفصیلی ارشاد کے بعد حضرت زبیرؓ کی طبیعت کا جو اندازہ ہوگا وہ ظاہر ہے۔ ایسی حالت میں حضرت اسماءؓ کو اُنکے مال میں سے بے دریغ خرچ کرنے کو اگر فرمایا ہو تو بے محل نہیں ہے۔ حضرت زبیرؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی بھی ہیں۔ اگر قرابت والوں سے تعلقات قوی ہوں تو اس قسم کے تصرفات تعلقات کی قوت اور زیادتی کا سبب ہوا کرتے ہیں جن کا مشاہدہ اور تجربہ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس سب کے علاوہ خود حضرت زبیرؓ کی فیاضی کا کیا پوچھنا۔ صاحبِ اصابہ نے لکھا ہے کہ اُن کے ایک ہزار غلام تھے جو اُن کو خراج ادا کرتے تھے لیکن اس میں سے ذرا سا بھی گھر میں نہ جاتا تھا یعنی سب کا سب صدقہ ہی ہوتا تھا۔ اسی فیاضی کا یہ ثمرہ تھا کہ انتقال کے وقت بائیس لاکھ درم قرضہ تھا جس کا مفصل قصہ ذکرہ بخاری شریف میں مذکور ہے۔ اور قرضہ کی صورت کیا تھی، یہ کہ امانتدار بہت تھے، محتاط بہت تھے۔ لوگ اپنی امانتیں رکھواتے اور وہ یہ ارشاد فرما دیتے کہ امانت رکھنے کی جگہ تو میرے پاس ہے نہیں، مجھے قرض دے دو جب ضرورت ہو لے لینا، اس کو بجائے امانت کے قرض لیتے اور خرچ کر دیتے۔

اور ایک حضرت زبیرؓ ہی کیا، ان سب حضرات کا ایک ہی سا حال تھا۔ ان حضرات کے یہاں مال رکھنے کی چیز تھی ہی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک تھیلی میں چار سو دینار (اشرفیاں) بھریں اور غلام سے فرمایا کہ یہ ابو عبیدہؓ کو دے آ کہ اپنی ضروریات میں خرچ کرلیں اور غلام سے یہ بھی فرما دیا کہ ان کو

دینے کے بعد وہیں کسی کام میں مشغول ہو جانا تاکہ دیکھو کہ وہ ان کو کیا کرتے ہیں۔ وہ غلام لے گئے اور جا کر ان کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو بڑی دعائیں دیں اور اپنی باندی کو بلایا اور اس کے ہاتھ سے سات فلاں کو اور پانچ فلاں کو، اتنے اس کو اتنے اس کو، اسی مجلس میں سب ختم کر دیئے۔ غلام نے واپس آکر حضرت عمرؓ کو قصہ سنایا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اتنی ہی مقدار ان کے ہاتھ حضرت معاذؓ کو بھیجی اور اسوقت بھی یہی کہا کہ وہاں کسی کام میں لگ جانا تاکہ یہ دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی باندی کے ہاتھ اسی وقت فلاں گھر اتنے، فلاں گھر اتنے بھیجنے شروع کر دیئے۔ اتنے میں حضرت معاذؓ کی بیوی آئیں کہ ہم بھی تو مسکین اور ضرورتمند ہیں کچھ ہمیں بھی دیدو۔ حضرت معاذؓ نے وہ تھیلی ان کے پاس پھینک دی۔ اس میں دو باقی رہ گئی تھیں، باقی سب تقسیم ہو چکی تھیں۔ غلام نے آکر حضرت عمرؓ کو قصہ سنایا۔ حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ سب بھائی بھائی ہیں یعنی سب ایک ہی نمونہ کے ہیں (ترغیب)

(۱۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰی عُرْیٍ کَسَاہُ اللّٰہُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّۃِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰی جُوْعٍ اَطْعَمَہُ اللّٰہُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّۃِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰی مُسْلِمًا عَلٰی ظَمَاٍ سَقَاہُ اللّٰہُ مِنَ الرَّحِیْقِ الْمَخْتُوْمِ۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی کذا فی الترغیب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ننگے پن کی حالت میں کپڑا پہنائے گا حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو جنت کے سبز لباس پہنائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کچھ کھلائے گا حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی پلائے گا، اللہ جل شانہٗ اس کو ایسی شراب جنت پلائے گا، جس پر مہر لگی ہوئی ہوگی۔

ف: "مہر لگی ہوئی شراب سے" اس پاک شراب کی طرف اشارہ ہے جو قرآن پاک میں نیک لوگوں کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہٗ کا پاک ارشاد سورۂ تطفیف میں ہے: اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۙ﴿﴾ عَلَی الْاَرَآئِکِ یَنْظُرُوْنَ ﴿﴾ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِہِمْ نَضْرَۃَ النَّعِیْمِ ﴿﴾ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿﴾ خِتٰمُہٗ مِسْکٌ ؕ وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿﴾

(ترجمہ) نیک لوگ بڑی آسائش میں ہوں گے مسہریوں پر بیٹھے ہوئے (بہشت کے عجائب) دیکھتے ہوں گے اے مخاطب! تو اُن کے چہروں میں آسائش کی بشاشت اور تراوٹ پہچانے گا۔ ان کو پینے کے لئے خالص

شراب سربمہر جس پر مشک کی مُہر ہوگی ملے گی ۔حرص کرنے والوں کو اس چیز میں حرص کرنا چاہیے یعنی حرص کرنے کی چیزیں یہ ہیں "۔

مُجاہدؒ کہتے ہیں کہ رحیق جنّت کی شرابوں میں سے ایک شراب ہے جو مشک سے بنائی گئی ہے اور اس میں تسنیم کی آمیزش ہے ۔ تسنیم کا ذکر اسی صورت میں اس آیت سے آگے ہے ۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ تسنیم جنّت کی شرابوں میں سے افضل ترین شراب ہے ۔ مقربین اس کو خالص پیئں گے اور دوسرے درجہ کے لوگوں کی شرابوں میں اس کی آمیزش ہوگی ۔

حضرت حسن بصریؒ سے بھی نقل کیا گیا کہ رحیق ایک شراب ہے جس میں تسنیم کی آمیزش ہے ۔حدیث بالا میں جو فضیلت ارشاد فرمائی ہے وہ ننگے پن کی حالت ، بھوک اور پیاس کی حالت میں کپڑا پہنانے اور کھلانے پلانے کی فضیلت بیان فرمائی ہے یہ حالت خرچ کرنے والے کی ہے یا جس پر خرچ کیا گیا ہے اس کی ہے ، دونوں احتمال ہیں ۔

پہلی صورت میں حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ خود ننگا ہے یعنی کپڑے کا ضرورت مند ہے اور دوسرے کو اس حالت میں کپڑا پہنائے ، خود بھوکا ہے اور کھانا کچھ میسّر ہوگیا تو دوسرے کو ترجیح دیتا ہے ، خود پیاسا ہے لیکن پانی اگر مِل گیا ہے تو بجائے خود پینے کے دوسرے پر ایثار کرتا ہے اس مطلب کے مُوافق یہ حدیثِ پاک قرآن پاک کی اس آیتِ شریفہ کی تفسیر ہوگی جو آیات کے سلسلہ میں نمبر ۲۸ پر گذری ہے یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ (کہ یہ لوگ اپنے اُوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود کو احتیاج ہو) ۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ سب حالات اُن لوگوں کے ہیں جن پر خرچ کیا جارہا ہے ۔ اس مطلب کے موافق حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز جتنی زیادہ ضرورت کے موقع پر خرچ کی جائے گی اتنے ہی زیادہ ثواب کی بات ہوگی ۔ ایک غریب کو کپڑا دیا جائے اس کا بہر حال ثواب ہے لیکن ایسے شخص کو کپڑا پہنایا جائے جو ننگا پھر رہا ہے ، پھٹے ہوئے کپڑے پہن رہا ہے اُس کا ثواب عام غُربا سے کہیں زیادہ ہے ۔ ایک فقیر کو کھانا دیا جاتا ہے ہر حال میں اس کا ثواب ہے لیکن ایسے شخص کو کھانا کھلایا جائے جس پر فاقہ مُسلّط ہو ، اس کا ثواب بہت زیادہ ہے ۔ اسی طرح ہر شخص کو پانی پلانے کا ثواب ہے لیکن ایک شخص کو پیاس ستا رہی ہے اس کو پانی پلانے کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ

بھی کبھی بن جاتا ہے۔ حدیث نمبر ۱ پر ابھی گذر چکا ہے کہ ایک پیاسے کتّے کو پانی پلانے سے رنڈی کے عمر بھر کے گناہ معاف ہو گئے۔ سلسلۂ آیات نمبر ۲۳ کے ذیل میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد گذر چکا ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک ایک دو دو لقمہ در بدر پھراتا ہو، اصل مسکین وہ ہے جس کے پاس نہ خود اتنا مال ہو کہ جو اس کی حاجت کو کافی ہو، نہ لوگوں کو اُس کا حال معلوم ہو کہ اس کی اعانت کریں، یہی شخص اصل محروم ہے۔ حدیث نمبر ا کے ذیل میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بہت سے ارشادات بھوکے کو کھانا کھلانے کی فضیلت میں گذر چکے ہیں۔

(حضرت ابنِ عمرؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کی حاجت روائی میں مشغول ہو، حق تعالیٰ شانہٗ اس کی حاجت روائی میں توجّہ فرماتے ہیں، اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی مصیبت کو زائل کرے، حق تعالیٰ شانہٗ، قیامت کی مصائب میں سے اس کی کوئی مصیبت زائل فرماتے ہیں، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے، (عیب سے ہو یا لباس سے) حق تعالیٰ شانہٗ، قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی (اسی نوع کی) فرماتے ہیں (مشکوٰۃ)۔

اس قسم کے مضامین بہت سے صحابہؓ سے مختلف روایات میں ذکر کئے گئے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی پردہ کے قابل چیز کو (بدن ہو یا عیب) دیکھے اور اس کی پردہ پوشی کرے، اس کا اجر ایسا ہے جیسا کہ کسی ایسے شخص کو قبر سے نکالا ہو جس کو زندہ قبر میں گاڑ دیا گیا ہو۔ (مشکوٰۃ) حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ (الآیۃ) جو سلسلۂ آیات میں نمبر ۲۵ پر گذر چکا ہے۔ اس کی وجہ علماء نے یہی لکھی ہے کہ فتح مکّہ سے قبل چونکہ ضرورت زیادہ تھی اس لئے اس وقت خرچ کرنے کا درجہ بڑھا ہوا ہے، فتح مکّہ کے بعد میں خرچ کرنے سے۔

صاحبِ جمل کہتے ہیں یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کی عزّت کے زمانہ سے پہلے خرچ کیا ہے۔ اسوقت مسلمان جان و مال کی مدد کے زیادہ محتاج تھے۔ یہی حضرات سابقین اور اوّلین ہیں مہاجرین اور انصار میں سے جن کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو اُن کے ایک مُد بلکہ آدھے مُد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ (جمل)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات میں مختلف عنوانات سے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ضرورت مند کو ترجیح دینے پر ترغیب اور تنبیہ فرمائی۔ وَلیمہ کی دعوت قبول کرنے کی

ترغیب بہت سی روایات میں وارد ہے۔ لیکن ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ ولیمہ کا کھانا بدترین کھانا ہے کہ اُمراء کو اُس کے لئے دعوت دی جاتی ہے اور فقراء کو چھوڑ دیا جاتا ہے (مشکوٰۃ بروایۃ الشیخین) یعنی جو ولیمہ کی دعوت اس قُماش کی ہو کہ اس میں اُمراء کو مدعو کیا جائے، غرباء کی دعوت نہ کی جائے وہ بدترین کھانا ہے اور یہ بات نہ ہو تو ولیمہ کا کھانا مسنون ہے۔

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسی جگہ پانی پلائے جہاں پانی ملتا ہو، اس نے ثواب کے اعتبار سے گویا ایک غلام آزاد کیا۔ اور جو شخص کسی کو ایسی جگہ پانی پلائے جس جگہ پانی نہ ملتا ہو، اُس نے گویا اس کو زندگی بخشی یعنی مرتے ہوئے کو گویا ہلاکت سے بچا یا (کنز)۔ ایک حدیث میں ہے کہ افضل ترین صدقہ یہ ہے کہ کسی بھوکے کو (آدمی ہو یا جانور) کھانا کھلائے (کنز)۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جل شانہٗ کو سب سے زیادہ یہ عمل پسند ہے کہ کسی مسکین کو بھوک کی حالت میں روٹی کھلائے[1]، یا اس کا قرض ادا کرے، یا اس کی مصیبت کو زائل کرے (کنز)۔

عُبَیدِ بنِ عُمَیرؓ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن آدمیوں کا حشر ایسی حالت میں ہوگا کہ وہ انتہائی بھوک اور پیاس کی حالت میں بالکل ننگے ہوں گے۔ پس جس شخص نے دُنیا میں کسی کو اللہ کے واسطے کھانا کھلایا ہوگا، اللہ جل شانہٗ اُس دن اس کو شکم سیر فرمائیں گے اور جس نے کسی کو اللہ کے واسطے پانی پلایا ہوگا حق تعالیٰ شانہٗ اس کو سیراب فرمائیں گے، اور جس نے کسی کو کپڑا پہنایا ہوگا، حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو لباس عطا فرمائیں گے[1]

(۱۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّاعِیْ عَلَى الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالسَّاعِیْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ بے خاوند والی عورت اور مسکین کی ضرورت میں کوشش کرنیوالا ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنیوالا، اور غالباً یہ بھی فرمایا کہ ایسا ہے جیسا رات بھر نماز پڑھنے والا کہ ذرا بھی سستی نہ کرے اور دن بھر روزہ رکھنے والا کہ ہمیشہ روزہ دار رہے۔

ف: بے خاوند والی عورت سے عام مراد ہے کہ رانڈ ہوگئی ہو یا اُس کو خاوند میسّر ہی نہ ہوا ہو۔ اس حدیث پاک میں ان دونوں کے لئے کوشش کرنے والے کے لئے یہ اجر و ثواب اور فضیلت ہے، خواہ اس کی کوشش سے کوئی ثمرہ پیدا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کیلئے یا اس کو نفع پہنچانے کے لئے چلے تو اس کو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کا ثواب ملتا ہے (کنز)۔

[1] (احیاء)

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مُضطَر بھائی کی مدد کرے، حق تعالےٰ شانہٗ اس کو اس دن ثابت قدم رکھیں گے جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے (کنز) یعنی قیامت کے سخت دن جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ جم سکیں گے یہ ثابت قدم رہے گا۔ اور اس حدیث پاک سے ایک لطیف چیز یہ بھی پیدا ہوتی ہے کہ فتنوں اور حوادث کے زمانوں میں جب لوگوں کے قدم اکھڑ جائیں جیسا کہ آج کل کا زمانہ گذر رہا ہے، ایسے لوگ ثابت قدم رہتے ہیں جو لوگوں کی اعانت اور مدد کرتے رہتے ہوں (ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی دنیاوی حاجتوں میں سے کسی حاجت کو پورا کرے حق تعالےٰ شانہٗ اس کی ستّر حاجتیں پوری فرماتے ہیں جن میں سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (کنز) ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت کو حکومت تک پہنچا دینے کا ذریعہ بن جائے جس سے اسکو کوئی نفع پہنچ جائے یا اس کی کوئی مشکل دُور ہو جائے تو حق تعالیٰ شانہٗ اُس شخص کی جو ذریعہ بنا ہے قیامت کے دن پُل صراط پر چلنے میں مدد فرمائیں گے جس وقت کہ وہاں لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے (کنز)

اس لیے جو لوگ حُکام رَس ہیں یا ملازموں کے آقاؤں تک ان کی رسائی ہے ان کو خاص طور سے اس حدیثِ پاک سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ نوکروں اور محکوموں کی ضروریات کی تفتیش کر کے ان کو آقاؤں اور حاکموں تک پہنچانا چاہیئے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم کیوں خواہ مخواہ دوسروں کی پھٹن میں پاؤں اڑائیں۔ پُل صراط پر گذرنا بڑی سخت مشکل ترین چیز ہے۔ اس معمولی کوشش سے ان کے لئے خود کتنی بڑی سہولت میسّر ہوتی ہے لیکن اللہ کیواسطے ہونا تو ہر جگہ شرط ہے۔ اپنی وجاہت، اپنی شہرت اور لوگوں کے دلوں میں اپنی عزت قائم کرنے کی نیت سے نہ ہو۔ اگرچہ اللہ کیلئے کرنے سے یہ سب چیزیں خود بخود حاصل ہونگی اور اس سے زیادہ بڑھ کر ہونگی، جتنی اپنے ارادہ سے ہوتیں، لیکن اپنی طرف سے ان چیزوں کا ارادہ کرنا اس محنت کو آقا کیلئے ہونے سے نکال دیگا۔

(۱۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ وَثَلٰثَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ فَاَمَّا الَّذِيْنَ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ فَرَجُلٌ اَتٰى قَوْمًا فَسَاَلَهُمْ بِاللّٰهِ وَلَمْ

حضور اقدس صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ جَلَّ شانُہٗ محبوب رکھتا ہے، اور تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ جَلَّ شانُہٗ کو بغض ہے جن تین آدمیوں کو اللہ جَلَّ شانُہٗ محبوب رکھتا ہے ان میں ایک تو وہ شخص ہے کہ کسی مجمع کے پاس کوئی سائل آیا اور محض اللہ کے واسطہ سے ان سے کچھ سوال کرنے

يَسْأَلُهُمْ لِقَرَابَةٍ بَيْنَهُ
وَبَيْنَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَتَخَلَّفَ
رَجُلٌ بِأَعْيَانِهِمْ فَأَعْطَاهُ سِرًّا
لَا يَعْلَمُ بِعَطِيَّتِهٖ إِلَّا اللّٰهُ
وَالَّذِيْ أَعْطَاهُ وَقَوْمٌ سَارُوْا
لَيْلَتَهُمْ حَتّٰى إِذَا كَانَ
النَّوْمُ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِمَّا
يُعْدَلُ بِهٖ فَوَضَعُوْا رُءُوْسَهُمْ
فَقَامَ يَتَمَلَّقُنِيْ وَيَتْلُوْ
اٰيَاتِيْ وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ
فَلَقِيَ الْعَدُوَّ فَهُزِمُوْا
فَأَقْبَلَ بِصَدْرِهٖ حَتّٰى يُقْتَلَ
أَوْ يُفْتَحَ لَهٗ وَالثَّلٰثَةُ
الَّذِيْنَ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ
الشَّيْخُ الزَّانِيْ وَالْفَقِيْرُ
الْمُخْتَالُ وَالْغَنِيُّ الظَّلُوْمُ۔
رواه الترمذی والنسائی
كذا فی المشكٰوۃ وعزاه
السیوطی فی الجامع الی
ابن حبان والحاكم۔

لگا۔ کوئی قرابت، رشتہ داری (وغیرہ) اس سائل کی اُن سے نہ تھی۔ اس مجمع نے اس سائل کو کچھ نہ دیا۔ اس مجمع میں سے ایک شخص اٹھا اور چپکے سے اس سائل کو کچھ دے دیا جس کی خبر بجز اللہ جلّ شانہٗ کے یا اُس سائل کے اور کسی کو نہ ہوئی (تو یہ دینے والا شخص اللہ جلّ شانہٗ کو بہت محبوب ہے دوسرا) وہ شخص کہ ایک مجمع کہیں سفر میں جا رہا ہے۔ ساری رات چلنے کے بعد جب نیند کا اُن پر اتنا غلبہ ہو جائے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ محبوب بن گئی ہو، تو وہ مجمع تھوڑی دیر کے لئے سونے لیٹ گیا، لیکن ایک شخص اُن میں سے کھڑا ہو کر اللہ جلّ شانہٗ کے سامنے گڑگڑانے لگے اور قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دے۔ تیسرا وہ شخص کہ کسی جماعت میں جہاد میں شریک تھا وہ جماعت شکست کھا گئی ان میں سے ایک شخص سینہ سپر ہو کر آگے بڑھا اور شہید ہو گیا یا غالب ہو گیا۔ اور وہ تین شخص جن سے اللہ جلّ شانہٗ بغض رکھتے ہیں ایک وہ جو بوڑھا ہو کر بھی زنا میں مُبتلا ہو، دوسرا وہ شخص جو فقیر ہو کر بھی تکبّر کرے، تیسرا وہ شخص جو مالدار ہو کر ظلم کرے۔"

ف: ان چھ شخصوں کے متعلق اس قسم کے مضامین بہت سی مختلف روایات میں وارد ہوئے ہیں اور یہ حدیث آیات کے سلسلہ میں نمبر ۱ کے ذیل میں بھی گذر چکی ہے۔ بعض روایات میں ان میں سے ایک شخص کو ذکر کیا ہے اور بعض میں ایک سے زائد کو ذکر کیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ تین موقع ایسے ہیں جن

میں بندہ کی دُعا رد نہیں کی جاتی یعنی ضرور قبول ہوتی ہے۔ ایک وہ شخص جو کسی جنگل میں ہو، جہاں کوئی اس کو نہ دیکھتا ہو اور وہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے (اس وقت اس کی دُعا ضرور قبول ہوگی) ایک وہ شخص جو کسی مجمع کے ساتھ جہاد میں ہو اور ساتھی بھاگ جائیں وہ اکیلا جما رہے۔ تیسرا وہ شخص جو آخر رات میں اللہ کے سامنے کھڑا ہو جائے (جامع الصغیر)

ایک حدیث میں ہے تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ جلَّ شانُہٗ، قیامت میں نہ کلام کریں گے نہ اُن کا تزکیہ کریں گے اور نہ ان کی طرف (رحمت کی) نظر فرمائیں گے، اور اُن کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہوگا ایک زانی بوڑھا، دوسرا جھوٹا بادشاہ، تیسرا مُتکبّر فقیر (جامع الصغیر عن مسلم) تزکیہ نہ کرنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو گناہوں سے پاک نہ کریں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی تعریف نہ کریں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی طرف حق تعالیٰ شانُہٗ، قیامت میں (رحمت کی) نظر نہ کریں گے اور ان کے لئے دُکھ دینے والا سخت عذاب ہوگا۔ ایک ادھیڑ عمر کا شخص زنا کار، دوسرا مُتکبّر فقیر، تیسرا وہ شخص جو خرید و فروخت میں ہر وقت قسم کھاتا ہے۔ جو خریدے قسمیں کھا کر خریدے اور جب فروخت کرے تو بھی قسمیں کھا کر فروخت کرے (یعنی بات بے بات ضرورت بے ضرورت بار بار قسمیں کھاتا ہو کہ یہ اللہ پاک کی عالی شان کی بے ادبی ہے) ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں کہ تین شخصوں کی طرف کل کو (قیامت کے دن) حق تعالیٰ شانُہٗ، نظر نہ کریں گے، بوڑھا زانی، دوسرے وہ شخص جو قسموں کو اپنی پونجی بنائے کہ ہر حق ناحق پر قسم کھاتا ہو، تیسرے مُتکبّر فقیر جو اکڑتا ہو (جامع الصغیر)

ایک حدیث میں ہے کہ تین شخصوں کو حق تعالےٰ شانُہٗ، محبوب رکھتے ہیں اور تین شخصوں کو مبغوض رکھتے ہیں جن کو محبوب رکھتے ہیں، ان میں ایک وہ شخص ہے جو کسی جماعت کے ساتھ جہاد میں شریک ہو اور دشمن کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جائے، یہاں تک کہ فتح ہو یا شہید ہو جائے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی جماعت کے ساتھ سفر کر رہا ہو اور جب رات کا بہت سا حصہ گذر جائے اور وہ جماعت تھوڑی دیر آرام لینے کے لئے لیٹ جائے تو یہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگے، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں ساتھیوں کو آگے چلنے کے لئے جگا دے (خود ذرا بھی نہ سوئے) تیسرا وہ شخص جس کا پڑوسی اس کو ستاتا ہو اور وہ اس کی اذیّت پر صبر کرے، یہاں تک کہ موت سے یا سفر وغیرہ سے اس میں اور اس کے پڑوسی میں جدائی ہو جائے (یعنی یہ کہ جب تک اس کا پڑوسی باقی رہے مسلسل صبر کرتا رہے) اور وہ تین شخص جن کو اللہ

جلّ شانُہٗ مبغوض رکھتے ہیں، ایک قسمیں کھانیوالا تاجر، دوسرا مُتکبّر فقیر، تیسرا وہ بخیل جو صدقہ کر کے احسان جتاتا ہو (جامع الصغیر)

(۱۶) عَنْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ قَیْسٍ رضؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ ثُمَّ تَلَا لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ الآیۃ

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا، کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے (پھر اپنے اس ارشاد کی تائید میں سورہ بقرہ کے بائیسویں رکوع کی یہ آیت) لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ آخر تک تلاوت فرمائی۔

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی کذا فی المشکوٰۃ وقال الترمذی ھذاحدیث لیس اسنادہ بذلک وابو حمزۃ یضعف وروی بیان واسمٰعیل عن الشعبی ھذا الحدیث قولہ وھُوَ اصح قلت واخرجہ ابن ماجۃ بلفظ لیس فی المال حقاً سوی الزکوٰۃ وقال العینی فی شرح البخاری رواہ البیہقی بلفظ الترمذی ثم قال والذی یرویہ اصحابنا فی التعالیق لیس فی المال حق سوی الزکوٰۃ)

ف: اس آیتِ شریفہ کا بیان سلسلہ آیات میں نمبر۲ پر گذر چکا ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس آیتِ شریفہ سے یہ تجویز فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے، اور یہ تجویز اس وجہ سے ظاہر ہے کہ آیتِ شریفہ میں اپنے مال کو رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی، یتیموں پر، غریبوں پر، مسافروں پر اور سُوال کرنے والوں پر خرچ کرنے کی، قیدیوں اور غلاموں وغیرہ کی گردن چھڑانے میں خرچ کرنے کی مُستقل علیحدہ ترغیب دی ہے اور اس سب کے بعد زکوٰۃ ادا کرنے کو علیحدہ ذکر فرمایا۔

مُسلم بن یسارؒ کہتے ہیں کہ نمازیں دو ہیں (ایک فرض ایک نفل) اسی طرح زکوٰتیں بھی دو ہیں۔ (ایک نفل دوسری فرض) اور قرآن پاک میں دونوں مذکور ہیں، میں تم کو بتاؤں، لوگوں کے دریافت کرنے پر انہوں نے یہ آیت شریفہ پڑھی اور ابتدائی حصہ پڑھ کر جس میں مال کا مواقع مذکور پر خرچ کرنا مذکور ہے فرمایا کہ یہ تو سب کا سب نفل ہے، اس کے بعد زکوٰۃ کا ذکر پڑھ کر فرمایا، کہ یہ فرض ہے۔ (درمنثور)

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں حق سے مراد یہ ہے کہ سُوال کرنیوالے کو محروم نہ رکھے قرض مانگنے والے کو محروم نہ کرے، اپنے گھر کا معمولی سامان مُستعار مانگنے والوں کو انکار نہ کرے۔ مثلاً ہانڈی پیالہ وغیرہ کوئی عاریۃً مانگے تو اس کو نہ روکے۔ پانی اور نمک اور آگ کو لوگوں کو انکار نہ کرے۔

علامہ قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے اس حدیث پاک میں جو آیت شریفہ پڑھی ہے اسمیں زکوٰۃ کے علاوہ جو اُمور ذکر کئے ہیں، وہ مراد ہیں جیسا کہ صلہ رحمی، یتیموں پر احسان کرنا، مسکین، مسافر اور سُوالی کو دینا، لوگوں کی گردنوں کو آزادی وغیرہ کے ذریعہ سے خلاص کرنا (مرقاۃ)۔

صاحبِ مظاہرِ حقؒ نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ تو فرض ہے ضرور دینی چاہیئے۔ سوائے زکوٰۃ کے صدقۂ نفل بھی مستحب ہے وہ بھی دیا کرے اور وہ یہ ہے اس کے بعد علامہ طیبیؒ اور علامہ قاریؒ کے کلام کا ترجمہ تحریر فرما کر لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے سند کے لئے پڑھی ہے اسواسطے کہ اس میں اوّل تو اللہ تعالےٰ نے تعریف کی مومنوں کی ساتھ دینے مال کے اپنوں اور یتیموں وغیرہ کو، بعد ازاں تعریف کی ساتھ قائم کرنے نماز کے اور دینے زکوٰۃ کے، پس معلوم ہوا کہ دینا مال کا سوائے دینے زکوٰۃ کے ہے اور وہ صدقۂ نفل ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جو فرمایا تھا کہ مال میں حق ہے سوائے زکوٰۃ کے وہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اوّل صدقۂ نفل ذکر کیا گیا، پھر صدقۂ واجب۔

علامہ جصّاص رازیؒ نے لکھا ہے کہ بعض علماء نے اس آیتِ شریفہ سے حقوقِ واجبہ مراد لئے ہیں جیسا کہ صلۂ رحمی جب کہ کسی ذِی رحم کو سخت مشقّت میں پائے، یا کسی مُضطَر پر خرچ کرنا جب کہ اسکو اضطرار نے ہلاکت کے اندیشہ تک پہنچا دیا ہو تو اس پر اتنی مقدار خرچ کرنا لازم ہے جس سے اس کی بھوک جاتی رہے، اس کے بعد علامہ نے حضورؐ کا ارشاد کہ "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ حق ہے" نقل کر کے فرمایا کہ اس سے نادار رشتہ داروں پر خرچ کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے کہ حاکم نے ان کا نفقہ ذمہ کر دیا ہو اور مُضطَر پر خرچ کرنا بھی ہو سکتا ہے، اور نفلی حقوق بھی ہو سکتے ہیں اس لئے کہ حق کا لفظ واجب اور نفل دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

فتاوٰے عالمگیریہ میں ہے کہ لوگوں کے ذمہ محتاج کا کھلانا فرض ہے جب کہ وہ (کمانے کیلئے) نکلنے سے اور مانگنے سے عاجز ہو اور اسمیں تین باتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ جب محتاج نکلنے سے عاجز ہو تو ہر اُس شخص پر جس کو اس کا حال معلوم ہو، اس کا کھلانا فرض ہے اور اتنی مقدار کھلانا ضروری ہے جس سے وہ

نکلنے پر اور قرض ادا کرنے پر قادر ہو جائے بشرطیکہ جس کو اس کا حال معلوم ہو وہ کھلانے پر قادر ہو، اور اگر اس میں خود کھلانے کی قدرت نہ ہو تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ دوسروں کو اس کے حال کی اطلاع کرے، اور اگر نہ خود کھلا سکے نہ دوسروں کو اطلاع کرے اور وہ محتاج مر جائے تو وہ سب گنہگار ہوں گے جن کو اس کا حال معلوم ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر محتاج نکلنے پر قادر ہے لیکن کمانے پر قادر نہیں تو لوگوں کے ذمہ جن کو اس کا حال معلوم ہے ضروری ہے کہ وہ اپنے صدقات واجبہ سے اسکی مدد کریں، اور اگر وہ کمانے پر بھی قادر ہے تو پھر اس کو جائز نہیں کہ سوال کرے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر وہ محتاج نکلنے پر قادر ہے لیکن کمانے پر قادر نہیں تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ نکل کر لوگوں سے سوال کرلے اگر وہ سوال نہیں کریگا تو گنہگار ہوگا (عالمگیریہ)

(۱۷) عَنْ بُهَيْسَةَ عَنْ أَبِيْهَا قَالَتْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ قَالَ الْمَاءُ قَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ قَالَ الْمِلْحُ قَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ قَالَ أَنْ تَفْعَلَ الْخَيْرَ خَيْرٌ لَّكَ۔

(رواہ ابوداؤد کذا فی المشکوٰۃ)

حضرت بُہَیسَہؓ فرماتی ہیں کہ میرے والد صاحب نے حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے جس کا (کسی مانگنے والے کو دینے سے) روکنا جائز نہیں، حُضورؐ نے فرمایا پانی۔ میرے والد نے پھر یہی سُوال کیا تو حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا نمک، میرے والد نے پھر یہی سُوال کیا تو حُضورؐ نے فرمایا جو بھلائی تو (کسی کے ساتھ) کر سکے وہ تیرے لئے بہتر ہے۔"

ف: اگر پانی سے مراد کنوئیں سے پانی لینا ہو اور نمک سے مراد اس کے مَعدِن سے نمک لینا ہو، تب تو شرعی حیثیت سے بھی کسی کو ان چیزوں سے روکنے کا حق نہیں ہے لیکن اگر اپنا مملوک پانی اور مملوک نمک ہے تو حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی غرض اس پر تنبیہ فرمانا ہے کہ ایسی معمولی چیزوں کو سائل کو انکار کرنا ہرگز نہ چاہیئے، جس میں دینے والے کو زیادہ نقصان نہیں اور مانگنے والے کی بڑی احتیاج پوری ہوتی ہے بشرطیکہ دینے والے کی اپنی حاجت بھی اسی درجہ کی نہ ہو لیکن عام طور پر چونکہ گھروں میں یہ چیزیں اکثر

موجود ہوتی ہیں، اور ایسی کوئی وقتی ضرورت اُن سے ایسی وابستہ نہیں ہوتی۔ اگر کسی شخص کی ہانڈی پھیکی ہے ذرا سے نمک میں اس کا سارا کھانا درست ہوجاتا ہے اور تمہارا کوئی ایسا نقصان اس میں نہیں ہوتا۔ ایسے ہی پانی کا حال ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں کا روکنا جائز نہیں۔ پانی، نمک، آگ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، پانی کو تو ہم سمجھ گئے (کہ واقعی بہت مجبوری کی چیز ہے) لیکن نمک اور آگ میں کیا بات ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے حُمیرا جب کوئی شخص کسی کو آگ دیتا ہے تو گویا اس نے وہ ساری چیز صدقہ کی جو آگ پر پکی اور جس نے نمک دیا اس نے گویا وہ ساری چیز صدقہ کی جو نمک کی وجہ سے لذیذ ہوگئی (مشکوٰۃ) گویا ان دونوں میں معمولی خرچ سے دوسرے کا بہت زیادہ نفع ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ بالا میں مثال کے طور پر دو چیزوں کا ذکر فرماکر پھر ایک ضابطہ ارشاد فرمادیا کہ جو بھلائی کسی کے ساتھ کرسکتے ہو وہ تمہارے لئے بہتر ہے ع "بھلا کر جو اپنا بھلا چاہتا ہے" حقیقت یہی ہے کہ آدمی جو کوئی احسان کسی قسم کا بھی کسی کے ساتھ کرتا ہے، وہ صورت میں دوسرے کے ساتھ احسان ہے حقیقت میں وہ اپنے ہی ساتھ احسان ہے۔ اللہ جل شانہ کے پاک ارشاد میں بسلسلۂ آیات نمبر ۲ پر گذر چکا ہے کہ جو کچھ تم اللہ کے راستہ میں خرچ کروگے اللہ جل شانہ اس کا بدل عطا فرمائے گا، اور بسلسلۂ احادیث نمبر ۲ پر گذر چکا ہے کہ دو فرشتے روزانہ اس کی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روکنے والے کو بربادی عطا کر۔ ایسی حالت میں جو احسان بھی کوئی شخص کسی کے ساتھ کرتا ہے وہ اپنے مال کو بربادی سے بچاکر اس کے بدل کا اللہ جل شانہ کے خزانہ سے اپنے لئے استحقاق قائم کرتا ہے، اور غور کی نگاہ اگر میسر ہو تو حقیقت میں دوسروں پر ذرا بھی احسان نہیں، بلکہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے تمہارے مکان کو لوٹ سے بچا دیا ہو، اس لحاظ سے اس کا تم پر احسان ہے نہ کہ تمہارا اس پر۔

(۱۸) عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رضـ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ (رواہ مالک وابوداؤد)

"حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا (ان کے ایصال ثواب کے لئے) کونسا صدقہ زیادہ افضل ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی سب سے افضل ہے۔ اس پر حضرت سعدؓ نے اپنی والدہ کے ثواب کے لئے ایک

والنسائی کذافی المشکوٰۃ) کنواں کھدوادیا"

ف: حضورؐ نے پانی کو زیادہ افضل اس لئے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں اس کی ضرورت زیادہ تھی۔ اوّل تو گرم ملکوں میں سب ہی جگہ پانی کی ضرورت خاص طور سے ہوتی ہے، اور مدینہ منورہ میں اس وقت پانی کی قلت بھی تھی۔ اس کے علاوہ پانی کا نفع بھی عام ہے اور ضرورت بھی عمومی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص پانی کا سلسلہ جاری کر جائے تو جو انسان یا جن یا پرندہ بھی اس سے پانی پیئے گا تو مرنے والے کو قیامت تک اس کا ثواب ہوتا رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پاس ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے گھٹنے میں ایک زخم ہے، سات برس ہو گئے، ہر قسم کی دوا اور علاج کر چکا ہوں کسی سے بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے طبیبوں سے بھی رجوع کر چکا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ جس جگہ پانی کی قلت ہو وہاں ایک کنواں بنوا دو، مجھے اللہ کی ذات سے یہ امید ہے کہ جب اسمیں پانی نکل آئے گا تمہارے گھٹنے کا خون بند ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور گھٹنے کا زخم اچھا ہو گیا۔

مشہور محدّث ابو عبداللہ حاکمؒ کے چہرہ پر ایک زخم ہو گیا تھا، ہر قسم کے علاج کئے، کوئی بھی کارگر نہ ہوا۔ ایک سال اسی حال میں گذر گیا۔ ایک مرتبہ استاذ ابو عثمان صابونیؒ سے دعا کی درخواست کی، جمعہ کا دن تھا، انہوں نے بڑی دیر تک دعا کی۔ مجمع نے آمین کہی۔ دوسرے جمعہ کو ایک عورت حاضر ہوئیں اور ایک پرچہ مجلس میں پیش کیا، جس میں یہ لکھا تھا کہ میں گذشتہ جمعہ کو جب گھر واپس گئی تو حاکمؒ کے لئے بہت اہتمام سے دعا کرتی رہی۔ میں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ حاکمؒ سے کہہ دو کہ مسلمانوں پر پانی کی وسعت کرے۔ حاکم نے یہ سن کر اپنے گھر کے دروازہ پر ایک سبیل قائم کر دی۔ جس میں پانی کے بھرنے کا اور اسمیں برف ڈالنے کا اہتمام کیا۔ ایک ہفتہ گذرا تھا کہ چہرہ کے سب زخم بالکل اچھے ہو گئے اور پہلے سے زیادہ خوشنما چہرہ ہو گیا۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ میری والدہ اپنی زندگی میں میرے مال سے حج کرتی تھیں، میرے ہی مال سے صدقہ دیتی تھیں، صلہ رحمی کرتی تھیں، لوگوں کی امداد کرتی تھیں، اب انکا انتقال ہو گیا، یہ سب کام اگر ہم انکی طرف سے کریں تو ان کو انکا ثواب پہنچیگا؟ حضورؐ نے فرمایا پہنچیگا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت نے حضورؐ سے سوال کیا کہ میری والدہ کا دفعۃً انتقال

ہو گیا۔ اگر دفعتہً نہ ہوتا تو وُہ کچھ صدقہ وغیرہ کرتیں۔ اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو ان کی طرف سے ہو جائے گا؟ حضور ؐ نے فرمایا ہاں ان کی طرف سے صدقہ کر دو۔ (ابوداؤد) اپنے ماں باپ، خاوند، بیوی، بہن، بھائی، اولاد اور دوسرے رشتہ دار خصوصًا وہ لوگ جن کے مرنے کے بعد ان کا کوئی مال اپنے پاس پہنچا ہو ——— یا اُن کے خصوصی احسانات اپنے اُوپر ہوں جیسے اساتذہ اور مشائخ، ان کے لئے ایصالِ ثواب کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے۔ بڑی بے غیرتی ہے کہ ان کے مال سے آدمی مُنتفع ہوتا رہے، اُن کی زندگی میں ان کے احسانات سے فائدہ اُٹھاتا رہے اور جب وُہ اپنے عطایا اور اپنے ہدایا کے ضرور تمند ہوں، ان کو فراموش کر دے۔

آدمی جب مر جاتا ہے تو اس کے اپنے اعمال ختم ہو جاتے ہیں، بجز اس صورت کے کہ وُہ کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ گیا ہو یا کوئی اور ایسا عمل کر گیا ہو جو صدقہ جاریہ کے حکم میں ہو جیسا کہ آئندہ آرہا ہے، اس وقت وُہ دوسروں کے ایصالِ ثواب اور ان کی دُعا وغیرہ سے امداد کا محتاج اور منتظر رہتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ مُردہ اپنی قبر میں اُس شخص کی طرح سے ہوتا ہے جو پانی میں ڈوب رہا ہو اور ہر طرف سے کسی مددگار کا خواہشمند ہو، اور وہ اس کا منتظر رہتا ہے کہ باپ بھائی وغیرہ کسی دوست کی طرف سے کوئی مدد دُعا کی (کم از کم) اس کو پہنچ جائے اور جب اس کو کوئی مدد پہنچتی ہے تو وہ اس کے لئے ساری دُنیا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ (احیاء)

بشر بن منصورؒ کہتے ہیں کہ طاعون کے زمانہ میں ایک آدمی تھے جو کثرت سے جنازوں کی نمازوں میں شریک ہوتے اور شام کے وقت قبرستان کے دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ دُعا کرتے "اٰنَسَ اللّٰہُ وَحْشَتَکُمْ وَرَحِمَ غُرْبَتَکُمْ وَتَجَاوَزَ عَنْ سَیِّئَاتِکُمْ وَقَبِلَ اللّٰہُ حَسَنَاتِکُمْ (اللہ جلّ شانہٗ تمہاری وحشت کو دلبستگی سے بدل دے اور تمہاری غربت پر رحم فرمائے، تمہاری لغزشوں سے درگذر فرمائے اور تمہاری نیکیوں کو قبول فرمائے)، اس دُعا کے بعد اپنے گھر واپس چلے جاتے۔ ایک دن اتفاق سے اس دُعا کو پڑھنے کی نوبت نہیں آئی ویسے ہی گھر آگئے تو رات کو خواب میں ایک بڑا مجمع دیکھا جو ان کے پاس گیا۔ اُس نے پوچھا تم کون لوگ ہو، کیسے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم قبرستان کے رہنے والے ہیں، تم نے ہم کو اس کا عادی بنا دیا تھا کہ روزانہ شام کو تمہاری طرف سے ہمارے پاس ہدیہ آیا کرتا تھا۔ اُس نے پوچھا کیسا ہدیہ؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ تم جو دُعا روزانہ شام کو کیا کرتے تھے وہ ہمارے

پاس ہدیہ بن کر پہنچتی تھی۔ وہ شخص کہتے ہیں کہ پھر میں نے کبھی اس دعا کو ترک نہیں کیا۔

بشار بن غالب نجرانی کہتے ہیں کہ میں حضرت رابعہ بصریہ کے لئے بہت کثرت سے دعا کیا کرتا تھا میں نے ایک مرتبہ ان کو خواب میں دیکھا وہ کہتی ہیں کہ بشار تمہارے تحفے ہمارے پاس نور کے خوانوں میں رکھے ہوئے پہنچتے ہیں جن پر ریشم کے غلاف ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی جو دعا مردہ کے حق میں قبول ہو جاتی ہے تو وہ دعا نور کے خوان پر ریشم کے غلاف سے ڈھکی ہوئی میت کے پاس پیش ہوتی ہے کہ یہ فلاں شخص نے تمہارے پاس ہدیہ بھیجا ہے (احیاء)

آئندہ حدیث کے ذیل میں بھی اس قسم کے کئی واقعات آرہے ہیں۔ امام نوویؒ نے مسلم شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ صدقہ کا ثواب میت کو پہنچنے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی مذہب حق ہے اور بعض لوگوں نے جو یہ لکھ دیا کہ میت کو اس کے مرنے کے بعد ثواب نہیں پہنچتا، یہ قطعاً باطل ہے اور کھلی ہوئی خطا ہے۔ یہ قرآن پاک کے خلاف ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے خلاف ہے، یہ اجماعِ امت کے خلاف ہے اس لئے یہ قول ہرگز قابلِ التفات نہیں (بذل)

شیخ تقی الدینؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ خیال کرے کہ آدمی کو صرف اپنے ہی کئے کا ثواب ملتا ہے وہ اجماعِ امت کے خلاف کر رہا ہے، اس لئے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ آدمی کو دوسروں کی دعا سے فائدہ پہنچتا ہے، یہ دوسرے کے عمل سے نفع ہوا۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ حشر میں شفاعت فرماویں گے، نیز دوسرے انبیاء اور صلحاءؒ سفارش فرمائیں گے، یہ سب دوسروں کے عمل سے فائدہ ہوا، نیز فرشتے مومنوں کے لئے دعاء اور استغفار کرتے ہیں (جیسا کہ سورۂ مومن کے پہلے رکوع میں ہے) یہ دوسرے کے عمل سے فائدہ ہوا، نیز حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنی رحمت سے بہت سے لوگوں کے گناہ معاف فرماویں گے، یہ اپنی کوشش اور عمل کے علاوہ سے فائدہ ہوا۔ نیز مومنوں کی اولاد اپنے والدین کے ساتھ جنت میں داخل کی جاتے گی (جیسا کہ والطور کے پہلے رکوع میں ہے) یہ دوسرے کے عمل سے فائدہ ہوا۔ نیز حجِ بدل کرنے سے میت کے ذمہ سے حجِ فرض ادا ہو جاتا ہے یہ دوسرے کے عمل سے نفع ہوا۔ غرض بہت سی چیزیں اس کے لئے دلیل اور حجت ہیں جن کا شمار بھی دشوار ہے (بذل)

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میرے بھائی کا انتقال ہو گیا میں نے ان کو خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا

کہ قبر میں رکھنے کے بعد تم پر کیا گذری؟ وہ کہنے لگے کہ اُس وقت میرے پاس ایک آگ کا شعلہ آیا مگر ساتھ ہی ایک شخص کی دُعا مجھ تک پہنچی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو وہ شعلہ مجھ کو لگ جاتا۔

علی بن موسیٰ حدادؒ کہتے ہیں کہ میں احمد بن حنبلؒ کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک تھا محمد بن قدامہ جوہریؒ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب اس نعش کو دفن کر چکے تو ایک نابینا شخص آئے اور وہ قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنے لگے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ قبر کے پاس بیٹھ قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم وہاں سے واپس ہونے لگے تو راستہ میں محمد بن قدامہؒ نے حضرت امام احمدؒ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک مُبَشِّر بن اسمٰعیل حلبیؒ کیسے آدمی ہیں۔ امام نے فرمایا کہ وہ معتبر آدمی ہیں۔ ابنِ قدامہؒ نے پوچھا کہ آپ نے بھی ان سے کچھ علم حاصل کیا ہے؟ فرمایا ہاں میں نے بھی ان سے حدیثیں لی ہیں۔ ابنِ قدامہؒ نے کہا کہ مُبَشِّر نے مجھ سے بیان کیا کہ عبدالرحمٰن بن علاء بن لجلاجؒ نے اپنے والد سے یہ نقل کیا کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کی قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کا اول و آخر پڑھا جائے اور یہ کہہ کر فرمایا تھا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو یہ وصیت کرتے ہوئے سُنا تھا۔ حضرت امامؒ نے یہ قصہ سن کر ابنِ قدامہؒ سے کہا کہ قبرستان میں واپس جاؤ اور اُن نابینا سے کہو کہ وہ قرآن شریف پڑھ لیں

محمد بن احمد مروزیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے سُنا۔ وہ فرماتے تھے کہ جب تم قبرستان میں جایا کرو تو الحمد شریف، قُلْ ھُوَ اللّٰہُ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر قبرستان والوں کو بخشا کرو، اس کا ثواب ان کو پہنچ جاتا ہے۔ (احیاء)

صاحبِ مُغنی نے جو فقہِ حنبلی کی بہت معتبر کتاب ہے اس قصہ کو نقل کیا ہے اور اس مضمون کی اور روایات بھی نقل کی ہیں۔ بَذْلُ الْمَجْهُوْد میں بحر سے نقل کیا ہے کہ جو شخص روزہ رکھے یا نماز پڑھے یا صدقہ کرے اور اس کا ثواب دوسرے شخص کو بخش دے خواہ وہ شخص جس کو بخشا ہے زندہ ہو یا مُردہ، اس کا ثواب اسکو پہنچتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ جس کو ثواب بخشا ہے وہ زندہ ہو یا مُردہ۔

اَبُوداؤد شریف میں حضرت اَبُوہُرَیرہؓ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ کوئی شخص ایسا ہے جو اس کا ذمہ لے کہ مسجد عشار (بصرہ کے قریب ہے) میں جا کر دو رکعت یا چار رکعت نماز پڑھ کر یہ کہے کہ یہ نماز (یعنی اس کا ثواب) اَبُوہُرَیرہؓ کی ہے (ابوداؤد)

اپنے عزیز مُردوں کو ثواب پہنچانے کا بہت زیادہ اہتمام چاہیئے، ان کے حقوق کے

علاوہ۔ عنقریب مرنے کے بعد اُن سے ملنا ہوگا، کیسی شرم آئے گی جب ان کے حُقوق ان کے احسانات اوران کے مالوں میں جو آدمی اپنے کام میں خرچ کرتا رہتا ہے، ان کو یاد نہ رکھے۔

(۱۹) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْہُ عَمَلُہٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَۃٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَۃٍ جَارِیَۃٍ اَوْعِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِہٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْلَہٗ۔

(حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا ثواب ختم ہوجاتا ہے مگر تین چیزیں ایسی ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ، دوسرے وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، تیسرے صالح اولاد جو اس کے لئے مرنے کے بعد دُعا کرتی رہے۔)

(رواہ مسلم کذافی المشکوٰۃ قلت وابوداؤد والنسائی وغیرھما)

ف: اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا کس قدر زیادہ اِنعام واحسان ہے، لطف وکرم ہے کہ آدمی اگر یہ چاہے کہ مرجانے کے بعد جب کہ اس کے اعمال کا وقت ختم ہوجائے وہ عمل کرنے سے بیکار ہوجائے وہ قبر میں میٹھی نیند پڑا سوتا رہے اور اس کے اعمالِ حسنہ میں اِضافہ ہوتا رہے، تو اس کا ذریعہ بھی اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اپنے فضل سے پیدا فرمادیا۔

حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان میں سے تین چیزیں اس حدیث پاک میں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک صدقہ جاریہ یعنی کوئی ایسی چیز صدقہ کرگیا جس کا نفع باقی رہنے والا ہو۔ مثلاً کوئی مسجد بنوا گیا جس میں لوگ نماز پڑھتے رہیں۔ تو جب تک اس میں نماز ہوتی رہے گی اس کو ثواب خود بخود ملتا رہیگا۔ اسی طرح سے کوئی مسافر خانہ، کوئی مکان کسی دینی کام کے لئے بنوا کر وقف کرگیا جس سے مسلمانوں کو یا دینی کاموں کو نفع پہنچتا رہا، تو اس کو اس نفع کا ثواب ملتا رہیگا۔ کوئی کنواں رفاہِ عام کے لئے بنوا گیا تو جب تک لوگ اس سے پانی پیتے رہیں گے، وضو وغیرہ کرتے رہیں گے، اس کو مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب پہنچتا رہے گا۔

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ آدمی کے مرنے کے بعد جن چیزوں کا ثواب اس کو ملتا ہے، ایک تو وہ علم ہے جو کسی کو سکھایا ہو اور اشاعت کی ہو اور وہ صالح اولاد ہے جس کو چھوڑ گیا ہو، اور وہ قرآن شریف جو میراث میں چھوڑ گیا ہو، اور وہ مسجد ہے اور

مسافر خانہ ہے جس کو بنایا ہو، اور نہر ہے جو جاری کر گیا ہو، اور وہ صدقہ ہے جس کو اپنی زندگی اور صحت میں اس طرح دے گیا ہو کہ مرنے کے بعد اس کا ثواب ملتا رہے۔ (مشکوٰۃ)

"ثواب ملتا رہے" کا مطلب یہ ہے کہ صدقۂ جاریہ کے طور پر دے گیا۔ مثلاً وقف کر گیا ہو۔ اور "علم کی اشاعت" کا مطلب یہ ہے کہ کسی مدرسہ میں چندہ دیا ہو، یا کوئی دینی کتاب تالیف کی ہو، یا پڑھنے والوں کو تقسیم کی ہو، یا مسجدوں اور مدرسوں میں قرآن پاک یا کتابیں وقف کی ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی کے مرنے کے بعد سات چیزوں کا ثواب اس کو ملتا رہتا ہے۔ کسی کو علم پڑھایا گیا ہو، کوئی نہر جاری کر دی ہو، کوئی کنواں بنا دیا ہو، کوئی درخت لگا دیا ہو، کوئی مسجد بنا دی ہو، قرآن پاک میراث میں چھوڑا ہو، یا ایسی اولاد چھوڑی جو اس کے لئے دُعائے مغفرت کرتی رہے (ترغیب)

اور ان سب چیزوں میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ساری تنہا خود ہی کی ہوں، بلکہ اگر کسی چیز میں تھوڑی بہت شرکت بھی اپنی ہو گئی تو بقدر اپنے حصہ کے اسکے حصہ میں سے حصہ ملتا رہے گا۔ دوسری چیز اوپر کی حدیث میں وہ علم دین ہے، جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے۔ مثلاً کسی مدرسہ میں کوئی کتاب وقف کر گیا، جب تک وہ کتاب باقی ہے اس سے لوگ نفع اُٹھاتے رہیں گے، اس کا ثواب خود بخود ملتا رہے گا۔ کسی طالب علم کو اپنے خرچ سے حافظِ قرآن یا عالم بنا گیا، جب تک اس کے علم و حفظ سے نفع پہنچتا رہے گا، چاہے وہ حافظ اور عالم خود زندہ رہے یا نہ رہے اس شخص کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ مثلاً کسی شخص کو حافظ بنایا تھا۔ اس نے دس بیس لڑکوں کو قرآن پاک پڑھا دیا اور وہ حافظ اس کے بعد مر گیا تو جب تک یہ لڑکے قرآن پاک پڑھتے پڑھاتے رہیں گے اس حافظ کو مستقل ثواب ملتا رہے گا اور اس حافظ بنانے والے کو علیحدہ ثواب ہوتا رہے گا، اور اسی طرح سے جب تک ان پڑھنے والے لڑکوں کا سلسلہ پڑھنے پڑھانے کا قیامت تک چلتا رہے گا اس اصل حافظ بنانے والے کو ثواب خود بخود ملتا رہیگا چاہے یہ لوگ ثواب پہنچائیں یا نہ پہنچائیں۔

یہی صورت بعینہٖ کسی شخص کو عالم بنانے کی ہے کہ جب تک بلاواسطہ یا بواسطہ اس کے علم سے لوگوں کو نفع کا سلسلہ چلتا رہے گا اس اوّل عالم بنانے والے کو ان سب کا ثواب ملتا رہیگا، اور یہاں بھی وہی پہلی بات ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ پورا حافظ یا پورا عالم خود تنِ تنہا بنائے، اگر کسی حافظ کے حفظ میں اپنی طرف سے مدد ہو گئی، کسی عالم کے علم حاصل کرنے میں اپنی طرف سے کوئی اعانت ہو گئی

تو اس اعانت کی بقدر ثواب کا سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی کسی قسم کی جانی یا مالی کوشش علم کے پھیلانے میں، دین کے بقاء اور حفظ میں لگ جائے کہ دنیا کی زندگی خواب سے زیادہ نہیں۔ نہ معلوم کب اس عالم سے ایک دم جانا ہو جائے، جتنا ذخیرہ اپنے لئے چھوڑ جائے گا وہی دیرپا اور کارآمد ہے۔ عزیز قریب، احباب، رشتہ دار سب دو چار دن رو کر یاد کر کے اپنے اپنے مشاغل میں لگ کر بھول جائیں گے، کام آنے والی چیزیں یہی ہیں جن کو آدمی اپنی زندگی میں اپنے لئے کبھی فنا نہ ہونے والے بنک میں جمع کر جائے کہ سرمایہ محفوظ رہے اور نفع قیامت تک ملتا رہے۔

تیسری چیز جو اس حدیث پاک میں ذکر کی گئی ہے وہ اولادِ صالح ہے جو مرنے کے بعد دُعائے خیر بھی کرتی رہے۔ اوّل تو اولاد کا صالح بنا جانا بھی مستقل صدقہ جاریہ ہے کہ جب تک وہ کوئی بھی نیک کام کرتی رہے گی، اپنے آپکو اس کا ثواب ملتا رہے گا، پھر اگر وہ نیک اولاد والدین کیلئے دُعا بھی کرتی رہے، اور جب وہ صالح ہے، تو دُعائیں کرتی ہی رہیگی، یہ مستقل ذخیرہ والدین کے لئے ہے۔

ایک نیک عورت کا قصہ رَوض میں لکھا ہے جس کو باہتیہ کہتے تھے، بڑی کثرت سے عبادت کرنے والی تھی۔ جب اس کا انتقال ہونے لگا تو اس نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا اور کہا۔ اے وہ ذات جو میرا توشہ اور میرا ذخیرہ ہے اور اسی پر میرا زندگی اور موت میں بھروسہ ہے، مجھے مرتے وقت رسوا نہ کیجیو اور قبر میں مجھے وحشت میں نہ رکھیو۔ جب وہ انتقال کر گئی تو اس کے لڑکے نے یہ اہتمام شروع کر دیا کہ ہر جمعہ کو وہ ماں کی قبر پر جاتا اور قرآن شریف پڑھ کر اس کو ثواب بخشتا اور اس کے لئے اور سب قبرستان والوں کے لئے دُعا کرتا۔ ایک دن اس لڑکے نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا، اماں تمہارا کیا حال ہے۔ ماں نے جواب دیا موت کی سختی بڑی سخت چیز ہے میں اللہ کی رحمت سے قبر میں بڑی راحت سے ہوں۔ ریحان میرے نیچے بچھی ہوئی ہے، ریشم کے تکیے لگے ہوئے ہیں، قیامت تک یہی برتاؤ میرے ساتھ رہیگا۔ بیٹے نے پوچھا کہ کوئی خدمت میرے لائق ہو تو کہو۔ اُس نے کہا کہ تو ہر جمعہ کو میرے پاس آکر قرآن پاک پڑھتا ہے اس کو نہ چھوڑنا، جب تو آتا ہے سارے قبرستان والے خوش ہو کر مجھے خوشخبری دینے آتے ہیں کہ تیرا بیٹا آگیا۔ مجھے بھی تیرے آنے کی بڑی خوشی ہوتی ہے اور ان سب کو بھی بہت خوشی ہوتی ہے۔

وہ لڑکا کہتا ہے کہ میں اسی طرح ہر جمعہ کو اہتمام سے جاتا تھا۔ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت بڑا مجمع مردوں اور عورتوں کا میرے پاس آیا۔ میں نے پوچھا تم کون لوگ ہو، کیوں آئے ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم فلاں قبرستان کے آدمی ہیں، ہم تمہارا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں۔ تم جو ہر جمعہ کو ہمارے پاس آتے ہو اور ہمارے لئے دعائے مغفرت کرتے ہو، اس سے ہم کو بڑی خوشی ہوتی ہے، اس کو جاری رکھنا اس کے بعد سے میں نے اور بھی زیادہ اہتمام اس کا شروع کر دیا۔

ایک اور عالم فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک قبرستان کی سب قبریں ایک دم شق ہو گئیں اور مُردے ان میں سے باہر نکل کر زمین پر سے کوئی چیز جلدی جلدی چُن رہے ہیں۔ لیکن ایک شخص فارغ بیٹھا ہے وہ کچھ نہیں چُنتا۔ میں نے اس کے پاس جا کر سلام کیا اور اس سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا چُن رہے ہیں۔ اُس نے کہا کہ جو لوگ کچھ صدقہ دُعا درود وغیرہ کر کے اس قبرستان والوں کو بھیجتے ہیں، اس کی برکات سمیٹ رہے ہیں۔ میں نے کہا، تم کیوں نہیں چُنتے۔ اس نے کہا مجھے اس وجہ سے اِستغنا ہے کہ میرا ایک لڑکا ہے جو فلاں بازار میں زلابیہ (حلوے کی ایک قسم ہے جو مُنہ کو چپک جاتی ہے) بیچا کرتا ہے وہ روزانہ مجھے ایک قرآن پڑھ کر بخشتا ہے۔ میں صبح کو اُٹھ کر اس بازار میں گیا۔ میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ زلابیہ فروخت کر رہا ہے اور اس کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہے ہو۔ اُس نے کہا، میں روزانہ ایک قرآن پاک ختم کر کے اپنے والد کو ہدیہ پیش کیا کرتا ہوں۔

اس قصہ کے عرصہ کے بعد میں نے پھر ایک مرتبہ اس قبرستان کے آدمیوں کو اسی طرح چُنتے دیکھا اور اس مرتبہ اس شخص کو بھی چُنتے دیکھا جس سے پہلی مرتبہ بات ہوئی تھی۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے اس پر تعجب تھا۔ صبح اُٹھ کر پھر میں اسی بازار میں گیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس لڑکے کا اِنتقال ہو گیا۔ (روض)

حضرت صالح مریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جمعہ کی شب میں اخیر رات میں جامع مسجد جا رہا تھا تاکہ صبح کی نماز وہاں پڑھوں۔ صبح میں دیر تھی۔ راستہ میں ایک قبرستان تھا۔ میں وہاں ایک قبر کے قریب بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ سب قبریں شق ہو گئیں اور اس میں سے مُردے نکل کر آپس میں ہنسی خوشی باتیں کر رہے ہیں ان میں ایک نوجوان بھی قبر سے نکلا، جس کے کپڑے میلے اور وہ مغموم سا ایک طرف بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں آسمان سے بہت سے فرشتے اُترے جن کے ہاتھوں میں خوان تھے۔ جن پر نُور کے رومال ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ ہر شخص کو ایک خوان دیتے تھے اور جو خوان لے لیتا تھا وہ اپنی قبر میں چلا

جاتا تھا۔ جب سب بٹ چکے تو یہ نوجوان بھی خالی ہاتھ اپنی قبر میں جانے لگا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے تم اس قدر غمگین کیوں ہو اور یہ خوان کیسے تھے۔ اُس نے کہا کہ یہ خوان اُن ہدایا کے تھے جو زندہ لوگ اپنے اپنے مُردوں کو بھیجتے ہیں۔ میرے کوئی اَور تو ہے نہیں جو بھیجے۔ ایک والدہ ہے مگر وہ دُنیا میں پھنس رہی ہے۔ اس نے دوسری شادی کرلی۔ اپنے خاوند میں مشغول رہتی ہے، مجھے کبھی بھی یاد نہیں کرتی۔ میں نے اس سے اس کی والدہ کا پتہ پوچھا، اور صبح کو اس پتہ پر جاکر اس کی والدہ کو پردہ کے پیچھے بُلایا اور اس سے اس کے لڑکے کو پوچھا اور یہ خواب سُنایا۔

اس عورت نے کہا بیشک وہ میرا لڑکا تھا، میرے جگر کا ٹکڑا تھا، میری گود اس کا بستر تھا۔ اس کے بعد اس عورت نے مجھے ایک ہزار درہم دیئے کہ میرے لڑکے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے اس کو صدقہ کردینا اور میں آئندہ ہمیشہ اس کو دُعا اور صدقہ سے یاد رکھوں گی، کبھی نہ بھولوں گی۔

حضرت صالح رح فرماتے ہیں کہ میں نے پھر خواب میں اس مجمع کو اسی طرح دیکھا اور اس نوجوان کو بھی بڑی اچھی پوشاک میں بہت خوش دیکھا۔ وہ میری طرف کو دوڑا ہوا آیا، اور کہنے لگا کہ صالح حق تعالیٰ شانہٗ، تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے تمہارا ہدیہ میرے پاس پہنچ گیا (روض)

اس قسم کے ہزاروں واقعات کتب میں موجود ہیں۔ بعض اس سے پہلی حدیث میں بھی گذر چکے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ میری اولاد مرنے کے بعد بھی میرے کام آئے تو اپنے مقدور کے موافق اس کو نیک اور صالح بنانے کی کوشش کرنا چاہیئے کہ یہ حقیقت میں اولاد کے لئے بھی خیر خواہی ہے اور اپنے لئے بھی کارآمد ہے۔ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (سورہ تحریم) "اے ایمان والو اپنے آپکو اور اپنے اہل وعیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ"

زید بن اسلم رح فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی تو صحابہ رض نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنے اہل وعیال کو کس طرح آگ سے بچائیں؟ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو ایسے کاموں کا حکم کرتے رہو جن سے اللہ جَلَّ شانُہٗ، راضی ہوں اور ایسی چیزوں سے روکتے رہو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوں۔

حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ سے اس آیت شریفہ کی تفسیر میں نقل کیا گیا کہ اپنے آپکو اور اپنے اہل کو خیر کی باتوں کی تعلیم اور تنبیہ کرتے رہو (درِ منثور) حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل

کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ اس باپ پر رحم کرے جو اولاد کی اس بات میں مدد کرے کہ وہ باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے، یعنی ایسا برتاؤ اس سے نہ کرے جس سے وہ نافرمانی کرنے لگے۔ (احیاء)

اولاد کو نیک بنانا بھی اس میں داخل ہے۔ اگر وہ نیک نہ ہو گی تو پھر والدین کے ساتھ جو کرے وہ بر محل ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ بچہ کا ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور جب چھ برس کا ہو اس کو آداب سکھائے جائیں اور جب نو برس کا ہو جائے تو اس کا بستر علیحدہ کر دیا جائے (یعنی دوسروں کے پاس نہ سوئے)، اور جب تیرہ برس کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارا جائے اور جب سولہ برس کا ہو جائے تو نکاح کر دیا جائے، پھر اس کا باپ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے کہ میں نے تجھے آداب سکھا دیئے، تعلیم دے دی، نکاح کر دیا، اب میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں دنیا میں تیرے فتنہ سے اور آخرت میں تیری وجہ سے عذاب سے (احیاء)

"تیری وجہ سے عذاب" کا مطلب یہ ہے کہ بہت سی احادیث میں مختلف عنوانات سے یہ ارشادِ نبوی وارد ہوا ہے کہ جو شخص کوئی بُرا طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس کو اپنے فعل کا گناہ بھی ہوتا ہے اور جتنے لوگ اس کی وجہ سے اس پر عمل کریں گے ان سب کا گناہ بھی اس کو ہو گا، اس طرح پر کہ کرنے والوں کے اپنے گناہ میں کوئی کمی نہ ہو گی، ان کو اپنے فعل کا مستقل گناہ ہو گا، اور اس کو ذریعہ اور سبب بننے کا مستقل گناہ ہو گا۔ اس بنا پر جو اولاد اپنے بڑوں کی بُری حرکات ان کے عمل کی وجہ سے اختیار کرتی ہے ان سب کا گناہ بڑوں کو بھی ہوتا ہے، اس لئے اپنے چھوٹوں کے سامنے بُری حرکات کرنے سے خصوصیت سے احتراز کرنا چاہیئے۔

اس حدیث شریف میں تیرہ برس کی عمر میں نماز پر مارنے کا حکم ہے اور بہت سی احادیث میں ہے کہ بچہ کو جب سات برس کا ہو جائے نماز کا حکم کرو اور جب دس برس کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ یہ روایات اپنی صحت اور کثرت کے لحاظ سے مقدم ہیں۔ بہر حال بچہ کے نماز نہ پڑھنے پر باپ کو مارنے کا حکم ہے اور اس پر نماز میں تنبیہ نہ کرنا اپنا جرم ہے اور اس کے بالمقابل اگر اس کو نماز روزہ اور دینی احکام کا پابند اور عادی بنا دیا تو اس کے اعمالِ حسنہ کا ثواب اپنے آپ کو بھی ملے گا اور اس کے ساتھ جب وہ صالح بن کر والدین کے لئے دعا بھی کرے گا تو اس

سے بھی زیادہ اجر و ثواب ملتا رہے گا۔

ابنِ مَلَکؒ کہتے ہیں کہ حدیث بالا میں اولاد کو صالح کے ساتھ اس لئے مُقیّد کیا ہے کہ ثواب غیر صالح اولاد کا نہیں پہنچتا، اور اس کی دُعا کا ذکر اولاد کو دُعا کی ترغیب دینے کے لئے ہے۔ چنانچہ یہ کہا گیا ہے کہ والد کو صالح اولاد کے عمل کا ثواب خود پہنچتا رہتا ہے چاہے وہ دُعا کرے یا نہ کرے جیسا کہ کوئی شخص رفاہِ عام کے لئے کوئی درخت لگا دے اور لوگ اس کا پھل کھاتے رہیں تو ان کھانے والوں کے کھانے کا ثواب اس کو ملتا رہے گا چاہے یہ لوگ درخت لگانے والے کے لئے دُعا کریں یا نہ کریں۔

علّامہ مناویؒ کہتے ہیں کہ والد کو دُعا کے ساتھ تنبیہ اور تحریض کے طور پر ذکر فرمایا کہ وہ دُعا کرے ورنہ دُعا ہر شخص کی نافع ہے چاہے وہ اولاد ہو یا نہ ہو۔ اس حدیث شریف میں تین چیزوں کا ذکر اہتمام کی وجہ سے کیا ہے ان کے علاوہ اور بھی بعض چیزیں احادیث میں ایسی آئی ہیں، جن کے متعلق یہ وارد ہوا ہے کہ ان کا دائمی ثواب ملتا رہتا ہے۔ مُتعدِّد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جو شخص کوئی نیک طریقہ جاری کر دے اس کو اپنے عمل کا ثواب بھی ملے گا اور جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے ان سب کے عمل کا ثواب اس کو ملتا رہیگا۔ اور کرنے والوں کے اپنے اپنے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور جو شخص بُرا طریقہ جاری کر دے اُس پر اپنے کئے کا بھی گناہ ہے اور جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے اُن سب کے عمل کا گناہ بھی اس کو ہوگا اور اس کی وجہ سے اُن کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ ہر شخص کے عمل کا ثواب مرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے مگر جو شخص اللہ کے راستہ میں سرحدوں کی حفاظت کرنے والا ہے، اس کا ثواب قیامت تک بڑھتا رہتا ہے[1]

ان کے علاوہ احادیث میں اور بھی بعض اعمال کا ذکر آیا ہے جیسا کہ کوئی درخت لگا دینا یا نہر جاری کر دینا، جن کو علّامہ سیوطیؒ نے جمع کر کے گیارہ چیزیں بتائی ہیں، اور ابنِ عمادؒ نے تیرہ چیزیں گنوائی ہیں، لیکن ان میں سے اکثر انہی تین کی طرف راجع ہو جاتی ہیں جیسا کہ درخت لگانا یا نہر جاری کرنا صدقۂ جاریہ میں داخل ہے[2]

(۲۰) عَنْ عَائِشَةَ رضـ أَنَّهُمْ ذَبَحُوا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَقِيَ مِنْهَا قَالَتْ مَا بَقِيَ مِنْهَا إِلَّا كَتِفُهَا

(حضرت عائشہ رضـ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ گھر کے آدمیوں نے یا صحابۂ کرامؓ نے ایک بکری ذبح کی (اور اس میں سے تقسیم کر دیا) حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ کتنا باقی رہا۔ حضرت عائشہ رضـ نے عرض کیا

[1] مرقاۃ [2] عون

قَالَ بَقِیَ کُلُّھَا اِلَّا کَتِفُھَا۔ کہ صرف ایک شانہ باقی رہ گیا (باقی سب تقسیم ہوگیا)
(رواہ الترمذی وصححہ کذا فی المشکوٰۃ) حضورؐ نے فرمایا وہ سب باقی ہے اس شانہ کے سوا۔"

ف: مقصد یہ ہے کہ جو اللہ کے لئے خرچ کر دیا گیا وہ حقیقت میں باقی ہے کہ اس کا دائمی ثواب باقی ہے اور جو رہ گیا وہ فانی ہے۔ نہ معلوم باقی رہنے والی جگہ خرچ ہو یا نہ ہو۔ صاحبِ مظاہر کہتے ہیں کہ اسمیں اشارہ ہے اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے اس پاک ارشاد کی طرف، مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ (نحل ع ۱۳) "جو کچھ تمہارے پاس دُنیا میں ہے وہ ایک دن ختم ہوجائے گا (چاہے اس کے زوال سے ہو یا تمہاری موت سے) اور جو کچھ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔"

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد وارد ہوا ہے کہ بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال، اس کے سوا دوسری بات نہیں ہے کہ اس کا مال وُہ ہے جو کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پُرانا کر دیا یا اللہ کے راستہ میں خرچ کر کے اپنے لئے ذخیرہ بنالیا اور اس کے علاوہ جو رہ گیا وہ جانیوالی چیز ہے جس کو وہ لوگوں کے لئے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ (مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک مرتبہ صَحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو۔ صَحابہؓ نے عرض کیا یا رسولَ اللہ ایسا تو کوئی بھی نہیں ہے ہر شخص کو اپنا مال زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ آدمی کا اپنا مال وہ ہے جس کو (ذخیرہ بنا کر) آگے بھیج دیا اور جو مال چھوڑ گیا وُہ وارث کا مال ہے (مشکوٰۃ عن البخاری)

ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ نے سورۂ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ تلاوت فرمائی پھر ارشاد فرمایا آدمی کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، او آدمی تیرے لئے اس کے سوا کچھ نہیں جو کھا کر ختم کر دے یا پہن کر پُرانا کر دے یا صدقہ کر کے آگے چلتا کر دے (تاکہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے خزانہ میں محفوظ رہے) (مشکوٰۃ عن مسلم)

(متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس قسم کے مضامین کی روایتیں نقل کی گئیں۔ لوگوں کو دُنیا کے بینک میں روپیہ جمع کرانے کا بڑا اہتمام ہوتا ہے لیکن وہی کیا ساتھ رہنے والا ہے۔ اگر اپنی زندگی ہی

میں اس پر کوئی آفت نہ بھی آئے تو مرنے کے بعد بہرحال وہ اپنے کام آنے والا نہیں ہے لیکن اللہ جلّ شانہٗ کے بینک میں جمع کیا ہوا روپیہ ہمیشہ کام آنے والا ہے، نہ اس پر کوئی آفت ہے نہ زوال، اور مزید براں کہ کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تُستری اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں بڑی کثرت سے خرچ کرتے تھے۔ ان کی والدہ اور بھائیوں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے اس کی شکایت کی کہ یہ سب کچھ خرچ کرنا چاہتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ یہ چند روز میں فقیر ہو جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے حضرت سہلؒ سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ ہی بتائیں کہ اگر کوئی مدینہ طیبہ کا رہنے والا رُستاق میں (جو ملک فارس کا ایک شہر ہے) زمین خرید لے اور وہاں مُنتقل ہونا چاہے، وہ مدینہ طیبہ میں اپنی کوئی چیز چھوڑے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ کہنے لگے بس یہی بات ہے۔ لوگوں کو ان کے جواب سے یہ خیال ہو گیا کہ وہ دوسری جگہ اِنتقالِ آبادی کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں (تنبیہ الغافلین)

اور ان کی غرض دوسرے عالم کو اِنتقال تھی، اور آج کل تو ہر شخص کو اس کا ذاتی تجربہ بھی ہے۔ جو لوگ ہند سے پاکستان یا پاکستان سے ہند میں مُستقل قیام کی نیت سے انتقالِ آبادی اپنے اختیار سے کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے جانے سے پہلے اپنی جائداد مکانات وغیرہ سب چیزوں کے تبادلہ کی کتنی کوشش کرتے ہیں اور اتنے تبادلہ مکمل نہیں ہو جاتا، ساری تکالیف برداشت کرنے کے باوجود انتقالِ آبادی کا ارادہ نہیں کرتے۔ اور جو بلا اختیار جبری طور پر ایک جگہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر دوسری جگہ مُنتقل ہو گئے ہیں، ان کی حسرت و افسوس کی نہ کوئی انتہا ہے نہ خاتمہ۔ یہی صورت بعینہٖ ہر شخص کی اس عالم سے اِنتقال کی ہے۔ ابھی تک ہر شخص کو اپنے سامان جائداد وغیرہ سب چیز کے اِنتقال کا اختیار ہے لیکن جب موت سے جبری انتقال ہو جائے گا، سب کچھ اسی عالم میں رہ جائیگا اور گویا بحقِ سرکار ضبط ہو جائے گا۔ ابھی وقت ہے کہ سمجھ رکھنے والے اپنے سامان کو دوسرے عالم میں مُنتقل کر لیں۔

(۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَهٗ وَمَنْ

(حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک اِرشاد ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ مہمان کا اکرام کرے اور اپنے پڑوسی کو نہ ستائے

كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ وَفِي رواية بدل الجار وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ۔
(متفق علیه کذا فی المشکوٰۃ)

اور زبان سے کوئی بات نکالے تو بھلائی کی بات نکالے ورنہ چپ رہے اور دوسری روایت ہے کہ صلہ رحمی کرے۔)

ف: اس حدیث پاک میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے کئی اُمور پر تنبیہ فرمائی اور ہر مضمون کو حضور نے اس ارشاد کے ساتھ ذکر فرمایا کہ "جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے" ترجمہ میں اختصار کی وجہ سے شروع ہی میں ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔ ہر ہر جملہ کے ساتھ اس کو ذکر فرمانے سے مقصود ان اُمور کی اَہمیت اور تاکید ہے، جیسا کوئی شخص اپنی اولاد میں سے کسی کو کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو فلاں کام کر دے۔ مقصد اس تنبیہ سے یہ ہے کہ یہ چیزیں کامل ایمان کے اَفراد ہیں جو ان کا اہتمام نہ کرے اس کا ایمان بھی کامل نہیں (مظاہر)

اور اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کے ذکر میں خصوصیت غالباً اس وجہ سے ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ پر ایمان بغیر تو آخرت میں کسی نیکی کا کوئی ثواب ہی نہیں، اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ پر ایمان میں آخرت پر ایمان خود آگیا تھا، پھر اس کو خصوصیت سے غالباً اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ تنبیہ اور ثواب کی نیت پر شوق دلاتا ہے کہ ان اُمور کا حقیقی بدلہ اور ثواب آخرت کے دن ملے گا، جس دن یہ معلوم ہوگا کہ دنیا کی ذرا ذرا سی چیز اور عمل پر اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں کتنا کتنا اجر و ثواب ہے۔

اس کے بعد حضور ؐ نے اس حدیث پاک میں چار چیزوں پر تنبیہ فرمائی۔ پہلی چیز مہمان کا اکرام ہے۔ وہی اس جگہ بندہ کا اس روایت کے ذکر کرنے سے مقصود ہے اسکی توضیح آئندہ حدیث میں آئے گی۔

دوسرا مضمون پڑوسی کو ایذا نہ دینے کے متعلق ہے۔ اس حدیث شریف میں ادنیٰ درجہ کا حکم کیا گیا کہ پڑوسی کو ایذا نہ پہنچائے، یہ بہت ہی ادنیٰ درجہ ہے۔ ورنہ روایات میں پڑوسی کے حق کے متعلق بہت زیادہ تاکیدیں وارد ہوئی ہیں۔ شیخین ؒ[۱] کی بعض روایات میں فَلْيُكْرِمْ جَارَهٗ وارد ہوا ہے یعنی پڑوسی

[۱] یعنی بخاری و مسلم

کا اکرام کرے۔ اور شیخین کی بعض روایات میں فَلْیُحْسِنْ اِلٰی جَارِهٖ آیا ہے کہ اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے یعنی جس چیز کا وہ محتاج ہو اسمیں اس کی اعانت کرے، اُس سے برائی کو دفع کرے۔

(ایک حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد وارد ہوا ہے، جانتے ہو کہ پڑوسی کا کیا حق ہے، اگر وہ تجھ سے مدد چاہے تو اس کی مدد کر، اگر قرض مانگے تو اس کو قرض دے، اگر محتاج ہو تو اس کی اعانت کر، اگر بیمار ہو تو عیادت کر، اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جا، اگر اس کو خوشی حاصل ہو تو مبارک باد دے، اگر مصیبت پہنچے تو تعزیت کر، بغیر اس کی اجازت کے اس کے مکان کے پاس اپنا مکان اونچا نہ کر جس سے اس کی ہوا رک جائے، اگر تو کوئی پھل خریدے تو اس کو بھی ہدیۃً دے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس پھل کو ایسی طرح پوشیدہ گھر میں لا کہ وہ نہ دیکھے اور اس کو تیری اولاد باہر لے کر نہ نکلے تاکہ پڑوسی کے بچے اس کو دیکھ کر رنجیدہ نہ ہوں، اور اپنے گھر کے دھویں سے اس کو تکلیف نہ پہنچا مگر اس صورت میں کہ جو پکاوے اس میں سے اس کا بھی حصہ لگالے۔ تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا کتنا حق ہے؟ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کے حق کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جس پر اللہ رحم کرے۔ روایت کیا، اس کو غزالیؒ نے اربعین میں (مظاہر تبغیر)۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (تین مرتبہ فرمایا) خدا کی قسم مومن نہیں ہے خدا کی قسم مومن نہیں ہے خدا کی قسم مومن نہیں ہے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ، کون شخص۔ حضورؐ نے فرمایا جس کا پڑوسی اس کی مصیبتوں (اور بدیوں) سے مامون نہ ہو (مشکوٰۃ عن الشیخین)

(ایک اور حدیث میں ہے کہ جنت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی مصیبتوں سے مامون نہ ہو۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں حضرات حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ مجھے پڑوسی کے بارہ میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے ان کی تاکیدوں سے یہ گمان ہوا کہ پڑوسی کو وارث بنا کر رہیں گے (مشکوٰۃ) حق سُبْحَانَہٗ وَتَقَدَّس کا پاک ارشاد ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا	(تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس
بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا	کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور
وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	اپنے والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور دوسرے
وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى	اہلِ قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ

وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ (نساء ۔ ع ۶)

اور غربا کے ساتھ اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کیساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور مسافر کے ساتھ بھی۔"

"پاس والے پڑوسی" سے مراد یہ ہے کہ اس کا مکان قریب ہو اور "دُور کے پڑوسی" سے مراد یہ ہے کہ اس کا مکان دُور ہو۔ حَسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ پڑوس کہاں تک ہے انہوں نے فرمایا کہ چالیس مکان آگے کی جانب اور چالیس پیچھے کی جانب چالیس دائیں اور چالیس بائیں جانب۔

حضرت اَبُوہُرَیْرَہؓ سے نقل کیا گیا کہ دُور کے پڑوسی سے اِبتداء نہ کی جائے بلکہ پاس کے پڑوسی سے اِبتداء کی جائے۔ حضرت عائشہؓ نے حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں کِس سے ابتداء کروں؟ حُضورؐ نے فرمایا جس کا دروازہ تیرے دروازہ سے قریب ہو۔ حضرت اِبْنِ عَبَّاسؓ سے مُختلف طریق سے نقل کیا گیا کہ پاس کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت ہو اور دُور کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت نہ ہو۔ نَوف شامیؒ سے نقل کیا گیا کہ پاس کا پڑوسی مسلمان پڑوسی ہے اور دُور کا پڑوسی یہود و نصاریٰ، یعنی غیر مسلم (در منثور)

مُسْنَدِ بَزَّار وغیرہ میں حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک اِرشاد نقل کیا گیا کہ پڑوسی تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ پڑوسی جس کے تین حق ہوں، پڑوس کا حق، رشتہ داری کا حق، اور اسلام کا حق۔ دوسری قسم وُہ ہے جس کے دو حق ہوں، پڑوس کا حق اور اسلام کا حق، تیسری قسم وہ ہے جس کا ایک ہی حق ہو، وہ غیر مُسلم پڑوسی ہے (جمل) گویا پڑوس کے تین درجے ترتیب وار ہو گئے۔ اِمام غزالیؒ نے بھی اس حدیث شریف کو نقل فرمایا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ دیکھو اس حدیث شریف میں محض پڑوسی ہونے کی وجہ سے مشرک کا حق بھی مسلمان پر قائم فرمایا ہے۔

ایک اور حدیث میں حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے دو پڑوسیوں میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ایک شخص حضرت عبداللّٰہ بن مَسْعُودؓ کے پاس آئے اور اپنے پڑوسی کی کثرت سے شکایت کرنے لگے۔ حضرت اِبْنِ مَسْعُودؓ نے فرمایا جاؤ (اپنا کام کرو) اگر اُس نے تمہارے بارے میں اللّٰہ تعالیٰ شَانُہٗ کی نافرمانی کی (کہ تم کو ستایا) تو تم تو اس کے بارے میں اللّٰہ تعالیٰ شَانُہٗ کی نافرمانی نہ کرو۔

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں ایک عورت کا حال

بیان کیا گیا کہ وُہ روزے بھی کثرت سے رکھتی ہے، تہجّد بھی پڑھتی ہے، لیکن اپنے پڑوسیوں کو ستاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا وُہ جہنّم میں داخل ہوگی (چاہے پھر سزا بھگت کر نکل آئے) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ پڑوسی کا حق صرف یہی نہیں کہ اس کو تکلیف نہ دی جائے بلکہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کی تکلیف کو برداشت کیا جائے۔

حضرت ابنُ المقفعؒ اپنے پڑوسی کی دیوار کے سایہ میں اکثر بیٹھ جایا کرتے تھے، اُن کو معلوم ہوا کہ اس کے ذمہ قرض ہوگیا جس کی وجہ سے وہ اپنا گھر فروخت کرنا چاہتا ہے۔ فرمانے لگے کہ ہم اس کے گھر کے سایہ میں ہمیشہ بیٹھے، اس کے سایہ کا حق ہم نے کچھ ادا نہ کیا۔ یہ کہہ کر اس کے گھر کی قیمت اس کو نذر کر دی اور فرمایا کہ تمہیں قیمت وصول ہوگئی، اب اس کو فروخت کرنے کا ارادہ نہ کرنا۔ حضرت ابن عمرؓ کے غلام نے ایک بکری ذبح کی۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جب اس کی کھال نکال چکو تو سب سے پہلے اس کے گوشت میں سے میرے یہودی پڑوسی کو دینا، کئی دفعہ یہی لفظ فرمایا۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ کتنی مرتبہ اس کو فرمائیں گے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت جبرئیلؑ بار بار پڑوسی کے متعلق تاکید فرماتے رہے (اس لئے میں بار بار کہہ رہا ہوں)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مکارِمِ اخلاق دس چیزیں ہیں۔ بسا اوقات یہ چیزیں بیٹے میں ہوجاتی ہیں باپ میں نہیں ہوتیں، غلام میں ہوجاتی ہیں آقا میں نہیں ہوتیں۔ حق تعالےٰ شانُہٗ کی عطا ہے جس کو چاہے عطا کردیں۔ ۱ سچ بولنا ۲ لوگوں کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرنا (دھوکہ نہ دینا) ۳ سائل کو عطا کرنا ۴ احسان کا بدلہ دینا ۵ صلہ رحمی کرنا ۶ امانت کی حفاظت کرنا ۷ پڑوسی کا حق ادا کرنا ۸ ساتھی کا حق ادا کرنا ۹ مہمان کا حق ادا کرنا ۱۰ ان سب کی جڑ اور اصلِ اُصول حیا ہے (احیاء)

تیسرا مضمون حدیث بالا میں یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ خیر کی بات زُبان سے نکالے یا چُپ رہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ پاک ارشاد جامع کلمہ ہے اسلئے کہ جو بات کہی جائے وہ یا خیر ہوگی یا شر۔ اور خیر میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کا کہنا مطلوب ہے فرض ہو یا مستحب۔ اس کے علاوہ جو رہ گیا وہ شر ہے (فتح)۔ یعنی اگر کوئی ایسی بات ہو جو بظاہر نہ خیر معلوم ہوتی ہو نہ شر، وہ حافظ کے کلام کے مُوافق شر میں داخل ہوجائے گی۔ اس لئے کہ جب کوئی فائدہ اس سے مقصود نہیں تو لغو ہوئی وہ خود شر ہے۔

حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کیا کہ آدمی کا ہر کلام اس پر وبال ہے کوئی نفع دینے والی چیز نہیں بجز اس کے کہ بھلائی کا حکم کرے یا برائی سے روکے یا اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ذکر کرے۔

اس حدیث کو سُن کر ایک شخص کہنے لگے یہ حدیث تو بڑی سخت ہے۔ حضرت سُفیان ثوریؒ نے فرمایا، اس میں حدیث کی سختی کی کیا بات ہے یہ تو خود اللہ جَلَّ جلالُہٗ نے قرآن شریف میں فرمایا:۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (نساء۔ ع ۱۷)

"لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی، ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات یا کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے واسطے یہ کام کریگا ہم اس کو عنقریب بہت زیادہ اجر عطا کریں گے۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں میں نے حضورؐ سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت فرما دیجئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں اللہ کے خوف کی وصیت کرتا ہوں کہ یہ تمہارے ہر کام کے لئے زینت ہے۔ میں نے عرض کیا کچھ اور، ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کا اہتمام کر کہ آسمانوں میں تمہارے ذکر کا سبب ہے اور زمین میں تمہارے لئے نور ہے۔ میں نے اور زیادتی چاہی تو ارشاد فرمایا کہ سکوت بہت کثرت سے رکھا کرو یہ شیطان کے دُور رہنے کا ذریعہ ہے اور دینی کاموں میں مدد کا سبب ہے، میں نے اور زیادتی چاہی تو فرمایا کہ ہنسنے کی زیادتی سے احتراز کرو، اس سے دل مرجاتا ہے اور منہ کی رونق کم ہو جاتی ہے، میں نے عرض کیا اور کچھ، فرمایا حق بات کہو چاہے کڑوی ہی کیوں نہ ہو، میں نے عرض کیا اور کچھ، فرمایا اللہ کے معاملہ میں کسی کا خوف نہ کرو۔ میں نے عرض کیا، اور کچھ، فرمایا کہ تمہیں اپنے عیوب (کا فکر) لوگوں کے عیوب کو دیکھنے سے روک دے۔ (درمنثور)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ زبان اللہ جَلَّ شانُہٗ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور اس کی غریب ولطیف صنعتوں میں سے ایک صنعت ہے، اس کا جثہ چھوٹا ہے لیکن اس کی اطاعت اور گناہ بہت بڑے ہیں حتیٰ کہ کفر و اسلام جو گناہ اور اطاعت میں دو آخری کناروں پر ہیں اسی سے ظاہر ہوتے ہیں اس کے بعد اس کی بہت سی آفتیں شمار کی ہیں۔ بیکار گفتگو، بیہودہ باتیں، جنگ وجدل، منہ پھیلا کر باتیں کرنا، مقفّٰی عبارتوں اور فصاحت میں تکلف کرنا، فحش بات کرنا، گالی دینا، لعنت کرنا، شعر شاعری میں انہماک، کسی کے ساتھ تمسخر کرنا، کسی کا راز ظاہر کرنا، جھوٹا وعدہ کرنا، جھوٹ بولنا۔ جھوٹی

قسم کھانا، کسی پر تعریض کرنا، تعریض کے طور پر جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، چغل خوری کرنا، دو رنگی باتیں کرنا، بے محل کسی کی تعریف کرنا، بے محل سُوال کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اتنی کثیر آفتیں اس چھوٹی سی چیز کے ساتھ وابستہ ہیں کہ ان کا مسئلہ نہایت خطرناک ہے۔ اسی وجہ سے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے چُپ رہنے کی بہت ترغیب فرمائی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چُپ رہا وہ نجات پا گیا۔

ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسولَ اللہ مجھے اسلام کے بارہ میں ایسی چیز بتا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنا نہ پڑے۔ حضورؐ نے فرمایا، اللہ جَلَّ شَانُہٗ پر ایمان لاؤ، اور اس پر اِستقامت رکھو۔ انہوں نے عرض کیا، حضورؐ میں کس چیز سے بچوں۔ حضورؐ نے فرمایا اپنی زبان سے۔ ایک اور صحابیؓ نے عرض کیا یا رسولَ اللہ نجات کی کیا صورت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رکھو، اپنے گھر میں رہو، (فضول باہر نہ پھرو) اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص دو چیزوں کا ذمہ لے لے، میں اس کے لئے جنّت کا ذمہ دار ہوں۔ ایک زبان دوسری شرمگاہ۔ ایک حدیث میں ہے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے سُوال کیا گیا کہ جو چیزیں جنّت میں داخل کرنے والی ہیں ان میں سب سے اہم کیا چیز ہے؟ حضورؐ نے فرمایا اللہ کا خوف اور اچھی عادتیں۔ پھر عرض کیا گیا کہ جہنّم میں جو چیزیں داخل کرنے والی ہیں ان میں اہم چیز کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، منہ اور شرمگاہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صفا مروہ کی سعی کر رہے تھے اور اپنی زبان کو خطاب کر کے فرماتے تھے، اے زبان اچھی بات کہہ نفع کمائے گی اور شر سے سکوت کر سلامت رہیگی اس سے پہلے کہ شرمندہ ہو۔ کسی نے پوچھا کہ یہ جو کچھ آپ فرما رہے ہیں اپنی طرف سے فرما رہے ہیں یا آپ نے اس بارہ میں کچھ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے سُنا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سُنا ہے کہ آدمی کی خطاؤں کا اکثر حصہ اس کی زبان میں ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اپنی زبان کو روکے رہے، اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس کی عیب پوشی کرتے ہیں، اور جو شخص اپنے غصہ پر قابو رکھے اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس کو اپنے عذاب سے محفوظ فرماتے ہیں، اور جو شخص اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی بارگاہ میں معذرت کرتا ہے حق تعالیٰ شَانُہٗ اس کے عذر کو قبول فرماتے ہیں۔

حضرت معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جلّ شانہ، کی اسطرح عبادت کرو گویا کہ اسکو دیکھ رہے ہو اور اپنے آپکو مُردوں میں شمار کرو، اور اگر تم کہو تو میں وہ چیز بتاؤں جس سے ان چیزوں پر سب سے زیادہ قدرت حاصل ہو جائے اور یہ فرما کر اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا (احیاء)

حضرت سُلیمان علیٰ نبیّنا وَعلیہِ السّلام سے نقل کیا گیا کہ اگر کلام چاندی ہے تو سکوت سونا ہے

حضرت لُقمان حکیمؒ جو اپنی حکمت اور دانائی کی وجہ سے دنیا میں مشہور ہیں ایک حبشی غلام نہایت بدصورت تھے، مگر اپنی حکمتوں کی وجہ سے مُقتدائے عالَم تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ تو فلاں شخص کا غلام نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا، بیشک ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ تو فلاں پہاڑ کے نیچے بکریاں نہ چرا تا تھا، انہوں نے فرمایا صحیح ہے پھر اُس نے کہا کہ پھر یہ مرتبہ کس بات سے ملا۔ انہوں نے فرمایا (چار چیزوں سے) اللہ کا خوف، بات میں سچائی، امانت کا پورا پورا ادا کرنا، اور بے فائدہ بات سے سکوت۔ اور بھی مُتعدِد روایات میں ان کی خصوصی عادتِ کثرتِ سکوت ذکر کی گئی۔ (درمنثور)

حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ ایک بدّو نے آکر عرض کیا، یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو جنت میں لے جانے والا ہو۔ حضورؐ نے فرمایا۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم کرو اور بُری باتوں سے روکو، اور یہ نہ ہو سکے تو اپنی زبان کو بھلی بات کے علاوہ بولنے سے روکے رکھو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اپنی زبان کو خیر کے علاوہ سے محفوظ رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم شیطان پر غالب رہو گے۔

یہ چند روایات مختصراً ذکر کی ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی روایات اور آثار ہیں جن کو امام غزالیؒ نے ذکر کیا اور علامہ زُبیدیؒ اور حافظ عراقیؒ نے ان کی تخریج کی ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان کا مسئلہ اہم مسئلہ ہے جس سے ہم لوگ بالکل غافل ہیں، جو چاہا زبان سے کہہ دیا حالانکہ اللہ جلّ شانہ، کے دو نگہبان ہر وقت دن اور رات دائیں اور بائیں مونڈھوں پر موجود رہتے ہیں جو ہر بھلائی اور بُرائی کو لکھتے ہیں۔ اس سب کے بعد اللہ جلّ شانہ، اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کیا احسان ذکر کیا جائے، آدمی سے بے التفاتی میں فضول بات نکل ہی جاتی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، کفارۂ مجلس کا یہ ہے کہ اُٹھنے سے قبل تین مرتبہ یہ دُعا پڑھ لے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ (حصن حصین)

ایک حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اخیر میں ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پہلے تو ان کلمات کو نہیں پڑھتے تھے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کلمات مجلس کا کفارہ ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا، چند کلمے ایسے ہیں کہ جو شخص مجلس سے اُٹھنے کے وقت تین مرتبہ ان کو پڑھے تو وہ مجلس کی گفتگو کے لئے کفارہ ہو جاتے ہیں اور اگر مجلس خیر میں پڑھے جائیں تو اس مجلس (کے خیر ہونے) پر ان سے مہر لگ جاتی ہے۔ جیساکہ خط کے ختم پر مہر لگائی جاتی ہے وہ کلمات یہ ہیں: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ (ابوداؤد)

چوتھا مضمون حدیث بالا میں صلہ رحمی کے متعلق ہے۔ اس کا مفصل بیان آئندہ فصلوں میں آرہا ہے۔

(۲۲) عَنْ اَبِیْ شُرَیْحِ الْکَعْبِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ جَائِزَتُہٗ یَوْمٌ وَّلَیْلَۃٌ وَالضِّیَافَۃُ ثَلٰثَۃُ اَیَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِکَ فَھُوَ صَدَقَۃٌ وَّلَا یَحِلُّ لَہٗ اَنْ یَّثْوِیَ عِنْدَہٗ حَتّٰی یُحْرِجَہٗ (متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)

"حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کا پاک ارشاد ہے، کہ جو شخص اللہ جلّ شانہٗ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ مہمان کا جائزہ ایک دن رات ہے اور مہمانی تین دن رات اور مہمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ اتنا طویل قیام کرے، جس سے میزبان مشقت میں پڑ جائے۔"

ف: اس حدیث شریف میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے دو ادب ارشاد فرمائے، ایک میزبان کے متعلق دوسرا مہمان کے متعلق۔ میزبان کا ادب یہ ہے کہ اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے جیساکہ پہلی حدیث میں گذر چکا ہے، تو اس کو چاہیے کہ مہمان کا اکرام کرے۔ اور مہمان کا اکرام یہ ہے کہ کشادہ روئی اور خوش خلقی سے پیش آئے، نرمی سے گفتگو کرے (مظاہر) ایک حدیث میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ آدمی مہمان کے ساتھ گھر کے دروازہ تک مشایعت کے لئے جائے (مشکوٰۃ)

حضرت عقبہؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص مہمانی نہ کرے اس میں کوئی خیر نہیں۔ حضرت سمرۃؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مہمان کی ضیافت کا حکم فرمایا کرتے تھے۔[۱]

(۱) مجمع الزوائد

ایک شخص نے دیکھا کہ حضرت علیؓ رو رہے ہیں۔ اس نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ سات دن سے کوئی مہمان نہیں آیا، مجھے اسکا ڈر ہے کہ کہیں حق تعالیٰ شانہٗ نے میری اہانت کا ارادہ تو نہیں کر لیا (احیاء)۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حدیث بالا میں مہمان کے اکرام کا حکم فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ اس کا جائزہ ایک دن رات ہے۔ اس کی تفسیر میں علماء کے چند قول ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد اکرام و اعزاز اور خصوصی تحفے ہیں۔ یعنی ایک دن رات تو اس کے اعزاز میں اچھا کھانا تیار کرے اور باقی ایام میں معمولی مہمانی۔

اس کے بعد پھر علماء کے اسمیں دو قول ہیں کہ تین دن کی مہمانی جو حضورؐ کے پاک ارشاد میں وارد ہوئی ہے وہ اس ایک دن کے بعد ہے، یعنی مہمان کا حق کُل چار دن ہو گئے، یا وُہ ایک دن خصوصی اعزاز کا بھی انہی تین دن میں داخل ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جائزہ سے مراد ناشتہ ہے راستہ کا، اور حاصل یہ ہے کہ اگر مہمان قیام کرے تو تین دن کی مہمانی ہے اور قیام نہ کر سکے تو ایک دن کا ناشتہ (فتح الباری)

تیسرا مطلب یہ ہے کہ جائزہ سے مراد تو ناشتہ ہی ہے لیکن اس کا مطلب علماء نے یہ لکھا ہے کہ تین دن کی مہمانی اور چوتھے دن رخصت کے وقت ایک دن کا ناشتہ۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ جائزہ سے مراد گذر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص مُستقل ملاقات کے لئے آئے اس کا حق تین دن قیام کا ہے اور جو راستہ میں گذرتے ہوئے ٹھہر جائے کہ اصل مقصود آگے جانا تھا یہ جگہ راستہ میں پڑ گئی، اس لئے یہاں بھی قیام کر لیا تو اس کے قیام کا حق صرف ایک دن ہے (منذری)

اور ان سب اقوال کا خلاصہ مختلف حیثیات سے مہمان کے اکرام کا اہتمام ہی ہے کہ ایک دن کا اس کا خصوصی اہتمام کھانے کا کرے اور روانگی کے وقت ناشتہ کا بھی۔ بالخصوص ایسے راستوں میں جہاں راستہ میں کھانا نہ مل سکتا ہو۔

دوسرا ادب حدیث بالا میں مہمان کے لئے ہے کہ کہیں جا کر اتنا طویل قیام نہ کرے جس سے میزبان کو تنگی اور دِقت پیش آئے۔ ایک اور حدیث میں اس لفظ کی جگہ یہ ارشاد ہے کہ اتنا نہ ٹھہرے کہ میزبان کو گنہگار بنا دے، یعنی یہ کہ اس کے طویل قیام کی وجہ سے میزبان اس کی غیبت کرنے لگے یا کوئی ایسی حرکت کرے جس سے مہمان کو اذیت ہو یا مہمان کے ساتھ کسی قسم کی بدگمانی کرنے لگے کہ یہ سب اُمور میزبان کو گنہگار بنانے والے ہیں لیکن یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ میزبان کی طرف سے مہمان کے قیام پر اصرار

اور تقاضہ نہ ہو یا اس کے انداز سے غالب گمان یہ ہو کہ زیادہ قیام اس پر گراں نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا چیز ہے جو اس کو گناہ میں ڈالے حضورؐ نے فرمایا اس کے پاس اتنا قیام کرے کہ میزبان کے پاس اس کے کھلانے کو کچھ نہ ہو۔ حافظؒ کہتے ہیں کہ اس میں حضرت سلمانؓ کا اپنے مہمان کے ساتھ ایک قصہ پیش آیا۔ (فتح) جس قصہ کی طرف حافظؒ نے اشارہ کیا ہے امام غزالیؒ نے اس کو نقل کیا ہے۔ حضرت ابُووائلؓ کہتے ہیں کہ میں اور میرا ایک ساتھی حضرت سلمانؓ کی زیارت کے لئے گئے، انہوں نے جَو کی روٹی اور نیم کوفتہ نمک ہمارے سامنے رکھا۔ میرا ساتھی کہنے لگا کہ اگر اس کے ساتھ سَعتَر، (پودینہ کی ایک قسم ہے) ہوتا تو بڑا لذیذ ہوتا۔ حضرت سلمانؓ تشریف لے گئے اور وضو کا لوٹا رہن رکھ کر سَعتَر خرید کر لائے۔ جب ہم کھا چکے تو میرے ساتھی نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَنَّعَنَا بِمَا رَزَقَنَا (سب تعریف اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے لئے ہے جس نے ہمیں ماحضر پر قناعت کی توفیق عطا فرمائی) حضرت سلمانؓ نے فرمایا، اگر تمہیں ماحضر پر قناعت ہوتی تو میرا لوٹا گروی نہ رکھا جاتا (احیاء)

حاصل یہ ہے کہ میزبان سے ایسی فرمائشیں کرنا جس سے اس کو دقت ہو یہ بھی تُحرِجُہٗ (میزبان کو تنگی میں ڈالنے) میں داخل ہے۔ دوسرے کے گھر جاکر چناں چنیں کرنا، یہ چاہیے وہ چاہیے، ہرگز مناسب نہیں ہے۔ جو وہ حاضر کر رہا ہے اس کو صبر و شکر سے بشاشت کے ساتھ کھالینا چاہیئے۔ فرمائشیں کرنا بسااوقات میزبان کی دقت اور تنگی کا سبب ہوتا ہے، البتہ اگر میزبان کے حال سے یہ اندازہ ہو کہ وہ فرمائش سے خوش ہوتا ہے مثلاً فرمائش کرنے والا کوئی محبوب ہو اور جس سے فرمائش کی جائے وہ جان نثار ہو تو جو چاہے فرمائش کرلے۔

حضرت امام شافعیؒ بغداد میں زعفرانیؒ کے مہمان تھے اور وہ حضرت امامؒ کی خاطر میں روزانہ اپنی باندی کو ایک پرچہ لکھا کرتا تھا جس میں اس وقت کے کھانے کی تفصیل ہوتی تھی حضرت امام شافعیؒ نے ایک وقت باندی سے پرچہ لے کر دیکھا اور اس میں اپنے قلم سے ایک چیز کا اضافہ فرما دیا، دسترخوان پر جب زعفرانیؒ نے وہ چیز دیکھی تو باندی پر اعتراض کیا کہ میں نے اس کے پکانے کو نہیں لکھا تھا۔ وہ پرچہ لے کر آقا کے پاس آئی اور پرچہ دکھا کر کہا کہ یہ چیز حضرت امامؒ نے خود اپنے قلم سے اضافہ کی تھی۔ زعفرانیؒ نے جب اس کو دیکھا اور حضرت کے قلم سے اس میں اضافہ پر نظر پڑی تو خوشی سے باغ باغ ہو گیا اور اس خوشی میں اس باندی کو آزاد کر دیا (احیاء)۔ اگر ایسا کوئی مہمان ہو اور ایسا میزبان ہو تو یقیناً

فرمائش بھی لطف کی چیز ہے۔

(۲۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَّلَا یَاْکُلْ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ۔

(حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ مسلمان کے علاوہ کسی کے ساتھ مصاحبت اور ہم نشینی نہ رکھ، اور تیرا کھانا غیر متقی نہ کھائے۔)

(رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی کذا فی المشکوٰۃ وبسط فی تخریجہ صاحب الاتحاف)

ف (اس حدیث پاک میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دو آداب ارشاد فرمائے۔ اوّل یہ کہ ہم نشینی اور نشست و برخاست غیر مسلم کے ساتھ نہ رکھ۔ اگر اس سے کامل مسلمان مراد ہے تب تو مطلب یہ ہے کہ فاسق فاجر لوگوں کے ساتھ مجالست اختیار نہ کر۔ دوسرے جملہ میں چونکہ متقی کا ذکر ہے اس سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ نیز اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ایک حدیث میں حضور کا ارشاد ہے کہ نہ داخل ہوں تیرے گھر میں مگر متقی لوگ (کنز)

(اور اگر اس سے مطلقاً مسلمان مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ کافروں کے ساتھ بے ضرورت مجالست اختیار نہ کی جائے، اور ہر صورت میں تنبیہ مقصود ہے اچھی صحبت اختیار کرنے پر۔ اس لئے کہ آدمی جس قسم کے لوگوں میں کثرت سے نشست و برخاست رکھا کرتا ہے اسی قسم کے آثار آدمی میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ اسی بناء پر حضور کا وہ ارشاد ہے جو ابھی گذرا، کہ تیرے گھر میں متقیوں کے علاوہ داخل نہ ہوں، یعنی ان سے میل جول ہوگا، تو ان کے اثرات پیدا ہوں گے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ صالح ہم نشین کی مثال مشک بیچنے والے کی ہے کہ اگر اس کے پاس بیٹھا جائے تو وہ تجھے تھوڑا سا مشک کا ہدیہ بھی دے دیگا، تو اس سے خرید بھی لے گا، اور دونوں باتیں نہ ہوں تو پاس بیٹھنے کی وجہ سے مشک کی خوشبو سے دماغ معطر رہے گا۔ (اور فرحت پہنچتی رہے گی)، اور برے ساتھی کی مثال لوہار کی بھٹی کے پاس بیٹھنے والے کی ہے کہ اگر اس کی بھٹی سے کوئی چنگاری اڑکر لگ گئی تو کپڑے جلادے گی اور یہ بھی نہ ہو تو بدبو اور دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں۔ (مشکوٰۃ)

(ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوا کرتا ہے، پس اچھی طرح غور

کرلے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے (مشکوٰۃ) مطلب یہ ہے کہ پاس بیٹھنے کا اور صحبت کا اثر بے ارادہ رفتہ رفتہ آدمی میں سرایت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ آدمی اس کا مذہب بھی اختیار کرلیا کرتا ہے۔ اس لئے پاس بیٹھنے والوں کی دینی حالت میں اچھی طرح سے غور کرلینا چاہیئے۔ بددینوں کے پاس کثرت سے بیٹھنے سے بددینی آدمی میں پیدا ہوا کرتی ہے۔ روزمرہ کا تجربہ ہے کہ شراب پینے والوں کے، شطرنج کھیلنے والوں کے پاس تھوڑے دن کثرت سے اُٹھنا بیٹھنا ہو تو یہ مرض آدمی میں لگ جاتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت ابُورزین رضؓ سے فرمایا کہ میں تجھے ایسی چیز بتاؤں جس سے اس چیز پر قدرت ہو جائے جو دارَین کی خیر کا سبب ہو۔ اللہ کا ذکر کرنے والوں کی مجلس اختیار کر، اور جب تو تنہا ہوا کرے تو جسقدر بھی تو کر سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دیتا رہا کر، اور اللہ کے لئے دوستی کر اور اسی کے لئے دشمنی کر (مشکوٰۃ) یعنی جس سے دوستی یا دشمنی ہو وہ اللہ ہی کی رضا کے واسطے ہو، اپنے نفس کے واسطے نہ ہو۔

اِمام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کی مُصاحبت اختیار کرے اس میں پانچ چیزیں ہونا چاہئیں۔ اوّل صاحبِ عقل ہو، اس لئے کہ عقل اصل رَاسُ المَال ہے، بیوقوف کی مُصاحبت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کا مآل کار وحشت اور قطعِ رحمی ہے۔ حضرت سُفیان ثوریؒ سے تو یہ بھی نقل کیا گیا کہ احمق کی صورت کو دیکھنا بھی خطا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اس کے اخلاق اچھے ہوں کہ جب آدمی کے اخلاق خراب ہوں تو وہ عقل پر بسا اوقات غالب آجاتے ہیں۔ ایک آدمی سمجھدار ہے، بات خوب سمجھتا ہے لیکن غصہ، شہوت، بخل وغیرہ اس کو اکثر عقل کا کام نہیں کرنے دیتے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ وہ فاسق نہ ہو، اس لئے کہ جو شخص اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے بھی نہ ڈرتا ہو اسکی دوستی کا کوئی اعتبار نہیں، نہ معلوم کس جگہ کس مصیبت میں پھنسا دے۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ وہ بدعتی نہ ہو کہ اس کے تعلقات سے بدعت کے ساتھ مُتاثر ہو جانے کا اندیشہ ہے اور اس کی نحوست کے مُتعدّی ہونے کا خوف ہے۔ بدعتی اس کا مُستحق ہے کہ اس سے تعلقات اگر ہوں تو مُنقطع کر لیے جائیں، نہ یہ کہ تعلقات پیدا کیے جائیں۔

پانچویں چیز یہ ہے کہ وہ دُنیا کمانے پر حریص نہ ہو کہ اس کی صحبت سمِ قاتل ہے۔ اس لئے کہ طبیعت

تشبّہ اور اقتداء پر مجبور ہوا کرتی ہے اور مخفی طور پر دوسرے کے اثرات لیا کرتی ہے۔ (احیاء) حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد حضرت زین العابدینؒ نے وصیت فرمائی ہے کہ پانچ آدمیوں کے ساتھ نہ رہنا، ان سے بات بھی نہ کرنا حتی کہ راستہ چلتے ہوئے ان کے ساتھ راستہ بھی نہ چلنا۔

ایک فاسق شخص کہ وہ تجھے ایک لقمہ بلکہ ایک لقمہ سے کم میں بھی فروخت کر دیگا۔ میں نے پوچھا کہ ایک لقمہ سے کم میں فروخت کرنے کا کیا مطلب؟ فرمایا کہ ایک لقمہ کی اُمید پر وہ تجھے فروخت کر دے، پھر اس کو وہ لقمہ بھی جس کی اُمید تھی نہ ملے (محض امید پر فروخت کر دے)

۲۔ بخیل کے پاس نہ جائیو کہ وہ تجھ سے ایسے وقت میں تعلق توڑ دے گا جب تو اس کا سخت محتاج ہو ۳۔ جھوٹے کے پاس نہ جائیو کہ وہ بالو (دھوکہ) کی طرح سے قریب کو دور اور دور کو قریب ظاہر کرے گا۔ ۴۔ احمق کے پاس کو نہ گزرنا کہ وہ تجھے نفع پہنچانا چاہے گا اور نقصان پہنچا دے گا ۵۔ قطع رحمی کرنے والے کے پاس کو نہ گذریو کہ میں نے اس پر قرآن پاک میں تین جگہ لعنت پائی ہے (روض)۔

اثرات کا لینا آدمیوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جس چیز کے ساتھ آدمی کا تلبّس زیادہ ہوا کرتا ہے اس کے اثرات مخفی طور پر آدمی کے اندر آجایا کرتے ہیں (حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا کہ بکریوں والوں میں مسکنت ہوتی ہے اور فخر و تکبر گھوڑے والوں میں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان دونوں جانوروں میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ اونٹ اور بیل والوں میں شدت اور سخت دلی بھی وارد ہوئی ہے۔ متعدد روایات میں چیتے کی کھال پر سواری کی ممانعت آئی ہے۔ علماء نے منجملہ دوسری وجوہ کے اسکی ایک وجہ یہ بھی فرمائی ہے کہ مجانست کی وجہ سے اس میں درندگی کی خصلت پیدا ہوتی ہے)

دوسرا ادب حدیث بالا میں یہ ہے کہ تیرا کھانا متقی لوگ ہی کھائیں۔ یہ مضمون بھی متعدد روایات میں آیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنا کھانا متقی لوگوں کو کھلاؤ، اور اپنے احسان کا مؤمنوں کو مورد بناؤ (اتحاف)، علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد دعوت کا کھانا ہے، حاجت کا کھانا نہیں ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اپنے کھانے سے اس شخص کی ضیافت کرو جس سے اللہ کی وجہ سے محبت ہو (اتحاف) دفع حاجت کے کھانے میں حق تعالیٰ شانہ نے قیدیوں کے کھلانے کی بھی مدح فرمائی ہے۔ اور قیدی اُس زمانہ کے کافر تھے (مظاہر) جیسا کہ آیات کے سلسلہ میں نمبر ۳۴ پر یہ مضمون گذر چکا ہے اور احادیث کے سلسلہ میں نمبر ۱۰ پر گذر چکا ہے کہ ایک فاحشہ عورت کی محض اس وجہ سے مغفرت ہوئی کہ اس نے ایک

پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔

اور بھی متعدد روایات میں مختلف مضامین سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قاعدہ اور ضابطہ فرمادیا کہ ہر جاندار میں اجر ہے۔ اس میں متقی غیر متقی، مسلم کافر، آدمی حیوان سب ہی داخل ہیں، لہٰذا احتیاج اور ضرورت کے کھانے میں یہ چیزیں نہیں دیکھی جاتیں، وہاں تو احتیاج کی شدت اور قلت دیکھی جاتی ہے۔ جتنی زیادہ احتیاج ہو اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔ یہ کھانا دعوت اور تعلقات کا ہے۔ اس میں بھی اگر کوئی دینی مصلحت ہو، خیر کی نیت ہو تو جس درجہ کی وہ خیر اور مصلحت ہوگی اسی درجہ کا اجر ہوگا۔ البتہ اگر کوئی دینی مصلحت نہ ہو تو پھر کھانے والا جتنا زیادہ متقی ہوگا اتنا ہی زیادہ اجر کا سبب ہوگا۔

(صاحبِ مظاہر اور امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ متقیوں کو کھلانا اطاعت اور نیکیوں پر اعانت ہے اور فاسقوں کو کھلانا فسق و فجور پر اعانت ہے اور ظاہر چیز ہے کہ متقی اور نیک آدمی میں جتنی زیادہ طاقت اور قوت آئے گی عبادت میں زیادہ مصروف ہوگا۔ اور فاسق فاجر میں اچھے کھانوں سے جتنی زیادہ قوت ہوگی، لہو ولعب، فسق و فجور میں بڑھے گا جس میں اس کی اعانت ہوئی۔)

(ایک بزرگ اپنے کھانے کو فقراء صوفیہ ہی کو کھلاتے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر آپ عام فقراء کو بھی کھلائیں تو بہتر ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ ان لوگوں کی ساری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، جب ان کو فاقہ ہوتا ہے تو اس سے توجہ میں انتشار ہوتا ہے۔ میں ایک شخص کی توجہ کو اللہ جل شانہٗ تک لگائے رکھوں یہ اس سے بہتر ہے کہ ایسے ہزار آدمیوں کی اعانت کروں جن کی ساری توجہ دنیا کی طرف ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے جب یہ بات سنی تو بہت پسند فرمایا (احیاء، اتحاف)

(حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے ایک درزی نے دریافت کیا کہ میں ظالم بادشاہوں کے کپڑے سیتا ہوں کیا آپ کا خیال ہے کہ میں بھی ظالموں کی اعانت کررہا ہوں؟ انہوں نے ارشاد فرمایا نہیں، تو اعانت کرنے والوں میں نہیں ہے تو تو خود ظالم ہے۔ ظالم کی اعانت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو تیرے ہاتھ سوئی دھاگہ فروخت کریں (احیاء)

(ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص کریم پر احسان کرتا ہے اس کو غلام بنالیتا ہے اور جو ذلیل د لئیم شخص پر احسان کرتا ہے اسکی دشمنی اپنی طرف کھینچتا ہے (کنز))

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اپنا کھانا متقی لوگوں کو کھلاؤ اور اپنا احسان مومنین پر کرو۔ (مشکوٰۃ)

اور اس میں علاوہ بالائی مصالح کے متقی اور مومنین کا اعزاز و اکرام بھی ہے اور یہ خود مستقل طور پر مندوب اور مامور بہ ہے، اسی وجہ سے علماء نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاک ارشاد کی وجہ سے جس میں آپ نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے (مشکوٰۃ) منجملہ دوسری وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ فاسق کی دعوت قبول کرنے میں اس کا اعزاز و اکرام ہے۔

(۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ رواہ ابو داؤد وغیرہ (مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضؓ نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سوال کیا کہ سب سے افضل صدقہ کیا ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، کہ نادار کی انتہائی کوشش اور ابتداء اس سے کر جس کی پرورش تمہارے ذمہ ہے۔

ف: یعنی جو شخص خود ضرورت مند ہو، فقیر ہو، نادار ہو، وہ اپنی کوشش سے اپنے کو مشقت میں ڈال کر جو صدقہ کرے وہ افضل ہے۔

حضرت بشرؒ فرماتے ہیں کہ تین عمل بہت سخت ہیں یعنی ان میں ہمت کا کام ہے ایک تنگدستی کی حالت میں سخاوت، دوسرے تنہائی میں تقوے اور اللہ کا خوف، تیسرے ایسے شخص کے سامنے حق بات کہنا جس سے خوف ہو یا امید ہو (اتحاف) یعنی اس سے اغراض وابستہ ہیں، اور یہ اندیشہ ہے کہ وہ حق بات کہنے سے میری اغراض پوری نہ کرے گا یا کسی قسم کی مضرت پہنچائے گا۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے کلام پاک میں بھی اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے جیسا کہ آیات کے سلسلہ میں نمبر ۲۸ پر گذرا کہ وہ حضرات باوجود اپنی حاجت اور فقر کے، دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اور اس کے ذیل میں اس کی کچھ تفصیل بھی گذر چکی ہے۔

حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ ارشاد فرماتے ہیں، تین شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس سو دینار (اشرفیاں) تھے میں نے ان میں سے دس دینار اللہ کے واسطے صدقہ کر دیئے۔ دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ پاس دس دینار تھے میں نے ایک دینار

صدقہ کر دیا۔ تیسرے صاحب نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک ہی دینار تھا، میں نے اس کا دسواں حصّہ صدقہ کیا ہے، حضورؐ نے فرمایا کہ تم تینوں کا ثواب برابر ہے اس لئے کہ ہر شخص نے اپنے مال کا دسواں حصّہ صدقہ کیا ہے۔

ایک اَور حدیث میں اسی قسم کا ایک اَور قصّہ وارد ہوا ہے۔ اس میں بھی حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہی ارشاد جواب میں ہے کہ تم سب ثواب میں برابر ہو کہ ہر شخص نے اپنے مال کا دسواں حصّہ صدقہ کر دیا۔ اس حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ اس کے بعد حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ آیتِ شریفہ پڑھی لِیُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَۃٍ مِّنۡ سَعَتِہٖ (کنز) یہ آیتِ شریفہ سورۂ طلاق کے پہلے رکوع کے ختم پر ہے۔ پوری آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے کہ "وُسعت والے کو اپنی وُسعت کے مُوافِق خرچ کرنا چاہئے۔ جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہیئے، کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے (یعنی امیر آدمی اپنی حیثیت کے موافق خرچ کرے اَور غریب آدمی اپنی حیثیت کے مُوافِق کیونکہ) خُدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے (اَور غریب آدمی خرچ کرتا ہُوا اس سے نہ ڈرے کہ پھر بالکل ہی نہیں رہیگا) خُدا تعالیٰ تنگی کے بعد جلدی ہی فراغت بھی دے دیگا۔"

علامہ سُیُوطیؒ نے دُرِّ منثور میں اس آیتِ شریفہ کے ذیل میں حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ کی روایت کے ہم معنی دوسرے بعض صحابہؓ سے بھی روایات نقل کی ہیں، اور ان سے بڑھ کر ایک صحیح حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد نقل کیا گیا کہ ایک دِرہم، ایک لاکھ دِرہم سے بھی ثواب میں بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح کہ ایک آدمی کے پاس دو ہی دِرہم فقط ہیں، اُس نے ان میں سے ایک صدقہ کر دیا۔ دوسرا شخص ایسا ہے کہ اس کے پاس بہت بڑی مقدار میں مال ہے، اس نے اپنے کثیر مال میں سے ایک لاکھ دِرہم صدقہ کئے تو یہ ایک دِرہم ثواب میں بڑھ جائے گا۔

علامہ سُیُوطیؒ نے جامعُ الصَّغیر میں حضرت ابُوذرؓ اَور حضرت ابُوہُریرہؓ کی روایات سے اسکو نقل کیا ہے اَور صحیح کی علامت لکھی، یہی نادار کی کوشش ہے کہ ایک شخص کے پاس صرف دو دِرہم ہیں یعنی ۷ رکہ ایک دِرہم تقریباً ۳۰ رکا ہوتا ہےلہ، ان میں سے ایک صدقہ کر دے، اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے جس کو امام بخاریؒ نے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب ہم لوگوں کو صدقہ کا حکم فرمایا کرتے تھے تو ہم میں سے بعض آدمی بازار جاتے اَور اپنے اُوپر بوجھ لاد کر

لہ یہ قیمت کتاب کی تصنیف کے وقت تھی۔ درہم دراصل ساڑھے ۳ تین ماشہ چاندی کے ایک سکہ کا نام ہے۔

مزدوری میں ایک مُدّ (جو حنفیہ کے نزدیک ایک سیر وزن ہے اور دوسرے حضرات کے نزدیک تین پاؤ سے بھی کچھ کم ہے)، کماتے اور اس کو صدقہ کر دیتے (فتح)

بعض روایات میں ہے کہ ہم میں سے بعض آدمی جن کے پاس ایک دِرم بھی نہ ہوتا تھا، بازار جاتے اور لوگوں سے اس کی خواہش کرتے کہ کوئی مزدوری پر کام کرالے اور اپنی کمر پر بوجھ لادکر ایک مُدّ مزدوری حاصل کرتے۔ راوی یہ کہتے ہیں کہ ہمیں جہاں تک خیال ہے خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ اپنا ہی حال بتایا ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس پر یہ باب ذکر کیا ہے "بیان اس شخص کا جو اس لئے مزدوری کرے کہ اپنی کمر پر بوجھ لادے اور پھر اس مزدوری کو صدقہ کر دے۔" (فتح)

آج ہم میں سے بھی کوئی اس اُمنگ کا آدمی ہے کہ اسٹیشن پر جاکر صرف اس لئے بوجھ اُٹھائے کہ دو چار آنے جو مل جائیں گے وہ ان کو صدقہ کر دے گا۔ ان حضرات کو آخرت کے کھانے کا ہر وقت اتنا ہی فکر رہتا تھا جتنا ہمیں دُنیا کے کھانے کا۔ ہم اس لئے مزدوری کرتے ہیں کہ آج کھانے کو کچھ نہیں لیکن یہ اس لئے مزدوری کرتے تھے کہ آج آخرت میں جمع کرنے کو کچھ نہیں ہے۔ ابتداءِ اسلام میں بعض مُنافق ایسے لوگوں پر طعن کرتے تھے، جو مشقت اُٹھاکر تھوڑا تھوڑا صدقہ کرتے تھے، حق تعالیٰ شانہٗ نے ان پر عتاب فرمایا چنانچہ ارشاد ہے اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (توبہ، ع ۱۰) "یہ (مُنافق) ایسے لوگ ہیں کہ نفل صدقہ کرنے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارہ میں طعن کرتے ہیں اور بالخصوص، ان لوگوں پر (اور بھی زیادہ) طعن کرتے ہیں جن کو بجز محنت اور مزدوری کے کچھ میسّر نہیں ہوتا یہ (منافق) ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ جلّ شانہٗ ان کے مذاق اُڑانے کا بدلہ (اسی نوع سے) دے گا۔ (کہ آخرت میں ان احمقوں کا بھی اوّل مذاق اُڑایا جائے گا) اور دُکھ دینے والا عذاب تو ان کے لئے ہے ہی (وہ تو ٹلتا نہیں)۔ مُفسّرین نے اس آیتِ شریفہ کے ذیل میں بہت سی روایات اس قسم کی ذکر کی ہیں کہ یہ حضرات رات بھر حمّالی کر کے مزدوری کماتے اور صدقہ کرتے اور جو کچھ تھوڑا بہت گھر میں ہوتا وہ تو ان کی نگاہ میں صدقہ ہی کے واسطے ہوتا تھا مجبوری کے درجہ میں کچھ خود بھی استعمال کر لیا۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی خدمت میں ایک سائل حاضر ہوا۔ آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت حسن یا حسین رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اپنی والدہ (حضرت فاطمہؓ) سے کہو کہ میں نے جو چھ دِرم تمہارے

پاس رکھے ہیں ان میں سے ایک دیدو۔ صاحبزادے گئے اور یہ جواب لائے کہ وہ آپ نے آٹے کیواسطے رکھوائے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آدمی اپنے ایمان میں اس وقت تک سچا نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے پاس کی موجودہ چیز سے اس چیز پر زیادہ اعتماد نہ ہو جو اللہ جلّ شانہٗ کے پاس ہے اپنی والدہ سے کہو کہ وہ چھ درم سب کے سب دیدو حضرت فاطمہؓ نے تو یاددہانی کے طور پر فرمایا تھا ان کو اس میں کیا تامل ہو سکتا تھا اسلئے حضرت فاطمہؓ نے دیدیئے حضرت علیؓ نے وہ سب سائل کو دیدیئے۔ حضرت علیؓ اپنی اسجگہ سے اُٹھے بھی نہیں تھے کہ ایک شخص اونٹ فروخت کرتا ہوا آیا۔ آپ نے اس کی قیمت پوچھی، اس نے ایک سو چالیس ۱۴۰ درم بتائے۔ آپ نے وہ قرض خرید لیا اور قیمت کی ادائیگی کا بعد کا وعدہ کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص آیا اور اونٹ کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہ یہ کس کا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرا ہے۔ اس نے دریافت کیا کہ فروخت کرتے ہو۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں۔ اس نے قیمت دریافت کی۔ حضرت علیؓ نے دو۲۰۰ سو درم بتائے وہ خرید کر لے گیا۔

حضرت علیؓ نے ایک سو چالیس ۱۴۰ درم اپنے قرض خواہ یعنی پہلے مالک کو دے کر ساٹھ درم حضرت فاطمہؓ کو لاکر دیدیئے۔ حضرت فاطمہؓ نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص نیکی کرتا ہے اس کو دس گنا بدلہ ملتا ہے (کنز العمال)

یہ بھی جہد والے کی مشقت تھی کہ کل صرف چھ درم ۶ کل موجود تھے جو آٹے کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ اللہ جلّ شانہٗ پر کامل اعتماد کرتے ہوئے ان کو خرچ فرما دیا، اور وہ در دنیا کا بدلہ وصول کر لیا۔ اور بھی بہت سے واقعات ان حضرات کے اللہ جلّ شانہٗ پر اعتماد کامل کر کے سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے وارد ہوئے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قصّہ غزوۂ تبوک کا مشہور معروف ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا حکم فرمایا تو جو کچھ گھر میں تھا سب کچھ لاکر پیش کر دیا اور حضورؐ کے دریافت فرمانے پر کہ گھر میں کیا چھوڑا عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول کو یعنی ان کی رضا کو، علماء نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ ایمان لائے تو اُن کے پاس چالیس ہزار اشرفیاں تھیں (تاریخ الخلفاء)

محمد بن عباد مہلبیؒ کہتے ہیں کہ میرے والد مامون رشید بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے ایک لاکھ درم ہدیہ دیا۔ والد صاحب جب وہاں سے اُٹھ کر آئے تو سب کے سب صدقہ کر دیئے۔ مامون

کو اس کی اِطّلاع ہوگئی۔ جب دوبارہ والد صاحب کی ملاقات ہوئی تو مامون نے ناراضی کا اظہار کیا۔ والد صاحب نے کہا اے اَمیرُ المومنین موجود کا روکنا معبود کے ساتھ بدگمانی ہے (احیاء) یعنی جو چیز موجود ہے اس کو خرچ نہ کرنا اسی خوف سے تو ہوتا ہے کہ یہ نہ رہے گی تو کہاں سے آئے گی تو گویا جس مالک نے اس وقت دیا ہے اس کو دوبارہ دینا مشکل پڑے گا۔

بہت سے واقعات اَسلاف و اکابر کے ایسے گذرے ہیں کہ ناداری کی حالت میں بھی جو کچھ تھا، سب دے دیا، لیکن ان سب روایات اور واقعات کے خلاف اَحادیث میں ایک مضمون اور بھی آیا ہے اور وہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک اور مشہور ارشاد خَیْرُ الصَّدَقَۃِ مَا کَانَ عَنْ ظَھْرِ غِنًی ہے "بہترین صدقہ وہی ہے جو غنیٰ سے ہو"۔ یہ مضمون بھی مُتعدّد روایات میں وارد ہوا ہے۔

اَبُو داؤد شریف میں ایک قصہ وارد ہوا ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں، کہ ہم لوگ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک شخص حاضر ہوئے اور ایک بیضہ[1] کے بقدر سونا پیش کر کے عرض کیا، یارسول اللہ یہ مجھے ایک مَعدِن سے مل گیا ہے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ حضورؐ نے اس جانب سے اِعراض فرمالیا وہ صاحب دوسری جانب سے حاضر ہوئے اور یہی درخواست مُکرّر پیش کی۔ حضورؐ نے اس طرف سے بھی منہ پھیر لیا۔

اسی طرح مُتعدّد مرتبہ ہوا۔ حضورؐ نے اس ڈلی کو لے کر ایسے زور سے پھینکا کہ اگر وہ ان کے لگ جاتی تو زخمی کر دیتی۔ اسکے بعد حضورؐ نے فرمایا۔ بعض لوگ اپنا سارا مال صدقہ میں پیش کر دیتے ہیں پھر وہ لوگوں کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ بہترین صدقہ وہ ہے جو غنیٰ سے ہو۔

حضرت اَبُوسعید خُدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں حاضر ہوئے، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (ان کی بدحالی دیکھ کر) لوگوں سے کپڑا صدقہ کرنے کی ترغیب دی، لوگوں نے کچھ کپڑے پیش کئے، جن میں سے دو کپڑے حضورؐ نے ان کو بھی مرحمت فرمائے جو اس وقت مسجد میں داخل ہوئے تھے۔

اس کے بعد دوسرے موقعہ پر حضورؐ نے پھر لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی تو انہوں نے بھی اپنے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا صدقہ کر دیا۔ حضورؐ نے ان کو تنبیہ فرمائی اور ان کا کپڑا واپس فرمادیا (ابوداؤد)

ایک اور حدیث میں اس قصہ میں حضورؐ کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے کہ یہ صاحب نہایت بُری ہَیئَت سے مسجد میں آئے تھے، مجھے یہ اُمید تھی کہ تم ان کی حالت دیکھ کر خود ہی خیال کرو گے مگر تم نے

[1] انڈا۔

خیال نہ کیا تو مجھے کہنا پڑا کہ صدقہ لاؤ، تم صدقہ لائے اور ان کو دو کپڑے دے دیئے۔ پھر میں نے دوسری مرتبہ جب صدقہ کی ترغیب دی تو یہ بھی اپنے دو کپڑوں میں سے ایک صدقہ کرنے لگے، لو اپنا کپڑا واپس لو۔ (کنز)

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد وارد ہوا ہے کہ بعض آدمی اپنا سارا مال صدقہ کر دیتے ہیں، پھر بیٹھ کر لوگوں کے ہاتھوں کو دیکھتے ہیں بہترین صدقہ وہ ہے جو غنیٰ سے ہو۔

ایک اور حدیث میں اِرشاد ہے کہ بغیر غنیٰ کے صَدَقہ ہے ہی نہیں۔ (کنز)

یہ روایات بظاہر پہلی روایات کے خلاف ہیں گو حقیقت میں کچھ خلاف نہیں ہے اس لئے کہ ان روایات میں مُمانعت کی وجہ کی طرف حُضورؐ نے خود ہی اِشارہ فرما دیا کہ سارا مال صدقہ کر کے پھر لوگوں کے ہاتھوں کو تکتے ہیں۔ ایسے آدمیوں کے لئے یقیناً تمام مال صدقہ کرنا مناسب نہیں بلکہ نہایت بیجا ہے لیکن جو حضرات ایسے ہیں کہ ان کو اپنے پاس جو مال موجود ہو، اس سے زیادہ اِعتماد اس مال پر ہو جو اللہ کے قبضہ میں ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کے قصہ میں ابھی گذرا، اور حضرت اَبُوبکر صدیقؓ کے اَحوال تو اس سے بھی بالاتر ہیں، ایسے حضرات کو سارا مال صدقہ کر دینے میں مُضائقہ نہیں، البتہ اسکی کوشش ضرور کرتے رہنا چاہئے کہ اپنا حال بھی ان حضرات جیسا بن جائے، اور دُنیا سے ایسی ہی بے رغبتی اور حق تعالیٰ شانہٗ پر ایسا ہی اِعتماد پیدا ہو جائے جیسا ان حضرات کو تھا، اور جب آدمی کسی کام کی کوشش کرتا ہے، تو حق تعالیٰ شانہٗ، وہ چیز عطا فرماتے ہی ہیں۔ مَنْ جَدَّ وَجَدَ ضَرْبُ الْمَثَل ہے کہ "جو کوشش کرتا ہے وہ پالیتا ہے"

ایک بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ کتنے مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ عوام کے لئے دو سو درم میں پانچ درم یعنی چالیسواں حصہ شریعت کا حکم ہے، لیکن ہم لوگوں پر سارا مال صدقہ کر دینا واجب ہے (احیاء۔ اوّل)

اسی ذیل میں حُضورؐ کے وہ اِرشادات ہیں جو احادیث کے سلسلہ میں نمبر ا پر گذرے کہ اگر اُحد کا پہاڑ سارے کا سارا سونا بن جائے تو مجھے یہ گوارا نہیں کہ اسمیں سے ایک درم بھی باقی رکھوں بُجز اس کے جو قرضہ کی ادائیگی کے لئے ہو۔ اسی بنا پر حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عصر کی نماز کے بعد نہایت عُجلت سے مکان تشریف لے گئے اور سونے کا ٹکڑا جو گھر میں اِتفاق سے رہ گیا تھا اس کو صدقہ کا حکم فرما کر واپس تشریف لائے اور چند داموں کی موجودگی کی وجہ سے اپنی علالت میں بے چین ہو گئے جیسا کہ سلسلۂ احادیث میں نمبر ۲ پر گذرا۔ حضرت امام بُخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری شریف میں فرمایا کہ صدقہ بغیر غنیٰ کے

نہیں ہے اور جو شخص ایسی حالت میں صدقہ کرے کہ وہ خود محتاج ہو یا اسکے اہل وعیال محتاج ہوں یا اس پر قرض ہو تو قرض کا ادا کرنا مقدم ہے۔ ایسے شخص کا صدقہ اس پر لوٹا دیا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص صبر کرنے میں معروف ہو اور اپنے نفس پر باوجود اپنی احتیاج کے ترجیح دے جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا فعل تھا یا انصار نے مہاجرینؓ کو اپنے اوپر ترجیح دی (تو اس میں مضائقہ نہیں)۔

علامہ طبریؒ کہتے ہیں جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ جو شخص اپنا سارا مال صدقہ کر دے بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو اور تنگی کی اس میں برداشت ہو اور اس کے عیال نہ ہوں یا اگر ہوں تو وہ بھی اس کی طرح سے صابر ہوں تو سارا مال صدقہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو سارا مال صدقہ کرنا مکروہ ہے (فتح)

ہمارے حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے پاک ارشاد "بہترین صدقہ وہ ہے جو غنیٰ سے ہو"، میں غنیٰ سے مراد دل کا غنی ہے (حجۃ اللہ) اس صورت میں یہ احادیث پہلی احادیث کے خلاف بھی نہیں ہیں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد بھی احادیث میں آیا ہے کہ غنیٰ مال کی کثرت سے نہیں ہوتا بلکہ اصل غنیٰ دل کا ہوتا ہے (مشکوٰۃ)۔

اوپر جو قصہ سونے کی ڈلی کا گذرا، اس میں بھی اشارۃً یہ مضمون ملتا ہے کہ ان صاحب کا بار بار یہ عرض کرنا کہ یہ سارا صدقہ ہے اور میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ دل کو اس سے وابستگی ہے۔

صاحب مظاہرؒ فرماتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ صدقہ غنا سے دیا جائے، چاہے غنا نفس ہو، یعنی اللہ جل شانہٗ پر اعتماد کامل ہو جیسا کہ ابوبکر صدیقؓ نے جب تمام مال اللہ کے لئے دے دیا اور حضورؐ کے اس ارشاد پر کہ اپنے عیال کے لئے کیا چھوڑا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تو حضورؐ نے ان کی تعریف فرمائی، اور یہ درجہ حاصل نہ ہو تو پھر مال کا غنیٰ باقی رہے۔

حاصل یہ ہے کہ توکل کامل ہو تو جو چاہے خرچ کر دے، اور یہ کامل نہ ہو تو اہل وعیال کی رعایت کو مقدم کرے (مظاہر) مگر اپنے دل کو اپنی اس کوتاہی پر تنبیہ کرتا ہے اور غیرت دلاتا رہے کہ تجھے اس ناپاک دنیا پر جتنا اعتماد ہے اللہ جل شانہٗ پر اس کا آدھا تہائی بھی نہیں ہے۔ ان شاء اللہ اس کے بار بار تنبیہ سے ضرور اثر ہوگا۔ کاش حق تعالیٰ شانہٗ ان اکابر کے توکل اور اعتماد کا کچھ حصہ اس

کمینہ کو بھی عطا فرما دیتا۔

(۲۵) عَنْ عَائِشَةَ رضـ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا اَجْرُهَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا اَجْرُهٗ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا۔

(متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے ایسی طرح صدقہ کرے کہ (اسراف وغیرہ سے) اس کو خراب نہ کرے، تو اس کو خرچ کرنے کا ثواب ہے اور خاوند کو اس لئے ثواب ہے کہ اس نے کمایا تھا اور کھانے کا انتظام کرنیوالے کو (مرد ہو یا عورت) ایسا ہی ثواب ہے اور ان تینوں میں سے ایک کے ثواب کی وجہ سے دوسرے کے ثواب میں کمی نہ ہوگی۔

ف: اس حدیث شریف میں دو مضمون وارد ہوئے ہیں۔ ایک بیوی کے خرچ کرنے کے متعلق ہے دوسرا سامان کے محافظ خزانچی اور منتظم کے متعلق ہے اور دونوں مضامین میں روایات بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ شیخین کی ایک اور روایت میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جب عورت خاوند کی کمائی میں سے اس کے بغیر حکم کے خرچ کرے تو اس عورت کو آدھا ثواب ہے (مشکوٰۃ)

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے عورتوں کی جماعت کو بیعت کیا تو ایک عورت کھڑی ہوئیں جو بڑے قد کی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ قبیلۂ مُضَر کی ہوں کہ ان کے قد لانبے ہوتے ہونگے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم عورتیں اپنے والدوں پر بھی بوجھ ہیں، اپنی اولاد پر بھی اور اپنے خاوندوں پر بھی بوجھ ہیں۔ ہمیں ان کے مال میں سے کیا چیز لینے کا حق ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، تر و تازہ چیزیں (جن کے روکنے میں خراب ہونے کا اندیشہ ہو) کھا بھی سکتی ہو اور دوسروں کو دے بھی سکتی ہو (مشکوٰۃ) ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد وارد ہوا ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ روٹی کے ایک لقمہ اور کھجور کی ایک مٹھی کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں، ایک گھر کے مالک کو یعنی خاوند کو، دوسرے بیوی کو جس نے یہ کھانا پکایا، تیسرے اس خادم کو جو دروازہ تک مسکین کو دے کر آیا (کنز)۔

حضرت عائشہ رضؓ کی ہمشیرہ حضرت اسماءؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے بُجز اس کے جو (میرے خاوند) حضرت زُبیرؓ مجھے دے دیں۔ کیا میں اسمیں سے خرچ کر لیا کروں، حضورؐ نے فرمایا خوب خرچ کیا کرو باندھ کر نہ رکھو کہ تم پر بھی بندش کر دی جائے گی۔ (کنز) یہ روایت اور اس کے ہم معنی کئی روایتیں ابھی گذری ہیں۔

(ایک اور روایت میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب عورت خاوند کی کمائی میں سے اس کے بغیر حکم کے خرچ کرے تو خاوند کو آدھا ثواب ہے (عینی عن مسلم) ابھی ایک روایت میں اس کا عکس گذر چکا کہ ایسی صورت میں عورت کے لئے آدھا ثواب ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خاوند کی کمائی سے خرچ کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ خاوند نے کما کر مال کا کچھ حصّہ عورت کو بالکل دے دیا، اسکو مالک بنا دیا۔ ایسے مال میں سے اگر عورت خرچ کرے تو اسکو پورا ثواب اور خاوند کو نصف ثواب۔ ظاہر ہے کہ خاوند تو بہر حال عورت کو دے چکا ہے۔ اب اگر وہ خرچ کرتی ہے تو حقیقت میں خاوند کے مال میں سے خرچ نہیں کرتی بلکہ اپنے مال میں سے خرچ کرتی ہے لیکن کمائی چونکہ خاوند کی ہے اس لئے اسکو بھی اللہ کے لطف و کرم سے اس کی کمائی کی وجہ سے اس کے صدقہ کرنے کا آدھا ثواب ہے اور بیوی کو دے دینے کا مُستقل ثواب پہلے علیحدہ ہو چکا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خاوند نے کمانے کے بعد عورت کو مالک نہیں بنایا، بلکہ گھر کے اخراجات کے لئے اس کو دیا ہے، اس مال میں سے صدقہ کرنیکا خاوند کو پورا ثواب ہو کہ وہ اصل مالک ہے اور عورت کو آدھا کہ اخراجات میں تنگی تو اس کو بھی پیش آئے گی۔ ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات میں مُختلف عُنوانات سے عورتوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ کھانے کی چیزوں میں سے اللہ کے راستہ میں خرچ کیا کریں۔ ذرا ذرا سی چیزوں میں یہ بہانہ تلاش نہ کیا کریں کہ خاوند کی اجازت تو لی نہیں، لیکن ان سب روایات کے خلاف بعض روایات میں اس کی مُمانعت بھی وارد ہوئی ہے۔)

(حضرت ابُو اُمامہؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حَجَّۃُ الوَداع کے خطبہ میں مِنجُملہ اور ارشادات کے یہ بھی فرمایا کہ کوئی عورت خاوند کے گھر سے (یعنی اس کے مال میں سے) بغیر اسکی اجازت کے خرچ نہ کرے۔ کسی نے دریافت کیا، حضورؐ کھانا بھی بغیر اجازت خرچ نہ کرے۔ حضورؐ نے فرمایا، کھانا تو بہترین مال ہے (ترغیب عن الترمذی)، یعنی اس کو بھی بغیر اجازت خرچ نہ کرے۔)

(اس روایت کو پہلی روایت سے کوئی حقیقت میں مُخالفت نہیں ہے۔ پہلی سب روایات

عام حالات اور معروف عادات کی بنا پر ہیں ۔ گھروں کا عام عُرف سب جگہ یہی ہے ، اور یہی ہوتا ہے کہ جو چیزیں سامان یا روپیہ پیسہ گھر میں اخراجات کے واسطے دے دیا جاتا ہے اس میں خاوندوں کو اس سے خلاف نہیں ہوتا کہ عورتیں اس میں سے کچھ صدقہ کردیں یا غُربا رکو کچھ کھانے کو دے دیں ۔ بلکہ خاوندوں کا ایسی چیزوں میں کُنج کاوا اور پوچھنا ، تحقیق کرنا کنجوسی اور چھوڑپن شمار ہوتا ہے ، لیکن اس عُرفِ عام کے باوجود اگر کوئی بخیل اس کی اجازت نہ دے کہ اس میں سے کسی کو دیا جائے تو پھر عورت کو جائز نہیں کہ اس کے مال میں سے کچھ صدقہ کرے یا ہدیہ دے ، البتہ اپنے مال میں سے جو چاہے خرچ کرے ۔

ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا ، یا رسولَ اللہ میری بیوی میرے مال میں سے میری بغیر اجازت خروچ کرتی ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا ، تم دونوں کو اس کا ثواب ہو گا ۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اسکو منع کردیتا ہوں ۔ حضورؐ نے فرمایا ، تجھے تیرے بخل کا بدلہ ملے گا ، اس کو اس کے احسان کا اجر ہوگا (کنز)

معلوم ہوا کہ خاوندوں کا ایسی معمولی چیز سے روکنا بخل ہے اور اس کے روکنے کے بعد اس کے مال میں سے عورت کو خرچ کرنا جائز نہیں ۔ البتہ عورت کا اگر دل خرچ کرنے کو چاہتا ہے اور خاوند کی مجبوری سے رُکی ہوئی ہے تو اس کو اس کی نیت کی وجہ سے صدقہ کا ثواب ملتا ہی رہے گا ۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں ، حقیقت میں ان چیزوں میں ہر شہر کا عُرف اور عادت مُختلف ہوتی ہے اور خاوندوں کے احوال بھی مُختلف ہوتے ہیں ، بعض پسند کرتے ہیں بعض پسند نہیں کرتے ۔ اسی طرح جو چیز خرچ کی جائے اس کے اعتبار سے بھی مُختلف احوال ہوتے ہیں ۔ ایک تو معمولی چیز قابلِ تسامح ہوتی ہے اور کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس کی خاوند کو اہمیت ہو ۔ اسی طرح سے کوئی تو ایسی چیز ہوتی ہے جس کے رکھنے میں اس کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو ، اور کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس کو روکنے میں کوئی نقصان نہیں ہوتا ۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ شرط تو مُتفق علیہ ہے کہ وہ عورت خرچ کرنے میں فساد کرنے والی نہ ہو ۔

بعض عُلماء نے کہا ہے کہ خرچ کرنے کی ترغیبیں حجاز کے عُرف کے موافق وارد ہوئی ہیں کہ وہاں بیویوں کو اس قسم کے تصرفات کی عام اجازت ہوتی تھی کہ وہ مساکین کو ، مہمانوں کو ، پڑوس کی عورتوں کو ، سُوال کرنے والوں کو کھانے وغیرہ کی چیزیں دے دیں ۔ حُضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مقصد ان روایات سے اپنی اُمت کو ترغیب دینا ہے کہ عرب کی یہ نیک خصلت اختیار کریں ۔[1]

[1] مظاہر

چنانچہ ہمارے دیار میں بھی بہت سے گھروں میں یہ عُرف ہے کہ اگر سائل کو یا کسی عزیز یا ضرورت مند کو، بھوکے کو کھانے پینے کی چیزیں دے دی جائیں تو خاوندوں کے نزدیک یہ چیز نہ ان سے قابلِ اجازت ہے نہ یہ اُن کے لئے مُوجبِ تکدّر ہوتا ہے۔

دوسرا مضمون حدیث بالا میں مُحافظ اَور خزانچی کے مُتعلّق وارد ہوا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اصل مالک کسی شخص کو ہدیہ دینے کی، صدقہ کرنے کی خواہش رکھتا ہے مگر یہ خزانچی اَور مُحافظ کارکن اسمیں رخنہ پیدا کیا کرتے ہیں۔ بالخُصوص اُمراء اَور سلاطین کے یہاں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مالک کی طرف سے صَدَقات کے پروانے جاری ہوتے ہیں اور یہ میر منشی ہمیشہ عدم گنجائش کا عُذر کھڑا کرتے ہیں۔ اِسلئے حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مُتعدِّد روایات میں اس کی ترغیب دی ہے کہ یہ کارکن حضرات اگر نہایت طِیبِ خاطر اَور خندہ پیشانی سے مالک کے حکم کی تعمیل کریں تو ان کو محض ذریعہ اَور واسطہ ہونے کی وجہ سے اللہ کے فضل واِنعام سے مُستقل ثواب ملے جیساکہ اوپر کے مضمون میں مُتعدِّد روایات اسکی گذر چکی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر مسلمان خزانچی امانتدار مالک کے حُکم کی تعمیل پوری پوری خندہ پیشانی اَور خوش دلی کے ساتھ کرے اَور جتنا دینے کا اس کو حکم ہے اتنا ہی دیدے تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں ہے (مشکوٰۃ) ایک حدیث میں ہے کہ اگر صدقہ (بالفرض) سات کروڑ آدمیوں کے ہاتھ میں ہوکر نکل کر آئے تو آخر والے کو بھی ایسا ہی ثواب ہوگا جیسا کہ اوّل والے کو (کنز) یعنی مثلاً کسی بادشاہ نے صدقہ کا حکم دیا اَور اس کے عملہ کے اتنے آدمیوں کو اس میں واسطہ بننا پڑا تو سب کو ثواب ہوگا۔ یعنی اجر وثواب کے اعتبار سے وہ بھی سب ایسے ہی ہیں جیساکہ صدقہ کرنے والا ثواب کا مُستحِق ہے، گو دونوں کے ثواب میں فرقِ مَراتب ہو اَور فرقِ مَراتب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مالک ہی کا ثواب زیادہ ہو، کہیں مالک کا ثواب زیادہ ہوگا، مثلاً سَو روپیہ مُلازم کو یا خزانچی کو حکم کرے کہ فلاں شخص کو جو دروازہ پر یا اپنے پاس موجود ہے دیدے، اس صورت میں یقیناً مالک کو ثواب زیادہ ہوگا۔ اَور ایک انار کسی کو دے کہ فلاں محلہ میں جو بیمار ہے اس کو دے آؤ کہ اتنی دُور جانا انار کی قیمت سے بھی مَشقّت کے اعتبار سے بڑھ جائے تو اس صورت میں اس واسطہ کا ثواب اصل مالک سے بھی بڑھ جائے گا (عینی) اسی طرح سے اس خازِن کو مال کی تحصیل میں مَشقّت زیادہ اُٹھانی پڑتی ہو، اَور مالک کو

بے محنت مفت میں مل جائے تو ایسے مال کے صدقہ کرنے میں یقیناً خازن کا ثواب زیادہ ہوجائے گا کہ اَلْاَجْرُ عَلٰی قَدْرِ النَّصَبِ، "ثواب مشقت کی بقدر ہوا کرتا ہے"۔ یہ شریعتِ مطہرہ کا مستقل ضابطہ ہے لیکن جیسا کہ بیوی کے لئے بغیر اذن خاوند کے تصرف کرنے کا فی الجملہ حق ہے خازن کے لئے یہ جائز نہیں کہ بغیر اذن مالک کے کوئی تصرف اس کے مال میں کرے البتہ اگر مالک کی طرف سے تصرف کی اجازت ہو تو مضائقہ نہیں۔

(۲۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض مَرْفُوْعًا فِیْ حَدِیْثٍ لفظه کُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَالدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِهٖ وَاللّٰهُ یُحِبُّ اِغَاثَةَ اللَّهْفَانِ۔

حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے اور کسی کارِ خیر پر دوسرے کو ترغیب دینے کا ثواب ایسا ہی ہے جیسا کہ خود کرنے کا ثواب ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کو محبوب رکھتا ہے۔

(کذا فی المقاصد الحسنة وبسط فی تخریجه وطرقه وذکر السیوطی فی الجامع الصغیر حدیث اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِهٖ من روایة ابن مسعود وابی مسعود وسهل بن سعد وبریده وانس)

ف: اس حدیث پاک میں تین مضمون ہیں۔ اوّل یہ کہ ہر بھلائی صدقہ ہے یعنی صدقہ کے لئے مال ہی دینا ضروری نہیں ہے اور صدقہ اسی میں منحصر نہیں بلکہ جو بھلائی کسی کے ساتھ کی جائے وہ ثواب کے اعتبار سے صدقہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آدمی کے اندر تین سو ساٹھ ۳۶۰ جوڑ ہیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ ایک صدقہ کیا کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اس کی طاقت کس کو ہے۔ (کہ تین سو ساٹھ صدقہ روزانہ کیا کرے) حضورؐ نے فرمایا، مسجد میں تھوک پڑا ہو، اس کو ہٹا دو، یہ بھی صدقہ ہے۔ راستہ میں کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہو اس کو ہٹا دو، یہ بھی صدقہ ہے، اور کچھ نہ ملے تو چاشت کی دو رکعت نفل سب کے قائم مقام ہوجاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ)

اس لئے کہ نماز میں ہر جوڑ کو اللہ کی عبادت میں حرکت کرنا پڑتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ روزانہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو آدمی پر ہر جوڑ کے بدلہ میں ایک صدقہ ہے دو۲ آدمیوں کے

درمیان انصاف کردو، یہ بھی صدقہ ہے۔ کسی شخص کی سواری پر سوار ہونے میں مدد کردو، یہ بھی صدقہ ہے، اس کا سامان اُٹھا کر دے دو، یہ بھی صدقہ ہے۔ کلمۂ طیبہ (یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنا) بھی صدقہ ہے۔ ہر وہ قدم جو نماز کے لئے چلے صدقہ ہے۔ کسی کو راستہ بتادو، یہ بھی صدقہ ہے۔ راستہ سے تکلیف دینے والی چیز ہٹادو، یہ بھی صدقہ ہے (جامع الصغیر)

ایک حدیث میں ہے کہ روزانہ آدمی کے ہر جوڑ کے بدلہ میں اس پر صدقہ ضروری ہے۔ ہر نماز صدقہ ہے، روزہ صدقہ ہے، حج صدقہ ہے، سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنا صدقہ ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا صدقہ ہے، اَللّٰہُ اَکْبَر کہنا صدقہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی راستہ میں مل جائے اس کو سلام کرنا صدقہ ہے۔ نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے۔ برائی سے منع کرنا صدقہ ہے۔ (ابوداؤد) اور بھی اس قسم کی مُتعدِّد روایات وارد ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بھلائی ہر نیکی ہر احسان صدقہ ہے بشرطیکہ اللہ کے واسطے ہو۔

دوسری چیز حدیث بالا میں یہ ذکر کی گئی کہ جو شخص کسی کارِ خیر پر کسی کو ترغیب دے اس کو بھی ایسا ہی ثواب ہے، جیسا کرنے والے کو۔ یہ حدیث مشہور ہے۔ بہت سے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ سے حضور کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ بھلائی کا راستہ بتانے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کو کرنے والا ہو۔ حق تعالیٰ شانُہٗ عَمَّ نَوَالُہٗ کی عطا اور احسان، بخشش اور انعام کا کیا ٹھکانہ ہے۔ اس کی عطائیں، اس کے اَلطاف بے محنت ملتے ہیں، مگر ہم لینا ہی نہ چاہیں تو اس کا کیا علاج ہے۔ ایک شخص خود نفلیں کثرت سے نہیں پڑھ سکتا، وہ دوسروں کو ترغیب دے کر نفلیں پڑھوائے اس کو بھی ان کا ثواب ہو۔ خود نادار ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے مال کثرت سے خرچ نہیں کرسکتا، دوسروں کو ترغیب دیکر خرچ کرائے اور خرچ کرنے والوں کے ساتھ خود بھی ثواب کا شریک بنے۔ ایک شخص خود روزے نہیں رکھ سکتا، حج نہیں کرسکتا، جہاد نہیں کرسکتا، اور کوئی عبادت نہیں کرسکتا، لیکن ان چیزوں کی دوسروں کو ترغیب دیتا ہے اور خود ان سب کا شریک بنتا ہے۔ بہت غور سے سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ اگر آدمی اپنے آپ ہی ان سب عبادتوں کو کرنے والا ہو تو ایک ہی کے کرنے کا ثواب تو ملے گا لیکن ان چیزوں پر سَو آدمیوں کو ترغیب دے کر کھڑا کردے تو سَو کا ثواب ملے گا، اور ہزار دو ہزار کو اور ان سے زیادہ کو لگادے، تو جتنے لوگوں کو آمادہ کردے گا سب کا ثواب ملتا رہیگا اور لطف یہ ہے کہ خود اگر مر بھی جائے گا تو ان اعمال کے کرنے والوں کے اعمال کا ثواب بعد میں بھی پہنچتا رہیگا۔

کیا اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے احسانات کی کوئی حد ہے، اور کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو لاکھوں کو اپنی زندگی میں دینی کاموں پر لگا گئے، اور اب مرنے کے بعد وہ ان اعمال کے کرنے والوں کے ثواب میں شریک ہیں۔

میرے چچا جان مولانا مولوی محمد الیاس صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ فرمایا کرتے تھے، اور مسرت سے فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اپنے بعد آدمیوں کو چھوڑ کر جاتے ہیں میں ملک کو چھوڑ کر جارہا ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ میوات کا خطہ جہاں لاکھوں آدمی ان کی کوشش سے نمازی بنے ہزاروں تہجد گزار بنے، ہزاروں حافظِ قرآن، ان سب کا ثواب انشاء اللہ ان کو ملتا رہے گا اور اب یہ خوش قسمت جماعت عرب اور عجم میں تبلیغ کررہی ہے، ان کی کوشش سے جتنے آدمی کسی دینی کام میں لگ جائیں گے، نماز و قرآن پڑھنے لگیں گے اس سب کا ثواب ان کوشش کرنے والوں کو بھی ہوگا اور ان کو بھی ہوگا جن کو یہ مسرت تھی کہ میں ملک کو چھوڑ کر جارہا ہوں۔

زندگی بہرحال ختم ہونے والی چیز ہے، اور مرنے کے بعد وہی کام آتا ہے جو اپنی زندگی میں آدمی کرلے۔ زندگی کے ان لمحات کو بہت غنیمت سمجھنا چاہیئے، اور جو چیز ذخیرہ بنائی جاسکتی ہو اس میں کسر نہ چھوڑنی چاہیئے۔ اور بہترین چیزیں وہ ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! وقت کو بہت غنیمت سمجھو اور جو ساتھ لے جانا ہے، لے جاؤ۔ بعد میں نہ کوئی باپ پوچھتا ہے نہ بیٹا، سب چند روز روکر چپ ہوجائیں گے اور بہترین چیز صدقہ جاریہ ہے

(تیسری چیز حدیث بالا میں یہ ذکر فرمائی ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ، مصیبت زدہ لوگوں کی فریادرسی کو پسند کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس پر رحم نہیں فرماتے جو آدمیوں پر رحم نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص مصیبت زدہ عورتوں کی مدد کرتا ہے یا غریب کی مدد کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنے والا ہو، اور غالباً یہ بھی فرمایا کہ اور وہ ایسا ہے جیسا کہ تمام رات نفلیں پڑھنے والا ہو کہ ذرا بھی سستی نہیں کرتا، اور وہ ایسا ہے جیسا کہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، کبھی افطار نہ کرتا ہو (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مومن سے دنیا کی کسی مصیبت کو زائل کرتا ہے اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس سے قیامت کے دن کی مصیبت کو زائل کرتا ہے اور جو شخص کسی مشکل میں پھنسے ہوئے کو سہولت پہنچاتا ہے، اللہ جَلَّ شَانُہٗ، اس کو دنیا اور آخرت کی سہولت عطا فرماتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کی دنیا میں پردہ پوشی کرتا ہے اللہ جَلَّ شَانُہٗ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرتا ہے (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرے اسکو ایسا ثواب ہے جیسا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی تمام عمر خدمت (عبادت) کی ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت کو حاکم تک پہنچائے تو اسکی پُل صراط پر چلنے میں مدد کی جائے گی جس دن کہ اس پر پاؤں پھسل رہے ہوں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ لوگوں کی حاجتیں پوری کیا کریں، ان کے کاموں میں مدد دیا کریں۔ یہ لوگ قیامت کے سخت دن میں بے فکر ہوں گے، ان کو کوئی خوف نہ ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مُضطر بھائی کی مدد کرے حق تعالیٰ شانہٗ اس کو اس دن ثابت قدم رکھیں گے جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ ٹھہر سکیں گے (یعنی قیامت کے دن) ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی کسی کلمہ سے اعانت کرے یا اس کی مدد میں قدم چلائے حق تعالیٰ شانہٗ اس پر تہتر رحمتیں نازل فرماتے ہیں جن میں سے ایک میں اسکی دنیا اور آخرت کی درستگی ہے اور بہتر آخرت میں رفعِ درجات کے لئے ذخیرہ ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث اس قسم کے مضامین کی صاحبِ کنز العمال نے نقل کی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے میں، ایک دوسرے کے ساتھ تعلق میں، ایک دوسرے پر مہربانی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں کہ جب بدن کا کوئی عضو ماؤف ہوجاتا ہے تو سارے اعضاء جاگتے ہیں، بخار میں اس کا ساتھ دیتے ہیں (مشکوٰۃ) یعنی جیسا کہ ایک عضو کی تکلیف سے سارے اعضاء بے چین ہوجاتے ہیں مثلاً ہاتھ میں زخم ہوجاتا ہے تو پھر کسی عضو کو بھی نیند نہیں آتی، سب کو جاگنا پڑتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کی اکڑاہٹ سے سارے بدن کو بخار ہوجاتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کی تکلیف سے سب کو بے چین ہوجانا چاہیئے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رحم کرنے والے آدمیوں پر رحمٰن بھی رحم فرماتا ہے تم ان لوگوں پر رحم کرو جو دنیا میں ہیں، تم پر وہ رحم کریں گے جو آسمان میں ہیں۔ اس سے حق تعالیٰ شانہٗ بھی مراد ہوسکتے ہیں اور فرشتے بھی۔ ایک حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہو، اور بدترین گھر وہ ہے جسمیں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا جاتا ہو (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ہے جو شخص میری امت میں سے کسی شخص کی حاجت پوری کرے تاکہ اس کو خوشی

ہو، اُس نے مجھ کو خوش کیا، اور جس نے مجھے خوش کیا اُس نے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کو خوش کیا اور جو شخص حق تعالےٰ شانُہٗ کو خوش کرتا ہے وہ اس کو جنّت میں داخل فرما دیتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ آدمی کی مدد کرتا ہے اس کے لئے تہتّر۷۳ درجے مَغفِرت کے لکھے جاتے ہیں جن میں سے ایک درجہ سے تو اس کی درستگی ہوتی ہے (یعنی لغزشوں کا بدلہ ہو جاتا ہے) باقی بہتّر۷۲ درجے رفعِ دَرَجات کا سبب ہوتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔ آدمیوں میں سب سے زیادہ محبوب اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے نزدیک وہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے (مشکوٰۃ)

"مخلوق ساری کی ساری اللہ کی عیال ہے" مشہور حدیث ہے مُتعَدِّد صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن سے نقل کی گئی۔ عُلَماء نے لکھا ہے کہ جیسا آدمی اپنے عیال کی روزی کا اہتمام کرنیوالا ہوتا ہے، اسی طرح حق تعالےٰ شانُہٗ بھی اپنی ساری مخلوق کے روزی رساں ہیں۔ اسی لحاظ سے ان کو اللہ کے عیال بتایا گیا۔ (مَقاصِدِ حَسَنہ) اور اس صفت میں مسلمانوں کی بھی خصُوصیّت نہیں ہے، مسلمان کافر سب ہی شریک ہیں بلکہ سارے حیوانات اس میں داخل ہیں، کہ سب کے سب اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی مخلوق اور اسکے عیال ہیں جو سب کے ساتھ حُسنِ سُلوک اور اچھا برتاؤ کرنے والا ہوگا وہ حق تعالےٰ شانُہٗ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔

(۲۷) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ (رواه احمد كذا فى المشكوٰة)

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ جس نے ریا کی نیت سے نماز پڑھی، اس نے شرک کیا، جس نے ریا کے ارادہ سے روزہ رکھا، اُس نے شرک کیا، جس نے ریا کی نیت سے صدقہ دیا، اُس نے شرک کیا۔

ف: یعنی جس نے ان عبادتوں میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنالیا اور وہ وہ لوگ ہیں جن کو دکھانا مقصود ہے، اُس نے اپنی عبادت کو خالص حق تعالےٰ شانُہٗ کے لئے نہیں رکھا، بلکہ اس کی عبادت ساجھے کی عبادت بن گئی اور اس عبادت کی غرض میں ان کا حصّہ بھی ہو گیا جن کو دکھانا مقصود ہے۔

یہ بہت ہی اہم چیز ہے، اس پر اس فصل کو ختم کرتا ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ جو عبادت بھی ہو خالص اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی رضا کے واسطے ہو، اس میں کوئی فاسد غرض ریا، شہرت، وجاہت وغیرہ ہرگز نہ ہونا چاہئے

کہ اس میں "نیکی برباد گناہ لازم" ہوجاتا ہے۔ احادیث میں بہت کثرت سے اس پر وعیدیں اور تنبیہیں وارد ہوئی ہیں۔

ایک حدیثِ قدسی میں حق سبحانہٗ و تقدس کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ میں سب شریکوں میں سب سے زیادہ بے پرواہ ہوں، جو شخص کسی عبادت میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر دیتا ہے میں اس عبادت کرنے والے کو اس کے اپنائے ہوئے شریک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں (مشکوٰۃ)۔ یعنی وہ اپنا بدلہ اور ثواب اس شریک سے جا کر لے لے مجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک مُنادی اعلان کریگا کہ جس شخص نے اپنے کسی عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا ہے وہ اس شریک سے اپنا ثواب مانگ لے، اللہ جَلّ شانُہٗ، شرکت سے بے نیاز ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابُوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم لوگ دجّال کا تذکرہ کر رہے تھے، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس کا میں تم پر دجّال سے بھی زیادہ خوف کرتا ہوں۔ ہم نے عرض کیا کہ ضرور بتائیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ شرکِ خفی ہے۔ مثلاً ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے (اخلاص سے شروع کی ہے) کوئی شخص اسکی نماز کو دیکھنے لگے وہ آدمی کے دیکھنے کی وجہ سے اپنی نماز لمبی کر دے۔

ایک دوسرے صحابیؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف چھوٹے شرک کا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، چھوٹا شرک کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، ریا ہے۔ ایک حدیث میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ جس دن حق تعالیٰ شانُہٗ، بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ عطا فرمائیں گے، ان لوگوں سے یہ ارشاد ہوگا کہ جن کو دکھانے کے لئے کئے تھے، دیکھو ان کے پاس تمہارے اعمال کا بدلہ ہے یا نہیں (مشکوٰۃ)

(قرآن پاک میں بھی حق تعالیٰ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝ (کہف ع ۱۲) "جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے (اور ان کا محبوب و مقرّب بننا چاہے) تو نیک کام کرتا ہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔")

حضرت ابنِ عبّاسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے دریافت کیا کہ میں بعضے (دینی) مواقع میں اللہ جَلّ شانُہٗ کی رضا کے واسطے کھڑا ہوتا ہوں مگر میرا دل چاہتا ہے کہ میری اس کوشش کو لوگ

دیکھیں، حضورؐ نے اس کا کوئی جواب مرحمت نہیں فرمایا، حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی۔

(حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں صدقہ کرتا ہوں اور صرف اللہ جل شانہٗ کی رضا مقصود ہوتی ہے مگر دل یہ چاہتا ہے کہ لوگ مجھے اچھا کہیں۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔)

(ایک حدیث قدسی میں ہے حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے عمل میں میرے ساتھ کسی دوسرے شخص کو شریک کرتا ہے تو میں اس عمل کو سارے ہی کو چھوڑ دیتا ہوں۔ میں صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہوں جو خالص میرے لئے ہو۔ اس کے بعد حضورؐ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔ ایک اور حدیث میں ہے اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ساتھی کے ساتھ بہترین تقسیم کرنے والا ہوں، جو شخص اپنی عبادت میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو ساجھی کر دے میں اپنا حصہ بھی اس ساجھی کو دے دیتا ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جہنم میں ایک وادی ایسی ہے جس سے جہنم خود بھی چار سو مرتبہ روزانہ پناہ مانگتی ہے، وہ ریاکار قاریوں کے واسطے ہے۔)

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے جُبُّ الْحُزْنِ سے پناہ مانگا کرو (یعنی غم کے کنویں سے جو جہنم میں ہے) صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اس میں کون لوگ رہیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا، کہ جو اپنے اعمال میں ریاکاری کرتے ہیں۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت شریفہ قرآن پاک میں سب سے آخر میں نازل ہوئی (دُرِّ منثور) قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ الاٰیۃ (بقرہ۔ ع ۳۶)

"اے ایمان والو! تم احسان جتا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو جس طرح وہ شخص (برباد) کرتا ہے۔ جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے خرچ کرتا ہے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک چکنا پتھر ہو جس پر کچھ مٹی آگئی ہو۔ (اور اس مٹی میں کچھ سبزہ وغیرہ جم گیا ہو) پھر اس پتھر پر زور کی بارش پڑ جائے سو وہ اس کو بالکل صاف کر دے گی (اسی طرح ان احسان رکھنے والوں، ایذا دینے والوں اور ریاکاروں کا خرچ کرنا بھی بالکل صاف اُڑ جائے گا اور قیامت کے دن) ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی۔ (یعنی یہ جو نیکیاں کی تھیں صدقات دیئے تھے یہ سب ضائع جائیں گے)۔"

اس کے علاوہ اور بھی کئی جگہ قرآن پاک میں ریاء کی مذمت فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کا فیصلہ ہوگا، اُن میں ایک تو شہید ہوگا اس کو بُلایا جائے گا اور بلانے کے بعد دُنیا میں جو اللہ تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کے انعامات اس پر ہوئے تھے وہ اس کو یاد دلائے جائیں گے۔ اس کے بعد اس سے مطالبہ ہوگا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی ان نعمتوں میں رہ کر تو نے کیا نیک عمل کیا۔ وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیری رضاجوئی میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہوگیا (اور تجھ پر قربان ہوگیا) ارشاد ہوگا کہ یہ جھوٹ ہے تو نے جہاد اس لئے کیا تھا کہ لوگ بڑا بہادر بتائیں گے، وہ تجھے بہت بڑا بہادر بتا چکے ہیں (جو غرض عمل کی تھی وہ پوری ہوگئی ہے) اس کے بعد اس کو جہنم میں پھینک دینے کا حکم کیا جائے گا اور تعمیلِ حکم میں اس کو منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

دوسرا شخص ایک عالِم ہوگا جس کو بُلا کر اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے انعامات اور احسانات جتا کر اس سے بھی دریافت کیا جائیگا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی ان نعمتوں میں تو نے کیا عمل کیا۔ وہ کہے گا کہ میں نے علم سکھا اور لوگوں کو سکھایا، تیری رضاجوئی میں قرآن پاک پڑھتا رہا۔ ارشاد ہوگا، یہ سب جھوٹ ہے یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں شخص بڑا عالِم، بڑا قاری ہے سو لوگوں نے کہہ دیا ہے۔ (اور جو مقصد اس محنت سے تھا وہ حاصل ہوچکا ہے) اس کے بعد اس کو بھی جہنم میں پھینکنے کا حکم کیا جائے گا اور تعمیلِ حکم میں منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

تیسرا شخص ایک سخی ہوگا جس پر اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے دُنیا میں بڑی وسعت فرما رکھی تھی۔ ہر قسم کے مال سے اس کو نوازا تھا۔ اس کو بُلایا جائے گا اور جو انعامات اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس پر دُنیا میں فرمائے تھے وہ جتا کر سوال کیا جائے گا کہ ان انعامات میں تیری کیا کارگذاری ہے۔ وہ عرض کریگا کہ میں نے خیر کا کوئی موقع جس میں خرچ کرنا آپ کو پسند ہو ایسا نہیں چھوڑا جس میں آپ کی خوشنودی کے لئے خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا یہ جھوٹ ہے۔ تو نے محض اس لئے خرچ کیا کہ لوگ کہیں گے، بڑا سخی شخص ہے، سو کہا جاچکا ہے........

اسکے بعد اس کو بھی جہنم میں پھینکنے کا حکم ہوگا، اور تعمیلِ حکم میں منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائیگا (مشکوٰۃ بروایۃ مسلم) اس حدیث میں اور اسی طرح اور احادیث میں جہاں ایک شخص کا ذکر آتا ہے، اس سے ایک قسم آدمیوں کی مراد ہوتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ معاملہ صرف تین آدمیوں کے ساتھ کیا جائے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تینوں قسم کے آدمیوں سے یہ مطالبہ ہوگا، اور مثال کے طور پر ہر قسم میں سے ایک ایک آدمی

کا ذکر کر دیا۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث میں کثرت سے اس پر تنبیہ کی گئی ہے اور بہت زیادہ اہمیت سے حضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنی اُمت کو اس پر مُتَنَبِّہ کیا ہے کہ جو کام بھی کیا جائے وہ خالص اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے لئے کیا جائے اور جتنا بھی اِہتمام ہو سکے اس کا کیا جائے کہ اس میں ریا اور نُمود و شُہرت اور دکھاوے کا شائبہ بھی نہ آنے پائے۔ مگر اس جگہ شیطان کے ایک بڑے مکر سے بے فکر نہ ہونا چاہیئے۔ دشمن جب قوی ہوتا ہے وہ مُختلف اَنواع سے اپنی دشمنی نکالا کرتا ہے، یہ بہت مرتبہ آدمی کو اس وسوسہ کی بدولت کہ اِخلاص تو ہے ہی نہیں، اہم ترین عباد توں سے روک دیا کرتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ شیطان اوّل تو نیک کام سے روکا کرتا ہے اور ایسے خیالات دل میں ڈالا کرتا ہے جس سے اس کام کے کرنے کا ارادہ ہی پیدا نہ ہو لیکن جب آدمی اپنی ہمت سے اس کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے روکنے پر عمل نہیں کرتا تو وہ کہا کرتا ہے تجھ میں اِخلاص تو ہے ہی نہیں، یہ تیری عبادت، محنت بیکار ہے، جب اِخلاص ہی نہیں پھر ایسی عبادت کرنے سے کیا فائدہ؟ اور اس قسم کے وسوسے پیدا کر کے نیک کام سے روک دیا کرتا ہے، اور جب آدمی رُک جاتا ہے تو اس کی غرض پوری ہو جاتی ہے (احیاء) اس لئے اس خیال سے نیک کام کرنے سے رُکنا نہیں چاہیئے کہ اخلاص تو ہے ہی نہیں، بلکہ نیک کام کرتے میں اِخلاص کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے اور اس کی دُعاء کرتا رہے کہ حق تعالےٰ شانُہٗ محض اپنے لُطف سے دستگیری فرمائے تاکہ نہ تو دین کا مشغلہ ضائع ہو، نہ برباد ہو۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللہِ بِعَزِیْزٍ۔

دُوسری فصل

بُخل کی مَذمّت میں

پہلی فصل میں جتنی آیات اور احادیث اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی گذرچکی ہیں اُن سے خود ہی یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جب اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے اتنے فضائل و فوائد اور خوبیاں ہیں تو جتنی اس میں کمی ہوگی یہ منافع حاصل نہ ہوں گے۔ یہ خود ہی کافی مَذمّت، انتہائی نقصان ہے، لیکن اللہ جَلّ شانُہٗ اور اس کے پاک رسُول صَلّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تنبیہ اور اہتمام کی وجہ سے بُخل اور مال کو روک کر رکھنے پر خصوصی وعیدیں بھی اِرشاد فرمائی ہیں، جو اللہ کا انعام اور اس کے پاک رسُول کی اُمّت پر انتہائی شفقت ہے کہ اس نے اس مُہلک مرض پر خاص طور سے بہت سی تنبیہیں فرمادیں۔ قرآن و حدیث میں ہر مضمون نہایت ہی کثرت سے ذکر کیا گیا اور مختلف عنوانوں سے ہر خیر کے کرنے پر ترغیب اور ہر بُرائی سے رُکنے پر تنبیہیں کی گئیں۔ کسی ایک مضمون کا اِحاطہ بھی دُشوار ہے۔ نمونہ کے طور پر اس کے متعلق بھی چند آیات اور چند احادیث لکھی جاتی ہیں

آیات

(۱) وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (سورہ بقرہ۔ رکوع ۲۴)

"تم لوگ اللہ کے راستہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو"

ف: یہ آیتِ شریفہ پہلی فصل کے سلسلہ آیات میں نمبر۳ پر گذرچکی ہے۔ اس آیتِ شریفہ میں اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرنے کو اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت اور تباہی میں ڈالنا قرار دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے مُفصّل صحابہ کرامؓ سے نقل کیا جاچکا ہے، کون شخص ہے جو اپنی تباہی اور بربادی چاہتا ہو، مگر کتنے

آدمی ہیں جو یہ معلوم ہوجانے کے باوجود کہ یہ تباہی اور بربادی کا ذریعہ ہے، اس سے بچتے ہیں اور مال کو جوڑ جوڑ کر نہیں رکھتے۔ اس کے سوا کیا ہے کہ غفلت کا پردہ ہم لوگوں کے دلوں پر پڑا ہوا ہے اور اپنے ہاتھوں ہی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے جا رہے ہیں۔

(۲) اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (بقرہ ع ۳۷)

شیطان تم کو محتاجی (اور فقر) سے ڈراتا ہے اور تم کو بُری بات (بُخل) کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے (خرچ کرنے پر اپنی طرف سے) گناہ معاف کر دینے کا اور زیادہ دینے کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ وُسعت والے ہیں (وہ سب کچھ دے سکتے ہیں) خُوب جاننے والے ہیں (نیت کے موافق ثمرہ دیتے ہیں)۔

ف: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے اندر ایک تو شیطان تصرُّف کرتا ہے اور ایک فرشتہ تصرُّف کرتا ہے۔ شیطان کا تصرُّف تو بُرائی کیساتھ ڈراتا ہے (مثلاً صدقہ کریگا تو فقیر ہوجائے گا، وغیرہ وغیرہ) اور حق بات کا جھٹلانا ہے۔ اور فرشتہ کا تصرُّف بھلائی کا وعدہ کرنا ہے۔ اور حق بات کی تصدیق کرنا ہے جو اس کو پاوے (یعنی بھلائی کی بات کا خیال دِل میں آوے تو اس کو) اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور اُس کا شکر ادا کرے۔ اور جو دوسری بات کو پاوے (یعنی بُرا خیال دِل میں آوے) تو شیطان سے پناہ مانگے۔ اس کے بعد حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ آیتِ شریفہ پڑھی۔ (مشکوٰۃ)

یعنی حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے اِرشاد کی تائید میں یہ آیت شریفہ پڑھی۔ جس میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ شیطان فقر کا خوف اور فُحش باتوں کی ترغیب دیتا ہے اور یہی حق کا جھٹلانا ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ شریفہ میں دو چیزیں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے ہیں اور دو چیزیں شیطان کی طرف سے ہیں۔ شیطان فقر کا وعدہ کرتا ہے اور بُری بات کا حکم کرتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ مال خرچ نہ کر، احتیاط سے رکھ۔ تجھے اس کی ضرورت پڑے گی اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ اُن گناہوں پر مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے، اور رزق میں زیادتی کا وعدہ فرماتا ہے (دُرِّ منثور)۔

اِمام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کو آئندہ کے فکر میں زیادہ مُبتلا نہیں رہنا چاہیئے۔ کہ کیا ہوگا۔

بلکہ جب حق تعالیٰ شانُہٗ نے رزق کا وعدہ فرما رکھا ہے تو اس پر اعتماد کرنا چاہیے اور یہ سمجھتے رہنا چاہیے کہ آئندہ کی احتیاج کا خوف شیطانی اثر ہے جیسا کہ اس آیتِ شریفہ میں بتایا گیا۔ وہ آدمی کے دِل میں یہ خیال پکاتا رہتا ہے کہ اگر تُو مال جمع کرکے نہیں رکھے گا تو جس وقت تُو بیمار ہو جائے گا یا کمانے کے قابل نہیں رہیگا یا کوئی اور وقتی ضرورت پیش آجائے گی تو اس وقت تُو مشکل میں پھنس جائے گا اور تجھے بڑی دِقت اور تکلیف ہوگی۔ اور ان خیالات کی وجہ سے اس کو اس وقت مُشَقّت اور کوفت اور تکلیف میں پھانس دیتا ہے اور ہمیشہ اسی تکلیف میں مُبتلا رکھتا ہے۔ اور پھر اُس کا مذاق اُڑاتا ہے کہ یہ احمق آئندہ کی موہُوم تکلیف کے ڈر سے اس وقت کی یقینی تکلیف میں پھنس رہا ہے (احیاء) کہ جمع کی فکر میں ہر وقت پریشان رہتا ہے اور آئندہ کا فکر سوار رہتا ہے۔

(۳) وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيْرٌ ۝

(اٰل عمران۔ ع ۱۸)

ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز کے خرچ کرنے میں بُخل کرتے ہیں جو اُن کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے محض اپنے فضل سے عطا کی ہے کہ یہ بات (یعنی بُخل کرنا) ان کے لئے کچھ اچھی ہوگی (ہرگز نہیں) بلکہ یہ بات اُن کے لئے بہت بُری ہوگی اس لئے کہ وہ لوگ قیامت کے دن طوق پہنائے جائیں گے اس مال کا جس کے ساتھ بُخل کیا تھا (یعنی سانپ بنا کر ان کی گردنوں میں ڈال دیا جائے گا) اور اخیر میں آسمان و زمین (اور جو کچھ اُن کے اندر ہے، لوگوں کے مرجانے کے بعد) اللہ ہی کا رہ جائے گا (تم اپنے ارادہ سے اس کو دے دو تو ثواب بھی ہو ورنہ ہے تو اسی کا)، اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ تمہارے سارے اعمال سے خبردار ہیں۔

ف: بخاری شریف میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد وارد ہوا ہے کہ جس شخص کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ مال قیامت کے دن ایک گنجا سانپ (جس کے زہر کی کثرت اور شدت کی وجہ سے اس کے سر کے بال بھی جاتے رہے ہوں) بنایا جائے گا، جس کے منہ

کے نیچے دو نقطے ہوں گے (یہ بھی زہر کی زیادتی کی علامت ہے) اور وہ سانپ اس کے گلے میں ڈال دیا جائیگا جو اس شخص کے دونوں جبڑے پکڑے گا اور کہے گا کہ مَیں تیرا مال ہوں، مَیں تیرا خزانہ ہوں، اس کے بعد حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔ (مشکوٰۃ)

یہ حدیث شریف زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وعیدوں میں پانچویں فصل کی احادیث میں نمبر۲ پر آرہی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بصری فرماتے کہ یہ آیتِ شریفہ کافروں کے بارے میں اور اس مومن کے بارے میں جو اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے بُخل کرتا ہو، نازل ہوئی ہے۔ عِکرِمہؒ کہتے ہیں کہ مال میں سے جب اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے حُقوق ادا نہ ہوتے ہوں تو وہ مال گنجا سانپ بن کر قیامت میں اس کے پیچھے لگ جائے گا اور وہ آدمی اس سانپ سے پناہ مانگتا ہوا ہو گا۔

(حجر بن بیانؒ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو ذِی رِحم اپنے قریبی رشتہ دار سے اس کی ضرورت سے بچے ہوئے مال سے مدد مانگے اور وہ مدد نہ کرے اور بُخل کرے تو وہ مال قیامت کے دن سانپ بنا کر اس کو طوق پہنا دیا جائے گا اور پھر حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔ اور مُتعدِد صحابۂ کرامؓ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا۔ مَسرُوقؒ کہتے ہیں کہ یہ آیتِ شریفہ اس شخص کے بارے میں ہے جس کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے مال عطا کیا اور وہ اپنے رشتہ داروں کے اُن حُقوق کو جو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس پر رکھے ہیں، ادا نہ کرے، تو اُس کا مال سانپ بنا کر اُس کو طَوق پہنا دیا جائے گا۔ وہ شخص اس سانپ سے کہے گا کہ تو نے میرا پیچھا کیوں لیا، وہ کہے گا کہ مَیں تیرا مال ہوں۔ (دُرِّ مَنثُور)

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اُوپر کی آیات میں جہاد میں اپنی جانوں کی شرکت پر تاکید و ترغیب تھی۔ اس کے بعد اس آیت میں جہاد میں مال خرچ کرنے کی تاکید ہے اور تنبیہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں مال خرچ نہیں کرتے، تو وہ مال سانپ بن کر اُن کے گلے کا ہار بن جائے گا۔ اور اس کے بعد امام رازیؒ طویل بحث اس پر کرتے ہیں کہ جو شدید وَعید اس آیت شریفہ میں ہے وہ تَطَوُّعات کے ترک پر تو مشکل ہے، ترکِ واجب پر ہی ہو سکتی ہے۔ البتہ واجبات کئی قسم کے ہیں۔ اوّل اپنے اُوپر اور اپنے اُن اَقارِب پر خرچ کرنا جن کا نفقہ اپنے ذمہ واجب ہے۔ دوسرے زکوٰۃ۔ تیسرے جس وقت مسلمانوں پر کُفّار کا ہجوم ہو کہ وہ اُن کے جان و مال کو ہلاک کرنا چاہتے ہوں تو اس وقت سب مالداروں پر حسبِ ضرورت خرچ کرنا واجب ہے جس سے مُدافعت کرنیوالوں کی مدد ہو کہ یہ دراصل اپنی ہی جان و مال کی حفاظت میں

خرچ ہے۔ چوتھے مضطر پر خرچ کرنا ہے جس سے اس کی جان کا خطرہ زائل ہو جائے۔ یہ سب اخراجات واجب ہیں۔

(۴) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۨ ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ ۚ (نساء - ع ۶)

بیشک اللہ جل شانہٗ ایسے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا جو دل میں) اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوں (زبان سے شیخی کی باتیں کرتے ہوں، جو خود بھی بخل کرتے ہوں اور دوسروں کو بخل کی تعلیم دیتے ہوں۔ اور جو چیز اللہ جل شانہٗ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے اس کو چھپاتے ہوں اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لئے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ف : "دوسروں کو بخل کی تعلیم دیتے ہوں" عام ہے کہ زبان سے ان کو ترغیب دیتے ہوں یا اپنے عمل سے تعلیم دیتے ہوں کہ اُن کے عمل کو دیکھ کر دوسروں کو بخل کی ترغیب ہوتی ہو۔ بہت سی احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جو شخص بُرا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اُس کو اپنے کئے کا وبال بھی ہوتا ہے اور جتنے آدمی اس کی وجہ سے اس پر عمل کریں، ان سب کا گناہ بھی اس کو ہوتا ہے، اس طرح پر کہ اُن کو اپنی اپنی سزاؤں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ یہ مضمون قریب ہی مُفصّل گذر چکا ہے۔

حضرت مجاہدؒ سے مُخْتَالًا فَخُوْرًا کی تفسیر میں نقل کیا گیا کہ یہ وہ متکبر ہے جو اللہ کی عطا کی ہوئی چیزوں کو گن گن کر رکھتا ہے اور اللہ جل شانہٗ، کا شکر ادا نہیں کرتا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن جب حق تعالیٰ شانہٗ، ساری مخلوق کو ایک جگہ جمع فرمادیں گے تو جہنم کی آگ تو بتو چڑھتی ہوئی ان کی طرف شدت سے بڑھے گی۔ جو فرشتے اس پر متعین ہیں وہ اس کو روکنا چاہیں گے تو وہ کہے گی کہ میرے رب کی عزت کی قسم یا تو مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے جوڑی داروں (یاروں) کو لے لوں، ورنہ میں سب پر چھا جاؤں گی، وہ پوچھیں گے تیرے جوڑی دار کون ہیں؟ وہ کہے گی۔ ہر متکبر ظالم اس کے بعد جہنم اپنی زبان نکالے گی۔ اور ہر ظالم متکبر کو چن چن کر اپنے پیٹ میں ڈال لے گی (جیسا کہ جانور زبان کے ذریعہ سے گھاس وغیرہ کھاتا ہے) ان سب کو چن کر پیچھے ہٹ جائے گی۔ اس کے بعد اسی طرح دوبارہ زور کر کے آئے گی اور یہ کہے گی کہ مجھے اپنے جوڑی داروں کو لینے دو، اور جب اُس سے پوچھا جائے گا کہ تیرے جوڑی دار کون ہیں؟ تو وہ کہے گی۔ ہر اکڑنے والا، ناشکری کرنے والا۔ اور پہلے کی طرح اُن کو بھی چن کر

ے تفسیر کبیر

اپنی زبان کے ذریعہ سے اپنے پیٹ میں ڈال لے گی۔ پھر اسی طرح جوش کر کے چلے گی اور اپنے جوڑی داروں کا مطالبہ کرے گی اور جب اُس سے پوچھا جائے گا کہ تیرے جوڑی دار کون لوگ ہیں ؟ تو وہ اس مرتبہ کہے گی۔ ہر اکڑنے والا، فخر کرنے والا۔ اور اُن کو بھی چُن کر اپنے پیٹ میں ڈال لے گی۔ اس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہوتا رہے گا۔)

(حضرت جابر بن سُلیم ہُجیمی رضؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں چلتے ہوئے حضورؐ سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے سلام کیا اور لنگی کے متعلق مسئلہ دریافت کیا۔ حضورؐ نے فرمایا، کہ پنڈلی کے موٹے حصّہ تک ہونی چاہیئے۔ اور اگر تجھے اتنی اونچی پسند نہ ہو تو تھوڑی اور نیچے تک سہی، اور یہ بھی پسند نہ ہو تو ٹخنوں کے اوپر تک۔ اور یہ بھی پسند نہ ہو تو (آگے گنجائش نہیں اسلئے کہ) اللہ جَلَّ شَانُہٗ متکبر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے (اور ٹخنوں سے نیچے لنگی یا پاجامہ کو لٹکانا تکبر میں داخل ہے)۔ پھر میں نے کسی کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے کے متعلق دریافت کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بھلائی کو حقیر نہ سمجھو (کہ اس کی وجہ سے ملتوی کر دو) چاہے رسّی کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، جوتے کا تسمہ ہی کیوں نہ ہو۔ کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں پانی کا ڈول ہی ڈال دو۔ راستہ میں کوئی اذیت پہنچانے والی چیز ہو، اس کو ہٹا دو۔ حتیٰ کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے بات ہی سہی۔ راستہ چلنے والے سے سلام ہی سہی۔ کوئی گھبرا رہا ہو اس کی دلبستگی ہی سہی (کہ یہ سب چیزیں احسان اور نیکی میں داخل ہیں) اور اگر کوئی شخص تمہارے عیب کو ظاہر کرے اور تمہیں اس کے اندر کوئی دوسرا عیب معلوم ہے تو تم اس کو ظاہر نہ کرو۔ تمہیں اس اِخفاء کا ثواب ملے گا، اس کو اظہار کا گناہ ہوگا۔ اور جس کام کو تم یہ سمجھو کہ اگر کسی کو اس کی خبر ہوگئی تو مضائقہ نہیں، اس کو کرو۔ اور جس کو تم یہ سمجھو کہ کسی کو اسکی خبر ہو اس کو نہ کرو (کہ یہ علامت اس کے بُرا ہونے کی ہے)

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ کُردم بن یزیدؓ وغیرہ، بہت سے آدمی انصار کے پاس آتے اور ان کو نصیحت کرتے کہ اتنا خرچ نہ کیا کرو ہمیں ڈر ہے کہ یہ سب خرچ ہو جائیگا، تم فقیر بن جاؤ گے، ہاتھ روک کر خرچ کیا کرو، نہ معلوم کل کو کیا ضرورت پیش آجائے۔ ان لوگوں کی مذمّت میں یہ آیت شریفہ نازل ہوئی (دُرِّ منثور)

⑤ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ	جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے خزانہ کے طور پر رکھتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی راہ

سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ ۝ (توبہ ۔ ع ۵)

میں خرچ نہیں کرتے، آپ اُن کو بڑے دردناک عذاب کی خوش خبری سُنا دیجئے وہ اُس دن ہوگا جس دن ان کو (سونے چاندی کو) اوّل جہنّم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اُن سے اُن لوگوں کی پیشانیوں اور پسلیوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کرکے رکھا تھا۔ اب اس کا مزہ چکھو جس کو جمع کرکے رکھا تھا۔

ف: عُلماء نے لکھا ہے کہ پیشانیوں وغیرہ کے ذکر سے آدمی کی چاروں طرف مراد ہیں، پیشانی سے اگلا حصّہ پسلیوں سے دایاں اور بایاں اور پُشت سے پچھلا حصّہ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ سارے بدن کو داغ دیا جائیگا ایک حدیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے جس میں منہ سے قدم تک داغ دیا جانا وارد ہوا ہے۔

اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان تین اَعضا کی خُصُوصیّت اس لئے ہے کہ ان میں ذراسی تکلیف بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان تین کو اس وجہ سے ذکر کیا کہ آدمی جب چہرہ سے فقیر کو دیکھتا ہے تو پہلو بچاکر اس طرف پُشت کرکے چل دیتا ہے، اس لئے ان تینوں اَعضاء کو خُصُوصیّت سے عذاب ہے اس کے علاوہ اور بھی وُجوہ ذکر کی گئیں۔ (تفسیر کبیر)

اس آیت شریفہ میں اس مال کو تپاکر داغ دینا وارد ہے، اور آیت نمبر ۳ پر اس کا سانپ بن کر پیچھے لگنا وارد ہوا ہے۔ ان دونوں میں کچھ اِشکال نہیں۔ یہ دونوں عذاب علیحدہ علیحدہ ہیں جیسا کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے بیان میں پانچویں فصل کی حدیث نمبر ۲ پر آرہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مُتعدِّد صحابۂ کرامؓ سے نقل کیا گیا کہ اس آیت شریفہ میں خزانہ سے مراد وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔ اور جس کی زکوٰۃ ادا کردی گئی ہو، وہ خزانہ نہیں ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ سے نقل کیا گیا کہ یہ حکم زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھا۔ جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوگیا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے زکوٰۃ ادا کردینے کو بقیہ مال کے پاک ہو جانے کا سبب قرار دیا۔

حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو ہم حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسُول اللہ سونا چاندی جمع کرنے کا تو یہ حشر ہے۔

اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ بہترین مال کیا ہے، جس کو خزانہ کے طور پر جمع کر کے رکھیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کا ذکر کرنے والی زبان، اللہ کا شکر ادا کرنے والا دل اور نیک بیوی، جو آخرت کے کاموں میں مدد دیتی رہے۔

حضرت عمرؓ سے نقل کیا گیا کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی، تو وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ آیت شریفہ تو لوگوں پر بہت بار ہو رہی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے زکوٰۃ اسی لیے مَشرُوع فرمائی ہے کہ بقیہ مال پاک ہو جائے۔ اور میراث تو اسی مال میں جاری ہوگی جو بعد میں باقی رہے اور بہترین چیز جس کو آدمی خزانہ کی طرح محفوظ رکھتے وہ نیک بیوی ہے جس کو دیکھ کر جی راضی ہو جائے۔ جب اس کو کوئی حکم کیا جائے، فوراً اطاعت کرے۔ اور جب خاوند غائب ہو (سفر وغیرہ میں) تو وہ اپنی (اور اس کے مال کی) حفاظت کرے۔

حضرت بُرَیدہؓ فرماتے ہیں۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی، تو صحابہؓ میں اس کا چرچا ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! خزانہ بنانے کے لیے کیا چیز بہتر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دِل، اور وہ نیک بیوی جو ایمانی چیزوں پر مدد کرے۔

حضرت اَبُوذَرؓ، حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دینار (سونے کا سکہ) دِرَم (چاندی کا سکہ) یا سونے چاندی کا ٹکڑا رکھے گا اور اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرے گا، بشرطیکہ قرض کے ادا کرنے کے واسطے نہ رکھا ہو، وہ خزانہ میں داخل ہے جس کا قیامت کے دن داغ دیا جائے گا۔ حضرت اَبُواُمامہؓ، حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص سونا یا چاندی چھوڑ کر مر جائے اس کا قیامت کے دن داغ دیا جائے گا، بعد میں چاہے جہنم میں جلے یا مغفرت ہو جائے۔

حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ، حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے مسلمانوں کے اَغنیاء کے مالوں میں وہ مقدار فرض کر دی ہے، جو اُن کے فقراء کو کافی ہے۔ فقراء کو بھوکے یا ننگے ہونے کی مَشقّت صرف اس وجہ سے پڑتی ہے کہ اَغنیاء اُن کو دیتے نہیں۔ خبردار رہو کہ حق تعالیٰ شانُہٗ قیامت کے دن اُن اَغنیاء سے سخت مطالبہ کریں گے یا سخت عذاب دیں گے۔ (دُرِّ مَنثُور) کنز العُمّال میں اس حدیث پر کلام بھی کیا ہے اور حضرت اَبُوہُریرہؓ کی حدیث سے نقل کیا کہ اگر اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے علم میں یہ بات ہوتی کہ اَغنیاء کی زکوٰۃ فقراء کو کافی

نہ ہوگی تو زکوٰۃ کے علاوہ اور کوئی چیز ان کے لئے تجویز فرماتے جو اُن کو کافی ہو جاتی۔ پس اب جو فقراء بھوکے ہیں وہ اَغنیاء کے ظلم کی وجہ سے ہیں (کنز) کہ وہ زکوٰۃ پوری نہیں نکالتے۔

(حضرت بلالؓ سے نقل کیا گیا کہ حضورؐ نے اُن سے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے فقر کی حالت میں ملو، تونگری کی حالت میں نہ ملو۔ اُنہوں نے عرض کیا، اس کی کیا صورت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب کہیں سے کچھ میسّر ہو، اس کو چھپا کر نہ رکھو، مانگنے والے سے انکار نہ کرو۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضورؐ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: یہی ہے اور یہ نہ ہو تو جہنّم ہے (دُرِّ منثور) حضرت اَبُوذرّ غفاریؓ بھی انہی حضرات میں ہیں جن کا مسلک یہ ہے کہ روپیہ پیسہ بالکل رکھنے کی چیز نہیں ہے۔ ایک دِرم جہنّم کا ایک داغ ہے اور دو دِرم، دو داغ ہیں۔ ان کے مختلف واقعات پہلے گذر چکے ہیں۔ جن میں سے بعض پہلی فصل کے سلسلۂ اَحادیث میں نمبر ا پر گذرے۔)

ایک مرتبہ حبیب بن سلمہؓ نے جو شام کے امیر تھے۔ حضرت اَبُوذرّؓ کے پاس تین سو دینار (اشرفیاں) بھیجے اور عرض کیا کہ ان کو اپنی ضروریات میں صرف کر لیں۔ حضرت اَبُوذرّؓ نے واپس فرما دیئے۔ اور یہ فرمایا کہ دُنیا میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے ساتھ دھوکہ کھانے والا میرے سوا کوئی نہ ملا (یعنی دُنیا کی اتنی بڑی مقدار اپنے پاس رکھنا اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے غافل ہونا ہے) اور یہی اللہ کے ساتھ دھوکہ ہے کہ اس کے عذاب سے آدمی بے فکر ہو جائے جس کو حق تعالیٰ شانُہٗ نے مُتعدِد جگہ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ میں نہ ڈال دے جیسا کہ چھٹی فصل میں دُنیا اور آخرت کی آیات میں نمبر ۳۸ پر آرہا ہے۔ اس کے بعد حضرت اَبُوذرّؓ نے فرمایا۔ مجھے صرف تھوڑا سا سایہ چاہیئے جس میں اپنے کو چھپا لوں، اور تین بکریاں جن کے دُودھ پر ہم سب گذر کر لیں، اور ایک باندی جو اپنی خدمت کا احسان ہم پر کر دے۔ اس سے زائد جو ہو مجھے اس کے اندر اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے ڈر لگتا ہے۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قیامت کے دن دو دِرم والا ایک دِرم والے کی بہ نسبت زیادہ قید میں ہوگا۔[۱]

حضرت عبداللہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ مَیں ایک مرتبہ حضرت اَبُوذرّؓ کے پاس تھا کہ اُن کا روزینہ بَیْتُ المال سے آیا۔ ایک باندی اُن کے پاس تھی جو اُس میں سے ضروری چیزیں خرید کر لائی۔ اس کے بعد سات دِرم اُن کے پاس بچے۔ فرمانے لگے، کہ اس کے پیسے کرا لاؤ (تاکہ تقسیم کر دیں) مَیں نے کہا۔ ان کو اپنے پاس رہنے دو، کوئی ضرورت پیش آجائے، کوئی مہمان آجائے۔ فرمایا مجھ سے میرے

[۱] دُرِّ منثور

محبوب (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) نے یہ طے شدہ بات فرمائی تھی کہ جس سونے یا چاندی کو باندھ کر رکھا جائے گا وہ اپنے مالک پر آگ کی چنگاری ہے جب تک کہ اُس کو اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کر دیا جائے (ترغیب)
حضرت شدادؓ فرماتے ہیں کہ حضرت اَبُوذَرؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کوئی سخت حکم سُنتے تھے پھر جنگل چلے جاتے تھے (کہ اکثر جنگل میں قیام رہتا تھا) اُن کے تشریف لے جانے کے بعد اس حکم میں کچھ سُہولت پیدا ہو جاتی، جس کا اُن کو علم نہ ہوتا۔ اس لئے وہ سخت ہی حکم پر قائم رہتے (دُرِّ مَنثور) یہ صحیح ہے کہ حضرت اَبُوذَرؓ کا مسلک اس بارے میں بہت ہی سخت اور شدّت کا ہے۔ باقی اس میں تو شک نہیں کہ زہد کا کمال یہی ہے جو اُن کا مسلک تھا، اور بہت سے اکابر کا یہی پسندیدہ معمول رہا، مگر اس پر نہ تو کسی کو مجبور کیا جا سکتا ہے، نہ اس پر عمل نہ کرنے میں جہنمی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اپنی خوشی اور رضا و رغبت سے اختیار کرنے کی چیز یہی ہے جس خوش نصیب کو بھی اللہ جل شانہٗ اپنے لُطف و کرم سے نصیب فرما دے۔ کاش اِس دُنیا کے کُتّے کو بھی اللہ جَلَّ شَانُہٗ ان حضرات زاہدین کے اَوصافِ جمیلہ کا کچھ حِصّہ عطا فرما دیتا فَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

(۶) وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (سورہ توبہ۔ ع)

(اور ان منافقوں کی خیر خیرات قبول ہونے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا (نفاق سے اپنے کو مومن بتاتے ہیں) یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر بہت کاہلی سے (ہارے دل سے) اور نیک کاموں میں خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ (بدنامی سے بچنے کی وجہ سے) ان (مَردُودوں) کا مال اور اولاد آپ کو تعجُّب میں نہ ڈالے (کہ ایسے مَردُودوں پر اتنے اِنعامات کیوں ہیں) اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ارادہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے اُن کو دنیوی عذاب میں مُبتلا رکھے (کہ ہر وقت ان کے فکروں میں مُبتلا رہیں) اور کفر ہی کی حالت میں ان کی جان نکل جائے۔)

ف: ابتداء میں خیرات کے قبول ہونے میں کفر کے علاوہ کاہلی سے نماز پڑھنے کو اور بددلی سے صدقہ دینے کو بھی دخل بتایا ہے۔ نماز کے متعلق مضامین اس ناکارہ کے رسالہ "فضائل نماز" میں گذر چکے ہیں۔ اس میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ ارشاد گذرا ہے کہ اسلام میں اس کا کوئی حصّہ نہیں، جس کی نماز نہیں اُس کے لئے دین نہیں، جس کی نماز نہیں۔ نماز دین کے لئے ایسی ضروری چیز ہے، جیسا کہ آدمی کے لئے اس کا سر ضروری ہے۔ (حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو نماز کو خشوع وخضوع سے اچھی طرح پڑھے، وہ نماز نہایت روشن چمکدار بن کر دُعائے خیر دیتی ہوئی جاتی ہے۔ اور جو بُری طرح پڑھے وہ بُری صورت میں سیاہ رنگ میں بددُعا دیتی ہوئی جاتی ہے۔ کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے، جیسا تونے مجھے برباد کیا۔ اور ایسی نماز پُرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔)

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب سے اوّل نماز کا حساب ہوگا۔ اگر وہ اچھی ہوئی تو باقی اعمال بھی اچھے ہوں گے، وہ بُری ہوئی تو باقی اعمال بھی بُرے ہونگے۔ دوسری حدیث میں ہے اگر وہ قبول ہوئی تو باقی اعمال بھی قبول ہوں گے۔ وہ مردود ہوگئی تو باقی اعمال بھی مردود ہوں گے (فضائل نماز) اس کے بعد آیت شریفہ میں بددلی سے صدقہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بددلی سے صدقہ دینا ظاہر ہے کہ کیا قابلِ قبول ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر وہ صدقہ فرض ہے جیسا کہ زکوٰۃ تو وجوب ساقط ہو ہی جائے گا۔ اسی واسطے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے زکوٰۃ ادا کرنے کی روایات میں متعدد جگہ طَیِّبَۃً بِھَا نَفْسُہٗ (ترغیب) رَافِدَۃً عَلَیْہِ کُلَّ عَامٍ (ابوداؤد) وغیرہ الفاظ ذکر فرمائے۔ جن کا مطلب یہی ہے، کہ نہایت خوش دلی سے ادا کرے تاکہ فرض ادا ہونے کے علاوہ اس کا اجر وثواب بھی ہو اور اس پر انعام واکرام بھی ہو۔ ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ثواب کی نیت سے ادا کرے گا اس کو اس کا اجر ملیگا، اور جو ادا نہ کریگا، ہم اس کو لے کر رہیں گے۔ اور بعض روایات میں اس کے ساتھ تاوان بھی وارد ہے کہ ادا نہ کرنے کی صورت میں جرمانہ بھی کریں گے۔

حضرت جعفر بن محمدؒ کہتے ہیں کہ وہ امیر المومنین ابوجعفر منصورؒ کے پاس گئے۔ تو وہاں حضرت زبیرؓ کی اولاد میں سے کوئی شخص تھے جنہوں نے منصور سے اپنی کوئی حاجت پیش کی تھی اور منصور نے اُن کی درخواست پر کچھ ان کو دینے کا حکم بھی کر دیا تھا مگر وہ مقدار زبیری کے نزدیک کم تھی۔ جس کی

شکایت انہوں نے کی اور منصور کو اس پر غصہ آ گیا۔ حضرت جعفرؒ نے فرمایا کہ مجھے اپنے باپ دادوں کے واسطے سے حضورؐ کا یہ ارشاد پہنچا ہے کہ جو عطا خوشدلی سے دی جائے۔ اس میں دینے والے کے لئے بھی برکت ہوتی ہے، اور لینے والے کے لئے بھی۔

منصورؒ نے یہ حدیث سنتے ہی کہا۔ خدا کی قسم دیتے وقت تو مجھے خوش دلی نہ تھی مگر تمہاری حدیث سن کر مجھ میں طیبِ نفس پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت جعفرؒ اُن زہری کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے فرمایا کہ مجھے اپنے باپ دادوں کے ذریعہ سے حضورؐ کا یہ ارشاد پہنچا ہے کہ جو شخص قلیل رزق کو کم سمجھے، اللہ جلّ شانہٗ اس کو کثیر سے محروم فرما دیتے ہیں۔

زہریؒ کہنے لگے کہ خدا کی قسم پہلے سے تو یہ عطیہ میری نگاہ میں کم تھا۔ تمہاری حدیث سننے کے بعد بہت معلوم ہونے لگا۔ سفیان بن عیینہؒ جو اس قصہ کو نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے پوچھا کہ وہ کیا مقدار تھی جو تمہیں منصور نے دی تھی۔ وہ کہنے لگے کہ اس وقت تو بہت تھوڑی سی تھی لیکن میرے پاس پہنچنے کے بعد اللہ جلّ شانہٗ نے اسمیں ایسی برکت اور نفع عطا فرمایا کہ وہ پچاس ہزار کی مقدار تک پہنچ گئی۔ سفیانؒ کہتے ہیں کہ یہ لوگ (اہل بیت حضرت جعفرؒ اور اُن کے اکابر کی طرف اشارہ ہے) بھی بارش کی طرح جہاں پہنچ جاتے ہیں نفع ہی پہنچاتے ہیں۔ (کنز) مطلب یہ ہے کہ اس جگہ دو حدیثیں سُنا کر دونوں کو خوش اور مطمئن کر دیا۔ اسی طرح سے یہ حضرات جہاں بھی پہنچتے ہیں رُوحانی یا مادّی نفع پہنچائے بغیر نہیں رہتے۔ اس کے ساتھ ہی اُس زمانہ کے اُمراء کی یہ چیز بھی قابلِ رشک ہے، کہ بادشاہت کے باوجود حضورؐ کے ارشادات سُن کر اُن کے سامنے گردن رکھ دینا اُس زمانہ کی عام فضا تھی۔

آیت شریفہ میں اس کے بعد مال، اولاد اور مال کو دُنیا میں عذاب کا ذریعہ فرمایا۔ ان چیزوں کا دُنیا میں موجبِ دِقت اور کلفت ہونا ظاہر ہے۔ کہیں اولاد کی بیماری ہے، کہیں ان پر مصائب ہیں، کہیں ان کے مرنے کا رنج و حسرت ہے، اور یہ سب چیزیں مسلمانوں پر بھی پیش آتی ہیں لیکن مسلمان کے لئے چونکہ ہر تکلیف جو دُنیا میں پیش آئے وہ آخرت میں اجر و ثواب کا ذریعہ ہے، اس لئے وہ تکلیف نہیں رہتی۔ کیونکہ وہ تکلیف، تکلیف نہیں بلکہ راحت ہے جس کے بدلہ میں کہیں اس سے زیادہ مل جائے اور جن کے لئے آخرت میں ان مصائب کا بدلہ نہیں ہے اُن کے لئے یہ دُنیا کا عذاب ہی عذاب رہ گیا۔ ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ ان چیزوں کے دُنیا میں عذاب ہونے سے مصائب مراد ہیں کہ ان کے لئے یہ عذاب ہیں اور مومنین کیلئے ثواب کی

چیزیں ہیں۔

(۷) وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝

(بنی اسرائیل۔ ع ۳)

اور نہ تو (بخل کی وجہ سے) اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھ لینا چاہیئے اور نہ بہت زیادہ کھول دینا چاہیئے (کہ اسراف کی حد تک پہنچ جائے کہ اس صورت میں) ملامت زدہ اور (فقر کی وجہ سے) تھکے ہوئے بیٹھے رہو (اور محض کسی کے فقر کی وجہ سے اپنے کو پریشانی میں مبتلا کرنا مناسب نہیں) بیشک تیرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں (کی مصالح اور ان کے احوال) سے باخبر ہے (کہ کس کے لئے کتنا مناسب ہے اور ان کے احوال کو) دیکھنے والا ہے۔

ف: قرآن پاک میں اس جگہ معاشرت کے بہت سے آداب پر بڑی تفصیلی تنبیہات فرمائی ہیں۔ منجملہ ان کے اس آیت شریفہ میں بخل اور اسراف پر تنبیہ فرما کر اعتدال اور میانہ روی کی گویا ترغیب دی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کسی نے کچھ سوال کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تو کچھ نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ اپنا کرتہ جو آپ پہن رہے ہیں یہ دے دیجئے۔ حضور نے کرتہ نکال کر مرحمت فرما دیا اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت شریفہ خانگی اخراجات کے بارہ میں ہے کہ نہ ان میں بہت بخل کیا جائے نہ بہت وسعت اختیار کی جائے میانہ روی اختیار کی جائے۔ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بھی متعدد روایات میں یہ مضمون ذکر کیا گیا کہ جو شخص میانہ روی اختیار کرے وہ فقیر نہیں ہوتا۔ اور آیت شریفہ کے ختم پر اس احمقانہ خیال کی تردید فرمائی کہ سب کے سب مالی حیثیت سے برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ صرف اللہ جل شانہٗ کے قبضہ قدرت میں ہے کہ وہ جس پر چاہے فراخی فرمائے، جس پر چاہے تنگی کرے۔ وہی بندوں کے احوال سے واقف ہے وہی ان کی مصالح کو خوب جانتا ہے۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ بندوں کے احوال سے باخبر ہیں جس کے لئے ثروت بہتر سمجھتے ہیں، اس کو ثروت عطا فرماتے ہیں اور جس کے لئے تنگی مفید سمجھتے ہیں اس پر تنگی فرماتے ہیں۔

دوسری جگہ قرآن پاک میں ارشاد ہے :-

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ○ (شوریٰ - ع ۳)

اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لئے روزی میں وُسعت کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت (اور فساد) کرنے لگتے۔ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ (جس کے لئے) جتنا رزق مناسب سمجھتا ہے اُتارتا ہے۔ وہ اپنے بندوں (کی مصالح) سے باخبر (اور اُن کے احوال کو) دیکھنے والا ہے۔

اس آیتِ شریفہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ سب پر وُسعت کا ہونا دُنیا میں سرکشی اور فساد کا سبب ہے، اور قرین قیاس اور تجربہ کی بات بھی ہے کہ اگر حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لُطف سے سب ہی کو مال دار بنا دیں تو پھر دُنیا کا نظام چلنا ناممکن ہو جائے کہ سب تو آقا بن جائیں، مزدوری کون کرے۔ ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ عرب میں جس سال پیداوار کی کثرت ہوتی، ایک دوسرے کو قید کرنا اور قتل کرنا شروع کر دیتے، اور جب قحط پڑ جاتا تو اس کو چھوڑ دیتے (دُرِ منثور)

حضرت علیؓ اور مُتعدد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے نقل کیا گیا کہ اصحابِ صُفّہ نے دُنیا کی تمنا کی تھی جس پر آیتِ شریفہ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ نازل ہوئی۔ حضرت قتادہؒ اس آیت شریفہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بہترین رزق وہ ہے جو نہ تجھ میں سرکشی پیدا کرے، نہ اپنے اندر تجھے مشغول کرلے۔ ہمیں یہ بتایا گیا کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی اُمّت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ دُنیا کی چمک دمک ہے۔ کسی نے عرض کیا! یارسول اللہ، کیا خیر (مال) بھی بُرائی کا سبب بن جاتا ہے۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ نازل ہوئی۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثِ قدسی میں اللہ جلّ شانہٗ کا پاک ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے ساتھ لڑائی کے لئے مقابلہ میں آتا ہے۔ میں اپنے

دوستوں کی حمایت میں ایسا غصہ میں آتا ہوں جیسا کہ غضبناک شیر۔ اور کوئی بندہ میرے ساتھ تقرب اُن چیزوں سے زیادہ کسی چیز سے حاصل نہیں کر سکتا جو میں نے اُن پر فرض کی ہیں (یعنی حق تعالیٰ شانہٗ نے جو چیزیں فرض کر دیں، اُن کی بجاآوری سے جتنا تقرب حاصل ہوتا ہے کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتا، اس کے بعد دوسرے درجہ میں نوافل کے ذریعہ سے تقرب حاصل ہوتا ہے) اور نوافل کے ذریعہ سے بندہ میرے ساتھ قرب حاصل کرتا رہتا ہے (اور جتنا نوافل میں اضافہ ہوتا رہے گا اُتنا ہی قرب میں اضافہ ہوتا رہے گا) یہاں تک کہ وہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔ اور جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کی آنکھ، کان، ہاتھ اور مددگار بن جاتا ہوں۔ اگر وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کو قبول کرتا ہوں، اور مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو اس کا سوال پورا کرتا ہوں، اور مجھے کسی چیز میں جس کے کرنے کا میں ارادہ کرتا ہوں، اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا اپنے مومن بندہ کی روح قبض کرنے میں تردد ہوتا ہے کہ وہ (کسی وجہ سے) موت کو پسند نہیں کرتا اور میں اس کا جی بُرا کرنا نہیں چاہتا لیکن موت ضروری چیز ہے۔ میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ وہ کسی خاص نوع کی عبادت کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ لیکن میں اس لئے وہ نوع عبادت کی اُن کو میسّر نہیں کرتا کہ اس سے اُن میں عُجب پیدا نہ ہو جائے۔ میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کے ایمان کو اُن کی تندرستی ہی درست رکھ سکتی ہے اگر میں اُن کو بیمار کر دوں تو اُن کی حالت خراب ہو جائے۔ اور بعض بندے ایسے ہیں جن کے ایمان کو ان کی بیماری ہی درست رکھ سکتی ہے۔ اگر میں اُن کو تندرستی دے دوں تو وہ بگڑ جائیں میں اپنے بندوں کے حال کے موافق عمل درآمد کرتا ہوں، اسلئے کہ میں اُن کے دلوں کے احوال سے واقف ہوں اور باخبر ہوں (دُرِّ منثور)

یہ حدیث شریف بڑی قابلِ غور ہے۔ اس کا تعلق تکوینی اُمور سے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کوئی غریب ہے تو اس کی امداد کی ہمیں ضرورت نہیں، کوئی بیمار ہے تو اس کے علاج کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ ہوتا تو پھر صدقات کی سب روایات اور آیات بے محل ہو جاتیں، دوا کرنے کا حکم جن روایات میں ہے وہ بے محل ہوتیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تکوینی طور پر یہ سلسلہ تو اسی طرح رہے گا۔ کوئی ماہر ڈاکٹر یا محکمہ حفظانِ صحت یہ چاہے کہ کوئی بیمار نہ ہو، ناممکن۔ کوئی حکومت یہ کوشش کرے کہ کوئی غریب نہ رہے کبھی نہیں ہو سکتا۔ البتہ ہم لوگ اپنی وسعت کے موافق اُن کی اعانت کے ہمدردی کے، علاج کے، امداد کے مامور ہیں اور جتنی کوئی شخص اس میں کوشش کرے گا، اس کا اجر، اس کا ثواب، اس کا دین اور دنیا میں اس کو

بدلہ ملے گا۔

لیکن اپنی سعی کے باوجود کوئی بیمار اچھا نہیں ہوتا، اپنی کوشش کے باوجود کسی کی مالی حالت درست نہیں ہوتی۔ تو اس کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی میں میرے لئے خیر ہے۔ اس سے پریشان اور گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور چونکہ غیب کی خبر نہیں، اور تکوینی چیزوں پر عمل کے ہم مامور نہیں، اس لئے اپنی کوشش، علاج اور اعانت وہمدردی اور مدد کی زیادہ سے زیادہ رکھنی چاہیئے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی

(۸) وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ط إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ○

(قصص۔ ع ۸)

اور تجھے جو کچھ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے دے رکھا ہے اس میں عالمِ آخرت کی بھی جستجو کر، اور دُنیا سے اپنا حِصّہ (آخرت میں لے جانا) فراموش نہ کر۔ جس طرح اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے تیرے ساتھ احسان کیا تُو بھی (بندوں پر) احسان کر (اور خدا کی نافرمانی اور حُقوق کو ضائع کر کے) دُنیا میں فساد نہ کر۔ بیشک اللہ تعالیٰ فساد کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

ف: یہ قرآن پاک میں مسلمانوں کی طرف سے قارون کو نصیحت کا بیان ہے۔ اس کا پورا قصہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے بیان میں پانچویں فصل کی آیات کے سلسلہ میں نمبر ۳ پر آ رہا ہے۔ سُدِّیؒ کہتے ہیں کہ آخرت کی جستجو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کر، اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا تقرّب حاصل کر اور صلہ رحمی کر۔ حضرت ابنِ عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ "دُنیا سے اپنا حِصّہ مت بھول" کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرنا نہ چھوڑ۔ مُجاہدؒ کہتے ہیں کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، یہ دُنیا سے اپنا حِصّہ ہے جس کا ثواب آخرت میں مِلتا ہے۔ حَسَن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بقدرِ ضرورت اپنے لئے روک کر باقی زائد کا خرچ کر دینا اور آگے چلتا کر دینا یہ دُنیا میں سے اپنا حِصّہ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک سال کا خرچ روک کر باقی کا صدقہ کر دے۔ (دُرِّ مَنثور) آدمی کا اپنی دُنیا میں سے اپنی آخرت کا حِصّہ بھُلا دینا اپنے نفس پر انتہائی ظُلم ہے۔ حُضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن آدمی ایسی حالت میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے سامنے لایا جائے گا جیسا کہ (ضُعف اور ذِلّت کے اعتبار سے) بھیڑ کا بچہ ہو۔ وہ حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے کھڑا کیا جائیگا وہاں سے مطالبہ ہوگا کہ میں نے تجھے مال دیا، دولت عطا کی، تجھ پر بڑے بڑے احسانات کئے۔ تُونے

میرے اِنعامات میں کیا کارگذاری کی۔ وہ عرض کرے گا۔ یا اللہ، میں نے مال خُوب جمع کیا، اس کو خوب بڑھایا اور جتنا مال تھا اُس سے بہت زیادہ اُس کو کر کے دُنیا میں چھوڑ آیا۔ آپ مجھے دُنیا میں واپس کردیں تو میں وہ سب کچھ اپنے ساتھ لے آؤں۔ اِرشاد ہوگا۔ وہ دِکھاؤ جس کو ذخیرہ بناکر آگے بھیج رکھا ہو۔ وہ پھر یہی عرض کرے گا کہ یا اللہ میں نے اس کو بہت ہی جمع کیا اور بڑھایا، اور جتنا تھا اُس سے بہت زیادہ کر کے چھوڑ آیا۔ مجھے آپ واپس بھیج دیں، میں وہ سارا ہی ساتھ لے آؤں۔ بالآخر جب اس کے پاس ذخیرہ ایسا نہ ہوگا جس کو آگے بھیج رکھا ہو تو اس کو جہنّم میں ڈال دیا جائے گا (مشکوٰۃ) یہ اللہ جَلّ شَانُہٗ اور اس کے پاک رسُول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے اِرشادات، بڑے غور اور بہت اہتمام سے عمل کرنے کی چیزیں ہیں۔ سرسری پڑھ کر چھوڑ دینے کے واسطے نہیں ہیں۔ دُنیا کی زندگی کو جو بالکل خواب کی مثال ہے بہت اہتمام سے آخرت کی تیاری کے لئے غنیمت سمجھو اور جو کمایا جاسکے، کمالو۔ حق تعالیٰ شَانُہٗ مجھے بھی توفیق عطا فرمائے۔

(۹) هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ (محمد۔ ع ۴)

تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں (تھوڑا سا) خرچ کرنے کو بُلایا جاتا ہے سو اس پر بھی تم میں سے بعض آدمی بُخل کرنے لگتے ہیں (اگر زیادہ مانگا جاتا تو کیا کرتے) اور جو شخص بُخل کرتا ہے وہ خود اپنے ہی سے بُخل کرتا ہے (اس لئے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا نفع اسی کو ملتا) اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (اس کو تمہارے مال کی پرواہ نہیں) اور تم محتاج ہو (دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور اسی لئے تمہیں صدقہ کا حکم دیا جاتا ہے کہ اس کا نفع تمہیں کو پہنچتا ہے) اور اگر تم (اللہ تعالیٰ کے احکام سے) روگردانی کروگے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا، اور پھر وہ تم جیسے (روگردانی کرنے والے) نہ ہوں گے (بلکہ نہایت فرمانبردار ہوں گے)

ف : یہ ظاہر بات ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی کوئی غرض ہماری خیرات اور صدقات کے ساتھ وابستہ نہیں ہے، اُس نے جس قدر زیادہ ترغیبیں اپنے پاک کلام اور اپنے پاک رسولؐ کے ذریعہ سے فرمائی ہیں وہ ہمارے ہی نفع کے واسطے ہیں۔ چنانچہ پہلی فصل میں بہت سے دینی اور دُنیوی فوائد صدقہ کے گذر چکے ہیں اور جب ایک حاکم، مالک، خالق کسی شخص کو ایسے کام کا حکم کرے، جس سے حکم کرنے والے کا کوئی نفع نہ ہو بلکہ جس کو حکم دیا ہے اُسی کا نفع ہو اور پھر بھی وہ حکم عُدولی کرے، تو یقیناً اس کا جتنا خمیازہ بھی بھگتے وہ ظاہر ہے ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ بہت سے لوگوں کو نعمتیں اس لئے دیتا ہے کہ لوگوں کو نفع پہنچائیں جب تک وہ لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ نعمتیں اُن کے پاس رہتی ہیں، جب وہ اس سے رُوگردانی کرنے لگتے ہیں، وہ نعمتیں اُن سے چھین کر حق تعالیٰ شانہٗ دوسروں کی طرف مُنتقل کر دیتے ہیں (کنز) اور یہ نعمتیں مال ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ عزت، وجاہت، اثر وغیرہ سب ہی چیزیں اس میں داخل ہیں اور سب کا یہی حال ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی کہ "اگر تم رُوگردانی کروگے تو اللہ جلّ شانہٗ دوسری قوم کو پیدا کر دے گا"، تو بعض صحابہؓ نے پوچھا۔ حضورؐ یہ لوگ کن میں سے ہوں گے جو ہماری رُوگردانی کی صورت میں ہمارے بدل ہوں گے۔ تو حضورؐ نے حضرت سلمانؓ فارسی کے مونڈھے پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ اور ان کی قوم۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر دین ثریّا (جو چند ستاروں کے مجموعہ کا نام ہے) پر ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ وہیں سے دین کو پکڑتے۔ متعدد رِوایات میں یہ مضمون آیا ہے۔ (دُرِّ منثور)

یعنی حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کو دین کی اتنی پرواز عطا فرمائی ہے کہ دین اور علم کو، اگر وہ ثریّا پر ہوتا، وہاں سے بھی حاصل کرتے۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت ترمذی شریف سے نقل کی ہے۔ اور اسی طرح ایک اور روایت میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا، کہ حضورؐ کے سامنے عجمی لوگوں کا ذکر کیا گیا، تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اُن پر یا اُن میں سے بعض پر تم سے یا تم میں سے بعض سے زیادہ اعتماد ہے (مشکوٰۃ)

اور یہ ظاہر ہے کہ عجم میں بعض بعض اکابر ایسے اونچے درجے اور حالات کے پیدا ہوئے ہیں کہ صحابی ہونے کی فضیلت کو چھوڑ کر دوسرے اعتبارات سے ان کے کمالات بہت اُونچے ہیں۔ حضرت سلمانؓ فارسیؓ کے بہت سے فضائل حدیث میں آئے ہیں اور آنے بھی چاہئیں کہ دینِ حق کی تلاش میں اُنہوں نے بہت تکلیفیں اُٹھائیں، بہت سے ملکوں کی خاک چھانی۔ اُن کی عمر بہت زیادہ ہوئی۔ ڈھائی سو سال

میں تو کسی مُعتمَد کا اختلاف ہی نہیں ہے۔ بعض نے ساڑھے تین سو سال بتائی ہے اور بعض نے اس سے بھی زیادہ۔ حتیٰ کہ بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا زمانہ پایا اور حضورؐ کے اور حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں چھ سو سال کا فرق ہے۔ ان کو پہلی کتابوں سے حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نبیِ آخر الزّمان کے مبعوث ہونے کی خبر معلوم ہوئی۔ یہ حضورؐ کی تلاش میں نکل پڑے اور راہبوں سے اور اس زمانہ کے عالموں سے تحقیق کرتے رہے اور وہ لوگ حضورؐ کے عنقریب پیدا ہونے کی بشارت اور حضورؐ کی علامات بتاتے رہے۔ یہ فارس کے شہزادوں میں تھے۔ اسی تلاش میں ملک در ملک تلاش کرتے پھرتے تھے۔ کسی نے ان کو قید کر کے اپنا غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ پھر یہ اسی طرح بکتے رہے، خود فرماتے ہیں:

بخاری شریف میں روایت ہے کہ مجھے دس آقاؤں سے زیادہ نے خریدا اور فروخت کیا۔ آخر میں مدینہ منورہ کے ایک یہودی نے ان کو خریدا۔ اس وقت حضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ اُن کو اس کی خبر ہوئی۔ یہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو علامات ان کو بتائی گئی تھیں۔ ان علامات کو جانچا اور امتحان کیا۔ اس کے بعد مسلمان ہوئے اور اپنے یہودی آقا سے فدیہ دے کر (جس کو مکاتب بننا کہتے ہیں) آزاد ہوئے۔ ایک حدیث میں ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ چار آدمیوں کو محبوب رکھتے ہیں جن میں سلمانؓ بھی ہیں (اصابہ) اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور کسی سے محبت نہیں بلکہ یہ ہے کہ یہ چار محبوبوں میں ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کیلئے حق تعالیٰ شانہٗ نے سات نُجَبَاء بنائے ہیں (یعنی مخصوص جماعت برگزیدہ لوگوں کی جو اس نبی کے کام کی ظاہری اور باطنی نگرانی کرنے والے اور مدد کرنے والے ہوں) لیکن میرے لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے چودہ نُجَبَاء مقرر فرمائے ہیں۔ کسی نے عرض کیا، وہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں یعنی حضرت علیؓ[1] اور میرے دونوں بیٹے (حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ) اور حضرت جعفرؓ اور حضرت حمزہؓ، ابوبکرؓ، عمرؓ، مُصعَبؓ بن عُمَیرؓ، بلالؓ، سلمانؓ، عمارؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوذر غفاریؓ، مقدادؓ۔ (مشکوٰۃ)

حالات کی تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دین کے کسی اہم امر میں ان حضرات کی خصوصیات ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب سورہ جمعہ کی آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ نازل ہوئی، تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں۔ حضورؐ نے سکوت فرمایا۔ صحابہؓ نے مکرر دریافت کیا۔ حتیٰ کہ تین دفعہ سوال کیا۔ تو حضورؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے اوپر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا

[1] اس روایت کے راوی خود حضرت علیؓ ہیں۔

پر ہوتا، تو ان میں سے بعض آدمی وہاں سے بھی لے آتے ۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر علم ثریّا پر ہوتا۔ دوسری حدیث میں ہے ۔ اگر دین ثریّا پر ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ وہاں سے بھی لے آتے ۔ (فتح الباری) علامہ سیوطیؒ جو خود محققین شافعیہ میں ہیں ۔ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہؒ کے فضائل میں پیشین گوئی کے طور پر ایسی صحیح چیز ہے ، جس پر اعتماد کیا جاتا ہے ۔ (مقدمہ اوجز)

(۱۰) مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ۝

(حدید ۔ ع ۳)

کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ (سب ایک کتاب میں (یعنی لوح محفوظ میں) ان جانوں کے پیدا ہونے سے پہلے لکھی ہوئی ہے اور یہ بات (کہ وقوع سے اتنا پہلے لکھ دینا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسان کام ہے (اور یہ اس لئے بتلادیا) تاکہ جو چیز (عافیت، مال یا اولاد وغیرہ) تم سے جاتی رہے اس پر (زیادہ) رنج نہ کرو اور جو تم کو ملے اس پر اتراؤ نہیں (اس لئے کہ اتراوے وہ جس کو اپنے استحقاق سے ملے اور جو دوسرے کے حکم سے ایک چیز ملے اس پر کیا اترانا) اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا ۔ (بالخصوص) جو لوگ ایسے ہیں کہ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہیں اور جو (اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے یا دینی کاموں سے) اعراض کرے گا، تو اللہ تعالیٰ (کا کیا نقصان کرے گا وہ تو) بے نیاز ہے حمد کے لائق ۔

ف : مصائب پر رنج تو طبعی چیز ہے ۔ مقصد یہ ہے کہ اتنا زیادہ رنج نہ ہو کہ دین اور دنیا کے سب

ہی کاموں سے روک دے اور یہ بھی طبعی بات ہے کہ جب کسی بات کے متعلق یہ پختہ یقین پہلے سے ہو جائے کہ فلاں بات ہو کر رہے گی، کسی سعی اور کوشش سے وہ ملتوی نہیں ہوسکتی تو پھر اُس پر رنج و غم ہلکا ہوجایا کرتا ہے۔ برخلاف اس کے کہ کوئی بات خلافِ توقع پیش آئے تو اس پر رنج زیادہ ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اس آیتِ شریفہ میں اس پر متنبّہ کر دیا کہ موت و حیات، رنج و خوشی، راحت و آفت یہ سب چیزیں ہم نے پہلے سے طے کر رکھی ہیں وہ اسی طرح ہو کر رہیں گی۔ پھر اس میں اِترانے یا غم سے ہلاکت کے قریب ہوجانے کی کیا بات ہے۔

آیتِ شریفہ میں دو لفظ وارد ہوئے ہیں۔ مُختال، فَخُور، جس کا ترجمہ اِترانے والے شیخی باز کا کیا ہے۔ اِترانا اپنے آپ ہوتا ہے یعنی دوسرے کے بغیر بھی ہوتا ہے۔ اور شیخی دوسرے کے سامنے اور دوسرے کے مقابلہ میں ہوا کرتی ہے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ اِختیال تو ایسی چیزوں پر اترانا ہوتا ہے جو آدمی کے اندر ذاتی کمال ہوں۔ اور فخر ایسی چیزوں پر ہوتا ہے، جو خارجی ہوں۔ جیسا مال، جاہ وغیرہ۔ (بیان القرآن)

حضرت قزعہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو موٹے کپڑے پہنے دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں خراسان کے بنے ہوئے نرم کپڑے یہ لایا ہوں اگر آپ ان کو پہن لیں تو آپ کے بدن پر یہ کپڑے دیکھ کر میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے گی۔ اُنہوں نے فرمایا۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ کپڑے پہن کر کہیں میں "مُختال فَخُور" نہ بن جاؤں۔ (دُرِّ منثور) یعنی ان کے پہننے سے کہیں مجھ میں عُجب اور تفاخر پیدا نہ ہونے لگے۔

(۱۱) هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ (منافقون۔ ع ۱)

یہی (منافقین) وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جمع ہیں، اُن پر کچھ خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ یہ آپ ہی (خرچ نہ ملنے کی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے) مُنتشر ہو جائیں گے اور (بیوقوف یہ نہیں جانتے کہ) اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں سب خزانے آسمانوں کے اور زمینوں کے لیکن یہ منافق (احمق ہیں) سمجھتے نہیں ہیں۔

ف: متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ عبداللہ بن اُبَی رئیس المنافقین اور اس کی ذُرّیات

نے یہ کہا کہ یہ لوگ جو حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس جمع ہیں، ان کی اعانت کرنا چھوڑ دی جائے۔ یہ بھوک سے پریشان ہو کر خود بخود مُنتَشِر ہو جائیں گے۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ اور بالکل حق ہے۔ روزمرہ کا مُشاہدہ ہے، سینکڑوں مرتبہ اس کا تجربہ ہوا کہ جب بھی کسی دینی کام کرنے والوں کے متعلق عِناد اور بد باطنیت سے لوگوں نے یا کسی خاص فرد نے اعانت روکی اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اپنے لُطف و کرم سے دوسرا دروازہ کھول دیا۔ یہ ہر شخص کو یقین کے ساتھ سمجھ لینا چاہیئے کہ روزی اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اپنے اور صرف اپنے ہی قبضہ میں رکھی ہے۔ وہ کسی کے باپ کے بند کرنے سے بھی بند نہیں ہوتی۔ البتہ بند کرنے والے دین کی اِعانت سے ہاتھ روک کر آخرت میں اللہ جَلَّ جلالہٗ کے یہاں جواب دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ جہاں نہ تو جھوٹ چل سکتا ہے کہ ہماری یہ غرض تھی اور وہ غرض تھی۔ نہ کوئی بیرسٹر یا وکیل کام دے سکتا ہے۔ فرضی حیلے تراش کر کے اللہ کے اور دین کے کاموں سے پہلو تہی کرنے سے بجز اس کے کہ اپنی ہی عاقبت خراب کی جائے اور کوئی فائدہ نہیں۔ ذاتی عِناد اور دُنیوی اَغراضِ فاسدہ کی وجہ سے کسی دینی کام میں روڑے اٹکانا، یا کسی دین کا کام کرنے والے کی اِعانت سے ہاتھ روکنا یا دوسروں کو روکنا اپنا ہی نقصان کرنا ہے کسی دوسرے کا نقصان نہیں۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اِرشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مدد سے ایسے وقت پہلو تہی کرے جب کہ اس کی آبرو گرائی جا رہی ہو، اس کا احترام توڑا جا رہا ہو، تو حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص کی مدد کرنے سے ایسے وقت میں بے اِلتفاتی فرماتے ہیں جب کہ یہ کسی مدد کرنے والے کی مدد کا خواہشمند ہو۔ (مشکوٰۃ)

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا عمل اُمت کے لئے شاہراہ ہے۔ ہر چیز میں اس کی کوشش ہر اُمتی کا فرض ہے کہ حضورؐ کا طریقہ کیا تھا، اور اس راہ پر چلنے کی حَتَّی الْوُسع کوشش کرنا چاہیئے۔ حضورؐ کا معمول تھا کہ دشمنوں کی اِعانت سے بھی دریغ نہ تھا۔ سینکڑوں واقعات کُتُبِ اَحادیث و تاریخ میں اس پر شاہد ہیں۔ خود یہی عبداللہ بن اُبَیّ منافقوں کا سردار جس قدر تکالیف اور اَذیتیں پہنچا سکتا تھا، اس نے کبھی دریغ نہیں کیا۔ اسی شخص کا مَقُولہ اسی سفر کا جس میں آیت بالا نازل ہوئی، یہ ہے کہ "جب ہم لوگ مدینہ واپس پہنچ جائیں گے تو عزت دار لوگ یعنی ہم لوگ ان ذلیلوں کو (یعنی مسلمانوں کو) مدینہ سے نکال دیں گے"، لیکن ان سب حالات کے باوجود اسی سفر سے واپسی کے چند روز بعد یہ بیمار ہوا تو اپنے

بیٹے سے جو بہت بڑے پکے مسلمان تھے کہا کہ تم جا کر حضورؐ کو میرے پاس بلا لاؤ، تمہارے بلانے سے وہ ضرور آجائیں گے۔

یہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باپ کی درخواست نقل کی. حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اسی وقت جوتے پہن کر ساتھ ہو لئے۔ جب حضورؐ کو اس نے دیکھا تو رونے لگا. حضورؐ نے فرمایا. اے اللہ کے دشمن کیا گھبرا گیا۔ اُس نے کہا. میں نے اس وقت آپکو تنبیہ کیواسطے نہیں بلایا بلکہ اسواسطے بلایا کہ اسوقت مجھ پر رحم کریں ۔ یہ کلمہ سن کر حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ارشاد فرمایا. کیا چاہتے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ میری موت کا وقت قریب ہے۔ جب میں مر جاؤں تو میرے غسل دینے میں آپ موجود ہوں اور اپنے ملبوس میں مجھے کفن دیں، اور میرے جنازہ کے ساتھ قبر تک جائیں اور میری نمازِ جنازہ پڑھیں. حضورؐ نے ساری درخواستیں اس کی قبول فرمائیں۔ جس پر آیتِ شریفہ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ (براءۃ ۔ ع ۱۱) نازل ہوئی (دُرِّ منثور) جس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے منافقین کے جنازہ کی نماز پڑھانے کی ممانعت فرمائی۔

یہ تھا حضورؐ کا برتاؤ اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ، اور یہ کرم تھا ان کمینوں کے ساتھ جو کسی وقت بھی سب و شتم اور عیب تراشی میں کمی نہ کرتے تھے۔ کیا ہم لوگ بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ اس قسم کا کوئی معاملہ کر سکتے ہیں کہ اس جانی دشمن کی تکلیف کو دیکھ رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور جتنی فرمائشیں اس نے اپنے کفر کے باوجود کیں، حضورؐ نے اپنے کرم سے سب پوری کیں۔ اپنا کرتہ مبارک اُتار کر اس کو کفن کے لئے مرحمت فرمایا اور بقیہ سب درخواستیں بھی پوری کیں۔ گو کفر کی وجہ سے اس کو کار آمد نہ ہو سکیں، بلکہ آئندہ کے لیے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اس انتہائی کرم کی ممانعت اُتر آئی۔

(۱۲) اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ فَاَصْبَحَتْ	ہم نے (ان مکہ والوں کو سامانِ عیش دے کر) ان کی آزمائش کر رکھی ہے (کہ یہ ان نعمتوں میں کیا عمل کرتے ہیں) جیسا کہ (ان سے پہلے ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب کہ ان باغ والوں نے آپس میں قسم کھائی اور عہد کیا کہ اس باغ کا پھل ضرور صبح کو جا کر توڑ لیں گے اور (ان کو ایسا پختہ یقین تھا کہ)

كَالصَّرِيمِ ۝ فَتَنَادَوْا
مُصْبِحِينَ ۝ أَنِ اغْدُوا
عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ
صَارِمِينَ ۝ فَانطَلَقُوا
وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ۝ أَن
لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم
مِّسْكِينٌ ۝ وَغَدَوْا عَلَىٰ
حَرْدٍ قَادِرِينَ ۝ فَلَمَّا
رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ۝
بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝
قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل
لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ۝
قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا
كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَأَقْبَلَ
بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ
يَتَلَاوَمُونَ ۝ قَالُوا يَا وَيْلَنَا
إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ۝ عَسَىٰ
رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا
مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا
رَاغِبُونَ ۝ كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ
وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ
لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

(سورۂ قلم-ع ۱)

انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ پس اس باغ پر اسکے رب کی طرف سے ایک عذاب پھر گیا (جو ایک آگ تھی یا لُو) اور وہ لوگ سو رہے تھے۔ پس صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسا کٹا ہوا کھیت (کہ خالی زمین رہ جاتی ہے اور بعض جگہ اس کو کاٹ کر اس جگہ آگ بھی لگا دی جاتی ہے) پس صبح کو سویرے وہ باغ والے ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ اگر پھل توڑنا ہے تو سویرے چلو۔ پس چلتے ہوتے آپس میں چپکے چپکے باتیں کہتے جا رہے تھے کہ آج کوئی محتاج تم تک نہ آنے پائے وہ اپنے خیال میں اس کے روک لینے پر اپنے آپ کو قادر سمجھ کر چلے (کہ سب کچھ خود ہی لے آئیں گے) جب وہاں پہنچ کر اسکو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم راستہ بھول گئے (کہیں اور پہنچ گئے یہ تو وہ باغ نہیں ہے لیکن جب قرائن سے معلوم ہوا کہ یہ وہی جگہ ہے تو کہنے لگے) کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی۔ ان میں جو ایک آدمی (کسی قدر) نیک تھا (لیکن عمل میں ان کا شریک حال تھا) کہنے لگا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا (کہ ایسی بدنیتی نہ کرو غریبوں کے دینے سے برکت ہوتی ہے اب) اللہ کی پاکی کیوں نہیں بیان کرتے (یعنی توبہ استغفار کرو) وہ باغ والے کہنے لگے ہمارا پروردگار پاک ہے، بیشک ہم قصوروار ہیں۔ پھر ایک دوسرے کو الزام دینے لگے (جیسا کہ عام طور سے عادت

ہے کہ جب کوئی کام بگڑ جائے تو ہر ایک دوسرے کو قصور وار بتایا کرتا ہے) پھر سب کے سب کہنے لگے کہ بیشک ہم سب ہی حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ (کسی ایک پر الزام نہیں ہے سب کی یہی صلاح تھی، سب مل کر توبہ کرو اس کی برکت سے) شاید ہمارا پروردگار ہم کو اس سے اچھا باغ دیدے اب ہم توبہ کرتے ہیں (اس کے بعد اللہ جَلَّ جلالہٗ تنبیہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ) اسی طرح (دنیا کا) عذاب ہُوا کرتا ہے (کہ ہم بدنیتی سے چیز ہی کو فنا کر دیتے ہیں) اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے کیا اچھا ہوتا، کہ یہ لوگ اس بات کو جان لیتے (کہ غریبوں سے بخل کا نتیجہ اچھا نہیں)۔

ف: یہ بڑی عبرت کا قصہ ہے جو اِن آیات میں ذکر فرمایا ہے۔ جو لوگ غُربا، مساکین، اہلِ ضرورت کو نہ دینے کے عہد پیمان کرتے ہیں، قسمیں کھا کھا کر وعدے کرتے ہیں، کہ اِن ضرورت مندوں کو ایک پیسہ بھی نہیں دیا جائے گا، ایک وقت کی روٹی بھی نہ دی جائے گی، یہ نالائق ہرگز اعانت کے مُستحق نہیں، ان کو دینا بیکار ہے۔ وہ اپنے سارے مال سے یوں بیک وقت ہاتھ دھو لیتے ہیں اور جو نیک دل اس طرز کو پسند نہیں کرتے لیکن عملاً لحاظ ملاحظہ میں ان کے شریکِ حال ہو جاتے ہیں وہ بھی عذاب کی بلا سے نجات نہیں پاتے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں جو واقعہ گذرا ہے وہ حبشہ کے رہنے والے آدمیوں کا ہے۔ اُن کے باپ کا ایک بہت بڑا باغ تھا وہ اس میں سے مانگنے والوں کو بھی دیا کرتا تھا۔ جب اُس کا اِنتقال ہو گیا تو اُس کی اولاد کہنے لگی کہ اَبّا جان تو بیوقوف تھے، سب کچھ ان لوگوں پر بانٹ دیتے تھے۔ پھر قسمیں کھا کر کہنے لگے کہ ہم صبح ہی سارا باغ کاٹ لائیں گے اور کسی فقیر کو اس میں سے کچھ نہیں دیں گے۔ حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس باغ کے مالک بڑے میاں کا دستور یہ تھا کہ اسکی پیداوار میں سے اپنا ایک سال کا خرچ رکھ کر باقی سب کا سب اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ ان کی اولاد ان کو اس طرز سے روکتی رہتی تھی مگر وہ نہ مانتے تھے جب ان کا اِنتقال ہوا، تو ان کی اولاد نے یہ کوشش کی جو اُوپر ذکر کی گئی کہ سارا کا سارا روک لیں اور کسی غریب کو کچھ نہ دیں۔

سعید بن جُبیرؒ کہتے ہیں کہ یہ باغ یمن میں تھا۔ اس جگہ کا نام ضروان تھا جو (یمن کے مشہور شہر) صنعاء سے چھ میل تھا۔ ابن جُریجؒ کہتے ہیں کہ وہ عذاب جو اس باغ پر مُسلّط ہوا۔ جہنّم کی گھاٹی سے

ایک آگ نکلی جو اس پر پھر گئی۔ مجاہدؒ کہتے ہیں، کہ یہ باغ انگور کا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اپنے آپکو گناہوں سے بچاتے رہا کرو۔ آدمی بعض گناہ ایسے کرتا ہے کہ اس کی نحوست سے علم کا ایک حصّہ بھول جاتا ہے (یعنی حافظہ خراب ہو جاتا ہے اور پڑھا ہوا بھول جاتا ہے) اور بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے تہجد کو آنکھ نہیں کھلتی، اور بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس کی آمدنی جو بالکل اس کے لئے آنے کو تیار ہوتی ہے جاتی رہتی ہے۔ اس کے بعد حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی فَطَافَ عَلَیْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ (الآیۃ) اور فرمایا کہ یہ لوگ گناہ کی وجہ سے اپنے باغ کی پیداوار سے محروم ہوگئے۔ (دُرِّ منثور) خود حق سُبحانہٗ وتقدّس کا قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ (شوریٰ ع ۱) ترجمہ: اور جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کی بدولت پہنچتی ہے اور (ہر گناہ پر نہیں پہنچتی بلکہ) بہت سے گناہ تو حق تعالیٰ شانہٗ معاف فرما دیتے ہیں۔"

حضرت علیؓ کرّم اللّٰہُ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر تمہیں بتاؤں۔ اے علیؓ! جو کچھ بھی تمہیں پہنچے، مرض ہو یا کسی قسم کا عذاب یا دُنیا کی اور کوئی مصیبت ہو، وہ اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اس مضمون کو بندہ اپنے رسالہ "اعتدال" میں تفصیل سے لکھ چکا ہے، وہاں دیکھا جائے۔

(۱۳) وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۝ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۝ مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۝ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِیْمَ

اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (نہایت ہی حسرت سے) کہے گا۔ کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ موت ہی سب قصّہ ختم کر دیتی (قیامت ہی نہ آتی جو حساب کتاب ہوتا) میرا مال بھی میرے کچھ کام نہ آیا، میری جاہ (آبرو) بھی جاتی رہی۔ (اس کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا) اس کو پکڑ و

صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝ لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۝ (الحاقہ۔ع ۱)	اور اس کو طوق پہنا دو، پھر جہنم میں اسکو داخل کر دو، پھر ایک ستر گز لمبی زنجیر میں اس کو جکڑ دو۔ اس لئے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ رکھتا تھا (اور خود تو کیا کھلاتا) دوسرے آدمیوں کو بھی غریب کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا پس نہ تو آج اس کا کوئی یہاں دوست ہے اور نہ اس کے لئے کوئی چیز کھانے کو ہے بجز غسلین کے جس کو بجز بڑے گناہگاروں کے اور کوئی نہ کھائے گا۔

ف: غسلین کا مشہور ترجمہ دھوون کا ہے۔ یعنی زخموں وغیرہ کے دھونے سے جو پانی جمع ہو جائے وہ غسلین کہلاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ زخموں کے اندر سے جو لہو پیپ وغیرہ نکلتی ہے وہ غسلین ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ غسلین کا ایک ڈول اگر دنیا میں ڈال دیا جائے تو اس کی بدبو سے ساری دنیا سڑ جائے۔ نوف شامیؒ سے نقل کیا گیا کہ وہ زنجیر جو ستر گز لمبی ہے، اس کا ہر گز ستر باع ہے اور ہر باع اتنا لمبا ہے کہ مکۂ مکرمہ سے کوفہ تک پہنچے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اور دوسرے مفسرین سے نقل کیا گیا کہ یہ زنجیر پاخانہ کی جگہ کو داخل کر کے ناک میں کو نکالی جائے گی اور پھر اس پر لپیٹ دی جائے گی جس سے وہ بالکل جکڑا جائے گا (درمنثور)

اس آیت شریفہ میں مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینے پر بھی عتاب ہے۔ اس لئے آپس میں اپنے عزیزوں کو، اپنے احباب کو، ملنے والوں کو غرباء پروری پر مساکین کو کھلانے پلانے پر خاص طور سے ترغیب دیتے رہنا چاہیئے کہ دوسروں کو ترغیب دینے سے اپنے اندر سے بھی بخل کا مادہ کم ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱۴) وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ	بڑی خرابی ہے ایسے شخص کے لئے جو پس پشت

لُّمَزَةٍ ۝ نِالَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ (الھمزہ)

عیب نکالنے والا ہو، مُنہ در مُنہ طعنہ دینے والا ہو، مال جمع کر کے رکھتا ہے اور (غایت محبت سے) اس کو بار بار گنتا ہے وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا یہ مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا ہرگز نہیں (یہ مال ہمیشہ نہیں رہیگا) خدا کی قسم یہ شخص ایسی آگ میں ڈال دیا جائے گا کہ اس میں جو چیز پڑ جائے وہ آگ اس کو توڑ پھوڑ کر ڈال دے۔ آپ کو خبر بھی ہے وہ کیسی توڑ دینے والی آگ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی آگ ہے جو دِلوں تک پہنچ جائے گی (یعنی دنیا کی آگ تو جہاں بدن میں لگی آدمی مر گیا، اور وہاں چونکہ موت نہیں ہے اس لئے بدن میں لگتے ہی دل تک پہنچ جائے گی اور دل کی ذراسی ٹھیس بھی آدمی کو بہت محسوس ہوتی ہے) اور وہ آگ ان لوگوں پر بند کر دی جائیگی اس طرح پر کہ وہ لوگ لمبے لمبے ستونوں میں گھرے ہوئے ہوں گے۔

ف: ہُمَزَہ لُمَزَہ کی تفسیر میں مختلف اَقوال علماء کے ہیں۔ ایک تفسیر یہ بھی ہے جو اُوپر نقل کی گئی۔ حضرت ابنِ عباسؓ اور مُجاہدؒ سے ہُمَزَہ کی تفسیر طعن دینے والا اور لُمَزَہ کی تفسیر غیبت کرنے والا نقل کی گئی ہے۔ ابنِ جُرَیجؒ کہتے ہیں کہ ہُمَزَہ اِشارہ سے ہوتا ہے آنکھ کے، مُنہ کے، ہاتھ کے، جس کے بھی اِشارہ سے ہو۔ اور لُمَزَہ زبان سے ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنی معراج کا حال بیان فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ مَیں نے مردوں کی ایک جماعت دیکھی، جن کے بدن قینچیوں سے کترے جا رہے تھے۔ مَیں نے جبرائیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ لوگ کون ہیں اُنہوں نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو زینت اختیار کرتے تھے (یعنی حرام کاری

کے لئے بن سنور کر نکلتے تھے) پھر میں نے ایک کنواں دیکھا، جس میں نہایت سخت بدبو آرہی تھی اور اس میں چلانے کی آوازیں آرہی تھیں. میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں. انہوں نے بتایا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو (حرام کاری کے لئے) بنتی سنورتی تھیں اور ناجائز کام کرتی تھیں. پھر میں نے کچھ مرد اور عورتیں معلّق دیکھیں جو پستانوں کے ذریعہ سے لٹک رہے تھے. میں نے پوچھا. یہ کون ہیں. تو جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ طعن دینے والے چغل خوری کرنے والے ہیں. (درمنثور)

(اللہ جلّ شانہٗ اپنے فضل سے ان چیزوں سے محفوظ رکھے. بڑی سخت وعیدیں ہیں. اس سورتِ شریفہ میں بُخل اور حرص کی خاص طور سے مذمّت ارشاد فرمائی ہے کہ بخل کی وجہ سے مال جمع کر کے رکھتا ہے اور حرص کی وجہ سے بار بار گنتا ہے کہ کہیں کم نہ ہو جائے اور اتنی محبّت اس سے ہے کہ اس کے بار بار گننے میں بھی مزہ آتا ہے. اور یہ بُری عادت تکبّر اور تعلّی کا سبب بنتی ہے جس کی وجہ سے دوسروں کی عیب جوئی اور اُن پر طعن و تشنیع پیدا ہوتا ہے. اسی وجہ سے اس سورت کے شروع میں ان عیوب پر تنبیہ فرمانے کے بعد اس بُری خصلت کی مذمّت ذکر کی ہے. اور ہر شخص اس خبط میں مبتلا ہے کہ مال کی افزائش اس کو آفات اور حوادث سے بچا سکتی ہے. گویا مال دار کو موت آتی ہی نہیں. اس لئے اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے. واقعات بھی کثرت سے اس کی تائید کرتے ہیں کہ جب کوئی آفت اور مصیبت مسلّط ہوتی ہے، یہ مال و متاع سب رکھا رہ جاتا ہے. بلکہ مال کی کثرت بسا اوقات خود آفات کو کھینچتی ہے کوئی زہر دینے کی فکر میں ہوتا ہے، کوئی قتل کرنے کی، اور لوٹ مار، چوری ڈاکہ، سینکڑوں آفات اس مال کی بدولت آدمی پر مسلّط رہتی ہیں اور جب مال زیادہ ہو جاتا ہے پھر تو عزیز و اقارب، بیوی بیٹا سب ہی دل سے اس کی خواہش کرنے لگتے ہیں کہ بڈھا کہیں مرے تو یہ ہمارے ہاتھ آئے.)

(۱۵) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ○ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ○ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ○ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ○ الَّذِينَ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت کے دن کو جھٹلاتا ہے پس (اس شخص کا حال یہ ہے کہ) یتیم کو دھکے دیتا ہے اور غریب کو (خود تو کیا دیتا دوسروں کو بھی اُن کے) کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا. پس ہلاکت ہے ایسے نمازیوں کے لئے

هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝	جو اپنی نمازوں کو بھلا بیٹھتے ہیں (یعنی نہیں پڑھتے،
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝	اور اگر کبھی پڑھتے بھی ہیں تو) وہ لوگ دکھاوا
وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝	کرتے ہیں اور ماعون کو روکتے ہیں (بالکل دیتے
(سورۂ ماعون)	ہی نہیں)

ف: حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ یتیم کو دھکّے دینا یہ ہے کہ اس کا حق روکتے ہیں۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس کے دھکّے دینے سے اس پر ظلم کرنا مراد ہے اور یہ چیز قیامت کے دن کو غلط سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ (جس کو آخرت کے دن کا یقین ہوگا، وہاں کی جزا اور سزا کا پورا وثوق ہوگا، وہ کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور اپنے مال کو جمع کرکے نہیں رکھے گا بلکہ خوب خرچ کرے گا۔ اس لئے کہ جس کو اس کا کامل یقین ہو جائے کہ آج اگر میں اس تجارت میں دس روپے لگادوں، کل کو ضرور مجھے ایک ہزار جائز طریقہ سے ملیں گے وہ کبھی بھی اس میں تامّل نہ کرے گا۔)

اور جن نمازیوں کا اس میں ذکر ہے اُن کے متعلق حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ منافق لوگ مراد ہیں جو لوگوں کے سامنے تو دکھلاوے کے واسطے نماز پڑھتے ہیں اور جہاں کہیں اکیلے ہوں، اس کو چھوڑ دیں۔ حضرت سعدؓ وغیرہ متعدد حضرات سے نقل کیا گیا کہ نماز کو چھوڑنے سے مراد تاخیر سے پڑھنا ہے کہ بے وقت پڑھتے ہیں۔

(ماعون کی تفسیر میں علماء کے کئی قول ہیں۔ اس کی تفسیر بعض علماء سے زکوٰۃ نقل کی گئی ہے لیکن اکثر علماء سے جو تفسیریں منقول ہیں، اُن کے موافق معمولی روزمرہ کے برتنے کی چیزیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورﷺ کے زمانہ میں ماعون کا مصداق یہ چیزیں قرار دیتے تھے۔ ڈول مانگا دے دینا، ہانڈی، کلہاڑی، ترازو اور اس قسم کی جو چیزیں ایک دوسرے کو مانگی دے دی جاتی ہیں کہ اپنا کام پورا کرکے واپس کردیں۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ماعون سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کر دیتے ہیں، جیسا کہ کلہاڑی، دیگچی، ڈول وغیرہ۔ اور بھی متعدد روایات میں یہ مضمون کثرت سے ذکر کیا گیا۔ عکرمہؒ سے کسی نے ماعون کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی جڑ تو زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ درجہ چھلنی، ڈول، سوئی کا دینا ہے (دُرِّ منثور)۔

اس سورتِ شریفہ میں کئی چیزوں پر تنبیہ کی گئی ہے۔ منجملہ ان کے یتیموں کے بارے میں خاص تنبیہ ہے کہ ہلاکت کے اسباب میں سے یتیم کو دھکے دیکر نکال دینا بھی ہے۔ بہت سے لوگ یتیموں کے والی وارث بن کر ان کا مال اپنے تصرف میں لاتے ہیں اور جب وہ یا اس کی طرف سے کوئی مطالبہ کرے تو اس کو ڈانٹتے ہیں۔ ان پر ہلاکت اور عذابِ شدید میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ یہی نوع اس سورت شریفہ کا شانِ نزول بتایا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں بہت کثرت سے یتیموں کے بارے میں تنبیہات اور آیات نازل ہوئی ہیں۔ چند آیات کی طرف اشارہ کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ اللہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ نے کس اہتمام سے اس پر تنبیہ بارہا فرمائی ہے۔

۱ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ (بقرہ ع ۱۰) ۲ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ (بقرہ۔ ع ۲۲) ۳ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ (بقرہ۔ ع ۲۶) ۴ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ (بقرہ ع ۲۷) ۵ وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ (نساء ع) ۶ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ (نساء۔ ع ۱) ۷ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ (الی قولہ) وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَن يَكْبَرُوا ۚ (نساء ع ۱) ۸ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ الآیۃ (نساء۔ ع ۱) ۹ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا الآیۃ (نساء ع ۱) ۱۰ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ الآیۃ (نساء ع) ۱۱ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ الآیۃ (نساء ع ۱۹) ۱۲ وَأَن تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ (نساء ع ۱۹) ۱۳ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (انعام ع ۱۹) ۱۴ (بنی اسرائیل ع ۴) ۱۵ مَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ الآیۃ (حشر ع ۱) ۱۶ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا الآیۃ (دہر ع) ۱۷ كَلَّا ۖ بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۙ الآیۃ (فجر۔ ع ۱) ۱۸ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ (بلد۔ ع ۱) ۱۹ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا (والضحیٰ) ۲۰ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ (والضحیٰ)

یہ بیس آیات نمونہ کے طور پر ذکر کی گئی ہیں اور آیات کی سورت اور رکوع بھی لکھ دیئے ہیں

اگر کسی مُترجَم قرآن شریف میں ان کو نکال کر ترجمہ دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے بار بار مُختلِف عُنوانوں سے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ یتیموں کے بارے میں ان کی اِصلاح، ان کی خیر خواہی، ان کے مال میں اِحتِیاط، ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ، ان کی اصلاح اور فلاح کی کوشش، حتیٰ کہ اگر کسی یتیم لڑکی سے نکاح کرے تو اس کے مَہر کو کم نہ کرنے پر بھی تنبیہ کی گئی کہ کس مپرسی کی وجہ سے اس کے مہر میں بھی کمی نہ کی جائے حضورِ اَقدس صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ مَیں اور وہ شخص جو کسی یتیم کی کفالت کرتا ہو، جنّت میں ایسے قریب ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں۔ اس ارشاد پر حضورؐ نے اپنی دو انگلیاں، شہادت کی اُنگلی اور بیچ کی اُنگلی ملاکر ان کی طرف اشارہ فرمایا کہ جیسے یہ دو قریب ہیں، ملی ہوئی ہیں، ایسے ہی مَیں اور وہ شخص جنّت میں قریب ہوں گے۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ بیچ کی اُنگلی شہادت کی اُنگلی سے تھوڑی سی آگے نکلی ہوئی ہوتی ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میرا درجہ نُبُوّت کی وجہ سے تھوڑا سا آگے بڑھا ہُوا ہوگا اور اس کے قریب ہی اس شخص کا درجہ ہوگا۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص کسی یتیم کے سر پر (شفقت سے) ہاتھ پھیرے اور صرف اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی رضا کے واسطے ایسا کرے تو اس کا ہاتھ یتیم کے سر کے جتنے بالوں پر پھرے گا، ہر بال کے بدلہ میں اس کو نیکیاں ملیں گی اور جو شخص کسی یتیم لڑکے یا لڑکی پر احسان کرے تو مَیں اور وہ شخص جنّت میں اس طرح ہوں گے وہی دو انگلیوں سے اشارہ فرمایا، جیسا اوپر گذرا۔ اور بھی کئی حدیثوں میں مُختلِف عُنوان سے یہی مضمون وارد ہُوا ہے۔ (درمنثور)

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ قبروں سے ایسے اُٹھیں گے کہ اُن کے مُنہ میں آگ بھڑک رہی ہوگی۔ کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہوں گے، تو حضورؐ نے آیات گذشتہ میں سے نویں آیت تلاوت فرمائی: اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "جو لوگ یتیموں کا مال ظُلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں"۔ شبِ معراج میں حضورؐ نے ایک قوم کو دیکھا کہ اُن کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح سے بڑے بڑے ہیں اور فرشتے ان پر مُسلّط ہیں کہ وہ ان کے ہونٹوں کو چیر کر اُن میں آگ کے بڑے بڑے پتھر ٹھونس رہے ہیں، کہ وہ آگ مُنہ سے داخل ہوکر پاخانہ کی جگہ سے نکلتی ہے۔ اور وہ لوگ نہایت آہ وزاری سے چلّا رہے ہیں۔ حضورؐ نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظُلم سے کھاتے تھے

اُن کو آگ کھلائی جارہی ہے۔)

(ایک حدیث میں ہے کہ چار قسم کے آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ جلّ شانہٗ نہ تو جنّت میں داخل فرمائیں گے، نہ جنّت کی نعمتیں ان کو چکھنا نصیب ہوں گی۔ ایک وہ شخص جو ہمیشہ شراب پیتا ہو، دوسرے سُود خوار، تیسرے وہ شخص جو ناحق یتیم کا مال کھائے۔ چوتھے وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرے۔) (دُرِّ منثور) حضرتِ اَقدس شاہ عبدالعزیز صاحب رحؒ نے تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ یتیموں پر احسان دو قسم کا ہے۔ ایک تو وہ ہے جو وارثوں پر واجب ہے۔ مثلاً اس کے مال کی حفاظت کہ اُس میں زراعت یا تجارت وغیرہ سے ترقی ہوتا کہ اس کا نفقہ اور ضروریات پوری ہوسکیں، اور اس کی خوراک پوشاک وغیرہ کی خبر گیری۔ نیز اس کے لکھنے پڑھنے اور تعلیم آداب وغیرہ کی خبر گیری (دوسری قسم وہ ہے جو عام آدمیوں پر واجب ہے۔ اور وہ اس کی ایذا کو ترک کرنا ہے، اور نرمی اور مہربانی سے اس سے پیش آنا ہے۔ محفلوں اور مجالس میں اپنے پاس بٹھانا، اس کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اپنی اولاد کی طرح اس کو گود میں لینا اور اس سے مُحبّت ظاہر کرنا۔ اس لئے کہ جب وہ یتیم ہوگیا اور اس کا باپ نہ رہا تو حق تعالےٰ شانہٗ نے سب بندوں کو حکم کیا، کہ اس کے ساتھ باپ جیسا برتاؤ کریں اور اس کو اپنی اولاد کی طرح سمجھیں، تاکہ باپ کے مرنے کی وجہ سے جو عجز و بےکسی اس کو لاحق ہوگیا، اس قوّتِ حقیقی کے ساتھ کہ ہزاروں آدمی اس کے باپ کی جگہ ہو جائیں، دُور ہو جائے۔ پس یتیم بھی قرابت شرعی رکھتا ہے جیسا کہ دوسرے اَقارب قرابتِ عُرفی رکھتے ہیں (سورۂ بقرہ) دوسرا مضمون جو آیتِ بالا میں خصُوصی مذکور ہے وہ مسکین کے کھلانے پر ترغیب نہ دینے پر تنبیہ ہے اور گویا بُخل کے انتہائی درجہ کی طرف اِشارہ ہے کہ خود تو وہ اپنا مال کیا خرچ کرتا، وہ یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ دوسرا ابھی کوئی فقیروں پر خرچ کرے۔)

قرآن پاک میں مسکینوں کے کھانا کھلانے پر بہت سی آیات میں ترغیب دی گئی جن میں سے بعض پہلے مذکور ہوچکی ہیں۔ سورۂ فجر میں ہے كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ اس میں اس پر بھی تنبیہ کی گئی کہ تم لوگ نہ تو یتیموں کا اکرام کرتے ہو، نہ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔

تیسری چیز جو آیتِ بالا میں ذکر کی گئی وہ مَاعُون کا روکنا ہے جس کی تفسیر پہلے گذر چکی ہے۔ حضرتِ اَقدس شاہ عبدالعزیز صاحب رحؒ نے تحریر فرمایا کہ اس سورت کا نام مَاعُون اس وجہ سے ہے کہ یہ

احسان کا ادنیٰ درجہ ہے اور جب کہ احسان نہ کرنے کا ادنیٰ درجہ بھی مُوجبِ حجاب وعتاب ہے تو اعلیٰ درجہ یعنی حُقُوق اللہ اور حُقُوق النّاس کے ضائع کرنے سے بطریقِ اولیٰ ڈرنا چاہیئے۔

یہاں تک اس مضمون کے مُتعلّق چند آیات ذکر کی گئی ہیں۔ آگے چند احادیث اس مضمون کے مُتعلِق لکھی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ بخل اور مال کو جمع کر کے رکھنا، کس قدر سخت چیز ہے۔

احادیث

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَ سُوْءُ الْخُلُقِ۔ (رواہ الترمذی) کذا فی المشکوٰۃ

(حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ مؤمن میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایک تو بخل دوسری بد خلقی۔)

ف: یعنی کوئی شخص مؤمن ہو کر بخیل بھی ہو اور بد خلق بھی۔ یہ مؤمن کی شان ہرگز نہیں۔ ایسے شخص کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے، خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ اسی سے ہاتھ دھو بیٹھیں کہ جیسا ہر خوبی دوسری خوبی کو کھینچتی ہے، ایسے ہی ہر عیب دوسرے عیب کو کھینچتا ہے۔ دوسری حدیث میں اس سے بھی بڑھ کر حضورؐ کا ارشاد ہے کہ شُحّ (یعنی بخل کی اعلیٰ قسم) ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی (مشکوٰۃ)، کہ ان دونوں چیزوں کا اِجتماع گویا ضِدَّین کا اجتماع ہے۔ جیسا کہ آگ اور پانی کا جمع ہونا، کہ جونسی چیز غالب ہوگی وہ دوسرے کو فنا کر دے گی۔ اگر پانی غالب ہے آگ کو بُجھا دے گا۔ آگ غالب ہے تو پانی کو جَلا دے گی۔ ایسے ہی یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے مُنافی ہیں جونسی چیز غالب ہوگی رفتہ رفتہ دوسری کو فنا کر دے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کوئی ولی ایسا نہیں ہوا، جس میں اللہ جَلّ شانُہٗ نے دو عادتیں پیدا نہ کر دی ہوں، ایک سخاوت دوسرے خوش خلقی۔ (کنز)

(دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ کا کوئی ولی ایسا نہیں ہے جو سخاوت کا عادی نہ بنایا گیا ہو۔ (کنز)) اور بہت ظاہر بات ہے کہ اگر اللہ جَلّ شانُہٗ سے تعلّق اور مَحبّت ہے، تو اس کی مخلوق پر خرچ کرنے کو بے اختیار دل چاہے گا، کہ محبوب کے عزیز و اقارب کی خاطر مَحبّت کے لوازمات سے ہے

اور جب مخلوق اللہ کی عیال ہے تو اُن پر خرچ کرنے کو ولی کا دل ضرور چاہے گا، اور اس کے عیال میں بھی جس کا تعلق اس کے ساتھ جتنا زیادہ قوی ہوگا اتنا ہی اس پر خرچ کرنے کو زیادہ چاہے گا۔ اور اگر نہ چاہے تو معلوم ہوا کہ مال کی محبت اللہ کی محبت سے زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دعویٰ جھوٹ ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ خَبٌّ وَّلَا بَخِیْلٌ وَّلَا مَنَّانٌ۔ (رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ جنت میں نہ تو چال باز (دھوکہ باز) داخل ہوگا نہ بخیل، نہ صدقہ کرکے احسان رکھنے والا۔

ف: علماء نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان صفات کے ساتھ کوئی شخص بھی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اگر کسی مؤمن میں یہ بُری صفات خدانخواستہ پائی جاتی ہوں گی تو اوّل تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو دنیا ہی میں اُن سے توبہ کی توفیق عطا فرما دیں گے۔ اور اگر یہ نہ ہوا، تو اوّل جہنم میں داخل ہو کر ان صفات کا تنقیہ ہونے کے بعد جنت میں داخل ہو سکے گا لیکن جہنم میں داخل ہونا، چاہے تھوڑی ہی دیر کے لئے ہو کیا کوئی معمولی اور آسان کام ہے، دنیا کی آگ میں تھوڑی دیر کے لئے ڈالا جانا کیا اثرات پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ یہ آگ جہنم کی آگ کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا کی آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ یہ آگ کیا کچھ کم ہے یہ تو خود ہی بہت کافی اذیت پہنچانے والی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ اس سے انہتر درجہ بڑھی ہوئی ہے۔ (مشکوٰۃ)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جہنم میں سب سے کم عذاب والا شخص وہ ہوگا، جس کو جہنم کی آگ کی صرف دو جوتیاں پہنائی جائیں گی اور ان کی وجہ سے اس کا دماغ ایسا جوش مارے گا جیسا کہ ہنڈیا آگ پر جوش مارتی ہے (مشکوٰۃ) ایک حدیث میں آیا، کہ اللہ جلّ شانہٗ نے جنتِ عدن کو اپنے دستِ مبارک سے بنایا۔ پھر اس کو آراستہ اور مزیّن کیا۔ پھر فرشتوں کو حکم فرمایا کہ اس میں نہریں جاری کریں، اور پھل اس میں لٹکائیں جب حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کی زیب و زینت کو ملاحظہ فرمایا تو ارشاد فرمایا، کہ میری عزت کی قسم، میرے جلال کی قسم، میرے عرش پر بلندی کی قسم، تجھ میں بخیل نہیں آسکتا(گذ

(۳) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ اِنْتَھَیْتُ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں ایک مرتبہ حضورؐ

اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَآنِي قَالَ هُمُ الْأَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ اَبِيْ وَ اُمِّيْ مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ مَالًا اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ. (متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)	کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ کعبہ شریف کی دیوار کے سایہ میں تشریف رکھتے تھے، مجھے دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا کہ کعبہ کے رب کی قسم وہ لوگ بڑے خسارہ میں ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان، کون لوگ، حضورؐ نے فرمایا کہ جن کے پاس مال زیادہ ہو مگر وہ لوگ جو اس طرح اس طرح (خرچ) کریں، اپنے دائیں سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے لیکن ایسے آدمی بہت کم ہیں۔

ف: حضرت ابوذر رضؓ زاہدین صحابہؓ میں ہیں جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا، ان کو دیکھ کر یہ ارشاد حقیقۃً ان کی تسلی تھی کہ اپنے فقر و زہد پر کسی وقت بھی خیال نہ کریں۔ یہ مال و متاع کی کثرت فی ذاتہٖ کوئی محبوب چیز نہیں بلکہ بڑے خسارے اور نقصان کی چیز ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے غفلت کا سبب بنتی ہے۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بغیر تنگدستی کے اللہ کی طرف رجوع بہت ہی کم ہوتا ہے۔ البتہ جن لوگوں کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے توفیق عطا فرمائی ہے، اور وہ ضرورت کے مواقع میں جہاں اور جس طرف ضرورت ہو، چاروں طرف بخشش کا ہاتھ پھیلاتے ہوں، ان کے لئے مال مضر نہیں ہے۔

لیکن حضورؐ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ ایسے آدمی کم ہیں۔ عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جہاں مال کی کثرت ہوتی ہے، فسق و فجور، آوارگی عیاشی اپنے ساتھ لاتی ہے اور بے محل خرچ کرنا، نام و نمود پر صرف کرنا تو دولت کے ادنیٰ کرشموں میں سے ہے۔ بیاہ شادیوں اور دوسری تقریبات پر بے جا اور بے محل ہزاروں روپیہ خرچ کر دیا جائے گا۔ لیکن اللہ کے نام پر ضرورت مندوں اور بھوکوں پر خرچ کرنے کی گنجائش ہی نہ نکلے گی۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو لوگ دنیا میں زیادہ مالدار ہیں وہی لوگ آخرت میں کم سرمایہ والے ہیں۔ مگر وہ شخص جو حلال ذریعہ سے کمائے اور یوں یوں خرچ کر دے (کنز) پہلی حدیث کی طرح یوں یوں کا اشارہ اِدھر اُدھر خرچ کرنے کی طرف ہے۔ حقیقت میں مال اس کے لئے زینت اور عزت ہے

جو اس کو اِدھر اُدھر خرچ کر دے، اور جو گِن گِن کر باندھ کر رکھے۔ اس کیلئے یہ ہر قسم کی آفات کا پیش خیمہ ہے۔ اس کو بھی ہلاک کرتا ہے اور خود بھی اس کے پاس سے ضائع ہوتا ہے۔ یہ بے مُروّت کسی شخص کو دین یا دُنیا کا فائدہ اس وقت تک نہیں پہنچاتا، جب تک اس کے پاس سے جُدا نہ ہو۔

(۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَلَجَاهِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ۔

(رواه الترمذی کذا فی المشکوٰۃ)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ سخی آدمی اللہ سے قریب ہے جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، جہنم سے دُور ہے۔ اور بخیل آدمی اللہ سے دُور ہے جنت سے دُور ہے اور آدمیوں سے دُور ہے اور جہنم سے قریب ہے، بے شک جاہل سخی اللہ کے نزدیک عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔

ف: یعنی جو شخص عبادت بہت کثرت سے کرتا ہو، نوافل بہت لمبی لمبی پڑھتا ہو، اس سے وہ شخص اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے جو نوافل کم پڑھتا ہو لیکن سخی ہو، عابد سے مراد نوافل کثرت سے پڑھنے والا ہے۔ فرائض کا پڑھنا تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے چاہے سخی ہو یا نہ ہو۔

امام غزالیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ایک مرتبہ شیطان سے دریافت فرمایا کہ تجھے سب سے زیادہ کون شخص محبوب ہے اور سب سے زیادہ نفرت کس سے ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے سب سے زیادہ محبت مؤمن بخیل سے ہے اور سب سے زیادہ نفرت فاسق سخی سے ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ یہ کیا بات ہے۔ اس نے عرض کیا کہ بخیل تو اپنے بُخل کی وجہ سے مجھے بے فکر رکھتا ہے۔ یعنی اس کا بخل ہی جہنم میں لے جانے کے لئے کافی ہے لیکن فاسق سخی پر مجھے ہر وقت فکر سوار رہتا ہے، کہ کہیں حق تعالیٰ شانہٗ اس کی سخاوت کی وجہ سے اس سے درگذر نہ فرماویں (احیاء)

یعنی حق تعالیٰ شانہٗ اس کی سخاوت کی وجہ سے کسی وقت اس سے راضی ہو گئے تو اس کے دریائے

مَغفِرت ورحمت میں عُمر بھر کے فسق وفُجور کی کیا حقیقت ہے۔ وہ سب کچھ مُعاف فرما سکتا ہے۔ ایسی صورت میں میری عُمر بھر کی محنت جو اس سے گناہ صادِر کرانے میں کی تھی، ساری ضائع ہوگئی۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص سخاوت کرتا ہے وہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے ساتھ حُسنِ ظنّ کی وجہ سے کرتا ہے اور جو بُخل کرتا ہے وہ حق تعالیٰ شانُہٗ کے ساتھ بدظنی سے کرتا ہے (کنز) حُسنِ ظنّ کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جس مالک نے یہ عطا فرمایا وہ پھر بھی عطا فرما سکتا ہے۔ اور ایسے شخص کے اللہ سے قریب ہونے میں کیا تردُّد ہے اور بدظنی کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ختم ہوگئے... تو پھر کہاں سے آئیں گے۔ ایسے شخص کا اللہ جَلَّ شانُہٗ سے دور ہونا ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خزانہ کو بھی محدُود سمجھتا ہے۔ حالانکہ آمدنی کے اَسباب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان اسباب سے پیداوار کا ہونا اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ نہ چاہے تو دکاندار ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھا ہے۔ کاشتکار بوئے اور پیداوار نہ ہو اور جبکہ یہ سب اسی کی عطا کی وجہ سے ہے پھر اس کا کیا مطلب کہ پھر کہاں سے آئیگا۔ مگر ہم لوگ زبان سے اس کا اقرار کرنے کے بعد دل سے یہ نہیں سمجھتے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ شانُہٗ ہی کی عطا ہے۔ ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں اور صحابہ کرامؓ دِل سے یہ سمجھتے تھے کہ یہ سب اُسی کی عطا ہے جس نے آج دیا وہ کل بھی دے گا۔ اس لئے ان کو سب کچھ خرچ کر دینے میں ذرا بھی تأمّل نہ ہوتا تھا۔

(۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّخَاءُ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ فَمَنْ كَانَ سَخِيًّا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَالشُّحُّ شَجَرَةٌ فِي النَّارِ فَمَنْ كَانَ شَحِيْحًا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ النَّارَ (رواه البيهقی فی شعب الايمان كذا فی المشكوٰة)

(حضورِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ سخاوت جنّت میں ایک درخت ہے۔ پس جو شخص سخی ہوگا وہ اُس کی ایک ٹہنی پکڑ لے گا، جس کے ذریعہ سے وہ جنّت میں داخل ہو جائے گا، اور بُخل جہنّم کا ایک درخت ہے جو شخص شحیح (بخیل) ہوگا، وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑ لے گا، یہاں تک کہ وہ ٹہنی اُس کو جہنّم میں داخل کر کے رہے گی۔)

ف: شحّ بخل کا اعلیٰ درجہ ہے۔ جیسا کہ پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۲۸ پر گذر چکا ہے۔ مطلب ظاہر ہے کہ جب بخل جہنّم کا درخت ہے تو اس کی ٹہنی پکڑ کر جو شخص چڑھے گا وہ جہنّم ہی میں پہنچے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جنّت میں ایک درخت ہے جس کا نام سخا ہے، سخاوت اسی سے پیدا ہوئی ہے۔ اور جہنّم میں ایک درخت ہے جس کا نام شحّ ہے۔ شحّ اسی سے پیدا ہوا ہے۔ جنّت میں شحیح داخل نہ ہوگا (کنز) یہ پہلے مُتعدِد مرتبہ معلوم ہو چکا کہ شحّ بخل کا اعلیٰ درجہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سخاوت جنّت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں دُنیا میں جُھک رہی ہیں۔ جو شخص اس کی کسی ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے وہ ٹہنی اس کو جنّت تک پہنچا دیتی ہے۔ اور بخل جہنّم کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں دُنیا میں جُھک رہی ہیں۔ جو شخص اس کی کسی ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے وہ ٹہنی اسکو جہنّم تک پہنچا دیتی ہے (کنز) یہ ظاہر چیز ہے کہ جو سڑک اسٹیشن پر جاتی ہے جب آدمی اس سڑک پر چلتا رہے گا تو لامحالہ کسی وقت اسٹیشن پر پہنچے گا۔ اسی طرح سے یہ ٹہنیاں جن درختوں کی ہیں جب ان کو کوئی پکڑ کر چڑھے گا تو جہاں وہ درخت کھڑا ہے وہاں پہنچ کر رہے گا۔

(۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ مَا فِی الرَّجُلِ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ (رواہ ابوداؤد وکذا فی المشکوٰة)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ بدترین عادتیں جو آدمی میں ہوں (دو ہیں) ایک وہ بخل ہے جو بے صبر کر دینے والا ہو۔ دوسرے وہ نامردی اور خوف، جو جان نکال دینے والا ہو۔

ف: ان دو عیبوں کی طرف اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اپنے پاک کلام میں بھی تنبیہ فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰی

وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝
اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝ (معارج، ع ۱) ان آیات شریفہ کا ترجمہ یہ ہے:۔

"بیشک انسان کم ہمت (تھوڑے اور کچے دل کا) پیدا ہوا ہے۔ جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو خیر (مال) پہنچتی ہے، تو بخل کرنے لگتا ہے، مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر پابندی کرنے والے ہیں اور جن کے مالوں میں سوال کرنے والوں کے لئے اور سوال نہ کرنے والوں کے لئے مقررہ حق ہے، اور وہ لوگ جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں، بیشک اُن کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں (یقیناً اس سے ہر شخص کو ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے) اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کو (حرام جگہ سے) محفوظ رکھتے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا باندیوں سے (حفاظت کی ضرورت نہیں) کیوں کہ ان پر ان میں کوئی الزام نہیں (یعنی ان لوگوں پر بیویوں اور باندیوں سے صحبت کرنے میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے) ہاں جو لوگ ان کے علاوہ (اور جگہ شہوت پوری کرنے) کے طلب گار ہوں، وہ حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنے (سپرد کی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہد (قول و قرار) کا خیال رکھنے والے ہوں، اور اپنی گواہیوں کو ٹھیک ادا کرتے ہوں، اور جو اپنی فرض نماز کی پابندی کرنے والے ہوں، یہی لوگ ہیں جو جنتوں میں عزت سے داخل ہوں گے۔" فقط

یہ ان آیات کا ترجمہ ہے اور اس قسم کا پورا مضمون اس کے قریب قریب دوسری جگہ سورۂ مومنون کے شروع میں بھی گذر چکا ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے میرے عمامہ کا سرا پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ عمران حق تعالیٰ شانہٗ کو خرچ کرنا بہت پسند ہے اور روک کر رکھنا ناپسند ہے، تو خرچ کیا کر اور لوگوں کو کھلایا کر۔ کسی کو مضرت نہ پہنچا کہ تجھ پر تیری طلب میں مضرت ہونے لگے گی۔ غور سے سن! حق تعالیٰ شانہٗ شبہات کے وقت تیز نظر کو پسند کرتے ہیں (یعنی جس امر میں جائز ناجائز کا شبہ ہو، اس میں باریک نظر سے کام لینا چاہیئے، ویسے ہی سرسری طور پر جو چاہے کر گذرنا نہ ہو) اور شہوتوں کے وقت کامل عقل کو پسند کرتے ہیں (کہ شہوت کے غلبہ میں عقل نہ کھو دے) اور سخاوت کو پسند کرتے ہیں چاہے چند کھجوریں ہی خرچ

کرے۔ (یعنی اپنی حیثیت کے موافق زیادہ نہ ہوسکے توکم میں شرم نہ کرے جو ہوسکے خرچ کرتا رہے) اور بہادری کو پسند کرتے ہیں چاہے سانپ اور بچھو ہی کے قتل میں کیوں نہ ہو (کنز) لہٰذا ذراسی خوف کی چیز سے ڈر جانا اللہ جلّ شانہٗ کو پسند نہیں ہے۔ اگر دل میں خوف پیدا بھی ہو، تو اس کا اظہار نہ کرنا چاہئے بلکہ قوت کے ساتھ اس کو دفع کرنا چاہیئے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے جو دعائیں اُمّت کی تعلیم کے لئے منقول ہیں، ان میں نامردی سے پناہ مانگنا بھی نقل کیا گیا ہے اور مُتعدد دعاؤں میں اس سے پناہ مانگنا نقل کیا گیا (بخاری)

(۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ۔

(رواہ البیہقی فی الشعب کذا فی المشکوٰۃ)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ وُہ شخص مؤمن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

ف: یقیناً جس شخص کے پاس اتنا ہے کہ وُہ پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے، اور پاس ہی بھوکا پڑوسی ہے تو اس کے لئے ہرگز ہرگز زیبا نہیں کہ خود پیٹ بھر کر کھائے اور وہ غریب بھوک میں تلملاتا رہے۔ ضروری ہے کہ اپنے پیٹ کو کچھ کم پہنچائے اور پڑوسی کی بھی مدد کرے۔ ایک حدیث میں ہے۔ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں، کہ وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا، جو خود پیٹ بھر کر رات گذارے اور اس کو یہ بات معلوم ہے کہ اُس کا پڑوسی اُس کے برابر میں بھوکا ہے (ترغیب) ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں کتنے آدمی ایسے ہوں گے جو اپنے پڑوسی کا دامن پکڑے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے۔ یا اللہ اس سے پوچھ کہ اس نے اپنا دروازہ بند کرلیا تھا اور مجھے اپنی ضرورت سے زائد جو چیز ہوتی تھی وہ بھی نہ دیتا تھا (ترغیب) ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے۔ لوگو صدقہ کرو، مَیں قیامت کے دن اس کی گواہی دونگا۔ شاید تم میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے پاس رات کو سیر ہونے کے بعد بچ رہے اور اس کا چچازاد بھائی بھوک کی حالت میں رات گذارے، تم میں شاید کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو خود تو اپنے مال کو بڑھاتے رہیں اور اُن کا مسکین پڑوسی کچھ نہ کما سکے۔ (کنز)

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ آدمی کے بخل کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں اپنا حق پورا کا پورا لوں گا، اس میں سے ذرا سا بھی نہیں چھوڑوں گا۔ (کنز) یعنی تقسیم وغیرہ میں

رشتہ داروں سے ہو یا پڑوسیوں سے اپنا پورا حق وصول کرنے کی فکر میں لگا ہے، ذرا ذرا سی چیز پر کنج و کاؤ کرے، یہ بھی بخل کی علامت ہے۔ اگر تھوڑا بہت دوسرے کے پاس چلا ہی جائے گا، تو اس میں کیا مر جائے گا۔

(۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُذِّبَتْ اِمْرَأَةٌ فِیْ هِرَّةٍ اَمْسَكَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاْكُلَ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ (متفق علیه كذا فی المشكوٰة)

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ ایک عورت کو اس پر عذاب کیا گیا کہ اُس نے ایک بلّی کو باندھ رکھا تھا۔ جو بھوک کی وجہ سے مر گئی۔ نہ تو اس نے اس کو کھانے کو دیا، نہ اُس کو چھوڑا کہ وہ زمین کے جانوروں (چوہے وغیرہ) سے اپنا پیٹ بھر لیتی۔

ف: جو لوگ جانوروں کو پالتے ہیں، ان کی ذمہ داری بہت سخت ہے، کہ وہ بے زبان جانور اپنی ضروریات کو ظاہر بھی نہیں کر سکتے، ایسی حالت میں ان کے کھانے پینے کی خبر گیری بہت اہم اور ضروری ہے۔ اس میں بخل سے کام لینا اپنے آپکو عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے تیار کرنا ہے۔ بہت سے آدمی جانوروں کے پالنے کا تو بڑا شوق رکھتے ہیں لیکن اُن کے گھاس دانہ پر خرچ کرتے ہوئے جان نکلتی ہے۔
حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے مختلف احادیث میں مختلف عنوانات سے یہ مضمون نقل کیا گیا کہ ان جانوروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔
ایک مرتبہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک اونٹ نظرِ اقدس سے گذرا جس کا پیٹ کمر سے لگ رہا تھا۔ (بھوک کی وجہ سے یا دُبلے پن کی وجہ سے) حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اِن بے زبان جانوروں کے بارہ میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ ان کی اچھی حالت میں اُن پر سوار ہوا کرو، اور اچھی حالت میں ان کو کھایا کرو۔
حضورؐ کی عادت شریفہ تھی کہ استنجے کے لیے جنگل تشریف لے جایا کرتے۔ کسی باغ میں یا کسی ٹیلہ وغیرہ کی آڑ میں ضرورت سے فراغت حاصل کرتے۔ ایک مرتبہ اس ضرورت سے ایک باغ میں تشریف لے

گئے۔ تو وہاں ایک اُونٹ تھا جو حضورؐ کو دیکھ کر بڑبڑانے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے (ایک معروف چیز ہے کہ ہر مصیبت زدہ کا کسی غم خوار کو دیکھ کر دِل بھر آیا کرتا ہے) حضورؐ اس کے پاس تشریف لے گئے، اُس کے کانوں کی جڑ پر شفقت کا ہاتھ پھیرا جس سے وُہ چُپکا ہُوا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس اُونٹ کا مالک کون ہے۔ ایک انصاری تشریف لائے، اور عرض کیا کہ میرا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم اس اللہ سے جس نے تمہیں اس کا مالک بنایا، ڈرتے نہیں ہو، یہ اُونٹ تمہاری شکایت کرتا ہے کہ تم اسکو بُھوکا رکھتے ہو، اور کام زیادہ لیتے ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے ایک گدھے کو دیکھا کہ اُس کے منہ پر داغ دیا گیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم کو اتنک یہ معلوم نہیں کہ مَیں نے اِس شخص پر لعنت کی ہے جو جانور کے مُنہ کو داغ دے یا مُنہ پر مارے اُبُوداؤد شریف میں یہ رِوایات ذِکر کی گئیں۔ ان کے عِلاوہ اور بھی مُختلف رِوایات میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جانوروں کی خبر گیری میں کوتاہی نہ کی جائے۔ اور جب جانوروں کا یہ حال ہے اور اُن کے بارہ میں تنبیہات ہیں تو آدمی جو اشرف المخلوقات ہے، اس کا حال اَظہر ہے اَور زیادہ اہم ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ جس کی روزی اپنے ذمہ ہے اس کو ضائع کرے۔ اس لئے اگر کسی جانور کو اپنی کسی ضرورت سے روک رکھا ہے تو اس کے کھانے میں کنجوسی کرنا اور یہ سمجھنا کہ کون جانے کس کو خبر ہوگی، اپنے اُوپر سخت ظلم ہے، جاننے والا سب کچھ جانتا ہے، اور لکھنے والے ہر چیز کی رپورٹ لکھتے ہیں، چاہے کتنی ہی مخفی کی جائے۔ اور یہ آفت بُخل سے آتی ہے کہ جانوروں کو اپنی ضرورت سے، سواری کی ہو یا کھیتی کی، دُودھ کی ہو یا کوئی اور کام لینے کی ہو، پالتے ہیں لیکن کنجوسی سے اُن پر پیسہ خرچ کرتے ہوئے دم نکلتا ہے۔

(۹) عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُجَاءُ بِابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَنَّهٗ بَذَجٌ فَيُوْقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ لَهٗ اَعْطَيْتُكَ وَخَوَّلْتُكَ وَاَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَمَا صَنَعْتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَثَمَّرْتُهٗ وَتَرَكْتُهٗ اَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِيْ اٰتِكَ

حضورِ اقدس صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد نقل کیا گیا کہ قیامت کے دن آدمی ایسا (ذلیل وضعیف) لایا جائے گا، جیسا کہ بھیڑ کا بچہ ہوتا ہے اور اللہ جَلّ جلالہٗ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ ارشاد ہوگا کہ میں نے تجھے مال عطا کیا، حَشَم وخَدَم دیئے، تجھ پر نعمتیں برسائیں۔ تُو نے ان سب اِنعامات میں کیا کارگذاری کی۔ وہ عرض کرے گا کہ مَیں نے خوب مال جمع کیا، اُس کو (اپنی کوشش سے) بہت

بِهٖ كُلِّهٖ فَيَقُوْلُ اَرِنِيْ مَا قَدَّمْتَ فَيَقُوْلُ رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَ ثَمَّرْتُهٗ وَ تَرَكْتُهٗ اَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِيْ اٰتِكَ بِهٖ كُلِّهٖ فَاِذَا عَبْدٌ لَّمْ يُقَدِّمْ خَيْرًا فَيَمْضِيْ بِهٖ اِلَى النَّارِ۔ (رواہ الترمذی وضعفہ کذا فی المشکوٰۃ)

بڑھایا اور جتنا شروع میں میرے پاس تھا، اُس سے بہت زیادہ کرکے چھوڑ آیا، آپ مجھے دُنیا میں واپس کر دیں، مَیں وہ سب آپکی خدمت میں حاضر کردوں ارشاد ہوگا مجھے تو وہ بتا جو تُونے زندگی میں (ذخیرہ کے طور پر آخرت کے لئے) آگے بھیجا ہو۔ وہ پھر اپنا پہلا کلام دہرائے گا کہ میرے پروردگار میں نے اس کو خُوب جمع کیا اور خوب بڑھایا اور جتنا شروع میں تھا اُس سے بہت زیادہ کرکے چھوڑ آیا۔ آپ مجھے دُنیا میں واپس کر دیں۔ میں وہ سب لے کر حاضر ہوں (یعنی خوب صدقہ کروں تاکہ وہ سب یہاں میرے پاس آجائے۔) چوں کہ اس کے پاس کوئی ذخیرہ ایسا نہ نکلے گا جو اُس نے اپنے لئے آگے بھیج دیا ہو۔ اس لئے اس کو جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔"

ف: ہم لوگ تجارت میں، زراعت میں اور دوسرے ذرائع سے روپیہ کمانے میں جتنی محنت اور دردسری کرکے جمع کرتے ہیں، وہ سب اسی لئے ہوتا ہے کہ کچھ ذخیرہ اپنے پاس موجود رہے جو ضرورت کے وقت کام آئے، نہ معلوم کس وقت کیا ضرورت پیش آجائے لیکن جو اصل ضرورت کا وقت ہے اور اس کا پیش آنا بھی ضروری اور اس میں اپنی سخت اِحتیاج بھی ضروری ہے، اور یہ بھی یقینی کہ اس وقت صرف وہی کام آئے گا جو اپنی زندگی میں خدائی بنک میں جمع کر دیا گیا ہو، کہ وہ تو جمع شدہ ذخیرہ بھی پورا کا پورا ملے گا اور اس میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے اِضافہ بھی ہوتا رہیگا۔ لیکن اس کی طرف بہت ہی کم اِلتفات کرتے ہیں۔ حالانکہ دُنیا کی یہ زندگی چاہے کتنی ہی زیادہ ہوجائے بہرحال ایک دن ختم ہوجانے والی ہے۔ اور آخرت کی زندگی کبھی بھی ختم ہونیوالی نہیں ہے۔ دُنیا کی زندگی میں اگر اپنے پاس سرمایہ نہ رہے تو اس وقت محنت مزدوری بھی کی جاسکتی ہے، بھیک مانگ کر بھی زندگی کے دن پورے کئے جاسکتے ہیں لیکن آخرت کی زندگی میں کوئی صورت کمائی کی نہیں ہے، وہاں صرف وہی کام آئے گا جو ذخیرہ کے طور

پر آگے بھیج دیا گیا۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہے کہ میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اس کی دونوں جانب تین سطریں سونے کے پانی سے لکھی ہوئی دیکھیں۔ پہلی سطر میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا تھا، دوسری سطر میں مَا قَدَّمْنَا وَجَدْنَا وَمَآ اَکَلْنَا رَبِحْنَا وَمَا خَلَّفْنَا خَسِرْنَا لکھا تھا (جو ہم نے آگے بھیج دیا وہ پالیا اور جو دُنیا میں کھایا وہ نفع میں رہا اور جو کچھ چھوڑ آئے وہ نقصان میں رہا)، اور تیسری سطر میں لکھا تھا اُمَّۃٌ مُّذْنِبَۃٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ط (اُمت گنہگار اور رب بخشنے والا ہے)۔ (برکاتِ ذکر)

پہلی فصل کی آیات میں نمبر۶ پر گذر چکا ہے کہ اس دن نہ تجارت ہے، نہ دوستی نہ سفارش۔ اسی فصل میں نمبر۳ پر اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ارشاد گذرا ہے کہ ہر شخص یہ دیکھ لے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو فرشتے تو یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ذخیرہ اپنے حساب میں جمع کرایا؟ کیا چیز کل کے لئے بھیجی؟ اور آدمی یہ پوچھتے ہیں، کیا مال چھوڑا۔ (مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تم میں کون شخص ایسا ہے جس کو اپنے وارث کا مال، اپنے سے زیادہ محبوب ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنا مال اپنے وارث سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا۔ آدمی کا اپنا مال وہ ہے جو اُس نے آگے بھیج دیا اور جو چھوڑ گیا، وہ اس کا مال نہیں، اس کے وارث کا مال ہے۔ (مشکوٰۃ عن البخاری)

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہے کہ آدمی کہتا ہے، میرا مال، میرا مال۔ اُس کے مال میں سے اس کے لئے صرف تین چیزیں ہیں۔ ۱ جو کھا کر ختم کردیا، ۲ یا پہن کر پُرانا کردیا، ۳ یا اللہ کے یہاں اپنے حساب میں جمع کرادیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اُس کا مال نہیں ہے، لوگوں کے لئے چھوڑ جائیگا (مشکوٰۃ)

اور بڑا لُطف یہ ہے کہ آدمی اکثر ایسے لوگوں کے لئے جمع کرتا ہے، محنت اُٹھاتا ہے مصیبت جھیلتا ہے تنگی برداشت کرتا ہے، جن کو وہ اپنی خواہش سے ایک پیسہ دینے کا روادار نہیں ہے۔ لیکن جمع کر کے چھوڑ جاتا ہے، اور مُقدّرات انہی کو سارے کا وارث بنادیتے ہیں جن کو وہ ذرا سا بھی دینا نہ چاہتا تھا۔

اَرطاۃ بن سہیتہ کا جب اِنتقال ہونے لگا تو انہوں نے چند شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"آدمی کہتا ہے کہ میں نے بہت مال جمع کیا، لیکن اکثر کمانے والا دوسروں کے یعنی وارثوں کے لئے جمع کرتا ہے، وہ خود تو اپنی زندگی میں اپنا بھی حساب لیتا رہتا ہے،

کہ کتنا کہاں خرچ ہوا، کتنا کہاں ہوا۔ لیکن بعد میں ایسے لوگوں کی لوٹ کے لئے چھوڑ جاتا ہے جن سے حساب بھی نہیں لے سکتا کہ سارا کہاں اُڑا دیا۔ پس اپنی زندگی میں کھائے اور کھلاوے اور بخیل وارث سے چھین لے۔ آدمی خود تو مرنے کے بعد نامراد رہتا ہے (کوئی اسکو اس مال میں یاد نہیں رکھتا) دوسرے لوگ اس کو کھاتے اُڑاتے ہیں۔ آدمی خود تو اس مال سے محروم ہو جاتا ہے اور دوسرے لوگ اس سے اپنی خواہشات پوری کرتے ہیں" (اتحاف)

ایک حدیث میں یہ قصہ جو اُوپر کی حدیث میں ذکر کیا گیا، دوسرے عنوان سے وارد ہوا کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے دریافت فرمایا۔ تم میں کوئی ایسا ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم میں ہر شخص ایسا ہی ہے جس کو اپنا مال زیادہ محبوب ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ سوچ کر کہو، دیکھو کیا کہہ رہے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم تو ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ ہم میں ہر شخص کو اپنا مال زیادہ محبوب ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا، حضورؐ یہ کس طرح۔ حضورؐ نے فرمایا، تمہارا مال وہ ہے جو آگے بھیج دیا، اور وارث کا مال وہ ہے جو پیچھے چھوڑ گیا۔ (کنز) یہاں ایک بات یہ بھی قابلِ لحاظ ہے، کہ ان روایات کا مقصد وارثوں کو محروم کرنا نہیں ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے خود اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ فتح مکّہ کے زمانہ میں ایسے سخت بیمار ہوئے کہ زیست کی اُمید نہ رہی۔ حضورؐ عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ حضورؐ میرے پاس مال زیادہ ہے اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے سارے مال کی وصیّت کر دوں (کہ اُس وقت اُنکی اولاد صرف ایک بیٹی ہی تھی اور اُس کا تکفّل اس کے خاوند کے ذمہ) حضورؐ نے منع فرما دیا۔ انہوں نے دو تہائی کی اجازت چاہی۔ حضورؐ نے اس کا بھی انکار فرما دیا، پھر نصف کی درخواست بھی قبول نہیں فرمائی، تو انہوں نے ایک تہائی وصیّت کی اجازت چاہی۔ حضورؐ نے اسکی اجازت فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ ایک تہائی بھی بہت ہے۔ تم اپنے وارثوں کو (یعنی مرنے کے وقت جو بھی ہوں، چنانچہ اس واقعہ کے بعد اور بھی اولاد ہو گئی تھی) غنی چھوڑو، یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو فقیر چھوڑو کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ جو خرچ اللہ کے واسطے کیا جائے وہ ثواب کا موجب ہے، حتّٰی کہ اللہ کے لئے اگر ایک لقمہ بیوی کو دیا جائے تو اس پر بھی اجر ہے۔ (مشکوٰۃ عن الصحیحین)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کا یہ قصہ پہلی حدیث یعنی "تم میں سے کون ایسا ہے کہ اس کو وارث کا مال محبوب ہو" کے مُنافی نہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث کا مقصد اپنی صحت اور ضرورت کے وقت میں صدقہ کرنے کی ترغیب ہے اور حضرت سعدؓ کے قصہ میں مَرَضُ الْموت میں سارا یا اکثر حصہ مال کا وصیت کرنا مقصود ہے (فتح)۔ بندۂ ناکارہ کے نزدیک صرف یہی نہیں بلکہ وارثوں کو نقصان پہنچانے کے ارادہ سے وصیت کرنا مُوجبِ عِتاب وعِقاب ہے۔ حضورؐ کا پاک اِرشاد ہے کہ بعض مرد اور عورت اللہ کی فرمانبرداری میں ساٹھ سال گذارتے ہیں اور جب مرنے کا وقت آتا ہے تو وصیت میں نقصان پہنچاتے ہیں، جس کی وجہ سے جہنم کی آگ اُن کے لئے ضروری ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کی تائید میں حضرت اَبُوہریرہؓ نے قرآن پاک کی آیت مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ (نساء، ع ۲) پڑھی جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں جو وَرثہ کو تقسیم مال کی تفصیل بیان ہوئی ہے وہ وصیت کے بقدر مال نکالنے کے بعد ہے۔ اور اگر اس کے ذمہ قرض ہو تو قرض کی مقدار بھی وضع کرنے کے بعد اس حال میں کہ وصیت کرنے والا کسی وارث کو ضرر نہ پہنچائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو کسی وارث کی میراث کو قطع کرے، اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کی میراث کو جنّت سے قطع کرے گا (مشکوٰۃ) لہٰذا اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیئے کہ وصیت اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے میں یہ ارادہ اور نیت ہرگز نہ ہو، کہ کہیں فلاں وارث نہ بن جائے۔ بلکہ ارادہ اور نیت اپنی ضرورت کا پورا کرنا، اپنے لئے ذخیرہ بنانا ہو۔ آدمی کے اِرادہ اور نیت کو عبادات میں بہت زیادہ دخل ہے۔ حضورؐ کا پاک اِرشاد جو بہت زیادہ مشہور ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کہ اعمال کا مدار نیت اور ارادہ پر ہے۔" نماز جیسی اہم عبادت اللہ کے واسطے پڑھی جائے، تو کتنی زیادہ مُوجِبِ اجر، مُوجِبِ ثواب، موجبِ قُربت کہ کوئی دوسری عبادت اس کے برابر نہیں۔ یہی چیز ریا کاری اور دکھاوے کے واسطے پڑھی جائے تو شرکِ اَصغر اور وبال بن جائے۔ اس لئے خالص نیت اللہ کی رضا اور اپنی ضرورت میں کام آنا ہونا چاہیئے۔ جس کی بہترین صورت یہ ہے کہ اپنی زندگی میں، اپنی تندرستی میں، اس حالت میں جب کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ میں پہلے مروں گا یا وارث پہلے مرجائے گا اور کون وارث ہوگا کون نہ ہوگا، ایسے وقت میں خرچ کرے اور خُوب خرچ کرے۔ جتنا زیادہ سے زیادہ صدقہ کر سکتا ہے، کرے۔ وصیت کرے، وقف کرے، اور جن مَواقع خیر میں زیادہ ثواب کی اُمید ہو، ان کی

فکر و جستجو میں رہے۔ یہ نہیں کہ اپنے وقت میں تو بخل کرے اور جب مرنے لگے تو سخی بن جائے۔ جیسا کہ حضورؐ کا پاک اِرشاد پہلی فصل کی احادیث میں نمبر ۵ پر گذر چکا ہے افضل صدقہ وہ ہے جو حالتِ صحت میں کیا جائے نہ یہ کہ جب جان نکلنے لگے تو کہے کہ اتنا فلاں کا، اتنا فلاں کا۔ حالانکہ مال فلاں کا (یعنی وارث کا) ہو گیا۔

خُوب سمجھ لو! میں سب سے پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرتا ہوں، اس کے بعد اپنے دوستوں کو، کہ ساتھ جانے والا صرف وہی مال ہے جس کو اللہ کے بینک میں جمع کر دیا۔ اور جس کو جمع کر کے اور خُوب زیادہ بڑھا کر چھوڑ دیا وہ اپنے کام نہیں آتا۔ بعد میں نہ کوئی ماں باپ یاد رکھتا ہے، نہ بیوی اولاد پوچھتے ہیں۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللہ شاذ و نادر ہی کوئی پوچھنا ہو ورنہ کسی حال میں پوچھنا ہی کیا اپنے کام آتا ہے۔ ان سب کی ساری محبّتوں کا خلاصہ دو چار دن ہائے ہائے کرنا ہے۔ اور پانچ سات مُفت کے آنسو بہانا ہے۔ اگر ان آنسوؤں میں بھی پیسے خرچ کرنا پڑیں تو یہ بھی نہ رہیں۔

یہ خیال کہ اولاد کی خیر خواہی کی وجہ سے مال کو جمع کر کے چھوڑنا ہے، نفس کا محض دھوکا ہے۔ صرف مال جمع کر کے اُن کے لئے چھوڑ جانا، اُن کے ساتھ خیر خواہی نہیں ہے بلکہ شاید بدخواہی بن جائے۔ اگر واقعی اولاد کی خیر خواہی مقصود ہے، اگر واقعی یہ دِل چاہتا ہے کہ وہ اپنے مرنے کے بعد پریشان حال، ذلیل و خوار نہ پھریں تو اُن کو مال دار چھوڑنے سے زیادہ ضروری اُن کو دیندار چھوڑنا ہے، کہ بددینی کے ساتھ مال بھی اوّلاً اُن کے پاس باقی نہ رہے گا، چند یوم کی لذّات و شہوات میں اڑ جائے گا اور اگر رہا بھی تو اپنے کسی کام کا نہیں ہے۔ اور دینداری کے ساتھ اگر مال نہ بھی ہو تو اُنکی دینداری اُن کے لئے بھی کام آنیوالی چیز ہے اور اپنے لئے بھی کام آنے والی چیز ہے اور مال میں سے تو اپنے کام آنے والا صرف وہی ہے جو ساتھ لے گیا۔

حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ کا اِرشاد ہے کہ حق تعالیٰ شَانُہٗ نے دو غنی اور دو فقیروں کو وفات دی۔ اس کے بعد ایک غنی سے مطالبہ فرمایا کہ اپنے واسطے آگے کیا بھیجا اور اپنے عیال کے واسطے کیا چھوڑ کر آیا۔ اُس نے عرض کیا یا اللہ! تُو نے مجھے بھی پیدا کیا، اور ان کو بھی تو نے ہی پیدا کیا اور ہر شخص کی روزی کا تو نے ہی ذمّہ لیا اور تُو نے قرآن پاک میں فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللہَ قَرْضًا حَسَنًا ط (پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۵ پر گذر چکی ہے) اس بنا پر میں نے اپنا مال آگے بھیج دیا اور مجھے یہ بات مُحَقَّق تھی کہ آپ ان کو روزی دیں ہی گے۔ اِرشاد ہوا اچھا جاؤ۔ اگر تمہیں (دُنیا میں) معلوم ہو جاتا کہ تمہارے لئے میرے پاس کیا کیا (اِنعام و اِکرام) ہے تو دُنیا میں بہت خوش ہوتے اور بہت کم رنجیدہ ہوتے۔

اس کے بعد دوسرے غنی سے مطالبہ ہوا کہ تونے کیا اپنے لئے بھیجا اور کیا عیال کے لئے چھوڑا۔ اُس نے عرض کیا۔ یا اللہ! میری اولاد تھی مجھے ان کی تکلیف اور فقر کا ڈر ہوا۔ ارشاد ہوا کہ کیا میں نے ہی تجھ کو اور اُنکو سب کو پیدا نہ کیا تھا، کیا میں نے سب کی روزی کا ذمّہ نہیں اُٹھایا تھا؟ اُس نے عرض کیا۔ یا اللہ بیشک ایسا ہی تھا لیکن مجھے اُن کے فقر کا خوف ہی بہت ہوا۔ ارشاد ہوا کہ فقر تو اُن کو پہنچا، کیا تونے اس کو ان سے روک دیا۔ اچھا جا۔ اگر تجھے (دُنیا میں) معلوم ہو جاتا کہ تیرے لئے میرے پاس کیا کیا (عذاب) ہے تو بہت کم ہنستا اور بہت زیادہ روتا۔

پھر ایک فقیر سے مطالبہ ہوا کہ تونے کیا اپنے لئے جمع کیا اور کیا عیال کے لئے چھوڑا۔ اُس نے عرض کیا۔ یا اللہ! آپ نے مجھے صحیح سالم تندرست پیدا کیا، اور گویائی بخشی۔ اپنے پاک نام مجھے سکھائے، اپنے سے دُعا کرنا سکھایا۔ اگر آپ مجھے مال دے دیتے تو مجھے یہ اندیشہ تھا کہ میں اس میں مشغول ہو جاتا میں اپنی اس حالت پر جو تھی، بہت راضی ہوں۔ ارشاد ہوا کہ اچھا جاؤ، میں بھی تم سے راضی ہوں۔ اگر تمہیں دُنیا میں معلوم ہو جاتا کہ تمہارے لئے میرے پاس کیا ہے تو بہت زیادہ ہنستے اور بہت کم روتے۔

پھر دوسرے فقیر سے مطالبہ ہوا کہ تونے اپنے لئے کیا بھیجا اور عیال کے لئے کیا چھوڑا۔ اس نے عرض کیا۔ یا اللہ! آپ نے مجھے دیا ہی کیا تھا جس کا اب سُوال ہے۔ ارشاد ہوا۔ کیا ہم نے تجھے صحت نہ دی تھی، گویائی نہ دی تھی، کان، آنکھ نہ دیئے تھے، اور قرآن پاک میں یہ نہ کہا تھا اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ "مجھ سے دعائیں مانگو، میں قبول کروں گا"؟ اُس نے عرض کیا۔ یا اللہ! یہ تو بیشک سب صحیح ہے، مگر مجھ سے بُھول ہوئی۔ ارشاد ہوا کہ اچھا آج ہم نے بھی تجھے بُھلا دیا۔ جا چلا جا۔ اگر تجھے خبر ہوتی کہ تیرے لئے ہمارے یہاں کیا کیا عذاب ہے تو بہت کم ہنستا اور بہت زیادہ روتا۔ (کنز)

⑩ عَنْ عُمَرَ رض عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَکِرُ مَلْعُوْنٌ۔ (رواہ ابن ماجۃ والدارمی کذا فی المشکوٰۃ)

حضرت عمر رضؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص رزق (غلّہ وغیرہ) باہر سے لائے (تاکہ لوگوں کو ارزاں دے) اس کو روزی دی جاتی ہے، اور جو شخص روک کر رکھے وہ ملعون ہے۔

ف: فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحؒ فرماتے ہیں کہ باہر سے لانے والے سے وہ شخص مراد ہے جو تجارت کی

غرض سے دوسرے شہروں سے غلہ خرید کر لائے تاکہ لوگوں کے ہاتھ ارزاں فروخت کرے تو اُس کو (اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے) روزی دی جاتی ہے. کیونکہ لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں، اُن کی دُعائیں اسکو لگتی ہیں۔ اور روکنے والے سے وہ شخص مراد ہے جو روکنے کی نیت سے خرید کر رکھے اور لوگوں کو اُس سے نقصان پہنچے (تنبیہ الغافلین) یعنی گرانی کے انتظار میں روکے رکھے اور باوجود لوگوں کی حاجت کے فروخت نہ کرے اس پر لعنت ہے. یعنی بخل اور لالچ اور نفع کمانے کی غرض سے غلہ وغیرہ جن چیزوں کی لوگوں کو اپنی زندگی کے لئے احتیاج ہے، خرید کر روکے رکھے اور گرانی کی زیادتی کا دن بدن انتظار کرتا رہے، اس پر حضورؐ کی طرف سے لعنت کی گئی۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص مسلمانوں پر اُن کے کھانے کو چالیس دن تک (باوجود سخت احتیاج کے) روکے رکھے (فروخت نہ کرے) حق تعالیٰ شانہٗ اس کو کوڑھ کے مرض میں اور افلاس میں مبتلا کرتے ہیں (مشکوٰۃ) اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا ہے اور فقر میں مبتلا کرتا ہے اُس پر بدنی عذاب (کوڑھ) بھی مسلط ہوتا ہے اور مالی عذاب افلاس و فقر بھی۔ اور اس کے بالمقابل پہلی حدیث میں گذر چکا کہ جو دوسری جگہ سے لاکر ارزانی سے فروخت کرتا ہے، اللہ جلّ شانہٗ خود اس کو روزی اور نفع پہنچاتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ غلہ روکنے والا بھی کیسا بُرا آدمی ہے کہ اگر نرخ ارزاں ہوتا ہے تو تو اس کو رنج ہوتا ہے اور گراں ہوتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص چالیس دن، (احتیاج کے باوجود) غلہ روکے رکھے، (فروخت نہ کرے) پھر اس کو لوگوں پر صدقہ کر دے تو یہ صدقہ کرنا بھی اس روکنے کا کفّارہ نہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ) ایک حدیث میں آیا کہ پہلی اُمتوں میں ایک بزرگ ریت کے ایک ٹیلہ پر کو گذرے۔ گرانی کا زمانہ تھا۔ وہ اپنے دِل میں یہ تمنّا کرنے لگے، کہ اگر یہ ریت کا ٹیلہ غلّہ کا ڈھیر ہوتا تو میں اس سے بنی اسرائیل کو خوب کھِلاتا۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اُس زمانہ کے نبی علیٰ نبیّنا و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر وحی ارسال کی کہ فلاں بزرگ کو بشارت سُنا دو کہ ہم نے تمہارے لئے اِتنا ہی اجر و ثواب لکھ دیا جتنا کہ یہ ٹیلہ غلّہ کا ہوتا اور تم اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے (تنبیہ الغافلین)

حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں ثواب کی کمی نہیں ہے اس کو اجر و ثواب دینے کے لئے نہ ذخیرہ کی ضرورت ہے، نہ آمدنی اور کمائی کی۔ اس کے ایک اشارہ میں ساری دُنیا کی پیداوار ہے۔ وہاں لوگوں کا عمل اور

اِخلاص دیکھا جاتا ہے اور جو اس کی مخلوق پر رحمت و شفقت کرتا ہے، اُس پر رحمت و شفقت میں وہاں کوئی کمی نہیں۔

(حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمادیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں چھ چیزوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ سب سے پہلی چیز اللہ پر بھروسہ اور یقین ان چیزوں کا جن کا اللہ جل شانہٗ نے خود ذمہ لے رکھا ہے۔ (مثلاً روزی وغیرہ) دوسرے اللہ کے فرائض کو اپنے اپنے وقت پر ادا کرنا، تیسرے زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہے۔ چوتھے شیطان کا کہا نہ ماننا، وہ ساری مخلوق سے حسد رکھتا ہے۔ پانچویں دُنیا کے آباد کرنے میں مشغول نہ ہونا کہ وہ آخرت کو برباد کرے گی۔ چھٹے مسلمانوں کی خیر خواہی کا ہر وقت خیال رکھنا۔)

(فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کی سعادت کی گیارہ علامتیں ہیں اور اس کی بدبختی کی بھی گیارہ علامات ہیں۔ سعادت کی گیارہ علامات یہ ہیں:۔ (۱) دُنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت کرنا (۲) عبادت اور تلاوتِ قرآن کی کثرت (۳) فضول بات سے احتراز (۴) نماز کا اپنے اوقات پر خصوصی اہتمام (۵) حرام چیز سے چاہے ادنیٰ درجہ کی حرام ہو بچنا (۶) صُلحاء کی صحبت اختیار کرنا (۷) مُتواضع رہنا، تکبُّر نہ کرنا (۸) سخی اور کریم ہونا (۹) اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنا (۱۰) مخلوق کو نفع پہنچانا (۱۱) موت کو کثرت سے یاد کرنا۔)

(اور بدبختی کی علامات یہ ہیں۔ (۱) مال کے جمع کرنے کی حرص (۲) دُنیوی لذتوں اور شہوتوں میں مشغولی۔ (۳) بے حیائی کی گفتگو اور بہت بولنا (۴) نماز میں سستی کرنا (۵) حرام اور مُشتبہ چیزوں کا کھانا اور فاسق فاجر لوگوں سے میل جول (۶) بدخُلق ہونا۔ (۷) مُتکبر اور فخر کرنے والا ہونا۔ (۸) لوگوں کے نفع پہنچانے سے یکسو رہنا (۹) مسلمانوں پر رحم نہ کرنا (۱۰) بخیل ہونا (۱۱) موت سے غافل ہونا (تنبیہ الغافلین)

بندۂ ناکارہ کے نزدیک ان سب کی جڑ موت کو کثرت سے یاد رکھنا ہے۔ جب وہ ہر وقت یاد آتی رہے گی، تو پہلی گیارہ علامات اِن شاء اللہ پیدا ہو جائیں گی، اور دوسری گیارہ سے بچاؤ حاصل ہو جائے گا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ لذتوں کی توڑنے والی موت کو، کثرت سے یاد کیا کرو (مشکوٰۃ)

(۱۱) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ تُوُفِّیَ رَجُلٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ فَقَالَ رَجُلٌ اَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو مجمع میں سے کسی نے انکو بظاہر حالات کے اعتبار سے جنتی بتایا۔ حضورؐ نے فرمایا۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّهٗ تَكَلَّمَ فِيْمَا لَا يَعْنِيْهِ أَوْ بَخِلَ فِيْمَا لَا يَنْقُصُهٗ (رواه الترمذی کذا فی المشکوٰۃ)

تمہیں کیا خبر ہے، ممکن ہے کبھی انہوں نے بیکار بات زبان سے کوئی نکال دی ہو، یا کبھی ایسی چیز میں بخل کیا ہو، جس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔

ف: یعنی یہ چیزیں بھی ابتداءً جنت میں جانے سے مانع بن جاتی ہیں، حالانکہ بیکار باتوں میں منہمک رہنا اور فضول گفتگو میں اوقات ضائع کرنا ہم لوگوں کا ایسا دلچسپ مشغلہ ہے کہ شاید ہی کسی کی کوئی مجلس اس سے خالی ہوتی ہو۔ لیکن حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شفقت اور رحمت عَلَی الْاُمَّت کے قربان کہ حضورؐ نے ہر مشکل کا حل بتایا اور تیئس ۲۳ برس کے قلیل زمانہ میں ساری دنیا کی ہر قسم کی ضرورتوں کا حل تجویز فرمایا۔ حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ مجلس کا کفارہ یہ دعا ہے، مجلس ختم ہونے کے بعد اٹھنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لیا کرے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔ (حصن حصین)

دوسری چیز حدیثِ بالا میں وہی بخل ہے کہ شاید ایسی چیز میں بخل کر لیا ہو جس سے کوئی نقصان نہیں تھا۔ ایک اور حدیث میں یہ قصہ ذرا تفصیل سے آیا ہے اس میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ شاید کسی لایعنی چیز میں گفتگو کر لی ہو یا کسی لایعنی چیز میں بخل کر لیا ہو (کنز) ہم لوگ بہت سی چیزوں کو بہت سرسری سمجھتے ہیں لیکن اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں ثواب کے اعتبار سے بھی اور عذاب کے اعتبار سے بھی ان کا بہت اونچا درجہ ہوتا ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا کی کوئی بات زبان سے نکالتا ہے جس کو وہ کچھ اہم بھی نہیں سمجھتا، لیکن اس کی وجہ سے اس کے درجات بہت بلند ہو جاتے ہیں۔ اور کوئی کلمہ اللہ کی ناراضی کا کہہ دیتا ہے جس کی پرواہ بھی نہیں کرتا۔ لیکن اس کی وجہ سے جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ اتنا نیچے پھینک دیا جاتا ہے جتنی مشرق سے مغرب دور ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۱۲) عَنْ مَوْلًى لِعُثْمَانَ قَالَ أُهْدِيَ لِأُمِّ سَلَمَةَ رض بَضْعَةٌ مِّنْ لَحْمٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں کسی شخص نے گوشت کا ایک ٹکڑا (پکا ہوا) ہدیہ کے طور پر پیش کیا، چونکہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ اللَّحْمُ فَقَالَتْ لِلْخَادِمِ ضَعِيْهِ فِي الْبَيْتِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ فَوَضَعَتْهُ فِي كُوَّةِ الْبَيْتِ وَجَاءَ سَائِلٌ فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ تَصَدَّقُوْا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكُمْ فَقَالُوْا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ فَذَهَبَ السَّائِلُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أُمَّ سَلَمَةَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ أَطْعَمُهُ فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ لِلْخَادِمِ اِذْهَبِيْ فَأْتِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ اللَّحْمِ فَذَهَبَتْ فَلَمْ تَجِدْ فِي الْكُوَّةِ اِلَّا قِطْعَةَ مَرْوَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ ذٰلِكَ اللَّحْمَ عَادَ مَرْوَةً لِمَا لَمْ تُعْطُوْهُ السَّائِلَ (رواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ کذا فی المشکوٰۃ)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو گوشت کا بہت شوق تھا اس لئے حضرت اُمِّ سلمہؓ نے خادمہ سے فرمایا کہ اس کو اندر رکھ دے ، شاید کسی وقت حضورؐ نوش فرمالیں ۔ خادمہ نے اس کو اندر طاق میں رکھ دیا ۔ اس کے بعد ایک سائل آیا ، اور دروازے پر کھڑے ہوکر سوال کیا کہ کچھ اللہ کے واسطے دو، اللہ جَلَّ شانُہٗ تمہارے یہاں برکت فرمائے گھر میں سے جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے (یہ اشارہ تھا کہ کوئی چیز دینے کے لئے موجود نہیں) وہ سائل تو چلا گیا ۔ اتنے میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ اُمِّ سلمہؓ میں کچھ کھانا چاہتا ہوں ، کوئی چیز تمہارے یہاں ہے؟ حضرت اُمِّ سلمہؓ نے خادمہ سے فرمایا کہ جاؤ وہ گوشت حضورؐ کی خدمت میں پیش کرو۔ وہ اندر گئیں اور جاکر دیکھا کہ طاق میں گوشت تو ہے نہیں ، سفید پتھر کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا ہے (حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو واقعہ معلوم ہوا تو) حضورؐ نے فرمایا تم نے وہ گوشت چونکہ سائل (فقیر) کو نہ دیا اس لئے وہ گوشت پتھر کا ٹکڑا بن گیا ۔

ف : بڑی عبرت کا مقام ہے ۔ اَزْواجِ مُطَہَّرات کی سخاوت اور فیاضی کا کوئی کیا مقابلہ کرسکتا

ہے۔ ایک ٹکڑا گوشت کا اگر انہوں نے ضرورت سے روک لیا اور وُہ بھی اپنی ضرورت سے نہیں بلکہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ضرورت سے روکا تو اس کا یہ حشر ہوا۔ اور یہ بھی حقیقۃً اللہ جلّ شانہٗ کا خاص لُطف وکرم حضورؐ کے گھر والوں کیساتھ تھا کہ اس گوشت کا جو اثر فقیر کو نہ دینے سے ہوُا، وہ حضورؐ کی برکت سے اپنی اصلی حالت میں گھر والوں پر ظاہر ہوگیا جس کا مطلب یہ ہوُا کہ ضرورت مند سے بچاکر اور انکار کرکے جو شخص کھاتا ہے وہ اثر اور ثمرہ کے اعتبار سے ایسا ہے، جیسا کہ پتھر کھالیا ہو کہ اس سے اس چیز کا اصل فائدہ حاصل نہ ہوگا بلکہ سخت دِلی اور منافع سے محرومی حاصل ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ بہت سی اللہ تعالےٰ شانُہٗ کی نعمتیں کھاتے ہیں، لیکن اُن سے وہ فوائد بہت کم حاصل ہوتے ہیں جو ہونے چاہئیں۔ اور کہتے ہیں کہ چیزوں میں اثر نہیں رہا۔ حالانکہ حقیقت میں اپنی نیّتیں خراب ہیں اس لئے بدنیّتی سے فوائد میں کمی ہوتی ہے۔

(۱۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْیَقِیْنُ وَالزُّهْدُ وَاَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ (رواه البیهقی فی الشعب کذا فی المشکوٰة)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک اِرشاد ہے کہ اس اُمّت کی صلاح کی اِبتدا، (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) یقین اور دُنیا سے بے رغبتی سے ہوئی اور اس کے فساد کی ابتدا بُخل اور لمبی لمبی اُمیدوں سے (ہوگی)

ف: حقیقت میں بُخل بھی لمبی لمبی اُمیدوں سے ہی پیدا ہوتا ہے کہ آدمی دُور دُور کے منصوبے سوچتا ہے، پھر اس کے لئے جمع کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ اگر آدمی کو اپنی موت یاد آتی رہے، اور یہ سوچتا رہے کہ نہ معلوم کے دن کی زندگی ہے، تو پھر نہ تو زیادہ دُور کی سوچ وفکر ہو، نہ زیادہ جمع کرنے کی ضرورت ہو۔ بلکہ اگر موت یاد آتی رہے تو پھر اُس گھر کے لئے زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی فکر ہر وقت سوار رہے۔

(۱۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضـ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی بِلَالٍ وَعِنْدَهٗ

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک مرتبہ حضرت بلال رضؓ کے پاس داخل ہوئے تو اُن کے سامنے کھجوروں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا

صُبْرَةٌ مِّنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا	حضورؐ نے دریافت فرمایا، کہ بلال یہ کیا ہے؟
یَا بِلَالُ. قَالَ شَیْءٌ اِدَّخَرْتُهٗ	انہوں نے عرض کیا، حضورؐ آئندہ کی ضرورت
لِغَدٍ فَقَالَ اَمَا تَخْشٰی اَنْ تَرٰی لَهٗ	کے لئے ذخیرہ کے طور پر رکھ لیا۔ حضورؐ نے
غَدًا بُخَارًا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ اَنْفِقْ	فرمایا کہ بلال تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اس
یَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی	کی وجہ سے کل قیامت کے دن جہنم کی آگ کا
الْعَرْشِ اِقْلَالًا۔ (رواه	دھواں تم دیکھو۔ بلال خرچ کر ڈالو اور عرش
البیهقی فی الشعب کذا فی المشکوٰۃ)	والے (جَلَّ جَلَالُهٗ) سے کمی کا خوف نہ کرو۔

ف: ہر شخص کی ایک شان اور ایک حالت ہوا کرتی ہے۔ ہم جیسے کمزور ضُعفاء ضَعِیْفُ الْاِیْمَان ضَعِیْفُ الْیَقِیْن لوگوں کے لئے شرعًا اس کی گنجائش ہو بھی کہ وہ ذخیرہ کے طور پر آئندہ کی ضروریات کے لئے کچھ رکھ لیں لیکن حضرت بلالؓ جیسے جَلِیْلُ الْقَدْر کَامِلُ الْاِیْمَان، کَامِلُ الْیَقِیْن کی یہی شان تھی کہ اُن کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے کمی کا ذرا بھی خوف یا واہمہ نہ ہو۔ جہنّم کا دھواں دیکھنے سے اس میں جانا لازم نہیں آتا۔ لیکن ان لوگوں کے اعتبار سے کمی تو ضرور ہو گی جن کو یہ بھی نظر نہ آئے اور کم سے کم حساب کا قِصّہ تو لمبا ہو ہی جائے گا۔ بعض احادیث میں معمولی معمولی رقم ایک دو دِینار کسی شخص کے پاس نکلنے پر بھی حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کیطرف سے جہنّم کی آگ کی وعید وارد ہوئی ہے، جیسا کہ چھٹی فصل کی احادیث کے سلسلہ میں نمبر۲ کے ذیل میں آرہا ہے، اور حساب کا معاملہ تو ہر شخص کے لئے ہے کہ جتنا مال زیادہ ہو گا، اُتنا ہی حساب طویل ہو گا۔ حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ میں جنّت کے دروازہ پر کھڑا ہوا میں نے دیکھا کہ اس میں کثرت سے داخل ہونے والے فقراء ہیں۔ اور وُسعت والے ابھی روکے ہوئے ہیں اور جہنّمی لوگوں کو جہنّم میں پھینک دیا گیا۔ اور میں جہنّم کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو میں نے اس میں کثرت سے داخل ہونے والی عورتیں دیکھیں (مشکوٰۃ)

عورتوں کے جہنّم میں کثرت سے داخل ہونے کی وجہ ایک اور حدیث میں آئی ہے، حضرت اَبُو سَعِیْدؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عید کے دن عید گاہ میں تشریف لے گئے جب عورتوں کے مجمع پر گذر ہُوا تو حضورؐ نے عورتوں سے خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم صدقہ بہت کثرت سے کیا کرو۔ میں نے عورتوں کو بہت کثرت سے جہنّم میں دیکھا ہے، انہوں نے دریافت کیا۔ یا رسُولَ اللہ

یہ کیا بات ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ عورتیں لعنت (بددعائیں) بہت کرتی ہیں اور خاوند کی ناشکری بہت کرتی ہیں (مشکوٰۃ)

(اور یہ دونوں باتیں عورتوں میں ایسی کثرت سے شائع ہیں کہ حد نہیں۔ جس اولاد پر دم دیتی ہیں، ہر وقت اس کی راحت اور آرام کی فکر میں رہتی ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر اس کو ہر وقت بددعائیں، تو مرجا، تو گرجا، تیرا ناس ہوجائے وغیرہ وغیرہ الفاظ ان کا تکیہ کلام ہوتا ہے۔ اور خاوند کی ناشکری کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، وہ غریب جتنی بھی ناز برداری کرتا رہے، ان کی نگاہ میں وُہ لاپروا ہی رہتا ہے۔ ہر وقت اس غم میں مری رہتی ہیں کہ اس نے ماں کو کوئی چیز کیوں دے دی، باپ کو تنخواہ میں سے کچھ کیوں دے دیا، بہن بھائی سے سلوک کیوں کردیا۔)

(ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے صلوٰۃ الکسوف میں دوزخ جنت کا مشاہدہ فرمایا تو دوزخ میں کثرت سے عورتوں کو دیکھا۔ صحابہؓ نے جب اس کی وجہ دریافت کی، تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ وُہ احسان فراموشی کرتی ہیں، خاوند کی ناشکری کرتی ہیں۔ اگر تو تمام عمر اُن میں سے کسی پر احسان کرتا رہے پھر کوئی ذرا سی بات پیش آجائے تو کہنے لگتی ہے کہ مَیں نے تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہ دیکھی۔ (مشکوٰۃ عن المتفق علیہ)

(حضورؐ کا یہ ارشاد بھی عورتوں کی عام عادت ہے۔ جتنا بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، اگر کسی وقت کوئی بات اُن کے خلاف طبع پیش آجائے تو خاوند کے عمر بھر کے احسان سب ضائع ہوکر دو اس گھروے میں "مجھے کبھی چین نہ ملا"، ان کا خاص تکیہ کلام ہے۔ اِن روایات سے عورتوں کے کثرت سے جہنّم میں داخل ہونے کی وجہ معلوم ہونے کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سے بچاؤ اور حفاظت کی چیز بھی صدقہ کی کثرت ہے۔ چنانچہ اس وعید والی حدیث میں ہے کہ حضورؐ جب یہ ارشاد فرما رہے تھے تو حضرت بلالؓ حضورؐ کے ساتھ تھے اور صحابی عورتیں کثرت سے حضورؐ کا پاک ارشاد سننے کے بعد اپنے کانوں کا زیور اور گلے کا زیور نکال نکال کر حضرت بلالؓ کے کپڑے میں جس میں وہ چندہ جمع کر رہے تھے، ڈال رہی تھیں)

ہمارے زمانہ میں اوّل تو عورتوں کو اس قسم کی سخت حدیثیں سُن کر خیال بھی نہیں ہوتا، اور اگر کسی کو ہوتا بھی ہے تو پھر اس کا نزلہ بھی خاوند ہی پر گرتا ہے کہ وُہ ہی اُن کی زکوٰۃ ادا کرے، ان کی طرف سے صدقے کرے۔ اگر وہ خود بھی کریں گی تو خاوند ہی سے وصول کرکے۔ مجال ہے کہ اُن کے زیوروں کو کوئی آنچ آجاوے۔ ویسے چاہے سارا ہی چوری ہوجاوے، کھویا جائے، یا بیاہ شادیوں اور لغو تقریبات

میں گروی رکھ کر ہاتھ سے جاتا رہے، مگر اس کو اپنی خوشی سے اللہ کے یہاں جمع کرنا، اس کا کہیں ذکر نہیں۔ اسی حال میں اس کو چھوڑ کر مر جاتی ہیں۔ پھر وہ وارثوں میں تقسیم ہو کر کم داموں میں فروخت ہوتا ہے۔ بنتے وقت نہایت گراں بنتا ہے، بکتے وقت نہایت ارزاں جاتا ہے۔ لیکن ان کو اس سے کچھ غرض نہیں کہ یہ گھڑائی کے دام بالکل ضائع جا رہے ہیں۔ ان کو بنواتے رہنے سے غرض، یہ تڑوا کر وہ بنوا لیا، وہ تڑوا کر یہ بنوا لیا۔ اور اپنے کام آنے والا نہ وہ ہے نہ یہ ہے، اور بار بار تڑوانے میں مال کی اضاعت کے علاوہ گھڑائی کی اُجرت ضائع ہوتی رہتی ہے۔

یہ مضمون درمیان میں عورتوں کے کثرت سے جہنّم میں جانے کی وجہ میں آ گیا تھا۔ اصل مضمون تو یہ تھا کہ مال کی کثرت کچھ نہ کچھ رنگ تو لاتی ہی ہے حتّٰی کہ حضرات مُہاجرین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ کے بارہ میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن فُقَرَاءِ مُہاجرین، اَغْنِیاء سے چالیس سال قبل جنّت کی طرف بڑھ جائیں گے۔ (مشکوٰۃ) حالانکہ ان حضرات کے ایثار اور صَدقات کی کثرت اور اخلاص کا نہ تو اندازہ کیا جا سکتا ہے نہ مقابلہ ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے یہ دُعا کی اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَ احْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ (اے اللہ زندگی میں بھی مجھے مسکین رکھ اور مسکینی کی حالت میں مجھے موت عطا کر، اور میرا حشر بھی مسکینوں کی جماعت میں فرما) حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ یا رسُولَ اللہ یہ کیوں یعنی آپ مسکینی کی دُعا کیوں فرماتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا کہ مَساکین اپنے اَغْنِیاء سے چالیس سال قبل جنّت میں جائیں گے۔ عائشہ! مسکین کو نامراد واپس نہ کرو، چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ عائشہ مَساکین سے مَحبّت رکھا کرو، ان کو اپنا مُقرّب بنایا کرو۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ قیامت کے دن تمہیں اپنا مُقرّب بنائیں گے۔

بعض عُلماء کو اس حدیث پر یہ اِشکال ہو گیا کہ اس سے عام فُقَراء کا اَنْبِیاء سے مُقدّم ہونا لازم آتا ہے۔ بندہ کے ناقص خیال میں یہ اِشکال نہیں ہے۔ اس حدیث پاک میں اپنے اَغْنِیاء کا لفظ موجود ہے، ہر جماعت کے فقراء کا اس جماعت کے اَغْنِیاء سے مقابلہ ہے۔ انبیاء کا انبیاء سے، صحابہؓ کا صحابہؓ سے اور اسی طرح اور جماعتیں۔

(۱۵) عَنْ کَعْبِ بْنِ عِیَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ لِکُلِّ

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں، کہ میں نے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ ہر اُمّت کے لئے

لہ مشکوٰۃ

اُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ اُمَّتِيَ الْمَالُ۔ ایک فتنہ ہوتا ہے (جس میں مبتلا ہو کر وہ فتنہ میں پڑ جاتی ہے) میری اُمت کا فتنہ مال ہے۔

(رواہ الترمذی کذافی المشکوٰۃ)

ف : حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد بالکل ہی حق ہے، کوئی اعتقادی چیز نہیں ہے۔ روزمرہ کے مشاہدہ کی چیز ہے کہ مال کی کثرت سے جتنی آوارگی، عیاشی، سود خواری، زنا کاری، سینما بینی، جوابازی ظلم وستم، لوگوں کو حقیر سمجھنا، اللہ کے دین سے غافل ہونا، عبادات میں تساہل، دین کے کاموں کے لئے وقت نہ ملنا وغیرہ وغیرہ ہوتے ہیں، ناداری میں ان کا تہائی چوتھائی بلکہ دسواں حصّہ بھی نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے ایک مثل مشہور ہے "زر نیست عشق ٹیں ٹیں" پیسہ پاس نہ ہو تو پھر بازاری عشق بھی زبانی جمع خرچ ہی رہ جاتا ہے اور یہ چیزیں نہ بھی ہوں تو کم سے کم درجہ مال کی بڑھوتری کا ہر وقت فکر تو کہیں گیا ہی نہیں۔ صرف تین ہزار روپیہ کسی کو دے دیجئے، پھر جو ہر وقت اس کو کسی کام میں لگا کر بڑھانے کا فکر دامن گیر ہوگا تو کہاں کا سونا، کہاں کا راحت آرام، کیسا نماز روزہ، کیسا حج زکوٰۃ، اب دن بھر، رات بھر دوکان کے بڑھانے کی فکر ہے۔ دوکان کی مشغولی نہ کسی دینی کام میں شرکت کی اجازت دیتی ہے، نہ دین کے لئے کہیں باہر جانے کا وقت ملتا ہے کہ دوکان کا حرج ہو جائے گا۔ ہر وقت یہ فکر سوار کہ کونسا کاروبار ایسا ہے جس میں نفع زیادہ ہو، کام چلتا ہوا ہو۔ اسی لئے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد جو کئی حدیثوں میں آیا ہے کہ اگر کسی آدمی کے لئے ۲ دو وادیاں (دو جنگل) مال کے حاصل ہو جائیں تو وہ تیسری کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔ آدمی کا پیٹ (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے (مشکوٰۃ) ایک حدیث میں ہے کہ اگر آدمی کے لئے ایک وادی مال کی ہو تو دوسری کو تلاش کرتا ہے، اور ۲ دو ہوں تو تیسری کو تلاش کرتا ہے۔ آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی۔

ایک حدیث میں ہے کہ آدمی کے لئے ایک جنگل کھجوروں کا ہو تو دوسرے کی تمنا کرتا ہے، اور ۲ دو ہوں تو تیسرے کی اور اسی طرح تمنائیں کرتا رہتا ہے۔ اس کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی (کنز)

ایک حدیث میں ہے کہ اگر آدمی کو ایک وادی سونے کی دے دی جائے تو وہ دوسری کو تلاش کرتا ہے اور ۲ دو ہوں تو تیسری کو تلاش کرتا ہے۔ آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ (بخاری) مٹی سے بھرنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی مٹی میں جا کر ہی وہ اپنی اس هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کی خواہش سے رُک سکتا ہے۔ دُنیا میں رہتے رہتے تو ہر وقت اس پر اضافہ اور زیادتی کی فکر رہتی ہے، ایک کارخانہ اچھی

طرح چل رہا ہے اس میں بقدرِ ضرورت آمدنی ہو رہی ہے، کہیں کوئی دوسری چیز سامنے آگئی اس میں بھی اپنی ٹانگ اَڑا دی۔ ایک سے دو ہوگئیں، دو سے تین ہوگئیں۔ غرض جتنی آمدنی بڑھتی جائے گی، اس کو مزید کاروبار میں لگانے کی فکر رہے گی۔ یہ نہیں ہوگا کہ اس پر قناعت کرکے کچھ وقت اللہ کی یاد میں مشغولی کا نکل آئے۔ اِسی لئے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دُعا فرمائی ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔ "اے اللہ میری اولاد کا رزق قُوت ہو" یعنی بقدرِ کفایت ہو، زائد ہو ہی نہیں، جس کے چکر میں میری اولاد پھنس جائے۔

ایک حدیث میں حضور کا ارشاد ہے کہ "بہتری اور خوبی اس شخص کے لئے ہے جو اسلام عطا کیا گیا ہو اور اُس کا رزق بقدرِ کفایت ہو اور اس پر قانع ہو۔" ایک اور حدیث میں ہے کہ کوئی فقیر یا غنی قیامت میں ایسا نہ ہوگا جو اس کی تمنا نہ کرتا ہو، کہ دُنیا میں اس کی روزی صرف قُوت (یعنی بقدرِ کفایت) ہوتی۔ (احیاء)

بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم مجھے تمہارے اُوپر تمہارے فقر و فاقہ کا خوف نہیں ہے، بلکہ اس کا خوف ہے کہ تم پر دُنیا کی وُسعت ہو جائے جیسا کہ تم سے پہلی اُمتوں پر ہو چکی ہے۔ پھر تمہارا اس میں دِل لگنے لگے جیسا کہ اُن کا لگنے لگا تھا پس یہ چیز تمہیں بھی ہلاک کر دے جیسا کہ پہلی اُمتوں کو کر چکی ہے۔ (مشکوٰۃ)

ان کے عِلاوہ اور بھی بہت سی رِوایات میں مختلف عُنوانات سے مُختلف قسم کی تنبیہات سے مال کی کثرت اور اُس کے فتنہ پر مُتنبہ فرمایا۔ اس لئے نہیں کہ مال فِی حَدِّ ذَاتِہٖ کوئی ناپاک یا عیب کی چیز ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ ہم لوگوں کے قلوب کے فساد کی وجہ سے بہت جلد ہمارے دلوں میں مال کی وجہ سے تعفن اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کی مضرتوں سے بچتے ہوئے، اس کی زیادتی سے احتراز کرتے ہوئے شرائط کے ساتھ اس کو استعمال کرے تو مُضر نہیں بلکہ مُفید ہو جاتا ہے لیکن چونکہ عام طور سے نہ شرائط کی رعایت ہوتی ہے نہ اصلاح کی فکر ہوتی ہے اس بنا پر یہ اپنا زہریلا اثر بہت جلد پیدا کر دیتا ہے

اس کی بہترین مثال ہیضہ کے زمانہ میں امرود کا کھانا ہے کہ فِی حَدِّ ذَاتِہٖ امرود کے اندر کوئی عیب نہیں۔ اس کے جو فوائد ہیں وہ اَب بھی اس میں موجود ہیں لیکن ہوا کے فساد کی وجہ سے اس کے استعمال سے بالخصوص کثرتِ استعمال سے بہت جلد اس میں تغیر پیدا ہو کر مضرات اور ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے عَلَی الْعُمُوْم ڈاکٹر ہیضہ کے زمانہ میں امرودوں کی سختی سے مُمانعت کر دیتے ہیں۔ ٹوکرے کے ٹوکرے

ضائع کرا دیتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ اگر معمولی حکیم یا ڈاکٹر کسی چیز کو مُضر بتاتا ہے تو طبعاً ہمارے قلوب اس سے ڈرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹروں کے ان اعلانات کے بعد اچھے اچھے سورماؤں کی ہمت امرود کھانے کی نہیں رہتی۔ لیکن وہ ہستی جس کے جوتوں کی خاک تک بھی کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں پہنچ سکتا۔ جس کی تجویزات نورِ نبوّت سے مُستفاد ہیں، اس کے اعلان پر، اس کی تجویز پر ذرا بھی خوف پیدا نہ ہو۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب بار بار اس کے فتنوں اور اس کی مضرتوں پر تنبیہ فرما رہے ہیں تو یقیناً ہر شخص کو بہت زیادہ اسکی مضرتوں سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اس کے استعمال کے لئے شرعی قوانین کے ماتحت جو اس کے لئے ایسے ہیں جیسا کہ امرود کے لئے نمک مرچ لیموں وغیرہ مُصلحات ہیں۔ ان کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے۔ اللہ کے حقوق کی ادائیگی کا بہت زیادہ اسمیں فکر کرتے رہنا چاہیئے (خود حضورؐ کا ارشاد ہے کہ غنیٰ میں اس شخص کے لئے نقصان نہیں جو اللہ سے ڈرتا رہے (مشکوٰۃ) میرے نسبی بزرگوں میں مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مشہور فقیہ حضرت اقدس مرجع الکل شاہ عبدالعزیز دہلوی نوّر اللہ مرقدہٗ کے خاص شاگرد ہیں۔ ان کی بیاض میں اُن کے شیخ کی بیاض سے نقل کیا ہے کہ "دُنیا (یعنی مال) آدمی کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ کی مرضیات پر عمل کرنے کے لئے بہترین مدد ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف بلایا، تو ان چیزوں کے چھوڑنے کا حکم نہیں فرمایا۔ بلکہ اسبابِ معیشت اور اہل و عیال کی خدمت کی ترغیب دی، لہٰذا مال کا اور اپنے اہل و عیال میں رہنے کا انکار ناواقف شخص ہی کر سکتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے وصال کے وقت اُن کے خزانچی کے پاس ایک لاکھ پچاس اشرفیاں اور دس لاکھ درہم تھے اور جائداد خیبر وادی قُریٰ وغیرہ کی تھی، جس کی قیمت دو لاکھ دینار تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مال کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی، اور ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار غلام چھوڑے تھے، اور عمرو بن العاصؓ نے تین لاکھ دینار چھوڑے تھے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مال کا تو شمار ہی مشکل ہے۔ اس کے باوجود حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کی تعریف قرآن پاک میں فرمائی۔ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (کہف، ع ۴) "اپنے رب کی عبادت صبح و شام (یعنی ہمیشہ) محض اس کی رضا جوئی کے واسطے کرتے ہیں۔" اور ارشاد ہے، رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور، ع ۵) یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو تجارت وغیرہ اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی۔" فقط

بیاض کی عبارت عربی ہے یہ اس کا ترجمہ ہے اور صحیح ہے کہ اُس زمانہ میں فتوحات کی کثرت

سے عام طور پر ان حضرات کی مالی حالت ایسی ہی تھی۔ دُنیا اور ثروت اُن کے جوتوں سے لپٹتی تھی، یہ اُس کو پھینکتے تھے اور وُہ ان کو چمٹتی تھی لیکن اس سب کے باوجود اس کے ساتھ ان کی دلبستگی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغولی کیا تھی۔ "فضائل نماز" اور "حکایاتِ صحابہؓ" میں ان حضرات کے کچھ واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔ انکو عبرت اور غور سے دیکھو۔ یہی عبداللہ بن زبیرؓ اپنی اس دولت کے ساتھ جب نماز کو کھڑے ہوتے تو جیسے ایک کیل کہیں گاڑھ دی ہو۔ سجدہ اتنا لمبا ہوتا کہ چڑیاں کمر پر آکر بیٹھ جاتیں، اور حرکت کا ذکر نہیں۔ جس زمانہ میں خود اُن پر چڑھائی ہو رہی تھی اور اُن پر گولہ باری ہو رہی تھی، نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک گولہ مسجد کی دیوار پر لگا جس سے اس کا ایک حصّہ گرا، اُن کی داڑھی کے پاس سے گذرا مگر اُن کو اس کا پتہ بھی نہ چلا۔

(ایک صحابیؓ کا باغ کھجوروں کا خُوب پک رہا تھا، یہ اس باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز میں باغ کا خیال آگیا۔ اس کا رنج اور صدمہ اس قدر ہوا کہ نماز کے بعد فوراً باغ کو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں، جو اس وقت امیرُالمومنین تھے پیش کر دیا۔ انہوں نے پچاس ہزار میں اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت دینی کاموں میں خرچ کر دی۔ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں دو۲ بوریاں دِرَم کی نذرانہ میں آئیں جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درم تھے۔ طَباق منگا کر اور بھر بھر کر سب تقسیم کر دیں۔ اپنا روزہ تھا، یہ بھی خیال نہ آیا کہ اپنے افطار کے لئے کچھ رکھ لیں یا کوئی چیز منگالیں۔ افطار کے وقت جب باندی نے افسوس کیا کہ اگر ایک دِرم کا گوشت منگا لیتیں تو آج ہم بھی گوشت سے کھانا کھا لیتے۔ تو فرمایا۔ اب افسوس سے کیا ہوتا ہے، جب یاد دلا دیتی تو میں منگا دیتی۔)

("حکایاتِ صحابہؓ" میں یہ اور اس قسم کے چند واقعات ذکر کئے گئے۔ ان کے علاوہ ہزاروں واقعات ان حضرات کے تاریخ میں موجود ہیں۔ ان کو مال کیا نقصان دے سکتا تھا۔ جن کے نزدیک اس میں اور گھر کے کُوڑے میں کوئی فرق ہی نہ ہو۔ کاش اللہ جلّ شانہٗ اس صفت کا کوئی شمّہ اس ناپاک کو بھی عطا کر دیتا۔)

(یہاں ایک بات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے وہ یہ کہ ان حضرات مُتموّل صحابہ کرامؓ کے ان احوال سے مال کی کثرت کے جواز پر استدلال تو ہو سکتا ہے کہ خیرُالقرون اور خُلفائے راشدینؓ کے دَور میں یہ مثالیں بھی ملتی ہیں، لیکن ہم لوگوں کو اس زہر کے اپنے پاس رکھنے میں ان کے اِتّباع کو آڑ بنانا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی تپِ دق کا بیمار کسی جوان، قوی تندرست کے اِتّباع میں روزانہ صحبت کیا کرے

کہ وہ تین چار دن میں قبر کا گڑھا ہی دیکھے گا۔ رسالہ کے ختم پر حکایات کے سلسلہ میں نمبر ۵ پر ایک عارف کا ارشاد غور سے دیکھنا چاہیئے۔ (امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مال بمنزلہ ایک سانپ کے ہے جس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی ہے اور اس کے فوائد بمنزلہ تریاق کے ہیں اور اس کے نقصانات بمنزلہ زہر کے، جو اس کے فوائد اور نقصانات سے واقف ہو جائے، وہ اس پر قادر ہو سکتا ہے کہ اس کے فوائد حاصل کرے اور نقصانات سے محفوظ رہے۔ اس میں فوائد تو دو قسم کے ہیں دُنیوی اور دینی۔ دُنیوی فوائد تو ہر شخص جانتا ہے، انہی کی وجہ سے سارا جہان اس کے کمانے میں مرمٹ رہا ہے۔)

دینی فوائد تین ہیں۔ اوّل یہ کہ بواسطہ یا بلا واسطہ عبادت کا سبب ہے۔ بلا واسطہ تو جیسے حج، جہاد وغیرہ کہ یہ روپیہ ہی سے ہو سکتے ہیں۔ اور بواسطہ یہ کہ اپنے کھانے پینے اور ضروریات میں خرچ کرے کہ یہ ضرورتیں اگر پوری نہ ہوں تو آدمی کا دل اُدھر مشغول رہتا ہے جس کی وجہ سے دینی مشاغل میں اشتغال کا وقت نہیں ملتا۔ اور جب یہ بواسطہ عبادت کا ذریعہ ہے تو خود بھی عبادت ہوا۔ لیکن صرف اتنی ہی مقدار جس سے دینی مشاغل میں اعانت ملے۔ اس سے زیادہ مقدار اس میں داخل نہیں۔

(دوسرا دینی فائدہ اس سے کسی دوسرے پر خرچ کرنے کے متعلق ہے اور یہ چار قسم پر ہے۔

(الف) صدقہ جو غرباء پر کیا جائے۔ اس کے فضائل بے شمار ہیں۔ جیسا کہ پہلے کچھ گذر چکے (ب) مروّت جو اغنیاء پر دعوت، ہدیہ وغیرہ میں خرچ کیا جائے کہ وہ صدقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ صدقہ فقراء پر ہوتا ہے۔ یہ قسم بھی دینی فوائد لئے ہوئے ہے کہ اس سے آپس کے تعلقات قوی ہوتے ہیں، سخاوت کی بہترین عادت پیدا ہوتی ہے۔ بہت سی احادیث ہدایا اور کھانا کھلانے کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں۔ اس قسم میں ان لوگوں کے فقر کی قید نہیں ہے جن پر خرچ کیا جائے (بندہ کے ناقص خیال میں یہ فائدہ بسا اوقات پہلے نمبر سے بھی بڑھ جاتا ہے، مگر جب ہی تو، جب اس میں خرچ بھی کیا جائے۔ لیکن جو شخص ننانوے کے پھیر میں پڑ جائے اس کے لئے نہ یہ فضائل کار آمد ہیں نہ وہ سب احادیث جو ان کے فضائل میں آئی ہیں اس پر اثر کرتی ہیں)

(ج)، اپنی آبرو کا تحفظ۔ یعنی مال کا ایسی جگہ خرچ کرنا، جس میں اگر خرچ نہ کیا جائے تو کمینہ لوگوں کی طرف سے بدگوئی، فحش وغیرہ مضرتوں کا اندیشہ ہے۔ یہ بھی صدقہ کے حکم میں آجاتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنی آبرو کی حفاظت کے لئے جو خرچ کرتا ہے، وہ بھی صدقہ کرتا ہے (بندہ ناکارہ کے نزدیک دفع ظلم کے لئے رشوت دینا بھی اس میں داخل ہے۔ رشوت کا دینا کسی نفع کے حاصل کرنے کے واسطے حرام ہے

ناجائز ہے۔ دینے والا بھی ایسا ہی گناہ گار ہے جیسا کہ لینے والا۔ لیکن ظالم کے ظلم کو ہٹانے کے واسطے دینے والے کو جائز ہے، لینے والے کو حرام ہے) (۵) مزدوروں کی اُجرت دینا کہ آدمی بہت سے کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کر سکتا اور بعض کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو آدمی خود تو کر سکتا ہے۔ لیکن ان میں بہت سا عزیز وقت صرف ہوتا ہے۔ اگر ان کاموں کو اُجرت پر کرالے، تو اپنا یہ وقت علم و عمل، ذکر و فکر وغیرہ ایسے اُمور میں خرچ ہو سکتا ہے جن میں دوسرا نائب نہیں ہو سکتا۔

(تیسرا دینی فائدہ عُمومی اخراجاتِ خیر ہیں۔ جن میں کسی دوسرے مُعیّن شخص پر تو خرچ نہیں کیا جاتا کہ یہ دوسرے نمبر میں گذر چکے ہیں۔ البتہ عُمومی فوائد اس سے حاصل ہوتے ہیں جیسا مساجد کا بنانا، مسافر خانے، پُل وغیرہ بنانا، مدارس، شفاخانے وغیرہ ایسی چیزیں بنانا، جو اپنے مرنے کے بعد بھی اُن کے اجر و ثواب اور ان سے فوائد حاصل کرنے والے صُلحاء کی دُعائیں پہنچتی رہیں۔)

یہ تو اجمال ہے اس کے فوائد کا اور سارے فوائد جو اس سے حاصل ہو سکتے ہیں، وہ ان میں آگئے۔

حضرتِ اَقدس شاہ عبد العزیز صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں کہ مال کا خرچ کرنا، سات طرح سے عبادت ہے ۱؎ زکوٰۃ جس میں عُشر بھی داخل ہے ۲؎ صدقۂ فطر ۳؎ نفل خیرات جس میں مہمانی بھی داخل ہے اور قرضداروں کی اِعانت بھی ۴؎ وقف، مساجد، سرائے پُل وغیرہ بنانا۔ ۵؎ حج فرض ہو، یا نفل یا کسی دوسرے کی حج میں مدد ہو، توشہ سے یا سواری سے ۶؎ جہاد میں خرچ کرنا کہ ایک دِرَم اس میں سات سو دِرَم کے برابر ہے ۷؎ جن کے اِخراجات اپنے ذمہ ہیں، اُن کو ادا کرنا جیسا کہ بیوی کا اور چھوٹی اولاد کا خرچ ہے اور اپنی وُسعت کے بعد محتاج رشتہ داروں کا خرچ وغیرہ (تفسیر عزیزی)

(امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مال کے نقصانات بھی دو قسم کے ہیں، دینی اور دُنیوی۔ دینی نقصانات تین قسم پر ہیں۔ (الف) معاصی کی کثرت کا سبب ہوتا ہے کہ آدمی اکثر و بیشتر اسی کی وجہ سے شہوتوں میں مُبتلا ہوتا ہے اور ناداری اور عجز ان کی طرف مُتوجہ بھی نہیں ہونے دیتا۔ جب آدمی کو کسی معصیت کے حصول سے نااُمیدی ہوتی ہے تو دِل اس طرف زیادہ مُتوجہ بھی نہیں ہوتا اور جب اپنے کو اس پر قادر سمجھتا ہے تو کثرت سے ادھر توجہ رہتی ہے اور مال قدرت کے بڑے اسباب میں سے ہے۔ اسی وجہ سے مال کا فتنہ فقر کے فتنہ سے بڑھا ہوا ہے۔

(ب) جائز چیزوں میں تنعُّم کی کثرت کا سبب ہے، اچھے سے اچھا کھانا، اچھے سے اچھا لباس

وغیرہ وغیرہ۔ بھلا مالدار سے یہ کب ہو سکتا ہے کہ جَو کی روٹی کھائے اور موٹا کپڑا پہنے۔ اور ان تنعّمات کا حال یہ ہے کہ ایک چیز دوسرے کو کھینچتی ہے اور شدہ شدہ اخراجات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور آمدنی جب ان کو کافی نہیں ہوتی تو ناجائز طریقوں سے مال حاصل کرنے کی فکریں پیدا ہونے لگتی ہیں اور جھوٹ نفاق وغیرہ بُری عادات کی بُنیاد اسی سے پڑتی ہے کہ مال کی کثرت کی وجہ سے مُلاقاتی بھی کثیر ہوں گے اور اُن کے تعلّقات کی بقا اور حفاظت کے واسطے اس قسم کے اُمور کثرت سے پیدا ہوں گے، اور تعلّقات کی کثرت میں بُغض وعداوت، حسد، کینہ وغیرہ اُمور طرفین میں کثرت سے پیدا ہوں گے۔ اور ایسے بے انتہا عوارض آدمی کے ساتھ لگ جائیں گے جن سے مال کے ہوتے ہوئے خلاصی دُشوار ہے۔ اور غور کرنے سے یہ مضرّتیں وسیع پیمانہ پر پہنچ جاتی ہیں اور ان سب کا پیدا ہونا مال ہی کے سبب سے ہوتا ہے۔

(ج) اور کم سے کم اس بات سے تو کوئی بھی مال دار خالی نہیں ہو سکتا کہ اس کا دل مال کی صلاح وفلاح کے خیال میں اللہ کے ذکر وفکر سے غافل رہے گا اور جو چیز اللہ جَلّ شانُہٗ سے غافل کر دے وہ خسارہ ہی خسارہ ہے، اسی واسطے حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ مال میں تین آفتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ناجائز طریقہ سے کمایا جاتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر جائز طریقہ سے حاصل ہو، تو آپ نے فرمایا کہ بے جگہ خرچ ہوتا ہے۔ کسی نے عرض کیا اگر اپنے محل ہی پر خرچ کیا جائے، تو آپ نے فرمایا کہ اس کی اصلاح کا فکر اللہ جَلّ شانُہٗ سے تو مشغول کر ہی دے گا اور یہ لاعلاج بیماری ہے کہ ساری عبادات کا لُبِّ لباب اور مغز اللہ جَلّ شانُہٗ کا ذکر وفکر ہے۔ اور اس کے لئے فارغ دل کی ضرورت ہے۔ اور صاحبِ جائداد شخص دن بھر، رات بھر کاشتکاروں کے جھگڑے ٹنٹے سوچ میں رہتا ہے۔ ان سے وصول کے حساب کتاب میں رہتا ہے، شریکوں سے معاملات کی فکر میں رہتا ہے۔ کہیں اُن کے حصوں کا جھگڑا ہے، اُن سے پانی کی بانٹ پر جھگڑا ہے، کہیں ڈول بندیوں میں لڑائی ہے اور حُکّام اور اُن کے ایلچیوں کا قصّہ علیحدہ ہر وقت کا ہے، نوکروں مزدوروں کی خبر گیری ان کے کام کی نگرانی ایک مستقل مشغلہ ہے۔ اسی طرح تاجر کا حال ہے کہ اگر شرکت میں تجارت ہو تو شرکا کی حرکتیں ہر وقت کی ایک مستقل مصیبت اور مستقل مشغلہ ہے اور تنہا تجارت ہو تو نفع کے بڑھنے کا فکر، ہر وقت اپنی محنت میں کوتاہی کا خیال، تجارت میں نقصان کا فکر، ایسے اُمور ہیں جو ہر وقت مُسلّط رہتے ہیں۔ مشاغل کے اعتبار سے سب سے کم وہ خزانہ ہے جو نقد کی صورت میں اپنے پاس ہو۔ لیکن اس کی حفاظت اور اضاعت کا اندیشہ، چوروں کا فکر اور اس کے خرچ کرنے کے مصارف کا فکر،

اور جن لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف لگی رہتی ہیں اُنکا خیال، ایسے تفکرات ہیں کہ جن کی کوئی اِنتہا نہیں ہے اور یہی وہ سب دُنیوی مَضرّات ہیں جو مال کے ساتھ لگی رہتی ہیں اور جس کے پاس بَقدرِ ضرورت ہو وہ ان سب اَفکار سے فارغ ہے

لنگکے زیر لنگکے بالا نے غمِ دُزد، نے غمِ کالا

"ایک لُنگی نیچے ایک لُنگی اوپر، نہ چور کا ڈر نہ پونجی کا" (کہ اس کی کس طرح حفاظت کروں، روز افزوں اِخراجات کس طرح پورے کروں)۔ پس مال کا تِریاق اس میں سے بقدرِ ضرورت اپنی مصارف میں خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچے، اس کو خیر کے مصارِف میں خرچ کر دینا ہے۔ اس کے عِلاوہ جو کچھ ہے، وہ زہر ہی زہر ہے، آفت ہی آفت ہے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ اپنے لطف وکرم سے اس زہر سے اس ناکارہ کو بھی محفوظ رکھے اور نیک مَصرِف پر خرچ کی توفیق عطا فرمائے (احیاء) اس کی مثال بالکل سانپ کی سی ہے کہ جو لوگ اس کے پکڑنے کے ماہر ہیں، اس کے طریقوں سے واقف ہیں، اُن کے لئے اس کے پکڑنے میں کوئی نقصان نہیں، بلکہ وہ اس سے تِریاق بنا سکتے ہیں اور دوسرے فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن کوئی ناواقف ان ماہروں کی حرص کر کے سانپ کو پکڑے گا تو ہلاک ہوگا۔ اسی طرح مَعمولِ صَحابۂ کِرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُم اَجمَعِین کی حرص کر کے ہم لوگ اگر اس زہر کا اِستعمال کثرت سے کریں تو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور ان حضراتِ کِرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُم اَجمَعِین کے مُتعلِّق محض اِعتقادی بات نہیں، اُن کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کی کُھلی شہادت دیتا ہے کہ ان کے یہاں اس کی وُقعت ایندھن سے زیادہ نہ تھی، ان کے لئے اس کا وجود حق تعالیٰ شانُہٗ سے ذرا سی توجہ بھی ہٹانے والا نہ تھا، اور اس کے باوجود اس سے ڈرتے تھے جیسا کہ اُن کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے۔ وَاللّٰہُ المُوَفِّقُ لِمَا یُحِبُّ وَیَرضٰی۔

تیسری فصل

صِلہ رِحمی کے بیان میں

یہ فصل درحقیقت پہلی ہی فصلوں کا تتمہ ہے۔ لیکن اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اپنے پاک کلام میں اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے پاک ارشادات میں اس پر خصوصیت سے تاکیدیں فرمائی ہیں، اور تعلقات کے توڑنے پر خصوصی وعیدیں فرمائی ہیں، اس لئے اس مضمون کو اہتمام کی وجہ سے مستقل فصل میں ذکر کیا گیا۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ اہلِ قرابت پر صدقہ کا ثواب دوگنا ہے۔ (کنز)

اُمُّ المؤمنین حضرت میمونہؓ نے ایک باندی آزاد کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم اس کو اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو وہ افضل تھا (کنز)، لہٰذا صدقات کے اندر اگر کوئی دوسری دینی ضرورت اَہم نہ ہو تو عام صدقہ سے اہلِ قرابت پر صدقہ کرنا افضل ہے۔ البتہ اگر کوئی دینی ضرورت درپیش ہو تو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا ثواب سات سو گُنا تک ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اور احادیث میں بہت کثرت سے صلہ رحمی کی ترغیبات اور قطعِ رحمی پر وعیدیں آئی ہیں۔ مگر خوف ہے اس رسالہ کے بڑھ جانے کا۔ اس لئے صرف تین آیات ترغیب کی اور تین آیات وعید کی ذکر کر کے چند احادیث اس مضمون کی ذکر کرتا ہوں کہ ذرا بھی طول ہو گیا تو ہم لوگوں کو ان کے پڑھنے کی بھی فرصت نہ ملے گی۔ مگر یہ سارے مضامین اس قدر اہم ہیں کہ باوجود اختصار کے بھی یہ رسالہ بڑھتا ہی جا رہا ہے، اور ایک حصّہ کے بجائے شاید دو حصے کرنے پڑ جائیں۔

(۱) اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ج

بے شک اللہ جَلَّ شَانُہٗ اعتدال کا اور احسان کا اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں، اور منع کرتے ہیں بے حیائی سے اور بُری بات

يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ (نحل، ع ۱۳) — سے اور کسی پر ظلم کرنے سے، اور تم کو ان امور کی نصیحت فرماتے ہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرلو۔

ف: حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن پاک میں بہت سی جگہ اہل قرابت کی خیر خواہی، اُن کو دینے کا حکم اور اس کی ترغیب فرمائی ہے۔ چند آیات کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے، جس کا دل چاہے کسی مترجم قرآن شریف کو لے کر دیکھ لے۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى (بقرہ، ع ۱۰) قُلْ مَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ (بقرہ، ع ۲۶) سورۂ نساء کا پہلا رکوع تمام، وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى (نساء، ع ۶) وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (انعام، ع ۱۹) وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ط (انفال، ع ۱۰) لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ (یوسف، ع ۱۰) وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ أَنْ يُّوْصَلَ (رعد، ع ۳) رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ (ابراہیم، ع ۶) وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بنی اسرائیل، ع ۳) وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ (بنی اسرائیل، ع ۳) وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (بنی اسرائیل، ع ۳) وَكَانَ تَقِيًّا ○ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ (مریم، ع ۱) وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ (مریم، ع ۲) إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ يٰٓأَبَتِ الخ (مریم، ع ۳) وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ص (مریم، ع ۴) وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ (طٰہٰ، ع ۸) وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا (فرقان، ع ۶) وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ط (احقاف، ع ۲) رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ (نوح ع ۲)

یہ چند آیات نمونہ کے طور پر ذکر کی گئیں کہ سب کے لکھنے میں اور ترجمہ میں طول کا ڈر تھا۔ یہ اُن تین آیات کے علاوہ ہیں جو مفصّل یہاں ذکر کی گئیں۔ ان کے علاوہ اور بھی آیات ملیں گی جس چیز کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے پاک کلام میں بار بار ارشاد فرمایا ہو، اس کی اہمیّت کا کیا پوچھنا۔ حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس پاک ذات کی، جس نے سمندر کو حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور بنی اسرائیل کے لئے دو ٹکڑے کر دیا تھا۔ توراۃ میں لکھا ہے کہ اللہ سے ڈرتا رہ اور صلہ رحمی کرتا رہ، میں تیری عمر بڑھا دوں گا۔ سہولت کی چیزوں میں تیرے لئے سہولت پیدا کر دوں گا، مشکلات کو دُور کر دوں گا۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن پاک میں کئی جگہ صلہ رحمی کا حکم کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ط (نساء، ع ۱) "یعنی اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ڈرتے رہو جس سے کہ اپنی حاجت طلب کرتے ہو اور رشتوں سے ڈرتے رہو یعنی ان کو جوڑتے رہو توڑو نہیں" دوسری آیت میں ارشاد ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ ؏ "یعنی رشتہ دار کا جو حق نیکی اور صلہ رحمی کا ہے وہ ادا کرتے رہو" تیسری جگہ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ؏ "یعنی اللہ جل شانہٗ، توحید کا اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی شہادت کا حکم فرماتے ہیں، اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنے کا اور اُن سے درگذر کرنے کا حکم فرماتے ہیں اور رشتہ داروں کو دینے کا یعنی صلہ رحمی کا حکم فرماتے ہیں" تین چیزوں کا حکم فرمانے کے بعد تین چیزوں سے منع کیا ہے۔ فحش سے یعنی گناہ سے، اور منکر سے یعنی ایسی بات سے جس کی شریعت میں اور سنت میں اصل نہ ہو۔ اور ظلم سے یعنی لوگوں پر تعلّی سے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی تم کو نصیحت فرماتے ہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ سے مجھے بہت محبت تھی اور اسی کی شرم میں میں مسلمان ہوا تھا کہ حضورؐ مجھ سے مسلمان ہونے کو فرماتے تھے۔ اس وجہ سے میں مسلمان ہو گیا۔ لیکن اسلام میرے دل میں نہ جما تھا۔ ایک مرتبہ میں حضورؐ کے پاس بیٹھا ہوا کچھ باتیں کر رہا تھا کہ مجھ سے باتیں کرتے کرتے حضورؐ کسی دوسری طرف ایسے متوجہ ہو گئے جیسے کسی اور سے باتیں کر رہے ہوں۔ تھوڑی دیر میں پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام آئے تھے اور یہ آیت شریفہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ آخر تک نازل ہوئی۔ مجھے اس مضمون سے بہت مسرت ہوئی اور اسلام میرے دل میں جم گیا میں وہاں سے اٹھ کر حضورؐ کے چچا ابوطالب کے پاس گیا (جو مسلمان نہ تھے) اُن سے جا کر میں نے کہا کہ میں تمہارے بھتیجے کے پاس تھا۔ اُن پر اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ کہنے لگے کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اتباع کرو فلاح کو پہنچو گے۔ خدا کی قسم وہ اپنی نبوت کے دعوے میں سچے ہوں یا جھوٹے لیکن تمہیں تو اچھی عادتوں کی ہی تعلیم اور کریمانہ اخلاق سکھاتے ہیں۔ (تنبیہ الغافلین) یہ ایسے شخص کی نصیحت ہے جو خود مسلمان بھی نہیں ہیں، کہ وہ بھی اس کا اقرار کرتے ہیں کہ نبوت کا دعویٰ سچا ہو یا جھوٹا، لیکن اسلام کی تعلیم بہترین تعلیم ہے وہ کریمانہ اخلاق سکھاتی ہے، مگر افسوس کہ آج ہم مسلمانوں ہی کے اخلاق سب سے زیادہ گرے ہوئے ہیں۔

؏ بنی اسرائیل ع ۳ ؏ نحل ع ۱۳

(۲) وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَ
الْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ
أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (نور، ع ۳)

ف : یہ آیت شریفہ اور اس کا ترجمہ پہلی فصل کے نمبر ۱۸ پر گذر چکا ہے۔ مجھے اس کے اعادہ سے اس پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ ہم لوگ اپنے ان اسلاف کے معمولات پر بھی غور کریں اور حق تعالیٰ شانہٗ کی اس ترغیب پر بھی۔ کتنا سخت اور اہم واقعہ ہے کہ حضورؐ کی بیوی، سارے مسلمانوں کی ماں، ان پر اولاد کی طرف سے بے بنیاد تہمت لگائی جائے اور اس کو پھیلانے والے وہ قریبی رشتہ دار ہوں جن کا گذر اوقات بھی ان کے باپ ہی کی اعانت پر ہو۔ اس پر باپ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جس قدر بھی رنج اور صدمہ ہو، وہ ظاہر ہے۔ اس پر اللہ جل شانہٗ کی طرف سے یہ ترغیب کہ معاف کریں اور درگذر کریں۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف سے یہ عمل کہ جتنا پہلے خرچ کرتے تھے اس میں اضافہ فرمایا، جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ کیا ہم بھی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتے ہیں کہ کوئی ہم پر الزام رکھتے، ہمارے گھر والوں کو ایسی سخت چیز کے ساتھ متّہم کرے اور پھر ہم قرآن پاک کی اس آیت شریفہ کو تلاوت کریں، اور اس رشتہ دار کی قرابت پر نگاہ رکھتے ہوئے کسی قسم کی اعانت اس کی گوارا کر لیں۔ حاشا وکلا عمر بھر کی اسی سے نہیں، اس کی اولاد سے بھی دشمنی بندھ جائے گی، بلکہ جو دوسرے رشتہ دار اس سے تعلّق رکھیں گے، اُن کا بھی بائیکاٹ کر دیں گے۔ اور جس کسی تقریب میں وہ شریک ہوں گے، مجال ہے کہ ہم اس میں شرکت کر لیں۔ کیوں، فقط اس لئے کہ یہ لوگ ایسے شخص کی تقریب میں یا دعوت میں شریک ہو گئے جس نے ہمیں گالی دے دی، ہماری آبرو گرا دی، ہماری بہو بیٹی پر تہمت لگا دی، چاہے یہ لوگ اس گالی دینے والے کے فعل سے کتنے ہی ناراض ہوں مگر اس کی تقریب میں شرکت کے جرم میں ان سے بھی ہمارا قطع تعلّق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد یہ ہے کہ ہم خود بھی اس کی اعانت سے ہاتھ نہ روکیں، اور ہمارا عمل یہ ہے کہ کوئی دوسرا بھی اس کی دعوت کر دے تو ہم اس دوسرے سے بھی تعلّقات منقطع کر دیں لیکن جن کے دل میں حقیقی ایمان ہے، اللہ جل شانہٗ کی عظمت ان میں راسخ ہے، اس کے پاک ارشاد کی ان کو وقعت ہے، انہوں نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا کہ اطاعت کرنا اس کو کہتے ہیں، مطیع ایسے ہوتے ہیں، اللہ جل شانہٗ اپنے عالی شان کے موافق ان پر رحمتیں نازل فرمائے، اور اُن کے شان کے موافق ان کے درجات بلند فرمائے۔ آخر میں یہ بھی جذبات رکھتے تھے، غیرت حمیت رکھتے تھے، ان کے سینوں میں دل اور اس میں جذبات بھی تھے لیکن اللہ جل شانہٗ کی رضا کے سامنے کیسا دل اور کہاں کے جذبات، کیسی غیرت اور کہاں کی بدنامی، اللہ کی رضا کے مقابلہ میں سب چیز فنا تھی۔

(۳) وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ط حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ط حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ج إِنِّيْ تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ أَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ط وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ○ (احقاف، ع ۲)

"اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا (بالخصوص ماں کے ساتھ احسان کا اور بھی زیادہ کیونکہ) اس کی ماں نے بڑی مشقت کے ساتھ اس کو پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت سے اس کو جنا، اور اس کو پیٹ میں رکھنے اور دودھ چھڑانے میں (اکثر کم سے کم) تیس ۳۰ مہینے ہو جاتے ہیں (کتنی طویل مشقت ہے) یہاں تک کہ جب وہ بچہ جوان ہوتا ہے (اور دانائی کے زمانہ) چالیس ۴۰ برس کو پہنچتا ہے تو (جو سعید ہوتا ہے وہ) کہتا ہے اے میرے پروردگار مجھے اس پر مداومت دیجئے کہ میں ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے والدین کو عطا فرمائیں اور (اس کی توفیق دیجئے کہ) میں ایسے نیک کام کیا کروں جن سے آپ راضی ہو جائیں اور میری اولاد میں بھی میرے (نفع کے) لئے صلاحیت پیدا فرما دیں۔ میں (اپنے سارے گناہوں سے) توبہ کرتا ہوں، اور میں آپ کے فرمانبرداروں سے ہوں (آگے حق تعالیٰ شانہٗ ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ) یہی لوگ ہیں جن کے نیک کاموں کو ہم قبول کر لیں گے اور ان کی برائیوں سے درگذر کریں گے اس طرح پر کہ یہ جنت والوں میں سے ہوں گے یہ اس وعدہ کی وجہ سے ہے جس کا ان سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا (کہ نیک اعمال کا صلہ جنت ہے)۔"

ف: حق تعالیٰ شانہٗ نے اہلِ قرابت اور والدین کے بارے میں بار بار تاکید فرمائی جیسا کہ پہلی آیت شریفہ کے ذیل میں بھی گذر چکا۔ اس آیت شریفہ میں خاص طور سے والدین کے بارہ میں احسان کی خصوصی

تاکید فرمائی کہ ہم نے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا ہے۔ یہ مضمون اسی عنوان سے "ہم نے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا" تین جگہ قرآن پاک میں وارد ہے۔ پہلی جگہ سورۂ عنکبوت رکوع ۱ میں۔ پھر سورۂ لقمان رکوع ۲ میں، تیسری مرتبہ یہاں جس سے بہت زیادہ تاکید معلوم ہوتی ہے۔

صاحبِ خازن نے لکھا ہے کہ یہ آیتِ شریفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں نازل ہوئی کہ ابتداً ان کی رفاقت حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ شام کے سفر میں ہوئی تھی، جب کہ ان کی عمر اٹھارہ ۱۸ سال کی تھی اور حضورؐ کی عمر شریف بیس سال کی تھی۔ اس سفر میں راستہ میں ایک بیری کے درخت کے پاس ان دونوں حضرات کا قیام ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ، وہاں ایک راہب تھا، اس سے ملنے تشریف لے گئے۔ اور حضورؐ درخت کے سایہ میں تشریف فرما رہے۔ اس راہب نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ یہ شخص جو درخت کے نیچے ہے کون ہے۔ آپ نے فرمایا۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطّلب۔ راہب نے کہا۔ خدا کی قسم یہ نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بعد سے اس درخت کے نیچے کوئی نہیں بیٹھا، یہی نبی آخر الزّماں ہیں۔ جب حضورؐ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی اور آپ کو نبوت ملی تو حضرت ابوبکرؓ مسلمان ہوئے، اور دو برس بعد جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی تو یہ دعا کی۔ رَبِّ اَوْزِعْنِیْ کہ مجھے توفیق دیجئے کہ میں اس نعمت کا شکر ادا کروں جو مجھ پر اور میرے والدین پر ہوئی۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں، کہ یہ فضیلت مہاجرین میں اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی کہ اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوئے ہوں۔ اور دوسری دعا اولاد کے متعلق صلاحیت کی فرمائی، جس کا ثمرہ یہ ہے کہ آپ کی اولاد بھی مسلمان ہوئی۔

سب سے پہلی آیت سورۂ عنکبوت والی اور بھی زیادہ سخت ہے کہ اس میں ان والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم ہے جو کافر ہوں۔ اور جب کافر والدین کے ساتھ بھی حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اچھا برتاؤ اور بھلائی کرنے کا حکم ہے تو مسلمان والدین سے ساتھ بھلائی اور احسان کی تاکید بطریقِ اولیٰ۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میری ماں نے یہ عہد کر لیا کہ میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی، جب تک کہ تو محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے دین سے نہ پھرے گا اُس نے کھانا پینا چھوڑ دیا، حتّٰی کہ زبردستی اس کے منہ میں ڈالا جاتا تھا۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی (دُرِّ منثور) عبرت کا مقام ہے کہ ایسی سخت حالت میں بھی اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ ہم نے آدمی کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا ہے۔ البتہ اگر وہ مشرک بنانے کی کوشش کریں تو اس میں اطاعت

لے خازن

نہیں ہے۔ حضرت حسنؒ سے کسی نے پوچھا کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی کیا مقدار ہے انہوں نے فرمایا کہ جو کچھ تیری مِلک میں ہے، اُن پر خرچ کرے اور جو وہ حکم کریں، اس کی اطاعت کرے بجز اس کے کہ وہ کسی گناہ کا حکم کریں کہ اس میں اطاعت نہیں ہے۔

یہ تھی اسلام کی تعلیم، مسلمانوں کا عمل کہ مُشرک والدین اگر اولاد کو مشرک بنانے کی کوشش بھی کریں تب بھی اُن کے ساتھ بھلائی کا حکم ہے۔ البتہ شرک کرنے میں اُن کی اِطاعت اور فرمانبرداری نہیں، اس لئے کہ یہ خالق کا حق ہے۔ والدین کا حق خواہ کتنا ہی کیوں نہ ہو جائے مالک کے حق کے مقابلہ میں کسی کا حق نہیں ہے لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ "خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اِطاعت نہیں"۔ لیکن اُن کے اس حکم اور اولاد کو مشرک بنانے کی کوشش پر بھی ان کے ساتھ احسان کا، بھلائی کا حکم ہے۔ ایک اور حدیث میں سورۂ لُقمان والی آیت کے مُتعلق وارد ہوا ہے کہ یہ حضرت سعدؓ کے واقعہ میں نازل ہوئی۔ اس حدیث میں ہے حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ مَیں اپنی والدہ کے ساتھ بہت سُلوک کیا کرتا تھا۔ جب مَیں مسلمان ہوگیا تو میری والدہ نے کہا۔ سعد یہ کیا کیا۔ یا تو اس دین کو چھوڑ دے ورنہ مَیں کھانا چھوڑ دوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں گی۔ ہمیشہ تیرے لئے یہ طعن کی چیز رہے گی، لوگ تجھے اپنی ماں کا قاتل کہیں گے۔ مَیں نے اُس سے کہا کہ ایسا نہ کر، میں اپنا دین تو چھوڑ نہیں سکتا۔ اُس نے ایک دن بالکل نہ کھایا نہ پیا۔ دوسرا دن بھی اسی حال میں گذر گیا۔ تو میں نے اس سے کہا کہ اگر تمہاری سَو جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے سب ختم ہو جائیں تب بھی دین تو نہیں چھوڑ سکتا۔ جب اُس نے یہ پختگی دیکھی تو کھانا پینا شروع کر دیا۔ (دُرِّ منثور)

اس آیتِ شریفہ میں والدین کے ساتھ نیک سُلوک کا حکم ہے۔ فقیہ ابُواللّیثؒ فرماتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ شانُہٗ والدین کے حق کا حُکم نہ بھی فرماتے تب بھی عقل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کا حق بہت ضروری اور اہم ہے۔ چہ جائیکہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اپنی سب کتابوں توراۃ، انجیل، زَبُور، قرآن شریف میں ان کے حق کا حُکم فرمایا۔ تمام انبیاء کرامؑ کو ان کے حق کے بارہ میں وحی بھیجی اور تاکید فرمائی، اپنی رضا کو والدین کی رضا کے ساتھ وابستہ کیا، اور ان کی ناراضی پر اپنی ناراضی مُرتّب فرمائی۔ (تنبیہ الغافلین)

یہ تین آیات، حسن سُلوک کے مُتعلق تھیں۔ اس کے بعد صرف تین آیات بدسلوکی پر تنبیہ کے مُتعلق بھی ذکر کرتا ہوں۔

(۱) وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ اور نہیں گمراہ کرتے اللہ تعالیٰ شانُہٗ اس مثال

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (سورۂ بقر۔ رکوع ۳)

سے (جس کا پہلی آیت میں ذکر ہوا) مگر ایسے فاسق لوگوں کو جو توڑتے رہتے ہیں اس مُعاہَدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے، اس معاہدہ کی پختگی کے بعد۔ اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو جن کے وابستہ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں۔ یہی لوگ ہیں پورے خسارہ والے۔

ف: جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے قرآن پاک میں کئی جگہ صلہ رحمی بالخصوص والدین کے حقوق کی رعایت کا حکم اور ترغیب فرمائی جیسا کہ اُوپر گذرا، اسی طرح سے بہت سی جگہ اپنے پاک کلام میں قطعِ رحمی بالخصوص والدین کے ساتھ بدسلوکی پر بھی تنبیہ فرمائی۔ پہلے کی طرح ان میں سے بھی چند آیات کا حوالہ لکھتا ہوں۔ دوستو! غور کرو، اللہ کے پاک کلام میں جب بار بار اس پر تنبیہ ہے تو اس کو سوچو اور عبرت حاصل کرو۔ اللہ کا پاک ارشاد ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ (نساء، ع ۱) وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ (انعام، ع ۱۹) وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (بنی اسرائیل ع) وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ الآیۃ (احقاف، ع ۲) اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ (محمد، ع ۳)

حضرت محمد باقرؒ کو ان کے والد نے جو خاص طور سے اہتمام سے وصیت فرمائی ہے جو پہلی فصل کی احادیث کے سلسلہ میں نمبر ۲۳ پر بھی گذر چکی ہے، وہ بہت تجربہ کی بات ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد (حضرت امام زین العابدینؒ) نے وصیت فرمائی ہے کہ پانچ قسم کے آدمیوں کے پاس نہ پھٹکو، ان سے بات نہ کیجیو، حتیٰ کہ راستہ چلتے ہوئے اتفاقاً بھی اُن کے ساتھ نہ چلنا۔ اوّل: فاسق شخص کہ وہ ایک لقمہ کے بدلہ میں تجھ کو بیچ دے گا، بلکہ ایک لقمہ سے کم میں بھی۔ میں نے پوچھا، کہ ایک لقمہ سے کم میں کس طرح بیچے گا۔ فرمانے لگے کہ محض لقمہ کی اُمید پر تجھ کو بیچ دے گا اور وہ لقمہ اس کو مُیَسّر بھی نہ ہوگا۔ نمبر ۲ بخیل، کہ وہ تیری سخت احتیاج کے وقت بھی تیرے سے کنارہ کش ہو جائے گا۔ نمبر ۳ جھوٹا شخص کہ وہ بالو (دھوکہ) کی طرح سے تجھے دھوکا میں رکھے گا۔ جو چیز دُور ہوگی اس کو قریب بتلائے

گا، جو قریب ہوگی اس کو دُور ظاہر کرے گا۔ نمبر۴ بیوقوف کے پاس نہ لگنا کہ وہ تجھے نفع پہنچانے کا ارادہ کرے گا تب بھی اپنی حماقت سے نقصان پہنچا دے گا۔ مثل مشہور ہے کہ دانا دشمن، نادان دوست سے بہتر ہے۔ نمبر۵: قطع رحمی کرنے والے کے پاس نہ جائیو کہ میں نے قرآن پاک میں تین جگہ اس پر اللہ کی لعنت پائی ہے۔ (روض)

(۲) وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ (سورۂ رعد، ع ۳)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مُعاہدہ کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن تعلّقات کے جوڑنے کا حکم فرمایا اُن کو توڑتے ہیں، اور دُنیا میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے، اور اُن کے لئے اُس جہان میں خرابی ہے۔

ف: حضرت قتادہؒ سے نقل کیا گیا کہ اس سے بہت احتراز کرو کہ عہد کر کے توڑ دو، اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس کو بہت ناپسند کیا ہے، اور بیس۲۰ آیتوں سے زائد میں اس پر وعید فرمائی ہے جو نصیحت کے طور پر اور خیر خواہی کے طور پر اور حجت قائم کرنے کے لئے وارد ہوئی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے عہد کے توڑنے پر جتنی وعیدیں فرمائی ہیں، اس سے زائد کسی اور چیز پر فرمائی ہوں۔ پس جو شخص اللہ کے واسطہ سے عہد کر لے، اس کو ضرور پورا کرے۔ حضرت اَنسؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے خطبہ میں فرمایا کہ جو شخص امانت کو ادا نہ کرے اس کا ایمان ہی نہیں، اور جو عہد کو پورا نہ کرے اس کا دین نہیں۔ حضرت اَبُو اُمامہؓ اور حضرت عُبادہؓ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا۔ (دُرِّ مَنثور)

حضرت مَیمُون بن مِہرانؒ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں کافر مسلمان کی کوئی تفریق نہیں، سب کا حکم برابر ہے۔ اوّل جس سے مُعاہدہ کیا جائے اس کو پورا کیا جائے، چاہے وہ معاہدہ کافر سے کیا ہو یا مسلمان سے۔ اس لئے کہ عہد حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے ہے۔ دوسرے جس سے رشتہ کا تعلّق ہو اس کی صلۂ رحمی کی جائے چاہے وہ رشتہ دار مسلمان ہو یا کافر۔ تیسرے جو شخص امانت رکھوائے اس کی امانت واپس کی جائے، چاہے امانت رکھوانے والا مسلمان ہو یا کافر ہو۔ع

قرآنِ پاک میں بہت سی آیات کے علاوہ ایک جگہ خاص طور سے اسی کا حکم ہے وَاَوْفُوْا

بِالْعَهْدِ ۚ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ (بنی اسرائیل، ع ۴) "عہد کو پورا کیا کرو، بے شک عہد کی بازپرس ہوگی"۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جن تعلّقات کو جوڑنے کا حکم فرمایا، اس سے رشتہ داریاں قریب کی اور دُور کی مراد ہیں (دُر)۔ دوسری چیز تعلّقات کے توڑنے کے متعلق اِرشاد فرمائی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قرابت کے تعلّقات کو توڑنے والا ہو، اس سے میل جول پیدا نہ کیجیو کہ میں نے قرآنِ پاک میں دو جگہ ان لوگوں پر لعنت پائی ہے۔ ایک اس آیت شریفہ میں، دوسری سورۂ محمد میں (دُر) سورۂ محمد کی آیت شریفہ کا حوالہ قریب گذر چکا ہے۔ جس میں قطعِ رحمی کے بعد اِرشاد فرمایا ہے۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے پھر (ان کو اللہ تعالےٰ نے اپنے احکام سُننے سے) بہرہ کر دیا اور (راہِ حق) دیکھنے سے اندھا کر دیا"۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دو جگہ لعنت کا لفظ فرمایا اور حضرت زَیْنُ الْعَابِدِینؒ نے، جیسا کہ ابھی گذرا، تین جگہ فرمایا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ دو جگہ تو لعنت ہی کا لفظ ہے سورۂ رعد میں اور سورۂ محمد میں، اور تیسری جگہ ان کو گمراہ اور خسارہ والا فرمایا ہے جو لعنت ہی کے قریب ہے جیسا کہ اس سے پہلے نمبر پر سورۂ بقرہ کی آیت میں ابھی گذرا۔

حضرت سَلْمَانؓ، حضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ جس وقت کہ قول ظاہر ہو جائے اور عمل خزانہ میں چلا جائے یعنی تقریریں تو بہت ہونے لگیں مضامین بہت کثرت سے لکھے جائیں لیکن عمل ندارد ہو جائے، گویا مُقفّل رکھا ہوا ہے، اور زبانی اتفاق تو آپس میں ہو جائے لیکن قلوب مختلف ہوں اور رشتہ دار آپس کے تعلّقات توڑنے لگیں تو اُس وقت میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ اُن کو اپنی رحمت سے دُور کر دیتے ہیں اور اندھا بہرا کر دیتے ہیں"۔

حضرت حسنؓ سے بھی حضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ اِرشاد نقل کیا گیا کہ جب لوگ عُلوم کو ظاہر کریں اور عمل کو ضائع کر دیں اور زبانوں سے محبت ظاہر کریں اور دلوں میں بغض رکھیں اور قطعِ رحمی کرنے لگیں، تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس وقت اُن کو اپنی رحمت سے دُور کر دیتے ہیں اور اندھا بہرہ کر دیتے ہیں"۔ (دُرِ منثور) کہ پھر نہ سیدھا راستہ ان کو نظر آتا ہے نہ حق بات اُن کے کانوں میں پہنچتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنّت کی خوشبو اتنی دُور تک جاتی ہے کہ وہ راستہ پانچ سو برس میں طے ہو۔ والدین کی نافرمانی کرنے والا اور قطعِ رحمی کرنے والا جنّت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ (احیاء)

حضرت عبداللہ بن ابی اَوفیٰؓ فرماتے ہیں کہ ہم عرفہ کی شام کو حضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی

خدمت میں حلقہ کے طور پر چاروں طرف بیٹھے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مجمع میں کوئی شخص قطعِ رحمی کرنے والا ہو تو وہ اُٹھ جائے ہمارے پاس نہ بیٹھے۔ سارے مجمع میں سے صرف ایک صاحب اُٹھے، جو دور بیٹھے ہوئے تھے اور پھر تھوڑی دیر میں واپس آکر بیٹھ گئے۔ حضورؐ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ میرے کہنے پر مجمع میں سے صرف تم اُٹھے تھے اور پھر آکر بیٹھ گئے، یہ کیا بات ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضورؐ کا ارشاد سُن کر میں اپنی خالہ کے پاس گیا تھا، اُس نے مجھ سے قطعِ تعلّق کر رکھا تھا۔ میرے جانے پر اُس نے کہا کہ تُو خلافِ عادت کیسے آگیا۔ میں نے اُسے آپ کا ارشادِ مبارک سُنایا، اُس نے میرے لئے دُعائے مغفرت کی، میں نے اس کے لئے دعائے مغفرت کی (اور آپس میں صُلح کر کے واپس حاضر ہو گیا) حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ تم نے بہت اچھا کیا، بیٹھ جاؤ۔ اس قوم پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطعِ رحمی کرنے والا ہو۔

فقیہ ابُو اللیثؒ نے اس کو نقل کیا ہے لیکن صاحبِ کنزؒ نے اس کے ایک راوی کے متعلق ابنِ مَعین سے کذب کی نسبت نقل کی ہے۔ (کنز) فقیہ ابُو اللیث فرماتے ہیں، اس قصہ سے معلوم ہوا کہ قطعِ رحمی اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے اُس کے پاس بیٹھنے والے بھی اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جو شخص اس میں مُبتلا ہو، وہ اس سے توبہ کرے اور صلۂ رحمی کا اہتمام کرے۔ حضورؐ کا پاک ارشاد ہے، کہ کوئی نیکی جس کا ثواب بہت جلد ملتا ہو صلۂ رحمی سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور کوئی گناہ جس کا وبال دُنیا میں اس کے علاوہ ملے جو آخرت میں ملیگا قطعِ رحمی اور ظلم سے بڑھ کر نہیں ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

مُتعدِد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ قطعِ رحمی کا وبال آخرت کے علاوہ دُنیا میں بھی پہنچتا ہے اور آخرت میں بُرے ٹھکانے کا تو خود اس آیتِ شریفہ ہی میں ذِکر ہے۔ فقیہ ابُو اللیثؒ نے ایک عجیب قصہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک نیک شخص امانت دار خراسان کے رہنے والے تھے، لوگ اُن کے پاس اپنی امانتیں رکھوایا کرتے تھے۔ ایک شخص ان کے پاس دس ہزار اشرفیاں امانت رکھوا کر اپنی کسی ضرورت سے سفر میں چلا گیا۔ جب وہ سفر سے واپس آیا تو اُس خراسانی کا انتقال ہو چکا تھا اُن کے اہل وعیال سے اپنی امانت کا حال پوچھا۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ ان کو بڑا فکر ہوا کہ بہت بڑی رقم تھی۔ علمائے مکہ مکرمہ سے کہ اِتّفاق سے اس وقت ایک مجمع اُن کا موجود تھا، مسئلہ پوچھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ آدمی تو بڑا نیک تھا، ہمارے خیال میں جنّتی آدمی تھا، تو ایک ترکیب کر۔ جب آدھی یا تہائی رات گذر جائے تو زمزم کے کنویں پر جا کر اُس کا نام لے کر پکار کے اس سے دریافت کر۔ اُس نے تین دن

تک ایسا ہی کیا۔ وہاں سے کوئی جواب نہ ملا۔ اُس نے پھر جاکر اُن علماء سے تذکرہ کیا۔ اُنہوں نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھا اور کہا کہ ہمیں تو یہ ڈر ہو گیا کہ وہ شاید جنّتی نہ ہو۔ تو فلاں جگہ جا، وہاں ایک وادی ہے جس کا نام برہوت ہے، اس میں ایک کنواں ہے، اس کنویں پر آواز دے۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے پہلی ہی آواز میں جواب ملا کہ تیرا مال ویسا ہی محفوظ رکھا ہے۔ مجھے اپنی اولاد پر اطمینان نہ ہوا۔ اس لئے مَیں نے فلاں جگہ مکان کے اندر اس کو گاڑ دیا ہے۔ میرے لڑکے سے کہہ کہ تجھے اس جگہ پہنچا دے، وہاں سے زمین کھود کر اس کو نکال لے۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اور مال مِل گیا۔ اُس شخص نے وہاں بہت تعجب سے اس سے یہ بھی دریافت کیا، کہ تُو تو بہت نیک آدمی تھا تو یہاں کیوں پہنچ گیا۔ کنویں سے آواز آئی کہ خراسان میں میرے کچھ رشتہ دار تھے، جن سے مَیں نے قطعِ تعلّق کر رکھا تھا۔ اسی حال میں میری موت آگئی۔ اس کی گرفت میں مَیں یہاں پکڑا ہوا ہوں۔ (تنبیہ الغافلین)

حضرت علیؓ سے نقل کیا گیا کہ سب سے بہترین وادی تمام وادیوں میں مکّہ مکرّمہ کی وادی ہے اور ہندوستان کی وہ وادی جہاں حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلام جنّت سے اُترے تھے اسی جگہ ان خوشبوؤں کی کثرت ہے جن کو لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اور بدترین وادی اَحقاف ہے اور وادی حضرموت جس کو برہوت کہتے ہیں۔ اور سب سے بہترین کنواں دُنیا میں زمزم کا ہے اور بدترین کنواں برہوت کا ہے، جس میں کفّار کی روحیں جمع ہوتی ہیں (دُرِّ منثور) ان رُوحوں کا کسی وقت ان مواقع میں ہونا شرعی حجّت نہیں ہے۔ کشفی اُمور سے تعلّق رکھتا ہے جو حق تعالیٰ شانہٗ، جس پر چاہے کسی وقت مُنکشِف فرما دیتے ہیں لیکن کشف شرعی حجّت نہیں ہے۔

(۳) اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ

(ف) اگر وہ (یعنی ماں باپ) تیرے سامنے (یعنی تیری زندگی میں) بڑھاپے کو پہنچ جائیں، چاہے ایک ان میں سے پہنچے یا دونوں، (اور بڑھاپے کی بعض باتیں جوانوں کو گراں ہونے لگتی ہیں۔ اور اس وجہ سے ان کی کوئی بات تجھے گراں ہونے لگے) تب بھی ان سے کبھی "ہوں" بھی مت کرنا اور نہ اُن سے جھڑک کر بولنا، ان

اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ط اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ○

(سورۂ بنی اسرائیل، ع ۳)

سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دُعا کرتے رہنا کہ اے ہمارے پروردگار تُو ان پر رحمت کر جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا ہے۔ (اور صرف ظاہر داری ہی نہیں بلکہ دل سے ان کا احترام کرنا) تمہارا رب تمہارے دِل کی بات کو خُوب جانتا ہے۔ اگر تم سعادتمند ہو (اور غلطی سے کوئی بات خلاف ادب سرزد ہو جائے اور تم توبہ کر لو) تو وہ توبہ کرنیوالے کی خطائیں بڑی کثرت سے مُعاف کرنیوالا ہے۔"

ف: حضرت مُجاہدؒ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا کہ اگر وہ بوڑھے ہو جائیں اور تمہیں ان کا پیشاب پاخانہ دھونا پڑ جائے تو کبھی اُف بھی نہ کرو، جیسا کہ وہ بچپن میں تمہارا پیشاب پاخانہ دھوتے رہے ہیں۔
حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر بے ادبی میں اُف کہنے سے کوئی ادنیٰ درجہ ہوتا، تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس کو بھی حرام فرما دیتے۔ حضرت حَسنؓ سے کسی نے پوچھا کہ نافرمانی کی مقدار کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ "اپنے مال سے ان کو محروم رکھے اور ملنا چھوڑ دے، اور ان کی طرف تیز نگاہ سے دیکھے"۔ حضرت حَسنؓ سے کسی نے پوچھا کہ ان سے "قولِ کریم" کا کیا مطلب ہے؟ اُنہوں نے فرمایا کہ اُن کو "اماں، ابا" کہہ کے خطاب کرے۔ ان کا نام نہ لے۔ حضرت زُہیر بن محمدؒ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا کہ جب وہ پکاریں، تو "حاضر ہوں، حاضر ہوں" سے جواب دے۔ حضرت قتادہؒ سے نقل کیا گیا کہ نرمی سے بات کرے۔ حضرت سَعید بن المُسَیّبؒ سے کسی نے عرض کیا، کہ قرآن پاک میں حُسنِ سُلوک کا حکم تو بہت جگہ ہے اور میں اس کو سمجھ گیا لیکن "قولِ کریم" کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تو انہوں نے فرمایا جیسا کہ بہت سخت مجرم غلام، سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک بڑے

میاں بھی تھے۔ حضورؐ نے اُن سے پوچھا کہ یہ کون ہیں، انہوں نے عرض کیا کہ یہ میرے والد ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان سے آگے نہ چلنا، ان سے پہلے نہ بیٹھنا، ان کا نام لے کر نہ پکارنا اور ان کو بُرا نہ کہنا۔

حضرت عُروہ رحؒ سے کسی نے پوچھا کہ قرآن پاک میں ان کے سامنے جھکنے کا حکم فرمایا ہے اس کا کیا مطلب ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ کوئی بات تیری ناگواری کی کہیں تو ترچھی نگاہ سے ان کو مت دیکھ کہ آدمی کی ناگواری اوّل اس کی آنکھ سے ہی پہچانی جاتی ہے۔

حضرت عائشہؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے نقل کرتی ہیں کہ جس نے باپ کی طرف تیز نگاہ کر کے دیکھا، وہ فرماں بردار نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے دریافت کیا، کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نماز کا اپنے وقت پر پڑھنا۔ مَیں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل ہے، حضورؐ نے فرمایا، والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، میں نے عرض کیا۔ اس کے بعد۔ حضورؐ نے فرمایا، جہاد۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہے، کہ اللہ تعالےٰ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔ (دُرِّ منثور)

صاحبِ مظاہر نے لکھا ہے کہ ماں باپ کے حقوق میں ہے کہ ایسی تواضع اور تملّق کرے اور ادائے خدمت کرے کہ وہ راضی ہو جائیں۔ جائز کاموں میں اُن کی اطاعت کرے، بے ادبی نہ کرے، تکبّر سے پیش نہ آئے، اگرچہ وہ کافر ہی ہوں۔ اپنی آواز کو ان کی آواز سے بلند نہ کرے، اُن کو نام لے کر نہ پکارے کسی کام میں ان سے پہل نہ کرے، اَمر بالمعروف نہی عن المنکر میں نرمی کرے۔ ایک بار کہے، اگر وہ قبول نہ کریں تو خود سلوک کرتا رہے اور ان کے لئے دُعا و استغفار کرتا رہے اور یہ بات قرآنِ پاک سے نکالی ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اپنے باپ کو نصیحت کرنے سے (مظاہر بتغیر) یعنی حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃ والسَّلام نے ایک مرتبہ نصیحت کرنے کے بعد کہہ دیا تھا کہ اچھا اب مَیں اللہ سے تمہارے لئے دُعا کرتا ہوں، جیسا کہ سورہ مریم کے تیسرے رکوع میں آیا ہے۔ حتّٰی کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کی اطاعت حرام میں تو ناجائز ہے لیکن مُشتبہ اُمور میں واجب ہے۔ اس لئے کہ مُشتبہ اُمور سے احتیاط تقوےٰ اور ان کی رضا جوئی واجب ہے پس اگر اُن کا مال مُشتبہ ہو، اور وہ تیرے علیحدہ کھانے سے مکدّر ہوں تو اُن کے ساتھ کھانا چاہیئے۔

حضرت ابنِ عبّاسؓ فرماتے ہیں. کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے والدین حیات ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو، اُس کے لئے جنّت کے دو دروازے نہ کھل جاتے ہوں. اور اگر اُن کو ناراض کردے تو اللہ جلّ شانہٗ اس وقت تک راضی نہیں ہوتے جب تک ان کو راضی نہ کرلے. کسی نے عرض کیا کہ اگر وہ ظلم کرتے ہوں. ابنِ عباسؓ نے فرمایا. اگرچہ وہ ظلم کرتے ہیں.

حضرت طلحہ رضؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے، اور جہاد میں شرکت کی درخواست کی. حضورؐ نے فرمایا. تمہاری والدہ زندہ ہیں. انہوں نے عرض کیا، زندہ ہیں. حضورؐ نے فرمایا کہ ان کی خدمت کو مضبوط پکڑ لو، جنّت ان کے پاؤں کے نیچے ہے. پھر دوبارہ اور سہ بارہ حضورؐ نے یہی ارشاد فرمایا.

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا. یا رسول اللہ میرا جہاد کو بہت دل چاہتا ہے لیکن مجھ میں قدرت نہیں. حضورؐ نے فرمایا. تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے. انہوں نے عرض کیا، والدہ زندہ ہیں. حضورؐ نے فرمایا کہ ان کے بارہ میں اللہ سے ڈرتے رہو، (یعنی اُن کے حقوق کی ادائیگی میں فتوے سے آگے بڑھ کر تقوے پر عمل کرتے رہو). جب تم ایسا کروگے تو تم حج کرنے والے بھی ہو، عمرہ کرنے والے بھی، جہاد کرنے والے بھی ہو، یعنی جتنا ثواب ان چیزوں میں ملتا، اتنا ہی تمہیں ملے گا.

حضرت محمد بن المنکدر رحؒ کہتے ہیں کہ میرا بھائی عمر تو نماز پڑھنے میں رات گذارتا تھا اور میں والدہ کے پاؤں دبانے میں رات گذارتا تھا. مجھے اس کی کبھی تمنا نہ ہوئی کہ اُن کی رات (کا ثواب) میری رات کے بدلہ میں مجھے مل جائے.

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں. میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ خاوند کا. میں نے پھر پوچھا کہ مرد پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، ماں کا. ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تم لوگوں کی عورتوں کے ساتھ عفیف رہو. تمہاری عورتیں بھی عفیف رہیں گی. تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے گی (دُرِّ منثور)

حضرت طاؤس رحؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے چار بیٹے تھے. وہ بیمار ہوا. ان بیٹوں میں سے ایک نے

اپنے تین بھائیوں سے کہا کہ اگر تم باپ کی تیمارداری اس شرط پر کرو کہ تم کو باپ کی میراث میں سے کچھ نہیں ملیگا تو تم کرو ورنہ میں اس شرط پر تیمارداری کرتا ہوں کہ میراث میں سے کچھ نہ لونگا وہ اس پر راضی ہوگئے کہ تو ہی اس شرط پر تیمارداری کر ہم نہیں کرتے۔ اس نے خُوب خدمت کی۔ لیکن باپ کا انتقال ہی ہوگیا اور شرط کے موافق اُس نے کچھ نہ لیا۔ رات کو خواب میں دیکھا، کوئی شخص کہتا ہے، فلاں جگہ سَو دینار (اشرفیاں) گڑی ہوئی ہیں، وہ تُو لے لے۔ اُس نے خواب میں ہی دریافت کیا کہ ان میں برکت بھی ہوگی۔ اُس نے کہا کہ برکت ان میں نہیں ہے۔ صبح کو بیوی سے خواب کا ذکر کیا۔ اُس نے اُن کے نکالنے پر اِصرار کیا۔ اُس نے نہ مانا۔ دوسرے دن پھر خواب دیکھا جس میں کسی دوسری جگہ دَس دینار بتائے۔ اُس نے پھر وہی برکت کا سُوال کیا۔ اُس نے کہا کہ برکت ان میں نہیں ہے۔ اُس نے صبح کو بیوی سے اس کا بھی ذکر کیا، اُس نے پھر اِصرار کیا، مگر اُس نے نہ مانا۔ تیسرے دن اس نے پھر خواب دیکھا۔ کوئی شخص کہتا ہے، فلاں جگہ جا۔ وہاں تجھے ایک دینار، (اشرفی) ملے گا، وہ لے لے، اُس نے پھر وہی برکت کا سُوال کیا۔ اُس شخص نے کہا۔ ہاں اس میں برکت ہے۔ یہ جاکر وہ دینار لے آیا اور بازار میں جاکر اس سے دو مچھلیاں خریدیں، جن میں سے ہر ایک کے اندر سے ایک ایسا موتی نکلا جس قسم کا عمر بھر کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ بادشاہِ وقت نے اِن دونوں کو بہت اِصرار سے لوتے نچروں کے بوجھ کے بقدر سونے سے خریدا۔

احادیث

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبُوْكَ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ فَاَدْنَاكَ ۔

حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کسی نے دریافت کیا کہ میرے بہترین تعلّقات (احسان و سُلوک) کا سب سے زیادہ مُستحق کون ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ ماں، پھر دوبارہ سہ بارہ ماں کو ہی بتایا۔ پھر فرمایا کہ باپ۔ پھر دوسرے رشتہ دار اَلْاَقْرَب فَالْاَقْرَب (جو جتنا قریب ہو، اتنا ہی مُقدّم ہے)۔

(متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)

ف: اس حدیث شریف سے بعض علماء نے استنباط کیا ہے کہ حُسنِ سُلوک اور احسان میں ماں کا حق تین حصّہ ہے اور باپ کا ایک حِصّہ۔ اس لئے کہ حضورؐ نے تین مرتبہ ماں کو بتا کر چوتھی مرتبہ باپ کو بتایا۔ اس کی وجہ علماء یہ بتاتے ہیں کہ اولاد کے لئے ماں تین مشقتیں برداشت کرتی ہے۔ حمل کی، جننے کی، دودھ پلانے کی۔ اسی وجہ سے فُقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ احسان اور سُلوک میں ماں کا حق باپ پر مُقدّم ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ اپنی ناداری کی وجہ سے دونوں کے ساتھ سُلوک نہیں کر سکتا تو ماں کے ساتھ سُلوک کرنا مُقدّم ہے، البتہ اِعزاز اور ادب تعظیم میں باپ کا حق ماں پر مُقدّم ہے (مظاہر حق)۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عورت ہونے کی وجہ سے ماں احسان کی زیادہ محتاج ہوتی ہے، اور ان دونوں کے بعد دوسرے رشتہ دار ہیں۔ جس کی قرابت جتنی قریب ہوگی، اُتنا ہی مُقدّم ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ اپنی ماں کے ساتھ حُسنِ سُلوک کی اِبتداء کرو۔ اس کے بعد باپ کے ساتھ پھر بہن کے ساتھ پھر بھائی کے ساتھ، اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَب، اور اپنے پڑوسیوں اور حاجت مندوں کو نہ بھولنا۔ (کنز)

حضرت بَہز بن حکیم اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ حضورؐ میں سُلوک و اِحسان کس کے ساتھ کروں۔ حضورؐ نے فرمایا، اپنی ماں کے ساتھ۔ انہوں نے پھر بھی دریافت فرمایا حضورؐ نے پھر یہی جواب دیا، اسی طرح تیسری مرتبہ بھی۔ چوتھی مرتبہ میں حضورؐ نے فرمایا باپ کے ساتھ۔ اس کے بعد پھر دوسرے رشتہ دار جو جتنا قریب ہو، اُتنا ہی مُقدّم ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے کوئی حُکم دیں تاکہ تعمیلِ ارشاد کروں۔ حضورؐ نے فرمایا، کہ اپنی ماں کے ساتھ احسان کرو۔ دوسری اور تیسری مرتبہ کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ باپ کے ساتھ احسان کرو۔ (دُرِّ منثور)

ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں، جس میں یہ پائی جائیں، حق تعالیٰ شانہٗ مرنے کے وقت کو اس پر آسان کر دیتے ہیں اور جنّت میں اس کو داخل کر دیتے ہیں۔ ضعیف پر مہربانی، والدین پر شفقت اور ماتحتوں پر احسان۔ (مشکوٰۃ)

(۲) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ لَہٗ فِیْ رِزْقِہٖ وَیُنْسَأَ لَہٗ فِیْ اَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ متفق علیہ (مشکوٰۃ)

ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اُس کے رزق میں وُسعت کی جائے اور اُس کے نِشاناتِ قدم میں تاخیر کی جائے اس کو چاہیئے کہ صلۂ رحمی کرے۔

ف: "نشاناتِ قدم" میں تاخیر کیے جانے سے عُمر کی درازی مراد لی جاتی ہے۔ اس لیے کہ جس شخص کی جتنی عمر زیادہ ہوگی اتنے ہی زمانہ تک اس کے چلنے سے نشاناتِ قدم زمین پر پڑیں گے، اور جو مرگیا، اس کے پاؤں کا نشان زمین سے مِٹ گیا۔

اس پر یہ اِشکال کیا جاتا ہے کہ عمر ہر شخص کی مُتعیّن ہے۔ قرآن پاک میں کئی جگہ یہ مضمون صراحت سے مذکور ہے کہ ہر شخص کا ایک مُقرّرہ وقت ہے جسمیں ایک ساعت کی نہ تو تقدیم ہو سکتی ہے، نہ تاخیر ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے درازئ عُمر کو بعض عُلماء نے وُسعتِ رزق کی طرح سے برکت پر محمول فرمایا ہے کہ اس کے اوقات میں اس قدر برکت ہوتی ہے کہ جو کام دوسرے لوگ دنوں میں کرتے ہیں وہ گھنٹوں میں کر لیتا ہے اور جس کام کو دوسرے لوگ مہینوں میں کرتے ہیں وہ دنوں میں کرتا ہے۔

اور بعض علماء نے درازئ عُمر سے اس کا ذکرِ خیر مراد لیا ہے کہ بہت دِنوں تک اس کے کارناموں کے نشانات اور ذکرِ خیر اس کا جاری رہتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کی اولاد میں زیادتی ہوتی ہے جس کا سلسلہ اس کے مرنے کے بعد دیر تک رہتا ہے، اور یہی وُجوہ اس کی ہو سکتی ہیں۔

جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جن کا قول سچا ہے، ارشاد برحق ہے، اس کی اِطلاع دی ہے تو صورت اس کی جو بھی ہو، اس کا حاصل ہونا یقینی ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی پاک ذات، قادرِ مُطلق اور مُسبّب الاسباب ہے۔ اس کو اسباب پیدا کرنا کیا مُشکل ہے۔ وہ ہر چیز کا جس کو وہ کرنا چاہے ایسا سبب پیدا کر دیتا ہے کہ عُقلاء کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ اس لیے اس میں کوئی اشکال ہے، نہ کوئی مانع ہے۔ (مظاہر بتغیر)

مُقدّرات کا مسئلہ اپنی جگہ پر اٹل ہے لیکن اس دُنیا کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے دارُ الاسباب بنایا ہے اور ہر چیز کے لئے ظاہری یا باطنی سبب پیدا کیا ہے۔ اگر ہیضہ کے بیمار کے لیے حکیم ڈاکٹر وغیرہ کے لئے ایک ایک منٹ میں آدمی دوڑ سکتا ہے کہ شاید اس دَوا سے فائدہ ہو، اُس دَوا سے فائدہ ہو۔ کیوں، تا کہ

عمر باقی رہے۔ حالاں کہ وہ ایک مُقرّرہ مُتعیّنہ چیز ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ بقاءِ عمر کے لئے اس سے زیادہ جدّوجُہد صلۂ رحمی میں نہ کی جائے۔ اس لئے کہ اس کا بقا اور طُولِ عُمر کے لئے سبب ہونا یقینی ہے، اور ایسے حکیم کا ارشاد ہے جس کے نُسخہ میں کبھی غلطی نہ ہوئی ہو۔ اور ان معمولی حکیم ڈاکٹروں کے نسخوں اور تشخیص میں غلطی کے سینکڑوں احتمالات ہیں۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا یہ پاک ارشاد جو اوپر گذرا، مُختلف احادیث میں مُختلف عُنوانات سے وارد ہوا ہے اس لئے اس میں تردّد نہیں۔ ایک حدیث میں حضرت علیؓ سے نقل کیا گیا کہ جو شخص ایک بات کا ذمہ لے میں اس کے لئے چار باتوں کا ذمہ لیتا ہوں۔ جو شخص صلۂ رحمی کرے اس کی عمر دراز ہوتی ہے، اعِزّہ اس سے مُحبّت کرتے ہیں، رزق میں اس کے وُسعت ہوتی ہے اور جنت میں داخل ہوتا ہے (کنز) حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت اَبُوبکر صدیقؓ سے فرمایا کہ تین باتیں بالکل حق (اور پکّی ہیں)۔ نمبر ا: جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ چشم پوشی کرے، اس کی عزت بڑھتی ہے۔ نمبر ۲: جو شخص مال کی زیادتی کے لئے سُوال کرے، اس کے مال میں کمی ہوتی ہے۔ نمبر ۳: جو شخص عطا اور صلۂ رحمی کا دروازہ کھول دے، اس کے مال میں کثرت ہوتی ہے (دُرِّ منثور)۔ فقیہ اَبُو اللیثؒ فرماتے ہیں کہ صلۂ رحمی میں دس چیزیں قابلِ مدح ہیں۔ اوّل یہ کہ اس میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ، عَمَّ نَوالُہٗ کی رضا و خوشنودی ہے کہ اللہ پاک کا حُکم صلۂ رحمی کا ہے۔ دوسرے رشتہ داروں پر مسرّت پیدا کرنا ہے۔ اور حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ افضل ترین عمل مُومن کو خوش کرنا ہے۔ تیسرے، اس سے فرشتوں کو بھی بہت مسرت ہوتی ہے۔ چوتھے، مسلمانوں کی طرف سے اس شخص کی مدح اور تعریف ہوتی ہے۔ پانچویں شیطان عَلَیْہِ اللَّعْنَۃ کو اس سے بڑا رنج و غم ہوتا ہے۔ چھٹے، اس کی وجہ سے عمر میں زیادتی ہوتی ہے۔ ساتویں، رزق میں برکت ہوتی ہے۔ آٹھویں، مُردوں کو اس سے مسرّت ہوتی ہے کہ باپ دادا جن کا انتقال ہوگیا، اُن کو جب اس کی خبر ہوتی ہے تو ان کو بڑی خوشی اس سے ہوتی ہے۔ نویں: آپس کے تعلّقات میں اس سے قوت ہوتی ہے، جب تم کسی کی مدد کروگے، اس پر احسان کروگے تمہاری ضرورت اور مشقت کے وقت میں وہ دل سے تمہاری اعانت کرنے کا خواہش مند ہوگا۔ دسویں: مرنے کے بعد تمہیں ثواب ملتا رہے گا کہ جس کی بھی تم مدد کروگے تمہارے مرنے کے بعد وہ ہمیشہ تمہیں یاد کرکے دُعائے خیر کرتا رہے گا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن رحمٰن کے عرش کے سایہ میں تین قسم کے آدمی ہوں گے ایک صلۂ رحمی کرنے والا، کہ اس کے لئے دُنیا میں بھی اس کی عمر بڑھائی جاتی ہے، رزق میں بھی وُسعت کی

جاتی ہے اور اس کی قبر میں بھی وُسعت کردی جاتی ہے۔ دوسرے وہ عورت جس کا خاوند مرگیا ہو اور وہ چھوٹی اولاد کی پرورش کی خاطر، اُن کے جوان ہونے تک نکاح نہ کرے، تاکہ ان کی پرورش میں مشکلات پیدا نہ ہوں، تیسرے وہ شخص جو کھانا تیار کرے، اور یتامیٰ مساکین کی دعوت کرے۔

حضرت حسنؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے نقل کرتے ہیں کہ دو قدم اللہ کے یہاں بہت محبوب ہیں۔ ایک وہ قدم جو فرض نماز ادا کرنے کے لئے اُٹھا ہو، دوسرا وہ قدم جو کسی محرم کی مُلاقات کے لئے اُٹھا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے، کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن پر دوام اور اِستقلال سے اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں ایسی نیکیاں ملتی ہیں جیسے کہ اُونچے اُونچے پہاڑ اور ان کی وجہ سے رزق میں بھی وُسعت ہوتی ہے۔

ایک صدقہ کی مُداوَمت تھوڑا ہو یا زیادہ۔ دوسرے صلۂ رِحمی پر مُداومت چاہئے قلیل ہو یا کثیر تیسرے اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ چوتھے ہمیشہ باوضو رہنا۔ پانچویں والدین کی فرمانبرداری پر مُداومت کرنا۔ (تنبیہ الغافلین)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس عمل کا ثواب اور بدلہ سب سے جلدی ملتا ہے، وہ صلۂ رِحمی ہے۔ بعض آدمی گنہگار ہوتے ہیں لیکن صلۂ رِحمی کی وجہ سے اُن کے مالوں میں بھی برکت ہوتی ہے اور اُن کی اولاد میں بھی (احیاء) ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ طریقہ کے مُوافق کرنا اور مَعرُوف (بھلائی) کا اختیار کرنا والدین کے ساتھ احسان کرنا، اور صلۂ رِحمی آدمی کو بدبختی سے نیک بختی کی طرف پھیر دیتا ہے، عُمر میں زیادتی کا سبب ہے اور بُری موت سے حفاظت ہے۔ (کنز)

عُمر میں اور رزق میں زیادتی جتنی کثرت سے رِوایات میں ذِکر کی گئی ہے اُس کا نمونہ معلوم ہوگیا، اور یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن پر ہر شخص مرتا ہے اور دُنیا کی ساری کوششیں انہی دو چیزوں کی خاطر ہیں حضورؐ نے ان دونوں کے لئے بہت سہل تدبیر بتادی کہ صلۂ رحمی کیا کرے، دونوں تمنائیں حاصل ہوں گی۔ اگر حضورؐ کے اِرشاد کے حق ہونے پر یقین ہے، تو پھر عُمر اور رزق کی زیادتی کے خواہشمندوں کو اس نسخہ پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنا چاہیئے، اور جو مُیَسَّر ہو، اَقْرِبا پر خرچ کرنا چاہیئے کہ رزق میں زیادتی کے وعدہ سے اس کا بدل بھی ملے گا اور عمر میں اضافہ مُفت میں ہے۔

(۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اِرشاد ہے کہ باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کا اعلیٰ

مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّيَ (رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ)

درجہ یہ ہے کہ اُس کے چلے جانے کے بعد اس کے ساتھ تعلقات رکھنے والوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرے۔

ف: چلے جانے سے مراد عارضی چلا جانا بھی ہوسکتا ہے اور مُستقل چلا جانا یعنی مرجانا بھی ہوسکتا ہے اور یہ درجہ بڑھا ہوا اسلئے ہے کہ زندگی میں تو اُس کے دوستوں کے ساتھ حُسنِ سلوک میں اپنے ذاتی اَغراض کا شائبہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُن کے ساتھ تعلُّق کی قوّت اور اچھا سلوک ان اَغراض کے پورا ہونے میں مُعِین ہوگا جو والد سے وابستہ ہیں لیکن باپ کے مرنے کے بعد اُن کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا اپنے ذاتی اَغراض سے بالاتر ہوتا ہے، اس میں باپ ہی کا احترام خالص رہ جاتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے، ابنِ دینارؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابنِ عمرؓ مکّہ کے راستہ میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک بَدّو جاتا ہوا نظر پڑ گیا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے اس کو اپنی سواری دے دی اور اپنے سرِ مُبارک سے عمامہ اُتار کر اس کی نذر کر دیا۔ ابنِ دینارؒ نے عرض کیا کہ حضرت یہ شخص تو اس سے کم درجہ احسان پر بھی بہت خوش ہو جاتا (آپ نے عمامہ بھی دیا اور سواری بھی) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا، کہ اس کا باپ میرے باپ کے دوستوں میں تھا اور میں نے حضورؐ سے یہ سُنا کہ بہترین صِلہ آدمی کا اپنے باپ کے دوستوں پر احسان کرنا ہے۔

حضرت اَبُوہُرَیرہؓ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو حضرت ابن عمرؓ مجھ سے ملنے تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے، مَیں کیوں آیا، میں نے حضورؐ سے سُنا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اپنے باپ کیساتھ اسکی قبر میں صلہ رحمی کرے، اس کو چاہیئے کہ اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور میرے باپ عُمرؓ میں اور تمہارے والد میں دوستی تھی اس لئے آیا ہوں (ترغیب) کہ دوست کی اولاد بھی دوست ہی ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ حضرت اَبُو اُسَیدْ مَالک بن رَبِیعہؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ قبیلہ بنو سلمہ کے ایک صاحب، حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسُولَ اللہ میرے والدین کے انتقال کے بعد اُن کے حُسنِ سلوک کا کوئی درجہ باقی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں ہاں اُن کے لئے دُعائیں کرنا، اُن کی مغفرت کی دُعا مانگنا اُن کے عہد کو جو کسی سے کر رکھا ہو پُورا کرنا اور ان کے رشتہ دارو[ں]

کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا، ان کے دوستوں کا اِکرام کرنا۔ (مشکوٰۃ بروایۃ ابوداؤد)۔ ایک اور حدیث میں اس قِصّہ کے بعد ہے، اس شخص نے عرض کیا۔ یارسولَ اللہ، یہ کیسی بہترین اور بڑھیا بات ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، تو پھر اس پر عمل کرو۔ (ترغیب)

(۴) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوْتُ وَالِدَاهُ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاِنَّهٗ لَهُمَا لَعَاقٌّ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْ لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا (رواه البيهقى فى الشعب كذا فى المشكوٰة)

(حضورِ اقدس صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے ماں باپ دونوں یا اُن میں سے کوئی ایک مرجائے اور وہ شخص ان کی نافرمانی کرنے والا ہو، تو اگر وہ ان کے لئے ہمیشہ دُعائے مغفرت کرتا رہے، اس کے عِلاوہ ان کے لئے اور دعائیں کرتا رہے، تو وہ شخص فرمانبرداروں میں شمار ہوجائے گا۔)

ف: (یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر اِنعام و اِحسان اور لُطف و کرم ہے کہ والدین کی زندگی میں بسا اوقات ناگوار اُمور پیش آجانے سے دِلوں میں مَیل آجاتا ہے لیکن جتنا بھی رنج ہوجائے، والدین ایسی چیز نہیں جن کے مرنے کے بعد بھی دلوں میں رنج رہے، ان کے اِحسانات یاد آکر آدمی بیتاب نہ ہوجائے، لیکن اب وہ مرگئے، اَب کیا تلافی ہوسکتی ہے۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اپنے فضل سے اس کا دروازہ بھی کھول دیا کہ ان کے مرنے کے بعد ان کیلئے دُعائیں کرے، ان کی مغفرت کو اللہ سے مانگتا رہے، اُن کے لئے اِیصالِ ثواب جانی اور مالی کرتا رہے کہ یہ اُن کی زندگی کے زمانہ میں جو اُن کے حقوق ضائع ہوئے ہیں اُس کی تلافی کردے گا۔ اور بجائے نافرمانوں میں شمار ہونے کے فرمانبرداروں میں شمار ہوجائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ ہاتھ سے وقت نکل جانے کے بعد بھی اس کا راستہ کھول دیا۔ کس قدر بے غیرتی اور دِلی قساوت ہوگی، اگر اس موقعہ کو بھی ہاتھ سے کھو دیا جائے۔ ایسا کون ہوگا جس سے ہمیشہ والدین کی رضا ہی کے کام ہوتے رہے ہوں اور ادائے حقوق میں کوتاہی تو کچھ نہ کچھ ہوتی ہی ہے اگر اپنا معمول اور کوئی ضابطہ ایسا مقرّر کرلیا جائے جس سے اُن کو ثواب پہنچتا رہے تو کس قدر اعلیٰ چیز حاصل ہوسکتی ہے۔)

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرے تو یہ اُن کے لئے حجِ بدل ہوسکتا ہے، ان کی رُوح کو آسمان میں اس کی خوشخبری دی جاتی ہے اور یہ شخص اللہ کے نزدیک فرماں برداروں میں

شمار ہوتا ہے۔ اگرچہ پہلے سے نافرمان ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے والدین میں سے کسی کی طرف سے حج کرے تو ان کے لئے ایک حج کا ثواب ہوتا ہے اور حج کرنے والے کے لئے نو حجوں کا ثواب ہوتا ہے۔[1]

(علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ یہ دعا پڑھے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ رَبِّ السَّمٰوَاتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَلَہُ الْکِبْرِیَاءُ فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ط لِلّٰہِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوَاتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط وَلَہُ الْعَظَمَۃُ فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ط ھُوَ الْمَلِکُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَالَمِیْنَ وَلَہُ النُّوْرُ فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ط

اور اس کے بعد یہ دعا کرے کہ "یا اللہ اس کا ثواب میرے والدین کو پہنچا دے" اس نے والدین کا حق ادا کر دیا۔)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی اگر کوئی نفلی صدقہ کرے، تو اس میں کیا حرج ہے کہ اس کا ثواب اپنے والدین کو بخش دیا کرے بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں کہ اس صورت میں ان کو ثواب پہنچ جائے گا اور صدقہ کرنیوالے کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ (کنز)

اس حدیث شریف کے موافق کچھ کرنا بھی نہیں پڑتا۔ جو کچھ بھی کسی موقع پر خرچ کیا جائے، اس کا ثواب اپنے والدین کو پہنچا دیا کرے۔ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں۔ اس پاک ذات کی قسم جس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حق بات کے ساتھ بھیجا ہے، یہ اللہ کے پاک کلام میں ہے کہ جو شخص تیرے باپ کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہو تو اس کے ساتھ قطع رحمی نہ کر، اس سے تیرا نور جاتا رہے گا۔

(ایک حدیث میں ہے کہ جو اپنے والدین کی یا ان میں سے ایک کی قبر کی ہر جمعہ کو زیارت کرے اس کی مغفرت کی جائے گی اور وہ فرمانبرداروں میں شمار ہوگا۔)

(اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص اپنے والدین کی زندگی میں نافرمان ہو پھر ان کے انتقال کے بعد ان کے لئے استغفار کرے، اگر ان کے ذمہ قرض ہو تو اس کو ادا کرے اور ان کو برا نہ کہے تو وہ فرمانبرداروں میں شمار ہو جاتا ہے، اور جو شخص والدین کی زندگی میں فرمانبردار تھا، لیکن ان کے مرنے کے بعد ان کو برا بھلا کہتا ہے، ان کا قرض بھی ادا نہیں کرتا، ان کے لئے استغفار بھی نہیں کرتا، وہ نافرمان

[1] (رحمۃ المہداۃ)

شمار ہو جاتا ہے۔ (دُرِّ منثور)

⑤ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ رضی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی اَفْضَلِ الصَّدَقَۃِ اِبْنَتُکَ مَرْدُوْدَۃٌ اِلَیْکَ لَیْسَ لَھَا کَاسِبٌ غَیْرُکَ (رواہ ابن ماجۃ کذا فی المشکوٰۃ)

(حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک مرتبہ اِرشاد فرمایا کہ میں تمہیں بہترین صدقہ بتاتا ہوں تیری وہ لڑکی (اس کا محل) ہے جو لَوٹ کر تیرے ہی پاس آگئی ہو اور اس کے لئے تیرے سوا کوئی کمانے والا نہ ہو (کہ ایسی لڑکی پر جو بھی خرچ کیا جائے گا وہ بہترین صدقہ ہے)

ف: لَوٹ کر آجانے سے مراد یہ ہے کہ لڑکی کا نکاح کر دیا تھا، اس کے خاوند کا اِنتقال ہو گیا یا خاوند نے طلاق دے دی یا کوئی اور عارضہ ایسا پیش آگیا جسکی وجہ سے وہ لڑکی پھر باپ کے ذمّہ ہو گئی تو اُس کی خبر گیری اس پر خرچ کرنا افضل ترین صدقہ ہے۔ اور اس کا افضل ہونا صاف ظاہر ہے کہ اس میں ایک صدقہ ہے دوسرے مصیبت زدہ کی امداد ہے، تیسرے صلہ رحمی ہے۔ چوتھے اولاد کی خیر گیری ہے پانچویں غمزدہ کی دلداری ہے کہ اولاد کا ابتداء میں والدین کے ذمّہ ہونا رنج کی بجائے خوشی کا سبب ہوتا ہے لیکن اس کا اپنا گھر ہو جانے کے بعد اپنا ٹھکانہ بن جانے کے بعد پھر والدین کے ذمّہ ہو جانا زیادہ رنج کا سبب ہوا کرتا ہے۔ نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اِرشاد ہے کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کی فریاد رسی کرے، اس کے لئے تہتّر درجے مغفرت کے لکھے جاتے ہیں جن میں سے ایک میں اس کے تمام اُمور کی اِصلاح اور درستی ہے۔ اور بہتّر درجہ اس کے لئے قیامت میں ترقیات کا سبب ہیں۔

اس مضمون کی بہت سی روایات پہلی فصل کی احادیث میں نمبر ۳۶ کے ذیل میں گذر چکیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ میرے پہلے خاوند ابُو سلمہؓ کی جو اولاد میرے پاس ہے ان پر خرچ کرنے کا بھی مجھے ثواب ملیگا وہ تو میری ہی اولاد ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، ان پر خرچ کیا کر، اس کا تجھے ثواب ملیگا (مشکوٰۃ) اور اولاد پر رحمت اور شفقت تو بغیر اس کی اِحتیاج اور ضرورت کے بھی مُستقل مندوب اور مطلوب ہے۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس دونوں نواسے حضرت حَسَن، حضرت حُسَین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا میں سے ایک موجود تھے۔ حضورؐ نے ان کو پیار کیا۔ اَقرَع بن حابس قبیلہ تمیم کا سردار بھی وہاں موجود تھا۔ کہنے لگا کہ میرے دس بیٹے ہیں، مَیں نے اُن میں سے کبھی بھی کسی کو پیار

نہیں کیا۔ حضورؐ نے اس کی طرف تیز نگاہ سے دیکھا اور فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا اُس پر رحم کیا بھی نہیں جاتا۔ ایک اور حدیث میں ہے، ایک بدّو نے عرض کیا کہ تم بچوں کو پیار کرتے ہو، ہم تو نہیں کرتے۔ حضورؐ نے فرمایا میں اس کا کیا علاج کروں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دِل سے رحمت کا مادّہ نکال دیا (ترغیب) اولاد ہونے کے علاوہ اس کا مصیبت زدہ ہونا مستقل اجر کا سبب ہے۔

(۶) عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ۔

(رواہ احمد والترمذی وغیرھما کذا فی المشکوٰۃ)

(حضورِ اقدس صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ غریب پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی دو چیزیں ہوگئیں۔)

ف: جہاں تک اہلِ قرابت اور رشتہ داروں کا تعلق ہے، اُن پر صَدَقہ عام غربا پر صدقہ سے مُقدّم ہے اور افضل ہے۔ نبیِ کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے بہت مُختلف روایات میں مُختلف عُنوانات سے یہ مضمون بھی بہت کثرت سے نقل کیا گیا۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ایک اشرفی تو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے، ایک اشرفی تو غلام کے آزاد کرنے میں خرچ کرے، ایک اشرفی تو کسی فقیر کو دے، ایک اشرفی تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے۔ ان سب سے افضل یہی ہے جو تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے (بشرطیکہ محض اللہ کے واسطے خرچ کیا جائے اور وہ ضرورتمند بھی ہوں جیسا کہ آگے آرہا ہے)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت میمونہؓ نے ایک باندی آزاد کی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر اس کو اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔)

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے عورتوں کو خاص طور سے صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ مشہور صحابہ اور فقہا میں ہیں، اُن کی اہلیہ حضرت زینبؓ نے اُن سے کہا کہ آج حضورؐ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے تمہاری مالی حالت کمزور ہے۔ اگر تم حضورؐ سے جا کر یہ دریافت کرلو کہ میں صدقہ کا مال تمہیں دے دوں تو یہ کافی ہے یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تم خود ہی جا کر دریافت

کرلو(کہ اُن کو اپنی ذات کے لئے دریافت کرنے میں غالباً حجاب اور خودغرضی کا خیال ہوا ہوگا) حضرت زینبؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ وہاں دروازہ پر دیکھا کہ ایک اور عورت بھی کھڑی ہیں اور وہ بھی یہی مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہیں لیکن حضورؐ کے رُعب کی وجہ سے دریافت کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اتنے میں حضرت بلالؓ آ گئے، ان دونوں نے اُن سے درخواست کی کہ حضورؐ سے عرض کر دیں کہ دو عورتیں کھڑی ہیں اور یہ دریافت کرتی ہیں کہ اگر وہ اپنے خاوندوں پر اور جو یتیم بچے پہلے خاوندوں سے اُن کے پاس ہیں اُن پر صدقہ کر دیں تو یہ کافی ہے۔ حضرت بلالؓ نے حضورؐ سے پیام پہنچایا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ کون عورتیں ہیں۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ ایک فلاں عورت انصاریہ ہیں اور ایک عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی زینبؓ ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں اُن کے لئے دوگنا ثواب ہے۔ صدقہ کا بھی اور قرابت کا بھی۔ (مشکوٰۃ)

حضرت علیؓ کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے کسی بھائی کی ایک درم سے مدد کروں یہ مجھے زیادہ پسند ہے دوسرے پر بیس ۲۰ درم خرچ کرنے سے۔ اور میں اس پر سو درم خرچ کر دوں یہ زیادہ محبوب ہے ایک غلام آزاد کرنے سے۔ (احیاء، اتحاف)

ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی خود ضرورت مند ہو تو وہ مُقدّم ہے۔ جب اپنے سے زائد ہو تو عیال مُقدّم ہے۔ اس سے زائد ہو تو دوسرے رشتہ دار مُقدّم ہیں ان سے زائد ہو تو پھر اِدھر اُدھر خرچ کرے (کنز) یہ مضمون کنز العمّال وغیرہ میں کئی روایات میں ذکر کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کو مؤخر کرنا جب ہی ہے، جبکہ اپنے کو اور اپنے اہل و عیال کو احتیاج زیادہ ہو۔ اور اگر اپنے سے زیادہ محتاج دوسرے ہوں، یا خود باوجود احتیاج کے صبر پر قادر ہے اور اللہ پر اعتماد کامل ہے تو دوسروں کو مُقدّم کر دینا کمال کا درجہ ہے۔ پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۲۸ پر وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ کے ذیل میں یہ مضمون مُفصّل گذر چکا ہے۔

حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تمہیں اپنا اور (اپنی بیوی حضرت) فاطمہؓ کا جو حضورؐ کی سب سے زیادہ لاڈلی اولاد تھیں، قصہ سناؤں۔ وہ میرے گھر رہتی تھیں، خود چکی پیستیں، جس کی وجہ سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے، خود پانی بھر کر لاتیں، جس کی وجہ سے مشکیزہ کی رگڑ سے بدن پر رسّی کے نشان پڑ گئے، خود گھر میں جھاڑو وغیرہ دیتیں جس سے کپڑے میلے رہتے، خود کھانا پکاتیں، جس سے دھویں کے اثر سے کپڑے کالے رہتے۔ غرض ہر قسم کی مشقتیں اُٹھاتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ کے پاس کچھ باندی غلام وغیرہ آئے

تو میں نے کہا کہ تم بھی جا کر ایک خادم مانگ لو کہ اس مشقت سے کچھ امن ملے۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ وہاں کچھ مجمع تھا، شرم کی وجہ سے کچھ عرض نہ کر سکیں، واپس چلی آئیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ سے عرض کر کے چلی آئیں۔ دوسرے دن حضورؐ تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ فاطمہؓ تم کل کیا کہنے گئی تھیں۔ وہ تو شرم کی وجہ سے چپکی ہوگئیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی ساری حالت پانی وغیرہ بھرنے کی بیان کر کے عرض کیا کہ میں نے ان کو بھیجا تھا کہ ایک خادم آپ سے مانگ لیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں خادم سے بہتر چیز بتاؤں۔ جب سونے لگو تو سُبْحَانَ اللّٰہ ۳۳ مرتبہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ۳۳ مرتبہ، اَللّٰہُ اَکْبَر ۳۴ مرتبہ پڑھا کرو، یہ خادم سے بڑھ کر ہے (ابوداؤد) ایک اور حدیث میں اس قصہ میں حضورؐ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا کہ میں تمہیں ایسی حالت میں ہرگز نہیں دے سکتا کہ اہلِ صُفّہ کے پیٹ بھوک کی وجہ سے لپٹ رہے ہیں۔ میں ان غلاموں کو بیچ کر ان کی قیمت اہلِ صُفّہ پر خرچ کروں گا۔ (فتح الباری)

(۷) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍؓ قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّیْ وَهِیَ مُشْرِکَةٌ فِیْ عَهْدِ قُرَیْشٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّیْ قَدِمَتْ عَلَیَّ وَهِیَ رَاغِبَةٌ اَفَاَصِلُهَا قَالَ نَعَمْ صِلِیْهَا۔ (متفق علیہ کذا فی المشکوٰة)

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ جس زمانہ میں حضورؐ کا قریش سے معاہدہ ہو رہا تھا، اس وقت میری کافر والدہ (مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ) آئیں۔ میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ میری والدہ (میری اعانت کی) طالب بن کر آئی ہیں، ان کی اعانت کر دوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں، ان کی اعانت کر دو۔

ف: ابتداءِ زمانہ میں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر جس قدر مظالم ہوئے وہ بیان سے باہر ہیں۔ تواریخ کی کتب اُن سے پُر ہیں۔ حتّٰی کہ مسلمانوں کو مجبور ہو کر مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بھی مشرکین کی طرف سے ہر طریقہ سے لڑائی اور ایذا رسانی کا سلسلہ رہا۔ حضورِ اقدسؐ صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ محض عمرہ کرنے کی نیت سے مکہ مکرمہ تشریف لائے، تو کافروں نے مکہ میں داخل بھی نہ ہونے دیا، باہر ہی سے واپس ہونا پڑا۔ لیکن اس وقت آپس میں ایک معاہدہ چند سال کے لئے ہو گیا تھا جس میں چند سال کے لئے کچھ شرائط پر آپس میں لڑائی نہ ہونے کا فیصلہ ہوا تھا۔ مشہور قصہ ہے۔

اسی مُعاہدہ کی طرف حضرت اَسماءؓ نے اس حدیث میں اِشارہ فرمایا کہ جس زمانہ میں قریش سے مُعاہدہ ہو رہا تھا اس معاہدہ کے زمانہ میں حضرت ابوبکرؓ کی ایک بیوی جو حضرت اَسماءؓ کی والدہ تھیں اور مسلمان نہیں ہوئی تھیں اپنی بیٹی حضرت اَسماءؓ کے پاس کچھ اعانت کی خواہش لے کر گئیں۔ چونکہ وہ مُشرک تھیں، اس لئے حضرت اَسماءؓ کو اُشکال پیش آیا کہ ان کی اِعانت کی جائے یا نہیں۔ اس لئے حضورؐ سے دریافت کیا، حُضورؐ نے اِعانت کا حُکم فرمایا۔

امام خَطَّابیؒ فرماتے ہیں کہ اس قِصّہ سے معلوم ہوا کہ کافر رشتہ داروں کی صلہ رحمی بھی مال سے ضروری ہے جیسا کہ مسلمان رشتہ داروں کی ہے۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ اسی قصّہ میں قرآن پاک کی آیت:۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

(ممتحنہ، ع ۲) نازل ہوئی (فتح الباری) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے انہوں نے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنیوالوں سے محبّت رکھتے ہیں۔

حضرتِ اَقدس حکیمُ الاُمّتہ مولانا تھانوی قُدِّس سِرُّہٗ فرماتے ہیں کہ "مراد وہ کافر ہیں جو ذِمّی یا مُصَالِح ہوں۔ یعنی مُحسِنانہ برتاؤ ان سے جائز ہے اور اسی کو مُنصِفانہ برتاؤ فرمایا۔ پس انصاف سے مراد خاص انصاف ہے۔ یعنی ان کی ذِمّیّت یا مُصَالحت کے اعتبار سے انصاف اسی کو مُتقاضی ہے کہ ان کے ساتھ احسان سے دریغ نہ کیا جائے، ورنہ مطلق انصاف تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی واجب ہے۔" (بیان القرآن)

حضرت اَسماءؓ کی یہ والدہ جن کا نام قَیلہ یا قُتَیلہ بنت عبدُالعُزّٰی ہے چونکہ مسلمان نہ ہوئی تھیں اس لئے حضرت اَبُوبکرؓ نے ان کو تلاق دے دی تھی۔ بعض رِوایات میں ہے کہ یہ کچھ گھی پنیر وغیرہ ہَدیہ کے طور پر لے کر اپنی بیٹی حضرت اَسماءؓ کے پاس گئیں۔ انہوں نے ان کو اپنے گھر میں داخل نہ ہونے دیا، اور اپنی علّاتی ہمشیرہ حضرت عائشہؓ کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آدمی بھیجا، کہ حُضورؐ سے دریافت کر کے اِطّلاع دیں۔ حضورؐ نے اجازت فرما دی، اور یہ آیت شریفہ اسی قصّہ میں نازل ہوئی۔ (فتح، دُرِّ منثور)

یہ ان حضرات کی دین پر پختگی اور قابلِ رشک جذبہ تھا کہ ماں گھر پر آئی ہے۔ محض بیٹی سے ملنے کے واسطے آئی ہے کہ اس وقت تک اعانت کی طلب کا تو وقت ہی نہ آیا تھا۔ لیکن حضرت اسماءؓ نے مسئلہ تحقیق کرنے کے لئے آدمی دوڑا دیا کہ میں اپنی ماں کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے سکتی ہوں یا نہیں۔

متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ صحابۂ کرامؓ غیر مسلموں پر صدقہ کرنا ابتداء میں پسند نہیں کرتے تھے۔ جس پر حق تعالیٰ شانہٗ نے آیتِ شریفہ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ الآیۃ (بقرہ، ع ۳۷) نازل فرمائی کہ "آپ کے ذمہ اُن کی ہدایت نہیں ہے، یہ تو خدا تعالیٰ کا کام ہے جس کو چاہے ہدایت پر لادیں اور جو کچھ تم (خیرات وغیرہ) خرچ کرتے ہو، اپنے نفع کے واسطے کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے علاوہ کسی اور فائدہ کی غرض سے نہیں کرتے"۔ یعنی تم تو صدقہ وغیرہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رضا کے واسطے کرتے ہو، اس میں ہر حاجت مند داخل ہے کافر ہو یا مسلمان ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنے کافر رشتہ داروں پر احسان کرنا پسند نہیں کرتے تھے تاکہ وہ بھی مسلمان ہو جائیں۔ انہوں نے اس بارہ میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے استفسار کیا۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ نازل ہوئی۔ اور بھی متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے (دُرِّ منثور)

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ایک مجوسی حضرت ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کا مہمان بننے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمادیا کہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں تیری مہمانی قبول کرتا ہوں۔ وہ مجوسی چلا گیا۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ ابراہیم تم ایک رات کا کھانا تبدیلِ مذہب بغیر نہ کھلا سکے، ہم ستر برس سے اس کے کفر کے باوجود اس کو کھانا دے رہے ہیں۔ ایک وقت کا کھانا کھلا دیتے تو کیا مضائقہ تھا۔ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فوراً اس کی تلاش میں دوڑنے لگے۔ وہ مل گیا۔ اس کو اپنے ساتھ واپس لائے اور اس کو کھانا کھلایا، اس مجوسی نے پوچھا کہ کیا بات پیش آئی کہ تم خود مجھے تلاش کرنے نکلے۔ حضرت ابراہیمؑ نے وحی کا قصہ سنایا۔ وہ مجوسی کہنے لگا۔ اس کا میرے ساتھ یہ معاملہ ہے تو مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ (احیاء)

ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں کسی شخص کو کوئی گنجائش نہیں۔ نمبر۱: والدین کے ساتھ احسان کرنا چاہیے والدین مسلمان ہوں یا کافر۔ نمبر۲: جس سے عہد کر لیا جائے اس کو پورا کرنا، چاہے مسلمان سے عہد کیا ہو یا کافر سے۔ نمبر۳: امانت کو واپس کرنا، چاہے مسلمان کی امانت ہو یا کافر کی (جامع الصغیر)

محمد بن الحنفیہؒ، عطاؒ اور قتادہؒ تینوں حضرات سے نقل کیا گیا کہ حق تعالیٰ شانہ، کے پاک ارشاد۔ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا (احزاب، ع ۱) میں مسلمان کی یہود و نصاریٰ غیر مسلم رشتہ داروں کے لئے وصیت مراد ہے (مغنی)۔

(۸) عَنْ اَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ۔ (رواه البيهقى فى الشعب كذا فى المشكوٰة)

(حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو وہ شخص بہت محبوب ہے جو اس کی عیال کے ساتھ احسان کرے۔)

ف: مخلوق کے اندر مسلمان، کافر، انسان، حیوان سب ہی داخل ہیں۔ ہر مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا اسلام کی تعلیم ہے اور اللہ جل شانہ، کو محبوب ہے۔ پہلی فصل کے نمبر۱ پر یہ حدیث گذر چکی کہ ایک فاحشہ عورت کی اس پر بخشش ہو گئی، کہ اس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا۔ دوسری فصل کی نمبر۸ پر یہ حدیث گذری ہے کہ ایک عورت کو اس بنا پر عذاب ہوا کہ اس نے ایک بلی پال رکھی تھی اور اس کو کھانے کو نہ دیا۔

جب جانوروں کا یہ حال ہے تو آدمی تو اشرف المخلوقات ہے، اس پر احسان اور اچھے برتاؤ کا کیا کچھ اجر ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے، اِرْحَمُوْا مَنْ فِى الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِى السَّمَآءِ۔ تم زمین پر رہنے والوں پر رحم کرو، تم پر آسمان والے رحم کریں گے۔ دوسری حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص آدمیوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ جل شانہ، اس پر رحم نہیں فرماتا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رحم اسی شخص کے دل سے نکالا جاتا ہے جو بدبخت ہو۔ (مشکوٰۃ)

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ساری دنیا کے لئے رحمت تھی۔ آپ کی

ے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے بھلائی کرو۔

زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کی شہادت دیتا ہے۔ اُمت کے لئے ضروری ہے کہ حضورؐ کی زندگی کے واقعات کی تحقیق کرے اور اس کا اتباع کرے۔ حق تعالےٰ شانہٗ کا پاک ارشاد ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (انبیاء، ع ۷) "اور ہم نے آپکو اور کسی بات کے لئے نہیں بھیجا مگر دُنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لئے" حضرت ابن عباسؓ اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضورؐ پر ایمان لے آئے، اُن کے لئے تو آپ کا وجود دُنیا اور آخرت کی رحمت ہے ہی، لیکن جو لوگ ایمان نہیں لائے اُن کے لئے بھی آپ کا وجود اس لحاظ سے رحمت ہے کہ وہ پہلی اُمتوں کی طرح دُنیا کے عذاب مسخ ہو جانے سے، زمین میں دھنس جانے سے، آسمانوں سے پتھر برسنے سے محفوظ ہو گئے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے حضورؐ سے درخواست کی، کہ قریش نے مسلمانوں کو بہت اذیت پہنچائی، بہت نقصانات دیئے۔ آپ ان لوگوں پر بددُعا فرمائیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "میں بددُعائیں دینے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ میں لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں" اور بھی متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے (درمنثور) حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے طائف کے سفر کا جانگداز واقعہ "حکایاتِ صحابہ" کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ ان بدنصیبوں نے کتنی سخت سخت تکلیفیں پہنچائیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے بدنِ مبارک سے خون جاری ہو گیا اور اس پر جب اُس فرشتہ نے جو پہاڑوں پر متعین تھا، آکر درخواست کی کہ اگر آپ فرماویں تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں جس سے یہ سب بیچ میں کچل جائیں گے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے اللہ کی ذات سے یہ اُمید ہے کہ اگر یہ لوگ مسلمان نہ بھی ہوں تو ان کی اولاد میں سے کچھ لوگ اللہ کا نام لینے والے پیدا ہو جائیں گے۔

اُحد کی لڑائی میں جب حضورؐ پر سخت حملہ کیا گیا، حضورؐ کا دندانِ مبارک شہید ہو گیا لوگوں نے کفار پر بددُعا کی درخواست کی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ یا اللہ میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ لوگ ناواقف ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اگر آپ بھی حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی طرح بددُعاء فرما دیتے تو ہم سب کے سب ہلاک ہو جاتے کہ آپ کو ہر قسم کی تکلیفیں پہنچائی گئیں، لیکن آپ ہر وقت یہی فرماتے رہے کہ یا اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کہ وہ جانتے نہیں۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ان حالات کو بڑے غور سے دیکھنا چاہیئے کہ کس قدر حضورؐ کا حلم

اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ اور جود و کرم کی اِنتہا ہے کہ ان سخت سخت تکلیفوں پر حضورؐ کبھی مغفرت کی، کبھی ہدایت کی دُعائیں ہی کرتے رہے۔

غواث بن حارث کا واقعہ مشہور ہے کہ جب ایک سفر میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تنہا سو رہے تھے، وہ تلوار ہاتھ میں لے کر حضورِ اقدسؐ کے پاس پہنچ گیا اور حضورؐ کی آنکھ اس وقت کھلی جب کہ وُہ تلوار سونتے ہوئے پاس کھڑا تھا۔ اُس نے للکار کر کہا، کہ بتا اب تجھے بچانے والا کون ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، اللہ جَلَّ شَانُہٗ، حضورؐ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ اس کے ہاتھ کو کپکپی ہوئی اور تلوار ہاتھ سے گرگئی، حضورؐ نے وُہ تلوار اپنے دستِ مبارک میں لے کر فرمایا کہ اب تُو بتا کہ تجھے بچانے والا کون ہے۔ وہ کہنے لگا کہ آپ بہترین تلوار لینے والے ہیں (یعنی معاف فرمائیں) حضورؐ نے مُعاف فرمایا۔

یہودی عورت کا حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو زہر دینے کا واقعہ بھی مشہور ہے اور اس عورت نے اس کا اقرار بھی کر لیا کہ میں نے حضورؐ کو زہر دیا۔ لیکن حضورؐ نے اپنا اِنتقام نہیں لیا۔ لَبِیدبنؓ اَعْصَم نے حضورؐ پر جادو کیا، حضورؐ کو اس کا علم بھی ہو گیا مگر حضورؐ نے اس واقعہ کا چرچا بھی گوارا نہیں کیا۔ غرض دو چار واقعات نہیں، ہزاروں واقعات حضورؐ کے، دشمنوں پر رحم و کرم کے ہیں۔ (شفاء)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد ہے کہ تم اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے، جب تک ایک دوسرے کے ساتھ رحم کا برتاؤ نہ کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم میں سے ہر شخص تو رحم کرتا ہی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہ رحم نہیں ہے جو اپنے ہی کے ساتھ ہو بلکہ رحم وُہ ہے جو عام ہو۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک مکان میں تشریف لے گئے۔ وہاں چند قریش کے حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ سلطنت اور حکومت کا سلسلہ قریش میں رہے گا، جب تک کہ وہ یہ معمول رکھیں گے جو اُن سے رحم کی درخواست کرے اس پر رحم کریں، جب کوئی حُکم لگائیں تو عدل کا لحاظ رکھیں۔ جب کوئی چیز تقسیم کریں تو انصاف کو اختیار کریں اور جو شخص ان اُمور کا خیال نہ کرے اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت، سارے آدمیوں کی لعنت۔

ایک مرتبہ حضورؐ ایک مکان میں تشریف لے گئے، جہاں مہاجرینؓ اور انصارؓ کی ایک جماعت تشریف رکھتی تھی۔ حضورؐ کو تشریف لاتا دیکھ کر ہر شخص اپنی جگہ سے ہٹ گیا اس اُمید پر کہ حضورؐ وہاں تشریف رکھیں۔ حضورؐ دروازہ پر تشریف فرما رہے اور دروازہ کی دونوں جانبوں پر ہاتھ رکھ کر

اِرشاد فرمایا کہ میرا تم پر بہت حق ہے۔ یہ امر سلطنت کا قریش میں رہے گا جب تک وہ تین باتوں کا اہتمام رکھیں نمبر۱: جو شخص اُن سے رحم کی درخواست کرے اس پر رحم کریں۔ نمبر۲: جو فیصلہ کریں انصاف سے کریں۔ نمبر۳ جو معاہدہ کسی سے کرلیں اس کو پورا کریں۔ اور جو شخص ایسا نہ کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے، فرشتوں کی لعنت ہے، تمام آدمیوں کی لعنت ہے۔

حضورؐ کا پاک اِرشاد ہے کہ جو شخص ایک چڑیا کو بھی بغیر حق کے ذبح کرے گا، قیامت کے دن اس سے مطالبہ ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کا حق کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ذبح کرکے اس کو کھایا جائے، یہ نہیں کہ ویسے ہی ذبح کرکے پھینک دی جائے۔ بہت سی احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ غلام جو تمہارے ماتحت ہیں ان کو اس چیز سے کھلاؤ جس سے خود کھاتے ہو، اس چیز سے پہناؤ جس سے خود پہنتے ہو، اور جس سے موافقت نہ آئے اس کو فروخت کردو، اس کو عذاب میں مبتلا کرنے کا کوئی حق نہیں۔

حضورؐ کا اِرشاد ہے کہ جب تمہارا کوئی خادم تمہارے لئے کوئی چیز پکا کر لائے کہ اس کی گرمی اور دھوئیں کی مشقت اُس نے اُٹھائی ہے تو تمہیں چاہیئے کہ اس کو کھانے میں اپنے ساتھ شریک کرو۔ اگر اتنی مقدار نہ ہو کہ اس کو شریک کرسکو تو اُس میں سے تھوڑا سا اُسے بھی دے دو (مشکوٰۃ) حضورؐ کا اِرشاد ہے کہ ماتحتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا مُبارک ہے، اور ان کے ساتھ بدخُلقی برتنا بدبختی ہے (مشکوٰۃ) غرض ہر نوع سے حضورؐ نے مخلوق پر رحم کی تاکید فرمائی، مختلف نوع سے ان پر اِکرام کی ترغیب[1] دی۔

(۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِىِٔ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِىْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا۔
(رواہ البخاری کذا فی المشکوٰۃ)

(حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک اِرشاد ہے کہ وہ شخص صلۂ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو برابر سرابر کا معاملہ کرنیوالا ہو، صلۂ رحمی کرنے والا تو وہ ہے جو دوسرے کے توڑنے پر صلۂ رحمی کرے۔)

ف: بالکل ظاہر اور بدیہی بات ہے۔ جب آپ ہر بات میں یہ دیکھ رہے ہیں کہ جیسا برتاؤ دوسرا کرے گا ویسا ہی میں بھی کروں گا تو آپ نے کیا صلۂ رحمی کی؟ یہ بات تو ہر اجنبی کے ساتھ بھی ہوتی ہے کہ جب دوسرا شخص آپ پر احسان کرے گا تو آپ خود اس پر احسان کرنے میں مجبور ہیں صلۂ رحمی تو

[1] ترغیب۔

ور حقیقت یہی ہے کہ اگر دوسرے کی طرف سے بے اِلتفاتی، بے نیازی، قطعِ تعلّق ہو تو تم اس کے جوڑنے کی فکر میں رہو۔ اس کو مت دیکھو کہ وہ کیا برتاؤ کرتا ہے۔ اس کو ہر وقت سوچو کہ میرے ذِمّہ کیا حق ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ دوسرے کے حُقوق ادا کرتے رہو، ایسا نہ ہو کہ اس کا کوئی حق اپنے ذمّہ رہ جائے جس کا قیامت میں اپنے سے مطالبہ ہو جائے اور اپنے حُقوق کے پورا ہونے کا واہمہ بھی دل میں نہ لو بلکہ اگر وہ پورے نہیں ہوتے تو اور بھی زیادہ مَسرور ہو کہ دوسرے عالَم میں جو اَجر و ثواب اس کا ملے گا وہ اس سے بہت زیادہ ہوگا جو یہاں دوسرے کے ادا کرنے سے وصول ہوتا۔)

(ایک صحابی رضؓ نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا۔ یا رسول اللّٰہ میرے رشتہ دار ہیں، میں اُن کے ساتھ صلۂ رِحمی کرتا ہوں وہ قطعِ رِحمی کرتے ہیں، میں اُن پر احسان کرتا ہوں وہ میرے ساتھ بُرائی کرتے ہیں، میں ہر معاملہ میں تحمّل سے کام لیتا ہوں وہ جہالت پر اُترے رہتے ہیں۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اِرشاد فرمایا کہ اگر یہ سب کچھ صحیح ہے تو تُو اُن کے منہ میں خاک ڈال رہا ہے (یعنی خود ذلیل ہوں گے) اور تیرے ساتھ اللّٰہ تعالیٰ شانُہٗ کی مدد شامِل حال رہے گی جب تک تُو اپنی اس عادت پر جما رہے گا (مشکوٰۃ) اور جب تک اللّٰہ جَلَّ شانُہٗ کی مدد کسی کے شامِل حال رہے نہ کسی کی برائی سے نقصان پہنچ سکتا ہے، نہ کسی کا قطعِ تعلّق نفع پہنچنے سے مانع ہو سکتا ہے)

تُو نہ چھوٹے مجھ سے یا رب تیرا اُچٹتا ہے غضب

یوں میں راضی ہوں مجھے چاہے زمانہ چھوڑ دے

(یہ کھُلی ہوئی حقیقت ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ شانُہٗ کسی کا مددگار ہو جائے تو اس کو کب کسی دوسرے کی کسی مدد کی اِحتیاج باقی رہ سکتی ہے۔ پھر ساری دُنیا اس کی مجبوراً مُعین ہے اور ساری دُنیا مل کر اس کو کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔)

(ایک حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ مجھے میرے رب نے نَو باتوں کا حکم فرمایا ہے۔ نمبر ۱: حق تعالیٰ شانُہٗ کا خوف ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی، (یعنی دل سے اور ظاہر سے یا خَلوَت میں اور جَلوَت میں)۔ نمبر ۲: انصاف کی بات خوشی میں بھی غصّہ میں بھی (آدمی جب کسی سے خوش ہوا کرتا ہے تو عیوب چھپا کر تعریفوں کے پُل باندھا کرتا ہے، جب خفا ہوتا ہے تو جھوٹے اِلزام تراشا کرتا ہے۔ مجھے حُکم ہے کہ ہر حالت میں اِنصاف کی بات کہوں)۔ نمبر ۳: میانہ رَوی فقر کی حالت میں

بھی اور وسعت کی حالت میں بھی (نہ تنگی میں کنجوسی کروں نہ وسعت میں اسراف کروں یا نہ فقر میں جزع فزع کروں، نہ غنا میں عجب اور فخر کروں)۔ نمبر۴: نیز یہ کہ جو شخص مجھ سے قطع تعلق کرے میں اس کے ساتھ بھی تعلقات وابستہ کروں۔ نمبر۵: اور جو شخص مجھے اپنی عطا سے محروم کرے میں اس کے ساتھ حسنِ سلوک کروں۔ نمبر۶: جو شخص مجھ پر ظلم کرے اس کو معاف کر دوں (انتقام لینے کی فکر میں نہ پڑوں)۔ نمبر۷: یہ کہ میرا سکوت (آخرت یا اللہ تعالیٰ کی آیات کا) فکر ہو۔ نمبر۸: میری گویائی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو (تسبیح وغیرہ یا اللہ کے احکام کا بیان)۔ نمبر۹: میری نظر عبرت ہو (یعنی جس چیز کو دیکھوں عبرت کی نگاہ سے دیکھوں)۔ نمبر۱۰: اور میں نیک کام کا حکم کرتا رہوں (مشکوٰۃ)

شروع میں نو چیزیں فرمائی تھیں تفصیل میں دس ہو گئیں مگر یہ دسویں چیز سابقہ نو چیزوں کا اجمال بھی ہو سکتا ہے اور نمبر۷، ۸ دو مقابل ہونے کی وجہ سے ایک بھی شمار ہو سکتے ہیں جیسا کہ شروع میں ظاہر باطن ایک شمار ہوئے، خوشی اور غصہ ایک شمار ہوئے۔ حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں۔ ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ افضل ترین صدقہ کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ کاشح رشتہ دار کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔ (ترغیب)، کاشح اس شخص کو کہتے ہیں جو دل میں کسی سے بغض و کینہ رکھے۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص یہ پسند کرے کہ قیامت میں اس کو بلند مکانات ملیں، اس کو اونچے درجے ملیں، اس کو چاہیے کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اُس سے درگذر کرے، جو اُس کو اپنی عطا سے محروم رکھے اس پر احسان کرے، اور جو اُس سے تعلقات توڑے اُس سے تعلقات جوڑے۔ (درمنثور)

ایک حدیث میں ہے کہ جب آیتِ شریفہ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ۝ (اعراف، ع ۲۴) (معافی کو اختیار کرو، نیکی کا حکم کرو اور جاہلوں سے اعراض کرو) نازل ہوئی تو حضورِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت جبرئیل عَلَيْهِ السَّلَام سے اس کی تفسیر دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا کہ جاننے والے (تعالیٰ شانہٗ) سے دریافت کر کے عرض کروں گا۔ وہ واپس تشریف لے گئے اور پھر آ کر عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو آپ پر ظلم کرے اُس کو معاف کریں اور جو آپ کو اپنی عطا سے محروم رکھے اس کو عطا فرمائیں، اور جو آپ سے تعلقات توڑے اس سے تعلقات جوڑیں۔

ایک اور حدیث میں اس واقعہ کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کے بعد حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تم کو دُنیا اور آخرت کے بہترین اخلاق بتاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا، ضرور ارشاد فرمائیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا، جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کرو، جو تمہیں اپنی عطا سے محروم رکھے اس کو عطا کرو، جو تم سے تعلّقات توڑے اس سے صلہ رحمی کرو۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اوّلین اور آخرین کے بہترین اخلاق بتاؤں؟ میں نے عرض کیا، ضرور ارشاد فرمائیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو تمہیں اپنی عطا سے محروم رکھے اس کو عطا کرو، جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کرو، اور جو تم سے قرابت کے تعلقات توڑے اس کے ساتھ تعلّقات جوڑو۔ حضرت عُقبہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ میں تمہیں دُنیا اور آخرت کے بہترین اخلاق بتاؤں پھر یہی تین چیزیں ارشاد فرمائیں۔ اور بھی متعدد صحابہ کرامؓ سے یہ مضمون ذکر کیا گیا۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آدمی خالص ایمان تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ یہ کام نہ کرے، کہ اپنے سے تعلّق توڑنے والوں کے ساتھ تعلّقات جوڑا کرے، اپنے اُوپر ظلم کرنے والوں کو معاف کیا کرے، اپنے کو گالیاں دینے والے کو بخش دیا کرے، اور جو اپنے ساتھ بُرائی کرے اُس کے ساتھ بھلائی کرے۔ (دُرِّ منثور)

(۱۰) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ذَنْبٍ اَحْرٰی اَنْ یُّعَجِّلَ اللّٰہُ لِصَاحِبِہٖ الْعُقُوْبَۃَ فِی الدُّنْیَا مَعَ مَا یَدَّخِرُ لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْبَغْیِ وَقَطِیْعَۃِ الرَّحِمِ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد کذا فی المشکوٰۃ)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ نہیں ہے کوئی گناہ جو زیادہ مستحق اس بات کا ہو کہ اس کا وبال آخرت میں ذخیرہ رہنے کے باوجود دُنیا میں اس کی سزا بہت جلد نہ بھگتنی پڑے، ان دو کے علاوہ ایک ظلم، دوسرا قطع رحمی۔

ف: یعنی یہ دو گناہ ظلم اور قطع رحمی ایسے ہیں کہ آخرت میں تو ان پر جو کچھ وبال ہوگا وہ ہو ہی گا، آخرت کے علاوہ دُنیا میں بھی ان کی سزا بہت جلد ملتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ ہر گناہ

کی جب چاہے مغفرت فرما دیتے ہیں، مگر والدین کی قطع رحمی کی سزا مرنے سے پہلے پہلے دے دیتے ہیں (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ہے کہ ہر گناہ کی سزا اللہ جل شانہٗ آخرت پر مؤخر فرما دیتے ہیں۔ لیکن والدین کی نافرمانی کی سزا کو بہت جلد دُنیا میں دے دیتے ہیں (جامع الصغیر) بہت سی احادیث میں یہ مضمون بھی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن رحم (قرابت) کو زبان عطا فرماویں گے، وہ عرشِ معلّٰی کو پکڑ کر درخواست کرتا رہے گا کہ یا اللہ جس نے مجھے ملایا تو اس کو ملا اور جس نے مجھے قطع کیا تو اس کو قطع کر۔" بہت سی احادیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ رحم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے پاک نام رحمٰن سے نکالا گیا ہے جو اس کو ملائے گا رحمٰن اس کو ملائے گا، جو اس کو قطع کرے گا رحمٰن اس کو قطع کریگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنیوالا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ ہر پنجشنبہ کو اللہ جل شانہٗ کے یہاں اعمال پیش ہوتے ہیں قطع رحمی کرنے والے کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا (دُرِّ منثور)

فقیہ ابو اللیثؒ فرماتے ہیں کہ قطع رحمی اس قدر بدترین گناہ ہے کہ پاس بیٹھنے والوں کو بھی رحمت سے دُور کر دیتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص اس سے بہت جلد توبہ کرے اور صلہ رحمی کا اہتمام کرے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ صلہ رحمی کے علاوہ کوئی نیکی ایسی نہیں جس کا بدلہ بہت جلد ملتا ہو، اور قطع رحمی اور ظلم کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا وبال آخرت میں باقی رہنے کے ساتھ ساتھ دُنیا میں جلدی نہ مل جاتا ہو (تنبیہ الغافلین)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ صبح کی نماز کے بعد ایک مجمع میں تشریف فرما تھے فرمانے لگے میں تم لوگوں کو قسم دیتا ہوں کہ اگر اس مجمع میں کوئی شخص قطع رحمی کرنے والا ہو تو وہ چلا جائے، ہم لوگ اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ایک دُعا کرنا چاہتے ہیں اور آسمان کے دروازے قطع رحمی کرنے والے کے لئے بند ہو جاتے ہیں (ترغیب) یعنی اس کی دُعا آسمان پر نہیں جاتی، اس سے پہلے ہی دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اور جب اس کے ساتھ ہماری دُعا ہوگی تو وہ دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے رہ جائے گی۔

ان کے علاوہ بہت سی روایات سے یہ مضمون معلوم ہوتا ہے اور دُنیا کے واقعات بہت کثرت سے اس کی شہادت دیتے ہیں کہ قطع رحمی کرنے والا دُنیا میں بھی ایسے مصائب میں پھنستا ہے کہ پھر روتا ہی پھرتا ہے، اور اپنی حماقت اور جہالت سے اس کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ اتنے اس گناہ سے توبہ نہ کرے، اس کی تلافی نہ کرے، اس کا بدل نہ کرے، اتنے اس آفت اور اس عذاب سے جس میں

مُبتلا ہے خَلاصی نہ ہوگی، چاہے لاکھ تدبیریں کرلے اور اگر کسی دُنیوی آفت میں مُبتلا ہو جائے تو وہ اس سے بہت ہلکی ہے کہ کسی بد دینی میں خدا نہ کرے مُبتلا ہو جائے کہ اس صورت میں اس کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ توبہ ہی کرلے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہی اپنے فضل سے محفوظ فرمائے۔

چوتھی فصل

زکوٰۃ کی تاکید اور فضائل میں

(زکوٰۃ کا ادا کرنا اسلام کے ارکان میں سے اہم ترین رکن ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے پاک کلام میں مشہور قول کے موافق بیاسی [۸۲] جگہ نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا حکم فرمایا اور جہاں جہاں صرف زکوٰۃ کا حکم ہے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا مشہور ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ ۱: کلمہ طیبہ کا اقرار۔ ۲: نماز۔ ۳: زکوٰۃ۔ ۴: روزہ۔ ۵: حج۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتے جو زکوٰۃ ادا نہ کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے (قرآن پاک میں) اس کو نماز کے ساتھ جمع کیا ہے پس ان دونوں میں فرق نہ کرو۔ (کنز)

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان میں سے کسی چیز کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ یہی پانچ چیزیں اسلام کی بنیاد ہیں۔ یہی اُمّ العبادات ہیں یہی وہ چیزیں ہیں جن پر اسلام کا گویا مدار ہے لیکن اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ان کا خلاصہ گیا ہے۔ اقرارِ عبدیت کے بعد صرف دو [۲] حاضریاں ہیں۔ آقا کے دربار کی، محبوب کی بارگاہ کی۔ پہلی حاضری روحانی ہے جو نماز کے ذریعہ سے ہے۔ اسی لئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے، اسی لئے اس کو معراج المؤمنین کہا جاتا ہے۔ یہ حاضری اپنی ہر وقت کی حاجات اور ضرورتیں مالک کے حضور میں پیش کرنے کا وقت ہے اسی لئے بار بار حاضری کی ضرورت پیش آتی ہے کہ آدمی کی ضرورتیں ہر وقت پیش آتی رہتی ہیں۔ اسی وجہ سے احادیث میں کثرت سے یہ مضمون آیا ہے، کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور سارے انبیاء کرامؑ کو جب کوئی حاجت پیش آتی، نماز کی طرف رجوع کرتے۔ اس حاضری میں بندہ کی طرف سے حمد و ثنا کے بعد اعانت کی درخواست ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اجابت کا وعدہ ہے۔ جیسا کہ احادیث میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر

میں اس کی تصریح ہے۔ اسی لئے جب نماز کے لئے پکارا جاتا ہے تو نماز کے لئے آؤ، کے ساتھ ہی اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاح کیلئے آؤ یعنی دونوں جہان کی کامیابی کے لئے آؤ۔ اس کی تائید میں کثرت سے احادیث کا ذخیرہ موجود ہے اور نماز پر چونکہ دونوں جہان کی فلاح اور کامیابی ہی مولیٰ اور آقا کے دربار سے ملتی ہے، دین اور دُنیا دونوں ہی عطا ہوتی ہیں۔ اس لئے زکوٰۃ گویا اس کا تکملہ اور تتمہ ہے کہ ہمارے دربار سے جو عطا ہو اس میں سے نہایت قلیل مقدار ڈھائی روپیہ سینکڑہ ہمارے نام لیوا فقیروں کو بھی دے دیا کرو، یہ گویا شکرانہ ہے دربار کی عطا کا۔ جو عقلی بھی ہے، فطری بھی ہے اور مُعتاد بھی ہے کہ دربار کی عطاؤں میں سے دربار کے نوکروں کو بھی دیا ہی جاتا ہے (یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں کثرت سے جہاں جہاں نماز کا حکم آتا ہے اس کے ساتھ ہی اس کے بعد اکثر زکوٰۃ کا حکم ہوتا ہے۔ کہ نماز کے ذریعہ ہم سے مانگو اور لو، پھر جو ملے اس میں سے تھوڑا سا ہمارے نام لیواؤں کو دیتے جاؤ، پھر لطف پر لطف یہ ہے کہ اس قلیل مقدار کی ادائیگی پر مُستقل اجر ہے، مُستقل ثواب ہے اور انعاماتِ کثیرہ کا وعدہ ہے۔)

دوسری حاضری جسمانی، محبوب کے گھر کی ہے جس کو حج کہتے ہیں، اس میں چونکہ فی الجملہ مشقّت ہے جانی بھی مالی بھی، اس لئے استطاعت پر عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ کی حاضری ضروری قرار دی، اور وہاں کی حاضری کے لئے اپنے آپ کو گندگیوں سے پاک کرنے کے لئے چند یوم کا روزہ ضروری قرار دیا کہ ساری گندگیوں کی جڑ پیٹ اور شرمگاہ ہے، ان کی چند یوم اہتمام سے حفاظت کی جائے تاکہ وہاں کی حاضری کی قابلیت پیدا ہو جائے، اسی لئے روزہ کا مہینہ ختم ہوتے ہی حج کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔ اسی مصلحت سے غالباً فقہاءِ کرام اسی ترتیب سے ان عبادات کو اپنی کتابوں میں ذکر فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ روزہ میں دوسری مصالح کا ملحوظ ہونا اس کے منافی نہیں۔ مال خرچ نہ کرنے پر آیات میں جو وعیدیں آئی ہیں جن میں سے بعض دوسری فصل میں گذر چکی ہیں وہ اکثر علماء کے نزدیک زکوٰۃ ادا نہ کرنے ہی پر نازل ہوئی ہیں۔ ان سب آیات یا احادیث کا ذکر کرنا تو ظاہر ہے کہ دشوار ہے۔ نمونہ کے طور پر چند آیات اور چند احادیث اس بارہ میں ذکر کی جاتی ہیں۔ مسلمان کے لئے تو ایک آیت یا حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ایک ارشاد بھی کافی ہے۔ اور جو محض نام کا مسلمان ہے، اُس کے لئے تمام قرآنِ پاک اور احادیث کا سارا دفتر بھی بیکار ہے۔ فرمانبردار کے لئے تو اس کا ایک مرتبہ معلوم ہو جانا بھی کافی ہے کہ آقا کا یہ حکم ہے، اور نافرمان کے لئے ہزار تنبیہیں بھی بیکار ہیں، اتنے عذاب کا

جوت نہ پڑے اتنے کب سمجھ میں آسکتا ہے۔

آیات

① وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ○ (سورۂ بقرہ، ع ۵)

اور قائم کرو تم لوگ نماز کو اور دو زکوٰۃ کو، اور عاجزی کرو عاجزی کرنیوالوں کے ساتھ (یا رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ)

ف: حضرت مولانا تھانویؒ قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں، فُروعِ اسلامیہ میں اعمال دو قسم کے ہیں اعمالِ ظاہری اور اعمالِ باطنی۔ پھر اعمالِ ظاہری دو قسم کے ہیں عبادتِ بدنی اور عبادتِ مالی۔ تو یہ تین کلّیات ہوئیں۔ ان تینوں کلّیات میں سے ایک ایک جزئی کو ذکر کر دیا۔ نماز عبادتِ بدنی ہے اور زکوٰۃ عبادتِ مالی ہے، اور خشوع خضوع عبادت باطنی ہے۔ چونکہ تواضع باطنی میں اہلِ تواضع کی معیت کو بڑا دخل اور تاثیر عظیم ہے، اس لئے مَعَ الرّٰکِعِیْنَ کا لفظ بڑھانا نہایت برمحل ہوا۔ (بیان القرآن)

اس قول کے موافق رکوع سے خشوع خضوع مراد ہے اور بڑے لطیف اُمور آیتِ شریفہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ نمبر ۱: یہ کہ ساری عبادات میں اَہَمُّ الْعِبَادَات نماز ہے اسی لئے اس کو سب پر مقدّم کیا۔ نمبر ۲ دوسرے درجہ میں زکوٰۃ ہے اسی لئے اس کو دوسرے نمبر پر ذکر کیا۔ نمبر ۳: زکوٰۃ اس عطا کا شکرانہ ہے، جیسا کہ ابھی مفصّل گذرا۔ نمبر ۴ یہ کہ عباداتِ میں بدنی عبادات، مالی عبادات پر مقدّم ہیں۔ اس لئے بدنی عبادت کو اول اور مالی کو دوسرے نمبر پر ذکر فرمایا۔ نمبر ۵: یہ کہ عبادات میں اُن کی ظاہری صورت، باطنی حقیقت پر مقدّم ہے، اسی لئے خشوع خضوع کو تیسرے نمبر پر ذکر فرمایا۔ نمبر ۶: یہ کہ خشوع خضوع پیدا کرنے میں اس جماعت کے ساتھ شرکت کو بڑا دخل ہے، اسی وجہ سے مشائخ خانقاہوں کے قیام کو اہمیّت دیتے ہیں کہ ان حضرات کی خدمت میں رہنے سے یہ صفت جلدی پیدا ہوتی ہے۔ نمبر ۷: تینوں قسم کی عبادات میں مسلمانوں کے عمومی افراد کے عمل کو بہت اہمیّت ہے۔ اسی لئے سب جگہ جمع کے صیغے ارشاد ہوئے۔ غور سے اور بھی لطائف پیدا ہوتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ رکوع سے مراد نماز کا رکوع ہے۔ ہمارے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب

قدّس سرّہٗ نے تفسیرِ عزیزی میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ، یعنی جماعت سے نماز ادا کرو۔ اس لفظ میں گویا جماعت کی تاکید ہے اور جماعت کی نماز اسی مذہب کا خاصہ ہے، اور دینوں میں نہیں ہے۔ اور اس کو رکوع کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا کہ یہود کا اُوپر سے بیان ہو رہا ہے اور ان کی نماز میں رکوع نہیں ہوتا۔ پس گویا اشارہ ہے اس طرف کہ نماز مسلمانوں کی طرح پڑھو۔

نماز کے ذیل میں جماعت کو بہت خصوصی دخل ہے، جیسا کہ رسالہ "فضائل نماز" میں اس کا بیان تفصیل سے گذر چکا ہے حتیٰ کہ فقہا نے بغیر جماعت کی نماز کو ناقص ادا بتایا ہے۔

(۲) وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۚ (اعراف، ع ۱۹)

اور میری رحمت (ایسی عام ہے کہ) تمام چیزوں کو محیط ہے۔ پس اس کو ان لوگوں کے لئے (کامل طور پر خاص طور سے) لکھوں گا جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

ف: حضرت حسنؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی رحمت دُنیا میں ہر شخص کو شامل ہے، نیک ہو یا بد ہو لیکن آخرت میں خاص طور سے مُتّقی لوگوں ہی کے لئے ہے۔ ایک اَعرابی مسجد میں آئے اور نماز پڑھ کر انہوں نے دُعا کی۔ یا اللہ مجھ پر اور محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر رحمت فرما اور ہمارے ساتھ رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو دُعا کرتے ہوئے سُن لیا تو فرمایا کہ تم نے اللہ کی وسیع رحمت کو تنگ کیا (اللہ جلّ شانہٗ نے رحمت کے سَو حصے فرما کر ایک حصہ دُنیا میں اُتارا، جس کو ساری دُنیا میں تقسیم فرما دیا۔ اسی کی وجہ سے مخلوق ساری کی ساری جنّات ہوں یا انسان یا چوپائے ایک دوسرے پر (آل اولاد پر، اپنے پر، بیگانے پر) رحم کرتے ہیں اور ننانوے حصہ اپنے پاس رکھ لی) ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سَو حصے ہیں جن میں سے ایک کی وجہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کھاتی ہے۔ اسی کی وجہ سے جانور اپنی اولاد پر رحم کرتے ہیں اور ننانوے حصے قیامت کے دن کے لئے مؤخّر کر دیئے۔ اور بھی مُتعدِّد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے۔ (دُرِّ مَنثور)

کس قدر مَسَرّت کی بات ہے، کس قدر لُطف کی چیز ہے کہ مائیں اپنی اولاد پر جتنی شفقت کرتی ہیں کہ اس کی ذرا سی تکلیف سے بے چین ہو جاتی ہیں۔ باپ اپنی اولاد کو کسی مصیبت میں دیکھتے ہیں

لے تفسیر عزیزی

پریشان ہوجاتے ہیں۔ عزیز اقربا، میاں بیوی، اپنے اور اجنبی کسی پر مصیبت دیکھ کر تلملانے لگتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں اس رحمت ہی کا تو اثر ہیں جو اللہ تعالےٰ نے قلوب میں رکھی ہے۔ ساری دُنیا کی ساری رحمتیں ملا کر ایک بٹہ سَو حصّہ ہے اس رحمت کا جس کے ننانوے حصّے اللہ جَلّ شانُہٗ نے اپنے لئے اختیار فرمائے۔ اتنے بڑے رحیم، اتنے بڑے شفیق کے احکام کی پرواہ نہ کرنا کس قدر بے غیرتی ہے، کس قدر ظلم ہے۔ کوئی ماں اپنے لڑکے پر انتہائی کرم کرتی ہو اور پھر وہ لڑکا اس کے کہنے کی پرواہ نہ کرے تو ماں کو کس قدر رنج ہو۔ حالانکہ ماں کا لُطف وکرم اللہ کے لُطف وکرم کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی سے حق تعالیٰ شانُہٗ کے احکام کی پرواہ نہ کرنے کا اندازہ کرلیا جائے۔

(۳) وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○

(سورۂ روم، ع ۴)

اور جو چیز تم اس غرض سے دوگے کہ سُود بن کر لوگوں کے مال میں بڑھوتری کا سبب بنے یہ تو اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو کچھ زکوٰۃ (وغیرہ) دوگے جس سے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو ایسے لوگ اپنے دیئے ہوئے مال کو اللہ تعالےٰ کے پاس بڑھاتے رہتے ہیں۔

ف: مُجاہدؒ کہتے ہیں کہ بڑھوتری کی غرض سے مال دینے میں وہ سب مال داخل ہیں جو اس نیت سے دیئے جائیں کہ اس سے افضل ملے۔ یعنی چاہے دُنیا میں اس سے افضل ملنے کی، زیادہ ملنے کی اُمید پر خرچ کرے یا آخرت میں زیادہ ملنے کی اُمید پر خرچ کرے وہ سب بڑھوتری کی اُمید میں داخل ہے۔ اسی لئے ربٰو اور زکوٰۃ کو ساتھ ذکر کیا۔ ایک اور حدیث میں حضرت مُجاہدؒ سے نقل کیا گیا کہ اس سے ہدایا مراد ہیں۔ یعنی جو ہدیہ وغیرہ کسی کو اس غرض سے دیا جائے کہ وہ اس کے بدلہ میں اس سے بڑھ کر دے گا مثلاً کسی کی دعوت اس غرض سے کی جائے کہ پھر وہ نذرانہ دے گا جو اس سے زیادہ ہوگا جتنا دعوت میں خرچ کیا گیا، اسی میں نوتہ وغیرہ بھی داخل ہے کہ یہ سب کے سب بڑھوتری کی نیت سے خرچ کئے جاتے ہیں۔ ان سب کا ایک ہی ضابطہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے یہاں اِضافہ اسی چیز کا ہوتا ہے جو اس کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے۔

ے دُرِّ منثور

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ہدیہ اس نیت سے دیا جائے کہ اس کا بدلہ دنیا میں ملے، اس کا کوئی ثواب آخرت میں نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ جب آخرت کی نیت سے دیا ہی نہیں تو وہاں کیوں ملے۔ حضرت کعب قرظیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کو اس نیت سے دے کہ وہ بدلہ میں اس سے زیادہ دے گا، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی اضافہ کا سبب نہیں، اور جو شخص محض اللہ کے واسطے دے کہ جس شخص کو دیا ہے اس سے کسی قسم کی مکافات اور بدلہ کا امیدوار نہ ہو، یہی وہ مال ہے جو اللہ کے نزدیک بڑھتا رہتا ہے۔ (دُرِّ منثور)

لہٰذا جو لوگ کسی کو زکوٰۃ وغیرہ کا مال دے کر اس کے امیدوار رہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ احسان مند رہیں گے، وہ اپنے ثواب میں اس بدنیتی سے خود کمی کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۳۴ پر گذرا ہے اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ○ (ہم تم کو محض اللہ کے واسطے کھلاتے ہیں، نہ تو ہم اس کا تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ اس کا شکریہ چاہتے ہیں)۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ نے زیادہ بدلہ چاہنے کی نیت سے خرچ کرنے کو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو تو خاص طور سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ خصوصیت سے حضورؐ کو ارشاد ہے وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (مدثر، ع ۱) "اور آپ کسی کو اس غرض سے نہ دیں کہ اس کا زیادہ معاوضہ چاہیں۔"

اور اللہ جلّ شانہٗ کے لئے خرچ کرنے کا ثواب اور اس کی زیادتی دین اور دنیا میں متعدد آیات اور روایات سے پہلی فصل میں گذر چکی ہے، اس لئے خرچ کرنے والوں کو بہت اہتمام سے اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ کسی پر خرچ کرنے کی صورت میں ہرگز ان سے کسی قسم کے بدلہ یا شکریہ کا امیدوار نہ رہنا چاہیئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لینے والے کا فرض ہے کہ وہ احسان مند ہو اور اس کا شکر ادا کرے، لیکن دینے والا اگر اس کی نیت کرے گا تو وہ اللہ کے واسطے سے نکل کر دنیا کے واسطے میں داخل ہو جائے گا، بالخصوص زکوٰۃ میں تو اس کا واہمہ بھی نہ ہونا چاہیئے کہ اس میں وہ خود اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔ اس میں کسی پر کیا احسان ہے۔ اسی لئے آیتِ شریفہ میں زکوٰۃ کو اللہ کی رضا کے لئے دینے کے ساتھ مقیّد کیا ہے۔

احادیث

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضؓ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ رضؓ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَبُرَ عَلٰى اَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَاِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ وَذَكَرَ كَلِمَةً لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُ رضؓ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَلَا اُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ اَلْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَاِذَا اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ (رواه ابوداود وکذا فی المشکوٰۃ)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، کہ جب قرآن پاک میں آیت شریفہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ آیت بہت شاق ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس مشکل کو میں حل کروں گا، حضرت عمرؓ یہ فرما کر حضورؐ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور وہاں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ آیت تو لوگوں پر بڑی شاق ہو رہی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے تاکہ بقیہ مال کو عمدہ اور طیّب بنا دے اور میراث تو آخر اسی وجہ سے فرض ہوئی کہ مال بعد میں باقی رہے۔ حضرت عمرؓ نے خوشی میں اللہ اکبر فرمایا۔ پھر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں بہترین چیز خزانہ کے طور پر رکھنے کی بتاؤں، وہ عورت ہے جو نیک ہو کہ جب خاوند اس کو دیکھے تو اس کی طبیعت خوش ہو جائے اور جب اس کو کوئی حکم کرے تو وہ اطاعت کرے اور جب وہ کہیں چلا جائے تو وہ عورت (خاوند کی متروکہ چیزوں کی) حفاظت کرے (جس میں عفت بھی داخل ہے)۔

ف: (دوسری فصل کی آیات میں نمبر۵ پر یہ آیتِ شریفہ اور اس کا ترجمہ گذر چکا ہے اس آیت شریفہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا تھا کہ ہر قسم کا ذخیرہ چاہے کیسی ہی ضرورت سے جمع کیا جائے وہ سخت عذاب کا سبب ہے، اسی لئے صحابہ کرامؓ کو بڑا شاق گذرا کہ اللہ تعالےٰ اور اس کے پاک رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ارشادات پر عمل تو صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ کی جان تھی اور ضرورتیں بسا اوقات روپیہ وغیرہ رکھنے پر مجبور کرتی تھیں، اس لئے بڑی گرانی ہو رہی تھی جس کو حضرت عمرؓ نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے دریافت کر کے حل کیا۔ حضورؐ نے تسلی فرما دی کہ زکوٰۃ اسی لئے فرض ہوئی، کہ اس کے ادا کرنے کے بعد باقی مال طیّب ہو جائے اور اس سے مال کے جمع رکھنے پر دلیل ہو گئی، کہ زکوٰۃ تو جب ہی واجب ہوگی جب سال بھر مال موجود رہے اگر مال کا رکھنا جائز نہ ہوتا تو زکوٰۃ کیوں واجب ہوتی۔ نیز اس سے زکوٰۃ کی کتنی بڑی فضیلت معلوم ہوئی کہ اس کے ادا کرنے کا ثواب تو مستقل اور علیحدہ رہا۔ اس کی وجہ سے باقی مال بھی پاک صاف اور طیّب بن جاتا ہے) خود قرآن پاک میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا الاٰيۃ (توبہ، ع ۱۳) آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک صاف کر دیں گے۔" ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کیا کرو کہ یہ تمہارے پاک ہونے کا ذریعہ ہے (کنز) ایک اور حدیث میں ہے کہ زکوٰۃ ادا کیا کرو، کہ وہ پاک کرنے والی ہے۔ اللہ تعالےٰ تم کو (اس کے ذریعہ سے) پاک کر دے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعہ سے (گندگی سے یا اضاعت سے) محفوظ بناؤ، اور اپنے بیماروں کی صدقہ سے دوا کرو۔ اور بلاؤں کے لئے دعاؤں کو تیار کرو (کنز)

(ایک اور حدیث میں ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے اپنے مال کو محفوظ بناؤ، اپنے بیماروں کی صدقہ سے دوا کرو، اور بلاؤں کے زوال کے لئے دعا اور عاجزی سے مدد چاہو (کنز)) اس کے بعد حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حدیثِ بالا میں مال جمع رکھنے کے جواز کی دوسری دلیل ارشاد فرمائی کہ میراث کا حکم تو اسی وجہ سے ہے کہ مال کا رکھنا جائز ہے۔ اگر مال کا رکھنا جائز نہ ہو تو پھر تقسیم میراث کس چیز کی ہوگی۔ اس کے بعد حضورؐ نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ جائز ہونا امرِ آخر ہے لیکن خزانوں میں رکھنے کی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کو تو خرچ ہی کر دینا چاہیئے۔ محفوظ رکھنے کی چیز نیک بیوی ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے اس جگہ سوال فرمایا تھا جس پر حضورؐ کا یہ ارشاد

ہے۔ حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیتِ شریفہ وَ الَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ الآیۃ نازل ہوئی تو ہم حضورؐ کے ساتھ سفر میں تھے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسولَ اللہ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ خزانہ کے طور کیا چیز حفاظت سے رکھنے کی ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ بہترین چیز وہ زبان ہے جو ذکر کرنے والی ہو، وہ دِل ہے جو شکر گذار ہو، اور وہ نیک بیوی ہے جو دین کے کاموں میں مدد کرنے والی ہو۔ (دُرِّ منثور)

(ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا، کہ سونے چاندی کا ناس ہو کیسی بُری چیز ہے۔ تین مرتبہ حضورؐ نے یہی فرمایا۔ اس پر صحابہؓ نے دریافت کیا کہ خزانہ کے طور پر قابلِ حفاظت کیا چیز بہتر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، زبان ذکر کرنے والی، دِل اللہ سے ڈرنے والا، اور وہ نیک بیوی جو دین کے کاموں میں مُعِین و مددگار ہو۔ (تفسیر کبیر)

کیسی پاک اور جامع تعلیم ہے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کہ مال رکھنے کا جواز بھی بتادیا اور جمع رکھنے کا پسندیدہ نہ ہونا بھی بتادیا اور دُنیا میں راحت کی ایسی زندگی جو آخرت میں کام دے وُہ بھی بتادی کہ ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دِل، اور دُنیا کی لذت کی وہ چیز بھی بتادی جو راحت سے زندگی گذرنے کا سبب ہو، اور وہ فتنے اس میں نہ ہوں جو مال میں ہیں، ہر قسم کی راحت اس سے مُیَسَّر ہو، اور وُہ بیوی ہے۔ بشرطیکہ نیک ہو، دین دار ہو، فرمانبردار ہو، اور سمجھ دار ہو کہ خاوند کے مال و متاع کی حفاظت کرنے والی ہو۔

(۲) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلزَّکٰوۃُ قَنْطَرَۃُ الْاِسْلَامِ۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ زکوٰۃ اسلام کا (بہت بڑا مضبوط) پُل ہے۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط الکبیر کذا فی الترغیب)

ف: جیسا کہ مضبوط پُل ذریعہ اور سہولت کا سبب ہوتا ہے کسی جگہ جانے کا اسی طرح زکوٰۃ ذریعہ ہے اور راستہ ہے اسلام کی حقیقت تک سُہولت سے پہنچنے کا۔ یا اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے عالی دربار تک پہنچنے کا۔ عبد العزیز بن عُمیرؒ، حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ کے پوتے فرماتے ہیں کہ نماز تجھے آدھے راستہ تک پہنچا دے گی اور روزہ بادشاہ کے دروازہ تک پہنچا دے گا اور صدقہ تجھے بادشاہ کے پاس پہنچا دے گا۔ (اتحاف)

پُل کے ساتھ ایک لطیف مناسبت حضرت شقیق بلخیؒ جو مشہور بزرگ اور صوفی ہیں، کے کلام سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے پانچ چیزیں تلاش کیں اُن کو پانچ جگہ پایا۔ روزی کی برکت کو چاشت کی نماز میں پایا، اور قبر کی روشنی تہجد کی نماز میں ملی، منکر نکیر کے جواب کو تلاوتِ قرآن میں پایا، اور پُل صراط پر سہولت سے گذرنا روزہ اور صدقہ میں پایا، اور عرش کا سایہ خلوت میں پایا۔ (فضائل نماز)

(۳) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ اَدّٰى الرَّجُلُ زَكٰوةَ مَالِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدّٰى زَكٰوةَ مَالِهٖ فَقَدْ ذَهَبَ عَنْهُ شَرُّهٗ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مال کی زکوٰۃ ادا کر دے، تو اس مال کی شر اُس سے جاتی رہتی ہے۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط وابن خزیمۃ فی صحیحہ والحاکم مختصرا وقال صحیح علی شرط مسلم کذا فی الترغیب)

ف: بعض روایات میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے کہ جب تُو مال کی زکوٰۃ ادا کر دے، تو تُو نے اس مال کے شر کو زائل کر دیا (کنز) یعنی مال بہت سے شرور کا سبب ہوتا ہے لیکن اس کی زکوٰۃ اگر اہتمام سے ادا ہوتی ہے تو اس کے شر سے حفاظت رہتی ہے۔ آخرت کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ پھر اس مال پر عذاب نہیں ہوتا۔ دُنیا کے اعتبار سے اس لحاظ سے کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا مال کے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے جیسا کہ اس سے اگلی حدیث میں آرہا ہے، اور اگر زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو وہ مال ضائع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ فصل کے نمبر ۶ پر آرہا ہے۔

(۴) عَنِ الْحَسَنِؒ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَصِّنُوْا اَمْوَالَكُمْ بِالزَّكٰوةِ وَدَاوُوْا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ وَاسْتَقْبِلُوْا اَمْوَاجَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعہ محفوظ بناؤ اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو، اور بلا اور مصیبت کی موجوں کا دُعا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے استقبال کرو۔

(رواہ ابوداؤد فی المراسیل ورواہ الطبرانی والبیہقی وغیرھما عن جماعۃ من الصحابۃ مرفوعًا متصلاً والمرسل اشبہ کذا فی الترغیب)

ف: تَحْصِین کے معنی اپنے چاروں طرف قلعہ بنا لینے کے ہیں۔ یعنی جیسا کہ آدمی قلعہ میں بیٹھ جانے سے ہر طرف سے محفوظ ہوجاتا ہے ایسا ہی زکوٰۃ کا ادا کر دینا، اس مال کو ایسا محفوظ کر دیتا ہے جیسا کہ وہ مال قلعہ میں محفوظ ہو گیا ہو، ایک حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مسجدِ کعبہ میں حطیم میں تشریف رکھتے تھے۔ کسی شخص نے تذکرہ کیا کہ فلاں آدمیوں کو بڑا نقصان ہو گیا۔ سمندر کی موج نے اُن کے مال کو ضائع کر دیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جنگل ہو یا سمندر کسی جگہ بھی جو مال ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے سے ضائع ہوتا ہے، اپنے مالوں کی، زکوٰۃ ادا کرنے کے ذریعہ حفاظت کیا کرو اور اپنے بیماروں کی صدقہ سے دوا کیا کرو، اور بلاؤں کے نزول کو دعاؤں سے دُور کیا کرو۔ دعاء اس بلا کو بھی زائل کر دیتی ہے جو نازل ہو گئی ہو اور اس بلا کو روک دیتی ہے جو ابھی تک نازل نہ ہوئی ہو۔ جب اللہ جَلَّ شَانُہٗ کسی قوم کا بقا چاہتے ہیں یا اُن کی بڑھوتری چاہتے ہیں تو اس قوم میں گناہوں سے عِفَّت اور جوانمری (یعنی جود و بخشش) عطا فرماتے ہیں، اور جب کسی قوم کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس میں خیانت پیدا کر دیتے ہیں۔ (کنز)

(۵) رُوِیَ عَنْ عَلْقَمَۃَ اَنَّھُمْ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقَالَ لَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ تَمَامَ اِسْلَامِکُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا زَکٰوۃَ اَمْوَالِکُمْ۔

حضرت علقمہؓ فرماتے ہیں، کہ جب ہماری جماعت حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اسلام کی تکمیل اس میں ہے، کہ مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔

(رواہ البزار کذا فی الترغیب)

ف: اسلام کی تکمیل کا زکوٰۃ پر موقوف ہونا ظاہر ہے کہ جب زکوٰۃ اسلام کے پانچ مشہور ارکان کلمۂ طیبہ کا اقرار، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا ایک رُکن ہے تو جب تک ایک رکن بھی باقی رہے گا، اسلام کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

حضرت ابوایوبؓ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ حضورؐ نے فرمایا، اللہ کی

عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ کرو، نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو۔

ایک اور حدیث میں ہے، ایک اعرابیؓ نے سوال کیا کہ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے، جس پر عمل کر کے جنت میں داخل ہو جاؤں حضورؐ نے فرمایا، اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نماز کو اہتمام سے ادا کرتے رہو، فرض زکوٰۃ ادا کرتے رہو، رمضان کے روزے رکھتے رہو۔ ان صاحب نے عرض کیا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس میں ذرا بھی کمی زیادتی نہ ہوگی۔ جب وہ چلے گئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ جس شخص کا کسی جنتی آدمی کو دیکھ کر دل خوش ہو، وہ اس شخص کو دیکھے۔ (ترغیب)

(۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مُعَاوِیَۃَ رض الْغَاضِرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مَنْ فَعَلَھُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ عَبَدَ اللّٰہَ وَحْدَہٗ وَعَلِمَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَعْطٰی زَکٰوۃَ مَالِہٖ طَیِّبَۃً بِھَا نَفْسُہٗ رَافِدَۃً عَلَیْہِ کُلَّ عَامٍ وَلَمْ یُعْطِ الْھَرِمَۃَ وَلَا الدَّرِنَۃَ وَلَا الْمَرِیْضَۃَ وَلَا الشَّرَطَ اللَّئِیْمَۃَ وَلٰکِنْ مِّنْ وَّسَطِ اَمْوَالِکُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَسْئَلْکُمْ خَیْرَہٗ وَلَمْ یَأْمُرْکُمْ بِشَرِّہٖ۔ (رواہ ابوداؤد کذا فی الترغیب)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ جو شخص تین کام کر لے، اس کو ایمان کا مزہ آ جائے۔ صرف اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی عبادت کرے اور اس کو اچھی طرح جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور زکوٰۃ کو ہر سال خوش دلی سے ادا کرے (بوجھ نہ سمجھے)۔ اس میں (جانوروں کی زکوٰۃ میں) بوڑھا جانور یا خارشی جانور، یا مریض یا گھٹیا قسم کا جانور نہ دے، بلکہ متوسط جانور دے اللہ جَلَّ شَانُہٗ زکوٰۃ میں تمہارے بہترین مال نہیں چاہتے، لیکن گھٹیا مال کا بھی حکم نہیں فرماتے۔

ف: اس حدیث میں تذکرہ اگرچہ جانوروں کی زکوٰۃ کا ہے لیکن ضابطہ ہر زکوٰۃ کا یہی ہے کہ نہ تو بہترین مال واجب ہے نہ گھٹیا مال جائز ہے بلکہ درمیانی مال ادا کرنا اصل ہے البتہ کوئی اپنی خوشی سے ثواب حاصل کرنے کے لئے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے عمدہ مال ادا کرے تو اس کی سعادت ہے، اس کی خوش قسمتی ہے۔ اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے احوال کو غور سے دیکھے، اُن کے طرز عمل کی تحقیقات کرے، دو واقعے نمونہ کے طور پر اس جگہ نقل کرتا ہوں۔

مسلم بن شعبہؒ کہتے ہیں کہ نافع بن علقمہؒ نے میرے والد کو ہماری قوم کا چودھری بنا دیا تھا۔ ایک

مرتبہ انہوں نے میرے والد کو حکم دیا کہ ساری قوم کی زکوٰۃ جمع کرکے لے جائیں۔ میرے والد نے مجھے سب سے زکوٰۃ کا مال وصول کرنے اور جمع کرنے کو بھیج دیا۔ میں ایک بڑے میاں کے پاس جسکا نام سعرؓ تھا ان کی زکوٰۃ لینے کے لئے گیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ بھتیجے! کس طرح کا مال لوگے۔ میں نے کہا، اچھے سے اچھا لوں گا حتّٰی کہ بکری کے تھن تک بھی دیکھوں گا کہ بڑے ہیں یا چھوٹے۔ یعنی ایک ایک چیز دیکھ کر ہر اعتبار سے عمدہ سے عمدہ چھانٹ کرلونگا۔ انہوں نے فرمایا کہ پہلے میں تمہیں ایک حدیث سنادوں (تاکہ مسئلہ تم کو معلوم ہوجائے، اس کے بعد جیسا دل چاہے لے لینا) میں حضورؐ کے زمانہ میں اسی جگہ رہتا تھا، میرے پاس حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس سے دو آدمی قاصد بن کر آئے اور یہ کہا کہ ہمیں حضورؐ نے تمہاری زکوٰۃ لینے کے لئے بھیجا ہے۔ میں نے ان کو اپنی بکریاں دکھا کر دریافت کیا کہ ان میں کیا چیز واجب ہے۔ انہوں نے شمار کرکے بتایا کہ ایک بکری واجب ہے۔ میں نے ایک نہایت عمدہ بکری جو چربی اور دودھ سے لبریز تھی نکالی کہ زکوٰۃ میں دوں۔ ان صاحبوں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ یہ بچہ والی بکری ہے، ہمیں ایسی بکری لینے کی حضورؐ کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔ میں نے پوچھا کہ پھر کیسی لوگے، ان دونوں نے کہا کہ چھ مہینہ کا مینڈھا، یا ایک سال کی بکری۔ میں نے ایک ششماہا بچہ نکال کر ان کو دے دیا، وہ لے گئے (ابوداؤد)۔

اس واقعہ میں حضرت سعرؓ کی خواہش ابتداءً یہی تھی کہ تمام بکریوں میں جو بہتر سے بہتر ہو، ادا کی جائے۔ اور ابنِ نافع کو غالبًا یہ واقعہ اس لئے سنایا کہ ان کو مسئلہ معلوم ہوجائے اور اس کے بعد ان کا اندازہ تو اس واقعہ سے خود ہی معلوم ہوگیا کہ یہ زکوٰۃ میں اپنا بہترین مال دینا چاہتے ہیں۔

دوسرا واقعہ حضرت اُبَیْ بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے ایک مرتبہ زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا۔ میں ایک صاحب کے پاس گیا۔ جب انہوں نے اپنے اونٹ میرے سامنے کئے تو میں نے دیکھا کہ ان میں ایک سال کی اونٹنی واجب ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ ایک سالہ اونٹنی دے دو۔ وہ کہنے لگے کہ ایک سالہ اونٹنی کس کام آئے گی، نہ تو وہ سواری کے کام دے سکتی ہے نہ دودھ کا۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے ایک نہایت عمدہ بہت موٹی تازی بڑی اونٹنی نکالی اور کہا کہ یہ لے جاؤ، میں نے کہا میں تو اس کو قبول نہیں کرسکتا۔ البتہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خود سفر ہی میں تشریف فرما ہیں اور تمہارے قریب ہی آج منزل ہے، اگر تمہارا دل چاہے تو براہِ راست حضورؐ کی خدمت میں جاکر پیش کردو۔ اگر حضورؐ نے اجازت دے دی تو میں لے لوں گا۔ وہ صاحب اس اونٹنی کو لے کر میرے ساتھ چل

دیئے۔ جب ہم حضورؐ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کے قاصد میرے پاس آئے تھے کہ میری زکوٰۃ لیں، اور خدا کی قسم یہ سعادت مجھے اب سے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی کہ حضورؐ نے یا حضورؐ کے قاصد نے کبھی مجھ سے مال طلب کیا ہو۔ میں نے آپ کے قاصد کے سامنے اپنے اُونٹ کر دیئے انہوں نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ان میں ایک سالہ اونٹنی واجب ہے۔ حضورؐ، ایک سالہ اُونٹنی نہ تو دودھ کا کام دے سکتی ہے نہ سواری کا، اس لئے میں نے ایک بہترین اُونٹنی ان کی خدمت میں پیش کی تھی جو یہ میرے ساتھ حاضر ہے، انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے میں آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔ یا رسول اللہ! اس کو قبول ہی فرما لیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم پر واجب تو وہی ہے جو انہوں نے بتایا۔ اگر تم نفل کے طور پر زیادہ عمر کی عمدہ اونٹنی دیتے ہو تو اللہ جلّ شانہٗ تمہیں اس کا اجر دیگا انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اسی لئے ساتھ لایا ہوں، اس کو قبول فرمالیں۔ حضورؐ نے اس کے لینے کی اجازت فرمادی۔ (ابوداوٗد)

ان حضرات کے دلوں میں زکوٰۃ کا مال ادا کرنے کے یہ وَلولے تھے۔ وہ اس پر فخر کرتے تھے۔ اس کو عزت سمجھتے تھے کہ اللہ کا اور اس کے رسول کا قاصد آج میرے پاس آیا اور میں اس قابل ہوا۔ وہ اس کو تاوان اور بیگار نہیں سمجھتے تھے، وہ اس کو اپنی ضرورت، اپنی غرض اور اپنا کام سمجھتے تھے۔ ہم لوگ عمدہ مال کو یہ سوچتے ہیں کہ اس کو رکھ لیں کہ اپنے کام آئے گا، اور یہ حضرات اپنے کام آنا اُسی کو سمجھتے تھے، جو اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیا ہو۔ حضرت اُبوذرؓ کا واقعہ پہلی فصل کی آیات کے ذیل میں نمبر ۱۱ پر گذر چکا کہ جب قبیلۂ بنی سُلیم کے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں رہنے کی درخواست کی تو آپ نے اُن سے یہ فرمایا کہ اس شرط پر میرے پاس قیام کی اجازت ہے کہ جب میں کسی کو کوئی چیز دینے کو کہوں تو جو چیز میرے مال میں سب سے عمدہ اور بہتر ہو، اس کو چھانٹ کر دینا ہوگا۔ یہ مُفصّل قِصّہ گذر چکا ہے اور آئندہ فصل کی احادیث میں نمبر ۱ پر یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے کہ زکوٰۃ، صَدَقات میں بالخصوص زکوٰۃ میں خراب مال ہرگز نہ دینا چاہیئے۔

(۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَدَّيْتَ الزَّكٰوةَ فَقَدْ

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک اِرشاد ہے کہ جب تو مال کی زکوٰۃ ادا کردے تو جو حق (واجب) تجھ پر تھا وہ تو ادا ہوگیا (آگے

قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ وَمَنْ جَمَعَ مَالًا حَرَامًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهٖ لَمْ يَكُنْ لَهٗ فِيْهِ اَجْرٌ وَّكَانَ اِصْرُهٗ عَلَيْهِ۔ (رواہ ابن حبان وابن خزیمۃ فی صحیحھما والحاکم وقال صحیح الاسناد کذا فی الترغیب)

صرف نوافل کا درجہ ہے) اور جو شخص حرام طریقہ (سود، رشوت وغیرہ) سے مال جمع کر کے صدقہ کرے، اس کو اس صدقہ کا کوئی ثواب نہیں ہے، بلکہ اس حرام کمائی کا وبال اُس پر ہے۔

ف: اس حدیث پاک میں دو مضمون وارد ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ واجب کا درجہ زکوٰۃ کا ہے۔ اس کے علاوہ جو درجات ہیں وہ صَدَقات اور نوافل ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص زکوٰۃ کو ادا کر دے اس نے اس حق کو تو ادا کر دیا، جو اس پر واجب تھا، اس سے زیادہ جو ادا کرے وہ افضل ہے۔[1]

حضرت ضِمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث جو بخاری شریف، مُسلم شریف وغیرہ سب کُتُب میں بہت طریقوں سے ذکر کی گئی، جس میں انہوں نے حضورؐ سے اِسلام اور اس کے اَرکان کے مُتعلّق سُوالات کئے اور حُضورؐ نے سب کو تفصیل سے بتایا۔ اس میں مِنجملہ دوسرے ارکان کے حُضورؐ نے زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا حضرت ضِمامؓ نے پوچھا کہ زکوٰۃ کے عِلاوہ کوئی چیز مجھ پر واجب ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، البتہ اگر نفل کے طور پر تم ادا کرو تو اختیار ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک شخص نے مکان فروخت کیا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ اس کی قیمت کو احتیاط سے اپنے گھر میں گڑھا کھود کر اس میں رکھ دینا۔ اس نے عرض کیا کہ اس طرح کنز میں داخل نہ ہو جائے گا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز میں داخل نہیں ہوتا۔ حضرت ابنِ عمرؓ کا ارشاد ہے کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میرے پاس اُحُد کے پہاڑ کے برابر سونا ہو، میں اس کی زکوٰۃ ادا کرتا رہوں اور اس میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں۔ (دُرِّ منثور)

اس نوع کی بہت سی روایات کُتُبِ احادیث میں موجود ہیں، جن کی بنا پر جمہور علماء اور ائمۂ اَربعہؒ کا یہی مذہب ہے کہ مال میں بحیثیت مال کے تو زکوٰۃ کے عِلاوہ کسی دوسری چیز کا وجوب نہیں۔ البتہ دوسری حیثیات سے اگر وجوب ہو تو وہ اَمرِ آخر ہے جیسا کہ بیوی کا چھوٹی اولاد کا نفقہ ہے، اور اسی طرح سے دوسرے نفقات ہیں، یا اسی طرح سے مُضطَر کی ضرورت کا پورا کرنا ہے کہ جو شخص بھوک یا پیاس کی

[1] کنز

وجہ سے مر رہا ہے اس کو موت سے بچانا فرضِ کفایہ ہے۔ امام غزالیؒ اِحیاءُ العُلوم میں فرماتے ہیں کہ بعض تابعینؒ کا مذہب یہ ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں، جیسا کہ نخعیؒ، شعبیؒ اور عطاءؒ اور مجاہدؒ کا مذہب ہے۔ امام شعبیؒ سے کسی نے پوچھا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی حق ہے؟ انہوں نے فرمایا، ہے، اور قرآن پاک کی آیت وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ تلاوت فرمائی جو سب سے پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۲ پر گذر چکی ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حُقُوقِ مُسلم میں داخل ہے، کہ مال داروں کے ذمہ یہ ضروری ہے، کہ جب وہ کسی ضرورت مند کو دیکھیں تو اس کی ضرورت کا ازالہ کریں، لیکن جو چیز فقہ کے اعتبار سے صحیح ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اضطرار کا درجہ حاصل ہو جائے تو اس کا ازالہ فرضِ کفایہ ہے، لیکن اس کا ازالہ بطورِ قرض کے کیا جائے یا اِعانت کے طور پر، یہ فقہاء کے یہاں مُختَلَف فِیہ ہے (احیاء)

مُضطَر کی اِعانت اپنی جگہ پر مستقل واجب ہے، جب کہ وہ بھوک سے یا پیاس سے یا کسی اور وجہ سے ہلاکت کے قریب ہو، لیکن مالدار پر مالی حیثیت سے زکوٰۃ سے زیادہ واجب نہیں ہے۔ یہاں دو امر قابلِ لحاظ ہیں۔ اوّل افراط، ہم لوگوں کی عادت یہ ہے کہ جب بھی کسی چیز کی طرف بڑھتے ہیں تو ایسا زور سے دوڑتے ہیں کہ پھر حدود کی ذرا بھی پرواہ نہیں رہتی۔ اس لئے اس کی رعایت ضروری ہے کہ کسی دوسرے شخص کا مال بغیر اس کی طیبِ خاطر کے لینا جائز نہیں ہے۔ فُقہاء نے مُضطَر کے لئے دوسرے کا مال کھانے کی ضرور اجازت دی ہے لیکن اس میں خود حنفیہ کے یہاں بھی دو قول ہیں کہ اسکو مردار کا کھانا دوسرے کا مال کھانے پر مُقدّم ہے یا دوسرے کا مال مُردار کھانے پر مُقدّم ہے، جیسا کہ کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ اس حالت پر پہنچ جائے کہ اس کو مُردار کھانے کی اجازت ہو جائے، جب وُہ دوسرے کا مال کھا سکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ	اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق
بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى	نہ کھاؤ، اور ان کو حُکّام کے یہاں اس غرض
الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ	سے نہ لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا ایک حصّہ
اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ	بطریقِ گناہ کے کھا جاؤ اور تم اس کو جانتے
وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ۔ ع ۲۳)	ہو۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرو، کسی شخص کا مال اس کی طیبِ خاطر

بغیر لینا حلال نہیں ہے (مشکوٰۃ، زیلعی)۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا مشہور ارشاد ہے کہ جو شخص ایک بالشت زمین کسی کی ظلم سے لے گا قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا وہ حصہ جو اس ایک بالشت کے مقابل ہے، طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

وفد ہوازن کا قصہ نہایت مشہور ہے کہ جب وہ شکست کھانے کے بعد مسلمان ہو کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست کی کہ غنیمت میں جو قیدی اور مال اُن کا لیا گیا ہے وہ اُن کو واپس مل جائے، تو حضورؐ نے بعض مصالح کی بنا پر یہ وعدہ فرما لیا کہ دونوں چیزیں تو واپس نہیں ہو سکتیں، ان میں سے ایک واپس ہو سکتی ہے۔ انہوں نے قیدیوں کے واپس مل جانے کی درخواست کی، تو حضورؐ نے سب مسلمانوں سے جن کا ان میں حق تھا یہ اعلان فرمایا کہ میں نے ان کے قیدی واپس کرنے کا وعدہ کر لیا ہے، تم میں سے جو شخص طیبِ خاطر سے اپنا حصہ مفت دے وہ دیدے، اور جو اس کو پسند نہ کرے ہم اس کا بدل اس کو دے دیں گے۔ بھلا حضورؐ کے ایما کے بعد صحابہؓ میں کون انکار کرنے والا تھا۔ مجمع نے عرض کیا ہم طیبِ خاطر سے پیش کرتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجمع کے درمیان میں یہ صحیح طور پر پتہ نہیں چل سکتا کہ کس کی خوشی سے اجازت ہے کس کی نہیں، اس لئے تمہارے چودھری تم سے علیحدہ علیحدہ بات کر کے تمہاری رضا کی مجھے اطلاع کر دیں۔ (بخاری)

دوسرے کے مال میں احتیاط کا یہ اُسوہ حضورؐ کا ہے، اور اس مضمون کی تائید میں احادیث کا بڑا ذخیرہ ہے کہ جبر و اکراہ سے بلا رضامندی کسی دوسرے کا مال لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ علماءِ حق نے اس میں اتنی احتیاط برتی ہے کہ جو مجمع کی شرم میں کسی کارِ خیر میں چندہ دیا جائے اس کو بھی پسند نہیں کیا۔ اس لئے ایک جانب تو اس میں افراط سے بچنا ضروری ہے کہ بجبر و اکراہ کسی دوسرے کا مال نہ لیا جائے۔ کسی وقتی تحریک سے مرعوب ہو کر ہرگز قول و فعل سے، تحریر و تقریر سے جمہورِ اسلاف کا خلاف نہ کرنا چاہیئے۔ غریب پروری کا جذبہ بہت مبارک ہے، مگر اس میں حدود سے تجاوز ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ بدترین لوگوں میں سے ہے وہ شخص جو دوسرے کی دُنیا کی خاطر اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے۔ (مشکوٰۃ)

اس لئے اس میں ایک جانب افراط سے بچنا ضروری ہے، اور دوسری جانب اس میں تفریط سے بچنا بھی اَہَم اور نہایت ضروری ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مال میں زکوٰۃ ہی واجب ہے لیکن محض

واجب کی ادائیگی پر کفایت کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ اب تک جو مضامین اور روایات رسالہ میں گذر چکی ہیں، وہ سب کی سب بہانگ دُہل اس کا اعلان کر رہی ہیں کہ اپنے کام آنے والا صرف وہی مال ہے جو اپنی زندگی میں دے دیا گیا، اور اللہ کے یہاں جمع کر دیا گیا۔ بعد میں نہ کوئی ماں باپ یاد رکھتا ہے، نہ بیوی یا اولاد پوچھتی ہے۔ سب چند روز کے فرضی آنسو مُفت کے بہا کر اپنے اپنے مشغلہ میں لگ جائیں گے، کسی کو مہینوں اور برسوں بھی مرنے والے کا خیال نہیں آئے گا۔ اس سب سے قطع نظر حدیثِ بالا کے سلسلہ میں ایک اور اہم اور کلّی بات بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ دین کے متعلق ایک مُہمَل اور بیہودہ لفظ ہماری زبانوں پر ہوتا ہے۔ "اجی ہم دنیا داروں سے فرائض ہی ادا ہو جائیں تو غنیمت ہے، نوافل تو بڑے لوگوں کا کام ہے" یہ شیطانی دھوکہ ہے۔ نوافل اور تطوّعات فرائض ہی کی تکمیل کے واسطے ہوتے ہیں۔ کون شخص یہ یقین کر سکتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے کسی فرض کو بھی پورا کا پورا کر دیا، اور جب اس میں کوتاہی رہتی ہی ہے تو اس کے پورا کرنے کے لئے نوافل ہوتے ہیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی نماز سے ایسی حالت میں فارغ ہوتا ہے کہ اس کے لئے اس نماز کا دسواں حصّہ لکھا جاتا ہے، نواں حصّہ، آٹھواں حصّہ، ساتواں حصّہ، چھٹا، پانچواں، چوتھا، تہائی، آدھا حصّہ لکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد) یہ مثال کے طور پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا، ہم لوگ جیسی نماز پڑھتے ہیں، اس کا تو ہزارواں بلکہ لاکھواں حصّہ بھی لکھ لیا جائے تو محض اس کا لطف و کرم ہے۔ ورنہ وہ تو اپنی بداعمالیوں اور بے اخلاصی کی وجہ سے ایسی ہوتی ہیں جیسا کہ دوسری احادیث میں ہے کہ بعض نمازیں پرانے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر منہ پر ماردی جائیں گی۔ کہ ان میں قبول کا کوئی درجہ بھی نہ ہوگا۔ ایسے احوال میں نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے فرائض کا کتنا حصّہ لکھا گیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کا محاسبہ ہوگا۔ اللہ جلّ شانہٗ کا پاک ارشاد فرشتوں کو ہوگا کہ میرے بندے کی نماز کو دیکھو، کہ ناقص ہے یا پوری۔ اگر پوری ہوتی ہے تو وہ پوری لکھ لی جاتی ہے اور اگر ناقص ہوتی ہے، تو جتنا نقصان ہوتا ہے وہ درج ہو جاتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ دیکھو، اس کے پاس کچھ نوافل ہیں یا نہیں۔ اگر نوافل اس کے پاس ہوتے ہیں تو اُن سے فرائض کی تکمیل کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد پھر اسی طرح زکوٰۃ کا حساب کتاب ہوتا ہے یعنی اوّل فرائض کا حساب ہوتا ہے، پھر نوافل سے اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کے بعد پھر اسی طرح بقیہ اعمال

کا حساب کتاب ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

ایسی صورت میں اس گھمنڈ میں کسی شخص کو ہر گز نہ رہنا چاہیئے کہ میں زکوٰۃ حساب کے موافق دیتا رہتا ہوں۔ نہ معلوم کتنی کوتاہیاں اس میں ہو جاتی ہوں گی۔ اُن کی تلافی کے لئے زیادہ سے زیادہ مقدار صدقاتِ نافلہ کا ذخیرہ ہونا چاہیئے۔ عدالت میں جب مقدمہ کے لئے آدمی جاتی ہے۔ ہمیشہ خرچ سے زیادہ روپیہ جیب میں ڈال کر جاتا ہے کہ نہ معلوم کیا خرچ پیش آجائے۔ وہ عدالت تو سب عدالتوں سے اونچی ہے، جہاں نہ جھوٹ چلتا ہے نہ زبان زوری، نہ سفارش۔ ہاں اللہ کی رحمت ہر چیز سے بالاتر ہے۔ وہ صاحبِ حق ہے، بالکل ہی معاف کر دے تو کسی کا کیا اجارہ ہے۔ لیکن یہ ضابطہ کی چیز نہیں ہے، اور مراحم خسروانہ کی امید پر جرم نہیں کئے جاتے۔ اس لئے فرض کی مقدار کو بہت اہتمام سے اس کے شرائط اور آداب کی رعایت رکھتے ہوئے ادا کرتے رہنا چاہیئے اور محض فرائض کی ادائیگی پر ہرگز ہرگز قناعت نہ کرنا چاہیئے بلکہ ان کی کوتاہی کے خوف سے تکمیل کے لئے زیادہ سے زیادہ حصہ نوافل کے ذخیرہ کا اپنے پاس رہنا چاہیئے۔

علامہ سیوطیؒ نے مرقاۃ الصعود میں نقل کیا ہے کہ ستّر نوافل ایک فریضہ کی برابری کرتے ہیں۔ اس لئے فرض کو بہت اہتمام سے ادا کرنا چاہیئے، کہ اس کی تھوڑی سی کوتاہی سے نوافل کا بہت بڑا ذخیرہ اس میں وضع ہو جاتا ہے، اور فرائض میں اہتمام کے باوجود احتیاط کے طور پر نوافل کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے نامۂ اعمال میں محفوظ رکھنا چاہیئے۔ دوسرا مضمون حدیثِ بالا میں یہ تھا کہ جو شخص حرام مال جمع کر کے اس میں سے صدقہ کرے اس کو صدقہ کا ثواب نہیں ہے۔ بہت سی روایات میں یہ مضمون ذکر کیا گیا کہ حق تعالیٰ شانہٗ حلال مال سے صدقہ قبول کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ غلول کے مال کا صدقہ قبول نہیں کرتے۔ غلول، مالِ غنیمت میں خیانت کو کہتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ غلول کا تذکرہ اس وجہ سے فرمایا کہ غنیمت کے مال میں سب کا حصہ ہوتا ہے تو جب ایسے مال کا صدقہ جس میں خود اپنا بھی حصہ ہے، قبول نہیں ہوتا، تو جس مال میں اپنا کوئی حصہ نہ ہو، اس میں سے صدقہ بطریقِ اولیٰ قبول نہ ہوگا۔

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص حرام مال کماتا ہے وہ اگر خرچ کرے تو اس میں برکت نہیں ہوتی، صدقہ کرے تو قبول نہیں ہوتا، پیچھے میراث کے طور پر چھوڑ جائے تو گویا جہنم کا توشہ چھوڑ گیا۔

حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص حلال مال کماوے، اس کا زکوٰۃ کا ادا کرنا اس مال کو خبیث بنا دیتا ہے، اور جو شخص حرام مال کماوے، اس کا زکوٰۃ ادا کرنا اس مال کو طیّب نہیں بناتا۔ (دُرِّ منثور)

پانچویں فصل

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وعیدیں

قرآن پاک میں بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں جن میں سے مُتعدِد آیات دوسری فصل میں یعنی مال خرچ نہ کرنے کی وعیدیں گذر چکی ہیں۔ جن کے مُتعلق علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے میں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جتنی وعیدیں گذری ہیں وُہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر جب کہ زکوٰۃ بِالْاِجْمَاع فرض ہے بَطریقِ اولیٰ شامل ہوں گی چنانچہ :۔

(۱) وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الآیۃ جو دوسری فصل کی نمبر۵ پر مع ترجمہ گذر چکی ہے۔ جُمہُور صَحابہ کرامؓ اور جُمہُور علماء کے نزدیک زکوٰۃ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور جو سخت عذاب اس آیتِ شریفہ میں ذکر کیا گیا وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے ہے، جیسا کہ اس کے ذیل میں بھی گذر چکا اور مُتعدِد احادیث میں حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاک اِرشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جو عذاب اس آیتِ شریفہ میں ذکر کیا گیا، کہ اس کے مال کو تپا کر اس شخص کی پیشانی کو اور پہلو وغیرہ کو اس سے داغ دیئے جائیں گے۔ یہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا عذاب ہے۔ اللہ ہی اپنے فضل سے محفوظ رکھے کہ پکتے ہوئے دھات کا ذرا سا داغ بھی سخت اَذِیّت پہنچانے والا ہوتا ہے چہ جائے کہ جتنا زیادہ مال ہو، اتنے ہی زیادہ داغ آدمی کو دیئے جائیں گے۔ چند روزان سونے چاندی کے ٹھیکروں کو اپنے پاس رکھ کر کتنی سخت مصیبت کا سامنا ہے۔

(۲) وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ الآیۃ یہ آیت شریفہ بھی مع ترجمہ کے دوسری فصل کے نمبر۳ پر گذر چُکی ہے اور اس کی تائید میں بخاری شریف کی حدیث

سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی گذر چکا ہے کہ جس شخص کو اللہ جلّ شانہٗ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو، وہ مال سانپ بن کر اُس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور وہ کہے گا، کہ میں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں۔ سانپ جس گھر بھی نکل آتا ہے، دہشت کی وجہ سے اندھیرے میں اس گھر میں بھی جانا مشکل ہوجاتا ہے کہ کہیں لپٹ نہ جائے، لیکن اللہ کا پاک رسولؐ فرماتا ہے کہ یہی مال جس کو آج محفوظ خزانوں اور لوہے کی الماریوں میں رکھا جاتا ہے، زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر کل کو سانپ بن کر تمہیں لپٹا دیا جائیگا۔ گھر کے سانپ کا لپٹنا ضروری نہیں، محض احتمال ہے کہ شاید وہ لپٹ جائے اور اس شاید اور احتمال پر بار بار فکر و خوف ہوتا ہے کہ کہیں اِدھر سے نہ نکل آئے اُدھر سے نہ نکل آئے، اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر اس کا عذاب یقینی ہے مگر پھر بھی اس کا خوف ہم کو نہیں ہوتا۔)

(۳) اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ص وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ق اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ○ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ط اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ط وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ○ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ط قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ لا اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ج وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ○ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ قف فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ق وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ○ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ج لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ط وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ع

(سورۂ قصص، ع ۸)

قارون حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چچازاد بھائی تھا جس کا قصہ مشہور معروف

ہے۔ قرآن پاک میں سورۂ قصص کا آٹھواں رکوع سارا کا سارا اسی قصّہ میں ہے جس کا ترجمہ مع توضیح یہ ہے کہ "قارون (حضرت) موسیٰ (علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کی برادری میں سے (ان کا چچا زاد بھائی) تھا، سو وہ (کثرت مال کی وجہ سے) ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبّر کرنے لگا، اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گراں بار کر دیتی تھیں (یعنی ان سے بمشکل اُٹھتی تھیں اور جب خزانوں کی کنجیاں اتنی تھیں تو ظاہر ہے، کہ خزانے تو بہت ہی ہوں گے اور اس نے یہ تکبّر اس وقت کیا تھا) جب کہ اس کو اس کی برادری نے (حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ نے سمجھانے کے طور پر) کہا کہ تُو (اس مال ودولت پر) اِترا مت، واقعی اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تجھ کو خدا تعالیٰ نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالمِ آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دُنیا سے اپنا حصّہ (آخرت میں لے جانا) فراموش نہ کر، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے، تو بھی (اس کے بندوں پر) احسان کیا کر (اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور حقوقِ واجبہ ضائع کر کے) دُنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو، بیشک اللہ تعالیٰ فسادی لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ قارون نے (اُن کی نصیحتیں سُن کر یہ) کہا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا (کہ میری حُسنِ تدبیر سے یہ جمع ہوا، نہ اس میں کچھ غیبی احسان ہے نہ کسی دوسرے کا اس میں کوئی حق ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس کے قول پر عتاب فرماتے ہیں کہ) کیا اس (قارون) نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گذشتہ امّتوں میں ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو مالی قوّت میں بھی اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور (جماعتی حیثیت سے) مجمع بھی اُن کا زیادہ تھا (یہ تو دُنیا میں ہوا اور آخرت میں جہنّم کا عذاب الگ رہا) اور مجرموں سے اُن کے گناہوں کا (معلوم کرنے کی غرض سے) سُوال بھی نہ ہوگا (کہ ہر شخص کا پورا حال اللہ تعالیٰ شانہٗ کو معلوم ہے، مطالبہ کی وجہ سے سُوال علیحدہ رہا) پھر (وہ قارون ایک مرتبہ) اپنی آرائش وشان کے ساتھ اپنی برادری کے سامنے نکلا تو جو لوگ (اس کی برادری میں) دُنیا کے طالب تھے وہ کہنے لگے، کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو بھی یہ ساز وسامان ملا ہوتا جو قارون کو ملا ہے، واقعی یہ قارون بڑا صاحبِ نصیب ہے (یہ تمنّا اور حرص مال کی تھی، اس سے ان لوگوں کا کافر ہونا لازم نہیں ہے جیسا کہ اب بھی بہت سے مسلمان دوسری قوموں کی دُنیاوی ترقیات دیکھ کر ہر وقت للچاتے ہیں اور اس کی فکر وسعی میں لگے رہتے ہیں کہ دُنیاوی فروغ ہمیں بھی نصیب ہو) اور جن لوگوں کو علم دین (اور اس کا فہم) عطا کیا گیا تھا وہ (ان حریصوں سے) کہنے لگے ارے تمہارا ناس

ہو، (تم اس دُنیا پر کیا للچاتے ہو) اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب (اس چند روزہ مال و دولت سے لاکھ لاکھ درجے) بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرے اور (ان میں سے بھی کامل درجہ کا ثواب) انہی لوگوں کو دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہوں اور پھر (جب ہم نے قارون کی سرکشی اور فساد کی وجہ سے) اس کو اور اس کے محل سرائے کو زمین میں دھنسا دیا، سو کوئی جماعت ایسی نہ ہوئی کہ اس کو اللہ کے عذاب سے بچا لیتی اور نہ وہ خود ہی کسی تدبیر سے بچ سکا (بے شک اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون بچا سکتا ہے اور کون بچ سکتا ہے، قارون پر یہ عذاب کی حالت دیکھ کر) کل جو لوگ اس جیسا ہونے کی تمنا کر رہے تھے، وہ کہنے لگے، بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ (رزق کی فراخی کا اور تنگی کا مدار خوش نصیبی یا بد نصیبی پر نہیں ہے بلکہ) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے روزی کی فراخی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگی دیتا ہے، (یہ ہماری غلطی تھی کہ اس کی فراخی کو خوش نصیبی سمجھ رہے تھے واقعی) اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا (کہ گنہگار تو آخر ہم بھی ہیں ہی) بس جی معلوم ہو گیا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہے (گو یہ چند روزہ زندگی کے مزے لوٹ لیں)۔ (بیان القرآن بتغیر)

ف: حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ قارون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری سے تھا۔ اُن کا چچازاد بھائی تھا (دُنیاوی) عُلوم میں بہت ترقی کی تھی اور حضرت موسیٰ عَلیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ السَّلام پر حسد کرتا تھا حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃ وَالسَّلَام نے اُس سے فرمایا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے مجھے تم سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا ہے۔ اُس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ موسیٰؑ اس نام سے تمہارے مالوں کو کھانا چاہتا ہے اس نے نماز کا حکم کیا تم نے برداشت کیا، اس نے اور احکام جاری کئے جن کو تم برداشت کرتے رہے، اب وہ تمہیں زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے اس کو بھی برداشت کر لو۔ لوگوں نے کہا۔ یہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا، تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ۔ اُس نے کہا۔ میں نے یہ سوچا ہے کہ کسی فاحشہ عورت کو اس پر راضی کیا جائے، جو حضرت موسیٰؑ پر اس کی تہمت لگائے کہ وہ مجھ سے زنا کرنا چاہتے ہیں۔ لوگوں نے ایک فاحشہ عورت کو بہت کچھ انعام کا وعدہ کر کے اس پر راضی کر لیا کہ وہ حضرت موسیٰؑ پر یہ الزام لگائے۔ اس کے راضی ہونے پر قارون حضرت موسیٰؑ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام آپ کو دیئے ہیں وہ بنی اسرائیل کو سب کو جمع کر کے سُنا دیجئے۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کو پسند فرمایا اور سارے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور جب سب جمع ہو گئے تو حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے احکام بتانے شروع کئے کہ مجھے یہ احکام دیئے ہیں کہ اس کی عبادت

کرو، کسی کو اس کا شریک نہ کرو، صلہ رحمی کرو اور دوسرے احکام گنوائے جن میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی بیوی والا زنا کرے، تو اس کو سنگسار کیا جائے۔ لوگوں نے کہا، اور اگر آپ خود زنا کریں۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اگر میں زنا کروں تو مجھے بھی سنگسار کیا جائے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے زنا کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے (تعجب سے) فرمایا کہ میں نے؟ لوگوں نے کہا، جی ہاں آپ نے۔ اور یہ کہہ کر اس عورت کو بلا کر اس سے پوچھا کہ تو حضرت موسیٰؑ کے متعلق کیا کہتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے بھی اس کو قسم دے کر فرمایا کہ تو کیا کہتی ہے۔ اس عورت نے کہا کہ جب آپ قسم دیتے ہیں تو بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھ سے اتنے اتنے انعام کا وعدہ کیا ہے کہ میں آپ پر الزام لگاؤں، آپ اس الزام سے بالکل بری ہیں۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام روتے ہوئے سجدہ میں گر گئے، اللہ جل شانہٗ کی طرف سے سجدہ ہی میں وحی آئی کہ رونے کی کیا بات ہے، تمہیں ان لوگوں کو سزا دینے کیلئے ہم نے زمین پر تسلط دے دیا، تم جو چاہو ان کے متعلق زمین کو حکم فرماؤ۔ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے سجدہ سے سر اٹھایا اور زمین کو حکم فرمایا کہ ان کو نگل جا۔ اس نے ایڑیوں تک نگلا تھا کہ وہ عاجزی سے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو پکارتے لگے۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر حکم فرمایا کہ ان کو دھنسا دے حتیٰ کہ وہ لوگ گردن تک دھنس گئے، پھر بہت زور سے وہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو پکارتے رہے۔ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے پھر زمین کو یہی فرمایا، کہ ان کو لے لے۔ وہ سب کو نگل گئی۔ اس پر اللہ جل شانہٗ کی طرف سے حضرت موسیٰؑ پر وحی آئی کہ وہ تمہیں پکارتے رہے اور تم سے عاجزی کرتے رہے، میری عزت کی قسم اگر وہ مجھے پکارتے اور مجھ سے دعا کرتے تو میں ان کی دعا کو قبول کر لیتا۔)

ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ آیت شریفہ میں "دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول" کا مطلب یہ ہے کہ اس میں آخرت کے لئے عمل کر۔ حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا دنیا کا وہ حصہ ہے جس میں آخرت کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت حسنؒ سے نقل کیا گیا کہ "دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول"، یعنی جتنے کی دنیا میں ضرورت ہے اس کو باقی رکھ، اور جو زائد ہے اس کو آگے بھیج دے۔ ایک اور حدیث میں ان سے نقل کیا گیا کہ ایک سال کی روزی باقی رکھ لے اور جو اس سے زائد ہے وہ صدقہ کر دے (دُرِّ منثور) اس کا کچھ حصہ بخل کے بیان میں دوسری فصل کی آیات کے سلسلہ میں نمبر ۸ پر بھی گذر چکا ہے۔

احادیث

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّلَا فِضَّةٍ لَا یُؤَدِّیْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ صُفِحَتْ لَهٗ صَفَائِحُ مِنْ نَّارٍ فَاُحْمِیَ عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَیُکْوٰی بِهَا جَنْبُهٗ وَجَبِیْنُهٗ وَ ظَهْرُهٗ کُلَّمَا رُدَّتْ اُعِیْدَتْ لَهٗ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیَرٰی سَبِیْلَهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ (الحدیث بطوله فی المشکوٰۃ عن مسلم)

(حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص جو سونے کا مالک ہو، یا چاندی کا اور اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس سونے چاندی کے پترے بنائے جائیں گے اور ان کو جہنّم کی آگ میں ایسا تپایا جائے گا گویا کہ وہ خود آگ کے پترے ہیں۔ پھر اُن سے اس شخص کا پہلو اور پیشانی اور کمر داغ دی جائے گی اور بار بار اسی طرح تپا تپا کر داغ دیئے جاتے رہیں گے قیامت کے پورے دن میں جس کی مقدار دُنیا کے حساب سے پچاس ہزار برس ہوگی اس کے بعد اس کو جہاں جانا ہوگا جنّت میں یا جہنّم میں چلا جائے گا۔)

ف: یہ بڑی لمبی حدیث ہے جس میں اونٹ والوں پر اُونٹ کی زکوٰۃ نہ دینے کا، گائے۔ بکری والوں پر اُن کی زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب اور اس کی کیفیت بتائی گئی ہے۔ یہاں عام طور سے جانوروں کی اتنی مقداریں جن پر زکوٰۃ واجب ہو، نہیں ہوتیں۔ عرب میں انہی کی کثرت تھی، البتہ سونا چاندی اور اس کے مُتعلّقات ایسی چیزیں ہیں جو یہاں عام طور سے ہوتی ہیں۔ اس لئے اُتنی ہی حدیث پر قناعت کی، اور اس سے بھی سب چیزوں کا اندازہ معلوم ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے کا کیا حشر ہے کہ یہ وبال اور عذاب جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا کہ سونا چاندی جہنّم کی آگ کے ٹکڑے بن کر داغ دیئے جائیں گے۔ یہ تو صرف قیامت کے ایک دن کا عذاب ہے جو پیشی کا دن ہے لیکن اس دن کی مقدار بھی پچاس ہزار برس کی ہوگی اور اتنے دن زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب بُھگت کر یہ معلوم ہوگا کہ اپنے دوسرے اعمال اس قابل

ہیں کہ ان کی وجہ سے مُعافی ہو کر جنت میں جانے کی اجازت ہو جائے، یا وہ اگر اس قابل نہیں اور معافی کی کوئی صورت نہیں یا زکوٰۃ نہ دینے ہی کا ابھی کچھ اور عذاب بھگتنا باقی ہے تو جہنّم میں پھینک دیا جائے گا، وہاں جو کچھ گذرے گی وہ تو تحریر و تقریر میں آ ہی نہیں سکتی۔)

اس حدیث میں قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہے اور قرآن پاک کی آیتِ شریفہ سورۂ مَعارِج کے شروع میں بھی قیامت کے دن کو اسی مقدار کا بتایا ہے لیکن بعض احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے فرمانبردار بندوں پر یہ دن ایسا ہلکا گذر جائے گا، جیسا کہ ایک فرض نماز پڑھ لی ہو اور بعض لوگوں پر اُن کے اعمال کے لحاظ سے ایسا ہو گا جیسا ظہر سے عصر تک کا وقت (دُرِّ مَنثور)۔ اور اتنی جلدی گذر جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس دن سیر و تفریح میں ہوں گے اور سیر و تفریح کے شوقین سب ہی اس سے واقف ہیں کہ لذت کے اوقات منٹوں میں ختم ہو جایا کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضور کا ارشاد ہے کہ یہ نہ ہو گا کہ روپیہ پر روپیہ اور اشرفی پر اشرفی رکھ دی جائے بلکہ اُس کے بدن کو اتنا وسیع کر دیا جائے گا جس پر یہ سب برابر برابر رکھے جا سکیں اور ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ اپنے خزانوں کا مزا چکھو۔ (حضرت ثوبانؓ سے نقل کیا گیا کہ جتنا سونا چاندی اس کے پاس ہو گا اُس کے ہر قیراط کا (جو تقریباً تین رتی کا ہوتا ہے پھیلا کر) آگ کا ایک ٹکڑا بنایا جائیگا پھر اس سے اس کے سارے بدن کو منہ سے پاؤں تک داغ دیا جائے گا، اس کے بعد چاہے اس کی بخشش ہو جائے یا جہنّم میں ڈال دیا جائے (دُرِّ مَنثور)۔ آگ میں تپا کر داغ دیئے جانے کا جو عذاب اس حدیث شریف میں گذرا ہے یہ قرآنِ پاک میں بھی آیا ہے جیسا کہ دوسری فصل کی آیات نمبر ۵ پر گذرا۔ بعض احادیث میں اس کے مال کا سانپ بن کر طوق پہنانا بھی آیا ہے جیسا کہ آئندہ آرہا ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ یُؤَدِّ زَکٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوَّقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

(حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے مال دیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ مال قیامت کے دن ایک ایسا سانپ بنا دیا جائے گا جو گنجا ہو اور اس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں پھر وہ

ثُمَّ یَاْخُذُ بِلِھْزِمَتَیْہِ یَعْنِیْ شِدْقَیْہِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا مَالُکَ اَنَا کَنْزُکَ ثُمَّ تَلَا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الْاٰیۃ (رواہ البخاری کذا فی المشکوٰۃ وقد روی من مسند ثوبان و ابن مسعود وابن عمر بمعناہ فی الترغیب)

سانپ اس کی گردن میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا جو اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ لے گا اور کہے گا، میں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں۔ اس کے بعد حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے (اس کی تائید میں) قرآن پاک کی آیت وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الْاٰیۃ پڑھی۔

ف: یہ آیتِ شریفہ مع اس کے ترجمہ کے دوسری فصل کے نمبر۳ پر گذر چکی ہے۔ اس سانپ کی ایک صفت تو یہ بیان کی کہ وہ شُجاع ہو جس سے بعض علماء نے نر سانپ مراد لیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ شجاع وہ سانپ کہلاتا ہے جو دُم کے اوپر سیدھا کھڑا ہو کر مقابلہ کرے (فتح الباری) اور دوسری صفت اس سانپ کی یہ فرمائی کہ وہ گنجا ہو گا اور گنجا اس واسطے کہا کہ سانپ جب بہت زیادہ زہریلا ہوتا ہے تو اس کے زہر کی شدّت سے اس کے سر پر سے بال اُڑ جایا کرتے ہیں۔ اور تیسری صفت اس سانپ کی یہ بیان فرمائی کہ اس پر دو نقطے سیاہ ہوں گے۔ اس پر دو نقطے سیاہ ہونا بھی سانپ کے زیادہ زہریلے ہونے کی علامت ہے۔ ایسے سانپ کی عمر بھی زیادہ ہوتی ہے۔

اور بعض عُلماء نے دو نقطوں کی بجائے سانپ کے منّہ میں زہر کی کثرت سے دونوں جانب زہر کا جھاگ ترجمہ کیا ہے۔ اور بعض نے دو دانت جو اُس کے مُنّہ سے باہر دونوں جانب نکلے ہوئے ہوں، اور بعض نے دو زہر کی تھیلیاں جو دونوں جانب لٹکی ہوئی ہوں، ترجمہ کیا ہے۔ (فتح الباری)

اس حدیث پاک میں زکوٰۃ نہ دینے پر اس مال کا سانپ بن کر طوق پہنانا ذکر کیا ہے، اور پہلی حدیث میں آگ پر تپا کر داغ دینا گذرا ہے، اور دونوں قسم کے عذاب قرآن پاک کی دو آیتوں میں بھی گذر چکے ہیں اور دونوں آیتیں دوسری فصل کی آیات کے ذیل میں گذری ہیں، دو عذابوں میں کوئی اشکال نہیں۔ مختلف اوقات کے اعتبار سے بھی فرق ہو سکتا ہے اور مختلف انواعِ مال کے اعتبار سے بھی اور مختلف آدمیوں کے اعتبار سے بھی، اور دونوں عذاب جمع بھی ہو سکتے ہیں۔

حضرتِ اقدس شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ سانپ بن کر پیچھے لگنے میں اور پترے بن کر داغ دینے میں فرق اس وجہ سے ہے کہ آدمی کو اگر مُجملاً مال سے محبّت ہو، اُس کی تفاصیل سے خصوصی تعلّق نہ ہو، اس کا مال تو ایک شئے واحد سانپ بن کر اس کے پیچھے لگ جائے گا، اور جس کو مال کی تفاصیل سے تعلّقِ خاطر ہو، وہ روپیہ اور اشرفی کو گِن گِن کر رکھتا ہو اور جو مِل جائے اس کے روپے بنا کر رکھتا ہو، تو اس کا مال پترے بنا کر داغ دیا جائے گا۔

(ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے پیچھے خزانہ چھوڑ جائے تو وہ خزانہ ایک گنجا دو نقطوں والا سانپ بن کر قیامت کے دن اس شخص کے پیچھے لگ جائے گا۔ وہ شخص گھبرا کر کہے گا، تو کیا بلا ہے ؟ وہ کہے گا میں تیرا خزانہ ہوں جس کو چھوڑ کر آیا تھا۔ وہ سانپ اوّل اس کے ہاتھ کو کھائے گا پھر سارے بدن کو (ترغیب) قیامت کے دن عذابوں میں کثرت سے یہ بات ہے کہ جو شخص کسی عذاب کی وجہ سے ریزہ ریزہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا پھر عذاب کے مُسلّط ہونے کے واسطے اپنی اصلی حالت پر عَود کر کے دوبارہ عذاب کا محل بنے گا۔)

(۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضؓ قَالَ اُمِرْنَا بِاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَمَنْ لَّمْ یُزَکِّ فَلَا صَلٰوۃَ لَہٗ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیں نماز قائم کرنے کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے، اور جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی نماز بھی (قبول) نہیں۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر باسانید احدھا صحیح کذا فی الترغیب)

ف : یعنی نماز پر جو ثواب اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں سے ملتا وہ بھی نہیں ملے گا اگرچہ فرض ادا ہو جائیگا ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے، وہ کامل مسلمان نہیں، اس کو اس کے نیک عمل فائدہ نہ دیں گے (ترغیب) یعنی دوسرے نیک اعمال سے زکوٰۃ نہ دینے کا وبال نہیں ٹلے گا، اس کا مطالبہ بدستور رہے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ بغیر زکوٰۃ ادا کرنے کے دین (کامل) نہیں ہے (کنز)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ اس شخص کی نماز کو قبول نہیں فرماتے جو زکوٰۃ نہ دیتا ہو، جب اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے (بیسیوں جگہ قرآن پاک میں) نماز اور زکوٰۃ کو جمع فرمایا ہے تو اس کو علیحدہ نہ کرو (کنز) علیحدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھی جائے اور زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔

④ عَنْ عَلِيٍّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلٰى اَغْنِيَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ اَلْقَدْرَ الَّذِيْ يَسَعُ فُقَرَاءَهُمْ وَلَنْ يُّجْهَدَ الْفُقَرَآءُ اِذَا جَاعُوْا اَوْ عَرُوْا اِلَّا بِمَا يَمْنَعُ اَغْنِيَآءُهُمْ اَلَا وَاِنَّ اللّٰهَ يُحَاسِبُهُمْ حِسَابًا شَدِيْدًا اَوْ يُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے دولتمندوں پر اُن کے مالوں میں اتنی مقدار کو فرض کر دیا ہے جو اُن کے فقراء کو کافی ہے اور نہیں مَشَقَّت میں ڈالتی فقراء کو جب کہ وہ بھوکے یا ننگے ہوں مگر صرف یہ بات کہ ان کے غنی اپنے فریضہ کو روکتے ہیں یعنی پورا ادا نہیں کرتے۔ غور سے سُن لو کہ حق تعالیٰ شانُہٗ ان دولتمندوں سے سخت مُحاسبہ فرمائیں گے اور (فرض کی کوتاہی پر) سخت عذاب دیں گے۔

(کذا فی الدر، وقال اخرجه الطبرانی فی الاوسط و ابو بکر الشافعی فی الغيلانيات قلت ولفظ المنذری فی الترغيب و يعذبهم بالواو وقال رواه الطبرانی فی الاوسط والصغير وقال تفرد به ثابت بن محمد الزاهد قال الحافظ ثابت ثقة صدوق روی عنه البخاری وغيره و بقية رواته لا باس بهم و روی موقوفا علی علی وهو اشبه كذا فی الترغيب وعزاه صاحب كنز العمال الی الخطيب فی تاريخه و ابن النجار وقال فيه محمد بن سعيد البورقی كذاب يضع اھ)

ف : حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے اپنے عَلَّامُ الْغُیُوب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کی جو مقدار فرض فرمادی ہے وہ یقیناً اتنی کافی مقدار ہے کہ اگر لوگ اس کو پورا پورا ادا کرتے رہیں اور اصول سے ادا کرتے رہیں تو کوئی شخص بھوکا یا ننگا نہیں رہ سکتا اور یہ بالکل ظاہری اور یقینی چیز ہے۔ حضرت اَبُوذَر غِفاریؓ کی حدیث میں یہ مقصود زیادہ واضح الفاظ میں ذکر کیا گیا۔ یہ طویل حدیث ہے جس کو فَقِیہ اَبُواللَّیث سَمَرقَندیؒ نے تَنْبِیہُ الْغَافِلِین میں مُفَصَّل ذکر کیا ہے۔ اُس میں مِنجُملہ اور سُوالات کے ایک یہ بھی ہے، میں نے عرض کیا، یا نبیَّ اللہ، آپ نے زکوٰۃ کا حکم فرمایا۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، ابوذرؓ جو شخص امانت دار نہیں اُس کا ایمان نہیں، اور جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اس کی نماز (مقبول) نہیں۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے غنی لوگوں

پر اُن کے مالوں کی زکوٰۃ اتنی مقدار میں واجب کر دی ہے جو ان کے فقراء کو کافی ہو جائے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ قیامت کے دن اُن کے مال کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرے گا اور اس پر ان کو عذاب فرمائے گا۔ یہ حدیث صاف طور سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضورؐ کا یہ ارشاد زکوٰۃ ہی کے متعلق ہے۔

امام غزالیؒ اِحیاء میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے زکوٰۃ میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے سخت وعید ارشاد فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ الآیۃ اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ اپنے متعلقات کے اعتبار سے چھ قسم پر ہے۔ جانوروں کی زکوٰۃ، سونے چاندی کی زکوٰۃ، تجارتی مال کی زکوٰۃ، رِکاز و معدِن کی زکوٰۃ، پیداوار کی زکوٰۃ اور صدقۂ فطر۔ (احیاء)

یہ سب چیزیں ائمۂ اربعہؒ کے نزدیک مُتفق عَلَیہ ہیں بجز معدِن کے اس میں حنفیہ کے نزدیک بجائے زکوٰۃ کے خُمس، یعنی پانچواں حصہ واجب ہے جو وُجُوب کے اعتبار سے زکوٰۃ ہی جیسا ہے۔ اور یقیناً اگر مسلمان ان سب اَنواع کو اہتمام اور پابندی سے نکالتے رہیں تو کسی غریب کو اِضطرار سے مرنے کی نوبت نہ آئے۔

بعض عُلماء کو حضرت علیؓ کی اس روایت سے یہ اِشتباہ پیدا ہو گیا کہ اس سے زکوٰۃ سے زائد مقدار کا اِیجاب مقصود ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اگر یہ مراد ہو، تو وہ خُود حضرت علیؓ کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ کی دوسری روایت کے خلاف ہو جائے گا۔ حضرت علیؓ سے حُضورؐ کا پاک اِرشاد نقل کیا گیا کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے نے اس کے علاوہ صَدَقات کو منسوخ کر دیا۔ یہ حدیث مرفوعاً بھی نقل کی گئی ہے، اور امام رازی جَصَّاصؒ نے اَحکامُ القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کا قول ہونا بہتر سند سے نقل کیا گیا۔

صاحبِ کنزُ العُمّال نے مُتعدِّد کُتُب سے اس روایت کو نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ زکوٰۃ نے ہر اس صَدَقہ کو منسوخ کر دیا جو قرآنِ پاک میں ہے اور غُسلِ جنابت نے اس کے علاوہ اور غُسلوں کو منسوخ کر دیا اور رمضان کے روزے نے ہر روزہ کو منسوخ کر دیا اور قربانی نے ہر ذَبیحہ کو منسوخ کر دیا۔ خود حضرت علیؓ کا اِرشاد ہے کہ جو شخص ساری دُنیا کا مال لے لے اور اس کی نیّت محض رِضاءِ الٰہی ہو، وُہ زاہد ہے۔ جیسا کہ آئندہ فصل کے شروع میں آ رہا ہے۔ بعض عُلماء نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے اپنی ضرورت کے بقدر رکھ کر باقی کا خرچ کرنا ضروری تھا جس کو زکوٰۃ کی فرضیت نے منسوخ کر دیا۔ جیسا کہ علّامہ سُیُوطیؒ نے

خُذِ الْعَفْوَ وَ أْمُرْ بِالْعُرْفِ (اعراف، ع ۲۴) کی تفسیر میں سُدِّیؒ سے نقل کیا لہٰذا اگر اس سے ایجاب مراد ہو بھی تو وہ منسوخ ہے۔

نیز حدیث بالا سے زکوٰۃ سے زائد کا مراد لینا حضورؐ کے اس ارشاد کے بھی خلاف ہوگا جس میں وارد ہوا ہے کہ جس شخص نے زکوٰۃ ادا کر دی، اس نے اس حق کو ادا کر دیا جو اس پر ہے۔ اور جو زائد ہے وہ فضل ہے (کنز)

اس مضمون کی متعدد روایات پہلے بھی گذر چکی ہیں۔ اور اس سے واضح وہ روایت ہے جو حضرت ابو سعیدؓ کے واسطہ سے نقل کی گئی اور وہ حضرت علی رضؓ کی حدیث کے ہم معنی ہے جس میں ارشاد ہے کہ اگر حق تعالیٰ شانہٗ یہ جانتے کہ اغنیاء کی زکوٰۃ فقراء کے لئے کافی نہ ہوگی تو زکوٰۃ کے علاوہ اور چیز ان پر فرض کرتے پس اگر اب فقراء بھوکے ہوتے ہیں تو اغنیاء کے ظلم کی وجہ سے ہوتے ہیں (کنز) یعنی اغنیاء زکوٰۃ کو پورا ادا نہیں کرتے اس وجہ سے فقراء پر فاقوں کی نوبت آتی ہے۔ اسی وجہ سے محدث ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں حضرت علیؓ کی اس حدیث پر فرضیتِ زکوٰۃ کا ترجمہ باندھا بلکہ اس باب کو اسی حدیث سے شروع کیا جس سے اس کا محمل زکوٰۃ ہونا ظاہر ہے۔ اور صاحب کنز العمالؒ نے بھی اسی وجہ سے کتاب الزکوٰۃ ہی میں اس کو ذکر کیا۔ حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد وَ الَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ اور اس قسم کے دوسرے ارشادات اس حالت پر محمول ہیں جبکہ زکوٰۃ ادا نہ کیجائے جمہور فقہاء امصار کا یہی مذہب ہے۔ اور یہی قول ہے حضرت عمرؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت جابرؓ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ابو داؤد وغیرہ نے ذکر کیا کہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں سونے کا ایک زیور پہن رہی تھی، میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ یہ بھی کنز میں داخل ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جو چیز مقدار زکوٰۃ کو پہنچ جائے اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز میں داخل نہیں ہے۔ نیز اس کی تائید ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ترمذیؒ نے اور حاکمؒ نے ذکر کیا جس میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جب تو نے زکوٰۃ ادا کر دی تو اس حق کو پورا کر دیا جو تجھ پر واجب تھا۔ نیز حضرت جابرؓ کی حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جب تو نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو اس کی برائی کو زائل کر دیا۔ حاکمؒ نے اس حدیث کو مرفوعاً مسلم کی شرط پر نقل کیا ہے۔ اور بیہقیؒ نے اس کو حضرت جابرؓ پر موقوف بتایا ہے اور ابو زرعہؒ نے بھی حضرت جابرؓ سے موقوفاً ان الفاظ کے ساتھ صحیح بتایا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں ہے اور یہی مضمون حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ

سے بھی نقل کیا گیا۔ عطاءؒ اور مجاہدؒ سے نقل کیا گیا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ کنز نہیں ہے اگرچہ زمین کے اندر گاڑ رکھا ہوا ور جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو وہ کنز ہے اگرچہ زمین کے اوپر رکھا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ شرعی اصطلاح لغوی اصطلاح پر مقدم ہے (یعنی لغت میں اگرچہ کنز اس کو کہتے ہیں جو زمین کے اندر گڑا ہوا ہو، لیکن شریعت میں وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو) اور میں نے چند حضرات کے سوا کسی کو اس کا مخالف نہیں پایا کہ کنز وہی ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو البتہ چند حضرات حضرت علیؓ، حضرت ابوذرؓ اور حضرت ضحاکؒ اور بعض دوسرے زاہد اس طرف گئے ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں۔ ان میں سے حضرت ابوذرؓ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو مال روزی اور زندگی سے زائد ہو وہ سارا ہی کنز ہے اور حضرت علیؓ سے نقل کیا گیا کہ چار ہزار کی مقدار سے زائد کنز ہے اور ضحاکؒ کہتے ہیں کہ دس ہزار درم کی مقدار مالِ کثیر ہے نیز ابراہیم نخعیؒ مجاہدؒ شعبیؒ اور حسن بصریؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کچھ حقوق ہیں۔ ابنِ عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ ان کے علاوہ بقیہ سب علماء متقدمین اور متأخرین کا مذہب کنز کے بارہ میں وہی ہے جو پہلے گذرا (کہ کنز وہ ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو) اور جن آیات اور احادیث سے یہ دوسرا فریق استدلال کرتا ہے وہ جمہور کے نزدیک استحباب پر محمول ہیں یا زکوٰۃ کے واجب ہونے سے پہلے کا حکم ہے جو زکوٰۃ کے واجب ہونے سے منسوخ ہو گیا، جیسا کہ عاشورہ کا روزہ رمضان کے روزہ سے منسوخ ہو گیا۔ البتہ فضیلت کا درجہ اب بھی باقی ہے (اتحاف)

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب فقراء مہاجرین بے مال و زر ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مواساۃ کے طور پر مقامی انصار سے جو مالدار تھے ان کا بھائی چارہ کیا تو انصار نے یہ درخواست کی کہ ہمارے اموال کو بھی ان پر آدھا تقسیم کر دیجئے حضورؐ نے اس کا انکار فرما دیا۔ بلکہ یہ طے فرمایا کہ مہاجرین ان کے باغات میں کام کریں گے، اور بٹائی کے طور پر پھلوں میں شرکت ہوگی۔ اسی ذیل میں حضورؐ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن الربیعؓ کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) فرمائی تو حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ سب کو یہ بات معلوم ہے کہ انصار میں سب سے زیادہ مالدار میں ہوں، میں اپنا مال آدھا تمہیں دیتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس کو قبول فرمانے سے انکار کر دیا اور فرمایا، مجھے بازار کا راستہ بتا دو۔ وہاں جا کر خرید و فروخت کا کام شروع کر دیا۔ اگر مالداروں کے زائد اموال میں فقراء کا بلا اضطرار حق تھا، تو پھر کیوں

تو حضورؐ نے انکار فرمایا اور کیوں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنا حق لینے سے انکار کر دیا۔

اَصحابِ صُفّہ کے واقعات اتنی کثرت سے کُتُبِ احادیث وسِیَر میں موجود ہیں کہ ان کا احاطہ بھی مشکل ہے۔ ان حضرات پر کئی کئی دن کے فاقے گذر جاتے تھے۔ بھوک کی وجہ سے گر جاتے تھے، اور انصار میں بہت سے حضرات مال دار بھی تھے۔ لیکن حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کسی پر جبر نہیں فرمایا کہ اپنے مال کا زائد از ضرورت حصہ ان لوگوں پر تقسیم کر دو۔ ترغیبات البتہ کثرت سے فرماتے تھے۔

حضرت اَبُوہُرَیرہؓ فرماتے ہیں کہ اَصحابِ صُفّہ ستّر آدمی تھے جن میں سے کسی ایک کے پاس بھی چادر نہ تھی۔ (دُرِّ مَنثور)

حضرت اَبُوہُرَیرہؓ نے خود اپنے واقعات اس حال کے کثرت سے بیان کئے ہیں جو کُتُبِ احادیث میں موجود ہیں۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں اپنے جگر کے بل بھوک کی شدّت سے پڑا رہتا تھا اور کبھی اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں راستہ میں اس اُمید پر بیٹھ گیا کہ شاید کوئی مجھے اپنے ساتھ لے جائے۔ اتنے میں حضرت اَبُوبکر صدیقؓ تشریف لائے۔ میں نے ایک آیت ان سے محض اس لئے دریافت کی کہ شاید وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں۔ مگر وہ ویسے ہی چلے گئے۔ ان کے بعد حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تشریف لائے اور میری حالت دیکھ کر تبسّم فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھ آجاؤ۔ میں ہمراہ چل دیا۔ حضورؐ مکان تشریف لے گئے وہاں ایک پیالہ دودھ کا رکھا ہوا تھا حضورؐ نے دریافت فرمایا یہ کہاں سے آیا۔ گھر والوں نے عرض کیا فلاں نے ہدیۃً بھیجا ہے۔ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اَبُوہُرَیرہؓ سب اَصحابِ صُفّہ کو بلا لاؤ۔ اَبُوہُرَیرہؓ فرماتے ہیں کہ اَصحابِ صُفّہ اسلامی مہمان تھے۔ نہ ان کے اہل وعیال تھے نہ ان کے پاس مال و زر تھا نہ کسی کے ذمہ ان کا کھانا مقرر تھا نہ کسی کے ذمہ ان کا بار تھا۔ جب حضورؐ کے پاس کہیں سے صدقہ کی کوئی چیز آتی تو ان کو مرحمت فرمادیتے خود اُس میں سے نوش نہ فرماتے۔ اور جب ہدیّہ کی کوئی چیز آتی تو خود بھی اس کو حضورؐ تناول فرماتے اور ان لوگوں کو بھی شریک فرمالیتے۔ حضورؐ نے اس وقت جب یہ فرمایا کہ اصحابِ صُفّہ کو بلا لاؤ تو مجھے بہت گرانی ہوئی کہ یہ ایک پیالہ دودھ اَصحابِ صُفّہ کا کیا بنائے گا؟ حضورؐ مجھے مرحمت فرمادیتے مجھ میں پی کر کچھ جان آجاتی۔ اب میں ان سب کو لے کر آؤں گا تو حضورؐ مجھ ہی کو حکم فرمائیں گے کہ سب کو دے دو۔ میں جب ان کو تقسیم کروں گا، تو میرا نمبر آخر میں آئے گا۔ نہ معلوم کچھ بچے گا

بھی یا نہیں مگر تعمیلِ حکم کے بغیر چارہ کار کیا تھا، میں ان سب کو بُلا لایا جب وہ سب آکر حضورؐ کی مجلس میں بیٹھ گئے تو حضورؐ نے وہ پیالہ مجھے مرحمت فرمایا کہ ان سب کو پلا دو، میں نے سب کو پلایا اور ہر ایک سیر ہوگیا آخر میں حضورؐ نے فرمایا کہ ابوہریرہؓ اب تو تم اور میں ہی باقی رہ گئے۔ میں نے عرض کیا بے شک۔ حضورؐ نے فرمایا، لو بیٹھ کر پی لو۔ میں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ حضورؐ نے فرمایا اور پیو، میں نے اور پیا۔ حضورؐ نے پھر فرمایا کہ اور پی لو۔ میں نے پھر اور پیا۔ حتیٰ کہ میں نے عرض کیا کہ حضورؐ اب مجھ میں اور پینے کی گنجائش نہیں تو پھر بقیہ حضورؐ نے پیا۔

ایک اور مرتبہ کا اپنا ہی قصہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر تین دن کا فاقہ تھا۔ مجھے کچھ کھانے کو نہ ملا۔ میں صُفّہ پر جا رہا تھا کہ راستہ میں گر گیا۔ بچے کہنے لگے کہ ابوہریرہؓ کو جنون ہوگیا میں نے کہا، جنون تو تمہیں ہو رہا ہے۔ بالآخر میں صُفّہ تک پہنچا۔ وہاں حضورؐ کے پاس دو پیالے ثرید کے کہیں سے آئے ہوئے تھے اور حضورؐ اصحابِ صُفّہ کو کھلا رہے تھے۔ میں بھی سر اُوپر کو اٹھا رہا تھا کہ حضورؐ کی نظر مجھ پر پڑ جائے۔ اور حضورؐ مجھ کو بھی بُلا لیں حتیٰ کہ سب فارغ ہوگئے اور پیالوں میں کچھ بھی نہ بچا۔ حضورؐ نے ان پیالوں کو اپنے دستِ مبارک سے چاروں طرف سے پونچھا تو ایک لقمہ بن گیا۔ حضورؐ نے اپنی انگلیوں پر رکھ کر مجھ سے فرمایا کہ اللہ کا نام لیکر اس کو کھاؤ۔ میں نے اس کو کھایا تو پیٹ بھر گیا۔ حضرت فضالہ بن عُبیدؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جب صبح کی نماز پڑھ کر تشریف فرما ہوتے تو اصحابِ صُفّہ میں سے بعض لوگ بھوک کی شدت سے کھڑے کھڑے گر جاتے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان کی طرف التفات فرما کر ارشاد فرماتے کہ اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ کے یہاں تمہارے لئے کیا درجہ ہے تو اس سے زیادہ فقر و فاقہ کو پسند کرنے لگو۔

پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۳۰ پر قبیلہ مُضر کی ایک جماعت کا مُفصّل قصہ گذر چکا، جو حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں بھوکے اور ننگے حاضر ہوئے کہ ان کے پاس پہننے کے لئے کپڑا نہ تھا، کھانے کو کوئی چیز نہ تھی۔ فاقہ کی وجہ سے مشقت میں پڑے ہوئے تھے، حضورؐ نے اپنے گھروں میں ان کے لئے تلاش کیا کچھ نہ ملا تو مجمع کو اکٹھا کیا اور صدقہ کی ترغیب[1] دی اور بہت زور سے ترغیب دی جس پر دو ڈھیر سامان کے جمع ہو گئے اور وہ ان لوگوں پر تقسیم فرما دیئے۔ نہ کسی پر جبر فرمایا نہ کسی سے اس کے پاس زائد از ضرورت کا محاسبہ فرمایا۔

(حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاریؓ نے آکر حضورؐ سے سوال کیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا

[1] ترغیب

کہ تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا ایک ٹاٹ ہے جس کو آدھے کو بچھا لیتے ہیں اور آدھا اوڑھ لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے پانی پینے کو۔ حضورؐ نے دونوں چیزیں منگائیں اور دو دِرَم میں نیلام کردیں اور وہ ان کو دیے کہ ایک دِرَم کا غلّہ خرید کر گھر دے آویں اور دوسرے درم کا کلہاڑی کا پھلڑا خرید کر لائیں وہ لیکر آئے تو حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اس میں لکڑی یعنی دستہ لگایا اور فرمایا کہ جاؤ لکڑیاں کاٹ کر بیچو، پندرہ دن تک تمہیں یہاں نہ دیکھوں۔ انہوں نے اِرشاد کی تعمیل کی اور پندرہویں دن دس دِرَم کما کر لائے جن میں سے کچھ کا غلّہ خریدا کچھ کا کپڑا خریدا۔ حضورؐ نے فرمایا یہ اچھا ہے سُوال کرنے سے کہ بھیک مانگنے سے قیامت کے دن تمہارے چہرہ پر داغ ہوتا (اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ سُوال کی صرف تین آدمیوں کے لئے گنجائش ہے لِذِیْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْلِذِیْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ اَوْلِذِیْ دَمٍ مُوْجِعٍ ایک اس شخص کے لیے جس کا فقر ہلاک کرنے والا ہو، دوسرے اس کے لیے جس پر کوئی تاوان سخت پڑ گیا ہو تیسرے جو دردناک خون کے معاملہ میں پھنس گیا ہو۔ ان تین حالتوں میں بھی حُضورؐ نے سُوال ہی کی اجازت دی۔ اور خود یہ صاحبِ واقعہ جس فقر میں مُبتلا تھے ان کو نہ تو سُوال کی اجازت دی نہ کسی پر ان کا نفقہ واجب فرمایا۔ غرض ہزاروں واقعات کُتُبِ احادیث میں اس کے شاہد ہیں کہ جہاں تک وُجُوب کا تعلق ہے وہ صرف زکوٰۃ ہے۔ اس پر اِضافہ حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مشہور قول اَلْمُعْتَدِیْ فِی الصَّدَقَۃِ کَمَانِعِھَا صدقہ میں تعدی اور افراط کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کو نہ دینے والا کا مِصداق ہے۔ حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت ضَحاک بن قَیسؓ کو صَدَقات وُصول کرنے کے لئے بھیجا وہ اس مال میں بہترین اونٹ چھانٹ لائے۔ حضورؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ تم ان لوگوں کا عمدہ مال لے آئے انہوں نے عرض کیا یارسولَ اللہ اس وقت آپ جہاد میں تشریف لے جانے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ میں اس لئے ایسے اونٹ لایا جن پر سواری ہو سکے اور سامان لادا جا سکے۔ حضورؐ نے فرمایا ان کو واپس کرکے آؤ اور معمولی مال لے کر آؤ۔ (مجمع الزوائد) حالانکہ جہاد کی ضرورت بھی ظاہر۔ اور اس موقعہ پر حُضورؐ نے ایسی ایسی تَرغیبات اِرشاد فرمائی ہیں کہ حضرت اَبُوبکر صِدِّیقؓ اپنے گھر کا سارا اَثاثہ لے آئے ...... اور حضرت عمرؓ نے ہر چیز کا آدھا حصّہ پیش کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عَوفؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا یارسولَ اللہ میرے پاس چار ہزار درم ہیں۔ دو ہزار گھر کے اِخراجات کے واسطے رکھتا ہوں، دو ہزار اللہ کے واسطے پیش کرتا ہوں۔ اور ایک صَحابیؓ نے عرض کیا یارسُولَ اللہ میں نے رات بھر مزدوری

کر کے دو صاع (ساڑھے سات سیر) کھجوریں مزدوری میں کمائی ہیں۔ آدھی گھر کے خرچ کے واسطے چھوڑ دیں آدھی حاضر ہیں (دُرِّ منثور) حضرت ابُو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ صدقہ کا حکم فرماتے اور ہم میں سے بعض کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا تو وہ صرف اس کیلئے بازار جاتا، مزدوری کرتا اور مزدوری میں ایک مُد (۱/۲ ۱ پاؤ) کھجور کماتا اور صدقہ کر دیتا۔ (بخاری)

پہلی فصل کی احادیث میں نمبر ۲۴ پر یہ مضمون تفصیل سے گذر چکا۔ لیکن اس سب کے باوجود ضابطہ کے طور پر معمولی اونٹ کی جگہ عمدہ اونٹ بھی قبول نہیں فرمایا۔ اس لئے جہاں تک وجوب کا تعلق ہے وہ مالی حیثیت سے صرف زکوٰۃ ہے، اور جہاں تک خرچ کرنے کا تعلق ہے مسلمان اس لئے پیدا ہی نہیں ہوا کہ وہ مال جمع کر کے رکھے۔ قرآن پاک کی آیات اور حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشادات جو پہلی فصل میں گذر چکے، وہ بڑے زور سے اس کی ترغیب و تاکید کر رہے ہیں کہ مال صرف اس لئے ہے کہ اس کو اللہ کی رضا کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے۔ خود اپنی طاقت کے موافق تنگی اٹھائی جائے، دوسروں پر خرچ کیا جائے۔ اپنے کام صرف وہی آئے گا جو اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں جمع کر دیا جائے گا کہ اس کے بنک میں جمع کر دینے سے نہ اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، نہ بنک کے فیل ہو جانے کا احتمال ہے، اور ایسی ضرورت کے وقت کام آئے گا جس وقت کہ آدمی انتہائی محتاج ہو گا۔ خود حق سُبحانہٗ وتقدّس کا ارشاد حضورؐ نقل فرماتے ہیں، کہ اے آدمی تُو اپنا خزانہ میرے پاس بہا دے، نہ تو اس کو آگ لگ جانے کا خوف رہے گا، نہ چوری کا، نہ دریا برد ہونے کا، اور میں ایسے وقت تجھ کو پورا کا پورا دے دوں گا، جب تو بے حد محتاج ہو گا۔ (ترغیب)

حق تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد پہلی فصل کے نمبر ۳ پر گذر چکا کہ ہر شخص یہ غور کر لے کہ اُس نے کل قیامت کے دن کے لئے کیا چیز آگے بھیجی ہے۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو، جنہوں نے اللہ تعالےٰ کو بھلا دیا، اللہ تعالےٰ نے اُن کو خود ان کی جانیں بھلا دیں۔

(دوسری آیت میں نمبر ۳۱ پر گذرا کہ تمہارے مال و متاع، آل اولاد تمہارے لئے امتحان کی چیزیں ہیں، اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے رہو، یہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ حضورؐ کا پاک ارشاد اسی فصل کی احادیث میں نمبر ۱ پر گذر چکا کہ اگر میرے پاس اُحُد کے پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میرا دل نہیں چاہتا کہ اسمیں سے کچھ بھی میں اپنے پاس رکھوں بجز اس کے کہ قرض کی ادائیگی کے واسطے رکھتا ہوں۔ ۳ پر حضورؐ کا ارشاد

گذرا کہ جو چیز ضرورت سے زائد ہو اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے بچا کر رکھنا بُرا ہے) ۲۱ پر حضورؐ کا پاک ارشاد گذرا کہ گِن گِن کر خرچ نہ کر جتنا بھی ہو سکے خرچ کر ڈال ۲۰ پر یہ واقعہ گذر چکا کہ ایک بکری ذبح کی گئی اور بجز ایک شانہ کے ٹکڑے کے ساری تقسیم کر دی گئی، حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ کتنی تقسیم ہو گئی تو عرض کیا گیا کہ ایک شانہ باقی رہ گیا اور باقی سب خرچ ہو چکی۔ حضورؐ نے فرمایا وہ ساری باقی ہے اس شانہ کے علاوہ۔ اس قسم کے بہت سے ارشادات فصل اوّل میں گذر چکے ہیں۔ اس لئے اس سے قطع نظر کہ واجب کیا ہے، مندوب و مستحب کیا ہے۔ اپنے کام آنے والا صرف وہی مال ہے جو اپنی زندگی میں آدمی آگے بھیج دے۔ اگر اس محنت و مشقت سے کمائی ہوئی چیز کو اپنی ضرورت کے وقت کام آنے کے لئے کہیں محفوظ کرنا ہے تو وہ صرف اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے جس کا نفع آخرت میں تو ہے ہی دُنیا میں بھی زیادہ سے زیادہ ہے کہ بلاؤں کے دُور ہونے میں، امراض سے صحت ہونے میں صدقہ کو زیادہ سے زیادہ دخل ہے۔ بُرے خاتمہ سے اسکی وجہ سے حفاظت ہوتی ہے۔ حضورؐ کا مشہور ارشاد ہے کہ قابلِ رشک دو آدمی ہیں ایک وہ جس کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے قرآنِ پاک عطا فرمایا ہو کہ وہ رات دن اس کی تلاوت میں اس پر عمل کرنے میں منہمک رہے، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے بہت مال عطا کیا ہو اور وہ ہر وقت اس کو اللہ کے راستہ میں لٹانے پر تُلا ہوا ہو۔ (مجمع الزوائد) حضورؐ کا پاک ارشاد دوسری فصل کے ۳۳ پر گذر چکا کہ سرمایہ دار بڑے خسارہ میں ہیں بجز اس شخص کے جو دونوں ہاتھوں سے اِدھر اُدھر دائیں بائیں آگے پیچھے اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا رہے اور ۷ پر حضورؐ کا پاک ارشاد گذر چکا کہ وہ حقیقت میں مومن ہی نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھالے اور اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ غرض اس رسالہ میں پہلی فصلوں میں تفصیل سے یہ مضمون گذر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کی ہرگز یہ شان نہیں ہے کہ مال کو جمع کر کے رکھے۔ اس کی صحیح مثال بالکل پاخانہ کی سی ہے کہ وہ ضروری تو اتنا کہ ایک دو دن نہ ہو تو حکیم اور ڈاکٹر دوائیں وغیرہ سب ہی کچھ آدمی کرنے پر مجبور ہے لیکن اگر مناسب مقدار سے زائد آنے لگے تو اس کو بند کرنے کے واسطے بھی حکیم اور ڈاکٹر کی ضرورت ہے اور اگر کوئی شخص پاخانہ کو اس وجہ سے کہ وہ اتنی اہم اور ضروری چیز ہے اپنے گھر میں محفوظ رکھے کہ بڑی مشقت سے حاصل ہوئی ہے تو مکان بھی سڑ جائے گا، دماغ بھی سڑ جائے گا۔ امراض بھی بکثرت پیدا ہو جائیں گے۔ بعینہٖ یہی صورت اس مال کی ہے کہ ضروری تو اتنا کہ اگر چند روز کچھ نہ ملے تو سارے جتن اس کیلئے

بھی کرنا پڑیں لیکن اس کے باوجود اتنا ہی گندہ ہے کہ اگر اس کو فوراً مجبوری سے زائد مقدار کو پاخانہ کی طرح سے گھر سے نہ نکالا جائے تو تکبّر اس سے پیدا ہوتا ہے، غرور اس سے پیدا ہوتا ہے، تفاخر اس سے ہوتا ہے دوسروں کو ذلیل وحقیر سمجھنا اس سے ہوتا ہے۔ آوارگی عیاشی اس کا ثمرہ ہے۔ غرض ہر قسم کی آفات اس پر مسلّط ہیں۔ اسی لئے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی دُعا اپنی اولاد کے لئے ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔ یا اللہ! محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کی اولاد کا رزق بقدر کفایت عطا فرما یعنی زیادہ ہو ہی نہیں جس پر فسادات مرتّب ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ سیّد عام طور سے زیادہ متموّل نہیں ہوتے ایک دو کا متموّل ہوجانا اس کے منافی نہیں۔ اکثریت ایسی ہی ملے گی، حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف وکرم سے اس کی ناپاک حقیقت کو اس ناپاک پر بھی واضح کر دے تو کیسے لطف کی زندگی میسّر ہو؟

(۵) عَنْ بُرَیْدَۃَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّکٰوۃَ اِلَّا ابْتَلَاھُمُ اللّٰہُ بِالسِّنِیْنَ

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ جو قوم بھی زکوٰۃ کو روک لیتی ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کو قحط میں مبتلا فرماتے ہیں۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط ورواتہ ثقات کذا فی الترغیب وفی الباب روایات کثیرۃ فی الترغیب والکنز وغیرھما)

ف: قحط کی وبا ہم لوگوں پر ایسی مسلّط ہو رہی ہے کہ اس کی حد نہیں۔ ہزاروں تدبیریں اس کے زائل کرنے کے واسطے کی جاتی ہیں لیکن کوئی بھی کارگر نہیں ہو رہی ہے اور جب حق تعالیٰ شانہٗ کوئی وبال کسی گناہ پر اُتار دیں دُنیا میں کسی کی طاقت ہے کہ اس کو ہٹا سکے لاکھ تدبیریں کیجئے ہزاروں طرح کے قانون بنائیے جو چیز مالِک المُلک کی طرف سے مسلّط ہے وہ تو اسی کے ہٹانے سے ہٹ سکتی ہے۔ اس نے مرض بتادیا اس کا صحیح علاج بتادیا۔ اگر مرض کو زائل کرنا مقصود ہے تو صحیح علاج اختیار کیجئے۔ ہم لوگ امراض کے اسباب خود پیدا کرتے رہیں اور اس پر روتے رہیں کہ امراض بڑھ رہے ہیں یہ کہاں کی عقلمندی ہے؟ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس عالم میں جو حوادث اور مصائب آتے ہیں ان پر اور ان کے اسباب پر خاص طور سے متنبّہ فرمادیا جس کو بندہ مختصر طور پر اپنے رسالہ الاعتدال" میں لکھ چکا ہے۔ یہاں ان کا اعادہ تطویل کا سبب ہے۔ کسی کا دل چاہے تو اس میں دیکھ لے کہ اس میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نے کیسے اہتمام سے اس پر متنبہ فرمایا کہ جب میری اُمت یہ حرکتیں کرنے لگے گی تو آفات اور بلاؤں میں پھنس جائے گی اس وقت سُرخ آندھیاں، زمینوں میں دھنس جانا، صورتوں کا مسخ ہو جانا اور زلزلوں کا آنا، آسمان سے پتھر برسنا، دشمنوں کا غلبہ اور مسلمانوں پر ان کا مسلط ہو جانا، طاعون اور قتل وغارت کا مسلط ہونا، بارش کا رُک جانا، طوفان کا آجانا، دلوں کا مرعوب ہو جانا، اور دلوں پر خوف کا مسلط ہو جانا، نیک لوگ دُعائیں بھی کریں تو ان کی دُعاؤں کا بھی قبول نہ ہونا، یہ سب آفات حضورؐ نے بتائیں۔ اور جس جس حرکت پر جو آفت مسلط ہوتی ہے اس کو حضورؐ نے تقریباً چودہ سو برس پہلے سے بتا دیا، متنبہ کر دیا۔ اور ہم لوگ ان کے تجربے بھی کر رہے ہیں۔ اور ایسے حرف بحرف یہ ارشادات سامنے آرہے ہیں کہ ذرا بھی فرق نہیں ہو رہا ہے۔ کاش ہم لوگ حضورؐ جیسے شفیق کے ارشادات کی قدر کرتے جو صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ ساری مخلوق کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے ان اصولوں پر عمل کرنا ساری ہی مخلوق کے لئے انتہائی فائدہ کی چیز ہے مگر جب خود مسلمان اپنے اسلامی دعوؤں کے باوجود ان کی قدر نہ کریں تو دوسروں پر کیا اِلزام ہے۔ اور دوسروں کو کیا خبر کہ اللہ کی مجسّم رحمت نے دُنیوی آفات سے بچنے کے بھی کیسے کیسے زرّیں اُصول پر متنبہ فرمایا ہے۔ اب بھی اگر ان اصولوں کو اہتمام سے پکڑ لیا جائے تو دُنیا کو مصائب سے نجات مل جائے۔ مسلم حکیم ڈاکٹروں کا علاج غیر مسلم بھی کرتے ہیں اور غیر مسلموں کا علاج مسلم بھی کرتے ہیں۔ اگر اس حاذق حکیم کے نسخہ پر لوگ عمل کریں تو کیسی راحت آرام سب کو مل جائے؛ اس جگہ مجھے زکوٰۃ کے متعلق دو ایک احادیث پر متنبہ کرنا ہے کہ وہی اس جگہ مقصود ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں حضورؐ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین کی جماعت پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان میں مبتلا ہو جاؤ اور میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تم ان میں مبتلا ہو (تو بڑی آفات میں پھنس جاؤ)، ایک تو یہ ہے کہ فحش بدکاری جس قوم میں بھی کھلم کھلا علی الاعلان ہونے لگے تو ان میں ایسی نئی نئی بیماریاں پیدا ہوں گی جو پہلے کبھی سننے میں نہ آئی ہوں۔ اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں گے۔ ان پر قحط اور مشقت اور بادشاہ کا ظلم مسلط ہو جائے گا۔ اور جو قوم زکوٰۃ کو روک لے گی ان پر بارش روک دی جائے گی۔ اگر جانور نہ ہوں تو ایک قطرہ بھی بارش کا نہ ہو (جانور چونکہ اللہ کی مخلوق ہیں اور بے قصور ہیں ان کی وجہ سے تھوڑی بہت بارش ہو گی) اور جو لوگ معاہدوں کی خلاف ورزی کریں گے ان پر دوسری قوموں کا تسلط ہو جائے گا اور ان کے مال و متاع کو لوٹ لیں گے۔ اور جو لوگ اللہ کے قانون کے خلاف حکم جاری

کریں گے ان میں خانہ جنگی ہو جائے گی۔ (ترغیب)

آج ہم لوگوں کو بڑے غور سے ان عُیوب کو دیکھنا چاہیئے کہ ان میں سے کونسا عیب ایسا ہے جس میں ہم مُبتلا نہیں ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی غور کر لیں کہ جو آفات ان پر بتائی گئی ہیں، کونسی آفت ایسی ہے جو ہم پر مُسلّط نہیں ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے بدلہ میں ہیں۔ کسی نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ اس کا کیا مطلب ہے؟ حُضورؐ نے فرمایا کہ جو قوم مُعاہدہ کی خلاف ورزی کرتی ہے اس پر دشمن غالب آجاتا ہے، اور جو لوگ اللہ کے قانون کے خلاف حکم کریں گے ان میں اَموات کی کثرت ہوگی، اور جو لوگ زکوٰۃ کو روک لیں گے ان پر بارش بند کر دی جائے گی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کی پیداوار کم ہو جائے گی اور قحط مُسلّط ہو جائے گا۔ (ترغیب) اس حدیث شریف میں غالباً اِختصار ہوا کہ تفصیل میں چار ہی چیزیں ذکر کی گئیں۔ اس حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی پر اَموات کی کثرت اور پہلی میں خانہ جنگی اِرشاد ہوا ہے۔ دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ بھی ہو سکتی ہیں، اور خانہ جنگی سے اَموات کی کثرت کا نمونہ آج کل تو آنکھوں کے سامنے ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت اَبُوہُریرہؓ دونوں حضرات سے یہ حدیث نقل کی گئی کہ جب میری اُمّت ان پندرہ عُیوب میں مُبتلا ہو جائے منجُملہ ان کے یہ بھی دونوں حدیثوں میں ہے کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا تاوان بن جائے (یعنی ان کو ادا کرنا ایسا مصیبت ہو جائے جیسے تاوان ہوتا ہے یا وہ تاوان کی طرح سے وصول کی جانے لگے)، تو اس وقت سُرخ آندھیاں، زلزلے، زمینوں میں دھنس جانا، صورتوں کا مسخ ہو جانا، آسمانوں سے پتھر برسنا، ایسے لگاتار مَصائب یکے بعد دیگرے نازل ہونے لگیں گے، جیسا کہ تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور اس کے دانے ایک ایک ہو کر گرنا شروع کر دیں۔

"اِعتدال" میں یہ روایتیں پوری ذکر کی گئی ہیں، اور اس میں ان پندرہ عُیوب کی تفصیل بھی ہے جس پر یہ سخت سخت عذاب ذکر فرمائے ہیں۔ ان کے عِلاوہ اور بھی روایات اس قسم کے مَضامین کی ذکر کی گئیں، یہاں صرف زکوٰۃ کی وجہ سے ان روایات کی طرف اِشارہ کر دیا۔

(۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضؓ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِؓ حَدِیْثًا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اِرشاد ہے کہ جو مال کسی جنگل میں یا دریا میں کہیں بھی

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَمِعْتُهُ مِنْهُ وَكُنْتُ اَكْثَرَهُمْ لُزُوْمًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَلَفَ مَالٌ فِيْ بَرٍّ وَّلَا بَحْرٍ اِلَّا بِحَبْسِ الزَّكٰوةِ (رواہ الطبرانی فی الاوسط وھو غریب کذا فی الترغیب ولہ شاھد من حدیث عبادۃ بن الصامت فی الکنز بروایۃ ابن عساکر)

ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ کے روکنے سے ضائع ہوتا ہے۔

ف: یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے جو وبال وعذاب آخرت کے ہیں وہ تو علیحدہ رہے دنیا میں بھی اس کا وبال یہ ہوتا ہے کہ وہ مال کے ضائع ہو جانے کا سبب بنتا ہے۔ ایک اور حدیث میں اس حدیث شریف کے مُتعلّق ایک قصہ بھی نقل کیا ہے۔ حضرت عُبادۃؓ بن الصّامِت فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مکۂ مکرمہ میں حَطِیم کے سایہ میں تشریف فرما تھے کسی نے آکر عرض کیا یا رسول اللّٰہ فلاں گھرانہ کا سامان سمندر کے کنارہ پر پڑا ہوا تھا وہ ہلاک ہو گیا (سمندر کی موج سے بظاہر ضائع ہوا) حضورؐ نے فرمایا کہ کوئی مال بر و بحر میں (یعنی خشکی میں ہو یا سمندر میں، مطلب یہ ہے کہ ساری دُنیا میں) اس کے بغیر ضائع نہیں ہوتا کہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی ہو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کے ذریعہ حفاظت کیا کرو۔ اور اپنے بیماروں کا صدقہ کے ذریعہ سے علاج کیا کرو۔ اور ناگہانی مصیبتوں کو دُعا کے ذریعہ سے ہٹایا کرو کہ دُعا اس مصیبت کو زائل کر دیتی ہے جو آن پڑی ہو اور اس کو روک دیتی ہے جو ابھی تک نہ آئی ہو، اور حضورؐ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ جس قوم کی بڑھوتری اور بقا کا ارادہ فرماتے ہیں اس میں عِفّت (پاکبازی) اور سَماحت یعنی نرمی اور جود عطا فرماتے ہیں اور جس قوم کے خاتمہ اور فنا کا ارادہ فرماتے ہیں اس میں خیانت پیدا فرما دیتے ہیں۔ اس کے بعد حضورؐ نے یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ[1] یہ آیت شریفہ سورۂ انعام کے پانچویں رکوع کی ہے جس کا شروع فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ سے ہے اور اوپر کی دو آیات سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے پہلی امتوں کی ہلاکت کا ایک دستور ارشاد فرمایا ہے

[1] کنز

کہ ہم نے پہلی امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے تھیں پیغمبر بھیجے تھے (جب انہوں نے پیغمبروں کا کہنا نہ مانا تو) پھر ہم نے ان کو مصیبتوں اور بیماریوں سے پکڑا (یعنی مصائب اور بیماریوں میں مبتلا کیا) تاکہ وہ عاجزی کریں۔ پس جب ان کو ہماری (طرف سے مصائب کی) سزا پہنچی تھی تو انہوں نے عاجزی کیوں نہ کی (کہ ان پر رحم کیا جاتا۔ اور ان کا قصور معاف کر دیا جاتا) لیکن ان کے دل تو سخت ہو گئے تھے (وہ نصیحت کیا قبول کرتے) اور شیطان انکے اعمال کو (جن کو وہ پہلے سے کر رہے تھے ان کی نگاہ میں) آراستہ کر کے دکھلاتا رہا (جس کی وجہ سے وہ اپنے بُرے اعمال میں جن کو وہ اچھا سمجھتے رہے پھنسے رہے) پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے (اور ان کی طرف التفات بھی نہ کیا) جن کی انکو پیغمبروں کی طرف سے نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر (عیش و عشرت راحت و آرام کے) ہر قسم کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر (جو ان کو عیش و عشرت کی مل تھیں) اترانے لگے (جس سے ان کی گمراہی اور بھی بڑھ گئی) تو ہم نے ان کو (عذاب میں ایسا) دفعۃً پکڑ لیا (کہ ان کو اس کا گمان بھی نہ تھا) پھر ظالم لوگوں کی جڑیں تک کٹ گئیں" فقط۔ یہ آیاتِ شریفہ بڑی عبرت کی آیات ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے باوجود اگر کسی قسم کی سختی کے بجائے عیش و عشرت اور راحت کے سامان ہوتے رہیں تو یہ زیادہ خطرہ کی چیز ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ جب تُو یہ دیکھے کہ کوئی شخص اپنے گناہوں پر مُصِر ہے اور اس پر دُنیا کی وُسعت ہو رہی ہے تو یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے پھر حضورؐ نے یہی آیت فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ تلاوت فرمائی۔

حضرت ابُو حازمؒ سے نقل کیا گیا کہ جب تُو یہ دیکھے کہ تُو اللہ کی نافرمانی کر رہا ہے اور اس کی نعمتیں تجھ پر لگاتار ہو رہی ہیں تو اس سے ڈرتا رہ، اور ہر وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ شانہٗ سے قرب پیدا نہ کرے وہ مصیبت ہے (دُرِّ منثور) چھٹی فصل کی احادیث میں نمبر ۷ پر یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے اور چونکہ مال بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے اس کو زیادہ سے زیادہ حق تعالیٰ شانہٗ کی پاک بارگاہ میں تقرّب پیدا کرنے کا ذریعہ بنانا چاہیئے، اور کوئی شخص بجائے اس کے کہ اس کو اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کر کے تقرّب پیدا کرے، اس کی زکوٰۃ بھی ادا نہ کرے جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کا اہم فریضہ ہے تو اس کی نافرمانی میں کیا شک ہے، اور ایسے شخص کو اپنے مال کے باقی رہنے کی زیادہ اُمید نہ رکھنی چاہیئے وہ خود اس کے ضائع ہو جانے کی تدبیر کر رہا ہے۔ اور اگر اس حال میں

بھی خدانخواستہ ضائع نہ ہو تو یہ اور بھی سخت خطرناک ہے کہ اس صورت میں یہ کسی بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی اپنے فضل سے محفوظ رکھے۔

(۱۰) عَنْ عَائِشَةَ رضؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خَالَطَتِ الزَّكٰوةُ مَالًا قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ۔ (رواہ الشافعی والبخاری فی تاریخہ کذا فی المشکوٰۃ وعزاہ المنذری الی البزار والبیھقی)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جس مال کے ساتھ زکوٰۃ کا مال مل جاتا ہے وہ اس مال کو ہلاک کئے بغیر نہیں رہتا۔

ف: اس حدیث پاک کے مطلب میں علماء کی دو تفسیریں ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ حضورؐ کا یہ پاک ارشاد دونوں پر صادق آتا ہے۔ ایک یہ کہ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہو گئی ہو اور اس میں سے زکوٰۃ نہ نکالی گئی ہو تو یہ سارا مال زکوٰۃ کے ساتھ مخلوط ہے اور یہ زکوٰۃ کا مال سب کو ہی ہلاک کر دے گا۔ اس مطلب کے موافق یہ حدیث پاک اس سے پہلی حدیث شریف کے ہم معنی ہوئی کہ یہی مضمون بعینہٖ پہلی حدیث شریف کا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے منتقی میں انہی معنی کو اختیار کیا ہے۔ اس لئے اس پر زکوٰۃ نکالنے میں جلدی کرنے کا باب لکھا ہے۔ اور حمیدیؒ سے اس حدیث کے بعد یہ نقل کیا ہے کہ اگر تجھ پر زکوٰۃ واجب ہو جائے اور تو اس کو نہ نکالے تو حرام مال حلال کو بھی ہلاک کر دے گا یعنی زکوٰۃ کا مال جس کا روکنا حرام ہے باقی مال کو جس کا روکنا حلال ہے ضائع کر دے گا۔ دوسری تفسیر جو حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کی گئی ہے یہ ہے کہ جو شخص خود صاحبِ نصاب ہو، یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کی کوئی چیز اصلی ضرورت سے زائد اس کے پاس ہو اور پھر وہ اپنے کو غریب ظاہر کر کے کسی سے زکوٰۃ کا مال لے لے، تو یہ مال اس کے پاس جو اپنا اصلی مال پہلے سے تھا اس کو بھی ضائع کر دے گا (مشکوٰۃ) اس حدیث پاک سے ان لوگوں کو بہت ڈرتے رہنا چاہیے جو صاحبِ نصاب ہونے کے باوجود لوگوں کی زکوٰتیں لیتے رہتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ کا مال ان کے اصلی مال کو بھی فنا کر دے گا، اور تھوڑے سے نفع کی خاطر بہت سا نقصان برداشت کرنا پڑ جائے گا۔ پھر چاہے چوروں کو گالیاں دیتے رہیں، یا ظالموں کو بد دعائیں دیتے رہیں، اپنی حرکت کی بدولت مال چلا ہی جائے گا اور ایسی حالت میں کہ وہ مستحق نہ تھا لینے کا گناہ سر پر رہیگا۔

(۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضـ قَالَ مَنْ كَسَبَ طَيِّبًا خَبَّثَهٗ مَنْعُ الزَّكٰوةِ وَمَنْ كَسَبَ خَبِيْثًا لَمْ تُطَيِّبْهُ الزَّكٰوةُ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص طیب مال (حلال مال) کماوے زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا اس کو خبیث بنا دیتا ہے، اور جو شخص حرام مال کمائے زکوٰۃ کا ادا کرنا اس کو پاک نہیں بناتا۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر موقوفًا باسناد منقطع کذا فی الترغیب)

ف: کتنی سخت وعید ہے کہ جس مال کو بڑی محنت جانفشانی سے جائز ناجائز کا اہتمام رکھتے ہوئے کمایا تھا وہ اس بخل سے کہ اس کی زکوٰۃ کا اہتمام نہیں رکھا، سارا کا سارا اللہ تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک خبیث بن گیا۔

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے، کہ جو شخص حرام طریقہ سے مال کمائے اور پھر اس کو صدقہ کرے، اس کے لئے اس میں کوئی اجر نہیں ہے اور اس کا وبال اس پر ہے۔ (ترغیب) یعنی حرام کمانے کا وبال سر پر رہا اور صدقہ کا کوئی ثواب اس کو نہیں ہے۔

(۹) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَةً مِّنْ ذَهَبٍ قُلِّدَتْ فِيْ عُنُقِهَا مِثْلَهَا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَيُّمَا امْرَأَةٍ جَعَلَتْ فِيْ اُذُنِهَا خُرْصًا مِّنْ ذَهَبٍ جُعِلَ فِيْ اُذُنِهَا مِثْلُهٗ مِنَ النَّارِ۔

(حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت اپنے گلے میں سونے کا ہار ڈالے گی، اس کے گلے میں اسی طرح کا آگ کا ہار قیامت کے دن ڈالا جائے گا، اور جو عورت اپنے کان میں سونے کی بالی ڈالے گی، اس کے کان میں اسی جیسی آگ کی بالی قیامت کے دن ڈالی جائے گی۔)

(رواہ ابوداؤد والنسائی باسناد جید کذا فی الترغیب)

ف: اس حدیث شریف سے عورتوں کے لئے بھی سونے کا پہننا ناجائز اور حرام معلوم ہوتا ہے، اسی وجہ سے بعض علماء نے اس کو ابتدائے اسلام پر محمول کیا ہے، اس لئے کہ سب علماء کے نزدیک

دوسری احادیث کی بنار پر عورتوں کے لئے سونے چاندی کا زیور جائز ہے۔ لیکن بعض علمار نے اس حدیث کو اور اس جیسی دوسری احادیث کو زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر محمول فرمایا ہے اور بعض روایات سے اس کی تائید فرمائی ہے۔ چنانچہ خود حضرت اسمارؓ ہی کی روایت ہے کہ میں اور میری خالہ، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ہمارے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ ہم نے عرض کر دیا کہ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، تم اس سے نہیں ڈرتیں کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ تمہیں آگ کے کنگن پہنائیں۔ ان کی زکوٰۃ ادا کیا کرو (ترغیب) یہ روایت اس مضمون میں صاف اور واضح ہے کہ جہنم کی آگ اس کے بدلہ میں پہننا اسی صورت میں ہے کہ ان کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔ عورتوں کو اس کا بہت خیال رکھنا چاہیئے کہ جو زیور آج بدن کی زینت بن رہا ہے وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی صورت میں کل کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ بن کر بدن کا عذاب بنے گا۔)

حضرت اسمارؓ کا یہ فرمانا کہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتی، ممکن ہے اس وجہ سے ہو کہ اُن کو اسوقت تک یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ چنانچہ دوسری حدیث میں اُن کا سُوال کرنا اس کی دلیل ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک وہ زیور کو عورت کی اصلی ضرورت میں سمجھتی ہوں۔ حالانکہ زیور اصلی ضرورت میں نہیں ہے۔ ایک زائد چیز ہے۔ اس مطلب کے مُوافق سونے کی کوئی تخصیص نہ ہوگی، چاندی کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ تشریف لائے تو میرے ہاتھوں میں چاندی کے چھلّے ملاحظہ فرمائے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ میں نے اس لئے بنوائے کہ آپ کے لئے اپنی زینت کروں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس کی زکوٰۃ بھی دیتی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، تجھ کو تو جہنم کی آگ کے لئے یہی کافی ہیں۔ (ترغیب)

یہاں انکار کی ان دو وجہوں کے عِلاوہ جو پہلی حدیث میں گذریں، تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چاندی کے چھلّوں کا وزن عام طور سے اتنا نہیں ہوتا کہ وہ نصاب تک پہنچ جائیں۔ اور حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ایک زیور کی مقدار اگرچہ اتنی نہ ہو لیکن دوسرے زیور کے ساتھ مِلا کر بھی نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئیں ان کے ساتھ ان کی بیٹی تھیں جن کے ہاتھ میں دو وزنی کنگن سونے کے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ

ادا کرتی ہو، انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تمہیں اس بات سے خوشی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کے بدلہ میں آگ کے دو کنگن تمہیں قیامت میں پہنا دیں۔ انہوں نے یہ سنتے ہی دونوں کنگن حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیئے کہ یہ اللہ کے واسطے دیتی ہوں۔ (ترغیب)

یہی وہ خاص ادا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مرد و عورت میں تھی کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سننے کے بعد پھر تعمیل میں کوئی حیل حجت، لیت و لعل ہوتی ہی نہ تھی۔ ان سب روایات کے موافق سونے چاندی کے سب زیوروں کا ایک ہی حکم ہے۔ زکوٰۃ نہ دینے پر جہنم کی آگ مسلط ہو جانے میں دونوں برابر ہیں، خواہ کسی روایت میں سونے کے زیور ہوں یا چاندی کے زیور۔ اور بعض علماء نے ان روایات کی وجہ سے جن میں زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے اور سونے چاندی میں فرق کیا گیا ہے، یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے تکبر تفاخر اور اظہار مراد ہے۔

(ایک روایت سے اس مفہوم کی تائید بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ابو داؤد شریف اور نسائی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ اے عورتوں کی جماعت کیا تمہیں زیور بنانے کے لئے چاندی کافی نہیں ہے، یاد رکھو کہ جو عورت سونے کا زیور بنائے اور اس کو ظاہر کرے وہ اس کی وجہ سے عذاب دی جائے گی (ترغیب)۔ اور یہ بات عام طور سے مشاہدہ میں آتی ہے کہ عورتوں کے یہاں چاندی کا زیور بالخصوص جو عورتیں اپنی جہالت سے اپنے کو اونچے خاندان کی سمجھتی ہیں کچھ وقعت اور اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ چاندی کے زیور کو کوئی اظہار یا تفاخر کی چیز نہیں سمجھتیں۔ ان کے ہاتھوں میں چاندی کے کنگن ہوں تو ذرا بھی ان کو اس کے اظہار کا داعیہ پیدا نہ ہو لیکن سونے کے کنگن ہوں تو بے وجہ پچاس مرتبہ مکھی اڑانے کے بہلانے سے ہاتھ ہلائیں گی، بیس مرتبہ دوپٹہ درست کرنے کے واسطے ہاتھ کو پھیریں گی، بالخصوص کوئی نئی عورت گھر میں آجائے یا وہ کسی دوسرے کے گھر جائیں، پھر تو نہ مکھی ان کے بدن سے اڑ کر دیتی ہے نہ ان کا دوپٹہ درست ہو کر دیتا ہے، بار بار ہاتھوں کو حرکت دیتی رہتی ہیں، اور اس حرکت سے محض دوسرے پر تفاخر مقصود ہوتا ہے، اپنے زیور کو دکھانا ہوتا ہے، لہٰذا دونوں باتوں کا اہتمام بہت ضروری ہے، کہ زیور سے تفاخر اور تکبر اور اس کا اظہار ہرگز نہ ہونا چاہیئے اور اس کی زکوٰۃ بہت اہتمام سے ادا کرنا چاہیئے اور دونوں میں سے اگر کوئی سی ایک بات کا بھی لحاظ نہ رکھا جائے تو اپنے آپ کو عذاب کے لئے تیار رکھنا چاہیئے۔)

(۱۰) عَنِ الضَّحَّاكِ قَالَ كَانَ اُنَاسٌ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ حِيْنَ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ تُؤَدَّى الزَّكٰوةُ يَجِيْئُوْنَ بِصَدَقَاتِهِمْ بِاَرْدَأِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الثَّمَرَةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ.

حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں، کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا، تو منافق آدمی بدترین پھل جو ان کے پاس ہوتے تھے وہ دیا کرتے تھے اس پر حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن پاک میں آیت شریفہ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ نازل فرمائی۔

(اخرجه ابن جرير وغيره كذا فى الدر المنثور)

ف: یہ آیتِ شریفہ سورہ بقرہ کے سینتیسویں رکوع کی پہلی آیت کا جزو ہے یہ آیت شریفہ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ سے شروع ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اے ایمان والو اپنی کمائی میں سے عمدہ مال کو خرچ کیا کرو (نیک کاموں میں) اور (خرچ کیا کرو عمدہ مال کو) اس چیز میں سے جس کو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا (یعنی پھل وغیرہ) اور ردی مال کا ارادہ نہ کیا کرو کہ اس میں سے خرچ کرنے لگو حالانکہ (اگر تم کو ویسی خراب چیز کوئی تمہارے حق واجب میں یا سوغات میں دینے لگے تو) تم کبھی بھی اس کو لینے والے نہ ہو، مگر یہ کہ چشم پوشی کر کے (شرمے شرمائے) لے لو اور یہ سمجھ لو کہ حق تعالیٰ شانہٗ کسی کے محتاج نہیں ہیں (کہ ایسے ردی مال سے خوش ہو جائیں وہ) تعریف کے لائق ہیں۔"

بہت سی احادیث ان آیات کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں، مآل سب کا ایک ہی ہے۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیات ہم انصاریوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں، ہم باغات کے مالک تھے۔ ہر شخص اپنے باغ کی حیثیت کے موافق کم وبیش لایا کرتا تھا۔ بعض آدمی ایک دو خوشے مسجد میں ٹانگ دیتے، اہلِ صُفّہ فقراء کی جماعت تھی جن کے کھانے کا کوئی خاص اِنتظام نہ تھا۔ ان میں سے جس کو بھوک لگتی وہ ان خوشوں میں لکڑی مارتا، اور جو پکی کچی کھجوریں گرتیں، کھالیتا۔ بعض لوگ جنہیں خیر کے کاموں میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی وہ بعض ردی قسم کی کھجوروں کا خوشہ یا خراب شدہ خوشہ ٹانگ دیتے۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو ہدیہ میں ایسی چیز دی جائے، تو شرمے شرمائے تو لے لو، ویسے نہ لو۔ اس کے بعد سے اچھے اچھے خوشے آنے لگے۔

اس مضمون کی مُتعدّد روایات وارد ہوئی ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ بعض لوگ بازار سے سستا مال خریدتے اور وہ صدقہ میں دیتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ یہ آیت شریفہ فرض زکوٰۃ کے بارہ میں نازل ہوئی جب لوگ کھجوریں کاٹتے تو اچھا اچھا مال چھانٹ کر علیحدہ کر لیتے جب زکوٰۃ لینے آدمی آجاتا تو ردّی مال اُس کے سامنے کر دیتے۔ ایک حدیث میں ہے، کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لے گئے۔ حضورؐ کے دستِ مبارک میں ایک لکڑی تھی اور مسجد میں کسی نے ردّی کھجوروں کا خوشہ لٹکا رکھا تھا۔ حضورؐ نے اس خوشہ میں لکڑی ماری اور فرمایا کہ جس نے یہ لٹکایا ہے اگر اس سے بہتر لٹکاتا تو کیا نقصان ہو جاتا۔ یہ شخص جنّت میں ایسی ہی ردّی کھجوریں پائیگا۔ (دُرِّ منثور) حضرت عائشہ رضؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ مساکین کو اس مال کو نہ کھلاؤ جس کو تم خود نہ کھا سکو (کنز) ایک اور حدیث میں ہے کہ گوشت میں بُو ہو گئی تھی، حضرت عائشہ رضؓ نے ارادہ فرمایا کہ وہ کسی کو اللہ کے واسطے دے دیں۔ حضورؐ نے فرمایا، کیا ایسی چیز کا صدقہ کرتی ہو جس کو خود نہیں کھاتیں (جمع الفوائد) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جب دیا جا رہا ہے تو اچھا مال جہاں تک ممکن ہو، دینا چاہیئے لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھا دیا نہ جائے اور خراب اس وجہ سے نہ دے، بس حذف ہی ہو جائے۔ اگر عمدہ کی توفیق نہ ہو تو نہ دینے سے گھٹیا دینا بہتر ہے۔ زکوٰۃ میں ردّی مال دینا بھی زکوٰۃ نہ دینے ہی کی ایک قسم ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہوا زکوٰۃ ادا کرنے کا ضابطہ چوتھی فصل کی احادیث میں نمبر ۶ پر گذر چکا ہے کہ نہ تو اللہ جلّ شانہٗ بہترین مال کا مطالبہ فرماتے ہیں، نہ گھٹیا مال کی اجازت دیتے ہیں، بلکہ مُتوسّط مال کا مُطالبہ ہے۔ یہی اصل ضابطہ زکوٰۃ کے ادا کرنیکا ہے۔

حضرت ابوصدیق رضؓ نے جو احکامات اپنے ماتحتوں کو زکوٰۃ وصول کرنے کے تحریر فرمائے، ان میں زکوٰۃ کی تفصیل تحریر فرمائی اور تمہید میں تحریر فرمایا کہ جو اس تفصیل کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرے اس کو دی جائے اور جو اس سے زیادہ لینا چاہیے اس کو نہ دی جائے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت مُعاذ رضؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو نماز کے حکم کے بعد زکوٰۃ ادا کرنے کے حکم کی تلقین فرمائی، اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب وہ زکوٰۃ ادا کریں تو ان کے بہترین مال کو لینے کی کوشش نہ کرنا، مظلوم کی بددُعا سے بچنا کہ مظلوم کی بددعا کے قبول ہونے میں کوئی آڑ نہیں ہوتی۔

امام زُہریؒ فرماتے ہیں کہ جب حکومت کا آدمی زکوٰۃ لینے آئے تو بکریوں کے تین حصے کر دیئے جائیں۔ عمدہ عمدہ ایک جگہ اور ردّی ردّی ایک جگہ، تیسرا حصہ جو درمیانی ہے۔ ان میں سے لے لے (ابوداؤد)۔ یہی اصل ضابطہ ہے زکوٰۃ لینے والے کے حق میں لیکن دینے والا اگر اپنی خوشی سے اچھے سے اچھا مال دے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ اسی حدیث نمبر ۶ کے ذیل میں صحابہؓ کے بعض واقعات اور حضورؐ کا پاک ارشاد گذر چکا کہ تم اگر اپنی خوشی سے عمدہ مال ضابطہ سے زائد دینا چاہو تو اللہ تعالیٰ تم کو اس کا اجر دے گا۔ اس لئے دینے والے کو یہ سمجھ کر کہ اپنے کام آنے والا صرف یہی مال ہے جو دیا جا رہا ہے بہتر سے بہتر مال چھانٹ کر دینا چاہیئے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص زکوٰۃ کو آخرت کے واسطے ادا کرنا چاہے اس کے لئے کچھ آداب ہیں کچھ قواعد ہیں، اُن کی رعایت کرنا چاہیئے۔ امام غزالیؒ نے اس مضمون کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ بندہ اس کو نہایت اختصار سے اور کہیں کہیں معمولی توضیح سے ذکر کرتا ہے، یہ اس کا ترجمہ نہیں ہے۔ امام غزالیؒ نے آٹھ ادب ذکر فرمائے ہیں نمبر ۱: سب سے پہلی چیز تو یہ سمجھنے کی ہے کہ آخر زکوٰۃ کیوں واجب ہوئی۔ کیوں اس کو اسلام کا رکن قرار دیا گیا۔ اس کی تین وجہیں ہیں۔ الف: اس وجہ سے کہ زبان سے کلمہ کا اقرار کر لینا وہ اللہ تعالیٰ کو تن تنہا معبود ماننے کا اقرار ہے یعنی یہ کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز شریک نہیں ہے اور اس کی تکمیل اور تمامی جب ہی ہو سکتی ہے جب کہ اس ایک پاک ذات کے سوا محبت کے دعویدار کے دل میں اختیاری طور پر کسی دوسری چیز کی گنجائش نہ رہے، اس لئے کہ محبت شرکت کی ہرگز متحمل نہیں ہے اور محض زبانی دعوٰی محبت بیکار ہے۔ محبت کا امتحان جب ہی ہو سکتا ہے جب دوسری محبوب چیزوں سے مقابلہ پڑ جائے۔ اور مال ہر شخص کو بالطبع محبوب ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ سے محبت اور اس کی تنہا معبودیت کے اقرار میں امتحان کی کسوٹی کے طور پر مال کا خرچ کرنا فرض کیا گیا ہے جس سے لوگوں کی حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (سورۂ توبہ، ع ۱۴) ”بلاشبہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور مالوں کو اس بات کے بدلہ میں خرید لیا ہے، کہ ان کو جنت ملے گی“ اور جانوں کا خرید لینا جہاد کے ذریعہ سے ہے اور مالوں کا خرچ کرنا جان کے خرچ کرنے سے ہلکا ہے، اور جب مال کے خرچ کرنے کا یہ مفہوم ہوا کہ وہ محبت کے امتحان کی کسوٹی ہے تو آدمی اس امتحان میں تین قسم کے ہوئے۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا سچا اقرار کیا کہ اس کی محبت میں ذرا سی بھی شرکت کسی چیز کی

نہیں آنے دی اور اپنے عہد کو پورا پورا ادا کر دیا کہ اپنے مالوں کو سب کو اُس کے نام پر قربان کر دیا۔ نہ اپنے لئے کوئی دینار رکھا نہ دِرَم، وہاں زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سُوال ہی نہیں آتا۔ اسی وجہ سے بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ دو سَو دِرَم میں کتنی مقدار واجب ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ عام لوگوں پر شریعتِ مُطَہَّرہ کے ضابطہ کے موافق پانچ دِرَم ہیں لیکن ہم لوگوں کو سب کا خرچ کر دینا ضروری ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت اَبُوبکر صِدّیق رضؓ نے اپنا سارا مال خدمت میں پیش کر دیا، اور محبّت کے دعوٰے کو ایسا پورا کیا کہ محبوب کے سوا کچھ بھی نہ چھوڑا۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو درمیانی درجہ کے ہیں کہ وہ بقدرِ حاجت وضرورت باقی رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نعمتوں اور لذّتوں میں تو مشغول نہیں ہوتے البتہ بقدرِ ضرورت ذخیرہ رکھتے ہیں اور ضرورت سے زائد کو صرف کر دیتے ہیں۔ یہ حضرات بھی خرچ کرنے میں مقدارِ زکوٰۃ پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ فاضل مال جو کچھ ہوتا ہے وہ سب خرچ کر دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض تابعین جیسا کہ امام نخعیؒ، شعبیؒ وغیرہ حضرات اس طرف گئے ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق واجب ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک مال دار کے ذمہ واجب ہے کہ جہاں کہیں ضرورت مند کو دیکھے تو زکوٰۃ سے زائد سے بھی اسکی حاجت کو پورا کرے۔

لیکن فقہ کے اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی شخص اِضطرار کے درجہ کو پہنچ گیا ہو تو اس کی ضرورت کا پورا کرنا فرضِ کفایہ ہے اور اس میں عُلماء کا اختلاف ہے کہ مُضطر پر اتنی مقدار خرچ کرنا بھی جس سے وُہ ہلاکت سے بچ جائے، مفت ضروری ہے یا قرض دینا بھی کافی ہے۔ اور جو قرض دینا کہتے ہیں وہ گویا تیسری قسم میں داخل ہے۔ اور تیسری قسم ادنیٰ درجہ کے لوگوں کی ہے جو صرف واجب یعنی مقدارِ زکوٰۃ ہی ادا کرتے ہیں، نہ اس سے کم کرتے ہیں نہ زیادہ۔ عام لوگ بیشتر اسی قسم میں داخل ہیں، اس لئے کہ ان کو مال سے محبّت ہے وہ اس کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں، انہیں آخرت کی رغبت کم ہے۔

امام غزالیؒ نے تین ہی قسمیں آدمیوں کی لکھی ہیں۔ چوتھی قسم کو ذکر نہیں کیا، جو مقدارِ واجب کو بھی پوری ادا نہیں کرتے یا بالکل ہی ادا نہیں کرتے۔ اس لئے کہ یہ لوگ تو اپنے دعوٰیٔ محبّت میں بالکل ہی جھوٹے ہیں، ایسوں کا کیا ذکر کرنا جو جھوٹی محبت کے دعوے دار ہوں۔

ب: اس وجہ سے بھی کہ زکوٰۃ سے آدمی کو صفتِ بخل سے پاک کرنا مقصود ہے جو بڑی مُہلک چیز ہے۔ حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ "تین چیزیں مُہلک ہیں۔ ایک وہ حرص و بخل جس کی اطاعت کی جائے

(یعنی اگر طبعًا کوئی شخص بخیل ہو مگر عمل اپنی طبیعت کے خلاف کرتا ہے اور طبیعت پر جبر کرتا ہے تو یہ تو مُہلک نہیں، مُہلک وُہ بخل ہے کہ عمل بھی اس کے موافق ہو) دوسری وہ خواہشِ نفس جس کا اِتباع کیا جائے۔ (اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ مثلاً شہوت کسی شخص کو ہو اور وہ اس کو بجبر روکے، تو وہ مُہلک نہیں، مُہلک وُہ ہے کہ اس کے مُوافق عمل بھی کرے)۔ تیسری چیز ہر شخص کا اپنی رائے کو سب سے بہتر سمجھنا ہے۔" اس کے علاوہ قرآن پاک کی مُتعدد آیات اور بہت سی احادیث میں بُخل کی مَذمّت وارد ہوئی ہے، جیسا کہ دوسری فصل میں ان میں سے چند گذر چکیں۔ اور آدمی سے صفتِ بُخل اسی طرح زائل ہو سکتی ہے کہ زبردستی اس کو مال خرچ کرنے کا عادی بنائے۔ کہ جب کسی سے محبّت، تعلّق چھڑانا مقصود ہوتا ہے تو اس کی صورت یہی ہوتی ہے کہ اپنے کو اس سے دُور رکھنے پر مجبور کیا جائے تاکہ اس کی محبت جاتی رہے۔ اسی لحاظ سے زکوٰۃ کو پاکی کا ذریعہ کہا جاتا ہے کہ وہ آدمی کو بُخل کی گندگی سے پاک کرتی ہے۔ اور جس قدر زیادہ مال خرچ کرے گا، اور جتنی زیادہ مَسرّت اور خوشی سے خرچ کرے گا اور جتنی بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے سے بَشاشت ہوگی اتنی ہی بُخل کی گندگی سے نَظافت حاصل ہوگی۔

ج: اس وجہ سے بھی کہ یہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی نعمتِ مال کا شُکرانہ ہے کہ اللہ جلّ شانُہٗ کے ہر شخص کے جان و مال میں اس قدر اِنعامات اِحسانات ہیں کہ حد نہیں۔ پس طاعاتِ بَدَنیہ، بدنی اِنعامات کا شکرانہ ہیں، اور طاعاتِ مالیہ، مالی اِنعامات کا شکرانہ ہیں۔ اور کس قدر کمینہ اور ذلیل ہے وہ شخص جو کسی فقیر کو دیکھے، اس کی تنگ دستی اور بدحالی کو، اس پر رزق کی کمی کی مصیبت کو دیکھے پھر بھی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شُکرانہ کا خیال نہ آئے جو اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر کی کہ اس کو بھیک مانگنے سے مُستغنی کیا اور اس فقیر کی طرح اپنی حاجت کو دوسرے کے سامنے لے جانے سے بے نیاز کیا، بلکہ اس قابل کیا کہ دوسرا شخص اس کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرے۔ کیا اس کا شکرانہ یہ نہیں ہے کہ اپنے مال کا دسواں یا چالیسواں حصہ اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کر دے (دسویں سے پیداوار کا عُشر اور چالیسویں سے زکوٰۃ مراد ہے)

نمبر۲: دوسرا اَدب زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت کے اعتبار سے ہے اور وُہ یہ ہے کہ اس کی ادائیگی میں بہت عُجلت کرے کہ اس کے واجب ہونے کے وقت سے پہلے ہی ادا کر دے کہ اس میں حق تعالیٰ شانُہٗ کے اِمتثالِ حُکم میں رغبت کا اِظہار ہے، اور فُقراء کے دِلوں میں مَسرّت کا پیدا کرنا ہے

اور دیر کرنے میں اپنے اوپر اور مال پر کسی قسم کی بیماری اور آفت آجانے کا بھی احتمال ہے۔ اور جن کے نزدیک زکوٰۃ کا فوراً ادا کرنا ضروری ہے اُن کے نزدیک تو تاخیر کا گناہ مُستقل ہے۔ لہٰذا جس وقت بھی دل میں خرچ کرنے کا خیال پیدا ہو، اس کو فرشتہ کی تحریک سمجھے۔ اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے، کہ آدمی کے ساتھ ایک تحریک فرشتہ کی ہوتی ہے اور ایک شیطان کی۔ فرشتہ کی تحریک تو خیر کی طرف مُتوجّہ کرنا اور حق کی تصدیق ہے۔ جب آدمی اس کو پاوے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اور شیطان کی تحریک برائی کی طرف مُتوجّہ کرنا اور حق بات کو جُھٹلانا ہے جب آدمی اس کو پاوے تو اَعُوْذُ بِاللہ پڑھے (ساوۃ) ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی کا دل اللہ تعالےٰ کی دو انگلیوں میں ہے جس طرح چاہے پلٹ دیتا ہے۔ اس لئے دل میں جو یہ خیال خرچ کرنے کا آیا ہے اس کے بدل جانے کا بھی خطرہ ہے، اس کے علاوہ شیطان آدمی کو اپنی اِحتیاج کا خیال دلاتا رہتا ہے جیسا کہ دوسری فصل کی آیات میں نمبر ۲ پر گذرا اور فرشتہ کی تحریک کے بعد شیطان کی تحریک بھی ہوتی ہے، اس لئے اس کی تحریک کے پیدا ہونے سے پہلے پہلے ادا کرے، اور اگر ساری زکوٰۃ ایک ہی وقت ادا کرنا مقصود ہو، تو اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ کوئی سا ایک مہینہ زکوٰۃ ادا کرنے کا مُعیّن کرلے اور بہتر یہ ہے کہ افضل مہینوں میں سے مقرر کرے، تاکہ اس میں خرچ کرنے سے ثواب میں زیادتی ہو جیسا کہ مثلاً مُحرّم کا مہینہ ہے کہ وہ سال کا شروع مہینہ ہونے کے علاوہ اَشْہُرِ حُرُم میں سے ہے اور اس میں ایک دن یعنی عاشورہ کا ایسا ہے کہ اس میں صدقہ کرنے کی اور اہل وعیال پر خرچ میں وُسعت کی فضیلت آئی ہے لہٰذا اس مہینہ میں اگر ادا کرے تو بہتر یہ ہے کہ دسویں تاریخ کو ادا کرے (ساوۃ) یا مثلاً رَمَضَانُ المُبارک کا مہینہ ہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ حضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جُود و بخشش میں تمام آدمیوں سے بڑھ کر تھے اور ماہِ رَمَضَان میں تو آپ کی بخشش اور جود ایسی تیزی سے چلتی تھی جیسا کہ تیز ہوا۔ نیز اس مہینہ میں لَیْلَۃُ الْقَدْر ہے جو ہزار راتوں سے افضل ہے نیز اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی اس مہینہ میں اپنے بندوں پر روز افزوں ہوتی ہیں۔ اسی طرح ذُوالحِجّہ کا مہینہ بھی بڑی فضیلت والے مہینوں میں ہے اس میں حج ہوتا ہے، اس میں اَیَّام مَعْلُوْمَات ہیں یعنی عشرہ ذُوالحِجّہ اور اَیَّام مَعْدُوْدَات ہیں یعنی اَیَّام تَشْرِیق، اور ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کی یاد کی ترغیب قرآن پاک میں آتی ہے۔ پس اگر کوئی رَمَضَان کو مُتعیّن کرے تو اس کا عشرہ آخر مناسب ہے اور ذِی الحِجّہ کو مقرر کرے تو اس کا عشرۂ اول بہتر ہے۔ بندہ ناکارہ زکریا کا مشورہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی زکوٰۃ کا تفریق

اندازہ تو ہوتا ہی ہے، اس لئے سال کے شروع ہی سے ضرورت کے مواقع پر اس اندازکی رعایت رکھتے ہوئے تھوڑا تھوڑا دیتا رہے اور جب سال وجوب کا ختم ہو، اس وقت اپنے مال کا اور اپنی زکوٰۃ کا پورا حساب لگالے۔ اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو اس وقت پوری کردے اور اگر کچھ زیادہ ادا ہو گیا ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اسی کی توفیق تھی کہ واجب سے زیادہ ادا ہو گیا۔ اس میں تین مصلحتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ پوری رقم اگر مقدار میں زیادہ ہوئی تو بڑی رقم کا یک وقت خرچ کرنا اکثر طبیعت پر بار ہو جاتا ہے اور زکوٰۃ کے ادا کرنے میں طیبِ نفس سے خرچ کرنے کو بہت زیادہ اہمیّت ہے۔ دوسری مصلحت یہ ہے کہ ضرورت کے مواقع ہر وقت میسّر نہیں ہوتے، اس طرح ادا کرنے میں ضرورت کے مواقع پر خرچ ہوتا رہیگا۔ اور اگر سال کے ختم پر حساب کرکے اس خیال سے اس کو علیٰحدہ رکھے گا کہ وقتاً فوقتاً خرچ کرتا رہونگا تو اس میں ایک تو ہر دن تاخیر ہوتی رہے گی، دوسرے اس کا اطمینان نہیں کہ ادائیگی سے پہلے کوئی حادثہ جانی یا مالی پیش نہ آجائے اور زکوٰۃ واجب ہو جانے کے بعد ادا نہ ہونے میں سب کے نزدیک گناہ ہے۔ تیسری مصلحت یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً ادا کرتے رہنے میں اگر آدمی کے بخل نے زیادہ زور نہ کیا تو امید یہ ہے کہ مقدار واجب سے کچھ زیادہ اکثر ادا ہو جایا کرے گا جو مرغوب چیز ہے، اور یک وقت حساب لگاکر اس پر اضافہ کرنا بہت سے لوگوں کو دشوار ہوگا۔

یہاں ایک بات اہتمام سے ذہن میں رکھنا چاہئے کہ زکوٰۃ کا مدار قمری سال پر ہے شمسی سال پر نہیں ہے۔ بعض لوگ انگریزی مہینہ سے زکوٰۃ کا حساب رکھتے ہیں۔ اس میں دس یوم کی تاخیر تو ہر سال ہو ہی جاتی ہے، اس کے علاوہ چھتیس ۳۶ سال میں ایک سال کی زکوٰۃ کم ہو جائے گی جو اپنے ذمّہ پر رہ گئی۔

۳: تیسرا ادب زکوٰۃ کا مخفی طریقہ سے ادا کرنا ہے اس لئے کہ اس میں اظہار، شہرت سے امن ہے اور لینے والے کی پردہ پوشی ہے، اس کو ذلت سے بچانا ہے اور افضل یہی ہے کہ اگر کوئی مجبوری اظہار کی نہ ہو تو مخفی طور پر ادا کرے۔ اس لئے کہ صدقہ کی مصلحت، بخل کی گندگی کو دور کرنا ہے اور مال کی محبت کو زائل کرنا ہے۔ اور زیادہ شہرت میں حبِّ جاہ کو دخل ہوتا ہے اور یہ مرض یعنی حبِّ جاہ کا حبِّ مال سے بھی زیادہ سخت ہے اور لوگوں پر حبِّ مال سے بھی زیادہ مسلّط ہے۔ اور صفتِ بخل قبر میں بچھو بن کر آدمی کو کاٹتی ہے اور صفتِ ریاء و شہرت اژدہا بن کر ڈستی ہے۔ تو صفتِ بخل کو زائل کرکے صفتِ ریاء کو تقویت دینے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص بچھو کو مار کر سانپ کو کھلائے کہ اس میں بچھو تو یقیناً مر گیا اور اس کی مضرّت جاتی رہی لیکن سانپ زیادہ قوی ہو گیا اور مقصود دونوں کو مارنا ہے اور سانپ

کا مارنا زیادہ ضروری ہے۔

۴؎ چوتھا ادب یہ ہے کہ اگر کوئی دینی مصلحت اظہار کی ہو مثلاً دوسروں کو ترغیب مقصود ہو یا دوسرے لوگ اس کے فعل کا اتباع کرتے ہوں یا اور کوئی دینی مصلحت ہو تو اس وقت اظہار افضل ہوگا۔ ان دونوں نمبروں کا بیان پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۹ پر مفصّل گذر چکا ہے۔

۵؎ پانچواں ادب یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو مَنّ و اَذیٰ سے برباد نہ کرے۔ مَنّ کے معنی احسان رکھنے کے ہیں یعنی جس پر صدقہ کیا ہے اس پر اپنے صدقہ کا احسان جتائے اور اَذیٰ کے معنی تکلیف کے ہیں یعنی اس کو کسی اور طرح کی اذیت اس گھمنڈ پر پہنچائے کہ یہ اپنا دستِ نگر ہے، محتاج ہے، اس کی ضرورت اپنے سے وابستہ ہے، یا میں نے زکوٰۃ دے کر اس پر احسان کیا ہے۔ یہ مضمون بھی پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۸ پر تفصیل سے گذر چکا ہے۔

۶؎ چھٹا ادب یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو حقیر سمجھے، اس کو بڑی چیز سمجھنے سے عُجب پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جو بڑی ہلاکت کی چیز ہے اور نیک اعمال کو برباد کرنے والی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے بھی قرآن پاک میں طعن کے طور پر اس کو ذکر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا الآیۃ (پارہ ۱۰ رکوع ۹) "اور حُنَین کے دن بھی تم کو غلبہ دیا تھا) جبکہ (یہ قصہ پیش آیا تھا کہ) تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے گھمنڈ پیدا ہوگیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور (کفار کے تیر برسانے سے تمہیں اس قدر پریشانی ہوئی کہ) زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی پھر تم (میدانِ جنگ سے) منہ پھیر کر بھاگ گئے اس کے بعد اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے رسول اور مومنین پر تسلی نازل فرمائی اور ایسے لشکر (فرشتوں کے) تمہاری مدد کے لئے بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا۔"

اس کا قصہ کتُبِ احادیث میں مشہور ہے۔ کثرت سے روایات اس قصہ کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ رمضان المبارک ۸ھ میں جبکہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مکہ مکرمہ کو فتح فرمالیا تو قبیلہ ہَوازِن اور ثقیف پر حملہ کے لئے رمضان ہی میں تشریف لے گئے۔ چونکہ مسلمانوں کی جمعیت اس وقت پہلے غزوات کے لحاظ سے بہت زیادہ ہوگئی تھی تو اُن میں اپنی کثرت پر عُجب پیدا ہوا کہ ہم اتنے زیادہ ہیں کہ مغلوب نہیں ہوسکتے۔ اسی بنا پر کہ حق تعالیٰ شانہٗ کو گھمنڈ اور عُجب بہت ناپسند ہے، ابتداء میں مسلمانوں کو شکست ہوئی جس کی طرف آیتِ بالا میں اشارہ ہے کہ تم کو اپنے مجمع

کی کثرت پر گھمنڈ پیدا ہوا، لیکن مجمع کی کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی۔ حضرت عُروہؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے پاک رسولؐ نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو قبیلہ ہوازن اور ثقیف کے لوگ چڑھائی کر کے آئے اور موضع حُنین میں وہ لوگ جمع ہو گئے۔ حضرت حسنؓ سے نقل کیا گیا کہ جب مکہ والے بھی فتح کے بعد مدینہ والوں کے ساتھ مجتمع ہو گئے تو وہ لوگ کہنے لگے کہ واللہ اب ہم اکٹھے ہو کر حُنین والوں سے مقابلہ کریں گے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی یہ گھمنڈ کی بات گراں گذری اور ناپسند ہوئی۔ (درمنثور)

غرض عُجب کی وجہ سے یہ پریشانی پیش آئی۔ علماء نے لکھا ہے کہ نیکی جتنی بھی اپنی نگاہ میں کم سمجھی جائے گی اتنی ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی سمجھی جائے گی۔ اور گناہ جتنا بھی اپنی نگاہ میں بڑا سمجھا جائیگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں ہلکا اور کم سمجھا جائیگا۔ یعنی ہلکے سے گناہ کو بھی یہی سمجھے کہ میں نے بہت بڑی حماقت کی، ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہیئے تھا۔ کسی گناہ کو بھی یہ نہ سمجھے کہ چلو اس میں کیا ہو گیا۔

بعض علماء سے نقل کیا گیا کہ نیکی تین چیزوں سے کامل ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ اس کو بہت کم سمجھے کہ کچھ بھی نہ کیا۔ دوسرے جب کرنے کا خیال آ جائے تو اس کو کرنے میں جلدی کرے۔ مبادا یہ مبارک خیال یعنی نیکی کرنے کا نکل جائے، یا کسی وجہ سے نہ ہو سکے۔ تیسرے یہ کہ اس کو مخفی طور سے کرے، اور جو کچھ خرچ کیا ہے اُس کو حقیر سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھے کہ جو کچھ خرچ کیا ہے اُس کا مُوازنہ اس سے کرے جو اپنے اُوپر خرچ کیا جا چکا اور اپنے پاس باقی رہنے دیا۔ پھر سوچے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کتنا خرچ کیا، اور اپنے لئے کتنا رکھا۔ مثلاً اگر جو کچھ اس کے پاس موجود تھا اس میں سے ایک تہائی خرچ کر دیا تو گویا مالکُ المُلک آقا اور محبوب کی رضا میں تو ایک تہائی ہوا اور محبت کے دعوے دار کے حصہ میں دو تہائی۔ اور اگر کوئی شخص اس کا عکس یا سارا بھی خرچ کر دے جس کی مثال اس زمانہ میں تو ملنا بھی مشکل ہے تب بھی یہ سوچنا چاہیئے کہ آخر مال تو اللہ ہی کا تھا، اسی کی عطا فرمائی ہوئی چیز اپنے پاس تھی جس میں اس نے اپنے لُطف وکرم، احسان سے خرچ کی اور اپنی ضرورت میں کام میں لانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ اگر کسی ایسے شخص کی امانت اپنے پاس ہو جس نے امانت رکھواتے وقت یہ بھی کہہ دیا ہو یا کہ اگر آپکو کوئی ضرورت پیش آ دے تو اس کو اپنا ہی مال تصوُّر کر کے خرچ کر لیں۔ پھر تم کسی وقت اس کی امانت کم وبیش واپس کر دو تو اس میں کونسا احسان تمہارا ہوا جس کو تم یہ سمجھو کہ ہم نے بڑا کارنامہ کیا، اور پھر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو اس کی عطا کی ہوئی چیز واپس کرنے میں یعنی اس کے نام پر خرچ کرنے

ہیں اس کی طرف سے اجر و ثواب اور بدلہ کا ایسا ایسا وعدہ ہے کہ اس کے لحاظ سے تو یہ کہا بھی نہیں جا سکتا کہ ہم نے اسکی امانت واپس کر دی بلکہ یوں کہا جائے گا کہ ایک شخص نے مثلاً سَو روپے امانت رکھوائے تھے اور اس میں سے اس نے پچاس ساٹھ واپس لے لئے اس وعدہ پر کہ عنقریب ہی اتنی گنیاں اس کے بدلہ میں تمہیں دے دوں گا، یا یوں سمجھو کہ پچاس واپس لئے اور پانچسو کا چیک بینک کا کاٹ کر تمہارے حوالہ کر دیا تو ایسی حالت میں کیا گھمنڈ کا موقع ہے اس بات کا کہ میں نے امانت رکھنے والے کو کچھ واپس کیا۔ اسی وجہ سے اس ادب کے ماتحت یہ چیز بھی ہے کہ جب صدقہ کرے، تو بجائے فخر اور گھمنڈ کے شرمندگی کی سی صورت سے خرچ کرے جیسا کہ کسی کی امانت کوئی شخص اس طرح واپس کرے کہ اس میں سے کم یا زیادہ رکھ بھی لے مثلاً کسی کے سَو روپے امانت رکھے ہوں اور امانت کی واپسی کے وقت اس میں سے پچاس ہی واپس کرے اور یہ کہہ کر واپس کرے کہ تم نے چونکہ مجھے خرچ کی اجازت دے دی تھی اس لئے پچاس میں نے خرچ کر لیے یا اپنی کسی ضرورت کے لئے رکھ لئے، یہ کہتے وقت جیسا کہ آدمی پر ایک حجاب، ایک شرم، ایک غیرت، ایک عاجزی، ایک ذِلّت ٹپکتی ہے اور اس کو یہ بات خود کو محسوس ہوتی ہے کہ میں نے اس کریمُ النّفس آدمی کے مال میں تصرُّف کیا۔ اس کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے باقی کا مطالبہ نہیں کیا۔ یہی ہَیئَت بِعَینِہٖ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت ہونی چاہیئے کہ اسی کی عطا کا کچھ حصّہ اسی کو ایسی طرح واپس کیا جا رہا ہے کہ اس میں سے ہم نے کچھ کھا بھی لیا اور کچھ رکھ بھی لیا، اور یہ اس وجہ سے کہ صَدَقہ جو کسی فقیر کو دیا جا رہا ہے یا ضرورت کے موقع پر خرچ کیا جا رہا ہے تو وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ شانُہٗ ہی کو واپس کیا جا رہا ہے، فقیر تو محض ایک اِیلچی ہے جو گویا اُس نے اپنا آدمی اپنی امانت واپس لینے کے لئے بھیجا ہے۔ ایسے مَوَاقِع میں آدمی اِیلچی کی کیسی خوشامد کیا کرتا ہے کہ تو آقا سے، حاکم سے ذرا سِفارش کر دیجیو، کہہ دیجیو کہ اس کے پاس سارا مُطالبہ ادا کرنے کو اس وقت تھا نہیں میری ضرورتوں اور اَحوال پر نظر کر کے اتنے ہی کو قبول کر لیں وغیرہ وغیرہ۔ غرض جتنی چاپلوسی قاصدوں کی، اہلکاروں کی ایسے وقت میں ہوتی ہے، جب کہ پورا حق ادا نہ کیا جا رہا ہو اس سے زیادہ عملی صورت سے فقراء اور صَدَقہ کا مال لینے والوں کی ہونا چاہیئے اس لئے کہ یہ اللہ کے اِیلچی ہیں، مَالِکُ الْمُلک کے قاصد ہیں، اس مَالِکُ الْمُلک، قادرِ مطلق اور بے نیاز کے بھیجے ہوئے ہیں جس نے سب کچھ عطا کیا اور وہ جب چاہے آن کی آن میں سب کچھ چھین کر تمہیں بھی ایسا ہی محتاج کر دے جیسا کہ تمہارے سامنے ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے

ہے کہ مال سارا کا سارا اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اس کی راہ میں سارا خرچ کر دینا مرغوب اور پسندیدہ ہے، اُس نے اپنے لطف وکرم سے سب کے خرچ کرنے کا ایجاب ہم پر نہیں فرمایا، اس لئے کہ اگر وہ سب کچھ خرچ کرنا واجب فرما دیتا تو ہمیں اپنے طبعی بخل وکنجوسی سے بہت بار ہو جاتا۔

۷ : ساتواں اَدب یہ ہے کہ اللہ کے راہ میں صَدَقہ کرنے کے لئے بالخُصوص زکوٰۃ کے ادا کرنے میں جو اس کا ایک اہم حکم اور فریضہ ہے بہتر سے بہتر مال خرچ کرے اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ خُود طَیّب ہیں، ہر قسم کے عیب سے پاک ہیں، اس لئے طَیّب ہی مال قبُول فرماتے ہیں۔ اگر آدمی یہ خیال کرے کہ یہ مال جو صدقہ کیا جا رہا ہے حق تعالیٰ شانُہٗ کو دیا جا رہا ہے تو کس قدر گستاخی اور بے ادبی ہے کہ جس پاک ذات کا مال ہے، جس کا عطا کیا ہوا ہے، اس کی خدمت میں تو گھٹیا قسم کا مال پیش کرے اور خود اپنے لئے عُمدہ اور بہتر رکھے۔ اس کی مثال اس نوکر یا خانساماں کی سی ہے جو آقا کے لئے تو باسی روٹی اور دال بُودار رکھے اور اپنے لئے قورمہ پکائے۔

خود ہی غور کر لو کہ ایسے نوکر کے ساتھ آقا کا کیا معاملہ ہونا چاہیئے۔ پھر دُنیا کے آقاؤں کو تو ہر ہر چیز کی خبر بھی نہیں ہوتی، اور اس عَلیم وخَبیر کے سامنے ہر ہر بات رہتی ہے بلکہ دِل کے خیالات بھی ہر وقت سامنے ہیں۔ ایسی حالت میں اسی کے مال میں سے اسی کے لئے گھٹیا اور خراب چیز بھیجنا کس قدر نمک حرامی ہے اور اگر آدمی یہ خیال کرے کہ یہ جو کچھ خرچ کر رہا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے ہے اس کا بدلہ نہایت سخت احتیاج کے وقت اپنے ہی کو ملتا ہے تو کس قدر حماقت کی بات ہے کہ آدمی اپنے لئے تو سٹریل گھٹیا چیزیں رکھے اور اچھا اچھا مال دوسروں کے واسطے چھوڑ جائے۔ حدیث میں آیا ہے۔ آدمی کہتا ہے میرا مال میرا مال، حالانکہ اس کا مال صرف وہ ہے جو صَدَقہ کر کے آگے بھیج دیا۔ یا کھا کر ختم کر دیا، باقی جو رہ گیا وہ دوسروں کا مال ہے (یعنی وارثوں کا)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دِرَم کبھی لاکھ درم سے بڑھ جاتا ہے اور وہ اسی طرح سے ہے، کہ آدمی حلال کمائی سے عُمدہ مال، طِیبِ خاطر اور سُرُور سے خرچ کرے، بجائے اس کے کہ کمر وہ مال سے ایک لاکھ دِرَم خرچ کرے۔

۸ : آٹھواں اَدَب یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو ایسے موقع میں خرچ کرے جس سے اس کا ثواب بڑھ جائے۔ اور چھ صفات ایسی ہیں کہ جس کے اندر ان میں سے ایک بھی صفت ہو اس کو دینے سے صدقہ کا ثواب بہت بڑھ جاتا ہے، اور جس میں ان میں سے جتنی صفات زیادہ ہوں گی اتنا ہی اجر بھی زیادہ ہو گا اور ثواب

کے اعتبار سے اتنا ہی صدقہ بڑھ جائے گا۔

الف: مُتقی پرہیزگار ہو، دُنیا سے بے رغبت اور آخرت کے کاموں میں مشغول ہو۔ حُضُورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ تیرا کھانا مُتقیوں کے سوا کوئی نہ کھاوے۔ یہ حدیث پہلی فصل کی احادیث میں نمبر ۲۳ پر گذر چکی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مُتقی آدمی تیرے اس صدقہ سے اپنے تقوے اور طاعت میں اعانت حاصل کرے گا اور تو گویا اس کے اس تقویٰ میں مُعین ہوا اور اس کی عبادت میں ثواب کا شریک ہوا۔

(ب) اہلِ علم ہو۔ اس لئے کہ اس سے تیری اعانت اس کے عُلُوم حاصل کرنے میں اور پھیلانے میں شامل ہو جائے گی۔ اور علم تمام عبادتوں میں اشرف اور اعلیٰ عبادت ہے، اور جتنی بھی علمی مشغلہ میں نیت اچھی ہوگی، اتنی ہی یہ عبادت اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتی جائے گی۔

حضرت عبدُاللہ بن مُبارکؒ مشہور محدث اور بزرگ ہیں۔ وہ اپنی عطاؤں کو علماء کے ساتھ مخصوص رکھتے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر غیر عالموں پر بھی آپ کرم فرمائیں تو کیسا اچھا ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نُبُوّت کے درجہ کے بعد علم کے برابر کسی کا درجہ بھی نہیں پاتا جب کوئی اہلِ علم میں سے کسی دوسری طرف مُتوجّہ ہوتا ہے تو اس کے علمی مشغلہ میں نقصان ہوتا ہے اس لئے ان کو علمی مشاغل کے لیے فارغ رکھنا سب سے افضل ہے۔

(ج) وہ شخص اپنے تقویٰ اور اپنے علم میں حقیقی مُوَحِّد ہو اور حقیقی مُوَحِّد ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس پر کوئی احسان کرے تو وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا شکر کرے اور دل سے یہ بات سمجھے کہ حقیقی احسان اسی پاک ذات کا ہے، وہی اصل عطا کرنے والا ہے، اور جو دینے والا ظاہر میں دے رہا ہے وہ صرف واسطہ اور ایلچی ہے۔ حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے کو وصیت ہے کہ اپنے اور حق تعالیٰ شانہٗ کے درمیان کسی دوسرے کو احسان کرنے والا مت بنا، کسی دوسرے کے احسان کو اپنے اوپر تاوان سمجھ۔ جو شخص واسطہ کا حقیقی احسان سمجھتا ہے اس نے حقیقی احسان کرنے والے کو پہچانا ہی نہیں۔ اس نے یہ نہ سمجھا کہ یہ واسطہ ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے اُس کے دل میں یہ بات ڈالی تھی کہ فلاں شخص پر احسان کیا جائے اس لئے وہ اپنے اس احسان کرنے میں مجبور تھا اور جب آدمی کے دل میں یہ بات جم جائے تو پھر اس کی نگاہ اسباب پر نہیں رہتی بلکہ مُسبّبُ الاسباب پر ہو جاتی ہے اور ایسے شخص پر احسان کرنا، احسان کرنے والے کے لئے زیادہ نافع ہوتا ہے، اور دوسروں کے بہت لمبے چوڑے ثنا و شکر کے الفاظ سے اس پر احسان

کرنا کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے اس لئے کہ جو آج احسان پر لمبی چوڑی تعریف کر رہا ہے وہ کل کو اعانت روکنے پر اسی طرح برائیاں شروع کر دے گا اور جو حقیقی مُوَحِّد ہو گا وہ کل کو مذمت بھی نہ کریگا کہ وہ واسطہ کو واسطہ ہی سمجھتا ہے۔

(د) جس پر صدقہ کیا جائے وہ اپنی حاجات اور ضرورتوں کا اِخفا کرنے والا ہو، لوگوں سے اپنی قِلّتِ معاش کا اور آمدنی کی کمی کا اظہار نہ کرتا ہو، بالخصوص وہ شخص جو مُرُوّت والوں میں سے ہو اور اسکی آمدنی پہلے سے کم رہ گئی ہو لیکن اس کی مُرُوّت کی عادت جو آمدنی کی زیادتی کے زمانہ میں تھی وہ بدستور باقی ہو۔ وہ درحقیقت ایسا ضرورت مند ہو۔ جو ظاہر میں غنی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے:۔ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ یہ آیت شریفہ سورۂ بقرہ کے سینتیسویں رکوع کی ہے۔ پوری آیت شریفہ یہ ہے۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝

(ترجمہ) (صدقات) اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو مُقَیَّد ہو گئے ہوں اللہ کی راہ (یعنی دین کی خدمت) میں (اور اسی خدمتِ دین میں مُقَیَّد اور مشغول رہنے سے) وہ لوگ (طلب معاش کے لئے) کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادۃ) اِمکان نہیں رکھتے اور ناواقف شخص ان کو تونگر خیال کرتا ہے اُن کے سُوال سے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم ان لوگوں کو اُن کے طرز سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے (جس سے کوئی اُن کو حاجتمند سمجھے یعنی مانگتے ہی نہیں، کیوں کہ اکثر جو لوگ مانگنے کے عادی ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں) اور (ان لوگوں کی خدمت کرنے کو) جو مال خرچ کرو گے بیشک حق تعالیٰ شانہٗ کو اس کی خُوب اِطلاع ہے (دوسرے لوگوں کو دینے سے ان کی خدمت کا فی نفسہٖ ثواب زیادہ دیں گے)

فائدہ: فی نفسہٖ کی قید اس لئے لگائی کہ اصل میں تو زیادہ ثواب اسی میں ہے لیکن کسی عارض کی وجہ سے اس کے غیر میں بھی ثواب کا زیادہ ہونا ممکن ہے۔ مثلاً ان لوگوں کی حاجت سے زیادہ دوسروں کو حاجت ہو یا یہ توقع ہو کہ ان کی خدمت کوئی اور بھی کر دے گا، دوسرے بالکل محروم رہ جائیں گے، اور جہاں یہ عوارض نہ ہوں وہاں یہ لوگ خدمت کے لئے افضل ہیں اور عارض کی وجہ سے غیر مُتَّقی بلکہ غیر

مؤمن کے ساتھ احسان کرنے میں بھی افضلیت ممکن ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ ہمارے مُلک میں اس آیت کے مِصداق سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو عُلُومِ دِینیہ کی اِشاعت میں مشغول ہیں۔ پس اس بنا پر سب سے اچھا مصرف طالب علم ٹھیرے اور ان پر جو بعض ناتجربہ کار یہ طعن کرتے ہیں کہ ان سے کمایا نہیں جاتا، اس کا جواب قرآن میں دے دیا گیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص ایسے دو کام نہیں کر سکتا جن میں سے ایک میں یا دونوں میں پوری مشغولی کی ضرورت ہو، اور جس کو علمِ دین کا کچھ مذاق ہو گا وہ مُشاہدہ سے سمجھ سکتا ہے کہ اس میں غایت مشغولی اور اِنہماک کی حاجت ہے، اس کے ساتھ اِکتساب مال کا شغل جمع نہیں ہو سکتا، اور اس کے کرنے سے علمِ دین کی خدمت ناتمام رہ جاتی ہے۔ چنانچہ ہزاروں نظائر پیشِ نظر ہیں۔ (بیانُ القرآن بتغیر)

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ شریفہ میں فقراء سے اَصْحابِ صُفّہ مراد ہیں۔ اَصحابِ صُفّہ کی جماعت بھی حقیقت میں طلبہ ہی کی جماعت تھی جو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں ظاہری اور باطنی عُلُوم حاصل کرنے کے لئے پڑے ہوئے تھے۔ محمد بن کعب قُرظیؒ کہتے ہیں کہ اس سے اصحابِ صُفّہ مراد ہیں جن کے نہ گھر تھے، نہ کنبہ۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے اُن پر صدقات کی ترغیب دی ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں، وہ فقراء مُراد ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے راستہ میں جہاد میں روک رکھا ہے (یعنی مشغول کر رکھا ہے) تجارت وغیرہ نہیں کر سکتے (دُرِّ منثور) امام غزالیؒ فرماتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو سُوال میں نہیں لپٹتے۔ اُن کے دل اپنے یقین کی وجہ سے غنی ہیں۔ مُجاہدہؒ نفس پر غالب ہیں۔ ایسے لوگوں کو خاص طور سے تلاش کر کے دیا جائے اور دین داروں کے اندرونی احوال کی خاص طور سے جستجو کی جائے کہ ان کے گذران کی کیا صورت ہے کہ ان پر خرچ کرنے کا ثواب بھیک مانگنے والوں پر خرچ سے کہیں زیادہ ہے لیکن ایسے لوگوں کی جستجو بھی مشکل ہے کہ یہ اپنا حال دوسروں پر کم ظاہر کرتے ہیں اور اسی وجہ سے لوگ ان کو غنی سمجھتے ہیں۔

(۵) یہ کہ آدمی عیال دار ہو یا کسی بیماری میں مُبتلا ہو یا کسی اور ایسے سبب میں گرفتار ہو کہ کما نہیں سکتا تو وہ بھی قرآن پاک کی آیت بالا اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ میں داخل ہے کہ وہ بھی گھرا ہوا ہے، خواہ اپنے فقر میں گھرا ہوا ہو، یا معاش کی تنگی میں گھرا ہوا ہو یا اپنی اصلاحِ قلب کے مشغلہ میں گھرا ہوا ہو کہ یہ لوگ اپنی ان مجبوریوں کی وجہ سے بقدرِ ضرورت کمانے پر قادر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ

بعض گھر والوں کو دس دس بکریاں یا اس سے بھی زائد دیتے تھے اور حضورؐ کے پاس جب فئے کا مال آتا تو بیوی والے کو دوہرا حصہ دیتے اور مجرّد آدمی کو اکہرا حصّہ مرحمت فرماتے۔ فئی کا مال وہ مال کہلاتا ہے جو کفار سے بغیر لڑائی کے حاصل ہوا ہو۔

(۶) یہ کہ رشتہ دار ہو کہ اس میں صدقہ کا ثواب علیحدہ ہے اور صلہ رحمی کا علیحدہ ہے۔ تیسری فصل کی احادیث میں نمبر ۶ پر یہ مضمون گذر چکا ہے۔ ان چھ اوصاف کو ذکر کرنے کے بعد امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ صفات اس شخص میں مطلوب ہیں جس پر خرچ کیا جائے اور ہر صفت میں کمی بیشی کے اعتبار سے درجات کا بہت تفاوت ہے۔ یعنی مثلاً تقویٰ کی اعلیٰ قسم اور ادنیٰ قسم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ قرابت ایک بہت قریب کی ہے اور ایک بہت دور کی۔ اسی طرح دوسرے اوصاف بھی ہیں۔ لہٰذا ہر صفت میں اعلیٰ درجہ کی تلاش اہم ہے، اور کسی شخص میں یہ ساری ہی صفات موجود ہوں تو وہ شخص بڑی غنیمت چیز ہے اور بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ اس پر اپنی کوئی چیز خرچ ہو جانے میں بڑی کوشش کرنا چاہیئے اور ان اوصاف کے ساتھ متصف ہونے والے کی کوشش اور تلاش کرنا چاہیئے۔ اگر اپنی کوشش کے بعد حقیقت میں ایسا شخص مل گیا تب تو نُورٌ علیٰ نُور ہے، اور دوہرا اجر ہے۔ ایک کوشش کا، دوسرا حقیقی مصرف کا۔ اور اگر کوشش کے بعد اپنی تحقیق کے موافق تو ان اوصاف کے متصف ہی پر خرچ کیا تھا اور وہ درحقیقت ایسا نہ تھا بلکہ اس کو معلومات میں غلطی ہو گئی تب بھی اس کو اپنی کوشش کا ایک اجر تو مل ہی گیا کہ اس ایک اجر میں بھی ایک تو اس کے نفس کا بخل سے پاک ہونا ہے دوسرے اللہ تعالیٰ کی محبّت کا اس کے دل میں زور سے جگہ پکڑنا ہے، اور اس کی اطاعت میں اپنی کوشش کا ہونا ہے۔ اور یہ تینوں صفات ایسی ہیں جو اس کے دل کو قوی کرتی ہیں، اور دل میں اللہ تعالیٰ کے ملنے کا شوق پیدا کرتی ہیں لہٰذا یہ منافع تو بہر حال حاصل ہیں اور اگر دوسرا اجر بھی حاصل ہو گیا یعنی صحیح مصرف پر خرچ ہو گیا تو اس میں اور مزید فوائد حاصل ہوں گے کہ لینے والے کی دعاء اور توجہ اس کو شامل ہو گی کہ اللہ کے نیک بندوں کے دلوں کی بڑی تاثیرات اور برکات دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی توجہ اور دعا میں اللہ تعالیٰ شانہ نے بڑی تاثیر رکھی ہے (احیاء العلوم باختصار وزیادۃ)

تمّت

زکریا کاندھلوی

مقیم مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عکسی

فضائل صدقات

حصہ دوم

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

فہرست مضامین فضائل صدقات حصہ دوم ۲

فضائلِ صدقات

حصّہ دوم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

چھٹی فصل

زہد وقناعت اور سُوال نہ کرنے کی ترغیب میں

تالیف کے وقت یہ سب ایک ہی رسالہ تھا، لیکن طباعت کے وقت ضخامت کے بڑھ جانے کی وجہ سے چھٹی، ساتویں فصل کو علیحدہ کر کے حصّہ دوم قرار دے دیا کہ پڑھنے والوں کو اس میں شاید سہولت رہے۔

قناعت کی فضیلت، مصائب پر صبر کی ترغیب وتاکید اور سُوال کرنے کی مَذمّت یہ تینوں چیزیں قرآن پاک اور احادیث میں اتنی کثرت سے مُختلِف عنوانات سے اور مُختلِف مضامین سے، امثالوں سے اور تنبیہوں سے، احکام سے اور قصّوں سے ذکر کی گئی ہیں کہ ان کو اجمالاً اور مُختصراً ذکر کرنا بھی بڑی تفصیل کو چاہتا ہے، جن کا اس مختصر رسالہ میں اِختصار سے لکھنا بھی رسالہ کے طویل ہو جانے کا سبب ہے تاہم مختصراً تو کرنا ہی ہے۔ یہ مضمون دوسری فصل کے ختم پر گذر چکا ہے کہ مال میں نفع بھی ہے نقصان بھی ہے۔ یہ تِریاق بھی ہے زہر بھی ہے۔ حُضور کا پاک ارشاد ہے کہ ہر اُمّت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے میری اُمّت کا فتنہ مال ہے۔ اس لئے اس فتنہ سے اور اس کے زہر سے اپنے کو محفوظ رکھنا بڑی اَہم چیز ہے۔ اور یہ سانپ کسی کے پاس ہو تو اس سے اگر تِریاق بنا لیا جائے تو اپنے لئے بھی مفید ہے دوسروں کو بھی فائدہ ہے۔ ورنہ اس کا زہر اپنے کو بھی ہلاک کرے گا دوسروں کو بھی نقصان پہنچائے گا اسی لئے حُضور کا ارشاد ہے کہ یہ مال سرسبز شاداب اور میٹھی چیز ہے، اگر اس کو حق کے موافق دیعنی

شرعی ضابطہ اور طریقہ کے مُوافق یہ حاصل کرے اور حق کے مُوافق خرچ کرے تو کام آنے والی مددگار چیز ہے، اور جو بغیر حق کے حاصل کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ آدمی کو جُوعُ البَقر ہوجائے کہ آدمی کھاتا ہے اور پیٹ نہ بھرے (مشکوٰۃ)۔

(امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مال میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی ہے۔ اس کی مثال سانپ کی سی ہے کہ جو شخص اس کا منتر جانتا ہے وہ سانپ کو پکڑ کر اس کے دانت نکال دیتا ہے پھر اس سے تریاق تیار کرتا ہے، اور اس کو دیکھ کر کوئی ناواقف شخص اسکو پکڑلے، تو وہ سانپ اسکو کاٹ لے گا اور وہ ہلاک ہوگا۔ اور اس کے زہر سے وہ شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو پانچ چیزوں کا اہتمام کرے۔ ۱؎ یہ غور کرے کہ مال کا مقصد کیا ہے۔ کس غرض سے پیدا کیا گیا۔ تاکہ صرف وہی غرض اس سے وابستہ رکھی جائے۔ ۲؎ مال کے آنے اور حاصل کرنے کے طریق کی سختی سے نگرانی کرے، کہیں اس میں ناجائز طریقہ شامل نہ ہوجائے مثلاً ایسا ہدیہ جس میں رشوت کا شائبہ ہو، یا ایسا سُوال جس میں ذِلّت کا اندیشہ ہو۔ ۳؎ حاجت کی مقدار سے زائد اپنے پاس نہ رہنے دے۔ جتنی مقدار کی واقعی ضرورت ہے وہ تو مجبوری ہے اس سے زیادہ کو فوراً خرچ کردے۔ ۴؎ خرچ کے طریق کی نگرانی کرے کہیں بے محل خرچ نہ ہوجائے، ناجائز موقع پر خرچ نہ ہوجائے ۵؎ مال کی آمد میں، خرچ میں، اور بقدرِ ضرورت روکنے میں، ہر چیز میں نیت خالص ہے۔ محض اللہ کی رضا مقصود ہو جو رکھے یا استعمال میں لادے وہ محض اس نیت سے کہ اس سے اللہ کی اطاعت میں قوت ہو، جو ضرورت سے زائد ہو اس کو لغو و بے کار سمجھ کر جلد خرچ کردے۔ اس کو ذلیل سمجھ کر خرچ کرے، وقیع نہ سمجھے۔ ان شرائط کے ساتھ مال کا ہونا مُضِر نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت علیؓ کا ارشاد ہے، اگر کوئی شخص ساری دُنیا کا مال محض اللہ تعالیٰ کیواسطے لیتا ہے (اپنی غرض سے نہیں) تو وہ زاہد ہے۔ اور اگر بالکل ذرا سا بھی نہیں لیتا اور یہ نہ لینا اللہ کے واسطے نہیں ہے (بلکہ کسی دُنیوی غرض، حُبِّ جاہ وغیرہ کی وجہ سے ہے)، تو وہ دُنیا دار ہے (احیاء)

ایک اور حدیث میں ہے کہ یہ مال سرسبز اور میٹھی چیز ہے۔ جو اس کو حق کے مُوافق حاصل کرتا ہے اس کے لئے اس میں برکت دی جاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دُنیا کیا ہی اچھا گھر ہے اُس شخص کے لئے جو اس کو آخرت کا توشہ بنالے اور حق تعالیٰ شانہٗ کو (اس کے ذریعہ) راضی کرلے، اور کتنا بُرا ہے اُس شخص کے لئے جو اس کو آخرت سے روک دے اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں کوتاہی پیدا کردے۔ (کنز)

غرض بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ مال فی حدِّ ذاتہٖ بُری چیز نہیں ہے اچھی

چیز ہے، کارآمد ہے اور بہت سے دینی اور دُنیوی فوائد اسکے ساتھ وابستہ ہیں۔ اسی لئے روزی کے کمانے کی، مال کے حاصل کرنے کی ترغیبات بھی احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ لیکن چونکہ اس میں ایک زہریلا اور سمّی مادّہ ہے اور قلوب عام طور سے بیمار ہیں۔ اس لئے کثرت سے قرآن پاک کی آیات اور احادیثِ شریفہ میں اس کی زیادتی اور کثرت سے بچنے کی ترغیبیں آئی ہیں۔ اس کی کثرت کو خاص طور سے غیر پسندیدہ بلکہ مُہلک بتایا گیا۔ اسی لئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ جلّ شانُہٗ جس بندہ سے محبّت فرماتے ہیں، دُنیا سے اس کی ایسی حفاظت فرماتے ہیں، اور اس کو اہتمام سے بچاتے ہیں، جیسا کہ تم لوگ اپنے بیمار کو پانی سے بچاتے ہو۔ (مشکوٰۃ) حالانکہ پانی کیسی اہم اور ضروری چیز ہے کہ زندگی کا مدار ہی اس پر ہے، بغیر اس کے زندگی رہ نہیں سکتی۔ لیکن اس سب کے باوجود اگر حکیم کسی بیمار کے لئے پانی کو مُضر بتا دے تو کتنی کتنی ترکیبیں اس کو پانی سے روکنے کی، کی جاتی ہیں، اور یہ کیوں؟ اس لئے کہ مال کی کثرت سے عمُوماً نقصانات زیادہ پہنچتے ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہمارے قلوب ایسے صاف نہیں ہیں کہ وہ اس کے نشہ سے مُتأثر نہ ہوں اسی وجہ سے حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو پانی پر چلے اور اس کے پاؤں پانی میں تر نہ ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسُولَ اللہ ایسا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا یہی حال دُنیا دار کا ہے کہ اس کا گناہوں سے بچنا مشکل ہے (مشکوٰۃ) اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ بُخل، حسد، کبر، عُجب، کینہ ریا، تفاخر وغیرہ قلبی امراض اور گناہ جتنے ہیں وہ مال کی وجہ سے بہت جلد اور بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح آوارگی، شراب نوشی، قمار بازی، سود خواری وغیرہ اور مختلف قسم کے شہوانی گناہ بھی اس کی وجہ سے بہت کثرت سے ہوتے ہیں۔ اور پھر اس کی طبعی محبّت قلوب میں اس درجہ جگہ پکڑے ہوئے ہے کہ آدمی کے پاس جتنا بھی زیادہ سے زیادہ ہو جائے، اس پر ہمیشہ زیادتی کا طالب اور اس کا کوشاں رہتا ہے۔ چنانچہ متعدد روایات میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر آدمی کے پاس دو جنگل سونے کے ہوں تو وہ تیسرے کا طالب ہوتا ہے۔ اور دُنیا کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ کوئی شخص کسی مقدار پر بھی قناعت کرنے والا نہیں ہے اِلّا مَاشَاءَ اللہ۔ اسی وجہ سے قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے قناعت کی ترغیبات دی گئی ہیں کہ یہ جُوعُ البقر کچھ کم ہو۔ اسی وجہ سے دُنیا کی حقیقت اور اس کی گندگی اور ناپائیداری واضح کی گئی کہ اس سے محبّت میں کمی ہو، کہ جو چیز بہرحال بہت جلد زائل ہونے والی ہے اس سے آدمی کیا دِل لگائے۔ دِل لگانے کی چیز صرف وہی ہے جو ہمیشہ رہنے والی اور ہمیشہ کام آنے والی ہو، اور اسی

وجہ سے صبر کی تاکید اور ترغیب کثرت سے وارد ہوئی کہ آدمی اس کی کمی کو مطلقاً مصیبت نہ سمجھے، بلکہ اس میں بھی بسا اوقات اللہ کی بڑی حکمتیں مضمر ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ الآیۃ (سورۂ شوریٰ۔ رکوع ۳) "اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں رزق کی زیادتی وسعت فرما دے تو وہ زمین میں سرکشی شروع کر دیں۔" چنانچہ تجربہ بھی یہی ہے کہ جہاں اس کی کثرت ہے وہیں حد سے زیادہ فسادات ہے اور چونکہ اس کی فراوانی مقصود نہیں اور لوگوں کے دل اس کی طرف طبعاً متوجہ ہوتے ہیں، اسی وجہ سے سوال کرنے کی ممانعت، اس کی قباحت کثرت سے ذکر کی گئی، کہ آدمی مال کی محبت اور کثرت کے فکر میں بلا مجبوری بھی سوال کرنے لگتا ہے کہ اس میں محنت تو کچھ کرنی نہیں پڑتی، ذرا سی زبان ہلانے سے کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے، جس سے مال میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ انہیں تین مضامین قناعت، مصائب پر صبر، اور سوال کی مذمت کے متعلق کچھ آیات اور احادیث اس جگہ لکھی جاتی ہیں۔

آیات

(۱) زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّہَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَۃِ مِنَ الذَّہَبِ وَالْفِضَّۃِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ج وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ قُلْ اَؤُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِکُمْ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّہِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ م بِالْعِبَادِ ○ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا ....

آراستہ کر دی گئی لوگوں کے لئے خواہشات کی محبت (مثلاً) عورتیں ہوئیں اور بیٹے ہوئے اور ڈھیر لگے ہوئے سونے اور چاندی کے اور نشان لگے ہوئے (یعنی عمدہ اور اعلیٰ) گھوڑے اور دوسرے مویشی اور زراعت (لیکن یہ سب چیزیں) دنیوی زندگی کی استعمال چیزیں ہیں اور انجام کار کی خوبی (اور کام آنے والی چیز تو) اللہ ہی کے پاس ہے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم اُن سے کہہ دو کیا میں تم کو ایسی چیز بتا دوں جو (بدرجہا) بہتر ہو ان سب چیزوں سے (وہ کیا ہے غور سے سنو) ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کے رب کے پاس

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ○ (آلِ عمران، رکوع ۲)

ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُن میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے اور اُن کے لئے وہاں) ایسی بیبیاں ہیں جو ہر طرح پاک صاف ستھری ہیں اور (ان سب سے بڑھ کر چیز) اللہ کی خوشنودی ہے اور اللہ تعالےٰ بندوں کے احوال کو خوب دیکھنے والے ہیں (یہ لوگ جن کے لئے یہ آخرت کی چیزیں ہیں ایسے لوگ ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ہیں، پس آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا دیجئے۔ یہ لوگ (وہ ہیں جو مصیبتوں پر) صبر کرنے والے ہیں، سچ بولنے والے ہیں (اللہ تعالیٰ کے سامنے) عاجزی کرنے والے ہیں، اور (نیک کاموں میں مال) خرچ کرنے والے ہیں، اور پچھلی رات میں گناہوں کی معاف چاہنے والے ہیں۔

ف: حق تعالیٰ شانہٗ نے ان سب چیزوں کی محبّت کو شہوتوں کی محبّت سے تعبیر کیا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ شہوت کی افراط ہی کا نام عشق ہے جو بیماری ہے ایسے دل کی جو تفکّرات سے خالی ہو۔ اس کا علاج ابتداء ہی سے کرنا ضروری ہے کہ اس کی طرف نظر کم کر دے، اس کی طرف التفات کم کر دے۔ ورنہ جب التفات بڑھ جائے گا تو ہٹانا مشکل ہو جائے اور ابتداء میں بہت سہل ہے۔ یہی حال ہے ہر چیز کے عشق کا، مال ہو، جاہ ہو، جائداد ہو، اولاد ہو، حتّٰی کہ پرندوں (کبوتر وغیرہ) سے کھیلنے کا اور شطرنج وغیرہ سے کھیلنے کا بھی یہی حال ہے کہ یہ سب چیزیں جب آدمی پر مسلّط ہو جاتی ہیں تو اس کے دین اور دُنیا دونوں کو برباد کر دیتی ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص سواری پر سوار ہے۔ اگر وہ جانور کی باگ اسی وقت دوسری طرف پھیر دے جب وہ بے جگہ جانے کا رُخ کر رہا ہو، تو اُس وقت بہت آسانی سے وہ جگہ پر پڑ سکتا ہے۔ لیکن جب وہ جانور کسی دروازے میں گھس جائے اور سوار پھر دُم پکڑ کر پیچھے کو کھینچنا چاہے تو پھر بڑی سخت دُشواری ہو جاتی ہے اس لئے ان سب چیزوں کی محبّت کو ابتداء ہی سے نگاہ میں رکھے کہ اعتدال سے نہ بڑھنے دے (احیاء) علماء نے فرمایا ہے کہ دُنیا کی جتنی بھی چیزیں ہیں وہ تین قسم میں داخل ہیں۔ مَعدنیات، نباتات، حیوانات۔ حق تعالےٰ شانہٗ نے ان آیات میں تینوں کی مثالیں ذکر فرما کر دُنیا کی ساری ہی چیزوں پر متنبّہ فرما دیا۔ بیویوں اور بیٹوں کو ذکر فرما کر آل و اولاد عزیز و اقارب احباب غرض انسانی محبوبوں پر تنبیہ فرما دی۔ اور سونے چاندی کو ذکر فرما کر ساری مَعدنیات پر، اور گھوڑے

مویشی کو ذکر فرما کر ہر قسم کے جانوروں پر اور کھیتی سے ہر قسم کی پیداوار پر، اور یہی چیزیں ساری دُنیا کی کائنات ہیں (احیاء)۔ اور ان سب کو گنوا کر اور ان پر تنبیہ فرما کر ارشاد فرما دیا کہ یہ سب کی سب اس چند روزہ زندگی کے گذران کی چیزیں ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز بھی محبّت کے قابل نہیں، دِل لگانے کے قابل نہیں۔ دِل لگانے کی چیزیں صرف وہی ہیں جو پائدار ہیں، ہمیشہ رہنے والی ہیں، ہمیشہ کام آنے والی ہیں اور ان میں سب سے بڑھ کر اللہ کی رِضا ہے، اس کی خوشنودی ہے وہ دُنیا اور آخرت کی ہر چیز پر فائق ہے، ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔

دوسری جگہ جنّت کی نعمتوں کو ذکر فرما کر ارشاد ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (توبہ۔ ع ۹) کہ "اللہ تعالیٰ کی رِضامندی ان سب چیزوں سے بڑھی ہوئی ہے اور وہی چیز ہے جو بڑی کامیابی ہے"۔ اور حقیقت بھی یہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی برابری نہ دُنیا کی کوئی چیز کر سکتی ہے نہ آخرت کی کوئی نعمت اس کے برابر ہے۔ آیاتِ بالا میں دُنیا کی ساری مرغوبات کو تفصیل سے ذکر فرما کر اس پر متنبّہ کر دیا کہ یہ سب محض دُنیوی زندگی کے اسباب ہیں۔ اور پھر بار بار قرآنِ پاک میں اس چیز پر تنبیہ فرمائی گئی، مختلف عنوانات سے نصیحت کی گئی، کہیں دُنیا طلبی کی مذمّت کی گئی، کہیں دُنیا کو ترجیح دینے والوں کی قباحت بیان کی گئی، کہیں اس کی بے ثباتی پر تنبیہ کی گئی، کہیں اس کو محض دھوکا بتایا گیا تاکہ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے کہ دُنیا اور دُنیا کی ہر چیز محض عارضی، محض ضرورت پورا کرنے کی چیز ہے۔ نہ یہ دائمی ہے، نہ دل لگانے کی چیز ہے۔ اسی سلسلہ کی چند آیات پر اس جگہ تنبیہ کرتا ہوں:

(۱) اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ (بقرہ۔ ع ۱۰) "یہی لوگ ہیں جنہوں نے دُنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلہ میں خرید لیا۔ پس نہ تو اُن کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی، نہ ان کی کسی قسم کی مدد کی جائے گی"۔

(۲) فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ (البقرہ۔ ع ۲۵) "پس بعض آدمی تو ایسے ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں تو جو کچھ دینا ہے دُنیا ہی میں دیدے (پس ان کو جو کچھ ملنا ہوگا دنیا ہی میں مل

جائے گا) اُن کے لئے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں۔ اور بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔ اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے حصّہ ہے، اُس چیز سے جو انہوں نے (نیک اعمال سے) کمایا ہے۔

(۳) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ○ (بقرہ۔ ع ۲۵) "اور بعض آدمی بیچ دیتے ہیں اپنی جان کو، اللہ کی رضا کی چیزوں میں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں پر مہربان ہیں۔

(۴) زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (بقرہ۔ ع ۲۶) دُنیوی معاش کفّار کے لیے آراستہ کر دی گئی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ مسلمان جو کفر و شرک سے بچتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کافروں سے (درجوں میں) بلند ہوں گے اور آدمی کو محض فراغِ معیشت پر غرور نہ کرنا چاہیئے کیونکہ) روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں، بے حساب دے دیتے ہیں۔" (اس لئے محض امیر ہونا کوئی فخر کی چیز نہیں ہے)۔

(۵) وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ (آلِ عمران۔ ع ۱۴) "اور یہ (دُنیا کی زندگی کے دن) اُن کو ہم لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں" (یعنی کبھی ایک قوم غالب ہوگئی کبھی دوسری غالب ہوگئی) اس لئے غالب یا مغلوب ہونے کی فکر سے زیادہ اَہم اور زیادہ ضروری آخرت کی فکر ہے۔

(۶) قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ○ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ (نساء۔ ع ۱۱) آپ کہہ دیجئے کہ دُنیا کا تمتع بہت تھوڑا (چند روزہ) ہے اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔ اور تم پر ذرّہ برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا، تم چاہے کہیں بھی ہو، وہاں ہی موت آکر رہے گی، اگرچہ تم قلعی چونہ کے قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو" (پھر جب مرنا بہر حال ہے تو اس کی فکر ہر وقت رہنا چاہیئے)۔

(۷) وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۘ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ (نساء۔ ع ۱۳) اور ایسے شخص

کو جو تمہارے سامنے اطاعت (کی علامت) ڈال دے (مثلاً السلام علیکم کرے یا کلمہ پڑھے) یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو (دل سے) مسلمان نہیں۔ تم دُنیاوی زندگی کا سامان ڈھونڈتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سے غنیمت کے مال ہیں۔

فائدہ: یہ آیتیں اس پر تنبیہ ہیں کہ بعض مسلمانوں نے بعض کافروں کو جو اپنے کو مسلمان بتاتے تھے، مالِ غنیمت کے شوق میں قتل کر دیا تھا، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ محض دُنیا کمبخت کا مال کمانے کے لئے یہ ناپاک حرکت کی گئی۔ بہت سی اَحادیث میں ان واقعات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک مسلمان نے ایک کافر پر حملہ کیا۔ اس نے جلدی سے کلمہ پڑھ لیا۔ اُس مسلمان نے پھر بھی اس کو قتل کر دیا، حضورؐ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو حضورؐ نے اس مسلمان سے مطالبہ کیا۔ اس نے یہ مَعذرت کی کہ اس شخص نے محض ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تُو نے اس کے دل کو چیر کے دیکھ لیا تھا کہ اس نے ڈر کی وجہ سے پڑھا ہے؟ اس کے بعد اس مسلمان کی موت بہت بُری طرح سے ہوئی (دُرِّ منثور)۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے حدُود سے تجاوُز کی اجازت کسی جگہ نہیں دی۔ دوسرا مضمون شروع ہو جائے گا، اس لئے اس کو نہیں لکھتا۔ لیکن محض دُنیوی اَغراض کی وجہ سے کفّار پر زیادتی کی بھی شریعت ہرگز اجازت نہیں دیتی۔ بہت سی آیات، بہت سی روایات اس مضمون میں وارد ہیں۔ سورۂ مائدہ کے شروع میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ الْاٰیة (رکوع ۱) "یعنی کفّارِ مکّہ نے جو تم کو عمرۂ حُدَیبیہ کے موقع پر مکّہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور بغیر عمرہ کے تم کو مکّہ مکرّمہ کے قریب سے بے نَیلِ مَرام واپس ہونا پڑا، اس کا غصّہ تم کو حُدود سے نہ نکلنے دے۔ ایسا ہرگز نہ ہو کہ تم تعدّی کرنے لگو۔ نیکی اور تقوے میں ایک دوسرے کی اِعانت کرو۔ اور گناہ اور ظلم میں کسی کی اِعانت نہ کرو۔" اسی سورت شریف کے دوسرے رکوع میں ارشاد ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ الْاٰیة "اے مسلمانو تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اس کے احکام کی پوری پابندی کرنے والے بنو، اور (کہیں نوبت آجائے تو) گواہی انصاف کے ساتھ دو۔ کسی قوم کے ساتھ عداوت تم کو عدل وانصاف سے نہ ہٹاوے۔" غرض بہت سی جگہ ان اُمور پر تنبیہ کی گئی۔ دُنیا کی محبّت آدمی کی عقل کو بھی بے کار کر دیتی ہے۔

(۸) وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۚ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

يَتَّقُوْنَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (انعام ۔ ع ۴) "اور دُنیوی زندگانی کچھ بھی نہیں ہے بجز لہو ولعب کے، اور آخرت کا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے کیا تمہیں عقل نہیں ہے۔" (جو ایسی صاف واضح بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی کہ دُنیا کے اس لہو ولعب کو آخرت کی عمدہ زندگی سے کچھ بھی مناسبت نہیں)۔

(۹) وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (انعام ۔ ع ۸) "ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش (دیکھو اور علیحدہ) رہو، جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے۔ اور دُنیوی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔"

(۱۰) وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ (انعام ۔ ع ۱۱) "اور تم ہمارے پاس (مرنے کے بعد) تنہا تنہا ہوکر آگئے، جس طرح ہم نے تم کو دُنیا میں اوّل مرتبہ پیدا کیا تھا (کہ ہر شخص الگ الگ پیدا ہوا تھا) اور جو کچھ ہم نے تم کو (دُنیا میں مال ومتاع، ساز وسامان) عطا کیا تھا اس کو وہیں چھوڑ آئے۔"

فائدہ: یعنی جس طرح آدمی ماں کے پیٹ سے بغیر مال متاع پیدا ہوتا ہے اسی طرح قبر کی گود میں تن تنہا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ مال ومتاع یہاں کا یہاں ہی رہ جائے گا بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنی زندگی میں جمع کرا دیا ہو کہ وہ سب جمع شدہ مال وہاں پورا کا پورا مِل جائے گا بلکہ سرکاری خزانہ سے اس میں اضافہ بھی ملے گا۔

(۱۱) وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (اعراف ۔ ع ۶) "اور دُنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔"

(۱۲) فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا (اعراف ۔ ع ۲۱) "پس (نیک بندوں کے بعد) ایسے لوگ اُن کے جانشین ہوئے کہ کتاب کو تو اُن سے حاصل کیا (لیکن ایسے حرام خور ہیں کہ کتاب کے احکام کے بدلہ میں) اس دُنیائے دنی کا مال ومتاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی (کیوں کہ ہم اللہ کے لاڈلے ہیں)۔"

(۱۳) وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (اعراف ۔ ع ۲۱) "اور آخرت کا گھر بہتر ہے متقی لوگوں کے واسطے، کیا تم بالکل عقل نہیں رکھتے (جو ایسی کھلی ہوئی صاف بات بھی نہیں سمجھتے)۔"

(۱۴) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

(انفال۔ ع ۳) "تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اَموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے (تاکہ ہم اس کا امتحان کریں کہ کون شخص اُن کی محبّت کو ترجیح دیتا ہے اور کون شخص اللہ تعالےٰ کی محبّت کو ترجیح دیتا ہے) اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ (جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبّت کو ترجیح دیتا ہے، دُنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی کے لئے کارآمد بناتا ہے اس کیلئے) اللہ تعالےٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔"

(۱۵) تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ (انفال۔ ع ۹) "تم تو دُنیا کا مال اَسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ شانہٗ (تم سے) آخرت کو چاہتے ہیں یعنی یہ کہ تم آخرت کی فکر میں رہو، اس کی تیاری میں ہر وقت مشغول رہو۔"

(۱۶) اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ (توبہ۔ ع ۶) "کیا تم لوگ آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں دُنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے، دُنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

(۱۷) اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ لا اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (یونس۔ ع ۱) (جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی اُمید نہیں ہے اور وُہ دُنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس سے انہیں اطمینان حاصل ہو گیا، اور جو لوگ ہماری تنبیہوں سے غافل ہو گئے ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے اَعمال کی وجہ سے جہنم ہے۔")

(۱۸) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (یونس۔ ع ۳) اے لوگو! سن لو، یہ

تمہاری سرکشی تمہارے لئے وبال ہونے والی ہے۔ دُنیوی زندگی میں (چند روز اس سے) نفع اُٹھا رہے ہو پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے۔ پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو جتلا دیں گے۔ بس دُنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس پانی سے زمین کی نباتات (زمین سے اُگنے والی چیزیں) جن کو آدمی اور جانور کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے یہاں تک کہ جب زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خُوب زیبائش ہو گئی (یعنی پیداوار سبزہ وغیرہ خُوب شباب پر ہو گیا) اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ ہم اس پیداوار پر بالکل قابض ہو چکے ہیں تو ایک دم اس پیداوار پر ہماری طرف سے دن میں یا رات میں کوئی حادثہ پڑا (پالا، ٹڈی وغیرہ) پس ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا وہ کل یہاں موجود ہی نہ تھی (یہی حالت بِعَیْنِہٖ اس دُنیا کی زندگی اور اس کی رونق اور زیب وزینت کی ہے کہ وہ اپنے پورے شباب اور کامل زیب و زینت کے باوجود دم میں ایسی زائل ہو جاتی ہے کہ گویا تھی ہی نہیں) اسی طرح ہم آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے جو سوچتے ہیں (اور جو سوچنے کا ارادہ نہیں کرتا وہ کیا سمجھے) اور (جب دُنیا کی اور اس کی زیب وزینت کی یہ حالت ہے کہ ناپائیدار اور خطرہ کی چیز ہے بس اسی لئے) حق تعالیٰ شانہٗ تم کو دارُ البقاء (جو گھر پائیدار ہے اور اس کو کوئی خطرہ نہیں ہے) کی طرف بُلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔"

(۱۹) قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

(یونس۔ ع ۶)۔ (پہلے سے قرآنِ پاک کی خوبیاں بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہے) آپ کہہ دیجئے (کہ جب قرآنِ پاک ایسی چیز ہے) پس لوگوں کو خدا کے انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیئے (کہ اس نے اتنی بڑی دولت ہم کو عطا فرمائی) وہ (اس دُنیا سے بدرجہا) بہتر ہے جس کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں (اس لئے کہ دُنیا کا نفع بہت تھوڑا اور بہت جلد زائل ہو جانے والا ہے اور قرآنِ پاک کا نفع بہت زیادہ اور ہمیشہ رہنے والا ہے)"۔

(۲۰) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (ہود۔ ع ۲) "جو شخص (اپنے نیک اعمال سے) دُنیاوی زندگی اور اس کی رونق چاہتا ہے (جیسے مال ومتاع یا شہرت ونیک نامی وغیرہ) ہم ان

لوگوں کے اعمال (کا بدلہ) اُن کو دُنیا ہی میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں اور اُن کیلئے دُنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں بُجز دوزخ کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب کا سب بیکار ثابت ہوگا۔ اور (حقیقت میں) یہ جو کچھ کر رہے ہیں سب باطل (بیکار) ہے

(۲۱) اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝ (رعد۔ ع ۴) "اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے، (رحمت اور غضب کا یہ مدار نہیں ہے) یہ لوگ دنیاوی زندگی پر خوش ہوتے ہیں (اور اس کی عیش و عشرت، راحت و آرام پر اتراتے ہیں) حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دُنیاوی زندگی ایک متاعِ قلیل ہے (کچھ بھی نہیں ہے، چند روزہ زندگی کے دن کاٹتے ہیں جس طرح بھی گزر جائیں)"

(۲۲) لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (حجر۔ ع ۶) "آپ اپنی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اُس (زیب و زینت اور مال و متاع، راحت و آرام) کو جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو (اہلِ کتاب ہوں یا مشرکین) دے رکھا ہے برتنے کے لئے (کہ چند روز کے فوائد اس سے اُٹھالیں اور پھر یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا)۔"

(۲۳) مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ (نحل۔ ع ۱۳) "جو کچھ تمہارے پاس (دُنیا میں) ہے وہ ایک دن ختم ہو جائے گا (خواہ وہ جاتا رہے یا تم مرجاؤ، دونوں حال میں ختم ہوگیا) اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔"

(۲۴) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ (نحل۔ ع ۱۴) "یہ (جو عذاب اُوپر کی آیات میں ذکر کیا گیا) اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں نے دُنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب رکھا۔"

(۲۵) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل۔ ع ۲) "جو

شخص دُنیا کا ارادہ کرتا ہے (اور اپنی کوشش اور اعمال کا ثمرہ صرف دُنیا ہی میں چاہتا ہے) ہم اس کو دُنیا میں جتنا چاہتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں (نہ یہ ضروری ہے کہ ہر شخص کو دے دیں۔ جس کو ہمارا دِل چاہتا ہے دیتے ہیں اور جس کو دیتے ہیں اس کو بھی یہ ضروری نہیں کہ جتنا وہ مانگے سب دیدیں۔ جتنا ہمارا دِل چاہتا ہے دیتے ہیں) پھر آخرت میں اس کے لئے جہنّم تجویز کر دیتے ہیں کہ وہ اس میں بدحال راندہ ہو کر جلتا رہے گا، اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لئے جیسی کوشش کرنا چاہئے، کرے، بشرطیکہ وہ مومن ہو، ایسے لوگوں کی کوشش اللہ کے یہاں مقبول ہے۔ ہر فریق کی (دُنیا دار ہو یا دین دار) آپ کے رب کی عطا میں سے ہم مدد کرتے ہیں۔ اور آپ کے رب کی (یہ دُنیاوی عطا) کسی سے بھی بند نہیں کی گئی آپ خود ہی دیکھ لیں کہ اس دُنیاوی عطا میں ہم نے ایک کو دوسرے پر (خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر) کیسی فوقیت دے رکھی ہے (آپ اس سے خود ہی اندازہ کر لیں گے، کہ عطا کسی اور کی طرف سے ہے کہ ایک شخص کو کوشش سے بھی بہت کم ملتا ہے اور دوسرا بغیر کوشش کے بھی بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے) اور آخرت (جو مخصوص ہے ایمان کے ساتھ اس دُنیا سے) درجوں کے اعتبار سے بہت بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔"

(۲۶) وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ○ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ○ (کہف۔ رع ۶) "آپ ان لوگوں سے دُنیوی زندگی کی مثال بیان کیجئے، وہ ایسی ہے جیسا کہ ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو، پھر اس کی وجہ سے زمین کے نباتات (پیداوار) خوب گنجان ہو گئے ہوں پھر (خوب سرسبز و شاداب ہو کر ایک دم کسی حادثہ سے خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے کہ اس کو ہوا اُڑائے اُڑائے پھرتی ہو (بالکل یہی حالت دنیاوی زندگی اور اس کی عَیش و عشرت اور مال و متاع کی ہے کہ آج سب کچھ ہے اور ایک دم کوئی مصیبت آئے تو کچھ بھی نہ رہا، اور اب تو زمانہ اس کو اپنی آنکھوں سے خوب ہی دیکھ رہا ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (جب چاہے جس کو چاہے امیر بنا دے، جس کو چاہے لکھ پتی سے فقیر بنا دے۔ جس کو چاہے صاحبِ اولاد کر دے اور جس کو چاہے بڑی اولاد اور کنبہ والا ہونے پر دم کے دم میں اکیلا کر دے

تو یہ سمجھ لو کہ) مال اور اولاد دُنیوی زندگی کی صرف ایک رونق ہے اور جو نیک اعمال ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں وہ ثواب اور بدلہ کے اعتبار سے بھی (بدرجہا) بہتر ہیں، اور امید کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں (کہ ان کی ہی اُمیدیں لگانی چاہئیں، اور ان اُمیدوں کے پورا ہونے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

(۲۷) يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۝ (طٰہٰ۔ ع ۵)۔ (اوپر کی آیات میں قیامت کے آنے کا اور صُور پھونکے جانے کا ذکر ہے اُس دن یہ مجرم لوگ) چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے (اور ایک دوسرے سے کہتے ہوں گے) کہ تم لوگ (دنیا میں) صرف دس دن رہے ہو گے جس بات کو وہ کہیں گے ہم اس کو خوب جانتے ہیں جبکہ اُن میں کا زیادہ صائبُ الرّائے کہے گا کہ نہیں تم تو ایک ہی دن رہے ہو (اس کو زیادہ صائبُ الرّائے ان میں کا اس لئے کہا کہ اس کا قول ایک دن کا بمقابلہ دس دن کے زیادہ قریب ہے ویسے تو آخرت کے دنوں کے اعتبار سے دنیا کی ساری زندگی ایک دن کیا اس کا دسواں حصّہ بھی نہیں ہے، یہ ہے حقیقت دُنیا کے سارے قیام کی آخرت کے مقابلہ میں)۔

(۲۸) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ط وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقَىٰ ۝ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ط نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝ (طٰہٰ۔ ع ۸) "اور ہرگز آنکھ اُٹھا کر بھی آپ اُن چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جن سے ہم نے ان (دُنیا داروں) کے مختلف گروہوں کو اُن کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ سب کچھ محض دُنیوی زندگی کی رونق ہے (اور آزمائش اس کی ہے کہ کون اس مال متاع میں بندگی کا حق ادا کرتا ہے اور کون نہیں کرتا) اور آپ کے رب کا عطیہ (جو آخرت میں ملے گا، وہ اس سے بدرجہا) بہتر اور پائدار ہے اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کرتے رہیں اور خود بھی اُس کے اُوپر جمے رہیں۔ ہم آپ سے روزی کموانا نہیں چاہتے۔ روزی تو آپ کو ہم دیں گے اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔"

(۲۹) اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝ (الانبیاء۔ ع ۱)

"لوگوں کے لئے اُن کے حساب (کتاب) کا دن آپہنچا، اور وہ غفلت میں اعراض کئے ہوئے پڑے ہیں۔"

(۳۰) حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا

فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا ؕ اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا ○ (مؤمنون، ع ۶) حتّٰی کہ جب ان میں سے کسی کے سر پر موت آجاتی ہے (اور آخرت کے احوال کھلنے لگتے ہیں)، تو کہتا ہے اے میرے رب مجھے (موت سے بچا کر) دُنیا میں پھر بھیج دیجئے تاکہ جس (دُنیا کو اور اس کے مال و متاع) کو چھوڑ آیا ہوں اس میں (واپس جا کر) نیک کام کروں (حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں) ایسا ہرگز نہیں ہوگا (جس کا وقت آچکا ہے وہ ٹلتا نہیں) یہ (شخص جو کچھ کہہ رہا ہے وہ فضول) ایک بات ہے جس کو وہ کہہ رہا ہے۔"

(۳۱) قٰلَ کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ○ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ ○ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ (مؤمنون، ع ۶)۔ (قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ان لوگوں کی حسرت و افسوس بڑھانے کے لئے) ارشاد ہوگا (اچھا یہ بتلاؤ) کہ تم دُنیا میں کتنے برس رہے تھے، وہ (وہاں کے زمانہ کے طُول کے لحاظ سے) کہیں گے ہم تو (دُنیا میں) ایک دن یا اس سے بھی کم رہے ہوں گے (اور سچ تو یہ ہے کہ ہمیں خواب کی طرح سے یہ بھی اندازہ نہیں کہ کتنا وقت گذرا) پس گننے والوں سے (یعنی فرشتوں سے جو ہر چیز کا حساب لکھتے تھے) پوچھ لیں (کہ ہم کتنا تھوڑا ٹھیرے تھے) ارشاد ہوگا کہ جب تم اتنا کم ٹھیرے تھے تو کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم (یہ بات) جان لیتے (کہ یہ دُنیا محض چند روزہ ہے، بہت ہی تھوڑے دن یہاں قیام ہے۔ اچھا یہ تو بتاؤ) کہ کیا تم یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے تم کو یوں ہی بے کار پیدا کیا (کوئی غرض تمہارے پیدا کرنے سے نہیں تھی حالانکہ ہم نے قرآن پاک میں صاف صاف بتا دیا تھا کہ جن و انس کی پیدائش ہم نے محض عبادت کے لئے کی ہے کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ) تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے۔"

(۳۲) وَکَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَھَا ج فَتِلْکَ مَسٰکِنُھُمْ لَمْ تُسْکَنْ مِّنْ بَعْدِھِمْ اِلَّا قَلِیْلًا ط (قصص، ع ۶)۔ (یہ لوگ جو اپنی خوش عیشی پر نازاں ہیں ان کی حماقت ہے اُن کو خبر نہیں کہ) ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامانِ عیش پر نازاں تھے۔ پس (تم خود ہی دیکھ لو کہ) یہ اُن کے گھر (خالی پڑے ہوئے ہیں جو) اُن کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے مگر تھوڑی دیر کو۔"

(۳۳) وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُھَا ج وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ

خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ع (قصص ۔ ع ۶) "پس جو کچھ تم کو (دُنیا میں عیش و عشرت اور راحت و آرام کا سامان) دیا گیا ہے، وہ محض دُنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے ۔ اور (اسی چند روزہ زندگی کی) زیب و زینت ہے (جو بہت جلد زائل ہو جانے والی ہے) اور اللہ (جَلَّ شَانُہٗ) کے یہاں جو اجر و ثواب ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے ۔ کیا تم اتنی بات نہیں سمجھتے"

(۳۴) اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ (قصص ۔ ع ۷) "کیا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ (آخرت کا) کر رکھا ہے، پھر وہ شخص اس موعود چیز کو پانے والا بھی ہے، ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دُنیوی زندگی کا کچھ متاع (معمولی فائدہ) دے رکھا ہے ۔ پھر قیامت کے دن یہ شخص (اپنے جرموں کی پاداش میں) گرفتار کر لیا جائے گا"

(۳۵) قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ (قصص ۔ ع ۸) "جو لوگ طالبِ دُنیا تھے وہ (تو قارون کی زیب و زینت کو دیکھ کر) کہنے لگے کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم کو بھی ایسا ہی ساز و سامان ملتا جیسا کہ قارون کو ملا ہے وہ تو بڑا صاحبِ نصیب ہے ۔ (قارون کا مفصّل قصّہ عبرتناک زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے بیان میں پانچویں فصل کی آیات کے سلسلہ میں نمبر ۳ پر گذر چکا ہے ۔ دولت اور ثروت کی کثرت کا اگر اس کو اللہ تعالےٰ کی رضا کا ذریعہ نہ بنایا جائے تو یہی حشر ہے ۔)

(۳۶) وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ (عنکبوت ۔ ع ۷) "اور یہ دُنیوی زندگی بجز لَہو و لَعِب کے کچھ بھی نہیں ہے ۔ اور اصل زندگی (جو حقیقت میں زندگی کہلانے کے لائق ہے) وہ آخرت ہی کی زندگی ہے ۔ کاش یہ لوگ اس بات کو (اچھی طرح) جان لیتے (تو پھر آخرت کے لئے کیسی کوشش کرتے)"

(۳۷) يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (روم ۔ ع ۱) "یہ لوگ دُنیوی زندگی کی صرف ظاہری حالت کو جانتے ہیں (اسی کی کوشش کرتے ہیں، اسی پر جان دیتے ہیں) اور یہ لوگ آخرت سے بالکل غافل ہیں" (نہ وہاں کے ثواب کی تمنّا، نہ

وہاں کے عذاب کا خوف)۔

(۳۸) يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ز وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ط اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ○ (لقمان ۔ ع ۴) "اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو، جس میں نہ کوئی باپ اپنی اولاد کی طرف سے کوئی مُطالبہ پورا کرسکتا ہے، نہ کوئی اولاد اپنے باپ کی طرف سے ہی کوئی چیز ادا کرسکتی ہے بیشک اللہ کا وعدہ (جو آخرت کے مُتعلق ہے) سچا ہے۔ پس تم کو دُنیا کی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے (کہ تم اُس میں لگ کر آخرت کے دن کو بھول جاؤ) اور نہ تم کو دھوکہ باز (شیطان) اللہ تعالےٰ سے دھوکہ میں ڈال دے (کہ تم اُس کے بہکانے میں آکر اللہ تعالےٰ کے عذاب سے بے فکر ہوجاؤ، اور یہ سمجھنے لگو کہ ہمیں عذاب نہ ہوگا"۔

حضرت سعید بن جُبیرؒ فرماتے ہیں "کہ تم کو شیطان اللہ تعالےٰ کیساتھ دھوکہ میں نہ ڈالے" کا مطلب یہ ہے کہ تم گناہ کرتے رہو اور اللہ تعالےٰ سے مغفرت کی آرزو کرتے رہو۔ (درمنثور) یعنی حق تعالےٰ شانہٗ سے مغفرت طلب کرنے کا مُنہ جب ہے جب پختہ طور پر گناہوں سے توبہ کرو، گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کرو۔ پھر اللہ تعالےٰ سے گذشتہ گناہوں کی مغفرت چاہو۔ اور یہ حماقت ہے کہ دن بھر گناہوں سے منہ کالا کرتے رہو، اور زبان سے کہتے رہو کہ یا اللہ تو معاف کر۔ جیسا کہ اسی فصل کی حدیث نمبر ۱۸ پر مُفصّل آرہا ہے، اور اس مضمون کی آیت دوسری بھی آرہی ہے۔

(۳۹) يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ○ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ (احزاب ۔ ع ۴) "اے نبی (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) تم اپنی بیبیوں سے (بھی دو ٹوک صاف صاف بات) کہہ دو کہ اگر تم کو دُنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہیئے تو آؤ مَیں تم کو کچھ دُنیوی مال و متاع (مہر نفقہ وغیرہ) دے دوں اور تم کو خوبی (اور خوش دلی) کے ساتھ (طلاق دے کر) رخصت کردوں، اور اگر تم اللہ (تعالےٰ کی رضا) کو اور اس کے رسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے نکاح میں تنگی اور فقر و فاقہ کے ساتھ رہنے) کو اور آخرت (کے عالی درجوں) کو چاہتی ہو، تو (یہ دِل نشین کرلو کہ) تم میں سے

نیکی کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر وثواب تیار کر رکھا ہے (جو جتنی زیادہ نیکی کریگی اتنا ہی زیادہ اجر وثواب پاوے گی)"۔

(۴۰) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُورُ ○ (فاطر۔ ع ۱)، اے لوگو (اچھی طرح سمجھ لو، خوب دل میں جمالو کہ) بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ دُنیوی زندگی تم کو دھوکہ میں ڈال دے اور ایسا نہ ہو کہ دھوکہ باز (شیطان) تم کو اللہ تعالیٰ سے دھوکہ میں ڈال دے (کہ اس کے دھوکہ میں آکر تم اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے بے فکر ہو جاؤ)"۔

حضرت سعید بن جُبیرؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ دُنیا کا دھوکہ میں ڈالنا یہ ہے کہ اس میں مشغول ہو کر آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاؤ، اور شیطان کا دھوکہ یہ ہے کہ گناہ کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی تمنا کرتے رہو (دُرِّ منثور)۔

(۴۱) يٰقَوْمِ إِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّإِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ○ (مومن۔ ع ۵)۔ (فرعون کے خاندان کے اُس مؤمن شخص نے جس نے اپنے ایمان کو مخفی کر رکھا تھا اپنی برادری کو نصیحت کرتے ہوئے کہا" اے قوم یہ دُنیوی زندگی محض چند روزہ ہے اور اصل ٹھیرنے کی جگہ تو آخرت ہی ہے"۔

(۴۲) مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِي حَرْثِهٖ ج وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيبٍ ○ (شوریٰ۔ ع ۳) جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو (یعنی جیسا کھیتی کے لئے بیج بویا جاتا ہے پھر اس کو پانی وغیرہ دیا جاتا ہے تاکہ پھل پیدا ہو، اسی طرح وُہ آخرت کی کھیتی کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے بیج ڈال کر اس کی پرورش کرتا ہے ایمان سے اور اعمالِ صالحہ سے) ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دُنیا کی کھیتی کا طالب ہو (کہ ساری کوشش اسی زندگی پر خرچ کر دے) تو ہم اسکو دُنیا میں سے کچھ دے دیں گے اور ایسے شخص کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہے"۔

(۴۳) فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى لِلَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ○ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبٰٓئِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ○ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا

الصَّلٰوۃَ ص وَ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ ص وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ
اِذَآ اَصَابَھُمُ الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ○ (شوریٰ۔ ع ۴) ''پس جو کچھ تم کو (اس دنیا میں) دیا
گیا وہ محض چند روزہ زندگی کے برتنے کے لئے ہے (بہت جلد فنا ہو جانے والا ہے اور آخرت میں) جو کچھ
اللہ تعالےٰ کے پاس ہے وہ بدرجہا بہتر اور پائدار ہے۔ وہ[۱] ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے اور
اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں اور جو کبیرہ گناہ سے اور بے حیائی کی باتوں سے احتراز کرتے ہیں اور
جب اُن کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ اور[۲] (یہ وہ لوگ ہیں) جنھوں نے اپنے رب کا کہنا مانا اور
نماز کو قائم کیا۔ اور اُن کا (ہر مُہتمم بالشان) کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔ اور[۳] (وہ لوگ ہیں کہ)
ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے اُس میں سے (خوب) خرچ کرتے ہیں۔ اور[۴] جو ایسے (مُنصِف مزاج ہیں) کہ
اگر اُن پر ظلم ہو (اور ان کو بدلہ لینے کی ضرورت پڑے) تو برابر کا بدلہ لیتے ہیں'' (یہ نہیں کہ ایک کے
بدلہ میں دو اور کسی کا بدلہ کسی سے لے) علماء نے لکھا ہے کہ ان آیات میں بعض اہم اُمور اور خُصُوصی اوصاف
کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے چاروں خُلفائے راشدین کی طرف ترتیبِ خلافت سے نمبر وار اشارہ ہے۔

(۴۴) وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (زخرف ع ۳) ''اور آپ کے رب کی رحمت
اس سے بدرجہا بہتر ہے جس (دُنیا) کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔'' (اس کے بعد دُنیوی زیب وزینت کی چند
اشیاء ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہے) وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاط وَ
الْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ (زخرف۔ ع ۳)۔ (اوپر سے سونے چاندی کی چھتوں
اور دروازوں وغیرہ کے ذکر کے بعد ارشاد ہے) اور یہ سب کا سب صرف دُنیوی زندگی کی چند روزہ
کامرانی ہے (دو چار دن کی بہار ہے) اور آپ کے رب کے یہاں آخرت تو مُتقی لوگوں کے لئے ہے۔''

(۴۵) وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ
رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ط
(ذاریات۔ ع ۳) ''اور میں نے جنّ اور انس کو صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں اُن
سے رزق رسانی نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلایا کریں۔ حق تعالےٰ شانہٗ تو خود ہی سب کو
رزق پہنچانے والا، قوی، نہایت قوت والا ہے۔''

(۴۶) اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ

وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ط كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ط وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانٌ ط وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ○ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرُسُلِهِ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ط وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○

(حدید۔ ع ۳) "تم خوب جان لو کہ دُنیوی زندگی (ہرگز ہرگز اس قابل نہیں کہ آدمی اسی میں لگ جائے یہ تو) محض لہو و لعب اور ظاہری زیب و زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا ہے اور اموال و اولاد میں ایک دوسرے پر بڑھوتری ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ مینہ برسا کہ اس کی وجہ سے پیداوار (ایسی بڑھی کہ وہ) کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہونے لگی پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے کہ تُو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے (یہی حالت دُنیا کی زیب و زینت اور بہار کی ہے کہ آج زوروں پر ہے، پھر اضمحلال ہے، پھر زوال ہے)، اور آخرت کی یہ حالت ہے کہ اس میں سخت عذاب ہے۔ (جس سے بچنے کی انتہائی کوشش ہونا چاہیئے) اور خدا تعالےٰ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے (جس کے حاصل کرنے کی کوشش اس کی شان کے مناسب ہونا چاہیئے۔ اور یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ) دُنیا کی زندگی دھوکہ کا سامان ہے (جب دُنیا کی یہ حالت ہے اور آخرت کی یہ کیفیت، تو سعادت کی بات یہ ہے کہ) تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو (اور اس کی شان کے مناسب کوشش کرو اور نہایت اہتمام سے دوڑو) ایسی جنّت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے۔ جو ایسے لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کی طرف سے فضل و احسان ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ شانہٗ بہت زیادہ فضل والے ہیں۔" (مگر کوئی اس کے فضل سے حصہ لینا بھی چاہے)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بچہ جب اس کو کچھ بھی سمجھ شروع ہوتی ہے تو وہ لہو و لعب کی طرف مشغول ہوتا ہے اور اس کے اندر اس کا ایسا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کے مقابلہ میں اس کو کوئی چیز اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ پھر اس کے بعد جب وہ ذرا بڑا ہوتا ہے تو اس میں زیب و زینت، اچھے

کپڑوں کا پہننا، گھوڑے وغیرہ کی سواری کا شوق پیدا ہوتا ہے جس کے سامنے لہو و لعب کی لذت بھی لغو ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اس میں جوانی کی لذتوں کا زور ہوتا ہے۔ شہوت پوری کرنے کے مقابلہ میں اس کی نگاہ میں کوئی چیز نہیں رہتی۔ نہ مال و متاع کی وقعت رہتی ہے نہ عزت و آبرو کی، اس کے بعد پھر اس میں بڑائی اور تفاخر اور ریاست کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو پہلے جذبوں پر غالب آجاتا ہے۔ یہ سب دُنیاوی لذات ہیں۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالےٰ کی معرفت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جس کے مقابلہ میں ہر چیز لغو بن جاتی ہے۔ یہی اصل جذبہ ہے جو سب سے زیادہ قوی ہے۔ پس ابتدائی زمانہ میں کھیل کود کی رغبت ہوتی ہے اور بلوغ کے شروع میں شہوت کا زور ہوتا ہے۔ بیس سال کی عمر کے بعد سے ریاست کا جذبہ شروع ہوتا ہے اور چالیس سال کی عمر کے قریب سے علوم اور معرفت کا جذبہ شروع ہوتا ہے۔ جیسا کہ بچپن میں بچہ کھیل کے مقابلہ میں عورتوں کے اختلاط اور ریاست کو لغو سمجھتا ہے، اسی طرح یہ دُنیا داران لوگوں پر ہنستے ہیں جو اللہ کی معرفت میں مشغول ہوتے ہیں، اور یہ اللہ والے سمجھتے ہیں کہ یہ بچے ہیں، بلوغ کے لطف کو جانتے ہی نہیں (احیاء)

اس آیتِ شریفہ میں دُنیوی لذات کے سب انواع کو ذکر فرما کر اس پر تنبیہ فرمائی کہ ساری ہی لذتیں دھوکہ ہیں اور کام آنے والی صرف آخرت اور آخرت کی زندگی ہے۔ دُنیا کی ساری لذتیں اس کھیتی کی طرح ہیں جو لہلہا کر خشک ہو جائے۔ پھر اُس کو ہوا اُڑا کر فنا کر دے۔

(۲۷) اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ (دہر رکوع ۲)

"یہ لوگ دُنیا سے محبت رکھتے ہیں، اور اپنے آگے آنے والے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں (یعنی قیامت کے دن کی نہ تو کوئی فکر ہے نہ اس کی کوئی تیاری ہے۔ دُنیا کی محبت نے ایسا اندھا کر رکھا ہے کہ ذرا بھی تو اس انتہائی مصیبت کے دن کی پرواہ نہیں ہے)"۔

(۲۸) فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۝ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ (النازعات) "پس جس دن وُہ بہت بڑا ہنگامہ (مصیبت کا دن یعنی قیامت کا دن) آجائے گا جس دن آدمی یاد کرے گا کہ دُنیا میں کس کام کے لئے کوشش

کی تھی۔ اور دوزخ اس دن آنکھوں کے سامنے ہوگی (اس دن کا قانون یہ ہے) کہ جس شخص نے (دنیا میں) سرکشی کی ہوگی اور دنیاوی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دی ہوگی، اس کا ٹھکانہ تو جہنم ہوگا۔ اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا، اور نفس کو (حرام) خواہشات سے روکا ہوگا پس جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔)

(۴۹) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝ (اعلیٰ) "بیشک بامراد ہوگیا وہ شخص جو (برائیوں سے) پاک ہوا اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا (مگر تم لوگ قرآن پاک کی نصیحتوں پر عمل ہی نہیں کرتے) بلکہ تم تو دنیوی زندگی کو (آخرت کی زندگی پر) ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت (دنیا سے کہیں زیادہ) بہتر ہے، اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ یہی مضمون اگلے صحیفوں میں ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) کے صحیفوں میں۔"

فائدہ: ان صحیفوں کے مضامین بہت سے آثار اور روایات میں ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کل کتابیں کتنی نازل ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سو صحیفے اور چار کتابیں۔ ان میں سے حضرت شیث عَلَيْهِ السَّلَام پر پچاس صحیفے نازل ہوئے۔ اور حضرت ادریس عَلَيْهِ السَّلَام پر تیس، اور حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام پر دس، اور حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام پر تورات سے قبل دس صحیفے نازل ہوئے۔ اور چار کتابیں تورات (حضرت موسیٰ پر) انجیل (حضرت عیسیٰ پر) زبور (حضرت داؤد پر) اور قرآن (سید الرسل حضرت محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر) نازل ہوئیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام کے صحیفوں میں کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سب امثال (تنبیہات) تھیں (ایک مضمون اس کا یہ ہے)، او غلبہ کر کے حکومت لینے والے بادشاہ، او مغرور میں نے تجھے اس لئے نہیں اٹھایا تھا کہ تو دنیا کو تو جمع کرتا ہے۔ میں نے تجھے اسلئے ابھارا تھا کہ تو مظلوم کی آواز کو مجھ تک نہ آنے دے (اس کی داد رسی وہیں کر دے) اسلئے کہ میں اسکی پکار کو رد نہیں کرونگا چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ عقل والے کے لئے ضروری ہے کہ اگر اس کی عقل مغلوب نہیں ہوگئی کہ اپنے اوقات کو تین حصوں پر تقسیم کرے۔ ایک حصہ میں اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز (اس کی عبادت) کرے۔ ایک حصہ اپنے اوپر محاسبہ میں خرچ کرے کہ میں نے

کیا کیا (کتنے اوقات نیکیاں کمانے میں خرچ کیے۔ کتنے بُرائیاں اور گناہ کمانے میں۔ اور ان اوقات میں کیا کیا نیک کام کیے اور کیا کیا بُرے کام کیے۔ نیکیاں کس درجہ کی کمائیں اور گناہ کس درجہ کے کیے اور کتنے اوقات محض بیکار ضائع کر دیئے) اور ایک حصّہ اپنی جائز ضروریات (کھانے کمانے) میں خرچ کرے تاکہ یہ حصّہ اوقات کا پہلے دو حصوں کے لئے مددگار بنے اور دِل جمعی کا، اور پہلے دونوں کاموں کے لئے وقت کے فارغ کرنے کا سبب بنے۔ اور عاقل کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اوقات کا محافظ ہو۔ اپنے مشاغل میں متوجہ رہے اپنی زبان کی حفاظت کرے۔ جو شخص اپنی بات کی نگہبانی کرے گا، بیکار باتوں میں گفتگو کم کرے گا اور عاقل کے ذمہ ضروری ہے کہ تین باتوں کا طالب رہے۔ ایک اپنی گذر اوقات یعنی معاشی اصلاح کا، دوسری آخرت کا توشہ، تیسری جائز راحتیں (کھانا پینا سونا وغیرہ) ان تین کے علاوہ جس میں بھی وقت ضائع کیا جائے محض بیکار اور لغو ہے۔ جب آدمی کوئی بات یا کام شروع کرے تو یہ سوچ لے کہ ان تین میں سے کون سے میں داخل ہے۔" حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے صحیفوں میں کیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ سب کی سب عبرت کی باتیں تھیں (منجملہ اُن کے یہ بھی تھا) مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جس کو موت کا یقین ہو پھر وہ کسی بات پر کس طرح خوش ہوتا ہے (کہ موت ہر وقت سر پر سوار ہے نہ معلوم کس وقت آجائے) مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جس کو موت کا یقین ہے پھر اس کو کسی بات پر ہنسی آئے۔ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو دُنیا کو اور اس کے انقلابات کو دیکھے (کہ آج ایک شخص لکھ پتی ہے کل کو فقیر اور ٹکڑے ٹکڑے کا محتاج ہے۔ آج ایک شخص جیل خانہ میں ہے اور کل کو حاکم بن رہا ہے) پھر اس کی کسی بات پر اطمینان کرے۔ اور (تعجب ہے) اس شخص پر جو تقدیر پر یقین رکھتا ہو پھر وہ کسی بات پر رنج کرے۔ اور (تعجب ہے) اس شخص پر جس کو (قیامت کے دن) حساب کا یقین ہے پھر وہ عمل نہ کرے (کہ اس دن ہر قسم کا جانی مالی مطالبہ، نیک اعمال ہی سے پورا کیا جائے گا۔ اور اپنے پاس نیک عمل نہ ہوں گے تو دوسرے کے گناہ حساب پورا کرنے کو لینے پڑیں گے)۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، آپ پر بھی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے صحیفوں میں سے کچھ نازل ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں یہی آیت قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (دُرِّ منثور)

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ نجم میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی تعریف میں فرمایا وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی۔ اور وہ ابراہیم جنہوں نے پورا پورا ادا کر دیا، یعنی

اسلام کے سارے سہاموں کو پورا کر دیا۔ اسلام کے کُل تیس سہام ہیں جن میں سے دس تو سورۂ برارۃ میں ذکر کئے گئے۔ ان آیات میں اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (توبہ۔ ع ۱۴) ، اور دس سورۂ احزاب میں، ان آیات میں اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمَاتِ (ع ۵) ، اور چھ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کی شروع کی آیات میں، اور چار سَاَلَ سَآئِلٌ میں وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ (معارج۔ ع ۱) یہ سب تیس ۳۰ ہوئے۔ جو اُن میں سے کسی ایک چیز کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں جائے گا وہ اسلام کے ایک سہام کے ساتھ جائے گا (درِّ منثور)

(۵۰) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ○ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ○ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ○ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ○ (دُنیوی سامان پر) تفاخر نے تم کو (آخرت سے) غافل کر رکھا ہے حتّٰی کہ تم (مرکر) قبرستان میں پہنچ جاتے ہو، ہرگز (یہ چیزیں قابلِ فخر اور توجہ) نہیں ہیں۔ تم کو بہت جلد (قبر میں جاتے ہی) معلوم ہو جائے گا (کہ دُنیا کیا تھی اور آخرت کیا ہے) پھر تم کو دوسری مرتبہ مُتنبّہ کیا جاتا ہے کہ ہرگز (یہ چیزیں قابلِ فخر و التفات نہیں، تم کو بہت جلد، (قبروں سے نکلتے ہی حشر میں) معلوم ہو جائے گا، اور تم کو تیسری دفعہ مُتنبّہ کیا جاتا ہے کہ ہرگز (یہ چیزیں قابلِ فخر و التفات) نہیں اگر تم یقینی طور پر (قرآن و حدیث سے اس بات کو) جان لیتے (کہ یہ چیزیں قابلِ تفاخر نہیں ہیں جیسا کہ تم کو مرنے کے بعد اس کا یقین ہوا تو کبھی بھی ان میں مشغول نہ ہوتے) واللہ تم جہنّم کو ضرور دیکھو گے (وہ کوئی فرضی چیز نہیں ہے دوبارہ تم سے تاکید سے) پھر (کہا جاتا ہے کہ) واللہ، تم اس کو ایسا دیکھو گے جو خود یقین ہے) یعنی اس کا دیکھنا بالکل یقینی اور قطعی ہے) پھر اُس دن تم سے ساری نعمتوں کی پوچھ ہوگی (کہ اللہ کی نعمتوں کا کیا حق ادا کیا)۔

فائدہ :- ان نعمتوں کے سُوال کے مُتعلّق بہت سی تفاصیل بہت سی اَحادیث میں آئی ہیں، اور جتنی تفاصیل آئی ہیں وہ سب ہی مثال کے طور پر ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی نعمتوں کا جو ہر وقت، ہر آن، ہر آدمی پر بارش کی طرح سے برستی رہتی ہیں کون احاطہ یا شُمار کر سکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد بالکل حق ہے، وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم۔ ع ۵۔ نحل، ع ۲)

"اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو شمار بھی نہیں کر سکتے۔" ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہ سورت تلاوت فرمائی اور جب یہ پڑھا ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ "پھر اُس دن نعمتوں سے سُوال کئے جاؤ گے۔" تو ارشاد فرمایا کہ تمہارے رب کے سامنے تم سے ٹھنڈے پانی کا سُوال کیا جائیگا مکانوں کے سایہ کا سُوال کیا جائے گا، (کہ ہم نے دُھوپ اور بارش سے بچنے کے لئے سایہ عطا کیا تھا) پیٹ بھرائی کھانے سے سُوال کیا جائے گا، اَعضاء کے صحیح سالم ہونے سے سُوال کیا جائے گا (کہ ہم نے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان وغیرہ صحیح سالم عطا کئے تھے ان کا کیا حق ادا کیا) میٹھی نیند سے سوال کیا جائیگا حتّٰی کہ اگر تم نے کسی عورت سے منگنی چاہی، اور کسی اور شخص نے بھی اُس عورت سے منگنی چاہی اور اللہ تعالیٰ نے تم سے اُس کا نکاح کرا دیا تو اس سے بھی سُوال ہو گا کہ یہ حق تعالیٰ شانہٗ کا تم پر احسان تھا کہ بیٹی والوں کے دِل میں حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ بات ڈالی کہ وہ تم سے اس کا نکاح کریں دوسرے سے نہ کریں۔ اور اُن چیزوں کو جو اس حدیث شریف میں ذکر کی گئیں غور کرنے سے آدمی اندازہ کر سکتا ہے کہ اُس پر ہر وقت اللہ تعالیٰ شانہٗ کے کس قدر احسانات ہیں، اور اُن چیزوں میں غریب امیر سب ہی شریک ہیں۔ کون شخص غریب سے غریب، فقیر سے فقیر ایسا ہے جس پر ہر وقت اللہ تعالیٰ شانہٗ کے بے انتہا انعامات نہ برستے ہوں۔ ایک صحت اور اعضاء کی تندرستی ہی ایسی چیز ہے، اور اس سے بڑھ کر ہر وقت سانس کا آتے رہنا ہی ایک ایسی نعمت ہے جو ہر وقت ہر زندہ کو میسّر ہے۔)

(ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسُولَ اللہ کون سی نعمتوں میں ہم ہیں۔ جَو کی روٹی وہ بھی آدھی بھوک ملتی ہے، پیٹ بھر کر نہیں ملتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ ان سے فرمائیں، کیا تم جُوتہ نہیں پہنتے، ٹھنڈا پانی نہیں پیتے، یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہیں۔)

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن نعمتوں کا سُوال ہو گا وہ بدن کی صحت اور ٹھنڈا پانی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جن نعمتوں کا سُوال ہو گا وہ روٹی کا ٹکڑا ہے جس کو کھائے اور وہ پانی ہے جس سے پیاس بُجھائے اور وُہ کپڑے کا ٹکڑا ہے جس سے بدن چھپائے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ سخت دھوپ میں دوپہر کے وقت حضرت اَبُوبکر صدّیقؓ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی وہ بھی اپنے گھر سے تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ اس

وقت کیسے آنا ہوا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ بھوک کی شدّت نے مجبور کیا۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اسی بے چینی نے مجھے بھی مجبور کیا۔ یہ دونوں اسی حال میں تھے کہ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے دولت کدہ سے تشریف لائے۔ اور اُن سے دریافت کیا کہ تم اس وقت کہاں آئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضورؐ بھوک کی شدّت نے مجبور کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسی مجبوری سے میں بھی آیا ہوں۔ یہ تینوں حضرات اُٹھ کر حضرت ابُو ایُوب انصاریؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہ خود تو موجود نہیں تھے، اُن کی اہلیہ نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ ابُو ایُوبؓ کہاں ہیں۔ بیوی نے عرض کیا کہ حضورؐ ابھی آتے ہیں۔ اتنے میں ابُو ایُوبؓ آگئے اور جلدی سے کھجور کا ایک خوشہ توڑ کر لائے۔ حضورؐ نے فرمایا، سارا خوشہ کیوں توڑ لیا، اس میں سے پکّی پکّی کیوں نہ چھانٹ لیں۔ انہوں نے عرض کیا حضرت، اس خیال سے توڑ لیا کہ پکّی اور ادھ کچری اور خشک و تر ہر قسم کی سامنے ہو جائیں جس کی رغبت ہو۔ اُن حضرات نے ہر قسم کی کھجوریں اس خوشہ میں سے نوش فرمائیں۔ اتنی دیر میں حضرت ابُو ایُوبؓ نے ایک بکری کا بچّہ ذبح کر کے جلدی سے کچھ حصّہ آگ پر بھونا، کچھ ہانڈی میں پکایا۔ اور ان حضرات کے سامنے لا کر رکھا۔ حضورؐ نے ذرا سا گوشت ایک روٹی میں لپیٹ کر ابُو ایُوب کو دیا کہ یہ فاطمہؓ کو دے آؤ۔ اس نے بھی کئی دن سے ایسی کوئی چیز نہیں کھائی۔ وہ جلدی سے دے آئے۔ ان حضرات نے گوشت روٹی کھایا۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا (اللہ کی اتنی نعمتیں کھائیں) گوشت اور روٹی اور کچّی کھجوریں، پکّی کھجوریں، یہ فرماتے ہوئے حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ارشاد فرمایا کہ یہی وہ نعمتیں ہیں جن سے قیامت میں سُوال ہوگا۔ صحابہؓ کو یہ سُن کر بڑا شاق ہوا (کہ ایسی سخت بھوک کی حالت میں یہ چیزیں بھی باز پُرس کے قابل ہیں) حضورؐ نے فرمایا۔ بیشک ہیں۔ اور اس کی تلافی یہ ہے کہ جب شروع کرو تو بِسْمِ اللہ کے ساتھ شروع کرو، اور جب ختم کرو، تو یہ دُعا پڑھو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ اَشْبَعَنَا وَاَنْعَمَ عَلَیْنَا وَاَفْضَلَ۔ تمام تعریفیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں، کہ اسی نے ہم کو (محض اپنے فضل سے) پیٹ بھر کر عطا کیا اور ہم پر انعام فرمایا اور بہت زیادہ عطا کیا۔" (دُرِّ منثور)

اس مضمون کی بہت سی روایات کتُبِ اَحادیث میں موجود ہیں۔ اُن کا ذکر اس وقت مقصود نہیں ہے۔ اس جگہ تو صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ دُنیا کی ناپائیداری کو، اس کے ناقابلِ التفات ہونے

کو، آخرت کے مقابلہ میں اس کے بالکل ہیچ ہونے کو، اُس میں اِشتغال کے باعثِ خسارہ ہونے اور انجام کار عذاب تک پہنچ جانے کو کس کثرت سے حق تعالےٰ شانُہٗ نے کلام اللہ شریف میں فرمایا اور بار بار اس پر تنبیہ فرمائی، جس میں سے نمونہ کے طور پر صرف پچاس آیتوں کا ذکر اس جگہ کیا گیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بکثرت آیات میں اس مضمون پر تنبیہ فرمائی ہے۔ کِس قدر سخت حیرت اور غیرت کی بات ہے کہ جتنی زیادہ حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے اس پر تنبیہ ہے، اتنی ہی زیادہ ہماری طرف سے اس میں غفلت برتی جارہی ہے۔ اس کے بعد اس پاک بارگاہ میں حاضری کا کیا منہ رہ جاتا ہے۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ۔

مَصائب پر صبر کے فضائِل

(۲) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ○

(بقرہ۔ ع ۱۹)

اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے (جو مخالفین کی طرف سے یا حوادث سے پیش آئے)، اور کسی قدر فقر و فاقہ سے اور کسی قدر مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے (پس تم لوگ اس قسم کی جو چیزیں پیش آویں اُن پر صبر کرنا) اور آپ اُن صبر کرنے والوں کو بشارت سُنا دیجئے (جن کی یہ عادت ہے) کہ جب اُن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی خاص خاص رحمتیں ہیں اور رحمتِ عامّہ بھی ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔"

ف: مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ کا زبان سے پڑھنا بھی مُفید اور باعثِ اجر ہے اور دل سے اس کے معنی سمجھ کر پڑھنا اور بھی زیادہ مُؤثّر اور باعثِ اجر اور باعثِ طمانینت ہے۔ اسکا ترجمہ یہ ہے کہ ہم سب کے سب (مع اپنی جانوں کے اور مالوں کے) اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک ہیں (اور مالک کو اپنی مِلک

میں ہر طرح تصرّف کا حق ہے، وہ جس طرح چاہے تصرّف کرے، اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"۔ یعنی مرنے کے بعد سب کو وہیں جانا ہے۔ یہاں کے نقصانات اور تکالیف کا بدلہ اور ثواب بہت زیادہ وہاں ملے گا، جیسا کہ دُنیا میں کسی شخص کا کچھ نقصان ہو جائے اور اس کو کامل یقین ہو کہ اس نقصان کے بدلہ میں اس سے بہت زیادہ بہت جلد مل جائے گا تو اس کو اپنے نقصان کا ذرا سا بھی رنج نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ کے یہاں زیادہ سے زیادہ بدلہ ملنے کا یقین ہو جائے تو پھر ذرا بھی کلفت نہ رہے۔ لیکن ہم لوگوں میں چونکہ ایمان اور یقین کی کمی ہے اس وجہ سے ذرا سی مشقت، ذرا سی تکلیف، ذرا سا نقصان بھی ہمارے لئے مصیبتِ عظمیٰ بن جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے پاک کلام میں اس کی طرف بھی مجملاً اور مفصلاً بہت جگہ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ دُنیا سخت ابتلاء اور امتحان کی جگہ ہے اور کئی کئی مضمونوں میں امتحان ہوتا ہے۔ کبھی مال کی افراط سے کہ اس کو کس طرح کمایا، اور کس طرح خرچ کیا جا رہا ہے۔ اور کبھی فقر و فاقہ سے کہ اس کا کس طرح استقبال کیا جا رہا ہے جزع و فزع سے یا صبر و صلوٰۃ سے۔ اسی لئے بار بار صبر و صلوٰۃ اور اللہ کی طرف رجوع کی ترغیبیں دی جاتی ہیں اور اس پر تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم آج کل زیرِ امتحان ہو ایسا نہ ہو کہ اس امتحان میں فیل ہو جاؤ۔ نمونہ کے طور پر چند آیات کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

(۱) وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط (بقرہ۔ ع ۵) "اور مدد حاصل کرو صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ"۔

حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں اللہ کی طرف سے مدد ہیں اُن سے مدد لو۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضورؐ کے ساتھ سواری پر سوار تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ لڑکے میں تجھے چند باتیں بتاتا ہوں، تجھے حق تعالیٰ شانہٗ، اُن سے نفع دیں گے۔ میں نے عرض کیا ضرور بتائیں۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ کی حفاظت کر (یعنی اس کے حقوق ادا کر) اللہ تعالیٰ شانہٗ تیری حفاظت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ (کے حقوق) کی حفاظت کر، تو اُس کو (ہر وقت اپنی مدد کے لئے) سامنے پائے گا۔ ثروت کی حالت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کو پہچان لے (یعنی یاد کر لے) وہ تجھے مصیبت کے اوقات میں پہچانے گا (مدد کرے گا) اور یہ اچھی طرح جان لے کہ جو کچھ بھی مصیبت تجھے پہنچی ہے وہ ہرگز تجھ سے چوکنے والی نہ تھی۔ اور جو نہیں پہنچی وہ کبھی بھی پہنچنے والی نہ تھی۔ اگر ساری مخلوق سب کی سب مل کر اس

کی کوشش کریں کہ وہ تجھے کچھ دیں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کا ارادہ نہ کریں، تو وہ سب کے سب ہرگز اس پر قادر نہیں ہو سکتے کہ تجھے کچھ دے دیں۔ اور اگر وہ سب کے سب مل کر تجھ سے کسی مصیبت کو ہٹانا چاہیں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نہ چاہے تو وہ کبھی بھی اس مصیبت کو نہیں ہٹا سکتے۔ تقدیر کا قلم ہر اُس چیز کو لکھ چکا ہے جو قیامت تک ہونے والی ہے۔ جب تو کچھ مانگے تو صرف اللہ ہی سے مانگ، اور جب مدد چاہے تو صرف اللہ ہی سے مدد چاہ، اور جب بھروسہ کرے تو صرف اللہ ہی پر بھروسہ کر، ایمان و یقین اور شکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کر اور یہ خوب جان لے کہ ناگوار چیزوں پر صبر بہت بہتر چیز ہے، اور اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے۔ اور مصیبت کے ساتھ راحت ہے اور تنگ دستی کے ساتھ فراخ دستی ہے۔ یعنی جب کوئی تکلیف پہنچے تو سمجھ لو کہ اب کوئی راحت بھی ملنے والی ہے، اور جب تنگی ہو تو سمجھو کہ اب فراخی بھی ہونے والی ہے۔

(ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص بھوکا ہو یا محتاج ہو اور اپنی حاجت کو لوگوں سے چھپائے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اس کو ایک سال کی روزی حلال طریقہ سے عطا فرمائیں گے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کو جب بھی کوئی اہم چیز پیش آتی تو نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔)

(حضورؐ کا ارشاد ہے کہ پہلے انبیاءؑ کو جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو وہ نماز میں مشغول ہوتے۔ حضرت ابنِ عباسؓ ایک مرتبہ سفر میں جا رہے تھے، راستہ میں اپنے بیٹے کے انتقال کی خبر سنی۔ سواری سے اُترے، دو رکعت نماز پڑھی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ پھر یہ آیت وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ پڑھی۔)

حضرت عبادہؓ کے جب انتقال کا وقت قریب ہوا تو فرمایا کہ میں تم میں سے ہر شخص کو اس سے روکتا ہوں کہ کوئی مجھے روئے۔ اور جب میری جان نکل جائے تو ہر شخص بہت اچھی طرح وضو کرے اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر میرے لئے اور اپنے لئے دعائے مغفرت کرے، اور پھر جلدی ہی مجھے دفن کر دینا۔ (درِّ منثور)

(۲) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (بقرہ۔ ع ۱۹) "اے ایمان والو (مصیبتوں میں) صبر اور نماز کے ساتھ مدد حاصل کرو۔"

(۳) وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ الآیۃ (بقرہ۔ ع ۲۲) اور صبر کرنے والے

تنگدستی میں اور بیماری میں اور خوف وقتال کے وقت۔" یہ آیت شریفہ پہلی فصل کے نمبر۲ پر پوری گذر چکی۔ (۴) وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (بقرہ۔ ع ۳۳) "اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" اس مضمون کی آیت قرآن پاک میں بہت جگہ نازل ہوئی۔ بار بار اللہ تعالیٰ شانہٗ یہ مژدہ اور تسلی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔"

(۵) اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ (آلِ عمران۔ ع ۲) یہ آیت شریفہ اسی فصل کے نمبر ا پر پوری گذر چکی۔

(۶) وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا (آلِ عمران۔ ع ۱۲) "اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان (کافروں) کا کوئی مکر تم کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

(۷) اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ (آلِ عمرآن۔ ع ۱۴) "کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک نہیں جانا (یعنی ابھی تک امتحان نہیں لیا) ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور نہیں جانا (اور جانچا) صبر کرنے والوں کو" (اور یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ دین کے لئے ہر کوشش جہاد میں داخل ہے)۔

(۸) وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (آلِ عمران۔ ع ۱۹) "اگر تم صبر کرو اور پرہیزگار بنے رہو تو (بہتر ہے۔ کیوں کہ) یہ (صبر اور تقویٰ) تاکیدی احکام میں سے ہیں۔"

(۹) وَلَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا کُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰی اَتٰھُمْ نَصْرُنَا (انعام۔ ع ۴) "بہت سے رسول جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی (بے ایمانوں کی طرف سے) تکذیب کی گئی (اور اُن کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں) پس انہوں نے اس پر صبر ہی کیا، جو اُن کی تکذیب کی گئی اور اُن کو تکلیفیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچی۔" (اسی طرح آپ بھی اُن کی تکلیفوں پر صبر کرتے رہیں)۔

(۱۰) قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰہِ وَاصْبِرُوْا ج اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ط وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ قَالُوْٓا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ط قَالَ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّھْلِکَ عَدُوَّکُمْ وَیَسْتَخْلِفَکُمْ

فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (اعراف ۔ ع ۱۵) "حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد چاہتے رہو اور صبر کرتے رہو ۔ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے ، جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس کا وارث (اور حاکم) بنا دیتا ہے ۔ (چنانچہ اس وقت فرعون کو دے رکھی ہے) اور آخر کامیابی انہیں کو ہوتی ہے ، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں (اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو گے تو انجام کار تمہاری ہو جائے گی ۔ حضرت موسیٰؑ کی) قوم نے کہا کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے آپ کے تشریف لانے سے پہلے بھی (ہم پر مصیبتیں ڈالی جاتی تھیں ، اور ہماری اولاد کو قتل کیا جاتا تھا) اور آپ کے تشریف لانے کے بعد بھی (طرح طرح کی مصیبتیں ہم پر ڈالی جا رہی ہیں ۔ حضرت) موسیٰؑ نے کہا ، بہت جلد حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیں گے اور بجائے اُن کے تم کو اس زمین کا مالک بنا دیں گے پھر تمہیں دیکھیں گے ، کہ تم کیسا عمل کرتے ہو" (شکر اور اطاعت کرتے ہو یا ناقدری اور معصیت کرتے ہو پھر جیسا تمہارا عمل ہو گا ویسا تمہارے ساتھ برتاؤ ہو گا) ۔

(۱۱) اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (توبہ ۔ ع ۱۴) "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اُن کی جانوں کو اور اُن کے مالوں کو اس بات کے عوض لیا کہ اُن کو جنت ملے گی ۔"

فائدہ : جب مسلمانوں کا جان و مال سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت ہو چکا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ ایسی چیزوں میں جو اُسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور پھر مزید یہ کہ اُن کو خرید بھی لیا ، جو چاہے تصرف کرے بلکہ مسلمانوں کے بیچ دینے کا مقتضا تو یہ ہے کہ اب یہ خود مشتری تک اُس کا خریدا ہوا مال پہنچانے کی کوشش کریں اور خود اس پر پیش قدمی کریں چہ جائے کہ وہ خود اپنی خریدی ہوئی چیز لے تو اس میں بھی رنج و قلق کریں ۔

(۱۲) وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ وَاصْبِرْ حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ ج وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ ۝ (یونس ۔ ع ۱۱) آپ اس کا اتباع کرتے رہیں جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور (اُن کو ایذاء پر) صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (خود ہی ان کا) فیصلہ کر دیں گے (چاہے دنیا میں ہلاکت سے کریں یا آخرت میں عذاب سے) اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں ۔"

(۱۳) وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَۃً ثُمَّ نَزَعْنٰھَا مِنْہُ ج اِنَّہٗ لَیَئُوْسٌ کَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ ذَھَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ ط اِنَّہٗ

لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ (ہود - ع ۲) "اور اگر ہم آدمی کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھا کر (راحت و دولت وغیرہ دے کر) اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ بہت نا اُمید ہو جاتا ہے اور ناشکری کرنے لگتا ہے۔ اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو اس پر واقع ہوئی ہو، کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو (بے فکر ہو کر) کہنے لگتا ہے کہ میری بُرائیوں کا دور ختم ہو گیا (پھر وہ) اترانے لگتا ہے شیخی مارنے لگتا ہے (حالانکہ نہ پہلی چیز مایوسی اور ناشکری کی تھی نہ دوسری حالت اکڑنے اور اترانے کی) البتہ جو لوگ صابر ہیں اور نیک عمل کرنے والے ہیں (وہ نہ مصیبت میں اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں، نہ راحت و ثروت میں شیخی مارتے ہیں) یہی لوگ ہیں جن کے لئے بڑی مغفرت اور بڑا اجر ہے۔"

(۱۴) اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (یوسف ع ۱۰) "بیشک جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور (مصیبتوں پر) صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

(۱۵) اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (رعد - ع ۳) "اس کے سوا دوسری بات ہی نہیں کہ نصیحت تو سمجھدار ہی قبول کرتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ انہوں نے عہد کیا، اُس کو پورا کرتے ہیں اور اس (عہد) کو توڑتے نہیں اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن تعلقات کو (رشتہ داری وغیرہ کے) قائم رکھنے کا اللہ نے حکم کیا ہے اُن کو باقی رکھتے ہیں۔ (اُن کو توڑتے نہیں) اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور (قیامت کے دن کے) حساب کی سختی سے ڈرتے ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں، جو اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر (مصیبتوں پر) صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو

کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس سے مخفی طور پر بھی اور علانیہ بھی خرچ کرتے ہیں، اور بُرائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں (یعنی کوئی اُن کے ساتھ بدسلوکی کرے تو یہ پھر بھی اُس کے ساتھ حُسنِ سُلوک کرتے ہیں) یہی لوگ ہیں جن کے لئے پچھلا گھر ہے یعنی ہمیشہ رہنے والی جنت جس میں یہ لوگ داخل ہوں گے اور (اُن کے ساتھ) اُن کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولادیں جو (جنت میں داخل ہونے کے) لائق ہوں گے (یعنی مومن ہوں گے اگرچہ وہ اعمال اور درجوں کے اعتبار سے اُن کے برابر نہ ہوں، داخل ہوں گے) اور فرشتے اُن لوگوں کے پاس جنت کے ہر دروازے سے حاضر ہو کر سلام کریں گے (یا سلامتی کی بشارت دیں گے کہ تم ہر آفت سے اب محفوظ رہو گے یہ سب کچھ) اس وجہ سے ہے کہ تم نے صبر کیا تھا (اور دین پر مضبوط قائم رہے تھے) پس کیا ہی اچھا ہے پچھلا گھر۔"

فائدہ: حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ جنت میں سب سے ادنیٰ درجہ کا آدمی جو ہو گا، اس کو ایک محل صاف شفاف موتی کا ملے گا جس میں ستر ہزار کمرے ہوں گے اور ہر کمرہ میں ستر ہزار دروازے ہوں گے، اور ہر دروازے سے ستر ہزار فرشتے سلام کرنے کے لئے آئیں گے۔

(۱۶) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ (ابراہیم ع ۱)

"اور ہم نے موسیٰ (عَلَیْہِ السَّلَام) کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال کر لاؤ، اور ان کو اللہ تعالیٰ کے معاملات یاد دلاؤ (کہ جن پر انعام ہوا تو کیسا کیسا ہوا، اور عذاب ہوا تو کیسا سخت ہوا) بیشک ان معاملات میں عبرتیں ہیں ہر صبر کرنے والے کے لیے اور ہر شکر کرنے والے کے لئے۔" (کہ اللہ کی نعمتوں پر شکر کرے اور مصیبتوں پر صبر کرے کہ صبر و شکر دونوں اس کے یہاں مطلوب اور مرغوب ہیں)۔

(۱۷) وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (نحل ع ۶) "اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑ دیا (یعنی ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے گئے) بعد اس کے کہ اُن پر (کفار کی طرف سے) ظلم کیا گیا تھا، ہم اُن کو دُنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب (اس دُنیا کے ٹھکانے سے بھی) بہت بڑھا ہوا

ہے۔ کاش اُن لوگوں کو (اس کی خوبیوں کی اور بڑائی کی) خبر ہوتی۔ یہ وُہ لوگ ہیں جنہوں نے (اپنی مصیبتوں پر) صبر کیا۔ اور یہ لوگ اپنے اللہ پر توکّل کرتے ہیں (گھر چھوڑتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ دارُ الاسلام میں جاکر کھانے پینے کی کیا صورت ہوگی)۔

(۱۸) وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○

(نحل۔ ع ۱۶) "اور اگر تم (اپنے اوپر ظلم کرنے والوں سے) بدلہ لو، تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا (اور اس وجہ سے کہ دوسرے نے ظلم کی ابتداء کی ہے تم بدلہ میں اس سے کہیں زیادہ بدلے لو، اس کا حق ہرگز نہیں ہے۔ یہ تو جب ہے جب تم بدلہ لینا ہی چاہو) اور اگر تم صبر کر جاؤ تو یہ بات تو صابر لوگوں کے لیے بہت اچھی چیز ہے (اسکے بعد خاص طور سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ کی شان بدلہ لینے سے بلند ہے اس لئے) آپ تو صبر کریں۔ اور نہیں ہے آپ کا صبر کرنا، مگر اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے، اور ان لوگوں (کی مخالفت) پر رنج نہ کیجئے۔ اور جو کچھ یہ (مخالفین آپ کی مخالفت میں) تدبیریں کرتے ہیں، اس سے دِل تنگ نہ ہوجیے (کہ یہ آپ کا کچھ بھی نہیں کرسکتے اس لئے کہ آپ صاحبِ تقویٰ اور صاحبِ اِحسان ہیں) اور اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہوتا ہے جو متّقی ہوں اور اِحسان کرنے والے ہوں۔"

(۱۹) اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ○

(کہف۔ ع ۱) "ہم نے زمین کے اوپر کی سب چیزوں کو زمین کے لئے زینت بنایا ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے لوگوں کا امتحان لیں کہ کون شخص زیادہ اچھے عمل کرتا ہے۔"

حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔ میں نے اس کا مطلب دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کا امتحان لے کہ کون زیادہ عقل مند ہے (جو عقل کی بات کو اختیار کرے) اور کون حق تعالیٰ شانہٗ کی ناجائز کردہ چیزوں سے زیادہ احتیاط کرتا ہے، اور کون اللہ تعالیٰ کی اِطاعت میں جلدی کرتا ہے۔

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ امتحان اس کا ہے کہ دُنیا کو چھوڑنے میں زیادہ سخت کون ہے۔ اور سُفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ امتحان اس کا ہے کہ دُنیا میں زیادہ زاہد کون ہے (دُرِ منثور) یعنی دُنیا کی نعمتوں اور

لذّتوں سے صبر کرنے والا کون سب سے زیادہ ہے۔

(۲۰) فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○

(طٰہٰ - ع ۸) ”پس آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیا کیجئے (جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نماز سب داخل ہے) آفتاب نکلنے سے پہلے (جسمیں صبح کی نماز بھی آگئی) اور آفتاب غروب ہونے سے پہلے (جسمیں ظہر عصر بھی آگئیں) اور رات کے حصّہ میں بھی تسبیح کیا کیجئے (جس میں مغرب، عشاء بھی آگئیں) اور دن کے اوّل حصّہ میں اور آخر حصّہ میں (تسبیح کے لئے مکرر کہا جاتا ہے جس میں صبح اور عصر کی نماز کی زیادہ تاکید آگئی۔ چنانچہ بہت سی احادیث میں ان کی خاص تاکید آئی ہے۔ اور صبح شام کی تسبیحیں بھی آگئیں) تاکہ (آپکو ان سب چیزوں پر آخرت کا بہت زیادہ ثواب ملے اس سے) آپ خوش ہوجائیں“۔

(۲۱) وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○

(حج - ع ۵) اور آپ (اللہ کے حکم کے سامنے) گردن جھکا دینے والوں کو خوش خبری (اللہ کی رضا اور جنّت کی) سُنا دیجئے جو ایسے لوگ ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دِل (اُس کی عظمت اور خوف سے) ڈر جاتے ہیں، اور جو اُن پر مُصیبت پڑتی ہے اُس پر صبر کرتے ہیں، اور جو نماز کی پابندی کرتے ہیں، اور جو اس چیز سے جو ہم نے اُن کو دی ہے خرچ کرتے ہیں“۔ یہ آیت پہلی فصل کے نمبر ۱۶ پر مفصّل گذر چکی۔

(۲۲) الٓمّٓ ○ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ (عنکبوت - ع ۱) ”کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ محض اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم تو مُسلمان ہیں، اور اُن کو مُختلف انواع کے مصائب سے، آزمایا نہ جائے گا (ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ دُنیا اِمتحان کا گھر ہے) اور ہم تو اُن لوگوں کا اِمتحان

رے چکے ہیں جو اُن سے پہلے گذرے (انمیں بھی بعض اپنے دعووں میں سچے نکلے اور بعض جھوٹے، اسی طرح اَب بھی) اللہ تعالیٰ (امتحانی قاعدہ سے) جان کر رہے گا، ان لوگوں کو جنہوں نے (اپنے ایمان اور محبّت کے دعووں میں) سچ کہا، اور اُن لوگوں کو جنہوں نے جھوٹ بولا (چنانچہ ایسے ہی امتحانات میں جو سچے مسلمان ہیں وہ ان حوادث سے اور زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں اور جو نالائق ہیں وہ اور زیادہ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض مرتد ہو کر اسلام ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں یا مصائب کے ڈر سے برائیوں کی حمایت شروع کر دیتے ہیں) ہاں تو یہ لوگ جو برائیاں کر رہے ہیں کیا یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل جائیں گے، ان کی یہ تجویز نہایت بیہودہ ہے۔"

(۲۳) نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (عنکبوت۔ ع ۶) "نیک عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے وہ لوگ جنہوں نے (مصیبتوں پر) صبر کیا اور وہ (ہر تنگی میں، روزی کی طرف سے ہو یا اور کسی بات سے) اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں (اور اگر تمہیں یہ خیال ہو کہ آخر معاش کا ذریعہ کیا ہو گا تو آخر یہ تو سوچو کہ) بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی روزی اُٹھا کر نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ ہی اُن کو روزی دیتا ہے اور وہی تم کو بھی روزی دیتا ہے وہ (ہر مانگنے والے کی بات کو) سننے والا ہے اور (ہر شخص کے حال کو) جاننے والا ہے۔" (اسی سے مانگو وہ تمہاری حالت سے بخوبی واقف ہے، جتنا مناسب سمجھے گا عطا کرے گا)۔

(۲۴) اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (زمر۔ ع ۲) "اس کے سوا دوسری بات نہیں کہ صبر کرنے والوں کو ان کا بدلہ بے حساب (بےشمار) ملتا ہے۔"

(۲۵) وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۖ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (حم سجدہ۔ ع ۵) اور بھلائی اور بُرائی کبھی برابر نہیں ہوتیں (بلکہ ہر ایک کے نتائج اور اثرات جدا جدا ہیں۔ جب یہ بات ہے تو) آپ (اور اسی طرح آپ کا

اِتباع کرنے والے بھی) بُرائی کو نیکی کے ساتھ ہٹایا کیجئے پھر ایک دم وہ شخص جس میں اور آپ میں عَداوت ہے، ایسا ہو جائے گا جیسا کہ دِلی دوست ہوتا ہے (یعنی بُرائی کا بدلہ بُرائی سے کرنا عَداوت کو کم نہیں کیا کرتا بلکہ بڑھایا کرتا ہے۔ اور بُرائی کا بدلہ احسان سے کرنا اگر دوسرا بالکل ہی کمینہ نہ ہو تو اُسکو ترکِ عَداوت پر مجبور کر دیتا ہے حتّٰی کہ وہ احسان مند ہو کر دوست بن جاتا ہے۔ لیکن چونکہ بُرائی اور ایذا رسانی کا بدلہ احسان سے کرنا بہت دُشوار ہے اس لئے اِرشاد ہے کہ) اور یہ عادت اُنہی کو دی جاتی ہے جو صابر ہوں (کہ مَصائب کا تحمّل ان کی عادت ہو گئی ہو) اور یہ عادت اسی کو دی جاتی ہے جو بڑا صاحبِ نصیب ہو۔ اور اگر ایسے وقت آپکو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے (مثلاً یہی کہ اس کے ساتھ بھلائی کرنے سے اپنی توہین ہوگی یا اس کا حوصلہ بڑھ جائے گا وغیرہ وغیرہ) تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔"

(۲۶) لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ز وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ○ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ لا

(حٰم سجدہ۔ ع ۶) "آدمی کا دِل تَرقّی کی خواہش سے کبھی نہیں بھرتا۔ اور اگر اس کو کچھ تکلیف پہنچ جائے تو بالکل مایوس، نااُمید بن جاتا ہے۔ (حالانکہ اللہ کی ذات سے نااُمید کبھی بھی نہ ہونا چاہئے) اور اگر اس تکلیف کے بعد جو اُس کو پہنچی ہم اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں تو کہتا ہے کہ یہ تو (آئینی طور پر) میرا حق ہے ہی۔" (حالانکہ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے نااُمید ہونا چاہیئے نہ اپنا کوئی اِستحقاق ہے)

(۲۷) وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ج فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ○ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (شوریٰ۔ ع ۴) "اور بُرائی کا بدلہ اسی قسم کی بُرائی ہے (یعنی جس قسم کی بُرائی کسی نے کی، اُسی قسم کی بُرائی سے بدلہ لیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ فعل جائز ہو۔ مثلاً سخت کلامی کا بدلہ سخت کلامی، مار کا بدلہ مار ہے۔ یہ نہیں کہ سخت کلامی کا بدلہ مارنے سے لیا جائے) پھر جو شخص (بدلہ ہی نہ لے بلکہ) مُعاف کر دے اور اِصلاح کرے (یعنی اس کے ساتھ اچھائی کا برتاؤ کرے) تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذِمہ ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو محبوب نہیں رکھتے۔ اور

جو اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے، پس ایسے لوگوں پر کوئی اِلزام نہیں، اِلزام صرف انہیں لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور دُنیا میں سرکشی کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور جو (دوسروں کے ظلم پر) صبر کرے اور (اسکو) معاف کردے۔ یہ البتہ بڑی ہمّت کے کاموں میں سے ہے (یعنی مظالم پر صبر کرنا اور معاف کرنا بڑی اُولُوالعزمی کی بات ہے)۔

(۲۸) تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط (ملک - ع ۱) ”وہ (پاک ذات) بڑی عالی شان ہے جس کے قبضہ میں تمام مُلک ہے، (ساری دُنیا کی سلطنتیں اُسی کے قبضہ میں ہیں) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ پاک ذات ہے جس نے موت اور زندگی کو اس لئے پیدا کیا تاکہ تمہارا امتحان کرے کہ کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے“۔

حضرت قَتادہؒ کہتے ہیں کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے اس گھر کو زندگی اور موت کا گھر بنایا ہے اور آخرت کے گھر کو بدلہ اور بقاء کا گھر بنایا ہے (دُرِّ منثور) اِس گھر کی ساری تکالیف کا مُنتہا موت ہے اور وہ بہرحال آنے والی چیز ہے۔ اور اُس گھر کی تکلیف کی کوئی اِنتہاہی نہیں کہ وہاں موت بھی نہیں ہے۔

(۲۹) هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ (دھر - ع ۱) ”بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت آچکا ہے کہ وہ کچھ بھی قابلِ ذکر نہ تھا (کہ اس سے پہلے مَنی تھا اور اس سے پہلے وہ بھی نہ تھا) ہم نے اس کو نُطفہ مخلوط سے (یعنی ماں باپ کی مَنی کے مِلنے سے) پیدا کیا کہ ہم اسکو جانچیں۔ پھر ہم نے اُس کو سُنتا دیکھتا بنایا (یعنی آنکھ کان دیئے کہ حق بات خود دیکھے یا دوسروں سے سُنے پھر) ہم نے اس کو (بھلائی کا) راستہ بتادیا (پھر وہ آدمی دو طرح کے ہوگئے) یا تو شکر گذار (اور مؤمن) بن گیا یا ناشکری کرنے والا (کافر) بن گیا۔

فائدہ: جب یہ دارُ الامتحان ہے ایسی حالت میں کسی حالت پر بھی ناشکری کرتے ہوئے یہ سوچنا ضروری ہے کہ اللہ کے کتنے اِنعامات ایسے ہیں جن پر شکر اس تکلیف اور مُصیبت سے زیادہ ضروری ہے۔

(۳۰) فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۵ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ

أَكْرَمَنِ ۝ وَأَمَّآ إِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ أَهَانَنِ ۝
كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ
التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا
۝ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِآيْءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ
يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۝

(الفجر۔ ع ۱) پس آدمی کا جب حق تعالیٰ شانہٗ امتحان لیتا ہے پس (امتحان کے طور پر کبھی) اس پر انعام و اکرام فرماتا ہے (مال کا، جاہ کا، اور اس قسم کی چیزوں کا، تاکہ ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کا امتحان ہو اور یہ جانچا جائے کہ اللہ کی ان نعمتوں میں کیا کارگذاری کی۔ یہ مال اور جاہ اُس کے راستہ میں خرچ ہوئے یا ناراضی میں) تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا (یعنی اپنے مُکرّم اور معزز ہونے کا گھمنڈ شروع ہو جاتا ہے، حالانکہ یہ گھمنڈ کی چیز نہیں ہے۔ اور اگرچہ اللہ کا شکر اس کی نعمتوں پر بہت ضروری ہے مگر اس کے ساتھ ہی ان نعمتوں کے امتحانی پہلو کا خوف بھی ضروری ہے، اور جب حق تعالیٰ شانہٗ کو آدمی کا دوسری طرح امتحان کرنا مقصود ہوتا ہے) اور اس کو جانچتا ہے اس طرح پر کہ اُس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے (جس سے اس کے صبر اور رضا کا امتحان مقصود ہوتا ہے) تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا (یعنی میرے استحقاقِ اکرام کے باوجود مجھے نظروں سے گرا رکھا ہے۔ حالانکہ نہ مال و دولت اکرام کی دلیل ہے، نہ فقر و فاقہ اہانت کی دلیل ہے)، ہرگز نہیں (یہ بات بالکل نہیں ہے کہ روزی کی تنگی اہانت کی بات ہو) بلکہ (موجبِ اہانت یہ چیزیں ہیں کہ) تم لوگ یتیم کا اکرام نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے اور میراث کا مال سارا کھا جاتے ہو (اور دوسروں کا حق بھی ہضم کر جاتے ہو، بالخصوص یتیموں اور ضعیفوں کا، جو تم سے لڑ بھی نہ سکتے ہوں) اور تم مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو (جو جڑ ہے ساری برائیوں کی، سارے مظالم کی، سارے عیوب کی۔ اس لئے کہ دُنیا کی محبت، ہر خطا کی جڑ ہے۔ تم لوگ ان چیزوں کو ہلکا سمجھتے ہو) ہرگز نہیں (یہ معمولی چیزیں نہیں ہیں بلکہ) جس وقت زمین کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور آپ کا رب اور فرشتے جوق جوق (میدانِ حشر میں) آئیں گے، اور اس دن جہنم کو (سامنے) لایا جائے گا اس دن آدمی کو سمجھ آوے گی۔ اور اس وقت سمجھ آنے کا وقت کہاں (رہے گا اُس دن کا سمجھ میں آنا کارآمد نہیں

اُس دن آدمی کہے گا کہ کاش میں آج کی زندگی کے واسطے کچھ ذخیرہ آگے بھیج دیتا۔

(۳۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (پوری سورۃ العصر) "قسم ہے زمانہ کی (کہ جس کے تغیرات مُوجبِ عبرت ہیں۔ کہیں رنج، کہیں خوشی، کہیں ثروت کہیں غربت، کہیں صحت، کہیں بیماری) کہ انسان (اپنی عزیز عمر کو ضائع کر کے) بڑے خسارہ میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے اور ایک دوسرے کو حق (بات کہنے کی اور حق پر قائم رہنے) کی وصیّت (اور تاکید) کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیّت کرتے رہے" (جس میں طاعات پر اہتمام بھی داخل ہے۔ اور شہوتوں اور ناجائز امور سے نفس کو روکنا بھی داخل ہے اور مصائب اور زمانہ کے حوادث پر صبر کرنا بھی داخل ہے)۔

یہ اکتیس ۳۱ آیات اِشارہ کے طور پر ذکر کی گئی ہیں۔ ہر آیتِ شریفہ پر اگر فائدہ اور تنبیہ لکھی جائے تو بہت طول ہو جائے۔ مُشترک طریقہ سے یہ مضمون سب ہی میں مُشترک ہے کہ دُنیا امتحان کی جگہ ہے۔ جس کی نہ دولت و عزّت باعثِ غرور و افتخار، نہ فقر و فاقہ باعثِ اہانت اور حقارت ہے۔ مال کا وجود بھی مُوجبِ شکر ہونے کے ساتھ امتحان کا ایک مضمون ہے۔ جیسا کہ فقر و فاقہ بھی مُوجبِ صبر ہونے کے علاوہ رضا کا امتحان ہے، اور مال کا وجود امتحان کے اعتبار سے زیادہ سخت ہے۔ اسلئے کہ امتحان میں آدمی بہت کم پاس ہوتے ہیں، فیل زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک اِرشاد ہے کہ مجھے تمہارے اوپر فقر و فاقہ کا اتنا خوف نہیں ہے، جتنا اس بات کا خوف ہے کہ دُنیا کی فتوحات اور اس کی نعمتیں تم پر پھیل جائیں، اور تم اس میں ایسا دل لگا بیٹھو جیسا کہ پہلے لوگ اس کے ساتھ دِل لگا بیٹھے۔ پس یہ آفت تمہیں بھی ہلاک کر دے جیسا کہ اُن کو ہلاک کر چکی ہے۔ اس لئے اس کے فتنہ سے بہت زیادہ بچنا چاہیئے اور ناداری اور مصائب کو بھی اِمتحان کی حیثیت سے برداشت کرنا چاہیئے۔

(۳) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا	اس کے سوا دوسری بات ہی نہیں، کہ
ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ	ایمان والے تو ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ
وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ	جب اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا

زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

(سورۃ الانفال ع ۱)

ہے (تو اس کی عظمت اور خوف سے) اُن کے دِل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں اُن کو پڑھ کر سُنائی جائیں تو وہ آیتیں اُن کے ایمان کو مضبوط کر دیں اور وہ صرف اپنے رب ہی پر توکّل کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں بس ایمان والے حقیقۃً یہی لوگ ہیں ان کے لئے بڑے بڑے درجے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں (اور اُن کے لئے اُن کے گناہوں سے) مُعافی ہے اور عزّت کی روزی ہے۔

ف: یہ آیتِ شریفہ پہلی فصل کے نمبر ۱۳ پر بھی گذر چکی ہے۔ یہاں اس لئے دوبارہ لکھی ہے کہ حقیقی مؤمن کی شان صرف اللہ جَلَّ شَانُہٗ پر توکّل کرنا، اُسی پر اعتماد کرنا، اُسی پر بھروسہ کرنا، اس کے غیر کی طرف اِلتفات نہ کرنا اس آیتِ شریفہ میں وارد ہے، اور اس پر درجات کا بُلند ہونا، گناہوں کا معاف ہونا اور عزّت کی روزی کا وعدہ مذکور ہے۔ ان میں سے ہر چیز ایسی ہے کہ وہ تنہا بھی توکّل پر انتہائی کوشش کا موجب ہوتی ہے، چہ جائیکہ تین ایسے اُونچے وعدے اس پر اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے ہوں۔ اس کے بعد جتنی بھی اس صفت کے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، کم ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر توکّل کا مطلب یہ ہے کہ اس کے غیر سے کوئی اُمید نہ رکھی جائے۔ حضرت سعید بن جُبیرؒ فرماتے ہیں، کہ اللہ پر توکّل ایمان کا مجموعہ ہے۔ (دُرِّ منثور)

اگر قرآن پاک میں صرف ایک ہی آیت اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کے مُتعلّق نازل ہوتی، تب بھی بہت کافی تھی۔ لیکن قرآن پاک میں اس کثرت سے اللہ پر اعتماد اور صرف اسی پاک ذات پر اعتماد کرنا اور مصائب اور حاجات میں صرف اسی کو پُکارنا، اور اسی سے مدد چاہنا، اسی پر نظر رکھنا وارد ہوا ہے کہ بہت کم دوسرے مضامین اتنی کثرت سے وارد ہوئے ہوں گے۔ بار بار اسی کا حُکم ہے، اور نیک اور پسندیدہ لوگوں کے احوال میں اسی کا ذکر ہے، اسی کی ترغیب ہے، اور ہونا بھی چاہیئے کہ حقیقت میں توکّل توحید کا ثمرہ ہے،

جو شخص توحید میں جتنا زیادہ پختہ ہوگا اُتنا ہی اُس کا توکّل بڑھا ہُوا ہوگا۔ اور چونکہ توحید ہی اسلام کی بُنیاد ہے، ایمان کی جڑ ہے، بغیر توحید کے کوئی چیز معتبر نہیں۔ سارے مذہب اور ساری شریعت کا مدار توحید ہی پر ہے۔ اس لئے جتنا بھی اس کا اہتمام وارد ہو ظاہر ہے، اور پھر اللہ جَلّ شَانُہٗ نے قرآنِ پاک میں اُتنا اُونچا پروانہ رِضا، توکّل پر اِرشاد فرمایا ہے کہ مر مٹنے کے قابل ہے۔ اللہ کا پاک اِرشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ توکّل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ صفتِ محبوبیّت کے برابر کوئی صِفت دُنیا میں ہوسکتی ہے؟ کوئی شخص مالکُ الملک شہنشاہِ دو عالَم کا محبوب بن جائے اس سے بڑھ کر کونسی عزّت و افتخار دُنیا یا آخرت میں ہوسکتا ہے؟ پھر اس کی ذمّہ داری کا بھی اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ پر توکّل کرلے تو وہ اس کو کافی ہے۔ بھلا پھر ایسے شخص کی کسی ضرورت کے لئے کسی اور کی کیا حاجت باقی رہے گی۔ اسی لئے حضورؐ کا پاک اِرشاد ہے کہ اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکّل کرلو جیسا کہ اس کا حق ہے تو تم کو ایسی طرح روزی عطا کرے جیسا کہ پرندوں کو عطا کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بِالکلّیہ مُنقطع ہوجائے تو حق تعالیٰ شانُہٗ اس کی ہر مُشقّت کی کفایت فرماتا ہے، اور ایسی طرح اس کو روزی عطا کرتا ہے جس کا اس کو گمان بھی نہ ہو۔ (احیاء العلوم)

احادیث کے سلسلہ میں پہلی حدیث کے ذیل میں بھی مُتعدّد روایات اس مضمون کے مناسب آرہی ہیں۔ اس جگہ بھی حسبِ معمول چند آیات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جن سے اللہ پر توکّل اور اسی کی طرف حاجات میں رُجوع کا اِرشاد وارد ہے اور صرف نمونہ کے طور پر چند آیات ذکر کی جاتی ہیں کہ اختصار کے خیال سے ہر جگہ اجمال اور اشارات ہی پر اکتفا کیا گیا۔ اگر ہم لوگوں کو دین کا کچھ خیال ہو، آخرت کا اہتمام ہو، دُنیا کے بیکار مشغلوں سے ہم کو تھوڑا بہت وقت خالی مل جائے تو یہ آیات۔ اور احادیث بہت اہتمام سے، بہت غور و فکر سے سوچنے کی چیزیں ہیں۔

آیات

(۱) وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (آل عمران، ع ۱۳) ”مؤمنون کو صرف اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرنا چاہیے“ یعنی کسی دوسرے پر بھروسہ ذرا بھی نہ کرنا چاہیے۔ یہ مضمون انہی الفاظ کے ساتھ قرآن پاک میں کئی جگہ وارد ہوا ہے، بار بار نازل ہوا ہے (آل عمران، ع ۱۷۔ مائدہ، ع ۲۔ توبہ، ع ۷۔ ابراہیم، ع ۲۔ مجادلہ، ع ۲۔ تغابن، ع ۲)۔ ان سب آیات میں یہی ارشاد ہے۔

(۲) قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (آل عمران، ع ۸)۔ ”(اے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجیے کہ بیشک فضل (جس میں روزی بھی داخل ہے) تو خدا کے قبضہ میں ہے، وہ اس کو جسے چاہیں عطا کر دیں، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں (ان کے یہاں فضل کی کمی نہیں) خوب جاننے والے ہیں کہ کس کو کس وقت کتنا دینا چاہیے) خاص کر دیتے ہیں اپنی رحمت (اور فضل) کے ساتھ جس کو چاہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔“

(۳) إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران، ع ۱۷) حق تعالیٰ شانہ، توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔“

ف: اور جس کو اللہ تعالیٰ محبوب بنالے، اس کے عروج کا کیا کہنا۔

(۴) اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران، ع ۱۸) ”حضور کے زمانہ میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد ہے کہ) یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ ان لوگوں نے (یعنی دشمنوں نے) تمہارے (مقابلہ کے) لئے بڑا سامان جمع کر رکھا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہیے، تو اس خبر نے ان کے ایمان

کو اور زیادہ مضبوط کر دیا اور کہنے لگے کہ ہمیں حق تعالیٰ شانہٗ کافی ہے (ہر مصیبت میں وہی کفایت فرمانے والا ہے) اور وہی بہترین کارساز ہے۔ پس یہ لوگ خُدا کی نعمت اور فضل کے ساتھ (اس موقع سے ایسی طرح) واپس ہوئے کہ ان کو کوئی مضرّت نہ پہنچی، اور وہ رضاءِ حق کے تابع رہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے (مسلمانو! ایسے حوادث میں ایک بات سمجھ لو کہ اس قسم کے واقعات میں) شیطان اپنے دوستوں سے ڈرایا کرتا ہے تم ان سے نہ ڈرا کرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرا کرو اگر تم مومن ہو۔"

مطلب یہ ہے کہ جس وقت دشمنوں کے مقابلہ اور حملہ کی خبریں سُنو، تو اس سے خوف زدہ اور مُتوحّش ہونے کی بات نہیں ہے۔ اللہ پر اعتمادِ کامل اور پورا بھروسہ رکھتے ہوئے اپنی اِمکانی تیاری کرو اور خوف صرف اس بات کا رکھو کہ ہم سے کوئی بات مالک کی مرضی کے خلاف صادر نہ ہو کہ اصل ہلاکت یہی ہے، جو دُنیا کی بھی ہلاکت ہے اور آخرت کی ہلاکت تو ہے ہی۔ اس کے علاوہ کسی سے خوف کی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ دوسرے آدمی اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کر سکتے کہ وہ ماردیں گے، سو موت بہرحال آنے والی چیز ہے، اور اپنے وقت سے پہلے آ نہیں سکتی۔

(۵) وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ○ (نساء۔ ع) "اللہ تعالیٰ شانہٗ تمہاری مدد (اعانت) کے لئے بھی کافی ہے اور تمہاری حمایت کے لئے بھی کافی ہے۔"

(۶) وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○ (نساء۔ ع ۱۱) "آپ اللہ ہی پر توکّل کیجئے وہ کارساز ہونے کے لئے کافی ہے۔"

(۷) وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (مائدہ۔ ع ۴) "صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔"

(۸) قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ (انعام، ع ۲) "آپ کہہ دیجئے کیا اللہ کے سوا کسی اور کو مددگار بناؤں؟ وہ اللہ جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، وہ سب کو روزی دیتا ہے، اس کو کوئی (بوجہ عدمِ اِحتیاج) روزی نہیں دیتا۔"

(۹) وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (انعام۔ ع ۲) "اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی مضرّت پہنچائیں تو

اُس کا دُور کرنے والا اُن کے سوا کوئی نہیں، اور اگر وہ کوئی نفع پہنچائیں تو (کوئی روکنے والا نہیں) وہ ہر چیز پر قادر ہیں"۔

(۱۰) وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (انفال۔ ع ۷) "اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے (تو وہ اکثر غالب رہتا ہے اس لئے کہ) اللہ تعالیٰ بلاشبہ زبردست ہے (وہ اپنے اُوپر اعتماد رکھنے والے کو غالب کرتا ہے اور اگر کبھی ایسا نہ ہو تو اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے کیونکہ) وہ حکیم ہے"۔

(۱۱) وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط إِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (انفال۔ ع ۸) آپ اللہ پر توکل کیجئے، بیشک وہ سُننے والا ہے، جاننے والا ہے" (لوگوں کی پُکار کو بھی سُنتا ہے اور اُن کے احوال سے بھی بخوبی واقف ہے)۔

(۱۲) وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهٖٓ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَآئِمًا ج فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَأَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ إِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ط (یونس۔ ع ۲) جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پُکارنے لگتا ہے، لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی۔ پھر جب ہم (اس کی آہ وزاری سے) وہ تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو پھر وہ (ہم سے ایسا بے تعلق) ہو جاتا ہے گویا ہم کو کسی تکلیف کیلئے پکارا ہی نہ تھا" (یہ بڑی حماقت ہے)۔

(۱۳) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْأَمْرَ ط فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ج فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ (یونس۔ ع ۴) "آپ اُن سے پوچھیں وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے پیدا کرتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو سارے کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ پس وہ لامحالہ یہی کہیں گے کہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے پھر آپ اُن سے کہئے، کہ تم پھر اُس سے کیوں نہیں ڈرتے" (دوسروں سے کیوں ڈرتے ہو)۔

(۱۴) وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا إِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ○ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ج (یونس۔ ع ۹) "اور موسیٰ (علیہ السلام) نے

اپنی قوم سے) فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم (سچے دل سے) اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر توکل کرو، اگر تم مسلمان ہو۔ پس ان لوگوں نے (جواب میں) کہا کہ ہم نے اللہ پر ہی توکل کیا۔"

(۱۵) وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ○ اگر تم کو اللہ تعالیٰ تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے کوئی اس کا دُور کرنے والا نہیں، اور اگر وہ کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں۔ وہ اپنا فضل جس کو چاہے پہنچادے وہ بڑی مغفرت والا، بڑی رحمت والا ہے۔" (یونس۔ ع ۱۱)

(۱۶) وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود۔ ع ۱) "اور کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔" (پس اسی سے روزی طلب کرنا چاہیے)۔

(۱۷) قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ (رعد۔ ع ۴) "آپ کہہ دیجئے کہ وہی میرا رب ہے (میرا مربی ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں۔ مَیں نے اُسی پر بھروسہ کر لیا ہے اور اُسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔"

(۱۸) اَلَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ○ (نحل۔ ع ۶) یہی لوگ (جن کی اُوپر مدح ہو رہی ہے) ایسے ہیں جو (مصائب میں) صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔" (یہ نہیں سوچتے کہ ہجرت کے بعد کھانے کا کیا انتظام ہوگا)۔

(۱۹) إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ○ (نحل ع ۱۳) "اُس کا (یعنی شیطان کا) قابو ایسے لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر (دل سے) بھروسہ رکھتے ہیں۔"

(۲۰) وَاٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا ○ (بنی اسرائیل۔ ع ۱) "اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (توراۃ) دی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت (کا ذریعہ) بنایا (اور اُس میں اور احکام کے ساتھ یہ بھی حکم دیا) کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ۔"

(۲۱) وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ج فَلَمَّا نَجّٰكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ط وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ○ (بنی اسرائیل ع ۷) "اور جب تم کو دریا میں (طوفان وغیرہ کی) مضرت پہنچتی ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور جتنوں کو پکارا کرتے تھے (اُن کی عبادت کرتے تھے اُن سے مدد چاہتے تھے) سب کھوئے جاتے ہیں (دل میں بھی اُن کا خیال نہیں آتا، اس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا جاتا ہے) اور جب اللہ تعالیٰ تم کو خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو اس سے رُوگردانی کرنے لگتے ہو۔ واقعی انسان بڑا ناشکرا ہے۔"

(۲۲) مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ز وَّلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖ اَحَدًا ○ (کہف ع ۴) "نہ تو اُن کے لئے اللہ کے سوا کوئی مدد کرنے والا ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔ (کہ پارلیمنٹ سے رائے لے)۔

(۲۳) يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ط ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (حج، ع ۲) اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایسی چیز کو پکارتا ہے، (اس کی عبادت کرتا ہے) جو نہ نقصان دے سکتی ہے نہ نفع۔ یہ انتہائی گمراہی ہے۔"

(۲۴) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِىْ لَا يَمُوْتُ (فرقان، ع ۵) اُس (پاک ذات) پر جو زندہ ہے اور کبھی اس پر موت طاری نہ ہوگی، توکل کیجئے۔"

(۲۵) وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ ○ لا وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○ لا ص (شعراء۔ ع ۵) "وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے۔"

(۲۶) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (شعراء۔ ع ۱۱) اور آپ اُس (پاک ذات) پر توکل کیجئے جو قادر ہے رحیم ہے۔"

(۲۷) فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ط اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (عنکبوت۔ ع ۲) پس تم لوگ رزق خدا سے مانگو (کہ وہی رزق کا مالک ہے)، اس کی عبادت کرو، اس کا شکر ادا کرو۔ اُسی کی طرف (قیامت میں) لوٹ کر جانا ہے۔"

(۲۸) وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا صلے اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ز وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (عنکبوت۔ ع ۶) کتنے جانور ایسے ہیں جو اپنی روزی اُٹھا کر نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ

ہی ان کو روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی (اور وہی بھروسہ کے قابل ہے۔ کیوں کہ) وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔"

(۲۹) وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ ۖ وَكَفَىٰ بِاللهِ وَكِيلًا ۝ (احزاب۔ ع ۱ و ۶) "اور آپ اللہ پر توکل کیجئے، وہی کارسازی کے لئے کافی ہے۔"

(۳۰) قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ (احزاب۔ ع ۲) آپ ان سے یہ فرمادیجئے کہ وہ کون ہے جو اللہ تعالےٰ سے تم کو بچا سکے۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی بُرائی (کسی قسم کی مَضَرّت، نقصان) پہنچانا چاہے (تو کون روک سکتا ہے)، یا وہ کون ہے جو خُدا کی رحمت کو تم سے روک سکے۔ اگر وہ تم پر کسی قسم کا فضل کرنا چاہے (تو ساری دُنیا مل کر نہیں روک سکتی، اس کو خوب سمجھ لیں کہ) وہ خدا کے سوا نہ تو کوئی اپنا حمایتی پائیں گے نہ مددگار۔"

(۳۱) أَلَيْسَ اللهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ (زمر۔ ع ۴) "کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کیلئے کافی نہیں؟"

(۳۲) قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ (زمر۔ ع ۴) "آپ اُن سے فرمائیں کہ اچھا تو یہ بتاؤ کہ خُدا کے سوا تم جن لوگوں کو پکارتے ہو (ان کی بندگی کرتے ہو) اگر اللہ تعالےٰ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کی دی ہوئی تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ تعالےٰ مجھ پر کوئی رحمت (عنایت) کرنا چاہے تو کیا یہ اس کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے اور اسی پر توکّل کرنے والے توکّل کرتے ہیں۔"

(۳۳) ذَٰلِكُمُ اللهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ (شوریٰ۔ ع ۲) یہی اللہ میرا رب ہے، اُسی پر توکّل رکھتا ہوں اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"

(۳۴) اللهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝ (شوریٰ۔ ع ۲) "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ جس شخص کو (جتنی زیادہ) چاہتا ہے روزی دیتا ہے۔ وہ قوّت والا اور زبردست ہے۔"

(۳۵) وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (شوریٰ۔ ع ۴) "اور تمہارے لئے اللہ کے سِوا نہ کوئی کارساز ہے نہ مددگار ہے۔"

(۳۶) وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (شوریٰ۔ ع ۴) اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والی ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں۔"

(۳۷) وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ (ذاریات۔ ع ۱) اور تمہارا رزق اور جن چیزوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ سب آسمان میں ہے۔ (یعنی وہاں لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے، یا وہاں سے بارش وغیرہ کے ذریعہ سے نازل ہوتا ہے)۔

(۳۸) رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ (ممتحنہ۔ ع ۱) (حضرت ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ السَّلَام کی دُعا ہے) "اے ہمارے رب تیرے ہی اوپر ہم نے توکّل کیا اور تیری ہی طرف (ہر ضرورت میں) ہم نے رجوع کیا اور تیری ہی طرف (قیامت میں) لوٹ کر جانا ہے۔"

(۳۹) هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ (منافقون ع ۱۰) یہ منافق لوگ یوں کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس جمع ہیں اُن پر خرچ نہ کرو یہانتک (کہ جب یہ بھوکے مرنے لگیں گے تو) آپ ہی حضورؐ کے پاس سے مُنتشر ہوجائیں گے (حالانکہ یہ احمق یہ نہیں جانتے کہ) صرف اللہ ہی کے لئے ہیں سب خزانے آسمانوں اور زمین کے، لیکن منافق لوگ سمجھتے نہیں ہیں" (احمق ہیں یوں سمجھتے ہیں کہ روزی اِن لوگوں کے عطایا پر موقوف ہے)۔

(۴۰) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ (طلاق۔ ع ۱) "اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات (اور سُہولت کا) راستہ نکال دیتا ہے، اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں سے اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکّل کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ

اس کیلئے کافی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ (جس کام کا ارادہ کرتا ہے) اپنے کام کو پورا کر کے رہتا ہے (البتہ یہ ضرور ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا ایک اندازہ (اور وقت) مقرر کر رکھا ہے۔"

احادیث کے سلسلہ میں پہلی حدیث کے ذیل میں اس آیت شریفہ کے متعلق ایک قصہ بھی آرہا ہے۔

(۴۱) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ (مزمل۔ ع ۱) "وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں ہے، اسی کو اپنا کام سپرد کرنے کے لئے قرار دیئے رہو" (یعنی جب کہ مشرق و مغرب کا مالک وہی ہے تو اس پر اعتماد اور بھروسہ ہونا چاہیئے)۔

یہ اکتالیس آیتیں نمونہ کے طور پر ذکر کی گئیں ورنہ قرآن پاک کا تو ہر مضمون توحید ہی کی تعلیم ہے، اور توحید ہی کا ثمرہ توکّل ہے۔ جس کو جتنا زیادہ توحید میں رسوخ اور کمال ہوگا اتنا ہی توکّل، اللہ پر اعتماد، اس کے ماسوا سے بے نیازی ہوگی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب آگ میں ڈالا جارہا تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر درخواست کی کہ میرے قابل کوئی خدمت ہو تو حکم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں تم سے میری کوئی حاجت وابستہ نہیں۔ (احیاء العلوم)

ایک مسجد میں ایک فقیر اعتکاف کی نیت سے جاکر بیٹھ گئے۔ پاس کوئی سامان کھانے پینے کا کچھ نہ تھا۔ مسجد کے امام صاحب نے اُن کو نصیحت کی کہ یوں بے سروسامانی سے مسجد میں بیٹھنے سے یہ اچھا تھا کہ کہیں مزدوری کرتے (پیٹ کا پالنا فرض ہے) فقیر نے اُن کی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ انہوں نے دوسری دفعہ پھر یہی کہا۔ فقیر پھر چپ ہوگئے۔ اُس نے تیسری دفعہ پھر کہا۔ فقیر خاموش رہے۔ اس نے چوتھی دفعہ پھر کہا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ مسجد کے قریب جو یہودی کی دکان ہے، اس نے میری دو روٹی روزانہ کی مقرر کر لی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ اگر اس نے کھانا مقرر کردیا تو بہت اچھا ہے پھر اعتکاف ضرور کریں۔ فقیر نے کہا۔ کاش آپ امام نہ ہوتے تو بہت اچھا تھا۔ تم اپنی اس ناقص توحید کے ساتھ اللہ کے اور اُس کے بندوں کے درمیان واسطہ بن کر کھڑے ہوتے ہو۔ ایک کافر یہودی کے وعدہ کو تم نے اللہ تعالیٰ کے روزی کے وعدہ پر بڑھایا (افسوس ہے تم پر اور تمہارے حال پر)۔ (روض)

واقعی سچ کہا، ہماری یہی حالت ہے کہ بندہ کے وعدہ پر تو ہمیں اطمینان ہے، اللہ کے وعدہ پر نہیں ہے

ان آیات پر جو ذکر کی گئیں، انتہائی غور ہونا چاہیئے اور زیادہ سے زیادہ اس کی کوشش ہونا چاہیئے کہ صرف حق تعالیٰ شانہٗ وتقدّس پر ہی ہماری نگاہ ہو، اُسی پر اعتماد ہو، اُسی کی پاک ذات سے اپنا سوال ہو، اُسی سے بھیک مانگی جائے، اس کے علاوہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلے بلکہ دل میں بھی کسی دوسرے کا خیال نہ آئے، بلکہ وہی پاک ذات اور صرف وہی پاک ذات اپنا سہارا ہو، وہی نفع اور نقصان کا مالک دل سے سمجھا جائے۔ زبان سے کہتے رہنا تو ہماری عام عادت ہے لیکن اصل کار آمد یہ چیز ہے کہ ہمارے دل میں یہ بات اچھی طرح جم جائے کہ بغیر اُس کے ارادہ کے کوئی حاکم، کوئی دولتمند نہ کسی قسم کی مضرّت پہنچا سکتا ہے، نہ کسی قسم کا نفع پہنچا سکتا ہے۔ اور تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو بہت ہی کھلی ہوئی بات ہے کہ تمام دُنیا کے قلوب صرف اُسی کے قبضہ میں ہیں۔ ہم لاکھ کسی شخص کی مِنّت سماجت کریں مگر جب اس کا اپنا دل دوسرے کے قبضہ میں ہے تو جب تک دلوں کے مالک کا ارادہ نہ ہو، ہماری مِنّت سماجت سے اُس کے دل پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اور جب دلوں کا مالک کسی کام کو کرنا چاہے تو وہ بات خود بخود دوسروں کے دلوں میں پڑے گی۔ ہم لاکھ بے نیازی برتیں، اس کا دل اس کو خود مجبور کرے گا۔ بار بار اُس کے دل میں خیال آئے گا، بغیر تحریک کے خیال آئے گا۔ اس لئے اگر اپنی حاجات مانگنے کا محل ہے تو صرف وہی پاک ذات ہے۔ اگر عاجزی اور مِنّت سماجت کرنے کی جگہ ہے تو اُسی کا دربار ہے۔ ساری دُنیا کے دل اس کے ارادہ کے تابع ہیں، ساری دُنیا کے خزانے اُس کی مِلک ہیں۔

یا اللہ محض اپنے فضل سے بلا اِستحقاق بلکہ اِستحقاق کے خلاف اس ناپاک کو بھی اس جوہر کا کوئی شمّہ عطا فرما دے کہ تیری عطا کے واسطے اِستحقاق بھی شرط نہیں ہے

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال — کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اس کے بعد چند احادیث ان ہی مضامین کے متعلق مختصراً پیش کرتا ہوں جن کے متعلق اُوپر کی تین آیات مستقل طور پر ذکر کی گئیں۔

احادیث

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَزَلَتْ بِہٖ فَاقَۃٌ

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو فاقہ کی نوبت آجائے اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرے

فَانْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ وَمَنْ نَزَلَتْ بِهٖ فَاقَةٌ فَانْزَلَهَا بِاللّٰهِ فَيُوْشِكُ اللّٰهُ لَهٗ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ اَوْ اٰجِلٍ۔

اُس کا فاقہ بند نہ ہوگا اور جو شخص اپنے فاقہ کو اللہ تعالےٰ پر پیش کرے (اور اس سے درخواست کرے) تو حق تعالیٰ شانہٗ جلد اس کو روزی عطا فرماتے ہیں فوراً ہو جائے یا کچھ تاخیر سے مل جائے۔

(رواه الترمذى وهكذا فى الدر المنثور برواية ابى داؤد والترمذى والحاكم وقد صححه ولفظ ابى داؤد بموت عاجل اوغنى عاجل وفى المشكوٰة بموت عاجل اوغنى اٰجل)

ف (: جو شخص لوگوں سے سُوال کرتا پھرے اس کا فاقہ بند نہ ہوگا" کا مطلب یہ ہے کہ احتیاج پوری نہ ہوگی۔ آج اگر ایک ضرورت کے واسطے بھیک مانگی ہے اور وہ صورت کے اعتبار سے پوری ہوگئی، تو کل اِس سے اَہم کوئی ضرورت پیش آجائے گی اور احتیاج بدستور باقی رہے گی، اور اگر اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی پاک بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے تو یہ ضرورت تو پوری ہو ہی گی، دوسری ضرورت پیش نہ آئے گی۔ اور اگر آئی تو اس کا انتظام مالک ساتھ ہی کر دے گا۔)

(پہلی فصل کی احادیث میں نمبر ۸ کے ذیل میں حضرت کبشہؓ کی حدیث گذر چکی ہے، جس میں حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے قسم کھا کر چند باتیں اِرشاد فرمائیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص لوگوں سے مانگنے کا دروازہ کھولے گا، حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر فقر کا دروازہ کھولتے ہیں۔ اسی جگہ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا قسم کھا کر یہی مضمون حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی روایت سے بھی گذر چکا۔ یہی وجہ ہے کہ در بدر بھیک مانگنے والے ہمیشہ فقیر اور تنگدست ہی رہتے ہیں۔)

ایک اور حدیث میں یہ مضمون اس طرح وارد ہوا ہے کہ جو شخص اپنے فاقہ اور احتیاج کو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے سامنے پیش کرتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ بہت جلد اُس کے فقر کو دُور فرماتے ہیں جلدی کی موت سے یا جلدی کے غِنا سے۔ جلدی کی موت کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا وقت اگر خود قریب آگیا تو اس کو فاقوں کی تکلیف میں مصیبت اُٹھانے سے پہلے ہی حق تعالیٰ شانُہٗ موت عطا فرمائیں گے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ کسی کی موت اِس کے غِنا کا سبب بن جائے گی۔ مثلاً کسی کی میراث کا وافر حصہ مل جائے۔ یا کوئی شخص مرتے وقت اس کی وصیت کر جائے کہ میرے مال میں سے اتنا فلاں شخص کو دے دینا۔

مُتعدِد واقعات اس قسم کے دیکھنے اور سُننے میں آئے کہ مکّہ میں بعض مرنے والوں نے یہ وصیّت کی کہ ہندوستان کے فلاں شہر میں اس نام کا ایک شخص ہے، اس کو میرا مال فروخت کر کے روپیہ بھیج دیا جائے۔ کرُد ایک قبیلہ کا نام ہے، اسمیں ایک شخص مشہور ڈاکو تھا۔ وہ اپنا قصہ بیان کرتا ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ڈاکہ کے لئے جارہا تھا۔ راستہ میں ہم ایک جگہ بیٹھے تھے۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ کھجور کے تین درخت ہیں۔ دوؔ پر تو خوب پھل آرہا ہے اور ایک بالکل خشک ہے۔ اور ایک چڑیا بار بار آتی ہے اور پھل دار درختوں پر سے تروتازہ کھجور اپنی چونچ میں لے کر اس خشک درخت پر جاتی ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا۔ میں نے دس مرتبہ اس چڑیا کو لے جاتے دیکھا۔ تو مجھے یہ خیال ہوا کہ اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ یہ چڑیا اس کھجور کو کیا کرتی ہے۔ میں نے اس درخت کی چوٹی پر جا کر دیکھا کہ وہاں ایک اندھا سانپ منہ کھولے پڑا ہے، اور یہ چڑیا وہ تروتازہ کھجور اس کے منہ میں ڈال دیتی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر اس قدر عبرت ہوئی کہ میں رونے لگا۔ میں نے کہا، میرے مولا! یہ سانپ جس کے مارنے کا حکم تیرے نبیؐ نے دیا۔ تو نے جب یہ اندھا ہوگیا تو اس کو روزی پہنچانے کے لئے چڑیا کو مقرر کردیا۔ اور میں تیرا بندہ، تیری توحید کا اقرار کرنے والا، تو نے مجھے لوگوں کے لوٹنے پر لگادیا۔ اس کہنے پر میرے دل میں یہ ڈالا گیا کہ میرا دروازہ توبہ کے لئے کھلا ہوا ہے۔ میں نے اُسی وقت اپنی تلوار توڑ ڈالی، جو لوگوں کو لوٹنے میں کام دیتی تھی اور اپنے سر پر خاک ڈالتا ہوا اِقَالَہ اِقَالَہ (درگذر درگذر) چلانے لگا۔ مجھے غیب سے آواز آئی کہ ہم نے درگذر کردیا، درگذر کردیا۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ وہ کہنے لگے، تجھے کیا ہوگیا۔ میں نے کہا کہ میں مہجور تھا۔ اب میں نے صلح کرلی۔ یہ کہہ کر میں نے سارا قصہ اُن کو سُنایا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم بھی صلح کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر سب نے اپنی اپنی تلواریں توڑ دیں، اور سب لوٹ کا سامان چھوڑ کر ہم احرام باندھ کر مکّہ کے ارادہ سے چل دیئے۔ تین دن چل کر ایک گاؤں میں پہنچے تو ایک اندھی بڑھیا ملی۔ تو اس نے ہم سے میرا نام لے کر پوچھا کہ تم میں اس نام کا کوئی کرُدی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہے اُس نے کچھ کپڑے نکالے اور یہ کہا کہ تین دن ہوئے میرا لڑکا مرگیا۔ اُس نے یہ کپڑے چھوڑے۔ میں تین دن سے روزانہ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھ رہی ہوں۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ اس کے کپڑے فلاں کرُدی کو دے دو۔ وہ کرُدی کہتے ہیں کہ وہ کپڑے میں نے لے لئے اور ہم سب نے اُن کو پہنا۔ (روض)

اس قصہ میں دونوں چیزیں قابلِ عبرت ہیں۔ اندھے سانپ کی اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے روزی کا سامان، اور حضورؐ کی طرف سے کپڑوں کا عطیہ۔

جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی مدد کرنا چاہے تو اس کے لئے اسباب پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ سارے اسباب غِنا اور فقر کے وہی پیدا کرتا ہے، اور سچی توبہ کی برکت سے حضورؐ کی طرف سے کپڑوں کا اعزاز خود ایک قابلِ فخر چیز ہے۔ اور جلدی کی موت سے غِنا کے حاصل ہونے کی ایک مثال ہے۔ اور بہت سے واقعات مرتے وقت وصیتوں کے تو اکثر سننے میں آئے کہ میرے سامان میں سے اتنا فلاں شخص کو دے دیں۔

(ایک حدیث میں حضرت ابنِ عباسؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص بھوکا ہو یا حاجتمند ہو اور وہ لوگوں سے اپنی حاجت کو پوشیدہ رکھے تو اللہ تعالیٰ شانُہٗ پر (بوجہ اُس کے لطف و کرم کے) یہ حق ہے کہ اس کو ایک سال کی روزی حلال مال سے عطا فرمائے (مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص بھوکا ہو یا محتاج ہو، اور لوگوں سے اُس کو چھپائے، اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے مانگے، تو اللہ تعالیٰ شانُہٗ ایک سال کے لئے حلال روزی کا دروازہ اس پر کھول دیتے ہیں۔ (کنز))

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے غِنا طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو غِنا عطا فرماتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے عِفّت مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عِفّت عطا فرماتے ہیں۔ اور اوپر کا ہاتھ (یعنی عطا کرنے والا) بہتر ہے، نیچے کے ہاتھ سے (یعنی مانگنے والے کے ہاتھ سے) اور کوئی شخص ایسا نہیں جو سُوال کا دروازہ کھولے، مگر حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں

(حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ نے ایک شخص کی آواز سنی جو عرفات کے میدان میں لوگوں سے سُوال کر رہا تھا۔ انہوں نے دُرّے سے اس کی خبر لی کہ ایسے دن میں اور ایسی جگہ اللہ کے غیر سے سُوال کرتا ہے!

(ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص سُوال کا دروازہ کھولتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر دنیا اور آخرت میں فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے عطا کا دروازہ کھولتا ہے حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر دنیا اور آخرت کی خیر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص سُوال کا دروازہ کھولتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ کوئی شخص رسّی لے کر لکڑیاں اکٹھی

کر کے اپنی کمر پر لا کر فروخت کر دے اور اس سے اپنا گذر چلا لے، یہ اس سے بہتر ہے کہ بھیک مانگے، چاہے وہ بھیک ملے یا نہ ملے۔ ایک اور حدیث میں ہے، کہ جو شخص عطار کا دروازہ کھولتا ہے، صدقہ سے ہو یا صلہ رحمی سے، حق تعالیٰ شانہٗ اس پر کثرت فرماتے ہیں (یعنی اس کے مال میں اضافہ ہوتا ہے) اور جو شخص مال کی زیادتی کی نیت سے سوال کا دروازہ کھولتا ہے، اُس کی وجہ سے اُس پر کمی بڑھتی جاتی ہے۔ یعنی حاجتیں بڑھتی جائیں گی اور آمدنی کے ناکافی ہونے میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

(حضرت عمران بن حُصَینؓ، حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص کُلّیۃً اللہ تعالیٰ کی طرف مُتوجہ ہو جائے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کی ہر ضرورت کا تکفُّل فرماتے ہیں، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتے ہیں جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص ہمہ تن دُنیا کی طرف لگ جاتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو دُنیا کے حوالہ کر دیتے ہیں (کہ تُو جان اور تیرا کام۔ یعنی محنت کر اور کما لے، جتنی مَشقّت اُٹھائے گا اُس کے مناسب ہم دیتے رہیں گے)۔

(حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مَیں تمہیں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، تنہائی میں بھی اور علانیہ بھی، اور جب کوئی بُرا کام سرزد ہو جائے تو (تلافی کے طور پر کوئی) اچھا کام بھی کرو اور کسی سے سوال نہ کرو، کسی کی امانت نہ رکھو۔ دو آدمیوں کے درمیان قاضی نہ بنو۔ (کہ یہ بہت اہم کام ہے، ہر شخص کے بس کا نہیں ہے)۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو تھوڑے پر راضی ہو جائے اور قناعت کرے اور اللہ پر توکُّل کرے، وہ کمانے کی محنت سے بے فکر ہو جاتا ہے۔

(ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ سب سے زیادہ قوی ہو، وہ اللہ پر توکّل کرے۔ اور جو یہ چاہے کہ سب سے زیادہ غنی ہو، اسکو یہ چاہیئے کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے اُس پر اس سے زیادہ اعتماد رکھے جتنا اپنے پاس کی چیز پر ہوتا ہے۔ اور جو یہ چاہے کہ سب سے زیادہ مُعزّز ہو جائے، وہ تقوے اختیار کرے (اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ آدمی کے تقویٰ کا جتنا اثر لوگوں پر پڑتا ہے، اتنا کسی چیز کا نہیں پڑتا۔ جس شخص میں جتنا تقوے زیادہ بڑھا ہوا ہو گا، اتنا ہی لوگوں کے دلوں میں اُس کا اعزاز و اکرام زیادہ ہو گا)۔

حضرت وُہیبؒ، حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بندہ مجھ پر بھروسہ کر لیتا ہے تو اگر

آسمان زمین سب کے سب مل کر بھی اس کے ساتھ مکر کریں تو میں اُس کے لئے راستہ نکال دوں گا۔
حضرت ابنِ عبّاسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر وحی بھیجی کہ مجھ پر توکّل کرو، میں تمہاری ضروریات کا کفیل بنوں گا۔ میرے غیر کو اپنا ولی نہ بناؤ تاکہ میں تمہیں نہ چھوڑ دوں۔)

بہت سی احادیث میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا کہ حضرت عوف بن مالکؓ کے صاحبزادہ کو کافروں نے قید کر لیا۔ اور چمڑے کے تسموں سے خوب مضبوط ان کو جکڑ دیا۔ اُن پر نہایت سختی کی جاتی تھی، اور بھوکا بھی رکھا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے والد کے پاس کسی طرح اپنے احوال کی اطلاع بھیجی کہ حضورؐ سے دعا کے لئے عرض کریں۔ حضورؐ کو جب اطلاع پہنچی، تو حضورؐ نے فرمایا کہ اُن کے پاس یہ کہلا بھیجو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔ (تقوےٰ اختیار کریں) اور اُسی پر توکّل کریں اور صبح شام یہ آیت شریفہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۞ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۞ (توبہ۔ ع ۱۶) پڑھا کریں اُن کے پاس جب اطلاع پہنچی تو انہوں نے اس آیتِ شریفہ کو پڑھنا شروع کیا، خود بخود ایک دن وہ تسمے ٹوٹ گئے۔ یہ ان کی قید سے چھوٹ کر بھاگ آئے، اور کچھ جانور بھی اُن کے اپنے ساتھ پکڑ لائے۔

(حضرت ابنِ عبّاسؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو بادشاہ کے ظلم کا خوف ہو یا کسی درندہ کا یا دریا میں ڈوب جانے کا ڈر ہو اور اس آیتِ شریفہ کو تلاوت کرے تو انشاء اللہ کوئی مضرّت اس کو نہ پہنچے گی۔)

ایک اور حدیث میں اس قصہ میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ بھی کثرت سے پڑھنے کا حکم ہے۔ انہی صاحبزادہ کے قصہ میں یہ آیتِ شریفہ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۞ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط (طلاق۔ ع ۱) نازل ہوئی، کہ "جو اللہ سے ڈرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ، اس کے لئے راستہ کھول دیتے ہیں اور ایسی جگہ سے اس کو روزی پہنچاتے ہیں جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔" اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کے لئے کافی ہے۔ اُن صحابیؓ کو اس کا کیا گمان ہو سکتا تھا کہ یہی کافر جو اس قدر سخت ظلم پر اُترے ہوئے

ہیں، اُن ہی کے مال سے اُن کی روزی مُقدّر ہے۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں اور میرا ایک ساتھی ایک پہاڑ میں رہتے تھے۔ ہر وقت عبادت ہی مشغلہ تھا۔ میرے ساتھی کا گذر تو گھاس وغیرہ پر تھا اور میرے لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ انتظام فرما رکھا تھا کہ ایک ہرنی روزانہ آیا کرتی تھی اور میرے قریب آکر ٹانگیں چیر کر کھڑی ہو جاتی میں اُس کا دُودھ پی لیا کرتا وہ چلی جاتی۔ بہت زمانہ اسی طرح گذر گیا، کہ وہ ہرنی روز آجایا کرتی اور میں اس کا دودھ پیتا تھا۔ میرے ساتھی کے قیام کی جگہ اُس پہاڑ میں مجھ سے دُور تھی۔ ایک دن وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ایک قافلہ یہاں قریب آکر ٹھیرا ہے، چلو قافلہ والوں کے پاس چلیں، وہاں شاید کچھ دودھ اور اس کے علاوہ کچھ کھانے کی چیزیں مُیَسّر آجائیں۔ میں نے اوّل تو بہت انکار کیا۔ لیکن جب اُس نے بہت اِصرار کیا تو میں بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ ہم دونوں قافلے میں پہنچے۔ ان لوگوں نے ہمیں کھانا کھلایا۔ ہم کھانے سے فارغ ہو کر اپنی اپنی جگہ واپس آگئے۔ اس کے بعد میں ہمیشہ اُس ہرنی کے وقت پر اس کا اِنتظار کیا کرتا مگر اُس کا آنا بند ہو گیا۔ کئی دن انتظار کے بعد میں سمجھا کہ اس گناہ کی نحوست سے وہ روزی جس کی وجہ سے میں بے فکر تھا، بند ہو گئی۔

صاحبِ رَوض کہتے ہیں کہ بظاہر تین۳ چیزیں اس میں گناہ کی تھیں۔ ایک جس تَوکُّل کو اختیار کر رکھا تھا اس کو چھوڑا۔ دوسرے۲ طمع کی اور اس روزی پر قناعت نہ کی جس کی وجہ سے بے فکری تھی۔ تیسرے۳ ایسا کھانا کھایا جو طیّب نہ تھا جس کی وجہ سے طیّب رزق سے محرومی ہو گئی۔

بڑی عبرت کا قصہ ہے۔ ہم لوگ بسا اوقات اپنی حرص و طمع سے حق تعالیٰ شانہٗ کے اِنعامات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ صورت کے اعتبار سے سُوال کرنے پر اُس وقت کچھ مِل جاتا ہے، مگر اس کی نحوست سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کے اس اِنعام سے محرومی ہو جاتی ہے جو بے طلب اور بے مِنّت ملتا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی دُعا ہے: اَللّٰهُمَّ كَمَا صُنْتَ وَجْهِيْ عَنْ سُجُوْدِ غَيْرِكَ فَصُنْ وَجْهِيْ عَنْ مَسْئَلَةِ غَيْرِكَ ”اے اللہ جیسا کہ تُو نے میرے سر کو اپنے غیر کے سامنے سجدہ کرنے سے محفوظ رکھا، اسی طرح میری زبان کو اپنے غیر کے سُوال کرنے سے بھی محفوظ فرما۔ اَللّٰهُمَّ آمین

(۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس لئے سُوال کرتا ہے کہ اپنے مال میں زیادتی کرے وہ جہنم کے انگارے مانگ

یَسْأَلُ جَمْرًا فَلْیَسْتَقِلَّ اَوْ لِیَسْتَکْثِرْ (رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ)	رہا ہے۔ جس کا دل چاہے تھوڑے مانگ لے یا زیادہ مانگ لے۔

ف: پہلی حدیث شریف میں صرف اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے غیبی اعانت اور امداد کے بند ہونے کی وعید تھی۔ اس لئے کہ اس حدیث میں ضرورت کے موقع پر سوال کا ذکر تھا۔ اور اس جگہ بلا ضرورت محض اپنی جمع بڑھانے کے لئے بھیک مانگنا مذکور ہے اس لئے اس میں زیادہ سخت وعید ہے کہ وہ جہنم کی آگ اکٹھی کر رہا ہے۔ اب آدمی کو اختیار ہے کہ جتنے انگارے دل چاہے اکٹھے کر لے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ فلاں فلاں دو شخص آپ کی تعریف کر رہے تھے کہ آپ نے اُن کو دو دینار دیئے۔ حضورؐ نے فرمایا لیکن فلاں شخص، میں نے اُس کو دس سے لے کر سو تک اشرفیاں دیں مگر اُس نے ایسا نہیں کیا۔ پھر فرمایا کہ بعض آدمی سوال کرتے ہیں اور میں اُن کے سوال کی وجہ سے جو دیتا ہوں وہ بغل میں دبا کر لے جاتے ہیں لیکن وہ اپنی بغل میں آگ دبا کر لے جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ پھر آپ دیتے کیوں ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ میں کیا کروں، وہ بغیر مانگے رہتے نہیں اور اللہ تعالیٰ میرے لیے بخل کو گوارہ نہیں فرماتے۔ ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ جب آپکو معلوم ہے کہ وہ آگ ہے تو آپ کیوں مرحمت فرماتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں کیا کروں وہ بغیر سوال کے رہتے نہیں اور اللہ تعالیٰ میرے لیے بخل گوارا نہیں فرماتے۔

حضرت قبیصہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بوجھ (تاوان وغیرہ کا) اپنے ذمہ رکھ لیا یعنی کسی چیز کی ضمانت کر لی۔ اس سلسلہ میں میں حضورؐ کی خدمت میں مدد چاہنے کے لئے حاضر ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ٹھیر جاؤ، کہیں سے صدقہ کا مال آجائے گا تو میں مدد کروں گا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ قبیصہ! سوال صرف تین آدمیوں کے لئے جائز ہے۔ ایک؁ وہ شخص جس نے کوئی بوجھ ضمان وغیرہ کا اپنے ذمہ رکھ لیا ہو، اس کو جائز ہے کہ اتنی مقدار کا سوال کر لے، اور پھر رُک جائے، اس سے زیادہ کے سوال کا حق نہیں۔ دوسرے وہ شخص جس کو کوئی حادثہ پہنچ جائے، جس سے سارا مال ہلاک ہو جائے (مثلاً آگ لگ جائے یا کوئی اور ایسی آفت اچانک پہنچ جائے جس سے سب کچھ لُٹ لُٹا جائے) تو اس کو جائز ہے کہ اتنی مقدار کا سوال کرلے جس سے زندگی کا سہارا ہو سکے۔ تیسرے وہ شخص جس کو فاقے گذرنے لگیں، حتیٰ کہ تین آدمی اسکی

قوم کے کہنے لگیں کہ اس کو فاقہ ہونے لگا۔ تو اس کو بھی اتنی مقدار سوال کر لینا جائز ہے جس سے زندگی کا سہارا ہو جائے۔ ان تین کے علاوہ جو شخص سوال کرتا ہے وہ حرام مال کھاتا ہے۔)

ایک اور حدیث میں ہے کہ سوال کرنا دو شخصوں کے لئے جائز نہیں۔ ایک غنی کے لئے دوسرے قوی تندرست کے لئے (جو کمانے پر قادر ہو) البتہ جس شخص کو خاک میں ملا دینے والا فقر یا پریشان کر دینے والا قرض لاحق ہو گیا ہو، اس کو سوال کرنا جائز ہے۔ اور جو شخص مال کو بڑھانے کی غرض سے سوال کر رہا ہے، اس کے منہ پر قیامت کے دن زخم ہوں گے، اور وہ جہنم کی آگ کھا رہا ہے۔ جس کا دل چاہے زیادہ سوال کرلے جس کا دل چاہے کم کرلے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ سوال قیامت کے دن منہ پر زخم بن جائیں گے۔ جن سے اس کا چہرہ زخمی ہو جائے گا۔ جس کا دل چاہے اپنے چہرہ کی رونق کو باقی رکھے۔ جس کا دل چاہے چھوڑ دے۔ البتہ اگر بادشاہ سے (یعنی بیتُ المال سے بشرطیکہ اس میں سے لینے کا حق ہو) مانگے یا مجبوری کے درجہ میں مانگے تو مضائقہ نہیں ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی سوال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن اس کے چہرہ پر ذرا سا بھی گوشت نہ رہے گا۔

حضرت مسعود بن عمرو رضؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کی خدمت میں ایک جنازہ نماز پڑھنے کے لئے لایا گیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا ترکہ چھوڑا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ دو تین اشرفیاں چھوڑی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جہنم کے دو تین داغ ہیں۔ راوی کہتے ہیں، کہ میں نے حضرت ابو بکر رضؓ کے مولیٰ عبداللہ بن قاسم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ مال کے بڑھانے کی نیت سے سوال کرتا تھا۔

کتب احادیث میں متعدد واقعات اس قسم کے وارد ہوئے ہیں جن میں حضورؐ نے معمولی معمولی رقوم چھوڑنے پر جہنم کے داغ اور اس قسم کی وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں، علماء نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ جب آدمی کے پاس پہلے سے کچھ موجود ہو اور وہ جھوٹ بول کر اپنے آپ کو بالکل فقیر اور محتاج ظاہر کر کے سوال کرے اور باوجود فقیر نہ ہونے کے فقراء کی جماعت میں اپنے آپکو شامل کرے۔

(امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ سوال کرنے کے بارہ میں ممانعت کی بہت سی روایات وارد ہوئیں اور بڑی سخت سخت وعیدیں حدیث میں آئی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی بعض احادیث سے اجازت معلوم

ہوتی ہے۔ اس کا واضح بیان یہ ہے کہ فی نفسہٖ تو سوال کرنا حرام ہے۔ لیکن مجبوری کے درجہ میں یا ایسی حاجت میں جو مجبوری کے قریب ہو، جائز ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو حرام ہے اور حرمت کی وجہ یہ ہے کہ سوال کرنا تین باتوں سے خالی نہیں ہوتا، اور وہ تینوں حرام ہیں۔ اوّل تو اس میں اللہ جلّ شانہٗ کی شکایت کا اظہار ہے، گویا اس کی طرف سے انعام میں کمی ہے جیسا کہ کوئی غلام اگر کسی سے سوال کرے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گویا سیّد[1] کی طرف سے اُس پر تنگی ہے، اور اس کا مُقتضیٰ یہ ہے کہ بلا سخت مجبوری کے حلال نہ ہو۔ جیسا کہ مُردار کا کھانا سخت مجبوری میں حلال ہے۔ دوسرے اس میں مانگنے والے کا اپنے نفس کو غیر اللہ کے سامنے ذلیل کرنا ہے۔ اور مؤمن کی شان یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے ذلیل نہ کرے۔ البتہ اس پاک مولیٰ کے سامنے ذلیل کرنا اپنی عزت ہے۔ اس لئے کہ محبوب کے سامنے ذلّت و انکسار لذّت ہے اور آقا کے سامنے عجز کا اظہار سعادت ہے۔ تیسرے اُس میں اس شخص کی ایذاء اکثر ہوتی ہے جس سے سوال کیا جائے۔ بسا اوقات دینے والے کا دل خوشی سے آمادہ نہیں ہوتا، محض شرم وغیرہ کی وجہ سے خرچ کرتا ہے۔ پس اگر اُس نے شرم کی وجہ سے یا ریا کی وجہ سے دیا ہے تو وہ لینے والے پر بھی حرام ہے، اور اگر وہ انکار بھی کر دے تب بھی بسا اوقات اس کو اس بات سے رنج ہوگا کہ وہ صورۃً بخیل بنا۔ اس لئے ہر حال میں ایذاء کا احتمال ہے جس کا سبب یہ سائل بنا۔ اور ایذاء دینا بلا مجبوری کے حرام ہے۔ اور جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضور کی طرف سے سوال کرنے پر اس قدر سخت وعیدیں کیوں وارد ہوئیں۔ حضور کا ارشاد ہے کہ جو ہم سے سوال کرے گا اُس کو ہم دے دیں گے (ہم کیوں انکار کریں۔ اپنے سوال کے جواز کا وہ خود ذمہ دار ہے) اور جو مستغنی ہوتا ہے (یعنی سوال نہیں کرتا یا اللہ تعالیٰ سے غنا کا طالب ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ اسکو غنی کر دیتے ہیں۔ اور جو ہم سے سوال نہ کرے وہ ہمیں زیادہ محبوب ہے اُس شخص کے مقابلہ میں جو سوال کرے۔

ایک اور حدیث میں حضور کا ارشاد ہے کہ لوگوں سے مستغنی رہو، اور سوال جتنا بھی کم ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک سائل کو دیکھا کہ مغرب کے بعد سوال کر رہا ہے۔ آپؓ نے کسی سے فرمایا کہ اس کو کھانا کھلا دو۔ انہوں نے فوراً تعمیل کی اور کھانا کھلا دیا۔ حضرت عمرؓ نے پھر اس کی آواز سوال کی سُنی تو اُن صاحب سے مطالبہ کیا کہ میں نے تم سے اس کو کھانا کھلانے کو کہا تھا۔ انہوں نے عرض کیا

[1] یعنی مالک

کہ میں نے کھلا دیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس سائل کی طرف دیکھا تو اُس کی بغل میں ایک جھولی پڑی ہوئی تھی۔ جس میں بہت سی روٹیاں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تُو سائل نہیں بلکہ تاجر ہے۔ یعنی فقیر نہیں، بلکہ تجارت کے لئے سوال کرتا ہے، تاکہ ان روٹیوں کو جمع کرکے فروخت کرے۔ اس کے بعد اس کی جھولی چھین کر صدقہ کے اونٹوں کے سامنے اُلٹ دی اور اسکے دُرّہ مار کر کہا۔ پھر کبھی ایسا نہ کیجیو۔

امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ اگر سوال حرام نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ نہ تو اس کو مارتے، اور نہ اس کی روٹیاں چھینتے۔ بعض لوگوں کو اس پر اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا مارنا تو تنبیہ اور تادیب ہوسکتی ہے، لیکن اس کے مال کا چھیننا ظلم ہے۔ شریعت نے کسی کا مال چھین لینے کی سزا نہیں بتائی۔ لیکن یہ اعتراض حقیقت کی ناواقفیت سے پیدا ہوا۔ بھلا حضرت عمرؓ کی فقاہت تک دوسروں کی رسائی کہاں ہوسکتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے مُتعلق یہ گمان ہوسکتا ہے کہ ان کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ دوسرے کا مال لینا جائز نہیں۔ یا یہ گمان ہوسکتا ہے کہ باوجود مسئلہ معلوم ہونے کے اُن کو فعلِ حرام پر یعنی سُوال پر غصّہ آگیا ہو نعوذ باللہ غصّہ میں ایسا کر گئے، یا سُوال سے آئندہ روکنے کی مصلحت کی وجہ سے ایسا طریق اختیار کیا جو ناجائز تھا۔ اگر ایسا تھا تو یہ فعل خود ناجائز تھا۔ بلکہ بات یہ تھی کہ جب اُس نے بے ضرورت سُوال کیا اور دینے والوں نے اُس کو فقیر اور مُحتاج سمجھ کر دیا تو یہ دھوکہ سے حاصل کرنے کی وجہ سے اس کی مِلک میں نہ آیا تھا اور اصل مالکوں کا پتہ چلنا اب دُشوار تھا تو یہ بمنزلہ لُقطہ کے تھا جس کے مالک کا پتہ نہیں ہے اس لئے اس کا مصرف (بیتُ المال کے) مصالح عامّہ ہیں۔ اس لئے صدقہ کے اونٹوں کو کھلا دیا۔ اس فقیر کا سوال کرنا ویسا ہی ہے جیسا کہ کوئی گنہگار شخص اپنے کو صوفی ظاہر کرکے صدقات لے لے۔ اگر دینے والے کو اس کا حال معلوم ہوجائے تو کبھی بھی نہ دے۔ ایسے شخص کو لینا جائز نہیں۔ اس کو ضروری ہے کہ مالک کو واپس کردے۔

جب یہ بات مُتحقق ہوگئی کہ سوال صرف ضرورت میں جائز ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ضرورت کے چار درجے ہیں۔ اوّل درجہ اضطرار کا ہے۔ دوسرا سخت حاجت کا لیکن اضطرار کی حد سے کم۔ تیسرا معمولی حاجت کا۔ چوتھا عدمِ حاجت کا۔ پہلا درجہ، مثلاً کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کو بھوک کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے ہلاکت کا اور مرجانے کا اندیشہ ہے۔ یا ایسا ننگا ہے کہ اس کے پاس کوئی کپڑا بدن چھپانے کو نہیں ہے، تو ایسے شخص کو سوال کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ جواز کی باقی شرطیں پائی جاتی

ـه بلکہ بعض احوال میں واجب ہے، اور مُضطر کے لئے بغیر اجازت کے لینا بھی بعض اوقات جائز ہے ۱۲ ز

ہوں ۔ اور وُہ یہ ہیں :۔

الف : جو چیز مانگے ، وہ چیز جائز ہو ۔ **ب** : جس سے مانگے ، وُہ طیبِ خاطر سے راضی ہو ۔ **ج** : مانگنے والا کمانے سے عاجز ہو ۔ اگر وہ کمانے پر قادر ہے تو وہ لغو آدمی ہے جو بجائے کمانے کے سُوال کرتا ہے ۔ البتہ اگر کوئی طالب علم ہو جو اپنے اوقات کو طلبِ علم میں مشغول رکھتا ہو تو اس کو مضائقہ نہیں کہ سُوال کرلے ۔

اور چوتھا درجہ اس کے بالمقابِل کوئی شخص ایسی چیز کا سُوال کرے جو چیز اُس کے پاس موجود ہے ۔ مثلاً کپڑے کا سوال کرے ، اور بقدرِ ضرورت کپڑا اس کے پاس موجود ہے تو اس شخص کو سُوال حرام ہے ۔ یہ دُو درجے تو مقابل ہوئے ، ان کے درمیان دُو درجے رہے ۔ ایک سخت حاجت کا مثلاً کوئی شخص بیمار ہے اور دُوا کے لئے دام نہیں ہیں لیکن مرض ایسا نہیں ہے جو ہلاکت کے درجہ کا ہو ۔ یا مثلاً کسی کے پاس کپڑا تو ہے مگر سردی کا پورا بچاؤ اس سے نہیں ہوتا ۔ یہ درجہ بھی ایسا ہے کہ اس میں سوال کے جائز ہونے کی گنجائش ہے ، لیکن اس کا ترک اَولیٰ ہے ۔ ایسا شخص اگر سُوال کرے تو اس کو نا جائز یا مکروہ تو نہ کہیں گے لیکن خلافِ اَولیٰ کہیں گے ، بشرطیکہ اپنے سوال کی نوعیت ظاہر کر دے ۔ مثلاً یوں کہے کہ میرے پاس کپڑا تو ہے مگر سردی کے لئے کافی نہیں ۔ ضرورت کے درجہ سے زیادہ کا اظہار نہ کرے ۔ دوسرا درجہ کم حاجت کا ہے ۔ مثلاً اس کے پاس روٹی کے دام تو ہیں ، سالن کے لئے دام نہیں ہیں ۔ یا پھٹے پُرانے کپڑے ہیں اور وہ ایک کرتا ایسا بنانا چاہتا ہے جو اُن پر باہر جانے کے وقت پہن لیا کرے ، تاکہ لوگوں پر بوسیدہ کپڑے ظاہر نہ ہوں ۔ تو ایسے شخص کے لئے سُوال جائز تو ہے ، مگر کراہت کے ساتھ ، بشرطیکہ جس درجہ کی ضرورت ہے اس کو ظاہر کر دے ۔ اور ان تین چیزوں میں سے کوئی بات نہ پائی جائے جو پہلے گذر چکیں یعنی ایک یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی شکایت نہ ہو ، یعنی ایسی طرح سوال کرے جس سے شکایت نہ ٹپکتی ہو ، دوسرے اپنی ذِلّت نہ ہو ، تیسرے جس سے مانگے اس کو اذیّت نہ ہو ۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان تینوں چیزوں سے خالی ہونے کی کیا صورت ہے ؟ تو مَیں بتاتا ہوں کہ شکوہ سے خالی ہونے کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ساتھ ہو اور عدمِ ضرورت کا اظہار بھی ہو ۔ فقیروں کی طرح سے سوال نہ کرے ۔ مثلاً یوں کہے کہ ضرورت کا درجہ تو ہے نہیں ۔ ضرورت کی مقدار اللہ کا شکر ہے میرے پاس موجود ہے لیکن یہ نفس ایک اچھے کپڑے کی خواہش کرتا ہے ۔ اور ذِلّت سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے

باپ بھائی، یا کسی ایسے دوست سے سُوال کرے جس کے مُتعلّق یہ گمان ہو کہ اس سُوال سے اس کی نگاہ میں ذِلّت نہ ہوگی۔ یا ایسے کریم سے سُوال کرے جس کے یہاں صدقات کا زور ہو کہ اُس کے سُوال کرنے سے اُسکو مَسَرّت ہو۔ اور ایذا سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً خُصُوصی سُوال کسی سے نہ کرے، بلکہ عُمُومی سوال کرے یا ایسے انداز سے کرے کہ اگر وہ شخص جس سے سُوال کیا ہے ٹالنا چاہے تو ٹال سکے۔

اور یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جو چیز دینے والے نے شرم کی وجہ سے یا زور دینے سے مجبور ہو کر یا دلِ ناخواستہ دی ہے اُس کا لینا اِجماعاً حرام ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کا مال مار کر زبردستی چھین لیا ہو۔ اس لئے کہ کسی شخص کے ظاہر بدن کو مارنا، اور دل کو ملامت اور شرم کے کوڑے سے مارنا برابر ہے۔ البتہ مُضطر کے لئے یہ حق ہے کہ بغیر طِیبِ خاطر کے بھی لے لے۔ لیکن معاملہ احکم الحاکمین سے ہے اور حالات سب اس کے سامنے عیاں ہیں، وہ ہر شخص کی حالت کو خُوب جانتا ہے۔ نیز ایسے دوستوں سے سوال میں بھی مضائقہ نہیں جن کے مُتعلّق یہ اندازہ ہو کہ وہ سُوال سے خوش ہوں گے۔ (احیاء مختصرًا)

عَلّامہ زُبَیدِیؒ فرماتے ہیں کہ اِن وعیدات میں سُوال سے مراد اپنی ذات کے لئے سُوال ہے۔ جو سوال کسی دوسرے کے لئے ہو، وہ اس میں داخل نہیں، بلکہ وہ اُس کی اِعانت ہے۔ نیز وہ سوال میں داخل نہیں جو اپنے لئے ہو لیکن اپنے اَعِزّہ اور دوستوں سے ہو، اس لئے کہ وہ اس سے خوش ہوتے ہیں (اتحاف) لیکن یہ شرط ہے کہ یہ ایسی جگہ ہوگا جہاں اَعِزّہ اس سے خوش ہوتے ہوں اور جہاں ایسا نہ ہو، وہاں تو اہلِ قرابت کو اَذِیّت دینا اور بھی زیادہ سخت ہے، البتہ جو اَعِزّہ کریم ہوتے ہیں وہ اُس سُوال سے خوش ہوتے ہیں۔ مجھے خُود اس کا ذاتی تجربہ ہے۔ اور بہت کثرت سے واقعات اس کے شاہد ہیں۔

میرے والدؒ کی ایک حقیقی خالہ ہیں جو اب تک بھی حیات ہیںؑ۔ میرے بچپن سے اُن کا دستور مجھے کاندھلہ کے ہر سفر میں دو پیسے دینے کا تھا۔ جب میں صاحبِ اولاد ہو گیا اور انہوں نے میرے بچوں کو بھی دو۲ دو۲ پیسے دینا شروع کر دیئے، تو میں نے بہت اصرار سے اپنے دو پیسے کی بجائے چار پیسے کرائے اور یہ کہہ کر کرائے کہ تم مجھے اور میری اولاد کو ایک درجہ میں رکھتی ہو۔

مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کہ میرے اِن چار پیسوں کا مطالبہ اُن کے لئے اس قدر مَسَرّت کا سبب ہوتا ہے کہ مجھے بھی اُن کی خوشی سے لُطف آجاتا ہے حتّٰی کہ بعض اوقات اگر اُن کے پاس اُس وقت کچھ نہ ہُوا تو میں نے

ع: طباعت کے وقت انتقال ہو گیا۔ غفر اللہ لہا۔ ناظرین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ ۱۲۰ از

خود اُن کی کچھ نذر کیا، تاکہ اس میں سے وہ میرے پیسے مجھے مرحمت فرمادیں اس لئے کہ ان کو ان میں سے دینے سے بھی اتنی ہی خوشی ہوتی تھی اور اس کی طرف اِلتفات بھی نہیں ہوتا کہ یہ میں اُسی کے پیسوں میں سے دے رہی ہوں۔

اسی طرح میرے والد صاحبؒ کے ایک حقیقی ماموں مولانا شمس الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ہمیشہ سے اُن کا معمول مجھے ہر سفر میں ایک روپیہ مرحمت فرمانے کا تھا۔ جب میرے اولاد ہوگئی تو انہوں نے بجائے میرے اُنکی طرف اسکو منتقل کردیا۔ میں نے زبردستی اپنے روپیہ کا اِجراء کرایا۔ میں نے اُن سے کہا کہ بچوں کو آپ دیں یا نہ دیں میں ان کا ذمہ دار نہیں ہوں، میرا روپیہ بند نہیں ہوگا۔ مجھے ہمیشہ یاد رہیگا اور جب بھی یاد آجاتا ہے میں ہمیشہ اُن کے لئے دُعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ، ان کی مغفرت فرماکر اپنی عالی شان کے موافق اجرِ جزیل عطا فرمائے کہ اُن کو میرے اس مطالبہ سے کس قدر مسرّت ہوتی تھی۔ اکثر قہقہہ سے ہنسا کرتے تھے اور بار بار میرے اس لفظ کو دُہراتے، "ہاں جی، میرا روپیہ بند نہیں ہوگا" میں کہتا کہ ہرگز بند نہ ہوگا۔

اور بھی مجھے اپنے اعزّہ اور اَحباب سے اس نوع کے واقعات کا سابقہ پڑا ہے۔ یہ میں نے اس لئے لکھا کہ آج کل تعلّقات بالخصوص آپس داری کے عام طور سے ایسے خراب ہوتے جاتے ہیں کہ یہ بات اَب ذہنوں میں آنا بھی دشوار ہوجائے گی کہ عزیزوں کا سُوال باعثِ مسرّت بھی ہوسکتا ہے۔

دوسری چیز علامہ زُبیدیؒ نے یہ لکھی ہے کہ اگر دوسرے کے واسطے کوئی شخص سوال کرے تو وہ اس میں داخل نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ اور پہلی فصل میں جتنی روایات کسی دوسرے کے لیے اِعانت اور مدد کی گذری ہیں وہ سب اس کیلئے دلیل ہیں۔ اسی طرح طالبِ علم کی مشغولی سُوال کی ذِلت سے اہم ہے۔

مُلّا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کمانے پر قادر ہے اور علمی اِشتغال کی وجہ سے اس کو نہیں کرتا تو اس کو زکوٰۃ کا لینا بھی جائز ہے اور صَدَقاتِ تطوّع کا لینا بھی۔ اور اگر باوجود قدرت کے کمانا، نوافل اور عبادات میں مشغولی کی وجہ سے چھوڑتا ہے تو اُس کو مالِ زکوٰۃ کا سُوال جائز نہیں ہے۔ صَدَقاتِ تطوّع سے سوال میں مضائقہ نہیں گو کراہت ہو۔ اور اگر کوئی جماعت اِصلاحِ نفس اور تزکیۂ باطن کے لئے مُجتمع ہے تو بہتر یہ ہے کہ کوئی ایک شخص اُن سب کے لئے روٹی کپڑا جمع کرلیا کرے۔ (مرقات)

علمی اِشتغال چاہے عُلومِ ظاہرہ ہوں یا عُلومِ باطنہ۔ یقیناً بہت زیادہ اَہم ہے اور ایسے لوگوں

کے لئے یقیناً کسی دوسری چیز میں مشغول ہونا ہرگز نہ چاہیئے، اور محض نادانوں، احمقوں کے طعن و تشنیع کے خوف سے اس اہم مشغلہ کے ساتھ کمائی وغیرہ کی طرف لگنا، جاہلوں کے طعن کے خوف سے اپنی قیمتی مایہ کو ضائع کرنا ہے، نادانوں کے طعن و تشنیع سے نہ اہلِ علم کبھی بچے، نہ انبیائے کرام بچے۔

آج کل یہ وبا بہت عام ہوتی جارہی ہے کہ اہلِ علم کو اپنا گذر چلانے کے لیے کسی صنعت و حرفت کا سیکھنا ضروری ہے۔ اور اہلِ علم بھی دُنیاداروں کے طعن تشنیع سے بددل ہو کر اس کی اہمیت کو محسوس کر رہے ہیں اور مدارسِ عربیہ دینیہ میں یہ سلسلے بھی جاری ہو رہے ہیں۔ لیکن یہ علم کو بہت زیادہ نقصان دینے والی چیز ہے۔ اس میں اسلاف کے نمونے سامنے رکھے جاتے ہیں جنہوں نے اپنی معاش کے لیے تجارت و حرفت وغیرہ کے مشاغل اختیار کرتے ہوئے دین کی اور علم کی خدمت کی۔ اور یقیناً اگر جلّ شانہٗ توفیق عطا فرمائے تو یہ طریقہ بہترین طریقہ ہے، مگر ہم لوگوں کے قلوب اور ہمارے قوٰی اور ہمارے اخوان نہ تو اسکے متحمل ہیں کہ ہم لوگ دو کام بیک وقت کرسکیں، اور نہ ہماری طمعِ نفس اور حُبِّ دُنیا اس کی گنجائش دیتی ہے کہ مال کی بڑھوتری کے اسباب پیدا ہونے کے باوجود اللہ کے کام کے واسطے، دین کی خاطر، علم کی خاطر ہم اپنے اوقات کو دُنیا کمانے کے مشاغل سے زیادہ سے زیادہ فارغ کرسکیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداء میں دونوں کام شروع کئے اور آخر میں علمی مشغلہ پر دُنیا کی کمائی اور طلب غالب آگئی جس کے بارہا تجربے ہوچکے ہیں۔

امام غزالیؒ نے طلبِ علم کے جو دس آداب لکھے ہیں اس میں لکھتے ہیں کہ "چوتھا ادب یہ ہے کہ دُنیا میں مشغولی کو بہت ہی کم کردے، اور اپنے اہل اور وطن سے دُور چلا جائے اس لئے کہ تعلّقات کی کثرت مشغولی کا سبب ہوتی ہے اور مقصد سے ہٹانے والی ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لئے دو دل نہیں بناتے (کہ ایک دل علم میں مشغول رہے اور دوسرا دُنیا کمانے میں) یہ قرآن پاک کی آیت:۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ ط (احزاب۔ ع ۱) کی طرف اشارہ ہے، اور جتنا زیادہ وہ اپنے فکر و غور کو متفرق چیزوں میں مشغول کروگے، علوم کے حقائق سے دُور رہوگے۔ اسی وجہ سے کہا گیا کہ علم تجھے تھوڑا سا حصہ جب دے گا جب تو اپنے آپ کو پورا کا پورا علم کی نذر کردیگا، اور جو غور و فکر متفرق اُمور کی طرف منتشر رہتا ہے۔ اس کی مثال اس نالی کی سی ہے جس کی ڈول ٹوٹ گئی ہو کہ اُس میں سے پانی اِدھر اُدھر نکلے گا اور بہت کم کھیت میں پہنچے گا" (احیاء)

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ واقعی علم حاصل کرنا مقصود ہو، محض روٹی کھانے اور صدقات کا مال جو آدمیوں کا میل ہے، جمع کرنا مقصود نہ ہو۔ امام غزالیؒ وہ وعیدات جو بُرے عالموں کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ "ان سے معلوم ہوا کہ دُنیادار عالم حالت کے اعتبار سے بہت زیادہ خسیس ہے، اور عذاب کے اعتبار سے بہت زیادہ عذاب کا مستحق ہے بہ نسبت جاہل کے۔ اور کامیاب صرف وہی علماء ہیں جو آخرت کے عالم ہیں۔ اور آخرت کے عالم کے لئے چند علامات ہیں۔ جن میں سے پہلی یہ ہے کہ اپنے علم سے دُنیا کمانا مقصود نہ ہو۔ عالم کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دُنیا کی حقارت دُنیا کا کمینہ پن، دُنیا کی گندگی، اس کا فانی ہونا اس کو مستحضر ہو۔ وہ آخرت کی بڑائی، اس کی پائیداری اس کی عمدگی، اس کی نعمتوں کی پاکیزگی، اس کی رفعتِ شان کو، پانے والا ہو، اور اس بات کو خوب سمجھتا ہو کہ دُنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں۔ جب وہ ایک کو راضی کرے گا دوسری ناراض ہوگی (جیسا کہ حدیث میں بھی مضمون آیا ہے) اور یہ سمجھے کہ دُنیا اور آخرت بمنزلہ ترازو کے دو پلڑوں کے ہیں، جونسا ایک جھکائے گا دوسرا اُوپر چڑھ جائے گا۔ جو شخص دُنیا کی حقارت کو نہ سمجھتا ہو، وہ فاسِدُ العقل ہے۔ وہ علماء میں سے کیسے ہوسکتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا عذاب دِل کی موت ہے۔ اور دِل کی موت آخرت کے عمل سے دُنیا کی طلب ہے (یعنی دین کا کام اس غرض سے کرنا کہ اس سے دُنیا کی مال و دولت یا عزت و وجاہت کمائی جائے) یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ علم و حکمت کی رونق جاتی رہتی ہے، جب اُن سے دُنیا کمائی جائے۔ حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ جب عالم کو اُمراء کے دروازوں پر دیکھو تو وہ چور ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی عالم کو دُنیا سے محبت رکھنے والا سمجھو تو اس کو اپنے دین کے بارے میں مُتّہم سمجھنا۔ اس لئے کہ ہر شخص اُسی میں گھسا کرتا ہے جس سے اُس کو محبت ہو (احیا مختصراً)

لہٰذا یہ تو ضروری ہے کہ علماء کو اپنے نفس کو ہر وقت مُتّہم سمجھتے ہوئے اس کی سختی سے نگرانی کرتے رہنا چاہیے۔ ہر وقت اس فکر میں ضرور رہنا چاہیے کہ کہیں دُنیا کی محبت جو ہر خطا کی جڑ ہے، غیر محسوس طریقہ سے جڑ نہ پکڑلے، اور دُنیا سے بے رغبتی بلکہ نفرت راسخ ہو جانے کے بعد نہ سوال میں مضائقہ ہے نہ صدقات و زکوٰۃ کے لینے میں۔ بلکہ صدقات والوں کا اہم وظیفہ ہے کہ اہلِ علم کو مقدم کریں جیسا کہ پہلے صدقہ ادا کرنے کے آداب میں گذر چکا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس ناپاک دُنیا کے کتے کو بھی اس مُہلک مرض سے نجات عطا فرمائے کہ دُنیا طلبی ایسا مُہلک مرض ہے جو آہستہ آہستہ ترقی کرتا رہتا

ہے، اور وہ صرف مال ہی کے حاصل کرنے میں مُضمر نہیں ہے بلکہ جاہ کے حاصل کرنے میں مال سے بھی زیادہ سُرعت کے ساتھ بڑھتا ہے، اور دینی ماحول میں یہ مرض حُبِّ دُنیا سے بھی زیادہ ترقی کرتا ہے۔

(۳) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِيْ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِيْ ثُمَّ قَالَ يَا حَكِيْمُ إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهِ وَكَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى أُفَارِقَ الدُّنْيَا (متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُوال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔ مَیں نے پھر مانگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے حکیم یہ مال سرسبز میٹھی چیز ہے یعنی خوشنما ہے دیکھنے میں، لذیذ ہے دِلوں میں۔ پس جو شخص اس کو نفس کی سخاوت (یعنی اِستغناء) سے لیتا ہے اس کے لئے تو اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو اس کو اِشراف نفس (یعنی حرص اور طمع جیسا کہ آئندہ حدیث کے ذیل میں آئے گا) کے ساتھ لیتا ہے اُس کے لئے اس میں برکت نہیں ہوتی وہ ایسا ہے جیسا کوئی (بھوک کا مریض کہ) کھاتا ہے اور پیٹ نہ بھرے۔ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی نہ مانگنے والا ہاتھ، مانگنے والے سے اچھا ہے) حکیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مَیں نے عرض کیا یا رسول اللہ، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اب آپ کے بعد مرنے تک کبھی کسی کو نہیں تکلیف دوں گا۔"

ف: یعنی اب ساری عمر کبھی کسی سے سُوال نہیں کروں گا۔ بعض روایات میں اس حدیث کے بعد یہ

مضمون بھی ہے کہ اس کے بعد حضرت اَبُو بکر صدیق رضؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت حکیم رضؓ کو بُلاتے تاکہ اُن کا جو حق بَیْتُ الْمَال کے فَئ میں ہے وہ اُن کو مرحمت فرماویں۔ وہ لینے سے انکار کر دیتے۔ پھر حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں بھی یہی معمول رہا کہ وہ حکیم رضؓ کو اُن کا حصّہ دینے کو بُلاتے، وُہ لینے سے انکار کر دیتے، حضرت عمر رضؓ نے لوگوں کو اس پر گواہ بنایا کہ وہ حکیم رضؓ کا حصّہ دینے کو بُلاتے ہیں وہ قبول نہیں کرتے لیکن حضرت حکیم نے اپنے انتقال تک کسی سے نہ لیا۔ (ترغیب)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس بَحرَین سے مال آیا۔ اوّل حُضور نے حضرتِ عبّاس رضؓ کو اس میں سے عطا فرمایا۔ اس کے بعد حُضور نے حکیم رضؓ کو بلایا اور لپ بھر کر عطا فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس کا لینا میرے لئے اچھا ہے یا بُرا ہے؟ حُضور رضؓ نے فرمایا بُرا ہے۔ انہوں نے واپس کر دیا اور قسم کھائی کہ میں کسی کی بھی عطا قبول نہیں کروں گا۔ پھر حکیم رضؓ نے درخواست کی کہ یارسُول اللہ میرے لئے دُعا کیجئے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ میرے یہاں برکت عطا فرمائے۔ حُضور نے دُعا کی کہ حق تعالیٰ شانُہٗ اُن کے ہاتھ کی کمائی میں برکت عطا فرمائے (ترغیب)۔

حضرت معاویہ رضؓ حُضور کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ مانگنے میں اِصرار نہ کیا کرو۔ خدا کی قسم جو شخص مجھ سے کوئی چیز مانگے اور محض اُس کے مانگنے کی وجہ سے اپنی طبیعت کے خلاف میں کوئی چیز اُس کو دوں تو اس میں برکت نہ ہوگی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس شخص کو میں طِیبِ نفس سے کوئی چیز دوں، اُس میں تو برکت ہوگی اور جس شخص کو اس کی طمع اور سُوال کی وجہ سے بغیر طِیبِ خاطر کے کوئی چیز دوں گا، وہ ایسا ہوگا جیسا کہ آدمی کھاتا رہے اور پیٹ نہ بھرے۔

حضرت ابنِ عُمر رضؓ حُضور کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ سُوال میں اِصرار نہ کیا کرو۔ جو شخص اِصرار کے ساتھ ہم سے کوئی چیز لے گا، اس میں برکت نہ ہوگی۔ (ترغیب)

قُرآن پاک میں بھی اس پر تنبیہ فرمائی گئی، چنانچہ ارشاد ہے لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (بقرہ - ع ۳۷) کہ لوگوں سے اِصرار سے نہیں مانگتے۔"

حضرت عائشہ رضؓ حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد نقل کرتی ہیں کہ یہ مال سر سبز اور میٹھی چیز ہے۔ پس جس شخص کو ہم اس میں سے کوئی چیز اپنی طِیبِ نفس سے دیں، ایسی حالت میں کہ لینے والے

کی طرف سے روزی لینے کی اچھی حالت ہو (یعنی اِستحقاق کے اعتبار سے بہترین مُستحق ہو، سُوال کے اعتبار سے جائز طلب ہو، مبالغہ نہ ہو) اور اُس کی طرف سے طمع نہ ہو، تو اس مال میں اُس کے لئے برکت دی جاتی ہے اور جس شخص کو ہم کوئی چیز ایسی طرح دیں کہ ہماری طیبِ خاطر نہ ہو اور اُس کی طرف سے لینے کی اچھی حالت نہ ہو اور اس کی طمع شامل ہو، تو اس میں برکت نہیں ہوتی۔ (ترغیب)

برکت ایسی اَہم اور قابلِ قدر چیز ہے کہ اس میں تھوڑی سی چیز میں بہت سی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ پہلے اس نوع کے واقعات گذر چکے ہیں کہ ایک پیالہ دُودھ بہت سے اصحابِ صُفّہ کو کافی ہو گیا۔ یہ آخر برکت ہی تو تھی۔ اور اس زمانہ میں بھی بسا اوقات اس کا مُشاہدہ ہوتا رہتا ہے، گو ویسا نہ ہو جیسا کہ حضورؐ کیلئے برکت کا نمونہ ظاہر ہوتا تھا۔ اور ویسا ہو بھی نہیں سکتا۔ لیکن اس زمانہ اور حالات کے اعتبار سے بہت مرتبہ اس کا تجربہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے کسی چیز میں ایسی برکت فرما دیتے ہیں کہ دیکھنے والے تعجُّب میں رہ جاتے ہیں، اور اس کے بالمقابل بے برکتی ایسی مَنحوس چیز ہے کہ جتنا بھی کمائے جاؤ کبھی کافی نہیں ہوتا۔ جس کی مثال حضورؐ کے پاک کلام میں قریب ہی گذری ہے کہ کھائے جاؤ پیٹ نہ بھرے۔

اس بے برکتی میں ایک اپنا ہی تجربہ خود اپنے ہی اوپرا ور اپنی حماقت کا اظہار کرتا ہوں۔ مُجھے بچپن میں بَیت بازی کا بہت شوق تھا۔ اور چونکہ والد صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کی طرف سے باوجود اُن کے تَشدُّد اور سختیوں کے اس فعل پر نکیر نہ تھی۔ اس لئے یہ مرض ترقی پذیر تھا اور بلا مبالغہ ہر زبان کے ہزاروں شعر یاد تھے جو اَب نہیں رہے۔ میرا اہم ترین کھیل یہ تھا کہ اپنے مخصوص اعِزَّہ جب کہیں ایک جگہ اتفاقیہ جمع ہو جاتے تو یہ مشغلہ شروع ہو جاتا۔ مجھے اپنے ابتدائی مُدرِّسی کے زمانہ میں ایک شب کے لئے کیرانہ جانے کا اتفاق ہوا، جہاں میرے پھوپھی زاد بھائی وکالت کرتے تھے وہ بھی اس مشغلہ کے شوقین یا مریض تھے۔ میری وجہ سے اور بھی بعض اعِزَّہ جمع ہو گئے، اور حسبِ معمول عشاء کی نماز کے بعد یہ بیکار مشغلہ شروع ہو گیا۔ سردی کا زمانہ تھا۔ انہوں نے تین سیر دُودھ اس خیال سے منگا کر رکھا تھا کہ رات کو دو تین مرتبہ تو چائے کا دَور آخر چلے ہی گا۔ مگر اس خیال سے کہ ابھی تھوڑا سا وقت گذر جائے تو چائے پکائی جائے گی۔ چائے پکانے کی نوبت بھی نہ آئی تھی۔ میرے اندازہ کے موافق آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ گذرا ہو گا کہ مجھے پیشاب کی ضرورت ہوئی۔ اور باہر آیا تو آسمان پر مشرق کی جانب ایسی تیز سفیدی نظر آئی کہ حیرت ہو گئی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ سفیدی کیا چیز ہے۔ اس کے دیکھنے کے واسطے میں نے دوسرے اعِزَّہ کو آواز دی

سب اس کو دیکھ کر متحیر تھے کہ یہ سفیدی کس چیز کی ہے۔ مختلف قیاسات گھڑے جا رہے تھے کہ چاروں طرف سے اذانوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ صبح صادق ہے۔ وہ دن بھی عجیب حیرت میں گذرا کہ رات کہاں نکل گئی۔ اور اس کے بعد سے اب تک بھی جب خیال آجاتا ہے ایک سناٹا گذر جاتا ہے کہ اس رات میں اسقدر بے برکتی کیوں ہوئی۔ اور اَب تو جب کبھی اس رات کا خیال آجاتا ہے تو حیرت کے علاوہ ایک عبرت اور افسوس بھی ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ساری عمر ہی اُس رات جیسی ہوگی۔ اُسی دن میرے موصوف بھائی نے اپنے والد میرے پھوپھا مولانا رضی الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو ایک بزرگ ہستی حضرت قطب عالم گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے حدیث میں شاگرد تھے خواب میں دیکھا فرما رہے ہیں کہ میاں زکریا بھی کیسے بزرگ ہیں، اس طرح رات کھ ضائع کر دیتے ہیں۔

کچھ انہی کی توجہ کا اثر ہوگا کہ اس کے بعد سے پھر کبھی اس مشغلہ کی نوبت نہ آئی۔ لیکن عمر بھر کی حیرت کے لئے یہ کیرانہ کی رات مجھے تعجب میں ڈالنے کے لئے کافی ہے اور اس واقعہ سے دو چیزیں ایسی ذہن نشین ہو گئیں کہ ان میں ذرا بھی استبعاد نہیں رہا۔

ایک تو بزرگوں کے وہ واقعات اور حالات جن کے متعلق تواریخ میں اس قسم کی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں کہ ساری رات نماز میں گذار دی۔ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھ لی۔ رات رات بھر مناجات میں گذار دی، کہ اس نوع کے جتنے واقعات ہیں، وہ سب قرینِ قیاس ہیں۔ لذّت اور انہماک یقیناً ایسی چیز ہے کہ اس کے حاصل ہونے کے بعد نہ رات کا طول رہ سکتا ہے، نہ نیند کا حملہ۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے لطف سے ان حضرات کو ان عبادات میں لذّت کا مرتبہ عطا فرمایا، یہ اس کو وصول کرتے ہیں جن کو ان میں لذّت نہیں ہے، اُن کو جتنا بھی دشوار اور پہاڑ معلوم ہو ظاہر ہے۔

اور دوسری چیز جو اپنے تجربہ سے ذہن میں آئی وہ ایک حدیث پاک کا مضمون ہے کہ قیامت کا سخت ترین دن جو پچاس ہزار برس کے برابر ہے، بعض لوگوں پر ایسا گذر جائے گا جیسا کہ ایک نماز یا ایک نماز سے دوسری نماز تک کا وقت ہوتا ہے۔ یقیناً یہ حضرات جن کے پاس معاصی نہ ہونے سے خوف کا گذر نہ ہو، اپنے نیک اعمال کی وجہ سے لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ الآیۃ کے مصداق ہیں کہ نہ ان کو اس دن کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ عرش کے سایہ تلے اپنے کارناموں کے لذائذ میں مشغول اور منہمک ہوں گے۔ ان پر یہ طویل وقت جتنا بھی مختصر سے مختصر گذر جائے، میرے لئے تو اپنا

تجربہ اس کی تائید کرتا ہے۔

(۴) عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلِيٍّ الْجُهَنِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَلَغَهُ عَنْ اَخِيْهِ مَعْرُوْفٌ مِنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ وَلَا اِشْرَافِ نَفْسٍ فَلْيَقْبَلْهُ وَلَا يَرُدَّهُ فَاِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ سَاقَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلَيْهِ۔

حضرت خالد بن علی رضی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو بغیر سوال کے اور بغیر اشراف نفس (یعنی طمع اور حرص) کے اپنے بھائی کی طرف سے کوئی چیز پہنچے اس کو قبول کرلینا چاہیئے اس کو رد نہ کرنا چاہیئے۔ یہ اللہ جل شانہ کی طرف سے روزی ہے جو اس کو بھیجی گئی ہے۔

(رواہ احمد باسناد صحیح وابن حبان فی صحیحہ والحاکم کذا فی الترغیب)

ف: متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ بلا طلب اور بلا طمع کے اگر کوئی ہدیہ ملے تو اس کو قبول کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس کے واپس کرنے میں اللہ کی نعمت کا کفران ہے اور ٹھکرانا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر اکابر باوجود طبیعت نہ چاہنے کے بھی قبول کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطا کے طور پر کچھ مرحمت فرماتے، میں عرض کر دیتا کہ حضور کسی ایسے شخص کو مرحمت فرمادیں جو مجھ سے زیادہ حاجت مند ہو۔ حضور نے فرمایا کہ نہیں لے لو۔ جب کوئی مال ایسی طرح آوے کہ نہ اس کا سوال کیا جائے، نہ اس میں اشراف نفس ہو تو اس کو لے لیا کرو۔ پھر اگر دل چاہے اس کو اپنے کام میں لاؤ۔ اور دل نہ چاہے صدقہ کر دیا کرو۔ اور جو مال خود نہ آئے اس کی طرف دھیان بھی نہ لگاؤ۔

حضرت ابن عمر رضی کے صاحبزادے حضرت سالم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی کی یہ عادت تھی کہ کبھی کسی سے سوال نہ کرتے تھے، اور کہیں سے کچھ آتا تو اس کو رد نہ فرماتے۔

اسی قسم کا قصہ حضرت عمر رضی کو بھی پیش آیا۔ کہ حضور نے ان کو کچھ مرحمت فرمایا۔ حضرت عمر رضی نے اس کو واپس کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ واپس کیوں کر دیا؟ حضرت عمر رضی نے عرض کیا کہ آپ ہی نے تو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ کسی سے کوئی چیز نہ لیا کریں۔ حضور نے فرمایا

کہ اُس سے مانگ کر نہ لینا مراد ہے۔ جب بغیر مانگے کوئی چیز ملے تو وہ اللہ جلّ شانُہٗ کی طرف سے روزی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ پھر حضورؐ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اب سے کبھی کسی سے کوئی چیز نہ مانگونگا اور بلا طلب ملے گی اس کو قبول کروں گا۔

عبداللہ بن عامرؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں کچھ دام اور کچھ کپڑا کسی قاصد کے ہاتھ بھیجا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میری عادت تو کسی سے لینے کی نہیں ہے۔ جب وہ قاصد واپس جانے لگا، گھر سے نکلا ہی تھا، حضرت عائشہؓ نے اس کو واپس بُلا لیا اور اُس ہدیہ کو رکھ لیا اور یہ فرمایا کہ مجھے ایک بات یاد آگئی۔ حضورؐ نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ عائشہؓ بے مانگے کوئی چیز ملے تو اس کو لے لینا۔ وہ اللہ کی طرف سے روزی ہے جو تمہاری طرف بھیجی گئی۔

غالباً یہ ابتدائی قصہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ ہدایا قبول کرنے لگیں۔ مُتعدد روایات میں مُتعدد صحابہ کرامؓ سے بڑی بڑی رقمیں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش ہونا اور حضرت عائشہؓ کا اُن کو لے کر ہاتھ کے ہاتھ تقسیم کر دینا وارد ہوا ہے۔

واصل بن خطّابؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کسی سے کچھ مانگنا نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں مانگنے کے مُتعلّق میں نے کہا ہے لیکن بغیر مانگے اگر اللہ تعالےٰ کوئی چیز مرحمت فرما دیں تو اس کو لے لینا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دی ہے۔

حضرت ابُو ہریرہؓ بھی حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ شانُہٗ بے مانگے کوئی چیز دلوائیں، تو اُس کو قبول کرنا چاہیئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی روزی بھیجی گئی ہے۔

عابد بن عمرؓ بھی حضورؐ سے یہی نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو کوئی روزی بغیر مانگے اور بغیر اشرافِ نفس کے پیش کی گئی ہو، اُس سے اپنے خرچ میں وُسعت پیدا کرنا چاہیئے۔ اور اگر خُود کو اس کی حاجت نہ ہو تو پھر کسی ایسے شخص کو دے دینا چاہیئے جو اپنے سے زیادہ ضرورت مند ہو۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے عبداللہؒ کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ اشرافِ نفس کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تو اپنے دِل میں یہ خیال کرے کہ یہ شخص مجھے کچھ دیگا فلاں شخص مُجھے کچھ بھیجے گا۔ (ترغیب)

اِشراف کے اصل معنی جھانکنے کے ہیں۔ اِشرافِ نفس یہ ہے کہ نفس کسی کو جھانک رہا ہو۔

اُس کی تاک میں لگا ہوا ہو، جیسا کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ دل میں یہ خیال ہو کہ یہ مجھے کچھ عطا کرے گا۔ اسی وجہ سے اکثر علماء اس کو حرص وطمع سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں بھی نفس کی خواہش ہوتی ہے کہ مجھے مِل جائے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اشرافِ نفس کے معنی بعض نے شدّتِ حرص کے فرمائے ہیں اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اشرافِ نفس یہ ہے کہ دینے والا گرانی کے ساتھ عطا کرے۔

امام غزالیؒ اس چیز کے قبول کرنے کے آداب میں جو بے طلب کہیں سے آئے لکھتے ہیں کہ اس میں تین چیزیں قابلِ غور وفکر ہوتی ہیں۔ ایک تو مال، دوسرے دینے والے کی غرض، تیسرے لینے والے کی غرض۔ یعنی اوّل تو مال کو دیکھنا ہے کہ وہ کیسا ہے۔ اگر حرام مال ہے یا مشتبہ ہے تو اس سے احتراز ضروری ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز دینے والے کی غرض کو دیکھنا ہے کہ وہ کس نیت سے دیتا ہے یعنی ہدیہ کی نیت سے دے رہا ہے جس سے دوسرے کا دل خوش کرنا اور اس کی محبت کا بڑھانا مقصود ہو، یا صدقہ کی نیت سے دے رہا ہے، یا اپنی شہرت اور نمود کی غرض سے دے رہا ہے (یا کسی اور فاسد غرض سے دے رہا ہے جس کا بیان دوسری حدیث میں آرہا ہے) پس اگر محض ہدیہ ہے تو اس کا قبول کرنا سنّت ہے (بہت سی احادیث میں ہدیہ کے دینے کی اور قبول کرنے کی ترغیبات آئی ہیں) بشرطیکہ اس میں لینے والے پر منّت (احسان اور بوجھ) نہ ہو۔ اگر منّت ہو تو رَد کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور اگر ہدیہ کی مقدار زیادہ ہونے پر منّت ہو تو اس میں سے کچھ مقدار لے لینے میں اور کچھ مقدار واپس کر دینے میں مضائقہ نہیں۔

حضورؐ کی خدمت میں ایک شخص نے گھی اور پنیر اور ایک مینڈھا پیش کیا۔ حضورؐ نے گھی اور پنیر قبول فرما لیا۔ مینڈھا واپس کر دیا اور حضورؐ کی یہ عادتِ شریفہ بھی تھی کہ بعض کا ہدیہ قبول فرما لیتے اور بعض کا رَد فرما دیتے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ میرا یہ ارادہ ہے کہ کسی شخص کا ہدیہ قبول نہ کروں بجز اُن لوگوں کے جو قریشی ہوں یا انصاری یا ثقفی یا دَوسی (اور اس ارشاد کا منشیٰ یہ تھا کہ ایک اعرابی نے حضورؐ کی خدمت میں ایک اونٹنی پیش کی۔ حضورؐ کی عادت شریفہ چونکہ ہدیہ کا بدلہ مرحمت فرمانے کی تھی۔ اس لئے اس کے بدلہ میں حضورؐ نے چھ اونٹ اس کو دیئے جو اُس نے کم سمجھے کہ وہ اُن سے بھی زائد کا اُمیدوار تھا۔ اور اس پر اُس نے ناگواری کا اظہار کیا۔ جب حضورؐ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو حضورؐ نے

وعظ میں اس واقعہ کو ذکر فرما کر اپنے اس ارادہ کا اظہار فرمایا، اور جن لوگوں کو مستثنیٰ کیا اُن کے اِخلاص پر حضور کو اعتماد تھا۔ (بذل)

اور حضرات تابعینؒ کا بھی یہ معمول کثرت سے نقل کیا گیا کہ بعض ہدیہ قبول فرما لیتے بعض کو رَد فرما دیتے۔

فتح بن شخرفؒ موصلی کی خدمت میں کسی نے ایک تھیلی پچاس دِرم کی پیش کی۔ انہوں نے فرمایا مجھے حضورؐ کا یہ ارشاد پہنچا ہے کہ جس شخص کے پاس بلا طلب کوئی رزق آئے، اور وہ اس کو واپس کر دے تو وہ اللہ کی روزی کو واپس کرتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے وہ تھیلی لی اور اس میں سے ایک دِرم قبول کر کے باقی کو واپس کر دیا۔

حسن بصریؒ بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے پاس ایک شخص دَراہم کی تھیلی اور ایک گٹھڑی خُراسان کے باریک کپڑوں کی لایا۔ انہوں نے اس کو واپس فرما دیا اور یہ فرمایا کہ جو شخص اس مرتبہ پر بیٹھے جہاں میں بیٹھا ہوں (یعنی وعظ و نصیحت، رُشد و ہدایت کے مرتبہ پر) پھر لوگوں سے اس قسم کی چیزیں قبول کرے، وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ایسے حال میں ملے گا کہ اس کا کوئی حصّہ نہ ہو گا (یعنی آخرت میں کچھ نہ ملے گا) اس لئے کہ اس میں شائبہ دینی کام میں بدلہ لینے کا ہے۔

حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ میں اصحابِ صُفّہ کو قرآن شریف پڑھایا کرتا تھا ان میں سے ایک شخص نے مجھے ایک کمان ہدیہ میں دی۔ میں نے یہ سوچا کہ یہ کچھ ایسا مال بھی نہیں ہے اور اللہ کے راستہ جہاد میں اس سے کام لوں گا۔ پھر بھی مجھے خیال آیا کہ حضورؐ سے دریافت تو کر لوں۔ میں نے حضورؐ سے دریافت کیا حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ آگ کا ایک طَوق تمہارے گلے میں ڈال دیا جائے تو لے لو۔ (ابوداؤد)

حضرت حسن بصریؒ کے اس عمل (اور حضورؐ کے اِرشاد) سے معلوم ہوا کہ قبولِ ہدیہ کے معاملہ میں عالم اور واعظ کا معاملہ زیادہ سخت ہے۔ اس کے باوجود حسن بصریؒ (اپنے مخصوص) احباب سے ہدیہ قبول کرتے تھے (جہاں معاوضہ کا شبہ نہ ہوتا تھا) اور ابراہیم تیمیؒ اپنے احباب سے ایک ایک دو دو دِرم لے لیتے تھے۔ اور بعض لوگ سینکڑوں پیش کرتے تھے اس کو قبول نہ کرتے تھے اور بعض حضرات کا یہ معمول تھا کہ جب اُن کو کوئی ہدیہ دیتا تو وہ فرماتے کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو اور مجھے غور کر کے یہ بتاؤ کہ اگر اس کے قبول کرنے سے میری وقعت (محبّت) تمہارے دِل میں اس سے زیادہ بڑھ جائے

جتنی قبول کرنے سے پہلے ہے، تب تو مجھے خبر دینا، میں لے لوں گا۔ ورنہ نہیں۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ اس کی علامت یہ ہے کہ رد کرنے سے دینے والے کی دل شکنی ہو اور قبول کرنے سے اس کو مسرت ہو، اور اس کا قبول کر لینا وہ اپنے اوپر احسان سمجھتا ہو۔

بشرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سری سقطیؒ کے سوا کبھی کسی سے سوال نہیں کیا۔ ان سے البتہ اس لئے سوال کرتا ہوں کہ مجھے ان کے زہد کا حال معلوم ہے مجھے یہ بات محقق ہے کہ ان کی ملک سے کسی چیز کا نکل جانا ان کی مسرت کا سبب ہوتا ہے، اور ان کے پاس رہنا گرانی کا سبب ہوتا ہے۔ اس لئے میں ان سے لے کر ان کی خوشی میں مدد کرتا ہوں۔

ایک شخص خراسان کے رہنے والے، حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس بہت سا مال ہدیہ میں لائے حضرت نے فرمایا کہ بہت اچھا، میں اس کو فقراء پر تقسیم کر دوں گا۔ اس نے عرض کیا، میں اس لئے نہیں پیش کرتا، میرا دل چاہتا ہے کہ اس کو آپ خود اپنے کھانے میں خرچ کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اس کے ختم ہونے تک کہاں زندہ رہوں گا (بہت بڑی مقدار ہے اس کے ختم ہونے کے واسطے زمانہ چاہیئے) اس نے عرض کیا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ اس کو سرکہ اور سبزی میں خرچ کریں (کہ برسوں میں ختم ہو) میرا دل چاہتا ہے کہ اس سے آپ حلوہ وغیرہ اچھی چیزیں نوش فرماویں۔ حضرت نے قبول فرما لیا۔ خراسانی نے عرض کیا کہ بغداد میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کا احسان مجھ پر آپ سے زیادہ ہو۔ (اس وجہ سے کہ آپ نے میری درخواست پر میرا ہدیہ قبول فرما لیا) حضرت نے فرمایا کہ تیرے جیسے شخص کا ہدیہ ضرور قبول کرنا چاہیئے۔

(یہ ساری بحث ہدیہ کی تھی)

دوسری قسم صدقات اور زکوٰۃ ہے۔ پس اگر وہ زکوٰۃ ہے تو لینے والے کو چاہیئے، کہ وہ یہ دیکھے کہ زکوٰۃ کا مستحق ہے یا نہیں۔ اگر مستحق ہے تو لے لے (زکوٰۃ کی فصل کے ختم پر اس کی کچھ تفصیل گذر چکی ہے) اور اگر بغیر زکوٰۃ کا صدقہ ہے تو لینے والے کو یہ غور کرنا چاہیئے کہ وہ کیوں دے رہا ہے۔ اگر وہ اس کی دین داری کی وجہ سے دے رہا ہے تو اپنے حال پر نظر کرنا چاہیئے کہ وہ در پردہ کسی ایسے گناہ کا مرتکب تو نہیں ہے کہ اگر دینے والے کو اس گناہ کا علم ہو جاتے تو کبھی بھی نہ دے اور اس کی طبیعت کو اس سے نفرت ہو جائے۔ اگر ایسا ہے تو اس کا لینا ناجائز ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی شخص کو عالم سمجھ کر کوئی شخص دے اور وہ محض جاہل ہو۔ یا سید سمجھ کر کوئی شخص دے اور وہ سید نہ ہو، تو ان کو اس کا لینا

بالکل جائز نہیں، بے تردّد حرام ہے۔

اور اگر دینے والے کی غرض فخر وریا اور شہرت ہے، تو اس کو ہرگز قبول نہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ یہ معصیت ہے، اور لینے والا گناہ میں مددگار ہوگا (حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایسے لوگوں کا کھانا کھانے کی ممانعت فرمائی ہے، جو تفاخر کے لئے کھلاتے ہوں)۔ (ترغیب)

حضرت سُفیان ثوریؒ بعض ہدایا کو یہ کہہ کر واپس کر دیتے تھے کہ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ دینے والا فخر کے طور پر اس کو ذکر نہیں کرے گا تو میں لے لوں۔ بعض بزرگوں پر جب اُن کے ہدایا واپس کرنے پر اعتراض کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ دینے والوں پر ترس کھا کر واپس کر دیتا ہوں کہ وہ اس کا لوگوں سے تذکرہ کرتے ہیں جس سے ان کا ثواب جاتا رہتا ہے تو بغیر ثواب کے اُن کا مال کیوں ضائع ہو۔

تیسری چیز لینے والے کی غرض ہے۔ اگر وہ محتاج ہے اور مال اُن آفات سے محفوظ ہے جو پہلے دو نمبروں میں گذریں تو اس کا لینا افضل ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ لینے والا اگر محتاج ہے تو وہ صدقہ کے لینے میں ثواب کے اعتبار سے دینے والے سے کم نہیں ہے۔ اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ شانہٗ کوئی مال بغیر مانگے اور بغیر اشرافِ نفس کے دے تو وہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے جو اُس نے عطا فرمایا۔

اس مضمون کی مُتعَدِّد روایات ابھی گذر چکی ہیں۔ علماء کا ارشاد ہے کہ جو شخص بغیر مانگے ملنے پر نہ لے، اُس کو مانگنے پر بھی نہیں ملتا۔

حضرت سَرِیّ سَقطیؒ، حضرت امام احمد بن حَنبلؒ کے پاس ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے واپس کر دیا۔ تو حضرت سَرِیؒ نے فرمایا کہ احمد! واپس کرنے کا وبال لینے کے وبال سے سخت ہے۔ حضرت امام احمد بن حَنبلؒ نے فرمایا، ایک مرتبہ پھر اس بات کو فرما دیں (تا کہ میں اس پر غور کروں) حضرت سَرِیؒ نے پھر یہی بات فرمائی کہ واپس کرنے کا وبال لینے کے وبال سے زیادہ سخت ہے۔ حضرت امام احمد بن حَنبلؒ نے کہا: میں نے اس لئے واپس کیا کہ میرے پاس ایک مہینہ کے گذر کے قابل موجود ہے۔ آپ اس کو اپنے پاس رہنے دیجئے، ایک مہینہ کے بعد مجھے مرحمت فرما دیں۔

بعض عُلماء کا ارشاد ہے کہ جو شخص احتیاج کے باوجود واپس کر دے وہ کسی سزا میں مُبتلا ہوتا ہے۔ طمع پیدا ہو جائے یا مُشتبہ مال لینا پڑ جائے، یا کوئی اور آفت ایسی ہی آجائے۔ اور اگر اس کو احتیاج نہیں ہے تو پھر یہ دیکھے کہ وہ انفرادی زندگی گذارتا ہے یا اجتماعی۔ یعنی اگر وہ یکسو رہتا ہے

دوسرے لوگوں سے اس کے تعلقات نہیں ہیں تو ایسے آدمی کو ضرورت سے زیادہ لے کر اپنے پاس روکنا نہیں چاہیئے کہ یہ محض اِتباعِ خواہش ہے، اور اس کو فتنہ میں مُبتلا کر دینے کا سبب ہے۔ اگر کسی وجہ سے لے لے تو اُس کو دوسروں پر تقسیم کر دے۔

اور امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت سَرِیؒ کی عطا اس وجہ سے قبول نہیں کی کہ ان کو خود تو حاجت نہ تھی اور یہ گوارا نہ ہوا کہ اس کو لے کر اس کی تقسیم اور خرچ کرنے میں اپنے اوقات کو مشغول کریں۔ اس لئے کہ اس میں بہت سی آفات اور بہت سی دِقتیں تھیں۔ اور اِحتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آفات کے محل سے دُور رہے۔ اس لئے کہ شیطان کے مکر سے کسی وقت میں اطمینان نہیں۔

ایک شخص مکہ کے رہنے والے کہتے ہیں کہ میرے پاس کچھ دِراہم تھے۔ جن کو میں نے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے رکھا تھا۔ میں نے ایک فقیر کی آواز سُنی جو طواف سے فارغ ہو کر بہت آہستہ سے (کعبہ کا پردہ پکڑ کر) کہہ رہے تھے، اے اللہ تجھے معلوم ہے کہ میں بُھوکا ہوں۔ اے اللہ تجھے معلوم ہے کہ میں ننگا ہوں۔ اے وہ ذاتِ پاک جو دوسروں کو دیکھتی ہے اس کو کوئی نہیں دیکھتا۔ میں نے جو اُن فقیر صاحب کی طرف نگاہ کی تو اُن کے بدن پر دو پرانی چادریں تھیں جن سے اُن کا بدن ڈھکا بھی نہ جاتا تھا۔ میں نے اپنے دِل میں خیال کیا کہ میرے دَراہم کا مصرف ان سے بہتر نہیں ملے گا۔ میں نے وہ سب اُن کے سامنے پیش کر دیئے۔ انہوں نے ان میں سے صرف پانچ دِرہم لے کر باقی مجھے واپس کر دیئے، اور یہ کہا کہ چار درہم دو لنگیوں کی قیمت ہے اور ایک درہم تین دن کھانے میں خرچ ہو جائے گا (ایک درہم[ع] تقریباً ۳۔ ر کا ہوتا ہے) میں نے دوسری رات کو اُن کو دیکھا کہ دو نئی لُنگیاں اُن کے بدن پر تھیں۔ میرے دِل میں اُن کی طرف سے کچھ خطرہ گذرا۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ طواف کرایا، تو طواف کے ساتوں چکروں کے ہر پھیرے میں میرے پاؤں کے نیچے مَعدِنیات بھرے پڑے تھے۔ کہ پاؤں کے نیچے وہ حرکت کرتے تھے، جس میں سونا، چاندی، یاقوت، موتی اور جواہرات تھے، مجھے وہ نظر آ رہے تھے اور لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے۔ اس کے بعد ان صاحب نے کہا کہ اللہ جلّ شانُہٗ نے یہ سب کچھ مجھے عطا فرما رکھا ہے لیکن میں اس میں سے لینا نہیں چاہتا۔ لوگوں کے ہاتھ سے لیکر خرچ کرتا ہوں، اس لئے کہ اس میں ان لوگوں کا نفع ہے جن سے لوں اور اُن پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔

غرض اِن واقعات سے یہ ہے کہ ضرورت سے زائد لینا فتنہ کا سبب ہے جو اللہ تعالیٰ کی

ع درہم چاندی کے ایک سکے کا نام ہے جس کا وزن تقریباً ۳۔ ر ماشہ ہے۔

طرف سے امتحان ہے کہ اس کو کس کام میں خرچ کیا، اور بقدرِ حاجت کا لینا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ پس آدمی کو رحمت اور امتحان میں فرق کرنا چاہیئے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا- الآية (کہف- ع ۱) "ہم نے جو کچھ زمین کے اوپر ہے اس کو زمین کے لئے زینت بنا رکھا ہے، تاکہ ان لوگوں کا امتحان کریں اور دیکھیں کہ ان میں کون شخص زیادہ اچھے عمل کرتا ہے" (اور کون نہیں کرتا یعنی کون شخص اس زیب وزینت میں پھنس کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہوجاتا ہے اور کون اس سے اعراض کر کے خدا ہی میں مشغول رہتا ہے) اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لئے تین چیز کے علاوہ کوئی حق نہیں۔ ایک اتنی مقدار کھانا جس سے کمر سیدھی رہے۔ ایک اتنا کپڑا جس سے بدن ڈھکا رہے۔ اور ایک گھر جس میں آدمی سما سکے۔ اس سے زیادہ جو کچھ ہے وہ حساب ہے۔ پس ان تینوں چیزوں میں سے صرف ضرورت کی مقدار تو باعثِ اجر ہے، اس سے زیادہ میں اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی نہ کرے تب بھی حساب تو ہے ہی اور اگر نافرمانی بھی کی تو عذاب بھی ہے۔ پس ضرورت سے زائد اگر کچھ ہو بھی تو وہ محتاجوں پر صرف کر دے یہ سب تو انفرادی زندگی کا حال تھا۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اسکی اجتماعی زندگی ہے اس کی طبیعت میں جود وسخا کا مادہ ہے، فقراء اور صلحاء کی جماعت اس سے وابستہ ہے۔ ان کی ضروریات بھی پوری کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو ایسے شخص کو اپنی حاجت سے زائد لینے میں مضائقہ نہیں لیکن لینے کے بعد بہت جلد اس کو خرچ کر دینا چاہیئے اہلِ ضرورت پر بانٹ دینا چاہیئے۔ ایک رات بھی اسکو اپنے پاس رکھنا فتنہ کی بات ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دل میں اس کا خیال پیدا ہونے لگے۔ خرچ کرنے سے طبیعت رکنے لگے۔ بلکہ ایسے شخص کو اللہ پر اعتماد کر کے قرض لے کر خرچ کرنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں حق تعالیٰ شانہ اس کا قرض ادا فرمائیں گے۔ (احیاء)

(۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُكُمْ قَرْضًا فَاَهْدٰى اِلَيْهِ اَوْ حَمَلَهٗ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبْهُ وَلَا يَقْبَلْهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ جَرٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو قرض دے پھر وہ قرض دار اس کو کوئی ہدیہ دے یا اپنی سواری پر سوار کرائے تو نہ ہدیہ قبول کرے، نہ اس کی سواری پر سوار ہو البتہ اگر اس قرض کے معاملہ سے پہلے اس قسم

قَبْلَ ذٰلِكَ ۔ کا برتاؤ دونوں میں تھا تو مضائقہ نہیں۔

(رواہ ابن ماجۃ والبیھقی فی الشعب کذا فی المشکوٰۃ)

ف: یعنی اگر اس سے پہلے سے آپس میں اس قسم کے تعلقات ہدیہ وغیرہ کے یا اُس کی چیز مستعار لینے کے تھے، تب تو قرض کی حالت میں بھی اس کے قبول کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور اگر پہلے سے ایسے تعلقات نہ تھے بلکہ اب قرض دار ہونے کی وجہ سے کر رہا ہے تو وہ سود ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے، حضرت اَبُوبُردہؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ تم ایسی جگہ کے رہنے والے ہو، جہاں سُود کا بہت رواج ہے۔ پس اگر تمہارا کسی شخص کے ذمہ کوئی حق ہو، پھر وہ تمہارے یہاں بھُس کی گٹھڑی یا گھاس کی گٹھڑی ڈال دے تو اس کو مت لینا، وہ سُود ہے۔ (مشکوٰۃ)

پس ہدیہ قبول کرنے میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ دینے والے کی کوئی فاسد غرض تو نہیں ہے۔ جیسا کہ قرض ہی کی صورت میں علاوہ سُود ہونے کے اگر یہ بھی غرض ہے کہ قرض خواہ تقاضا نہ کرے۔ تو یہ سُود کے ساتھ رشوت بھی ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بہت سی احادیث میں رشوت دینے والے پر، رشوت لینے والے پر، دونوں پر لعنت آئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے رشوت لینے والے پر اور رشوت دینے والے پر لعنت کی ہے۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس قوم میں سُود کا رواج ہوگا، اُن پر قحط مُسلط ہوگا اور جس قوم میں رشوت کا ظہور ہوگا وہ مرعُوب اور خوف زدہ ہوں گے۔ متعدد احادیث میں ہے کہ حضورؐ نے رشوت لینے والے کو، رشوت دینے والے کو اور اس شخص کو جو رشوت کے معاملہ میں درمیانی واسطہ بنے، لعنت فرمائی ہے۔ (ترغیب)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک صاحب کو صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ جب اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آئے تو حضورؐ کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ یہ مال تو

صدقہ میں ملا ہے اور یہ مجھے لوگوں نے ہدیہ کے طور پر دیا ہے۔ حضورؐ نے وعظ میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ بعض لوگوں کو صدقہ کا مال وصول کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے وہ آکر یہ کہتے ہیں کہ یہ صدقہ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ اپنے باوا کے گھر یا اپنی ماں کے گھر بیٹھ کر دیکھتے کہ ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں۔ (مشکوٰۃ)

جیسا کہ پہلی احادیث میں قرض کی صورت میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بلا معاملہ قرض کے یہ صورت ہدیہ کی پہلے سے ہو تو مضائقہ نہیں۔ اسی کی طرف اس عتاب میں بھی اشارہ ہے کہ بغیر حاکم ہونے کی صورت میں اپنے گھر بیٹھے جس شخص کو ہدیہ ملتا ہو وہ تو ہدیہ ہے لیکن جو ہدیہ محض حاکم ہونے کی وجہ سے دیا جاتا ہو، وہ ہدیہ نہیں ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص کسی کی سفارش کرے اور اس سفارش کی وجہ سے اُس کو ہدیہ میں کوئی چیز ملے اور وہ اس کو قبول کرلے تو وہ سود کے دروازوں میں سے بہت بڑے دروازے میں داخل ہوگیا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مجھے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو میرے پیچھے ایک آدمی بھیجا جو مجھے راستہ سے واپس بُلا کر لایا۔ حضورؐ نے فرمایا، تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کیوں بُلایا ہے، کوئی چیز میری بغیر اجازت نہ لینا کہ یہ خیانت ہوگی، وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (آل عمران۔ ع ۱۷) "اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اس کو قیامت میں (اپنے اوپر لاد کر عدالت میں) لائے گا" (مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رفاعہؓ نے ایک غلام حضورؐ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ وہ حضورؐ کے ساتھ غزوۂ خیبر میں گئے۔ وہ ایک موقعہ پر حضورؐ کے اونٹ پر سامان باندھ رہے تھے کہ ایک تیر کہیں سے آکر اُن کے لگا، جس سے وہ شہید ہوگئے۔ لوگوں نے کہا کہ ان کو شہادت مبارک مبارک (کہ حضورؐ کے غلام اور پھر اضافہ شہادت کا، مبارکبادی کی بات ہے ہی) حضورؐ نے فرمایا نہیں۔ اس نے ایک چادر کی خیانت کرلی تھی، جو اس وقت آگ بن کر اس کو لپٹ رہی ہے۔

حضرت زید بن خالدؓ فرماتے ہیں کہ حُنین کی لڑائی میں ایک صاحب کا انتقال ہوگیا جب جنازہ تیار ہوا تو حضورؐ کی خدمت میں نماز پڑھانے کی درخواست کی گئی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم ہی اس کی نماز پڑھ لو۔ صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ کے (رنج کی وجہ سے) چہرے اُتر گئے۔ حضورؐ نے (جب اُن کو افسردہ دیکھا تو) فرمایا کہ اس نے خیانت کر رکھی ہے۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ ہم نے اس مرحوم کے سامان کی تلاشی

لی تو اس میں یہود کے موتیوں میں سے کچھ چھوٹے چھوٹے موتی (جن کو پُوتھ کہتے ہیں) ملے. جو دو دِرم (یعنی تقریباً ساٹ آنے) کے بھی نہ ہوں گے۔ (درمنثور)

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہُ خود طیّب ہیں. اس لئے طیّب ہی مال قبول فرماتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ شانہُ نے مسلمانوں کو اُسی چیز کا حکم فرمایا، جس کا رسولوں کو حکم فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے یٰۤاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (مومنون ع ۲) "اے رسولو! کھاؤ اچھی چیزیں (یعنی حلال مال) اور نیک عمل کرو" اور مومنوں کو فرمایا یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ (بقرہ. ع ۲۱) "اے مومنو! کھاؤ طیّب چیزیں ان میں سے جو ہم نے تم کو دیں. پھر حضورؐ نے ذکر فرمایا. ایک آدمی کا کہ لمبے سفر میں جا رہا ہے (جو دُعا قبول ہونے کا خاص محل ہے)، پریشان بال، غبار میں بھرا ہُوا (جس سے اس کی مسکنت بھی معلوم ہوتی ہے) پھر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر اے اللہ، اے اللہ (کر کے دُعائیں) کرتا ہے، لیکن اس کا کھانا حرام (مال سے) ہے. پینا حرام ہے، لباس حرام ہے، اور حرام مال ہی سے پرورش ہوئی ہے بھلا اس کی دُعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ عنقریب ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں آدمی کو یہ بھی پرواہ نہ ہوگی کہ حلال مال سے ملایا حرام مال سے۔ (مشکوٰۃ)

ان کے علاوہ بہت سے مختلف مضامین کی روایات، کُتبِ احادیث میں بکثرت وارد ہوئی ہیں، جن میں بہت زیادہ تنبیہ اس پر کی گئی ہے کہ آدمی کو آمدنی کے ذرائع پر کڑی نگاہ کرنا چاہیئے. ایسا نہ ہو کہ پیسے کے لالچ میں ناجائز آمدنی سے چشم پوشی کر لے۔ اس سلسلہ میں اہلِ علم کی ذمّہ داری عام لوگوں سے بڑھی ہوئی ہے کہ وہ جائز ناجائز کو خود سمجھتے ہیں. بالخصوص اہلِ مدارس اور دوسرے ایسے حضرات جن کا تعلق چندہ کے مال سے ہے، اُن کو زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے حضرت بقیۃُ السّلف فخرُ الاماثل حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قُدّسَ سِرّہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ مَیں ان مدارس کے روپے سے جتنا ڈرتا ہوں، لوگوں کے مملوک روپے سے اتنا نہیں ڈرتا۔ اگر کسی کے ذاتی مال میں کچھ بے احتیاطی ہو جائے، اُس سے آخر میں معاف کرالے تو وہ معاف ہو جاتا ہے. لیکن مدارس کا روپیہ دُنیا بھر کا چندہ ہے اور منتظمین مدارس امین

ہیں۔ اگر اس میں کوئی خیانت ہو یا ناحق تصرّف ہو تو وہ منتظمین کے معاف کرنے سے معاف تو ہوتا نہیں، البتہ وہ خود معاف کر کے اس جرم میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے لطف و کرم سے حقوق العباد کے معاملہ سے محفوظ رکھے کہ یہ بڑی سخت چیز ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے یہاں قیامت کے دن تین۳ کچہریاں ہیں۔ ایک۱ کچہری میں تو معافی کا ذکر ہی نہیں، یہ تو شرک و توحید کی کچہری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ الآیۃ (نساء۔ ع ۱۸) "حق تعالیٰ شانہٗ شرک کو تو معاف نہیں فرمائیں گے اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے معاف کر دیں گے"۔ دوسری کچہری میں (بغیر محاسبہ کے) اللہ تعالیٰ نہ چھوڑیگا یہاں تک کہ اس کا بدلہ نہ لے لے، اور یہ لوگوں کے ایک دوسرے پر ظلم کی ہے (چاہے جانی ہو جیسا کہ بُرا بھلا کہنا، آبرو ریزی کرنا، عیب لگانا وغیرہ وغیرہ۔ یا مالی ہو کہ کسی کا مال ناحق طریقہ سے لے لیا ہو) اور تیسری۳ کچہری اللہ تعالیٰ کے اپنے حقوق کی ہے، اس میں چاہے عذاب دیدے چاہے معاف کر دے۔ (مشکوٰۃ)

ان احادیث کے ذکر کرنے سے یہی مقصد ہے کہ آدمی کو اپنی آمدنی کے ذرائع پر بہت گہری نگاہ رکھنا چاہیئے کہ آمدنی اگر حرام ہو تو نہ اس کی دُعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ ابھی گذرا، نہ اس کے صدقات قبول ہوں جیسا کہ زکوٰۃ کے بیان میں متعدد روایات اس کی گذر چکی ہیں، بلکہ بعض روایات میں یہ مضمون بھی گذر چکا ہے کہ جو گوشت حرام مال سے پیدا ہوا ہو جہنم کی آگ اس کے لئے زیادہ موزوں ہے، اور آئندہ حدیث کے ذیل میں بھی اس قسم کے مضامین آ رہے ہیں۔ اللہ ہی اپنے فضل سے ہم لوگوں کو اس سے محفوظ رکھے آمین۔

(۶) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ حَتّٰی یُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ وَعَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ وَعَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اِکْتَسَبَہٗ وَفِیْمَا

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے دونوں قدم اسوقت تک (محاسبہ کی جگہ سے) نہیں ہٹ سکتے جب تک پانچ چیزوں کا مطالبہ نہ ہو جائے (اور ان کا معقول جواب نہ ملے) اپنی۱ عمر کس کام میں خرچ کی، اپنی جوانی۲ کس چیز میں خرچ کی، مال۳ کہاں سے کمایا، اور کہاں۴ خرچ کیا، اپنے۵ علم میں کیا عمل کیا۔

اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ۔

(رواہ الترمذی وقال حدیث غریب کذا فی المشکوٰۃ ص۲۳۵ وقد روی هذا الحدیث عن معاذ بن جبل وابی برزۃ الاسلمی فی الترغیب)

ف: یہ حدیث پاک کئی صحابہؓ سے نقل کی گئی ہے۔ اس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر طریقہ سے قیامت کے محاسبوں کی فہرست شمار کردی، اور ان میں سے ہر ہر چیز کے متعلق دوسری احادیث میں مختلف عنوانات سے اُن پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔

سب سے اول مطالبہ اور جواب طلب چیز یہ ہے کہ اپنی عمر جس کا ہر سانس انتہائی قیمتی سرمایہ ہے کس چیز میں خرچ کی؟ ہم لوگ کیوں پیدا کئے گئے۔ ہماری زندگی کسی مصلحت کے لئے ہے، کسی کام کے لئے ہے یا ایک بیکار پیدا کی گئی؟ حق تعالیٰ شانہٗ نے خود اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (مؤمنون۔ ع ۶) "ہاں تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی بیکار (فضول) پیدا کیا ہے اور تم (نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ تم) ہماری طرف نہیں لائے جاؤ گے (اور تمہیں اپنی زندگی کا حساب دینا نہیں ہوگا)۔

اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ دوسری جگہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مقصدِ زندگی بھی خود ہی ارشاد فرمادیا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ع (ذاریات۔ ع ۳) "میں نے جنّ و انس کو صرف اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔" ایسی حالت میں ہر شخص کو اپنی زندگی کے پورے اوقات کا جائزہ لینا چاہیئے کہ وہ اپنے قیمتی اوقات کا کس قدر حصہ تو اس مقصد میں خرچ کرتا ہے جس کام کے لئے وہ پیدا کیا گیا، اور کتنا حصہ اپنی ضروریات، تفریحات اور غیر متعلق مشاغل میں خرچ کرتا ہے۔

آپ ایک معمار کو تعمیر کے کام کے واسطے نوکر رکھتے ہیں، وہ آپ کے اوقات میں کتنا وقت تعمیر میں خرچ کرتا ہے اور کتنا حقہ بازی اور اپنے کھانے میں۔ اس کا آپ خود اندازہ کرلیں کہ کتنا وقت آپ اس

ع: اس آیت شریفہ کے متعلق ایک عجیب چیز حدیث میں آئی ہے۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ ہم کو حضورؐ نے ایک لڑائی پر بھیجا اور یہ ارشاد فرمایا کہ صبح و شام اس آیت شریفہ کو پڑھتے رہا کرو۔ ہم پڑھتے رہے۔ ہم کو اس لڑائی میں غنیمت بھی ملی اور ہم صحیح سالم بھی رہے۔ (دُرِّ منثور)

کی اپنی ضروریات میں برداشت کر سکتے ہیں، اور جتنا آپ اپنے ماتحتوں سے تسامح کر سکتے ہیں اتنا ہی تسامح اپنی ذات کے لئے بھی برداشت کریں۔

آپ ایک شخص کو دُکان پر رہنے کے لئے ملازم رکھتے ہیں۔ اسی کی اس کو تنخواہ دیتے ہیں۔ وہ دن بھر اپنی خانگی ضروریات میں لگا رہتا ہے۔ چند منٹ کو ایک پھیر اُدکان پر بھی لگا جاتا ہے۔ کیا آپ گوارا کر لیں گے کہ اس کو پوری تنخواہ دیتے رہیں؟ اور اگر نہیں تو پھر اپنے متعلق آپ کا کیا عذر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ، نے محض عبادت کے لئے پیدا کیا، اور وہ مالک وخالق ہر وقت آپ کو اپنی عطاؤں سے نوازتا ہے، اور آپ اپنے فضول کاموں میں عمر گذار دیں، اور اپنے آپ کو تسلّی دیتے رہیں کہ پانچ وقت نماز میں حاضری تو دے دیتے ہیں، اور کیا ہو سکتا ہے۔ غور کر لیجئے کہ یہ جواب آپ اپنے نوکروں سے بھی برداشت کر لیں گے؟

حق تعالیٰ شانہ، کا محض انعام واحسان ہے کہ اُس نے تمام اوقات کی عبادت فرض نہیں فرمائی بلکہ اس کا بہت تھوڑا سا حصّہ فرض کیا ہے، اس میں بھی اگر کوتاہی ہو تو کتنا ظلم ہے۔

مطالبہ کی دوسری چیز حدیث بالا میں یہ ارشاد فرمائی گئی کہ جوانی کی قوت کس چیز میں خرچ کی گئی۔ کیا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے کاموں میں؟ اس کی عبادت میں؟ مظلوموں کی حمایت میں؟ ضعیفوں اور اپاہجوں کی اعانت میں؟ یا فسق و فجور میں، عیاشی اور آوارگی میں؟ بے بسوں پر ظلم کرنے میں؟ ناحق کی مدد کرنے میں؟ ناپاک دُنیا کے کمانے میں اور دین و دُنیا دونوں جگہ کام نہ آنے والے فضول مشغلوں میں؟

اس کا جواب ایسی عدالت میں دینا ہے جہاں نہ تو کوئی وکالت چل سکتی ہے، نہ جھوٹ، فریب اور لسّانی کام آسکتی ہے۔ جہاں کی خفیہ پولیس ہر وقت، ہر آن آدمی کے ساتھ رہتی ہے، اور یہی نہیں بلکہ خود آدمی کے وہ اعضا جن سے یہ حرکات کی ہیں، وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے اور جرائم کا اقرار کریں گے۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (یٰسٓ ۔ ع ۴) "آج (یعنی قیامت کے دن) ہم اُن کے مُونہوں پر مُہر لگا دیں گے (تاکہ لغو اعذار نہ گھڑیں) اور اُن کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے اس چیز کی جو کچھ یہ کیا کرتے تھے۔"

یعنی ہاتھ خود بول اُٹھے گا کہ مجھ سے کس کس پر ظلم کیا گیا۔ کیا کیا ناجائز حرکات مجھ سے صادر کرائی

گئیں ۔ پاؤں خود گواہی دے گا کہ مجھے کیسی کیسی ناجائز مجلسوں میں لے جایا گیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللهِ إِلَى النَّارِ الآية (حٰم سجدہ ۔ ع ۳)

"اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے پھر اُن کو (ایک جگہ چلتے چلتے) روک دیا جائے گا (تاکہ سب ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں) یہاں تک کہ جب سب دوزخ کے قریب آجائیں گے (اور حساب شروع ہوگا) تو اُن کے کان اور آنکھیں اور کھال، اُن کے اوپر اُن کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اور وہ لوگ اپنے ان اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی ۔ وہ اعضاء کہیں گے ہم کو اُس (قادر) نے بولنے کی طاقت دی۔ جس نے ہر چیز کو گویائی عطا فرمائی، اور اُسی نے تم کو اوّل مرتبہ پیدا کیا تھا اور اُسی کے پاس اب (دوبارہ زندہ کر کے) لائے گئے ہو (آگے حق تعالیٰ شانہٗ تنبیہ فرماتے ہیں) اور تم اس بات سے تو اپنے کو چھپا ہی نہ سکتے تھے، کہ تم پر تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گے (اور ظاہر ہے کہ آدمی جو جو حرکتیں کرتا ہے اُس کے آنکھ کان وغیرہ تو اس کو دیکھتے ہی ہیں، ان سے کیسے چھپا کر کوئی شخص کوئی کام کر سکتا ہے) لیکن تم اس گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں (جو چاہو کر گذرو، کون پوچھ سکتا ہے) اور تمہارے اس گمان نے جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کر رکھا تھا (کہ اس کو خبر بھی نہیں ہے) تم کو برباد کر دیا پس تم خسارہ میں پڑ گئے۔"

اَحادیث میں بہت سی روایات ان گواہیوں کے بارہ میں آئی ہیں ۔

ایک حدیث میں ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھے حضورؐ نے تبسّم فرمایا جس سے دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا۔ جانتے ہو میں کیوں ہنسا؟ صحابہؓ نے لاعلمی ظاہر کی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بندہ اپنے مولا سے قیامت کے دن یوں کہے گا کہ یا اللہ تو نے مجھ پر ظلم سے تو امان دے رکھی ہے۔ ارشاد ہو گا کہ بالکل۔ تو بندہ کہے گا یا اللہ میں اپنے خلاف کسی دوسرے کی گواہی معتبر نہیں مانتا۔ ارشاد ہو گا کہ اچھا تم ہی کو تیرے نفس پر گواہ بناتے ہیں۔ اس کے مُنہ پر مُہر لگا دی جائے گی اور اُس کے بدن کے اعضاء سے پوچھا جائے گا، اور جب وہ اپنے سب اَعمال گنوا دیں گے، تو مُنہ کی مُہر ہٹا دی جائے گی۔ تو وہ اپنے اعضاء سے کہے گا کمبختو، تمہارا ناس ہو، تمہارے ہی لئے تو میں یہ چیزیں کرتا تھا (یعنی ان حرکتوں کی لذّتیں تم کو ہی تو ملتی تھیں) تم ہی اپنے خلاف گواہی دینے لگے۔ مگر اعضا بھی مجبور ہیں کہ اُس دن کوئی چیز خلاف حق بات نہ کہہ سکیگی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی کے اعضاء میں سب سے پہلے بائیں ران بولے گی کہ اس سے کیا کیا حرکتیں ہوئیں، اور اس کے بعد دوسرے اعضاء بولیں گے۔ غرض ہر عضو اپنے کیے ہوئے نیک اور بد اعمال گنواوے گا۔ اسی وجہ سے ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وغیرہ کو انگلیوں پر گنا کرو، اس لئے کہ قیامت کے دن ان اعضاء کو گویائی عطا ہوگی اور ان سے بازپرس ہوگی۔ یعنی جہاں یہ اعضاء اپنے گناہ گنوائیں گے وہاں بہت سے نیک کام بھی تو گنوائیں گے۔ جہاں ہاتھ بُری حرکات، ظلم و ستم اور ناجائز افعال بتائے گا وہاں اللہ کا پاک نام اس سے گننا، صدقات کا دینا نیک اعمال میں ہاتھوں کا مشغول رکھنا بھی تو بتائیں گے۔

غرض یہ مضمون اپنی تفصیل کے اعتبار سے بہت طویل ہے۔ لیکن مختصر یہ ہے کہ ان اعضاء کو جوانی کے زور میں ظلم و ستم اور ناجائز حرکات سے بچانے کی بہت ضرورت ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے اَلشَّبَابُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ وَالنِّسَاءُ حِبَالَۃُ الشَّیْطَانِ (جامع الصغیر) "جوانی جنون کا ایک شعبہ ہے اور عورتیں شیطان کا جال ہیں" یعنی آدمی اپنے جنون کی وجہ سے اس جال میں پھنس جاتا ہے۔ ہر جمعہ کو خطبہ میں یہ الفاظ سُنے جاتے ہیں، اس وقت جوانی کے نشہ میں ذرا بھی اس کا خیال ہم لوگوں کو نہیں ہوتا کہ اس کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔ ہم اس کی قوت کو گناہوں میں اور دُنیا کمانے میں ضائع کر رہے ہیں حالانکہ جوانی اس لئے ہے کہ اس کی قوت کو ایسے کام میں خرچ کیا جائے جو مرنے کے بعد کام آئے۔ خوش قسمت ہیں وہ نوجوان جو اللہ کے کام میں ہر وقت منہمک رہتے ہیں اور گناہوں سے دُور رہتے ہیں۔

تیسری چیز جو حدیث بالا میں ذکر کی گئی، جس کے جواب بغیر قیامت میں حساب کی جگہ سے ٹلنا نہ ہو سکے گا، وہ یہ ہے کہ مال جو حاصل کیا، کس ذریعہ سے کیا، جائز تھا یا ناجائز تھا۔ اس سے پہلی حدیث میں کچھ ذکر اس کا آچکا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی ناجائز طریقہ سے جو مال حاصل کرتا ہے اگر اس میں سے صدقہ کرے تو قبول نہ ہوگا، خرچ کرے تو برکت نہ ہوگی اور جو ترکہ چھوڑیگا وہ اس کے لئے جہنم کا ذخیرہ ہوگا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو گوشت (یعنی آدمی کے بدن کا ٹکڑا) حرام مال سے نشو ونما پائے، جہنم اس کے لئے بہتر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو آدمی دس درم کا کپڑا خریدے اور ان میں ایک درم ناجائز آمدنی کا ہو تو جب تک وہ کپڑا بدن پر رہے گا اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ (مشکوٰۃ)

حضورؐ کا ارشاد متعدد احادیث میں آیا ہے کہ روزی کو دور نہ سمجھو۔ کوئی آدمی اس وقت تک مر ہی نہیں سکتا جب تک کہ جو اس کے مقدر میں روزی لکھ دی گئی ہے وہ اس کو نہ مل جائے۔ لہٰذا روزی کے حاصل کرنے میں بہتر طریقہ اختیار کرو۔ حلال روزی کماؤ، حرام کو چھوڑو۔

کئی حدیثوں میں ہے کہ رزق آدمی کو اسی طرح تلاش کرتا ہے جس طرح موت آدمی کو تلاش کرتی ہے۔ یعنی جس طرح آدمی کو اس کی موت آئے بغیر چارہ نہیں، اسی طرح اسکو اس کی روزی جو اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے بغیر ملے چارہ کار نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر آدمی اپنی روزی سے بھاگنا بھی چاہے، تو وہ اس کو پاکر رہے گی، جیسا کہ موت اس کو لامحالہ پاکر رہے گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ روزی آدمی کے لئے متعین ہے، اگر ساری دنیا کے جنّ و انس مل کر اس کو اس سے ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتے۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر تجھ میں چار چیزیں ہوں تو دنیا کی کسی چیز کے نہ ہونے کا قلق نہیں ہے۔ امانت کی حفاظت، بات میں سچائی، اچھی عادت، روزی میں پاکیزگی۔ ایک حدیث میں ہے، مبارک ہے وہ شخص جس کی کمائی اچھی ہو (یعنی پاکیزہ ہو) اس کا باطن نیک ہو، اس کا ظاہر شریفانہ ہو، لوگ اس کی برائی سے محفوظ ہوں۔ مبارک ہے وہ شخص جو اپنے علم پر عمل کرے اور ضرورت سے زائد مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کردے، اور ضرورت سے زائد بات کو روک لے یعنی بے ضرورت بات نہ کیا کرے۔

(حضرت سعدؓ نے ایک مرتبہ حضورؐ سے درخواست کی کہ میرے لئے اس بات کی دعا کردیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ مجھے مستجاب الدعوات (جو دعا کرے وہ قبول ہوجائے) بنادے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اپنی روزی کو پاکیزہ بنالو (مشتبہ مال نہ کھاؤ) مستجاب الدعا بن جاؤ گے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ آدمی ایک حرام کا لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے جس سے اس کی چالیس دن کی عبادت نامقبول بن جاتی ہے، اور جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہو جہنم اس کے لئے زیادہ مناسب ہے۔)

اور بھی بہت سی روایات اسی مضمون کی احادیث میں آئی ہیں (ترغیب) اس لئے اپنی آمدنی کے ذرائع میں بڑی احتیاط کرنا چاہیئے۔ ظاہر کے اعتبار سے اگر اس احتیاط میں کوئی نقصان نظر میں آتا ہو تب بھی برکت اور مآل کے اعتبار سے وہ کمی بہت زیادہ فائدہ مند اور نقصان سے بچانے والی ہے۔

چوتھا مطالبہ حدیث بالا میں یہ ہے کہ مال کو کہاں خرچ کیا۔ یہ رسالہ سارا ہی اس مضمون میں ہے کہ آدمی کے مال میں اُس کے کام آنے والا صرف وہی ہے جس کو اللہ کے راستہ میں آدمی خرچ کر دے۔ اس کے موجود رہنے میں اس کے علاوہ کہ وہ اپنے کام نہ آسکا بے کار محض رہا۔ متعدد نقصانات بھی دوسری فصل کے ختم پر گذر چکے ہیں۔ اور جتنی زیادہ مال کی کثرت ہوگی اُتنا ہی زیادہ حساب میں دیر لگنا تو ایک کھلی ہوئی بات ہے قیامت کا وہ سخت ترین ہوش رُبا دن جس میں گرمی کی شدت سے ہر شخص پسینہ پسینہ ہو رہا ہوگا، ہر شخص خوف کی شدت سے ایسا معلوم ہوگا جیسا کہ نشہ میں ہو مگر حقیقۃً نشہ نہ ہوگا۔ جس کے متعلق حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝ (حج۔ ع ۱)

("اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ (جو عنقریب آنیوالا ہے) بہت سخت چیز ہے۔ جس دن تم اس کو دیکھو گے، تمام دودھ پلانے والی عورتیں (خوف کی وجہ سے) اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور تمام حاملہ عورتیں (دہشت کی وجہ سے) اپنے حمل (وقت سے پہلے ہی ادھورے) گرا دیں گی اور تُو لوگوں کو نشہ کی سی حالت میں دیکھے گا، اور حقیقۃً نشہ نہ ہوگا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی سخت ہے (جس کے خوف سے اُن سب کی یہ حالت ہوگی)"۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُعْرِضُونَ ۝ (انبیاء۔ ع ۱) "لوگوں کے حساب کا دن تو قریب آگیا (کہ قیامت تیزی سے قریب آرہی ہے) اور یہ لوگ (ابھی تک) غفلت میں پڑے ہیں (اور اس کے لئے تیاری سے) روگرداں ہیں۔"

اس کے چند رکوع بعد ارشاد ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ۝ (انبیاء۔ ع ۴) "اور قیامت کے دن ہم میزانِ عدل

قائم کریں گے اور کسی پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کا کوئی عمل (نیک یا بد) ہوگا تو ہم اس کو وہاں سامنے لائیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے: لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۚ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۵ (رعد ع ۲)

"جن لوگوں نے اپنے رب کا کہنا مان لیا (اور اس کے ارشادات کی تعمیل کی) اُن کے لئے اچھا بدلہ ہے (جو جنّت میں ان کو ملے گا) اور جن لوگوں نے اُس کا کہنا نہ مانا اُن کے پاس (قیامت کے دن) اگر تمام دُنیا کی ساری چیزیں موجود ہوں بلکہ اس کے ساتھ اسی کے برابر اور بھی ہوں (یعنی ساری دنیا کی تمام چیزوں سے دوگنی ہوں) تو وہ سب چیزیں اپنی خلاصی کے لئے فدیہ میں دیدیں، اُن لوگوں کا سخت حساب ہوگا۔"

اور بھی بہت سی آیات میں اس دن کے حساب پر، اُس کی سختی اور اہمیّت پر تنبیہ کی گئی ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قیامت میں جس شخص سے حساب کیا جائیگا، وہ ہلاک ہوجائے گا (اس لئے کہ حساب میں پورا اُترنا سخت مشکل ہوگا) حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا۔ یارسولَ اللہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے تو (سورۂ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ میں) یہ ارشاد فرمایا کہ سہل حساب ہوگا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حساب (جس کا اس سورۃ میں ذکر ہے یہ) تو محض اعمال کا پیش ہونا ہے۔ جس کا محاسبہ شروع ہوجائے گا وہ ہلاک ہوجائے گا۔

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ یہ دُعا کیا کرتے تھے یا اللہ مجھ سے حساب یسیر (سہل حساب) کیجئے۔ میں نے عرض کیا۔ یارسولَ اللہ، حسابِ یسیر کیا چیز ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، اُس کا اعمال نامہ دیکھ کر یہ فرمادیا جائے کہ اسکو معاف کردیا لیکن جس سے محاسبہ ہونے لگے وہ ہلاک ہوگیا۔

حضرت ابوہریرہؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں جس شخص میں یہ تینوں موجود ہوں، اس کا حساب سہل ہوگا، اور حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو اپنی رحمت سے جنّت میں داخل کردے گا۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں کہ جو شخص تجھے اپنی عنایت سے محروم رکھے تُو اس پر احسان کر، جو تجھ پر ظلم کرے اُس کو مُعاف کر، جو تجھ سے قطع رحمی کرے تو اُس کے ساتھ صلہ رحمی کر۔ (دُرِّ منثور)

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس سے حق تعالیٰ شانہٗ ایسی طرح بات نہ کریں کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں کوئی پردہ ہوگا نہ کوئی واسطہ ہوگا۔ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو وہ اعمال ہوں گے جو دُنیا میں کئے۔ بائیں طرف دیکھے گا تو وہ اعمال ہوں گے جو کئے تھے (نیک اعمال ہوں یا بُرے، دہکتی ہوئی) جہنم آنکھ کے سامنے ہوگی۔ اس سے (بچنے کی بہترین چیز صدقہ ہے۔ پس صدقہ کے ذریعہ سے اس سے بچو، چاہے آدھی کھجور ہی صدقہ کیوں نہ ہو۔ (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے جنّت دکھائی گئی۔ اس کے اعلیٰ درجوں میں فُقراءِ مُہاجرین تھے، اور غنی لوگ اور عورتیں بہت کم مقدار میں اُس جگہ تھیں۔ مجھے یہ بتایا گیا کہ غنی لوگ تو ابھی جنّت کے دروازوں پر حساب میں مُبتلا ہیں اور عورتوں کو سونے چاندی کی مُحبّت نے مشغول کر رکھا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں جنّت کے دروازوں پر کھڑا تھا، اکثر مساکین اس میں داخل ہو رہے تھے اور غنی لوگ (حساب میں) مُقیّد تھے، اور میں نے دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ عورتیں اس میں کثرت سے داخل ہو رہی تھیں۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی دو چیز سے گھبراتا ہے اور دونوں اُس کے لئے خیر ہیں۔ ایک موت سے گھبراتا ہے حالانکہ موت فتنوں سے بچاؤ ہے۔ دوسرے مال کی کمی سے گھبراتا ہے حالانکہ جتنا مال کم ہوگا اتنا ہی حساب کم ہوگا۔ (ترغیب)

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک مرتبہ صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آج رات جنّت کو اور اس میں تم لوگوں کے مرتبوں کو دیکھا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف متوجّہ ہو کر فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنّت کے جس دروازہ پر بھی جاتا تھا وہاں سے مَرْحَبًا مَرْحَبًا (تشریف لائیے، تشریف لائیے) کی آوازیں آتی تھیں (ہر نیک عمل کے لئے جنّت میں ایک خاص دروازہ ہے۔ ہر دروازہ سے درخواست کا مطلب یہ ہے کہ ہر نیک عمل میں اس کا پایہ بہت بڑھا ہُوا ہے) حضرت سلمانؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! جس شخص کا یہ مرتبہ ہے، وہ تو کوئی بہت ہی بُلند پایہ شخص ہے۔ حضورؐ نے فرمایا یہ شخص ابوبکرؓ ہیں۔ پھر حضورؐ نے حضرت عمرؓ کی طرف توجّہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں نے جنّت میں سفید موتی کا ایک گھر دیکھا جس میں یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا یہ مکان کس کا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ قریش کے ایک نوجوان کا ہے (اس مکان کی نہایت عمدگی، چمک، رونق، اور اپنے سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن ہونے کی وجہ سے) مجھے یہ خیال

ہوا کہ یہ مکان میرا ہی ہے۔ میں اس میں داخل ہونے لگا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ عمرؓ کا ہے۔ پھر حضورؐ نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ وغیرہ متعدد حضرات کے مراتب ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھیوں میں سے تم بہت دیر میں میرے پاس پہنچے۔ مجھے تو تمہارے متعلق یہ ڈر ہو گیا تھا کہ کہیں ہلاک تو نہیں ہو گئے اور تم پسینہ پسینہ ہو رہے تھے میں نے تم سے پوچھا کہ اتنی دیر آنے میں تمہیں کہاں لگ گئی تھی۔ تو تم نے جواب دیا کہ میں اپنے مال کی کثرت کی وجہ سے حساب میں مبتلا رہا۔ مجھ سے اس کا حساب ہوا، کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اپنے متعلق یہ سن کر رونے لگے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! رات ہی میرے پاس مصر کی تجارت سے سو اونٹ آئے ہیں یہ مدینہ منورہ کے فقراء اور یتامیٰ پر صدقہ ہیں۔ شاید اللہ جل شانہٗ اسی کی وجہ سے اس دن کے حساب میں مجھ پر تخفیف فرما دیں۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عبدالرحمٰن تم میری امت کے غنی لوگوں میں ہو اور جنت میں گھسٹ کر جاؤ گے۔ (یا ؤں پر کھڑے ہو کر نہ جاؤ گے) تم اللہ تعالیٰ شانہٗ کو قرض دو تاکہ تمہارے پاؤں کھل جائیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! کیا چیز قرض دوں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ اپنا سارا مال۔ یہ سن کر فوراً اٹھے تاکہ اپنا سب مال لا کر حاضر کریں حضورؐ نے ان کے پیچھے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیلؑ ابھی آئے اور یہ پیام دے گئے کہ عبدالرحمٰن سے کہہ دیجئے کہ مہمان نوازی کیا کریں، غریبوں کو کھانا کھلایا کریں۔ سوال کرنے والوں کا سوال پورا کیا کریں، اور جو ان کے عیال ہیں ان سے صدقہ میں ابتدا کیا کریں۔ یہ چیزیں ان کے تزکیہ (اور درست ہونے) کے لئے کافی ہیں (حاکم)۔

یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بڑے جلیل القدر صحابی، بڑے فضائل اور مفاخر کے مالک ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں ان کا شمار ہے۔ یعنی ان دس صحابہ کرامؓ میں جن کو دنیا ہی میں حضورؐ جنت کی خوش خبری دے گئے۔ نیز ان چھ حضرات میں ہیں جن پر حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت کے وقت خلیفہ بنانے کا دارمدار رکھا تھا۔ اور یہ کہا تھا کہ ان حضرات سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ اور پھر ان چھ حضرات میں سے بقیہ پانچ حضرات نے بالآخر ان ہی کی رائے پر خلیفہ کے چننے کا مدار رکھا تھا، اور ان کی تجویز سے حضرت عثمانؓ خلیفۂ ثالث مقرر ہوئے تھے۔ سابقین اوّلین

میں اُن کا شمار ہے جن کے مُتعلق اللہ پاک نے فرمایا: وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ الاٰية (توبہ ۔ ع ۱۳) اور جو مُہاجِرین اور انصار ایمان لانے میں اُمت سے سابق اور مُقدّم ہیں اور جو لوگ اِخلاص سے اُن کے پیرو ہیں اللہ تعالیٰ اُن سب سے راضی ہوا اور یہ سب اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔"

اس کے علاوہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دونوں ہجرتیں کیں۔ غزوۂ بدر اور سب غزووں کے شریک ہیں۔ حضورؐ کے زمانہ ہی میں اہلِ علم اور اہلِ فتوےٰ میں اُن کا شمار ہے۔ محض اُن کی رائے پر حضرت عمرؓ نے بعض اُمور کو اختیار کیا۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک مرتبہ سفر میں صبح کی نماز اُن کا مقتدی بن کر ادا فرمائی کہ حضورؐ ضرورت کے لئے تشریف لے گئے۔ صحابہؓ نے مل کر اُن کو امام چُنا تھا۔ جب حضورؐ واپس تشریف لائے تو نماز ہو رہی تھی۔ ایک رکعت ہو چکی تھی۔ حضورؐ نے اُن کی اِقتدا میں نماز پڑھی۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو پہلے سال میں اپنا قائم مقام امیرُ الحج بنا کر اُن کو بھیجا۔ (اصابہ)

غرض بے اِنتہا فضائل کے باوجود اس مال کی کثرت نے اُن کو اپنے مرتبہ کے لوگوں میں پیچھے کر دیا۔ اور مال بھی محض حق تعالیٰ شانُہٗ کے فضل اور اس کی عطا اور اس کے انعام ہی سے ملا تھا، ورنہ بہت غریب تھے۔ ہجرت کی اِبتدا میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جب مُہاجرین اور انصار کا آپس میں بھائی چارہ کیا تھا تاکہ فُقراءِ مُہاجِرین کی اعانت اور مدد خصوصی تعلّق پر انصار کرتے رہیں تو اُن کو حضرت سعد بن الربیعؓ انصاری کا بھائی بنایا تھا۔ حضرت سعدؓ نے اُن سے کہا تھا کہ مدینہ میں سب سے زیادہ مال اور دولت اللہ جَلَّ شانُہٗ نے مجھے عطا فرما رکھا ہے۔ مَیں سب مال میں سے آدھا آدھا تمہیں دیتا ہوں، اور میری دو بیبیاں ہیں، اُن میں سے جونسی تمہیں پسند ہو مَیں اس کو طلاق دے دوں گا۔ عِدّت کے بعد تم اس سے نکاح کر لینا۔ اُن کی سیر چشمی کہ اُنھوں نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت عطا فرمائے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تو تم یہاں کے بازار کا راستہ بتا دو۔ بازار گئے اور خرید و فروخت شروع کی۔ اور شام کو نفع میں تھوڑا سا گھی اور پنیر بچا کر لائے۔ اسی طرح روزانہ جاتے اور کچھ ہی دن گذرے تھے کہ بچت اتنی ہو گئی، کہ نکاح کر لیا۔ (بخاری)۔

پھر وہ وقت بھی آیا کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ صدقہ کی ترغیب دی تو اپنے سارے مال کا آدھا

حصّہ صدقہ کیا۔ اور مال کی کثرت کا اندازہ اُس سے ہو سکتا ہے جو ابھی گذرا کہ صرف مصر کی تجارت سے سو اونٹ سامان کے لدے ہوئے آئے تھے، جو صدقہ کر دیئے۔ اور اُس کے بعد ایک مرتبہ چالیس ہزار دینار (اشرفیاں) صدقہ کیں۔ ایک موقعہ پر پانچ سو گھوڑے، پانچ سو اونٹ جہاد کے لئے دیئے۔ اور تیس ہزار غلام آزاد کئے، اور ایک روایت میں ہے کہ تیس ہزار گھرانے آزاد کئے (مستدرک)۔ ہر گھرانے میں نہ معلوم کتنے مرد، عورت، بڑے اور بچے ہوں گے۔

ایک مرتبہ ایک زمین چالیس ہزار اشرفیوں میں فروخت کی، اور سب کی سب فُقَرَاءِ مُہَاجِرِیْن اور اپنے رشتہ داروں اور اَزْوَاجِ مُطَہَّرَات پر تقسیم کر دیں (مستدرک) اور اپنے اِنتقال کے وقت جو وَصِیّت کی، اس میں ہر اُس شخص کو جو بدر کی لڑائی میں شریک تھا فی آدمی چار سو دینار (اشرفیاں) کی وَصِیّت کی تھی۔ اُس وقت اہلِ بدر میں سے سَو آدمی زندہ تھے (اصابہ) اور ایک باغ کی وَصِیّت اَزْوَاجِ مُطَہَّرَات کے لئے کی جو چالیس ہزار اشرفیوں میں فروخت ہوا (مستدرک)۔ اور خود اپنا حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ غسل کر کے کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو ایک پیالہ میں روٹی اور گوشت (ثرِید) سامنے رکھا گیا۔ اُس کو دیکھ کر رونے لگے۔ کسی نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ حضورؐ کا ایسی حالت میں وِصال ہوا کہ جَو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ ملتی تھی۔ ہمیں یہ حالات جو اپنے سامنے ہیں کچھ اپنے لئے خیر نہیں معلوم ہوتے (اصابہ)۔ یعنی اگر یہ وُسعت کچھ خیر کی چیز ہوتی تو حضورؐ کے لئے بھی ہوتی جب حضورؐ کے لئے یہ چیزیں نہ تھیں تو کچھ خیر کی چیزیں نہیں معلوم ہوتیں۔ ان کمالات پر وہ محاسبہ ہے جو اُوپر ذکر کیا گیا۔

پانچواں مطالبہ حدیث بالا میں جس کا قیامت کے میدان میں جواب دینا ہوگا یہ ہے کہ جو علم حق تعالیٰ شانُہٗ نے تمہیں عطا کیا تھا اس پر کس حد تک عمل کیا۔ کسی جُرم کا معلوم نہ ہونا کوئی عُذر نہیں، قانون سے ناواقفیت کسی عدالت میں بھی معتبر نہیں، کیوں کہ اس کا معلوم کرنا اپنا فریضہ ہے۔ اور یہ بات کہ اللہ کا حُکم معلوم نہیں تھا مُستقل جرم مُستقل گناہ ہے۔ اس لئے حُضورؐ کا اِرشاد ہے کہ ہر مسلمان پر (مذہبی) علم سیکھنا فرض ہے لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ علم کے بعد کسی جُرم کا کرنا زیادہ سخت ہے۔ حُضورؐ کا اِرشاد ہے کہ اپنے علم سے ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہا کرو، علم میں خیانت مال میں خیانت سے زیادہ سخت ہے اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں اس کا مُطالبہ ہوگا۔ اور یہ مضمون تو بہت سی احادیث میں ہے کہ جس شخص سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اس کو چُھپائے تو قیامت کے دن اُس کے مُنہ میں آگ کی

لگام ڈالی جائے گی۔

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے وعظ فرمایا جس میں بعض قوموں کی تعریف فرمائی۔ اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ بعض قومیں اپنی پڑوسی قوموں کو تعلیم نہیں دیتیں، نہ ان کو نصیحت کرتی ہیں نہ ان کو سمجھ دار بناتی ہیں، نہ ان کو اچھی باتوں کا حکم کرتی ہیں نہ بُری باتوں سے روکتی ہیں۔ اور یہ کیا بات ہے کہ بعض قومیں اپنے پڑوسیوں سے نہ علم سیکھتی ہیں نہ سمجھ سیکھتی ہیں، نہ نصیحت حاصل کرتی ہیں۔ یا تو یہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو علم سکھائیں، اور اُن کو نصیحت کریں اور اُن کو سمجھدار بنائیں، اور دوسرے لوگ اِن علم والوں سے اُن چیزوں کو حاصل کریں۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو خدا کی قسم میں اُن سب کو دُنیا ہی میں سخت سزا دوں گا (آخرت کا قصہ الگ ہے)، اس کے بعد حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ممبر سے اُتر آئے۔ لوگوں میں اس کا چرچا ہوا کہ اس سے کونسی قومیں مُراد ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اشعری قوم کے لوگ مراد ہیں کہ وہ اہلِ علم ہیں، اہلِ فقہ ہیں اور اُن کے آس پاس کی رہنے والی قومیں جاہل ہیں۔

یہ خبر اشعری لوگوں کو پہنچی۔ وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسُولَ اللہ آپ نے بعض قوموں کی تو تعریف فرمائی، اور ہم لوگوں کے متعلق یہ ارشاد فرمایا۔ حضور نے اپنا پاک ارشاد اُن کے سامنے فرمایا کہ یا تو یہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو علم سکھائیں اور اُن کو نصیحت کریں، اُن کو سمجھ دار بنائیں، اُن کو اچھی باتوں کا حکم کریں، بُری باتوں سے منع کریں اور دوسرے لوگ اُن سے ان چیزوں کو حاصل کریں۔ ورنہ میں دُنیا ہی میں سخت سزا دوں گا۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ ہم دوسروں کو کس طرح سمجھ دار بنائیں۔ حضور نے پھر اپنا وہی حکم ارشاد فرمایا، انہوں نے تیسری دفعہ پھر یہی عرض کیا، اور حضور نے پھر بھی اپنا وہی حکم ارشاد فرمایا، تو انہوں نے عرض کیا یارسُولَ اللہ! اچھا ایک سال کی مہلت ہم کو دے دیں۔ حضور نے اُن کو اُن کے پڑوسیوں کی تعلیم کے لئے ایک سال کی مہلت عطا فرما دی۔ (ترغیب و مجمع الزوائد)

اس حدیث پاک اور حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اس سخت عتاب سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو لوگ خود اہلِ علم ہیں، سمجھ دار ہیں۔ اُن کی یہ بھی ذِمّہ داری ہے، کہ وہ اپنے آس پاس کے رہنے والے جاہلوں کی تعلیم کی کوشش کریں، اُن کا یہ خیال کہ جس کو غرض ہوگی خود سیکھے گا، کافی نہیں۔ نہ سیکھنے کا مستقل مطالبہ اور مستقل گناہ اُن کے ذمہ ہے۔ لیکن اُن کو سکھانے کی ذِمّہ داری ان عالموں کی بھی ہے کہ یہ خود اس کی کوشش کریں، اس کی تدبیریں کریں کہ وہ علم سیکھیں۔ یہ بھی اپنے علم پر عمل کرنے میں داخل ہے کہ علم کے

عمل میں اس کا سکھانا بھی داخل ہے۔

(حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں کثرت سے نقل کی گئی ہیں ان میں یہ دعا بھی بکثرت وارد ہے کہ "اے اللہ میں تجھ سے ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔" حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "قیامت کے دن ایک شخص (یعنی ایک نوع آدمیوں کی چاہے اس نوع کے کتنے ہی آدمی ہوں) لایا جائے گا اور اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا جس سے اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی، اور وہ ان کے گرد اس طرح گھومے گا جیسا کہ چکّی کا گدھا چکّی کے گرد پھرتا ہے (یعنی جیسا کہ جانور گدھا بیل وغیرہ آٹا پیسنے کی چکی کے چاروں طرف گھومتا ہے) جہنم کے لوگ اس کے چاروں طرف جمع ہو جائیں گے، اور اس سے دریافت کریں گے، تجھے کیا ہوا، تو تو ہم کو بھی اچھی باتوں کا حکم کرتا تھا، بری باتوں سے روکتا تھا؟ وہ جواب دے گا کہ میں تم کو اس کا حکم کرتا تھا، لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔")

(ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "میں نے شبِ معراج میں ایک جماعت کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ جہنم کی آگ کی قینچیوں سے کترے جا رہے ہیں، میں نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کے وہ واعظ ہیں جو دوسروں کو نصیحت کرتے تھے اور خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔")

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "زَبانیۃ" ایسے پڑھے لکھوں کو جو فسق میں مبتلا ہوں، کافروں سے بھی پہلے پکڑیں گے۔ وہ کہیں گے یہ کیا ہوا کہ ہماری پکڑ کافروں سے بھی پہلے ہو رہی ہے۔ ان کو جواب دیا جائے گا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوتے۔ (ترغیب)۔ (یعنی تم نے باوجود جاننے کے یہ حرکتیں کیں)۔ "زَبانیۃ" فرشتوں کی وہ سخت ترین جماعت ہے جو لوگوں کو جہنم میں پھینکنے پر مامور ہے۔ سورۂ اقرأ میں بھی ان کا ذکر ہے۔

(ایک حدیث میں ہے کہ بعض جنتی بعض جہنمی لوگوں کے پاس جا کر کہیں گے کہ تمہیں کیا ہوا، تم یہاں پڑے ہو، ہم تو تمہاری ہی وجہ سے جنت میں گئے ہیں کہ تم ہی سے ہم نے علم سیکھا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم دوسروں کو تو بتاتے تھے خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔)

حضرت مالک بن دینارؒ، حضرت حسن بصریؒ کے ذریعہ سے حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص بھی وعظ کہتا ہے حق تعالیٰ شانہ، اس سے قیامت کے دن مطالبہ فرمائیں گے کہ اس کا کیا مقصد تھا (یعنی

اُس سے کوئی دنیوی غرض تھی، مال و منفعت، یا جاہ و شہرت، یا خالص اللہ کے واسطے کہا تھا) حضرت مالکؒ کے شاگرد کہتے ہیں کہ مالکؒ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو اتنا روتے کہ آواز نہ نکلتی۔ پھر یوں فرماتے کہ تم یوں سمجھتے ہو کہ وعظ سے میری آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے (یعنی میرا دِل خوش ہوتا ہے) حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ مجھ سے قیامت کے دن اس کا سوال ہوگا کہ اس وعظ کا کیا مقصد تھا۔ (ترغیب)

اس کے باوجود جو کہنے کی مجبوری ہے وہ ابھی گذر چکی ہے۔ یعنی لوگوں کو علم سے روشناس کرنے کی ذمہ داری بھی ہے، جیسا کہ بہت سی روایات میں وارد ہوا، اور اشعری لوگوں کا قصہ ابھی گذرا۔

(حضرت ابو الدرداءؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس کا خوف اور ڈر ہے کہ قیامت کے دِن ساری مخلوق کے سامنے مجھے آواز دی جائے۔ میں عرض کروں، لبیک ربّی۔ میرے رب میں حاضر ہوں۔ وہاں سے مطالبہ ہو کہ اپنے علم میں کیا عمل کیا تھا؟)

(ایک اور حدیث میں حضورؐ کا اِرشاد ہے کہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب والا وہ عالم ہے جس کے علم سے اس کو نفع نہ ہو۔)

حضرت عمّار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قبیلہ قیس کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ میں نے جا کر دیکھا کہ وہ وحشی اونٹوں کی طرح سے ہیں۔ اُن کا ہر وقت دھیان اپنے اُونٹ اور بکری میں لگا رہتا ہے۔ اُن کے سوا کوئی دوسرا فکر ہی اُن کو نہیں (ہر وقت بس دُنیا کے دھندوں میں لگے رہتے ہیں) میں وہاں سے واپس آ گیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا کر کے آئے۔ میں نے حضورؐ سے اُن کا حال بیان کر دیا۔ اور (دین سے) اُن کی غفلت کی خبر سُنائی۔ حضورؐ نے اِرشاد فرمایا۔ عمّارؓ! اس سے زیادہ تعجب کی بات اس قوم کی حالت ہے جو عالم ہونے کے باوجود (دین سے) ایسے ہی غافل ہو جیسا کہ یہ غافل ہے۔

(ایک اور حدیث میں ہے کہ بعض آدمی جہنّم میں ڈالے جائیں گے جن کی بدبُو اور تعفّن سے جہنّمی لوگ بھی پریشان ہو جائیں گے۔ وہ لوگ اُن سے کہیں گے، تمہارا کیا عمل ایسا تھا جس کی یہ نحوست ہے۔ ہمیں اپنی ہی مُصیبت جس میں ہم مبتلا تھے کیا کم تھی۔ تمہاری اس بدبُو نے اور بھی پریشان کر دیا۔ یہ لوگ کہیں گے کہ ہم اپنے علم سے نفع نہیں اُٹھاتے تھے۔ (ترغیب))

حضرت عمرؓ کا اِرشاد ہے کہ مجھے اس اُمت پر زیادہ خوف منافق عالم کا ہے۔ کسی نے پوچھا۔ منافق عالم کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ زبان کا عالم، دِل اور عمل کا جاہل۔ یعنی تقریر تو بڑی لچھے دار

کرے مگر عمل کے نام صفر۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ تُو ایسا نہ بن کہ علماء کے علم کا جمع کرنے والا ہو، حکیموں کے نادر کلام کا حامل ہو مگر عمل میں احمق بے وقوفوں کی طرح ہو۔

حضرت سُفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علم عمل کے لئے آواز دیتا ہے۔ جو کوئی شخص اُس پر عمل کرے تو وہ علم باقی رہتا ہے ورنہ وہ بھی چلا جاتا ہے۔ یعنی علم ضائع ہو جاتا ہے۔

حضرت فُضَیلؒ فرماتے ہیں کہ مجھے تین شخصوں پر بڑا رحم آتا ہے۔ ایک قوم کا سردار جو ذلیل ہو گیا ہو، دوسرا وہ غنی جو غنا کے بعد فقیر ہو گیا ہو، تیسرا وہ عالم جس سے دُنیا کھیلتی ہو۔ (یعنی دُنیا کا طالب ہو اور جو اُس کا طالب ہو گا یہ اُس سے کھیلے گی)۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا عذاب دِل کی موت ہے۔ اور دِل کی موت آخرت کے عمل سے دُنیا طلب کرنا ہے۔ کسی شاعر کا شعر ہے ؎

عَجِبْتُ لِمُبْتَاعِ الضَّلَالَةِ بِالْهُدٰی وَمَنْ یَّشْتَرِیْ دُنْیَاهُ بِالدِّیْنِ اَعْجَبُ

وَاَعْجَبُ مِنْ هٰذَیْنِ مَنْ بَاعَ دِیْنَهٗ بِدُنْیَا سِوَاهُ فَهُوَ مِنْ ذَیْنِ اَعْجَبُ

ترجمہ: مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے جو ہدایت کے بدلہ گمراہی خریدے اور اس سے زیادہ تعجب اس شخص پر ہے جو دین کے بدلے دُنیا خریدے، اور ان دونوں سے زیادہ تعجب اس شخص پر ہے جو اپنے دین کو دوسروں کی دنیا کے بدلے فروخت کرے یعنی دُنیا کا فائدہ تو دوسرے کو ہو اور دین ان کا ضائع اور برباد ہو۔

(امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو عالم دنیادار ہو وہ احوال کے اعتبار سے جاہل سے زیادہ کمینہ ہے۔ اور عذاب کے اعتبار سے زیادہ سختی میں مُبتلا ہو گا۔ اور کامیاب اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مُقرّب علمائے آخرت ہیں، جن کی چند علامتیں ہیں۔

① اپنے علم سے دنیا نہ کماتا ہو۔ عالم کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ دُنیا کی حقارت کا، اس کے کمینہ پن کا، اس کے مُکدّر ہونے کا، اس کے جلد ختم ہو جانے کا اس کو احساس ہو۔ آخرت کی عظمت، اس کا ہمیشہ رہنا، اس کی نعمتوں کی عمدگی کا احساس ہو۔ اور یہ بات اچھی طرح جانتا ہو کہ دُنیا اور آخرت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دو سَوکنوں کی طرح ہیں۔ جونسی ایک کو راضی کرے گا دوسری خفا ہو جائے گی۔ یہ دونوں ترازو کے دو پلڑوں کی طرح سے ہیں۔ جونسا ایک پلڑا جُھکے گا، دوسرا ہلکا ہو جائے گا۔ دونوں میں مشرق مغرب

کا فرق ہے۔ جونسے ایک سے تُو قریب ہو گا دوسرے سے دُور ہو جائے گا۔ جو شخص دُنیا کی حقارت کا، اس کے گدلے پن کا اور اس بات کا احساس نہیں کرتا کہ دُنیا کی لذّتیں دونوں جہان کی تکلیفوں کے ساتھ مُنضَم ہیں، وہ فَاسِدُ الْعَقل ہے۔ مُشاہدہ اور تجربہ ان باتوں کا شاہد ہے کہ دُنیا کی لذّتوں میں دُنیا کی تکلیف بھی ہے اور آخرت کی تکلیف تو ہے ہی۔ پس جس شخص کو عقل ہی نہیں وہ عالم کیسے ہو سکتا ہے۔ بلکہ جو شخص آخرت کی بڑائی اور اُس کے ہمیشہ رہنے کو بھی نہیں جانتا ہے وہ تو کافر ہے۔ ایسا شخص کیسے عالم ہو سکتا ہے جس کو ایمان بھی نصیب نہ ہو۔ اور جو شخص دُنیا اور آخرت کا ایک دوسرے کی ضد ہونے کو نہیں جانتا اور دونوں کے درمیان جمع کرنے کی طمع میں ہے، وہ ایسی چیز میں طمع کر رہا ہے جو طمع کرنے کی چیز نہیں ہے۔ وہ شخص تمام انبیاءؑ کی شریعت سے ناواقف ہے۔ اور جو شخص ان سب چیزوں کے جاننے کے باوجود دُنیا کو ترجیح دیتا ہے وہ شیطان کا قیدی ہے جس کو شہوتوں نے ہلاک کر رکھا ہے اور بدبختی اس پر غالب ہے۔ جس کی یہ حالت ہو وہ علماء میں کیسے شمار ہو گا۔)

(حضرت داؤد عَلَیْہِ السّلام نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو عالم دُنیا کی خواہش کو میری مُحبّت پر ترجیح دیتا ہے اس کے ساتھ ادنیٰ سے ادنیٰ معاملہ میں یہ کرتا ہوں کہ اپنی مناجات کی لذّت سے اس کو محروم کر دیتا ہوں (کہ میری یاد میں میری دُعاء میں اس کو لذّت نہیں آتی)،

اے داؤد ایسے عالم کا حال نہ پوچھ جس کو دُنیا کا نشہ سوار ہو کہ میری مُحبّت سے تجھ کو دُور کر دے۔ ایسے لوگ ڈاکو ہیں۔ اے داؤد جب تُو کسی کو میرا طالب دیکھے تو اس کا خادم بن جا۔ اے داؤد جو شخص بھاگ کر میری طرف آتا ہے، میں اس کو جَہْبَذ (حاذِق سمجھدار) لکھ دیتا ہوں اور جس کو جَہْبَذ لکھ دیتا ہوں اس کو عذاب نہیں کرتا۔)

یحییٰ بن مُعاذؒ کہتے ہیں کہ علم و حکمت سے جب دُنیا طلب کی جائے، تو اُن کی رونق جاتی رہتی ہے سَعِیدُ بْنُ الْمُسَیَّبؒ کہتے ہیں کہ جب کسی عالم کو دیکھو کہ اُمراء کے یہاں پڑا رہتا ہے تو اس کو چور سمجھو۔)

اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس عالم کو دُنیا سے مُحبّت رکھنے والا دیکھو اپنے دین کے بارہ میں اسکو مُتہم سمجھو۔ اس لئے کہ جس شخص کو جس سے مُحبّت ہوتی ہے اُسی میں گُھسا کرتا ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ جس کو گناہ میں لذّت آتی ہو، وہ اللہ کا عارف ہو سکتا ہے؟ اُنہوں نے فرمایا کہ مجھے اس میں ذرا تردّد نہیں کہ جو شخص دُنیا کو آخرت پر ترجیح دے وہ عارف نہیں ہو سکتا، اور گناہ کرنے کا درجہ تو اس

سے بہت زیادہ ہے۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ صرف مال کی مَحَبَّت نہ ہونے سے آخرت کا عالم نہیں ہوتا۔ جاہ کا درجہ اور اس کا نقصان مال سے بھی بڑھا ہُوا ہے۔

یعنی جتنی وعیدیں اُوپر دُنیا کے ترجیح دینے کی اور اس کی طلب کی گذری ہیں، ان میں صرف مال کمانا ہی داخل نہیں، بلکہ جاہ کی طلب مال کی طلب کی بہ نسبت زیادہ داخل ہے، اس لئے کہ جاہ طلبی کا نقصان اور اس کی مَضَرَّت مال طلبی سے بھی زیادہ سخت ہے۔

(۲) دوسری علامت یہ ہے کہ اس کے قول وفعل میں تعارض نہ ہو، دوسروں کو خیر کا حکم کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے۔ حق تعالیٰ شانُہ، کا ارشاد ہے: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتَابَ ط (بقرہ۔ ع ۵) "کیا غضب ہے کہ دوسروں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے: کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ (صف۔ ع ۱)

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔"

حاتم اَصَم رحؒ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اس عالم سے زیادہ حسرت والا کوئی نہ ہوگا جس کی وجہ سے دوسروں نے علم سیکھا اور اس پر عمل کیا، وہ کامیاب ہوگئے اور وہ خود عمل نہ کرنے کی وجہ سے ناکام رہا۔

ابنِ سماک رحؒ کہتے ہیں۔ کتنے شخص ایسے ہیں جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ کو بھولتے ہیں۔ دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتے ہیں خود اللہ تعالیٰ پر جُرأت کرتے ہیں۔ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا مُقرّب بناتے ہیں خود اللہ تعالیٰ سے دُور ہیں۔ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ سے بھاگتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن غَنم رحؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے دس صحابۂ کرام رضؓ نے یہ مضمون بیان کیا کہ ہم لوگ قُبا کی مسجد میں بیٹھے ہوئے علم حاصل کر رہے تھے۔ حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ جتنا چاہے علم حاصل کر لو، اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اجر بغیر عمل کے نہیں ملتا۔

(۳) تیسری علامت یہ ہے کہ ایسے عُلوم میں مشغول ہو جو آخرت میں کام آنیوالے ہوں۔ نیک کاموں میں رغبت پیدا کرنے والے ہوں۔ ایسے عُلوم سے احتراز کرے جن کا آخرت میں کوئی نفع نہیں ہے یا نفع کم ہے۔ ہم لوگ اپنی نادانی سے ان کو بھی علم کہتے ہیں جن سے صرف دنیا کمانا مقصود ہو، حالانکہ وہ جہلِ مرکب سے ہے کہ ایسا شخص اپنے کو پڑھا لکھا سمجھنے لگتا ہے۔ پھر اس کو دین کے عُلوم سیکھنے کا اہتمام بھی نہیں رہتا۔ جو شخص

کچھ بھی پڑھا ہوا نہ ہو، وہ کم سے کم اپنے آپکو جاہل تو سمجھتا ہے۔ دین کی باتیں معلوم کرنے کی کوشش تو کرتا ہے مگر جو اپنی جہالت کے باوجود اپنے کو عالم سمجھنے لگے وہ بڑے نقصان میں ہے۔

حاتم اَصَم جو مشہور بزرگ اور حضرت شقیق بلخی کے خاص شاگرد ہیں اُن سے ایک مرتبہ حضرت شیخ نے دریافت کیا کہ حاتم کتنے دن سے تم میرے ساتھ ہو؟ اُنہوں نے عرض کیا تینتیس ۳۳ برس سے۔ فرمانے لگے کہ اتنے دنوں میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا؟ حاتم نے عرض کیا۔ آٹھ مسئلے سیکھے ہیں۔ حضرت شقیق نے فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اتنی طویل مدت میں صرف آٹھ مسئلے سیکھے۔ میری تو عمر ہی تمہارے ساتھ ضائع ہوگئی۔ حاتم نے عرض کیا۔ حضور صرف آٹھ ہی سیکھے ہیں، جھوٹ تو بول نہیں سکتا۔ حضرت شقیق نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ وہ آٹھ مسئلے کیا ہیں؟ حاتم نے عرض کیا:

الف: مَیں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کو کسی نہ کسی سے محبّت ہے (بیوی سے، اولاد سے، مال سے، احباب سے وغیرہ وغیرہ) لیکن مَیں نے دیکھا کہ جب وہ قبر میں جاتا ہے تو اُس کا محبوب اس سے جُدا ہو جاتا ہے اس لئے مَیں نے نیکیوں سے محبّت کرلی تاکہ جب میں قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی ساتھ ہی جائے اور مرنے کے بعد بھی مجھ سے جُدا نہ ہو۔ حضرت شقیق نے فرمایا، بہت اچھا کیا۔

ب: مَیں نے اللہ تعالیٰ کا اِرشاد قرآن پاک میں دیکھا: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ الآیۃ (والنازعات۔ ع ۲) "اور جو شخص (دُنیا میں) اپنے رب کے سامنے (آخرت میں) کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا، تو جنّت اُس کا ٹھکانا ہوگا۔" میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد حق ہے۔ مَیں نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا، یہانتک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جم گیا۔

ج: مَیں نے دُنیا کو دیکھا کہ ہر شخص کے نزدیک جو چیز بہت قیمتی ہوتی ہے، بہت محبُوب ہوتی ہے وہ اس کو اُٹھا کر بڑی احتیاط سے رکھتا ہے۔ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کا اِرشاد دیکھا مَاعِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ ط (نحل۔ ع ۱۳) "جو کچھ تمہارے پاس دُنیا میں ہے وہ ختم ہو جائے گا (خواہ وہ جاتا رہے یا تم مر جاؤ ہر حال میں وہ ختم ہو گیا) اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔ اس آیتِ شریفہ کی وجہ سے جو چیز بھی میرے پاس ایسی کبھی ہوئی جس کی مجھے دُقعت زیادہ ہوئی وہ پسند زیادہ آئی وہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج دی تاکہ ہمیشہ کے لئے محفوظ

ہو جائے۔

د: میں نے ساری دُنیا کو دیکھا۔ کوئی شخص مال کی طرف (اپنی عزّت اور بڑائی میں) لَوٹتا ہے، کوئی نسب کی شرافت کی طرف، کوئی اور فخر کی چیزوں کی طرف۔ یعنی ان چیزوں کے ذریعہ سے اپنے اندر بڑائی پیدا کرتا ہے اور اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا اِرشاد دیکھا: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (حجرات۔ ع ۲) "اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو"۔ اس بنا پر میں نے تقوے اختیار کر لیا تاکہ اللہ جلّ شانُہٗ کے نزدیک شریف بن جاؤں۔

ہ: میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں، عیب جوئی کرتے ہیں بُرا بھلا کہتے ہیں اور یہ سب کا سب حَسَد کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر حَسَد آتا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا اِرشاد دیکھا نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ الآیۃ (زخرف۔ ع ۳) "دُنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے ہی تقسیم کر رکھی ہے اور (اس تقسیم میں) ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دے رکھی ہے تاکہ (اسکی وجہ سے) ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔ (سب کے سب برابر ایک ہی نمونہ کے بن جائیں تو پھر کوئی کسی کا کام کیوں کرے، کیوں نوکری کرے اور اس سے دُنیا کا نظام خراب ہو ہی جائے گا)" میں نے اس آیتِ شریفہ کی وجہ سے حسد کرنا چھوڑ دیا۔ ساری مخلوق سے بے تعلّق ہو گیا۔ اور میں نے جان لیا کہ روزی کا بانٹنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے۔ وہ جس کے حصّہ میں جتنا چاہے لگائے۔ اس لئے لوگوں کی عداوت چھوڑ دی۔ اور یہ سمجھ لیا کہ کسی کے پاس مال کے زیادہ یا کم ہونے میں اُن کے فعل کو زیادہ دخل نہیں ہے، یہ تو مالکُ المُلک کی طرف سے ہے۔ اس لئے اب کسی پر غصّہ ہی نہیں آتا۔

و: میں نے دُنیا میں دیکھا کہ تقریباً ہر شخص کی کسی نہ کسی سے لڑائی ہے۔ کسی نہ کسی سے دُشمنی ہے۔ میں نے غور کیا تو دیکھا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے فرمایا۔ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا ط (فاطر۔ ع ۱) "شیطان بے شبہ تمہارا دُشمن ہے۔ پس اُسکے ساتھ دُشمنی ہی رکھو (اس کو دوست نہ بناؤ)" پس میں نے اپنی دُشمنی کے لئے اُسی کو چُن لیا۔ اور اس سے دُور رہنے کی انتہائی کوشش کرتا ہوں۔ اس لئے کہ جب حق تعالیٰ شانُہٗ نے اس کے دُشمن ہونے کو فرما دیا تو میں نے اس کے علاوہ سے اپنی دُشمنی ہٹا لی۔

ز: میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق روٹی کی طلب میں لگ رہی ہے۔ اسی کی وجہ سے اپنے آپکو دوسروں کے سامنے ذلیل کرتی ہے، اور ناجائز چیزیں اختیار کرتی ہے، پھر میں نے دیکھا تو اللہ جلّ شانُہٗ

کا ارشاد ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود ۔ ع ۱) "اور کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو" میں نے دیکھا کہ میں بھی انہی زمین پر چلنے والوں میں سے ایک ہوں ۔ جن کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے ۔ پس میں نے اپنے اوقات ان چیزوں میں مشغول کر لیے جو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازم ہیں ، اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے ذمہ تھی ۔ اس سے اپنے اوقات کو فارغ کر لیا ۔

ح : میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کا اعتماد اور بھروسہ کسی خاص ایسی چیز پر ہے جو خود مخلوق ہے ۔ کوئی اپنی جائداد پر بھروسہ کرتا ہے ، کوئی اپنی تجارت پر اعتماد کرتا ہے ، کوئی اپنی دستکاری پر نگاہ جمائے ہوئے ہے ، کوئی اپنے بدن کی صحت اور قوت پر (کہ جب چاہے جس طرح چاہے کما لوں گا) اور ساری مخلوق ایسی چیزوں پر اعتماد کئے ہوئے ہے جو ان کی طرح خود مخلوق ہیں ۔ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط (طلاق ۔ ع ۱) "جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل (اور اعتماد) کرتا ہے ، پس اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے ۔" اس لئے میں نے بس اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کر لیا ۔

حضرت شفیقؒ نے فرمایا کہ حاتم ، تمہیں حق تعالیٰ شانہٗ توفیق عطا فرمائے ۔ میں نے توراۃ ، انجیل ، زبور اور قرآن عظیم کے علوم کو دیکھا ۔ میں نے سارے خیر کے کام انہی آٹھ مسائل کے اندر پائے ۔ پس جو ان آٹھوں پر عمل کر لے اس نے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی چاروں کتابوں کے مضامین پر عمل کر لیا ۔ اس قسم کے علوم کو علمائے آخرت ہی پا سکتے ہیں ، اور دنیا دار عالم تو مال اور جاہ کے ہی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں ۔

(۴) چوتھی علامت آخرت کے علماء کی یہ ہے کہ کھانے پینے کی اور لباس کی عمدگیوں اور بہترائیوں کی طرف متوجہ نہ ہو ۔ بلکہ ان چیزوں میں درمیانی رفتار اختیار کرے اور بزرگوں کے طرز کو اختیار کرے ۔ ان چیزوں میں جتنا کمی کی طرف اس کا میلان بڑھے گا اللہ تعالیٰ شانہٗ سے اتنا ہی اس کا قرب بڑھتا جائے گا ، اور علمائے آخرت میں اتنا ہی اس کا درجہ بلند ہوتا جائے گا ۔

(انہی شیخ ابو حاتمؒ کا ایک عجیب قصہ جس کو شیخ ابو عبداللہ خواصؒ جو شیخ ابو حاتمؒ کے شاگردوں میں ہیں نقل کرتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت شیخ حاتمؒ کے ساتھ موضع رَے میں ، جو ایک جگہ کا نام ہے ، گیا ۔ تین سو بیس ۳۲۰ آدمی ہمارے ساتھ تھے ۔ ہم حج کے ارادہ سے جا رہے تھے ۔

سب متوکلین کی جماعت تھی۔ ان لوگوں کے پاس توشہ سامان وغیرہ کچھ نہ تھا۔ رستے میں ایک معمولی خشک مزاج تاجر پر ہمارا گذر ہوا۔ اُس نے سارے قافلہ کی دعوت کردی اور ہماری ایک رات کی مہمانی کی۔ دوسرے دن صبح کو وُہ میزبان، حضرت حاتمؒ سے کہنے لگا کہ یہاں ایک عالم بیمار ہیں۔ مجھے اُن کی عیادت کو اس وقت جانا ہے۔ اگر آپ کی رغبت ہو تو آپ بھی چلیں۔ حضرت حاتمؒ نے فرمایا کہ بیمار کی عیادت تو ثواب ہے اور عالم کی تو زیارت بھی عبادت ہے میں ضرور تمہارے ساتھ چلوں گا۔

یہ بیمار عالم اُس موضع کے قاضی شیخ محمد بن مقاتل تھے۔ جب اُن کے مکان پر پہنچے تو حضرت حاتمؒ سوچ میں پڑ گئے کہ اللہ اکبر، ایک عالم کا مکان اور ایسا اُونچا محل۔ غرض ہم نے حاضری کی اجازت منگائی۔ اور جب اندر داخل ہوئے تو وہ اندر سے بھی نہایت خوش نما، نہایت وسیع، پاکیزہ، جگہ جگہ پردے لٹک رہے ہیں، حضرت حاتمؒ اِن سب چیزوں کو دیکھ رہے تھے، اور سوچ میں پڑے ہوئے تھے۔ اتنے میں ہم قاضی صاحب کے قریب پہنچے تو وہ ایک نہایت نرم بستر پر آرام کر رہے تھے۔ ایک غلام اُن کے سرہانے پنکھا جھل رہے تھے۔ وہ تاجر تو سلام کر کے اُن کے پاس بیٹھ گئے اور مزاج پرسی کی۔ حاتمؒ کھڑے رہے۔ قاضی صاحب نے اُن کو بھی بیٹھنے کا اِشارہ کیا۔ انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ قاضی صاحب نے پوچھا، آپکو کچھ کہنا ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ ہاں ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا، کہو۔ انہوں نے کہا کہ آپ بیٹھ جائیں۔ (غلاموں نے قاضی صاحب کو سہارا دے کر اُٹھایا کہ خود اُٹھنا مشکل تھا) وُہ بیٹھ گئے۔

حضرت حاتمؒ: آپ نے علم کس سے حاصل کیا؟ قاضی صاحب: معتبر علماء سے۔ حضرت حاتمؒ: ان علماء نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین سے۔ حضرت حاتمؒ: صحابہ کرامؓ نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ حضرت حاتمؒ: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب: حضرت جبرئیلؑ سے۔ حضرت حاتمؒ: حضرت جبرئیلؑ نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب: اللہ تعالیٰ شانہٗ سے۔

حضرت حاتمؒ نے فرمایا کہ جو علم حضرت جبرئیلؑ نے حق تعالیٰ شانہٗ سے لے کر حضورؐ تک پہنچایا، اور حضورؐ نے صحابہؓ کو عطا فرمایا، اور صحابہؓ نے معتبر علماء کو اور اُن کے ذریعہ سے آپ تک پہنچا۔ اس میں کہیں یہ بھی وارد ہے کہ جس شخص کا جس قدر مکان اونچا اور بڑا ہو گا، اس کا اتنا ہی درجہ اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں

بھی زیادہ ہوگا؟ قاضی صاحب نے فرمایا، کہ نہیں، یہ اُس علم میں نہیں آیا۔ حضرت حاتمؒ نے فرمایا، اگر یہ نہیں آیا تو پھر اس علم میں کیا آیا ہے؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ اس میں یہ آیا ہے کہ جو شخص دُنیا سے بے رغبت ہو، آخرت میں رغبت رکھتا ہو، فُقَراء کو محبوب رکھتا ہو، اپنی آخرت کے لئے اللہ کے یہاں ذخیرہ بھیجتا رہتا ہو، وہ شخص حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں صاحبِ مرتبہ ہے۔ حضرت حاتمؒ نے فرمایا کہ پھر آپ نے کس کا اِتباع اور پیروی کی؟ حُضورؐ کی؟ حُضورؐ کے صَحابہؓ کی؟ مُتقی عُلماء کی؟ یا فرعون اور نمرود کی؟ اے بُرے عالمو! تم جیسوں کو جاہل دُنیا دار جو دُنیا کے اوپر اوندھے گرنے والے ہیں، دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ جب عالموں کا یہ حال ہے تو ہم تو اُن سے زیادہ بُرے ہوں گے ہی۔)

یہ کہہ کر حضرت حاتمؒ تو واپس چلے گئے، اور قاضی صاحب کے مرض میں اس گفتگو اور نصیحت کی وجہ سے اور بھی زیادہ اضافہ ہوگیا۔ تو لوگوں میں اس کا چرچا ہوا تو کسی نے حضرت حاتمؒ سے کہا کہ طنافسی جو قزوین میں رہتے ہیں (قزوین رَیّ سے ستائیس ۲۷ فرسخ یعنی اکیاسی ۸۱ میل ہے) وہ ان سے بھی زیادہ رئیسانہ شان سے رہتے ہیں۔ حضرت حاتمؒ (ان کو نصیحت کرنے کے ارادہ سے چل دیئے) جب اُن کے پاس پہنچے تو کہا کہ ایک عجمی آدمی ہے (جو عرب کا رہنے والا نہیں ہے) آپ سے یہ چاہتا ہے کہ آپ اس کو دین کی بالکل اِبتداء سے یعنی نماز کی کنجی وضو سے تعلیم دیں۔ طنافسی نے کہا، بڑے شوق سے۔ یہ کہہ کر طنافسی نے وضو کا پانی منگایا، اور طنافسی نے وضو کر کے بتایا کہ اس طرح وضو کی جاتی ہے۔ حضرت حاتمؒ نے ان کی وضو کے بعد کہا کہ میں آپ کے سامنے وضو کرلوں تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے۔ طنافسی وضو کی جگہ سے اُٹھ گئے اور حضرت حاتمؒ نے بیٹھ کر وضو کرنا شروع کیا، اور دونوں ہاتھوں کو چار چار مرتبہ دھویا۔ طنافسی نے کہا، یہ اِسراف ہے، تین تین مرتبہ دھونا چاہیئے۔ حضرت حاتمؒ نے کہا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم، میرے ایک چُلّو پانی میں تو اِسراف ہوگیا، اور یہ سب کچھ جو ساز و سامان میں تمہارے پاس دیکھ رہا ہوں اس میں اِسراف نہ ہوُا۔ جب طنافسی کو خیال ہوُا کہ اُن کا مقصد سیکھنا نہیں تھا، بلکہ یہ غرض تھی۔ اس کے بعد جب بغداد پہنچے اور حضرت اِمام احمد بن حنبلؒ کو اُن کے اَحوال کا علم ہوا تو وہ اُن سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ اور اُن سے دریافت فرمایا کہ دُنیا سے سلامتی کی کیا تدبیر ہے؟ حاتمؒ نے فرمایا کہ دُنیا سے اس وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتے جب تک تم میں چار چیزیں نہ ہوں۔

لوگوں[۱] کی جہالت سے درگذر کرتے رہو۔ خود[۲] ان کے ساتھ کوئی حرکت جہالت کی نہ کرو۔ تمہارے[۳]

پاس جو چیز ہو اُن پر خرچ کر دو۔ اُن کے پاس جو چیز ہو اس کی اُمید نہ رکھو۔

(اس کے بعد جب حضرت حاتمؒ مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کے لوگ خبر سُن کر اُن کے پاس ملنے کے لئے جمع ہو گئے۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا۔ کہ یہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا شہر ہے۔ کہنے لگے کہ اس میں حضورؐ کا محل کونسا ہے، میں وہاں جا کر دوگانہ ادا کروں؟ لوگوں نے کہا کہ حضورؐ کا تو محل نہیں تھا۔ بہت مختصر مکان تھا جو بہت نیچا تھا۔ کہنے لگے کہ صحابہ کرامؓ کے محل کہاں کہاں ہیں، مجھے وہی دکھا دو، لوگوں نے کہا کہ صحابہؓ کے بھی محل نہیں تھے۔ اُن کے بھی چھوٹے چھوٹے مکانات زمین سے لگے ہوئے تھے۔ حاتمؒ نے کہا۔ پھر یہ شہر تو فرعون کا شہر ہے۔ لوگوں نے ان کو پکڑ لیا (کہ یہ شخص مدینہ منورہ کی توہین کرتا ہے اور حضورؐ کے شہر کو فرعون کا شہر بتاتا ہے) اور پکڑ کر امیرِ مدینہ کے پاس لے گئے کہ یہ عجمی شخص مدینہ طیبہ کو فرعون کا شہر بتاتا ہے۔ امیر نے اُن سے مطالبہ کیا، کہ یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں، پوری بات سُن لیں۔ میں ایک عجمی آدمی ہوں۔ میں جب اس شہر میں داخل ہوا تو میں نے پوچھا کہ یہ کس کا شہر ہے؟ پھر پورا قصہ اپنے سوال وجواب کا سُنا کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں یہ فرمایا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" ۔ الآیۃ (احزاب ۔ ع ۳) "تم لوگوں کے واسطے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو (یعنی کامل مؤمن ہو۔ غرض ایسے شخص کے لئے) رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے (یعنی ہر بات میں یہ دیکھنا چاہئے کہ حضورؐ کا کیا معمول تھا اور اس کا اتباع کرنا چاہئے")

(پس اب تم ہی بتاؤ کہ تم نے یہ حضورؐ کا اتباع کر رکھا ہے یا فرعون کا؟ اس پر لوگوں نے اُن کو چھوڑ دیا۔

یہاں ایک بات یہ قابلِ لحاظ ہے کہ مباح چیزوں کے ساتھ لذت حاصل کرنا، یا اُن کی وُسعت، حرام یا ناجائز نہیں ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ان کی کثرت سے اُن چیزوں کے ساتھ اُنس پیدا ہوتا ہے ان چیزوں کی محبت دل میں بیٹھ جاتی ہے، اور پھر اس کا چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور ان کے فراہم کرنے کے لئے اسباب تلاش کرنا پڑتے ہیں۔ پیداوار اور آمدنی کے بڑھانے کی فکر ہوتی ہے۔ اور جو شخص روپیہ بڑھانے کی فکر میں لگ جاتا ہے اس کو دین کے بارہ میں مداہنت بھی کرنی پڑتی ہے۔ اس میں بسا اوقات گناہوں کے مرتکب ہونے کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ اگر دنیا میں گھسنے کے بعد اس سے محفوظ

رہنا آسان ہوتا تو حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اتنے اہتمام سے دُنیا سے بے رغبتی پر تنبیہ نہ فرماتے اور اتنی شدّت سے اس سے خود نہ بچتے کہ نقشین کُرتہ بھی بدنِ مبارک پر سے اُتار دیا۔)

(یحییٰ بن یزید نوفلیؒ نے حضرت امام مالکؒ کو ایک خط لکھا۔ جس میں حمد وصلوٰۃ کے بعد لکھا کہ "مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ باریک کپڑا پہنتے ہیں اور پتلی روٹی استعمال کرتے ہیں اور نرم بستر پر آرام کرتے ہیں۔ دربان بھی آپ نے مقرّر کر رکھا ہے، حالانکہ آپ اُونچے عُلماء میں ہیں۔ دُور دُور سے لوگ سفر کر کے آپ کے پاس علم سیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ آپ امام ہیں، مُقتدا ہیں، لوگ آپ کا اتباع کرتے ہیں۔ آپکو بہت احتیاط کرنی چاہیئے محض مخلصانہ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو اس خط کی خبر نہیں فقط والسلام"۔ حضرت امام مالکؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا کہ "تمہارا خط پہنچا جو میرے لئے نصیحت نامہ، شفقت نامہ اور تنبیہ تھی۔ حق تعالیٰ شانُہٗ تقویٰ کے ساتھ تمہیں منتفع فرمائے اور اس نصیحت کی جزائے خیر عطا فرمائے، اور مجھے حق تعالیٰ شانُہٗ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ خوبیوں پر عمل اور بُرائیوں سے بچنا اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہوسکتا ہے جو اُمور تم نے ذکر کئے یہ صحیح ہیں، ایسا ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے (لیکن یہ سب چیزیں جائز ہیں)۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الآیۃ (اعراف۔ ع ۴) "آپ یہ کہہ دیجئے کہ (یہ تبلاؤ) کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی زینت (کپڑوں وغیرہ) کو جن کو اُس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کیا اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا"۔ اس کے بعد تحریر فرمایا کہ "یہ میں خوب جانتا ہوں کہ ان اُمور کا اختیار نہ کرنا، اختیار کرنے سے اولیٰ اور بہتر ہے۔ آئندہ بھی اپنے گرامی ناموں سے مجھے مشرّف کرتے رہیں۔ میں بھی خط لکھتا رہوں گا۔ فقط والسلام"

کتنی لطیف بات امام مالکؒ نے اختیار فرمائی کہ جواز کا فتویٰ بھی تحریر فرما دیا اور اس کا اقرار بھی فرما لیا، کہ واقعی زیادہ بہتر ان اُمور کا ترک ہی تھا۔)

(۵) پانچویں علامت عُلمائے آخرت کی یہ ہے کہ سلاطین اور حُکّام سے دُور رہیں (بلا ضرورت کبھی اُن کے پاس ہرگز نہ جائیں۔ بلکہ وہ خُود بھی آئیں تو ملاقات کم رکھیں۔ اس لئے کہ ان کے ساتھ میل جول، اُن کی خوشنودی اور رضا جوئی میں تکلّف برتنے سے خالی نہ ہوگا۔ وہ لوگ اکثر ظالم اور ناجائز اُمور کا ارتکاب کرنے والے ہوتے ہیں۔ جس پر انکار کرنا ضروری ہے۔ اُن کے ظُلم کا اظہار، اُن کے ناجائز فعل پر تنبیہ کرنا ضروری ہے، اور اس پر سُکوت دین میں مُداہنت ہے۔ اور اگر اُن کی خوشنودی کے لئے ان

کی تعریف کرنا پڑے تو یہ صریح جھوٹ ہے۔ اور اُن کے مال کی طرف اگر طبیعت کو میلان ہُوا اور طمع ہوئی تو ناجائز ہے۔ بہرحال ان کا اختلاط بہت سے مفاسد کی کنجی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص جنگل میں رہتا ہے وہ سخت مزاج ہو جاتا ہے۔ اور جو شکار کے پیچھے لگ جاتا ہے وہ (سب چیز سے) غافل ہو جاتا ہے، اور جو بادشاہ کے پاس آمد و رفت شروع کر دے وہ فتنہ میں پڑ جاتا ہے۔

حضرت حُذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اپنے آپکو فتنوں کی جگہ کھڑے ہونے سے بچاؤ۔ کسی نے پوچھا کہ فتنوں کی جگہ کونسی ہے؟ فرمایا، اُمراء کے دروازے کہ اُن کے پاس جا کر اُن کی غلط کاریوں کی تصدیق کرنی پڑتی ہے، اور (اُن کی تعریف میں) ایسی باتیں کہنی پڑتی ہیں جو اُن میں نہیں ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بدترین عُلماء وہ ہیں جو حکام کے یہاں حاضری دیں، اور بہترین حاکم وہ ہیں جو عُلماء کے یہاں حاضر ہوں۔

حضرت سمنون (جو حضرت سَری سَقَطیؒ کے اصحاب میں ہیں) کہتے ہیں کہ میں نے یہ سُنا تھا کہ جب تم کسی عالم کو یہ سُنو کہ وہ دُنیا کی مَحبّت رکھتا ہے تو اُس شخص کو اپنے دین کے بارہ میں مُتّہم سمجھو۔ میں نے اس کا خود تجربہ کیا۔ جب بھی میں بادشاہ کے یہاں گیا۔ تو واپسی پر میں نے اپنے دِل کو ٹٹولا، تو اس پر میں نے ایک وبال پایا۔ حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ میں وہاں سخت گفتگو کرتا ہوں اور اُنکی رائے کا سختی سے خلاف کرتا ہوں۔ وہاں کی کسی چیز سے مُنتفع نہیں ہوتا، حتّٰی کہ وہاں کا پانی بھی نہیں پیتا۔ ہمارے علماء بَنُو اسرائیل کے عُلماء سے بھی بُرے ہیں کہ وہ حکام کے پاس جا کر اُن کو گنجائشیں بتلاتے ہیں۔ اُن کی خوشنودی کی فکر کرتے ہیں۔ اگر وہ ان سے اُن کی ذمہ داریاں صاف صاف بتائیں تو وہ لوگ ان کا جانا بھی گراں سمجھنے لگیں۔ اور یہ صاف صاف کہنا ان عُلماء کے لئے حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں نجات کا سبب بن جائے۔ عُلماء کا سَلاطین کے یہاں جانا ایک بہت بڑا فتنہ ہے، اور شیطان کے اِغوا کرنے کا ذریعہ ہے۔ بالخُصُوص جس کو بولنا اچھا آتا ہو، اُس کو شیطان یہ سمجھاتا ہے کہ تیرے جانے سے اُن کی اِصلاح ہوگی۔ وہ اس کی وجہ سے ظلم سے بچیں گے، اور دین کے شعائر کی حفاظت ہوگی۔ حتّٰی کہ آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اُن کے پاس جانا بھی کوئی دینی چیز ہے۔ حالانکہ اُن کے پاس جانے سے اُن کی دلداری میں مُداہنت کی باتیں کرنا اور اُن کی بے جا تعریفیں کرنا پڑتی ہیں جس میں دین کی ہلاکت ہے۔

حضرت عُمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت حسن بصریؒ کو لکھا کہ مجھے ایسے مناسب لوگوں کا پتہ بتاؤ جن سے میں اپنی اس (خلافت کے) کام میں مدد لوں۔ حضرت حسنؒ نے (جواب میں) لکھا کہ اہلِ دین تو تم تک نہ آئیں گے اور دُنیا داروں کو تم اختیار نہ کرو گے۔ (اور نہ کرنا چاہیئے یعنی حریص طمّاع لوگوں کو کہ وہ

اپنے لالچ میں کام خراب کر دیں گے) اس لئے شریف النسب لوگوں سے کام لو۔ اس لئے کہ ان کی قومی شرافت ان کو اس بات سے روکے گی کہ وہ اپنی نسبی شرافت کو خیانت سے گندہ کریں۔

یہ جواب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو لکھا، جن کا زہد و تقوے، عدل و انصاف ضرب المثل ہے۔ حتیٰ کہ وہ عمرِ ثانی کہلاتے ہیں۔ یہ امام غزالیؒ کا ارشاد ہے۔ لیکن اس ناکارہ کے خیال میں اگر کوئی دینی مجبوری ہو تو اپنے نفس کی حفاظت اور نگرانی کرتے ہوئے جانے میں مضائقہ نہیں۔ بلکہ بسا اوقات دینی مصالح اور ضرورتوں کا تقاضا جانا ہی ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اپنی ذاتی غرض، ذاتی نفع، مال و جاہ کمانا مقصود نہ ہو، بلکہ صرف مسلمانوں کی ضرورت ہو۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (البقرہ۔ ع ۲۷) "اور اللہ تعالیٰ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو (الگ الگ) جانتے ہیں۔

(۶) چھٹی علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ فتوے صادر کر دینے میں جلدی نہ کرے۔ مسئلہ بتانے میں بہت احتیاط کرے۔ حتیٰ الوسع اگر کوئی دوسرا اہل ہو تو اس کے حوالہ کر دے۔

ابو حفص نیشاپوریؒ کہتے ہیں کہ عالم وہ ہے کہ جو مسئلہ کے وقت اس سے خوف کرتا ہو کہ کل کو قیامت میں یہ جواب دہی کرنا پڑے گی کہ کہاں سے بتایا تھا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ صحابہؓ کرام چار چیزوں سے بہت احتراز کرتے تھے:۔

۱ امامت کرنے سے۔ ۲ وصی بننے سے (یعنی کسی کی وصیت میں مال وغیرہ تقسیم کرنے سے) ۳ امانت رکھنے سے۔ ۴ فتوے دینے سے۔ اور ان کا خصوصی مشغلہ پانچ چیزیں تھیں:۔ ۱ قرآن پاک کی تلاوت۔ ۲ مساجد کا آباد کرنا۔ ۳ اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ ۴ اچھی باتوں کی نصیحت کرنا۔ ۵ بری باتوں سے روکنا۔

ابن حصینؒ کہتے ہیں کہ بعض آدمی ایسے جلدی فتوے صادر کرتے ہیں کہ وہ مسئلہ اگر حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوتا تو سارے بدر والوں کو اکٹھا کر کے مشورہ کرتے۔

حضرت انسؓ اتنے جلیل القدر صحابی ہیں کہ دس برس حضورﷺ کی خدمت کی۔ جب ان سے مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے کہ مولانا الحسنؒ سے دریافت کر و (یہ حضرت حسن بصریؒ مشہور فقہاء اور مشہور صوفیہ میں ہیں۔ اور تابعی ہیں۔ حضرت انسؓ باوجود صحابی ہونے کے ان تابعی کا نام بتلاتے ہیں)۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے جب مسئلہ دریافت کیا جاتا (حالانکہ وہ مشہور صحابی اور رئیس المفسرین ہیں)، تو فرماتے کہ جابر

بن زیدؒ (جواہل فتویٰ تابعی ہیں) سے دریافت کرو۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو خود بڑے مشہور فقیہ صحابی ہیں، حضرت سعید بن المسیبؒ (تابعی) پر حوالہ فرما دیتے۔

(۷) ساتویں علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ اس کو باطنی علم یعنی سلوک کا اہتمام بہت زیادہ ہو۔ اپنی اصلاحِ باطن اور اصلاحِ قلب میں بہت زیادہ کوشش کرنے والا ہو کہ یہ علوم ظاہریہ میں بھی ترقی کا ذریعہ ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اپنے علم پر عمل کرے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں، جو اس نے نہیں پڑھیں۔ پہلے انبیاء کی کتابوں میں ہے کہ اے بنی اسرائیل تم یہ مت کہو کہ علوم آسمان پر ہیں، اُن کو کون اُتارے، یا وہ زمین کی جڑوں میں ہیں، اُن کو کون اوپر لائے یا وہ سمندروں کے پار ہیں، کون اُن پر گذرے تاکہ اُن کو لائے۔ علوم تمہارے دلوں کے اندر ہیں۔ تم میرے سامنے رُوحانی ہستیوں کے آداب کے ساتھ رہو۔ صدیقین کے اخلاق اختیار کرو، میں تمہارے دلوں میں سے علوم کو ظاہر کر دوں گا یہاں تک کہ وہ علوم تم کو گھیر لیں گے اور تم کو ڈھانک لیں گے۔ اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے کہ اہل اللہ کو حق تعالیٰ شانہٗ وہ علوم اور معارف عطا فرماتا ہے کہ کتابوں میں تلاش سے بھی نہیں ملتے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد جس کو حق تعالیٰ شانہٗ سے نقل فرماتے ہیں کہ میرا بندہ کسی ایسی چیز کے ساتھ مجھ سے تقرب حاصل نہیں کر سکتا، جو مجھے زیادہ محبوب ہو، اُن چیزوں سے جو میں نے اُس پر فرض کیں (جیسا کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ یعنی جتنا تقرب فرائض کے اچھی طرح ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے ایسا تقرب دوسری چیزوں سے نہیں ہوتا)۔ اور بندہ نوافل کے ساتھ بھی میرے ساتھ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں۔ اور جب میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو پورا کرتا ہوں۔ اور وہ کسی چیز سے پناہ چاہتا ہے، تو اُس کو پناہ دیتا ہوں۔ (بخاری شریف)

یعنی اس کا چلنا پھرنا دیکھنا سننا، سب کام میری رضا کے مطابق ہو جاتے ہیں اور بعض حدیثوں میں اس کے ساتھ یہ مضمون بھی آیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ مجھ سے اعلانِ جنگ

کرتا ہے۔ اور چونکہ اَولیاء اللہ کا غور و فکر سب ہی حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے قرآن پاک کے دقیق علوم اُنکے قلوب پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ اُس کے اَسرار اُن پر واضح ہو جاتے ہیں بالخصوص ایسے لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کے ساتھ ہر وقت مشغول رہتے ہیں اور ہر شخص کو اسمیں حسبِ توفیق اتنا حصہ ملتا ہے جتنا کہ عمل میں اسکا اہتمام اور اسکی کوشش ہوتی ہے۔

حضرت علیؓ نے ایک بڑی طویل حدیث میں علمائے آخرت کا حال بیان فرمایا ہے جس کو ابنِ قیمؒ نے "مفتاح دار السعادۃ" میں اور ابو نعیمؒ نے "حلیہ" میں ذکر فرمایا ہے، اس میں فرماتے ہیں کہ قلوب بمنزلہ برتن کے ہیں۔ اور بہترین قلوب وہ ہیں جو خیر کو زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہیں۔ علم کا جمع کرنا مال کے جمع کرنے سے بہتر ہے کہ علم تیری حفاظت کرتا ہے، اور مال کی تجھ کو حفاظت کرنی پڑتی ہے، علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے، اور مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے۔ مال کا نفع اس کے زائل ہونے (خرچ کرنے) سے ختم ہو جاتا ہے لیکن علم کا نفع ہمیشہ ہمیشہ باقی رہتا ہے (عالم کے انتقال سے بھی ختم نہیں ہوتا کہ اُس کے ارشادات باقی رہتے ہیں)، پھر حضرت علیؓ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا، اور فرمایا کہ میرے سینے میں علوم ہیں، کاش اس کے اہل ملتے۔ مگر میں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو دین کے اسباب کو دُنیا طلبی میں خرچ کرتے ہیں۔ یا ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو لذتوں میں منہمک ہیں، شہوتوں کی طلب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں یا مال کے جمع کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں" غرض یہ طویل مضمون ہے جس کے چند فقرے یہاں نقل کئے ہیں۔

(۸) آٹھویں علامت یہ ہے کہ اس کا یقین اور ایمان اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ بڑھا ہوا ہو، اور اس کا بہت زیادہ اہتمام اس کو ہو۔ یقین ہی اصل رأس المال ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ یقین ہی پورا ایمان ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے، کہ یقین کو سیکھو۔ اور اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یقین والوں کے پاس اہتمام سے بیٹھو۔ اُن کا اتباع کرو تاکہ اس کی برکت سے تم میں یقین کی پختگی پیدا ہو۔ اس کو حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرتِ کاملہ اور صفات کا ایسا ہی یقین ہو جیسا کہ چاند سورج کے وجود کا۔ وہ اس کا کامل یقین رکھتا ہو کہ ہر چیز کا کرنے والا صرف وہی ایک پاک ذات ہے، اور یہ دُنیا کے سارے اسباب اُس کے ارادہ کے ساتھ مسخر ہیں جیسا کہ مارنے والے کے ہاتھ میں لکڑی کہ اس میں لکڑی کو کوئی شخص بھی دخیل نہیں سمجھتا، اور جب یہ پختہ ہو جائے گا تو اس کو توکّل، رضا اور تسلیم سہل ہو جائیگی۔ نیز اُس کو اس کا پختہ یقین ہو کہ روزی کا ذمہ صرف اللہ جلّ شانہٗ کا ہے، اور اُس نے ہر شخص کی روزی کا ذمہ لے رکھا ہے جو اُس کے مقدر میں ہے وہ اُس کو بہر حال مل کر رہے گا۔ اور جو مقدر میں نہیں ہے۔

وہ کسی حال بھی نہ مل سکے گا۔ اور جب اس کا یقین پختہ ہو جائے گا تو روزی کی طلب میں اعتدال پیدا ہو جائے گا حرص اور طمع جاتی رہے گی۔ جو چیز میسّر نہ ہوگی اُس پر رنج نہ ہوگا۔ نیز اس کو اس کا یقین ہو کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ ہر بھلائی اور بُرائی کا ہر وقت دیکھنے والا ہے۔ ایک ذرّہ کے برابر کوئی نیکی یا بُرائی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اور اس کا بدلہ نیک یا بد ضرور ملے گا۔ وہ نیک کام کے کرنے پر ثواب کا ایسا ہی یقین رکھتا ہو، جیسا کہ روٹی کھانے سے پیٹ بھرنا۔ اور بُرے کام پر عذاب کو ایسا ہی یقینی سمجھتا ہو جیسا کہ سانپ کے کاٹنے سے زہر کا چڑھنا (وہ نیکی کی طرف ایسا ہی مائل ہو جیسا کہ کھانے پینے کی طرف، اور گناہ سے ایسا ہی ڈرتا ہو جیسا کہ سانپ بچھو سے) اور جب یہ پختہ ہو جائے گا تو ہر نیکی کے کمانے کی اس کو پوری رغبت ہوگی، اور ہر بُرائی سے بچنے کا پورا اہتمام ہوگا۔

(۹) نویں علامت یہ ہے کہ اُس کی ہر حرکت و سکون سے اللہ جَلَّ شانُہٗ کا خوف ٹپکتا ہو۔ اس کی عظمت وجلال اور ہیبت کا اثر اس شخص کی ہر ادا سے ظاہر ہوتا ہو۔ اُس کے لباس سے، اُس کی عادات سے، اُس کے بولنے سے، اُس کے چُپ رہنے سے، حتّٰی کہ ہر حرکت اور سکون سے یہ بات ظاہر ہوتی ہو، اُس کی صورت دیکھنے سے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی یاد تازہ ہوتی ہو۔ سکون، وقار، مسکنت، تواضع اس کی طبیعت بن گیا ہو۔ بیہودہ گوئی، لغو کلامی، تکلّف سے باتیں کرنے سے گریز کرتا ہو کہ یہ چیزیں فخر اور اکڑ کی علامات ہیں، اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے بے خوفی کی دلیل ہیں۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ "علم سیکھو اور علم کے لئے سکون اور وقار سیکھو۔ جس سے علم حاصل کرو، اُس کے سامنے نہایت تواضع سے رہو۔ جابر علماء میں سے نہ بنو۔"

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "میری اُمّت کے بہترین افراد وہ ہیں جو مجمع میں اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت سے خوش رہتے ہوں، اور تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے روتے ہوں۔ اُن کے بدن زمین پر رہتے ہوں اور اُن کے دل آسمان کی طرف لگے رہتے ہوں۔"

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ "ناجائز اُمور سے بچنا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے ذکر سے تیری زبان تر و تازہ رہے"۔ کسی نے پوچھا کہ بہترین ساتھی کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ شخص ہے کہ اگر تُو نیک کام سے غفلت کرے تو وہ تجھے متنبہ کرے۔ اور اگر تجھے خود یاد ہو تو اس میں تیری اعانت کرے۔

کسی نے پوچھا کہ بُرا ساتھی کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ وہ شخص ہے کہ اگر تجھے نیک کام سے

غفلت ہو تو وہ مُتنبّہ نہ کرے، اور تُو خود کرنا چاہے تو اس میں تیری اِعانت نہ کرے۔ کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ جو شخص سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ شانُہ، سے ڈرنے والا ہو۔ کسی نے پوچھا کہ ہم کن لوگوں کے پاس زیادہ تر اپنی نشست رکھیں؟ حضورؐ نے فرمایا، جن کی صورت سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو۔

(حضورؐ کا اِرشاد ہے کہ آخرت میں زیادہ بے فکر وہ شخص ہوگا جو دُنیا میں فکر مند رہا ہو۔ اور آخرت میں زیادہ ہنسنے والا وہ ہوگا جو دُنیا میں زیادہ رونے والا ہو۔)

(۱۰) دسویں علامت یہ ہے کہ اُس کا زیادہ اِہتمام ان مَسائِل سے ہو جو اعمال سے تعلّق رکھتے ہیں۔ جائز ناجائز سے تعلّق رکھتے ہیں۔ فلاں عمل کرنا ضروری، فلاں عمل سے بچنا ضروری ہے۔ اس چیز سے فلاں عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ (مثلاً فلاں چیز سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، مسواک کرنے سے یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ) ایسے عُلوم سے زیادہ بحث نہ کرتا ہو جو محض دماغی تفریحات اور تفریعات ہوں۔ تاکہ لوگ اس کو مُحقِّق سمجھیں حکیم اور فلاسفر سمجھیں۔

(۱۱) گیارہویں علامت یہ ہے کہ اپنے عُلوم میں بصیرت کے ساتھ نظر کرنیوالا ہو۔ محض لوگوں کی تقلید میں اور اِتباع میں اُن کا قائل نہ بن جائے۔ اصل اِتباع حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاک اِرشادات کا ہے، اور اسی وجہ سے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن کا اِتباع ہے کہ وہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اَفعال کو دیکھنے والے ہیں۔ اور جب اصل اِتباع حضورؐ ہی کا ہے تو حضورؐ کے اَقوال و اَفعال کے جمع کرنے میں اُن پر غور و فکر میں بہت زیادہ اِہتمام کرے۔

(۱۲) بارھویں علامت، بدعات سے بہت شِدّت اور اِہتمام سے بچنا ہے۔ کسی کام پر آدمیوں کی کثرت کا جمع ہو جانا کوئی مُعتبر چیز نہیں ہے بلکہ اصل اِتباع حضورؐ کا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا کیا معمول رہا ہے اور اس کے لئے ان حضرات کے معمولات اور اَحوال کا تتبّع اور تلاش کرنا اور اس میں مُنہمک رہنا ضروری ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کا اِرشاد ہے کہ دو شخص بدعتی ہیں۔ جنہوں نے اسلام میں دو بدعتیں جاری کیں۔ ایک وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ دین وہ ہے جو اُس نے سمجھا ہے۔ اور جو اس کی رائے کی موافقت کرتا ہے وہی ناجی ہے۔ دوسرا وہ شخص جو دُنیا کی پرستش کرتا ہے، اسی کا طالب ہے، دُنیا کمانے

والوں سے خوش ہوتا ہے اور جو دُنیا نہ کما وے اُس سے خفا ہوتا ہے۔ ان دونوں آدمیوں کو جہنّم کے لئے چھوڑ دو۔ اور جس شخص کو حق تعالیٰ شانہٗ نے ان دونوں سے محفوظ رکھا ہو، وُہ پہلے اکابر کا اتباع کرنے والا ہے۔ ان کے احوال اور طریقہ کی پیروی کرنے والا ہے۔ اس کے لئے اِنشاء اللہ بہت بڑا اجر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو کہ اس وقت خواہشات علم کے تابع ہیں۔ لیکن عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ علم خواہشات کے تابع ہوگا۔ یعنی جن چیزوں کو اپنا دل چاہے گا وہی عُلوم سے ثابت کی جائیں گی۔

بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے زمانہ میں شیطان نے اپنے لشکروں کو چاروں طرف بھیجا۔ وہ سب کے سب پھر پھرا کر نہایت پریشان حال تھکے ہوئے واپس ہوئے۔ اُس نے پوچھا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ان لوگوں نے تو ہم کو پریشان کر دیا۔ ہمارا کچھ بھی اثر اُن پر نہیں ہوتا۔ ہم اُن کی وجہ سے بڑی مشقت میں پڑ گئے۔ اُس نے کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ یہ لوگ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحبت یافتہ ہیں، ان پر تمہارا اثر مشکل ہے عنقریب ایسے لوگ آنے والے ہیں جن سے تمہارے مقاصد پورے ہوں گے اس کے بعد تابعینؒ کے زمانہ میں اُس نے اپنے لشکروں کو سب طرف پھیلایا۔ وہ سب کے سب اُس وقت بھی پریشان حال واپس ہوئے۔ اُس نے پوچھا کیا حال ہے؟ کہنے لگے کہ ان لوگوں نے تو ہمیں دِق کر دیا۔ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں کہ ہماری اغراض اُن سے کچھ پوری ہو جاتی ہیں۔ مگر جب شام ہوتی ہے تو اپنے گناہوں سے ایسی توبہ کرتے ہیں کہ ہمارا سارا کیا کرایا برباد ہو جاتا ہے۔ شیطان نے کہا کہ گھبراؤ نہیں، عنقریب ایسے لوگ آنے والے ہیں جن سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ وہ اپنی خواہشات میں دین سمجھ کر ایسے گرفتار ہوں گے کہ اُن کو توبہ کی بھی توفیق نہ ہوگی۔ وہ بد دینی کو دین سمجھیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بعد میں شیطان نے ان لوگوں کے لئے ایسی بدعات نکال دیں، جن کو وہ دین سمجھنے لگے، اس سے ان کو توبہ کیسے نصیب ہو۔

یہ بارہ علامات مختصر طریقہ سے ذکر کی گئی ہیں جن کو علامہ غزالیؒ نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس لئے علماء کو اپنے محاسبہ کے دن سے خاص طور سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ کہ اُن کا محاسبہ بھی سخت ہے۔ اُن کی ذمہ داری بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اور قیامت کا دن جس میں یہ محاسبہ ہوگا، بڑا سخت دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ محض اپنے فضل و کرم سے اُس دن کی سختی سے محفوظ رکھے۔

(۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اِبْنَ اٰدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِیْ اَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًی وَاَسُدُّ فَقْرَكَ وَاِنْ لَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ یَدَكَ شُغْلًا وَلَمْ اَسُدَّ فَقْرَكَ۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ عَمَّ نَوالُہٗ کا فرمان ہے کہ اے آدم کی اولاد تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا میں تیرے سینہ کو غنا سے پُر کر دوں گا اور تیرے فقر کو زائل کر دوں گا، اور اگر تو ایسا نہیں کریگا تو میں تجھے مشاغل میں پھانس دوں گا اور تیرا فقر زائل نہیں کروں گا۔

(رواہ احمد وابن ماجۃ کذا فی المشکوٰۃ. وزاد فی الترغیب الترمذی وابن حبان والحاکم صححہ وفی الباب عن عمران وغیرہ فی الترغیب)

ف: مُتعدد احادیث میں مُختلف الفاظ سے یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ حضرت عِمران بن حُصَین رضی اللہ عنہ، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ہمہ تن اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف مُتوجّہ ہو جائے، اُسی کا بن جائے تو حق تعالیٰ شانُہٗ اُس کی ہر ضرورت کو خود پورا فرماتے ہیں، اور ایسی جگہ سے اُس کو روزی عطا فرماتے ہیں کہ اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص دُنیا کے پیچھے پڑ جاتا ہے، اُسی کے فکر میں ہر وقت رہتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اُس کو دُنیا کے حوالے کر دیتے ہیں کہ تو دُنیا سے نبٹ لے۔

(حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کی پوری توجہ اور آخری مقصد دُنیا کمانا ہو، اسی کے لئے سفر کرتا ہے، اُسی کا خیال دِل میں رہتا ہے تو حق تعالیٰ شانُہٗ فقر و فاقہ (کا خوف) اُس کی آنکھ کے سامنے کر دیتے ہیں (ہر وقت اس سے ڈرتا رہتا ہے کہ آمدنی تو بہت کم ہے کیا ہوگا، کیونکر گذر چلے گا) اور اس کے اوقات کو (اسی فکر و تردُّد میں) پریشان کر دیتے ہیں۔ اور ملتا اتنا ہی ہے جتنا کہ مُقدّر ہوتا ہے۔ اور جس شخص کی توجہ اور حقیقی مقصد آخرت ہوتی ہے، اُسی کے کاموں کے لئے سفر کرتا ہے اسی کا خیال دِل میں رہتا ہے تو حق تعالیٰ شانُہٗ (دُنیا سے بے نیازی اور بے فکری اور) اِستغنا اُس کے سامنے کر دیتے ہیں، اور اس کے احوال کو مُجتمع کر دیتے ہیں۔ اور دُنیا خود بخود ذلیل ہو کر اُس کے پاس آتی ہے۔ (ترغیب)

خود بخود ذلیل ہو کر آنے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز مُقدّر ہے وہ تو آکر رہے گی۔ اس لئے کہ

بہت سی احادیث میں یہ مضمون گذر چکا ہے کہ روزی خُود آدمی کو ایسا تلاش کرتی ہے جیسا کہ موت آدمی کو تلاش کرتی ہے۔ جب وہ خود اس کی تلاش میں ہے، اس کے پاس آنے پر مجبور ہے، اور اس کی طرف سے اِستِغنَاء ہے، تو وہ بہرحال اس کے پاس آکر رہے گی۔ اس سے زیادہ ذلّت کیا ہوگی کہ وہ خود اس کے پاس آئے اور یہ لاپرواہی برتے۔

(ایک حدیث میں حضورؐ کا اِرشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص اُس چیز کی طلب میں لگ جائے جو اللہ تعالیٰ جلّ شانُہٗ کے پاس ہے، آسمان اس کا سایہ ہو، زمین اس کا بستر ہو، دُنیا کی کسی چیز کا اس کو فکر نہ ہو، تو ایسا شخص بغیر کھیتی کئے روٹی کھائے گا، بغیر باغ لگائے پھل کھائے گا۔ اللہ پر اس کا توکّل ہو اور اس کی رِضا کی جُستجو میں لگا رہتا ہو، اللہ جلّ شانُہٗ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کو اس کی روزی کا ذِمّہ دار بنا دیتے ہیں، وہ سب کے سب اُس کو روزی پہنچانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اس کو حلال روزی پہنچانے میں کوتاہی نہیں کرتے، اور وُہ بغیر حساب کے اپنی روزی پوری کر لیتا ہے۔ (دُرِّ منثور)

(ایک اور حدیث میں ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حُضُورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مسجدِ خَیف (منیٰ کی مسجد) میں وعظ فرمایا۔ اس میں حمد و ثنا کے بعد اِرشاد فرمایا کہ جس شخص کا مقصد دُنیا بن جائے، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کے اَحوال کو پریشان اور مُنتَشِر کر دیتے ہیں، اور نقر (کا خوف) ہر وقت آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ اور دُنیا تو جتنی مُقدّر ہے اس سے زیادہ ملتی نہیں۔)

حضرت ابُوذر رضؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دُنیا کے پیچھے پڑ جائے اُس کا حق تعالیٰ شانُہٗ سے کوئی واسطہ نہیں، اور جس کو مسلمانوں کا (ان کی بھلائی کا، خیر خواہی کا) فکر نہ ہو، اس کو مسلمانوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور جو (دُنیوی اَغراض کے لئے) اپنے آپکو خوشی سے ذلیل کرے اُس کا ہم سے کوئی تعلّق نہیں (محض چار پیسے کے واسطے یا کسی اور دُنیوی غرض کے لئے اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرنا، یقیناً اپنی قدر و قیمت کا نہ پہچاننا ہے، اور اپنے اُن بزرگوں کے نام کو دھبّہ لگانا ہے جن کی طرف اپنی نسبت ہے اور سب سے اُونچی نسبت فخرُ الرُّسل کی امّت میں ہونا ہے)

حضرت اَنس رضؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں: ۱۔ آنکھوں کا خشک ہونا (کہ اللہ کے خوف سے کسی وقت بھی آنسو نہ ٹپکے) ۲۔ دِل کا سخت ہونا (کہ اپنی آخرت کیلئے) یا کسی دوسرے کے لئے کسی وقت بھی نرم نہ پڑے) ۳۔ آرزوؤں کا لمبا ہونا اور دُنیا

کی حرص۔ (ترغیب)

حضرت ابُودرداءؓ نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی۔ لوگو! تمہیں کیا ہو رہا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے عُلماء دن بدن (موت کی وجہ سے) کم ہوتے جا رہے ہیں، اور تمہارے جاہل لوگ علم سیکھتے نہیں۔ اس سے پہلے پہلے علم سیکھ لو کہ عُلماء انتقال کر جائیں اور اُن کے اِنتقال سے علم جاتا رہے (پھر کوئی پڑھانے والا بھی صحیح نہ ملے گا) میں تم کو دیکھتا ہوں، کہ اس چیز کے جمع کرنے پر تو بڑا لالچ کرتے ہو جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے ذمّہ رکھا ہے (یعنی روزی) اور اس چیز کو ضائع کر رہے ہو جس کے تم خود ذمّہ دار ہو (یعنی علم و عمل) میں تمہارے بدترین آدمیوں کو دیکھ رہا ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کو تاوان سمجھتے ہیں اور نماز کو ٹال کر پڑھتے ہیں اور قرآن پاک کے پڑھنے میں بھی بے اِتّفاقی کرتے ہیں۔ (تنبیہ الغافلین)

(۸) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاہُ فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی۔

(رواہ احمد والبیھقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوٰۃ)

حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ جو شخص دُنیا سے محبّت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے، اور جو اپنی آخرت سے محبّت رکھتا ہے وہ (صورت کے اعتبار سے) دُنیا کو نقصان پہنچاتا ہے۔ پس (جب یہ ضابطہ ہے تو) جو چیز ہمیشہ رہنے والی ہے (یعنی آخرت) اس کو ترجیح دو، اس چیز پر، جو بہر حال فنا ہو جانے والی ہے۔

ف: دنیا کی زندگی چاہے کتنی ہی زیادہ ہو جائے، بہر حال ختم ہونے والی ہے، اور اس کا مال و مَتاع چاہے کتنا ہی زیادہ سے زیادہ ہو جائے ایک دن چُھوٹنے والا ہے۔ موت سے چُھوٹ جائے چاہے ضائع ہو جانے سے چھوٹ جائے۔ اور آخرت کی زندگی کبھی بھی ختم ہونے والی نہیں ہے، اس کی نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ ایسی حالت میں کُھلی ہوئی بات ہے کہ آدمی میں اگر ذرا سی بھی عقل ہو تو ایسی چیز کو اختیار کرنا چاہیے جو ہمیشہ اپنے پاس رہے گی، ایسی چیز کے پیچھے پڑنا جو کسی طرح بھی اپنے پاس ہمیشہ نہیں رہ سکتی، بے وقوفی کی اِنتہا ہے۔ مگر ہم لوگوں کی عقل پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس اسٹیشن کے ویٹنگ روم کی زیب و زینت پر دل لگائے بیٹھے ہیں، اور قیام صرف اتنا ہے کہ جب ریل گاڑی آ جائے،

اس پر سوار ہو جاتا ہے۔ اتنے ذرا سے وقت میں اگر آدمی اپنے سفر کی تیاری میں مصروف رہے، اپنے سامانِ سفر کو تیار کرے، جو چیزیں وطن میں پہنچ کر کام آنے والی ہیں اُن کو فراہم کرے تو یقیناً اس کے لئے کار آمد ہے اور اگر وہ اپنا یہ قیمتی وقت اور تھوڑی سی فرصت وہاں کے سیر سپاٹے میں خرچ کر دے، اپنا سامان بکھرا پڑا ہے اور خود ویٹنگ روم کی صفائی اور اس کے فرنیچر کو قرینہ سے رکھنے میں لگ جاوے یا اس سے بڑھ کر حماقت یہ کرے کہ اس میں لٹکانے کے واسطے آئینے اور نقشے خریدنے میں لگ جائے تو اپنا سامان بھی کھوئے گا اور اپنی متاع بھی ضائع کرے گا۔

اس حدیثِ پاک میں دُنیا سے مُحبّت نہ کرنے پر تنبیہ ہے کہ مُحبّت ایسی سخت چیز ہے کہ جس کے ساتھ بھی لگ جائے، رفتہ رفتہ آدمی کو اُسی کا بنا دیتی ہے۔ اسی لئے آخرت کے ساتھ مُحبّت پیدا کرنے کی ترغیب فرمائی ہے، اور دُنیا سے ترکِ مُحبّت پر تنبیہ ہے کہ دُنیا سے مُحبّت رکھنے والا اگرچہ آخرت کے اعمال اس وقت کرتا ہو لیکن اس ناپاک دُنیا کی مُحبّت رنگ لائے بغیر نہ رہے گی، اور آہستہ آہستہ آخرت کے کاموں میں تساہُل اور حرج اور نقصان پیدا کر دے گی۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو شخص دُنیا کو محبوب رکھتا ہے، سارے پیر و مُرشِد مِل کر بھی اس کو ہدایت نہیں کر سکتے۔ اور جو شخص دُنیا کو ترک کر دیتا ہے (اُس سے نفرت کرتا ہے) اُس کو سارے مُفسِد مِل کر بھی گمراہ نہیں کر سکتے۔ (مظاہرِ حق)

حضرت بَراءؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دُنیا میں اپنی شہوتوں کو پورا کرتا ہے وہ آخرت میں اپنی خواہشات کے پورا کرنے سے محروم ہوتا ہے۔ اور جو شخص دُنیا میں ناز پروردہ (رئیس) لوگوں کی زیب و زینت کی طرف (للچائی ہوئی) آنکھوں سے دیکھتا ہے وہ آسمانوں کی بادشاہت میں ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ اور جو شخص کم سے کم روزی پر صبر و تحمّل کرتا ہے وہ جنّت میں فِردَوسِ اعلیٰ میں ٹھکانا پکڑتا ہے۔ (دُرِّ منثور)

حضرت لُقمان مشہور حکیم ہیں۔ قرآنِ پاک میں بھی اُن کی نصائح کا ذکر فرمایا گیا۔ یہ ایک حبشی غلام سیاہ فام تھے۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے نوازا کہ حکیم لقمان بن گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے اُن کو اختیار دیا تھا کہ حکمت اور بادشاہت میں سے جس کو چاہیں پسند کر لیں، تو انہوں نے حکمت کو پسند فرمایا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے ان سے ارشاد فرمایا۔ کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ تم کو

بادشاہ بنا دیا جائے اور تم حق کے موافق حکومت کرو۔ انہوں نے عرض کیا، کہ اگر میرے رب کی طرف سے یہ حکم ہے تو مجھے عذر نہیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے میری اعانت ہوگی۔ اور اگر مجھے اس کا اختیار ہے کہ میں قبول کروں یا نہ کروں تو میں معافی کا خواستگار ہوں، میں اپنے ذمہ مصیبت رکھنا نہیں چاہتا۔ فرشتوں نے پوچھا کہ لقمان یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حاکم بڑی سخت جگہ میں ہوتا ہے ناگوار چیزیں اور ظلم ہر طرف سے اس کو گھیر لیتا ہے۔ اس میں اس کی مدد ہوسکے یا نہ ہوسکے، اگر حق کے موافق فیصلہ کرے تب تو نجات ہوسکتی ہے، ورنہ جنت کے راستہ سے بھٹک جائے گا۔ اور کوئی شخص دُنیا میں ذلیل بن کر دن گذار دے یہ اس سے بہتر ہے کہ دُنیا میں شریفانہ زندگی گزار کر (آخرت کے اعتبار سے) ضائع ہوجائے۔ اور جو شخص دُنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، دُنیا تو اس سے چھوٹ جاتی ہے اور آخرت کے کام کا رہتا نہیں۔ فرشتوں کو اُن کے جواب سے بڑی حیرت ہوئی۔ اس کے بعد وُہ سو گئے۔ تو حق تعالیٰ شانہٗ نے اُن پر حکمت کو ڈھانک دیا۔ (دُرِّ منثور)

ان سے جو حکمتیں اور اپنے صاحبزادہ کو نصیحتیں نقل کی گئیں، بڑی عجیب ہیں۔ وہ بہت کثرت سے روایات میں آئی ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ بھی ہے کہ بیٹا عُلماء کی مجلس میں کثرت سے بیٹھا کرو اور حکماء کی بات اہتمام سے سُنا کرو۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ حکمت کے نُور سے مُردہ دل کو ایسا زندہ فرماتے ہیں جیسا کہ مُردہ زمین، زور دار بارش سے زندہ ہوتی ہے۔ ایک شخص اُن کے پاس کو گذرا۔ اُن کے پاس اس وقت مجمع بیٹھا ہُوا تھا وہ کہنے لگا کیا تو فلاں قوم کا غُلام نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں اُن کا غُلام تھا۔ اُس نے پوچھا کیا تو وہی نہیں ہے جو فلاں پہاڑ کے قریب بکریاں چرایا کرتا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں وہی شخص ہوں۔ اُس نے پوچھا کہ پھر تُو اس مرتبہ تک کیسے پہنچ گیا؟ انہوں نے فرمایا کہ چند چیزوں کی پابندی اور اہتمام کرنے سے۔ وہ چیزیں یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا خوف، اور بات میں سچائی، اور امانت کا پورا پورا ادا کرنا، اور بیکار گفتگو سے احتراز۔ ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ایسی طرح اُمید رکھو کہ اُس کے عذاب سے بے خوف نہ ہوجاؤ۔ اور ایسی طرح اُس کے عذاب سے خوف کرو کہ اُس کی رحمت سے نااُمید نہ ہوجاؤ۔ صاحبزادہ نے عرض کیا کہ دِل تو ایک ہی ہے اس میں خوف اور اُمید دونوں کس طرح جمع ہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ مؤمن ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس کے لئے گویا دو دل ہوتے ہیں ایک میں پوری اُمید اور ایک میں پورا خوف۔

اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بیٹا رَبِّ اغْفِرْلِیْ بہت کثرت سے پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے اَلطاف میں بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ اُن میں جو کچھ آدمی مانگتا ہے وُہ مِل جاتا ہے۔

اُن کا ارشاد ہے کہ بیٹا نیک عمل اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ یقین کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ جس کا یقین ضعیف ہوگا، اس کا عمل بھی سُست ہوگا۔ بیٹا جب شیطان تجھے کسی شک میں مُبتلا کرے تو اس کو یقین کے ساتھ مغلوب کر۔ اور جب تجھے عمل میں سُستی کرنے کی طرف لے جائے تو قبر اور قیامت کی یاد سے اُس پر غَلبہ حاصل کر۔ اور جب دُنیا میں رغبت یا (یہاں کی تکلیف کے) خوف کے راستہ سے وہ تیرے پاس آئے تو اُس سے کہہ دے کہ دُنیا ہر حال میں چھوٹنے والی چیز ہے (نہ یہاں کی راحت کو دَوام ہے نہ یہاں کی تکلیف ہمیشہ رہنے والی ہے)۔

اُن کا ارشاد ہے کہ بیٹا جو شخص جھُوٹ بولتا ہے اُس کے منہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور جس شخص کی عادتیں خراب ہوں گی اُس پر غم سوار ہوگا۔ اور پہاڑ کی چٹانوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ مُنتقِل کرنا احمقوں کے سمجھانے سے زیادہ آسان ہے۔

اُن کا ارشاد ہے کہ بیٹا جھُوٹ سے اپنے کو بہت محفوظ رکھو۔ جھوٹ بولنا چڑیا (پرند) کے گوشت کیطرح سے لذیذ تو معلوم ہوتا ہے لیکن بہت جلد جھوٹ بولنے والے شخص کے ساتھ دشمنی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ بیٹا جنازہ میں اہتمام سے شرکت کیا کرو اور تقریبات میں شرکت سے گریز کیا کرو، اس لئے کہ جنازہ آخرت کی یاد کو تازہ کرتا ہے اور شادیاں تقریبات دُنیا کی طرف مشغول کرتی ہیں۔

بیٹا جب پیٹ بھرا ہُوا ہو، اس وقت نہ کھاؤ، پیٹ بھرے پر کھانے سے کتے کو ڈال دینا بہتر ہے۔ بیٹا نہ تو تم اتنا میٹھا بنو کہ لوگ تمہیں نگل جائیں، نہ اتنا کڑوا بنو کہ لوگ تھوک دیں۔ بیٹا تم مُرغے سے زیادہ عاجز نہ بنو کہ وہ تو سحر کے وقت جاگ کر چلانا شروع کر دے اور تم اپنے بستر پر پڑے سوتے رہو۔ بیٹا توبہ میں دیر نہ کرو کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، وہ دفعۃً آجاتی ہے۔

بیٹا جاہل سے دوستی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ اس کی جہالت کی باتیں تمہیں اچھی معلوم ہونے لگیں، اور حکیم سے دشمنی مول نہ لو ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے اِعراض کرنے لگے (اور پھر اُس کی حکمتوں سے تم محروم ہو جاؤ) بیٹا اپنا کھانا مُتّقی لوگوں کے سوا کسی کو نہ کھلاؤ۔ اور اپنے کاموں میں عُلماء سے مشورہ لیا کرو۔ کسی نے اُن سے پوچھا کہ بدترین شخص کون ہے؟ انہوں نے فرمایا جو اس کی پرواہ نہ کرتا ہو کہ کوئی شخص اس کو بُرائی کرتے ہوئے دیکھ لے

اُن کا اِرشاد ہے کہ بیٹا نیک لوگوں کے پاس اپنی نشست کثرت سے رکھا کرو کہ اُن کے پاس بیٹھنے سے نیکی حاصل کرسکوگے۔ اور اگر ان پر کسی وقت اللہ کی رحمتِ خاصّہ نازل ہوئی تو اس میں سے تم کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا (کہ جب بارش اُترتی ہے، تو اُس مکان کے سب حصّوں میں پہنچتی ہے) اور اپنے آپکو بُرے لوگوں کی صحبت سے دور رکھو کہ اُن کے پاس بیٹھنے سے کسی خیر کی تو اُمید نہیں۔ اور اُن پر کسی وقت عذاب ہوا تو اُس کا اثر تم تک پہنچ جائے گا۔

اُن کا اِرشاد ہے کہ باپ کی مار اولاد کے لئے ایسی مفید ہے جیسا کہ پانی کھیتی کے لئے۔ اُن کا اِرشاد ہے کہ بیٹا تم جس دن سے دُنیا میں آئے ہو، ہر دن آخرت کے قریب ہوتے جارہے ہو (اور دُنیا سے ہر دن پشت پھیرتے جارہے ہو۔ پس وہ گھر جس کی طرف تم روزانہ چل رہے ہو وہ بہت قریب ہے اس گھر سے جس سے ہر دن دور ہوتے جارہے ہو)۔

بیٹا قرض سے اپنے کو محفوظ رکھو کہ یہ دن کی ذِلّت اور رات کا غم ہے (یعنی قرضخواہ کے تقاضے سے دن میں ذِلّت اُٹھانا پڑتی ہے، اور رات بھر قرض کے فکر میں گذرتی ہے) بیٹا اللہ کی رحمت کی ایسی اُمید رکھو جس سے گناہوں پر جرأت نہ ہونے پائے۔ اور اس کے خوف سے ایسا ڈرو کہ اس کی رحمت سے نا اُمیدی نہ ہوجائے۔ بیٹا جب تم سے کوئی شخص آکر کسی کی شکایت کرے کہ فلاں نے میری دونوں آنکھیں نکال دیں اور واقعہ میں بھی اس کی دونوں آنکھیں نکلی ہوئی ہوں، تو اُس وقت تک اس کے متعلّق کوئی رائے قائم نہ کرو، جب تک دوسرے کی بات نہ سُن لو۔ کیا خبر ہے کہ اُس نے خود پہل کی ہو، اور اس نے اس سے پہلے چار آنکھیں نکال دی ہوں۔ (دُرِّ منثور)

فقیہ ابُو اللیثؒ نے نقل کیا ہے کہ جب حضرتِ لُقمان کا اِنتقال ہونے لگا، تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ سے فرمایا کہ بیٹا میں نے تم کو اس مدّتِ زندگی میں بہت سی نصیحتیں کیں۔ اس وقت (آخری وقت ہے) چھ نصیحتیں تم کو کرتا ہوں:۔ ۱: دُنیا میں اپنے آپ کو فقط اتنا ہی مشغول رکھنا جتنی زندگی باقی ہے (اور وہ آخرت کے مُقابلہ میں کچھ بھی نہیں)۔ ۲: حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف جتنی تمہیں اِحتیاج ہے اُتنی ہی اُسکی عبادت کرنا (اور ظاہر ہے کہ آدمی ہر چیز میں اس کا محتاج ہے) ۳: آخرت کے لئے اس مقدار کے مُوافق تیاری کرنا جتنی مقدار وہاں قیام کا ارادہ ہو (اور ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد تو وہاں کے علاوہ کوئی مقام ہی نہیں)۔ ۴: جب تک تمہیں جہنّم سے خلاصی کا یقین نہ ہوجائے اس وقت تک اس سے خلاصی کی کوشش

کرتے رہنا۔ (ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی سنگین مُقدّمہ میں ماخوذ ہو تو جب تک اُس کو مُقدّمہ کے خارج ہو جانے کا یقین نہ ہو، ہر وقت کوشش میں لگا رہتا ہے)۔ ۵: گناہوں پر اتنی جرأت کرنا جتنا جہنّم کی آگ میں جلنے کا حوصلہ اور ہمّت ہو (کہ گناہوں کی سزا ضابطہ کی چیز ہے اور مَراحِم خُسروانہ کی خبر نہیں)۔ ۶: جب کوئی گناہ کرنا چاہو ایسی جگہ تلاش کر لینا جہاں حق تعالیٰ شانُہٗ اور اس کے فرشتے نہ دیکھیں (کہ خود حاکم کے سامنے، سی آئی ڈی کے عملہ کے سامنے بغاوت کا انجام معلوم ہے) (تنبیہ الغافلین)

یہ چند نصائح حضرت لُقمانؑ کی تبعًا ذکر کر دی گئیں ہیں۔ مقصود ان کی نصائح میں سے بھی وہی مضمون ہے، جو پہلے سے میں لکھ رہا تھا۔ کہ جو شخص دُنیا سے مُحبّت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے۔

عَرفَجہ ثقفیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبدُاللہ بن مسعودؓ سے سَبِّحِ اسْمَ پڑھنے کی درخواست کی، انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ اور جب بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى پر پہنچے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: "تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت زیادہ بہتر اور ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔" تو حضرت ابنِ مسعودؓ نے تلاوت کو بند کر کے فرمایا کہ بیشک ہم نے دُنیا کو آخرت پر ترجیح دے دی، سب حاضرین خاموش تھے پھر دوبارہ فرمایا کہ ہم نے دُنیا کو ترجیح دے دی۔ اسلئے کہ ہم نے اُس کی زیب و زینت کو دیکھا، اُس کی عورتوں کو دیکھا، اس کے کھانے پینے کو دیکھا اور آخرت کی یہ سب چیزیں ہم سے مخفی تھیں، اس لئے دُنیا کو ترجیح دے بیٹھے اور آخرت کو چھوڑ دیا۔

حضرت اَنسؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا کلمہ اللہ کی ناراضی سے بندوں کو محفوظ رکھتا ہے جبتک کہ دُنیا کی تجارت کو آخرت کی تجارت پر ترجیح نہ دیں۔ اور جب دُنیا کی تجارت کو آخرت کی تجارت پر ترجیح دینے لگیں، پھر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہیں تو وہ کلمہ اُن پر یہ کہہ کر لوٹا دیا جاتا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو (یعنی تمہارا اقرار جھوٹا ہے، محض زبانی جمع خرچ ہے)۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کی گواہی کے ساتھ اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے ملتا ہے وہ (سیدھا) جنّت میں داخل ہوتا ہے جب تک کہ اس کے ساتھ دوسری چیز کو خلط نہ کرے۔ تین مرتبہ حضورؐ نے اپنا یہ ارشاد فرمایا۔ مجمع میں سے ایک شخص نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان، دوسری چیز خلط کرنے کا کیا مطلب ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، دُنیا کی مُحبّت اور اس کی ترجیح اور اس کے لئے مال کا جمع کرنا، اور دُنیا کی چیزوں سے خوش ہونا اور مُتکبّر لوگوں کا سا عمل

(ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دُنیا اُس شخص کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) گھر نہیں۔ اور دُنیا اُس شخص کا مال ہے جس کا (آخرت میں) مال نہیں۔ اور دُنیا کے لئے وہ شخص مال جمع کرتا ہے جس کو بالکل عقل نہیں ہے۔ (دُرِّ منثور)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دُنیا خود ملعُون ہے، اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب ملعُون ہے بجز اس کے کہ جو حق تعالیٰ شانہٗ کے لئے ہو۔ (جامع الصغیر)

امام غزالیؒ مذمّتِ دُنیا کی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں اور حمد اُسی پاک ذات کے لئے ہیں جس نے اپنے دوستوں کو دُنیا کے مُہلکات اور اُس کی آفات سے واقف کر دیا اور دُنیا کے عُیُوب اور اُس کے رازوں کو اپنے دوستوں پر روشن کر دیا۔ یہاں تک کہ ان حضرات نے دُنیا کے احوال کو پہچان لیا، اور اس کی بھلائی اور بُرائی کا موازنہ کر کے یہ جان لیا کہ اس کی بُرائیاں اس کی بھلائی پر غالب ہیں اور جو اُمیدیں دُنیا سے وابستہ ہیں وہ اُن اندیشہ ناک چیزوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو اُس پر مُرتّب ہیں۔ دُنیا ایک چٹ پٹی عورت کی طرح سے لوگوں کو اپنے حُسن و جمال سے گرفتار کرتی ہے۔ اور اپنی بدکرداری سے اپنے وِصال کے خواہشمندوں کو ہلاک کرتی ہے۔ یہ اپنے چاہنے والوں سے بھاگتی ہے، اُن کی طرف توجہ کرنے میں بڑی بخیل ہے۔ اور اگر متوجہ بھی ہوتی ہے تو اس کی توجہ میں بھی آفت اور مصیبت ہیں امن نہیں ہے۔ اگر ایک دفعہ احسان کرتی ہے۔ تو ایک سال تک بُرائیاں کرتی رہتی ہے۔ جو اس کے دھوکہ میں آجاتا ہے اس کا انجام ذِلّت ہے۔ اور جو اس کی وجہ سے تکبّر کرتا ہے وہ آخر کار حسرت و افسوس کی طرف چلتا ہے۔ اس کی عادت اپنے عُشّاق سے بھاگنا ہے اور جو اُس سے بھاگے، اُس کے پیچھے پڑنا ہے۔ جو اس کی خدمت کرے اس سے علیٰحدہ رہتی ہے۔ اور جو اس سے اِعراض کرے اس کی ملاقات کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی صفائی میں بھی تکدّر ہے، اس کی خوشی میں بھی رنج و غم لازم ہیں۔ اس کی نعمتوں کا پھل حسرت و ندامت کے سوا کچھ نہیں۔ یہ بڑی دھوکہ دینے والی مکّار عورت ہے۔ بڑی بھگوڑی اور ایک دم اُڑ جانے والی ہے۔ یہ اپنے چاہنے والوں کے لئے نہایت زیب و زینت اختیار کرتی ہے اور جب وہ اچھی طرح اس میں پھنس جاتے ہیں تو دانت دکھانے لگتی ہے اور اُن کے مُنتظم احوال کو پریشان کر دیتی ہے اور اپنی نیرنگیاں اُن کو دکھاتی ہے، پھر اپنا زہرِ قاتل اُن کو چکھاتی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی دشمن ہے، اس کے دوستوں کی دشمن ہے۔ اُس کے دشمنوں کی دشمن ہے اللہ تعالیٰ

کی دشمنی اس طرح سے کہ اس کی طرف چلنے والوں کی رہزنی کرتی ہے۔ اس کے دوستوں کے ساتھ دشمنی اس طرح کرتی ہے کہ اُن کے دِل لبھانے کے لئے طرح طرح کی زینتیں اپنے اُوپر لادتی ہے۔ جس سے وہ اس طرف مُتنفِت ہوکر اس سے قطعِ تعلق پر صبر کا کڑوا گھونٹ پیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی اس طرح کرتی ہے کہ اپنے مکر وفریب سے اُن کو شکار کرتی ہے۔ اور جب وُہ اسکی دوستی پر بھروسہ کرنے لگتے ہیں تو یہ ایسے وقت اُن کو ایک دم اُدھر میں چھوڑ دیتی ہے جس وقت کہ وہ اس کے سخت محتاج ہوں، جس سے وہ دائمی حسرت اور دائمی عذاب میں مُبتلا ہو جاتے ہیں۔

(قرآن پاک کی آیاتِ کریمہ اور احادیثِ شریفہ میں کثرت سے اس کی مَذمّت وارد ہوئی ہے۔ بلکہ تمام انبیائے کرام علٰی نبیّنا وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی بعثت اسی پر تنبیہ کے لئے ہوئی ہے کہ اس سے دل نہ لگایا جائے۔ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک مرتبہ ایک مُردہ بکری کے پاس سے گذرے۔ حضورؐ نے صحابہؓ سے خطاب فرماکر ارشاد فرمایا۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اس مری ہوئی بکری کی کوئی وُقعت اسکے مالک کے یہاں ہوگی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کی بے وُقعتی اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ اس کو پھینک دیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک دُنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وُقعت ہے جتنی یہ مُردہ بکری اپنے مالک کے نزدیک ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک دُنیا کی وُقعت ایک مچھر کے پَر کی برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ ملتا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دُنیا کی محبّت ہر خطا کی اساس اور بُنیاد ہے۔)

(حضرت زَید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت اَبُوبکر صِدّیقؓ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے کچھ پینے کو مانگا تو شہد کا شربت خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس کو منہ کے قریب فرماکر حضرت اَبُو بکر صِدّیقؓ رونے لگے۔ اور اتنا روئے کہ پاس بیٹھنے والے بھی مُتأثر ہوکر رونے لگے اور خوب روئے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ منہ کے قریب کیا پھر رونے لگے۔ اس کے بعد اپنی آنکھوں کے آنسو پونچھے، اور اِرشاد فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ حضورؐ اپنے دونوں ہاتھوں سے کسی چیز کو دفع فرما رہے ہیں۔ اور کوئی چیز حضورؐ کے سامنے مجھے نظر نہ آئی۔ تو مَیں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ حضورؐ کس چیز کو اپنے سے ہٹا رہے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ دُنیا میرے سامنے حاضر ہوئی تھی، مَیں نے اس کو اپنے سے ہٹا دیا۔ اس کے بعد پھر دوبارہ دُنیا میرے (یعنی حضورؐ کے) پاس آئی اور کہنے لگی کہ اگر آپ مجھ سے

بچ گئے تو درکچھ قلق نہیں، اس لئے کہ) آپ کے بعد آنیوالے مجھ سے نہیں بچ سکتے۔)

(ایک حدیث میں حضورؐ کا پاک اِرشاد ہے کہ بہت زیادہ تعجب اس شخص پر ہے جو اس پر ایمان رکھتا ہے کہ آخرت دائمی اور ہمیشہ رہنے والی ہے اور اس کے بعد بھی وہ اس دھوکہ کے گھر دُنیا کیلئے کوشش کرتا ہے

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم ایک کوڑے پر کو گذرے۔ جہاں کچھ بوسیدہ ہڈیاں، پاخانہ، اور پرانے پھٹے ہوئے چیتھڑے پڑے ہوئے تھے۔ حضورؐ وہاں کھڑے ہو گئے اور اِرشاد فرمایا کہ آؤ لو دیکھو، یہ ہے دُنیا کا مُنْتَہیٰ، اور اس کی ساری زیب و زینت۔)

ایک اور حدیث میں اس مُجمل اِرشاد کی تفصیل بھی آئی ہے۔ لیکن علّامہ عراقی وغیرہ حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ ہمیں وہ روایت نہیں ملی کہ کہاں ہے۔ تاہم امام غزالیؒ نے اس کو نقل کیا ہے اور صاحبِ قُوت نے اسکو حضرت حسن بصریؒ سے مُرسلاً نقل کیا ہے، وہ یہ ہے: حضرت اَبُوہُریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے حضورؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں دُنیا کی حقیقت دکھاؤں۔ میں نے عرض کیا ضرور اِرشاد فرمائیں۔ حضورؐ مجھے ساتھ لیکر مدینہ منورہ سے باہر ایک کوڑی پر تشریف لے گئے جہاں آدمیوں کی کھوپریاں پاخانے اور پھٹے ہوئے چیتھڑے اور ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ حضورؐ نے اِرشاد فرمایا اَبُوہُریرہ یہ آدمیوں کی کھوپریاں ہیں۔ یہ دماغ اسی طرح دُنیا کی حرص کرتے تھے جس طرح تم سب زندہ آج کل کر رہے ہو۔ یہ بھی اسی طرح اُمیدیں باندھا کرتے تھے جس طرح تم لوگ اُمیدیں لگائے ہوئے ہو۔ آج یہ بغیر کھال کے پڑی ہوئی ہیں، اور چند روز اور گذر جانے کے بعد مٹی ہو جائیں گی۔ یہ پاخانے وہ رنگ برنگ کے کھانے ہیں جن کو بڑی محنت سے کمایا، حاصل کیا۔ پھر اُن کو تیار کیا اور کھایا۔ اب یہ حال اس میں پڑے ہیں کہ لوگ اس سے (نفرت کر کے) بھاگتے ہیں (وہ لذیذ کھانا جس کی خوشبو دُور سے لوگوں کو اپنی طرف مُتوجہ کرتی تھی، آج اس کا مُنْتَہیٰ یہ ہے کہ اس کی بدبو دُور سے لوگوں کو اپنے سے مُتَنَفِّر کرتی ہے) یہ چیتھڑے وہ زینت کا لباس (تھا جس کو پہن کر آدمی اکڑتا تھا۔ آج یہ اس حال میں) ہے کہ ہوائیں اس کو ادھر سے اُدھر پھینکتی ہیں۔ یہ ہڈیاں اُن جانوروں کی ہڈیاں ہیں جن پر لوگ سواریاں کیا کرتے تھے (گھوڑوں پر بیٹھ کر مٹکتے تھے) اور دُنیا میں گھومتے تھے۔ بس جسے ان اَحوال پر (اور اُن کے عبرت ناک انجام پر) رونا ہو، وہ ان کو دیکھ کر روئے۔ حضرت اَبُوہُریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم سب بہت روئے۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا اِرشاد ہے کہ دُنیا (ظاہر کے اعتبار سے) میٹھی اور سرسبز ہے اور

حق تعالیٰ شانہ، نے تم کو اس میں اپنے اسلاف کا جانشین اس لئے بنایا ہے تاکہ وہ یہ دیکھے کہ تم اس میں کیا عمل کرتے ہو۔ بنی اسرائیل پر جب دُنیا کی فتوحات ہونے لگیں تو وہ اسکی زیب و زینت اور عورتوں اور زیوروں کے چکر میں پڑ گئے۔

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دنیا کو اپنا سردار نہ بناؤ وہ تمہیں اپنا غلام بنالے گی۔ اپنا خزانہ ایسی پاک ذات کے پاس محفوظ کر دو، جہاں ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ دُنیا کے خزانوں میں اضاعت کا اندیشہ ہر وقت ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کے خزانہ پر کوئی آفت نہیں ہے۔

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دُنیا کی خباثت کے آثار میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے۔ اور اس کی خباثت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ آخرت اس کو چھوڑے بغیر نہیں ملتی۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ دُنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔ اور تھوڑی دیر کی خواہش بہت طویل زمانہ کے رنج و عذاب کا ذریعہ بن جاتی ہے۔)

ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ دُنیا بعضوں کی طالب ہوتی ہے، بعضوں کی مطلوب ہوتی ہے۔ جو آخرت کے طالب ہیں اُن کی تو یہ خود طالب ہوتی ہے کہ جھک مار کر اُن کی روزی اُن کو پہنچاتی ہے۔ اور جو اس کی طلب میں لگ جاتے ہیں آخرت اُن کو خود طلب نہیں کرتی حتّٰی کہ موت آکر اُن کی گردن دبالیتی ہے۔

حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مرتبہ اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے۔ پرند اُن پر سایہ کیے ہوئے تھے۔ اور جنّ و انس دائیں بائیں تھے۔ ایک عابد پر گذرے۔ اُس نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بہت بڑی سلطنت آپکو عطا فرما رکھی ہے (کہ جنّ و انس، چرند و پرند سب پر آپ کی حکومت ہے) حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مسلمان کے اعمال نامہ میں ایک مرتبہ سبحان اللہ سلیمان کے سارے ملک سے زیادہ افضل ہے۔ اس لئے کہ یہ ساری سلطنت بہت جلد ختم ہو جائے گی اور سبحان اللہ کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

(حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا منتہائے مقصد دُنیا ہو جائے اس کو اللہ تعالیٰ شانہٗ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور اس کو حق تعالیٰ شانہٗ چار چیزوں میں مبتلا فرما دیتے ہیں۔ ایک ؁ ایسا غم جو کبھی بھی ختم نہ ہو (کہ ہر وقت آمدنی کے بڑھانے کی فکر میں لگا رہے گا)۔ ایک ؁ ایسا شغل جس سے کسی وقت بھی فراغت نہ ہو، ایک ؁ ایسا فقر جو کبھی بھی مستغنی نہ بنائے (کہ جتنی آمدنی بڑھتی

جائے اُتنا ہی خرچ زیادہ ہو کر آمدنی کم ہی معلوم ہو)۔ اور ایسی لمبی لمبی اُمیدیں ہوں جو کبھی بھی پوری نہ ہوں۔

حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحیفے میں ہے کہ "اے دُنیا تو کس قدر ذلیل ہے ان نیک بندوں کی نگاہ میں جن کے لئے تو اپنے کو آراستہ کرتی ہے۔ مَیں نے ان کے دلوں میں تیری عداوت ڈال دی ہے، اور تیرے سے اعراض ان میں پیدا کر دیا ہے۔ مَیں نے کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ ذلیل پیدا نہیں کی۔ تیری ساری رفعت نہایت ناچیز ہے اور ختم ہو جانے والی ہے۔ مَیں نے تیرے متعلق تیری پیدائش کے دن یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ نہ تو ہمیشہ کسی کے پاس رہے گی اور نہ تیرے ساتھ ہمیشہ کوئی رہے گا۔ چاہے تیرا مالک کتنا ہی تیرے ساتھ بخل کرے، مبارک ہیں وہ نیک بندے جو دل سے راضی برضا رہنے کی مجھے اطلاع دیتے ہیں اور اپنے ضمیر سے سچائی اور پختگی کی مجھے خبر دیتے ہیں، اُن کے لئے سرسبزی ہے، جب وہ اپنی قبروں سے اُٹھ کر میرے پاس آئیں گے تو میرے پاس اُن کے لئے ایک نُور ہے، جو اس وقت اُن کے سامنے ہوگا۔ اور فرشتے دائیں بائیں جانب ہوں گے۔ حتیٰ کہ میں اُن کی ان سب امیدوں کو پورا کر دوں جو انہوں نے میرے ساتھ باندھ رکھی ہیں۔"

(حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بعض لوگ قیامت کے دن اتنے زیادہ اعمال لے کر آئیں گے جیسا کہ مُلکِ عرب کے پہاڑ، لیکن وہ جہنّم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ لوگ نمازی ہوں گے، حضورؐ نے فرمایا۔ نمازی بھی ہوں گے، روزہ دار بھی ہوں گے بلکہ تہجد گذار ہوں گے لیکن جب دُنیا کی کوئی چیز (دولت عزت وغیرہ) اُن کے سامنے آجائے تو ایک دم اس پر کُود پڑتے ہیں (جائز ناجائز کی بھی پرواہ نہیں کرتے)۔

(حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے کہ دُنیا اور آخرت کی محبّت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی جیسا کہ آگ اور پانی ایک برتن میں جمع نہیں ہو سکتے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دُنیا سے بچتے رہو، یہ ہاروت و ماروت سے بھی زیادہ جادو کرنے والی ہے، حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک مرتبہ صحابہؓ کے پاس تشریف لائے، اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کے (دل کے) اندھے پن کو دُور کر دے۔ اور اس کی (عبرت کی) آنکھیں کھول دے (جو یہ چاہتا ہو وہ غور سے سُن لے کہ) جو شخص دُنیا میں جتنی رغبت کرتا ہے اور جیسی لمبی لمبی اُمیدیں باندھتا ہے اُسی کے بقدر حق تعالیٰ شانہٗ اس کے دل کو اندھا کر دیتے ہیں۔

اور جو شخص دُنیا سے بے رغبتی کرتا ہے، اپنی آرزوؤں کو مختصر کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اسکو بغیر سیکھے علم عطا فرماتے ہیں۔ اور بغیر کسی کے دکھائے راستہ بتاتے ہیں۔ عنقریب ایسے لوگ آنے والے ہیں جن کے لئے سلطنت، قتل اور جبر سے قائم ہوگی۔ بخل و فخر سے اُن کو غنا حاصل ہوگا۔ خواہشات کے اِتباع سے لوگوں کے دلوں میں اُن کی محبّت ہوگی۔ تم میں سے جو شخص ایسے زمانہ کو پائے اور اس وقت فقر پر صبر کرے حالانکہ وہ غنی ہوسکتا ہے، وہ لوگوں کی دشمنی کو برداشت کرے، حالانکہ وُہ (اُن کی خواہشات کے تابع ہوکر) اُن کے دلوں میں محبّت پیدا کرسکتا ہے۔ وہ ذِلّت پر قناعت کرے حالانکہ (وہ لوگوں کی مُوافقت کرکے) عزّت پاسکتا ہے۔ لیکن وہ شخص ان چیزوں کو صرف اللہ تعالیٰ شانہٗ کے لئے برداشت کرتا ہے تو اس کو پچاس (۵۰) صِدّیقین کا ثواب ہوگا۔

ایک مرتبہ حُضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں بحرَین کا بہت سا مال آیا (اہلِ ضرورت) انصاری صحابہؓ نے جب یہ خبر سُنی تو کثرت سے صبح کی نماز میں حُضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حُضورؐ نے نماز کے بعد مجمع کو دیکھ کر تبسّم فرمایا۔ اور یہ اِرشاد فرمایا کہ میرے خیال میں اس مال کی خبر سُن کر تم آئے ہو۔ انہوں نے عرض کیا۔ بے شک یارسُول اللہ اسی لئے حاضر ہوتے ہیں۔ حُضورؐ نے فرمایا۔ مَیں تمہیں (کثرتِ مال کی) خوشخبری دیتا ہوں کہ عنقریب مال بہت زیادہ ہونے والا ہے، اور جس چیز سے تم خوش ہوتے ہو (یعنی مال) اُس کی اُمید رکھو کہ وہ تمہارے پاس بہت زیادہ آنے والا ہے۔ مَیں تمہارے فقر و فاقہ سے خائف نہیں ہوں، لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ تمہارے اُوپر دُنیا پھیل پڑے، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر وُہ پھیل چکی ہے اور پھر تم اس میں دِل لگا بیٹھو جس کی وجہ سے وہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کردے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کرچکی ہے۔

ایک اور حدیث میں حُضورؐ کا اِرشاد ہے کہ مجھے تم لوگوں پر زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ تم پر زمین کی برکات نکال دے۔ کسی نے عرض کیا۔ یارسولَ اللہ زمین کی برکات کیا چیزیں ہیں؟ حُضورؐ نے فرمایا کہ دُنیا کی رونق۔

حضرت ابُوالدّرداءؓ نے حُضورؐ کا یہ اِرشاد نقل کیا کہ جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر تم کو معلوم ہوجائے تو ہنسنا کم کردو اور بہت کثرت سے رونے لگو، اور دُنیا تمہارے نزدیک بہت ذلیل بن جائے، اور آخرت پر اس کو ترجیح دینے لگو۔ اس کے بعد ابُوالدّرداءؓ نے اپنی طرف سے فرمایا کہ جو کچھ مجھے معلوم

ہے اگر تم کو معلوم ہو جائے تو تم جنگلوں کو روتے ہوئے اور چلاتے ہوئے نکل جاؤ۔ اور اپنے مالوں کو بغیر مُحَافِظ کے چھوڑ جاؤ۔ لیکن تمہارے دِلوں سے آخرت کا ذِکر غائب ہے اور دُنیا کی اُمیدیں تمہارے سامنے ہیں۔ اس لئے دُنیا تمہارے اعمال کی مالک بن رہی ہے اور تم ایسے بن گئے گویا کچھ جانتے ہی نہیں۔ اس لئے تم میں سے بعض تو ان جانوروں سے بھی بدتر ہو گئے جو انجام کے خوف سے اپنی شہوتوں کو نہیں چھوڑتے۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم آپس میں مَحبتیں نہیں رکھتے۔ ایک دوسرے کو نصیحت نہیں کرتے۔ حالانکہ تم آپس میں دینی بھائی ہو۔ تمہاری خواہشات میں صرف تمہارے باطنی خُبث نے تفریق کر رکھی ہے۔ اگر تم سب دین پر اور دینی اُمور پر مُجتمع ہو جاؤ، تو آپس میں تعلُّقات بھی زیادہ ہو جائیں۔ آخر تمہیں یہ کیا ہو گیا کہ دُنیا کے کاموں میں تو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہو، لیکن آخرت کے کاموں میں ایک دوسرے کو نصیحت نہیں کرتے۔ تم جس سے مَحبّت کرتے ہو، اس کو آخرت کے اُمور پر نصیحت کی قدرت تمہیں نہیں ہے۔ آخرت کے اُمور پر اس کو نصیحت نہیں کر سکتے یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ تمہارے دلوں میں ایمان کی کمی ہے۔ اگر تم آخرت کی بھلائی اور بُرائی پر ایسا یقین رکھتے جیسا کہ دُنیا کی بھلائی اور بُرائی پر یقین رکھتے ہو تو ضرور آخرت کو دُنیا پر ترجیح دیتے، اس لئے کہ آخرت تمہارے کاموں کی دُنیا سے زیادہ مالک ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ دُنیا کی ضرورت فوری ہے، اِس وقت درپیش ہے، آخرت کی ضرورت بعد میں ہوگی۔ تو تم خود سوچو کہ دُنیا میں بعد میں آنے والے اور حاصِل ہونے والے کاموں کے لئے تم کتنی مَشقّت اُٹھاتے ہو (کھیتی کی مَشقّت برداشت کرتے ہو کہ بعد میں پیداوار ہوگی، باغ لگانے میں کتنی جانفشانی کرتے ہو کہ کئی سال بعد پھل آئے گا۔ وغیرہ وغیرہ) تم کِسقدر بُری قوم ہو کہ اپنے ایمان کی جانچ ان چیزوں کے ساتھ نہیں کرتے جس سے تمہارے ایمان کی مقدار تمہیں معلوم ہو جائے کہ ایمان کس درجہ تک تم میں موجود ہے۔ اگر تم لوگوں کو اس چیز میں شک ہے جو حضُورِ اقدس صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم لے کر آئے تو آؤ ہمارے پاس آؤ، ہم تمہیں واضح طریق سے بتائیں اور وہ نُور دکھائیں جس سے تمہیں اطمینان ہو جائے کہ حضُورؐ نے جو فرمایا وہ حق ہے۔ تم کم عقل بے وقوف نہیں ہو جس کی وجہ سے ہم تم کو معذور سمجھ لیں۔ دُنیا کے کاموں میں تو تم بڑی اچھی رائے رکھتے ہو اور اس میں بڑی اِحتیاط پر عمل کرتے ہو (پھر کیا مصیبت ہے کہ آخرت کے کاموں میں نہ تم سمجھ سے کام لیتے ہو، نہ اِحتیاط پر عمل کرتے ہو) آخر یہ کیا بات ہے، تمہیں یہ کیا ہو گیا کہ دُنیا کے ذرا سے فائدہ سے بڑے خوش ہوتے ہو، ذرا سے نقصان سے رنجیدہ ہو جاتے ہو جس کا اثر تمہارے چہروں تک پر معلوم ہونے لگتا ہے (کہ خوشی میں پھول

جاتا ہے، رنج میں ذرا سامنہ نکل آتا ہے مصیبتیں زبان پر آنے لگتی ہیں۔ ذراسی بات کو مصائب کہنے لگتے ہو۔ ماتم کی مجلسیں قائم کرتے ہو لیکن دین کی بڑی سے بڑی بات بھی چھوٹ جائے تو نہ اُس کا رنج وغم ہے، نہ چہرہ پر کوئی تغیّر ہے۔ میں تمہاری بددینی کی حالت دیکھ کر یہ خیال کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہی تم سے بیزار ہو گئے ہیں۔ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے خوشی خوشی ملتے ہو، اور ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کے سامنے کوئی ایسی (حق) بات نہ کہے جو اس کو ناگوار ہو، تاکہ وہ بھی اس کے متعلق کوئی ناپسند بات نہ کہہ دے پس دلوں کے اندر ہی اندر ایسی باتیں رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہو، اور باطن کی گندگیوں پر تمہارے ظاہر کے چمن کھل رہے ہیں، اور موت کی یاد کے چھوڑ دینے پر سب جمع ہو گئے ہو۔ کاش حق تعالیٰ شانہٗ مجھے موت دے کر تم لوگوں سے راحت عطا کرتا اور مجھے ان حضرات (یعنی حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور صحابہ کرامؓ) کے ساتھ ملا دیتا۔ جن کے دیکھنے کا میں مشتاق ہوں۔ اگر یہ حضرات زندہ ہوتے تو تمہارے ساتھ رہنا ذرا بھی پسند نہ کرتے۔ پس اگر تم میں کوئی شمّہ خیر کا باقی ہے تو میں تمہیں صاف صاف کہہ چکا ہوں اور حق کی بات سُنا چکا ہوں، اگر تم اُس چیز کو (یعنی آخرت کو) جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، طلب کرنا چاہو تو وہ بہت آسان ہے۔ اور میں صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہتا ہوں، تمہارے حق میں بھی اور اپنے حق میں بھی۔ (فقط۔ حضرت ابُوالدرداءؓ کا ارشاد ختم ہو گیا)۔

حضرت ابُوالدرداءؓ کی یہ ڈانٹ بڑے غور سے پڑھنے کی ہے۔ یہ اُن حضرات پر خفا ہو رہے ہیں جن کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اُن جیسے دین دار بن بھی نہیں سکتے۔ اُن کے احوال، اُن کے کارنامے ہمارے سامنے ہیں۔ اگر یہ حضرت ابُوالدرداءؓ ہم لوگوں کو دیکھتے تو یقیناً رنج سے ہلاک ہو جاتے۔ یقیناً یہ حضرات ہمارے احوال کو دیکھ بھی نہ سکتے، ان کا کسی طرح تحمّل نہ کر سکتے۔

(حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اُن لوگوں پر رحم کرے جن کے پاس دنیا امانت تھی۔ وہ اس امانت کو دوسروں کے حوالے کر گئے، اور خود بے فکر چل دیئے۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص دین کے بارہ میں تیری مزاحمت کرے، اس سے مزاحمت کر۔ اور جو دُنیا کے بارے میں تیری مزاحمت کرے اس دُنیا کو اس کے منہ پر مار، اور بے فکر ہو جا۔

(حضرت ابُوحازمؒ کا ارشاد ہے کہ دُنیا سے بچتے رہو۔ قیامت کے دن آدمی کو میدانِ حشر میں کھڑا کر کے کہا جائے گا، یہ وہ شخص ہے جس نے ایسی چیز کو بڑا سمجھا، جسکو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حقیر بتایا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ ہر شخص اپنے گھر میں چند روزہ مہمان ہے، اور اس کا مال و متاع مانگی ہوئی چیز ہے۔ مہمان کو بہر حال چند دن میں اپنے گھر (یعنی آخرت کو) چلا جانا ہے، اور مانگی ہوئی چیز بہر حال واپس ہونے والی ہے۔

حضرت رابعہ بصریہؒ ایک مجمع میں تشریف رکھتی تھیں۔ لوگ کچھ دُنیا کی بُرائی کر رہے تھے۔ وہ کہنے لگیں، کہ اس کا ذکر بُرائی سے بھی نہ کرو۔ اس کے ذکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تمہارے دلوں میں وقعت ہے۔ اگر نہ ہوتی تو اس کا بار بار ذکر بھی زبان پر نہ آتا (پاخانہ کی گندگی اور بُرائی کا بار بار کون ذکر کرتا ہے)۔

(حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو وصیت ہے کہ اپنی دُنیا کو دین کے بدلے میں بیچ دو، دونوں جہان میں نفع ملے گا۔ اور دین کو دُنیا کے بدلے میں نہ بیچو۔ دونوں جہان میں خسارہ رہے گا۔)

حضرت مطرف بن شخیرؒ کا ارشاد ہے کہ بادشاہوں کے عیش و عشرت اور اُن کے عمدہ لباس پر نظر نہ کرو بلکہ یہ سوچو کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو شیطان نے اپنے لشکروں کو حالات کی تحقیق کے لئے بھیجا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک نبی کی بعثت ہوئی ہے اور اُن کی بہت بڑی اُمت ہے۔ تو اس نے تحقیق کیا کہ ان لوگوں میں دُنیا کی محبت بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہے۔ شیطان نے کہا کہ پھر مجھے اس کا رنج نہیں ہے کہ وہ بُت پرستی نہ کریں۔ میں تین چیزیں اُن پر مسلط کردونگا۔ ناجائز طریقہ سے کمانا، ناجائز طریقہ پر خرچ کرنا، اور جہاں خرچ کا واقعی محل ہو اسمیں خرچ نہ کرنا۔

(حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ دُنیا کے حلال مال کا حساب ہے اور اس کے حرام میں عذاب ہے

حضرت مالک بن دینارؒ کا ارشاد ہے کہ اس جادوگر سے بچتے رہو۔ یہ علماء کے دِلوں پر بھی جادو کردیتی ہے)

حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ جس دِل میں آخرت ہوتی ہے، دُنیا اس سے جھگڑا کرتی رہتی ہے، اور اس دل پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ اور جس دِل میں دُنیا ہوتی ہے، آخرت اس سے مزاحمت نہیں کرتی۔ اس لئے کہ آخرت کریم ہے۔ وُہ دوسرے کے گھر پر قبضہ کرنا نہیں چاہتی۔ اور دُنیا کمینہ ہے وہ ہر ایک کے گھر پر زبردستی قبضہ کرنا چاہتی ہے۔

(مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ تُو جس قدر دُنیا کا غم کریگا اتنا ہی آخرت کا غم تیرے دِل سے نکل جائیگا اور جتنا تُو آخرت کا غم کرے گا اتنا ہی دُنیا کا غم تیرے دِل سے نکل جائے گا۔)

حضرت حسنؒ بصری فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے آدمیوں کو پایا ہے جن کے نزدیک دُنیا اس مٹی سے زیادہ ذلیل تھی جس پر تم چلتے ہو۔ ان کو اس کی پرواہ نہ تھی کہ دُنیا ہے یا جاتی رہی۔ اس کے پاس چلی گئی یا اُس کے پاس چلی گئی۔ ایک آدمی نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا، آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے مال و دولت عطا کیا ہو، وہ اس میں سے صدقات بھی کرتا ہے، صلہ رحمی بھی کرتا ہے۔ کیا اس کے لئے یہ موزوں اور مناسب ہے کہ خود بھی اچھے اچھے کھانے کھائے اور نعمتوں میں زندگی گذارے انہوں نے فرمایا، نہیں۔ اگر ساری دُنیا بھی اس کو مل جائے تو اُس کو اپنے اوپر بقدر ضرورت ہی خرچ کرنا چاہیئے اور اس سے زیادہ کو اُس دن (یعنی آخرت کے دن) کیلئے بھیج دینا چاہیئے، جو دن اس کی سخت احتیاج کا ہوگا۔

حضرت فُضیلؒ کا ارشاد ہے کہ اگر دُنیا ساری کی ساری مجھے مل جائے اور مجھ سے اس کا حساب بھی نہ لیا جائے تب بھی میں اس سے ایسی گِھن اور کراہت کروں جیسی کہ تم لوگ مُردار جانور سے کرتے ہو کہ کہیں کپڑے کو نہ لگ جائے۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل کو حق تعالیٰ شانہٗ کی بندگی کرنے کے باوجود صرف دُنیا کی محبت نے بُت پرستی تک پہنچا دیا تھا۔ اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آدمی اپنے مال کو تو ہمیشہ کم سمجھتا ہے مگر اپنے عمل کو کبھی کم نہیں سمجھتا۔ دین میں کوئی مصیبت آجائے تو خوش رہتا ہے، دُنیا میں کوئی مصیبت پیش آجائے تو گھبرا جاتا ہے۔

حضرت فُضیلؒ کا ارشاد ہے کہ دُنیا میں داخل ہونا تو بہت آسان ہے لیکن اس سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں تعجب ہے اس شخص پر جس کو موت کا یقین ہو کہ وہ بہر حال آنے والی ہے نہ معلوم کب آجائے، پھر بھی کسی بات سے کیوں کر خوش ہوتا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جس کو اس کا یقین ہو کہ جہنم حق ہے (اور اپنا حشر معلوم نہیں) پھر کس طرح وہ کسی بات پر ہنستا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو دُنیا کے ہر وقت کے انقلابات دیکھتا ہے، پھر کیسے دُنیا کی کسی بات پر مطمئن ہوتا ہے۔ تعجب ہے اُس شخص پر جس کو یقین ہے کہ تقدیر برحق ہے (جو کچھ مقدر میں ہے، وہ مل کر رہے گا) پھر کیوں مصیبتیں اُٹھاتا ہے۔

حضرت امیر مُعاویہؓ کے پاس شہر نجران کے ایک بزرگ آئے۔ جن کی عمر دو سو برس تھی، امیر معاویہؓ نے اُن سے پوچھا۔ دُنیا کو تم نے بہت دیکھا۔ کیسا پایا؟ کہنے لگے چند ایک سال راحت کے چند ایک سال تکلیف کے۔ ہر دن رات میں کوئی نہ کوئی پیدا ہوتا ہے، کوئی نہ کوئی مر جاتا ہے۔ اگر پیدا ہونا بند ہو جائے تو دُنیا ایک

دن ختم ہوجائے (کہ مرنے کا سلسلہ بھی ہے) اگر مرنا بند ہوجائے تو دنیا میں رہنے کو جگہ بھی نہ ملے (اس لئے معتدل نظام یہی ہے کہ پیدا بھی ہوتے رہیں، مرتے بھی رہیں) حضرت معاویہؓ نے فرمایا مجھ سے کوئی چیز مطلوب ہو، میرے قابل کوئی خدمت ہو تو بتاؤ، میں اسکو پورا کردوں۔ وہ کہنے لگے کہ جو عمر میری ختم ہوچکی ہے وہ مجھے واپس مل جائے یا آئندہ کو موت نہ آئے۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ یہ تو میں نہیں کرسکتا۔ کہنے لگے پھر مجھے آپ سے کچھ مانگنا بھی نہیں ہے۔

ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی شہوتوں سے وہی شخص صبر کرسکتا ہے، جس کے دل میں آخرت کی چیزوں کے ساتھ کوئی مشغولی ہو۔

مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ ہم سب نے دنیا کے ساتھ محبت کرلینے پر صلح کرلی ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص کسی کو نہ اچھی باتوں کا حکم کرتا ہے نہ بری باتوں سے روکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس حال پر ہمیں ہمیشہ چھوڑے رکھیں، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ نہ معلوم کس وقت، کیا عذاب ہم پر نازل ہوتے۔ حضرت حسنؒ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ، جس بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو تھوڑی سی دنیا مرحمت فرماکر روک لیتے ہیں۔ جب وہ مال اس کے پاس ختم ہوجاتا ہے تو پھر تھوڑا سا اور دیدیتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے اس پر دنیا کو پھیلا دیتے ہیں۔

ایک بزرگ کی دعاء کے الفاظ ہیں۔ "اے وہ پاک ذات جو اس پر قادر ہے کہ آسمان کو زمین پر گرنے سے روک دے، دنیا کو میرے پاس آنے سے روک دے۔"

محمد بن منکدرؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہمیشہ روزے رکھے، کبھی افطار نہ کرے، رات بھر تہجد پڑھے بالکل نہ سوئے، اپنے مال کو خوب خیرات کرتا ہو، اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہو اور گناہوں سے بچتا ہو۔ لیکن قیامت کے دن اس کو کھڑا کرکے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ اس کی نگاہ میں وہ چیز وقیع تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل بتایا (یعنی دنیا) اور وہ چیز غیر وقیع تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے وقیع بتایا (یعنی آخرت) تم ہی بتاؤ کہ اس پر کیا گذرے گی۔ پھر ہم لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اس مرض میں یعنی دنیا کی وقعت میں مبتلا ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ گناہوں میں بھی مبتلا ہیں۔

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت نے اور گناہوں نے دلوں کو وحشی بنا رکھا ہے اس لئے خیر کی بات دلوں تک پہنچتی نہیں، یعنی اثر نہیں کرتی۔

وَہب بن مُنبّہؒ کہتے ہیں کہ جو شخص دُنیا کی کسی چیز سے خوش ہوتا ہے وہ حکمت کے خلاف کرتا ہے۔ اور جو شخص شہوتوں کو اپنے قدم کے نیچے دبا لیتا ہے کہ ان کو سر بھی نہیں اُٹھانے دیتا، شیطان ایسے شخص کے سایہ سے ڈرتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے اپنے ایک دینی بھائی کو نصیحت فرمائی کہ دُنیا ایسا کیچڑ ہے جس میں پاؤں پھسل جاتے ہیں (لہٰذا بچ بچ کر قدم رکھنا چاہیئے اور پاؤں کی لغزش سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے) دُنیا ذِلّت کا گھر ہے۔ اس کی آبادی کا مُنتہٰا، بربادی ہے۔ اس میں رہنے والوں کو تنہا قبروں تک جانا ہے۔ اس کا اِجتماع، افتراق پر موقوف ہے۔ اس کی وُسعت فقر کی طرف لوٹا دی گئی۔ اس کی کثرت مشقّت میں پڑنا اور اس کی تنگی سہولت میں پہنچنا ہے۔ پس ہمہ تن اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف متوجہ رہو۔ اور اللہ جل شانہٗ نے جتنا رزق عطا فرمایا اس پر راضی رہو۔ اپنی آخرت میں سے دُنیا کے لئے قرض نہ لو۔ (یعنی ایسی چیزیں اختیار نہ کرو جن کا بدلہ آخرت میں ادا کرنا پڑ جائے۔ اور وہاں ضرورت کے موقع پر کمی پڑ جائے) اس لئے کہ یہاں کی زندگی بمنزلہ ایک سایہ کے ہے جو عنقریب ختم ہونے والا ہے۔ اور بمنزلہ ایک دیوار کے ہے جو جُھک گئی، عنقریب گرنے والی ہے۔ نیک عمل کثرت سے کرتے رہو، اور اُمیدیں بہت کم باندھو۔

حضرت ابراہیم بن اَدہمؒ نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ تمہیں اگر خواب میں کوئی شخص ایک درہم (ساڑھے تین آنے)ع دے، وہ زیادہ پسند ہے، یا کوئی شخص تمہیں جاگنے کی حالت میں ایک دینار (اشرفی) دے وہ زیادہ پسند ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ (یہ تو کُھلی بات ہے) جاگتے ہوئے دینار زیادہ محبوب ہے۔ حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا، کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ اس لئے کہ جس چیز کو تم دُنیا میں محبوب رکھتے ہو، اسکو تم گویا خواب میں پسند کر رہے ہو، اور آخرت کی جس چیز کو پسند نہیں کر رہے ہو، اس سے گویا جاگنے میں اِعراض کر رہے ہو۔

یحیٰی بن مُعاذؒ کہتے ہیں کہ تین آدمی عقل مند ہیں۔ ایک ۱ وہ شخص جو دُنیا کو اس سے پہلے خود چھوڑ دے کہ دُنیا اس کو چھوڑے۔ دوسرا ۲ وہ شخص جو اپنی قبر کی تیاری اس سے پہلے کرلے کہ اس میں داخل ہونے کا وقت آجائے۔ تیسرے ۳ وہ شخص جو اپنے مولیٰ کو اس سے پہلے پہلے راضی کرلے کہ اُس سے ملاقات کرے

ع: تصنیف کے وقت درہم کی یہی قیمت تھی۔ اب زیادہ ہے۔ درہم دراصل چاندی کے ایک سکہ کا نام ہے۔ جس کا وزن ساڑھے تین ماشہ ہے۔

اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ دُنیا کی بدبختی اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ اس کی تمنا تجھے حق تعالیٰ شانہٗ کی اطاعت سے اپنے اندر مشغول کر دیتی ہے۔ جب اُس کی تمنا کا یہ حال ہے تو اگر تو دُنیا میں پھنس جائیگا تو کیا حال ہوگا۔

بکر بن عبد اللہؒ کہتے ہیں کہ جو شخص دُنیا کو حاصل کر کے اس سے بے فکر ہونا چاہتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کوئی شخص آگ کو بجھانے کے لئے اُس پر خشک گھاس ڈالے۔

بُندارؒ کہتے ہیں کہ جب دنیا دار زہد کی باتیں کرتے ہیں تو سمجھ لے کہ شیطان اُن کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔

ایک بُزرگ کا ارشاد ہے کہ لوگو فرصت کے ان ایام میں نیک عمل کر لو، اور حق تعالیٰ شانہٗ سے ڈرتے رہو۔ اور اپنی لمبی لمبی اُمیدوں سے اور موت کو بھول جانے سے دھوکہ میں نہ پڑو اور دُنیا کی طرف ذرا بھی متوجہ نہ ہو۔ یہ کمبخت بڑی بے وفا، بڑی دھوکہ باز ہے۔ اپنے دھوکہ سے تمہارے لئے بنتی اور سنورتی ہے اور اپنی آرزوں کے ساتھ تم کو فتنہ میں ڈالتی ہے۔ وہ اپنے خاوندوں کے لئے زینت اختیار کرتی ہے اور بالکل نئی دُلہن کی طرح سے بن جاتی ہے جیسا کہ وہ شادی کے دن ہوتی ہے، کہ آنکھیں اس کی طرف لگ جاتی ہیں، اور دِل اس پر جم جاتے ہیں اور آدمی اس کے عاشق بن جاتے ہیں۔ لیکن اس کمبخت نے اپنے کتنے عاشقوں کو قتل کر ڈالا۔ اور کتنے آدمیوں کو جو اس پر اطمینان کئے ہوئے بیٹھے تھے، بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اس کو حقیقت کی نگاہ سے غور سے دیکھو۔ یہ ایسا گھر ہے جس میں مُہلکات بہت زیادہ ہیں اور خود اس کے پیدا کرنے والے نے اس کی بُرائی بتائی ہے (ایک حکیم کوئی دوائی تیار کرتا ہے اور وہ خود کہتا ہے کہ اس میں زہر ہے، صرف ایک رتی اس کی احتیاج کے وقت استعمال کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی بیوقوف ایک تولہ دو تولہ اس میں سے کھالے گا تو لامحالہ مرے گا۔ اور بنانے والے حکیم کے خبر کر دینے کے بعد ایسا کرنا حماقت کی انتہا ہے)۔ اس کی ہر نئی چیز پُرانی ہو جائے گی اس کا مُلک خود ہی فنا ہو جائے گا۔ اس کا عزیز آخر کار ذلیل ہوگا۔ اس کی کثرت بالآخر قلت کی طرف پہنچتی ہے۔ اس کی دوستی فنا ہونے والی ہے۔ اس کی بھلائی ختم ہو جانے والی ہے۔ تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ شانہٗ رحم کرے۔ اپنی غفلت سے ہوشیار ہو جاؤ۔ اپنی نیند سے جاگ جاؤ، اس سے پہلے پہلے کہ یہ شور ہو جائے، فلاں شخص بیمار ہو گیا ہے، مایوسی کی حالت ہے، کوئی اچھا حکیم بتاؤ۔ کسی اچھے ڈاکٹر کو لاؤ۔ پھر تمہارے لئے حکیم اور ڈاکٹر بار بار بلائے جائیں، اور زندگی کی کوئی بھی اُمید نہ دلائے۔ پھر یہ آواز آنے لگے کہ اُس نے وصیتیں شروع کر دیں۔ لے لو، اس کی تو زبان بھی بھاری ہو گئی۔ اب تو آواز بھی اچھی طرح نہیں نکلتی۔

اب تو وہ کسی کو پہچانتا بھی نہیں۔ لمبے لمبے سانس بھی آنے لگے، گراہ بھی بڑھ گئی۔ پلکیں بھی جھکنے لگیں۔ اس وقت تجھے آخرت کے احوال محسوس ہونے لگیں گے۔ لیکن زبان تتلا گئی۔ اب کوئی بات کہہ بھی نہیں سکتا بھائی بند، رشتہ دار کھڑے رو رہے ہیں۔ کہیں بیٹا سامنے آتا ہے، بھائی سامنے آتا ہے، بیوی سامنے آتی ہے مگر زبان کچھ نہیں بولتی۔ اتنے میں بدن کے اجزاء سے رُوح نکلنا شروع ہو جاتی ہے۔ اور آخر وہ تو نکل کر آسمان پر چلی جاتی ہے۔ عزیز و اقارب جلدی جلدی دفنانے کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ عیادت کرنے والے رو دھو کر چُپ ہو جاتے ہیں۔ دُشمن خوشیاں مناتے ہیں۔ عزیز، رشتہ دار مال بانٹنے میں لگ جاتے ہیں، اور مرنے والا اپنے اعمال میں پھنس جاتا ہے۔ (یہ حقیقت ہے اس زندگی کی)۔

حضرت حسن بصریؒ نے حضرت امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیزؒ کو ایک خط لکھا جس میں حمد وصلوٰۃ کے بعد تحریر فرمایا کہ دُنیا کوچ کا گھر ہے۔ یہ رہنے کا گھر نہیں ہے۔ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس میں سزا کے طور پر بھیجا گیا تھا، کہ جنت میں اُن سے ایک لغزش ہو گئی تھی (تو بطور جیل خانہ کے یہاں بھیجا گیا تھا)[1] اس لیے اس سے ڈرتے رہیں، اس کا توشہ اسکو چھوڑ دینا ہے۔ اس کا غنیٰ اس کا فقر ہے (یعنی اس میں غنی وہی شخص ہے جو ظاہر میں فقیر ہے) یہ ہر وقت کسی نہ کسی کو ہلاک کرتی رہتی ہے، جو اس کو عزیز سمجھے اس کو یہ ذلیل کرتی ہے۔ جو اس کو جمع کرنے کا ارادہ کرے، اس کو یہ (دوسروں کا) محتاج بناتی ہے۔ یہ ایک زہر ہے جس کو انجان لوگ کھاتے ہیں۔ پھر وہ مرجاتے ہیں۔ اس میں ایسی طرح زندگی گذار دیں جیسا کہ زخمی بیمار ہر چیز سے احتیاط کرتا ہے تاکہ صحت نصیب ہو جائے۔ اور کڑوی دوا اسلئے استعمال کرتا ہے تاکہ مرض طُول نہ پکڑے۔ آپ اس مکّار، دغاباز، فریبی سے احتیاط رکھیں، جو محض دھوکہ دینے کی وجہ سے بنتی سنورتی ہے، اور دھوکہ سے لوگوں کو مصیبت میں پھنساتی ہے، اور اپنی اُمیدوں کے ساتھ لوگوں کے یہاں آتی ہے، اور اپنے منگنی کرنے والوں کو، آج، کل پر ٹالتی رہتی ہے۔ پس یہ اُن کے لئے ایسی بنی ٹھنی نئی دلہن بن جاتی ہے کہ آنکھیں اس پر ٹکٹکی لگا لیتی ہیں، اور دل اس کے فریفتہ ہو جاتے ہیں اور آدمی اس کے جان نثار بن جاتے ہیں، لیکن یہ کمبخت سب کے ساتھ دشمنی کرتی ہے۔ حیرت ہے کہ نہ تو رہنے والے، جانے والوں سے عبرت پکڑتے ہیں، نہ بعد کے آنے والے پہلوں کا حال سُن کر اس سے احتراز کرتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو جاننے والے اُس کے ارشادات سے نصیحت پکڑتے ہیں۔ اس کے عاشق اپنی حاجت پوری

---

[1] راجح یہ ہے کہ لغزش تو توبہ سے معاف ہو گئی تھی۔ لیکن پھر خلافت کے لیے دُنیا میں بھیجا گیا۔ مصحح

ہوتی دیکھ کر دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں، اور سرکشی میں مُبتلا ہو کر آخرت کو بُھول جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کا دِل اس میں مشغول ہو جاتا ہے، اور قدم آخرت کے راستہ سے پھسل جاتا ہے، پھر ندامت اور حسرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ کہ موت کی اور نزع کی کرُب اور بے چینی اُن کو گھیر لیتی ہے، اور اس سب کے چھوٹ جانے کی حسرتیں اس پر مُسلّط ہو جاتی ہیں۔ اس میں رغبت کرنے والا اپنے مقاصد کو کبھی بھی پورا نہیں کر سکتا، اور مُشَقّت سے کبھی بھی راحت نہیں پاتا۔ یہاں تک کہ بغیر توشہ لیے اس عالم سے چلا جاتا ہے، اور بغیر تیاری کے آخرت میں پہنچ جاتا ہے۔ امیرُ المؤمنین اس سے بہت بچتے رہیں اور اس کی نہایت خوشی کے اوقات میں بھی بہت زیادہ ڈرتے رہیں۔ اس پر اعتماد کرنے والا جب بھی کچھ خوش ہوتا ہے تو یہ کسی نہ کسی مصیبت میں اس کو مُبتلا کر دیتی ہے۔ اس میں خوش رہنے والا دھوکہ میں پڑا ہوا ہے اور اس میں (ضرورت سے زیادہ) نفع اُٹھانے والا نقصان میں پڑا ہوا ہے۔

اس کی راحت، تکلیفوں کے ساتھ وابستہ ہے اور اس میں رہنے کا مُنتہا فنا ہے اس کی خوشی رنج کے ساتھ مخلوط ہے۔ جو کچھ گذر چکا ہے وہ واپس آنے والا نہیں ہے اور جو آنے والا ہے اس کا حال معلوم نہیں کہ کیا ہو۔ اس کی آرزوئیں جھوٹی، اس کی اُمیدیں سب باطل، اس کی صفائی میں گدلا پن ہے اس کی عیش میں مَشقّت ہے۔ اور آدمی اس میں ہر وقت خطرہ کی حالت میں ہے۔ اگر اسکو عقل ہو اور وہ غور کرے تو اسکی نعمتیں خطرناک ہیں، اور اس کی بلاؤں کا ہر وقت خوف ہے۔

اگر حق تعالیٰ شانہٗ جو اس کے خالق ہیں، وہ اس کی برائیوں کی اطلاع نہ فرماتے تب بھی اس مکار کی اپنی حالت ہی سوتوں کو جگانے کے واسطے اور غافلوں کو ہوشیار کرنے کے واسطے کافی تھی۔ چہ جائے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے خود اس پر تنبیہیں فرمائیں اور اس کے بارے میں نصیحتیں فرمائیں، کہ اللہ جَلّ شانہٗ کے یہاں اس کی کوئی قدر نہیں اور اس کو پیدا فرما کر کبھی بھی اسکی طرف نظرِ اِلتفات نہیں فرمائی۔

یہ اپنے سارے خزانوں کے ساتھ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئی حضورؐ نے اس کو قبول نہیں فرمایا، مُنہ نہیں لگایا۔ اس لیے کہ حضورؐ نے حق تعالیٰ شانہٗ کی مَنشاء کے خلاف کو پسند نہیں کیا۔ اور جس چیز سے اس کے خالق نے بغض رکھا، اس سے آپ نے مَحبّت نہیں کی۔ اور جس چیز کی اللہ نے قیمت گرادی آپ نے اس کو پسند کر کے اس کا درجہ بُلند نہیں کیا۔ اسی لیے حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے نیک بندوں سے اس کو قصداً ہٹا دیا۔ اور اپنے دشمنوں پر اسکی وُسعت کر دی۔ بعض دھوکہ میں

پڑے ہوئے لوگ جو اسکو وُسعت سے دیکھتے ہیں وہ اسکی وُسعت کو دیکھ کر سمجھنے لگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اُن پر اکرام کیا۔ اور وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ (سیّد الرُّسل فخرُ الاوّلین والآخرین) سیّدنا محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کیساتھ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس بارہ میں کیا معاملہ رکھا کہ پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے۔

ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد حضرت موسیٰؑ سے ہے کہ جب تم وُسعت کو آتے دیکھو تو سمجھو کہ کسی گناہ کی سزا میں یہ آرہی ہے۔ اور جب فقر و فاقہ کو آتا دیکھو تو کہو کہ صالحین کا شعار آرہا ہے۔ اور اگر کوئی حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا اتباع کرنا چاہتا ہے، تو اُن کا ارشاد یہ ہے کہ میرا سالن بھوک ہے (یعنی بھوک میں فقط روٹی بھی ایسی لذیذ معلوم ہوتی ہے جیسی سالن سے) اور میرا شعار اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور میرا لباس صُوف ہے (بھیڑ بکری کے بال) اور میرا سردی میں سینکنا دھوپ ہے، اور میرا چراغ چاندنی کی روشنی ہے اور میری سواری میرے پاؤں ہیں اور میرا کھانا اور میوے زمین کا گھاس ہے۔ مَیں صبح اس حال میں کرتا ہوں کہ میرے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ شام اس حال میں کرتا ہوں کہ میرے پاس کچھ نہیں ہوتا اور ساری دنیا میں مجھ سے زیادہ غنی (بے پرواہ جو کسی کا محتاج نہ ہو) کوئی بھی نہیں ہے۔

اس قسم کے ارشادات ان حضرات کرام انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بہت کثرت سے کتابوں میں موجود ہیں۔ یہاں غور سے ایک بات سمجھ لینا چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ اصل زندگی اور محمود و مرغوب زندگی یہی ہے جو ان حضرات کے ارشادات اور حالات سے معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے اعضاء اور اپنے قوےٰ کے تحمّل کی رعایت بھی ضروری ہے جہاں تک اپنے قُوے تحمّل کریں وہاں تک اتباع کی سعی ہونا چاہیئے اور جہاں اپنا ضُعف متحمّل نہ ہو وہاں مجبوراً اپنے ضعف کی رعایت ضروری ہے۔ ان احوال کے نقل سے مقصود یہ ہے کہ کم از کم اتنا ذہن نشین ہوجائے کہ دُنیا کی اصل زندگی یہ ہے اور اس سے زائد جہاں تک ہم اپنے امراض اور اعذار سے مجبور ہیں، وہاں مجبوری کے درجہ میں اپنے ضعف اور عذروں کی رعایت کرنی ضروری ہے۔ اس کی مثال بیمار کا روزہ کھولنا ہے۔ کہ اصل تو یہی ہے کہ ماہِ مبارک میں روزہ رکھا جائے، لیکن اگر کوئی بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا یا طبیب روزہ کو صحت کے لئے مُضر بتاتا ہے تو مجبوراً روزہ کھولنا پڑے گا۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اصل ماہِ مبارک میں روزہ ہی تھا۔ وہی اصل مقصود ہے، وہی مرغوب ہے مگر بیمار غریب مجبور ہے کہ نہیں رکھ سکتا۔ البتہ اسکی رغبت، اس کی سعی ہر سچا مسلمان کرتا ہے، اسی طرح ہم لوگ اپنی ہمتوں اور قُوے کے ضعف کی

وجہ سے اس طرزِ زندگی کے متحمل نہیں ہیں۔ اس لئے بدرجۂ مجبوری جس قدر حاجت ہے اُس قدر دُنیا سے تلبّس ضروری ہے۔ مگر اپنے ضُعف کی مجبوری کا احساس بھی رہے، اور اصل زندگی دِل سے اسی کو سمجھتا رہے جو حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور دیگر انبیائے کرامؑ اور اُن اولیائے عظامؒ کی تھی جن میں سے چند کے اقوال گذرے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ دُنیا کا بے حقیقت ہونا، اس کا دِل لگانے کے قابل ہونا، اس کا فانی اور محض دھوکہ ہونا، یہ اُمور ایسے ضروری ہیں کہ اپنے ضُعف اور مجبوری کی حالت میں بھی دل میں جتنے زیادہ سے زیادہ جما جائے سکتے ہوں، ان کو جمائے۔ زبان سے نہیں دل سے دُنیا کو حقیقۃً ایسا ہی سمجھے اسکے سمجھنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہمارے پاس کوئی عذر ایسا نہیں جو کسی درجہ میں بھی اس بدبخت کو دلوں میں وقیع بنادے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ دُنیا بہت جلد فنا ہو جانے والی ہے۔ جلد ہی ختم ہونے والی ہے۔ یہ اپنے باقی رہنے کے وعدے تو کرتی ہے، مگر ان وعدوں کو پورا نہیں کرتی۔ تُو جب اس کو دیکھے تو یہ تجھے ایک جگہ ٹھیری ہوئی معلوم ہوگی، لیکن واقعہ میں یہ بہت سُرعت سے چل رہی ہے۔ مگر دیکھنے والے کو اس کی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ اس کو جب ہی پتہ چلتا ہے جب یہ ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال سایہ کی سی ہے کہ وہ ہر وقت چلتا رہتا ہے لیکن اس کی حرکت معلوم نہیں ہوتی۔

حضرت حسن بصریؒ کے سامنے ایک مرتبہ دُنیا کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا ؎

اَحْلَامُ نَوْمٍ اَوْ کَظِلٍّ زَائِلٍ اِنَّ اللَّبِیْبَ بِمِثْلِهَا لَا یُخْدَعُ

"اس کی مثال سونے والوں کے خواب کی ہے۔ یا چلنے والے سایہ کی ہے۔ عقل مند آدمی کو اس جیسی چیز کے ساتھ دھوکہ نہیں دیا جاسکتا۔"

حضرت امام حسنؓ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

یَا اَهْلَ لَذَّاتِ دُنْیَا لَا بَقَاءَ لَهَا اِنَّ اغْتِرَارًا بِظِلٍّ زَائِلٍ حُمُقٌ

"اے دُنیا کی لذت والو! اس کو دوام بالکل نہیں ہے۔ ایسے سایہ کے ساتھ دھوکہ کھانا جو چل رہا ہو، حماقت ہے۔"

یُونس بن عُبیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل کو دُنیا کی یہ مثال سمجھائی کہ ایک آدمی مثلاً سو رہا ہے۔ وہ خواب میں بہت سی اچھی اور بُری باتیں دیکھتا ہے، ایک دم اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ سارا خواب ختم ہو گیا اسی طرح آدمی سب سو رہے ہیں، اور یہ سب کچھ خواب میں دیکھ رہے ہیں۔ جب موت سے ایک دم

آنکھ کھل جائے گی تو یہاں کی نہ خوشی رہے گی، نہ غم رہے گا۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو دُنیا کی حقیقت کا کشف ہوا۔ دیکھا کہ وہ ایک نہایت بوڑھی عورت ہے جس کے بڑھاپے کی وجہ سے دانت بھی ٹوٹ گئے۔ اور نہایت زرق برق کا فاخرہ لباس پہن رہی ہے ہر قسم کی زینت کا سامان اُس پر ہے۔ بالکل دُلہن بن رہی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس سے پوچھا کہ تو اب تک کتنے نکاح کر چکی ہے (کہ اب پھر نکاح کے شوق میں دُلہن بن رہی ہے) اس نے جواب دیا کہ ان کی کوئی شمار نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے دریافت فرمایا کہ وہ سب مر گئے یا انہوں نے تجھ کو طلاق دے دی؟ اُس نے جواب دیا کہ مَیں نے سب کو قتل کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، تیرے باقی خاوندوں کا ناس ہو، وہ تیرے گذشتہ خاوندوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ تُو نے کس طرح ایک ایک کر کے سب کو ہلاک کر دیا۔

حقیقی بات یہی ہے کہ یہ بالکل ایک بڑی عمر کی بڑھیا ہے۔ جس نے اپنے اُوپر زینت کا لباس پہن رکھا ہے۔ لوگ اس کی ظاہری زینت کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ جب اس کی حقیقت پر مطّلع ہوتے ہیں، اور اس کے چہرہ سے پردہ ہٹاتے ہیں، تو اس کی اصلی صورت نظر آتی ہے۔

عَلاء بن زیادؒ فرماتے ہیں کہ مَیں نے خواب میں ایک بڑھیا کو دیکھا، جو بہت بوڑھی تھی، اور بہت عمدہ لباس، زیور وغیرہ پہن رہی تھی۔ دُنیا کی ہر قسم کی زیب و زینت اس پر موجود تھی، اور لوگ بہت کثرت سے اُس کے گرد جمع ہیں۔ بڑے شوق سے اُس کو دیکھ رہے ہیں۔ مَیں اس کے قریب گیا، اور اُس کو دیکھ کر مجھے ان سب دیکھنے والوں پر بڑا تعجب ہوا۔ مَیں نے خواب میں اس سے پوچھا کہ تُو کون ہے؟ کہنے لگی تُو مجھے نہیں جانتا؟ میں نے کہا نہیں، مَیں تو نہیں جانتا۔ اُس نے کہا۔ مَیں دُنیا ہوں۔ میں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ شانُہٗ تجھ سے مجھے اپنی پناہ میں رکھے۔ کہنے لگی۔ اگر تُو مجھ سے پناہ میں رہنا پسند کرتا ہے تو دِرہم (روپیہ) سے بُغض پیدا کر لے۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت میں دنیا ایسی حالت میں لائی جائے گی کہ بہت بوڑھی عورت بدصورت، کیری آنکھیں، دانت آگے کو نکلے ہوئے، لوگوں کے سامنے لا کر کھڑی کی جائے گی، اور ان سے پوچھا جائے گا کہ اس کو پہچانتے ہو۔ وہ کہیں گے خُدا کی پناہ، یہ کیا بلا ہے۔ اُن سے کہا جائے گا۔ یہ وہی دُنیا ہے جس کی بدولت ایک نے دوسرے کو قتل کیا، آپس میں قطع رحمی کی، اسی کی وجہ سے تم آپس میں ایک

دوسرے سے حسد رکھتے تھے بُغض رکھتے تھے اور اس کے دھوکہ میں پڑے رہے۔ اس کے بعد اس بڑھیا کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ وہ چلّائے گی کہ میرے ساتھ ان کو بھی تو لاؤ۔ میرے پیچھے لگنے والوں کو بھی تو میرے ساتھ کرو۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہو گا کہ اس کے پیچھے چلنے والوں کو بھی اس کے ساتھ کرو۔

درحقیقت آدمی کے غور کرنے کی بات ہے کہ اس کے تین زمانے ہیں۔ ایک عالم کی اِبتداء سے اس کی پیدائش تک کا زمانہ ہے۔ دوسرا آدمی کے مرنے کے بعد سے ہمیشہ ہمیشہ کا زمانہ۔ ان دونوں کے درمیان میں تیسرا زمانہ یہ ہے جو اس کی پیدائش سے لیکر اس کی موت تک کا وقت ہے۔ اس مُدّت کو اگر اِبتداء اور اِنتہاء دونو کے مجموعہ کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہو کہ کتنا قلیل وقت ہے۔ اسی لئے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک اِرشاد ہے کہ مجھے دُنیا سے کیا لینا ہے۔ میری مثال تو اس سوار کی سی ہے جو سخت گرمی میں سفر کر رہا ہو، گرمی کی شدت میں کوئی سایہ دار درخت نظر پڑ جائے تو اس کے سایہ میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے دوپہر میں ٹھیر جائے۔ پھر اس درخت کو وہیں چھوڑ کر آگے چلا جائے۔ اور واقعی بات یہ ہے کہ جو شخص دُنیا کو اس نگاہ سے دیکھے جو حضورؐ نے فرمایا تو کبھی بھی اس کی طرف نہ جھکے، اور ذرا بھی اس کی پرواہ نہ کرے کہ یہ تھوڑا سا وقت راحت اور خوشی میں گذر گیا یا رنج و تکلیف میں۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ چونے سے مکان کی تعمیر کر رہے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ موت اس سے زیادہ قریب ہے۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد آیا ہے کہ دُنیا دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو پانی میں چل رہا ہو۔ کیا کوئی شخص اس کی طاقت رکھتا ہے کہ پانی میں چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں۔ حضورؐ کے اس اِرشاد سے تمہیں ان لوگوں کی جہالت کا اندازہ ہو گیا ہو گا جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بدن تو دُنیاوی لذتوں سے مُتمتّع ہو رہے ہیں لیکن ہمارے دل دُنیا سے پاک ہیں اور ہمارے قلبی تعلّقات دُنیا سے ٹوٹے ہوئے ہیں یہ تخیّل شیطان کا ان لوگوں کے ساتھ ایک مکر ہے۔ بلکہ ان لوگوں کے پاس سے اگر دُنیا کو چھین لیا جائے تو اس کے فراق میں ایک دم بے چین ہو جائیں پس جس طرح پانی میں چلنے سے پاؤں لامحالہ بھیگتے ہیں، اسی طرح دُنیا کے ساتھ تعلّق اور اختلاط دل میں ظلمت ضرور پیدا کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا اِرشاد ہے کہ ایک حقیقی بات تم سے کہتا ہوں کہ جیسے بیمار آدمی کو تکلیف کی شدّت کی وجہ سے کھانے میں لذّت نہیں آتی، اسی طرح دُنیا دار کو عبادت

میں لذت نہیں آتی ۔ اور جس طرح جانور پر اگر سواری کرنا چھوڑ دیا جائے تو اس سے اس کا مزاج سخت ہو جاتا ہے اور سواری کی عادت اسکو نہیں رہتی ۔ اسی طرح اگر موت کے ذکر اور عبادت کی مشقّت کے ساتھ دلوں کو نرم نہ کیا جائے تو وہ سخت ہو جاتے ہیں ، ان میں قساوت پیدا ہو جاتی ہے ، اور ایک حق بات کہتا ہوں کہ مشکیزہ جب تک پھٹے نہیں ، وہ شہد (پانی وغیرہ) کا برتن بنتا ہے ۔ لیکن جب وہ پھٹ جاتا ہے تو پھر شہد اس میں نہیں رکھا جاتا ۔ اسی طرح دِل کو جب تک شہوتوں سے پھاڑا نہ جائے یا طمع سے اسکو خراب نہ کیا جائے یا نعمتوں سے اس کو سخت نہ کیا جائے تو وہ حکمت کا برتن بنتا ہے ۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ دُنیا کی شہوتیں اس وقت بڑی لذیذ معلوم ہوتی ہیں ۔ لیکن مُنتہا کے اعتبار سے موت کے وقت اتنی ہی مکروہ اور ناگوار ہوں گی ۔

عُلماء نے لکھا ہے کہ ان لذّات سے دُنیا کی زندگی میں جتنا زیادہ شغف اور مُحبّت ہوگی ، موت کے وقت اتنی ہی زیادہ کراہت اُن سے ہوگی ۔ اس کی مثال کھانے کے ساتھ دی جاتی ہے کہ جو کھانا جتنا زیادہ لذیذ اور زیادہ چکنائی اور گھی والا ہوتا ہے اس کا پاخانہ اتنا ہی زیادہ گندہ اور بدبودار ہوتا ہے ۔ اور جتنا زیادہ سادہ کھانا ہوتا ہے اتنی ہی اس کے پاخانہ میں بدبو بھی کم ہوتی ہے ۔

اس سب کے بعد یہ بات ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ دُنیا کیا چیز ہے جس کی اتنی مذمّتیں قرآن پاک اور احادیث وغیرہ میں آئی ہیں ۔ اس کو غور سے سمجھ لینا چاہیئے کہ آدمی کی موت سے پہلے پہلے (یعنی زندگی میں) جو کچھ اَحوال پیش آتے ہیں ، جو اُمور اس کو لاحق ہوتے ہیں وہ سب دُنیا کہلاتے ہیں ۔ اور موت کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ سب آخرت کہلاتا ہے ۔ موت سے پہلے اُمور تین قسم کے ہوتے ہیں ۔ ایک وہ چیزیں ہیں جو آدمی کے ساتھ اُس عالم میں چلی جاتی ہیں ، وہ علمِ دین اور نیک عمل ہے جو خالص حق تعالےٰ شانہٗ کے واسطے کیا گیا ہو ، یہ دونوں چیزیں خالص آخرت اور دین ہیں ، دُنیا نہیں ہیں اگرچہ آدمی کو ان میں لذّت آتی ہو ۔ اور جن لوگوں کو ان میں لذّتیں آجاتی ہیں وہ ان کی وجہ سے کھانا پینا ، سونا ، شادی وغیرہ تک چھوڑ دیتے ہیں لیکن اس سب کے باوجود یہ دونوں چیزیں آخرت ہی کی چیزیں ہیں ۔

دوسری قسم ان کے بالمقابل گناہوں کی لذّتیں اور جائز چیزوں کی وہ مقداریں جو محض فضول اور زائد ہیں جیسا کہ سونے چاندی کے ڈھیر اور فاخرہ لباس ، خوشنما جانوروں کا شوق ، اُونچے اُونچے محل ، لذیذ لذیذ کھانے ، یہ سب دُنیا ہے ۔ جن کی مذمّت پہلے گذری ہے ۔

تیسری۳ قسم ان دونوں کے درمیان وہ ضروری چیزیں جو آخرت کے کاموں کے لئے مُعین اور مددگار ہوں۔ جیساکہ بقدرِ ضرورت کھانا، سونا، اور ضرورت کے مُوافق معمولی لباس، گرمی کا سردی کا، اور ہر وہ چیز جس کی آدمی کو اپنی صحت اور بقا کے لئے ضرورت ہے۔ اور ان کی وجہ سے پہلی قسم میں اِعانت حاصل ہوتی ہے۔ یہ چیزیں بھی دُنیا نہیں ہیں، یہ آخرت ہی ہیں، دین ہی ہیں بشرطیکہ واقعی ضرورت کے درجہ میں ہوں۔ ان سے مقصد دینی اُمور پر تقوِیت ہو۔ اور اگر ان کا مقصد محض حظِ نفس اور دل کی خواہش کا پورا کرنا ہوگا تو یہی چیزیں دُنیا ہو جائیں گی۔

مَیں نے اپنے والد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ سے ایک قِصّہ اکثر سُنا وہ فرماتے تھے کہ ایک شخص کو پانی پت ایک ضرورت سے جانا تھا۔ راستہ میں جمنا پڑتی تھی، جس میں اتّفاق سے طغیانی کی صورت تھی کہ کشتی بھی اس وقت نہ چل سکتی تھی۔ یہ شخص بہت پریشان تھا لوگوں نے اُس سے کہا کہ فلاں جنگل میں ایک بُزرگ رہتے ہیں ان سے جاکر اپنی ضرورت کا اِظہار کرو۔ اگر وہ کوئی صورت تجویز کردیں تو شاید کام چل جائے۔ ویسے کوئی صورت نہیں ہے لیکن وہ بُزرگ اوّل اوّل بہت خفا ہوں گے، انکار کریں گے، اس سے مایوس نہ ہونا چاہیئے چنانچہ یہ شخص وہاں گیا۔ اس جنگل میں ایک جھونپڑی پڑی ہوئی تھی۔ اس میں اُن کے اہل وعیال بھی رہتے تھے۔ اس شخص نے بہت روکر اپنی ضرورت کا اظہار کیا کہ مقدمہ کی کل کو تاریخ ہے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ اوّل تو انہوں نے حسبِ عادت خوب ڈانٹا، کہ مَیں کیا کرسکتا ہوں، میرے قبضہ میں کیا ہے۔ اس کے بعد جب اس نے بہت زیادہ عاجزی کی تو انہوں نے فرمایا کہ جمنا سے جاکر کہہ دو کہ ایسے شخص نے مجھے بھیجا ہے جس نے عمر بھر نہ کبھی کچھ کھایا، نہ بیوی سے صحبت کی۔ یہ شخص واپس ہوا اور ان کے کہنے کے مُوافِق عمل کیا۔ جمنا کا پانی ایک دم رُک گیا، اور یہ شخص پار ہوگیا۔ جمنا پھر حسبِ معمول چلنے لگی۔ لیکن اس شخص کے واپس ہونے کے بعد ان بُزرگ کی بیوی نے رونا شروع کر دیا کہ تُونے مجھے ذلیل اور رُسوا کیا بغیر کھائے تو خود پُھول کر ہاتھی بن گیا۔ اس کا تجھے اختیار ہے اپنے مُتعلِّق جو چاہے جُھوٹ بول دے۔ لیکن یہ بات کہ تو کبھی بیوی کے پاس نہیں گیا۔ اس بات نے مجھے رسوا کر دیا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ اولاد جو پھر رہی ہے یہ سب حرام کی اولاد ہوئی۔ ان بُزرگ نے اوّل تو عورت سے یہ کہا کہ تجھ سے اس کا کوئی تعلُّق نہیں۔ جب مَیں اولاد کو اپنی اولاد بتاتا ہوں پھر کیا اعتراض ہے۔ مگر وہ بے تحاشا روتی رہی۔ کہ تُونے مجھے زنا کرنے والی بتا دیا۔ اس پر اُن بزرگ نے کہا کہ غور سے سُن۔ مَیں نے جب سے ہوش

سنبھالا ہے کبھی اپنی خواہشِ نفس کے لئے کوئی چیز نہیں کھائی۔ ہمیشہ جو کھایا، محض اس ارادہ اور نیت سے کھایا کہ اس سے اللہ کی اطاعت کے لئے بدن کو قوت پہنچے، اور جب بھی تیرے پاس گیا ہمیشہ تیرا حق ادا کرنے کا ارادہ رہا۔ کبھی اپنی خواہش کے تقاضہ سے صحبت نہیں کی۔

قصہ تو ختم ہوا۔ اب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پاک ارشاد میں غور کرنے سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے اندر تین سو ساٹھ ۳۶۰ جوڑ ہیں۔ اس کے ذمہ ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے (اسکی سلامتی کے شکرانہ میں) روزانہ ایک صدقہ ادا کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اتنے صدقات (یعنی تین سو ساٹھ) روزانہ ادا کرنے کی کس کو طاقت ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مسجد میں تھوک وغیرہ پڑا ہو، اس پر مٹی ڈال دینا صدقہ (کا ثواب رکھتا) ہے۔ راستہ سے کسی تکلیف دینے والی چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ اور چاشت کی نماز ان سب صدقوں کے برابر ہوسکتی ہے (مشکوٰۃ)۔ چونکہ نماز میں بدن کا ہر جوڑ عبادت میں مشغول رہتا ہے اس لئے ہر جوڑ کی طرف سے گویا صدقہ ہوگیا۔

دوسری حدیث میں ان چیزوں کی اور بھی مثالیں ذکر فرمائی ہیں۔ جس میں ارشاد ہے کہ کسی کو سلام کرنا بھی صدقہ ہے۔ اچھے کام کا حکم کرنا، بُرے کام سے منع کرنا بھی صدقہ ہے اور بیوی سے صحبت کرنا بھی صدقہ ہے۔ اور ان سب کے قائم مقام دو ۲ رکعت چاشت کی نماز ہے کہ وہ سارے جوڑوں کی طرف سے صدقہ ہو جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ایک شخص اپنی شہوت پوری کرتا ہے یہ بھی صدقہ ہو جائے گا؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اگر وہ اس کو ناجائز جگہ پوری کرتا تو کیا گناہ نہ ہوتا (ابوداؤد)۔ یعنی جب حرام کاری گناہ ہے تو اس سے بچنے کی نیت سے بیوی سے صحبت یقیناً ثواب کی چیز ہے۔ اسی طرح کھانا پینا سونا پہننا سب چیزیں عبادت میں ہیں بشرطیکہ واقعی اللہ کی اطاعت کے ارادہ سے ہوں۔ امام غزالیؒ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ دُنیا فِی نَفسِہٖ ممنوع اور ناجائز نہیں ہے۔ بلکہ اس وجہ سے ممنوع ہے کہ وہ حق تعالیٰ شانہٗ تک پہنچنے میں مانع بنتی ہے۔ اسی طرح فقر فِی نَفسِہٖ مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس لئے مطلوب ہے کہ اس میں حق تعالیٰ شانہٗ سے ہٹانے والی کوئی چیز نہیں (بلکہ وہ حق تعالیٰ شانہٗ تک پہنچانے میں مُعین ہے) لیکن بہت سے غنی ایسے بھی ہیں کہ غنا ان کو حق تعالیٰ شانہٗ تک پہنچنے میں مانع نہیں ہوا جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ حضرات۔ اور بعض فقیر ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا فقر بھی اللہ تعالیٰ شانہٗ تک پہنچنے

سے مانع بن جاتا ہے کہ ناداری کے ساتھ مال کی محبت اس کو راستہ سے ہٹا دیتی ہے۔ لہٰذا اصل ممنوع اور ناجائز مال کی محبت ہے، چاہے اس کے وِصال سے ہو جیسا غنیؔ، یا فراق سے ہو جیسا کہ دُنیا دار فقیر۔ دُنیا حقیقت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ سے غافل لوگوں کی معشوقہ ہے جو اس کا عاشق یعنی دُنیا دار فقیر اس سے محروم ہے وہ اس کی طلب میں مر رہا ہے۔ اور جس عاشق کو اس کا وِصال حاصل ہے جیسا کہ غنی وہ اسکی حفاظت اور اس سے لذتیں حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ شانہٗ سے غافل ہے لیکن اکثر قاعدہ یہ ہے کہ جو اس سے محروم ہے وہ اس کے فتنوں سے بہت زیادہ محفوظ ہے اور جو اس میں پھنسا ہوا ہے وہ فتنوں میں مبتلا ہے۔

اسی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اِرشاد ہے کہ ہم ناداری کے فتنہ (امتحان) میں مبتلا کئے گئے تو ہم نے صبر کیا (یعنی کامیاب رہے) پھر ہم ثروت اور دولت کے فتنہ (اور امتحان) میں مبتلا ہوئے تو ہم صبر نہ کر سکے (یعنی اس حال میں بھی اس مال سے بالکل علیحدہ رہتے، یہ نہ ہو سکا) اور اکثر لوگوں کا یہی حال ہے کہ مال کے ہونے کی صورت میں اس کی مضرّتوں سے کوئی برسہا برس میں ہی ایسا نکلتا ہے جو اس سے محفوظ رہ سکے۔ اسی وجہ سے قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے اس سے بچنے کی ترغیب اور اس میں پھنس جانے کی مضرّتوں پر تنبیہ کی ہے۔ اس لئے کہ اس سے بچنا تو ہر شخص کے لئے مفید ہی ہے۔ اسی وجہ سے عُلماء کا اِرشاد ہے کہ (ہاتھ سے روپیہ پیسہ وغیرہ) مال کا اُلٹنا پلٹنا بھی ایمان کی حلاوت کو چوس لیتا ہے۔

(حضورؐ کا اِرشاد ہے کہ ہر اُمّت کے لئے کوئی بچھڑا (گئو ماتا وغیرہ) ہے جس کی وہ پرستش کرتے ہیں، میری اُمّت کا بچھڑا روپیہ اور اشرفی ہے (کہ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں جیسا کہ پرستش کا ہوتا ہے) اور حضرت موسیٰؑ کی قوم کا بچھڑا بھی تو سونے چاندی کا زیور ہی تھا۔ (احیاء)

(اور یہ بات انبیاءِ کرامؑ اور اولیاءِ عظامؒ ہی کے لئے ہوتی ہے کہ ان کی نگاہ میں سونا چاندی پانی پتھر ایک ہی درجہ رکھتے ہیں۔ پھر اس کے بعد مجاہدات کی کثرت ان حضرات کے لئے اور بھی زیادہ اس چیز کو پورا کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے جب دُنیا اپنی زیب و زینت کے ساتھ حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تو حضورؐ نے اس سے فرما دیا کہ مجھ سے دُور ہی رہ۔)

(حضرت علیؓ کا اِرشاد ہے کہ اے زرد و سفید (سونے چاندی) میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ میں ڈال (میں تیرے دھوکہ میں نہیں آؤں گا) اور یہی اصل غنا ہے کہ دل کو اس کے ساتھ تعلق نہ رہے

اسی وجہ سے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ غنا مال کی کثرت سے نہیں ہوتا بلکہ اصل غنا دل کا غنی ہوتا ہے۔ اور یہ بات ہر شخص کو نصیب ہونا مشکل ہے۔ اس لئے اسلم طریقہ اس سے دُور ہی رہنا ہے۔ اس لئے کہ مال پر قدرت اور قبضہ کی صورت میں چاہے صدقہ خیرات بھی کرتا ہو لیکن دل میں اس کے ساتھ اُنس پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ اور یہی مُہلک چیز ہے کہ جس درجہ میں اس سے اُنس ہو گا، اتنا ہی حق تعالیٰ شانہٗ سے بُعد ہو گا، اور وحشت ہو گی۔ اور جب تنگ دستی کی وجہ سے اس سے اُنس کم ہو گا تو مسلمان ہونے کی صورت میں لامحالہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ وابستہ ہو گا۔ اس لئے کہ دل فارغ نہیں رہتا، کسی نہ کسی سے اس کو لگاؤ ضرور ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے غیر سے منقطع ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ ہی لگے گا۔

مال دار آدمی کو اکثر یہ دھوکہ لگتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو یہ سمجھنے لگتا ہے کہ مجھے مال سے محبّت نہیں ہے لیکن یہ بڑی لغزش اور محض دھوکہ ہے۔ درحقیقت اس کے دل میں محبّت مرکوز ہوتی ہے جو اس کو محسوس نہیں ہوتی۔ اور اس کا احساس اس وقت ہوتا ہے، جب وہ مال ضائع ہو جائے یا چوری ہو جائے۔ اور جو شخص اس کا تجربہ کرنا چاہے وہ اپنے مال کو تقسیم کر کے تجربہ کر لے۔ اگر دل کو اس کے بُعد سے اس کی طرف اِلتفات ہو تو معلوم ہو گا کہ محبّت تھی۔ اور دل کو اس کا خیال بھی نہ آئے تو معلوم ہو گا کہ محبّت نہ تھی اور جتنی بھی دُنیا سے محبّت کم ہو گی اتنا ہی اس شخص کی عبادت میں ثواب زیادہ ہو گا۔ اس لئے کہ عبادات اور تسبیحات میں زبان کی محض حرکت اصل مقصود نہیں، بلکہ ان کا مقصود دل پر اثر ہے اور دل جتنا فارغ ہو گا، اتنا ہی اس پر اثر قوی ہو گا۔

ضحاکؒ کہتے ہیں کہ جو شخص بازار جائے اور کسی چیز کو دیکھ کر اس کے خریدنے کی رغبت ہو، اور ناداری کی وجہ سے اس پر صبر کرے، وہ ایک ہزار اشرفیاں اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے افضل ہے۔ ایک شخص نے حضرت بشر بن حارثؒ سے کہا، میرے لئے دُعا کیجئے، کنبہ زیادہ ہے جس کی وجہ سے خرچ میں تنگی ہے انہوں نے فرمایا کہ جب گھر والے کہیں کہ آٹا نہیں ہے (اور تو اس سے پریشان ہو)، اسوقت تو اللہ تعالیٰ سے دُعا کر۔ تیری اس وقت کی دُعا میری دُعا سے زیادہ افضل ہو گی۔

اس کے علاوہ مال کی کثرت میں قیامت کے دن کے حساب کا طویل ہونا تو بہر حال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جنّت کے داخلہ میں دیر ہوئی جیسا کہ حضورؐ کا ارشاد پہلے گذر چکا۔

اسی وجہ سے حضرت ابُوالدرداءؓ کا ارشاد ہے کہ مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میری کوئی دوکان

مسجد کے دروازہ پر ہو جس کی وجہ سے ہر وقت کی جماعت مجھے ملتی رہے اور ذکر و شغل میں مشغول رہوں۔ اور دُوکان سے پچاس اشرفیاں روزانہ میں کماتا رہوں اور صدقہ کرتا رہوں۔ کسی نے پوچھا، اس میں کیا بُرائی ہوگئی؟ فرمانے لگے کہ حساب تو لمبا ہو ہی جائے گا۔

حضرت سُفیانؒ فرماتے ہیں کہ فقراء نے تین چیزیں پسند کیں اور مالداروں نے تین چیزیں پسند کیں۔ فقراء نے تو نفس کی راحت، دل کا فارغ ہونا اور حساب کی تخفیف پسند کی۔ اور مالداروں نے نفس کی مَشقت دِل کی مشغولی، حساب کا لمبا ہونا پسند کیا۔ (احیاء)

حُضُورِ اَقدسْ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا مشہور ارشاد ہے کہ آدمی اسی کے ساتھ (قیامت میں) ہوگا جس سے اس کو مُحبّت ہو گی۔ صَحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ کو اسلام کے بعد کسی دوسری چیز کی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ اس حدیث کی ہوئی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ ان حضرات کی مُحبّت ضَربُ المَثَل اور آفتاب سے زیادہ روشن تھی۔ پھر ان کو خوشی کیوں نہ ہوتی۔

(اور حضرت اَبُوبَکر صِدِّیقؓ کا اِرشاد ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ شانُہٗ اپنی مُحبّت کا ذرا سا ذائقہ بھی چکھا دیتے ہیں وہ دُنیا کی طلب سے فارغ ہو جاتا ہے اور لوگوں سے اس کو وحشت ہونے لگتی ہے۔)

اَبُو سُلَیمان دَارانیؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کی ایسی بھی مخلوق ہے جن کو جنّت اپنی ساری نعمتوں اور دائمی راحتوں کے باوجود اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔ وہ صرف حق سُبحانَہٗ وَتَقَدَّس ہی سے وابستہ ہیں۔ ایسے لوگوں کو دُنیا اپنی طرف کیا کھینچ سکتی ہے۔

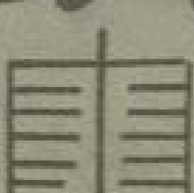
حضرت عیسیٰؑ ایک جماعت پر گذرے۔ جن کے بدن دُبلے تھے، چہرے زرد تھے۔ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام نے پوچھا۔ تمہیں یہ کیا ہوگیا؟ انہوں نے کہا۔ جہنّم کے خوف نے یہ حال کر دیا۔ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کے (فضل سے اس کے) ذمّہ ہے کہ جس شخص کو جہنّم کا خوف ہو، اس کو جہنّم سے محفوظ رکھے۔ آگے چلے تو چند آدمی اور ملے۔ اُن کا حال اُن پہلے لوگوں سے بھی زیادہ سخت تھا۔ بہت دُبلے، چہروں پر بہت زیادہ پریشانی۔ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام نے اُن سے پوچھا۔ یہ تمہیں کیا ہوگیا؟ انہوں نے عرض کیا۔ جنّت کے شوق و عشق نے یہ حال کر دیا۔ حضرت عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ السَّلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے ذمّہ ہے کہ تم جس چیز کی اُمید اُس سے لگائے ہوئے ہو وہ تم کو عطا کرے۔ آگے چلے تو ایک اور جماعت ملی جو اِن دوسروں سے بھی زیادہ ضعیف و مُنحنی۔ مگر اُن کے چہرے نُور

سے آئینہ کی طرح چمک رہے تھے۔ ان سے بھی حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے یہی سوال کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے عشق نے یہ حال کر دیا۔ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا، تم ہی لوگ اصل مُقرّب ہو، تم ہی مُقرّب ہو، تم ہی مُقرّب ہو۔ تین مرتبہ فرمایا۔ یحییٰ بن مُعاذؒ کہتے ہیں کہ ایک رائی کے دانہ کے برابر اللہ تعالیٰ شانہٗ کی مَحبّت مجھے بغیر مَحبّت کی ستر برس کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔ (احیاء)

(۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزَالُ قَلْبُ الْکَبِیْرِ شَابًّا فِی اثْنَتَیْنِ فِیْ حُبِّ الدُّنْیَا وَ طُوْلِ الْاَمَلِ۔ (

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اِرشاد ہے کہ بوڑھے آدمی کا دل ہمیشہ دو چیزوں میں جوان رہتا ہے۔ ایک دُنیا کی مَحبّت میں، دوسرے آرزوؤں اور اُمیدوں کے طویل ہونے میں۔

ف: پہلی حدیث شریف کے ذیل میں یہ مضمون تفصیل سے گذر چکا ہے کہ اصل دُنیا جس کی بُرائی قرآن پاک اور احادیث وغیرہ میں بہت کثرت سے آئی ہے، وہ مال کی مَحبّت ہے۔ اس حدیث شریف میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اسی سلسلہ کی ایک خاص چیز پر تنبیہ فرمائی ہے۔ جو تجربہ میں بھی بہت صحیح ثابت ہوئی ہے کہ بڑھاپے میں دُنیا کی مَحبّت اور لمبی لمبی اُمیدیں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ اور جتنا بھی مرنے کا زمانہ بڑھاپے کے لحاظ سے قریب آتا جاتا ہے اتنی ہی اولاد کی شادیوں کی اُمنگیں، اچھے اچھے مکانات تعمیر کرنے کا ولولہ، جائداد کے بڑھانے کا جذبہ وغیرہ وغیرہ زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے ایسی حالت میں آدمی کو اپنے نفس کی خاص طور سے نگہداشت کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا پاک اِرشاد ہے کہ آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے اور دو چیزیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں۔ ایک مال کی حرص، دوسری زیادہ عمر ہونے کی حرص۔ (مشکوٰۃ) زیادہ عمر ہونے کی حرص بھی وہی اُمیدوں کا طویل ہونا ہے کہ وہ مرنے کے قریب ہوتا جا رہا ہے لیکن مرنے کی تیاری کے بجائے دُنیا میں ہمیشہ رہنے کی تیاری میں مشغول رہتا ہے۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مثال دیکر سمجھانے کے طور پر ایک مُربّع (چار لکیروں والی) شکل کھینچی اور اس کے درمیان میں ایک دوسری لکیر کھینچی۔ جو اس مُربّع شکل سے آگے نکلی چلی گئی۔ پھر اس مُربّع شکل کے اندر چھوٹی چھوٹی لکیریں بنائیں، جس کی صورت عُلماء نے مُختلف لکھی ہے۔ منجملہ ان کے یہ صورت  واضح ہے۔

پھر حضورؐ نے فرمایا کہ یہ درمیانی لکیر تو آدمی ہے اور جو لکیر (مربع) اس کو چاروں طرف سے گھیر رہی ہے وہ اس کی موت ہے کہ آدمی اس سے نکل ہی نہیں سکتا اور جو لکیر باہر نکل رہی ہے وہ اس کی اُمیدیں ہیں کہ اپنی زندگی سے بھی آگے کی لگائے بیٹھا ہے اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں جو اس کے دونوں طرف ہیں وہ اس کی بیماریاں حوادث وغیرہ ہیں جو اس کی طرف متوجہ ہیں۔ ہر ایک چھوٹی لکیر ایک آفت ہے۔ اگر ایک سے بچ جائے تو دوسری مسلّط ہے۔ اور موت کے اندر تو گھرا ہوا ہے کہ وہ تو چاروں طرف سے اس کو گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن اُمید کی لکیر موت سے بھی آگے نکلی ہوئی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک کے پچھلے حصہ پر اپنا دستِ مبارک رکھ کر فرمایا کہ یہ تو آدمی کی موت ہے جو اس کے سر پر ہر وقت سوار ہے۔ اور دوسرے ہاتھ کو دُور تک پھیلا کر ارشاد فرمایا، کہ یہ دُور تک اس کی اُمیدیں جا رہی ہیں۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا پاک اِرشاد ہے کہ اس اُمت کی بھلائی کی ابتداء آخرت کے یقین اور دُنیا سے بے رغبتی کے ساتھ ہوئی ہے۔ اور اس کے فساد کی ابتداء مال کے بخل اور اُمیدوں کی لمبائی سے ہوگی (مشکوٰۃ) ایک اور حدیث میں حضورؐ کا اِرشاد ہے کہ اس اُمت کے ابتدائی حصہ نے اللہ کے ساتھ یقین اور دُنیا سے بے رغبتی کے ساتھ نجات پائی۔ اور اس کے آخری حصہ کی ہلاکت بُخل اور اُمیدوں کی وجہ سے ہے۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں حضورؐ کا اِرشاد وارد ہوا ہے کہ عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ تمہارے (مسلمانوں کے) کھا جانے کے واسطے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گے جیسا کہ دسترخوان پر بیٹھنے والا دوسرے کی تواضع کرتا ہے (کہ ہر قوم دوسروں کو اس کی ترغیب اور دعوت دے گی کہ ان مسلمانوں کو کسی طرح پہلے ہلاک کر دو) صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا اس وقت ہماری تعداد بہت ہی کم ہوگی (جس کی وجہ سے کافروں کے یہ حوصلے ہوں گے) حضورؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ تمہاری تعداد اس زمانہ میں بہت زیادہ ہوگی لیکن تم لوگ اس زمانہ میں سیلاب کے جھاگ کی طرح سے (بالکل بے جان) ہوگے اور تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا خوف جاتا رہے گا، اور تمہارے اپنے دلوں میں وَھن پیدا ہو جائے گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وَھن کیا چیز ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ دُنیا کی محبت اور موت سے ڈرنا۔ (مشکوٰۃ)

اُمِّ وَلید حضرت عمرؓ کی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شام

کے وقت اندر سے باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا۔ تم لوگوں کو شرم نہیں آتی۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا بات ہوئی؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ اتنی مقدار جمع کرتے ہو جتنا کھاتے نہیں ہو، اور اتنے مقامات بنا لیتے ہو، جن میں رہتے بھی نہیں ہو، اور ایسی اُمیدیں باندھ لیتے ہو جن کو پوری بھی نہیں کر سکتے۔ کیا ان باتوں سے تم شرماتے نہیں ہو۔ (ترغیب)

یعنی ضرورت سے زائد مکان بنا لیتے ہو۔ مکان اتنا ہی بنانا چاہیئے جتنے کی ضرورت ہو۔ اسی طرح خزانہ جمع کرتے جاتے ہو، جو اپنی حاجت سے زائد ہے وہ جمع کرنے کے لئے نہیں ہے، وہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک مرتبہ منبر پر تشریف رکھتے تھے اور مجمع سامنے حلقہ بنائے ہوئے تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ لوگو! اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ایسی شرم کرو جیسا کہ اس سے شرم کرنے کا حق ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! حق تعالیٰ شانہٗ سے تو ہم حیا کرتے ہی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے حق تعالیٰ شانہٗ سے حیا کرے، اس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی رات اس پر ایسی نہ گذرے کہ اس کی موت اسکی آنکھوں کے سامنے نہ ہو۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ حفاظت کرے پیٹ کی اور اس چیز کی جس کو پیٹ نے گھیر رکھا ہے، اور حفاظت کرے سر کی اور اس چیز کی جس کو سر نے گھیر رکھا ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ موت کو یاد رکھے اور اپنی بوسیدگی کو (کہ مرنے کے بعد یہ بدن سارا کا سارا شکستہ ہو کر خاک ہو جائیگا) اور ضروری ہے کہ دنیا کی زینت کو چھوڑ دے۔ (ترغیب)

(علماء نے لکھا ہے کہ سر کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے علاوہ کسی کے سامنے نہ جھکے۔ نہ عبادت کے لئے نہ تعظیم کے لئے یہتی کہ جھک کر سلام بھی نہ کرے۔ اور "جن چیزوں کو سر نے گھیر رکھا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ، کان، زبان یہ سب چیزیں سر کے تحت میں داخل ہیں، ان سب کی حفاظت کرے۔ اسی طرح پیٹ کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ مُشتبہ مال سے حفاظت کرے اور "جس چیز کو پیٹ نے گھیر رکھا ہے" سے مراد وہ چیزیں ہیں جو پیٹ کے قریب ہیں جیسے شرمگاہ ہاتھ پاؤں اور دل کہ ان سب چیزوں کی حفاظت کرے۔)

امام نَوَوِیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو کثرت سے پڑھنا مستحب ہے (مظاہر حق)

(حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ شانہٗ سے

ایسی حیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم لوگ حق تعالیٰ شانہٗ سے سب کے سب حیا کرتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا نہیں، یہ معمولی حیا نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ سے حیا کا حق یہ ہے کہ آدمی سر کی حفاظت کرے اور اس چیز کی جس کو سر نے گھیر رکھا ہے۔ اور پیٹ کی حفاظت کرے اور اُن چیزوں کی حفاظت کرے جن پر پیٹ حاوی ہو رہا ہے (شرمگاہ وغیرہ)۔ اور ضروری ہے کہ موت کو کثرت سے یاد رکھا کرے، اور شکستگی (مرنے کے بعد سب ٹوٹ پھوٹ کر خاک ہو جانے) کو یاد رکھا کرے اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے وہ دُنیا کی زینت کو چھوڑ دیتا ہے۔

چونکہ موت کو کثرت سے یاد کرنے کو دنیا سے بے رغبتی میں اور امیدوں کے اختصار میں بہت زیادہ دخل ہے۔ اسی وجہ سے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے موت کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! سب سے بڑا زاہد کون شخص ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ جو موت کو اور اپنے مر گل کر پرانا ہو جانے کو نہ بھولے۔ اور دُنیا کی زینتوں کو چھوڑ دے اور آخرت کو دُنیا پر ترجیح دے اور آنیوالی کل کو اپنی زندگی یقینی نہ سمجھے اور اپنے آپکو مردوں میں سمجھتا رہے۔ (ترغیب) کہ عنقریب مر کر اُن میں شامل ہو جاؤں گا۔

حضرت ابوہریرہؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ان لذتوں کے توڑنے والی چیز یعنی موت کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو۔ جو شخص تنگی کی حالت میں اس کو یاد کرتا ہے تو یہ اُس پر وسعت اور سہولت کا سبب ہوتی ہے (یہ اطمینان ہوتا ہے کہ موت بہر حال آنے والی ہے اس سے ساری تکلیفوں کا خاتمہ ہے) اور جو شخص فراخ دستی میں اسکو یاد کرتا ہے، اس کے لئے اخراجات میں تنگی کا سبب ہوتا ہے (کہ موت کے فکر سے زیادہ عیش و عشرت کو دل نہیں چاہتا)۔

(حضرت ابن عمرؓ بھی حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لذتوں کے توڑنے والی چیز یعنی موت کا تذکرہ کثرت سے رکھا کرو۔)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ تشریف لائے تو صحابہ کرامؓ ہنس رہے تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ لذتوں کے توڑ دینے والی چیز کو کثرت سے یاد رکھا کرو۔ اس کو جو شخص فراخی میں یاد کرتا ہے اُس پر یہ تنگی کرتی ہے، اور جو تنگی میں اس کو یاد کرتا ہے اُس پر فراخی کرتی ہے۔

(حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ مسجد میں تشریف لائے تو بعض لوگوں

کے ہنسی کی وجہ سے دانت کھل رہے تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لذتوں کے توڑنے والی موت کو کثرت سے یاد کرتے تو وہ ان چیزوں میں مشغول ہونے سے روک دیتی جن سے ہنسی آئی۔ ہر شخص کی قبر روزانہ اعلان کرتی ہے کہ میں بالکل تنہائی کا گھر ہوں، میں سب سے علیحدہ رہنے کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں۔ جب نیک مؤمن دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے کہ تیرا آنا مبارک ہے تیرے آنے سے بڑی خوشی ہوئی۔ جتنے لوگ میری پشت پر چلتے تھے، اُن میں تو مجھے بہت پسند تھا۔ آج تو میری ماتحتی میں آیا ہے تو میں اپنا طرزِ عمل تجھے دکھاؤں گی۔ اس کے بعد وہ اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ جہاں تک مُردہ کی نظر جائے وہاں تک زمین کھل جاتی ہے۔ اور ایک کھڑکی جنت میں کھل جاتی ہے۔ (جس سے وہاں کی خوشبوئیں، ہوائیں وغیرہ آتی رہتی ہیں)۔

اور جب کوئی بدکار یا کافر دفن ہوتا ہے تو زمین اس سے کہتی ہے، کہ تیرا آنا بڑا نامبارک ہے۔ تیرے آنے سے بہت جی بُرا ہوا۔ جتنے لوگ میری پشت پر چلتے تھے، تو ان میں مجھے بہت ہی بُرا لگتا تھا۔ آج تو میری ماتحتی میں آیا ہے، تو میں اپنا طرزِ عمل تجھے دکھاؤں گی۔ یہ کہہ کر وہ ایسی ملتی ہے (یعنی اس کو بھینچتی ہے) کہ مُردہ کی ہڈیاں پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر بتایا کہ اس طرح ہڈیاں، پسلیاں ایک جانب کی دوسری جانب میں گھس جاتی ہیں۔ اور ستر اژدہا اس کو ڈسنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ ایسے زہریلے ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی زمین کے اوپر پھونک مار دے، تو قیامت تک زمین پر گھاس اُگنا بند ہو جائے۔ یہ سب کے سب قیامت تک اس کو کاٹتے رہیں گے۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ یا رسولَ اللہ! سب سے زیادہ سمجھدار اور سب سے زیادہ محتاط آدمی کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد رکھتا ہو اور موت کے لئے ہر وقت تیاری میں مشغول رہتا ہو۔ یہی لوگ ہیں جو دُنیا کی شرافت اور آخرت کا اکرام حاصل کرنے والے ہیں۔ (ترغیب)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ایک مرتبہ ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور قبرستان

میں پہنچ کر علیحدہ ایک جگہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگے۔ کسی نے عرض کیا۔ امیر المؤمنین! آپ اس جنازہ کے ولی تھے، آپ ہی علیحدہ بیٹھ گئے۔ فرمایا، ہاں مجھے ایک قبر نے آواز دی اور مجھ سے یوں کہا کہ اے عمر بن عبد العزیز! تُو مجھ سے یہ نہیں پوچھتا، کہ میں ان آنے والوں کے ساتھ کیا کیا کرتی ہوں۔ میں نے کہا۔ ضرور بتا۔ اس نے کہا۔ ان کے کفن پھاڑ دیتی ہوں۔ بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہوں۔ خون سارا چوس لیتی ہوں گوشت کھا لیتی ہوں۔ اور بتاؤں کہ آدمی کے جوڑوں کے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ مونڈھوں کو بانہوں سے جدا کر دیتی ہوں، اور بانہوں کو پہنچوں سے جدا کر دیتی ہوں، اور سُرینوں کو بدن سے جدا کر دیتی ہوں، اور سُرینوں سے رانوں کو جدا کر دیتی ہوں، اور رانوں کو گھٹنوں سے اور گھٹنوں کو پنڈلیوں سے اور پنڈلیوں کو پاؤں سے جدا جدا کر دیتی ہوں۔ یہ فرما کر عمر بن عبد العزیزؒ رونے لگے۔ اور فرمایا کہ دُنیا کا قیام بہت ہی تھوڑا ہے اور اس کا دھوکہ بہت زیادہ ہے۔ اس میں جو عزیز ہے وہ آخرت میں ذلیل ہے۔ اسمیں جو دولت والا ہے وہ آخرت میں فقیر ہے۔ اس کا جوان بہت جلد بوڑھا ہو جائے گا۔ اس کا زندہ بہت جلد مر جائے گا۔ اس کا تمہاری طرف متوجہ ہونا، تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کتنی جلدی منہ پھیر لیتی ہے، اور بیوقوف وہ ہے جو اس کے دھوکہ میں پھنس جائے۔ کہاں گئے اس کے وہ دِلدادہ جنہوں نے بڑے بڑے شہر آباد کئے، بڑی بڑی نہریں نکالیں۔ بڑے بڑے باغ لگائے اور بہت تھوڑے دن رہ کر سب کچھ چھوڑ کر چل دیئے۔ وہ اپنی صحت اور تندرستی سے دھوکہ میں پڑے کہ صحت کے بہتر ہونے سے ان میں نشاط پیدا ہوا اور اس سے گناہوں میں مبتلا ہوئے۔ وہ لوگ خدا کی قسم دُنیا میں مال کی کثرت کی وجہ سے قابلِ رشک تھے۔ باوجودیکہ مال کے کمانے میں ان کو رُکاوٹیں پیش آتی تھیں مگر پھر بھی خوب کماتے تھے۔ ان پر لوگ حسد کرتے تھے لیکن وہ بے فکر مال کو جمع کرتے رہتے تھے۔ اور اس کے جمع کرنے میں ہر قسم کی تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے تھے۔ لیکن اب دیکھ لو کہ مٹی نے ان کے بدنوں کا کیا حال کر دیا اور خاک نے ان کے بدنوں کو کیا بنا دیا۔ کیڑوں نے ان کے جوڑوں اور ان کی ہڈیوں کا کیا حال بنا دیا۔ وہ لوگ دُنیا میں اُونچی اُونچی مسہریوں پر، اُونچے اُونچے فرش اور نرم نرم گدّوں پر، نوکروں اور خادموں کے درمیان آرام کرتے تھے۔ عزیز و اقارب، رشتہ دار اور پڑوسی ہر وقت دلداری کو تیار رہتے تھے۔ لیکن اب کیا ہو رہا ہے۔ آواز دے کر ان سے پوچھ کہ کیا گذر رہی ہے، غریب امیر سب ایک میدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے مال دار سے پوچھ کہ اس کے

مال نے کیا کام دیا۔ اُن کے فقر سے پوچھ کہ اس کے فقر نے کیا نقصان دیا۔ ان کی زبان کا حال پوچھ جو بہت چہکتی تھی۔ ان کی آنکھوں کو دیکھ جو ہر وقت دیکھتی تھیں۔ ان کی نرم نرم کھالوں کا حال دریافت کر۔ ان کے خوبصورت اور دِل رُبا چہروں کا حال پوچھ۔ کیا ہوا ان کے نازک بدن کو، معلوم کر کہاں گیا، اور کیڑوں نے ان سب کا کیا حشر بنایا۔ ان کے رنگ کالے کر دیئے، ان کا گوشت کھالیا۔ اُن کے منہ پر مٹی ڈال دی۔ اعضاء کو الگ الگ کر دیا۔ جوڑوں کو توڑ دیا۔

آہ! کہاں ہیں اُنکے وہ خُدام جو ہر وقت "حاضر ہوں جی" کہتے تھے۔ کہاں ہیں ان کے وہ خیمے اور کمرے جن میں آرام کرتے تھے۔ کہاں ہیں ان کے وہ مال اور خزانے، جن کو جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے۔ ان حَشَم وخَدَم نے اس کو قبر میں کھانے کے لئے کوئی توشہ بھی نہ دیا اور اس کی قبر میں کوئی بستر بھی نہ بچھایا۔ کوئی تکیہ بھی نہ رکھ دیا۔ زمین ہی پر ڈال دیا۔ کوئی درخت پھول پھلواری بھی نہ لگادی۔

آہ! اب وہ بالکل اکیلے پڑے ہیں۔ اندھیرے میں پڑے ہیں۔ ان کے لئے اب رات دن برابر ہے۔ دوستوں سے مل نہیں سکتے۔ کسی کو اپنے پاس بلا نہیں سکتے۔ کتنے نازک بدن مرد، نازک بدن عورتیں، آج اُن کے بدن بوسیدہ ہیں۔ ان کے اعضاء ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ آنکھیں نکل کر منہ پر گر گئیں۔ گردن جُدا ہوئی پڑی ہے، منہ میں پانی، پیپ وغیرہ بھرا ہوا ہے اور سارے بدن میں کیڑے چل رہے ہیں۔ وُہ اس حال میں پڑے ہیں اور اُن کی جورُوؤں نے دوسرے نکاح کر لیئے۔ وہ مزے اُڑا رہی ہے۔ بیٹوں نے مکانوں پر قبضہ کر لیا۔ وارثوں نے مال تقسیم کر لیا۔ مگر بعض خوش نصیب ایسے بھی ہیں جو اپنی قبروں میں بھی لذتیں اُڑا رہے ہیں۔ ترو تازہ چہروں کے ساتھ راحت و آرام میں ہیں (لیکن یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اس دھوکہ کے گھر میں اُس گھر کو یاد رکھا۔ اِس کی اُمیدوں سے اُس کی اُمیدوں کو مقدم کیا اور اپنے لئے توشہ جمع کر دیا۔ اور اپنے پہنچنے سے پہلے اپنے جانے کا سامان کر دیا)۔

اے وہ شخص جو کل کو قبر میں ضرور جائے گا، تجھے اس دُنیا کے ساتھ آخر کس چیز نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے؟ کیا تجھے یہ اُمید ہے کہ یہ کم بخت دُنیا تیرے ساتھ رہے گی؟ کیا تجھے یہ اُمید ہے کہ تُو اسکوچ کے گھر میں ہمیشہ رہے گا؟ تیرے یہ وسیع مکان، تیرے باغوں کے پکے ہوئے پھل، تیرے نرم بستر، تیرے گرمی سردی کے جوڑے، یہ سب کے سب ایک دم رکھے رہ جائیں گے۔ جب مَلَکُ الْمَوْت آکر مسلط ہو جائے گا، کوئی چیز اسکو نہ ہٹا سکے گی۔ پیشانیوں پر پسینے آنے لگیں گے۔ پیاس کی شدت بڑھ

جائے گی اور جان کنی کی سختی میں کروٹیں بدلتا رہ جائے گا۔ افسوس صد افسوس اے وہ شخص جو آج مرتے وقت اپنے بھائی کی آنکھ بند کر رہا ہے، اپنے بیٹے کی آنکھ بند کر رہا ہے، اپنے باپ کی آنکھیں بند کر رہا ہے، ان میں سے کسی کو نہلا رہا ہے، کسی کو کفن دے رہا ہے، کسی کے جنازہ کے ساتھ جا رہا ہے، کسی کو قبر کے گڑھے میں ڈال رہا ہے، کل کو تجھے بھی یہ سب کچھ پیش آنا ہے۔)

اور بھی اس قسم کی باتیں فرمائیں۔ پھر دو شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ:

(”کہ آدمی ایسی چیز کے ساتھ خوش ہوتا ہے جو عنقریب فنا ہونے والی ہے اور لمبی لمبی آرزوؤں اور دُنیا کی اُمیدوں میں مشغول رہتا ہے۔ اے بیوقوف! خواب کی لذتوں سے دھوکہ میں نہیں پڑا کرتے۔ تیرا دن سارا غفلت میں گذرتا ہے اور تیری رات سونے میں گذرتی ہے، اور موت تیرے اوپر سوار ہے۔ آج تُو وہ کام کر رہا ہے کہ کل کو ان پر رنج کرے گا۔ دُنیا میں چوپائے اسی طرح زندگی گذارتے ہیں جس طرح تُو گذار رہا ہے۔“)

کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ حضرت عُمَر بن عبدالعزیزؒ کا وصال ہو گیا۔ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ وَاَرْضَاہُ۔ (مسامرات)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں۔ آنکھ کا خشک ہونا (کہ اپنے گناہ اور آخرت کی کسی بات پر رونا ہی نہ آئے)، دِل کا سخت ہونا، اور اُمیدوں کا طویل ہونا، اور دُنیا کی حرص۔

حضرت ابُو سعید خُدریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت اُسامہؓ نے ایک باندی قرض خریدی اور ایک مہینہ کا وعدہ قیمت ادا کرنے کا کر لیا۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو جب اس کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا کہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اُسامہ نے ایک مہینہ کے وعدے پر قرض خریدا۔ اُسامہ کو بھی (اپنی زندگی کی) بڑی لمبی اُمید ہے (گویا اس کو یہ یقین ہو گیا کہ ایک مہینہ تو وہ زندہ ہی رہے گا) اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مجھے آنکھ کے پل جھپکنے تک بھی اپنی زندگی کا یقین نہیں ہوتا۔ اور پانی پینے کا پیالہ جب میں اُٹھاتا ہوں تو اس کے رکھنے تک بھی مجھے اپنی زندگی کا یقین نہیں ہوتا اور جب کوئی لقمہ کھاتا ہوں تو اس کے نگلنے کا بھی موت سے پہلے پہلے یقین نہیں ہوتا۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جن چیزوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (موت، قیامت، حساب

وغیرہ) سب چیزیں ضرور آنے والی ہیں۔ اور تم لوگ حق تعالیٰ شانہٗ کو عاجز نہیں کر سکتے (کہ وہ کسی کام کا ارادہ فرمائے اور کوئی اس میں رکاوٹ ڈال دے)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے میرا مونڈھا پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ دُنیا میں اس طرح زندگی گذارو جیسا کہ کوئی مسافر، کوئی راستہ چلنے والا ہے، اور ہر وقت اپنے آپکو قبرستان والوں میں سمجھا کرو۔ اس کے بعد حضورؐ نے مجھ سے فرمایا۔ اے ابنِ عمر (اور بعض روایات میں ہے کہ یہ مقولہ ابنِ عمرؓ کا ہے) جب صُبح ہو جائے تو شام تک کی زندگی کا یقین نہ کرو، اور جب شام ہو جائے، تو صبح تک کی زندگی کی اُمید نہ باندھو۔ اپنی صحت کی حالت میں بیماری کے زمانہ کے لئے نیک عمل کر رکھو (کہ بیماری کے زمانہ میں جو کوتاہی ہو اس کا جبر پہلے سے ہو جائے یا صحت میں جن اعمال کا عادی ہو گا، بیماری کی وجہ سے اُن کے نہ ہو سکنے پر بھی ان کا ثواب ملتا رہیگا) اور اپنی موت کے لئے اپنی زندگی ہی میں تیاری کر لو، کل کو معلوم نہیں کہ تمہارا نام کیا ہو جائے (یعنی کن لوگوں میں شمار ہو جائے، نیک لوگوں میں، یا بد لوگوں میں فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ)

(حضرت مُعاذؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے کچھ نصیحت فرما دیجئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ " اللہ تعالیٰ شانہٗ کی عبادت اس طرح کیا کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، وہ تمہارے سامنے ہے۔ اور اپنے آپکو ہر وقت مُردوں کی فہرست میں شمار کیا کرو، اور ہر پتھر اور درخت کے قریب اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ذکر کیا کرو (تاکہ قیامت میں اس کی گواہی دینے والے بہت کثرت سے ہو جائیں) اور جب کوئی بُری حرکت ہو جائے تو اس کی تلافی کے لئے کوئی نیک عمل کرو۔ اگر بُرائی چھُپ کر کی ہے، تو اسکی تلافی میں نیک عمل بھی چھُپ کر کرو، اور بُرائی علانیہ ہوئی ہے تو اسکی توبہ اور تلافی بھی علانیہ کی جائے۔)

حضرت ابنِ مسعودؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت تو قریب آتی جا رہی ہے اور لوگ دُنیا کی حرص میں اور حق تعالیٰ شانہٗ سے بعید ہونے میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ (ترغیب)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ایک مرتبہ باہر تشریف لائے، اور ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص تم میں سے یہ چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کو بغیر سیکھے علم عطا فرمائیں اور بغیر کسی کے راستہ

بتائے ہدایت عطا فرمائیں۔ کوئی تم میں سے ایسا ہے جو یہ چاہتا ہو، کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اندھے پن کو دُور فرما کر اُس کی (دل کی) نگاہ کو کھول دیں۔ اگر ایسا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ جو شخص دُنیا سے بے رغبتی کرے اور اپنی اُمیدوں کو مختصر رکھے، حق تعالیٰ شانہٗ، اس کو بغیر سیکھے علم عطا فرماتے ہیں اور بغیر کسی کے راستہ دکھائے خود ہدایت فرماتے ہیں (درمنثور)۔ پہلے بھی یہ روایت مُفصّل گذر چکی ہے۔

حضرت جابرؓ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھے اپنی اُمت پر سب سے زیادہ خوف، خواہشات کی کثرت اور اُمیدوں کے بڑھ جانے کا ہے۔ خواہشات حق سے ہٹا دیتی ہیں، اور اُمیدوں کا طویل ہونا آخرت کو بھلا دیتا ہے۔ یہ دُنیا بھی چل رہی ہے اور ہر دن دُور ہوتی جا رہی ہے۔ اور آخرت بھی چل رہی ہے اور ہر دن قریب ہوتی جا رہی ہے (یعنی ہر وقت ہر آن زندگی کم ہوتی جا رہی ہے اور موت قریب آتی جا رہی ہے) ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے مُنادی گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

اگر گھنٹہ کی آواز کو غور سے سُنا جائے تو واقعی گھٹادی گھٹادی کا نعرہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دُنیا اور آخرت ہر ایک کے اس دُنیا میں کچھ سپوت ہیں۔ اگر تم سے ہو سکے تو اس کی کوشش کرو کہ دُنیا کے سپوت نہ بنو۔ (آخرت کے سپوت بنو) آج عمل کا (اور کھیتی بونے کا) دن ہے۔ حساب آج نہیں ہے۔ کل کو تم آخرت کے گھر میں ہو گے۔ جہاں عمل نہیں (بلکہ کھیتی کاٹنے کا اور بدلہ کا دن ہے)۔ (مشکوٰۃ)

حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں: تین آدمی ایسے ہیں کہ جب مجھے اُن کا خیال آتا ہے تو اس قدر تعجب ہوتا ہے کہ مجھے ہنسی آنے لگتی ہے۔ ایک وہ شخص جو دُنیا میں امیدیں لگائے بیٹھا ہے اور موت اس کی فکر میں ہے۔ دوسرا وہ شخص جو (اللہ تعالیٰ سے) غافل ہے اور (اللہ تعالیٰ شانہٗ) اس سے غافل نہیں۔ تیسرے وہ شخص جو منہ بھر کر (کھلکھلا کر) ہنستا ہے اور اس کو اس کی خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اس سے خوش ہیں یا ناراض ہیں (حالانکہ یہ فکر ایسی چیز ہے کہ کسی وقت بھی ہنسی نہ آنا چاہیے) اور تین چیزیں ایسی ہیں جو مجھے ہر وقت غمگین رکھتی ہیں، یہاں تک کہ میں رونے لگتا ہوں۔ ایک دوستوں کا فراق، یعنی حضورؐ کا اور صحابہؓ کرام کا۔ دوسرے موت کا فکر۔ تیسرے حشر میں حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ میرے لیے جنت کا حکم ہو یا دوزخ کا۔

ایک شخص کہتے ہیں کہ میں نے زُرارہ بن اَوفیٰؒ کو اُن کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا۔ تو میں نے اُن سے پوچھا کہ سب سے بڑھا ہوا عمل کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ توکّل، اور امیدوں کا مختصر رکھنا۔

حضرت سُفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ زُہد امیدوں کے مختصر کرنے کا نام ہے موٹا کھانے اور جُبّہ پہننے کا نام نہیں ہے۔

حضرت داؤد طائیؒ فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ اُمید رکھوں کہ میں ایک مہینہ زندہ رہوں گا تو میں اپنے کو بڑا مجرم سمجھوں۔ اور اس کی کس طرح اُمید کر سکتا ہوں ایسی حالت میں کہ میں دیکھتا ہوں کہ آئے دن لوگوں کو حوادث کبھی رات میں پکڑ لیتے ہیں، کبھی دن میں پکڑ لیتے ہیں۔

حضرت شقیق بلخیؒ اپنے ایک استاد ابُو ہاشم رُمّانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اُن کی چادر کے کونے میں کچھ بندھ رہا تھا۔ ابُو ہاشمؒ نے پوچھا۔ یہ کیا ہے۔ عرض کیا کہ میرے ایک دوست نے چند لَوز دیئے تھے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آج شام کو آپ ان سے افطار کر لیں۔ ابُو ہاشمؒ نے کہا۔ شقیقؒ! تمہیں یہ اُمید ہے کہ تم رات تک زندہ رہو گے؟ (میں تم کو ایسا نہیں سمجھتا تھا، اب) میں تُم سے کبھی نہ بولوں گا۔ یہ کہہ کر اندر چلے گئے اور کواڑ بند کر لئے۔

قعقاع بن حکیمؒ کہتے ہیں کہ میں تیس برس سے ہر وقت موت کے لئے تیار ہوں اگر وہ آجائے تو مجھے ذرا بھی اس کی تاخیر کی خواہش نہ ہو۔

سُفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ میں نے کوفہ کی مسجد میں ایک بزرگ کو دیکھا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں تیس برس سے اس مسجد میں ہر وقت موت کا انتظار کرتا ہوں، اگر وہ آجائے تو مجھے نہ کسی سے کچھ کہنا نہ سُننا، نہ میرا کسی کے پاس کچھ چاہیئے نہ کسی کا میرے پاس۔

ابُو محمد زاہدؒ کہتے ہیں۔ میں ایک جنازہ کے ساتھ چلا۔ حضرت داؤد طائیؒ بھی ساتھ تھے۔ قبرستان پہنچ کر وہ ایک جگہ علٰحدہ کو بیٹھ گئے۔ میں بھی اُن کے پاس بیٹھ گیا وہ فرمانے لگے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وعید سے ڈرتا ہو، اس کے لئے دُور کا سفر (یعنی آخرت کا) آسان ہے اور جس شخص کی اُمیدیں لمبی ہوتی ہیں اُس کا عمل سُست ہو جاتا ہے اور جو چیز آنے والی ہے (یعنی موت) وہ قریب ہے۔ بھائی ایک بات سمجھ لے کہ جو چیز بھی تجھے تیرے رب سے اپنی طرف مشغول کرلے وہ منحوس ہے ایک بات سُنو۔ جتنے آدمی دُنیا میں ہیں، سب ہی کو قبر میں جانا ہے۔ اس وقت ان کو اس چیز کی ندامت

ہوگی جو یہاں چھوڑ دی اور اس چیز کی خوشی ہوگی جو آگے بھیج دی۔ اور جس چیز پر مرنے والے کو ندامت ہے اس پر یہ رہنے والے (وارث) لڑتے جھگڑتے ہیں، مقدمہ بازی کرتے ہیں (احیاء)

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص اُمیدوں کو مختصر رکھے حق تعالیٰ شانہٗ چار قسم کے اکرام اس پر کرتے ہیں۔ ۱: اپنی طاعت پر اس کو قوت عطا فرماتے ہیں اور جب اس کو عنقریب موت کا یقین ہوتا ہے تو عمل میں خوب کوشش کرتا ہے اور ناگوار چیزوں سے متأثر نہیں ہوتا۔ ۲۔ اس کو غم کم ہو جاتا ہے۔ ۳: روزی کی تھوڑی مقدار پر راضی ہو جاتا ہے۔ ۴: اس کے دل کو منوّر کر دیتے ہیں۔

(علماء نے کہا ہے کہ دل کا نُور چار چیزوں سے پیدا ہوتا ہے۔ ۱: خالی پیٹ رہنے سے۔ ۲: نیک آدمی کے پاس رہنے سے۔ ۳: گذرے ہوئے گناہوں کو یاد کرنے (اور ان پر ندامت) سے ۴: اور امیدوں کے مختصر کرنے سے۔)

اور جس شخص کی امیدیں لمبی لمبی ہوتی ہیں، اس کو حق تعالیٰ شانہٗ چار قسم کے عذابوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ۱: عبادت میں کاہلی پیدا ہو جاتی ہے۔ ۲: دُنیا کا غم زیادہ سوار ہو جاتا ہے۔ ۳: مال کے جمع کرنے اور بڑھانے کا فکر ہر وقت مسلّط رہتا ہے۔ ۴: دِل سخت ہو جاتا ہے۔

اور علماء نے لکھا ہے کہ دِل کی سختی چار چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ۱: زیادہ شکم سیری سے۔ ۲: بُری صحبت سے۔ ۳: گناہوں کو یاد نہ کرنے سے۔ ۴: اُمیدوں کے لمبی ہونے سے۔

اس لئے ضروری ہے کہ آدمی لمبی لمبی اُمیدیں ہرگز نہ باندھے۔ ہر وقت یہ فکر رہنا چاہیئے کہ نہ معلوم کونسا سانس زندگی کا آخری سانس ہو (کس وقت قلب کی حرکت بند ہو جائے)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے ارشاد فرمایا کہ اگر تُو (قیامت میں) میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو دُنیا میں ایسے گذار دینا، جیسا کہ مسافر سواری پر جاتا جاتا کہیں ذرا ٹھیر جائے اور مال داروں کے پاس بیٹھنے سے احتراز کرنا۔ اور کپڑے کو اس وقت تک بیکار کر کے نہ چھوڑنا جب تک کہ اس میں پیوند نہ لگ جائیں۔

ابو عثمان نہدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا اور ان کے کرتے میں بارہ ۱۲ پیوند لگ رہے تھے۔ (تنبیہ الغافلین)

(۱۰) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهٗ اَحَبَّنِيَ اللّٰهُ وَاَحَبَّنِيَ النَّاسُ قَالَ اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ.

(رواہ الترمذی وابن ماجة کذا فی المشکوٰۃ)

(ایک صحابیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جس سے اللہ جَلَّ شَانُہٗ بھی مجھ سے محبت فرمادیں اور آدمی بھی مجھ سے محبت کرنے لگیں۔ حضورؐ نے اِرشاد فرمایا کہ دُنیا سے بے رغبتی پیدا کرلو حق تعالیٰ شَانُہٗ تم کو محبوب رکھیں گے اور لوگوں کے پاس جو چیزیں ہیں (مال وغیرہ) اُن سے بے رغبتی پیدا کرلو، وہ بھی تم سے محبت کرنے لگیں گے۔)

ف: دُنیا سے بے رغبتی پر حق تعالیٰ شَانُہٗ کی مَحبّت، آخرت کا اعزاز واکرام، وغیرہ اُمور تو پہلی روایات میں بہت کثرت سے گذرہی چکے ہیں۔ دوسرا مضمون کہ لوگوں کے اموال پرنگاہ نہ رکھی جائے، اسی سے اُن کے دلوں میں بھی محبت پیدا ہوتی ہے۔ بڑے تجربہ کی بات ہے۔ ہر شخص کو ہر وقت اس کا تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ کہ جتنے بھی آپس میں بہترین تعلّقات ہوں، لیکن جہاں کسی چیز کے سوال کا ذکر آجاتا ہے سارے ہی تعلّقات اور عقیدتیں ختم ہوجاتی ہیں۔

حضرت جبرائیلؑ ایک مرتبہ حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا کہ اے محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) آپ جتنے دن بھی زندہ رہیں، موت بہرحال ایک دن آنیوالی چیز ہے، اور جو عمل بھی آپ کریں گے (بھلا یا بُرا) اس کا بدلہ ملے گا اور جس سے بھی آپ (دُنیا میں) تعلّقات پیدا کریں، اُس سے ایک دن جُدا ہونا پڑے گا (اس کی موت سے ہو یا اپنی موت سے ہو) یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ آدمی کا شرف (بزرگی) تہجّد کی نماز ہے، اور آدمی کی عزت لوگوں سے استغناء ہے (ترغیب) یعنی آدمی کی عزت اُسی وقت تک ہے جب تک لوگوں کی اَشیاء پر نگاہ نہ ہو۔ اور جہاں کہیں دوسروں کے مال پر نگاہ پڑی، ساری عزت خاک میں مل جاتی ہے۔)

حضرت عُروہؒ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص دُنیا کی زینت اور اس کی رونق کو دیکھے (اور وہ اچھی لگے) تو اس کو چاہیئے کہ اپنے گھر جاکر گھر والوں کو نماز میں مشغول کردے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ شَانُہٗ نے اپنے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اِرشاد فرمایا ہے وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ الآية (طٰہٰ۔ ع ۸)

"اور ہرگز اپنی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں، ان چیزوں کی طرف جو ہم نے ان دُنیاداروں کو دے رکھی ہیں تاکہ ان چیزوں سے ان کا امتحان لیں، یہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے۔ اور آپ کے رب کا عطیہ جو آخرت میں ملے گا اس سے بدرجہا بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس کے پابند رہیے۔" (درمنثور)

دوسری جگہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ الآیۃ (حجر۔ ع۶)

"آپ آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اُس (زیب وزینت) کو جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھا ہے۔"

اس آیت شریفہ کی تفسیر میں حضرت سُفیان بن عُیَیْنَہؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن پاک کی دولت سے نوازا ہو، پھر وہ دُنیا کی کسی چیز کی طرف بھی نگاہ اُٹھا کر دیکھے، اُس نے قرآن پاک کو بہت کم سمجھا (یعنی اُس کی قدر نہ کی)۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ فقر بہت محمود چیز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ شخص قناعت کرنے والا ہو۔ لوگوں کے پاس جو اموال ہیں اُن میں طمع نہ رکھتا ہو۔ ان کی طرف ذرا بھی اِلتفات نہ کرتا ہو اور نہ مال کے کمانے کی اس میں حرص ہو۔ اور یہ سب چیزیں جب ہی ہو سکتیں ہیں جب کہ آدمی اپنے اِخراجات میں نہایت کمی کرنے والا ہو۔ کھانے میں، لباس میں، مکان میں کم سے کم، اور مجبوری کے درجہ پر کِفایت کرنے والا ہو، اور گھٹیا سے گھٹیا چیز پر قناعت کرنے والا ہو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو ایک مہینہ کے اندر اندر کی ضرورت کا تو خیال ہو، اس سے آگے کی کسی چیز کی طرف اپنے خیال اور دھیان کو نہ لگائے۔ اگر اس سے آگے کی سوچ میں پڑ جائے گا تو قناعت کی عزت سے محروم ہو کر حرص وطمع کی ذِلت میں پھنس جائے گا اور اس کی وجہ سے بُری عادتیں پیدا ہو جائیں گی، مکروہ چیزیں اختیار کرنا پڑ جائیں گی۔ اس لئے کہ آدمی بالطبع حریص ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر آدمی کے لئے دو جنگل سونے کے ہو جائیں تب بھی وہ تیسرے کی فکر میں لگ جائے گا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ایک سورت اتنی بڑی جتنی کہ سورۂ براءۃ ہے، نازل ہوئی تھی پھر وہ منسوخ ہو گئی۔ اس میں سے یہ مضمون یاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اس دین کی مدد ایسے

(فاسق اور کافر) لوگوں سے بھی کر دیتے ہیں جن کا کوئی حصہ دین میں نہ ہو۔ اور اگر آدمی کے لئے دو جنگل مال کے ہو جائیں تو وہ تیسرے کی تمنا کرتا ہے۔ آدمی کا پیٹ (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص توبہ کرے تو حق تعالیٰ شانہٗ توبہ کو قبول کرتے ہیں۔

(اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دو حریص آدمیوں کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا۔ ایک وہ شخص جو علم کا حریص ہو (اس کو علمی چسکہ لگ گیا ہو، کسی وقت اس کا دل نہیں بھرتا) دوسرا وہ شخص جو مال کا حریص ہو۔ اور چونکہ آدمی کی جبلّت میں یہ مُہلک چیز ہے، اسی بنا پر حق تعالیٰ شانہٗ نے اور حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قناعت کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مُبارک ہے وُہ شخص جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اسلام کی دولت سے نوازا ہو، اور صرف ضرورت کے بقدر اس کی روزی ہو۔ اور وُہ اس پر قانع ہو۔ حضورؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص غریب ہو یا امیر، ایسا نہ ہو گا جو اس کی تمنا نہ کرتا ہو کہ کاش دُنیا میں اس کو صرف ضرورت کے درجہ کی روزی ملتی۔ اس سے زیادہ نہ ملتی۔ اسی وجہ سے حضورؐ نے طمع سے اور مال کمانے میں زیادہ کوشش کرنے سے منع فرمایا ہے۔)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ لوگو! مال کے حاصل کرنے میں اچھا طریقہ اختیار کیا کرو۔ (بُرے طریقوں سے نہ کماؤ) اس لئے کہ آدمی کو مُقدَّر سے زیادہ تو ملتا نہیں اور جو مُقدَّر ہے وہ بہرحال مل کر رہے گا۔ آدمی اُس وقت تک مر ہی نہیں سکتا، جب تک اس کا جو مقدر حصہ ہے وہ ذلیل اور مجبور ہو کر اس تک نہ پہنچ جائے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تو مُتّقی بن جا، سب سے بڑا عبادت کرنے والا ہو جائے گا اور (کم سے کم مقدار پر) قناعت کرنے والا بن جا، تو سب سے زیادہ شُکر گزار ہو جائے گا۔ اور اپنے بھائی کے لئے بھی اس چیز کو پسند کر، جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے، تو کامل مؤمن بن جائے گا۔

حضرت اَبُو اَیّوبؓ فرماتے ہیں، ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ یا رسولَ اللہ! مجھے مختصر سی نصیحت کر دیجئے (تاکہ میں اسکو مضبوط پکڑ لوں)۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جب نماز پڑھو تو ایسی پڑھو جیسا کہ عمر کی آخری نماز یہی ہو (جب آدمی کو یہ خیال ہو جائے کہ یہ بالکل آخری نماز ہے تو پھر جس قدر زیادہ اہتمام اور خشوع و خضوع سے پڑھے گا وہ ظاہر ہے) اور کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالو، جس کی مَعذرت کرنا (اور معافی چاہنا) پڑے اور اپنے دِل کو پکّے طور سے اس چیز سے مایوس کر لو جو دوسرے کے پاس ہو (کہ اسکی طرف ذرا سا بھی تمہیں اِلتفات نہ ہو)

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ طمع کرنا فقر (اور محتاجگی) ہے اور نااُمیدی غنا ہے جو شخص ایسی چیزوں سے نااُمید ہو جائے جو دوسروں کے قبضہ میں ہیں وہ ان سے مُستغنی رہتا ہے۔ ایک حکیم سے کسی نے پوچھا کہ غنا کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تمناؤں کا کم کرنا اور جو اپنے لئے کافی ہو جائے اس پر خوش رہنا۔

محمد بن واسعؒ سوکھی روٹی کو پانی میں بھگو کر کھا لیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے، کہ جو اس پر قناعت کر لے وہ کسی کا بھی محتاج نہ ہو۔

ایک حکیم سے کسی نے پوچھا۔ تمہاری مالیت کیا ہے؟ فرمانے لگے، ظاہر میں خوشحال رہنا، باطن میں اختصار اور میانہ روی اختیار کرنا اور دوسروں کے پاس جو چیزیں ہیں، اُن سے اُمید نہ رکھنا۔

حق تعالیٰ شانہٗ کا (حدیث میں) ارشاد ہے کہ آدم کے بیٹے! اگر ساری دُنیا تجھ کو مل جائے تب بھی تُو تو اس میں سے اپنی حاجت کے بقدر ہی کھائے گا۔ اگر میں اتنی مقدار تجھے دیدوں اور اس سے زائد نہ دوں جس کا تجھے حساب دینا پڑے تو یہ تو میں نے تجھ پر احسان کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی سے کوئی حاجت طلب کرے تو معمولی طریقہ سے طلب کرے۔ ایسا نہ کہے کہ آپ تو ایسے ہیں، آپ تو ایسے ہیں۔ چُناں ہیں چُنیں ہیں کہ اس سے اس کی توکمر توڑ دو گے (کہ وہ عُجب اور تکبّر میں ہلاک ہو جائے گا) اور تمہیں مُقدّر سے زیادہ نہ ملے گا۔

کہتے ہیں کہ بنُو اُمیّہ کے ایک بادشاہ (سُلیمان بن عبدالملک) نے حضرت ابُو حازِمؒ کو بڑے اِصرار سے لکھا کہ آپ کو کچھ ضرورت ہو اکرے تو مجھ سے منگا لیا کریں۔ اُنہوں نے جواب میں لکھا کہ مَیں نے اپنی ضرورتیں اپنے آقا کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اُس نے اُن پر جو کچھ مجھے عطا فرما دیا، مَیں نے اُس پر قناعت کر لی۔

ایک حکیم کا ارشاد ہے کہ مَیں نے سب سے زیادہ غم میں مُبتلا رہنے والا، حسد کرنیوالے کو پایا۔ اور سب سے بہترین زندگی گذارنے والا قناعت کرنے والے کو پایا۔ اور سب سے زیادہ صبر کرنے والا حریص کو پایا۔ (کہ ہر چیز کی حرص کرتا ہے پھر وُہ ملتی نہیں تو صبر کرتا ہے)۔ اور سب سے زیادہ لطیف زندگی گذارنے والا دُنیا کے چھوڑ دینے والے کو پایا۔ اور سب سے زیادہ ندامت والا اس عالم کو پایا جو حد سے بڑھنے والا ہو۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے حضرت کعب احبارؒ سے دریافت کیا کہ علماء کے قلوب سے علم کو کیا چیز ضائع کر دیتی ہے، حالانکہ پڑھتے وقت انہوں نے سمجھ کر پڑھا تھا، اس کو یاد رکھا تھا۔ حضرت کعبؒ نے فرمایا۔ طمع اور حرص، اور لوگوں سے اپنی حاجتوں کا مانگنا۔

کسی شخص نے حضرت فضیل بن عیاضؒ سے حضرت کعبؒ کے کلام کی شرح پوچھی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ جب عالم کسی چیز کی طمع کرنے لگتا ہے تو اس کی طلب میں لگ جاتا ہے جس سے اس کا دین برباد ہو جاتا ہے (کہ اس کی طلب کی مشغولی، دین کی مشغولی کو کھو دیتی ہے) اور حرص اس کو ہر ہر چیز کی طرف کھینچتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کا ہر چیز کو یہ دل چاہتا ہے کہ یہ بھی مجھے مل جائے یہ بھی مل جائے، پھر لوگوں سے اس کے پورا کرنے کا طالب ہوتا ہے۔ جو شخص اس کی طلب کو پورا کر دیتا ہے اس کے سامنے جھکنا پڑتا ہے، اس کا مطیع ہونا پڑتا ہے، وہ جدھر چاہے کھینچ کر لے جائے۔ تمہیں جھک مار کر اس کا کہنا ماننا پڑتا ہے۔ جب وہ گذرے تو اس کو سلام کرنا پڑتا ہے، بیمار ہو جائے تو عیادت کرنا پڑتا ہے، اور یہ سلام اور عیادت اللہ کے واسطے نہیں ہوتی بلکہ دنیا کی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے (اور جب دنیا کی وجہ سے ہوئی تو اس کا ثواب معلوم ہے) اس کے بعد حضرت فضیلؒ نے فرمایا۔ یہ حدیث (عمل کے لئے اور کار آمد ہونے کے لئے) سو حدیثوں سے بڑھ کر ہے۔ (احیاء)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں۔ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے مختصر سی نصیحت فرما دیجئے (تاکہ میں اس کو مضبوط پکڑ لوں) حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز دوسروں کے پاس ہے اس سے اپنے کو بالکل مایوس بنا لو (ذرا بھی اس کی طرف التفات نہ کرو) اور طمع سے اپنے کو بالکل محفوظ رکھو۔ اس لئے کہ طمع فوری فقر ہے (یعنی اس چیز کی ضرورت تو جب ہوگی، جب ہوگی، اس کی طرف تو احتیاج ابھی سے ہو گئی) اور اپنے آپکو ایسی چیز سے بچاؤ جس کی معذرت کرنا پڑے (ترغیب)۔

حضرت ابوایوبؓ کی روایت سے اس قسم کا ایک سوال وجواب اور بھی قریب ہی گذر چکا ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں اور نصیحتیں مشترک ہیں۔ ایک ایک نصیحت ہر شخص کے مناسب حال علیحدہ ہے۔ اور بعض روایات میں حضرت سعدؓ کی حدیث میں چار باتیں مذکور ہیں۔ تین وہ جو حضرت ابوایوبؓ کی روایت میں گذریں اور چوتھی طمع کی اس میں زائد ہے (ترغیب) اور یہ

بات کہ دوسروں کے پاس جو چیز ہو، اس سے اپنے آپکو بالکل مایوس رکھو، دونوں میں مشترک اور بڑی اہم چیز ہے کہ اس کی وجہ سے نہ تو خود کو پریشان ہونا پڑتا ہے نہ دوسرے کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے جو شخص اپنے گھر میں امن سے ہو اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بدن کی صحت عطا فرما رکھی ہو، اور ایک دن کا کھانا اسکے پاس موجود ہو تو گویا دُنیا ساری کی ساری اس کے پاس موجود ہے (ترغیب) پھر اس کو کسی دوسرے کی کسی چیز کی طرف کیا نگاہ لگانا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی اس قسم کا واقعہ نقل کیا گیا کہ ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی مختصر بات بتا دیجئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ نماز ایسی پڑھو گویا یہ آخری نماز ہے۔ (اور تم حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے حاضر ہو) اس لئے کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے تو وہ تو تمہیں بہر حال دیکھ رہا ہے۔ اور جو چیز دوسروں کے قبضہ میں ہے اس سے مایوس بنے رہو، تم سب سے زیادہ غنی ہو گے۔ اور اپنے آپکو ایسی چیز سے (قول ہو یا فعل) بچاؤ، جس کی پھر معذرت کرنا پڑے (ترغیب)۔

حضرت سعدؓ سے بھی ایک شخص نے یہ درخواست کی کہ آپ مجھے کوئی نصیحت کریں۔ انہوں نے فرمایا، جب نماز پڑھو تو بہت اچھی طرح وضو کرو۔ اس لئے کہ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی اور بغیر نماز کے ایمان نہیں۔ پھر جب نماز شروع کرو تو ایسی پڑھو، جیسا کہ آخری نماز ہو۔ اور بہت سی حاجتیں طلب نہ کیا کرو۔ اس لئے کہ یہ بھی فوری فقر ہے اور جو چیز دوسروں کے قبضہ میں ہو، اس سے اپنے آپکو بالکل مایوس رکھو۔ یہی اصل غنا ہے۔ اور کوئی کلام یا کوئی فعل ایسا نہ کرو جس سے پھر معذرت کرنا اور معافی چاہنا پڑے۔ (اتحاف الصلوٰۃ)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بعض آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ مال کا چھوڑ دینے والا زاہد ہے یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ مال کا چھوڑ دینا اور موٹے کپڑے پہن لینا ہر ایسے شخص کے لئے آسان ہے جو لوگوں میں اپنی وقعت چاہتا ہو، ان کے یہاں اپنی تعریف کا طالب ہو۔ کتنے ہی دُنیا سے بے تعلقی کا اظہار کرنے والے جو تھوڑے سے کھانے پر قناعت کرتے ہیں، اور اپنا دروازہ ہر وقت بند رکھتے ہیں بلکہ ایسے بند مکان میں رہتے ہیں جس کے دروازہ ہی نہ ہو۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کے یہاں ان کی شہرت ہو، اور کتنے ہی عمدہ لباس پہننے والے زُہد کا دعوٰی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اچھا لباس اتباعِ سُنت میں پہنتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ خود ان کپڑوں وغیرہ کی طرف اپنی خواہش سے متوجہ نہیں ہوتے

بلکہ لوگوں کے اصرار اور خواہش سے پہنتے ہیں۔ اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس قسم کے کپڑے ہدایا میں پیش کیا کریں۔ یہ دونوں فریق دُنیا کو دین کے ذریعہ سے حاصل کرنیوالے ہیں کہ دُنیا صرف مال ہی کا نام نہیں جاہ کی طلب بھی دُنیا ہے۔ زاہد کی تین علامتیں ہیں جن کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

۱: جو اُس کے پاس موجود ہے اُس سے خوش نہ ہو۔ اور جو چیز نہیں ہے، اس پر رنجیدہ نہ ہو۔ بلکہ اَولیٰ تو یہ ہے کہ موجود سے رنجیدہ ہو، اور جو نہیں ہے، اس سے خوش ہو۔

۲: اس کی نگاہ میں اس کی تعریف کرنے والا، مذمت کرنیوالا برابر ہو، کہ یہ جاہ کے زہد کی علامت ہے، اور پہلی چیز مال کے زُہد کی علامت ہے۔

۳: حق تعالیٰ شانہٗ سے اُنس اور محبّت ہو اور طاعات میں حلاوت ہو۔ (احیاء)

اس جگہ دو واقعے اپنے اکابر کے، نمونہ کے لئے لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ ایک تو وہ مکتوبِ گرامی جو شیخ المشائخ قطبُ الاِرشاد حضرت گنگوہی قُدّسَ سِرُّہ نے اپنے مُرشدِ شیخُ العرب وَالعجم حضرت حاجی اِمداد اللہ صاحب اَعلَی اللہُ مَراتبہٗ کی خدمت میں لکھا جو مکاتیبِ رشیدیہ میں طبع بھی ہو چکا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

"حضور نے جو بندۂ نالائق کے حالات سے اِستفسار فرمایا ہے، میرے ماوائے دارین اس ناکس کے کیا حالات اور کس درجہ کی کوئی خوبی ہے، جو آفتابِ کمالات کے روبرو عرض کروں۔ بخدا سخت شرمندہ ہوں، کچھ نہیں ہوں، مگر جو اِرشادِ حضرت ہے تو کیا کروں۔ بناچاری کچھ لکھنا پڑتا ہے۔ حضرت مُرشدِ من! علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دُور ہوئے غالباً عرصہ سات سال سے کچھ زیادہ ہوا ہے۔ اس سال تک دو سو سے چند عدد زیادہ آدمی سندِ حدیث حاصل کر کے گئے۔ اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے درس جاری کیا اور سُنّت کے اِحیاء میں سرگرم ہوئے اور اشاعتِ دین اُن سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں، اگر قبول ہو جائے۔ اور حضرت کے اَقدامِ نعلین کی حاضری کے ثمرہ کا یہ خلاصہ ہے کہ جذرِ قلب میں غیر حق تعالیٰ سے نفع و ضرر کا اِلتفات نہیں۔ وَاللہ بعض اوقات اپنے مشائخ کی طرف سے علیحدگی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کسی کے مدح و ذم کی پرواہ نہیں رہی، اور ذامّ و مادح کو دُور جانتا ہوں۔ اور

معصیت کی طبعًا نفرت اور اطاعت کی طبعًا رغبت پیدا ہوگئی ہے، اور یہ اثر اسی نسبت یادداشت بے رنگ کا ہے جو مشکوٰۃِ انوار حضرت سے پہنچی ہے۔ پس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ چشمی ہے۔ یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے، جھوٹا ہوں، کچھ نہیں ہوں۔ تیرا ہی ظل ہے، تیرا ہی وجود ہے، مَیں کیا ہوں، کچھ نہیں ہوں۔ اور وہ جو مَیں ہوں وہ تُو ہے اور مَیں اور تُو خود شرک در شرک ہے۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

اَب عرض سے معذور فرما کر قبول فرماویں۔ والسّلام " ۱۳۰۶ھ

یہ گرامی قدر مکتوب وِصال سے سترہ سال قبل کا ہے ان سترہ سال میں مدح و ذم کی برابری میں اور غیر حق سے نفع و ضرر کی طرف عدم اِلتفات میں جو ترقیات ہوئی ہوں گی، ان کا اِدراک بھی کون کر سکتا ہے۔

دوسرا واقعہ جس کو امیر شاہ خان صاحب نے اُمیرُ الرِّوایات میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "تحصیل سکندرآباد میں ایک گاؤں ہے حسن پور۔ مَیں نے بھی دیکھا ہے۔ بہت بڑا گاؤں ہے یہ ایک وقت میں مولوی محمد اسحاق صاحب (دہلوی جو مشہور اساتذۂ حدیث میں ہیں) اور مولوی محمد یعقوب صاحب کا تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب (کاندھلوی) فرماتے تھے کہ مولوی محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب نہایت سخی تھے اور اکثر تنگی کی وجہ سے کچھ ملول رہتے تھے۔ لیکن ایک روز مَیں نے دیکھا کہ دونوں بھائی نہایت ہشّاش بشّاش ہیں اور خوشی میں اِدھر سے اُدھر آتے جاتے ہیں اور کتابیں یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں رکھتے اور خوشی کے لہجہ میں آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ مَیں یہ دیکھ کر یہ سمجھا کہ شاید آج کوئی بڑی رقم ہندوستان سے آگئی (دونوں حضرات مکّۂ مکرّمہ میں تشریف فرما تھے) جس سے یہ اس قدر خوش ہیں۔ یہ سمجھ کر مَیں نے چاہا کہ واقعہ دریافت کروں، مگر بڑے میاں سے تو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ چھوٹے میاں سے پوچھا کہ حضرت آپ آج بہت خوش نظر آتے ہیں آکی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے تعجب کے لہجہ میں فرمایا کہ تم نے نہیں سُنا؟ مَیں نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ ہمارا گاؤں حسن پور ضبط ہوگیا۔ یہ خوشی اس کی ہے کیوں کہ جب تک وہ تھا ہم کو خدا پر پورا توکّل نہ تھا اور اب صرف خُدا پر بھروسہ رہ گیا۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ اس واقعہ پر لکھتے ہیں کہ مجھے حضرت غوثِ پاکؒ کی خوشی یاد آگئی، کہ جس وقت خادم نے ایک قیمتی آئینہ کے ٹوٹ جانے کی ڈرتے ڈرتے اس مِصرعہ سے اِطلاع دی کہ ع

از قضا آئینہ چینی شکست

آپ نے فِی البَدِیہہ فرمایا ع

خُوب شُد اسباب خود بینی شکست (امیر الروایات)

پہلے مصرعہ کا ترجمہ یہ ہے کہ "تقدیر سے چینی آئینہ ٹُوٹ گیا"۔ دوسرے کا ترجمہ ہے "بہت اچھا ہوا کہ خود بینی کے اسباب جاتے رہے"۔ فقط۔

عَنْ عَائِشَۃَ رضؓ قَالَتْ مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ شَعِیْرٍ یَوْمَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ حَتّٰی قُبِضَ (رواہ الترمذی فی الشمائل)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تمام عمر میں اپنی وفات تک کبھی جَو کی روٹی بھی دو دن لگاتار پیٹ بھر کر نوش نہیں فرمائی۔

ف: یہی حضورؐ کی زندگی تھی۔ دو چار حدیثوں میں نہیں سینکڑوں احادیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زندگی کا یہی نقشہ موجود ہے۔ آج مسلمانوں کے فقر و فاقہ کا اس قدر شور ہے کہ حد نہیں مگر کتنے آدمی ایسے ہوں گے جنکو عمر بھر میں دو دن بھی پیٹ بھر کر معمولی روٹی نہ ملی ہو۔ شمائل ہی کی ایک اور حدیث میں حضرت عائشہؓ حضورؐ کے سارے گھرانے کا یہی عمل نقل کرتی ہیں کہ حضورؐ کے گھر والوں نے حضورؐ کی وفات تک کبھی بھی دو دن لگاتار جَو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ پر کئی کئی راتیں مُسلسل ایسی گذر جاتی تھیں کہ حضورؐ کو اور حضورؐ کے گھر والوں کو شام کو کھانا مُیَسَّر نہیں ہوتا تھا۔ رات بھر سب کے سب فاقہ سے گذار دیتے تھے اور جَو کی روٹی پر حضورؐ کا گذارہ تھا۔

حضرت سَہلؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضورؐ کا معمول چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھاتے کا تھا؟ حضرت سَہلؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے وِصال تک چھنے ہوئے آٹے کو دیکھا بھی نہ ہوگا۔ پھر اُس نے پوچھا۔

کیا حضورؐ کے زمانہ میں آپ حضرات کے یہاں چھلنیاں نہیں تھیں ؟ حضرت سہلؓ نے فرمایا کہ چھلنیوں کا دستور نہیں تھا۔ انہوں نے (تعجب سے) پوچھا کہ بغیر چھنے جو کے آٹے کو کیونکر کھاتے تھے ؟ حضرت سہلؓ نے فرمایا کہ آٹے (کو حرکت دیکر اس) میں پھونک مار دیا کرتے تھے۔ جس سے (موٹے موٹے) تنکے اُڑ جاتے تھے، باقی کو پکا لیا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

فائدہ: آج گیہوں کی روٹی بغیر چھنے آٹے کی کھانا مشکل سمجھا جاتا ہے۔ یہ حضرات جو کے آٹے کی روٹی بغیر چھنے نوش فرماتے تھے۔ وہ بھی پیٹ بھر کر نہ ملتی تھی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب میں پیٹ بھر کر کھانا کھاتی ہوں تو میرا رونے کو (بے اختیار) دل چاہتا ہے۔ پس رونے لگتی ہوں۔ کسی نے عرض کیا۔ یہ کیا بات ہے ؟ فرمانے لگیں، مجھے حضورؐ کا زمانہ یاد آجاتا ہے، کہ گوشت سے یا روٹی سے کبھی بھی حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو وصال تک دن میں دو مرتبہ پیٹ بھر کر تناول فرمانے کی نوبت نہیں آئی۔ (شمائل)

سعید مقبریؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کا ایک جماعت پر گذر ہوا۔ وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے، اور مرغی بھنی ہوئی اُن کے سامنے رکھی تھی۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی تواضع کی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے انکار فرما دیا۔ اور یہ فرمایا کہ حضورؐ اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ جو کی روٹی سے پیٹ بھرنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ (مشکوٰۃ) میرا کس طرح دل چاہے کہ مرغ کھاؤں۔ حضرت ابوہریرہؓ کا یہ ارشاد عام حالت کے اعتبار سے ہے، ورنہ مرغی کا کھانا حضورؐ سے بھی ثابت ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اکثر بھوکے رہتے تھے بغیر ناداری کے۔ یعنی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کھانا موجود ہو پھر بھی حضورؐ کم تناول فرماتے تھے۔ اس لئے کہ بھوکے رہنے سے انوار کی کثرت ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص دنیا میں کھانے پینے کی مقدار کم رکھتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس پر فرشتوں کے سامنے تفاخر کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں، کہ دیکھو، میں نے اس کو کھانے پینے کی کمی میں مبتلا کیا، اس نے صبر کیا۔ تم گواہ رہو کہ جو لقمہ اس نے کم کیا ہے اس کے بدلہ میں جنت کے درجے اسکے لئے تجویز کرتا ہوں (احیاء)۔

یہ بات ہر جگہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اپنے اختیار سے اتنی کمی ہرگز نہ کرے جو صحت کو مضر ہو کر

دوسرے دینی کاموں میں نقصان کا سبب ہو۔ اسی وجہ سے روزہ میں سحری کو سُنّت قرار دیا گیا کہ روزہ میں ضُعف نہ پیدا ہو۔ اسی وجہ سے دوپہر کا سونا سُنّت قرار دیا گیا کہ رات کے جاگنے میں مُعین ہو۔

حُضورؐ کا اِرشاد ہے کہ کوئی برتن بھرنے کے اعتبار سے پیٹ سے بُرا نہیں ہے۔ (یعنی جتنا پیٹ کا بھرنا بُرا ہے اتنا کسی برتن کا بھرنا بُرا نہیں ہے) اور چونکہ مجبوری ہے، کھانا پڑتا ہی ہے، اس لئے ایک تہائی پیٹ کھانے کیلئے، ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی سانس کیلئے رکھنا چاہیئے۔

ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ ایک روٹی کا ٹکڑا حُضورؐ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں، حُضورؐ نے فرمایا۔ یہ کیا چیز ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے آج روٹی پکائی تھی۔ میرے دِل نے بغیر آپ کے نوش فرمائے، کھانا گوارا نہ کیا۔ حُضورؐ نے فرمایا کہ تین دن کے اندر یہ پہلی چیز ہے جو تمہارے باپ کے مُنہ میں جارہی ہے (یعنی تین دن سے کوئی چیز کھانے کی نوبت نہیں آئی)

حُضورؐ کا اِرشاد ہے کہ دُنیا میں جو لوگ بھُوکے رہنے والے ہیں آخرت میں وہی لوگ پیٹ بھرنے والے ہیں۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ کو وہ شخص بہت ناپسند ہے جو اتنا کھائے کہ بدہضمی ہو جائے۔ جو شخص کسی ایسی چیز کے کھانے کو ترک کرے جس کو دِل چاہتا ہے اس کے لئے جنّت میں درجے ہیں۔

حضرت عُمرؓ کا اِرشاد ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے احتیاط رکھو، یہ زندگی میں بھاری پن کا سبب ہے اور مرنے کے وقت گندگی اور عُفُونت ہے۔

حضرت شَقِیق بَلخیؒ کا اِرشاد ہے کہ عبادت ایک پیشہ ہے جس کی دکان تنہائی ہے اور اس کا آلہ (جس سے پیشہ کیا جائے) بھُوکا رہنا ہے۔

حضرت فُضَیلؒ اپنے دِل سے فرمایا کرتے تھے کہ تُو بھُوکا رہنے سے ڈرتا ہے۔ یہ ڈرنے کی چیز نہیں ہے۔ تیری کیا حقیقت ہے جب حُضُورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور صحابۂ کرامؓ بھُوکے رہ چکے ہیں۔ حضرت فُضَیلؒ یہ بھی کہا کرتے، یا اللہ تُو نے مجھے اور میرے اہل و عیال کو بھُوکا رکھا، اندھیری راتوں میں بغیر روشنی کے رکھا، یہ تو تُو اپنے نیک بندوں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ یا اللہ تُو نے مجھے یہ دولت کس عمل پر عطا فرمائی۔ یعنی اس پر تعجُّب کیا کرتے تھے کہ میں (اپنے خیال کے موافق) نیک تو ہوں نہیں۔ پھر یہ نیک لوگوں کا سا برتاؤ میرے ساتھ کس عمل کے صلہ میں ہے۔ حضرت کہمسؒ فرمایا کرتے تھے۔ یا اللہ تُو نے مجھے بھُوکا رکھا ننگا رکھا، اندھیری راتوں میں بغیر چراغ کے رکھا،

(میں تو ان احسانات کے قابل نہ تھا یہ درجے) کن چیزوں کی وجہ سے مجھے ملے۔ حضرت فتح موصلیؒ کو جب کوئی سخت بیماری لاحق ہوتی یا بھوک کی شدت ہوتی تو کہتے۔ یا اللہ تو نے مجھے بھوک اور مرض میں مبتلا کیا۔ اور تو یہ ابتلاء اپنے نیک بندوں کو دیا کرتا ہے۔ میں کس نیک عمل سے تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں

مالک بن دینارؒ نے محمد بن واسعؒ سے کہا۔ بڑا مبارک ہے وہ شخص جس کے لئے معمولی سی پیداوار ایسی ہو جس سے وہ زندہ رہ سکے، اور لوگوں سے مانگنے کا محتاج نہ ہو۔ محمد بن واسعؒ نے فرمایا۔ مبارک وہ شخص ہے جو صبح کو بھی بھوکا رہے، شام کو بھی بھوکا رہے اور اس پر بھی اپنے رب سے راضی رہے۔ تورات میں لکھا ہے کہ جب تو پیٹ بھر کر کھانا کھایا کرے، تو بھوکے آدمیوں کا بھی دل میں خیال لے آیا کر۔ ابو سلیمانؒ کہتے ہیں کہ میں رات کے کھانے میں سے ایک لقمہ کم کھاؤں، یہ مجھے ساری رات کے جاگنے سے زیادہ پسند ہے۔ اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بھوک اللہ کا ایسا خزانہ ہے جو اپنے دوستوں ہی کو دیتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ مسلسل بیس بیس دن سے زیادہ بھوکے گذار دیتے تھے، اور اُن کی سال بھر کی غذا کی میزان ایک درم یعنی ۳۰ر ہوتی تھی۔ یہ بھوکے رہنے کی بڑی ترغیب دیا کرتے۔ یہاں تک کہا کرتے تھے کہ ضرورت سے زائد کھانا چھوڑنے کی برابر کوئی بھی نیک عمل نہیں۔ اس لئے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اتباع ہے۔ اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ حکمت اور علم بھوکے رہنے میں ہے۔ اور جہل اور گناہ پیٹ بھر کر کھانے میں مرکوز ہے۔ اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آدمی ابدال میں سے نہیں ہو سکتا، جب تک بھوکا رہنے اور چپ رہنے اور راتوں کو جاگنے کا عادی نہ ہو، اور تنہائی کو پسند نہ کرتا ہو۔ اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص بھوکا رہتا ہے اُس کو وسوسے کم آیا کرتے ہیں۔

عبدالواحد بن زیدؒ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ کسی شخص کی صفائی بغیر بھوکا رہنے کے نہیں کرتے۔ اور اسی کی وجہ سے بزرگ پانی پر چلا کرتے ہیں، اسی کی وجہ سے اُن کو طیّ الارض حاصل ہوتا ہے (احیاء) طیّ الارض بزرگوں کی ایک خاص رفتار کا نام ہے جس کی وجہ سے چند قدم میں ہزاروں میل طے کر لیتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بھوکے رہنے میں دس فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) دل کی صفائی اس سے حاصل ہوتی ہے۔ طبیعت تیز ہوتی ہے۔ بصیرت بڑھ جاتی ہے، اس لئے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے طبیعت میں بلادت آتی ہے اور دل کا نور جاتا رہتا ہے۔ معدے کے

بُخارات دماغ کو گھیر لیتے ہیں جس کا اثر دل پر بھی پڑتا ہے، کہ وہ فکر میں دوڑنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ بلکہ کم عمر بچہ اگر زیادہ کھانے لگے تو اس کا حافظہ بھی خراب ہو جاتا ہے۔ ذہن بھی کُند ہو جاتا ہے۔ اَبُو سُلَیمان دَارَانیؒ فرماتے ہیں کہ بھُوکا رہنے کی عادت پیدا کرو، یہ نفس کو مُطیع کرتا ہے، دِل کو نرم کرتا ہے، اور آسمانی عُلُوم اس سے حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت شِبلیؒ فرماتے ہیں کہ مَیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس دن بھُوکا رہا، مَیں نے اپنے اندر عبرت اور حکمت کا ایک دروازہ کھُلا ہُوا پایا۔ اسی وجہ سے حضرت لُقمانؑ کی اپنے بیٹے کو نصیحت ہے کہ بیٹا جب معدہ بھر جاتا ہے تو فکر سو جاتا ہے اور حکمت گونگی ہو جاتی ہے، اور اَعْضاء عبادت سے سُست پڑ جاتے ہیں۔ اَبُویزید بُسطامیؒ فرماتے ہیں کہ بھُوک ایک اَبْر ہے، جب آدمی بھُوکا ہوتا ہے تو وہ اَبْر دِل پر حکمت کی بارِش کرتا ہے۔

(۲) دوسرا فائدہ دِل کا نرم ہونا ہے جس سے ذِکر وغیرہ کا اثر دل پر ہوتا ہے۔ بسا اوقات آدمی بڑی توَجُّہ سے ذِکر کرتا ہے لیکن دِل اُس سے لذّت حاصل نہیں کرتا، اور نہ اس سے مُتأثِر ہوتا ہے۔ اور جس وقت دل نرم ہوتا ہے تو ذکر میں بھی لذّت آتی ہے۔ دعاء اور مُناجات میں بھی مزہ آتا ہے۔

اَبُو سُلَیمان دَارانیؒ کہتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ عبادت میں مزہ جب آتا ہے جب میرا پیٹ بھُوک کی وجہ سے کمر کو لگ جائے۔

حضرت جُنَیدؒ بغدادی فرماتے ہیں کہ آدمی حق تعالیٰ شَانُہٗ کے اور اپنے سینے کے درمیان ایک جھولی کھانے کی کر لیتا ہے، پھر یہ بھی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مُناجات کی حَلاوت بھی نصیب ہو (پیٹ بھرنے کو فقیر کی جھولی بھرنے سے تشبیہ دی ہے)۔

(۳) تیسرا فائدہ یہ ہے کہ آدمی میں عاجزی، مَسْکَنَت پیدا ہوتی ہے اور اکڑ مکڑ جاتی رہتی ہے، جو سرکشی اور اللہ تعالیٰ شَانُہٗ سے غفلت کا سرچشمہ ہے۔ نفس کسی چیز سے بھی اتنا زیر نہیں ہوتا جتنا بھُوکا رہنے سے ہوتا ہے۔ اور آدمی جب تک اپنے نفس کی ذِلّت اور عاجزی نہیں دیکھتا اُسوقت تک اپنے مولیٰ کی عزّت اور اس کا غلبہ نہیں دیکھ سکتا۔ آدمی کو چاہیئے کہ کثرت سے بھُوکا رہے تاکہ ذوق سے اپنے مولیٰ کی طرف مُتوَجِّہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حق تعالیٰ شَانُہٗ نے حضُور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر یہ پیش فرمایا کہ مکّہ مکرّمہ کی ساری زمین سونے کی کر دی جائے تو حضُورؐ نے عرض

کیا یا اللہ یہ نہیں بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں۔ تاکہ جس دن بھوکا رہوں تو صبر کروں اور تیری طرف عاجزی کروں (تجھ سے مانگوں) اور جس دن کھاؤں، اُس دن تیرا شکر ادا کروں۔

(۴) چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اہلِ مصیبت اور فاقہ زدوں سے غفلت پیدا نہیں ہوتی۔ پیٹ بھرے آدمی کو بالکل اندازہ نہیں ہوتا کہ بھوکوں اور محتاجوں پر کیا گذر رہی ہے۔

حضرت یوسف علیٰ نبیّنا وعلیہ السّلام سے کسی نے عرض کیا کہ زمین کے خزانے تو آپ کے قبضہ میں ہیں پھر بھی آپ بھوکے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ خود پیٹ بھر لینے سے کہیں بھوکوں کو نہ بھول جاؤں۔ اور بھوکے پیاسے رہنے سے قیامت کے دن کی بھوک اور پیاس کی یاد بھی تازہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ کے عذاب کا خوف بھی پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد آجاتا ہے کہ بھوک اور پیاس کی شدّت میں جہنم میں کھانا کیا ملیگا۔ وہ جو حلق میں اٹک جائے۔ اور پینے کو کیا ملیگا، جہنمیوں کے زخموں کا لہو اور پیپ۔

(۵) پانچواں فائدہ جو اصل اور اہم ہے، گناہوں سے بچنا ہے۔ کہ پیٹ بھرنا ہی ساری شہوتوں کی جڑ ہے۔ اور بھوکا رہنا ہر قسم کی شہوت کو توڑتا ہے۔ اور آدمی کے لئے بڑی سعادت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس پر قابو رکھے۔ اور بڑی بدبختی یہ ہے کہ اُس کا نفس اُس پر قابو پا جائے، اور جیسا کہ سرکش گھوڑے کو بھوکا رکھ کر قابو میں رکھا جا سکتا ہے، اور جب وہ خوب کھاتا پیتا رہتا ہے تو سرکش ہو جاتا ہے، اسی طرح نفس کا بھی حال ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بڑھاپے میں بھی اپنے بدن کی خبر گیری نہیں کرتے (کچھ طاقت اور قوت کی چیزیں کھانے کی ضرورت ہے) وہ فرمانے لگے کہ یہ نفس نشاط کی طرف بڑی تیزی سے چلنے والا ہے، مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں مجھے کسی گناہ کی مصیبت میں نہ پھانس دے۔ اس لئے میں اُس کو مشقّت میں ڈالے رکھوں، یہ مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ وہ مجھے کسی گناہ کی ہلاکت میں ڈال دے۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ سب سے پہلی بدعت جو حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد پیدا ہوئی، وہ پیٹ بھر کر کھانے کی ہے۔ جب آدمیوں کے پیٹ بھر جاتے ہیں تو اُن کے نفوس دُنیا کی طرف جھکنے لگتے ہیں۔ اور یہ فائدہ جو ذکر کیا جا رہا ہے ایک ہی فائدہ نہیں بلکہ فوائد کا خزانہ ہے۔

اور اس میں کم سے کم جو فائدہ ہے وہ شرمگاہ کی شہوت اور فضول بات کی خواہش کا چھوٹنا ہے۔ اس لئے کہ بھوکے آدمی کا دِل فضول باتیں کرنے کو نہیں چاہا کرتا۔ اور اسی ایک بات کی وجہ سے آدمی غیبت سے، جھوٹ سے، فحش بات کرنے سے، چغلی وغیرہ بہت سی چیزوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے۔ اور پیٹ بھرنے پر آدمی کا دِل تفریحی باتوں کو چاہا کرتا ہے، اور عام طور سے ہم لوگوں کی تفریحیں آدمیوں کی آبروؤں سے ہی ہوتی ہیں اور حضورؐ کا پاک اِرشاد ہے کہ زبان کی کھیتیاں ہی آدمی کو (اکثر) جہنّم میں ڈالتی ہیں۔ اور شرمگاہ کی شہوت کی ہلاکت تو کسی سے بھی مخفی نہیں ہے۔ اور آدمی کا جب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو پھر شرمگاہ پر قدرت دُشوار ہو جاتی ہے۔ اور اگر اللہ کے خوف سے آدمی اس پر قدرت پا بھی لے تب بھی آنکھ کا گناہ (ناجائز طریقے سے کسی عورت یا مرد کو دیکھنا) تو ہو ہی جاتا ہے۔ حضورؐ کا اِرشاد ہے کہ آنکھ بھی زنا کرتی ہے۔ جیسا کہ شرمگاہ زنا کرتی ہے۔ اور اگر آدمی آنکھ بند کر کے اس پر بھی قدرت پالے تب بھی جس کو دیکھا جا چکا ہے اُس کا خیال تو دِل میں آتا ہی رہیگا۔ اور شہوت کے خیالات حق تعالیٰ شانہٗ سے مُناجات کی لذّت کو کھو دیتے ہیں، اور بسا اوقات یہ فاسد خیالات نماز میں بھی آجاتے ہیں۔ زبان اور شرمگاہ مثال کے طور پر ذکر کر دیئے۔ ورنہ ساتوں اَعضاء کے سارے گناہ اسی قوّت سے پیدا ہوتے ہیں جو پیٹ بھرنے سے حاصل ہوئی ہے۔

(۶) چھٹا فائدہ یہ ہے کہ کم کھانے سے نیند کم آتی ہے۔ کثرت سے جاگنے کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے پیاس خُوب لگتی ہے، اور پانی پینے سے نیند خوب آتی ہے۔ مشائخ کا مقولہ ہے کہ زیادہ نہ کھاؤ ورنہ زیادہ پانی پیوگے، پھر زیادہ سوؤگے جس کی وجہ سے زیادہ خسارہ میں رہوگے۔

کہتے ہیں کہ ستّر حکیموں کا اس پر اِتّفاق ہے کہ زیادہ پانی پینے سے زیادہ نیند آتی ہے، اور زیادہ سونے میں عمر کا بہت بڑا حصّہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اور تہجّد کا فوت ہو جانا علیحدہ رہا۔ نیز زیادہ سونے سے طبیعت کی بَلادت اور دِل کی قَساوت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور بیوی پاس نہ ہو تو اِحتلام کا سبب بھی ہوتا ہے۔ پھر غسل کے اَسباب مُہیّا نہ ہونے میں اکثر تہجّد بھی فوت ہو جاتا ہے۔

(۷) ساتواں فائدہ عبادت پر سُہولت سے قادر ہونا ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے اکثر کاہلی پیدا ہوتی ہے جو عبادت کو مانع ہوتی ہے۔ اور خود کھانے ہی میں بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ اور

اگر اس کو تیار بھی کرنا پڑے تو اور بھی زیادہ اضاعتِ وقت ہے۔ پھر کھانے کے بعد ہاتھ دھونا، خلال کرنا، پھر بار بار اُٹھ کر پانی پینا، ان سب اوقات کا حساب لگایا جائے تو کتنا وقت ہوا۔ اگر یہ سارا وقت اللہ کی یاد میں اور دوسری عبادتوں میں خرچ ہوتا تو کتنا نفع کماتا۔

حضرت سَری سَقطیؒ فرماتے ہیں کہ مَیں نے علی جرجانیؒ کے ساتھ ستّو دیکھا جس کو وہ پھانک رہے تھے۔ مَیں نے پوچھا کہ ستّو کی عادت کیسے پڑگئی۔ فرمانے لگے کہ مَیں نے جو حساب لگایا تو لقمہ منہ میں رکھنے سے اس کے نگلنے تک ستّر مرتبہ سُبْحَانَ اللہ کہنے کا وقت ملتا ہے اس وجہ سے مَیں نے چالیس سال سے روٹی نہیں کھائی کہ اس کے چبانے میں بہت دیر لگتی ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ آدمی کا ہر سانس بہت بڑا قیمتی جوہر ہے۔ جس کو آخرت کے خزانہ میں محفوظ کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ وہ کبھی ضائع نہ ہو۔ اور اس کی صورت صرف یہی ہے کہ اس سانس کو اللہ کے ذکر یا کسی اور عبادت میں صرف کردے۔ اس کے علاوہ کھانا زیادہ کھانے سے وضو کم ٹھیرتی ہے۔ اِستنجے کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے، اور ان اُمور کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ ان میں وقت ضائع ہوتا ہے، مسجد میں زیادہ اوقات نہیں گذار سکتا کہ بار بار ان ضروریات کی وجہ سے نکلنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ روزہ بھی اس کو بہت سہل ہوتا ہے جو بھوکا رہنے کا عادی ہو جائے۔ غرض روزہ، اِعتکاف اور کثرت سے باوضو رہنا اور کھانے پینے کے اوقات کو عبادت میں خرچ کرنا، اتنے کثیر فائدے ہیں جن کا شمار نہیں ہے۔ اسکی قدر وہ غافل لوگ کیا جانیں جن کو دین کی قدر ہی نہیں ہے۔ وہ دُنیا کی چند روزہ زندگی پر راضی ہو کر مُطْمَئِن ہوگئے، پس دُنیا ہی کے حالات کو جانتے ہیں۔ ان کو آخرت کی خبر ہی نہیں کیا چیز ہے۔

(۸) آٹھواں فائدہ کم کھانے میں بدن کی صحت ہے کہ بہت سے اَمراض زیادہ کھانے ہی سے پیدا ہوتے ہیں کہ اس کی وجہ سے مِعدہ میں، اور رگوں میں اَخلاطِ رَدِیَّہ جمع ہو جاتے ہیں، جن سے طرح طرح کے اَمراض پیدا ہوتے ہیں، اور اَمراض، قطع نظر اس کے کہ صحت کے مُنافی ہے، عبادات سے بھی مانع ہوتے ہیں۔ دل کو تَشْوِیش میں ڈالتے ہیں۔ ذکر و فکر سے مانع ہونے کے علاوہ دوا، پرہیز، حکیم، ڈاکٹر، فصد کھولنے والا، جونکیں لگانے والا، غرض ایک لمبا چوڑا جھگڑا آدمی کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے، پھر ان سب چیزوں میں مَشقّت علیحدہ ہے، خرچ علیحدہ ہے اور بھوکے رہنے میں ان سب آفات سے امن ہے

کہتے ہیں ہارون رشیدؒ نے ایک مرتبہ چار ماہر حکیموں کو جمع کیا۔ ایک ہندی ماہر، دوسرا رومی (انگریزی) تیسرا عراقی، چوتھا سوادی (سواد کا رہنے والا) اور چاروں سے دریافت کیا۔ کوئی ایسی دوا بتاؤ جو کسی چیز کو نقصان نہ کرتی ہو۔ ہندی نے کہا۔ میرے خیال میں ایسی دوا جو کسی چیز کو نقصان نہیں کرتی اِہْلِیلَجِ اَسْوَدْ (ہلیلۂ سیاہ) ہے۔ عراقی نے کہا میرے خیال میں حَبُّ الرَّشَادِ الْاَبْیَض (جس کو فارسی میں تخم سپندان اور ہندی میں ہالون کہتے ہیں) رومی نے کہا کہ میرے نزدیک گرم پانی ہے یعنی وہ کسی چیز کو مُضر نہیں ہے۔ سوادی نے کہا کہ یہ سب غلط ہے۔ ہلیلہ معدہ کو روندتا ہے (پاؤں سے کسی چیز کو مسلنا) اور یہ بیماری ہے (اس کے علاوہ جگر کے لئے بھی مُضر ہے۔ زکریا) اور حبُّ الرشاد معدہ میں پھسلن پیدا کرتا ہے۔ اور گرم پانی معدہ کو ڈھیلا کرتا ہے۔ ان سب طبیبوں نے کہا پھر تم بتاؤ ایسی کیا دوا ہے جو کسی کو نقصان نہیں کرتی۔ سوادی نے کہا کہ کھانا اس وقت تک نہ کھایا جائے جب تک خوب رغبت پیدا نہ ہو، اور ایسی حالت میں ختم کیا جائے کہ زیادہ کی رغبت باقی ہو۔ بقیہ تینوں طبیبوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا۔

ایک فلسفی حکیم کے سامنے حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ تہائی پیٹ کھانے کے لئے، تہائی پانی کے لئے اور تہائی سانس لینے کیلئے اُس نے سُن کر بڑا ہی تعجب کیا، اور کہا کہ کھانا کم کھانے میں اس سے بہتر اور مضبوط بات مَیں نے آج تک نہیں سُنی۔ بیشک یہ حکیم کا کلام ہے۔

(۹) نواں فائدہ اخراجات کی کمی ہے جو شخص کم کھانے کا عادی ہوگا اس کا خرچ بھی کم ہوگا، اور زیادہ کھانے میں اخراجات بھی بڑھیں گے۔ جن کے حاصل کرنے کے لئے یا تو ناجائز طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہوگا یا لوگوں سے مانگنے کی ذلت اختیار کریگا۔ (حضرت سہل تستریؒ کا حال قریب ہی گذر چکا ہے کہ اُن کے کھانے کی میزان سال بھر کی ۳۰.۰ رہوتی تھی)۔

ایک حکیم کا قول ہے کہ مَیں اپنی اکثر ضرورتیں ترک کر دینے سے پوری کرتا ہوں۔ جس سے مجھے بڑی یکسوئی اور راحت رہتی ہے۔

ایک اور حکیم کا قول ہے کہ جب مجھے اپنی کسی ضرورت کے پورا کرنے کے لئے کسی سے قرض کی ضرورت ہوتی ہے تو میں اپنے نفس ہی سے قرض مانگ لیتا ہوں۔ اُس کو سمجھا دیتا ہوں کہ اسکو پھر کسی وقت ادا کروں گا۔ یعنی تیری خواہش اسوقت میرے ذمّہ قرض ہے اس کو کسی دوسرے وقت پوری کر دونگا۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ جب کسی چیز کا نرخ معلوم کرتے کہ وہ بہت گراں ہے تو اپنے دوستوں سے

فرماتے کہ اس کو چھوڑ کر ارزاں کر دو (جس چیز کا خریدنا آدمی چھوڑ دے، اپنی طرف سے تو وہ ٹکہ سیر ہو ہی گئی۔ اپنی بلا سے جتنے میں چاہے بکے) آدمی کی ہلاکت کا بڑا سبب دُنیا کی حرص ہے، اور یہ حرص پیٹ اور شرمگاہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور شرمگاہ کی قوت بھی پیٹ کی قوت سے ہوتی ہے، اور کھانا کم کھانے میں ان سب آفتوں سے امن ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ جس کو بھی نصیب فرمادے۔

(۱۰) دسواں فائدہ اِیثار، ہمدردی اور صَدقات کی کثرت کا سبب ہے۔ کم کھانے کی وجہ سے جتنا کھانا کم بچے گا وہ یتامیٰ، مساکین، غُربار پر صدقہ ہو کر قیامت میں اس کے لئے سایہ بنے گا کہ حضورؐ کا پاک ارشاد پہلے گذر چکا ہے کہ آدمی قیامت کے دن اپنے صدقے کے سایہ کے نیچے ہوگا۔ اور جتنا زیادہ کھائے گا وہ پاخانہ بن کر کوڑی پر جمع ہوتا رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں جو جمع ہو گیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کام آتا رہے گا اور جو پاخانہ ہو گیا وہ ضائع گیا۔ اسی لئے حُضورؐ کا اِرشاد ہے جو پہلے بھی گذر چکا کہ آدمی کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ اس کے لئے اُس کے مال میں سے بجز تین چیز کے کچھ نہیں ہے۔ ایک وہ جو صدقہ کر دیا اور ہمیشہ کے لئے اس کو محفوظ کر لیا۔ دوسرا وہ جو کھا لیا اور کھا کر ختم کر دیا۔ تیسرا وہ جو پہن کر پُرانا کر دیا۔ اس کے علاوہ جو ہے دوسروں کا مال ہے، وارثوں کا حصّہ ہے۔ اس کا اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔

اس کے عِلاوہ صَدقات کے فضائل کثرت سے گذر ہی چکے ہیں۔ یہ دسؔ فوائد کم کھانے کے نہایت اِختصار سے ذکر کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک فائدہ اپنے اندر بے شمار فائدے رکھتا ہے۔ (احیاء)

یہ بات قابلِ لحاظ ہے جو پہلے بھی مُتعَدِد بار لکھی جا چکی ہے کہ ان فضائل کے حق ہونے میں تردُّد نہیں یقیناً یہ وہ کمالات ہیں کہ جس خوش نصیب کو حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لُطف سے عطا فرماوے، اس کے لئے دین اور دُنیا دونوں کی راحت ہے اور آخرت کے لئے بے شمار درجات اور ترقّیات کا زینہ یہی چیزیں ہیں لیکن اپنے تحمُّل کی رعایت ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوا چلا تھا ہنس کی چال وہ اپنی بھی بھول گیا۔ زیادہ کے شوق میں آدمی تھوڑے سے بھی جاتا رہے۔ اس لئے ان سب چیزوں کی طرف دِل کو رغبت دیتے رہنے کے ساتھ ان چیزوں کے اور اس طرزِ زندگی کے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کے ساتھ اور ان اُمور کو نہایت وُقعت سے دیکھنے کے ساتھ عمل اتنا ہی کرنا چاہیئے جتنا اپنے اندر تحمُّل ہو۔ بیمار آدمی طاقت سے زیادہ بوجھ اُٹھائیگا تو جلدی مرے گا۔ ہم لوگ نفس کی بیماریوں کے بیمار ہیں۔ اعضاء اور قُویٰ کے ضُعف مارے ہوئے ہیں۔ اس لئے صحت کی تمنّا اور کوشش، سعی اور رغبت کے ساتھ ایسی کوئی چیز عملی طور سے اختیار نہ کرنا چاہیئے جو اس حالت سے

بھی گرادے جس پر اب موجود ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کم کھانے کی عادت آہستہ آہستہ پیدا کرنی چاہیئے۔ جو شخص زیادہ کھانے کا عادی ہو وہ دفعتاً کم کرے گا تو اس کا تحمل بھی نہ ہوگا، ضعف بھی ہو جائے گا، مشقت بھی بڑھ جائے گی۔ اس لئے، بہت آہستگی اور سہولت کے ساتھ اسکو اختیار کرنا چاہیئے۔ مثلاً اگر کوئی شخص دو نان کھاتا ہو تو اس کو ایک نان کا اٹھائیسواں حصہ روزانہ کم کرنا چاہیئے۔ اس سے ایک مہینہ کے اندر آدھی خوراک رہ جائے گی (اور اگر اس کا بھی تحمل دشوار ہو تو چالیسواں حصہ کم کرنا چاہیئے)۔

حضرت سہل تستریؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے مجاہدوں کی ابتداء کس طرح ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا سالانہ خرچ ابتداء میں تین درم تھا (یعنی ۱۰ ۸) ابتداء میں اسکی صورت یہ تھی کہ میں ایک درم کا تو دِبس (انگور یا کھجور کا شیرہ یا رس) لے لیتا تھا۔ اور ایک درم کا چانول کا آٹا، اور ایک درم کا گھی۔ اور ان تینوں کو ملا کر تین سو ساٹھ لڈو بنا لیتا تھا۔ ایک روزانہ روزہ افطار کرنے کے وقت کھا لیتا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ اب کیا معمول ہے؟ فرمایا۔ اب تو کوئی متعین چیز نہیں، جب موقع ہو، کچھ کھا لیتا ہوں (یہ قریب ہی گذر چکا کہ یہ حضرت بیس بیس دن بغیر کھائے گذار دیتے تھے)

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میرا گذران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک صاع جَو (تقریباً ساڑھے تین سیر) فی ہفتہ تھا۔ خدا کی قسم میں اس سے زیادہ مرنے تک کبھی بھی نہ بڑھاؤں گا۔ اس لئے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا کہ تم میں سے مجھے زیادہ محبوب اور قیامت میں مجھ سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مرنے تک اسی حال پر رہے جس پر اب ہے۔

اسی وجہ سے یہ، بعض حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ تم نے وہ طرز چھوڑ دیا جو حضورؐ کے زمانہ میں تھا، تم نے جَو کا آٹا چھاننا شروع کر دیا، حالانکہ اس زمانہ میں نہیں چھانا جاتا تھا۔ تم نے پتلی روٹیاں کھانا شروع کر دیں۔ کئی کئی سالن دسترخوان پر آنے لگے۔ تم حضورؐ کے زمانہ میں ایسے نہیں تھے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی مثال بکری کے بچّہ کی سی ہے جسے ایک مٹھی پرانی کھجور، ایک مٹھی ستو، ایک گھونٹ پانی کافی ہے۔ اور منافق کی مثال درندہ کی سی ہے۔ ہپ ہپ غٹ غٹ جو ہو سب کھا پی لے۔ نہ اپنے پڑوسی کا خیال کرے، نہ دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دے۔ ضرورت سے

زائد چیزیں (خیرات کرکے) آگے بھیج دو (تمہارے کام آئیں گی)

حضرت ابُوبکر صدیق رضؓ چھ یوم کا مُسلسل فاقہ کر لیتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن زُبیر رضؓ سات دن کا فاقہ کر لیتے تھے۔

کہتے ہیں ایک بزرگ کی ایک راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس سے باتیں کرتے رہے، اسی میں اس کو اسلام کی دعوت بھی دے دی۔ اُس نے گفتگو کے دوران میں کہا کہ حضرت مسیح (علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) چالیس دن فاقہ کر لیا کرتے تھے یہ بات معجزہ ہی کے طور پر ہو سکتی ہے، نبی کے علاوہ کسی سے نہیں ہو سکتی۔ اُن بزرگ نے فرمایا کہ اگر میں پچاس دن کا فاقہ کر دوں تب بھی تم مسلمان ہو جاؤ گے؟ اُس راہب نے کہا ضرور۔ یہ وہیں اس کے پاس ہی ٹھہر گئے۔ اسی کے پاس رہتے۔ جب پچاس دن پورے ہو گئے تو کہنے لگے کہ یہ تو وعدے کے تھے، دس دن اور زائد لو۔ یہ کہہ کر دس دن کا فاقہ اور بھی کر دیا۔ پُورے ساٹھ دن بعد کھایا۔ وہ راہب بڑی ہی حیرت میں رہ گیا اور مسلمان ہو گیا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ جب صُبح کو کھانا تناوُل فرما لیتے تھے تو شام کو تناوُل نہ فرماتے تھے اور جب شام کو تناوُل فرما لیتے تھے تو صبح کو تناوُل نہ فرماتے تھے۔ (جامع الصغیر)۔ (یعنی کبھی ایسا بھی معمول تھا)۔ اور بھی پہلے بزرگوں سے ایک وقت کھانے کا معمول نقل کیا گیا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک وقت کھانے کا عادی ہو اُس کیلئے بہتر یہ ہے کہ سحری کے وقت کھائے تاکہ دن میں روزہ کی فضیلت حاصل ہو اور رات کو نوافل اور ذکر وغیرہ معدہ کے خالی ہونے کی حالت میں ہوں۔ حضرت مالک بن دینارؒ کا چالیس سال تک دُودھ کو دل چاہتا رہا مگر استعمال نہیں کیا۔ ایک مرتبہ کہیں سے اُن کی خدمت میں تر و تازہ کھجوریں آئیں۔ اپنے دوستوں سے فرمایا، کہ ان کو کھالو۔ میں نے تو اُن کو چالیس سال سے نہیں چکھا۔ (احیاء)

امام غزالیؒ نے بہت کثرت سے اس قسم کے واقعات ان حضرات کے ذکر فرمائے ہیں انہیں مجاہدوں کی برکات سے ان حضرات سے کرامتوں کا ظہور ہوتا تھا۔ اب ان حضرات کی سی کرامتوں کا تو ہر شخص خواہشمند ہے مگر اس کے لئے ان جیسے مجاہدے بھی تو کئے جائیں۔ ہم لوگوں کو غذائیں تو عمدہ عمدہ اور بہتر سے بہتر چاہئیں پھر مجاہدے کیسے ہوں۔ ایک بزرگ نے اپنے کسی ملنے والے کی دعوت کی، اور ان کے لئے دستر خوان پر روٹیاں رکھیں، وہ ان میں سے اُلٹ پلٹ کر اچھی روٹی تلاش کرنے لگے۔ میزبان بزرگ نے فرمایا۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ جس روٹی کو تم بُری سمجھ کر چھوڑ رہے ہو اسمیں اتنے اتنے تو فوائد ہیں اور اتنی اتنی مشقت اُٹھانے والوں کی اسمیں

محنت ہوتی ہے کہ بہت سے کام کرنے والوں کے عمل کے بعد ابر میں پانی آیا۔ پھر وہ برسا۔ پھر ہواؤں کی زمین کی، چوپایوں کی، آدمیوں کی محنت اس میں لگی، جب تو یہ روٹی تمہارے سامنے آئی، اس کے بعد تم اس میں اچھی بُری چھانٹنے لگے۔

کہتے ہیں کہ ایک روٹی پک کر تمہارے سامنے اس وقت تک نہیں آتی جبتک اس میں تین سو ساٹھ کام کرنے والوں کا عمل نہیں ہوتا۔ سب سے اوّل حضرت میکائیل عَلَیْہِ السَّلَام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانہ سے ناپ کر چیز نکالتے ہیں پھر وہ فرشتے جو اَبر پر مامور ہیں اور بادلوں کو چلاتے ہیں۔ پھر چاند، سورج، آسمان، پھر وہ فرشتے جو ہواؤں پر مامور ہیں، پھر چوپائے، سب سے آخر میں روٹی پکانے والے۔ سچ ہے پاک اِرشاد میرے رب سُبْحَانَہٗ وتقدّس کا وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم - ع ۵)۔ ”اگر تم اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت (اور اسکی تفصیلات) کو شمار کرنے لگو تو کبھی بھی پوری نہیں گن سکتے۔“

اس کے بعد نہایت اَہم اور قابلِ لحاظ چیز یہ بھی ہے کہ کم کھانے کی اگر صورت اختیار کرے تو اس میں ریا اور حُبِّ جاہ سے بچنے کا بھی بہت اہتمام رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ بھُوکا بھی مرے اور نفس بجائے صالح بننے کے اور زیادہ فاسد بن جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص کھانے کی خواہش سے بھاگ کر ریا کی خواہش میں پھنس جائے وہ ایسا ہے جیسا کہ بچھو سے بھاگ کر سانپ کے منہ میں چلا جائے۔ (احیاء)

الغرض کم کھانا محمُود ہے۔ دین اور دُنیا دونوں کے کثیر فائدے اس میں ہیں۔ بشرطیکہ ضُعف یا ریاء وغیرہ کسی دوسرے خطرہ میں نہ پڑ جائے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ حضُورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زندگی کو، حضُورؐ کی مَعِیْشت اور مُعاشرت، حضُورؐ کے فقر اور فاقہ کو ذہن میں رکھے۔ دِل سے اسکو پسند کرتا رہے کہ اصل چیز وہی ہے۔ حضُورؐ نے جو طرز اختیار فرمایا تھا وہ ناداری اور مجبوری سے نہیں تھا۔ اس وجہ سے نہیں تھا کہ مُیسّر نہیں آسکتا تھا بلکہ خوشی اور رغبت سے اِسی طرز کو پسند فرمایا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ حق تعالیٰ شانُہٗ سے روزی کی وُسعت نہیں مانگ لیتے؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں یہ کہہ کر اور حضُورؐ کی بھُوک کی شدت کو دیکھ رو پڑی۔ حضُورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں اپنے رب سے یہ مانگوں کہ سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلا کریں تو حق تعالیٰ شانُہٗ ان کو بھی میرے ساتھ چلادیں۔ لیکن میں نے دُنیا میں بھوکا رہنے کو پیٹ بھرنے پر ترجیح دے رکھی ہے۔ میں نے دُنیا کے فقر کو اسکی ثروت پر ترجیح دی ہے

مَیں نے دُنیا کے غم کو اس کی خوشی پر ترجیح دی ہے۔ عائشہ! دُنیا محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) اور اس کی آل کے لئے مناسب نہیں ہے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے اُولُوا العَزْم (یعنی ہمت والے اور اُونچے درجہ کے) رسولوں کے لئے اسی کو پسند فرمایا ہے کہ دُنیا کی تکلیفوں پر صبر کریں، دُنیا کی راحتوں سے بچے رہیں۔ اور جو چیز ان کے لئے پسند فرمائی تھی اسی کا مجھے حکم ہے چنانچہ اِرشاد ہے فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف ع ۴) "آپ بھی اسی طرح صبر کیجئے جس طرح اُولُوا العَزْم رسولوں نے صبر کیا" میرے لئے اللہ کے حکم کی تعمیل کے سوا چارہ نہیں ہے۔ مَیں خدا کی قسم جہاں تک میری طاقت ہے ایسا ہی صبر کروں گا جیسا کہ انہوں نے کیا اور طاقت تو اللہ تعالیٰ ہی کے دینے سے آتی ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتوحات کی کثرت بہت ہوگئی تو ان کی صاحبزادی اُمُّ المؤمنین حضرت حفصہؓ نے عرض کیا کہ اب تو آپ بھی جب دوسرے ملکوں کے قاصد آئیں تو باریک کپڑا پہن لیا کریں۔ اور کسی کو کھانا پکانے کا حکم فرما دیا کریں۔ تاکہ آپ ان لوگوں کو کھلائیں اور آپ بھی ان کے ساتھ کھا لیا کریں۔ حضرت عمرؓ نے اِرشاد فرمایا۔ یہ تو تمہیں بھی معلوم ہے کہ آدمی کے حالات سے اس کے گھر والے ہی اچھی طرح واقف ہوا کرتے ہیں۔ حضرت حفصہؓ نے عرض کیا، بیشک۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، مَیں تم کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نبوّت کے بعد اتنے سال زندہ رہے۔ اس زمانہ میں حضورؐ اور حضورؐ کے گھر والے اگر رات کو کھانا نوش فرما لیتے تھے تو دن میں بھوکے رہتے تھے۔ اور دن میں کھا لیتے تھے تو رات کو بھوکے رہتے تھے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نبوّت کے بعد اتنے سال تک حضورؐ زندہ رہے لیکن حضورؐ نے اور اُن کے گھر والوں نے خیبر کے فتح ہونے تک کبھی پیٹ بھر کر کھجوریں بھی نہیں کھائیں۔ مَیں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایک مرتبہ تم نے اُونچے خوان پر (میز کی طرح) کھانا رکھ دیا تھا تو حضورؐ کے چہرۂ اَنور پر تغیّر آگیا تھا، یہاں تک کہ اس کو ہٹا کر زمین پر کھانا رکھا گیا (جب حضورؐ نے نوش فرمایا)۔ مَیں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضورؐ اپنی عَبا کو (چادر کی ایک قسم) دوہرا کر کے اس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ تم نے ایک مرتبہ اُس کو چوہرا (چار طے) کر کے بچھا دیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم نے مجھے رات کے اُٹھنے سے روکا (کہ چار طے ہو جانے سے بستر نرم ہو گیا جس سے نیند اچھی طرح آگئی) اس کو دوہرا ہی کر دو جیسا کہ روزانہ ہوا کرتا تھا۔ مَیں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضورؐ اپنا کپڑا دھونے کیلئے بدنِ مُبارک سے اُتارتے اور اس کو دھوتے۔ ایسی حالت میں اگر بلالؓ نماز کے لئے بلانے آجاتے تھے تو حضورؐ

کے پاس دوسرا کپڑا نہ تھا جس کو پہن کر نماز پڑھاویں۔ حضورؐ اسی کو خشک کر کے پہن کر نماز پڑھایا کرتے تھے۔ میں تم سے قسم دیکر پوچھتا ہوں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بنو ظفر کی ایک عورت نے حضورؐ کے لئے دو کپڑے تیار کئے ایک لنگی ایک چادر۔ ان میں سے اس نے ایک پہلے بھیج دیا، دوسرے کے بھیجنے میں دیر لگی۔ تو حضورؐ اسی کو بدن پر اس طرح لپیٹ کر کہ دونوں کونوں میں گردن پر گرہ لگالی تھی (کہ بدن کھل نہ جائے) پہن کر نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ حضورؐ کے پاس دوسرا کپڑا نہ تھا جس کو پہن کر نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

اسی طرح اور واقعات گنواتے رہے یہاں تک کہ ان واقعات کو یاد دلا کر حضرت حفصہؓ کو بھی رلایا، اور خود بھی اتنے روئے کہ چیخیں مارنے لگے۔ ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ اس غم میں کہیں ان کی جان نہ نکل جائے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میرے دو رفیق تھے (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ) وہ دونوں ایک ہی راستہ پر چلے۔ اگر میں ان کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کروں تو میرے ساتھ بھی وہ معاملہ نہیں کیا جائے گا جو ان کے ساتھ کیا گیا۔ میں خدائے پاک کی قسم ان کی (دنیا کی) سخت زندگی پر اپنے آپ کو مجبور کروں گا تاکہ (آخرت کی) ان کی شاداب زندگی کو پا سکوں۔ (احیاء)

فتاوی عالمگیریہ میں لکھا ہے کہ کھانے کے چند مراتب ہیں۔ پہلا درجہ فرض ہے اور وہ اتنی مقدار ہے جس سے آدمی ہلاکت سے بچے۔ اگر کوئی شخص اتنا کم کھائے یا کھانا پینا چھوڑ دے جس سے ہلاک ہو جائے تو گناہ گار ہوگا۔

اور دوسرا درجہ ثواب کا ہے کہ اتنی مقدار کھائے جس سے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جا سکے اور روزہ سہولت سے رکھ سکے۔

تیسرا درجہ جائز کا ہے۔ اور وہ دو کی مقدار پر پیٹ بھرنے کی مقدار تک اضافہ ہے تاکہ بدن میں قوت پیدا ہو۔ اس درجہ میں نہ تو ثواب ہے نہ گناہ ہے، معمولی حساب اس میں ہے بشرطیکہ مال حلال طریقہ سے حاصل ہوا ہو۔ چوتھا درجہ حرام ہے۔ وہ پیٹ بھرنے سے زائد مقدار ہے۔ البتہ اس درجہ میں اگر مقصود روزہ پر قوت ہو کہ کل کو روزہ رکھنا ہے یا یہ غرض ہو کہ مہمان بھوکا نہ رہے تو اس مقدار میں بھی مضائقہ نہیں۔ اور کم کھانے کا ایسا مجاہدہ جس سے فرائض میں نقصان آوے جائز نہیں۔ البتہ اگر اس میں نقصان نہ آوے تو کم کھانے کا مجاہدہ کرنے میں مضائقہ نہیں کہ اس میں نفس کی اصلاح بھی ہے، اور کھانا بھی رغبت سے کھایا جاتا ہے۔ اسی طرح سے کسی جوان کو کم کھانے کا مجاہدہ تاکہ اس کی شہوت کا زور ٹوٹ جائے جائز ہے (عالمگیری)

اس تقسیم میں ۲ پر صاحب دُرِّ مختار وغیرہ نے کلام کیا ہے اور اتنی مقدار کو فرض میں داخل کیا ہے جس سے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جا سکے۔ عالمگیری کی اخیر عبادت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔

(۱۱) عَنْ عَلِيٍّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَضِيَ مِنَ اللّٰهِ بِالْيَسِيْرِ مِنَ الرِّزْقِ رَضِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِالْقَلِيْلِ مِنَ الْعَمَلِ۔

(حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ شانہٗ سے تھوڑی روزی پر راضی رہے، حق تعالیٰ شانہٗ بھی اسکی طرف سے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاتے ہیں۔)

(رواہ البیہقی فی الشعب کذا فی المشکوٰۃ)

ف: اس حدیثِ پاک میں آمدنی کی کمی میں حق تعالیٰ شانہٗ کے ایک خاص احسان پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اس صورت میں آدمی کی طرف سے اگر نیکیوں میں کمی ہوتی ہے، تو وُہ مالِکُ الْمُلک بھی اس کمی کو بخوشی قبول فرما لیتے ہیں۔ اس کے بالمقابل جب اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے عطایا میں اِفراط ہوا اور آدمی کسی چیز میں کمی کو بھی گوارا نہ کرے تو اس مالک کی طرف سے بھی یہی مطالبہ ہے کہ پھر اُس کے حقوق کی ادائیگی میں تمہاری طرف سے بھی اِفراط ہونا چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ جس مُلازم کو تنخواہ منہ مانگی دی جائے پھر وہ اپنی منصبی خدمت میں کوتاہی کرے تو اس کی نمک حرامی میں کیا تردُّد ہے۔ لیکن ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ غُرباء کو تو اللہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے، ذکر اذکار نوافل کے لئے وقت بھی مل جاتا ہے، لیکن جہاں چار پیسے ہاتھ میں آئے یا اُن کے آنے کے اسباب پیدا ہوئے پھر فرض نمازوں کے واسطے بھی وقت نہیں ملتا۔ اور قلیل روزی پر قناعت جب حاصل ہو سکتی ہے جب آدمی پانچ باتوں کا اہتمام کرے:

(۱) اپنے اِخراجات میں کمی کرے۔ ضرورت کی مقدار سے زیادہ خرچ نہ کرے۔ عُلماء نے لکھا ہے کہ تنہا آدمی ہو تو اس کو ایک جوڑا کافی ہے۔ کئی کئی جوڑے بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے ہی معمولی روٹی سالن پر گذر ہو سکتا ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو خرچ میں میانہ روی اختیار کرے وہ فقیر نہیں ہوتا۔

(۲) اگر بقدرِ ضرورت میسّر ہو تو آئندہ کی فکر میں نہ پڑے۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ کے وعدہ پر اعتماد کرے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے روزی کا ذِمّہ لے رکھا ہے۔ شیطان آدمی کو ہمیشہ آئندہ کی سوچ میں ڈالے رکھا کرتا

ہے کہ کچھ ذخیرہ فنڈ کے طور پر جمع رکھنا چاہیئے آدمی کے ساتھ حرج بھی لگا ہوا ہے، بیماری بھی لگی ہوئی ہے، وقتی اخراجات بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ پھر مجھے دقت اور مشقت ہوگی اور ان خیالات کی وجہ اسکو مشقت اور آئندہ کے فکر اور سوچ میں پریشان رکھا کرتا ہے اور پھر آدمی کا مذاق اڑایا کرتا ہے کہ یہ بیوقوف آئندہ کی تکلیف کے ڈر سے جو موہوم ہے اس وقت کی یقینی مشقت اور تکلیف اُٹھا رہا ہے۔ حضورِ اقدسؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ اپنے اوپر زیادہ غم سوار نہ کرو، جو مقدر ہے وہ ہو کر رہیگا اور جتنی روزی تمہاری ہے وہ آکر رہیگی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے مومن بندہ کو روزی اس جگہ سے عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو۔ اور قرآن پاک میں بھی یہ مضمون وارد ہے۔

(۳) اس امر کو غور کیا کرے کہ تھوڑے پر قناعت میں لوگوں سے اِستغناء کی کتنی بڑی عزت حاصل ہے اور حرص وطمع میں لوگوں کے سامنے کتنا ذلیل ہونا پڑتا ہے، اس کو بہت اہتمام سے غور کیا کرے کہ اس کو ایک تکلیف ضرور برداشت کرنی ہے، یا لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ذلت کی یا اپنے نفس کو لذیذ چیزوں سے روکنے کی۔ اور یہ دوسری تکلیف جو ہے اس پر اللہ کے یہاں ثواب کا وعدہ بھی ہے، اور پہلی میں آخرت کا وبال ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے میں آدمی اُن کو حق بات کہنے سے رُک جاتا ہے۔ اکثر دین کے بارہ میں مُداہنت کرنی پڑتی ہے، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی کی عزت اُس کا لوگوں سے استغناء ہے۔ اسی وجہ سے مشہور مقولہ ہے کہ جس سے تو اُستغناء کرے تو اس کا ہمسر ہے (یعنی اس سے دبنے پر مجبور نہیں ہے) اور جس کی طرف احتیاج پیش کرے اس کا قیدی ہے۔ اور جس پر احسان کرے اس کا حاکم ہے۔

(۴) دُنیا دار مالداروں کے انجام کو سوچا کرے۔ یہود، نصاریٰ اور بے دین ثروت والوں کا انجام سوچے، اور انبیاءؑ اور اولیاءؒ کا انجام سوچے۔ ان کے حالات کو غور سے پڑھے اور تحقیق کرے۔ پھر اپنے نفس سے پوچھے کہ اللہ کے مُقرّب لوگوں کی جماعت میں شریک ہونا پسند کرتا ہے یا احمقوں اور بے دین لوگوں کی مُشابہت پسند کرتا ہے۔

(۵) مال کے زیادہ ہونے میں جو خطرات پہلے بیان ہو چکے ہیں ان کو غور کیا کرے کہ کتنے مصائب اس کے ساتھ ہیں۔ جب آدمی ان پانچوں چیزوں کو غور کرتا رہے گا، تو تھوڑے پر قناعت آسان ہوجائے گی۔ (احیاء)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ وہ شخص فلاح کو پہنچ گیا جو مسلمان ہو اور تھوڑی روزی دیا گیا ہو اور حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کو اسی پر قناعت عطا فرما رکھی ہو۔ حضرت فضالہ بن عبیدؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مُبارک ہے وہ شخص جس کو اسلام لانے کی توفیق ہوگئی ہو اور اس کی آمدنی بقدر

ضرورت ہو، اور اس پر وہ قانع ہو۔ (ترغیب)

حضرت ابُوالدّرداءؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بھی سورج نکلتا ہے اس کے دونوں جانب دو فرشتے روزانہ یہ اعلان کرتے ہیں ۔ اے لوگو! اپنے رب کی طرف مُتوجّہ ہو جاؤ۔ جو مال تھوڑا ہو اور وہ کفایت کر جائے وہ بہتر ہے اس کثیر مال سے جو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے علاوہ دوسری طرف مشغول کرے۔

(۱۳) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِہٖ اِلَی الْیَمَنِ قَالَ اِیَّاکَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰہِ لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ۔ (رواہ احمد کذا فی المشکوٰۃ)

حضرت مُعاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ جب حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کو یمن (کا حاکم بنا کر) بھیجا تو یہ اِرشاد فرمایا کہ اپنے آپ کو ناز و نعمت میں پرورش کرنے سے بچاتے رہنا اس لئے کہ اللہ کے نیک بندے ناز و نعمت میں لگنے والے نہیں ہوتے۔

ف: حاکم اور گورنر ہو جانے کے بعد راحت و آرام کے اسباب کثرت سے مُہیّا ہو ہی جاتے ہیں۔ ہر قسم کی نعمتیں بھی آسانی سے مُیسّر ہو جاتی ہیں۔ اس لئے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جب کہ یہ حاکم بنا کر بھیجے جا رہے تھے، اس چیز سے بچنے کی خُصوصی تنبیہ فرمائی۔ حضورؐ کی وصایا میں اسی طرح حضرات خُلفائے راشدینؓ کی وصایا اور اَحکام میں اس چیز پر خاص طور سے تنبیہیں بڑی کثرت سے کی گئی ہیں۔

حضرت فَضَالہ بن عُبیدؓ، امیر مُعاویہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی طرف سے مصر کے قاضی تھے۔ ان کی خدمت میں ایک صحابی کسی حدیث کی تحقیق کے لئے تشریف لے گئے انہوں نے جا کر دیکھا کہ قاضی صاحب کے بال بھی پریشان سے ہیں، اور پاؤں بھی ننگے ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم اس زمین کے حاکم ہو۔ میں تمہارے بالوں کو بکھرا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ حضرت فَضالہؓ نے فرمایا کہ حُضورؐ نے ہمیں زیب و زینت کی کثرت سے منع فرمایا تھا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ میں تمہیں ننگے پاؤں دیکھ رہا ہوں حضرت فَضالہؓ نے فرمایا کہ ہمیں حُضورؐ کا یہ بھی اِرشاد تھا کہ کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ عَبدُ اللہ بن مُغفّلؓ فرماتے ہیں کہ حُضورؐ نے بالوں میں روزانہ کنگھا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

(۱۴) عَنْ جُبَیْرِ بْنِ نُفَیْرٍ مُرْسَلًا

حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ اَجْمَعَ الْمَالَ وَ اَکُوْنَ مِنَ التَّاجِرِیْنَ وَلٰکِنْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ۔ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ۔

ہے کہ مجھے حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ وحی نہیں بھیجی کہ مَیں تاجر بنوں اور مال جمع کروں بلکہ یہ وحی بھیجی ہے کہ (اے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) تم اپنے پروردگار کی تسبیح اور تحمید کرتے رہو اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہو، اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ (اسی حالت میں) تم کو موت آجائے۔

(رواہ فی شرح السنۃ وابونعیم فی الحلیۃ عن ابی مسلم کذا فی المشکوٰۃ)

ف: یہ وحی جس کی طرف اشارہ فرمایا ہے سورۂ حِجر کی آخری آیت ہے، اور حدیث پاک کا یہ مضمون متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا گیا۔ چنانچہ سیوطیؒ نے درِّ منثور میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ابو مسلم خولانی، ابو الدرداء رضی اللہ عنہم اجمعین سے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ بہترین آدمی دو شخص ہیں۔ ایک وہ جو اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے اللہ کے راستہ میں جان دے دینے کو تلاش کرتا پھرتا ہو۔ دوسرا وہ شخص جس کے پاس بکریاں ہوں اور کسی جنگل یا پہاڑی میں (یعنی غیر معروف جگہ جہاں یکسوئی ہو) نماز پڑھتا ہو، زکوٰۃ دیتا ہو، اور اپنے مولیٰ کی عبادت میں مشغول رہے، یہاں تک کہ اُس کو اسی حالت میں موت آجائے، آدمیوں کو اُس سے خیر کے سوا کوئی (شر) نہ پہنچے۔ (درِّ منثور)

حق تعالیٰ شانہٗ کے اس پاک ارشاد کی تعمیل جس طرح حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے وصال تک کرکے دکھا دی، وہ حضورؐ کی سیرت پر نظر رکھنے والوں سے مخفی نہیں۔ اور پھر جتنے جتنے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے انعامات زیادہ ہوتے تھے اتنا ہی حضورؐ کی طرف سے عبادت میں انہماک زیادہ ہوتا تھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سورۂ فتح نازل ہوئی تو حضورؐ نے عبادت میں اور بھی زیادہ کوشش شروع کر دی۔ کسی نے پوچھا، یا رسول اللہ اس آیت شریفہ میں تو آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں سب ہی معاف کر دی گئیں، پھر اتنی مشقت حضور برداشت کرتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب سورۂ فتح نازل ہوئی تو حضورؐ نے اتنی طویل نماز کر دی کہ پاؤں پر ورم آگیا، اور عبادت میں اتنی کثرت کر دی کہ سوکھ کر پرانی مشک کی طرح سے ہو گئے۔ اور جب وہ عرض کیا گیا جو اوپر گذرا تو حضورؐ نے وہی جواب ارشاد فرمایا۔ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ حضورؐ عبادت میں اتنی زیادہ کوشش فرماتے تھے، کہ پرانی مشک کی طرح سے بالکل سوکھ گئے تھے۔ اس کے بعد پھر وہی سوال وجواب ذکر فرمایا۔ حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں مبارک پھٹ گئے تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر تک نماز میں کھڑے رہتے کہ پاؤں پر ورم آگیا تھا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث میں کثرت سے اس قسم کے مضمون نقل کئے گئے، اور ان میں سے اکثر میں لوگوں کی طرف سے یہی درخواست کہ حضورؐ کے لئے تو معافی کا قطعی ارشاد قرآن پاک میں آچکا ہے، اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی جواب، کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں (دُرِّ منثور)

کیا ہم لوگ بھی کبھی اس چیز کو سوچ لیتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا فلاں خصوصی انعام ہوا ہے، اس کے شکرانہ میں دو رکعت مختصر ہی پڑھ لیں۔ متعدد احادیث میں آیا ہے کہ جب حضورؐ کے پاس کہیں سے فتح کی خبر آتی، یا کوئی خوشی کی بات سننے میں آتی حضورؐ شکر کے لئے سجدہ میں گر جاتے۔ اور ان سب احوال کے باوجود اللہ تعالیٰ شانہٗ سے خوف کا یہ حال تھا کہ بخاری شریف میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا۔ خدا کی قسم خدا کی قسم! مجھے معلوم نہیں حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ قیامت میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا (مشکوٰۃ)۔ معلوم نہیں کا مطلب یہ ہے کہ تفصیلی احوال کا علم نہیں۔ بااختیار بادشاہ کو حق ہے کہ جو چاہے کرے۔

حضرت امِ دردا‌ءؓ نے اپنے خاوند حضرت ابو دردا‌ءؓ سے عرض کیا کہ آپ اس طرح مال کی تلاش اور جستجو کیوں نہیں کرتے جس طرح فلاں شخص کرتے ہیں (آخر وہ بھی تو مال کماتے ہیں تم کو اس کی فکر ہی نہیں) حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ تمہارے آگے ایک بڑی دشوار گذار گھاٹی (میدانِ حشر) آنے والی ہے۔ اس میں سے بھاری بوجھ والے (جن کے ذمہ حساب کتاب کا بوجھ ہو سہولت سے) نہیں گذر سکتے اس لئے میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس گھاٹی میں ہلکا رہوں (مشکوٰۃ) یعنی میرے ذمہ حساب کا زیادہ بوجھ نہ ہو تاکہ میں ہلکا پھلکا اس میں سے گذر جاؤں۔

ان حضرات کو بہت ہی خوف اس کا رہتا تھا کہ قیامت میں کیا گذرے گی، اس لئے ہر وقت وہاں کی

فکر اور تیاری میں مشغول رہتے تھے۔ اور ہم کو ہر وقت دُنیا کا فکر سوار رہتا ہے، اور اُس گھاٹی کا خیال بھی نہیں آتا

حَسَّان بن سِنَانؒ ایک جگہ جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک جگہ مکان نظر پڑ گیا جو پہلے وہاں نہ تھا کہنے لگے یہ مکان کب بنا ہے۔ پھر اپنے نفس کو خطاب کر کے کہا۔ تو نے فضول بات کیوں پوچھی۔ تجھے اس سے کیا غرض تھی کہ یہ کب بنا۔ تجھے ایک سال روزے رکھنے کی سزا دوں گا۔ ایک سال تک روزے رکھے کہ فضول بات کیوں کی۔

مالک بن ضَیغمؒ کہتے ہیں کہ حضرت رُباح قَیسیؒ ہمارے گھر عصر کے بعد آئے، اور میرے والد کو پوچھنے لگے کہ کہاں ہیں۔ میں نے کہا۔ سو رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ یہ وقت کیا سونے کا ہے۔ یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔ میں نے اُن کے پیچھے آدمی بھیجا، کہ اگر آپ فرما دیں تو جگا دیں۔ وہ آدمی اُن کے پیچھے گیا، تو وہ اتنے ایک قبرستان میں داخل ہو چکے تھے اور وہاں اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے۔ ہاں یہ کیا وقت سونے کا ہے تجھے اس سے کیا مطلب تھا۔ آدمی جس وقت چاہے سووے، تجھے کیا خبر تھی کہ یہ سونے کا وقت ہے یا نہیں ہے۔ مجھے بھی اللہ کی قسم، کہ تجھے سال بھر تک زمین پر سونے کے لئے نہیں لٹاؤں گا۔ مگر یہ کہ تو بیمار ہو جائے، یا تیری عقل جاتی رہے تو مجبوری ہے۔ تیرا ناس ہو تو کب تک لوگوں پر طعن کرتا رہے گا تو اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا۔ یہ کہتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ وہ قاصد یہ دیکھ کر واپس آ گیا۔ اور اس کی ہمت نہ پڑی کہ اُن سے کوئی بات کرے۔

حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی ایک دن اپنے کپڑے اُتار کر سخت گرم ریت میں لوٹ رہے تھے۔ اور یہ کہہ رہے تھے کہ مزہ چکھ لے اور جہنّم کی گرمی اس سے بہت زیادہ سخت ہوگی۔ رات کو مُردار بنا (سوتا) رہتا ہے، دن کو بےکار پھرتا ہے۔ وہ اسی حال میں تھے کہ حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کو دیکھ لیا۔ اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ عرض کرنے لگے، حُضورؐ میری طبیعت پر ایسا غلبہ اس کا ہوا۔ کیا عرض کروں حُضورؐ نے فرمایا۔ تمہیں اس کی ضرورت نہ تھی۔ تمہارے لئے آسمان کے سب دروازے کھول دیئے گئے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ تمہارے ساتھ اپنے فرشتوں سے فخر کر رہے ہیں۔ پھر حُضورؐ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اپنے لئے ان سے توشہ لو۔ سب نے ان سے دُعاء کی درخواست کی پھر حُضورؐ نے فرمایا کہ سب کے لئے دُعا کرو۔

حضرت حُذَیفہ بن قَتادہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا، کہ جب تمہارا نفس کسی چیز کو چاہے تو تم اس کی کیا صورت اختیار کرتے ہو؟ وہ کہنے لگے، کہ مجھے اپنے نفس سے جتنا بُغض ہے

اتنا ساری دُنیا میں کسی سے بھی نہیں۔ بھلا میں اس کی خواہش کو کیسے پورا کر سکتا ہوں جس سے مجھے اس قدر نفرت ہو۔

حضرت مُجمّعؒ نے ایک مرتبہ کوٹھے کی طرف منہ اُٹھایا تو ایک نامحرم عورت پر نگاہ پڑ گئی۔ انہوں نے عہد کر لیا کہ اتنے زندہ رہوں گا کبھی سر اُوپر نہیں اٹھاؤں گا۔

اس کے علاوہ بہت سے واقعات ان حضرات کے امام غزالیؒ نے نقل کئے ہیں۔ جن میں ذرا سی معمولی بات بھی اگر ان سے صادر ہو جاتی تھی تو اپنے نفس کو سخت سزا دیتے تھے۔ اور یہ سب کیوں تھا، صرف اسی گھاٹی کے ڈر کی وجہ سے جس کا اَبُو الدَّرْدَاءؓ نے اپنی بیوی سے ذکر کیا۔ اور ہم سب اس سے ایسے مُطمئن ہیں جیسا کہ وہ گھاٹی ان حضرات صحابۂ کرامؓ ہی کے راستہ میں آئے گی، ہم تو ہوائی جہاز میں سوار ہو کر اُس پر سے گذر جائیں گے۔ ہم لوگ کس قدر اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں کہ بُھول کر بھی اس گھاٹی کا خیال نہیں آتا۔

اس کے بعد امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو اپنے غلام کو (اپنے نوکر کو) اپنی اولاد کو، جب ان سے کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے، سزا دیتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ اگر تنبیہ نہ کی گئی تو وُہ بے قابو ہو جائیں گے، سرکش ہو جائیں گے لیکن اپنے نفس کی کبھی پرواہ نہیں کرتا کہ یہ سرکش ہوتا جاتا ہے۔ دوسروں کی سرکشی سے تجھے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا تیرے نفس کی سرکشی سے تجھے نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ دوسروں کی سرکشی سے اگر نقصان پہنچتا ہے تو وہ تیری دُنیا کا نقصان ہے۔ اور تیرے نفس کی سرکشی سے تیری آخرت کو نقصان پہنچ رہا ہے، جو کبھی فنا ہونے والی نہیں ہے اس کی نعمتیں ختم ہونے والی نہیں ہیں اُن کا نقصان کتنا سخت نقصان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اَسلاف میں سے اگر کسی سے آخرت کے کاموں میں کچھ کوتاہی ہو جاتی تھی تو وہ اُس کی تلافی کا انتہائی فکر کرتا تھا۔

حضرت عُمرؓ کی ایک مرتبہ عصر کی نماز جماعت سے فوت ہو گئی تو انہوں نے اس کی تلافی میں ایک باغ جس کی قیمت دو لاکھ درہم تھی، صدقہ کر دیا۔

حضرت ابنِ عمرؓ کی جس دن کسی نماز کی جماعت فوت ہو جاتی تو اس دن شام کو ساری رات جاگا کرتے تھے۔ ایک دن مغرب کی نماز کو دیر ہو گئی تھی تو دو غلام اس کی تلافی میں آزاد کئے۔ جب کسی شخص کو عبادت میں سُستی پیدا ہو تو مناسب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے کسی ایسے بندے کی صُحبت میں رہے جو عبادت میں زیادہ اِنہماک سے مشغول ہو۔ اور اگر کسی ایسے کی صُحبت مُیسّر نہ آوے تو پھر ایسے لوگوں کے اَحوال کو عبرت اور

غور کی نگاہ سے پڑھا کرے (جن میں بہت سے واقعات رُوضُ الرَّیاحِین میں لکھے ہیں جس کا مختصر اُردو ترجمہ نُزہَۃُ البَساتین بھی ہے)۔

ایک بُزرگ کہتے ہیں کہ جب مجھے عبادات میں سُستی ہونے لگتی ہے تو میں حضرت محمد بن واسعؒ کے حالات دیکھتا ہوں، اور ایک ہفتہ مُسلسل اس عمل کو جاری رکھتا ہوں۔ (اسی طرح دوسرے اَولیاءُ اللہ کی سوانح عمریاں ہیں بشرطیکہ معتبر حضرات کی لکھی ہوئی ہوں) کہ ان لوگوں کے احوال کا دیکھنا اس شوق کے پیدا کرنے کے لئے بہت زیادہ مفید ہے۔

اور یہ چیز بھی سوچنے کی ہے کہ اُن کی ساری مَشقّتیں اور مِحنتیں آخر ختم ہوگئیں۔ لیکن اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُن کی نعمتیں اُن کی راحتیں باقی رہ گئیں، جو کبھی بھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ کس قدر حسرت ہے ہم جیسوں پر جو اُن احوال کو جانتے اور دیکھتے ہوئے بھی دُنیا کمانے میں اور دُنیا کی لذتوں میں مشغول رہتے ہیں، اور اُن ہمیشہ کے مزے اُڑانے والوں کے حالات سے بھی نصیحت نہیں پکڑتے۔

حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ کا اِرشاد ہے اور بعض لوگوں نے اس کو حضورؐ کا اِرشاد بتایا ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ ایسے لوگوں پر رحم فرمائے جن کو لوگ بیمار سمجھیں، اور وہ واقع میں بیمار نہ ہوں۔

حضرت حَسن بَصریؒ فرماتے ہیں کہ ان کو عبادت کی کثرت نے مَشقّت میں ڈال رکھا ہے جس سے لوگ ان کو بیمار سمجھتے ہیں۔ اُن کا یہ بھی اِرشاد ہے کہ میں نے ایسے حضرات کو دیکھا ہے اور ان کی صحبتوں میں رہا ہوں جن کو دُنیا کی کسی چیز کے آنے سے خوشی نہ ہوتی تھی، جانے سے رَنج نہ ہوتا تھا۔ ان کی نگاہ میں دُنیا کے مال و متاع کی حقیقت اُس مٹی سے زیادہ ذلیل تھی جو جُوتوں میں لگی رہتی ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ عمر بھر میں کبھی نہ اُن کا کوئی کپڑا تہ ہوکر رکھا گیا، نہ کبھی کسی کھانے کی چیز کی پکانے کی فرمائش کی، نہ کبھی سونے کے لئے ان کو بستر کی ضرورت ہوئی۔ زمین پر لیٹے، سو گئے۔ زمین کے اور اُن کے درمیان میں کوئی چیز بھی آڑ نہ ہوتی تھی۔ وہ لوگ اللہ کی کتاب پر عمل کرنے والے تھے۔ اس کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی سُنّت کا اِتباع کرنے والے تھے۔ جب رات ہو جاتی تو ساری رات یا پاؤں پر (نماز میں) کھڑے رہتے، یا زمین پر اپنے منہ کو (سجدہ میں) بچھا دیتے، اور اُن کی آنکھوں سے اُن کے رخساروں پر آنسوؤں کی لڑی بندھی رہتی۔ رات بھر اپنے رب سے باتیں کرتے رہتے (صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نمازی آدمی اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے) عذاب سے نجات کو اپنے مولیٰ سے مانگتے رہتے

جب کوئی نیک کام اُن سے ہوجاتا، اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر ادا کرتے۔ اس سے خوش ہوتے اور اس کے قبول کی دُعا کرتے۔ جب کوئی بُری بات ہوجاتی، اس سے بہت رنجیدہ ہوتے، اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے، معافی کی دُعا اور استغفار کرتے۔ اسی حال میں انہوں نے اپنی عمریں گذار دیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جب بیمار ہوئے تو ایک مجمع اُن کی عیادت کے لئے گیا۔ اُن میں ایک نوجوان نہایت کمزور، زرد رنگ دُبلا پتلا بھی تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے دریافت فرمایا تمہارا یہ کیا حال ہو رہا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اَعذار اور بیماریاں لاحق ہیں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ نہیں صحیح بات بتاؤ۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے دُنیا کا مزہ چکھا وہ بہت ہی کڑوا نکلا۔ اسکی رونق، اسکی حلاوت اس کا لطف، اس کی راحت میری نگاہ میں بہت ہی ذلیل بن گئی۔ اُس کا سونا اور اس کا پتھر میری نگاہ میں بالکل برابر ہے، اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کا عرش گویا ہر وقت میرے سامنے رہتا ہے، اور میدانِ حشر میں ایک جماعت کا جنّت کی طرف جانا ، دوسری جماعت کا جہنّم میں پھینکا جانا میری نگاہ کے گویا سامنے رہتا ہے، جس کی وجہ سے میں سارے دن اپنے کو (روزہ میں) پیاسا رکھتا ہوں اور ساری رات (اللہ کی یاد میں) جاگتا رہتا ہوں۔ اور یہ دونوں چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کے ثواب اور عذاب کے مقابلہ میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتیں۔

حضرت داؤد طائیؒ روٹی کے ٹکڑے پانی میں بھیگے ہوئے پی لیا کرتے تھے، روٹی نہ کھاتے تھے۔ کسی نے اُن سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ اس کے پینے میں اور روٹی چبا کر کھانے میں قرآن پاک کی پچاس ۵۰ آیتوں کا حرج ہوتا ہے۔ ایک دن اُن کے گھر میں کوئی شخص آیا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کے حُجرہ کی کڑی ٹوٹ گئی۔ وہ فرمانے لگے کہ میں نے بیس ۲۰ برس سے اس کی چھت نہیں دیکھی۔

یہ حضرات جیسے فضول بات کرنے سے احتراز کرتے تھے، ایسے ہی اِدھر اُدھر فضول دیکھنے سے بھی بچتے تھے۔ محمد بن عبد العزیزؒ کہتے ہیں کہ میں احمد بن رزینؒ کے پاس صبح سے عصر تک رہا۔ میں نے اُن کو اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کسی نے اُن سے اس کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آنکھیں اس لئے دی ہیں کہ اُن سے اس کی عظمت اور بڑائی کی چیزوں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے۔ جب یہ نہ ہو تو وہ دیکھنا خطا ہے۔

حضرت مسروقؒ کی بیوی کہتی ہیں کہ مسروقؒ کی پنڈلیوں پر رات بھر نماز میں کھڑے رہنے سے وَرَم

آجاتا تھا۔ جب وہ نماز میں مُنہمک ہوتے تو میں اُن کے پیچھے بیٹھی ہوئی اُن کی حالت پر ترس کھا کر روتی رہتی تھی۔

حضرت اَبُوالدَّرداءؓ فرماتے ہیں کہ اگر دُنیا میں تین لذت کی چیزیں نہ ہوتیں تو میرے لئے اس دُنیا میں ایک دن جینا بھی گوارا نہ تھا۔ ایک سخت گرمی کے دن دوپہر کے وقت (روزہ میں) پیاسے رہنے کی لذت، دوسری آخری شب میں سجدہ کرنے میں جو لُطف آتا ہے اس کی لذت۔ تیسری ایسے بزرگوں کی صحبت جن کی باتوں میں سے عمدہ میوے ایسے چُنے جاتے ہیں جیسے باغ میں سے عمدہ عمدہ پھل چھانٹ کر چُنے جاتے ہیں۔

اَسوَدؒ بن یزیدؒ عبادت میں اتنی مشقت اُٹھاتے اور گرمیوں کی شدت میں روزے رکھتے کہ اُن کا بدن کالا پڑ گیا تھا۔ عَلْقَمہ بن قیسؒ نے ان سے پوچھا کہ آپ اپنے بدن کو اس قدر عذاب کیوں دیتے ہیں؟ فرمانے لگے (قیامت میں) اس کے اِعزاز کے لئے۔ یعنی یہ مشقت اس لئے اُٹھاتا ہوں کہ قیامت کے دن اس بدن کو اِعزاز نصیب ہو جائے۔

ایک بُزرگ کا قِصّہ لکھا ہے کہ وہ روزانہ ایک ہزار رکعت نماز کھڑے ہو کر پڑھتے جب پاؤں رہ جاتے یعنی کھڑے ہونے سے عاجز ہو جاتے تو ایک ہزار رکعت بیٹھ کر پڑھتے، اور عصر کے بعد عاجزی سے بیٹھ کر کہتے۔ یا اللہ! اس مخلوق پر بڑی حیرت ہے کہ کس طرح انہوں نے تیرا بدل دوسری چیزوں کو بنا لیا۔ کیسی تعجب کی بات ہے ان کا دل تیرے سوا کسی چیز سے کس طرح مانوس ہوتا ہے بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ تیرے ذکر کے سوا کوئی دوسری چیز ان کے دِل میں کس طرح چمکتی ہے۔

حضرت جُنیدؒ بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سَری سَقَطیؒ سے زیادہ عبادت کرنیوالا کسی کو نہیں دیکھا۔ اٹھانوے ۹۸ برس تک کسی نے اُن کو مَرَضُ المَوت کے علاوہ لیٹے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت اَبُومحمد جریریؒ نے مکہ مکرمہ میں ایک سال کا اِعتکاف کیا۔ جس میں نہ تو بالکل سوئے نہ بات کی، نہ کسی لکڑی یا دیوار پر سہارا لیا یا ٹیک لگائی۔ حضرت ابوبکر کتانیؒ نے اُن سے پوچھا کہ اس مُجاہدہ پر تمہیں کس چیز سے قدرت حاصل ہوئی؟ وہ فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے میرے باطن کی پختگی کو دیکھا۔ اُس نے میرے ظاہر کو اس پر قدرت عطا فرما دی۔ حضرت ابوبکر کتانیؒ نے یہ سُن کر سوچ اور فکر میں گردن جُھکالی، اور تھوڑی دیر کچھ سوچتے رہے، پھر اسی سوچ و فکر میں چلے گئے۔

ایک شخص کہتے ہیں کہ میں حضرت فتح بن سعید مُوصلی کے پاس سے گذرا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے

رو رہے تھے اور اُن کے آنسو اُنگلیوں کے بیچ میں کو نیچے گر رہے تھے اور وہ زرد تھے (یعنی آنسوؤں میں خون کی آمیزش تھی)۔ میں نے اُن سے قسم دیکر پوچھا کہ یہ خون کے آنسو کس صدمہ سے گرا رہے ہو (خیر تو ہے کیا آفت آگئی)، وہ فرمانے لگے، کہ اگر تم قسم نہ دیتے تو میں نہ بتاتا۔ ہاں میں اس پر رو رہا ہوں کہ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ کا جو حق مجھ پر تھا اس کو ادا نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ خون کیوں آگیا؟ کہنے لگے، اس خوف سے کہ میرا یہ رونا کہیں غیر مُعتبر اور جھوٹا (نفاق سے) نہ ہو۔ وہ شخص کہتے ہیں کہ جب اُن کا انتقال ہوگیا تو میں نے اُن کو خواب میں دیکھا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا کہ میری مغفرت ہوگئی۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے آنسوؤں کا کیا حشر ہوا؟ فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مجھے اپنے قریب فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ آنسو کیسے تھے؟ میں نے عرض کیا۔ اس پر رنج تھا کہ آپ کا جو حق مجھ پر واجب ہے وہ میں ادا نہ کرسکا۔ ارشاد ہوا کہ خون کیوں تھا؟ میں نے عرض کیا اس خوف سے کہ یہ رونا جھوٹا نہ ہو، غیر مُعتبر نہ ہوجائے۔ ارشاد ہوا کہ آخر تو اس سب سے کیا چاہتا تھا؟ میری عزت کی قسم! تیرے کِراماً کاتبین چالیس سال سے تیرے اعمال کا صحیفہ ایسا لارہے ہیں کہ ان میں کوئی خطا لکھی ہوئی نہیں ہوتی۔

عبدالواحد بن زید کہتے ہیں کہ میرا گذر ایک گرجا پر ہوا۔ وہاں ایک راہب (دُنیا سے مُنقطع) رہتا تھا۔ میں نے اس کو راہب کہہ کر آواز دی۔ وہ نہ بولا۔ پھر دوسری دفعہ پکارا۔ پھر بھی نہ بولا، پھر تیسری دفعہ جب میں نے پکارا تو وہ میری طرف مُتوجّہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں راہب نہیں ہوں۔ راہب وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ڈرتا ہو، اس کی کبریائی میں اس کی تعظیم کرتا ہو، اس کی بلاؤں پر صبر کرتا ہو، پھر اس کے تقدیری فیصلوں پر راضی ہو، اس کی نعمتوں پر شکر کرتا ہوں، اس کی عظمت کے سامنے تواضُع سے رہتا ہو اس کی عزت کے مُقابلہ میں اپنے کو ذلیل رکھتا ہو، اس کی قُدرتِ کاملہ کا اطاعت کرنے والا ہو، اس کی ہیبت سے عاجزی کرتا ہو، اس کے حساب اور اس کے عذاب کی ہر وقت فکر میں رہتا ہو، دن میں روزہ رکھتا ہو، رات کو بیدار رہتا ہو، جہنم کے خوف نے اور میدانِ حشر کے سُوال نے اس کی نیند اُڑا دی ہو۔ جس میں یہ باتیں ہوں وُہ راہب ہے۔ میں تو ایک ٹڑ کایا کُتّا ہوں۔ اس وجہ سے یہاں بیٹھ گیا ہوں کہ کہیں کسی کو کاٹ نہ کھاؤں۔ میں نے اس سے پوچھا کیا بات ہے کہ لوگ حق تعالیٰ شانہٗ کی بڑائی کو جانتے ہیں پھر بھی اس سے ان کا رشتہ ٹوٹا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ صرف دُنیا کی مُحبّت نے اور اس کی زیب و زینت نے اُن کا رشتہ توڑ رکھا ہے۔ دُنیا گناہوں کا گھر ہے۔ سمجھ دار اور عاقل وہ شخص ہے جو اس کو اپنے دل سے

پھینک دے اور اللہ جلّ شانُہٗ کی طرف مُتوجّہ ہو جائے اور ایسے کام اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے قریب کر دیں۔

حضرت اُوَیس قَرَنیؒ جو مشہور بزرگ ہیں، کسی دن فرماتے کہ آج کی رات رکوع کرنے کی ہے۔ پس تمام رات رکوع میں گذار دیتے۔ پھر کہتے کہ آج کی رات سجدہ کی ہے تو تمام رات ایک سجدہ میں گذار دیتے۔

جب عُتبہ غلام تائب ہوئے تو کھانے پینے کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اُن کی ماں نے ایک مرتبہ اُن سے کہا۔ اپنے نفس پر رحم کھا، کچھ راحت بھی لے لیا کر۔ کہنے لگے کہ اس پر رحم کھانے ہی کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔ تھوڑے دن کی مَشقّت ہے۔ پھر ہمیشہ ہمیشہ راحت ہی لینا ہے۔

عبداللہ بنؒ داؤد کہتے ہیں کہ یہ (بزرگ حضرات) جب کوئی ان میں چالیسؔ سال کی عُمر کو پہنچ جاتا ہے تو وہ بستر اُٹھا کر لپیٹ دیتا ہے یعنی پھر سونے کا نمبر ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت کُہمَسؒ بن حَسن ہر رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے اور اپنے نفس کو خطاب کر کے کہتے کہ اے ہر بُرائی کی جڑ! نماز کے لئے کھڑا ہو جا۔ جب ضُعف بہت زیادہ ہو گیا تو روزانہ پانچ سو رکعتیں کر دی تھیں۔ اور اس پر رویا کرتے تھے کہ میرا آدھا عمل جاتا رہا۔

حضرت رَبیعؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت اُوَیس قَرَنیؒ کے پاس آیا۔ وہ صُبح کی نماز پڑھ کر تسبیح پڑھنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ اس وقت ان کا حرج ہو گا، میں فراغت کے اِنتظار میں بیٹھ گیا۔ وہ اسی حال میں بیٹھے پڑھتے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ وہ ظہر کی نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور عصر تک نماز پڑھتے رہے۔ پھر عصر کی نماز سے فارغ ہو کر اسی جگہ مغرب تک بیٹھے رہے۔ پھر مغرب کی نماز پڑھی عشاء کی نماز پڑھی، پھر صُبح تک وہیں جمے رہے۔ دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد بیٹھے تھے۔ اسی حال میں کچھ غنودگی سی آگئی۔ چونک کر کہنے لگے۔ یا اللہ ایسی آنکھ سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جو بار بار سوتی ہو، اور ایسے پیٹ سے پناہ مانگتا ہوں جو بھرتا ہی نہ ہو۔ میں یہ سب حالت دیکھ وہاں سے یہ کہہ کر چلا آیا کہ مجھے تو عبرت کے واسطے یہی کافی ہے جو میں نے دیکھ لیا۔

احمد بن حربؒ کہتے ہیں تعجّب تو اُس شخص پر ہے جس کو یہ معلوم ہے کہ آسمانوں پر اُس کے لئے جنّت کو آراستہ کیا جا رہا ہے اور اُس کے نیچے جہنّم بھڑکائی جا رہی ہے، ان دونوں کے درمیان اس کو کیسے نیند آتی ہے۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم بن اُدہَمؒ کے پاس گیا۔ وہ عشاء کی نماز کے بعد اپنی عبا میں لپٹ کر ایک کروٹ لیٹا اور صبح تک اسی طرح لیٹے رہے نہ تو حرکت کی نہ کروٹ بدلی۔ صُبح کو اُٹھ کر بغیر وضو

کئے نماز پڑھ لی ۔ میں نے اُن سے کہا ، اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر رحم کرے ، ساری رات لیٹے سوتے رہے اور بغیر وضو ہی نماز پڑھ لی ۔ فرمانے لگے کہ میں ساری رات کبھی جنّت کے باغوں میں دوڑتا تھا کبھی جہنّم کی گھاٹیوں میں ۔ ایسی حالت میں نیند کہاں آسکتی تھی ۔

کہتے ہیں کہ ابُوبکر بن عیّاشؒ چالیس برس تک بستر پر نہیں لیٹے اور اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اس کھڑکی (کوٹھڑی) میں گناہ نہ کرنا ۔ میں نے اس میں بارہ ہزار قرآن پاک ختم کئے ہیں ۔ جب اُن کا انتقال ہونے لگا ، تو مکان کے ایک کونہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کونہ میں میں نے چوبیس ہزار قرآن ختم کئے ہیں

حضرت سُمنُونؒ پانچ سو رکعت نفل روزانہ پڑھتے تھے ۔ انہی کا ایک قصّہ علامہ زُبیدیؒ نے لکھا ہے کہ بغداد میں ایک شخص نے چالیس ہزار درم فُقراء پر تقسیم کئے ۔ سُمنونؒ فرمانے لگے کہ درم تو ہمارے پاس ہیں نہیں چلو ہم ہر درم کے بدلہ ایک رکعت نماز پڑھ لیں ۔ یہ کہہ کر مدائن گئے ، اور وہاں چالیس ہزار رکعتیں پڑھیں ۔

ابو بکر مطوعیؒ کہتے ہیں کہ میرا معمول اپنی جوانی میں اکتیس ہزار یا چالیس ہزار مرتبہ راوی کو شک ہے روزانہ قُل ھُوَ اللہُ شریف پڑھنے کا تھا ۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں عامر بن عبدِ القیسؒ کے ساتھ چار مہینے رہا میں نے اُن کو دن میں یا رات میں سوتے نہیں دیکھا ۔

حضرت علی کرّمَ اللہُ وَجہہٗ کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ صبح کی نماز پڑھا کر دائیں جانب منہ کر کے بیٹھے ، آپ پر رنج کا اثر بہت تھا ۔ طلوعِ آفتاب تک آپ بیٹھے رہے ۔ اس کے بعد ہاتھ کو (افسوس کے ساتھ) پلٹ کر فرمایا ۔ خدا کی قسم ! میں نے حضورؐ کے صحابہ کرام رضی اللہُ عنہم اجمعین کو دیکھا آج کوئی بات بھی اُن کی مشابہت کی نہیں دیکھتا ۔ وہ حضرات اس حالت میں صبح کرتے تھے کہ اُن کے بال بکھرے ہوئے ہوتے ، چہرے غبار آلود اور زرد ہوتے تھے ۔ وہ ساری رات اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں پڑے رہتے تھے یا اس کے سامنے کھڑے قرآن پاک پڑھتے رہتے تھے ۔ کھڑے کھڑے کبھی ایک پاؤں پر سہارا دے لیتے تھے کبھی دوسرے پاؤں پر ۔ جب وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ذکر کرتے تھے تو ایسے (مزے میں) جھومتے تھے ، جیسے کہ ہواؤں میں درخت حرکت کرتے ہیں ۔ اور (اللہ تعالیٰ شانہٗ کے شوق اور خوف سے) اُن کی آنکھوں سے اتنے آنسو بہتے کہ اُن کے کپڑے تر ہو جاتے تھے ۔ اب لوگ بالکل ہی غفلت میں رات گذار دیتے ہیں ۔

حضرت ابُو مُسلم خَولانیؒ نے ایک کوڑا اپنے گھر کی مسجد میں لٹکا رکھا تھا ۔ اور اپنے نفس کو خطاب کر کے

کہا کرتے کہ اُٹھ کھڑا ہو میں تجھے (عبادت میں) اچھی طرح گھسیٹوں گا، یہاں تک کہ تو تھک جائے گا، میں نہیں تھکوں گا۔ اور جب اُن پر کچھ سُستی ہوتی تو اس کوڑے کو اپنی پنڈلیوں پر مارتے اور فرماتے کہ یہ پنڈلیاں پٹنے کے لئے میرے گھوڑے کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہیں۔ یہ بھی کہا کرتے کہ صحابہ کرامؓ یوں سمجھتے ہیں (کہ جنت کے سارے درجے) وُہی اُڑا کر لے جائیں گے، نہیں ہم اُن سے (ان درجوں میں) اچھی طرح مُزاحمت کریں گے تاکہ اُن کو بھی معلوم ہو جائے کہ وہ بھی اپنے پیچھے مَردوں کو چھوڑ کر آئے ہیں۔

حضرت قاسم بن محمد بن اَبی بکرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن صبح کو اپنی پھوپھی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوا۔ وہ چاشت کی نماز پڑھ رہی تھیں، اور یہ آیت شریفہ پڑھ رہی تھیں فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (طور-ع ۱) "پس احسان کیا حق تعالیٰ شانہٗ نے ہم پر، پس ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیا" حضرت عائشہؓ اس آیت شریفہ کو بار بار پڑھتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ قاسم کہتے ہیں کہ میں بہت دیر تک تو انتظار کرتا رہا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میں اتنے بازار ہو آؤں۔ ضروریات سے فارغ ہو کر واپسی میں سلام کرتا جاؤں گا۔ میں بازار چلا گیا۔ اور وہاں سے فراغت کے بعد جب میں واپس آیا تو وہ اسی طرح کھڑی ہوئی اسی آیت کو پڑھ رہی تھیں اور رو رہی تھیں۔

محمد بن اسحٰقؒ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن الاسودؒ حج کے لئے جب آئے تو ان کے ایک پاؤں میں تکلیف تھی۔ وہ عشاء کے بعد صرف ایک پاؤں کے سہارے کھڑے ہوئے اور صبح تک ایک ہی پاؤں پر کھڑے نفل پڑھتے رہے، حتیٰ کہ اسی وضو سے صبح کی نماز پڑھ لی۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے موت سے صرف اس لئے ڈر لگتا ہے کہ پھر تہجد کی نماز جاتی رہے گی (اور لُطف جو اس نماز میں آتا ہے وہ ختم ہو جائے گا)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ صُلحاء کی علامت رات کے جاگنے سے چہروں کا زرد ہو جانا، اور راتوں کو رونے کی وجہ سے آنکھوں کا چُوندھا ہو جانا، اور روزوں کی کثرت سے ہونٹوں کا خشک ہو جاتا ہے، اُن کے چہرے خوفزدہ رہتے ہوں۔

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ عبادت کی کثرت کرنے والوں کے چہرے ایسے خوبصورت کس طرح ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ جب وہ تنہائی میں رحمٰن کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں تو وہ رحمت والا اپنے نور کا سایہ اُن پر ڈال دیتا ہے۔

حضرت قاسم بن راشدؒ کہتے ہیں کہ زمعہ ہمارے قریب مُحَصَّب میں (جو مکّہ مکرّمہ کے قریب ایک جگہ ہے) ٹھیرے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی اور بیٹیاں بھی تھیں۔ وہ رات کو بہت لمبی نماز پڑھتے رہتے۔ جب پچھلا پہر ہو جاتا تو وہ زور سے آواز دیتے ارے مسافرو! کیا رات بھر سوتے ہی رہو گے۔ اُٹھو، چلو۔ اس آواز پر سب کے سب جاگ جاتے۔ کوئی وضو کر رہا ہے، کوئی نماز پڑھ رہا ہے، کوئی کسی کونے میں بیٹھا رو رہا ہے، کوئی قرآن پاک پڑھ رہا ہے۔ جب صبح ہو جاتی تو وہ فرماتے کہ رات کے چلنے والے صبح کو ٹھہر جایا کرتے ہیں۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں بیتُ المقدس کے پہاڑوں میں جا رہا تھا۔ ایک جگہ پہنچ کر میں نے ایک آواز سُنی۔ میں اس آواز کی طرف چل دیا۔ دیکھا کہ ایک سبزہ ہے، وہاں ایک درخت ہے۔ اس کے نیچے ایک شخص کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور یہ آیت بار بار پڑھتے ہیں يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوٓءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُۥٓ أَمَدًۢا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ ٱللَّهُ نَفْسَهُۥ ۝ (آلِ عمران۔ ع ۳) "جس دن ہر شخص اپنے اچھے کاموں کو (جو اس نے دُنیا میں کئے ہوں گے) سامنے لایا ہوا پائے گا اور اپنے بُرے کاموں کو (بھی سامنے لایا ہوا پائے گا) اور اس بات کی تمنا کرتا ہو گا۔ کاش اس دن کے درمیان اور اُس آدمی کے (یعنی میرے) درمیان بہت بڑی دُور دراز کی مسافت حائل ہو جاتی (کہ یہ بُرے اعمال اس کے سامنے نہ آتے) اور تم کو اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے سے ڈراتا ہے۔" (اُس کے مطالبہ اور حساب اور عذاب سے بہت اہتمام سے ڈرتے رہو) یہ بزرگ کہتے ہیں کہ میں چپکے سے اُن کے پیچھے بیٹھ گیا۔ وہ بار بار اسی آیت شریفہ کو پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے۔ اتنے میں انہوں نے زور سے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر گئے۔ مجھے بہت قلق ہوا کہ یہ میری نحوست سے بے ہوش ہو کر گر گئے۔ بہت دیر میں اُن کو ہوش آیا تو وہ کہنے لگے۔ اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جھوٹے طور پر کھڑے ہو کر رونے والوں سے (گویا انہوں نے اپنے اس پڑھنے اور رونے کو نفاق کا رونا قرار دیا) اور اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں بیہودہ لوگوں کے اعمال سے (کہ میرا یہ پڑھنا اور رونا لغو آدمیوں کا پڑھنا ہے کہ میرے برابر دوسرا کون بیہودہ ہو گا) اے اللہ میں تجھ سے غافل لوگوں کے اعراض سے پناہ مانگتا ہوں (کہ یہ میرا فعل بھی غفلت کے ساتھ ہو رہا ہے) پھر کہنے لگے، یا اللہ ڈرنے والوں کے دل تیری ہی طرف عاجزی کرتے ہیں، اور نیک عمل میں کوتاہی کرنے والے تیری ہی (رحمت کی) طرف امیدیں لگاتے ہیں۔ عارف لوگو

کے دل تیری ہی بڑائی کے سامنے ذلیل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑے (جیسے کہ مٹی وغیرہ ہاتھ کو لگ جانے سے جھاڑے جاتے ہیں) اور فرمایا۔ مجھے دُنیا سے کیا کام اور دُنیا کو مجھ سے کیا کام۔ اے دُنیا تُو اپنے بیٹوں کے پاس چلی جا۔ تُو اپنی نعمتوں کے قدر دانوں کے پاس چلی جا، تو اپنے عاشقوں کے پاس چلی جا، انہیں کو دھوکہ میں ڈال (مجھے دق نہ کر) پھر کہنے لگے۔ پہلے زمانوں والے کہاں چلے گئے، سب کے سب مٹی میں مل گئے، بوسیدہ ہو کر خاک میں رل گئے، اور جو جو زمانہ گذر رہا ہے لوگ فنا ہوتے جاتے ہیں۔ میں نے ان بزرگ سے کہا کہ میں بڑی دیر سے آپ کے فارغ ہونے کے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ فرمانے لگے۔ ایسے شخص کو فراغت کہاں ہو سکتی ہے جس کو وقت ختم ہونے کا فکر ہو رہا ہے۔ وہ جلدی کرتا ہے کہ وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے کچھ کرلوں، اور وقت جلدی کر رہا ہے کہ میں کسی طرح جلد ختم ہو جاؤں، وہ کیسے فارغ ہو سکتا ہے جس کو وقت گذر جانے سے موت کے جلدی آجانے کا فکر سوار ہو۔ وہ کیسے فارغ ہو سکتا ہے جس کے اوقات تو گذرتے جا رہے ہوں، اور ان گذرے ہوئے اوقات میں جو گناہ کئے ہیں وہ اس کے حساب میں جمع ہوں۔ پھر وہ حق تعالیٰ شانہ کیطرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔ تُو ہی میری اس مصیبت کے لئے (یعنی جو گناہ میرے حساب میں جمع ہو گئے)، اور ہر آنے والی مصیبت کے لئے پناہ کی جگہ ہے (تیری ہی رحمت سے بیڑا پار ہو سکے گا) پھر تھوڑی دیر اس میں مشغول رہے۔ پھر قرآن پاک کی دوسری آیت پڑھی وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ (زمر۔ ع ۵) "اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے ساتھ وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا" یہ ایک آیت شریف کا ٹکڑا ہے۔ پوری آیت شریفہ یہ ہے: وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَّمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِن سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ۝ اور اس آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے کہ "جن لوگوں نے دُنیا میں ظلم کیا تھا (یعنی کفر و شرک وغیرہ کیا تھا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ شرک کرنا ظلم عظیم ہے) اگر ان کے پاس دُنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان سب کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لئے (بے تردد) ان سب کو فدیہ میں دے دیں (لیکن فدیہ اس دن قبول نہیں ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں کئی جگہ اور سورۂ مائدہ میں گذرا) اور (ان لوگوں کے ساتھ) خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو (وہم اور) گمان بھی نہ تھا (کہ اتنی سختی ہو بھی سکتی ہے۔ اس جگہ کئی آیتیں اس

مضمون کے مناسب ہیں)۔

غرض ان بزرگ نے یہ آیت شریفہ پڑھی اور پہلے سے بہت زیادہ زور سے چلائے، اور بے ہوش ہو کر اس طرح گرے کہ میں نے یہ سمجھ لیا کہ جان نکل گئی میں ان کے قریب پہنچا تو وہ تڑپ رہے تھے۔ بہت دیر کے بعد افاقہ ہوا تو وہ یہ کہہ رہے تھے۔ یا اللہ میں جب (قیامت میں) آپ کے سامنے کھڑا ہوں تو محض اپنے فضل سے میری برائیاں معاف کر دیجیو، اور اپنی ستاری کے پردہ میں مجھے چھپا لیجیو، اور صرف اپنے کرم سے میرے گناہ معاف کر دیجیو۔ میں نے ان سے کہا کہ جس (پاک ذات) کی رحمت کی تم اُمید کر رہے ہو، اسی کی واسطے سے میری یہ درخواست ہے کہ ذرا مجھ سے بات کر لیجئے۔ وہ فرمانے لگے کہ مجھے ایسے شخص سے بات کرنا چاہیے جس کے کلام سے مجھے نفع پہنچے۔ اور جس شخص کو اس کے گناہوں نے ہلاک کر رکھا ہو (یعنی میں) ایسے شخص سے بات کرنا چھوڑ دے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں اس جگہ اللہ جانے کتنے عرصہ سے شیطان سے لڑ رہا ہوں، میں اس سے لڑائی میں مشغول ہوں اور وہ مجھ سے لڑنے میں مشغول ہے (کہ وہ مجھ کو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف توجہ سے ہٹانے کی ہر وقت کوشش میں لگا رہتا ہے) اس کو اب تک تیرے سوا کوئی صورت ایسی نہ ملی جس سے وہ مجھے اس چیز سے ہٹا دیتا جس میں میں مشغول ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے)۔ پس تو مجھ سے دور ہو جا۔ تو (شیطان کے) دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔ تو نے میری زبان کو مناجات سے معطل کر دیا۔ اور میرے دل کو (حق تعالیٰ شانہٗ سے ہٹا کر) اپنی بات کی طرف متوجہ کر لیا۔ میں اللہ تعالیٰ شانہٗ سے تیرے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور اس پاک ذات سے اس کی بھی اُمید رکھتا ہوں، کہ وہ اپنے غصہ سے مجھے پناہ عطا فرمائے گا۔ یہ صاحب جو بات کرنا چاہتے تھے کہتے ہیں۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ میں نے ان کی حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے توجہ کو ہٹا دیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مجھ پر اس بات کی وجہ سے کوئی عذاب نازل ہو جائے، اس لئے میں ان کو اسی جگہ چھوڑ کر چلا آیا۔

حضرت کرز بن وبرہؒ ہر روز تین قرآن شریف ختم کیا کرتے تھے اور اس کے علاوہ عبادات میں ہر وقت منہمک رہتے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ نے اپنے نفس کو بڑی محنت میں ڈال دیا۔ فرمانے لگے کہ ساری دنیا کی عمر کتنی ہے۔ اس نے عرض کیا، سات ہزار برس۔ فرمایا، قیامت کا دن کتنا ہے۔ عرض کیا پچاس ہزار برس۔ فرمانے لگے کیوں کر تم میں سے کوئی شخص اس سے عاجز رہ سکتا ہے کہ دن کے ساتویں حصہ میں محنت کر لے تاکہ سارے دن راحت سے رہے (یعنی اگر کسی شخص کو صرف ۳½ گھنٹہ محنت کر کے سارا دن راحت کا ملے

تو کون چھوڑ سکتا ہے۔ پس اگر قیامت کے دن کی راحت کے لئے کوئی دُنیا کی پوری زندگی سات ہزار برس محنت کرے تب بھی بڑے نفع کا سودا ہے چہ جائیکہ آدمی کی عمر دُنیا کی تمام عمر میں سے بھی بہت تھوڑا سا حصہ ہے اور آخرت کی زندگی قیامت کے دن کے بعد بھی بے اِنتہا ہے۔

یہ چند قصے نمونے کے طور پر ذکر کئے گئے۔ اِمام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تھی پہلے زمانہ کے بزرگوں کی عادت اور خصلت۔ اگر تیرا متمرّد نفس عبادت خود نہیں کر سکتا تو ان مر مٹنے والوں کے احوال میں غور کر اور یہ غور کر کہ ان اکابر کا اِقتداء اور ان بزرگوں کی جماعت میں شامل ہونا بہتر ہے جو دین کے حکیم، اور آخرت میں بصیرت رکھنے والے عقلمند تھے، یا اپنے زمانہ کے ان جاہل بیوقوفوں کا اِقتداء بہتر ہے جو دین سے غافل ہیں۔ ایسا ہرگز نہ کر کہ عقلمندوں کا اِتباع چھوڑ کر احمقوں کا اِتباع کرے۔ اگر تجھے یہ وہم ہو کہ یہ قوی لوگ تھے ان کا اِقتداء مشکل ہے تو پھر چند عورتوں کے حالات بھی سُن لے۔ اور تو مرد ہو کر اس سے تو عاجز نہ بن کہ عورتوں جیسا بھی نہ ہو۔ تو ہی غور کر، وہ مرد کتنا خسیس ہے جو دین میں عورتوں کا بھی ساتھ نہ دے سکے۔ اب غور سے سُن۔

حضرت حُبَیبَہ عَدَوِیَہؒ جب عشاء کی نماز سے فارغ ہو جاتیں تو اپنے کپڑوں کو اپنے اوپر اچھی طرح لپیٹ کر چھت پر کھڑی ہو جاتیں، اور دُعاء میں مشغول ہو جاتیں۔ اور کہتیں کہ یا اللہ ستارے چھپک گئے اور لوگ سو گئے۔ بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر دیئے اور ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ تخلیہ میں چلا گیا اور میں تیرے سامنے کھڑی ہوں۔ یہ کہہ کر نماز شروع کر دیتیں اور ساری رات نماز پڑھتیں۔ جب صُبح صادق ہو جاتی تو کہتیں۔ یا اللہ! رات چلی گئی اور دن کا چاندنا ہو گیا۔ کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ میری یہ رات تو نے قبول فرمالی، تاکہ میں اپنے کو مبارکباد دوں، یا تو نے رَد فرما دی تاکہ میں اپنی تعزیت کروں۔ تیری عزت کی قسم! میں تو ہمیشہ اسی طرح کرتی رہوں گی۔ تیری عزت کی قسم! اگر تو نے مجھے اپنے دروازے سے دھکیل دیا تب بھی تیرے کرم اور تیری بخشش کا جو حال مجھے معلوم ہے اس کی وجہ سے میں تیرے در سے ہٹوں گی نہیں۔

حضرت عُجرہؒ نابینا تھیں، ساری رات جاگتیں۔ اور جب سَحَر کا وقت ہوتا تو بہت غمگین آواز سے کہتیں۔ یا اللہ! عابدوں کی جماعت نے تیری طرف چل کر رات کے اندھیرے کو قطع کیا۔ وہ تیری رحمت اور تیری مغفرت کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے۔ یا اللہ! میں صرف تجھ ہی سے سوال کرتی ہوں تیرے سوا کسی دوسرے سے میرا سوال نہیں، کہ تو مجھے سابقین کے گروہ میں

شامل کرلے اور اعلیٰ علیین تک پہنچادے اور مُقرّب لوگوں کے درجہ میں داخل کردے۔ اور اپنے نیک بندوں میں شامل کردے، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، ہر اُونچے درجہ والے سے بلند ہے، سارے کریموں سے زیادہ کریم ہے۔ اے کریم (مجھ پر کرم کر) یہ کہہ کر سجدہ میں گر جاتیں، کہ اُن کے رونے کی آواز سنائی دیتی، اور صُبح تک روتی رہتیں اور دعائیں کرتی رہتی۔

یحییٰ بن بسطامؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت شعوانہؒ کی مجلس میں حاضر ہوتے اور ان کے رونے چلّانے کو سُنتے۔ میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ کسی وقت تنہائی میں ان کے پاس جاکر سمجھائیں کہ اس رونے میں کچھ کمی کردیں۔ میرے ساتھی نے کہا کہ اچھا جیسے تمہاری رائے ہو۔ ہم اُن کے پاس تنہائی میں گئے، اور اُن سے جاکر کہا۔ اگر تم اس رونے کو کچھ کم کردو اور اپنی جان پر ترس کھاؤ تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ کہ بدن میں کچھ طاقت رہیگی دیر تک اس سے کام لے سکوگی۔ وہ سُن کر رونے لگیں اور کہنے لگیں کہ میری تو یہ تمنا ہے کہ میں اتنا روؤں کہ آنکھ میں آنسو نہ رہے۔ پھر خون کے آنسوؤں سے رونا شروع کردوں۔ یہاں تک کہ میرے بدن کا سارا خون آنکھوں سے نکلے۔ ایک بھی قطرہ خون کا نہ رہے۔ اور کہنے لگیں کہ مجھے رونا کہاں آتا ہے، مجھے رونا کہاں آتا ہے۔ بار بار اسی لفظ کو کہتی رہیں کہ مجھے رونا کہاں آتا ہے۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہوگئیں۔

محمد بن مُعاذؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک عبادت گذار عورت نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنّت میں داخل ہونے کو جارہی ہوں۔ وہاں دیکھا کہ سارے آدمی جنّت کے دروازہ پر کھڑے ہیں، میں نے پوچھا، یہ کیا بات ہے۔ یہ سب کے سب دروازہ پر کیوں جمع ہوگئے۔ کسی نے بتایا کہ ایک عورت آرہی ہیں جن کے آنے کی وجہ سے جنّت کو سجایا گیا ہے۔ یہ سب ان کے اُستقبال کے واسطے باہر آگئے ہیں۔ میں نے پوچھا وہ عورت کون ہے؟ کہنے لگے کہ اُیکہ کی رہنے والی ایک سیاہ باندی ہیں، جن کا نام شعوانہ ہے۔ میں نے کہا۔ خدا کی قسم وہ تو میری بہن ہے۔ اتنے میں دیکھا کہ شعوانہ ایک نہایت عمدہ خوشنما اصیل اونٹنی پر بیٹھی ہوا میں اُڑی آرہی ہیں۔ میں نے اُن کو آواز دی کہ میری بہن تمہیں اپنا اور میرا تعلّق معلوم ہے۔ اپنے رب سے دُعا کردو کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ کردے۔ وہ یہ سُن کر ہنسیں اور کہنے لگیں، ابھی تمہارے آنے کا وقت نہیں آیا۔ لیکن میری دُو باتیں یاد رکھنا۔ (آخرت کے غم کو اپنے ساتھ چمٹالو، اور اللہ تعالیٰ کی مُحبّت اپنی ہر خواہش پر غالب کردو، اور اس کی پرواہ نہ کرو کہ موت کب آئے گی، یعنی ہر وقت اس کے لئے تیار رہو۔

ایک بُزرگ کہتے ہیں کہ میں ایک دن بازار جارہا تھا۔ میرے ساتھ میری حبشی باندی تھی۔ میں اس

کو ایک جگہ بٹھا کر آگے چلا گیا، اور اس سے کہہ گیا کہ یہیں بیٹھی رہنا میں ابھی آتا ہوں۔ جب میں واپس آیا تو وہ اس جگہ نہ ملی۔ مجھے بہت غصّہ آیا اور غصّہ کی حالت میں گھر واپس آ گیا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو میرے چہرہ سے غصّہ کو محسوس کیا، کہنے لگی۔ میرے آقا عتاب میں جلدی نہ کرو، ذرا میری بات سُن لو۔ آپ مجھے ایسی جگہ بٹھا کر گئے جہاں کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں تھا، مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں یہ جگہ زمین میں نہ دھنس جائے (جس جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو، اس جگہ جتنی جلدی عذاب آجائے قرینِ قیاس ہے)۔ اُس کی اس بات سے مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے اُس سے کہا کہ تُو آزاد ہے۔ کہنے لگی آقا تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا۔ میں نے کہا کیوں؟ کہنے لگی کہ پہلے جب میں باندی تھی تو مجھے دوہرا ثواب ملتا تھا (جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، کہ جو غُلام اللہ کی اطاعت کرے اور اپنے مولےٰ کی خدمت کرے، اس کو دوہرا اجر ہے) اب آپ نے آزاد کر کے میرا ایک اجر ضائع کر دیا۔

حضرت خواصؒ جو مشہور بزرگ ہیں کہتے ہیں کہ ہم حضرت رحلہ عابدہؒ کے پاس گئے، وہ روزے رکھتے رکھتے کالی پڑ گئی تھیں، اور نماز پڑھتے پڑھتے (پاؤں شل ہو گئے تھے جس کی وجہ سے) اپاہج ہو گئی تھیں، بیٹھ کر نماز پڑھتی تھیں۔ اور روتے روتے نابینا ہو گئی تھیں۔ ہم نے جا کر حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت اور معافی کا ذکر کیا کہ شاید اس سے اُن کے مجاہدہ کی شدت میں کچھ کمی آئے۔ انہوں نے میری بات سُن کر بے تحاشا ایک چیخ ماری۔ پھر کہنے لگیں کہ مجھے جو اپنی حالت معلوم ہے اُس نے میرے دِل کو زخمی کر رکھا ہے اور میرے جگر کو چھیل دیا ہے کاش! میں تو پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی نماز کی نیت باندھ لی۔

نمونہ کے طور پر دو ایک واقعات ذکر کئے ہیں، امام غزالیؒ نے اور بھی اس قسم کے واقعات عورتوں کے نقل کئے ہیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ اگر تُو اپنے نفس کی نگہداشت کرنے والا ہے تو تیرے لئے ضروری ہے کہ ان محنت کرنے والے مردوں اور عورتوں کے احوال کو غور و فکر کی نگاہ سے دیکھے، تاکہ تیری طبیعت میں نشاط بڑھے، اور محنت کی تجھے حرص پیدا ہو۔ اور اپنے زمانہ کے آدمیوں کے احوال دیکھنے سے احتراز کر کہ ان میں سے اکثر ایسے ملیں گے کہ اگر تُو ان کا اتباع کرے گا تو وہ تجھے اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں گے۔ اُن محنت کرنے والوں کے واقعات کی کوئی تعداد نہیں ہے۔ ہم نے نمونہ کے طور پر چند لکھے ہیں جو عبرت کے لئے کافی ہیں۔ اگر تُو زیادہ حالات دیکھنا چاہے، تو "حلیۃ الاولیاء" کا مطالعہ کیا کر کہ اس میں صحابہؓ اور تابعینؒ اور ان کے بعد والوں کے احوال تفصیل سے لکھتے ہیں۔ (اور کچھ واقعات شارح "احیاء" نے بھی ذکر کئے ہیں) اور

ان کے احوال کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ تُو اور تیرے زمانہ کے لوگ دین سے کتنے دُور ہیں اور اگر تیرے دل میں اپنے زمانہ کے لوگوں کو دیکھ کر یہ خیال آئے کہ پہلے زمانہ میں چونکہ خیر کی کثرت تھی، اس لئے اس زمانہ میں یہ سہل تھا۔ اب اگر ان حالات پر عمل کیا جائے گا تو لوگ پاگل کہیں گے، اس لئے جو حشر اس زمانہ کے سب آدمیوں کا ہوگا، وہ میرا بھی ہو جائے گا۔ مصیبت جب عام آتی ہے تو اس میں سب ہی کو شامل ہونا پڑتا ہے۔ تو یہ تیرے نفس کا دھوکہ ہے۔ تو ہی بتا کہ اگر کہیں سے پانی کا سیلاب آگیا ہو جس میں سب ہی بہتے جا رہے ہوں، تو اگر کوئی شخص تیرنا جانتا ہے یا کسی اور ذریعہ سے بچ سکتا ہے تو کیا وہ یہ سمجھ کر چُپ ہو جائے کہ اس مصیبت میں تو سب ہی گرفتار ہیں۔ حالانکہ سیلاب کی مصیبت بہت تھوڑی دیر کی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ موت آجائے گی۔ اس سے زیادہ تو کچھ نہ ہوگا۔ اور آخرت کا عذاب نہایت سخت ہے کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے اور ہمیشہ غور کرتے رہنا چاہیئے (احیاء)

حضرت ابراہیم بن اَدہمؒ سے کسی نے عرض کیا کہ اگر آپ کسی وقت تشریف رکھا کریں تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کریں کہ کچھ ارشادات سُنیں۔ انہوں نے فرمایا۔ مجھے چار کام اِسوقت درپیش ہیں۔ ان میں مشغول ہوں، ان سے فراغت پر یہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ جب اَزل میں عہد لیا گیا تھا تو حق تعالیٰ شانہ نے ایک فریق کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ جنّتی ہیں، اور دوسروں کو فرمایا تھا کہ یہ دوزخی ہیں۔ مجھے ہر وقت یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم میں کن میں ہوں۔

۲۔ جب بچہ ماں کے پیٹ میں شروع ہوتا ہے تو اُس وقت ایک فرشتہ جو اُس نطفہ پر مقرّر ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ شانہٗ سے پوچھتا ہے کہ اس کو سعید لکھوں، یا بدبخت۔ مجھے ہر وقت یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم مجھے کیا لکھا گیا۔

۳۔ جب فرشتہ آدمی کی روح قبض کرتا ہے تو یہ پوچھتا ہے کہ اس رُوح کو مسلمانوں کی روحوں میں رکھوں یا کافروں کی۔ نہ معلوم میرے متعلق اس فرشتہ کو کیا جواب ملے گا۔

۴۔ قیامت میں حکم ہوگا وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ (یٰسٓ۔ ع ۴) "آج مجرم لوگ فرمانبرداروں سے علیحدہ ہو جائیں" مجھے یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم میرا شمار کس فریق میں ہوگا (تنبیہ الغافلین) یعنی جب ان چاروں فکروں سے امن نصیب ہو جائے اس وقت دوستوں سے بے فکری سے باتیں کرنے کا وقت مل سکتا ہے۔ اب تو میں ہر وقت ان فکروں میں رہتا ہوں، کہاں اطمینان سے بیٹھ سکتا ہوں۔

(۱۵) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَۃِ الْعَرَضِ وَلٰکِنَّ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ۔ (متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کا غنی ہونا مال کی کثرت سے نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقی غنا تو دل کا غنی ہونا ہے۔

ف: مطلب حدیث پاک کا بالکل ظاہر ہے کہ اگر آدمی کا دل غنی نہیں ہے تو جتنا مال بھی اس کے پاس زیادہ ہو، وہ مال کے خرچ کرنے میں فقیروں سے زیادہ کم خرچ ہوگا، اور جتنا بھی مال اس کے پاس ہو وہ ہر وقت اس کے بڑھانے کے فکر میں محتاجوں سے زیادہ پریشان ہوگا۔ اور اگر اس کا دل غنی ہے تو تھوڑا سا مال بھی اس کو بے فکر رکھے گا اور جتنا ہوگا اس کے ہر وقت بڑھ جانے کے فکر سے آزاد ہوگا۔

امام راغبؒ کہتے ہیں کہ غنا کئی معنے میں بولا جاتا ہے۔ ایک تو غنا کے معنی کسی قسم کی حاجت نہ ہونے کے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے تو صرف حق تعالیٰ شانہٗ غنی ہے کہ اس کو کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے۔ اسی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔ (تم سب کے سب اللہ تعالیٰ شانہٗ کے محتاج ہو، وہ پاک ذات بے احتیاج ہے، ہر قسم کی تعریف والا ہے) دوسرے معنی حاجات کی کمی کے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ شانہٗ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سورۂ والضحیٰ میں ارشاد فرمایا۔ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی "اور حق تعالیٰ شانہٗ نے آپکو فقیر پایا پھر آپکو غنی بنادیا" اور اسی معنی کے اعتبار سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد حدیثِ بالا میں ہے کہ اصل غنا دل کا غنی ہونا ہے۔ تیسرے معنی مال کی کثرت اور سامان کی فراوانی کے ہیں۔ جس کو قرآن پاک میں یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (البقرہ۔ ع ۳۷) میں ذکر فرمایا۔ اس آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ صدقات اصل حق ایسے لوگوں کا ہے جو اللہ کے راستہ میں گھر گئے ہوں اور ناواقف آدمی اُن کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے اُن کو مالدار سمجھتا ہے۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ ابو ذرؓ! کیا تمہارا خیال ہے کہ مال کی کثرت غنا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ بیشک۔ پھر حضورؐ نے فرمایا۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ مال کی قلت فقر ہے؟ میں نے عرض کیا بیشک۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ غنا صرف دل کا غنا ہے اور فقر صرف دل کا فقر ہے۔ (ترغیب)

حقیقت یہی ہے کہ اصل غنا دل کا غنا ہے۔ جس خوش قسمت کو حق تعالیٰ شانہٗ نصیب فرماوے

اور یہی حقیقی زہد ہے۔ جس دِل کے اندر مال کی محبّت بالکل نہ ہو وہی غنی ہے، وہی زاہد ہے چاہے ظاہر میں اس کے پاس مال نہ ہو۔ اور جس دِل میں دُنیا کی محبّت ہو وُہ فقیر ہے وہ دنیادار ہے چاہے کتنا ہی مال اس کے پاس ہو۔

(فقیہ ابُو اللیثؒ ایک حکیم کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ ہم نے چار چیزیں تلاش کیں، اور اُن کی تلاش کا غلط راستہ اختیار کیا۔ ہم نے غِنا کو مال میں تلاش کیا حالانکہ وہ مال میں نہیں تھا بلکہ قناعت میں تھا۔ (ہم اس کو مال میں تلاش کرتے رہے۔ وُہ جب وہاں تھا ہی نہیں تو کیسے ملتا) ہم نے راحت کو (جان و مال کی) کثرت میں تلاش کیا حالانکہ راحت ان کی کمی میں تھی۔ ہم نے اِعزاز کو مخلوق میں تلاش کیا (کہ اُن کی خُوشی کے اسباب اختیار کریں تاکہ اُنکے یہاں اعزاز ہو) مگر وہ تقوے میں ملا (اور بالکل صحیح ہے۔ جس قدر آدمی میں تقوےٰ زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کا اعزاز زیادہ ہوگا) ہم نے اللہ کی نعمت کو کھانے اور پہننے میں تلاش کیا (اور یہ سمجھا کہ یہ اللہ کے بڑے اِنعامات ہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا بڑا اِنعام، اسلام کی دولت اور گناہوں کی ستّاری ہے (جس کو یہ دو نعمتیں حاصل ہیں اُس پر اللہ کا بڑا اِنعام ہے۔)

(حُضورؐ کا اِرشاد نقل کیا گیا کہ جس شخص کا دُنیا مقصد بن جائے حق تعالیٰ شانُہٗ اس کے دِل پر تین چیزیں مُسلّط کر دیتے ہیں، ایک ایسا غم جو کبھی ختم ہونے والا نہ ہو۔ ۲ اور ایسا مشغلہ جس سے فراغت نصیب نہ ہو، اور ۳ ایسا فقر جس کا کبھی خاتمہ نہ ہو (تنبیہُ الغافلین)

حُضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد ہے کہ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جس کو حق تعالیٰ شانُہٗ نے دُنیا سے بے رغبتی اور کم بولنا عطا فرمایا ہو تو اس کے پاس رہا کرو۔ اس کو حکمت دی گئی ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۱۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا نَظَرَ اَحَدُکُمْ اِلٰی مَنْ فُضِّلَ عَلَیْہِ فِی الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی مَنْ ھُوَ اَسْفَلُ مِنْہُ۔

(متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)

حُضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک اِرشاد ہے کہ جب آدمی کسی ایسے شخص کی طرف دیکھے جو مال میں یا صورت میں اپنے سے اعلیٰ ہو تو ایسے شخص کی طرف بھی غور کرلے جو اُن چیزوں میں اپنے سے کم ہو۔)

ف: یعنی آدمی جب کسی لکھ پتی کو دیکھے اور اس کو دیکھ کر للچائے اور افسوس کرے کہ یہ تو ایسا مال دار ہے، مَیں نہیں ہوں، تو کسی ایسے آدمی کو بھی غور کرلے جس کو ناداری کی وجہ سے فاقے کرنے پڑ رہے ہوں تاکہ پہلے

افسوس کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کا اُس پر شکر ادا ہو سکے کہ اُس نے ایسا نہیں کر رکھا۔)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اپنے سے زیادہ مالداروں کی طرف نگاہیں نہ لے جایا کرو، اپنے سے کم درجہ والوں کو سوچا کرو۔ اس سے اُس نعمت کی حقارت تمہارے دلوں میں نہیں ہوگی، جو اللہ جل شانہٗ نے تمہیں عطا کر رکھی ہے۔ (مشکوٰۃ)

(حضرت ابو ذر غفاری رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) نے سات نصیحتیں کی ہیں:۔

(۱) مجھے اس کا حکم فرمایا ہے کہ مسکینوں سے محبّت کیا کروں اور ان کے قریب رہا کروں۔ (۲) مجھے اس کا حکم فرمایا ہے کہ مَیں اپنے سے اُونچے لوگوں (زیادہ مالداروں پر) نگاہ نہ رکھا کروں، اپنے سے کم درجہ والوں پر نگاہ رکھوں (اُن پر غور کیا کروں)۔ (۳) مجھے حکم فرمایا ہے کہ مَیں صلۂ رحمی کیا کروں اگرچہ وہ مجھ سے مُنہ پھیرے (یعنی جس کے ساتھ صلۂ رحمی کروں وہ مجھ سے غائب ہو، دُور ہو، یا یہ کہ وہ میرے ساتھ توجّہ سے پیش نہ آئے، بلکہ مجھ سے روگردانی کرے۔ ترغیب ترہیب کے الفاظ یہ ہیں کہ اگرچہ وہ مجھ پر ظلم کرے۔ اس سے دوسرے معنیٰ کی تائید ہوتی ہے) (۴) مجھے حکم فرمایا ہے کہ مَیں کسی شخص سے کوئی چیز نہ مانگوں۔ (۵) مجھے حکم فرمایا ہے کہ مَیں حق بات کہوں چاہے کسی کو کڑوی ہی لگے۔ (۶) مجھے حکم فرمایا ہے کہ مَیں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رضا کے مقابلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کروں (یعنی جس چیز سے حق تعالیٰ شانہٗ راضی ہوں اس کو اختیار کروں، اس کے کرنے پر احمق لوگ ملامت کریں، تو کیا کریں) (۷) مجھے حکم فرمایا ہے کہ مَیں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کثرت سے پڑھا کروں، اس لئے کہ یہ کلمات ایسے خزانہ سے اُترے ہیں جو خاص عرش کے نیچے ہے (مشکوٰۃ)

لَاحَوْل کو کثرت سے پڑھنے کی ترغیب بہت کثرت سے روایات میں آئی ہیں۔

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں، کہ جس شخص میں یہ ہوں حق تعالیٰ شانہٗ اس کو صابرین اور شاکرین کی جماعت میں شمار کرتے ہیں۔ جو شخص دین کے بارے میں اپنے سے اُونچے لوگوں کے احوال کو دیکھے اور ان کے اتباع کی کوشش کرے اور دُنیا کے بارے میں اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو دیکھے اور اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کا شکر ادا کرے کہ اُس نے (محض اپنے فضل سے) اُس کو اس سے بہتر حالت میں کر رکھا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو صابر اور شکر کرنے والوں میں شمار فرمائیں گے۔ اور جو شخص دین کے بارے میں اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھے (کہ فلاں تو اتنا بھی نہیں کرتا جتنا مَیں کرتا ہوں)، اور دُنیا کے

بارے میں اپنے سے اُونچے لوگوں کو دیکھے اور اس پر افسوس کرے کہ میرے پاس اتنا نہیں ہے جتنا فلاں کے پاس ہے وُہ نہ صبر کرنے والوں میں شمار ہے نہ شُکر گذاروں میں ۔ (مشکوٰۃ)

عَوْن بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ میں اکثر مالداروں کے پاس بیٹھا کرتا تھا، تو میری طبیعت غمگین رہتی۔ کسی کا کپڑا اپنے کپڑے سے بہتر دیکھتا (تو اپنے کپڑے کے ادنیٰ ہونے پر اپنی ذِلّت محسوس کرتا جس سے رنج ہوتا) کسی کا گھوڑا اپنے گھوڑے سے اعلیٰ دیکھتا۔ پھر میں نے فُقَراء کے پاس اپنی نشست شروع کر دی تو مجھے اس رنج سے راحت مل گئی (کہ ان لوگوں سے اپنی چیزوں کو افضل دیکھتا ہوں) ۔ (احیاء)

(عُلماء نے لکھا ہے کہ نکاح بھی کسی غریب سے کرے ۔ مالدار عورت سے نہ کرے ۔ اس لئے کہ جو شخص مالدار عورت سے نکاح کرتا ہے، پانچ آفتوں میں گرفتار ہوگا ۔

۱؎ مہر زیادہ دینا پڑے گا۔ ۲؎ رخصتی میں دیر اور ٹال مٹول ہوگی (کہ اس کے جہیز کی تیاری ہی نہ ختم ہوگی) ۔ ۳؎ اس سے خدمت لینا مشکل ہوگا۔ ۴؎ خرچ زیادہ مانگے گی۔ ۵؎ طلاق دینا چاہے گا تو اس کے مال کا لالچ طلاق نہیں دینے دے گا۔

کہتے ہیں کہ عورت چار چیزوں میں خاوند سے کم تر ہونی چاہیئے ۔ ورنہ خاوند اس کی نگاہ میں ذلیل ہوگا۔ عمر میں، قد کی لمبائی میں، مال میں، شرافت میں ۔ اور چار چیزوں میں خاوند سے بڑھی ہوئی ہونی چاہیئے خوبصورتی میں، ادب میں، تقوے میں، عادتوں میں (احیاء) اور مال سے زیادہ اَہم خِلقت اور صحت کے اِعتبار سے اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھنا ہے۔)

ایک بُزرگ کی خدمت میں کسی شخص نے حاضر ہو کر اپنے فقر کی شکایت کی اور بڑی سخت پریشانی کا اظہار کیا کہ اس کے غم میں مرنے کی تمنا ظاہر کی ۔ ان بُزرگ نے دریافت کیا کہ تم اس پر راضی ہو کہ تمہاری آنکھیں ہمیشہ کے لئے لے لی جائیں، اور تمہیں دس ہزار درم مل جائیں ؟ وہ اس پر راضی نہ ہُوا ۔ پھر فرمایا ۔ اچھا اس پر راضی ہو کہ تمہیں دس ہزار درم دے کر تمہاری زبان لے لی جائے ؟ وہ اس پر بھی راضی نہ ہُوا ۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ اس پر راضی ہو کہ تمہارے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور تم کو بیس ہزار درہم دیئے جائیں ؟ وہ اس پر بھی راضی نہ ہُوا ۔ پھر فرمایا کہ اچھا اس پر راضی ہو کہ تمہیں مجنون بنا دیا جائے اور دس ہزار درہم دے دیئے جائیں ؟ وہ اس پر بھی راضی نہ ہُوا ۔ وہ فرمانے لگے کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہارے اقرار کے موافق پچاس ہزار سے زیادہ مالیت کا سامان تو حق تعالیٰ شانُہٗ نے تمہیں عطا فرما رکھا ہے (اور یہ مثال کے

طور پر چند چیزیں گنوائی ہیں) پھر بھی تم شکوہ کر رہے ہو۔

ابن سماکؒ ایک بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔ بادشاہ نے اُن سے دَرخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ ابنِ سماکؒ نے کہا کہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ گلاس پانی کا اُسی ساری سلطنت کے بدلہ میں مِل سکتا ہے جو تمہارے پاس ہے، اور نہ خریدا جائے تو پانی ملنے کی کوئی صورت نہیں، پیاسے ہی رہنا ہوگا کیا تم راضی ہو جاؤ گے کہ ساری سلطنت دے کر پانی خریدو، ورنہ پیاسے مر جاؤ۔ بادشاہ نے کہا۔ یقیناً راضی ہو جاؤں گا۔ ابنِ سماکؒ نے کہا کہ ایسی بادشاہت پر کیا خوش ہونا جس کی ساری کی قیمت ایک گلاس پانی ہو۔ ان مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کی ایک ایک نعمت ہر شخص کے پاس ایسی ہے کہ لاکھوں کروڑوں اُس کی قیمت نہیں ہو سکتی۔

یہ تو عام نعمتیں ہیں جن میں ہر شخص کی شرکت ہے۔ اگر گہری نگاہ سے غور کیا جائے تو ہر شخص کے ساتھ خصوصی نعمتیں حق تعالیٰ شانُہٗ کی ایسی ہیں جن میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اور تین چیزیں تو ایسی ہیں کہ ان میں ہر شخص کو اعتراف ہے کہ وُہ اس نعمت میں ممتاز ہے کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں۔ ان میں سے ایک اوّل تو عقل ہے کہ ہر شخص چاہے کتنا ہی بے وقوف ہو، وہ یہ سمجھا کرتا ہے کہ مَیں سب سے زیادہ عقل مند ہوں۔ دوسرے اس بات کو نہیں سمجھے جس کو مَیں سمجھتا ہوں۔ ایسی حالت میں چاہے واقعہ کے اعتبار سے صحیح ہو یا غلط، لیکن اُس کے اپنے اعتقاد اور اقرار کے اعتبار سے اُس پر حق تعالیٰ شانُہٗ کا ایک ایسا انعام ہے کہ یہ انعام کسی دوسرے پر نہیں ہے، ایسی حالت میں کیا یہ ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی اس نعمت میں سب سے زیادہ شکر گذار بنے (اور اگر کسی معمولی چیز روپیہ پیسہ وغیرہ میں کسی دوسرے سے کم ہو تو یہ سوچے کہ سب سے اشرف چیز عقل میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہوں)۔

دوسری چیز عادات ہیں کہ ہر شخص اپنے سوا دوسرے ہر شخص میں کوئی نہ کوئی ایسی عادت سمجھا اور پایا کرتا ہے جو اس کے نزدیک عیب ہوتی ہے۔ اور گویا اُس کے نزدیک اس کے سوا ہر شخص کے اندر کوئی نہ کوئی اخلاقی عیب ضرور ہے اور اپنی کسی عادت کو بھی (لفظوں میں چاہے مان لے مگر دِل میں) عیب دار نہیں سمجھا کرتا۔ نہ اس کے چھوڑنے کے درپے ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کیا یہ ضروری نہیں کہ آدمی یہ سوچے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے اگر کسی ایک آدھ چیز میں دوسرے سے کم دے رکھا ہے تو عادات کی نعمتوں میں اسکو خاص طور سے سب سے بڑھا رکھا ہے۔

تیسری چیز علم ہے کہ ہر شخص اپنے ذاتی حالات اور اندرونی اَحوال سے اتنا زیادہ واقف اور انکا جاننے والا ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص اسکے احوال سے اتنا واقف نہیں ہوتا، اور ان میں ایسی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں کہ آدمی ہرگز یہ گوارا نہیں کرتا کہ اسکے ان عیوب پر کوئی دوسرا مطّلع ہو۔ تو حق تعالیٰ شانہ کا یہ احسان کہ اسکو اپنے احوال کا علم عطا فرمانے کے باوجود دوسروں سے اسکی ستاری فرما رکھی ہے۔ اور اس کی یہ تمنا کہ میرے اس علم کی کسی کو خبر نہ ہو، پوری کر رکھی ہے، کہ ان میں دوسرا کوئی بھی اس کا شریک نہیں کیا ایسی چیز نہیں ہے جس میں یہ سب سے مُمتاز ہے اور اس کا شکر اس کے ذِمّہ ضروری ہے۔ ان کے علاوہ ہزاروں چیزیں ہر شخص میں ایسی ہیں، جن کے مُتعلِق وُہ کبھی اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ وہ چیز اس سے لے کر اس کے بدلہ میں اس کی ضد یا کوئی دوسری چیز دے دی جائے۔ مثلاً انسان ہونا ہے، کوئی گوارا نہیں کرتا کہ اس کو آدمی سے بندر بنا دیا جائے۔ مَرد ہونا ہے، کوئی نہیں پسند کرتا کہ اس کو مَرد سے عورت بنا دیا جائے۔ اسی طرح مؤمن ہونا ہے، حافظِ قرآن ہونا ہے، عالِم ہونا ہے، خوبصورت ہونا ہے، صاحبِ اولاد ہونا ہے۔ غرض اَخلاق میں، صورت میں، سیرت میں، عزیز و اقارب میں، اہل و عیال میں، عزّت مرتبہ میں ہر شخص کے پاس ایسے خُصوصی اُمور ملیں گے جن کے تبادلہ پر وُہ کبھی بھی راضی نہ ہوگا۔ تو کیا پھر یہ بات صحیح نہیں کہ ہر شخص پر حق تعالیٰ شانہ کے ہزاروں ایسے خُصوصی اِنعامات ہیں جو دوسرے کو نصیب نہیں۔ ایسی حالت میں ان سب سے آنکھ بند کرکے، اگر کوئی ایک دو چیزیں دوسرے کے پاس ہیں جو اس کے پاس نہیں ہیں، اُن میں للچائے اور ناشُکری کرے، یہ اِنتہائی کمینہ پن نہیں ہے؟ اور اگر کسی کے پاس مال ہی زیادہ دیکھتا ہے تو اُن اُمور میں جو اوپر ذکر کئے گئے غور کرے کہ ان میں سے کتنی چیزیں ایسی ہیں جن میں یہ اُس شخص سے بڑھا ہوا ہے، جس پر رشک یا حسد کر رہا ہے۔ درآں حالیکہ مجموعۂ اِحسانات میں یہ خود اس سے بڑھا ہوا ہے۔ (احیاء)

اور اس سب کے بعد جو مال اس کے پاس ہے اُس کا حشر معلوم نہیں، کیا ہونے والا ہے۔ وہ اُس کے لئے راحت کا سبب ہے یا وبالِ جان ہے۔ اسی لئے حُضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ کسی فاجر شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر رشک نہ کرو تمہیں خبر نہیں کہ مرنے کے بعد وہ کس مُصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے۔ اس لئے کہ فاجر شخص کے لئے اللہ کے یہاں ایسی ہلاکت ہے یعنی جہنّم جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے (مشکوٰۃ) آئندہ حدیث میں یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے۔

(۱۷) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا

حُضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب تُو یہ دیکھے، کہ حق تعالیٰ شانہٗ کسی گناہ گار پر اس کے گناہوں

دَأَيْتَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلٰى مَعَاصِيْهِ مَا يُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوْا بِمَا أُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○

(رواه احمد كذا فى المشكوٰة)

کے باوجود دُنیا کی وُسعت فرما رہے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ڈھیل ہے۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت شریفہ (فَلَمَّا نَسُوْا سے مُبْلِسُوْنَ) تک تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ پس جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی اُن کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے اُن پر (راحت کے) ہر قسم کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر جو اُن کو ملی تھیں اِترانے لگے تو ہم نے اُن کو دفعتہً پکڑ لیا، پھر تو وہ حیرت میں رہ گئے۔

ف: یہ آیت شریفہ سورۂ انعام کے پانچویں رکوع کی ہے۔ اوپر سے حق تعالیٰ شانہٗ نے جو معاملہ پہلی اُمتوں کے ساتھ فرمایا ہے اس کا اجمالی بیان ہے جس کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"اور ہم نے اور اُمتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے (زمانہ میں) تھیں، پیغمبر بھیجے تھے (مگر انہوں نے اُن پیغمبروں کو نہ مانا) سو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری (وغیرہ مصائب میں مبتلا کیا، اور ان سختیوں) کے ساتھ پکڑا تا کہ وہ لوگ ڈھیلے پڑ جائیں (کہ آفتیں آنے پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کو یاد کیا جاتا ہے۔ مگر وہ اس پر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے) پس جب اُن کو ہماری طرف سے سزا پہنچی تھی تو انہوں نے عاجزی کیوں نہ کی (تا کہ ان کی آہ و زاری اور عاجزی اور توبہ سے اُن کا قصور معاف کر دیا جاتا) لیکن ان کے دل تو ویسے ہی سخت رہے اور شیطان ان کے اعمال (بد کو جن میں وہ مبتلا تھے اور ان کی حرکتوں) کو ان کی نگاہ میں آراستہ کر کے دکھاتا رہا۔ پس جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو (پیغمبروں کی طرف) نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے اُن پر راحت و آرام اور عیش و عشرت کی) ہر چیز کے دروازے کھول دیئے (جس سے وہ عیش پرستی میں خوب مست ہو گئے) یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں کے ساتھ جو اُن کو دی گئی تھیں خوب اِترانے

(اور اکڑنے) لگے تو ہم نے اُن کو دفعتہً پکڑ لیا (اور ایسا فوری عذاب ایک دم اُن پر مُسلط کر دیا کہ اُن کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا) پھر تو وہ حیرت میں رہ گئے (کہ یہ کیا ہوگیا۔ یہ مصیبت کہاں سے نازل ہوگئی) پھر (تو ہمارے فوری عذاب سے) ظالموں کی بالکل جڑ کٹ گئی۔ اور اللہ کا شکر ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے (کہ ایسے ظالموں کی جڑ کٹ گئی)"۔

(حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس آیتِ شریفہ کی تلاوت سے حق تعالیٰ شانہٗ کی عادتِ شریفہ کی طرف اشارہ کر کے تنبیہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں کے باوجود عیش و عشرت اور راحت کے اسباب کا ہونا بسا اوقات حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے جس کو اِستدراج کہتے ہیں جس کا قرآن پاک کی اس آیت میں ذکر ہے، اور اس کے علاوہ بھی مُتعدِّد آیات میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے یہ بڑی خطرہ کی چیز ہے۔ اس لئے کہ اس میں اکثر فوری عذاب آدمی پر ایسا مُسلَّط ہو جاتا ہے کہ وہ حیران کھڑا رہ جاتا ہے۔ اور کوئی راستہ اس کو اس آفت سے بچنے کا نہیں ملتا۔ اس لئے اس سے بہت زیادہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔)

(حضرت عُبادہ رضؓ حضورِ صلعم کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ کسی قوم کو بڑھانا چاہتے ہیں، تو ان میں میانہ روی اور عفت پیدا فرماتے ہیں، اور جب کسی قوم کو ختم کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس میں خیانت کا دروازہ کُھل جاتا ہے۔ پھر جب وہ اپنی اس حرکت پر خوب خوش ہونے لگتے ہیں تو ایک دم اُن پر عذاب مُسلَّط ہو جاتا ہے، اور یہ آیت پڑھی۔)

(حضرت حسن رضؓ فرماتے ہیں کہ جس پر وُسعت کی جائے اور وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ میری ہلاکت کا پیش خیمہ ہے وہ سمجھ دار نہیں ہے۔ اور جس پر تنگی ہو اور وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ میرے لئے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف رُجوع کرنے کے لئے مہلت ہے وہ سمجھ دار نہیں ہے (درمنثور)۔)

(ایک حدیث میں ہے کہ خود حضورؐ نے بھی یہ دُعا کی۔ یا اللہ! جو مجھ پر ایمان لائے اور اُن احکامات کو سچا جانے جو میں لایا ہوں تو اسکو مال کم عطا کر، اولاد کم عطا کر۔ اور اپنی ملاقات کا شوق اس کو زیادہ دے اور جو مجھ پر ایمان نہ لائے اور ان احکامات کو سچا نہ جانے، اس کو مال بھی زیادہ دے، اولاد بھی زیادہ دے اور اس کی عمر بھی زیادہ کر۔ (کنز))

(بہر حال مَعاصی کی کثرت کے ساتھ نعمتوں کا ہونا زیادہ خطرناک ہے اور ایسے وقت میں بہت زیادہ توبہ، اِستغفار اور حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف رُجوع کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا وہ اِرشاد ہے جو قریب ہی اس سے پہلی حدیث کے آخر میں گذرا کہ کسی فاجر کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر رشک نہ کرو تمہیں خبر نہیں کہ وہ مرنے کے بعد کس مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے۔)

(۱۸) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ کذا فی المشکوٰۃ وزاد السیوطی فی الجامع الصغیر احمد والحاکم ورقم لہ بالصحۃ)

حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد ہے کہ سمجھدار شخص وُہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی رِضا کے کاموں کا مُطیع بنائے اور مرنے کے بعد کام آنے والے اعمال کرے اور عاجز (بیوقوف) ہے وہ شخص جو نفس کی خواہشوں کا اِتباع کرے اور اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں باندھے۔

ف: یعنی حالت تو یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کے مُقابلہ میں حرام حلال کی بھی پرواہ نہیں اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے بڑی بڑی اُمیدیں لگائے رکھتا ہے کہ وہ رحیم ہے، کریم ہے اور ان اُمیدوں پر گناہ کی پروا نہ کرے۔

(ایک اور حدیث میں ہے سمجھدار وہ ہے جو موت کے بعد کے لئے عمل کرے اور ننگا وہ ہے جو دین سے خالی ہو۔ یا اللہ زندگی صرف آخرت ہی کی زندگی ہے (جامع الصغیر) یعنی وہی پائیدار زندگی ہے جو اس میں خالی ہاتھ گیا تو اس نے عمر بھی کھودی۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ حق تعالےٰ شانُہٗ کی رحمت اور مَغفرت کا اُمیدوار ہونا اور اس کی تمنا کرنا اور اس کو اللہ تعالےٰ شانُہٗ سے مانگنا دوسری چیز ہے اور اس کی رحمت اور مَغفرت کے گھمنڈ پر غرور اور یہ گمان کہ میں جو چاہے کرتا رہوں، میری مَغفرت تو ہو ہی جائے گی، دوسری چیز ہے۔

(امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ۔ اور دوسرا اِرشاد وَلٰکِنَّکُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَکُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْکُمُ الْاَمَانِیُّ۔ یہ دونوں آیتیں غُرور کی مَذمت کے لئے بہت کافی ہیں (احیاء

پہلی آیتِ شریفہ سورۂ لُقمان کے آخر میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "تم لوگوں کو دُنیا کی زندگی دھوکہ میں نہ ڈال دے (کہ تم اسمیں لگ کر آخرت کو بُھول جاؤ) اور نہ تم کو دھوکہ باز (شیطان) دھوکہ میں ڈال دے" اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں حضرت سَعِیدبِن جُبَیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دھوکہ میں ڈال دینے کا مطلب یہ ہے کہ تُو گناہ کرتا رہے اور مَغفِرت کی تمنّائیں کرتا رہے۔

دوسری آیتِ شریفہ سورۂ حدید کے دوسرے رکوع کی ہے۔ جس میں اوپر سے قیامت کے دن کے ایک منظرہ ذکر ہے کہ اس دن مُسلمانوں کے سامنے ایک نُور دوڑتا ہوا ہوگا جو اُن کے آگے آگے چل رہا ہوگا (یہ پُل صراط پر سے گذرنے کے لئے ہوگا) اس کے بعد ارشاد ہے:

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝

(اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کرلو تاکہ ہم بھی تمہارے نُور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں۔ تو اُن کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لَوٹ جاؤ، وہاں روشنی تلاش کرو۔ پھر قائم کردی جائے گی ان کے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا، کہ اُس کے اندرونی جانب رحمت ہے اور اس کے باہر کی طرف عذاب (پھر وہ منافق) آوازیں دیں گے کیا دُنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ (مسلمان) کہیں گے کہ ہاں ساتھ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور تم (مسلمانوں پر مَصائب کے مُتمنّی اور مُنتظِر رہا کرتے اور (اسلام کے حق ہونے میں) تم شک کیا کرتے تھے اور تم کو تمہاری (بیہودہ) تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ خُدا کا حکم (موت کے مُتعلّق) آپہنچا اور تم کو دھوکہ دینے والے (شیطان) نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔"

ابو سفیانؓ سے اس آیت شریفہ کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے کہ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَکُمْ یعنی تم نے گناہوں کے ساتھ اپنے آپکو گمراہی میں ڈال رکھا تھا اور تم کو تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ کہ تم یہ کہتے تھے کہ ہماری مغفرت ہو جائے گی۔ (در منثور)

صاحب مظاہر لکھتے ہیں کہ شیخ ابن عباد شاذلیؒ ہیچ شرح حکم کے کہتے ہیں کہ علماء باللہ نے کہا ہے کہ رجاء کاذب کہ مغرور ہو صاحب اس کا اس پر، اور باز رہے عمل سے اور دلیر کرے اسکو گناہوں پر، حقیقت میں رجاء نہیں ہے بلکہ وہ آرزو اور فریب شیطان کا ہے۔

اور حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ طلب کرنا بہشت کا بے عمل کے ایک گناہ ہے گناہوں سے، اور امید شفاعت بے سبب و بے علاقہ ایک قسم ہے فریب سے، اور امید رکھنا رحمت کا اُس سے کہ فرمانبرداری نہ کرے اُس کی، حمق اور جہالت ہے۔

اور حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ایک قوم کو باز رکھا بخشش کی آرزوؤں نے یہانتک کہ باہر نکلی دُنیا سے اور حال یہ ہے کہ نہیں ہے اُن کے لئے نیکی۔ کہتا ہے ایک اُن میں سے کہ اچھا رکھتا ہوں میں گمان اپنے پروردگار سے کہ بخشنے والا ہے، جھوٹ کہتا ہے اگر اچھا ہوتا گمان اس کا ساتھ پروردگار کے تو اچھے عمل کرتا۔ اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ دُور رہو اے بندگان خدا ان آرزوؤں باطل سے کہ یہ وادی احمقوں کی ہیں کہ پڑے ہیں لوگ اُن میں، قسم ہے خدا تعالیٰ کی نہ دی خدا تعالیٰ نے کسی بندے کو اس کی آرزوؤں سے خیر دُنیا میں اور نہ آخرت میں (مظاہر حق)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ہر سعادت کی کُنجی چوکنا رہنا اور سمجھ سے کام کرنا ہے۔ اور ہر قسم کی بدبختی کا چشمہ غُرور اور غفلت ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا کوئی احسان، ایمان اور معرفت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور اُن کے لئے کوئی ذریعہ اس کے سوا نہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ، بصیرت کے نُور کے ساتھ دل میں انشراح پیدا کر دے۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ کا کوئی عذاب کفر اور معصیت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور اس کا محرّک صرف یہ ہے کہ جہالت کی ظلمت سے دل کی آنکھ اندھی ہو جائے۔ پس سمجھ دار اور بصیرت والے لوگوں کے دل ایسے ہیں جیسا کہ کسی طاق میں نہایت روشن چراغ (دبجلی کا قمقمہ) رکھا ہوا ہو جس کی مثال قرآن پاک کی آیت کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ الآیہ (نور۔ ع ۵) ہے اور غرور میں پڑے ہوئے لوگوں کے دل ایسے ہیں جیسا کہ بہت سی تاریکیوں میں کوئی شخص ہو کہ کوئی چیز اس کو نظر نہ آتی ہو کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰہُ

الآیۃ (نور۔ ع ۵) اور جب معلوم ہو گیا کہ غرور ہی اصل سرچشمہ ہلاکت کا ہے تو اس کی تھوڑی سی تفصیل معلوم ہونے کی ضرورت ہے تاکہ اس سے اہتمام سے بچا جا سکے۔ غرور کی مذمت قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے وارد ہوئی ہے۔ اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سمجھ دار شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مرنے کے بعد کے لئے عمل کرتا ہے اور احمق وہ شخص ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کا اتباع کرے اور اللہ جلّ شانہٗ پر تمنائیں کرے، اور احادیث میں جہل کے متعلق جتنی مذمتیں اور وعیدیں آئی ہیں وہ ساری غرور پر بھی صادق آتی ہیں۔ اس لئے کہ غرور جہل سے پیدا ہوتا ہے بلکہ جہل ہی کا جزو ہے۔ اگرچہ ہر جہل غرور نہیں لیکن ہر غرور جہل ضرور ہے، اور ان میں سب سے بڑھا ہوا جہل و غرور کفار اور فاسق فاجر لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ دُنیا نقد ہے اس وقت موجود ہے، اور آخرت اُدھار ہے بعد کو آنے والی ہے اور "نقد را بنسیہ گذاشتن کارِ خردمنداں نیست" نقد کو اُدھار پر چھوڑنا سمجھ داروں کا کام نہیں ہے۔ یہ خیال انتہائی بے وقوفی اور جہالت ہے۔ یہ قاعدہ وہاں ہے جہاں نقد اور اُدھار برابر ہوں۔ لیکن جہاں کوئی چیز نقد ایک روپیہ میں فروخت ہوتی ہو اور اُدھا سو روپے میں جاتی ہو، وہاں کوئی احمق بھی یہ نہ کہے گا کہ نقد کو اُدھار پر نہ چھوڑنا چاہیئے حالانکہ دُنیا کی نقد لذتوں کو آخرت کے مقابلہ میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ دُنیا کی زندگی کسی شخص کی اگر ہو سکتی ہے تو سو ڈیڑھ سو برس۔ اس مدت کو آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی مدت کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

اسی طرح کوئی طبیب کسی بیمار کو ایک پھل کو منع کرتا ہے اور مُہلک بتاتا ہے لیکن بیمار کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس پھل کے کھانے کی لذت نقد ہے اور صحت اُدھار ہے۔ لہٰذا نقد کو اُدھار پر نہ چھوڑنا چاہیئے اسی طرح بعض بیوقوف کہتے ہیں کہ دُنیا کی مضرت اور تکلیف یقینی ہے اور آخرت میں شک ہے۔ یقین کو شک پر نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ یہ بھی جہالت کی بات ہے۔ آدمی تجارت میں مشقتیں برداشت کرتا ہے جو یقینی ہیں، محض نفع کی امید پر جس میں شک ہے کہ تجارت میں نفع ہو گا یا نہیں۔ بیمار کڑوی سے کڑوی دوا پیتا ہے، فصد کراتا ہے، جونکیں لگواتا ہے، شگاف دلواتا ہے جن کی تکلیف یقینی ہے، اور یہ سب کچھ صحت کی امید پر ہے جس کا ہونا یقینی نہیں۔ اسی طرح سے یہ خیال بھی دھوکا ہے کہ آخرت کو ہم نے دیکھا نہیں ہے، تجربہ نہیں کیا۔ معلوم نہیں کیا حقیقت ہے۔ یہ خیال بھی انتہائی جہالت ہے۔ ناواقف آدمی کے لئے اگر ذاتی علم نہ ہو تو تجربہ کار، واقف لوگوں کا قول ہی معتبر ہوتا ہے۔ کوئی بیمار کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں دوا میں یہ تاثیر مجھے معلوم نہیں کہ ہے یا نہیں۔ وہ ہمیشہ علاج میں واقف طبیب اور ڈاکٹروں کے

قول پر اعتماد کرتا ہے۔ کبھی کسی ڈاکٹر سے یہ نہیں پوچھتا کہ اس دوا کا فلاں اثر ہونا مجھے دلیل سے سمجھاؤ۔ اور اگر کوئی ایسا کہے گا تو وہ بے وقوف سمجھا جائے گا۔ اسی طرح آخرت کے بارے میں اَنبیاءؑ، اَولیاء، حکماء اور علماء کے اقوال جن پر ساری دُنیا نے ہمیشہ اِعتماد کیا ہے مُعتبر ہوں گے۔ اور چند جُہلاء کے یہ کہہ دینے سے کہ ہمیں معلوم نہیں، یا ہمیں یقین نہیں، کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اس قسم کے اَوہام آخرت کے بارے میں کافروں کو پیش آتے ہیں۔ اور مسلمان اپنی زبان سے مُسلمان ہونے کا اقرار کرنے کی وجہ سے زبان سے تو ایسی باتیں نہیں کہتے لیکن وہ اللہ تعالےٰ کے اَحکام کو پس پشت ڈال کر اس کے گناہوں کا اِرتکاب کر کے شہوتوں اور دُنیا کی لذتوں میں منہمک ہو کر عملی طور پر اور زبانِ حال سے گویا وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وہ دُنیا کو آخرت پر ترجیح دیں۔

یہ لوگ زبانی طور پر دوسرے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کریم ہیں، غفور ہیں، رحیم ہیں، اس کی معافی کے ہم اُمیدوار ہیں۔ ہم کو اس کی مغفرت پر اِعتماد ہے اور اس کا اُمیدوار رہنا مطلوب ہے، محمود ہے، پسندیدہ ہے، اس کی رحمت بڑی وسیع ہے، اس کی مُغفرت کے دریاؤں کے مقابلہ میں ہمارے گناہ کیا چیز ہیں۔ خود حق تعالیٰ شانہٗ کا پاک اِرشاد ہے جو حدیثِ قُدسی میں آیا ہے کہ مَیں بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ اُس کو چاہیئے کہ میرے ساتھ نیک گمان کرے۔ یہ اِرشاد یقیناً صحیح ہے اور حق تعالےٰ شانہٗ کا یہی پاک اِرشاد ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ شیطان آدمی کو کسی صحیح کلام کے غلط معنیٰ سے گمراہ کر سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شیطان کو دھوکہ دینے میں مشکل پیش آتی۔ اسی چیز کو حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے اپنے اس اِرشاد میں واضح فرمایا ہے کہ سمجھ دار وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو مُطیع کرے اور مرنے کے بعد کے لئے اَعمال کرے۔ اور احمق وہ شخص ہے جو نفس کی خواہشات کا اِتباع کرے اور اللہ تعالیٰ پر اُمیدیں باندھے۔ یہی وہ اُمیدیں ہیں حق تعالیٰ شانہٗ پر جس کو شیطان نے اللہ تعالےٰ شانہٗ کے ساتھ نیک اُمید کا غلاف پہنایا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے سے اُمیدیں رکھنے کی خود شرح فرما دی۔ چنانچہ اِرشاد ہے :

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَجَاهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ ؕ (بقرہ ۔ ع ۲۷)	درحقیقت میں جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑ دیا ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ہے (جس میں دین کے لئے ہر کوشش داخل ہے)

یہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں۔"

قرآن پاک میں جگہ جگہ جنّت کو اور اس کی نعمتوں کو اعمال کا بدلہ بتایا گیا ہے۔ ایسی حالت میں غور کرنے کی چیز ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو برتن بنانے پر مزدور رکھے اور بہت بڑی اُجرت اس کی مقرّر کر دے جس کی کوئی حد نہیں۔ اور وہ شخص نہایت کریم ہو، مزدوری دینے میں بہت سخی اور اُجرتِ مقرّرہ پر بہت زیادہ انعام دینے والا ہو، جو برتن خراب بن جائیں ان پر بھی اُجرت دے دیتا ہوں جن میں معمولی نقص رہ جائے ان پر بھی تسامح کر لیتا ہو۔ اور مزدور بجائے برتن بنانے کے ان اوزاروں کو بھی توڑ دے جن سے برتن بنایا جاتا ہے اور یہ کہے کہ برتن بنوانے والا بڑا کریم ہے، اُجرت بہت زیادہ دیتا ہے، اس لئے ان سب کو توڑ پھوڑ کر بہت زیادہ اُجرت ملنے کے انتظار میں بیٹھا رہے، کیا کوئی احمق بھی اس کو عقل والا کہے گا اور یہ حماقت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اُمید اور تمنا میں فرق نہیں سمجھا جاتا۔ حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ بعض لوگ نیک عمل تو کرتے نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ شانہٗ سے نیک اُمید رکھتے ہیں۔ وہ فرمانے لگے (اُمید تم سے) بہت دُور ہے، بہت دُور ہے۔ یہ اُن کی آرزوئیں ہیں جن میں وہ جھکے جا رہے ہیں۔ جو شخص کسی چیز کی اُمید رکھتا ہے وہ اس کو طلب کیا کرتا ہے۔ اور جو شخص کسی چیز سے (مثلاً عذابِ الٰہی سے) ڈرا کرتا ہے وہ اس سے بھاگا کرتا ہے (اُس سے بچنے کی کوشش کیا کرتا ہے)۔ مُسلم بن یسارؒ نے ایک دن اتنا لمبا سجدہ کیا کہ (دانتوں میں خون اُتر آیا اور) دو دانت گر گئے۔ ایک شخص کہنے لگے (کہ مجھ سے عمل تو ہوتا نہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی اُمید ضرور رکھتا ہوں۔ مُسلم کہنے لگے۔ بہت بعید ہے اور بہت ہی بعید ہے۔ جو شخص کسی چیز کی اُمید کیا کرتا ہے اس کو طلب کیا کرتا ہے۔ اور جو شخص کسی چیز سے ڈرا کرتا ہے اس سے بھاگا کرتا ہے۔ پس جو کوئی شخص لڑکا ہونے کی اُمید کرے اور نکاح نہ کرے، یا نکاح کرے اور صحبت نہ کرے اور لڑکا ہونے کی اُمید باندھے رہے، وہ بے وقوف کہلائے گا۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید کرے اور ایمان بھی نہ لائے، یا ایمان لائے اور نیک عمل ہی نہ کرے اور گناہوں کو نہ چھوڑے وہ بے وقوف ہے۔ البتہ جو شخص نکاح کرے اور صحبت کرے، پھر وہ متردّد رہے کہ بچہ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا اور اللہ کے فضل سے اُمید رکھے کہ بچہ ہو گا، اور اس سے ڈرتا رہے کہ رحم پر کوئی آفت نہ آئے، بچہ ضائع نہ ہو جائے، اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ بچہ پیدا ہو جائے تو وہ عقلمند ہے۔ اسی طرح جو شخص ایمان لائے، نیک عمل کرے، بُرے اعمال سے بچتا رہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید کرے کہ وہ

قبول فرمائے گا، اور قبول نہ ہونے سے ڈرتا ہے، حتیٰ کہ اسی حال پر اس کی موت آجائے، تو وہ سمجھ دار ہے، اس کے علاوہ سب بے وقوف ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ الآیۃ (سجدہ۔ ع ۲)

"اور اگر آپ ان لوگوں کا حال دیکھیں تو عجب حال دیکھیں۔ جب کہ یہ مُجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جُھکائے کھڑے ہوں گے اور کہتے ہونگے اے ہمارے پروردگار! بس ہماری آنکھیں اور کان کُھل گئے۔ پس ہم کو دُنیا میں پھر بھیج دیجئے تاکہ ہم اب نیک کام کریں۔ اب ہم کو پورا یقین آگیا۔"

یعنی اب ہم کو اس کا پورا یقین آگیا کہ جیسا بغیر نکاح کے اور صُحبت کے بچہ پیدا نہیں ہوتا، اور بغیر زمین کو درست کرنے اور بیج ڈالنے کے کھیتی نہیں ہوتی۔ اسی طرح بغیر نیک عمل کے آخرت کا ثواب نہیں ملتا۔ البتہ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کی مغفرت کی اُمید بہت پسندیدہ ہے جب کہ کوئی شخص گناہوں میں منہمک ہو اور توبہ کرنا چاہتا ہو، اور شیطان اس کو دھوکہ میں ڈالے کہ تجھ جیسے گناہ گار کی توبہ کہاں قبول ہو سکتی ہے تُو نے اتنے گناہ کئے ہیں کہ ان کی بخشش تو ممکن ہی نہیں، تو اس کے لئے اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:-

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى	آپ کہہ دیجئے اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اُوپر زیادتیاں (اور کفر و شرک اور گناہوں کے ظلم) کئے ہیں، تم خدا کی رحمت سے نااُمید مت ہو بالیقین اللہ تعالیٰ شانہٗ تمام گناہوں کو معاف کر دیگا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا ہے بڑی رحمت کرنے والا ہے۔ تم اپنے رب کی طرف رُجوع کرلو اور اسکی فرمانبرداری کرلو قبل اس کے کہ تم پر عذاب ہونے لگے۔ پھر اس وقت تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ اور تم اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر

مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ	اچانک عذاب آپڑے ، اور تم کو خیال بھی نہ ہو
كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ۝	(اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنیکا
اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ	حکم اس لئے دیا جاتا ہے کہ کل کو قیامت کے
لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ اَوْ	دن) کبھی کوئی شخص کہنے لگے افسوس میری اس
تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ	کوتاہی پر جو میں نے خدا تعالیٰ کی جناب میں
لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ	کی (یعنی اسکی اطاعت میں مجھ سے کوتاہی
الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (زمر ۔ ع ۶)	ہوئی) اور میں (خدا تعالیٰ کے احکام پر)

ہنستا ہی رہا۔ یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو ہدایت کرتا، تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا۔ یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا (دنیا میں) پھر جانا ہو جائے تو میں نیک بندوں میں سے ہو جاؤں"۔

ان آیتوں میں حق تعالیٰ شانہٗ نے سارے گناہوں کی بخشش کے وعدے کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے۔ اور دوسری جگہ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى (طٰہٰ۔ ع ۴) ارشاد فرمایا ہے کہ میں بڑی مغفرت کرنے والا ہوں اس شخص کے لئے جو توبہ کرے، اور ایمان لائے اور اچھے عمل کرے، پھر اسی راہ پر قائم رہے"۔ اس آیت شریفہ میں مغفرت کو ان چیزوں پر مرتب فرمایا ہے۔ پس جو شخص توبہ کے ساتھ مغفرت کا امیدوار ہے وہ تو حقیقت میں امیدوار ہے۔ اور جو گناہوں پر اصرار کے ساتھ مغفرت کی امید باندھے ہوئے ہے وہ احمق ہے، دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔ پہلے لوگ عبادات پر مرمٹتے تھے، گناہوں سے نہایت اہتمام سے بچتے تھے، تقویٰ میں مبالغہ کرتے تھے، شبہ کی چیزوں سے بھی دور رہتے تھے، رات دن عبادت میں مشغول رہ کر ہر وقت اللہ کے خوف سے روتے تھے۔ اور اس زمانہ میں ہر شخص خوش ہے، اللہ کے عذاب سے ہر وقت مطمئن ہے، اس کو کسی وقت بھی عذاب کا ڈر نہیں، دن رات شہوتوں اور دنیا کی لذتوں میں منہمک ہے، دنیا کے کمانے کا ہر وقت فکر ہے، اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں ہے، اور گمان یہ ہے کہ ہم لوگوں کو اللہ کے کرم پر بھروسہ ہے، اس کی مغفرت کی امید ہے، اس کی معافی کا یقین ہے۔ گویا انبیاء کرامؑ، صحابہ عظامؓ اور اولیاء مخلصینؒ میں سے تو کسی کو اس کی رحمت کی امید ہی نہ تھی جو اس قدر مشقتیں برداشت

کرتے رہے۔

(۱۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَاشِرَ عَشَرَۃٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ مَنْ اَکْیَسُ النَّاسِ وَ اَحْزَمُ النَّاسِ قَالَ اَکْثَرُھُمْ ذِکْرًا لِلْمَوْتِ وَ اَکْثَرُھُمْ اِسْتِعْدَادًا لِلْمَوْتِ اُولٰئِکَ الْاَکْیَاسُ ذَھَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْیَا وَکَرَامَۃِ الْاٰخِرَۃِ۔ (رواہ ابن ابی الدنیا والطبرانی فی الصغیر باسناد حسن ورواہ ابن ماجۃ مختصرًا باسناد جید۔ کذا فی الترغیب و ذکرلہ الزبیدی طرقًا عدیدۃ)

حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم دس آدمی جن میں ایک میں بھی تھا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک انصاری نے حضورؐ سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ سمجھ دار اور سب سے زیادہ محتاط آدمی کون ہے؟ حضورؐ نے اِرشاد فرمایا۔ جو لوگ موت کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے ہوں اور موت کے لئے سب سے زیادہ تیاری کرنے والے ہوں۔ یہی لوگ ہیں جو دُنیا کی شرافت اور آخرت کا اعزاز لے اُڑے۔

ف: حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے موت کو کثرت سے یاد کرنے اور یاد رکھنے کے بارے میں بہت مختلف عنوانات سے بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، جن میں سے بعض روایات اس رسالہ میں قریب ہی اُمیدوں کے مختصر کرنے کی حدیث کے ذیل میں گذر چکی ہیں۔ ان میں حضورؐ کا حکم بھی مختلف روایات میں گذر چکا ہے کہ لذّتوں کے توڑ دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ حضورؐ کے اس اہتمام ہی کی وجہ سے اس مضمون کو مستقل بھی ذکر کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ موت کو کثرت سے یاد رکھنا اُمیدوں کے مختصر ہونے کا بھی ذریعہ ہے، موت کی تیاری کا بھی سبب ہے، دُنیا سے بے رغبتی پیدا ہونے کا بھی سبب ہے جو اصل مقصود ہے مال کو جمع کر کے بے کار چھوڑ جانے سے بھی روکنے والا ہے، آخرت کے لئے ذخیرہ جمع کر لینے میں بھی مُعین ہے اور گناہوں سے توبہ کرتے رہنے پر بھی اُبھارنے والا ہے۔ دوسروں پر ظلم و ستم اور دوسرے کے حقوق کو ضائع کرنے سے بھی روکنے والا ہے۔ غرض یہ عمل بہت سے فوائد اپنے اندر رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے مشائخِ سلوک کا بھی معمول ہے کہ اپنے مُریدین میں سے اکثروں کو جن کے مناسبِ حال ہو، اس کا

مُراقبہ خاص طور سے تلقین کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک جوان مجلس میں کھڑے ہوئے، اور عرض کیا، یارسول اللہ! مومنین میں سب سے زیادہ سمجھدار کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ موت کا کثرت سے ذکر کرنے والا اور اس کے آنے سے پہلے پہلے اس کے لئے بہترین تیاری کرنے والا (اتحاف)۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے قرآن پاک کی آیت فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ الآیۃ (انعام۔ ع ۱۵) تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"حق تعالیٰ شانہٗ جس کو ہدایت فرمانے کا اِرادہ فرماتے ہیں اسلام کے لئے اس کے سینے کو کھول دیتے ہیں" (کہ اسلام کے متعلق اس کو شرح صدر ہوجاتا ہے)۔

اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ (اسلام کا) نُور جب سینہ میں داخل ہوتا ہے تو سینہ اُس کے لئے کُھل جاتا ہے۔ کسی نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس کی (کہ اسلام کا نُور سینہ میں داخل ہوگیا) کوئی علامت ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ دھوکہ کے گھر (دُنیا سے) بُعد پیدا ہونا، ہمیشہ رہنے والے گھر (آخرت) کی طرف رُجوع اور موت آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری (مشکوٰۃ) حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ مجھے اس کی زیارت کی اجازت مل گئی۔ تم لوگ قبرستان جایا کرو اس لئے کہ یہ چیز موت کو یاد دلاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اس سے عبرت ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ قبرستان جانے سے دُنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے۔ حضرت ابُوذرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ قبرستان جایا کرو، اس سے تم کو آخرت یاد آئے گی، اور مُردوں کو غسل دیا کرو کہ یہ (نیکیوں سے) خالی بدن کا عِلاج ہے، اور اس سے بہت بڑی نصیحت حاصل ہوتی ہے، اور جنازہ کی نماز میں شرکت کیا کرو شاید اس سے کچھ رنج وغم تم میں پیدا ہوجائے، کہ غمگین آدمی (جس کو آخرت کا غم ہو) اللہ تعالیٰ کے سایہ میں رہتا ہے اور ہر خیر کا طالب رہتا ہے (ترغیب)۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا اِرشاد ہے کہ بیماروں کی عِیادت کیا کرو اور جنازوں کے ساتھ جایا کرو کہ یہ آخرت کو یاد دلاتا ہے (ایک حکیم کسی جنازہ کے ساتھ جارہے تھے۔ راستہ میں لوگ اُس میّت پر افسوس اور رنج کر رہے تھے۔ وہ صاحب فرمانے لگے کہ تم اپنے اُوپر رنج اور افسوس کرو تو زیادہ مُفید ہے۔ یہ تو چلا گیا۔ اور تین آفتوں سے نجات پاگیا۔ آئندہ مَلَکُ المَوت کے دیکھنے کا خوف اس کو نہیں رہا۔ موت کی سختی جھیلنے کی اَب اس کو نوبت نہیں آئے گی۔ اسے خاتِمہ کا خوف ختم ہوگیا (اپنی فکر کرو کہ) تینوں مرحلے تمہارے لئے باقی ہیں)۔ حضرت ابُوالدرداؓ

ایک جنازہ کے ساتھ جا رہے تھے۔ کسی راستہ چلنے والے نے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ فرمانے لگے کہ یہ تیرا جنازہ ہے۔ اور اگر تجھے یہ بات گراں گذرے تو میرا جنازہ ہے (مطلب یہ ہے کہ یہ وقت اپنی موت کے یاد کرنے کا ہے۔ اس وقت فضول بات کی طرف مُتوجہ ہونا بالکل نامناسب ہے)۔ حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ تعجب اور بہت زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے جن کو (آخرت کے) سفر کے لئے توشہ تیار کر لینے کا حکم ملا ہوا ہے اور روانگی عنقریب ہونے کا اعلان ہو چکا ہے۔ پھر بھی یہ لوگ (دُنیا کے) کھیل میں مشغول ہیں۔ ان کے مُتعلق مشہور ہے کہ جب یہ کسی جنازہ کو دیکھتے تو ان کا ایسا حال رنج و غم سے ہوتا جیسا کہ ابھی اپنی ماں کو دفن کر کے آئے ہوں (تنبیہ الغافلین)۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک یہودی عورت اُن کے پاس آئی اور (کسی احسان کے بدلہ میں) کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ تمہیں قبر کے عذاب سے بچائے۔ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے پوچھا کیا قبروں میں بھی عذاب ہوتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ بیشک قبروں میں بھی عذاب ہوتا ہے اور اس کے بعد سے (لوگوں کی تعلیم کے لئے) ہمیشہ حضورؐ ہر نماز کے بعد قبر کے عذاب سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مُردوں پر قبر میں ایسا سخت عذاب ہوتا ہے کہ اس کی آواز چوپائے تک سُنتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم (خوف کی وجہ) مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دوگے۔ ورنہ میں اللہ تعالیٰ سے اس کی دُعا کرتا کہ تمہیں قبر کے عذاب کی آواز سُنا دے۔ حضرت عُثمانؓ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ ڈاڑھی مُبارک تر ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا کہ آپ اتنا زیادہ جنت اور جہنم کے ذکر سے بھی نہیں روتے جتنا قبر کے تذکرہ سے روتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے جو اس سے سہولت سے چھوٹ گیا اُس کے لئے اس کے بعد کی منزلیں سب آسان ہیں۔ اور جو اس میں (عذاب میں) پھنس گیا، اس کے لئے اس کے بعد کی منزلیں اور بھی زیادہ سخت ہیں۔ اور میں نے حضورؐ سے یہ بھی سُنا ہے کہ میں نے کوئی منظر ایسا نہیں دیکھا کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ سخت نہ ہو۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ قبر میں روزانہ صبح اور شام دو وقت میت کو اس کا وہ گھر دکھایا جاتا ہے جس میں وہ قیامت کے بعد جائے گا۔ اگر وہ جنت والوں میں ہے تو جنت کا مکان دکھایا جاتا ہے (جس سے اس کو قبر ہی میں فرحت اور سرور حاصل رہتا ہے) اور اگر وہ جہنم والوں میں ہوتا ہے تو جہنم کا مکان دکھایا جاتا ہے (جس سے اسکے رنج و غم فکر و خوف میں اضافہ ہوتا رہتا ہے)۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک

یہودی عورت میرے دروازہ پر آئی، اور بھیک مانگنے لگی کہ مجھے کچھ کھانے کو دے دو اللہ تعالیٰ تمہیں دجال کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے بچائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس عورت کو ٹھیرالیا۔ اتنے میں حضورؐ تشریف لے آئے۔ میں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اس یہودی عورت نے یہ دو باتیں کہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ دجال کا فتنہ ایسا ہے کہ کوئی نبی پہلے انبیاءؑ میں سے ایسے نہیں گذرے جنہوں نے اپنی امت کو اس کے فتنہ سے نہ ڈرایا ہو۔ لیکن میں اس کے متعلق ایک بات کہتا ہوں جو اب تک کسی نبیؑ نے نہیں کہی وہ یہ ہے کہ وہ کانا ہے اور اس کی پیشانی پر کافر کا لفظ لکھا ہوا ہوگا جس کو ہر مومن پڑھ لے گا (اور قبر کے فتنہ کی بات یہ ہے کہ جب کوئی نیک بندہ مرتا ہے تو فرشتے اس کو قبر میں بٹھاتے ہیں، وہ ایسی حالت میں بیٹھتا ہے کہ نہ اس کو کوئی گھبراہٹ ہوتی ہے، نہ اس پر کوئی غم مسلّط ہوتا ہے۔ پھر اس سے اوّل تو اسلام کے متعلق سوال کیا جاتا ہے کہ تُو اسلام کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ اس کے بعد پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تُو اُس شخص (یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے پاس سے ہمارے پاس واضح دلیلیں لے کر آئے۔ ہم نے ان سب کو سچا مانا جو حضورؐ لے کر آئے تھے۔ اس کے بعد اس کو اوّل دوزخ کا ایک مقام دکھایا جاتا ہے جہاں وہ دیکھتا ہے کہ آدمی ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ پھر اُس سے کہا جاتا ہے کہ اس جگہ کو دیکھ۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے تجھے اس آفت سے نجات عطا فرما دی۔ اس کے بعد اس کو جنت کا ایک مقام دکھایا جاتا ہے جہاں وہ نہایت زیب و زینت دیکھتا ہے اور اس کے لطف کے مناظر دیکھتا ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ اس میں یہ جگہ تیرے رہنے کی ہے (قیامت کے بعد تُو یہاں لایا جائے گا) تو دُنیا میں آخرت کا یقین کرنے والا تھا اور اسی پر تیری موت ہوئی،

اور اسی پر قیامت میں تُو قبر سے اُٹھایا جائے گا۔ اور جب کوئی بُرا آدمی مرتا ہے تو اس کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ وہ نہایت گھبراہٹ اور خوف زدہ ہو کر بیٹھتا ہے اور اس سے بھی وہی سُوال ہوتا ہے (جو پہلے گذرا) وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے تو کچھ خبر نہیں، لوگوں کو میں نے جو کہتے سُنا تھا وہی میں بھی کہہ دیتا تھا۔ اس کے لئے اوّل جنت کا دروازہ کھول کر اس کو وہاں کی زیب و زینت اور جو نعمتیں وہاں ہیں دکھائی جاتی ہیں۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہاں تیرا اصل مقام تھا۔ مگر تجھے یہاں سے ہٹا دیا گیا۔ پھر اس کو جہنم دکھائی جاتی ہے۔ جہاں ایک پر دوسرا ٹوٹا پڑتا ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے

کہ اب تیرا ٹھکانہ یہ ہے۔ تُو دُنیا میں شک ہی میں رہا اسی پر مرا، اسی پر قیامت میں اُٹھایا جائے گا۔ (ترغیب) حضرت ابُو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حُضورؐ کے پاس کو ایک جنازہ گذرا۔ حُضورؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص یا تو راحت پانے والا ہے یا اس سے راحت ہو گئی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ مومن بندہ تو مرکر دُنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے راحت پا لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کے اندر چلا جاتا ہے (یہ تو راحت پانے والا ہوا) اور فاجر آدمی جب مرتا ہے تو دوسرے آدمی اور آبادیاں اور درخت اور جانور سب کے سب اس کی موت سے راحت پاتے ہیں (مشکوٰۃ) اس لئے کہ اس کے گناہوں کی نحوست سے دُنیا میں آفات نازل ہوتی ہیں بارش بند ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے شہروں میں فساد ہوتا ہے اور درخت خشک ہونے لگتے ہیں، جانوروں کو چارہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی موت سے سب کو راحت ملتی ہے کہ اس کی نحوست سے سب کو تکلیف پہنچ رہی تھی۔ حضرت ابنِ عُمرؓ فرماتے ہیں کہ حُضورؐ نے ایک مرتبہ میرا مونڈھا پکڑ کر فرمایا کہ دُنیا میں ایسے رہو جیسا کوئی اجنبی بلکہ راستہ چلتا مسافر ہوتا ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب تو صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر، اور جب شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر۔ اور اپنی صحت کے زمانہ میں مرض کے زمانہ کے لئے توشہ لے لے۔ (کہ جو اعمال صحت میں کرتا ہو گا مرض میں اُن کا ثواب ملتا رہے گا) اور اپنی زندگی میں موت کے لئے توشہ لے لے (مشکوٰۃ) حضرت ابُوہُریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی معیت میں ایک جنازہ کے ساتھ چلے۔ قبرستان میں پہنچ کر حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسلم نے ایک قبر کے پاس تشریف رکھی اور ارشاد فرمایا کہ قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جس میں وہ نہایت فصیح اور صاف آواز کے ساتھ یہ اعلان نہیں کرتی کہ اے آدم کے بیٹے تو مجھے بھول گیا، مَیں تنہائی کا گھر ہوں، اجنبیت کا گھر ہوں، مَیں وحشت کا گھر ہوں، مَیں کیڑوں کا گھر ہوں، میں نہایت تنگی کا گھر ہوں مگر اس شخص کیلئے جس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ مجھے وسیع بنادے۔ اسکے بعد حُضورؐ نے فرمایا کہ قبر جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ حضرت سَہلؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابیؓ کا انتقال ہوا۔ صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَجْمَعِیْن اُن کی تعریف کرنے لگے، اور ان کی کثرت سے عبادت کا حال بیان کرنے لگے۔ حُضورؐ سکوت کے ساتھ سنتے رہے جب وہ حضرات چپ ہوئے تو حُضورؐ نے دریافت کیا کہ یہ موت کو بھی یاد کیا کرتے تھے؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اس کا ذکر تو نہیں کرتے تھے۔ پھر حُضورؐ نے دریافت فرمایا کہ اپنے جی چاہنے کی چیزوں کو چھوڑ دیتے تھے (کہ کسی چیز کے کھانے کو مثلاً دل چاہتا ہو اور نہ کھاتے ہوں) صحابہؓ نے عرض کیا۔ ایسا تو نہیں ہوتا تھا۔ حُضورؐ نے فرمایا

کہ یہ صحابی اُن درجوں کو نہ پہنچیں گے جن کو تم لوگ (جو اُن دونوں چیزوں کو کرتے ہوں) پہنچ جاؤ گے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ کی مجلس میں ایک صحابی کی عبادت اور مجاہدہ کی کثرت کا ذکر ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ موت کو کتنا یاد کرتے تھے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کا تذکرہ تو ہم نے نہیں سنا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تو پھر وہ اس درجہ کے نہیں ہیں (جیسا تم سمجھ رہے ہو)۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ایک جنازہ کے دفن میں شریک ہوئے۔ حضورؐ نے وہاں جا کر ایک قبر کے قریب تشریف رکھی۔ اور اتنا روئے کہ زمین تر ہو گئی۔ اور ارشاد فرمایا کہ بھائیو! اس چیز کے لئے (یعنی قبر میں جانے کے لئے) تیاری کر لو۔ (ترغیب)۔ حضرت شقیق بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ آدمی چار چیزوں میں زبان سے تو میری موافقت کرتے ہیں اور عمل سے مخالفت کرتے ہیں۔ ۱: وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے بندے (اور غلام) ہیں اور کام آزاد لوگوں کے سے کرتے ہیں۔ ۲: یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ شانہٗ ہماری روزی کا ذمہ دار ہے۔ لیکن اُن کے دلوں کو (اسکی ذمہ داری پر) اس وقت تک اطمینان نہیں ہوتا جب تک دُنیا کی کوئی چیز اُن کے پاس نہ ہو۔ ۳: یہ کہتے ہیں کہ آخرت دُنیا سے افضل ہے۔ لیکن دُنیا کے لئے مال جمع کرنے کی فکر میں ہر وقت لگے رہتے ہیں (آخرت کا کچھ بھی فکر نہیں)۔ ۴ (وہ کہتے ہیں کہ موت یقینی چیز ہے آکر رہے گی لیکن اعمال ایسے لوگوں سے کرتے ہیں جن کو کبھی مرنا ہی نہ ہو۔ ابُو حامد لفافؒ کہتے ہیں کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد کرے اس کے اوپر تین چیزوں کا اکرام ہوتا ہے۔ ۱: توبہ جلدی نصیب ہوتی ہے۔ ۲: مال میں قناعت میسّر ہوتی ہے۔ ۳: اور عبادت میں نشاط اور دلبستگی پیدا ہوتی ہے۔ اور جو شخص موت سے غافل رہتا ہے، اس پر تین عذاب مسلّط کئے جاتے ہیں۔ ۱: گناہ سے توبہ میں تاخیر ہوتی رہتی ہے۔ ۲: آمدنی پر راضی نہیں ہوتا (اسکو کم ہی سمجھتا رہتا ہے چاہے کتنی ہی ہو جائے)۔ ۳: اور عبادات میں سستی پیدا ہوتی ہے (تنبیہ الغافلین) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں صرف اسی پاک ذات کے لئے ہیں جس نے بڑے بڑے ظالم اور جابر لوگوں کی گردنیں موت سے مروڑ دیں۔ اور اونچے اونچے بادشاہوں کی کمریں موت سے توڑ دیں۔ اور بڑے بڑے خزانوں کے مالکوں کی اُمیدیں موت سے ختم کر دیں۔ یہ سب لوگ ایسے تھے جو موت کے ذکر سے بھی نفرت کرتے تھے لیکن اللہ کا جب وعدہ (موت کا وقت) آیا تو ان کو گڑھے میں ڈال دیا۔ اور اونچے محلوں سے زمین کے نیچے پہنچا دیا۔ اور بجلی اور قمقموں کی روشنی میں، نرم بستروں سے قبر کے اندھیرے میں پہنچا دیا۔ غلاموں اور باندیوں سے کھیلنے کے بجائے زمین کے کیڑوں میں پھنس

گئے۔ اور اچھے اچھے کھانے اور پینے میں لُطف اُڑانے کے بجائے خاک میں لوٹنے لگے۔ اور دوستوں کی مجلسوں کے بجائے تنہائی کی وحشت میں گرفتار ہو گئے۔ پس کیا ان لوگوں نے کسی مضبوط قلعہ کے ذریعہ موت سے اپنی حفاظت کرلی؟ یا اس سے بچنے کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرلیا؟ پس وُہ ذات پاک ہے جس کے قہر اور غلبہ میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اور ہمیشہ رہنے کے لئے صرف اسی کی تنہا ذات ہے، کوئی اس کا مِثل نہیں۔ پس جب موت ہر شخص کو پیش آنے والی ہے اور مٹی میں جاکر مِلنا ہے اور قبر کے کیڑوں کا ساتھی بننا ہے، اور مُنکر نکیر سے سابقہ پڑنا ہے، اور زمین کے نیچے مدّتوں رہنا ہے، اور وہی بہت طویل زمانہ تک ٹھکانا ہے، اور پھر قیامت کا سخت مَنظَر دیکھنا ہے، اور اس کے بعد معلوم نہیں کہ جنّت میں جانا ہے یا دوزخ ٹھکانا ہے، تو نہایت ضروری ہے کہ موت کا فکر ہر وقت آدمی پر مُسلّط رہے۔ اُسی کے ذکر تذکرہ کا مُشغلہ رہے۔ اُسی کی تیاری میں ہر وقت مشغول رہے۔ اُسی کا اہتمام ہر چیز پر غالب رہے اور اس کی آمد کا ہر وقت انتظار رہے کہ اُس کے آنے کا کوئی وقت مُقرّر نہیں، نہ معلوم کب آجائے۔ اسی لئے حُضورؐ کا ارشاد ہے کہ سمجھ دار شخص وُہ ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھے، اور موت کے بعد کام آنے والی چیزوں میں مشغول رہے۔ اور کسی کام کے لئے تیاری اس کے بغیر نہیں ہوتی کہ ہر وقت اس کا اہتمام رہے اس کا ذکر تذکرہ رہے۔ اس لئے کہ جو شخص دُنیا میں مُنہمِک ہے اور اس کے دھوکہ کی چیزوں میں پھنسا ہوا ہے، اس کی شہوتوں پر فریفتہ ہے۔ اس کا دِل موت سے بالکل غافل ہوتا ہے۔ اور اگر موت کا ذکر بھی کیا جائے تو اس کی طبیعت کو اس سے تکدّر اور کراہیت ہوتی ہے۔ اسی کو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:۔

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ (جمعہ ع ۱)	آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو آپکڑے گی۔ پھر تم اس پاک ذات کی طرف لے جائے جاؤ گے جو ہر پوشیدہ اور ظاہر بات کو جاننے والی ہے پھر وہ تم کو تمہارے سب کئے ہوئے کام جتا دے گی (اور ان کا بدلہ دے گی)۔

عُلماء نے لکھا ہے کہ موت کے بارے میں آدمی چار طریقے کے ہوتے ہیں۔ ایک ① تو وہ لوگ ہیں جو دُنیا میں مُنہمِک ہیں، جن کو موت کا ذکر بھی اسی وجہ سے اچھا نہیں لگتا، کہ اس سے دُنیا کی لذّتیں چھُوٹ جائیں گی۔ ایسا

شخص موت کو کبھی یاد نہیں کرتا۔ اور اگر کبھی کرتا بھی ہے تو بُرائی کے ساتھ۔ اس لئے کہ دُنیا کے چھوٹنے کا اُس کو قلق اور افسوس ہوتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا تو ہے مگر ابتدائی حالت میں ہے۔ موت کے ذکر سے اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہوتا ہے اور اس سے توبہ میں پختگی بھی ہوتی ہے۔ یہ شخص بھی موت سے ڈرتا ہے مگر نہ اس وجہ سے کہ دُنیا چھوٹ جائے گی بلکہ اس وجہ سے کہ اس کی توبہ تام نہیں ہے یہ بھی ابھی مرنا نہیں چاہتا تاکہ اپنے حال کی اِصلاح کرلے۔ اور اس کے فکر میں لگا ہوا ہے۔ تو یہ شخص موت کے ناپسند کرنے میں معذور ہے۔ اور یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں داخل نہ ہوگا جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ملنے کو ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ بھی اس کے ملنے کو ناپسند فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ شخص حقیقت میں حق تعالیٰ شانہٗ کی ملاقات سے کراہت نہیں کرتا بلکہ اپنی تقصیر اور کوتاہی سے ڈرتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو محبوب کی ملاقات کے لئے اس سے پہلے کچھ تیاری کرنا چاہتا ہو تاکہ محبوب کا دل خوش ہو۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ شخص اس کی تیاری میں ہر وقت مشغول رہتا ہو۔ اس کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ اس کو نہ ہو۔ اور اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر یہ بھی پہلے ہی جیسا ہے۔ یہ بھی دُنیا میں منہمک ہی ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو عارف ہے۔ اُس کی توبہ کامل ہے۔ یہ لوگ موت کو محبوب رکھتے ہیں اس کی تمنائیں کرتے ہیں۔ اس لئے کہ عاشق کے لئے محبوب کی ملاقات سے زیادہ بہتر وقت کونسا ہوگا۔ موت کا وقت ملاقات کا وقت ہے۔ عاشق کو وصل کے وعدہ کا وقت ہر وقت خود ہی یاد رہا کرتا ہے، وہ کسی وقت بھی اس کو نہیں بھولتا، یہی لوگ ہیں جن کو موت کے جلدی آنے کی تمنائیں رہتی ہیں۔ وہ اسی قلق میں رہتے ہیں کہ موت آہی نہیں چکتی کہ اس مَعاصی کے گھر سے جلد خلاصی ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو فرمانے لگے کہ محبوب (موت) احتیاج کے وقت آیا۔ جو نادم ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ ہمیشہ مجھے فقر، غنا سے زیادہ محبوب رہا اور بیماری صحت سے زیادہ پسندیدہ رہی۔ اور موت زندگی سے زیادہ مرغوب رہی۔ مجھے جلدی سے موت عطا کر دے کہ تجھ سے ملوں۔ چوتھی قسم جو سب سے اونچا درجہ ہے، اُن لوگوں کا ہے جو حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا کے مقابلہ میں تمنا بھی نہیں رکھتے۔ وہ اپنی خواہش سے اپنے لئے نہ موت کو پسند کرتے ہیں نہ زندگی کو۔ یہ عشق کی انتہا میں رضا اور تسلیم کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ بہر حال موت کا ذکر ہر حالت میں موجب اجر و ثواب ہے کہ جو شخص دُنیا میں منہمک ہے اس کو بھی موت کے ذکر سے اُس کی لذتوں میں کمی آئے گی اور کچھ نہ کچھ تو

دُنیا سے بُعد پیدا ہو ہی گا۔ اسی لئے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ لذّتوں کی توڑنے والی چیز (موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ یعنی اس کے ذکر سے اپنی لذّتوں میں کمی کیا کرو۔ تاکہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف رُجوع ہو سکے۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر جانوروں کو موت کے متعلق اتنی معلومات ہوں جتنی تم لوگوں کو ہیں تو کبھی کوئی موٹا جانور تم کو کھانے کو نہ ملے (موت کے خوف سے سب دُبلے ہو جائیں) حضرت عائشہ رضؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ کوئی شخص (بغیر شہادت کے بھی) شہیدوں کے ساتھ ہو سکتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرے، وہ ہو سکتا ہے۔ (ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص پچیس مرتبہ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَفِیْ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ پڑھے وہ شہیدوں کے درجہ میں ہو سکتا ہے) اور ان سب فضیلتوں کا سبب یہی ہے کہ موت کا کثرت سے ذکر کرنا اس دھوکہ کے گھر سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے اور آخرت کے لئے تیاری پر آمادہ کرتا ہے اور موت سے غفلت، دُنیا کی شہوتوں اور لذّتوں میں اِنہماک پیدا کرتی ہے۔ عطاء خراسانیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ایک مجلس پر گذر ہوا، جہاں زور سے ہنسنے کی آواز آرہی تھی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی مجالس میں لذّتوں کو مُکَدَّر کرنے والی چیز کا تذکرہ شامل کر لیا کرو۔ صحابہ رضؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ لذّتوں کو مُکَدَّر کرنے والی چیز کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ موت۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد آیا ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ یہ گناہوں کو زائل کرتی ہے اور دُنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے (احیاء)۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ مرنے کے بعد تم پر کیا کیا گذرے گی تو کبھی رغبت سے کھانا نہ کھاؤ، کبھی لذّت سے پانی نہ پیو۔ ایک صحابیؓ کو حضورؐ نے وصیّت فرمائی کہ موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔ یہ تمہیں دوسری چیزوں میں رغبت سے ہٹادے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ جو شخص موت کا کثرت سے ذکر کرتا ہے اس کا دِل زندہ ہو جاتا ہے اور موت اس پر آسان ہو جاتی ہے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ مجھے موت سے مُحبّت نہیں ہے، کیا علاج کروں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اس کو آگے چلتا کردو۔ آدمی کا دِل مال سے لگا رہتا ہے، جب اس کو آگے بھیج دیتا ہے تو خود بھی اس کے پاس جانے کو دِل چاہتا ہے، اور جب پیچھے چھوڑ جاتا ہے تو خود بھی اس کے پاس رہنے کو دِل چاہتا ہے (اتحاف)۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب دو تہائی رات گذر جاتی تو حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے۔ لوگو! اللہ کو یاد کر لو، اللہ کو یاد کر لو، عنقریب قیامت کا زلزلہ پھر صور پھونکے

کا وقت آرہا ہے اور (ہر شخص کی) موت اپنی ساری سختیوں سمیت آرہی ہے (مشکوٰۃ) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا معمول تھا کہ روزانہ رات کو علماء کے مجمع کو بُلاتے جو موت کا اور قیامت کا اور آخرت کا ذکر کرتے اور ایسا روتے جیسا کہ جنازہ سامنے رکھا ہو۔ ابراہیم تیمیؒ کہتے ہیں کہ دو چیزوں نے مجھ سے دُنیا کی ہر لذت کو منقطع کر دیا۔ ایک موت نے دوسرے قیامت میں حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے کھڑا ہونے کی فکر نے۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص موت کو پہچان لے اُس پر دُنیا کی ساری مصیبتیں آسان ہیں۔ اشعثؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصریؒ کے پاس جب بھی حاضر ہوتے، جہنم کا اور آخرت کا ذکر ہوتا۔ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے اپنے دِل کی قساوت کی شکایت کی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ موت کا تذکرہ کثرت سے کیا کرو دِل نرم ہو جائے گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اُس کے بعد حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور اُن کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ (احیاء) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ موت کا معاملہ نہایت خطرناک ہے اور لوگ اس سے بہت غافل ہیں۔ اوّل تو اپنے مشاغل کی وجہ سے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تب بھی چونکہ دل دوسری طرف مشغول ہوتا ہے، اس لئے محض زبانی تذکرہ مُفید نہیں ہے — بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ دِل کو سب طرف سے بالکل فارغ کر کے اس کو اس طرح سوچے کہ گویا وہ سامنے ہی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اپنے عزیز و اقارب اور جاننے والے احباب کا حال سوچے کہ کیوں کر ان کو چارپائی پر لے جا کر مٹی کے نیچے داب دیا۔ اُن کی صورتوں کا، اُن کے اعلیٰ منصوبوں کا خیال کرے، اور یہ غور کرے کہ اب مٹی نے کس طرح ان کی اچھی صورتوں کو پلٹ دیا ہوگا۔ ان کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ ہو گئے ہوں گے۔ کس طرح بچوں کو یتیم، بیوی کو بیوہ اور عزیز و اقارب کو روتا چھوڑ کر چل دیئے۔ اُن کے سامان، اُن کے مال، اُن کے کپڑے پڑے رہ گئے۔ یہی حشر ایک دن میرا بھی ہوگا۔ کس طرح وہ مجلسوں میں بیٹھ کر قہقہے لگاتے تھے۔ آج خاموش پڑے ہیں۔ کس طرح دُنیا کی لذتوں میں مشغول تھے، آج مٹی میں ملے پڑے ہیں۔ کیسا موت کو بھلا رکھا تھا، آج اس کے شکار ہو گئے۔ کس طرح جوانی کے نشہ میں تھے، آج کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے۔ کیسے دُنیا کے دھندوں میں ہر وقت مشغول رہتے تھے، آج ہاتھ الگ پڑا ہے، پاؤں الگ ہے، زبان کو کیڑے چمٹ رہے ہیں۔ بدن میں کیڑے پڑ گئے ہوں گے۔ کیسا کھلکھلا کر ہنستے تھے، آج دانت گرے پڑے ہوں گے۔ کیسی کیسی تدبیریں سوچتے تھے، برسوں کے انتظام سوچتے تھے، حالانکہ موت سر پر تھی، مرنے کا دن قریب تھا، مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ آج رات کو میں نہیں ہوں گا۔ یہی حال میرا ہے۔ آج میں اتنے انتظامات کر

رہا ہوں، کل کی خبر نہیں کیا ہو گا۔ (احیاء) ؎

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں

(آسمانوں پر جو فرشتے مُختلف کاموں پر مُتعیّن ہیں اُن کا سال بھر کے احکامات ایک رات میں مِل جاتے ہیں کہ اس سال فلاں فلاں کام کرنے ہیں، اور فلاں فلاں شخص کے مُتعلق یہ عمل درآمد ہو گا۔ اِس میں روایات مُختلف ہیں کہ یہ اَحکام لَیلۃُ القدر میں ملتے ہیں یا شبِ براَت میں۔ جونسی بھی رات ہو، کثرت سے روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ اس رات میں ان سب کی فہرست فرشتوں کے حوالہ کر دی جاتی ہے جو اس سال میں مرنے والے ہیں۔ دُنیا میں آدمی نہایت غفلت سے اپنے لَہو و لَعِب میں مشغول ہوتا ہے، اور آسمانوں پر اس کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو گیا ہے۔ اس کی موت کا حُکم صادر ہو چکا ہے جس میں نہ کسی سفارش کی گنجائش ہے، نہ اُس حکم کا اپیل ہے، نہ جو وقت اس کی موت کا تجویز ہوا ہے اس میں ایک منٹ کی تاخیر ہو سکتی ہے۔ حضرت ابنِ عبّاسؓ سورۂ دُخان کی تفسیر میں اِرشاد فرماتے ہیں کہ لَیلۃُ القدر میں لوحِ محفوظ سے ان سب چیزوں کو نقل کیا جاتا ہے جو اس سال میں ہونے والی ہیں کہ اتنا اتنا رزق دیا جائے گا۔ فلاں فلاں مرے گا، فلاں فلاں پیدا ہو گا، اتنی بارش ہو گی، حتّٰی کہ یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ اس سال فلاں فلاں شخص حج کو جائے گا۔ ایک حدیث میں ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ تو آدمی کو دیکھے گا کہ وُہ بازاروں میں چل پھر رہا ہے لیکن اس کا نام اس سال کے مُردوں میں لکھا جا چکا ہے۔ ابُو نضرہؒ کہتے ہیں کہ اس رات میں سال بھر کے سارے کام (فرشتوں پر) مُنقسم کر دیئے جاتے ہیں۔ تمام سال کی بھلائی، بُرائی، روزی اور موت، تکلیفیں اور نرخوں کی ارزانی اور گرانی تمام سال کی دے دی جاتی ہے) حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں کہ شبِ براَت میں سال بھر کے اَحکام طے کر کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اس سال کے مُردوں کی فہرست اور حج کرنے والوں کی فہرست دے دی جاتی ہے۔ نہ اُن میں کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ ایک حدیث میں حُضورؐ کا اِرشاد وارد ہے کہ ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک جتنے مرنے والے ہیں اُن سب کے اوقات لکھ کر دے دیئے جاتے ہیں۔ حتّٰی کہ آدمی دُنیا میں نکاح کرتا ہے، اس کے بچّہ پیدا ہوتا ہے، لیکن آسمان میں اُس کا نام مُردوں کی فہرست میں آ چکا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم شعبان میں بہت کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے اس لئے کہ اس میں تمام سال میں مرنے والوں کی فہرست مرتّب ہوتی ہے حتّٰی کہ ایک آدمی نکاح کرنے میں مشغول ہے اور وہاں اُس کا نام مُردوں میں لکھا گیا۔ ایک آدمی

حج کو جا رہا ہے اور اُس کا نام مُردوں میں ہے (ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے حضورؐ سے اسکی وجہ دریافت کی کہ حضورؐ شعبان میں روزے بہت کثرت سے رکھتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس میں سال بھر کے مُردوں کی فہرست بنتی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرا نام جب مُردوں کی فہرست میں آئے تو میں روزہ دار ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نصف شعبان کی رات کو حق تعالیٰ شانہٗ ملک الموت کو اس سال میں مرنے والوں کی اطلاع فرما دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ روزانہ ہمیشہ جب آفتاب نکلتا ہے تو وہ اعلان کرتا ہے کہ جو نیک کام کرنا ہے کر لے، آج کا دن تیری عمر میں پھر کبھی نہیں آئے گا (اس لئے اس دن میں تیری جو نیکیاں لکھی جا سکتی ہوں لکھوا لے) اور دو فرشتے آسمان سے اعلان کرتے ہیں۔ ایک اُن میں سے کہتا ہے اے نیکی کے طلب کرنے والے خوشخبری لے (اور آگے بڑھ)۔ اور دوسرا کہتا ہے، اے بُرائی کرنے والے بس کر اور رُک جا (اپنی ہلاکت کا سامان اکٹھا نہ کر)۔ اور دو فرشتے اعلان کرتے ہیں، جن میں سے ایک کہتا ہے یا اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا بدل دے۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ مال کو روک کے رکھنے والے کے مال کو برباد کر۔ عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں کہ (جب نصف شعبان کی رات ہوتی ہے تو ملک الموت کو ایک فہرست دیدی جاتی ہے کہ اس میں جن کے نام ہیں اُن سب کی اس سال میں روح قبض کرلی جائے۔ یہاں ایک آدمی فرش فروش میں لگا ہوا ہے، نکاح کرنے میں مشغول ہے، مکان کی تعمیر کرا رہا ہے، اور وہاں مُردوں کی فہرست میں آگیا) (دُرِّ منثور)۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ آدمی مسکین پر اگر کوئی آفت، کوئی مصیبت، کوئی حادثہ، کوئی رنج، کوئی تکلیف، کوئی مشقت، کوئی خوف کبھی بھی نہ آئے، تب بھی موت کی سختی، نزع کی حالت اور اس کا اندیشہ ایسی چیز ہے جو اس کی ساری لذتوں کو مکدّر کر دینے کے لئے کافی ہے۔ اس کے سارے راحت و آرام کو کھو دینے والی چیز ہے۔ اس کی غفلت کو زائل کر دینے کے لئے اسی کا فکر بہت کافی ہے۔ یہی چیز خود اتنی سخت ہے کہ اس کے فکر اور اس کی تیاری میں آدمی کو ہر وقت مشغول رہنا چاہیئے۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ اس کا وقت معلوم نہیں کہ کب آکر مسلّط ہو جائے۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ رسّی دوسرے کے ہاتھ میں ہے نہ معلوم کب کھینچ لے حضرت لقمانؑ کا ارشاد اپنے بیٹے سے ہے کہ موت ایسی چیز ہے جس کا حال معلوم نہیں کہ کب آپہنچے۔ اس کے لئے اس سے پہلے پہلے تیاری کر لے کہ وہ دفعۃً آجائے۔ اور واقعی بڑے تعجب کی بات ہے کہ اگر آدمی انتہائی لذّتوں میں مشغول ہو، لہو و لعب کی اونچی مجلس میں شریک ہو اور اس کو یہ معلوم ہو جائے، کہ ایک سپاہی اس کی تلاش میں ہے جو (کسی جرم کی سزا میں) اس کے پانچ کوڑے مارے گا تو ساری لذت، سارا عیش و آرام

مُکدّر ہوجائے گا (بلکہ اگر صرف اتنا ہی معلوم ہوجائے کہ اس کے پاس اس کی گرفتاری کا وارنٹ ہے وہ آج کل میں اس کو گرفتار کرلے گا تب بھی ساری لذتیں ختم ہوجائیں گی، رات کو نیند اڑ جائے گی) حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ مَلَکُ الْمَوْت ہر وقت اس پر مُسَلَّط ہے، اور موت کی سختیاں (جو ہزاروں کوڑوں سے بڑھ کر ہیں) اس پر مُسَلَّط کرنے والا ہے، پھر بھی ہر وقت اس سے غافل رہتا ہے۔ یہ جہالت اور غرور کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موت کی سختی کا حال وہی جانتا ہے جس پر گذر چکی ہے، دوسرے کو اس کی سختی کا حال معلوم نہیں ہوتا، وہ صرف قیاس کرسکتا ہے یا مرنے والوں کی حالت دیکھ کر کچھ اندازہ لگا سکتا ہے۔ اور قیاس اس طرح پر ہوسکتا ہے کہ یہ تو ظاہر چیز ہے کہ بدن کے جس حصہ میں روح نہیں ہوتی، اُسکو کاٹنے سے تکلیف نہیں ہوتی (بدن کی جو کھال مُردہ ہوجاتی ہے اس کو کاٹنے سے تکلیف نہیں ہوتی) لیکن جس عُضو میں اور جس حصہ میں جان ہوتی ہے اس میں سوئی چبھونے سے یا اُس کے کاٹنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ پس بدن کے جس عُضو پر کوئی زخم ہوتا ہے یا اس کو کاٹا جاتا ہے یا وہ جل جاتا ہے تو اس سے تکلیف اس وجہ سے پہنچتی ہے کہ رُوح کو اور زندگی کو اس حصہ بدن سے تعلق ہے۔ اُس تعلُّق کی وجہ سے اس عُضو کے ذریعہ سے روح پر اثر پہنچتا ہے۔ اور رُوح سارے بدن میں پھیلی ہوئی ہے تو ہر ہر عُضو میں اس کا بہت تھوڑا سا حصہ اثر کئے ہوئے ہے اور جتنا حصہ اُس عضو میں ہے اُسی کے بقدر رُوح کو تکلیف پہنچتی ہے جو بہت تھوڑا سا حصہ ہے۔ لیکن جو تکلیف اعضاء کی بجائے براہِ راست ساری روح کو پہنچے جو موت کے وقت ہوتی ہے اس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ کتنی ہوگی۔ اس لئے کہ موت براہِ راست ساری رُوح کو کھینچتی ہے جو بدن کے سارے اَعضاء میں پھیلی ہوئی ہے۔ اسی لئے بدن کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں اتنی ہی تکلیف نہ ہو جتنی کہ اس کے کاٹنے میں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ کسی عُضو کے کاٹنے سے اس وجہ سے تکلیف ہوتی ہے کہ رُوح اس سے جُدا ہوتی ہے۔ اور اگر وہ مُردہ ہو اس میں رُوح نہ ہو تو اس کے کاٹنے سے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ پس جب رُوح کے ذرا سے حصہ کے جُدا ہونے سے اتنی تکلیف ہوتی ہے تو جب ساری رُوح کو بدن کے تمام حصوں سے کھینچا جائے گا تو ظاہر ہے کہ کتنی تکلیف ہوگی۔ لیکن بدن کا اگر ایک حصہ کاٹا جاتا ہے تو رُوح کا بقیہ حصہ سارے بدن میں موجود ہوتا ہے، وہ اس وقت قَوِی ہوتا ہے اس لئے آدمی چلاتا ہے تڑپتا ہے۔ مگر جب ساری رُوح کھینچی جاتی ہے تو اس میں ضُعف کی وجہ سے اتنی قوت نہیں رہتی کہ وہ کراہنے سے کچھ آرام پالے۔ البتہ اگر بدن قوی ہوتا ہے تو اس کے بقدر سانس کے اُکھڑنے کے وقت

اس میں آواز پیدا ہوتی ہے جو سُنائی دی جاتی ہے۔ قوت نہیں ہوتی تو یہ بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے نکلنے کے بعد ہر عُضو آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے پاؤں ٹھنڈے ہوتے ہیں اس لئے کہ رُوح پاؤں کی طرف سے سب سے پہلے کھنچتی ہے اور وہاں سے نکل کر منہ کے ذریعہ سے جاتی ہے۔ پھر پنڈلیاں ٹھنڈی ہوتی ہیں پھر رانیں۔ اسی طرح ہر ہر عُضو ٹھنڈا ہوتا رہتا ہے۔ اور ہر ایک عُضو کو اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی اس کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جب رُوح حلق تک پہنچتی ہے تو آنکھوں سے نُور جاتا رہتا ہے۔ اسی وجہ حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دُعاؤں میں یہ بھی دُعاء ہے کہ یا اللہ مجھ پر موت کی اور نزع کی سختی آسان فرما۔ لوگ بھی حُضورؐ کے اِتباع میں اس دُعاء کو مانگتے ہیں۔ مگر اس کی تکلیف سے ناواقف ہونے کی وجہ سے سرسری طور پر مانگ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاءِ کرامؑ اور اولیاءِ عظامؒ موت سے بہت زیادہ ڈرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا ارشاد اپنے حَوارِیِّین سے ہے کہ میرے لئے حق تعالیٰ شانُہٗ سے اس کی دُعا کرو کہ نَزع کی تکلیف مجھ پر آسان ہو جائے کہ موت کے ڈر نے مجھے موت کے قریب پہنچا دیا۔ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے عابد لوگوں کی ایک جماعت ایک قبرستان میں پہنچی (اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ سے اس کی دُعا کی جائے کہ ان میں سے کوئی مُردہ ظاہر ہو جس سے ہم پوچھیں کہ کیا گذری۔ ان لوگوں نے دُعاء کی۔ ایک مُردہ اُن پر ظاہر ہوا جس کی پیشانی پر کثرت سے سجدہ کرنے کا نشان بھی پڑا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ مجھے مرے ہوئے پچاس سال ہو گئے ہیں لیکن موت کے وقت کی تکلیف اب تک میرے بدن سے نہیں گئی) ایک حدیث میں حُضورؐ کا ارشاد ہے کہ یا اللہ تو رُوح کو پٹھوں سے، ہڈیوں سے اور انگلیوں میں سے نکالتا ہے۔ مجھ پر موت کی سختی آسان کر دے۔ (حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ حُضورؐ نے ایک مرتبہ موت کی سختی کا ذکر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی کہ تین سو جگہ تلوار کی کاٹ سے ہوتی ہے) حضرت علیؓ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ جہاد پر جب ترغیب دیتے تو فرماتے کہ اگر تم قتل نہ کئے گئے تو بستروں پر مرو گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ہزار جگہ تلوار کی کاٹ سے مرنے کی تکلیف زیادہ سخت ہے۔ (اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ مُردوں کو قیامت میں اُٹھنے تک موت کی تکلیف کا اثر محسوس ہوتا رہتا ہے۔ حضرت شَدَّادِ بْنِ اَوْسؓ کہتے ہیں کہ موت دُنیا اور آخرت کی سب تکلیفوں سے زیادہ سخت ہے، وہ آرہ چلا دینے سے زیادہ سخت ہے، وہ قینچیوں سے کتر دینے سے زیادہ سخت ہے، وہ دیگ میں پکا دینے سے زیادہ سخت ہے۔) اگر

مُردے قبر سے اُٹھ کر مرنے کی تکلیف بتائیں تو کوئی شخص بھی دُنیا میں لذت سے وقت نہیں گذار سکتا۔ میٹھی نیند اس کو نہیں آسکتی (کہتے ہیں کہ حضرت مُوسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہِ الصّلوٰۃ والسّلام کا جب وِصال ہُوا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے دریافت فرمایا کہ موت کو کیسا پایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنی جان کو ایسا دیکھ رہا تھا جیسے زندہ چڑیا کو اس طرح آگ پر بھُونا جارہا ہو کہ نہ اس کی جان نکلتی ہو نہ اُڑنے کی کوئی صورت ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایسی حالت تھی جیسا کہ زندہ بکری کی کھال اُتاری جارہی ہو) حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ جب حضُور اَقدس صلّی اللہ علیہِ وسلّم کا وِصال ہورہا تھا۔ تو پانی سے بھرا ہوا پیالہ حضُورؐ کے قریب رکھا ہوا تھا۔ حضُور اقدس صلّی اللہ علیہِ وسلّم بار بار اپنے مُبارک ہاتھ کو پیالہ میں ڈالتے اور پھر منہ پر ملتے تھے اور فرماتے تھے یا اللہ نزع کی سختی پر میری مدد فرما۔ حضرت عمر رضؓ نے حضرت کعبؓ سے دریافت کیا کہ موت کی کیفیت بیان کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اَمیر المؤمنین جس طرح ایک کانٹے دار ٹہنی کو آدمی کے اندر داخل کر دیا جائے جس کے ساتھ بدن کا ہر جز ولپٹ جائے۔ پھر ایک دم اس کو کھینچ لیا جائے۔ اسی طرح جان کھینچی جاتی ہے یہ سب تو نزع کی مُختصر کیفیت تھی ان سب کے علاوہ مَلکُ المَوت اور اس کے مددگار فرشتوں کی صورت کا خوف ایک مُستقل مرحلہ ہے جس صورت پر وہ گناہ گاروں کی جان نکالتے ہیں وہ ایسی ڈراؤنی صورت ہوتی ہے کہ قوی سے قوی آدمی بھی اس کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت اِبراہیم علیٰ نبیّنا و علیہِ الصّلوٰۃ والسّلام نے مَلکُ المَوت سے فرمایا کہ تم جس صورت پر فاجر لوگوں کی جان نکالتے ہو وہ مجھے دکھاؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اس کا تحمّل نہ فرما سکیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہِ السّلام نے فرمایا کہ نہیں میں تحمّل کرلوں گا۔ حضرت عزرائیلؑ نے عرض کیا کہ اچھا دوسری طرف منہ کر لیجئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے منہ پھیر لیا اس کے بعد حضرت عزرائیلؑ نے عرض کیا کہ اب دیکھ لیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہِ السّلام نے جب اُوپر دیکھا تو ایک نہایت کالا آدمی (دیوشکل) بال بہت بڑے بڑے، کھڑے ہوئے، نہایت سخت بدبُو، کالے کپڑے، اُس کے منہ سے، ناک سے آگ کی لپٹیں نکل رہی ہیں۔ حضرت اِبراہیم علیٰ نبیّنا و علیہِ الصّلوٰۃ والسّلام کو یہ حالت دیکھ کر غش آگیا۔ بڑی دیر میں اِفاقہ ہُوا تو مَلکُ المَوت اپنی پہلی صورت پر تھے۔ حضرت اِبراہیمؑ نے فرمایا کہ اگر فاجر شخص کیلئے کوئی دوسری آفت نہ ہو تب بھی یہ صورت ہی اس کی آفت کے لئے کافی ہے۔ یہ فاجروں کا حال ہے لیکن اللہ کے مُطیع بندوں کی رُوح نکالنے کے وقت وہ نہایت ہی بہترین صورت میں ہوتے ہیں۔ حضرت اِبراہیم علیہِ السّلام ہی سے یہ نقل کیا گیا کہ اُنہوں نے مَلکُ المَوت سے فرمایا کہ مجھے اس ہیئت کو

بھی دکھاؤ تو انہوں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت جوان نہایت نفیس لباس پہنے ہوئے خوشبوئیں مہکتی ہوئی سامنے ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ مومن کے لئے اگر مرتے وقت اس صورت کے علاوہ کوئی بھی فرحت کی چیز نہ ہو تو یہ بھی کافی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جب کسی بندے سے خوش ہوتے ہیں تو ملک الموت سے فرماتے ہیں کہ فلاں بندے کی روح لے آؤ۔ میں اس کو راحت پہنچاؤں۔ اس کا امتحان ہو چکا ہے۔ میں جیسا چاہتا تھا۔ وہ ویسا ہی کامیاب نکلا۔ ملک الموت اُس کے پاس آتے ہیں اور پانچ سو فرشتے اُن کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر فرشتہ اس شخص کو ایک ایسی خوش خبری اور بشارت دیتا ہے جو دوسروں نے نہ دی ہو۔ اُن کے پاس ریحان کی ٹہنیاں اور زعفران کی جڑیں ہوتی ہیں۔ وہ سب فرشتے دو قطاروں میں لائن لگا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب ابلیس یہ منظر دیکھتا ہے تو اپنا سر پکڑ کر رونا چلانا شروع کر دیتا ہے اس کے حشم و خدم دوڑے ہوئے آکر پوچھتے ہیں۔ آقا کیا بات ہوگئی؟ وہ کہتا ہے کم بختو! دیکھتے نہیں ہو یہ کیا ہو رہا ہے، تم کہاں مر گئے تھے۔ وہ کہتے ہیں ہمارے سردار ہم نے تو بہت کوشش کی مگر یہ گناہوں سے محفوظ رہا۔ حضرت جابر بن زیدؓ کے جب انتقال کا وقت قریب تھا۔ کسی نے پوچھا۔ کسی چیز کی رغبت ہے۔ فرمایا کہ حسنؒ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، حضرت حسن بصریؒ تشریف لائے تو لوگوں نے کہا کہ حسنؒ آگئے ہیں۔ تو حضرت جابرؓ فرمانے لگے، بھائی یہ رخصت کا وقت ہے اب جا رہے ہیں۔ یہ خبر نہیں کہ جنت کی طرف یا جہنم کی طرف (احیاء)۔ حضرت تمیم داریؓ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ ملک الموت سے فرماتے ہیں کہ میرے فلاں ولی کے پاس جاؤ اور اس کی روح لے آؤ۔ میں نے اُس کا خوشی میں اور غم میں دونوں میں امتحان لے لیا۔ وہ ایسا ہی نکلا جیسا کہ میں چاہتا تھا۔ اس کو لے آؤ تاکہ دنیا کی مشقتوں سے اُس کو راحت مل جائے۔ ملک الموت پانچ سو فرشتوں کی جماعت کے ساتھ اُس کے پاس آتے ہیں۔ اُن سب کے پاس جنت کے کفن ہوتے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں میں ریحان کے گلدستے ہوتے ہیں جن میں ہر ایک میں بیس رنگ ہوتے ہیں اور ہر رنگ میں نئی خوشبو ہوتی ہے۔ اور ایک سفید ریشمی رومال میں مہکتا ہوا مشک ہوتا ہے۔ ملک الموت اس کے سرہانے بیٹھتے ہیں۔ اور فرشتے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اس کے ہر عضو پر اپنا ہاتھ رکھتے ہیں اور یہ مشک والا رومال اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھتے ہیں اور جنت کا دروازہ اس کی نگاہ کے سامنے کھول دیتے ہیں۔ اس کے دل کو جنت کی نئی نئی چیزوں سے بہلایا جاتا ہے جیسا کہ بچے کے رونے کے وقت اسکے گھر والے مختلف چیزوں سے اس کا دل بہلاتے ہیں۔ کبھی اس کی حوریں سامنے کر دی جاتی ہیں، کبھی وہاں کے

پھل، عمدہ عمدہ لباس ۔ غرض مختلف چیزیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں، اس کی حوریں (بیویاں) خوشی میں کودنے لگتی ہیں ۔ ان سب منظروں کو دیکھ کر اس کی روح بدن میں پھڑکنے لگتی ہے۔ (جیسا کہ پنجرہ میں جانور نکلنے کو پھڑکتا ہے) اور ملک الموت اس سے کہتا ہے اے مبارک روح چل ۔ ایسی بیریوں کی طرف جس میں کانٹا نہیں ہے ۔ اور ایسے کیلوں کی طرف جو تو بتو لگے ہوتے ہیں، اور ایسے سایہ کی طرف جو نہایت گہرا وسیع ہے اور پانی بہہ رہے ہیں (یہ چند منظروں کی طرف اشارہ ہے جو قرآن پاک میں سورہ واقعہ کی اس آیت شریفہ میں ذکر کئے گئے فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝ الواقعہ ع ۱) اور ملک الموت ایسی نرمی سے بات کرتا ہے جیسا کہ ماں اپنے بچے سے کرتی ہے، اس وجہ سے کہ اس کو یہ بات معلوم ہے کہ یہ روح حق تعالیٰ شانہ کے یہاں مقرب ہے ۔ وہ اس روح کے ساتھ لطف سے پیش آتا ہے۔ تاکہ حق تعالیٰ شانہ اس فرشتے سے خوش ہوں ۔ وہ روح بدن میں سے ایسی طرح سہولت سے نکلتی ہے جیسا کہ آٹے میں سے بال نکل جاتا ہے جب روح نکلتی ہے تو سب فرشتے اس کو سلام کرتے ہیں اور جنت میں داخل ہونے کی بشارت دیتے ہیں، جس کو قرآن پاک اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ الآیہ (نحل ۔ ع ۴) میں ذکر فرمایا ہے ۔ اور اگر وہ مقرب بندوں میں ہوتا ہے تو سورہ واقعہ میں اس کے متعلق ارشاد ہے فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ (ع ۳) پس جس وقت روح بدن سے جدا ہوتی ہے تو وہ بدن سے کہتی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ تجھ کو جزائے خیر دے تو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت میں جلدی کرنے والا تھا ۔ اس کی نافرمانی میں سستی کرنے والا تھا ۔ تجھے آج کا دن مبارک ہو ۔ تونے خود بھی عذاب سے نجات پائی اور مجھے بھی نجات دی ۔ اور یہی مضمون بدن رخصت کے وقت روح سے کہتا ہے ۔ اس کی جدائی پر زمین کے وہ حصے روتے ہیں جن پر وہ اکثر عبادت کیا کرتا تھا ۔ آسمان کے وہ دروازے روتے ہیں جن سے اس کے اعمال اوپر جایا کرتے تھے اور جن سے اس کا رزق اترا کرتا تھا ۔ اس کے بعد وہ پانچ سو فرشتے میت کے پاس جمع ہو جاتے ہیں، اور جب نہلانے والے اس کو کروٹ دیتے ہیں تو وہ فرشتے فوراً اس کو کروٹ دینے لگتے ہیں ۔ اور جب وہ کفن پہناتے ہیں تو اس سے پہلے وہ فوراً اپنا لایا ہوا کفن پہنا دیتے ہیں ۔ جب وہ خوشبو ملتے ہیں تو وہ فرشتے اس سے پہلے اپنی لائی ہوئی خوشبو مل دیتے ہیں ۔ اس کے بعد وہ اس کے دروازہ سے قبر تک دونوں جانب قطار لگا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے جنازہ کا دعاء اور استغفار کے ساتھ استقبال کرتے ہیں ۔ یہ سارے منظر شیطان دیکھ کر اس قدر زور سے روتا ہے کہ اس کی ہڈیاں

ٹوٹنے لگتی ہیں اور اپنے لشکروں سے کہتا ہے تمہارا ناس ہو جائے یہ تم سے کس طرح چھوٹ گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ معصوم تھا۔ اس کے بعد جب حضرت مَلَکُ الْمَوْت اس کی رُوح لے کر اُوپر جاتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ستّر ہزار فرشتوں کے ساتھ اس کا اِستقبال کرتے ہیں۔ یہ فرشتے اس کو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے بشارتیں دیتے ہیں۔ اس کے بعد جب مَلَکُ الْمَوْت علیہ السلام اس کو عرش تک لیجاتے ہیں تو وہاں پہنچ کر وہ رُوح سجدہ میں گر جاتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے کی رُوح کو سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ الآیۃ (واقعہ۔ ع ۱) میں پہنچا دو۔ جب اس کی نعش قبر میں رکھی جاتی ہے تو اُس کی نماز اس کے دائیں طرف آکر کھڑی ہو جاتی ہے، روزہ بائیں طرف کھڑا ہو جاتا ہے، قرآنِ پاک کی تلاوت اور اللہ کا ذکر سر کی طرف کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور جماعت کی نماز کو جو قدم چلے ہیں وہ پاؤں کی طرف کھڑے ہو جاتے ہیں، اور (مصائب پر اور گناہوں سے) صبر، قبر کے ایک جانب کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد عذاب اس قبر میں اپنی گردن نکالتا ہے اور مُردہ تک پہنچنا چاہتا ہے لیکن وہ اگر دائیں جانب سے آتا ہے تو نماز اسکو کہتی ہے کہ پرے ہٹ یہ شخص خدا کی قسم دُنیا میں ہمیشہ مَشقّت اُٹھاتا رہا، ابھی ذرا راحت سے سویا ہے۔ پھر وُہ بائیں جانب سے آتا ہے تو روزہ اسی طرح اس کو ہٹا دیتا ہے پھر وہ سر کی طرف سے آتا ہے تو تلاوت اور ذکر اس کو روک دیتے ہیں کہ ادھر کو تیرا راستہ نہیں ہے۔ غرض وہ جس جانب سے جانا چاہتا ہے اس کو راستہ نہیں مِلتا۔ اس لئے کہ اللہ کے ولی کو ہر جانب سے عبادتوں نے گھیر رکھا ہے۔ وہ عذاب عاجز ہو کر واپس چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد صبر جو ایک کونہ میں کھڑا تھا، ان عبادتوں سے کہتا ہے کہ مَیں اس انتظار میں تھا کہ اگر کسی جانب (عبادت کی کسی قسم کی کمزوری سے) کچھ ضعف ہو تو مَیں اس جانب مُزاحمت کروں گا۔ مگر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ تم نے مِل کر اس کو دفع کر دیا۔ اب مَیں (اعمال تُلنے کی) ترازو کے وقت اس کے کام آؤں گا۔ اس کے بعد دو فرشتے اُس مُردہ کے پاس آتے ہیں جن کی آنکھیں بجلی کی طرح چمکتی ہیں۔ اور آواز بادلوں کی زوردار گرج کی طرح ہوتی ہے۔ ان کے دانتوں کی کچلیاں گائے کے سینگوں کی طرح ہوتی ہیں۔ اُن کے مُنہ سے سانس کے ساتھ آگ کی لپٹیں نکلتی ہیں۔ بال اتنے بڑے کہ پاؤں تک لٹکتے ہوئے۔ ان کے ایک مونڈھے سے دوسرے مونڈھے تک اتنا فاصلہ کہ کئی دن میں چل کر پورا ہو۔ مہربانی اور نرمی گویا ان کے پاس کو بھی نہیں گذری (البتہ سختی کا معاملہ مومنوں کے ساتھ نہیں کرتے۔ لیکن ہیئت ہی کیا کم ہے) ان کو مُنکر نکیر کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک اتنا بڑا اور بھاری ہتھوڑا کہ اگر ساری دُنیا کے انسان اور جنات مِل کر

اٹھائیں تو اُن سے اُٹھ نہ سکے۔ وہ آکر مُردے سے کہتے ہیں بیٹھ جا۔ مُردہ ایک دم بیٹھ جاتا ہے، اور کفن اس کے سر سے نیچے سُرین تک آجاتا ہے۔ وُہ سُوال کرتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ تیرا مذہب کیا ہے؟ تیرے نبی کا کیا نام ہے؟ مُردہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ جَلّ شَانُہٗ ہے جو وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ہے (وہ تنِ تنہا مالک ہے کوئی اس کا شریک نہیں) میرا دین اسلام ہے، میرے نبی مُحمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہیں جو خَاتَمُ النَّبِیِّیْن ہیں۔ وہ دونوں کہتے ہیں تُو نے صحیح کہا ہے۔ اس کے بعد وہ قبر کی دیواروں کو سب طرف سے ہٹا دیتے ہیں جس سے وہ اُوپر سے اور چاروں جانب دائیں بائیں سرہانے پائنتی سے بہت زیادہ وسیع ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اُوپر سر اُٹھاؤ۔ مُردہ جب سر اُٹھاتا ہے تو اسکو ایک دروازہ نظر آتا ہے جس میں سے جنّت نظر آتی ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ اے اللہ کے وَلی وُہ جگہ تمہارے رہنے کی ہے۔ اس وجہ سے کہ تم نے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی اطاعت کی ہے۔ حُضُورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں۔ قسم ہے اُس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اسکو اس وقت ایسی خوشی ہوتی ہے جو کبھی نہ لَوٹے گی۔ اس کے بعد وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اپنے پاؤں کی طرف دیکھو وہ دیکھتا ہے تو جہنّم کا ایک دروازہ نظر آتا ہے (جس سے اس کی حالت نظر آتی ہے) وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اے اللہ کے ولی تُو نے اس دروازہ سے نجات پالی۔ اس وقت بھی مُردے کو اس قدر خوشی ہوتی ہے جو کبھی نہ لَوٹے گی۔ اس کے بعد اس قبر میں ستّتر دروازے جنّت کی طرف کُھل جاتے ہیں جن سے وہاں کی ٹھنڈی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی رہتی ہیں اور قیامت تک یہی مَنْظَر رہے گا (اس کے بعد دوسرے کی حالت سُنو کہ) حق تعالیٰ شانُہٗ مَلَکُ الْمَوْت سے فرماتے ہیں کہ میرے دُشمن کے پاس جاؤ اور اس کی جان نکال لاؤ۔ مَیں نے اُس پر ہر قسم کی فراخی رکھی۔ اپنی نعمتیں (دُنیا میں چاروں طرف سے) اس پر لادیں مگر وہ میری نافرمانی سے باز نہیں آیا۔ لاؤ آج اسکو سزا دوں۔ مَلَکُ الْمَوْت نہایت تکلیف دہ صورت میں اُس کے پاس آتے ہیں۔ اس صورت سے، کہ بارہ ۱۲ آنکھیں ان میں ہوتی ہیں۔ اُن کے پاس ایک گُرز (لوہے کا موٹا سا ڈنڈا) جہنّم کی آگ کا بنا ہوا ہوتا ہے جس میں کانٹے ہوتے ہیں ان کے ساتھ پانچ سو فرشتے جن کے ساتھ تانبہ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے اور ہاتھوں میں جہنّم کی آگ کے بڑے بڑے انگارے اور آگ کے کوڑے ہوتے ہیں جو دہکتے ہوئے ہوتے ہیں۔ مَلَکُ الْمَوْت آتے ہی وہ گُرز اُس پر مارتے ہیں، جس کے کانٹے اس کے ہر رگ وپے میں گُھس جاتے ہیں۔ پھر وہ اس کو کھینچتے ہیں اور باقی فرشتے ان کوڑوں سے اُس کے مُنہ کو اور سُرین کو مارنا شروع کردیتے ہیں، جس سے وہ مُردہ غَش کھانے لگتا ہے۔ وہ اس کی رُوح کو پاؤں کی اُنگلیوں سے نکال کر ایڑی میں روک دیتے ہیں اور پٹائی کرتے رہتے ہیں۔ پھر ایڑی سے

نکال کر گھٹنوں میں روک دیتے ہیں۔ پھر وہاں سے نکال کر (اور جگہ جگہ اس لئے روکتے ہیں تاکہ دیر تک تکلیف پہنچائی جاتے) پیٹ میں روک دیتے ہیں۔ پھر وہاں سے کھینچ کر سینے میں روک دیتے ہیں۔ پھر فرشتے اس تانبے اور جہنم کے انگاروں کو اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ دیتے ہیں۔ اور مَلَکُ الْمَوْت عَلَیْہِ السَّلَام کہتے کہ اے ملعون رُوح نکل اور اس جہنم کی طرف چل جس کی صفت (قرآن پاک سورۂ واقعہ ع ۲ میں) فِی سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ الآیۃ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوویں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش ہوگا (بلکہ نہایت تکلیف دینے والا ہوگا) پھر جب اس کی رُوح بدن سے رخصت ہوتی ہے تو وہ بدن سے کہتی ہے کہ حق تعالیٰ شَانُہٗ تجھے بُرا بدلہ دے تو مجھے اللہ کی نافرمانی میں جلدی سے لے جاتا تھا اور اُس کی اطاعت میں سُستی کرتا تھا۔ تُو خود بھی ہلاک ہوا اور مجھے بھی ہلاک کیا۔ اور یہی مضمون بدن رُوح سے کہتا ہے۔ اور زمین کے وہ حصّے جن پر وہ اللہ کے گناہ کیا کرتا تھا اس پر لعنت کرتے ہیں۔ اور شیطان کے لشکر دوڑے ہوئے اپنے سردار ابلیس کے پاس جا کر خوش خبری سُناتے ہیں کہ ایک آدمی کو جہنم تک پہنچا دیا۔ پھر جب وہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو زمین اس پر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ پھر اُس پر کالے سانپ مُسَلّط ہو جاتے ہیں جو اُس کی ناک اور پاؤں کے انگوٹھے سے کاٹنا شروع کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ درمیان میں دونوں جانب کے سانپ آکر مل جاتے ہیں۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے (مُنکَر نکیر جن کی ہیئت ابھی گذر چکی ہے) آتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے، تیرے نبی کون ہیں۔ وہ ہر سُوال کے جواب میں لاعلمی ظاہر کرتا ہے اور اس کے جواب پر اُس کو گرز سے اس قدر زور سے مارتے ہیں کہ اس گُرز کی چنگاریاں قبر میں پھیل جاتی ہیں۔ اس کے بعد اس کو کہتے ہیں کہ اُوپر دیکھ۔ وہ اُوپر کی جانب جنّت کا دروازہ کھُلا ہوا دیکھتا ہے (اس کی باغ و بہار وہاں سے نظر آتی ہے) وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اللہ کے دشمن اگر تو اللہ تعالیٰ شَانُہٗ کی اطاعت کرتا تو یہ تیرا ٹھکانہ ہوتا۔ حُضُورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اسکو اسوقت ایسی حسرت ہوتی ہے کہ ایسی حسرت کبھی نہ ہوگی۔ پھر دوزخ کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کے دشمن اب تیرا یہ ٹھکانا ہے اس لئے کہ تُو نے حق تعالیٰ شَانُہٗ کی نافرمانی کی۔ اس کے بعد ستّر دروازے جہنم کے اس کی قبر میں کھول دیئے جاتے ہیں جن میں سے قیامت تک گرم ہوائیں اور دھواں وغیرہ آتا رہتا ہے۔ محدثین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ اس حدیث پر سند کے اعتبار سے کچھ کلام کرتے ہیں لیکن اس کے مضامین کی تائید

بہت سی روایات سے ہوتی ہے (اتحاف) بالخصوص حضرت بَراء بن عازِبؓ اور حضرت ابُوہریرہؓ کی روایتیں جو مشکوٰۃ شریف کی کتابُ الجنائز میں اور بابُ اثباتِ عذابِ القبر میں ہیں۔ اگر کوئی اُن کا ترجمہ دیکھنا چاہے تو مظاہرِ حق میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ منظر بہت زیادہ نگاہ میں رکھنے کے قابل ہے کہ بہت سخت منظر ہے۔ بہت کثرت سے احادیث میں اس کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، اختصار کی وجہ سے ایک ہی حدیث کا ترجمہ لکھا گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ گناہ گاروں کے لئے اہلِ قبور سے ہلاکت ہے کہ ان کے اُوپر کالے سانپ مُسَلّط کر دیئے جاتے ہیں۔ ایک پاؤں کی جانب سے، دوسرا سر کی جانب سے، اور وہ کاٹتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ درمیان میں آکر دونوں مل جاتے ہیں۔ یہی وہ بَرزخ کا عذاب ہے جس کو قرآن پاک میں وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ (مؤمنون۔ ع ۶) سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ قبر کا ذکر کرتے تو اتنا روتے کہ داڑھی مُبارک تر ہو جاتی جیسا کہ اُوپر گذر چکا ہے، اسی وجہ سے حضورؐ کی دعاؤں میں بہت کثرت سے عذابِ قبر سے پناہ مانگی گئی تاکہ لوگ کثرت سے اس کی دُعا مانگیں۔ ورنہ حضورؐ خود تو معصوم ہیں، اور اسی بناء پر حضورؐ کا وہ ارشاد ہے جو پہلے گذرا کہ تم خوف کی وجہ سے مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے ورنہ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا کہ تمہیں عذابِ قبر سُنا دے اور یہ جو کچھ ہے مُقتضائے عدل ہے۔ اس لئے کہ آدمی اس عالم میں صرف اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی عبادت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اور حق تعالیٰ شانُہٗ نے اپنے تمام جانی اور مالی احسانات کے ساتھ قرآن پاک میں یہ بات جتا بھی دی کہ تمہیں اس عالم میں صرف عبادت کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات۔ ع ۳) اور اس پر بھی مُتنبہ کر دیا تھا کہ زندگی صرف امتحان کے لئے دی گئی ہے کہ ہمارے ان احسانات میں کیا کارگذاری ہے، اور موت اُس امتحان کا نتیجہ سُنانے کے لئے ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ○ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط (ع ۱) "وہ خدا عزَّوجلَّ بڑا عالیشان ہے جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے۔" اور جب کہ یہ دُنیا امتحان کی جگہ ہے اور جنّ وانس کی پیدائش کی حکمت صرف عبادت ہے اور دُنیا کی جتنی لذّتیں، راحتیں اور سامان دیئے گئے ہیں وہ صرف اس لئے دیئے گئے ہیں کہ اپنی ضرورت کے بقدر ان سے نفع اُٹھائیں اور کم سے کم ضرورت پوری کرنے کے بعد جو کچھ بچے، وہ

اپنے ہی نفع کے لئے اپنے ہی کام آنے کے لئے اللہ تعالیٰ شانہٗ کے خزانہ میں جمع کردیں۔ پھر کتنی غفلت اور حسرت اور خسارہ کی بات ہے کہ ہم ان میں لگ کر حق تعالیٰ شانہٗ کے احکامات کو بھی بھول جائیں اور اس سے بھی آنکھ بند کرلیں کہ ہم کیوں آئے تھے اور یہ سب ہمیں کیوں دیا گیا تھا، ہم کس چیز میں لگ گئے اور اصل حسرت اسوقت ہوتی ہے جب یہ ہزاروں کی مقدار بڑی محنت اور جانفشانی سے کمائی ہوئی، اپنے اوپر خرچ کی تنگی کرکے جمع کی ہوئی دوسروں کے لئے چھوڑ کر خود خالی ہاتھ دفعۃً اس عالم سے چلا جانا پڑے۔ اگر ہم میں کچھ بھی عقل کا حصہ ہے تو تھوڑی دیر بالکل تنہا مکان میں بیٹھ کر یہ منظر سوچنے اور غور کرنے کا ہے کہ اگر اسی وقت مَلَکُ الْمَوت آجائیں تو میرا کیا بنے اور اس سارے ساز و سامان کا کیا بنے جو برسوں کی محنت ہے، برسوں کی کمائی ہے، برسوں کا جوڑا ہوا ہے۔ (حضرت وَہب بن مُنَبِّہ رحؒ کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا جس کا ارادہ اپنی مملکت کی زمین کی سیر کا اور حال دیکھنے کا ہوا۔ اس کے لئے شاہانہ جوڑا منگایا۔ ایک جوڑا لایا گیا، وہ پسند نہ آیا دوسرا منگایا گیا۔ غرض بار بار رد کے بعد نہایت پسندیدہ جوڑا پہن کر سواری منگائی گئی۔ ایک عمدہ گھوڑا لایا گیا۔ وہ پسند نہ آیا۔ اس کو واپس کرکے دوسرا تیسرا منگایا۔ جب وہ بھی پسند نہ آیا تو سب گھوڑے سامنے لائے گئے۔ ان میں سے بہترین گھوڑا پسند کرکے سوار ہوا۔ شیطان مردود نے اس وقت اور بھی نخوت ناک میں پھونک دی۔ نہایت تکبر سے سوار ہوا۔ حشم خدم فوج پیادہ ساتھ چلے۔ مگر بڑائی اور تکبر سے بادشاہ ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ راستہ میں چلتے چلتے ایک شخص نہایت خستہ حال، پرانے کپڑوں میں ملا۔ اس نے سلام کیا۔ بادشاہ نے التفات بھی نہ کیا۔ اُس خستہ حال نے گھوڑے کی لگام پکڑلی۔ بادشاہ نے اس کو ڈانٹا کہ لگام چھوڑ اتنی بڑی جرأت کرتا ہے۔ اس نے کہا، مجھے تجھ سے ایک کام ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ اچھا صبر کر۔ جب میں سواری سے اُتروں گا اسوقت کہہ لینا۔ اس نے کہا۔ نہیں ابھی کہنا ہے اور یہ کہہ کر زبردستی لگام چھین لی۔ بادشاہ نے کہا کہہ۔ اُس نے کہا۔ بہت راز کی بات ہے کان میں کہنی ہے۔ بادشاہ نے کان اس کے قریب کر دیا۔ اُس نے کہا، میں مَلَکُ الْمَوت ہوں تیری جان لینا ہے۔ یہ سُن کر بادشاہ کا چہرہ فق ہوگیا اور زبان لڑکھڑا گئی۔ پھر کہنے لگا کہ اچھا مجھے اتنی مہلت دیدے کہ میں گھر جاکر کچھ اپنے سامان کا نظم کردوں، گھر والوں سے مل لوں۔ فرشتہ نے کہا۔ بالکل مُہلت نہیں ہے۔ اب تو اپنے گھر کو اور سامان کو کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ یہ کہہ کر اس کی رُوح قبض کرلی۔ وہ گھوڑے پر سے لکڑی کی طرح نیچے گر گیا۔ اس کے بعد وہ فرشتہ مَلَکُ الْمَوت ایک نیک مسلمان کے پاس گیا کہ وہ نیک بندہ بھی کہیں سفر میں جارہا تھا۔ اس کو جاکر سلام کیا۔ اُس نے وَعَلَیْکُمُ السَّلَام کہا۔

اُس نے کہا مجھے تیرے کان میں ایک بات کہنی ہے۔ اُس نے کہا کہو۔ اُس نے کان میں کہا کہ میں مَلکُ الموْت ہوں۔ اُس نے کہا۔ بہت اچھا کیا، آئے، بڑا مُبارک ہے ایسے شخص کا آنا جس کا فراق بہت طویل ہوگیا تھا۔ مجھ سے تو جتنے آدمی دُور ہیں اُن میں کسی سے بھی ملاقات کا اتنا اِشتیاق نہ تھا جتنا تمہاری مُلاقات کا تھا۔ فرشتے نے کہا کہ تم جس کام کے لئے گھر سے نکلے ہو اس کو جلدی پورا کرلو۔ اُس نے کہا۔ مجھے حق تعالیٰ شانہٗ سے ملنے سے زیادہ محبوب کوئی بھی کام نہیں ہے۔ فرشتے نے کہا کہ تم جس حالت پر مرنا اپنے لئے پسند کرتے ہو، میں اُسی حالت میں جان قبض کروں گا۔ اُس شخص نے کہا کہ تمہیں اس کا اختیار ہے۔ فرشتہ نے کہا۔ مجھے یہی حکم دیا گیا (کہ تمہاری خوشی کا اِتباع کروں)۔ اُس شخص نے کہا اچھا تو مجھے وضو کر کے نماز پڑھنے دو اور جب میں سجدہ میں جاؤں تو میری رُوح قبض کرلینا۔ چنانچہ اُس نے نماز شروع کی اور سجدہ میں اُس کی رُوح قبض کی گئی (احیاء) حق تعالیٰ شانہٗ کے بے نہایت احسانات میں سے یہ بھی ہے کہ اس ناکارہ کی سب سے بڑی لڑکی عزیز محترم مولوی محمد یوسف؎ صاحب زاد فضلہٗ کی اہلیہ جو عرصہ سے بیمار تھی اور اشارہ سے نماز پڑھتی تھی، اسی سال ۲۹ر شوال ۶۶ھ شب دوشنبہ میں جب کہ وہ مغرب کی نماز میں اشارہ کر کے سجدہ میں گئی تو وہیں رُوح کو اُس کے پیدا کرنے والے کے سپرد کر دیا۔ اور اسی حالت سجود میں دُنیا کو رخصت کر دیا۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے کس کس احسان کا شکر ادا ہو سکتا ہے۔ ابُوبکر بن عبد اللہ مُزنی کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے بہت زیادہ مال جمع کیا تھا۔ جب مرنے کے قریب ہوگیا تو اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرا سارا مال میرے سامنے تو کردو وہ سب جلدی جلدی جمع کیا گیا۔ بہت سے گھوڑے، اونٹ، غلام وغیرہ سب چیزیں سامنے لائی گئیں وہ ان کو دیکھ کر (حسرت سے) رو رہا تھا کہ یہ سب چھوٹ رہا ہے۔ اتنے میں مَلکُ الموْت سامنے آگئے اور کہنے لگے رونے سے کیا فائدہ ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے یہ سب نعمتیں تجھ کو عطا کیں، اب تیری جان لے کر جاؤں گا۔ اُس نے درخواست کی کہ تھوڑی سی مہلت اگر دے دی جائے، تو میں ان چیزوں کو تقسیم کردوں۔ فرشتے نے کہا۔ اب مُہلت کا وقت افسوس ہے کہ جاتا رہا، کاش اس وقت سے پہلے تو تقسیم کر دیتا۔ یہ کہہ کر اُس کی جان نکال لی۔ ایک اور واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے بہت سا مال جمع کیا تھا

؎ حضرت مولانا محمد یوسف قدس سرہٗ بھی وفات پاچکے ہیں۔ آپکا وصال ۲۹ر ذوالقعدہ ۱۳۸۴ھ کو لاہور میں ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

اور کوئی چیز بھی ایسی نہ چھوڑی جو اپنے یہاں نہ منگالی ہو۔ اور ایک بہت بڑا عالیشان محل تیار کیا جس کے دو دروازے تھے، اُن پر غلام محافظ مقرر کئے اور مکان کی تیاری کی بہت بڑی دعوت کی جس میں اپنے سب عزیز و احباب کو جمع کیا، اور ایک بڑی عالیشان تخت پر ایک ٹانگ کھڑی کرکے دوسری ٹانگ اس پر رکھے بیٹھا تھا۔ لوگ کھانا کھا رہے تھے اور وہ اپنے دِل میں کہہ رہا تھا کہ ہر قسم کا ذخیرہ اتنا جمع ہو گیا ہے کہ کئی سال تک تو اب خریدنا نہ پڑے گا۔ یہ خیال دِل میں گذر ہی رہا تھا کہ ایک فقیر پھٹے کپڑے گردن میں (فقیروں جیسا) جھولا پڑا ہوا دروازہ پر آیا اور اس زور سے کواڑوں کو پیٹنا شروع کیا کہ اس کے تخت تک آواز پہنچی۔ غلام دوڑے ہوئے باہر آئے کہ یہ کون نامعقول ہے۔ اُس سے جاکر پوچھا یہ کیا بات ہے۔ اُس فقیر نے کہا کہ اپنے سردار کو میرے پاس بھیج دو۔ غلاموں نے کہا کہ ہمارے آقا تجھ جیسے فقیر کے پاس آئیں گے؟ اُس نے کہا، ضرور آئیں گے۔ اُس سے جاکر کہہ دو۔ وہ آقا کے پاس گئے اور اُس سے قصّہ سُنایا۔ اُس نے کہا تم نے اُس کو اس کہنے کا مزا نہ چکھایا۔ اتنے میں اُس فقیر نے دوبارہ پہلے سے بھی زیادہ زور سے کواڑوں کو پیٹا جس پر دربان دوڑے ہوئے پھر دروازے پر آئے۔ تو اُس فقیر نے کہا کہ اُس اپنے آقا سے کہہ دو کہ میں مَلَکُ الْمَوْت ہوں۔ یہ سُن کر ان کے ہوش اُڑ گئے اور آقا سے جاکر کہا۔ اس پر بھی مٹی چھٹ گئی اور بہت عاجزی سے کہنے لگا کہ اس سے یہ کہہ دو کہ میرے فدیہ میں کسی دوسرے کو قبول کرلے۔ اتنے میں یہ فقیر اندر پہنچ گیا اور اُس سے کہا کہ تجھے جو کچھ کرنا ہے کرلے، میں تیری رُوح قبض کئے بغیر واپس نہیں جا سکتا۔ اُس نے اپنا سب مال جمع کرایا اور مال سے کہنے لگا کہ اللہ کی تجھ پر لعنت ہو کہ تُو نے اور تیری مشغولی نے مجھے اپنے مولیٰ کی عبادت سے روک دیا، اور اتنا وقت نہ دیا کہ میں کسی وقت یکسوئی سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کو یاد کرلیتا۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرت سے مال کو گویائی عطا کی۔ اُس نے کہا۔ مجھے لعنت کیوں کرتا ہے۔ میری ہی وجہ سے تُو بڑے بڑے بادشاہوں تک ایسے وقت پہنچ جاتا تھا، جب کہ نیک لوگ ان کے دروازوں سے ہٹا دیئے جاتے تھے۔ میری ہی وجہ سے تو نازک نازک عورتوں کی لذّتیں حاصل کرتا تھا، میری ہی وجہ سے تو بادشاہوں کی طرح رہتا تھا۔ تو مجھے بُرائی کے موقعوں میں خرچ کرتا تھا اور میں انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اگر تُو مجھے خیر کے مَواقع میں خرچ کرتا تو میں تیرے کام آتا۔ اس کے بعد مَلَک الموت نے ایک دم اُس کی رُوح قبض کرلی (وَہب بن مُنَبِّہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مَلَکُ الْمَوْت ایک بہت بڑے ظالم جابر کی رُوح قبض کرکے چلے گئے کہ دُنیا میں اُس سے بڑا ظالم کوئی نہ تھا وہ جا رہے تھے، فرشتوں نے اُن سے پوچھا کہ تم نے ہمیشہ جانیں قبض کیں تمہیں کبھی کسی پر رحم بھی آیا۔ انہوں نے کہا کہ سب سے زیادہ ترس مجھے ایک عورت

پر آیا جو تنہا جنگل میں تھی۔ جب ہی اُس کے بچہ پیدا ہوا تھا مجھے حکم ہوا تھا کہ اس عورت کی جان قبض کرلوں۔ مجھے اس عورت کی اور اُس کے بچہ کی تنہائی پر بڑا ترس آیا کہ اس بچہ کا اس جنگل میں جہاں کوئی دوسرا نہیں ہے کیا بنے گا۔ فرشتوں نے کہا کہ یہ ظالم جس کی رُوح تم لے جا رہے ہو، وہی بچہ ہے۔ مَلَکُ الْمَوْت حیرت میں رہ گئے۔ کہنے لگے مولیٰ تو پاک ہے، بڑا مہربان ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے) حضرت حَسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے اور اس کے گھر والے رونا شروع کرتے ہیں تو مَلَکُ الْمَوْت اُس مکان کے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ میں نے اس کی روزی نہیں کھالی (یہ اپنی روزی ختم کرچکا تھا) میں نے اس کی عمر کم نہیں کردی، مجھے تو اس گھر میں پھر آنا ہے اور بار بار آنا ہے اتنے سب ختم نہ ہو جائیں۔ حضرت حَسنؒ فرماتے ہیں۔ خُدا کی قسم! اگر گھر والے اس وقت اس فرشتہ کو دیکھیں اور اُس کی بات سُن لیں تو مُردہ کو بھول جائیں اور اپنے فکر میں پڑ جائیں۔ یزید رقاشیؒ کہتے ہیں کہ بنی اِسرائیل کے ظالموں میں سے ایک ظالم اپنے گھر میں بیٹھا ہوا اپنی بیوی سے تخلیہ کررہا تھا۔ اتنے میں دیکھا کہ گھر میں ایک اجنبی آدمی دروازہ سے چلا آرہا ہے۔ یہ شخص نہایت غصہ میں اس کی طرف لپکا۔ اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور گھر میں آنے کی تجھے کس نے اجازت دی۔ اُس نے کہا مجھے اس گھر کے مالک نے اندر آنے کو کہا ہے اور میں وہ شخص ہوں جس کو نہ کوئی پردہ روک سکتا ہے اور نہ بادشاہوں کے پاس جانے کے لئے مجھے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے، نہ کسی ظالم کے دبدبے سے ڈرتا ہوں، نہ کسی مغرور متکبر کے پاس جانے سے مجھے کوئی چیز مانع ہوتی ہے۔ اُس کی یہ گفتگو سُن کر وہ ظالم خوف زدہ ہوگیا۔ بدن میں کپکپی آگئی اور اوندھے منہ گر گیا۔ اس کے بعد نہایت عاجزی سے کہنے لگا۔ پھر تو آپ مَلَکُ الْمَوْت ہیں۔ اُس نے کہا ہاں میں وہی ہوں۔ صاحبِ مکان نے کہا کہ آپ مجھے اتنی مہلت دے دیں کہ میں وصیت نامہ لکھ دوں۔ فرشتہ نے کہا کہ اب اس کا وقت دُور چلا گیا۔ افسوس کہ تیری مدت ختم ہو چکی ہے۔ سانس پُورے ہوگئے اور تیرا وقت ختم ہوگیا۔ اب تیرے لئے ذرا سی تاخیر کی بھی گنجائش نہیں۔ صاحبِ مکان نے پوچھا کہ آپ مجھے کہاں لے جائیں گے۔ فرشتہ نے کہا تیرے اعمال جو آگے گئے ہوئے ہیں، ان کے پاس ہی لے جاؤں گا (جیسے عمل کئے ہوں گے ویسا ہی ٹھکانا ملے گا) اور جس قسم کا گھر تو نے اس جہان میں بنا رکھا ہوگا وہی تجھے ملے گا۔ اُس نے کہا میں نے تو نیک اعمال کچھ بھی نہیں کئے اور نہ کوئی عمدہ گھر اپنے لئے اب تک بنا رکھا ہے۔ فرشتہ نے کہا پھر تو لَظٰی ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی کی طرف لے جاؤں گا یہ سورہ (معارج۔ ع ۱) کی آیت کی طرف اشارہ

ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "بیشک وہ آگ ایسی دہکتی ہوئی ہے جو کھال تک کھینچ لے گی اور اُس شخص کو جس نے (دُنیا میں حق سے) منہ پھیرا اور بے توجہی کی وہ آگ خود ہی بلالے گی (اپنی طرف کھینچ لے گی) اس کے بعد اُس فرشتہ نے اُس کی جان نکال لی۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔ کوئی رو رہا تھا کوئی چلّا رہا تھا۔ یزید رقاشیؒ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مُردہ پر اس وقت کیا گذر رہی ہے تو اُس کے مرنے سے زیادہ آہ وبکا اس حالت پر ہونے لگے جو اُس پر گزر رہی ہے (احیاء) حضرت سُفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت مَلک الموت دل کی رگ کو چھوتے ہیں، اس وقت آدمی کا لوگوں کو پہچاننا موقوف ہو جاتا ہے۔ زبان بند ہو جاتی ہے اور دُنیا کی سب چیزوں کو بھول جاتا ہے۔ اگر اس وقت آدمی پر موت کا نشہ سوار نہ ہو تو تکلیف کی شدت سے پاس والوں پر تلوار چلانے لگے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس وقت سانس حلق میں ہوتا ہے، اُس وقت شیطان اُسکے گمراہ کرنے کی انتہائی کوشش کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ مَلک الموت نمازوں کے اوقات میں آدمیوں کی جستجو کرتے ہیں، خبر رکھتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو نماز کے اوقات کا اہتمام رکھنے والا پاتے ہیں تو مرتے وقت اس کو خود ہی کلمۂ طیبہ تلقین کرتے ہیں اور شیطان کو اُس کے پاس سے ہٹا دیتے ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ جب آدمی مرنے کے قریب ہوتا ہے اُس وقت اس کے ہم مجلسوں کی صورتیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں۔ اگر اُس کا بیٹھنا اُٹھنا نیک لوگوں کے پاس ہوتا ہے تو یہ مجمع سامنے لایا جاتا ہے۔ اور اگر فاسق فاجر لوگوں کے پاس ہوتا ہے تو وہ لوگ سامنے لائے جاتے ہیں۔ حضرت یزید بن شجرہ صحابیؓ سے بھی یہی بات نقل کی گئی ہے۔ ربیع بن برّہؒ ایک عبادت گزار آدمی بصرہ میں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص مرنے لگا۔ لوگ اُس کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کر رہے تھے اور اس کی زبان سے نکل رہا تھا کہ (شراب کا گلاس) تو بھی پی، مجھے بھی پلا۔ تو بھی پی، مجھے بھی پلا۔ اسطرح اہواز میں ایک شخص کا انتقال ہو رہا تھا۔ لوگ اُسکو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتے تھے، اور وہ کہہ رہا تھا۔ دس دس روپیہ، گیارہ گیارہ، بارہ بارہ (اتحاف) اس کے بالمقابل جن لوگوں نے مرنے کی تیاریاں کر رکھی تھیں وہ دُنیا میں موت کو یاد رکھتے تھے۔ اس کے لئے کچھ کارنامے کر رکھے تھے۔ اُن کے لئے موت ایسی ہی تھی جس کو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مومن کا تحفہ بتایا ہے۔ حضرت بلال رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ کی جب وفات کا وقت قریب تھا۔ ان کی بیوی کہہ رہی تھیں وَاحُزْنَاہ۔ ہائے افسوس تم جا رہے ہو اور وہ کہہ رہے تھے وَاطَرَبَاہُ غَدًا نَلْقَى الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَہٗ کیسے مزے کی بات ہے، کیسے لطف کی بات کی۔ کل کو دوستوں سے ملیں گے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

سے ملیں گے، ان کے ساتھیوں سے ملیں گے۔ حضرت معاذؓ کے جب انتقال کا وقت قریب تھا، تو فرمایا۔ یا اللہ تجھے معلوم ہے کہ مَیں دُنیا میں زیادہ دن رہنا چاہتا تھا۔ مگر نہ اس وجہ سے کہ مجھے دُنیا سے محبت تھی، نہ اس وجہ سے کہ یہاں نہریں اور باغ لگاؤں، بلکہ اس وجہ سے چاہتا تھا کہ گرمیوں کے دوپہریں روزہ کی پیاس کا لطف اُٹھاؤں، اور دین کے لئے مشقت میں اوقات گزاروں اور تیرے ذکر کے حلقوں میں شریک ہوا کروں۔ حضرت سلمانؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو وہ رونے لگے۔ کسی نے کہا کہ رونے کی کیا بات ہے، تم جا کر حضورؐ سے ملو گے۔ حضورؐ کا وصال اس حال میں ہوا کہ تم سے راضی تھے۔ فرمانے لگے کہ میں نہ موت کے ڈر سے رو رہا ہوں، نہ دُنیا کے چھوٹنے سے۔ بلکہ مَیں اس لئے رو رہا ہوں کہ حضورؐ نے ہم سے ایک عہد لیا تھا کہ دُنیا سے انتفاع ہمارا صرف اتنا ہو جتنا مسافر کا توشہ۔ مَیں اس عہد کو پورا نہ کر سکا، لیکن جب وصال پر ان کے گھر کا سامان دیکھا گیا تو وہ دس درم سے کچھ زائد تھا اور ایک درم ۳ ۔ ر کا ہوتا ہے۔ یہ تھی وہ کل کائنات جس کی زیادتی پر رو رہے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے تھوڑا سا مشک منگوایا اور بیوی سے فرمایا کہ اس کو بھگو کر میرے بستر پر چھڑک دو۔ میرے پاس ایسی جماعت آ رہی ہے جو نہ انسان ہیں نہ جن (اتحاف)۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی جب وفات کا وقت ہوا تو وہ ہنسے اور فرمایا لِمِثْلِ ذٰلِكَ فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ۔ اسی جیسی چیزوں کے واسطے لوگوں کو کام کرنا چاہیئے (وہاں کی کچھ لذتیں، فرحتیں سامنے آئی ہوں گی) نیز جب ان کی وفات کا وقت قریب تھا تو انہوں نے اپنے غلام سے جن کا نام نصر تھا، فرمایا کہ میرا سر زمین پر رکھ دو۔ وہ رونے لگے۔ انہوں نے پوچھا کہ رونے کی کیا بات ہے۔ نصر نے کہا۔ آپ ایسی راحتوں میں زندگی گزارتے تھے، اب اس طرح فقیروں کی طرح زمین پر سر رکھ کر مر رہے ہیں۔ فرمانے لگے۔ چپ رہ، مَیں نے حق تعالیٰ شانہٗ سے دُعا کی تھی کہ میری زندگی مالداروں کی سی ہو اور میری موت فقیروں کی۔ عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں، ایک شخص کے انتقال کا وقت قریب تھا۔ شیطان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا تو مجھ سے چھوٹ ہی گیا (میرے بس میں نہ آیا) وہ فرمانے لگے مجھے تجھ سے اب تک بھی اطمینان نہیں ہے۔ جریریؒ کہتے ہیں کہ مَیں حضرت جنیدؒ کے پاس ان کے انتقال کے وقت موجود تھا۔ وہ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ یہ وقت (ضعف کا ہے) یہ تلاوت کا کیا وقت ہے۔ فرمانے لگے کہ اس سے زیادہ اچھا وقت تلاوت کا کونسا ہوگا۔ میرا اعمالنامہ اس وقت بند ہو رہا ہے۔ حضرت جنیدؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت ابوسعید خرازؒ انتقال کے وقت بہت ہی مزے پر آ رہے

تھے، کیا بات تھی۔ فرمانے لگے، کہ اگر اس وقت ان کی رُوح اِشتیاق میں اڑجاتی تب بھی بعید نہ تھا حضرت ذُوالنُّون مِصریؒ سے کسی نے اِنتقال کے قریب پوچھا کہ کچھ فرمانا ہے کوئی خواہش ہو تو بتا دیں۔ فرمایا صرف یہ خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے اُس کی مَعرفت حاصل ہو جائے۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ مَیں حضرت ممشاد دِینوریؒ کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک فقیر آیا اور کہنے لگا۔ یہاں کوئی پاک صاف جگہ ایسی ہے جہاں کوئی مرجائے انہوں نے ایک جگہ اشارہ کیا جہاں پانی کا چشمہ بھی تھا۔ وہ اس کے قریب گیا، وضو کی اور نماز پڑھی۔ اس کے بعد پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا اور مر گیا۔ اَبُوعَلی رُوذباریؒ کی ہمشیرہ فاطمہؒ کہتی ہیں کہ جب میرے بھائی کا اِنتقال ہونے لگا تو ان کا سر میری گود میں تھا۔ انہوں نے آنکھ کھولی، اور فرمانے لگے کہ آسمان کے دروازے کُھل گئے اور جنت مُزَیَّن کردی گئی اور کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اَبُوعَلیؒ اگرچہ تم اتنے اُونچے درجہ کی خواہش نہیں کر رہے تھے مگر ہم نے تمہیں اُونچے درجہ پر پہنچا دیا۔ پھر انہوں نے دو شعر پڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے کہ تیرے حق کی قسم مَیں نے کبھی تیرے سوا کسی کی طرف (مُحبّت کی نگاہ سے) آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا مَیں دیکھ رہا ہوں کہ تُو مجھے اپنی بیمار آنکھوں سے بے چین کر رہا ہے اور ان رخساروں سے جو حیا کی وجہ سے سُرخ ہو گئے۔ حضرت جُنَیدؒ کے اِنتقال کے وقت کسی نے لَااِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہا تو فرمانے لگے کہ مَیں اس لفظ کو کبھی بھولا ہی نہیں، جو اَب یاد کروں۔ حضرت شِبلیؒ کے خادم بکران دِینوریؒ سے جعفر بن نصیرؒ نے پوچھا کہ تم نے حضرت شِبلیؒ کے اِنتقال کے وقت کیا مَنظر دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے ایک دِرم (۳۰.ر) کا ظلم ایک شخص پر ہو گیا تھا۔ مَیں اس کی طرف سے کئی ہزار دِرم صدقہ کر چکا ہوں مگر میرے دِل پر اب تک اُس دِرم کا بوجھ ہے کہ کیوں رہ گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھے وضو کرا دو۔ مَیں نے وضو کرائی اور داڑھی میں خلال کرنا بُھول گیا، وہ خود ضُعف کی وجہ سے کر نہ سکتے تھے، زبان بند ہو چکی تھی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی داڑھی کے اندر کر دیا اور اِنتقال ہو گیا۔ یہ سُن کر جعفرؒ رونے لگے کہ جس شخص کا ایسی حالت میں بھی شریعت کا ادب اور ایک مستحب نہ چھوٹے اُس کا کیا کہنا۔ ایک بزرگ کا اِنتقال ہونے لگا۔ ان کی بیوی رونے لگیں۔ وہ فرمانے لگے کیوں روتی ہے۔ وہ کہنے لگیں کہ تمہاری جدائی سے رو رہی ہوں۔ وہ فرمانے لگے کہ اپنے لئے رو۔ مَیں تو آج کے دن کے لئے (یعنی اس کے اِشتیاق اور اِنتظار میں) چالیس برس سے رو رہا ہوں۔ حضرت کَتّانیؒ سے کسی نے اِنتقال کے وقت پوچھا کہ آپ کے معمولات کیا ہیں۔ فرمانے لگے کہ اگر میرے اِنتقال کا وقت قریب نہ ہوتا تو نہ بتاتا۔ مَیں چالیس برس سے اپنے دِل

کے دروازہ کی حفاظت کر رہا ہوں۔ جب اس میں غیرُ اللہ گھسنے کا ارادہ کرتا ہے میں دروازہ بند کر دیتا ہوں۔ حضرت مُعتمر رح کہتے ہیں کہ میں حکَم (ایک رئیس) کے اِنتقال کے وقت اُن کے پاس تھا اور دُعا کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر موت کی سختی کو آسان فرمادے کہ اس شخص میں فلاں فلاں خوبیاں تھیں، میں اس کی اچھی عادتیں گِن گِن کر دُعا کر رہا تھا۔ حکَم رح کو غفلت ہورہی تھی۔ جب ان کو اپنی غفلت سے ہوش آیا تو کہنے لگے کہ فلاں فلاں بات کون شخص کہہ رہا تھا۔ مُعتمر رح فرمانے لگے کہ میں کہہ رہا تھا۔ حکَم نے کہا کہ مَلَکُ الموت عَلَیْہِ السَّلام فرماتے ہیں کہ میں ہر سخی شخص کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر حکَم رح کی رُوح پرواز کر گئی۔ حضرت ممشاد دِینوری رحمۃ اللہ کے اِنتقال کے وقت ایک بُزرگ ان کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ ان کیلئے جنّت کے ملنے کی دُعا کرنے لگے۔ حضرت ممشاد رح ہنسے، اور فرمایا کہ تیس برس سے جنّت اپنی ساری زینتوں سمیت میرے سامنے آتی رہی۔ میں نے ایک مرتبہ بھی اسکو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا (میں تو جنّت کے مالک کا مُشتاق ہوں) (احیاء) جب حضرت عُمر بن عبدالعزیز رح کی وفات کا وقت قریب تھا تو ایک طبیب خدمت میں حاضر تھے۔ وہ کہنے لگے کہ امیرُالمؤمنین کو زہر دیا گیا ہے اس لئے مجھے ان کی زندگی کا اِطمینان نہیں ہے۔ حضرت عُمر بن عبدالعزیز رح نے فرمایا کہ تم کو اس شخص کی زندگی کا بھی اعتبار نہ چاہیئے جس کو زہر نہ دیا گیا ہو۔ طبیب نے پوچھا۔ کیا آپکو خود بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ مجھ کو زہر دیا گیا۔ حضرت عُمر بن عبدُالعزیز رح نے فرمایا کہ مجھے اسی وقت علم ہو گیا تھا جب یہ زہر میرے پیٹ میں گیا۔ طبیب نے کہا کہ آپ اس کا علاج کر لیجئے ورنہ آپ کی جان چلی جائے گی۔ فرمانے لگے جس کے پاس جائے گی یعنی میرا رب وہ ان سب میں بہترین ہے جن کے پاس کوئی جائے۔ خُدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرے کان کے پاس کوئی چیز ایسی رکھی ہے، جس میں میری شفا ہے تو میں وہاں تک بھی ہاتھ نہ بڑھاؤں۔ پھر فرمایا۔ یا اللہ! عُمر کو اپنے سے ملنے کے لئے پسند کرلے۔ اس کے چند ہی روز بعد اِنتقال ہو گیا۔ مَیمُون بن مِہران رح کہتے ہیں کہ حضرت عُمر بن عبدالعزیز رح اس زمانہ میں کثرت سے موت کی دُعا کیا کرتے تھے کسی نے عرض کیا۔ ایسا نہ کیجئے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے آپکی وجہ سے بہت سی سنّتیں (حضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی) زندہ کر رکھی ہیں، بہت سی بدعتیں (جو شروع ہو گئی تھیں) دبا رکھی ہیں۔ فرمانے لگے کیا میں صالح بندہ (حضرت یُوسُف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ السَّلَام) کی طرح نہ بنوں جنہوں نے یہ دُعا کی تھی: تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ (سورہ یُوسف ع ۱۱) اے اللہ مجھے اسلام کی حالت میں موت عطا فرمادے اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔ اِنتقال کے

قریب مسلمہ نے کہا کہ آپ نے جو کفن کے لئے دام دیئے ہیں ان کا بہت معمولی کپڑا آیا ہے اس پر کچھ اضافہ کی اجازت فرما دیں۔ ارشاد فرمایا کہ وہ میرے پاس لاؤ۔ تھوڑی دیر اُس کپڑے کو دیکھا۔ پھر فرمایا کہ اگر میرا رب مجھ سے راضی ہے تب تو اس سے بہتر کفن مجھے فوراً مل جائے گا۔ اور اگر میرا رب مجھ سے ناراض ہے تو جو کفن بھی ہوگا وہ زور سے ہٹا دیا جائے اور اس کے بدلے جہنّم کی آگ کا کفن ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا۔ مجھے بٹھاؤ۔ بیٹھ کر فرمایا۔ اللہ! تو نے مجھے (جن چیزوں کے کرنے کا) حکم دیا، مجھ سے تعمیل نہ ہو سکی تو نے (جن چیزوں کو) منع فرمایا، مجھ سے ان میں نافرمانی ہوئی لیکن لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اس کے بعد انتقال فرمالیا۔ اسی دوران میں یہ بھی فرمایا کہ میں ایک جماعت کو دیکھ رہا ہوں نہ تو وہ آدمی ہیں نہ جن ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انتقال کے قریب سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا اور فرمایا۔ یہاں کوئی نہ رہے۔ سب باہر چلے گئے اور دروازوں میں سے دیکھنے لگے۔ تو وہ فرما رہے تھے بہت مبارک ہے ایسے لوگوں کی آمد جو نہ انسان ہیں نہ جن۔ اس کے بعد سورۂ قصص کے آخری رکوع کی یہ آیت شریفہ پڑھی۔ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ (الآیۃ) جس میں حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے کرتے ہیں جو نہ تو دنیا میں بڑائی چاہتے ہیں نہ فساد (اتحاف) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ سے دعا کی کہ مجھے قبرستان والوں کا حال دکھا دے۔ میں نے ایک رات کو دیکھا گویا قیامت ہوگئی اور لوگ اپنی قبروں سے نکلنے لگے۔ ان کو میں نے دیکھا کہ کوئی تو سُندُس پر (جو ایک خاص اعلیٰ قسم کا ریشم ہے) سو رہا ہے کوئی ریشم پر ہے کوئی اُونچے اُونچے تخت پر ہے، کوئی پھولوں پر ہے، کوئی ہنس رہا ہے، کوئی رو رہا ہے۔ میں نے کہا۔ یا اللہ! اگر یہ سب ایک ہی حال میں ہوتے تو کیسا اچھا تھا۔ ایک شخص نے اُن مُردوں میں سے کہا کہ یہ اعمال کے تفاوت کی وجہ سے ہے۔ سُندُس والے تو اچھی عادتوں والے ہیں، اور ریشم والے شُہَدَاء ہیں، اور پھولوں والے کثرت سے روزہ رکھنے والے ہیں، اور ہنسنے والے توبہ کرنے والے ہیں، اور رونے والے گنہ گار ہیں۔ اور اعلیٰ مراتب والے (یہ غالباً اُونچے تخت والے ہیں) وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی وجہ سے آپس میں محبت رکھتے تھے (روض)۔ ایک کفن چور تھا وہ قبریں کھود کر کفن چرایا کرتا تھا۔ اُس نے ایک قبر کھودی تو اُس میں ایک شخص اُونچے تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھے۔ قرآن پاک ان کے سامنے رکھا ہوا وہ قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور اُن کے تخت کے نیچے ایک نہر چل رہی ہے۔ اس شخص پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے اس کو قبر سے نکالا۔ تین دن بعد ہوش آیا۔ لوگوں نے

قصہ پوچھا، اُس نے سارا حال سُنایا۔ بعض لوگوں نے اس قبر کے دیکھنے کی تمنا کی۔ اس سے پوچھا کہ قبر بتادے۔ اُس نے ارادہ بھی کیا کہ ان کو لے جاکر قبر دکھاؤں۔ رات کو خواب میں ان قبر والے بزرگ کو دیکھا، کہہ رہے ہیں۔ اگر تُو نے میری قبر بتائی، تو ایسی آفتوں میں پھنس جائیگا کہ یاد کرے گا۔ اُس نے عہد کیا کہ نہیں بتاؤں گا (روض) شیخ ابُو یعقوب سُنُوسیؒ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مُرید آیا اور کہنے لگا کہ مَیں کل کو ظہر کے وقت مرجاؤں گا۔ چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا، طواف کیا اور تھوڑی دُور جاکر مرگیا۔ مَیں نے اُس کو غُسل دیا اور دفن کیا۔ جب مَیں نے اُس کو قبر میں رکھا تو اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ مَیں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے کہنے لگا کہ مَیں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے (روض)۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ مَیں نے ایک مُرید کو غسل دیا۔ اُس نے میرا انگوٹھا پکڑلیا۔ مَیں نے کہا کہ میرا انگوٹھا چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تُو مرا نہیں ہے۔ یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں اِنتقال ہے، اُس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا۔ شیخ ابنُ الجلاّؒ مشہور بزرگ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد کا اِنتقال ہوا اور اُن کو نہلانے کے لئے تختہ پر رکھا تو وہ ہنسنے لگے۔ نہلانے والے چھوڑ کر چل دیئے کسی کی ہمت ان کو نہلانے کی نہ پڑتی تھی۔ ایک اور بزرگ ان کے رفیق آئے انہوں نے غسل دیا (روض)۔ غرض صاحبِ رَوض نے بہت سے واقعات ان مرمٹوں کے مرنے کے ایسے لکھے ہیں جن سے ان کا مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد نہایت بشّاش ہونا، ہنسنا، مذاق کرنا، لطف اُٹھانا، معلوم ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد کلام کرنے کے بعد واقعات حافظ ابنُ عبدِ البرّؒ نے اِستیعاب میں بھی ذکر کئے ہیں۔ حضرت زیدؓ بنُ خارجہؓ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ اسمیں اِختلاف نہیں ہے کہ انہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا اور اسی طرح بعض دوسرے صحابۂ کرامؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ غَزْوَۂ موتہ میں جب صحابۂ کرامؓ جانے لگے تو لوگوں نے ان جانے والوں کو خیر و سلامتی کے ساتھ واپسی کی دعائیں دینی شروع کیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن رَوَاحہؓ نے اس وقت تین شعر پڑھے۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ مَیں تو واپسی کے بجائے یہ تمنا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ، میری مغفرت فرمادے اور اس کے ساتھ ہی ایک تلوار سر پر ایسی لگے جو سر کے دو ٹکڑے کردے یا کوئی برچھا ایسا مجھ میں گھسے جو انتڑیاں اور جگر چیرتا چلا جائے۔ جب میدانِ جنگ پر یہ حضرات پہنچے، تو ان حضرات کی جمعیت تین ہزار کی تھی۔ اور وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمنوں کی جماعت دو لاکھ ہے۔ اس بنا پر صحابہؓ میں یہ مشورہ ہوا کہ اوّل حُضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس حالت کی اِطلاع دی

جائے۔ اس کے بعد بھی اگر حضورؐ کا ارشاد ہو تو لڑائی شروع کی جائے۔ جب عبداللہ بن رواحہ رضؓ کو معلوم ہوا کہ یہ مشورہ ہو رہا ہے تو وہ آئے اور کہنے لگے، تم لوگ بھی عجیب ہو۔ جس چیز کی تمنا میں نکلے تھے، اس کے بارے میں مشورہ کر رہے ہو۔ تم تو محض شہادت کی طلب میں نکلے ہو۔ ہم نے کبھی بھی سامان اور قوت اور تعداد کے بھروسہ پر جنگ نہیں کی۔ ہم نے ہمیشہ صرف مذہبِ اسلام کی قوت پر جنگ کی ہے۔ اُٹھو اور میدان میں چلو۔ دو حال سے خالی نہیں، یا غلبہ اور فتح یا شہادت، اور ہمارے لئے دونوں چیزیں اعزاز ہی ہیں۔ ان کی یہ بات سُن کر سب کے سب جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور جنگ شروع ہو گئی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کے وقت حضرت زید بن حارثہ رضؓ کو امیر مقرر فرمایا تھا، اور ارشاد فرما دیا تھا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضؓ امیر ہوں گے۔ وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضؓ امیر ہوں گے اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو اس وقت مسلمان مشورہ سے جس کو چاہیں امیر بنالیں چنانچہ میدان میں جب حضرت زید رضؓ اور ان کے بعد حضرت جعفر رضؓ شہید ہو گئے تو لوگوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ کو آواز دی۔ یہ لشکر کے کنارہ پر تھے۔ گوشت کا ایک ٹکڑا ان کے ہاتھ میں تھا۔ تین دن سے کچھ بھی چکھنے کی نوبت نہ آئی تھی۔ کسی نے آکر کہا، کہ حضرت جعفر رضؓ شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ نے اپنے نفس کو ملامت کی کہ تو دُنیا ہی میں مشغول ہو رہا ہے (کھانے میں لگ گیا)۔ یہ کہہ کر اُس ٹکڑے کو پھینک کر جھنڈا ہاتھ میں لے کر آگے بڑھے۔ کسی نے وار کیا تو ہاتھ کی انگلی کٹ گئی۔ اس پر انہوں نے تین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ تو محض انگلی ہی تھی جو خون آلود ہو گئی اس کے سوا اور کیا ہوا اور یہ بھی اللہ ہی کے راستہ میں ہوا جو خود بہت اُونچی دولت ہے۔ اے نفس اس بات کو سمجھ لے کہ اگر تو شہید نہ ہو گا تو ویسے مرے گا، مرنا تو بہر حال ہے ہی۔ دیکھ جس چیز کی تو تمنا کر رہا تھا یعنی شہادت کی، وہ سامنے آگئی۔ اگر تو اپنے پہلے دو ساتھی زید و جعفر کا سا کارنامہ کرے گا تو ہدایت یافتہ ہو گا، اور اگر تو نے اپنا قدم ان سے پیچھے ہٹایا تو بدبخت ہو گا۔ اس کے بعد اپنے دل سے کہا کہ تجھے اس وقت کیا خیال ہو سکتا ہے۔ اگر بیوی کا خیال آسکتا ہے تو اس کو تین طلاق۔ اگر غلاموں کا خیال آسکتا ہے تو وہ سب آزاد۔ اگر اپنا باغ یاد آسکتا ہے تو وہ اللہ کے لئے صدقہ ہے۔ اے نفس کیا تو جنت کو پسند نہیں کرتا۔ خدا کی قسم تو اُس کی طرف چل کر رہیگا خوشی سے چل یا زبردستی۔ تو نے بہت زمانہ اطمینان کا گذار لیا ہے، اب کیا سوچتا ہے اپنی حقیقت کو تو سوچ، تو نطفہ کا ایک قطرہ تھا۔ غرض اس سوچ کے بعد حضرت ابن رواحہ رضؓ بڑھے اور شہید ہو گئے۔ حکایاتِ صحابہ رضؓ میں یہ

قصہ تفصیل سے گذر چکا ہے اور اس نوع کے اور بھی قصے گذرے ہیں۔ حضرت اَبُوسُفیانُ بنُ الحارثؓ، حضورؐ کے چچازاد بھائی کا جب انتقال ہونے لگا تو گھر والوں نے رونا شروع کیا۔ تو فرمانے لگے، ایسے شخص کو مت روؤ جس نے اسلام لانے کے بعد سے نہ زبان سے کبھی کوئی خطا کا لفظ نکالا نہ بدن سے کبھی کوئی خطا کی حرکت کی۔ (یعنی ایسے شخص کی موت تو اُس کے لئے مَسَرّت ہی مَسَرّت ہے)۔ صُنابحیؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عُبادہؓ کا وصال ہونے لگا تو مَیں پاس تھا، مجھے رونا آگیا۔ فرمانے لگے، تو کیوں روتا ہے۔ خُدا کی قسم! اگر قیامت میں مجھ سے گواہی طلب کی گئی تو مَیں تیرے لئے بہتر گواہی دوں گا، اور مجھے سفارش کی اجازت ملی تو تیرے لئے سفارش کروں گا، اور جہاں تک مجھے قدرت ہوگی تجھے نفع پہنچاؤں گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ مَیں نے جتنی حدیثیں حضورؐ سے سُنی تھیں اور تمہارے نفع کی تھیں وہ سب تمہیں پہنچا چکا ہوں۔ ایک حدیث کے علاوہ جو اس وقت سُناتا ہوں جب کہ مَیں اس جہان سے جا رہا ہوں۔ مَیں نے حضورؐ سے سُنا جو شخص لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی گواہی دے اُس پر جہنّم کی آگ حرام ہے۔ حضرت اَبُوبکرؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو ان کی صاحبزادی رونے لگیں۔ فرمایا بیٹی رو نہیں۔ بیٹی نے کہا۔ اگر آپ کے انتقال پر بھی رونا نہ آئے تو کس کے انتقال پر آئے گا۔ فرمایا کہ اس وقت مجھے اپنی جان کے نکلنے سے زیادہ محبوب کسی کی جان نکلنا بھی نہیں ہے، حتیٰ کہ اس مکھی کی جان نکلنا بھی اپنی جان نکلنے سے زیادہ محبوب نہیں (توجب موت مجھے اتنی محبوب ہو رہی ہے اُس پر تُو روتی ہے) اس کے بعد حمران سے کہا البتہ اس کا ڈر ضرور ہے کہ کہیں مرتے وقت اسلام نہ میرے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ حضرت سَعدبنِ اَبِی وَقّاصؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو فرمایا کہ میرا اُونی جُبّہ لاؤ۔ وہ لایا گیا جو بہت پُرانا بوسیدہ تھا۔ فرمایا۔ مجھے اس میں کفن دینا، بدر کی لڑائی میں یہی جُبّہ میرے اُوپر تھا۔ عبداللہ بن عامر بن کُرَیزؓ کا جب انتقال ہونے لگا نزع کی حالت تھی۔ حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ ان کے پاس گئے ہوئے تھے اپنے آدمیوں سے کہا کہ دیکھو میرے یہ دونوں بھائی روزہ سے ہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے کھانے میں میری موت کی وجہ سے دیر لگے اور روزہ افطار کرنے میں تاخیر ہو جائے۔ عبداللہ بن زُبیرؓ فرمانے لگے۔ اگر تجھے اکرام اور سخاوت سے کوئی چیز روک سکتی تھی تو نزع کی تکلیف روک سکتی تھی مگر یہ بھی تیرے لئے مانع نہ ہوئی۔ اس حال میں ان کا انتقال ہوا کہ مہمانوں کے سامنے کھانا رکھا تھا۔ عَمْروبنِ اَوسؓ کہتے ہیں کہ جب عُتْبَہ بنِ اَبِی سُفیانؓ کا انتقال ہو رہا تھا۔ میں اُن کے پاس گیا۔ وہ نزع کی حالت میں تھے۔ فرمانے لگے کہ میں تمہیں چلتے چلتے ایک حدیث سُناتا جاؤں

جو مجھے میری بہن اُمِ حبیبہؓ نے سُنائی تھی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے واسطے (یعنی اخلاص سے) بارہ رکعت چاشت کی نماز روزانہ پڑھتا رہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے لئے جنت میں ایک محل بناتے ہیں (یہ حضورؐ کی احادیث اور دین کی اشاعت کا جذبہ تھا کہ موت بھی مانع نہ ہوئی)۔ محمد بن منکدرؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو وہ رونے لگے۔ کسی نے پوچھا کہ رونے کی کیا بات ہے۔ فرمایا کہ میں اس پر نہیں روتا کہ مجھ سے کبھی کوئی گناہ ہؤا ہو۔ میرے علم کے موافق تو میں نے عمر بھر میں کوئی گناہ کیا ہی نہیں البتہ اس پر رو رہا ہوں کہ کوئی بات مجھ سے ایسی سرزد ہو گئی ہو جس کو میں اپنے خیال میں سرسری سمجھا ہوں اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہو۔ اس کے بعد قرآن پاک کی آیت وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ (زمر۔ ع ۵) پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ (ان کے لئے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ایسی بات ظاہر ہوئی جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا) یہ پڑھ کر فرمایا کہ مجھے بس اس کا ڈر ہے کہ کوئی بات ایسی ہو جائے، جس کا گمان بھی نہ ہو۔ عامر بن عبدِ قیسؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو وہ رونے لگے۔ کسی نے کہا کہ آپ نے تو ایسے ایسے مجاہدے کئے ہیں آپ بھی روتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ میں نہ تو موت کے خوف سے رو رہا ہوں نہ دُنیا کے لالچ سے۔ مجھے اس کا رنج ہے کہ آج گرمیوں کے دوپہر کا روزہ اور سردیوں کی آخر رات کا تہجد چھوٹ رہا ہے۔ حضرت حسنؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو کچھ لوگ ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ کوئی آخری نصیحت فرما دیجئے۔ ارشاد فرمایا کہ تین باتیں تم سے کہتا ہوں۔ ان کو سُن کر میرے پاس سے چلے جانا اور میں جہاں جا رہا ہوں مجھے تنہائی میں وہاں جانے دیجیو۔ اس کے بعد فرمایا۔ ۱: جس کام کا دوسرے کو حکم کرو پہلے خود اُس پر عمل شروع کر دو۔ ۲: جس بات سے دوسرے کو منع کرو پہلے خود اُس سے رُک جاؤ۔ ۳: تمہارا ہر قدم یا تمہارے لئے نافع ہے (کہ جنت کی طرف پڑتا ہے) یا مضر ہے (کہ جہنم کی طرف چلتا ہے) اس لئے ہر قدم کو اُٹھاتے وقت یہ سوچ لو کہ کدھر جا رہا ہے۔ حضرت ربیعؒ کا جب انتقال ہو رہا تھا تو انکی بیٹی رونے لگیں۔ فرمایا بیٹی رونے کی بات نہیں ہے۔ یوں کہو کہ آج کا دن کس قدر خوشی کا ہے کہ میرے باپ کو آج بہت کچھ ملا۔ حضرت مکحول شامیؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو وہ ہنس رہے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ یہ ہنسی کا وقت ہے۔ فرمانے لگے کیوں نہ ہنسوں جب کہ وہ وقت آ گیا کہ جن سے میں گھبراتا تھا ان سے ہمیشہ کو جُدا ہوتا ہوں، اور جس ذات سے اُمیدیں وابستہ تھیں اس کے پاس جلدی جلدی جا رہا ہوں۔ حضرت حسان بن سنانؒ کی جب نزع کی حالت تھی تو کسی نے کہا کہ آپ کو

بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ فرمانے لگے، تکلیف تو ضرور ہے مگر مومن کی تکلیف کا ایسے وقت کیا ذکر ہے جب اسکو حق تعالیٰ شانہٗ سے ملنے کی امید ہو رہی ہو اور اس پر اس کی خوشی غالب ہو رہی ہو۔ جب ابنِ ادریسؒ کے انتقال کا وقت آیا تو ان کی بیٹی رونے لگیں۔ فرمایا رونے کی بات نہیں ہے میں نے اس گھر میں چار ہزار قرآن پاک ختم کیے ہیں۔ حسن بن حَیؒ کہتے ہیں کہ میرے بھائی علیؒ کا جس رات میں انتقال ہوا، انہوں نے مجھے آواز دے کر پانی مانگا میری نماز کی نیت بندھ رہی تھی۔ میں سلام پھیر کر پانی لے کر گیا۔ وہ فرمانے لگے کہ میں تو پی چکا۔ میں نے کہا، آپ نے کہاں سے پی لیا، گھر میں تو میرے اور آپ کے سوا کوئی اور ہے نہیں۔ کہنے لگے کہ حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام ابھی پانی لائے تھے وہ مجھے پانی پلا گئے اور یہ فرما گئے کہ تُو اور تیرا بھائی ان لوگوں میں ہیں جن پر حق تعالیٰ شانہٗ نے انعام فرما رکھا ہے (یہ قرآن پاک کی ایک آیت شریفہ کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ نساء کے نویں رکوع میں ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ (الآیۃ) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ (جو لوگ اللہ تعالیٰ شانہٗ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انعام فرما رکھا ہے نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین سے) حضرت عبد اللہ بن موسیٰؒ کہتے ہیں کہ حضرت علی بن صالحؒ کا انتقال ہوا۔ میں سفر میں گیا ہوا تھا۔ جب میں سفر سے واپس آیا تو ان کے بھائی حسن بن صالحؒ کے پاس تعزیت کے لئے گیا۔ مجھے وہاں جا کر رونا آگیا۔ وہ کہنے لگے کہ رونے سے پہلے انکے انتقال کی کیفیت سنو کیسے لطف کی ہے۔ جب ان پر نزع کی تکلیف شروع ہوئی تو مجھ سے پانی مانگا۔ میں پانی لے کر گیا۔ کہنے لگے میں نے تو پی لیا۔ میں نے پوچھا، کس نے پلایا۔ کہنے لگے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرشتوں کی بہت سی صفوں کے ساتھ تشریف لائے تھے اور مجھے پانی پلا دیا۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں غفلت میں نہ کہہ رہے ہوں۔ اس لئے میں نے پوچھا کہ فرشتوں کی صفیں کس طرح تھیں۔ کہنے لگے، اُوپر نیچے اسطرح تھیں۔ ایک ہاتھ کو دوسرے کے اُوپر کر کے بتایا۔ جب ابُوبکر بن عیاشؒ کا انتقال ہونے لگا، تو اُن کی ہمشیرہ رونے لگیں۔ کہنے لگے بہن رونے کی بات نہیں، تیرے بھائی نے مکان کے اس کونہ میں بارہ ہزار [12] قرآن پاک ختم کئے ہیں۔ عمرو بن عبیدؒ کہتے ہیں کہ ابوشعیب صالح بن زیادؒ بیمار تھے۔ میں اُن کی عیادت کو گیا تو ان کی نزع کی حالت تھی۔ مجھ سے کہنے لگے کہ میں تجھے خوش خبری سناؤں۔ میں اس جگہ ایک اجنبی سے آدمی کو جو اوپری سی صورت ہے دیکھ رہا ہوں۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ وہ کہنے لگے کہ میں ملکُ الموت ہوں۔ میں نے کہا، میرے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا۔ وہ کہنے لگے مجھے یہی حکم ملا ہے کہ نرمی

کروں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کا جب انتقال ہونے لگا تو میں اُن کے پاس بیٹھا تھا۔ کپڑا میرے ہاتھ میں تھا تاکہ انتقال کے بعد جبڑا باندھ دوں۔ ان کو غشی ہو جاتی تھی جس سے ہمیں یہ خیال ہوتا تھا کہ انتقال ہو گیا۔ پھر افاقہ ہو جاتا تھا اور اس وقت وہ کہتے کہ ابھی نہیں ابھی نہیں۔ جب تیسری مرتبہ یہی صورت پیش آئی تو میں نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ کہنے لگے، کہ بیٹا تمہیں خبر نہیں، شیطان ملعون میرے پاس کھڑا ہے اور رنج اور غصّہ سے اپنی انگلی مُنہ سے دبا رہا ہے اور کہتا ہے کہ احمد تُو میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ جب وہ کہتا ہے تو میں اس سے کہتا ہوں کہ ابھی نہیں چھوٹا (اتنے جان نہ نکل جائے اتنے تجھ سے اطمینان نہیں ہے)۔ حضرت آدم بن ابی ایاسؒ کا جب آخری وقت تھا تو وہ چادر میں لپٹے پڑے تھے اور قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ جب قرآن پاک ختم کیا تو کہنے لگے کہ مجھے جو آپ سے محبت ہے اُس کا واسطہ دیکر عرض ہے کہ میرے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے، آج ہی کے دن کے لئے آپ سے اُمیدیں وابستہ تھیں۔ اس کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا اور رُوح پرواز کر گئی۔ جب مَسلمہ بن عبدالملکؒ کا انتقال ہونے لگا تو وہ رونے لگے۔ کسی نے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ میں موت کے ڈر سے نہیں رو رہا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل وُثوق ہے۔ میں اس پر رو رہا ہوں کہ میں تیس ۳۰ مرتبہ جہاد میں شریک ہوا مگر شہادت نصیب نہ ہوئی اور آج عورتوں کی طرح بستر پر جان دے رہا ہوں۔ ایاس بن قتادہ عَبشمیؒ نے ایک دن آئینہ دیکھا تو سر پر سفید بال نظر آئے۔ کہنے لگے کہ سفید بال آجانے کے بعد پھر آخرت کے سوا کوئی مشغلہ نہ رہنا چاہیئے کہ اَب دُنیا سے رخصت ہونے کا وقت آگیا۔ اس کے بعد بہت زیادہ مُجاہدے شروع کر دیئے۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر آرہے تھے۔ آسمان کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔ تیرا آنا مُبارک ہے میں تو تیرا بہت ہی سخت انتظار کر رہا تھا۔ اس کے بعد اپنے ساتھ والوں سے کہنے لگے۔ جب میں مر جاؤں تو مَلحُوب (کسی جگہ کا نام ہے) میں لے جا کر مجھے دفن کر دینا۔ اسکے بعد رُوح نکل گئی اور گر گئے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے شاگرد ابراہیم بن ہانیؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو اپنے لڑکے اسحاق سے دریافت کیا کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ انہوں نے کہا۔ ابھی تو نہیں ہوا۔ لیکن ابا جان ایسی سخت بیماری میں تو فرض روزہ کھولنے کی بھی اجازت ہے آپ کا تو نفل روزہ ہے اس کو کھول دیجئے۔ فرمانے لگے ارے ٹھیر جا اس کے بعد (نہ معلوم کیا دیکھا) فرمانے لگے۔ اسی جیسی چیزوں کے لئے آدمی کو چاہیئے کہ نیک عمل کرتا رہے (یہ قرآن پاک کی آیت

وَالصّٰٓفّٰتِ، ع ۲ کی طرف اشارہ ہے جس میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ بیشک یہی بڑی کامیابی ہے۔ ایسی ہی کامیابی حاصل کرنے کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیئے)۔ اس کے بعد روح پرواز کر گئی۔ ابُو حکیم حیریؒ بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے تھے۔ لکھتے لکھتے قلم ہاتھ میں سے رکھ کر کہنے لگے۔ اگر اسی کا نام موت ہے تو خدا کی قسم بڑی اچھی موت ہے۔ یہ کہہ کر مر گئے۔ ابُوالوفاء ابن عقیلؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو گھر والوں نے رونا شروع کر دیا۔ کہنے لگے کہ پچاس۵۰ سال سے تو اس کو ہٹا رہا ہوں اب کہاں تک ہٹلئے جاؤں۔ اب تم مجھے چھوڑ دو۔ اب میں اس کی آمد پر اس کو مبارکباد دیتا ہوں۔ امام غزالیؒ نے جن کی کتاب اِحیاءُ العُلوم مشہور ہے دوشنبہ کی صبح کی نماز وضو کر کے پڑھی۔ پھر اپنا کفن منگایا۔ اُس کو چُوما، آنکھوں پر رکھا اور کہا کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضری کے لئے بڑی خوشی سے حاضر ہوں۔ یہ کہہ کر قبلہ رُخ پاؤں پسار کر لیٹ گئے اور فوراً انتقال کر گئے۔ ابنُ الجوزیؒ کہتے ہیں کہ جب میرے اُستاد ابُوبکر بن حبیبؒ کا انتقال ہونے لگا، تو شاگردوں نے عرض کیا کہ کچھ وصیت فرما دیجئے۔ فرمایا تین چیزوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ کا خوف اور تنہائی میں اس کا مراقبہ اور جو چیز مجھے پیش آرہی ہے (یعنی موت) اس کا خوف رکھا جائے۔ مجھے اکسٹھ برس گذر گئے ہیں لیکن گویا میں نے دُنیا کو دیکھا بھی نہیں (ایسے جلدی گذر گئے)۔ اس کے بعد ایک پاس بیٹھنے والے سے پوچھا، دیکھو میری پیشانی پر پسینہ آگیا یا نہیں۔ اُس نے عرض کیا، آگیا۔ فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ یہ ایمان پر موت کی علامت ہے (جیسا کہ حدیث میں وارد ہے)۔ امام بخاریؒ کے شاگرد ابُوالوقت عبدُ الاوّلؒ کے انتقال کا جب وقت آیا تو آخر کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا یہ تھا یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۙ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ ۝ (یہ سورۂ یٰسٓ شریف کے دوسرے رکوع کی آیت ہے) جس کا ترجمہ یہ ہے: "کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے معزز اور مکرم لوگوں میں شامل کر دیا۔ محمد بن حامدؒ کہتے ہیں کہ میں احمد بن خضرویہؒ کے انتقال کے وقت ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کو نزع شروع ہو گیا تھا۔ پچانوے۹۵ سال کی عمر تھی۔ ایک شخص نے اُن سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگے کہ بیٹا پچانوے سال سے ایک دروازہ کے کھولنے کی کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ اس وقت وہ کھلنے کو ہے، اس کا فکر سوار ہے کہ سعادت کے ساتھ کھلتا ہے یا بدبختی کے ساتھ، اس وقت جواب کی مُہلت کہاں۔ اسی میں ان کے قرضخواہ اُن کے مرنے کی خبر سُن کر جمع ہو گئے۔ سات سو دینار (اشرفیاں) ان کے ذمّہ قرض تھے

کہنے لگے یا اللہ تُونے رہن اس لئے مشروع کیا ہے کہ قرضخواہوں کو اطمینان رہے۔ اس وقت تو ان لوگوں کے اطمینان کو بُلا رہا ہے یعنی ان کو میرے وجود سے اطمینان تھا۔ اَب مَیں جا رہا ہوں ان کا قرض ادا کر۔ اسی وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، اور کہنے لگا کہ احمد کے قرضخواہ کہاں ہیں اور سب قرضہ گن کر ادا کر گیا اور ان کی رُوح نکل گئی۔ ایک بزرگ کا انتقال ہونے لگا تو اپنے خادم سے کہا کہ میرے دونوں ہاتھ باندھ دے اور میرا منہ زمین پر رکھ دے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ کوچ کا وقت آگیا نہ تو مَیں گناہوں سے بَری ہوں، نہ میرے پاس کوئی عذر ہے جو مُعذرت میں پیش کر دوں، نہ کوئی طاقت ہے جس سے مدد چاہوں۔ بس میرے لئے تو تُو ہی ہے، میرے لئے تو تُو ہی ہے۔ یہی کہتے کہتے ایک چیخ ماری اور انتقال ہو گیا۔ غیب سے آواز آئی کہ اس بندہ نے اپنے مولیٰ کے سامنے عاجزی کی، اُس نے قبول کر لیا۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ ایک فقیر نزع کی حالت میں سِسک رہا تھا۔ مکھیاں اس کے منہ پر کثرت سے بیٹھ رہی تھیں۔ مجھے ترس آیا۔ مَیں اُس کے پاس بیٹھ کر مکھیاں اڑانے لگا۔ اُس نے آنکھ کھول دی اور کہنے لگا کہ برسوں سے خاص وقت کی کوشش میں لگا ہوا تھا، ساری عمر میں کوشش پر بھی نصیب نہ ہوا اب ملا تھا تو تُو آکر بیچ میں گھس گیا۔ جا اپنا کام کر، اللہ تیرا بھلا کرے۔ ابُوبکر رقی رحؒ کہتے ہیں کہ مَیں ابوبکر زقاقؒ کے پاس صبح کے بعد موجود تھا۔ وہ کہہ رہے تھے یا اللہ تُو مجھے اس دُنیا میں کب تک ڈالے رکھے گا۔ ظہر کا وقت بھی نہ آنے پایا تھا کہ ان کا وِصال ہو گیا۔ حضرت مکحول شامیؒ بیمار تھے، ایک شخص ان کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ حق تعالیٰ شانہٗ آپ کو صحت عطا فرمائے۔ کہنے لگے ہرگز نہیں ایسی ذات کے پاس جانا جس سے خیر ہی کی اُمید ہے ایسے لوگوں کے پاس رہنے سے بہتر ہے جن کی بُرائی سے کسی وقت بھی اطمینان نہیں ہے۔ ابُوعلی رُوذباریؒ کہتے ہیں کہ ایک فقیر میرے پاس عید کے دن آیا۔ بہت خستہ حال پُرانے کپڑے۔ کہنے لگا۔ یہاں کوئی پاک صاف جگہ ایسی ہے جہاں کوئی غریب فقیر مرجائے مَیں نے لاپرواہی سے لغو سمجھ کر کہہ دیا کہ اندر آجا اور جہاں چاہے پڑ کے مرجا۔ وہ اندر آیا، وضو کی، چند رکعات نماز پڑھی اور لیٹ کر مر گیا۔ مَیں نے اس کی تجہیز و تکفین کی، اور جب دفن کرتے لگا تو مجھے خیال آیا کہ اس کے منہ پر سے کفن ہٹا کر اس کا منہ زمین پر رکھ دوں تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کی غربت پر رحم فرمائے مَیں نے اس کا منہ کھولا اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ مَیں نے پوچھا میرے سردار کیا موت کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے۔ مَیں کل قیامت میں اپنی وجاہت سے تیری مدد کروں گا۔ علی بن سہل اصبہانیؒ کہا کرتے تھے۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ مَیں بھی اسی طرح مرونگا

جس طرح لوگ مرتے ہیں۔ بیماری، عیادت، (سو دھندے ہوجاتے ہیں)۔ مَیں تو اس طرح مرونگا کہ مجھے کہا جائے گا اے علی! اور مَیں چل دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک دن کہیں چلے جارہے تھے۔ چلتے چلتے کہنے لگے لبّیک (حاضر ہوں) اور مرگئے۔ اَبُوالحسن مُزَنیؒ کہتے ہیں کہ اَبُو یعقوب نہر جوریؒ کا جب اِنتقال ہونے لگا۔ نزع کے وقت مَیں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وتلقین کیا تو میری طرف دیکھ کر ہنسے اور کہنے لگے۔ مجھے تلقین کرتے ہو۔ اُس ذات کی عزت کی قسم جس کو کبھی موت نہیں آئے گی، میرے اور اس کے درمیان صرف اس کی بڑائی اور عزت کا پردہ ہے۔ اور بس یہ کہتے ہی رُوح پرواز کرگئی۔ مُزَنیؒ اپنی داڑھی پکڑ کر کہتے تھے کہ مجھ جیسا حجام بھلا اَوْلیاء کو تلقین کرے کیسی غیرت کی بات ہے اور جب اس واقعہ کو ذکر کرتے تو رویا کرتے۔ اَبُوالحسن مالکیؒ کہتے ہیں کہ مَیں حضرت خیر نوربافؒ کے ساتھ کئی سال رہا۔ انہوں نے اپنے اِنتقال سے آٹھ یوم پہلے کہا کہ مَیں جمعرات کی شام کو مغرب کے وقت مرونگا اور جمعہ کی نماز کے بعد دفن کیا جاؤں گا۔ بھُول نہ جانا۔ لیکن میں بالکل بھُول گیا۔ جمعہ کی صُبح کو ایک شخص نے مُجھے ان کے اِنتقال کی خبر سُنائی۔ مَیں فوراً گیا کہ جنازہ میں شرکت کروں۔ راستہ میں لوگ ملے جو ان کے گھر سے واپس آرہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ جمعہ کے بعد دفن ہوں گے مگر مَیں اُن کے گھر پہنچ گیا۔ مَیں نے وہاں جاکر ان کے اِنتقال کی کیفیت پوچھی تو مجھ سے ایک شخص نے جو اِنتقال کے وقت ان کے پاس موجود تھے بتایا کہ رات مغرب کی نماز کے قریب ان کو غشی سی ہوئی۔ اس کے بعد ذرا اِفاقہ سا ہوا تو گھر کے ایک کونہ کی طرف منہ کرکے کہنے لگے کہ تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ تمہیں بھی ایک کام کا حکم ہے اور مجھے بھی ایک کام کا حکم ہے لیکن تمہیں جس کام کا حکم ہے وُہ تو فوت نہیں ہوگا اور مجھے جس کام کا حکم ہے وہ رہ جائے گا۔ اس لئے تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ مَیں اس کو پُورا کرلوں جس کا مُجھے حکم ہے۔ اس کے بعد انہوں نے پانی منگایا، تازہ وضو کیا، نماز پڑھی اور اس کے بعد آنکھیں بند کرکے پاؤں پسار کر لیٹ گئے اور چل دیئے۔ کسی نے ان کو خواب میں دیکھا پوچھا کیا حال ہے۔ کہنے لگے یہ نہ پوچھ، تمہاری سٹری ہوئی بُودار دُنیا سے خلاصی مِل گئی۔ ابوسعید خرّازؒ کہتے ہیں کہ مَیں ایک مرتبہ مکّہ مکرمہ میں تھا۔ باب بنی شَیبہ سے نکل رہا تھا۔ دروازہ سے باہر مَیں نے ایک نہایت خوبصورت آدمی کو مرے ہوئے پڑا دیکھا مَیں جو اس کو غور سے دیکھنے لگا تو وہ میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگا اور کہنے لگا۔ ابوسعید تمہیں معلوم نہیں کہ (محبت والے) دوست مرا نہیں کرتے۔ ایک عالَم سے دوسرے عالَم میں مُنتقل ہوجاتے ہیں۔ حضرت ذُوالنُّون مصریؒ کا جب وصال ہونے لگا تو کسی نے ان سے عرض کیا کہ کچھ وصیت فرمادیجئے۔ فرمانے لگے

کہ میں اسکی مہربانی کے کرشموں میں مُتعجب ہو رہا ہوں اس وقت مجھے مشغول نہ کرو۔ ابُو عثمان حیری کہتے ہیں کہ جب ابُو حفص کا انتقال ہونے لگا تو کسی نے پوچھا کہ کوئی وصیت فرما دیجئے فرمانے لگے کہ مجھ میں بولنے کی طاقت نہیں۔ اس کے بعد ذرا سی قوت معلوم ہوئی تو میں نے کہا۔ اب فرما دیجئے میں لوگوں تک پہنچا دوں گا۔ فرمانے لگے اپنی کوتاہی پر پورے دل سے انکسار اور عاجزی ہو (بس یہ میری آخری وصیت ہے)۔ حضرت جُنید بغدادی فرماتے ہیں کہ جب حضرت سری سقطی کا وصال ہونے لگا، نزع کی حالت تھی۔ میں سرہانے بیٹھا تھا۔ میں نے اپنا منہ ان کے منہ پر رکھ دیا۔ میری آنکھ سے آنسو جاری تھے۔ میرا آنسو ان کے رخسارہ پر گرا۔ فرمانے لگے کون ہے۔ میں نے عرض کیا۔ آپ کا خادم جُنید ہے۔ فرمانے لگے مرحبا (بہت اچھا کیا، آئے) میں نے عرض کیا۔ کوئی آخری وصیت فرما دیجئے۔ فرمانے لگے کہ بُروں کی صحبت سے اپنے کو بچانا، اور ایسا نہ ہو کہ غیروں کی صحبت اللہ تعالیٰ شانہٗ سے تجھے جُدا کر دے۔ حضرت حبیب عجمی (جو مشہور اکابر صوفیا میں ہیں) انتقال کے وقت بہت ہی گھبرا رہے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ جیسے بزرگ سے یہ گھبراہٹ بعید ہے اس سے پہلے تو ایسا حال آپ کا نہ ہوتا تھا (یعنی اتنی گھبراہٹ کسی بات سے بھی محسوس نہ ہوتی تھی) فرمانے لگے۔ سفر بہت لمبا ہے توشہ پاس نہیں ہے۔ کبھی اس سے پہلے اس کا راستہ دیکھا نہیں۔ آقا اور سردار کی زیارت کرنی ہے کبھی اس سے پہلے زیارت نہیں کی۔ ایسے خوفناک مناظر دیکھنے ہیں جو پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ مٹی کے نیچے تنہا قیامت تک پڑے رہنا ہے کوئی مُونس پاس نہ ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کے حضور میں کھڑا ہونا ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے، کہ اگر وہاں یہ سوال ہو گیا کہ حبیب ساٹھ برس میں ایک تسبیح ایسی پیش کر دے جس میں شیطان کا کوئی دخل نہ ہو تو کیا جواب دوں گا۔ اور یہ حال اس پر تھا کہ ساٹھ برس کی زندگی میں دُنیا سے ذرا سا بھی لگاؤ نہ تھا، پھر ہم جیسوں کا کیا حال ہوگا جو کسی وقت بھی دُنیا تو درکنار گناہوں سے بھی خالی نہیں ہوتے، ہر وقت شیطان ہی کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں۔ عبد الجبار کہتے ہیں کہ میں حضرت فتح بن شخرف کی خدمت میں تیس برس رہا۔ انہوں نے کبھی آسمان کی طرف منہ نہیں اٹھایا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ آسمان کی طرف منہ کیا اور کہنے لگے، اب تو آپ کا اشتیاق بہت ہی بڑھ گیا۔ اب جلدی ہی بلا لیجئے۔ اس کے بعد ایک ہفتہ بھی نہ گزرا کہ انتقال فرما گئے۔ ابُو سعید موصلی کہتے ہیں کہ فتح بن سعید عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ کر عید گاہ سے دیر میں واپس ہوئے۔ واپسی میں دیکھا کہ مکانوں کے اندر سے قربانی کے گوشت پکنے کا دھواں ہر طرف سے نکل رہا ہے تو رونے لگے اور کہنے لگے کہ لوگوں نے قربانیوں سے

آپ کا تقرُّب حاصل کیا۔ میرے محبوب کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ میں قربانی کس چیز کی کروں۔ یہ کہہ کر بیہوش ہو کر گر گئے۔ میں نے پانی چھڑکا۔ دیر میں ہوش آیا، پھر اُٹھ کر چلے۔ جب شہر کی گلیوں میں پہنچے تو پھر آسمان کی طرف مُنہ اُٹھا کر کہنے لگے کہ میرے محبوب تجھے میرے رنج وغم کا طویل ہونا بھی معلوم ہے اور میرا یہ گلی گلی پھرنا بھی تجھے معلوم ہے۔ میرے محبوب تو مُجھے یہاں کب تک قید رکھے گا۔ یہ کہہ کر پھر بیہوش ہو کر گر گئے۔ میں نے پھر پانی چھڑکا پھر افاقہ ہو گیا اور چند روز بعد انتقال ہو گیا۔ محمد بن قاسمؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے شیخ محمد بن اسلم طُوسیؒ نے انتقال سے چار دن پہلے فرمایا کہ آؤ تمہیں خوشخبری سناؤں۔ کہ تمہارے ساتھی کے (یعنی میرے) ساتھ حق تعالیٰ شانُہٗ نے کس قدر احسان کیا کہ میری موت کا وقت آگیا اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا مجھ پر یہ احسان ہے کہ میرے پاس ایک درم بھی نہیں ہے جس کا حساب دینا پڑے۔ اب مکان کے کواڑ بند کر دو اور میرے مرنے تک کسی کو میرے پاس آنے کی اجازت نہ دینا۔ اور یہ سُن لو کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے جس میں میراث تقسیم ہو، بجز اس چادر کے اور اس ٹاٹ کے اور اس وُضو کے لوٹے کے اور میری کتابوں کے۔ اور اس تھیلی میں تیس درم ہیں۔ یہ میرے نہیں ہیں بلکہ میرے بیٹے کے ہیں۔ اُس کے ایک رشتہ دار نے اس کو دیئے ہیں۔ اور اس سے زیادہ حلال چیز میرے لئے کیا ہوگی جب کہ حضورؐ کا ارشاد یہ ہے کہ تُو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے (لہذا یہ بیٹے کا مال ہونے کی وجہ سے اس حدیث شریف کی بنا پر مجھے حلال ہے) اس میں سے میرے کفن کی اتنی مقدار خرید لینا جس سے میرا ستر ڈھک جائے اس سے زیادہ اس میں سے نہ لینا۔ یعنی صرف لُنگی اس سے خرید لینا، اور یہ ٹاٹ اور یہ چادر کفن میں شامل کر لینا۔ کفن کے تین کپڑے پورے ہو جائیں گے۔ لُنگی چادر اور تیسرا ٹاٹ ہو جائے گا، ان تینوں میں مجھے لپیٹ دینا۔ اور یہ وُضو کا لوٹا کسی نمازی فقیر کو صدقہ کر دینا کہ وہ وُضو کر لیا کرے گا۔ یہ سب فرما کر چوتھے دن انتقال ہو گیا۔ ابُو عبد الخالق کہتے ہیں کہ میں یوسف بن حُسینؒ کے پاس نزع کی حالت میں تھا وہ کہہ رہے تھے اے اللہ میں ظاہر میں لوگوں کو نصیحت کرتا رہا اور باطن میں اپنے نفس کے ساتھ کھوٹا پن کرتا رہا، میں نے اپنے نفس کے ساتھ جو کھوٹ کیا اُس کو اس کے بدلہ میں کہ تیری مخلوق کو نصیحت کرتا رہا، مُعاف کر دے۔ یہی کہتے کہتے جان نکل گئی۔ رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً (اتحاف) کس قدر خوش قسمت تھے یہ مرنے والے، حق تعالیٰ شانُہٗ ان کی برکات سے اس ناپاک کو بھی کوئی حصہ عطا فرما دے کہ وہ بڑا کریم ہے اس کے کرم سے کوئی چیز بھی بعید نہیں۔

(۲۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ لِيْ مَمْلُوْكِيْنَ يَكْذِبُوْنَنِيْ وَيَخُوْنُوْنَنِيْ وَيَعْصُوْنَنِيْ وَاَشْتِمُهُمْ وَاَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ اَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوْكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوْكَ وَعِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ ذٰلِكَ كَفَافًا لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ فَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ دُوْنَ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ اُقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تَقْرَأُ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شخص حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے کئی غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بھی بولتے ہیں، خیانت بھی کرتے ہیں، کہنا بھی نہیں مانتے۔ میں ان کو بُرا بھلا بھی کہتا ہوں اور مارتا بھی ہوں، میرا ان کا (قیامت میں) کیا معاملہ رہے گا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جتنی مقدار کی انہوں نے خیانت کی ہوگی اور تیری نافرمانی کی ہوگی، اور جھوٹ بولا ہوگا۔ اس ساری مقدار کا وزن کیا جائے گا (کہ وہاں ہر چیز کا وزن ہوتا ہے چاہے وہ چیز جسم والی جوہر ہو یا بے جسم کی عرض ہو) اور تونے جو سزا ان چیزوں پر دی ہے وہ بھی سب تولی جائے گی۔ پس اگر تیری سزا اور ان کا جرم برابر رہا تب تو نہ لینا نہ دینا اور اگر تیری سزا ان کے جرم سے وزن میں کم ہوگی تو جتنی کم ہوگی وہ تجھے دی جائے گی اور اگر سزا ان کے جرم سے بڑھی ہوئی ہوگی تو اس زیادتی پر تجھ سے بدلہ لیا جائے گا وہ شخص افسوس کرتے ہوئے روتے ہوئے مجلس سے ہٹ گئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم نے قرآن شریف

مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَابِھَا وَكَفٰى بِنَاحَاسِبِیْنَ ۝ فَقَالَ الرَّجُلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا اَجِدُلِیْ وَلَھُمْ شَیْئًا خَیْرًا مِّنْ مُّفَارَقَتِھِمْ اُشْھِدُكَ اَنَّھُمْ كُلُّھُمْ اَحْرَارٌ۔ (رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ)

کی آیت (سورۂ انبیاء ع ۴) وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ، الآیۃ نہیں پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ قیامت کے دن ہم میزانِ عدل قائم کریں گے (جس میں اعمال کا وزن کریں گے) اور کسی پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر کسی کا کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا، تو ہم اس کو وہاں حاضر کریں گے۔ (اور اس کا وزن کریں گے) اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

ف: قیامت کے دن حساب کا معاملہ بھی بڑا سخت معاملہ ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں بہت کثرت سے اُس پر تنبیہیں اور اس کی تفصیلیں ذکر فرمائی گئی ہیں، امثال اور نمونہ کے طور پر چند آیات اور چند احادیث اس جگہ ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰہِ تف ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ۔ ع ۳۸) "اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن تم حق تعالےٰ شانہٗ کی پیشی میں لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا عمل (یعنی اُس کا بدلہ) پُورا پورا دیا جائیگا اور اُن پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا۔" (۲) یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ج تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَھَا وَبَیْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِیْدًا ط وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰہُ نَفْسَهٗ ط وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ م بِالْعِبَادِ ۝ (آل عمران۔ ع ۳) "جس دن پائے گا ہر شخص اپنے سامنے اُس چیز کو جو اس نے کسی قسم کی خیر کی کی ہو یا کسی قسم کی بُرائی کی کی ہو اور تمنا کریگا، کہ کاش اس دن کے اور اُس کے درمیان بہت دُور کی مسافت ہوتی اور اللہ تعالیٰ ڈراتا ہے تم کو اپنے آپ سے اور اللہ تعالےٰ بڑا شفیق ہے بندوں پر" (اس شفقت ہی کی وجہ سے ڈراتا ہے کہ تم اس کے عذاب میں مُبتلا نہ ہو جاؤ)۔ (۳) وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ج ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (آلِ عمران۔ ع ۱۷) "اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اپنی اس

خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن (حشر کے میدان میں) لائے گا پھر ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔" (۴) كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (آل عمران ۔ ع ۱۹) "ہر شخص کو موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے اور تمہارے (نیک اور بد) اعمال کا پورا پورا بدلہ قیامت ہی کے دن ملے گا۔" (۵) اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ؕ (یہ کلمہ بہت جگہ قرآن پاک میں وارد ہوا ہے کہ) "حق تعالیٰ شانہٗ بہت جلد حساب کرنے والے ہیں" (کہ ہر شخص کا حساب کتاب بہت جلدی پورا کر دیا جائے گا اور اس کے موافق بدلہ دیا جائے گا)۔ (۶) وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝ (اعراف ۔ ع ۱) "اور اُس دن (قیامت کے دن اعمال کا) وزن ضروری ہے پس جس شخص کا (نیک اعمال کا) پلہ بھاری ہو گا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا (نیک اعمال کا) پلہ ہلکا ہو گا یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اس وجہ سے، کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے۔" (۷) اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ؕ (یونس ۔ ع ۳) "بے شک ہمارے قاصد (فرشتے) تمہاری سب شرارتوں کو لکھ رہے ہیں۔" (اور ان سب کا بدلہ تم کو قیامت میں ملے گا جب یہ لکھا ہوا سامنے لایا جائیگا)۔ (۸) وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ (یونس ع ۳) "اور جن لوگوں نے بُرے کام کئے، اُن کی بُرائی کی سزا اس کے برابر ملے گی اور ان کو ذلت چھا لے گی اور ان کو اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہ ہو گا (اور اُن کے منہ ایسے کالے ہونگے) گویا اُن کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیئے گئے۔ (۹) هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ ؕ (یونس ۔ ع ۳) "اُس مقام پر ہر شخص اپنے پہلے کئے کاموں کو (جو دنیا میں کئے تھے) جانچ لے گا (کہ وہ کس قسم کے نیک یا بد کئے تھے پھر اس کا حساب ہو جائے گا)۔ (۱۰) لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ (رعد ۔ ع ۲) جن لوگوں نے اپنے رب کا کہنا مان لیا ان کے واسطے اچھا بدلہ ہے، اور جنہوں نے اس

کا کہنا نہ مانا ان کے پاس اگر دُنیا کی تمام چیزیں ہوں (بلکہ) اور اس کے ساتھ اُسی کی برابر اور چیزیں ہوں تو سب کی سب اپنے فدیہ میں دے ڈالیں (اور) اُن کا سخت حساب ہوگا۔ (۱۱) فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ (رعد۔ ع ۶) "پس آپ کے ذِمّہ تو (اے محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ) صرف پہنچا دینا ہے (اور اس پر عمل کرنے نہ کرنے کا) حساب ہمارے ذِمّہ ہے"۔ (۱۲) رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ (ابراہیم۔ ع ۶) "اے ہمارے رب میری اور میرے والدین کی اور سب مؤمنین کی حساب قائم ہونے کے دن مغفرت کر دیجئے (یہ حضرت ابراہیمؑ کی دُعا ہے)۔ (۱۳) وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ (ابراہیم۔ ع ۷) "اور تُو اس دن مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا اور ان کے کرتے قطران (چیڑ کے درخت کے تیل) کے ہوں گے (کہ اس تیل میں پٹرول کی طرح سے آگ جلدی لگتی ہے) اور ان کے چہروں پر آگ لپٹی ہوئی ہوگی (اور یہ ساری تکلیفیں کیوں ہیں) تاکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کی سزا دے۔ بیشک اللہ تعالیٰ شانُہٗ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ (۱۴) وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِي عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَأْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۲) "اور ہم نے ہر انسان کا عمل (نیک ہو یا بد ہو) اس کے گلے کا ہار بنا رکھا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کا اعمال نامہ اس کے سامنے کر دیں گے جس کو وہ کُھلا ہوا دیکھے گا (اور اس سے کہا جائے گا) کہ اپنا اعمال نامہ خود ہی پڑھ لے آج تُو خود ہی اپنا مُحاسب کافی ہے"۔ (یعنی خود ہی حساب کر لے، کسی دوسرے کی بھی ضرورت نہیں۔ (۱۵) كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ الآیۃ (مریم۔ ع ۵) (جو بات کافر سمجھ رہے ہیں وہ) "ہر گز نہیں ہے ہم ہر وہ بات لکھ لیتے ہیں جو کوئی زبان سے کہتا ہے" (اس کے بعد قیامت کے دن وہ لکھا ہوا اعمالنامہ اُس کے سامنے کر دیا جائے گا)۔ (۱۶) اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (انبیاء۔ ع ۱) "لوگوں کے حساب کا وقت تو قریب آ گیا اور یہ ابھی تک غفلت ہی میں پڑے ہیں (اور اس کی تیاری سے) اعراض کئے ہوئے ہیں"۔ (۱۷) فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ○ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ○ (مؤمنون - ع ۶) "پھر جب (قیامت کے دن) صُور پھونکا جائے گا تو (اس قدر خوف ہو گا کہ) باہمی رشتے بھی اس دن نہ رہیں گے (یعنی سب اجنبی سے بن جائیں گے، باپ بیٹے سے بھاگے گا وغیرہ وغیرہ، جیسا سورۂ عَبَس میں ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ○ الآیۃ) اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا (اور اعمال کی ترازو کھڑی کر دی جائے گی) پس جس شخص کا پلّہ بھاری ہو گا (یعنی اس کی نیکیاں جُھک جائیں گی) پس ایسے لوگ تو کامیاب ہوں گے، اور جس شخص کا پلّہ ہلکا ہو گا پس یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اور وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے ان کے چہروں کو آگ جُھلستی ہو گی اور اس میں اُن کے مُنہ بگڑے ہوئے ہوں گے۔" (۱۸) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ (نور - ع ۵) "اور جو لوگ کافر ہیں (اور نُورِ ہدایت سے دُور ہیں) ان کے اعمال ایسے ہیں جیسا کہ ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا آدمی اُسکو (دُور سے) پانی سمجھتا ہے یہانتک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا، اور اس کے پاس اللہ تعالےٰ شانہٗ کو پایا جس نے اس کا پورا پورا حساب وہیں کر دیا اور اللہ تعالیٰ بہت جلدی حساب کر دینے والے ہیں۔" (۱۹) اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ○ (ص ع ۲) "جو لوگ خُدا کے راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے کہ وہ روزِ حساب کو بھولے ہوئے ہیں۔" (۲۰) اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ (مؤمن - ع ۲) "آج (قیامت) کے دن ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا آج ظلم نہیں ہے بے شک اللہ تعالیٰ شانہٗ بہت جلد حساب لینے والا ہے" (۲۱) وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (جاثیہ - ع ۴) "اور آپ (قیامت کے دن) ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ (وہ لوگ خوف کی وجہ سے)

گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے ہر فرقہ اپنی کتاب (نامۂ اعمال) کی طرف بلایا جائے گا (اور ان سے کہا جائیگا) کہ آج تم کو تمہارے کئے کا بدلہ دیا جائے گا (اور یہ کہا جائے گا) کہ یہ ہماری کتاب (جس میں تمہارے اعمال لکھے ہوتے ہیں) تمہارے اعمال کو ٹھیک ٹھیک بتا رہی ہے ہم (دنیا میں فرشتوں سے) تمہارے اعمال کو لکھواتے رہتے تھے (جو اسوقت یہ تمہارے سامنے ہے)۔ (۲۲) اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ (ق ع ۲) "جب دو اخذ کرنے والے (بات کو جلدی سے لے کر لکھنے والے فرشتے) لیتے رہتے ہیں اور دائیں جانب اور بائیں جانب بیٹھے رہتے ہیں وہ (یعنی آدمی) کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتا مگر ایک تاک لگانے والا تیار رہتا ہے" (اور وہ فوراً اس کو لکھ لیتا ہے یہی اعمال نامہ ہے)۔ (۲۳) يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۝ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ (الحاقہ ع ۱) جس دن تم (خدا تعالیٰ کے سامنے حساب کے لئے) پیش کئے جاؤ گے تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ ہوگی پھر (نامۂ اعمال ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے پس) جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تو (خوشی کے مارے آپس میں) کہے گا، کہ لو میرا نامۂ اعمال پڑھ لو میرا تو (پہلے ہی سے) اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے (میں تو دنیا ہی میں اس کے لئے تیاری کر رہا تھا) پس یہ شخص تو پسندیدہ زندگی یعنی بہشت بریں میں ہوگا جس کے میوے جھکے ہوتے ہوں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ کھاؤ اور پیو مزہ کے ساتھ ان اعمال کے بدلہ میں جو تم نے گذرے ہوئے زمانہ میں کئے ہیں اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا پس وہ (نہایت حسرت اور غم سے) کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کاش موت

(جو اُس کی تھی وہی سب کا کام، خاتمہ کر دیتی (افسوس) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میری وجاہت بھی میرے سے جاتی رہی (اس شخص کے لئے حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو اور اس کے گلے میں طوق پہنا دو، پھر جہنم میں اسکو داخل کر دو پھر ایسی زنجیر میں جس کی لمبائی ستر گز ہو اس کو جکڑ دو (اس آیت شریفہ کا کچھ حصہ بخل کے بیان میں ۱۳ پر گذر چکا ہے)۔ (۲۴) وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الانفطار) اور تم پر (ایسے فرشتے جو تمہارے کاموں کو) یاد رکھنے والے ہیں جو معزز ہیں (اور ہر کام کو) لکھنے والے ہیں مُقرّر ہیں جو تمہارے سارے افعال کو جانتے ہیں" (اور لکھتے ہیں، قیامت کے دن یہ سب مجموعہ پیش ہوگا)۔ (۲۵) فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝ (انشقاق) پس جس شخص کا نامۂ اعمال اُسکے داہنے ہاتھ میں ملے گا اُس سے عنقریب سہل حساب لیا جائے گا اور وہ (اُس سے فارغ ہو کر) اپنے مُتعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا، اور جس شخص کا نامۂ اعمال (اُس کے بائیں ہاتھ میں) پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا سو وہ موت کو پُکاریگا (جیسا کہ مصیبت کے وقت پکارا جاتا ہے) اور جہنم میں داخل ہوگا یہ شخص (دُنیا میں) اپنے گھر بہت خوش خوش رہتا تھا اُس نے گمان کر رکھا تھا کہ اس کو خُدا کے یہاں جانا ہی نہیں ہے"۔ (۲۶) اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝ (غاشیہ) بیشک ہمارے ہی پاس ان سب کو لوٹ کر آنا ہے پھر ہمارا ہی کام ہے ان سے حساب لینا"۔ (۲۷) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۝ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ جب زمین (زلزلہ کی وجہ سے) اپنی پوری حرکت سے ہلا دی جائے گی (اور جب ساری دُنیا میں زلزلہ آئے تو ظاہر ہے کہ کتنا بڑا زلزلہ ہوگا) اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ (خواہ دفینے ہوں یا مُردے) باہر نکال کر پھینک دے گی اور آدمی (ہکا بکا

ہو کر، کہے گا، اس کو کیا ہو گیا، اور اُس دن زمین (جو کچھ اس کے اوپر اچھے یا بُرے کام کئے گئے ہیں) سب کی خبریں دے گی اس وجہ سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہو گا (جیسا کہ آئندہ روایات کے ذیل میں آرہا ہے)، اُس دن لوگ مُختلِف جماعتیں (کوئی مقرّبین کی، کوئی نیک لوگوں کی، کوئی جہنّمیوں کی جماعت ہوگی اور پھر ہر جماعت میں مُختلِف گروہ ہوں گے۔ اسی طرح سے کوئی جماعت سواروں کی کوئی پیدل چلنے والوں کی، کوئی ان لوگوں کی جن کو منہ کے بل گھسیٹا جاتے گا، غرض ہر قسم کی مختلف جماعتیں) ہو کر لوٹیں گے تا کہ اپنے اعمال کو (جو دُنیا میں کئے تھے) دیکھ لیں، پس جو شخص (دُنیا میں) ذرہ کے برابر نیکی کرے گا وہ اس کو وہاں دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ کے برابر بُرائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔"

یہ نمونہ کے طور پر ستائیس ۲۷ آیات حساب کتاب اور اعمال کے بدلہ کی ذکر کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں آیات میں مُختلِف عُنوانات سے یہ اور اسی قسم کے مضامین وارد ہیں۔ اسی طرح احادیث میں بھی ہزاروں روایات میں اس حساب کے دن کے سخت حالات ذکر کئے گئے ہیں جن کا احاطہ بھی دُشوار ہے لیکن ضروری ہے کہ اپنے ان اوقات کو جو محض دُنیا کمانے میں ضائع کئے جاتے ہیں تھوڑا بہت ان کام آنے والی چیزوں میں بھی خرچ کیا جائے۔ ابھی وقت ہے، کچھ کیا جا سکتا ہے۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ افسوس کے سوا کچھ بھی نہ رہے گا۔ نمونہ کے طور پر چند احادیث کا ترجمہ بھی اس جگہ لکھا جاتا ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ جہنّم کو یاد کر کے رونے لگیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کیا بات ہوئی، کیوں رو رہی ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ مجھے جہنّم یاد آگئی اس پر رو رہی ہوں۔ آپ حضرات اُس دن اپنے اہل و عیال کو بھی یاد کریں گے یا نہیں؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تین وقت تو ایسے ہیں جن میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ ایک تو ترازو کے وقت (جب اعمال کے تولنے کا وقت ہوگا) یہاں تک کہ اس کو معلوم نہ ہو جائے کہ اُس کا (نیکیوں کا) پلڑا جھک رہا ہے یا نہیں۔ دوسرے جب یہ اعلان ہوگا کہ آؤ اپنے اپنے حساب کی کتاب لے لو۔ اُس وقت کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اُس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملتا ہے یا پُشت کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ملتا ہے۔ تیسرے پُل صراط کے وقت جب کہ وہ جہنّم پر بچھائی جائے گی (اور اُس کو چلنا پڑے گا) (مشکوٰۃ)۔ جب تک کہ آدمی اُس پر کو خیریت سے نہ گزر جائے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حساب کیا جائے گا۔ جس کی نیکیوں میں ایک کا بھی اضافہ ہو جائے گا، وہ جنّت میں چلا جائے گا۔ اور جس کی بُرائیوں

میں ایک کا بھی اضافہ ہو جائے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ اس کے بعد انہوں نے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ والی آیت پڑھی جو ۲ پر گذری اور فرمایا کہ ترازو کا پلہ ایک دانہ سے بھی جھک جائے گا۔ اور جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی وہ اعراف میں ہوں گے (جو جنت اور دوزخ کے درمیان میں ہے) حضرت علی کرّم اللّٰہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ جس کا ظاہر اس کے باطن سے زیادہ اچھا ہوگا اس کا وزن ہلکا ہوگا اور جس کا باطن ظاہر سے بہتر ہوگا اُس کا وزن بھاری ہوگا۔ حضرت انس رضؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ایک فرشتہ ترازو کے قریب مقرر ہوگا پس جس کا پلہ بھاری ہو جائے گا وہ ایسے زور سے اعلان کرے گا جس کو ساری مخلوق سُنے گی کہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا سعید ہو گیا اور ایسی سعادت ملی کہ اس کے بعد بدبختی نہیں ہے اور اگر اس کا پلڑا ہلکا ہو گیا تو وہ اسی طرح اُس کے بدبخت ہونے کا اعلان کرے گا جس کو ساری مخلوق سُنے گی۔ متعدد روایات میں آیا ہے کہ وہ ترازو اتنی بڑی ہوگی کہ آسمان زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اس کے ایک پلڑے میں آجائے گا۔ حضرت جابر رضؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ترازو میں سب سے اول وہ نفقہ رکھا جاتا ہے جو آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضؓ سے ارشاد فرمایا کہ دو خصلتیں تمہیں ایسی بتاؤں جو عمل میں بہت ہلکی، وزن میں بہت بھاری۔ ایک تو اچھی عادت دوسرے چُپ رہنا (یعنی بیکار باتوں سے احتراز کرنا)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کو بہت محبوب ہیں۔ زبان پر بہت ہلکے اور ترازو میں بہت وزنی وہ:- سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ۞ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ہیں۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے میں اُس کی ترازو کے پاس کھڑا ہوں گا، اگر اُس کی نیکیاں بڑھ گئیں تو بہت ہی اچھا، نہیں تو میں اس کی سفارش کروں گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن علماء کے لکھنے کی سیاہی اور شہیدوں کا خون بھی تولا جائے گا اور علماء کے لکھنے کی سیاہی کا وزن شہیدوں کے خون سے زیادہ وزنی ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اعمال نامہ کا وزن اور اُمتوں سے بڑھ جائے گا اس لئے کہ ان کی زبانیں کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ بہت مانوس ہوں گی۔ حضرت ابو درداء رضؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو ہر وقت پیٹ اور شرمگاہ ہی کا فکر ہے، اُس کا وزن ہلکا ہوگا (دُرِّ منثور) ایک حدیث

میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو فرشتہ دائیں جانب ہوتا ہے اور نیکیوں کا لکھنے والا ہوتا ہے وہ بائیں جانب والے پر امیر ہوتا ہے جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں جانب والا دس گنا اُس کا ثواب لکھ لیتا ہے، اور جب کوئی بُرائی کرتا ہے اور بائیں جانب والا اُس کو لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ماتحت ہونے کی وجہ سے امیر سے لکھنے کی اجازت لیتا ہے تو امیر یعنی دائیں جانب کا فرشتہ کہتا ہے کہ ابھی چھ سات گھنٹے انتظار کر لے، اگر بندہ اس درمیان میں اُس گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو لکھنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر توبہ نہیں کرتا تو وہ لکھ لیتا ہے (درمنثور)۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد متعدد احادیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین پیشیاں ہوں گی۔ پہلی دو پیشیوں میں تو مطالبات، سوال جواب، عذر معذرت وغیرہ سب کچھ ہوگا، اور تیسری پیشی میں اعمال نامے ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے کسی کے داہنے ہاتھ میں کسی کے بائیں ہاتھ (درمنثور)۔ ایک حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں حق تعالیٰ شانہٗ اس کا بہت آسان حساب لیتے ہیں اور اپنی رحمت سے جنت میں داخل کر دیتے ہیں۔ ایک[1] یہ کہ جو تجھے اپنے احسان سے محروم رکھے تُو اس پر احسان کرے دوسرے[2] جو شخص تجھ سے قطع رحمی کرے تو اُس کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ تیسرے[3] جو تجھ پر ظلم کرے تو اُس کو معاف کر دے (درمنثور) حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ اگر (آخرت کے احوال سے) جو کچھ مجھے معلوم ہے تم لوگوں کو معلوم ہو جاتے تو (خوف کی وجہ سے) ہنسنا کم کر دو اور رونا بہت زیادہ کر دو، اور بستروں پر عورتوں کے ساتھ لذت حاصل کرنا چھوڑ دو اور چلاتے ہوئے جنگل کو نکل جاؤ۔ حضرت ابوذرؓ، حضورؐ کا یہ ارشاد سن کر فرمانے لگے۔ کاش میں تو ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا (آدمی ہوتا ہی نہیں جو اتنے مصائب برداشت کرنا پڑیں)۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی جس حالت میں مرتا ہے، اُسی حالت میں قیامت کو اُٹھایا جائے گا (یعنی جس نیکی یا بدی میں مشغول ہے اور اسی حالت میں موت آگئی، اسی حالت پر حشر بھی ہوگا) (مشکوٰۃ)۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے وعظ فرمایا جس میں ارشاد فرمایا۔ غور سے سن لو کہ دُنیا ایک وقتی منفعت ہے جس سے ہر شخص نفع اُٹھاتا ہے چاہے نیک ہو یا فاجر۔ (لہٰذا اس سے زیادہ نفع اُٹھانا کوئی نیکی کی علامت نہیں ہے) اور آخرت ایک مقررہ چیز ہے جو بہر حال وقت مقررہ پر آنیوالی ہے اور اس میں ایک بادشاہ فیصلہ فرمائے گا جو ہر چیز پر قادر ہے (اس کے اختیارات بہت زیادہ وسیع ہیں) خیر ساری کی ساری

جنّت میں ہے (لہٰذا جو خیر بھی آدمی کر سکے اس میں کوتاہی نہ کرے کہ وہ جنّت کی طرف لے جانیوالی ہے) اور شر ساری کی ساری جہنّم میں ہے (اس لئے ذرا سی شر سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیئے اس کو معمولی نہ سمجھنا چاہیئے کہ ذرا سی شر بھی جہنّم کیطرف لے جانیوالی ہے)۔ اہتمام سے نیک عمل کرتے رہو، تم اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے نہایت خطرہ کی حالت میں ہو (اس سے بے خوف اور بے فکر کسی وقت نہ ہونا چاہیئے) اور اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ تم اپنے اعمال پر پیش کئے جاؤ گے (اور ان کا حساب ہوگا) جو شخص ایک ذرّہ کی برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرّہ کی برابر بھی برائی کریگا وہ اس کو بھی دیکھے گا (مشکوٰۃ)۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ دُنیا دن بدن منہ پھیرتی جارہی ہے یعنی دُور ہوتی جارہی ہے اور آخرت روز بروز قریب آتی جارہی ہے اور (دُنیا اور آخرت میں سے) ہر ایک کی مستقل اولاد ہے پس تم دُنیا کی اولاد نہ بنو، آخرت کی اولاد بنو۔ آج عمل کا دن ہے حساب نہیں ہے اور کل کو حساب کا دن ہے عمل نہ ہوگا (مشکوٰۃ)

حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تین کچہریاں ہوں گی۔ ایک کچہری میں تو معافی ہے ہی نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ کسی کو شریک بنانے کی ہے (یعنی اس عدالت میں تو صرف ایمان اور کفر کا مقدمہ پیش ہوگا اور جرم کی معافی کا اس عدالت میں ذکر ہی نہیں)۔ دوسری کچہری میں حق تعالیٰ شانہٗ صاحبِ حق کو اس کا حق ضرور دلائیں گے (خواہ اپنے پاس سے عطا فرمائیں، یا جس کے ذمہ حق ہے اس سے وصول کر کے مرحمت فرمائیں) اور یہ کچہری بندوں کے آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کی ہے کہ اس میں مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ تیسری کچہری حق تعالیٰ شانہٗ کے اپنے حقوق کی ہے (فرائض وغیرہ میں کوتاہی کی ہے) اس میں حق تعالیٰ شانہٗ زیادہ پروا نہیں فرمائیں گے یہ اس کریم کے اپنے حقوق ہیں وہ چاہے مطالبہ فرمائیں یا معاف کر دیں (مشکوٰۃ)۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے ذمہ اسکے بھائی کا کوئی حق ہو کہ اس پر آبرو کی یا مال کی کوئی زیادتی اور ظلم کر رکھا ہو، اس کو آج معاف کرالو۔ اس وقت سے پہلے پہلے نبٹ لو جس دن نہ دینار ہوگا نہ درم (نہ روپیہ نہ اشرفی، اُس دن سارا حساب نیک اعمال اور گناہوں سے ہوگا) پس اگر اس ظلم کرنے والے کے پاس کچھ نیک عمل ہیں تو اُس کے ظلم کے بقدر نیکیاں لیکر مظلوم کو دے دی جائیں گی۔ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہیں تو مظلوم کے اتنے ہی گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے (کہ اپنے گناہوں کے ساتھ دوسرے کے گناہوں کی سزا میں جہنّم میں

کچھ زیادہ زمانہ پڑے رہنا ہوگا) (مشکوٰۃ)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن حق والوں کو ان کا حق ضرور دلوایا جائے گا حتیٰ کہ بے سینگ والی بکری کے لئے سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائیگا (مشکوٰۃ) یعنی اگر دُنیا میں ایک بکری کے سینگ تھے اُس نے دوسری بکری کے مارا جس کے سینگ نہ تھے جس کی وجہ سے وہ بدلہ نہ لے سکی تو اُس بکری کا بدلہ بھی وہاں دلوایا جائے گا۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اِرشاد فرمایا کہ جانتے ہو مُفلس کون ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہمارے نزدیک تو مفلس تو وہ شخص سمجھا جاتا ہے جس کے پاس نہ درم، (نقد) ہو نہ مال۔ حضورؐ نے فرمایا۔ میری اُمت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز روزہ زکوٰۃ لے کر آئے لیکن کسی کو گالی دی تھی، کسی کو تہمت لگائی تھی، کسی کا مال کھا لیا تھا، کسی کو مارا تھا۔ پس کچھ نیکیاں اُس نے لیں کچھ اس نے لے لیں۔ اور جب اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور دوسروں کے مطالبے باقی رہ گئے تو ان کے مطالبوں کی بقدر ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور اس کے بعد اُس (ظالم اور کثرت سے عبادتوں کے مالک) کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا (مشکوٰۃ) فقیہ ابُو اللّیثؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب لوگ اپنی قبروں سے اُٹھائے جائیں گے اُس وقت ستّر برس تو ایسی حالت میں کھڑے رہیں گے کہ ان کی طرف اِلتفات بھی نہ ہوگا، وہ اس پریشانی میں اتنا روئیں گے کہ آنسو ختم ہوجائیں گے اور آنسوؤں کی جگہ خون نکلنے لگے گا۔ اس کے بعد میدانِ حشر کی طرف بلائے جائیں گے اور فرشتے آسمانوں سے اُترنا شروع ہوں گے ہر آسمان کے فرشتے ایک ایک حلقہ بنا کر ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں کے پیچھے کھڑے ہوں گے جس کو قرآنِ پاک میں وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِکَۃُ تَنْزِیْلًا ۝ اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَکَانَ یَوْمًا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا ۝ وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ۝ یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ؕ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝ (الفرقان۔ ع ۳) میں ذکر کیا گیا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

"جس دن آسمان بدلی پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے کثرت سے اُتارے جائیں گے اُس دن حکومت رحمان ہی کی ہوگی۔ (یعنی حساب کتاب جزا سزا میں کسی کا دخل نہ ہوگا) اور وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا۔ جس دن ظالم آدمی اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاوے گا اور کہے گا،

کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول (علیہ السلام) کے ساتھ راستہ پر لگ لیتا، ہائے میری شامت (کہ میں نے ایسا نہ کیا اور) کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو (جس نے نیک کام سے روکا) دوست نہ بناتا۔ اُس نے مجھ کو نصیحت آنے کے باوجود اُس سے بہکا دیا اور شیطان تو انسان کو (عین وقت پر سب کو کُلّی طور پر) امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے" (جس کا مُفَصَّل قصہ سُورۂ اِبراہیم میں ہے)۔ ایک اور حدیث میں حضور کا ارشاد ہے کہ اُس وقت حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ارشاد ہوگا۔ اے جن وانس میں نے دنیا میں تمہیں نصیحت کر دی تھی۔ آج تمہارے یہ اعمال تمہارے سامنے ہیں۔ جو شخص اپنے اعمالنامہ میں بھلائی پائے وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا شکر ادا کرے، اور جو نیکی نہ پائے وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے (کہ نصیحت کی بات نہ مانی)۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ جہنم کو حکم فرمادیں گے۔ اُس کا عذاب سامنے آجائے گا جس کو دیکھ کر ہر شخص گھٹنوں کے بل گر جائے گا، جس کو سُورۂ جاثیہ (ع ۴) میں ارشاد فرمایا ہے کہ تو ہر جماعت کو دیکھے گا کہ گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہے اور ہر جماعت اپنے اعمال نامہ کی طرف بلائی جائے گی۔ اُس کے بعد لوگوں کے درمیان میں فیصلے شروع ہو جائیں گے حتّٰی کہ جانوروں تک کے درمیان میں بھی انصاف کیا جائے گا اور بے سینگ والی بکری کے لئے سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔ اُس کے بعد جانوروں کو حکم ہو جائے گا کہ تم مٹی بن جاؤ (تمہارا معاملہ ختم ہوگیا) اُس وقت کافر لوگ یہ تمنا کریں گے اور کافر کہے گا یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا (عم۔ ع ۲)، "کاش میں مٹی ہو جاتا"۔ ایک حدیث میں حضور کا ارشاد ہے کہ لوگ جیسا کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں ایسے ہی ننگے میدانِ حشر میں ہوں گے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ، سب کے سامنے ننگا ہونے سے کیسی شرم آئے گی ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اس وقت لوگ اپنی مصیبت میں اس قدر گرفتار ہوں گے کہ ایک کو دوسرے کے دیکھنے کی مہلت بھی نہ ہوگی۔ سب کی آنکھیں اوپر کی طرف لگی ہوئی ہونگی۔ ہر شخص اپنے اعمالِ بد کی بقدر پسینے میں غرق ہوگا۔ کسی کا پسینہ پاؤں تک چڑھا ہوا ہوگا، کسی کا پنڈلی تک، کسی کا پیٹ تک، کسی کا مُنہ تک آیا ہوا ہوگا۔ فرشتے عرش کے چاروں طرف حلقہ بنائے ہوئے ہوں گے۔ اُس وقت ایک ایک شخص کا نام لے کر پکارا جائے گا وہ مجمع سے نکل کر وہاں حاضر ہوگا۔ جب وہ حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، تو اعلان کیا جائے گا کہ اس کے ذمہ جس جس کا مطالبہ ہو، وہ آئے۔ اُس کے ذمہ جس جس کا کوئی حق ہوگا، یا اُس کی طرف سے اُس پر کسی قسم کا ظلم ہوگا وہ ایک ایک کر کے پکارا جائے گا اور اُس کی نیکیوں میں سے ان کے حقوق ادا کئے

جائیں گے اور اگر نیکیاں نہیں ہوں گی یا نہیں رہیں گی تو اُن لوگوں کے گناہ اُس پر ڈال دیئے جائیں گے اور جب وہ اپنے گناہوں کے ساتھ دوسرے گناہوں کو بھی سر لے لیگا تو اُس سے کہا جائے گا کہ جا اپنی ماں ہاویہ میں چلا جا (القارعۃ میں اس کا بیان ہے یعنی دہکتے ہوئے جہنم میں)، حساب اور عذاب کی اس شدت کو دیکھتے ہوئے کوئی مقرب فرشتہ یا نبی ایسا نہ ہوگا جس کو اپنا خوف نہ ہو مگر وہ لوگ جن کو حق تعالیٰ شانہٗ محفوظ فرما دے اس وقت ہر شخص سے چار چیزوں کا سوال ہوگا (جیسا کہ پہلے مفصل حدیث میں اسی فصل کے ۲ پر گذر چکا) کہ عمر کس کام میں ختم کی، بدن کس کام میں لایا گیا، اور اپنے علم پر کیا عمل کیا اور مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ عکرمہؓ کہتے ہیں کہ اُس دن باپ اپنے بیٹے سے کہے گا کہ میں تیرا باپ تھا، میں تیرا والد تھا وہ بیٹا اس کے احسانات کا اقرار کرے گا۔ اس کے بعد باپ کہے گا کہ مجھ کو صرف ایک نیکی کی ضرورت ہے جو ایک ذرہ کی برابر ہو شاید اُس کی وجہ سے میرا پلہ جھک جائے۔ بیٹا کہے گا کہ مجھے خود ہی مصیبت پیش آرہی ہے، مجھے اپنا حال معلوم نہیں ہے کہ مجھ پر کیا گذرے گی۔ میں تو کوئی نیکی نہیں دے سکتا۔ اُس کے بعد وہ شخص اپنی بیوی سے اسی طرح اپنے احسان اور تعلقات جتا کر مانگے گا وہ بھی اسی طرح انکار کر دے گی (غرض اسی طرح سے ہر شخص سے مانگتا پھرے گا) یہی وہ چیز ہے جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ط (فاطر۔ ع ۳) میں ذکر فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "اور (اُس دن) کوئی دوسرے کا بوجھ (گناہ کا) نہ اُٹھاوے گا (اور خود تو کوئی کسی کی مدد کیا کرتا) اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا (یعنی گنہگار) کسی کو اپنا بوجھ اُٹھانے کے لئے بُلاوے گا تب بھی اُس میں سے کچھ بھی بوجھ نہ اُٹھایا جائے گا (یعنی کسی قسم کی اُس کی مدد نہ کرے گا) اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی کیوں نہ ہو (تنبیہ الغافلین)۔ عکرمہؓ کی یہ روایت دُرِّ منثور میں زیادہ واضح الفاظ میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ باپ بیٹے سے اوّل پوچھے گا کہ میں نے دُنیا میں تیرے ساتھ کیسا برتاؤ کیا تھا۔ وہ بہت تعریف باپ کے برتاؤ کی کرے گا۔ اُس کے بعد باپ کہے گا کہ میں آج تجھ سے صرف ایک نیکی مانگتا ہوں شاید اُسی سے میرا کام چل جائے۔ بیٹا کہے گا کہ ابا جان تم نے بہت ہی مختصر چیز کہی ہے لیکن اس کے باوجود میں سخت مجبور ہوں کہ مجھے خود بھی خوف ہے جو تمہیں ہے۔ اُس کے بعد یہی سارا سُوال جواب بیوی سے ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ط اور ارشاد ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ط الاٰیۃ (دُرِّ منثور) ان میں سے پہلی آیت شریفہ سورۂ لقمان کے آخری رکوع کی ہے یٰٓاَيُّهَا

النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ الآیۃ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔ "اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اُس سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ایسا ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا سا بھی مطالبہ ادا کر دے اور بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے (کہ یہ دن ضرور آنے والا ہے) سو تم کو دنیوی زندگی دھوکہ میں نہ ڈال دے (کہ تم اُس میں مُنہمک ہو کر اُس دن کو بھول جاؤ) اور نہ تم کو دھوکہ دینے والا (شیطان) دھوکہ میں ڈال دے (کہ اُس کے بہکانے میں آکر تم اُس دن سے غافل ہو جاؤ)"۔ دوسری آیت شریفہ سورہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی میں ہے۔ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ الآیۃ "پس جس دن کانوں کو بہرا کر دینے والا شور برپا ہوگا (یعنی قیامت کا دن آجائے گا وہ ایسا دن ہوگا) جس دن آدمی اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا (کوئی کسی کے کام نہ آئے گا) اُس دن ہر شخص کو اپنا ہی ایسا مشغلہ ہوگا جو اُس کو دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہونے دے گا"۔ اس آیت شریفہ کی تفسیر میں قتادہؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر شخص کو یہ بات بہت شاق ہوگی کہ کوئی اس کی جان پہچان والا قریبی رشتہ دار نظر پڑ جائے اس ڈر سے کہ کہیں وہ اپنا کوئی مطالبہ پیش نہ کر دے (دُرِّ منثور)۔ قرآن پاک میں بہت کثرت سے یہ مضمون مختلف عنوانات سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ سورہ بقرہ کے رکوع ۶ میں ہے وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ الآیۃ۔ "اور ڈرو تم ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ (جانی) بدلہ دے سکیگا (مثلاً ایک کی نماز کے بدلہ میں دوسرے کی نماز قبول کر لی جائے) اور نہ کسی کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکتی ہے اور نہ کسی کی طرف سے کوئی فدیہ (مالی مُعاوضہ) لیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائیگی" (کہ کوئی اپنے زور سے ان کے عذاب کو روک دے یہ ناممکن ہے)۔ اس آیتِ شریفہ میں اعانت کے جتنے ذریعے ہو سکتے تھے سب کی نفی فرما دی۔ اس لئے کہ کسی کی مدد کے چار ہی طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی زوردار شخص بیچ میں حائل ہو جائے اور اپنے زور سے روک دے، یہ نُصرت ہے، اس کی بھی نفی فرما دی۔ دوسرے بغیر زور کے کوئی شخص عذاب کو روک دے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ بغیر کسی قسم کا مُعاوضہ دیئے روکے، یہ سفارش ہے۔ یا کوئی کسی قسم کا بدلہ دے کر روکے۔ اس کی دو قسمیں ہیں کہ جانی بدلہ دے یا مالی بدلہ دے، ان کی بھی دونوں کی نفی فرما دی گئی۔ اسی طرح اور بھی بہت سے مَواقع میں یہ مضمون مختلف عنوانات سے آیا ہے۔ اس کے متعلق یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ ایک تو کفار کا معاملہ ہے۔ ان میں تو

بالِاتفاق یہی سب چیزیں ہیں جو اوپر ذکر کی گئی، کہ کوئی نبی یا ولی یا فرشتہ کتنا ہی مقرب کیوں نہ ہو، کفار کے عذاب کو نہیں ہٹا سکتا۔ دوسرا معاملہ گنہ گار مسلمانوں کا ہے۔ ان کے بارہ میں بھی اس قسم کی آیات اور احادیث وارد ہوئی ہیں۔ یہ سب ایک خاص وقت کے اعتبار سے ہیں۔ اس کے بعد سفارش کی اجازت ہوتی جائے گی۔ چنانچہ قرآن پاک میں متعدد جگہ یہ مضمون وارد ہے جن میں سے ایک جگہ ارشاد ہے یَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ ط الآیۃ (طٰہٰ۔ ع ۶) "اس دن کسی کو سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو (انبیاء اور اولیاء کی سفارش نفع دے گی) جس کے واسطے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سفارش کی اجازت دے دی ہو، اور اس کے واسطے (کسی کا بولنا) پسند کر لیا ہو" اس قسم کے مضامین بھی کثرت سے وارد ہیں لیکن یہ بات کہ کس کے لئے سفارش کی اجازت ہوتی ہے کسی کو معلوم نہیں ہے۔ گو حق تعالیٰ شانہٗ کے فضل سے امیدوار ہر شخص کو رہنا ہی چاہیئے لیکن یقین کسی کا بھی نہیں ہے۔ اس وجہ سے یہ سخت ترین دن نہایت ہی خوف وخطر کا دن ہے۔ اس کی سختی کے واسطے جو کچھ بچاؤ کیا جا سکتا ہے وہ آج ہی کیا جا سکتا ہے۔ صدقہ کی کثرت کو اس دن کی شدت اور سختی سے بچانے میں خاص دخل ہے۔ پہلی فصل میں کثرت سے آیات اور روایات میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ حضورؐ کا مشہور ارشاد ہے۔ (جہنم کی) آگ سے بچو، چاہے آدھی کھجور ہی سے کیوں نہ ہو۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ صدقہ خطاؤں کو ایسا بجھا دیتا ہے جیسا کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے (اتحاف) حضورؐ کا ارشاد ہے، کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا (اتحاف) یعنی جس قدر آدمی کے صدقہ کی مقدار بھی ہوتی ہوگی اتنا ہی گہرا سایہ اس سخت دن میں ہوگا جس میں گرمی کی شدت سے منہ تک پسینہ آیا ہوا ہوگا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ صدقہ حق تعالیٰ شانہٗ کے غصہ کو بھی روکتا ہے اور سُوءِ خاتمہ (بری موت) سے بھی حفاظت کا سبب ہے (مشکوٰۃ)۔ حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو وصیت ہے کہ جب تجھ سے کوئی خطا صادر ہو، صدقہ کیا کر (احیاء)۔ پہلی فصل کی حدیث ۲۰ میں یہ قصہ مفصل گزر چکا ہے کہ ایک بدکار فاحشہ عورت کی کتے کو پانی پلانے سے مغفرت ہوگئی۔ عُبید بن عُمیرؒ کہتے ہیں کہ میدانِ حشر میں لوگ انتہائی بھوکے ہوں گے، انتہائی پیاسے اور بالکل ننگے ہوں گے۔ لیکن جس شخص نے اللہ تعالیٰ شانہٗ کے واسطے کسی کو کھانا کھلایا ہوگا، اس کو حق تعالیٰ شانہٗ کھانا کھلائیں گے۔ اور جس نے اللہ کے واسطے کسی کو پانی پلایا ہوگا اس کو سیراب کریں گے، اور جس نے اللہ تعالیٰ شانہٗ کے واسطے کسی کو کپڑا دیا ہوگا اس کو لباس پہنائیں گے (احیاء)۔ پہلی فصل میں حدیث ۱۱ کے ذیل میں گزرا ہے کہ قیامت کے دن جہنمی ایک

صف میں کھڑے کئے جائیں گے۔ ان کو ایک (کامل ولی) مسلمان کا گزر ہوگا۔ اُس صف میں سے ایک شخص کہے گا کہ تُو میرے لئے حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سفارش کر دے۔ وہ پوچھے گا، تُو کون ہے۔ وہ جہنمی کہے گا تُو مجھے نہیں جانتا، میں نے فلاں وقت دُنیا میں تجھے پانی پلایا تھا۔ دوسری حدیث میں گزرا کہ قیامت کے دن جب جنّتی اور جہنمی لوگوں کی صفیں لگ جائیں گی تو جہنمی صفوں میں سے ایک شخص کی نظر جنّتی صفوں میں سے ایک شخص پر پڑے گی، اور وہ یاد دلائے گا کہ میں نے دُنیا میں تیرے ساتھ فلاں احسان کیا تھا اس پر وہ شخص اس کا ہاتھ پکڑ کر حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں لے جائے گا اور عرض کرے گا کہ یا اللہ اس کا مجھ پر فلاں احسان ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت سے اس کو بخش دیا جائے گا۔ ایک اور حدیث میں گزرا کہ قیامت کے دن اعلان ہوگا کہ اُمتِ محمدیہ کے فقیر لوگ کہاں ہیں، اُٹھو اور لوگوں کو میدانِ قیامت میں سے تلاش کر لو۔ جس شخص نے میرے لئے تم میں سے کسی کو ایک لقمہ دیا ہو یا میرے لئے ایک گھونٹ بھی پانی پلایا ہو یا نیا پُرانا کپڑا دیا ہو، اُس کا ہاتھ پکڑ کر جنّت میں داخل کر دو۔ اس پر فقرائے اُمت اُٹھیں گے اور ان کو چُن چُن کر جنّت میں داخل کر دیں گے۔ ایک اور حدیث میں گزرا کہ قیامت کے دن ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا، کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے فقیروں کا اور مسکینوں کا اکرام کیا آج تم جنّت میں ایسی طرح داخل ہو جاؤ کہ نہ تم پر کسی قسم کا خوف ہے، اور نہ تم غمگین ہو گے۔ اس قسم کے مضامین کی کئی روایتیں اُس جگہ گزر چکی ہیں۔ اُسی فصل کی حدیث ۱۳ کے ذیل میں گزرا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان سے کسی مصیبت کو زائل کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کی مصائب میں سے اُس کی کوئی مصیبت زائل فرماویں گے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی فرماویں گے۔ حدیث ۱۸ کے ذیل میں گزرا، کہ جو شخص اپنے مُضطر بھائی کی مدد کرے حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو اُس دن ثابت قدم رکھیں گے جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ قائم نہ رہ سکیں گے (یعنی قیامت کے دن)۔

پہلی فصل کی آیات میں ۱۳ پر قرآن پاک کی طویل آیت گزر چکی کہ وہ لوگ حق تعالیٰ شانہٗ کی محبّت میں کھانا کھلاتے ہیں یتیم کو اور مسکین کو اور (کافر) قیدیوں کو، اور کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض اللہ کے واسطے کھلاتے ہیں، نہ تو ہم تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ، بلکہ ہم کو اپنے رب کی طرف سے ایک نہایت تلخ اور سخت (قیامت کے) دن کا خوف ہے۔ پس اللہ جلّ شانہٗ، اُن کو اُس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا، اور اُن کو سُرور اور تازگی عطا فرمائے گا۔ غرض اُس فصل میں کثرت سے اس قسم کے مضامین

گذر چکے ہیں کہ قیامت کے دن کی سختی کے بچاؤ کے لئے صدقہ کی کثرت نہایت مفید ہے۔ اور اس آیت شریفہ میں تو گویا خود حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اس کا وعدہ بھی ہو گیا۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے

ساتویں فصل

میں زاہدوں اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کے کچھ واقعات بھی نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے دُنیا اور آخرت کی حقیقت کو سمجھ لیا انہوں نے اس دھوکہ کے گھر سے کیسی بے رغبتی برتی اور آخرت کے لئے کیا کچھ جمع کر لیا۔ زُہد اور سخاوت، مفہوم اور صورتِ عمل کے لحاظ سے دو علیٰحدہ علیٰحدہ چیزیں ہیں۔ لیکن مال کے اِعتبار سے قریب قریب ہیں۔ اس لئے کہ زُہد یعنی دُنیا سے بے رغبتی جس شخص میں ہوگی، سخاوت اُس کے لئے لازم ہے۔ جب اُس کو اس کے رکھنے کی رغبت ہی نہیں تو موجود ہونے کی صورت میں وہ لامحالہ سخاوت ہی کرے گا۔ اسی طرح سے سخاوت وہی شخص کر سکتا ہے جس کو مال کی محبّت نہ ہو اور جتنی زیادہ محبّت مال کی ہوگی اُتنا ہی بُخل اُس میں کرے گا۔ اس لئے اس فصل میں دونوں قسم کے واقعات کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا اور اسی لئے اس رسالہ میں جو فضائلِ صدقات میں تھا، زُہد کی روایات اور آیات بھی ذکر کی گئیں کہ دُنیا سے بے رغبتی پیدا کرنا اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا زینہ ہے اور جب تک اس گندگی سے طبیعت کو محبّت اور اُنس رہے گا، کبھی بھی خرچ کرنے کو طبیعت نہ اُبھرے گی۔ اگر اپنا دل بھی کسی وقت چاہے گا تو طبیعت خرچ پر آمادہ نہ ہوگی۔ اسی کو حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک بہترین مثال سے ظاہر فرمایا۔

اِرشادِ عالی ہے کہ بخیل کی اور صدقہ کرنے والے کی (جس کی عادت کثرت سے صدقہ کرنے کی ہو) ایسی مثال ہے جیسا کہ دو آدمی ہوں۔ اُن کے اُوپر لوہے کی زرہیں اس طرح لپیٹی ہوئی ہوں کہ ان دونوں کے ہاتھ بھی زرہوں کے اندر ہی سینہ پر چپٹے ہوئے ہوں، زرہ سے باہر نکلے ہوئے نہ ہوں۔ پس صدقہ والا یعنی سخی شخص جو صدقہ کرنے کا عادی ہے جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زرہ خود بخود کھلتی چلی جاتی

ہے (اور ہاتھ بے تکلُّف فوراً زِرہ سے باہر آجاتا ہے)۔ اور بخیل جب ارادہ کسی صدقہ کا کرتا ہے تو وہ زِرہ اور زیادہ سُکڑ جاتی ہے جس سے ہاتھ اپنی جگہ سے جنبش ہی نہیں کرسکتا (مشکوٰۃ)۔ مطلب یہ ہے کہ سخی جب خرچ کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کا دِل اُس کے لئے فراخ ہو جاتا ہے جس سے وہ بے تکلُّف خرچ کرتا ہے۔ اور بخیل اگر کہے سُنے سے یا کسی اور وجہ سے کسی وقت ارادہ بھی کرلیتا ہے تو اندر سے کوئی چیز اس طرح اُس کو پکڑ لیتی ہے جیسا کہ لوہے کی زِرہ نے اس کے ہاتھ باندھ دیئے ہوں کہ ہاتھوں کو زور سے زِرہ کے اندر سے نکالنا بھی چاہتا ہے یعنی دِل کو بار بار سمجھاتا ہے مگر وہ مانتا ہی نہیں، ہاتھ اُٹھتا ہی نہیں۔ بہت ہی صحیح اور سچی مثال ہے۔ روزمرہ کا مُشاہدہ ہے کہ بخیل آدمی خرچ کرنا بھی چاہتا ہے تو ہاتھ نہیں اُٹھتا۔ کہیں دس روپیہ خرچ کرنے کا موقعہ ہوگا تو وہ دس پیسے بھی مُشکل سے نکالے گا۔

(۱) حضرت اَبُوبَکر صِدّیق رضؓ کی پوری زندگی کے واقعات اس کثرت سے اس چیز کی مثالیں ہیں کہ ان کا احاطہ بھی دُشوار ہے۔ غزوۂ تبوک کے وقت جب کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے چندہ کی تحریک فرمائی، اور حضرت اَبُوبَکر صِدّیق رضؓ کا اُس وقت جو کچھ گھر میں رکھا تھا، سب کچھ جمع کر کے حُضورؐ کی خدمت میں پیش کر دینا مشہور واقعہ ہے۔ اور جب حُضورؐ نے دریافت فرمایا کہ اَبُوبَکر گھر میں کیا چھوڑا تو آپ نے فرمایا اللہ اور اُس کا رسولؐ (یعنی ان کی خوشنودی کا ذخیرہ) گھر میں موجود ہے۔ "حکایاتِ صحابہؓ" میں یہ قصّہ مُفصّل ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس نوع کے دوسرے حضرات کے مُتعدد واقعات "حکایاتِ صحابہؓ" میں بھی لکھ چکا ہوں۔ وہاں دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ اِیثار، ہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا انہیں حضرات کا حِصّہ تھا کہ اس کا کچھ بھی شائبہ ہم لوگوں کو مِل جائے تو نہ معلوم ہم اُسکو کیا سمجھیں لیکن ان حضرات کے یہاں یہ روزمرہ کے معمولی واقعات تھے۔ بالخُصوص حضرت اَبُوبَکر صِدّیق رضؓ کے متعلق اس سے بڑھ کر کیا وضاحت ہوسکتی ہے کہ خود حق تعالیٰ شانُہٗ نے قرآنِ پاک میں تعریف کے موقع پر فرمایا:—

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ۙ الآیۃ (واللیل) "اور اُس آگ سے) وہ شخص دُور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے۔ جو اپنا مال اس غرض سے (اللہ کے راستہ میں) دیتا ہے کہ پاک ہوجائے اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے (کوئی اور اس کی غرض نہیں ہے اور) کسی کا اُس کے ذمّہ کوئی احسان نہ تھا کہ اس کا بدلہ اُتارنا مقصود ہو۔" (اس میں نہایت ہی مُبالغہ اخلاص کا ہے کیونکہ کسی کے احسان کا بدلہ اُتارنا بھی مطلوب اور مَندُوب ہے۔ مگر فضیلت میں اِحسان ابتدائی کے برابر نہیں۔ بیان القرآن)

ابنِ جوزیؒ کہتے ہیں کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت شریفہ حضرت اَبُوبَکر صِدّیق رضؓ کی شان میں نازل

ہوئی۔ حضرت ابُوہریرہؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ علَیہِ وسلّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابُوبکر کے مال نے دیا۔ حضورؐ کا یہ ارشاد سُن کر حضرت ابُوبکرؓ رونے لگے، اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا میں اور میرا مال آپ کے سوا کسی اور کا ہے۔ حضورؐ کا یہ ارشاد بہت سے صحابہ کرامؓ سے بہت سی روایات میں نقل کیا گیا۔ سعیدؒ بن المسیّبؒ کی روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ حضورؐ حضرت ابُوبکرؓ کے مال میں اسی طرح تصرّف فرماتے تھے جس طرح اپنے مال میں فرماتے تھے۔ حضرت عُروہؒ کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت ابُوبکر صدیقؓ مسلمان ہوئے تو اُن کے پاس چالیس ہزار درم تھے جو سب حضورؐ کے اوپر خرچ کردیئے (یعنی حضورؐ کی خوشنودی میں)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اسلام لانے کے وقت چالیس ہزار درم تھے اور ہجرت کے وقت پانچ ہزار رہ گئے تھے۔ یہ ساری رقم غلاموں کے آزاد کرنے میں (جن کو اسلام لانے کے جُرم میں عذاب دیا جاتا تھا) اور اسلام کے دوسرے کاموں میں خرچ کئے گئے (تاریخ الخلفاء)۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں، کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ضعیف ضعیف غلاموں کو خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔ اُن کے والد ابُوقحافہؓ نے فرمایا کہ اگر تمہیں غلام ہی آزاد کرنے ہیں تو قوی قوی غلاموں کو خرید کر آزاد کیا کرو کہ وہ تمہاری مدد بھی کرسکیں، وقت پر کام بھی آسکیں۔ حضرت ابُوبکرؓ نے فرمایا کہ (میں اپنے لئے آزاد نہیں کرتا) میں تو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے آزاد کرتا ہوں۔ (درِ منثور)۔ اور حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں ضعیف کمزور کی مدد کا جتنا اجر ہے وہ قوی کی مدد سے بہت زیادہ ہے۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے، جس کا مجھ پر احسان ہو اور مَیں نے اس کے احسان کا بدلہ نہ دیا ہو، مگر ابُوبکرؓ کا احسان میرے ذمّہ ہے (جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا)، حق تعالیٰ شانُہٗ خود ہی قیامت کے دن اسکے احسان کا بدلہ عطا فرمائینگے، مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے نفع دیا[1]۔

(۴) حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور اپنی حاجت پیش کرکے کچھ مدد چاہی اور سُوال کیا۔ آپ نے فرمایا تیرے سُوال کی وجہ سے جو مجھ پر حق قائم ہوگیا ہے وہ میری نگاہ میں بہت اُونچا ہے اور تیری جو مدد مجھے کرنا چاہیئے وہ میرے نزدیک بہت زیادہ مقدار ہے اور میری مالی حالت اس مقدار کے پیش کرنے سے عاجز ہے جو تیری شان کے مناسب ہو، اور اللہ کے راستہ میں تو آدمی جتنا بھی زیادہ سے زیادہ خرچ کرے وہ کم ہی ہے لیکن مَیں کیا کروں، میرے پاس اتنی مقدار نہیں ہے جو تیرے سوال کے شکر کے مناسب ہو، اگر تو اس کے لئے تیار ہو کہ جو میرے پاس موجود ہے اُس کو تو

[1] تاریخ الخلفاء

خوشی سے قبول کرلے اور مجھے اس پر مجبور نہ کرے کہ میں اُس مقدار کو کہیں سے حاصل کروں جو تیرے مرتبہ کے مناسب ہو اور تیرا جو حق مجھ پر واجب ہوگیا ہے اُس کو پورا کرسکے تو میں بخوشی حاضر ہوں اُس سائل نے کہا۔ اے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بیٹے! میں جو کچھ آپ دیں گے اُسی کو قبول کرلوں گا اور اُس پر شکر گزار ہوں گا اور اس سے زیادہ نہ کرنے میں آپ کو معذور سمجھوں گا۔ اس پر حضرت حسنؓ نے اپنے خزانچی سے فرمایا کہ ان تین لاکھ درہموں میں سے (جو تمہارے پاس رکھوائے تھے) جو بچے ہوں لے آؤ۔ وہ پچاس ہزار درہم لائے (کہ اس کے علاوہ سب خرچ کرچکے تھے) حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ پانچسو دینار (اشرفیاں) اور بھی تو کہیں تھے۔ خزانچی نے عرض کیا کہ وہ بھی موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ بھی لے آؤ۔ جب یہ سب کچھ آگیا تو اس سائل سے کہا کہ کوئی مزدور لے آؤ جو ان کو تمہارے گھر تک پہنچادے۔ وہ دو مزدور لے کر آئے۔ حضرت حسنؓ نے وہ سب کچھ ان کے حوالہ کردیا اور اپنے بدن مبارک سے چادر اُتار کر مرحمت فرمائی کہ ان مزدوروں کی مزدوری بھی تمہارے گھر تک پہنچانے کی میرے ہی ذمّہ ہے لہذا یہ چادر فروخت کر کے ان کی مزدوری میں دے دینا۔ حضرت حسنؓ کے غلاموں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس تو اب کھانے کے لئے ایک درم بھی باقی نہیں رہا، آپ نے سب کا سب ہی دے دیا۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی ذات سے اس کی قوی اُمید ہے کہ وہ اپنے فضل سے مجھے اس کا بہت ثواب دے گا (احیاء) سب کچھ دے دینے کے بعد جب کہ اپنے پاس کچھ بھی نہ رہا اور مقدار بھی اتنی زیادہ تھی پھر اس کا قلق اور اس کی ندامت تھی کہ سائل کا حق ادا نہ ہوسکا۔

(۳) بصرہ کے چند قاری حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا ایک پڑوسی ہے جو بہت کثرت سے روزے رکھنے والا ہے، بہت زیادہ تہجد پڑھنے والا ہے۔ اُس کی عبادت کو دیکھ ہم میں سے ہر شخص رشک کرتا ہے اور اس کی تمنا کرتا ہے کہ اُس کی سی عبادت ہم بھی کیا کریں۔ اُس نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کردیا ہے لیکن غریب کے پاس جہیز کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ ان حضرات کو لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے اور ایک صندوق کھولا جس میں چھ توڑے (روپیہ یا اشرفی کی تھیلی توڑا کہلاتی ہے) نکالے اور ان حضرات کے حوالہ کردیئے کہ اس کو دے دیں۔ یہ لے کر چلنے لگے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اُن سے فرمایا کہ ہم لوگوں نے اس کے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہیں کیا۔ یہ مال اُس کے حوالہ اگر کردیا جائے گا تو اُس غریب کو بڑی دقت ہوگی وہ اس جہیز کے

انتظام کے جھگڑے میں لگ جائے گا جس سے اسکی مشغولی بڑھ جائیگی، اس کی عبادت میں حرج ہوگا۔ اس دُنیا کم بخت کا ایسا درجہ نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے ایک عبادت گزار مومن کا حرج کیا جائے۔ ہماری اس میں کیا شان گھٹ جائے گی کہ ایک دین دار کی خدمت ہم ہی کر دیں۔ لہٰذا اس مال سے شادی کا سارا انتظام ہم سب مل کر کر دیں اور سامان تیار کر کے اُس کے حوالہ کر دیں۔ وہ حضرات بھی اس پر راضی ہو گئے اور سارا سامان اس رقم سے مکمل تیار کر کے اس فقیر کے حوالہ کر دیا (احیاء)

(۴) ابُوالحسن مدائنی کہتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ، اور امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں اُن کے سامان کے اُونٹ اُن سے جُدا ہو گئے۔ یہ بھوکے پیاسے چل رہے تھے۔ ایک خیمہ پر اُن کا گزر ہوا۔ اس میں ایک بوڑھی عورت تھی۔ ان حضرات نے اُس سے پوچھا۔ کہ ہمارے پینے کو کوئی چیز (پانی یا دودھ لسّی وغیرہ) تمہارے پاس موجود ہے۔ اُس نے کہا، ہے۔ یہ لوگ اپنی اونٹنیوں پر سے اُترے۔ اُس بڑھیا کے پاس ایک بہت معمولی سی بکری تھی۔ اُس کی طرف اشارہ کر کے اُس نے کہا کہ اس کا دودھ نکال لو اور اس کو تھوڑا تھوڑا پی لو۔ ان حضرات نے اُس کا دودھ نکالا اور پی لیا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ کوئی کھانے کی چیز بھی ہے۔ اس بڑھیا نے کہا کہ یہی بکری ہے۔ اس کو تم میں سے کوئی ذبح کرلے تو میں پکا دوں گی۔ اُنہوں نے اس کو ذبح کیا۔ اُس نے پکایا۔ یہ حضرات کھا پی کر جب شام کو چلنے لگے تو اُنہوں نے اُس بڑھیا سے کہا کہ ہم ہاشمی لوگ ہیں۔ اس وقت حج کے ارادہ سے جا رہے ہیں۔ اگر ہم زندہ سلامت واپس مدینہ منوّرہ پہنچ جائیں تو تُو ہمارے پاس آنا، تیرے اس احسان کا بدلہ دیں گے یہ حضرات تو فرما کر چلے گئے۔ شام کو جب اُس کا خاوند (کہیں جنگل وغیرہ سے) آیا تو اُس بُڑھیا نے ہاشمی لوگوں کا قصہ سُنایا۔ وہ بہت خفا ہوا کہ تُو نے اجنبی لوگوں کے واسطے بکری ذبح کر ڈالی۔ معلوم نہیں کون تھے کون نہیں تھے۔ پھر کہتی ہے کہ ہاشمی تھے۔ غرض وُہ خفا ہو کر چُپ ہو گیا۔ کچھ زمانہ کے بعد ان دونوں میاں بیوی کو غربت نے جب بہت ستایا تو یہ محنت مزدوری کی نیت سے مدینہ منوّرہ گئے۔ دن بھر مینگنیاں چُگا کرتے اور اُن کو بیچ کر گزر کیا کرتے۔ ایک دن وہ بڑھیا مینگنیاں چُگ رہی تھی، حضرت حسنؓ اپنے دروازہ کے آگے تشریف رکھتے تھے۔ جب یہ وہاں کو گزری، تو اس کو دیکھ کر حضرت حسنؓ نے اُس کو پہچان لیا اور اپنے غلام کو بھیج کر اس کو اپنے پاس بُلوایا اور فرمایا کہ اللہ کی بندی تو مجھے بھی پہچانتی ہے۔ اُس نے کہا۔ میں نے تو نہیں پہچانا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تیرا وہی مہمان ہوں دودھ اور بکری والا۔ بڑھیا

نے پھر بھی نہ پہچانا۔ اور کہا۔ کیا خدا کی قسم تم وہی ہو۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا۔ میں وہی ہوں اور یہ فرما کر آپ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے لئے ایک ہزار بکریاں خرید دی جائیں۔ چنانچہ فوراً خریدی گئیں اور ان بکریوں کے علاوہ ایک ہزار دینار (اشرفیاں) نقد بھی عطا فرمائے، اور اپنے غلام کے ساتھ اس بڑھیا کو چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت حسینؓ نے دریافت فرمایا کہ بھائی نے کیا بدلہ عطا فرمایا۔ اُس نے کہا۔ ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار۔ یہ سُن کر اتنی ہی مقدار دونوں چیزوں کی حضرت حسینؓ نے عطا فرمائی۔ اس کے بعد اس کو حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے تحقیق فرمایا کہ ان دونوں حضرات نے کیا کیا مرحمت فرمایا اور جب معلوم ہوا کہ یہ مقدار ہے تو انہوں نے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار عطا فرمائے اور یہ فرمایا کہ اگر تو پہلے مجھ سے مل لیتی تو میں اس سے بہت زیادہ دیتا یہ بڑھیا چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار (اشرفیاں) لے کر خاوند کے پاس پہنچی، کہ یہ اُس ضعیف اور کمزور بکری کا بدلہ ہے (احیاء)۔

(۵) عبداللہ بن عامر بن کریزؓ حضرت عثمانؓ کے چچازاد بھائی ایک مرتبہ (غالباً بارات کا وقت ہوگا) مسجد سے باہر آئے۔ اپنے مکان تنہا جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک نوجوان لڑکا نظر پڑا۔ وہ ان کے ساتھ ہولیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہیں کچھ کہنا ہے۔ اُس نے عرض کیا۔ جناب کی صلاح و فلاح کا متمنی ہوں، کچھ عرض کرنا نہیں ہے۔ میں نے جناب کو تنہا اس وقت جاتے دیکھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ تنہائی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، اس لئے جناب کی حفاظت کے خیال سے ساتھ ہولیا۔ خدا نہ کرے کہ راستہ میں کوئی ناگوار بات پیش آجائے۔ حضرت عبداللہ بن عامرؓ اس نوجوان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر تک ساتھ لے گئے اور وہاں پہنچ کر ایک ہزار دینار (اشرفیاں) اس کو مرحمت فرمائیں کہ اس کو اپنے کام میں لے آنا، تمہارے بڑوں نے تمہیں بہت اچھی تربیت دی ہے (احیاء)۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے مکان میں ایک کھجور کا درخت کھڑا تھا جس کی شاخ پڑوسی کے مکان پر بھی لٹک رہی تھی۔ وہ پڑوسی غریب آدمی تھا۔ جب یہ شخص اپنے درخت پر کھجوریں توڑنے کے لئے چڑھتا تو حرکت سے کچھ کھجوریں پڑوسی کے مکان میں بھی گر جایا کرتیں۔ جن کو اس کے غریب بچے اُٹھا لیا کرتے۔ یہ شخص درخت پر سے اترتا اور پڑوسی کے مکان پر جا کر ان بچوں کے ہاتھ میں سے کھجوریں چھین لیتا حتیٰ کہ اُن کے مُنہ میں سے بھی انگلی ڈال کر نکال لیا کرتا۔ اس

فقیر نے حضورؐ سے اس کی شکایت کی۔ حضورؐ نے سُن کر فرمایا، کہ اچھا جاؤ۔ اس کے بعد کھجور کے مالک سے حضورؐ نے فرمایا کہ تمہارا فلاں کھجور کا درخت جو فلاں شخص کے گھر میں جُھک رہا ہے وہ تم مجھے اس وعدہ پر دیتے ہو کہ تمہیں اس کے بدلہ میں جنّت میں کھجور کا درخت مِل جائے۔ اُس نے عرض کیا کہ حضورؐ اس کے اور لوگ بھی خریدار ہوئے اور میرے پاس اور بھی درخت ہیں مگر اس کی کھجوریں مجھے بہت پسند ہیں، اس لئے مَیں نے فروخت نہیں کیا اور یہ کہہ کر اس کے دینے سے عذر کر دیا (مالک تو بہر حال وہی تھا حضورؐ نے یہ سُن کر سکوت فرمایا)۔ ایک تیسرے صاحب بھی اس گفتگو کو سُن رہے تھے۔ انہوں اس کے جانے کے بعد حضورؐ سے عرض کیا کہ اگر وہ درخت میں لے کر پیش کر دوں تو میرے لئے بھی وہی وعدہ جنّت میں کھجور کے درخت کا ہے جو حضورؐ نے اس سے فرمایا تھا۔ حضور نے فرمایا تم سے بھی وہی وعدہ ہے۔ یہ صاحب اُٹھے اور اُس مالکِ درخت کے پاس جاکر کہا کہ میرے پاس بھی کھجور کا باغ ہے۔ تم اپنے اس درخت کو کسی قیمت پر بیچ سکتے ہو۔ اُس نے کہا کہ حضورؐ نے مجھ سے جنّت میں درخت کا وعدہ کیا تھا۔ مَیں نے اُس پر بھی نہیں دیا۔ یہ درخت مجھے بہت پسند ہے مَیں اس کو بیچ تو سکتا ہوں مگر جتنی قیمت مَیں چاہتا ہوں اتنی کوئی دے گا نہیں۔ اُس نے پوچھا کہ کتنی قیمت چاہیئے اُس نے کہا کہ چالیس درختوں کے بدلہ میں بیچ سکتا ہوں۔ اس شخص نے کہا۔ ایک ٹیڑھے درخت کی قیمت چالیس درخت بہت زیادہ ہے۔ اچھا اگر مَیں چالیس درخت اُس کے بدلہ میں دوں تو تُو بیچ دے گا۔ صاحبِ درخت نے کہا کہ اگر تُو اپنی بات میں سچا ہے تو قسم کھا کہ مَیں نے چالیس درخت ایک درخت کے بدلہ میں دے دیئے ان صاحب نے قسم کھالی کہ مَیں نے چالیس درخت اس ٹیڑھے درخت کے بدلہ میں دے دیئے۔ اس کے بعد وہ صاحبِ درخت پھر گیا کہ مَیں فروخت نہیں کرتا۔ ان صاحب نے کہا کہ اب تُو ہرگز انکار نہیں کر سکتا، تیرے کہنے پر مَیں نے قسم کھائی ہے۔ اُس نے کہا کہ اچھا اس شرط پر کہ سب کے سب ایک ہی جگہ ہوں۔ انہوں نے تھوڑی دیر سوچ کر اس کا بھی وعدہ کر لیا کہ سب ایک ہی جگہ ہوں گے۔ بات پختہ کر کے یہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضورؐ وہ درخت مَیں نے خرید لیا، وہ حضورؐ کی نذر ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس فقیر کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہ درخت اُس فقیر کو مرحمت فرما دیا۔ اس کے بعد سورۃُ وَاللَّیْل نازل ہوئی (درِّ منثور)۔

(۷) ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر دو شعر پڑھے۔ جن کا

مطلب یہ ہے کہ احسان اور حُسنِ سُلوک اُس وقت احسان ہے جب کہ وہ اُس کے اہل اور قابل لوگوں پر کیا جائے۔ نالائقوں پر احسان کرنا نامناسب ہے، پس اگر تو کسی پر احسان کیا کرے تو یا تو خالص اللہ کے واسطے صدقہ ہو (کہ اس میں اہلیت کی شرط نہیں ہے کافروں اور جانوروں پر بھی کیا جاتا ہے) یا پھر اہلِ قرابت پر کیا کر (کہ ان کا حقِ قرابت ان کی اہلیت پر غالب ہے)، اور اگر یہ دونوں باتیں کسی جگہ نہ ہوں تو نالائق پر احسان نہیں کرنا چاہیئے (ان شعروں میں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ ہی کی طرف اشارہ تھا کہ ان کی سخاوت اور بخشش ایسی عام تھی کہ ہر کس وناکس پر بارش کی طرح برستی تھی)۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے یہ شعر سُن کر فرمایا کہ یہ شعر آدمی کو بخیل بناتے ہیں۔ مَیں تو اپنے احسان کو بارش کی طرح سے برساؤں گا۔ اگر وہ کریم اور قابل لوگوں تک پہنچ جائے تو وہ یقیناً اسی کے مُستحق ہیں کہ ان پر احسان کیا جائے۔ اور اگر نااہلوں تک پہنچے تو مَیں اسی قابل ہوں، کہ میرا مال نااہلوں کے پاس ہی جائے (احیاء)۔ یہ تواضع کے طور پر فرمایا کہ مَیں بھی نااہل، اس لئے میرا مال بھی ناکارہ ہے اس لئے ناکاروں ہی کے پاس جانا چاہیئے۔

(۸) محمد بن مُنکَدِرؒ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی سخت حاجت کا اظہار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس وقت بالکل کچھ نہیں ہے۔ اگر میرے پاس دس ہزار بھی ہوتے تو سب کے سب تمہیں دے دیتی مگر اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ وہ واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد خالد بن اُسَد کے پاس سے دس ہزار کا ہدیہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پہنچا۔ فرمانے لگیں کہ میری بات کا بہت جلد امتحان لیا گیا، جب ہی ابنُ المنکدِرؓ کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو بلا کر وہ ساری رقم ان کے حوالہ کر دی۔ جس میں سے ایک ہزار میں انہوں نے ایک باندی خریدی جس کے پیٹ سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ محمد، ابوبکر، عمر۔ تینوں کے تینوں مدینہ منورہ کے عابد لوگوں میں شمار ہوتے تھے (تہذیب التہذیب) کیا ان تینوں کی عبادت میں حضرت عائشہؓ کا حصّہ نہ ہوگا، کہ وہی ان کے وجود کا سبب ہوئیں۔ حضرت عائشہؓ کی سخاوت کے واقعات اُن کے ابّا جان رضی اللہ عنہما کی طرح سے احاطہ سے باہر ہیں۔ ایک قصّہ "حکایاتِ صحابہؓ" میں بھی لکھ چکا ہوں کہ دو گونیں دراہم کی بانٹیں اور یہ بھی یاد نہ آیا کہ میرا روزہ ہے، اور افطار کے لئے ایک دِرم کا گوشت ہی منگالوں۔ ان دونوں گونوں میں ایک لاکھ سے زیادہ درم تھے۔ اور اسی قسم کا ایک اور قصّہ بھی روایت میں ہے جس میں ایک لاکھ اسّی ہزار درم بتائے جاتے ہیں۔ تمیم بن عُروَہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ (اپنے والد کی خالہ) حضرت عائشہؓ کو دیکھا

کہ اُنہوں نے ستر ہزار درم تقسیم کئے اور وہ خود پیوند لگا ہوُا کرتہ پہن رہی تھیں۔ (اتحاف)

(۹) اَبَان بن عثمانؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو پریشان اور ذلیل کرنے کے لئے یہ حرکت کی کہ قریش کے سرداروں کے پاس جا کر یہ کہا کہ ابنِ عباسؓ نے کل صبح کو آپ کی کھانے کی دعوت کی ہے سب جگہ یہ پیام پہنچاتا ہوُا پھر گیا۔ جب صبح کو کھانے کا وقت ہوُا تو حضرت ابنِ عباس کے گھر اتنا مجمع اکٹھا ہو گیا کہ گھر بھر گیا۔ تحقیق سے معلوم ہوُا کہ یہ صورت پیش آئی۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے ان سب کو بٹھایا اور بازار سے پھلوں کے ٹوکرے منگا کر ان کے سامنے رکھے کہ اس سے شغل کریں اور بات چیت شروع کر دی اور بہت سے باورچیوں کو حکم دیدیا کہ کھانا تیار کیا جائے۔ اتنے وہ حضرات پھلوں کے کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ کھانا تیار ہو گیا۔ سب نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد حضرت ابنِ عباسؓ نے اپنے خزانچیوں سے پوچھا۔ کیا اتنی گنجائش ہے کہ ہم اس دعوت کے سلسلہ کو روزانہ جاری رکھ سکیں۔ انہوں نے عرض کیا، کہ ہے۔ حضرت ابنِ عبّاسؓ نے فرما دیا کہ اس مجمع کی روزانہ صبح کو ہمارے یہاں دعوت ہے، روز آجایا کریں (اتحاف)۔ یہ زمانہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اوپر فتوحات کی کثرت کا تھا۔ مگر ان حضرات کے سخاوت کے زور سے مال اس طرح جلد ختم ہو جاتا تھا جیسا کہ پانی چھلنی میں بھرا اور ختم ہوُا۔ اس لئے جب ہوتا تھا تو خوب ہوتا تھا اور جب وہ ختم ہو جاتا تھا تو اپنے پاس کھانے کو ایک درہم بھی نہ رہتا تھا۔ نہ جمع کرنے کا اُن کا دستور تھا نہ اپنے لئے علیحدہ کر کے رکھنا یہ جانتے تھے کہ کس جانور کا نام ہے۔ لاکھوں کی مقدار آتی تھی اور منٹوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔

(۱۰) واقدیؒ کہتے ہیں کہ میرے دو دوست تھے۔ ایک ہاشمی اور ایک غیر ہاشمی۔ ہم تینوں میں ایسے گہرے تعلّقات تھے کہ ایک جان تین قالب تھے۔ میرے اُوپر سخت تنگی تھی۔ عید کا دن آگیا، بیوی نے کہا کہ ہم تو ہر حال میں صبر کر لیں گے مگر عید قریب آگئی۔ بچوں کے رونے اور ضد کرنے نے میرے دِل کے ٹکڑے کر دیئے یہ محلہ کے بچوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ عمدہ عمدہ لباس اور سامان عید کے لئے خرید رہے ہیں اور یہ پھٹے پُرانے کپڑوں میں پھر رہے ہیں۔ اگر کہیں سے تم کچھ لا سکتے ہو تو لا دو ان بچوں کے حال پر مجھے بہت ترس آتا ہے، مَیں ان کے بھی کپڑے بنا دوں۔ مَیں نے بیوی کی یہ بات سُن کر اپنے ہاشمی دوست کو پرچا لکھا، اس میں صورتِ حال ظاہر کی۔ اس کے جواب میں اُس نے سر بمہر ایک تھیلی میرے پاس بھیجی اور کہا کہ اس میں ایک ہزار درہم ہیں تم ان کو خرچ کر لو۔ میرا دل اُس تھیلی سے ٹھنڈا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ میرے

دوسرے دوست کا پرچہ میرے پاس اسی قسم کے مضمون کا جو میں نے اپنے ہاشمی دوست کو لکھا تھا، آگیا۔ میں نے وہ تھیلی سربمہر اس کے پاس بھیج دی اور بیوی کی شرم میں گھر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ مسجد میں چلا گیا اور دو دن رات مسجد ہی میں رہا، شرم کی وجہ سے گھر نہ جاسکا۔ تیسرے دن میں گھر گیا اور بیوی سے سارا قصہ سُنا دیا۔ اُس کو ذرا بھی ناگوار نہ ہوا، نہ اُس نے کوئی حرفِ شکایت کا مجھ سے کہا۔ بلکہ میرے اس فعل کو پسند کیا اور کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ میں بات ہی کہہ رہا تھا کہ میرا وہ ہاشمی دوست وہی سربمہر تھیلی ہاتھ میں لئے ہوئے آیا، اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ سچ سچ بتاؤ، اس تھیلی کا کیا قصہ ہوا۔ میں نے اسکو واقعہ سُنا دیا۔ اس کے بعد اُس ہاشمی نے کہا کہ جب تیرا پرچہ پہنچا تو میرے پاس اس تھیلی کے سوا کوئی چیز بالکل نہ تھی۔ میں نے یہ تھیلی تیرے پاس بھیج دی۔ اس کے بعد میں نے تیسرے دوست کو پرچہ لکھا تو اُس نے جواب میں یہی تھیلی میرے پاس بھیجی۔ اس پر مجھے بہت تعجُّب ہوا کہ یہ تو میں تیرے پاس بھیج چکا تھا۔ یہ اُس تیسرے دوست کے پاس کیسے پہنچ گئی۔ اس لئے میں تحقیق کے واسطے آیا تھا۔ واقدیؒ کہتے ہیں کہ ہم نے اُس تھیلی میں سے سَو درم تو اس عورت کو دے دیئے اور نوسو درہم ہم تینوں نے آپس میں بانٹ لئے۔ اس واقعہ کی کسی طرح مامُونَ الرَّشید کو خبر ہوگئی۔ اُس نے مجھے بُلایا اور مجھ سے سارا قصہ سُنا۔ اُس کے بعد مامُون الرَّشید نے سات ہزار درم دیئے۔ دُو دُو ہزار ہم تینوں کو اور ایک ہزار عورت کو (اتحاف)۔

(۱۱) حضرت عبد اللہ بن جعفر رضؓ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے ایک باغ پر گذرے اُس باغ میں ایک حبشی غلام باغ کا رکھوالی تھا۔ وہ روٹی کھا رہا تھا اور ایک کتا اُس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ ایک لقمہ بنا کر اپنے مُنہ میں رکھتا تو ویسا ہی ایک لُقمہ بنا کر اُس کُتے کے سامنے ڈالتا۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضؓ اس منظر کو کھڑے دیکھتے رہے۔ جب وہ غلام کھانے سے فارغ ہوچکا تو یہ اس کے پاس تشریف لے گئے اُس سے دریافت کیا کہ تم کس کے غلام ہو۔ اُس نے کہا کہ میں حضرت عثمان رضؓ کے وارثوں کا غلام ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے تمہاری ایک عجیب بات دیکھی۔ اُس نے عرض کیا۔ آقا تم نے کیا دیکھا۔ فرمانے لگے کہ تم جب ایک لُقمہ کھاتے تھے ساتھ ہی ایک لُقمہ اس کُتے کو دیتے تھے۔ اُس نے عرض کیا کہ یہ کتا کئی سال سے میرا ساتھی ہے اس لئے ضروری ہے کہ میں کھانے میں بھی اس کو اپنا ساتھی رکھوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کتے کے لئے تو اس سے کم درجہ کی چیز بھی بہت کافی تھی۔ غُلام نے عرض کیا مجھے اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے اس کی غیرت آتی ہے کہ میں کھاتا رہوں اور ایک جاندار آنکھ مجھے دیکھتی رہے۔ حضرت ابنِ جعفر رضؓ اُس سے

بات کر کے واپس تشریف لائے اور حضرت عثمان رضؓ کے وارثوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اپنی ایک عرض لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ کیا ارشاد ہے ضرور فرماویں۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں باغ میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ جناب کی خدمت میں وہ ہدیہ ہے اسکو بلا قیمت قبول فرمالیں۔ فرمانے لگے کہ میں بغیر قیمت لینا نہیں چاہتا۔ قیمت طے ہو کر معاملہ ہوگیا۔ پھر حضرت ابنِ جعفرؓ نے فرمایا کہ اُس میں جو غُلام کام کرتا ہے اُس کو بھی لینا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے عُذر کیا کہ وہ بچپن سے ہمارے ہی پاس پلا ہے اُس کی جُدائی شاق ہے مگر عبداللہ بن جعفرؓ کے اِصرار پر اُنہوں نے اس کو بھی ان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ دونوں چیزیں خرید کر اُس باغ میں تشریف لے گئے اور اُس غلام سے فرمایا کہ میں نے اس باغ کو اور تم کو خرید لیا ہے۔ غلام نے عرض کیا اللہ تعالیٰ شانُہٗ آپ کو یہ خریداری مُبارک فرمائے اور برکت عطا فرمائے۔ البتہ مجھے اپنے آقاؤں سے جُدائی کا رنج ہوا کہ انہوں نے بچپن سے مجھ کو پالا تھا۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے فرمایا کہ میں تم کو آزاد کرتا ہوں اور یہ باغ تمہاری نَذر ہے۔ اُس غلام نے عرض کیا کہ پھر آپ گواہ رہیں کہ یہ باغ میں نے حضرت عُثمان رضؓ کے وارثوں پر وقف کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی اس بات پر اور بھی تعجب ہوا اور اُس کو برکت کی دُعائیں دے کر واپس آگیا۔ (مسامرات)۔ یہ تو مسلمانوں کے اَسلاف کے غلاموں کے کارنامے ہیں۔

(۱۲) نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک دفعہ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ خُدّام ساتھ تھے، کھانے کا وقت ہوگیا۔ خُدّام نے دسترخوان بچھایا۔ سب کھانے کے لئے بیٹھے۔ ایک چرواہا بکریاں چَراتا ہوا گزرا۔ اُس نے سلام کیا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے اس کی کھانے کی تواضع کی۔ اُس نے کہا میرا روزہ ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے فرمایا کہ اس قدر سخت گرمی کے زمانہ میں کیسی لُو چل رہی ہے جنگل میں تو روزہ رکھ رہا ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ میں اپنے اَیامِ خالیہ کو وصول کر رہا ہوں (یہ قرآن پاک کی ایک آیت شریفہ کی طرف اِشارہ تھا جو سورۃ الحاقہ میں ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ جنتی لوگوں کو فرماویں گے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ "کھاؤ اور پیو مزہ کے ساتھ ان اعمال کے بدلہ میں جو تم نے گزرے ہوئے زمانہ میں (دُنیا میں) کئے ہیں" اس کے بعد حضرت ابنِ عمرؓ نے امتحان کے طور پر اُس سے کہا کہ ہم ایک بکری خریدنا چاہتے ہیں، اُس کی قیمت بتا دو اور لے لو۔ ہم اس کو کاٹیں گے اور تمہیں بھی گوشت دیں گے کہ اِفطار میں کام دے گا۔ اُس نے کہا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں میں تو غُلام ہوں۔ یہ میرے سردار

کی بکریاں ہیں۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے فرمایا کہ سردار کو کیا خبر ہوگی، اُس سے کہہ دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔ اُس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا فَاَیْنَ اللّٰہُ اور اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے (یعنی وہ پاک پروردگار تو دیکھ رہا ہے) جب وہ مالکُ المُلک دیکھ رہا ہے تو میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ بھیڑیا کھا گیا) حضرت ابنِ عمرؓ تعجب اور مزے سے بار بار فرماتے تھے۔ ایک چرواہا کہتا ہے۔ اَیْنَ اللّٰہُ، اَیْنَ اللّٰہُ۔ (اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے، اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے)۔ اس کے بعد حضرت ابنِ عمرؓ شہر میں واپس تشریف لائے تو اُس غلام کے آقا سے اُس غلام کو اور بکریوں کو خرید کر غلام کو آزاد کر دیا اور وہ بکریاں اُسی کو ہبہ کر دیں۔ (درمنثور) یہ اُس وقت کے چرواہوں کا حال تھا کہ ان کو جنگل میں بھی یہ فکر تھا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ دیکھ رہے ہیں۔

(۱۳) حضرت سعید بن عامرؓ، حضرت عمرؓ کی جانب سے حِمص کے حاکم (گورنر) تھے۔ اہلِ حِمص نے حضرت عمرؓ سے ان کی مُتعدد شکایتیں کیں، اور ان کے معزول کرنے کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے فراست کا خاص حصّہ عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے مَردم شناسی میں خاص دخل تھا اور اس کا ہزاروں مرتبہ تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس پر تعجب فرمایا کہ میں نے تو بہت بہتر سمجھ کر تجویز کیا تھا اور اس کی دُعا کی کہ یا اللہ میری فراست کو لوگوں کے بارہ میں زائل نہ فرما، کہ اس سے تو سارے ہی محکموں کے آدمیوں میں نااہلوں کے گھس جانے کا اندیشہ ہے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت سعید کو طلب کیا اور شکایت کرنے والوں کو بھی بُلایا، اور اُن سے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں کو ان سے کیا کیا شکایتیں ہیں۔ انہوں نے تین شکایتیں کی تھیں۔ ایک یہ کہ دن میں بہت دیر سے گھر سے نکلتے ہیں (عدالت میں دیر سے پہنچتے ہیں)۔ دوسرے رات کو اگر کوئی ان کے پاس جائے تو اُس وقت اس کی شکایت نہیں سنتے۔ تیسرے ہر مہینہ میں ایک دن تعطیل کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دونوں فریق کو سامنے کھڑا کیا اور فرمایا کہ نمبروار مُطالبات کرو، تاکہ ہر شکایت کا علیحدہ علیحدہ جواب لیا جائے۔ ان لوگوں نے کہا کہ صبح کو دیر میں گھر سے نکلتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے جواب طلب کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری بیوی تنہا کام کرنے والی ہے۔ میں آٹا گوندھتا ہوں، روٹی پکاتا ہوں۔ جب روٹی تیار ہو جاتی ہے تو کھانے سے فارغ ہو کر وضو کر کے باہر چلا آتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ دوسرا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ رات کو کام نہیں کرتے کوئی جاتا ہے تو اس کی حاجت پوری نہیں ہوتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اس کا کیا جواب تمہارے پاس ہے۔ حضرت سعیدؓ نے عرض کیا۔ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ اس کا اظہار کروں۔ میں نے دن اور رات کو تقسیم کر رکھا ہے۔ دن مخلوق کا

اور رات خالق کی۔ مَیں نے رات ساری کی ساری اپنے مولیٰ کو دے رکھی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تیسرا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ مہینہ میں ایک دن تعطیل کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اس کا کیا جواب ہے۔ حضرت سعیدؓ نے عرض کیا کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے۔ میں مہینہ میں ایک دن اپنے کپڑے خود ہی دھوتا ہوں۔ ان کو خشک کر کے پہننے میں شام ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حق تعالیٰ شانہٗ کا شکر ادا کیا کہ میری فراست غلط نہ ہوئی۔ اس کے بعد ان لوگوں سے فرمایا کہ تم اپنے امیر کی قدر کرو۔ ان سب کے جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت سعیدؓ کے پاس ایک ہزار دینار (اشرفیاں) بھیجیں کہ ان کو اپنی ضروریات میں خرچ کریں۔ ان کی بیوی نے کہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے بہت سی ضروریات کا انتظام فرما دیا۔ اب تمہیں خود گھر کے کاروبار کرنے کی اِحتیاج نہ رہے گی، ایک خادم بھی اس میں سے خریدا جا سکتا ہے اور دوسری ضروریات بھی پوری کی جا سکتی ہیں۔ حضرت سعیدؓ نے فرمایا کہ یہاں ہم سے بھی زیادہ محتاج اور ضرورتمند لوگ موجود ہیں ان کو ان لوگوں پر نہ خرچ کر دیں۔ بیوی نے اس کو خوشی سے قبول فرما لیا۔ انہوں نے اُس میں سے چھوٹی چھوٹی تھیلیاں بنا کر ایک فلاں مسکین کو ایک فلاں یتیم کو ایک فلاں کو۔ غرض بہت سا حصّہ تو اسی وقت تقسیم فرما دیا۔ کچھ بچا تھا، اُس کو بیوی کے حوالہ کر دیا کہ تھوڑا تھوڑا خرچ کرتی رہیں۔ بیوی نے کہا کہ اس بچی ہوئی رقم سے ایک غلام خرید لیں۔ گھر کے کاروبار میں تمہیں سُہولت ہو جائے گی۔ فرمانے لگے کہ نہیں عنقریب تجھ سے زیادہ حاجت والے تیرے پاس آئیں گے (اشہر)۔

(۱۴) ایک مرتبہ مصر میں قحط پڑا۔ عبدُالحمید بن سعدؒ مصر کے حاکم تھے۔ کہنے لگے، مَیں شیطان کو بتاؤں گا کہ مَیں اُس کا دشمن ہوں (وہ ایسے وقت میں بہت اِحتیاج سے خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے) مصر میں جتنے فقراء نادار تھے سب کا کھانا اپنے ذِمہ لے لیا کہ جب تک ارزانی ہو ان کا کھانا میرے ذِمہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہوتا رہا، یہاں تک کہ قحط دُور ہو گیا۔ بازار کا نرخ ارزاں ہو گیا۔ اُس کے بعد یہ معزول کر دیئے گئے۔ جب یہ مصر سے رخصت ہونے لگے تو جن تاجروں سے قحط کے زمانہ میں قرض لے کر کھلاتے رہے ان کے دس لاکھ دِرم ان کے ذِمہ قرضہ تھا چونکہ وہاں سے رخصت ہو کر جا رہے تھے اس لئے اپنے اہل وعیال کے زیور وغیرہ مانگ کر ان تاجروں کے پاس رُہن رکھ گئے۔ جو چیزیں رُہن رکھی تھیں ان کی قیمت پچاس کروڑ دِرم تھے کچھ دن ارادہ کرتے رہے کہ انکا قرضہ ادا ہو کر زیورات کے رُہن کو خلاص کر لیں مگر اتنی رقم مُہیا نہ ہو سکی۔ ان تاجروں کو لکھ دیا کہ ان زیوروں کو فروخت کر کے اپنا قرضہ وصول کر لیں اور جتنی رقم باقی بچے وہ مصر کے ان

اہلِ ضرورت پر تقسیم کردیں جن کی اس وقت مَیں نے مدد نہیں کی (اتحاف)۔ زیور والیاں بھی تو اُسی دَور کی پیداوار تھیں، ان کو اس میں کیا تأمّل ہوسکتا تھا کہ اُن کا زیور فروخت کر کے فقراء پر تقسیم ہوجائے۔

(۱۵) اَبُو مَرثد ایک مشہور سخی ہیں۔ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کچھ اشعار ان کی تعریف میں پڑھے (کریم کی مدح ہمیشہ صورتِ سُؤال ہوتی ہی ہے) انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس وقت تیرے دینے کے لئے بالکل کچھ نہیں ہے۔ ایک صورت ہوسکتی ہے کہ تُو قاضی کے یہاں جاکر مجھ پر دس ہزار کا دعویٰ کردے، مَیں قاضی کے سامنے اس کا اقرار کرلوں گا (اور آدمی کا کسی سے وعدہ کرلینا بھی قرض ہی جیسا ہے حضورؐ کا پاک ارشاد ہے اَلْعِدَۃُ دَیْنٌ وعدہ قرض ہے)۔ قاضی تیرے قرضہ میں مجھے قید کردے گا تو پھر میرے گھر والے مجھے قید میں تو رہنے نہیں دیں گے اتنی مقدار جمع کردیں گے۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ یہ قید ہوگئے اور شام تک دس ہزار قاضی صاحب کے حوالہ ہوکر یہ قید سے چھوٹ آئے اور وہ رقم اُس شخص کو مل گئی (اتحاف)۔

(۱۶) عرب کی ایک جماعت ایک مشہور سخی کریم کی قبر کی زیارت کو گئی۔ دور کا سفر تھا رات کو وہاں ٹھیرے۔ ان میں سے ایک شخص نے اُس قبر والے کو خواب میں دیکھا۔ وہ اس سے کہہ رہا ہے کہ تُو اپنے اُونٹ کو میرے بُختی اُونٹ کے بدلہ میں فروخت کرتا ہے (بُختی اُونٹ اعلیٰ قسم کے اونٹوں میں شمار ہوتا ہے، جو اس میت نے ترکہ میں چھوڑا تھا) خواب دیکھنے والے نے خواب ہی میں معاملہ کرلیا۔ وہ صاحبِ قبر اُٹھا اور اس کے اُونٹ کو ذبح کردیا۔ جب یہ اُونٹ والا نیند سے اُٹھا تو اُس کے اُونٹ کے خون جاری تھا۔ اُس نے اُٹھ کر ذبح کردیا (کہ اس کی زندگی کی امید نہ رہی تھی) اور گوشت تقسیم کردیا۔ سب نے پکایا، کھایا۔ یہ لوگ وہاں سے واپس ہوگئے۔ جب اگلی منزل پر پہنچے تو ایک شخص بُختی اُونٹ پر سوار ملا جو یہ تحقیق کر رہا تھا کہ فلاں نام کا شخص تم میں کوئی ہے اس خواب والے شخص نے کہا کہ یہ میرا نام ہے۔ اُس نے پوچھا کہ تُو نے فلاں قبر والے کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی ہے۔ خواب دیکھنے والے نے اپنا خواب کا قصہ سُنایا جو شخص بُختی اُونٹ پر سوار تھا اُس نے کہا کہ وہ میرے باپ کی قبر تھی۔ یہ اُس کا بُختی اُونٹ ہے۔ اس نے مجھے خواب میں کہا ہے کہ اگر تو میری اولاد ہے تو میرا بُختی اُونٹ فلاں شخص کو دیدے، تیرا نام لیا تھا۔ یہ بُختی اونٹ تیرے حوالے ہے۔ یہ کہہ کر وہ اُونٹ دے کر چلا گیا (اتحاف)۔ یہ سخاوت کی حد ہے کہ مرنے کے بعد بھی اپنی قبر پر آنے والوں کی مہمانی میں اپنے اصیل اُونٹ کو فروخت کر کے آنے والوں کی مہمانی کی۔ باقی یہ بات کہ مرنے کے بعد اس قسم کا واقعہ کیوں کر ہوگیا اس میں کوئی مُحال چیز نہیں ہے، عالمِ ارواح میں اس قسم کے واقعات ممکن ہیں۔

(۱۷) ایک قریشی سفر میں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک بیمار فقیر ملا جس کو مصائب نے بالکل ہی عاجز کر رکھا تھا۔ اُس نے درخواست کی کہ کچھ مدد میری کرتے جاؤ۔ ان قریشی صاحب نے اپنے غلام سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس خرچ ہے وہ سب لے آؤ۔ اُس غلام نے جو کچھ تھا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی وہ اس فقیر کی گود میں ڈال دیا۔ وہ فقیر ان کو لے کر ضعف کی وجہ سے اُٹھ بھی نہ سکا۔ اس بڑی مقدار کے ملنے پر خوشی میں اُس کے آنسو نکل آئے۔ قریشی کو یہ خیال ہوا کہ شاید اس نے اس مقدار کو کم سمجھا اس پر رو رہا ہے اُس سے پوچھا کیا اس وجہ سے رو رہے ہو کہ یہ بہت کم مقدار ہے (مگر میرے پاس اس کے سوا اور کچھ اس وقت ہے نہیں) فقیر نے کہا۔ نہیں اس پر نہیں رو رہا ہوں۔ اس پر رو رہا ہوں کہ تیرے کرم سے کتنی زمین کھا رہی ہے (اتحاف)۔ جب ایک ناواقف سائل کے سوال پر تیرے کرم کا یہ حال ہے کہ سفر کی حالت میں بھی جو موجود تھا، سب دے دیا تو اس سے حضرت کے کرم کا اندازہ ہو گیا۔

(۱۸) عبداللہ بن عامر بن کُرَیزؒ نے حضرت خالد بن عُقبہؓ اُموی سے اُن کا مکان اپنی ضرورت سے نوے ہزار درہم میں خریدا۔ جب وہ فروخت ہو گیا، اور خالد کے گھر والوں کو اس کی خبر ہوئی تو ان کو رنج اور صدمہ بہت ہوا۔ رات کو کچھ رونے کی آواز ابن عامرؒ کے کان میں پڑی۔ اپنے گھر کی مستورات سے پوچھا کہ یہ رونے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ خالد کے گھر والوں کو اپنے مکان کے فروخت ہونے کا صدمہ ہو رہا ہے۔ اسی وقت ابن عامرؒ نے اپنے غلام کو ان کے پاس بھیجا، اور یہ کہلوایا کہ مکان تمہاری نذر ہے اور قیمت جو میں دے چکا ہوں وہ بھی اب واپس نہ ہوگی۔ یہ مکان میری طرف سے تمہاری نذر ہے۔ (اتحاف)

(۱۹) ہارون رشیدؒ نے پانچسو دینار (اشرفیاں) ایک مرتبہ حضرت امام مالکؒ کی نذر کئے۔ حضرت لَیثؒ ابن سعدؒ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ایک ہزار دینار حضرت امام مالکؒ کے پاس نذرانہ میں بھیجے۔ بادشاہ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ ناراض ہوا کہ تم رعایا ہو کر بادشاہ سے بڑھنا چاہتے ہو (گویا میری توہین مقصود ہے) لَیثؒ نے کہا۔ امیر المؤمنین یہ بات نہیں ہے بلکہ آج کل میری روزانہ کی آمدنی ایک ہزار دینار ہے۔ مجھے غیرت آئی کہ اتنے بڑے جلیل القدر امام کو میں نذرانہ پیش کروں اور اپنی ایک دن سے بھی کم کی آمدنی دوں۔ حضرت لَیثؒ کا مستقل معمول بھی تھا کہ حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں سو اشرفی سالانہ نذر پیش کیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی نذرانے آتے رہتے تھے لیکن اس کے باوجود اللہ کے فضل

سے (حضرت امام مالکؒ بسا اوقات مقروض رہتے تھے۔ اور خود یہ حضرت لیثؒ ابن سعدؒ مشہور محدثین اور علماء میں ہیں جن کی روزانہ کی اسوقت آمدنی ایک ہزار دینار (اشرفیاں) تھی۔ مگر عمر بھر میں کبھی ان کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی۔ مختلف زمانوں میں ان کی آمدنی مختلف رہی تھی۔ اور ایسا ہوا ہی کرتا ہے کہ آمدنی کم و بیش ہوتی رہا کرتی ہے لیکن زکوٰۃ کسی زمانہ میں بھی واجب نہ ہوئی، کہ زکوٰۃ تو جب واجب ہو جب کوئی جمع کر کے رکھے بھی محمد بن رُمحؒ کہتے ہیں کہ حضرت لیثؒ کی سالانہ آمدنی ہر سال اسّی ۸۰ ہزار دینار تھے مگر اللہ تعالیٰ نے کبھی اُن پر ایک درم کی زکوٰۃ۔ واجب نہیں کی۔ خود ان کے بیٹے شُعیبؒ کہتے ہیں کہ میرے والد کی آمدنی بیس پچیس ہزار اشرفیاں سالانہ تھی مگر وہ ہمیشہ مقروض ہی رہتے تھے۔ (اتحاف) ابتداء میں بیس پچیس ہزار ہو گی، جس پر قرضہ ہوتا رہتا تھا اس کے باوجود وہ سب کچھ اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیتے تھے اس وجہ سے اُس کا بڑھنا ضروری تھا۔ اس لئے کسی وقت میں ایک ہزار روزانہ بھی ہو گیا۔ ایک عورت حضرت لیثؒ کے پاس ایک پیالی لے کر آئی کہ مجھے تھوڑے سے شہد کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کے پاس ہو تو مرحمت فرما دیجئے۔ انہوں نے ایک مشک شہد کی اُس کے حوالہ کر دی۔ کسی نے کہا کہ وہ تو تھوڑا سا مانگتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اُس کا فعل تھا کہ اُس نے اپنی حاجت کے بقدر مانگا، مجھے اس کے موافق دینا چاہیئے تھا جتنا میرے اللہ نے مجھ پر احسان فرما رکھا ہے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے ان کے ایک باغ کا پھل خریدا۔ اس میں خریداروں کو نقصان ہوا۔ ان کو اطلاع ہوئی انہوں نے باغ کی بیع کا معاملہ فسخ کر دیا۔ ان کی قیمت واپس کر دی، اور ان کو اپنے پاس سے پچاس دینار (اشرفیاں) نذر کئے۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کس چیز کا تاوان دیا۔ فرمانے لگے کہ ان لوگوں نے میرے باغ سے نفع کی اُمید باندھی تھی۔ میرا دل چاہا، کہ ان کی اُمید پوری کر دوں (اتحاف)۔

(۲۰) حضرت اَعمشؒ سُلیمان بن مِہرانؒ مشہور مُحدِث ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک بکری تھی وہ بیمار ہو گئی۔ حضرت خَیثمہ بن عبدالرحمنؒ روزانہ صبح کو اور شام کو دو وقت اُس بکری کی عیادت کرنے میرے پاس تشریف لاتے۔ بکری کا حال پوچھتے اور یہ بھی دریافت کرتے کہ بچوں کو دودھ تو ملتا نہیں ہوگا، وہ صبر تو نہیں کرتے، بکری نے کچھ کھایا یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور ہمیشہ چلتے ہوئے جس ٹاٹ پر میں بیٹھا کرتا تھا اُس کے نیچے کچھ ڈال جاتے کہ یہ بچوں کے لئے اُٹھا لینا۔ بکری کی بیماری کے زمانہ میں تین سو دینار (اشرفیوں) سے زیادہ مجھے ان کے احسان سے ملا۔ مجھے یہ خواہش ہونے لگی کہ یہ بکری بیمار ہی رہے تو اچھا ہے (اتحاف)

(۲۱) عبد الملک بن مروانؒ نے حضرت اسماءؒ بن خارجہ سے پوچھا، کہ مجھے تمہاری بعض عادتیں بہت اچھی پہنچی ہیں۔ تم اپنے معمولات مجھے بتاؤ۔ انہوں نے عذر کر دیا کہ میری کیا عادت اچھی ہو سکتی ہے، دوسروں کی عادتیں بہت بہت اچھی ہیں ان سے دریافت کریں مگر جب انہوں نے اِصرار سے قسم دے کر پوچھا، تو انہوں نے بتایا کہ مجھے تین چیز کا ہمیشہ اہتمام رہا۔ ایک یہ کہ کبھی کسی بیٹھنے والے کی طرف میں نے پاؤں نہیں پھیلایا دوسرے جب میں نے کھانا پکایا اور اس پر لوگوں کو بلایا تو اُن کھانے والوں کا میں نے اپنے اُوپر احسان اس سے بہت زیادہ سمجھا جتنا میرا اُن پر ہو۔ تیسرے جب مجھ سے کسی ضرورت مند نے کوئی سوال کیا میں نے اُس کے دینے میں کسی مقدار کو بھی زائد نہیں سمجھا (جو کچھ دیا، اُس کو ہمیشہ کم ہی سمجھتا رہا)۔ (اتحاف)۔

(۲۲) حضرت سعیدؒ بن خالد اُمویؒ بہت زیادہ مال دار تھے۔ عرب میں اُن کی ثروت ضرب المثل تھی۔ ان کا دستور تھا کہ جب کوئی حاجت مند ان کے پاس آتا تو جو موجود ہوتا، اس میں بخل نہ کرتے لیکن اگر کسی وقت کچھ نہ ہوتا تو اس کو ایک اقرار نامہ لکھ کر دے دیتے کہ جب میرے پاس کہیں سے کچھ آئے گا (یا میں مر جاؤں) تو اس رقعہ کے ذریعہ سے وصول کر لینا (اتحاف)۔

(۲۳) حضرت قیس بن سعد خزرجیؓ ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور احباب میں سے کوئی عیادت کو نہ آیا۔ جس پر ان کو تعجب ہوا بالخصوص جن کی آمد و رفت زیادہ تھی۔ صحت کے زمانہ میں اکثر آیا کرتے تھے۔ گھر کے لوگوں سے پوچھا۔ یہ کیا بات ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہر شخص تمہارا مقروض ہے ایسی حالت میں بغیر قرضہ لئے ہوئے آنے سے لوگوں کو شرم آتی ہے۔ فرمانے لگے کہ اس کم بخت مال کا ناس ہو، یہ دوستوں کی ملاقات بھی چھڑا دیتا ہے۔ یہ کہہ کر ایک شخص کو بلایا اور اس کے ذریعہ سے شہر میں منادی کرائی کہ قیس کا جس جس کے ذمہ قرضہ ہے وہ قیس نے سب کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد جو عیادت کرنے والوں کا ہجوم ہوا تو دروازہ کی دہلیز بھی ٹوٹ گئی۔ (اتحاف)۔

(۲۴) مصر میں ایک صاحب خیر شخص تھے جو اہلِ ضرورت اور فقراء کے لئے چندہ کر دیا کرتے تھے۔ جب کسی کو کوئی حاجت پیش آتی وہ ان سے کہتا۔ وہ اہلِ ثروت لوگوں سے کچھ مانگ کر اس کو دے دیا کرتے۔ ایک فقیر اُن کے پاس گیا اور کہا کہ میرے لڑکا پیدا ہوا ہے اور میرے پاس اُس کی اصلاح کے انتظام کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ صاحب اُٹھے اور لوگوں سے اس کے لئے مانگا لیکن کہیں سے کچھ نہ ملا (کہ جو آدمی کثرت سے مانگتا رہتا ہو اُس کو ملنا بھی مشکل ہو جاتا ہے) یہ سب سے مایوس ہو کر ایک سخی کی قبر پر گئے اور اُس کی قبر پر بیٹھ

کر یہ سارا قصہ بیان کیا اور وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے اور واپس آکر اپنے پاس سے ایک دینار نکالا اور اُس کو توڑ کر دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھ لیا اور دوسرا اُس فقیر کو دے دیا کہ یہ میں قرض دیتا ہوں اس وقت تم اس سے اپنا کام چلالو۔ جب تمہارے پاس کہیں سے کچھ آجائے تو میرا قرضہ ادا کر دینا۔ وہ لے کر چلا گیا اور اپنی ضرورت پوری کرلی۔ رات کو ان صاحبِ دینار نے اُس قبر والے کو خواب میں دیکھا، وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے تمہاری بات تو ساری سُن لی تھی مگر مجھے جواب دینے کی اجازت نہ ہوئی۔ تم میرے گھر والوں کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ مکان کے فلاں حصہ میں جو چولھا بن رہا ہے اس کے نیچے ایک چینی کا مرتبان گڑ رہا ہے۔ اُس میں پانسو اشرفیاں ہیں وہ اس فقیر کو دے دیں۔ یہ صبح کو اٹھ کر اس کے مکان پر گئے اور گھر والوں سے سارا قصہ اور اپنا خواب بیان کیا۔ انہوں نے اُس جگہ کو کھودا اور وہ مرتبان پانسو اشرفیوں کا نکال کر اس کے حوالہ کیا۔ اس شخص نے کہا کہ خواب کوئی شرعی چیز نہیں ہے تم لوگ اس مال کے وارث اور مالک ہو، اس لئے میں محض اپنے خواب کی وجہ سے اس کو نہیں لیتا۔ مگر ان وارثوں نے اصرار کیا کہ جب وہ مر کر سخاوت کرتا ہے تو بڑی بے غیرتی ہے کہ ہم زندہ سخاوت نہ کریں، ان کے اصرار پر اُس نے وہ اشرفیاں لے کر اُس فقیر کو دے دیں، اور سارا قصہ سنایا۔ اُس نے ان میں سے ایک دینار لیکر اُس کے دو ٹکڑے کئے۔ ایک ان صاحب کو اپنے قرضہ کی ادائیگی میں دیا اور دوسرا ٹکڑا اپنے پاس رکھ کر کہا کہ میری ضرورت کو تو یہ کافی ہے۔ باقی یہ سب رقم میری ضرورت سے زائد ہے میں اسکو لے کر کیا کروں گا، وہ سب فقراء پر تقسیم کر دی۔ صاحبِ اتحاف کہتے ہیں کہ اس قصہ میں غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے۔ میت یا اُس کے گھر والے یا یہ فقیر، اور ہمارے نزدیک تو یہ فقیر سب سے زیادہ سخی ہے کہ اپنی اس شدت حاجت کے باوجود نصف دینار سے زیادہ لینا پسند نہ کیا (اتحاف)۔

(۲۵) اَبُو اِسحٰق ابراہیم بن اَبی ہلال میر منشی کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ وزیر اَبُو محمد مُہلّبی کے پاس بیٹھا تھا۔ دربان نے آکر اطلاع دی کہ سید شریف مرتضیٰ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ وزیر صاحب نے اجازت دے دی، اور جب شریف مرتضیٰ اندر آگئے تو وزیر صاحب کھڑے ہوئے اور بڑے اعزاز و اکرام سے اُن کو اپنی مسند پر بٹھایا۔ ان سے باتیں کیں اور جب وہ جانے لگے تو کھڑے ہو کر اُن کو رخصت کیا۔ وہ چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دربان نے آکر اطلاع دی کہ ان کے چھوٹے بھائی سید شریف رضیؒ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ وزیر صاحب اُس وقت کچھ لکھنے میں مشغول ہو گئے تھے، اُس پرچہ کو جلدی سے ڈال کر اُٹھے اور دروازہ تک حیرت زدہ ہو کر گئے اور اُن کا ہاتھ بڑی تعظیم تکریم سے پکڑا اُن کو اپنے ساتھ لاکر اپنی مسند پر بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھے اور بات چیت بڑی توجہ سے

کرتے رہے ۔اور جب وہ اُٹھ کر جانے لگے تو دروازہ تک اُن کو پہنچانے گئے اور واپس آکر اپنی جگہ بیٹھ گئے ۔ اُس وقت تو وزیر صاحب کے پاس مجمع تھا ۔ میری کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی ۔ جب مجمع کم ہوگیا تو مَیں نے وزیر صاحب سے عرض کیا کہ مَیں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں ۔ اگر اجازت ہو تو عرض کروں ۔ وزیر نے کہا ضرور ، اجازت ہے اور غالباً تم یہ پوچھو گے کہ مَیں نے چھوٹے بھائی کا جتنا اِکرام کیا اتنا بڑے کا نہیں کیا حالانکہ وہ علم اور عمر دونوں میں ان سے بڑھے ہوئے تھے ۔ مَیں نے کہا یہی سُوال ہے ۔ وزیر نے کہا ۔ سُنو ہم نے ایک نہر کھودنے کا حکم دیا تھا ۔ اُس کے قریب شریف مُرتضیٰؒ کی زمین بھی تھی ۔ جس کی وجہ سے اُس نہر کے مَصارِف میں سے سولہ دِرَم کے قریب حِصّہ رَسدان کے ذمہ بھی پڑے تھے ۔ اُنہوں نے مُجھے کئی مرتبہ پرچہ لکھا کہ اس میں سے کچھ کم کر دوں ۔ اتنی ذراسی رقم کیلئے بار بار وہ مجھ سے سُوال کرتے رہے ، اور سید رضیؒ کے مُتعلق مجھے ایک دفعہ معلوم ہُوا کہ اُن کے گھر لڑکا پیدا ہُوا ۔ مَیں نے اُس کی خوشی میں اور اُن کی ضرورت کا خیال کر کے ایک خوانچی میں سَو دینار (اشرفیاں) ان کی خدمت میں بھیجے ۔ انہوں نے واپس کر دیئے اور یہ کہہ کر بھیجا کہ وزیر صاحب سے (شکریہ کے بعد) کہہ دیں کہ مَیں لوگوں کی عطائیں قبول نہیں کرتا (اللہ تعالےٰ کا شکر ہے میری ضرورت کے بقدر میرے پاس موجود ہے) ۔ مَیں نے پھر دوبارہ وہ خوان بھیجا کہ یہ دایہ وغیرہ کام کرنے والی عورتوں کے لئے بھیجا ہے ۔ انہوں نے پھر واپس کر دیا اور یہ فرمایا کہ میرے گھر کی عورتیں بھی دوسروں سے کچھ لینے کی عادی نہیں ہیں ۔ مَیں نے تیسری مرتبہ پھر بھیجا ، اور یہ عرض کیا کہ جناب کے پاس جو طلبہ رہتے ہیں یہ اُن کے لئے ہے ۔ فرمایا بڑی خوشی ہے ۔ اور وُہ خوان طلبہ کے درمیان رکھوا دیا کہ جس کو جتنی ضرورت ہو لے لے ۔ شریف رضیؒ کے یہاں طلبہ کا بڑا مجمع رہتا تھا ۔ ایک مکان انہوں نے طلبہ کے رہنے کے لئے بنا رکھا تھا ، جس کا نام دارُ العُلوم رکھا تھا ۔ اُس میں یہ طلبہ رہتے تھے اور ان کی ضروریات کا شریف رضیؒ کی طرف سے اِنتظام تھا ۔ یہ خوان دارُ العلوم میں رکھنے کے بعد طلبہ میں سے کوئی بھی نہ اُٹھا بجز ایک طالب علم کے کہ اُس نے اُٹھ کر خوان میں سے ایک دینار نکالا اور اُس کو وہیں توڑ کر ذرا سا کونہ اُس کا اپنے پاس رکھ لیا اور باقی حصّہ اُسی خوان میں ڈال دیا ۔ شریف رضیؒ نے اُس طالب علم سے دریافت کیا کہ تمہیں یہ ذراسی مقدار کس کام کے واسطے درکار تھی ۔ اُس نے عرض کیا کہ ایک رات میرے پاس چراغ میں جلانے کو تیل نہیں تھا ، خزانچی صاحب ملے نہیں مَیں فلاں دکاندار سے تیل قرض لایا تھا یہ اُس کا قرض ادا کرنا ہے ۔ شریف رضیؒ نے یہ خبر سُن کر طلبہ کی تعداد کے موافق اپنے خزانہ کی کنجیاں بنوائیں اور ہر طالب علم کو ایک ایک کنجی خزانہ کی دے دی کہ جس کو جب

جتنی ضرورت ہو لے لے۔ خزانچی صاحب سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اور اُس خوان کو اسی حال میں کہ ایک دینار اُس میں سے ذرا سا ٹوٹا ہوا تھا واپس کر دیا۔ یہ قصہ سُنا کر وزیر صاحب نے کہا کہ تم ہی بتاؤ کہ میں ایسے شخص کا اکرام کیوں نہ کروں (اتحاف)۔

(۲۶) حضرت امام شافعیؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ میرا غُسلِ میت محمد بن عبداللہ بن عبدالحکمؒ دیں گے۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا تو محمدؒ کو اطلاع دی گئی۔ وہ تشریف لائے اور فرمایا کہ ان کے حساب کا رجسٹر پہلے مجھے دکھاؤ۔ رجسٹر لایا گیا۔ اُس میں حضرت امام کے ذمہ جو قرضہ لوگوں کا تھا وہ حساب کر کے جمع کیا۔ اُس کی مقدار ستر ہزار درم تھی۔ محمدؒ نے فرمایا کہ یہ سب قرضہ میرے ذمہ ہے اپنی ذِمگی کا کاغذ لکھ دیا اور فرمایا کہ میرے غسل دینے سے یہی مُراد تھی۔ اور اس کے بعد اُس سارے قرضہ کو ادا کر دیا (اتحاف)۔

(۲۷) حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حمّاد بن اَبی سُلیمانؒ سے (جو حضرت امام اَبُو حنیفہؒ کے مشہور اُستاد ہیں) ہمیشہ بہت محبّت رہی۔ اس وجہ سے کہ مجھے اُن کا ایک واقعہ معلوم ہوا تھا اور وہ یہ تھا کہ وہ ایک دن گدھے پر سوار جا رہے تھے، اُس کے ایڑھ ماری وہ جو زور سے دوڑا تو اُس کے جھٹکے سے حضرت حمّادؒ کے کرتہ کی گھنڈی ٹوٹ گئی۔ راستہ میں ایک درزی کی دکان نظر پڑی۔ اسکو سلوانے کے لئے اُترنے لگے۔ درزی نے کہا۔ اُترنے کی ضرورت نہیں، معمولی کام ہے، میں ابھی لگائے دیتا ہوں۔ درزی نے کھڑے ہو کر وہ گھنڈی کرتہ میں سی دی۔ حمّادؒ نے اس کی اُجرت میں ایک تھیلی دی۔ جس میں دس اشرفیاں تھیں اور مُعاوضہ کی کمی کی مَعذِرت کی (اتحاف)۔

(۲۸) رَبیع بن سُلیمانؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ ایک مرتبہ سواری پر سوار ہو رہے تھے۔ ایک شخص نے جلدی سے رِکاب پکڑ لی (تاکہ چڑھنے میں سہولت ہو) حضرت امامؒ نے مجھ سے فرمایا کہ میری طرف سے اس شخص کو چار اشرفیاں دے دو اور کمی کی مَعذِرت بھی کر دینا۔ اور عبداللہ بن زُبیر حُمیدیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام شافعیؒ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ دس ہزار اشرفیاں آپ کے پاس تھیں۔ مکہ مکرمہ سے باہر آپ کا خیمہ لگا ہوا تھا۔ صبح کی نماز کے بعد آپ نے وہیں خیمہ میں ایک کپڑا بچھا کر وہ اشرفیاں اُس پر ڈال دیں اور (اہلِ مکہ میں سے) جو جو مِلنے کے لئے آتا رہا، ایک ایک مُٹھی اس کو دیتے رہے۔ ظہر کے وقت تک وہ سب ختم ہو گئیں (اتحاف)۔

(۳۰) حضرت طلحہ بن عُبَیدُ اللہ اَلفَیّاض صحابی مشہور سخی لوگوں میں ہیں۔ ان کے ذمہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پچاس ہزار درہم قرض ہوگئے تھے۔ حضرت عثمانؓ مسجد میں تشریف لے جارہے تھے۔ راستہ میں یہ ملے، انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس دام اسوقت آگئے ہیں آپ کا قرضہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے فرما دیا کہ بس وہ تمہاری ہی نذر ہیں۔ تمہارے ذمہ لوگوں کے بہت اخراجات رہتے ہیں۔ جابر بن قَبِیصہ کہتے ہیں کہ میں بہت دن تک حضرت طلحہؓ کے ساتھ رہا۔ بلا طلب عطا کرنے والا میں نے ان سے زیادہ نہیں دیکھا۔ حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی ایک زمین سات لاکھ میں فروخت کی۔ قیمت جب وُصول ہوئی تو شام کا وقت ہوگیا تھا وہ رقم رات کو ان کے پاس رہی۔ رات بھر سخت بے چینی میں جاگتے گزر گئی اس خوف سے کہ یہ مال میرے پاس ہے (کہیں موت نہ آجائے) صبح کو اُٹھ کر سب سے پہلے اُس کو تقسیم کیا۔ ان کی بیوی حضرت سَعدیٰ بنت عَوفؓ کہتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ان کو دیکھا کہ بہت گرانی سی ہو رہی ہے۔ میں نے پوچھا خیریت تو ہے کیسی طبیعت ہو رہی ہے۔ کہنے لگے میرے پاس کچھ مال جمع ہوگیا۔ اُس کی وجہ سے بڑی گھٹن ہو رہی ہے۔ میں نے کہا یہ تو کچھ ایسی بات نہیں ہے۔ اپنے غلام کو بھیج کر اپنے رشتہ داروں کو بُلا لیجئے اور (صلہ رحمی میں) ان پر تقسیم کر دیجئے۔ چنانچہ انہوں نے اُسی وقت غلام کو بھیج کر آدمیوں کو بلایا اور اس کو تقسیم کر دیا۔ راوی کہتے ہیں، میں نے اُن کے خادم سے پوچھا۔ یہ کتنا مال تھا۔ اُس نے بتایا۔ چار لاکھ تھا۔ ان کی بیوی ایک اور واقعہ یہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ وہ گھر میں آئے، چہرہ بہت ہی اُترا ہوا، رنج کی وجہ سے سیاہی چہرہ پر آرہی تھی۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے، کچھ میری طرف سے کوئی ناگواری کی بات پیش آئی ہو تو میں معافی کی درخواست کروں گی۔ کہنے لگے، نہیں تو تو مسلمان کے لئے بہت بہترین بیوی ہے (کہ نیک کام میں مدد کرتی ہے)۔ میں نے پوچھا پھر آخر کیا بات پیش آگئی۔ کہنے لگے کچھ مال جمع ہوگیا، مجھے اُس کی بڑی بے چینی ہو رہی ہے۔ میں نے کہا۔ یہ تو کوئی ایسی بات نہیں، اُسے اُٹھا کر بانٹ دو، اس میں کیا ہوگیا۔ بعض مرتبہ کوئی لینے والا نہیں آتا تھا تو وہ رہ جاتا تھا۔ ان کی بیوی سعدیؓ یہ بھی کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ اُنہوں نے ایک لاکھ تقسیم کیا اور اپنا یہ حال تھا کہ اُس دن مسجد میں اسوجہ سے جانے میں دیر ہوگئی کہ اُن کے پاس جو کپڑا تھا (چادر) اس کے دونوں کنارے سینے میں مجھے دیر لگی (یعنی وہی ایک کپڑا تھا اس کے سِلنے کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ دوسرا کپڑا نہ تھا جس کو پہن کر مسجد میں چلے جاتے)۔ ایک گاؤں کے رہنے والے حضرت طلحہؓ کے پاس آئے اور اپنی قرابت کا واسطہ دے کر (صلہ رحمی کے طور پر)

کچھ مانگا۔ فرمانے لگے کہ قرابت کا واسطہ دیکر آج تک مجھ سے کسی نے نہیں مانگا تھا۔ میرے پاس ایک زمین ہے۔ حضرت عُثمان رضؓ اُس کو خریدنا چاہتے تھے اور وہ اُس کی قیمت تین لاکھ لگا چکے ہیں۔ تیرا دِل چاہے وُہ زمین لے لے اور اگر نقد چاہے تو میں اُس کو اُن کے ہاتھ فروخت کر کے اس کی قیمت دے دوں اُس نے قیمت لینا پسند کیا۔ اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اُس کو فروخت کر کے اُس کی قیمت اس کو دے دی۔ (اتحاف)۔ ان حضرات کے پاس زمینوں کی بہت کثرت تھی۔ اس لئے کہ جہاں جہاں جہاد میں جاتے وہ مُلک فتح ہوتے تو اکثر غنیمت کے ساتھ زمینیں بھی ان مُجاہدین پر تقسیم کر دی جاتی تھیں۔

(۳۱) ایک مرتبہ حضرت عَلی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ بیٹھے رو رہے تھے۔ کسی نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ سات دن سے کوئی مُہمان نہیں آیا۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں حق تعالےٰ شَانُہٗ نے (کسی بات سے ناراض ہوکر) میرے ذلیل کرنیکا تو ارادہ نہیں فرمالیا (اتحاف)۔

(۳۲) ایک مرتبہ ایک شخص اپنے ایک دوست کے پاس گیا۔ اور جاکر کہا کہ میرے ذِمّہ چار سو دِرم قرض ہوگیا ہے، تجھ سے مدد چاہنے آیا ہوں۔ اُس نے فوراً چار سو دِرم وزن کر کے دے دیئے۔ جب وہ چلا گیا تو اُس نے رونا شروع کر دیا۔ بیوی کو یہ خیال ہوا کہ شاید اس کو مال کے جانے کا صدمہ ہؤا۔ وہ کہنے لگی۔ اگر اتنی گرانی تھی تو دینے ہی کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کہنے لگا کہ میں اس پر رو رہا ہوں کہ میں نے اُس کے ساتھ تعلقات کثرت کے باوجود اُس کے حال کی خود خبر کیوں نہ رکھی۔ اسکو مجھ سے مانگنے کی نوبت کیوں آئی۔ (اتحاف)۔

(۳۳) حضرت عبداللہ بن جعفر رضؓ ایک مرتبہ جنگل میں تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک باغ پر گذر ہؤا۔ وہاں ایک حبشی غلام باغ میں کام کر رہا تھا اسکی روٹی آئی، اور اُس کے ساتھ ہی ایک کتا بھی باغ میں چلا آیا اور اُس غلام کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ اُس غلام نے کام کرتے کرتے ایک روٹی اُس کتے کے سامنے ڈال دی۔ اُس کتے نے اسکو کھا لیا اور پھر کھڑا رہا۔ اُس نے دوسری اور پھر تیسری روٹی بھی ڈال دی۔ کُل تین ہی روٹیاں تھیں وہ تینوں کتے کو کھلادیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ غور سے کھڑے دیکھتے رہے۔ جب وہ تینوں ختم ہوگئیں تو حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اُس غلام سے پوچھا کہ تمہاری کتنی روٹیاں روزانہ آتی ہیں۔ اُس نے عرض کیا۔ آپ نے تو ملاحظہ فرمالیا، تین ہی آیا کرتی ہیں۔ حضرتؓ نے فرمایا کہ پھر تینوں کا اِیثار کیوں کر دیا، غلام نے کہا۔ حضرت یہاں کتے رہتے نہیں ہیں۔ یہ غریب بھوکا کہیں دُور سے مُسافت طے کر کے آیا ہے۔ اس لئے مجھے اچھا نہ لگا کہ اس کو ویسے ہی واپس کر دوں۔ حضرتؓ نے فرمایا کہ پھر

تم آج کیا کھاؤ گے۔ غلام نے کہا ایک دن فاقہ کرلوں گا یہ تو کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے دل میں سوچا کہ لوگ مجھے ملامت کرتے ہیں کہ تو بہت سخاوت کرتا ہے، یہ غلام تو مجھ سے بہت زیادہ سخی ہے۔ یہ سوچ کر شہر میں واپس تشریف لے گئے اور اس باغ کو اور غلام کو اور جو کچھ سامان باغ میں تھا سب کو اُس کے مالک سے خرید ا اور خرید کر غلام کو آزاد کیا، اور وہ باغ اُس غلام کی نذر کر دیا (اتحاف)

(۳۴) اَبُوالحَسَن اَنطاکی خراسان کے شہروں میں ایک جگہ رَیّ ہے، وہاں رہتے تھے۔ ایک دن تیس ۳۰ آدمیوں سے زیادہ مہمان آگئے اور روٹی تھوڑی سی تھی۔ تیاری کا موقع نہ تھا۔ رات کا وقت تھا۔ انہوں نے جتنی روٹیاں موجود تھیں، سب کے ٹکڑے کئے اور دسترخوان پر ان کو پھیلا کر سب کو بٹھایا اور چراغ گُل کر دیا اور سب کے سب نے کھانا شروع کر دیا۔ سب کے منہ چلانے کی آواز آتی تھی۔ جب دیر ہوگئی، اور گویا سب بالکل فارغ ہو گئے تو چراغ جلایا گیا اور دسترخوان اُٹھایا گیا۔ اُس میں وہ سارے ٹکڑے بدستور رکھے تھے، سب ہی خالی مُنہ چلاتے رہے، کسی نے بھی اس خیال سے نہ کھایا کہ اچھا ہے دوسرے ہی کا کام چل جائے گا۔ (اتحاف)۔

(۳۵) حضرت شُعبہؒ مشہور محدث ہیں۔ اَمیرُ المُؤمِنین فی الحَدِیث (حدیث میں مؤمنوں کے بادشاہ) ان کا لقب ہے۔ بڑے عابد زاہد لوگوں میں تھے۔ ایک مرتبہ ایک سائل ان کے پاس حاضر ہوا۔ دینے کے لئے کوئی چیز مُیَسَّر نہ ہوئی۔ اپنے مکان کی چھت میں سے ایک کڑی نکال کر اُس کے حوالہ کر دی (کہ اس کو فروخت کرلینا) اور اُس سے بہت مَعذرت کی کہ اسوقت میرے پاس دینے کو کچھ ہے نہیں۔ (اتحاف)

(۳۶) حضرت اَبُوسَہلؒ صُعلوکی ایک مرتبہ وضو کر رہے تھے۔ ایک شخص آیا، اور کچھ ضرورت کا اظہار کیا۔ دینے کے واسطے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ فرمانے لگے تھوڑی دیر اِنتظار کرلو، میں وضو سے فارغ ہو جاؤں۔ جب وضو کر چکے تو فرمایا کہ یہ لکڑی کا لوٹا جس سے وضو کر رہے تھے لے جاؤ اور تو کوئی چیز اس وقت ہے نہیں۔ (اتحاف)۔

(۳۷) یَرمُوک کی لڑائی میں صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت نے پانی کے موجود ہوتے ہوئے اس وجہ سے پیاسے جان دی کہ جب ان کے قریب پانی پہنچا تو کسی دوسرے نے آہ کر دی اور اُس نے بجائے اپنے پینے کے دوسرے کیطرف پانی لیجانے کا اشارہ کر دیا۔ ایک واقعہ اس کا "حکایاتِ صحابہؓ" میں لکھا جا چکا ہے۔ مگر اَصحابِ مغازی نے لکھا ہے کہ حضرت عِکرمہؓ بن اَبی جَہل، سُہیل بن عمروؓ، سَہل

بن ابی حارثؓ، حارث بن ہشامؓ اور قبیلہ مغیرہ کی ایک جماعت نے اسی طرح پیاسے دم توڑا کہ ان کے پاس پانی لایا جاتا تھا اور یہ دوسرے کا اشارہ کر دیتے تھے۔ حضرت عکرمہؓ کے پاس پانی لایا گیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سُہیل بن عمروؓ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں انہوں نے فرمادیا کہ پہلے سُہیلؓ کو پلادو۔ جب ان کے پاس لے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہل بن حارثؓ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ پہلے سہل کو پلادو۔ غرض ان سب حضرات نے پیاسے ہی جان دی حضرت خالد بن ولیدؓ جب ان کی نعشوں پر گذرے تو فرمانے لگے کہ تم پر میری جان قربان ہو جائے (تم سے اسوقت بھی ایثار نہ چھوٹا)۔ (اتحاف)

(۳۸) عباس بن دہقانؒ کہتے ہیں کہ بشر بن حارث حافیؒ کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو کہ جس حال میں دنیا میں آیا تھا یعنی خالی ہاتھ ننگا بدن، ایسا ہی دنیا سے گیا ہو۔ بشر بن حافیؒ البتہ اسی طرح گئے کہ وہ بیمار تھے، وصال کا وقت قریب تھا۔ ایک سائل آگیا اور اپنی ضرورت کا حال ظاہر کیا۔ جو کرتہ بدن پر تھا وہ نکال کر اس کو بخش دیا اور خود تھوڑی دیر کے لئے دوسرے سے کرتہ مستعار مانگا اور اسی میں وصال فرمایا۔ (اتحاف)۔

(۳۹) کون کہتا ہے کہ یہ واقعات پچھلے ہی بزرگوں کے ساتھ خاص تھے۔ حضرت اقدس مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس سرہٗ کے وصال کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ حضرت کا معمول تھا کہ جو کچھ کہیں سے آتا وہ فوراً ہی تقسیم فرمادیتے اور کبھی کبھی تکیہ کے نیچے کچھ رکھا ہوا دیکھ کر فرماتے کہ یہ اور آگیا۔ اور وصال سے کچھ زمانہ پہلے اپنے سب کپڑے بھی خدام پر تقسیم فرمادیئے تھے۔ اور اپنے مخلص خادم (خلیفہ خاص) حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالقادر صاحبؒ دام مجدہم وزاد فضلہم سے ارشاد فرمایا کہ بس اب زندگی کے جتنے دن باقی ہیں تم سے کپڑے مستعار لے کر پہن لیا کریں گے۔ چنانچہ حضرت مولانا ہی کے کپڑے آخر میں استعمال فرماتے تھے۔

(۴۰) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ہم چند آدمی طرسوس میں جو ملک شام کا ایک شہر ہے جمع ہو کر باہر جا رہے تھے۔ چلتے ہوئے ایک کتا بھی ہمارے ساتھ ہو گیا۔ جب ہم شہر سے باہر نکلے تو ایک

ؔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ وفات پاگئے ہیں۔ آپ کا وصال ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۲ھ کو لاہور میں ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مرا ہوا جانور پڑا تھا ہم لوگ اُس سے بچ کر ذرا فاصلہ سے ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گئے۔ وہ کتا جو ہمارے ساتھ ہو گیا تھا، اُس نے جب اُس مُردار کو دیکھا تو وہ شہر کی طرف واپس ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ اپنے ساتھ تقریباً بیس کتے اور لایا اور اُس مُردار کے پاس آکر وہ خود تو علیحدہ کو بیٹھ گیا اور سب کتے اس کو کھاتے رہے۔ جب وہ سب کھاکر شہر کی طرف چلے گئے تو یہ کتا جو بلانے گیا تھا، اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُس کے پاس آکر جو ہڈیاں وغیرہ وہ سب کھاکر چھوڑ گئے تھے ان کو اس نے کھایا اور پھر شہر کی طرف چلا گیا۔ (اتحاف)

(۴۱) اَبُو الحسَن بوشنجیؒ ایک بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ پاخانہ میں جاچکے تھے وہیں سے اپنے ایک شاگرد کو آواز دی اور اپنا کرتہ نکال کہا کہ یہ فلاں فقیر کو دے آؤ۔ شاگرد نے کہا کہ آپ استنجے سے فراغت کا تو اِنتظار کر لیتے۔ کہنے لگے کہ مجھے اس کی ضرورت کا خیال آکر یہ ارادہ ہوا کہ یہ کرتہ اُس کو دیدوں اور اپنے نفس پر اس کا اعتماد نہیں تھا کہ وہ استنجے سے فراغت تک بدل نہ جائے (اتحاف)۔ پاخانہ میں بولنا مکروہ ہے لیکن صدقہ کرنے کے جذبہ اور اپنے نفس پر بدگمانی نے اس پر مجبور کر دیا، یا اُس وقت تک کشفِ عورت ہی نہ ہوا ہو۔

(۴۲) اَمیرُ المؤمنین مَہدیؒ نے موسیٰ بن جعفرؒ کو بغاوت کے اندیشہ سے قید کر رکھا تھا۔ ایک مرتبہ رات کو وہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اُس میں سورہ محمد کی آیت فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ پر پہنچے اور یہاں پہنچ کر رونے لگے۔ اس آیت شریفہ کو بار بار پڑھتے تھے اور روتے تھے۔ سلام پھیر کر ربیعؒ سے کہا کہ موسیٰؒ کو بلا کر لاؤ۔ ربیعؒ کہتے ہیں کہ میں ان کو بلا کر لایا اور جب واپس آیا تب بھی وہ اسی آیت کو بار بار پڑھ رہے تھے، اور رو رہے تھے۔ جب موسیٰؒ آئے، تو مہدیؒ نے کہا۔ میں یہ آیت پڑھ رہا تھا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ میں نے قطع رحمی کر رکھی ہے۔ اگر تو اس کا وعدہ کرے کہ میری اولاد کے خلاف بغاوت نہیں کرے گا، تو میں چھوڑ دوں۔ موسیٰ نے کہا۔ حاشا وکلاّ میری تو ایسی حیثیت بھی نہیں ہے اور نہ اس کا خیال ہے۔ مہدی نے ربیعؒ سے کہا کہ اس کو اسی وقت تین ہزار اشرفیاں دے کر اسی وقت رات ہی کو چلتا کر دو ایسا نہ ہو کہ پھر کہیں میری رائے بدل جائے (اتحاف)۔

(۴۳) حضرت ابنِ عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ ایک مرتبہ بہت بیمار

ہو گئے ، تو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے نذر (منّت) مانی کہ اگر یہ تندرست ہو جائیں تو شکرانہ کے طور پر تین روزے دونوں حضرات رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل سے صاحبزادوں کو صحت ہو گئی۔ ان حضرات نے شکرانہ کے روزے رکھنے شروع فرما دیئے۔ مگر گھر میں نہ سحر کے لئے کچھ تھا نہ افطار کے لئے۔ فاقہ پر روزہ شروع کر دیا۔ صبح کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ ایک یہودی کے پاس تشریف لے گئے، جس کا نام شمعون تھا کہ اگر تو کچھ اُون دھاگہ بنانے کے لئے اُجرت پر دیدے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اس کام کو کر دے گی۔ اُس نے اُن کا ایک گٹھر تین صاع جَو کی اُجرت طے کر کے دے دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اُس میں سے ایک تہائی کاتا اور ایک صاع جو اُجرت کے لے کر ان کو پیسا اور پانچ نان اُس کے تیار کئے۔ ایک ایک اپنا میاں بیوی کا، دو دونوں صاحبزادوں کے اور ایک باندی کا جس کا نام فضہ تھا۔ روزہ میں دن بھر کی مزدوری اور محنت کے بعد جب حضرت علی کرّم اللہ وجہہ حضور کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر لوٹے اور کھانا کھانے کے لئے دستر خوان بچھایا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ٹکڑا توڑا ہی تھا کہ ایک فقیر نے دروازہ سے آواز دی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو! میں ایک فقیر مسکین ہوں، مجھے کھانا دو۔ اللہ جلّ شانہ تمہیں جنّت کے دستر خوان سے کھانا کھلائے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے ہاتھ روک لیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ ضرور دے دیجئے، وہ سب روٹیاں اُس کو دے دیں اور گھر والے سب کے سب فاقہ سے رہے۔ اِسی حال میں دوسرے دن کا روزہ شروع کر دیا۔ دوسرے دن پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دوسری تہائی اُون کی کاتی اور ایک صاع جَو کا اُجرت لے کر اُس کو پیسا روٹیاں پکائیں، اور جب حضرت علی کرّم اللہ وجہہ حضور کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر تشریف لائے اور سب کے سب کھانے کے لئے بیٹھے، تو ایک یتیم نے دروازہ سے سُوال کیا اور اپنی تنہائی اور فقر کا اظہار کیا۔ ان حضرات نے اُس دن کی روٹیاں اُس کے حوالہ کر دیں اور خود پانی پی کر تیسرے دِن کا روزہ شروع کر دیا۔ اور صبح کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اُون کا باقی حصّہ کاتا اور ایک صاع جو کا رہ گیا تھا وہ لیکر پیسا روٹیاں پکائیں اور مغرب کی نماز کے بعد جب کھانے بیٹھے تو ایک قیدی نے آکر آواز دے دی اور اپنی سخت حاجت اور پریشانی کا اِظہار کیا۔ ان حضرات نے اُس دن کی روٹیاں اُس کو دے دیں اور خود فاقہ سے رہے۔ چوتھے دن صبح کو روزہ تو تھا نہیں لیکن کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں صاحبزادوں کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھوک اور ضعف کی وجہ سے چلنا بھی مشکل ہو

رہا تھا۔حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تمہاری تکلیف اور تنگی کو دیکھ کر مجھے بہت ہی تکلیف ہوتی ہے، چلو فاطمہؓ کے پاس چلیں۔ حضورؐ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ بھوک کی شدت سے آنکھیں گر گئی تھیں، پیٹ کمر سے لگ رہا تھا۔ حضورؐ نے ان کو اپنے سینہ سے لگایا اور حق تعالیٰ شانہٗ سے فریاد کی۔ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام سورۂ دہر کی آیات وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ لے کر آئے اور اس پروانۂ خوشنودی کی مبارکبادی۔ (مسامرات اوّل)۔ یہ آیات پہلی فصل کی آیات کے سلسلہ میں ۲۴ پر گزر چکی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے دُرِّ منثور میں بروایۂ ابنِ مردویہ حضرت ابنِ عباسؓ سے مختصراً یہ مضمون نقل کیا ہے کہ یہ آیتیں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

(۴۴) ایک شرابی تھا جس کے یہاں ہر وقت شراب کا دور رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس کے یار احباب جمع تھے۔ شراب تیار تھی۔ اُس نے اپنے ایک غلام کو چار دِرم دیئے کہ شراب پینے سے پہلے دوستوں کو کھلانے کے لئے کچھ پھل خرید کر لائے۔ وہ غلام بازار جا رہا تھا۔ راستہ میں حضرت منصور بن عمار بصریؒ کی مجلس پر کو گزر ہوا، وہ کسی فقیر کے واسطے لوگوں سے کچھ مانگ رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ جو شخص اس فقیر کو چار دِرم دے، میں اُس کے لئے چار دُعائیں کروں گا۔ اس غلام نے وہ چاروں دِرم اُس فقیر کو دے دیئے۔ حضرت منصورؒ نے فرمایا۔ بتا کیا دعائیں چاہتا ہے۔ غلام نے کہا کہ میرا ایک آقا ہے میں اُس سے خلاصی یعنی آزادی چاہتا ہوں۔ حضرت منصورؒ نے اسکی دُعا کی۔ پھر پوچھا دوسری دُعا کیا چاہتا ہے۔ غلام نے کہا کہ مجھے ان دراہم کا بدل مل جائے۔ منصورؒ نے اس کی بھی دُعا کی۔ پھر پوچھا تیسری کیا دُعا ہے۔ غلام نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ میرے سردار کو توبہ کی توفیق دے اور اس کی توبہ قبول کرے۔ منصورؒ نے اس کی بھی دُعا کی۔ پھر پوچھا کہ چوتھی کیا ہے۔ غلام نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ میری اور میرے سردار کی اور تمہاری اور اس مجمع کی جو یہاں حاضر ہیں سب کی مغفرت فرما دے۔ حضرت منصورؒ نے اس کی بھی دُعا کی۔ اس کے بعد وہ غلام (خالی ہاتھ) اپنے سردار کے پاس واپس چلا گیا (اور خیال کر لیا کہ بہت سے بہت اتنا ہی تو ہوگا کہ آقا مارے گا اور کیا ہوگا) سردار انتظار میں تھا ہی، دیکھ کر کہنے لگا کہ اتنی دیر لگا دی۔ غلام نے قصہ سُنایا۔ سردار نے (ان کی دُعاؤں کی برکت سے بجائے خفا ہونے اور مارنے کے) یہ پوچھا کہ کیا کیا دُعائیں کرائیں۔ غلام نے کہا کہ پہلی تو یہ کہ میں غلامی سے آزاد ہو

جاؤں۔ سردار نے کہا، کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا۔ دوسری کیا تھا۔ غلام نے کہا کہ مجھے ان درہموں کا بدلہ مل جائے۔ سردار نے کہا کہ میری طرف سے تجھے چار ہزار درم نذر ہیں۔ تیسری کیا تھی۔ غلام نے کہا۔ حق تعالیٰ شانہٗ تمہیں (شراب وغیرہ فسق وفجور سے) توبہ کی توفیق دے۔ سردار نے کہا کہ میں نے (اپنے سب گناہوں سے) توبہ کر لی۔ چوتھی کیا تھی۔ غلام نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ میری اور آپ کی اور ان بزرگوں کی اور سارے مجمع کی مغفرت فرمادے۔ سردار نے کہا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ رات کو سردار نے خواب میں دیکھا کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ جب تو نے وہ تینوں کام کر دیئے جو تیرے اختیار میں تھے تو کیا تیرا یہ خیال ہے کہ میں وہ کام نہیں کروں گا جو میرے اختیار میں ہے۔ میں نے تیری اور اس غلام کی اور منصور کی اور اس سارے مجمع کی مغفرت کر دی (اتحاف)۔

(۴۵) عبدالوہاب بن عبدالحمید ثقفیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ دیکھا جس کو تین مرد اور ایک عورت لئے جارہے ہیں اور کوئی آدمی جنازہ کے ساتھ نہیں تھا۔ میں ساتھ ہو لیا اور عورت کی جانب کا حصہ میں نے لے لیا۔ قبرستان لے گئے وہاں اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس کو دفن کر کے میں نے پوچھا۔ یہ کس کا جنازہ تھا۔ عورت نے کہا۔ یہ میرا بیٹا تھا۔ میں نے پوچھا تیرے محلہ میں اور کوئی مرد نہ تھا جو تیری جگہ جنازہ کا چوتھا پایہ پکڑ لیتا۔ اس نے کہا۔ آدمی تو بہت تھے لیکن اسکو ذلیل سمجھ کر کوئی ساتھ نہ آیا۔ میں نے پوچھا کیا بات تھی جس سے ذلیل سمجھتے تھے۔ کہنے لگی۔ یہ مُخَنَّث تھا (ہیجڑا یا عورتوں جیسی حرکات کرنے والا)۔ مجھے اس عورت پر ترس آیا۔ میں اس کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا اور اس کو کچھ درہم اور کپڑے اور گیہوں دیئے۔ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اس قدر حسین گویا چودھویں رات کا چاند نہایت سفید عمدہ لباس پہنے ہوئے آیا اور میرا شکریہ ادا کرنے لگا۔ میں نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ کہنے لگا کہ میں وہی مُخَنَّث ہوں جس کو تم نے آج دفن کیا۔ مجھ پر حق تعالیٰ شانہٗ نے اسوجہ سے رحمت فرمادی کہ لوگ مجھے ذلیل سمجھتے تھے (اتحاف)۔

(۴۶) محمد بن سہل بخاریؒ کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ کے راستہ میں جارہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک مغربی شخص ایک خچر پر سوار ہے اور اس کے آگے ایک شخص یہ اعلان کرتا جاتا ہے کہ (ایک ہمیانی کھوئی گئی) جو شخص ہمیانی کا پتہ بتادے اس کو سو اشرفیاں میں اپنے پاس سے دوں گا۔ اس لئے کہ اس ہمیانی میں امانتیں تھیں (ہمیانی روپیہ اشرفیاں رکھنے کی لانبی تھیلی ہوتی ہے جو کمر سے باندھی جاتی ہے)۔ اس اعلان پر

..... ایک لنگڑا شخص جس کے اُوپر بہت پھٹے پُرانے کپڑے تھے، اُس مغربی کے پاس آیا اور اُس سے اس ہمیانی کی علامتیں پوچھیں کہ کیسی تھی۔ مغربی نے اُس کی علامتیں بتائیں اور کہا کہ اُس میں بہت سے آدمیوں کی امانتیں رکھی ہوئی ہیں۔ لنگڑے نے پوچھا کہ کوئی شخص یہاں ایسا ہے کہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو۔ محمد بن سہلؒ نے کہا کہ مَیں جانتا ہوں۔ وہ لنگڑا ہمیں تینوں کو اپنے ساتھ الگ ایک طرف کو لے گیا اور ایک ہمیانی نکال کر دکھائی۔ وہ مغربی اس کے اندر کی چیزیں بتاتا رہا کہ دو دانہ فلاں عورت فلاں کی بیٹی کے پانچسو اشرفی کے بدلہ میں رکھے ہیں اور ایک دانہ (عدد) فلاں شخص کا سَو اشرفی میں رکھا ہے۔ اسی طرح ایک ایک چیز وہ گنواتا رہا۔ اور مَیں اُس کے اندر رکھی ہوئی چیزوں کو پڑھ کر بتاتا رہا کہ وہ یہ ہے، وہ یہ ہے۔ اُس مغربی نے اس ہمیانی کی سب چیزیں شمار کرادیں اور وہ سب کی سب اُس میں سے پوری نکلیں۔ جب سب صحیح صحیح نکل آیا تو اُس لنگڑے نے وہ ہمیانی مغربی کے حوالہ کر دی۔ اُس نے اپنے وعدہ کے موافق اپنے پاس سے سَو دینار (اشرفیاں) نکال کر اُس لنگڑے کو دیئے۔ اُس نے لینے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ اگر اس ہمیانی کی قدر میری نگاہ میں دو مینگنیوں کی برابر بھی ہوتی تو شاید تم اس کو نہ پا سکتے ایسی چیز پر کیا مُعاوضہ لوں جس کی قیمت میرے نزدیک دو مینگنیاں بھی نہیں ہے۔ اور یہ کہہ کر وہ لنگڑا چل دیا اور ان سَو اشرفیوں کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا۔ (مسامرات)

(۴۷) بخارا کا ایک حاکم بڑا سخت ظالم تھا۔ ایک دن وہ اپنی سواری پر چلا جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک کتا نظر پڑا جس کے خارش ہو رہی تھی، اور سردی نے اس کو بہت ستا رکھا تھا۔ اس ظالم کی اس پر نگاہ پڑتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اپنے ایک نوکر سے کہا کہ اس کتے کو میرے گھر لے جا۔ میرے آنے تک اس کا خیال رکھیو، یہ کہہ کر وہ اپنے کام جہاں جا رہا تھا، چلا گیا۔ جب واپس آیا تو اُس کتے کو منگایا اور گھر کے ایک کونہ میں اُس کو بندھوا دیا۔ اُس کے سامنے ٹکڑا ڈالا، پانی رکھوایا اور اُس کے بدن پر تیل ملوا کر ایک کپڑے کی جھول اُس کے اوپر ڈلوائی۔ اُس کے قریب آگ رکھوائی تاکہ اُس کی گرمی سے اُس پر سے سردی کا اثر زائل ہو جائے۔ اور اس قصہ کو دو ہی دن گذرے تھے کہ اُس ظالم کا انتقال ہو گیا۔ ایک بزرگ نے جو اُس کے مَظالم اور اُس کی حالت سے خوب واقف تھے، اُس کو خواب میں دیکھا، اُس سے پوچھا کہ کیا گزری۔ اُس نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا کہ تو کتا تھا (یعنی کتوں جیسے کام کرتا تھا، انسانوں جیسے کام نہیں کرتا تھا) اس لئے ہم نے بھی ایک کتے ہی کو

تجھ کو دے دیا (یعنی اُس خارشی کتے کے طفیل تیری بخشش کر دی) اور میرے ذمہ جو حقوق تھے ان کا خود ادا فرمانے کا ارادہ فرمالیا (مسامرات) ۔ حق تعالےٰ شانہٗ کی ذات بڑی کریم ہے ۔ وہ سارے کریموں کا مالک ہے بادشاہ ہے ۔ اُس کے کرم تک کوئی کہاں پہنچ سکتا ہے ۔ کسی شخص کی کوئی ادنیٰ سی چیز بھی اُس کو پسند آجائے تو اُس شخص کا بیڑا پار ہے ۔ آدمی اُس کی خوشنودی کی تلاش میں رہے ، نہ معلوم کس کی کیا بات آقا کو پسند آجائے ۔

(۴۸) اَبُو عُمَر دِمشقی رحمہ کہتے ہیں کہ ہم چند آدمی حضرت اَبُو عبداللہ بن جلاءؒ کے ساتھ مکّہ مکرّمہ جا رہے تھے کئی دن ایسے گزر گئے کہ کھانے کی کوئی چیز مُیَسّر نہ ہوئی ۔ جنگل میں ایک عورت ملی ۔ ایک بکری اس کے ساتھ تھی ۔ ہم نے (خیال کیا کہ اس کو خرید کر پکالیں گے اس لئے) اس عورت سے پوچھا کہ اس کی کیا قیمت ہے ۔ اُس نے کہا ، پچاس درم قیمت ہے ۔ ہم نے کہا ، ہم پر احسان کر کچھ کم کر دے ۔ اُس نے کہا ۔ پانچ دِرَم قیمت ہے ۔ ہم نے کہا کہ مذاق نہ کر ، صحیح صحیح قیمت بتادے ابھی پچاس دِرم کہتی تھی ، ابھی پانچ درم کہہ دیئے ۔ اُس عورت نے کہا ۔ وَاللہ مذاق نہیں کرتی ۔ تم نے کہا احسان کر ، کاش مجھے اس پر قدرت ہوتی کہ میں کچھ بھی قیمت اس کی نہ لیتی (لیکن میں بھی مجبور ہوں اس لئے پانچ بھی بہ مجبوری کہہ دیئے) ۔ حضرت ابنِ جلاءؒ نے ساتھیوں سے پوچھا کہ تم سب کے پاس کتنے دِرم ہیں ۔ سب کا مجموعہ چھ سو درم ہوئے ۔ ابنِ جلاءؒ نے فرمایا کہ یہ سب اس کو دے دو اور بکری بھی اسی کے پاس رہنے دو ۔ ہم نے سب دِرم اس کو دے دیئے اور ہمارا سارا سفر اللہ کے فضل سے ایسی راحت سے گذرا کہ حد نہیں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ۔ (مسامرات) ۔

(۴۹) حضرت اِبراہیم بن اَدہمؒ نے ایک مرتبہ ایک شخص سے دریافت کیا کہ تو اللہ کا ولی بننا چاہتا ہے ۔ اُس نے کہا ضرور چاہتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا کہ دُنیا اور آخرت کی کسی چیز میں بھی رغبت نہ کر اور اپنے آپ کو صرف حق تعالیٰ شانہٗ کے لئے خاص کر لے اور تو ہمہ تن اس کی طرف مُتَوَجِّہ ہو جا تاکہ وہ بھی ہمہ تن تیری طرف مُتَوَجِّہ ہو جائے اور تجھے اپنا ولی بنالے ۔ (روض) حُضُورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ سے صحیح احادیث میں حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ اِرشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے میں اُس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں اور جو میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اُس کی طرف ایک باع (یعنی دو ہاتھ) قریب ہوتا ہوں ۔

(۵۰) حضرت جُنید بغدادیؒ کی خدمت میں ایک شخص نے پانسو درم پیش کئے اور عرض کیا کہ یہ اپنے خُدّام پر تقسیم فرما دیں۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس انکے عِلاوہ اَور بھی کچھ ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ حضرت میرے پاس بہت سے دینار (اشرفیاں) ہیں۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ اُن میں اضافہ ہو جائے یا نہیں چاہتے۔ اُس نے عرض کیا کہ یہ خواہش تو ضرور ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر تم ہم سے زیادہ مُحتاج ہو (اس لئے کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے ہم اس پر اضافہ نہیں چاہتے) اس لئے یہ تم اپنے ہی پاس رکھو یہ کہہ کر وہ دَراہم واپس کر دیئے، قُبول نہ فرمائے (روض)۔

(۵۱) حضرت اَبُو الدَّرداءؓ ایک مرتبہ (شاگردوں کے مجمع میں) تشریف رکھتے تھے۔ ان کی بیوی آئیں اور کہنے لگیں کہ تم تو ان کو لئے بیٹھے ہو اور گھر میں آٹے کی ایک چٹکی بھی نہیں ہے۔ وہ فرمانے لگے اری اللہ کی بندی ہمارے سامنے ایک نہایت سخت گھاٹی بڑی دشوار گزار آرہی ہے۔ اُس سے صرف وہی لوگ نجات پاسکیں گے جو بہت ہلکے پھُلکے ہوں گے۔ بیوی یہ بات سُن کر راضی خوشی واپس چلی گئیں۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ دُنیا دار بھی کھاتے ہیں اور ہم بھی کھاتے ہیں۔ وہ بھی کپڑا پہنتے ہیں اور ہم بھی پہنتے ہیں۔ اور ان کے پاس جو ضرورت سے زائد مال ہے وہ اُس کو کام میں تو لاتے نہیں، صرف دیکھتے ہیں کہ ہاں یہ مال ہے۔ مال کو دیکھ ہم بھی لیتے ہیں (جو دوسروں کے پاس ہوتا ہے لہذا دیکھنے میں تو ہم اور وہ برابر ہیں۔ کام میں وہ بھی نہیں لاتے ہم بھی نہیں لاتے) لیکن ان کو اپنے مال کا حساب دینا پڑے گا، اور ہم حساب سے بَری ہیں کہ ہمارے پاس ہے نہیں۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ہمارے بھائی ہمارے ساتھ اِنصاف کا برتاؤ نہیں کرتے، ہم سے مُحبّت تو اللہ کے واسطے کرتے ہیں اور دُنیا میں ہم سے الگ الگ رہتے ہیں۔ عنقریب وہ دِن آنے والا ہے کہ وہ تو اس کی تمنا کریں گے کہ کاش وہ ہم جیسے ہوتے، اور ہم اسکی تمنا نہیں کریں گے، کہ ہم ان جیسے ہوتے (روض)۔

(۵۲) ایک بُزرگ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میرے لئے دُعا کر دیجئے، مجھے اہل وعیال کی کثرت (اور آمدنی کی قِلّت) نے بہت مجبور کر رکھا ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ جب تیرے گھر والے تجھ سے یہ کہیں کہ ہمارے پاس نہ آٹا ہے، نہ روٹی ہے، اُس وقت کی تیری دُعا حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں میرے اس وقت کی دُعا سے زیادہ قابلِ قبول ہے۔ (روض)۔ حضرت شیخ نے بالکل صحیح فرمایا لوگوں کو آقا سے مانگنے کی قدر نہیں ہے، نہ اس کی وَقعت قلوب میں ہے۔ اُس کریم کے یہاں تڑپ کے مانگنے

کی بڑی قدر ہے، اور مُضطر کی دُعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے، اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ الآیۃ (نمل۔ ع ۵) "کیا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سُنتا ہے، جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اُس کی مصیبت کو دُور کرتا ہے" (بھی ایسی ذات ہے جس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے) ایک حدیث میں ہے، ایک شخص نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپ کس کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، اُس اللہ وَحْدَہٗ کی طرف کہ اگر تجھے کوئی مَضَرَّت پہنچے پھر تُو اُس کو پکارے تو وہ تیری مصیبت کو زائل کر دے، اور وہ اللہ وَحْدَہٗ کہ اگر تُو کہیں راستہ میں سواری کو گُم کر دے پھر اُس کو پکارے تو وہ تیری سواری کو تجھ پر لَوٹا دے، اور اگر تجھے قحط سے سابقہ پڑے پھر تُو اُس کو پکارے تو تیرے لئے روزی اُتار دے۔ سُحَیم رحؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک لڑکی آئی اور اُس نے اپنے سردار سے کہا کہ آپ یہاں بیٹھے ہیں، آپ کے گھوڑے کو نظر نے کھالیا۔ وہ گھوڑا حیران سرگرداں گھومتا پھر رہا ہے کسی جھاڑ پھونک کرنے والے کو ڈھونڈھ کر لائیے۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کسی جھاڑنے والے کی ضرورت نہیں۔ اُس کے ناک کے داہنے سوراخ میں چار مرتبہ، بائیں میں تین مرتبہ یہ دُعا پڑھ کر پھونک مارو۔ لَابَاْسَ اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا یَكْشِفُ الضُّرَّ اِلَّا اَنْتَ (کوئی خوف کی بات نہیں ہے اے آدمیوں کے رب۔ تو اُس کی تکلیف کو زائل کر دے اور اس کو شِفا عطا کر دے۔ تُو ہی شِفا دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی شخص نقصان کو ہٹانے والا نہیں ہے)۔ وہ شخص گیا اور تھوڑی دیر میں واپس آگیا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کے کہنے کے مُوافق کیا۔ وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ وہ کھانے بھی لگا اور پیشاب پاخانہ بھی کیا (دُرِّ منثور)۔ یہ بات خوب اچھی طرح دل میں جما لینا چاہیئے اور جتنی زیادہ دِل میں یہ بات پختہ ہو جائے گی اتنی ہی دین اور دُنیا میں کام آنے والی بات ہے کہ نفع اور نُقصان صرف اسی پاک ذات وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ کے قبضہ میں ہے، اُسی سے اپنی حاجات طلب کرنا چاہیئے۔ اُسی کی طرف ہر مصیبت میں مُتَوَجّہ ہونا چاہیئے۔ ساری دُنیا کے قلوب اُسی کے تابع ہیں۔

(۵۳) حضرت اِبراہیم بِن اَدْھمؒ کی خدمت میں ایک شخص نے دس ہزار دِرْہم نذرانہ پیش کیا۔ انہوں نے اس کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ دس ہزار درہم کی وجہ سے میرا نام فقراء کے دفتر سے کٹ جائے، خُدا کی قسم، میں اس کو ہرگز گوارا نہیں کرتا۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ دُنیا دار دُنیا میں راحت تلاش کرتے ہیں اس وجہ سے دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں (بھلا دُنیا میں راحت

کہاں) اگر ان لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہت ہمارے پاس ہے تو یہ لوگ تلواروں سے ہم سے لڑنے لگیں. حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کون لوگ ہیں، فرمایا. علماء. اُس نے پوچھا کہ بادشاہ کون لوگ ہیں. فرمایا. زاہد لوگ (دُنیا سے بے رغبتی کرنے والے). اُس نے پوچھا. بے وقوف احمق کون لوگ ہیں. فرمایا. جو دین کے ذریعہ سے دُنیا کماتے ہوں. حضرت ذُوالنُّون مصریؒ فرماتے ہیں کہ زاہد لوگ آخرت کے بادشاہ ہیں اور وہ فقراء عارفین ہیں. حضرت شیخ اَبُومَدینؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہت دو طرح کی ہوتی ہے ایک شہروں کی دوسری دِلوں کی حقیقی بادشاہ زاہد ہی ہوتے ہیں (جو دلوں کے بادشاہ ہوتے ہیں) . ایک جماعت کا مذہب جن میں حضرت امام شافعیؒ بھی ہیں یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وَصیت کر کے مر جائے کہ میرے مال سے اتنا مال ایسے لوگوں کو دے دیا جائے جو سب سے زیادہ سمجھ دار ہوں تو وہ مال وَصیت کا زاہدوں کو دیا جائے گا (اس لئے کہ حقیقی سمجھدار وہی ہیں) . (روض).

(۵۴) امام کبیر عارفِ شہیر شیخ اَبُو عبد اللہ حارث بن اَسَد محاسبیؒ نے ایک مرتبہ ان علماء کا جو دُنیا کی طرف مائل رہتے ہیں، ذِکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِین کے پاس بھی تو بہت مال تھا. یہ بے وقوف صحابۂ کرامؓ کا ذکر اس لئے کرتے ہیں کہ لوگ ان کو مال جمع کرنے میں مَعْذُور سمجھنے لگیں. شیطان اُن کی ساتھ مکر کرتا ہے اور ان کو ذرا بھی پتہ نہیں چلتا. اے احمق تیرا ناس ہو جائے. تیرا حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کے مال سے اِستِدلال کرنا یہ شیطان کا مکر ہے. وہ یہ الفاظ تیری زبان سے نکلواتا ہے تاکہ تُو ہلاک اور برباد ہو جائے. جب تُو نے یہ کہا کہ حضرات صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِین نے بھی مال شرافت اور زینت کے لئے جمع کیا تو تُو نے ان سرداروں کی غیبت کی اور تُو نے اُن کی طرف بڑی سخت چیز منسوب کر دی. اور جب تُو نے یہ سمجھا کہ حلال طریقہ سے مال کا جمع کرنا اُس کے ترک سے افضل ہے تو تُو نے حضور اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شان میں گستاخی کی تو نے سارے رسولوں عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کی شان میں گستاخی کی اور تُو نے نَعُوذُ بِاللہ ان کو انجان بتایا جب کہ انہوں نے تیری طرح سے مال جمع نہ کیا. اور جب تُو نے یہ خیال کیا کہ حلال طریقہ سے مال کا جمع کرنا اُس کے ترک سے افضل ہے تو تُو نے یہ دعویٰ کر دیا کہ حضور اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی اُمت کے ساتھ خیر خواہی نہیں فرمائی جب کہ انہوں نے مال جمع کرنے کو منع فرمایا. آسمان کے رب کی قسم تُو نے اپنے اس دعویٰ میں حضور اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر جھوٹ بولا. حضور اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنی اُمت کے حال پر نہایت شفیق تھے، ان کے خیر خواہ تھے، اُن پر بڑے مہربان تھے، اُن پر بہت رحم کرنے والے تھے. ارے احمق حضرت عبد الرحمن بن عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے فضل وکمال کے باوجود، اپنے تقویٰ کے باوجود

اپنے احسانات کے باوجود، اللہ تعالیٰ شانہٗ کے راستہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرنے کے باوجود، اور حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے صحابی ہونے کے باوجود اور ان حضرات میں ہونے کے باوجود جن کو حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دُنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی (اور عشرۂ مُبشّرہ کے نام سے مشہور تھے، ان سب کمالات کے باوجود) صرف اپنے مال کی وجہ سے قیامت کے میدان میں رُکے رہے اور فقراء مُہاجرین کے ساتھ جنّت میں تشریف نہ لے جا سکے، پھر تیرا ہم لوگوں کے مُتعلق کیا خیال ہے جو دُنیا کے دھندوں میں پھنسے رہیں اور تعجُّب اور سخت تعجُّب اُس فتنہ میں پڑے ہونے سے ہے جو حرام اور مُشتَبہ مال کی گڑبڑ میں آلودہ ہو اور لوگوں کے مَیل (صدقات کا مال) کھاتا ہو، شہوتوں اور زینت اور تفاخُر میں وقت گزارتا ہو پھر وہ حضرت عبدُالرحمٰن بن عوف رضؓ کے حال سے اِستدلال کرے۔ اس کے بعد علّامہ محاسبیؒ نے صحابۂ کرام رضؓ کے بہترین حالات ذِکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ حضرات مَسکنت کو پسند کرنے والے تھے، فقر کے خوف سے بے فکر تھے، اپنی روزی میں اللہ جَلَّ شانہٗ پر پورا اِعتماد کرنے والے تھے اور تقدیر پر راضی رہنے والے تھے، مصائب پر خوش ہونیوالے تھے، ثروت میں شُکر گزار، غُربت میں صبر کرنے والے تھے، اچھے حالات میں اللہ جَلَّ شانہٗ کی حمد کرنے والے تھے، تواضُع کرنے والے تھے، اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینے والے تھے، جب اُن کے پاس فقر آجاتا تو اُس کو مرحبا (بہت اچھا کیا آیا) کہنے والے تھے۔ اس کو صُلَحاء کا شعار کہتے تھے۔ تو خُدا کی قسم کھا کر بتا، کیا تیرا بھی یہی حال ہے۔ تو اُن کی مُشابہت سے بہت دُور ہے۔ تیرا حال ان کے حال کی بالکل ضِد ہے۔ تو غِنا کے وقت سرکش ہو جاتا ہے، ثروت کے وقت اکڑنے لگتا ہے۔ تو مال کے وقت خوشی میں ایسا مَحو ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمت کا شُکر بھی بھول جاتا ہے، تکلیف کے وقت اللہ کی مدد سے نااُمید ہو جاتا ہے۔ مُصیبت کے وقت ناک منہ چڑھانے لگتا ہے اور تقدیر پر ذرا بھی راضی نہیں ہوتا، تو فقیروں سے بُغض رکھتا ہے، مَسکنت سے ناک چڑھاتا ہے۔ تو مال اس لئے جمع کرتا ہے تاکہ دُنیا کا تنعُّم اختیار کرے، اس کی رونق سے دِل بہلائے، اُس کی لذّتوں، شہوتوں میں مزے اُڑائے۔ وہ حضرات دُنیا کی حلال چیزوں سے اتنا الگ رہتے تھے جتنا تو حرام چیزوں سے بھی علیحدہ نہیں رہتا۔ وہ معمولی لغزش کو اتنا سخت سمجھتے تھے جتنا تو حرام اور کبیرہ گناہ کو بھی سخت نہیں سمجھتا کاش تیرا عمدہ سے عمدہ اور حلال سے حلال مال بھی ان کے مُشتَبہ مال کے برابر ہوتا اور کاش تو اپنے گناہوں سے ایسا ڈرتا جیسا وہ اپنی نیکیوں کے قبول نہ ہونے سے ڈرتے تھے۔ کاش تیرا روزہ اِن کے اِفطار کے برابر ہو جاتا اگر ان کا اِفطار کرنا بھی اللہ کے

واسطے تھا جس پر ثواب تھا) ، اور کاش تیرا رات کو جاگنا بھی ان کے سونے کے برابر ہوجاتا ، اور کاش تیری عمر بھر کی نیکیاں ان کی کسی ایک نیکی کے برابر ہوجاتیں ۔ ارے کم بخت تیرے لئے یہی مناسب تھا کہ تُو دُنیا سے صرف اِتنا حاصل کرتا جتنا مسافر کا توشہ ہوتا ہے ۔ کاش تُو دُنیا داروں کے حال سے عبرت پکڑتا کہ وہ میدانِ حشر میں حساب میں پکڑے ہوئے ہونگے ، اور تُو پہلے ہی زُمرہ میں حُضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنّت میں چلا جاتا کہ نہ تو میدانِ حشر میں روکا جاتا نہ تجھ پر لمبا چوڑا حساب ہوتا اس لئے کہ حُضورؐ کا اِرشاد ہے کہ میری اُمت کے فقرا ، ان کے مال داروں سے پانسو برس پہلے جنّت میں جائیں گے ۔ (روض) ۔

حضرت عَبدُ الوَاحِد بن زیدؒ (جو مشائخِ چشتیہ کے سلسلہ میں مشہور بزرگ ہیں) فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ کشتی میں سوار جا رہے تھے ۔ ہوا کی گردش نے ہماری کشتی کو ایک جزیرہ میں پہنچا دیا ۔ ہم نے وہاں ایک آدمی کو دیکھا ، کہ ایک بُت کو پُوج رہا ہے ۔ ہم نے اُس سے پوچھا کہ تُو کس کی پرستش کرتا ہے ۔ اُس نے اُس بُت کی طرف اشارہ کیا ۔ ہم نے کہا ، تیرا معبود خود تیرا بنایا ہوا ہے ، اور ہمارا معبود ایسی چیزیں بنا دیتا ہے ، جو اپنے ہاتھ سے بنایا ہوا ہو وہ پوجنے کے لائق نہیں ہے ۔ اُس نے کہا کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو ۔ ہم نے کہا اُس پاک ذات کی جس کا عرش آسمان کے اوپر ہے ، اُس کی گرفت زمین پر ہے ۔ اُس کی عظمت اور بڑائی سب سے بالاتر ہے ۔ کہنے لگا ۔ تمہیں اُس پاک ذات کا علم کس طرح ہوا ۔ ہم نے کہا کہ اُس نے ایک رسولؐ (قاصد) ہمارے پاس بھیجا جو بہت کریم اور شریف تھا ۔ اُس رسولؐ نے ہمیں یہ سب باتیں بتائیں ۔ اُس نے کہا ۔ وہ رسولؐ کہاں ہیں ۔ ہم نے کہا کہ اُس نے جب پیام پہنچا دیا اور اپنا حق پورا کر دیا تو اُس مالک نے اُس کو اپنے پاس بُلا لیا تاکہ اُس کے پیام پہنچانے اور اچھی طرح پورا کر دینے کا صلہ و اِنعام عطا فرمائے ۔ اُس نے کہا کہ اُس رسولؐ نے تمہارے پاس کوئی علامت چھوڑی ہے ۔ ہم نے کہا ، اُس مالک کی پاک کلام ہمارے پاس چھوڑی ہے ۔ اُس نے کہا ۔ مجھے وہ کتاب دکھاؤ ہم نے قرآن پاک لا کر اُس کے سامنے رکھا ۔ اُس نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں تم اس میں سے مجھے کچھ سناؤ ۔ ہم نے ایک سورت سُنائی ، وہ سُنتے ہوئے روتا رہا یہاں تک کہ وہ سورت پوری ہوگئی ۔ اُس نے کہا کہ اس پاک کلام والے کا حق یہی ہے کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے ۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہوگیا ۔ ہم نے اس کو اسلام کے اَرکان اور احکام بتائے اور چند سورتیں قرآنِ پاک کی سکھائیں ۔ جب رات ہوئی عشاء کی نماز پڑھ کر ہم سونے لگے تو اُس نے پوچھا کہ تمہارا معبود بھی رات کو سوتا ہے ہم نے کہا ۔ وہ پاک ذات حَیٌّ قَیُّوْمٌ ہے وہ نہ سوتا ہے نہ

اُس کو اُونگھ آتی ہے۔ (آیت الکرسی)۔ وہ کہنے لگا۔ تم کس قدر نالائق بندے ہو کہ آقا تو جاگتا ہے اور تم سو جاؤ۔ ہمیں اُس کی بات سے بڑی حیرت ہوئی۔ جب ہم اُس جزیرہ سے واپس ہونے لگے تو وہ کہنے لگا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ ہی لے چلو تاکہ میں دین کی باتیں سیکھوں، ہم نے اُس کو اپنے ساتھ لے لیا۔ جب ہم شہر عبادان میں پہنچے، تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ شخص نومسلم ہے اس کے لئے کچھ معاش کا فکر بھی چاہیے۔ ہم نے کچھ درم چندہ کیا، اور اس کو دینے لگے اُس نے پوچھا یہ کیا ہے۔ ہم نے کہا کچھ درم ہیں ان کو تم اپنے خرچ میں لے آنا۔ کہنے لگا لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ تم لوگوں نے مجھے ایسا راستہ دکھایا جس پر خود بھی نہیں چلتے۔ میں ایک جزیرہ میں تھا۔ ایک بُت کی پرستش کرتا تھا۔ خُدائے پاک کی پرستش بھی نہ کرتا تھا۔ اُس نے اس حالت میں بھی مجھے ضائع اور ہلاک نہیں کیا حالانکہ میں اُس کو جانتا بھی نہ تھا۔ پس وہ اس وقت مجھے کیوں کر ضائع کر دے گا جب کہ میں اُس کو پہچانتا بھی ہوں (اُس کی عبادت بھی کرتا ہوں) تین دن کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ اُس کا آخری وقت ہے موت کے قریب ہے ہم اُس کے پاس گئے۔ اُس سے پوچھا کہ تیری کوئی حاجت ہو تو بتا۔ کہنے لگا میری تمام حاجتیں اُس پاک ذات نے پوری کر دیں، جس نے تم لوگوں کو جزیرہ میں (میری ہدایت کے لئے) بھیجا تھا۔ شیخ عَبدُالواحِدؒ فرماتے ہیں کہ مجھ پر دَفعۃً نیند کا غلبہ ہوا۔ میں وہیں سو گیا، تو میں نے خواب میں دیکھا۔ ایک نہایت سرسبز شاداب باغ ہے۔ اُس میں ایک نہایت نفیس قُبّہ بنا ہوا ہے۔ اُس میں ایک تخت بچھا ہوا ہے۔ اُس تخت پر ایک نہایت حسین لڑکی کہ اُس جیسی خوبصورت عورت کبھی کسی نے نہ دیکھی ہوگی۔ یہ کہہ رہی ہے خُدا کے واسطے اُس کو جلدی بھیج دو، اُس کے اِشتیاق میں میری بیقراری حد سے بڑھ گئی۔ میری جو آنکھ کھُلی تو اُس نومُسلم کی رُوح پرواز کر چکی تھی۔ ہم نے اُس کی تجہیز و تکفین کی اور دفن کر دیا۔ جب رات ہوئی تو میں نے وہی باغ اور قُبّہ اور تخت پر وہ لڑکی اُس کے پاس دیکھی اور وہ یہ آیت شریفہ پڑھ رہا تھا وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْھِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ ۚ (الرعد ع ۳) جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازہ سے آتے ہوں گے اور ان کو سلام کرتے ہونگے (جو ہر قسم کی آفت سے سلامتی کا مژدہ ہے اور یہ) اس وجہ سے کہ تم نے صبر کیا تھا (اور دین پر مضبوط جمے رہے) پس اس جہان میں تمہارا انجام بہت بہتر ہے (روض)۔

حق تعالیٰ شانہٗ کی عطا اور بخشش کے کرشمے ہیں کہ ساری عُمر بُت پرستی کی اور اُس نے اپنے لطف و کرم سے موت کے قریب ان لوگوں کو زبردستی کشتی کے بے قابو ہو جانے سے وہاں بھیجا اور اسکو

آخرت کی دولت سے مالامال کر دیا اَللّٰھُمَّ لَامَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَامُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ "۔ مالِکُ المُلک جس کو تُو دینا چاہے اُسکو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس کو تُو نہ چاہے اُس کو کوئی دینے والا نہیں ہے"

(۵۶) حضرت مالک بن دینارؒ ایک مرتبہ بصرہ کی گلیوں میں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک باندی ایسے جاہ وجلال حشم خدم کے ساتھ جا رہی تھی جیسا کہ بادشاہوں کی باندیاں ہوتی ہیں۔ حضرت مالکؒ نے اسکو دیکھا تو آواز دے کر فرمایا کہ اے باندی تجھے تیرا مالک فروخت کرتا ہے یا نہیں۔ وہ باندی اس فقرہ کو سُن کر (حیران رہ گئی) کہنے لگی کیا کہا پھر کہو۔ انہوں نے پھر ارشاد فرمایا۔ اُس نے کہا اگر وہ فروخت بھی کرے تو کیا تجھ جیسا فقیر خرید سکتا ہے۔ فرمانے لگے ہاں اور تجھ سے بہتر کو خرید سکتا ہے۔ وہ باندی یہ سُن کر ہنس پڑی اور اپنے خدام کو حکم دیا کہ اس فقیر کو پکڑ کر ہمارے ساتھ لے چلو (ذرا مذاق ہی رہے گا)۔ خُدام نے پکڑ کر ساتھ لے لیا۔ وہ جب گھر واپس پہنچی تو اُس نے اپنے آقا سے یہ قصہ سُنایا وہ بھی سُن کر بہت ہنسا اور ان کو اپنے سامنے لانے کا حکم دیا۔ جب یہ سامنے پیش کئے گئے تو اُس آقا کے دل پر ایک ہیبت سی اُن کی چھا گئی۔ وہ کہنے لگا، آپ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تُو اپنی باندی میرے ہاتھ فروخت کر دے۔ اُس نے پوچھا کہ آپ اس کی قیمت دے سکتے ہیں۔ حضرت مالکؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس کی قیمت کھجور کی دو بھیگی ہوئی گٹھلیاں ہیں۔ یہ سُن کر سب ہنسنے لگے۔ اُس نے پوچھا کہ تم نے یہ قیمت کس مُناسبت سے تجویز کی۔ انہوں نے فرمایا، کہ اس میں عیب بہت ہیں۔ اُس نے پوچھا کہ اس میں کیا کیا عیب ہیں۔ فرمانے لگے اگر عطر نہ لگائے تو بدن میں سے بُو آنے لگے۔ اگر دانت صاف نہ کرے تو منہ میں سڑانڈ آنے لگے۔ اگر بالوں میں تیل کنگھی نہ کرے تو وہ پریشان حال ہو جائیں، جوئیں اُن میں پڑ جائیں (اور سر میں سے بُو آنے لگے)۔ ذرا عمر زیادہ ہو جائے گی تو بوڑھی بن جائے گی (مُنہ لگانے کے بھی قابل نہ رہے گی) حیض اس کو آتا ہے، پیشاب پاخانہ یہ کرتی ہے۔ ہر قسم کی گندگیاں (تھوک، رینٹ، رال، ناک کے چوہے وغیرہ) اس میں سے نکلتے رہتے ہیں۔ غم رنج مصیبتیں اس کو پیش آتی رہتی ہیں۔ خود غرض اتنی ہے کہ محض اپنی غرض سے تجھ سے محبّت ظاہر کرتی ہے محض اپنی راحت و آرام کی وجہ سے تجھ سے اُلفت جتاتی ہے (آج کوئی تکلیف تجھ سے پہنچ جائے ساری محبّت ختم ہو جائے)۔ انتہائی بے وفا، کوئی قول قرار پورا نہ کرے اس کی ساری محبّت جھوٹی ہے۔ کل کو تیرے بعد کسی دوسرے کے پہلو میں بیٹھے گی، تو اُس سے بھی ایسی ہی محبّت کے دعوے کرنے لگے گی۔ میرے پاس اس سے ہزار درجہ بہتر باندی ہے جو اس سے نہایت کم قیمت ہے۔ وہ کہ اور کے جوہر سے بنی ہوئی ہے

مُشک اور زعفران کی ملاوٹ سے پیدا کی گئی ہے۔ اُس پر موتی اور نُور لپیٹا گیا ہے۔ اگر کھارے پانی میں اس کا آب دہن ڈال دیا جائے تو وہ میٹھا ہو جائے۔ اور مُردہ سے اگر وہ بات کرے تو وہ زندہ ہو جائے۔ اگر اُس کی کلائی آفتاب کے سامنے کر دی جائے تو آفتاب بے نُور ہو جائے گہن ہو جائے۔ اگر وہ اندھیرے میں آجائے تو سارا گھر روشن ہو جائے چمک جائے۔ اگر وہ دُنیا میں اپنی زیب و زینت کے ساتھ آجائے تو سارا جہان مُعطّر ہو جائے چمک جائے۔ اُس باندی نے مُشک و زعفران کے باغوں میں پرورش پائی ہے، یاقوت اور مرجان کی ٹہنیوں میں کھیلی ہے۔ ہر طرح کی نعمتوں کے خیموں میں اُس کا محل سرائے ہے۔ تسنیم (جو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر ہے) کا پانی پیتی ہے۔ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتی۔ اپنی مُحبّت کو نہیں بدلتی (ہر جائی نہیں ہے) اب تم ہی بتاؤ کہ قیمت خرچ کرنے کے اِعتبار سے کون سی باندی زیادہ موزوں ہے۔ سب نے کہا کہ وہی باندی جس کی آپ نے خبر دی۔ آپ نے فرمایا کہ اُس باندی کی قیمت ہر وقت، ہر زمانہ میں، ہر شخص کے پاس موجود ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اُس کی قیمت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اتنی بڑی اہم اور عالی شان چیز کے خریدنے کے لئے بہت معمولی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ رات کا تھوڑا سا وقت فارغ کر کے صرف اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے لئے کم از کم دو رکعت تہجُّد کی پڑھ لی جائیں اور جب تم کھانا کھانے بیٹھو تو کسی غریب محتاج کو بھی یاد کر لو، اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی رِضا کو اپنی خواہشات پر غالب کر دو۔ راستہ میں کوئی تکلیف دینے والی چیز کانٹا اینٹ وغیرہ پڑی دیکھو، اُس کو ہٹا دو۔ دُنیا کی زندگی کو معمولی اِخراجات کے ساتھ پورا کر دو اور اپنا فکر و غم اس دھوکہ کے گھر سے ہٹا کر ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف لگا دو۔ ان چیزوں پر اہتمام کرنے سے تم دنیا میں عزّت کی زندگی گزارو گے، آخرت میں بے فکر اور اِعزاز و اِکرام کے ساتھ پہنچو گے، اور جنت جو نعمتوں کا گھر ہے اُس میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ رَبُّ الْعِزَّت کے پڑوس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ اس باندی کے آقا نے باندی سے خطاب کر کے پوچھا کہ تُو نے شیخ کی باتیں سُن لیں یہ سچ ہیں یا نہیں۔ باندی نے کہا بالکل سچ ہیں، شیخ نے بڑی نصیحت اور خیر خواہی اور بھلائی کی بات بتائی ہے۔ آقا نے کہا کہ اچھا تو تُو اَب آزاد ہے اور اتنا اتنا سامان تیری نَذر ہے۔ اور اپنے سب غلاموں سے کہا کہ تم بھی سب آزاد ہو، اور میرے مال میں سے اتنا اتنا مال تمہاری نَذر ہے۔ اور میرا یہ گھر اور جو کچھ مال اس میں ہے سب اللہ کی راہ میں صدقہ ہے۔ اور گھر کے دروازہ پر ایک موٹے سے کپڑے کا پردہ پڑا ہوا تھا، اُس کو اُتار کر اپنے بدن پر لپیٹ لیا، اور اپنا سارا لباس فاخرہ اُتار کر صدقہ کر دیا۔ اُس باندی نے کہا کہ میرے آقا تمہارے بعد

میرے لئے بھی یہ زندگی اب خوشگوار نہیں ہے، اور اُس نے بھی ایک موٹا سا کپڑا پہن کر اپنا سارا زیب و زینت کا لباس اور اپنا سارا مال و متاع صدقہ کر کے، آقا کے ساتھ ہی ہولی۔ اور مالک بن دینارؒ ان کو دعائیں دیتے ہوئے اُن سے رخصت ہو گئے اور وہ دونوں اس سارے عیش و عشرت کو طلاق دے کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔ غَفَرَ اللّٰہُ لَنَا وَلَھُمْ۔ (روض)

(۵۷) جعفر بن سُلیمانؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت مالک بن دینارؒ کے ساتھ ایک دفعہ بصرہ میں چل رہا تھا۔ ایک عالیشان محل پر گذر ہوا، جس کی تعمیر جاری تھی اور ایک نوجوان بیٹھا ہوا معماروں کو ہدایات دے رہا تھا کہ یہاں یہ بنے گا، وہاں اس طرح بنے گا۔ مالک بن دینارؒ اُس نوجوان کو دیکھ فرمانے لگے کہ یہ شخص کیسا حسین نوجوان ہے اور کس چیز میں پھنس رہا ہے۔ اس کو اس تعمیر میں کیسا انہماک ہے۔ میری طبیعت پر یہ تقاضا ہے کہ میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے اس نوجوان کے لئے دُعا کروں کہ وہ اس کو اس جھگڑے سے چھڑا کر اپنا مخلص بندہ بنالے۔ کیسا اچھا ہو اگر یہ جنت کے نوجوانوں میں بن جائے۔ جعفر چل اس نوجوان کے پاس چلیں۔ جعفر کہتے ہیں کہ ہم دونوں اُس نوجوان کے پاس گئے۔ اُس کو سلام کیا، اُس نے سلام کا جواب دیا (وہ مالکؒ سے واقف تھا) مگر مالکؒ کو پہچانا نہیں۔ تھوڑی دیر میں پہچانا تو کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا کیسے تشریف آوری ہوئی۔ مالکؒ نے فرمایا۔ تم نے اپنے اس مکان میں کسقدر روپیہ لگانے کا ارادہ کیا ہے۔ اُس نے کہا۔ ایک لاکھ درم۔ مالکؒ نے فرمایا کہ اگر تم یہ ایک لاکھ دِرم مجھے دے دو تو میں تمہارے لئے جنت میں ایک مکان کا ذمہ لیتا ہوں۔ جو اس سے بدرجہا بہتر ہوگا اور اُس میں حَشَم و خَدَم بہت سے ہوں گے۔ اُس میں خیمے اور قبے سُرخ یاقوت کے ہوں گے جن پر موتی جڑے ہوتے ہوں گے۔ اس کی مٹی زعفران کی ہوگی۔ اُس کا گارا مشک سے بنا ہوگا جس کی خوشبو میں مہکتی ہوں گی۔ وہ کبھی نہ پرانا ہوگا نہ ٹوٹے گا۔ اس کو معمار نہیں بنائیں گے بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ کے اَمرِ کُن سے تیار ہو جائے گا۔ اُس نوجوان نے کہا۔ مجھے سوچنے کے لئے آج رات کی مہلت دی جئے۔ کل صبح آپ تشریف لاویں تو میں اس کے متعلق اپنی رائے عرض کروں گا۔ حضرت مالکؒ واپس چلے آئے اور رات بھر اُس نوجوان کے فکر اور سوچ میں رہے، آخر شب میں اس کے لئے بہت عاجزی سے دُعا کی۔ جب صبح ہوئی تو ہم دونوں اُس کے مکان پر گئے۔ وہ نوجوان دروازہ سے باہر ہی انتظار میں بیٹھا تھا اور جب حضرت مالکؒ کو دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ حضرت مالکؒ نے فرمایا۔ تمہاری کل کی بات میں کیا رائے رہی۔ اُس نوجوان نے کہا کہ آپ اس چیز کو پورا کریں گے جس کا کل آپ نے وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت

مالکؒ نے فرمایا ضرور۔ اُس نے دراہم کے توڑے سامنے لاکر رکھ دیئے اور دوات قلم لاکر رکھ دیا۔ حضرت مالکؒ نے ایک پرچہ لکھا جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھا کہ یہ اقرار نامہ ہے کہ مالک بن دینار نے فلاں شخص سے اس کا ذِمّہ لیا ہے کہ اُس کے اس محل کے بدلہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں اُس کو ایسا ایسا محل جس کی صفت اُوپر بیان کی گئی (جو جو صفات اُس مکان کی اُوپر گذریں وہ سب لکھنے کے بعد لکھا) ملے گا بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ عمدہ اور بہتر جو عمدہ سایہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کے قریب ہوگا۔ یہ پرچہ لکھ کر اُس کے حوالہ کر دیا اور ایک لاکھ درم اُس سے لے کر چلے آئے۔ جعفرؒ کہتے ہیں کہ شام کو حضرت مالکؒ کے پاس اُس میں سے اتنا بھی باقی نہ تھا کہ ایک وقت کے کھانے ہی کا کام چل سکے۔ اس واقعہ کو چالیس دن بھی نہ گذرے تھے کہ ایک دن حضرت مالکؒ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو مسجد کی محراب میں ایک پرچہ پڑا دیکھا۔ یہ وہی پرچہ تھا جو مالکؒ نے اس نوجوان کو لکھ کر دیا تھا اور اُس کی پشت پر بغیر روشنائی کے لکھا ہوا تھا کہ یہ اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے مالک بن دینارؒ کے ذِمّہ کی برأت ہے۔ جس مکان کا تم نے اس جوان سے ذمّہ لیا تھا وہ ہم نے اُس کو پورا پورا دے دیا اور اُس سے ستّر گُنے زیادہ دیدیا حضرت مالکؒ اُس پرچہ کو پڑھ کر متحیر ہوئے۔ اس کے بعد ہم اُس نوجوان کے مکان پر گئے تو وہاں مکان پر سیاہی کا نشان تھا (جو سوگ کی علامت کے طور پر لگایا ہوگا) اور رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ہم نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ اُس نوجوان کا کل گذشتہ انتقال ہو گیا۔ ہم نے پوچھا کہ اُس کا غسلِ میت کس نے دیا تھا۔ اُس کو بُلایا گیا۔ ہم نے اُس سے اُسکے نہلانے اور کفنانے کی کیفیت پوچھی۔ اُس نے کہا کہ اُس نوجوان نے اپنے مرنے سے پہلے مجھے ایک پرچہ دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ جب تُو مجھے نہلا کر کفن پہنائے تو یہ پرچہ اُس میں رکھ دینا۔ میں نے اُس کو نہلایا، کفنایا اور وہ پرچہ اُس کے کفن کے اور بدن کے درمیان میں رکھ دیا۔

حضرت مالکؒ نے وہ پرچہ اپنے پاس سے نکال کر اُس کو دکھایا۔ وہ کہنے لگا کہ یہ وہی پرچہ ہے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے اس کو موت دی، یہ پرچہ میں نے خود اُس کے کفن کے اندر رکھا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ایک دوسرا نوجوان اُٹھا اور کہنے لگا کہ مالکؒ! آپ مجھ سے دو لاکھ درم لے لیجئے اور مجھے بھی پرچہ لکھ دیجئے۔ حضرت مالکؒ نے فرمایا کہ وہ بات دُور چلی گئی۔ اب نہیں ہو سکتا۔ اللہ جلّ شانہٗ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اس کے بعد جب بھی مالکؒ اُس نوجوان کا ذکر فرماتے تو رونے لگتے، اور اُس کے لئے دُعا کرتے تھے۔ (روض)

بُزرگوں کو اس قسم کے واقعات بہت کثرت سے پیش آتے ہیں کہ جوش میں کوئی بات زبان سے نکل گئی، حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو اسی طرح پورا فرماتے ہیں۔ جس کو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاک اِرشاد میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا کہ بہت سے بکھرے ہوئے بالوں والے غبار آلودہ لوگ جن کو لوگ اپنے دروازہ سے ہٹادیں اوران کی پرواہ بھی نہ کریں، ایسے ہیں کہ اگر اللہ جَلَّ شَانُہٗ پر کسی بات کی قسم کھالیں تو وہ ان کی بات کو پورا کرے (مسلم شریف)۔

(۵۸) محمد بن سماکؒ فرماتے ہیں کہ بنو اُمَیَّہ کے لوگوں میں موسیٰ بن محمد بن سلیمانی الہاشمی بہت ہی ناز پروردہ رئیس تھا۔ دِل کی خواہشات پوری کرنے میں ہر وقت مُنہمک رہتا۔ کھانے میں، پینے میں، لباس میں، لَہو ولَعِب میں، خواہشات اور لذّات کی ہر نوع میں اعلیٰ درجہ پر تھا۔ لڑکے لڑکیوں میں ہر وقت مُنہمک رہتا نہ اُس کو کوئی غم تھا نہ فکر۔ خود بھی نہایت ہی حسین چاند کے ٹکڑے کی طرح سے تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی ہر نوع کی دُنیوی نعمت اس پر پُوری تھی۔ اس کی آمدنی تین لاکھ تین ہزار دینار (اشرفیاں) سالانہ تھی، جو ساری کی ساری اسی لَہو ولَعِب میں خرچ ہوتی تھی۔ ایک اونچا بالاخانہ تھا جس میں کئی کھڑکیاں تو شارع عام کی طرف کھلی ہوئی تھیں جن پر بیٹھ کر وہ راستہ چلنے والوں کے نظارے کرتا۔ اور کئی کھڑکیاں دوسری جانب باغ کی طرف کھلی ہوئی تھیں جن میں بیٹھ کر وہ باغ کی ہوائیں کھاتا، خوشبوئیں سونگھتا۔ اُس بالاخانہ میں ایک ہاتھی دانت کا قُبّہ تھا جو چاندی کی میخوں سے جڑا ہوا تھا اور سونے کا اُس پر جھول تھا۔ اس کے اندر ایک تخت تھا جس پر موتیوں کی چادر بھی اور اُس ہاشمی کے سر پر موتیوں کا جڑاؤ عِمامہ تھا۔ اُس قُبّہ میں اُس کے یار احباب جمع رہتے۔ خُدّام ادب سے پیچھے کھڑے رہتے، سامنے ناچنے گانے والیاں قُبّہ سے باہر مُجتمع رہتیں۔ جب گانا سُننے کو دل چاہتا، وہ سِتار کی طرف ایک نظر اُٹھاتا اور سب حاضر ہوجاتیں اور جب بند کرنا چاہتا ہاتھ سے سِتار کی طرف اِشارہ کردیتا، گانا بند ہوجاتا۔ رات کو ہمیشہ جب تک نیند نہ آتی یہی شُغل رہتا اور جب (شراب کے نشہ سے) اُس کی عقل جاتی رہتی، یارانِ مجلس اُٹھ کر چلے جاتے، وہ جونسی لڑکی کو چاہتا پکڑ لیتا اور رات بھر اُس کے ساتھ خلوت کرتا۔ صبح کو وہ شطرنج چوسر وغیرہ میں مشغول ہوجاتا۔ اُس کے سامنے کوئی رنج وغم کی بات، کسی کی موت، کسی کی بیماری کا تذکرہ بالکل نہ آتا۔ اُس کی مجلس میں ہر وقت ہنسی اور خوشی کی باتیں، ہنسانے والے قِصّے اور اسی قسم کے تذکرے رہتے۔ ہر دن نئی نئی خوشبوئیں جو اس زمانہ میں کہیں ملتیں وہ روزانہ اُس کی مجلس

میں آتیں، عمدہ عمدہ خوشبوؤں کے گلدستے وغیرہ حاضر کئے جاتے۔ اسی حالت میں اس کے ستائیس برس گذرے۔ ایک رات کو وہ حسبِ معمول اپنے قبہ میں تھا، دفعۃً اس کے کان میں ایک ایسی سُریلی آواز پڑی جو اُس کے گانے والوں کی آواز سے بالکل جُدا تھی لیکن بڑی دلکش تھی۔ اُس کی آواز نے کان میں پڑتے ہی اُس کو بے چین سا کر دیا۔ اپنے گانے والوں کو بند کر دیا۔ اور قبہ کی کھڑکی سے باہر سر نکال کر اُس آواز کو سُننے لگا۔ وہ آواز کبھی کان میں پڑ جاتی کبھی بند ہو جاتی۔ اُس نے اپنے خُدّام کو حکم دیا کہ یہ آواز جس شخص کی آرہی ہے اُس کو پکڑ کے لاؤ، شراب کا دَور چل رہا تھا۔ خُدّام جلدی سے اس آواز کی طرف دوڑے اور اُس آواز کو تلاش کرتے کرتے ایک مسجد میں پہنچے، جہاں ایک جوان، نہایت ضعیف بدن، زرد رنگ، گردن سوکھی ہوئی، ہونٹوں پر خشکی آئی ہوئی، بال پراگندہ، پیٹ کمر سے لگا ہوا، دو ایسی چھوٹی چھوٹی لُنگیاں اس کے بدن پر کہ ان سے کم میں بدن نہ ڈھک سکے، مسجد میں کھڑا ہوا اپنے رب کے ساتھ مشغول، تلاوت کر رہا ہے، یہ لوگ اُس کو پکڑ کر لے گئے، نہ اُس سے کچھ کہا نہ بتایا۔ ایک دم اس کو مسجد سے نکال کر وہاں بالاخانہ پر لیجا کر اُس کے سامنے پیش کر دیا کہ حضور یہ حاضر ہے۔ وُہ شراب کے نشہ میں کہنے لگا یہ کون شخص ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور یہ وہی شخص ہے جسکی آواز آپ نے سُنی تھی۔ اُس نے پوچھا کہ تم اسکو کہاں سے لائے ہو، وہ کہنے لگے حضور مسجد میں تھا، کھڑا ہوا قرآن پڑھ رہا تھا۔ اُس رئیس نے اس فقیر سے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہے تھے اُس نے اعوذ باللہ پڑھ کر یہ آیتیں بتائیں إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ۝ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ۝ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ۝ خِتَامُهُ مِسْكٌ ۚ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝ وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ ۝ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۝ (سورۃ المطففین) جن کا ترجمہ یہ ہے۔ "بیشک نیک لوگ (جنّت کی) بڑی نعمتوں میں ہوں گے مسہریوں پر بیٹھے ہوئے (جنّت کے عجائب) دیکھتے ہوں گے۔ اے مخاطب تُو ان کے چہروں پر نعمتوں کی شادابی سرسبزی محسوس کرے گا اور اُن کو پینے کے لئے خالص شراب سربمہر جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی (ایک دوسرے پر) حرص کرنیوالوں کو ایسی ہی چیزوں میں حرص کرنا چاہیئے (کہ یہ نعمتیں کس کو زیادہ ملتی ہیں اور ان کا ملنا اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے ان اعمال میں حرص کرنا چاہیئے جن سے یہ نعمتیں حاصل ہوں) اور اُس شراب کی آمیزش تسنیم کے پانی سے ہوگی (شراب میں کوئی چیز ملائی جاتی ہے تو اُس سے اُس کا جوش زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ تسنیم

جنّت کا) ایک ایسا چشمہ ہے جس سے مُقرّب لوگ پانی پیتے ہیں (یعنی اُس چشمہ کا پانی مُقرّب لوگوں کو تو خالص ملیگا اور نیک لوگوں کی شراب میں اس میں سے تھوڑا سا مِلا دیا جائے گا) اس کے بعد اُس فقیر نے کہا۔ ارے دھوکہ میں پڑے ہوئے تیرے اِس محل کو، تیرے اس بالاخانہ کو، تیرے اِن فرشتوں کو اُن سے کیا مُناسبت۔ وہ بڑی اُونچی مسہریاں ہیں جن پر فرش بچھے ہوئے ہیں، ایسے فرش جو بہت بلند ہیں (الواقعہ ع ۱) ان کے اَستر دَبیز ریشم کے ہوں گے (الرحمٰن ع ۳)۔ وہ لوگ سبز مُشجّر اور عجیب وغریب خوبصورت کپڑوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں (الرحمٰن ع ۳)۔ اللہ کا ولی ان مسہریوں پر سے ایسے دو چشموں کو دیکھے گا جو دو باغوں میں جاری ہوں گے (الرحمٰن۔ ع ۳) ان دونوں باغوں میں ہر قسم کے میوے کی دو دو قسمیں ہونگی (کہ ایک ہی قسم کے میوے کے دو مزے ہوں گے) (الرحمٰن۔ ع ۳)۔ وہ میوے نہ تو ختم ہوں گے نہ اُنکی کچھ روک ٹوک ہوگی (جیسا کہ دُنیا میں باغ والے توڑنے سے روکتے ہیں) (واقعہ ع ۱)۔ وہ لوگ پسندیدہ زندگی میں بہت بلند مقام پر جنّت میں ہوں گے (الحاقہ۔ ع ۱)۔ ایسی عالی مقام جنّت میں ہوں گے جہاں کوئی لَغو بات نہ سُنیں گے اسمیں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے اور اُس میں اُونچے اُونچے تخت بچھے ہوئے ہوں گے اور آبخورے رکھے ہوئے ہوں گے اور برابر گدے لگے ہوتے ہوں گے اور سب طرف قالین ہی قالین پھیلے ہوئے پڑے ہوں گے (کہ جہاں چاہیں بیٹھیں ساری ہی جگہ صدر نشین ہے)۔ (غاشیہ)۔ وہ لوگ سایوں اور چشموں میں رہتے ہوں گے (والمرسلات ع ۲)۔ اُس جنّت کے پھل ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (کبھی ختم نہ ہوں گے) اُس کا سایہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا۔ یہ تو انجام ہے مُتّقی لوگوں کا اور کافروں کا انجام دوزخ ہے (رعد۔ ع ۵) وہ کیسی سخت آگ ہوگی (اللہ تعالےٰ ہی محفوظ رکھے) بیشک مُجرم لوگ جہنّم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے وہ عذاب کسی وقت بھی ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ لوگ اُس میں مایوس پڑے رہیں گے (زخرف۔ ع ۶)۔ بیشک مجرم لوگ بڑی گمراہی اور (حماقت کے) جنون میں پڑے ہوئے ہیں (اُن کو اپنی حماقت اُس دن معلوم ہوگی) جس دن منّہ کے بل گھسیٹ کر جہنّم میں پھینک دیئے جائیں گے (اور اُن سے کہا جائے گا کہ) دوزخ کی آگ لگنے کا (اس میں جلنے کا مزہ چکھو (قمر۔ ع ۳)۔ وہ لوگ آگ میں اور کھولتے ہوئے پانی میں اور کالے دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے (واقعہ۔ ع ۱)۔ مجرم آدمی اس بات کی تمنّا کرے گا کہ اُس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں کو، بیوی کو، بھائی کو اور سارے کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام روئے زمین کے آدمیوں

کو اپنے فدیہ میں دے دے، پر کسی طرح عذاب سے بچ جائے۔ لیکن یہ ہرگز ہرگز نہ ہوگا۔ وہ آگ ایسی شعلہ والی ہے کہ بدن کی کھال تک اُتار دے گی، اور وہ آگ ایسے شخص کو خود بلا دے گی جس نے (دُنیا میں حق سے) پیٹھ پھیری ہوگی، اور (اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے) بے رُخی کی ہوگی اور (ناحق) مال جمع کیا ہوگا اور اُس کو اُٹھا کر حفاظت سے رکھا ہوگا (معارج ۔ ع ۱)۔ یہ شخص نہایت سخت مُشَقّت میں ہوگا اور نہایت سخت عذاب میں اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے غصّہ میں ہوگا اور یہ لوگ اُس عذاب سے کبھی نکلنے والے نہیں ہوں گے (اس کلام میں اس فقیر نے جنّت اور دوزخ کی بہت سی آیات کی طرف اِشارہ کر دیا جن کی سورت اور رکوع کا حوالہ لکھ دیا گیا۔ پوری آیات مُترجَم قرآن شریف سے دیکھی جا سکتی ہیں۔

وہ ہاشمی رئیس، فقیر کا کلام سُن کر اپنی جگہ سے اُٹھا اور فقیر سے مُعانقہ کیا اور خوب چلّا کر رویا، اور اپنے سب اہلِ مجلس کو کہہ دیا کہ تم سب چلے جاؤ اور فقیر کو ساتھ لے کر صحن میں گیا اور ایک بوریئے پر بیٹھ گیا اور اپنی جوانی پر نَوحہ کرتا رہا اپنی حالت پر روتا رہا اور فقیر اُس کو نصیحت کرتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اُس نے اپنے سب گناہوں سے اوّل فقیر کے سامنے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے اس کا عہد کیا کہ آئندہ کبھی کوئی گناہ نہ کرے گا۔ پھر دوبارہ دن میں سارے مَجمَع کے سامنے توبہ کی اور مسجد کا کونہ سنبھال کر اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی عبادت میں مشغول ہوگیا اور اپنا وہ سارا ساز و سامان، مال و متاع سب فروخت کر کے صدقہ کر دیا اور تمام نوکروں کو موقوف کر دیا۔ اور جتنی چیزیں ظلم و ستم سے لی تھیں سب اہلِ حُقوق کو واپس کیں۔ غلام اور باندیوں میں سے بہت سے آزاد کئے اور بہت سے فروخت کر کے ان کی قیمت صدقہ کر دی، اور موٹا لباس اور جَو کی روٹی اِختیار کی۔ تمام رات نماز پڑھتا، دن کو روزہ رکھتا۔ حتّٰی کہ بُزرگ اور نیک لوگ اُس کے پاس اُس کی زیارت کو آنے لگے اور اتنا مُجاہدہ اُس نے شروع کر دیا کہ لوگ اُس کو اپنے حال پر رحم کھانے کی اور مُشَقّت میں کمی کرنے کی فرمائش کرتے۔ اور اُس کو سمجھاتے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نہایت کریم ہیں وہ تھوڑی محنت پر بہت زیادہ اجر عطا فرماتے ہیں۔ مگر وہ کہتا کہ دوستو میرا حال مجھی کو معلوم ہے میں نے اپنے مولیٰ کی رات دن نافرمانیاں کی ہیں۔ بڑے سخت سخت گناہ کئے ہیں، یہ کہہ کر وہ رونے لگتا اور خوب روتا۔ اسی حالت میں ننگے پاؤں پیدل حج کو گیا۔ ایک موٹا کپڑا بدن پر تھا۔ ایک پیالہ اور ایک تھیلہ صرف ساتھ تھا۔ اسی حالت میں مکّہ مکرمہ پہنچا اور حج کے بعد وہیں قیام کر لیا۔ وہیں انتقال ہوا۔ رَحِمَہُ اللہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً۔ مکّہ کے قیام

میں رات کو حطیم میں جاکر خوب روتا اور گڑگڑاتا، اور کہتا کہ میرے مولا میری کتنی خلوتیں ایسی گذر گئیں جن میں مَیں نے تیرا خیال بھی نہ کیا۔ مَیں نے کتنے بڑے بڑے گناہوں سے تیرا مقابلہ کیا۔ میرے مولیٰ میری نیکیاں ساری جاتی رہیں (کہ کچھ بھی نہ کمایا) اور میرے گناہ میرے ساتھ رہ گئے۔ ہلاکت ہے میرے لئے اُس دن جس دن تجھ سے ملاقات ہوگی (یعنی مرنے کے بعد) میرے لئے ہلاکت پر ہلاکت ہے یعنی بہت زیادہ ہلاکت ہے اس دن جس دن میرے اَعمال نامے کھولیں جائیں گے، آہ وہ میری رسوائیوں سے بھرے ہوئے ہوں گے، وہ میرے گناہوں سے پُر ہوں گے بلکہ تیری ناراضی سے مجھ پر ہلاکت اُتر چکی ہے اور تیرا عِتاب مجھ پر ہلاکت ہے جو تیرے ان اِحسانوں پر ہوگا، جو ہمیشہ تُو نے مجھ پر کئے، اور تیری ان نعمتوں پر ہوگا جن کا ہمیشہ مَیں نے گناہوں سے مقابلہ کیا اور تُو میری ساری حرکتوں کو دیکھ رہا تھا۔ میرے آقا تیرے سوا میرا کونسا ٹھکانا ہے جہاں بھاگ کر چلا جاؤں۔ تیرے سوا کون شخص ایسا ہے جس سے اِلتجا کروں۔ تیرے سوا کون ہے جس پر کسی قسم کا بھروسہ کروں۔ میرے آقا مَیں اس قابل ہرگز نہیں ہوں کہ تجھ سے جنّت کا سُوال کروں، البتہ محض تیرے کرم سے، تیری عطاسے، تیرے فضل سے اس کی تمنا کرتا ہوں کہ تُو مجھ پر رحم فرمادے اور میرے گناہ معاف فرمادے۔ فَإِنَّكَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (روض)۔

(۵۹) ہارون رشیدؒ کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر تقریباً سولہ سال کی تھی۔ وہ بہت کثرت سے زاہدوں اور بُزرگوں کی مجلس میں رہا کرتا تھا اور اکثر قبرستان چلا جاتا۔ وہاں جاکر کہتا کہ تم لوگ ہم سے پہلے دُنیا میں تھے، دُنیا کے مالک تھے لیکن اُس دُنیا نے تمہیں نجات نہ دی حتیٰ کہ تم قبروں میں پہنچ گئے۔ کاش مجھے کسی طرح خبر ہوتی کہ تم پر کیا گذر رہی ہے اور تم سے کیا کیا سوال وجواب ہوئے ہیں اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتا ہے

تُرَوِّعُنِي الْجَنَائِزُ كُلَّ يَوْمٍ وَيُحْزِنُنِي بُكَاءُ النَّائِحَاتِ

"مجھے جنازے ہر دن ڈراتے ہیں اور مرنے والوں پر رونے والیوں کی آوازیں مجھے غمگین رکھتی ہیں۔" ایک دن وہ اپنے باپ (بادشاہ) کی مجلس میں آیا۔ اُس کے پاس وزراء اُمراء سب جمع تھے اور لڑکے کے بدن پر ایک کپڑا معمولی اور سر پر ایک لُنگی بندھی ہوئی تھی۔ ارکینِ سلطنت آپس میں کہنے لگے کہ اس پاگل لڑکے کی حرکتوں نے اَمیرُ المُؤمنین کو بھی دوسرے بادشاہوں کی

نگاہ میں ذلیل کر دیا۔ اگر امیر المؤمنین اس کو تنبیہ کریں تو شاید یہ اپنی اس حالت سے باز آجائے۔
امیر المؤمنین نے یہ بات سن کر اس سے کہا کہ بیٹا تو نے مجھے لوگوں کی نگاہ میں ذلیل کر رکھا ہے۔
اُس نے یہ بات سن کر باپ کو تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن ایک پرند وہاں بیٹھا تھا اُس کو کہا کہ اُس ذات
کا واسطہ جس نے تجھے پیدا کیا تو میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ جا۔ وہ پرند وہاں سے اُڑ کر اُس کے ہاتھ پر آکر
بیٹھ گیا۔ پھر کہا کہ اب اپنی جگہ چلا جا۔ وہ ہاتھ پر سے اڑ کر اپنی جگہ چلا گیا۔ اُس کے بعد اُس نے عرض
کیا کہ ابا جان اصل میں آپ دُنیا سے جو محبّت کر رہے ہیں اس نے مجھے رسوا کر رکھا ہے۔ اب میں نے
یہ ارادہ کر لیا ہے کہ آپ سے جُدائی اختیار کر لوں۔ یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا اور ایک قرآن شریف صرف
اپنے ساتھ لیا۔ چلتے ہوئے ماں نے ایک بہت قیمتی انگوٹھی بھی اُس کو دے دی (کہ احتیاج کے وقت
اُس کو فروخت کر کے کام میں لائے) وہ یہاں سے چل کر بصرہ پہنچ گیا اور مزدوروں میں کام کرنے لگا۔
ہفتہ میں صرف ایک دن شنبہ کو مزدوری کرتا، اور آٹھ دن تک وہ مزدوری کے پیسے خرچ کرتا اور آٹھویں
دن پھر شنبہ کو مزدوری کر لیتا، اور ایک دِرَم اور ایک دانق (یعنی دِرَم کا چھٹا حصّہ) مزدوری
لیتا، اس سے کم یا زیادہ نہ لیتا۔ ایک دانق روزانہ خرچ کرتا۔ ابُو عامر بصریؒ کہتے ہیں کہ میری ایک
دیوار گر گئی تھی۔ اُس کو بنوانے کے لئے میں کسی معمار کی تلاش میں نکلا (کسی نے بتایا ہو گا کہ یہ شخص
بھی تعمیر کا کام کرتا ہے) میں نے دیکھا کہ نہایت خوبصورت لڑکا بیٹھا ہے، ایک زنبیل پاس
رکھی ہے اور قرآن شریف دیکھ کر پڑھ رہا ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ لڑکے مزدوری کرو گے۔ کہنے
لگا کیوں نہیں کریں گے۔ مزدوری کے لئے تو پیدا ہی ہوئے ہیں۔ آپ بتائیں کیا خدمت مجھ سے لینی
ہے۔ میں نے کہا۔ گارے مٹی (تعمیر) کا کام لینا ہے۔ اُس نے کہا کہ ایک دِرَم اور ایک دانق مزدوری
ہو گی اور نماز کے اوقات میں کام نہیں کروں گا مجھے نماز کے لئے جانا ہو گا۔ میں نے اُس کی دونوں
شرطیں منظور کر لیں اور اُس کو لا کر کام پر لگا دیا۔ مغرب کے وقت جب میں نے دیکھا تو اُس نے دس
آدمیوں کی بقدر کام کیا۔ میں نے اس کو مزدوری میں دو دِرَم دیئے۔ اُس نے شرط سے زائد لینے
سے انکار کر دیا اور ایک دِرَم اور ایک دانق لے کر چلا گیا۔ دوسرے دن میں پھر اُس کی تلاش
میں نکلا۔ وہ مجھے کہیں نہ ملا۔ میں نے لوگوں سے تحقیق کیا کہ ایسی ایسی صورت کا ایک لڑکا مزدوری
کیا کرتا ہے، کسی کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ملے گا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ صرف شنبہ ہی کے دن مزدوری

کرتا ہے۔ اس سے پہلے تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔ مجھے اُس کے کام کو دیکھ کر ایسی رغبت ہوئی کہ مَیں نے آٹھ دن کو اپنی تعمیر بند کر دی اور شنبہ کے دن اُس کی تلاش کو نکلا۔ وہ اُسی طرح بیٹھا قرآن شریف پڑھتا ہوا ملا۔ مَیں نے سلام کیا اور مزدوری کرنے کو پوچھا۔ اُس نے وہی پہلی دو شرطیں بیان کیں۔ مَیں نے منظور کر لیں۔ وہ میرے ساتھ آکر کام میں لگ گیا۔ مجھے اس پر حیرت ہو رہی تھی کہ پچھلے شنبہ کو اس اکیلے نے دس آدمیوں کا کام کس طرح کر لیا۔ اس لئے اس مرتبہ مَیں نے ایسی طرح چھپ کر کہ وہ مجھے نہ دیکھے، اُس کے کام کرنے کا طریقہ دیکھا تو یہ منظر دیکھا کہ وہ ہاتھ میں گارا لے کر دیوار پر ڈالتا ہے اور پتھر اپنے آپ ہی ایک دوسرے کے ساتھ جڑتے چلے جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی اللہ کا ولی ہے، اور اللہ کے اَولیاء کے کاموں کی غیب سے مدد ہوتی ہی ہے۔ جب شام ہوئی تو مَیں نے اس کو تین دِرَم دینا چاہے اُس نے لینے سے انکار کر دیا کہ مَیں اتنے دِرَم کیا کروں گا اور ایک دِرَم اور ایک دانق لے کر چلا گیا۔ مَیں نے ایک ہفتہ پھر انتظار کیا اور تیسرے شنبہ کو پھر مَیں اُس کی تلاش میں نکلا مگر وہ مجھے نہ ملا۔ مَیں نے لوگوں سے تحقیق کیا۔ ایک شخص نے بتایا کہ وہ تین دن سے بیمار ہے، فلاں ویرانہ جنگل میں پڑا ہے۔ مَیں نے ایک شخص کو اُجرت دے کر اس پر راضی کیا کہ وہ مجھے اُس جنگل میں پہنچا دے۔ وہ مجھے ساتھ لے کر اُس جنگل ویران میں پہنچا تو مَیں نے دیکھا کہ وہ بے ہوش پڑا ہے۔ آدھی اینٹ کا ٹکڑا سر کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ مَیں نے اس کو سلام کیا، اُس نے جواب نہ دیا۔ مَیں نے دوسری مرتبہ سلام کیا تو اُس نے (آنکھ کھولی اور) مجھے پہچان لیا۔ مَیں نے جلدی سے اُس کا سر اینٹ پر سے اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اُس نے سر ہٹا لیا اور چند شعر پڑھے جن میں سے دو یہ ہیں ؎

یَا صَاحِبِیْ لَا تَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمٍ ۔۔۔ فَالْعُمْرُ یَنْفَدُ وَالنَّعِیْمُ یَزُوْلُ
وَاِذَا حَمَلْتَ اِلَی الْقُبُوْرِ جَنَازَۃً ۔۔۔ فَاعْلَمْ بِاَنَّکَ بَعْدَھَا مَحْمُوْلُ

"میرے دوست دُنیا کی نعمتوں سے دھوکہ میں نہ پڑ، عمر ختم ہوتی جا رہی ہے، اور یہ نعمتیں سب ختم ہو جائیں گی جب تو کوئی جنازہ لے کر قبرستان میں جائے، تو یہ سوچتا رہا کر کہ تیرا بھی ایک دن اسی طرح جنازہ اُٹھایا جائے گا"

اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ ابُوعامر جب میری روح نکل جائے تو مجھے نہلا کر میرے اسی کپڑے میں مجھے کفن دے دینا۔ مَیں نے کہا۔ میرے محبوب اس میں کیا حرج ہے کہ میں تیرے کفن کے

لئے نئے کپڑے لے آؤں۔ اُس نے جواب دیا کہ نئے کپڑوں کے لئے زندہ لوگ زیادہ مستحق ہیں (یہ جواب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا جواب ہے۔ انہوں نے بھی اپنے وصال کے وقت یہی فرمائش کی تھی کہ میری انہی چادروں میں کفن دے دینا، اور جب ان سے نئے کپڑے کی اجازت چاہی گئی تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا)۔ لڑکے نے کہا کہ کفن تو (پرانا ہو یا نیا، بہرحال) بوسیدہ ہو جائے گا۔ "آدمی کے ساتھ تو صرف اُس کا عمل ہی رہتا ہے اور یہ میری لنگی اور لوٹا قبر کھودنے والے کو مزدوری میں دے دینا، اور یہ انگوٹھی اور قرآن شریف ہارون رشید تک پہنچا دینا۔ اور اس کا خیال رکھنا کہ خود انہیں کے ہاتھ میں دینا۔ اور یہ کہہ کر دینا کہ ایک پردیسی لڑکے کی یہ میرے پاس امانت ہے، اور وہ آپ سے یہ کہہ گیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اسی غفلت اور دھوکہ کی حالت میں آپ کی موت آجائے۔ یہ کہہ کر اُس کی رُوح نکل گئی۔ اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ لڑکا شہزادہ تھا۔ اُس کے انتقال کے بعد اُس کی وصیت کے موافق میں نے اُس کو دفن کر دیا اور دونوں چیزیں گورکن کو دے دیں، اور قرآن پاک اور انگوٹھی لے کر بغداد پہنچا۔ اور قصرِ شاہی کے قریب پہنچا تو بادشاہ کی سواری نکل رہی تھی۔ میں ایک اونچی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اوّل ایک بہت بڑا لشکر نکلا جس میں تقریباً ایک ہزار گھوڑے سوار تھے۔ اُس کے بعد اُسی طرح یکے بعد دیگرے دس لشکر نکلے۔ ہر ایک میں تقریباً ایک ہزار سوار تھے۔ دسویں جتھے میں خود امیر المومنین بھی تھے۔ میں نے زور سے آواز دے کر کہا کہ اے امیر المومنین آپ کو حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قرابت، رشتہ داری کا واسطہ ذرا سا توقف کریجئے میری آواز پر انہوں نے مجھے دیکھا تو میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا کہ میرے پاس ایک پردیسی لڑکے کی یہ امانت ہے جس نے مجھے یہ وصیت کی تھی کہ یہ دونوں چیزیں آپ تک پہنچا دوں۔ بادشاہ نے ان کو دیکھ کر (پہچان لیا) تھوڑی دیر سر جھکایا۔ اُن کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے اور ایک دربان سے کہا کہ اس آدمی کو اپنے ساتھ رکھو، جب میں واپسی پر بُلاؤں تو میرے پاس پہنچا دینا۔

جب وہ باہر سے واپسی پر مکان پر پہنچے تو محل کے پردے گرا کر دربان سے فرمایا اُس شخص کو بُلا کر لاؤ اگرچہ وہ میرا غم تازہ ہی کرے گا۔ دربان میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ امیر المومنین نے بلایا ہے اور اس کا خیال رکھنا کہ امیر پر صدمہ کا بہت اثر ہے، اگر تم دس باتیں کرنا چاہتے ہو تو پانچ ہی پر اکتفا کرنا۔ یہ کہہ کر وہ مجھے امیر کے پاس لے گیا۔ اُس وقت امیر بالکل تنہا بیٹھے تھے۔

مجھ سے فرمایا کہ میرے قریب آجاؤ۔ میں قریب جاکر بیٹھ گیا۔ کہنے لگے کہ تم میرے اس بیٹے کو جانتے ہو۔ میں نے کہا جی ہاں میں ان کو جانتا ہوں۔ کہنے لگے وہ کیا کام کرتا تھا میں نے کہا۔ گارے مٹی کی مزدوری کرتے تھے۔ کہنے لگے تم نے بھی مزدوری پر کوئی کام اُس سے کرایا ہے۔ میں نے کہا کرایا ہے۔ کہنے لگے تمہیں اس کا خیال نہ آیا کہ اُس کی حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے قرابت تھی (کہ یہ حضرات حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد ہیں)۔ میں نے کہا۔ اَمِیرُ الْمُؤمِنِین پہلے اللہ جل شانہٗ سے مَعذرت چاہتا ہوں، اُس کے بعد آپ سے عُذر خواہ ہوں مجھے اُس وقت اس کا علم ہی نہ تھا کہ یہ کون ہیں۔ مجھے ان کے اِنتقال کے وقت ان کا حال معلوم ہوا۔ کہنے لگے کہ تم نے اپنے ہاتھ سے اُس کو غسل دیا۔ میں نے کہا کہ جی ہاں۔ کہنے لگے اپنا ہاتھ لاؤ۔ میرا ہاتھ لے کر اپنے سینہ پر رکھ دیا اور چند شعر پڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔ اے وہ مسافر جس پر میرا دل پگھل رہا ہے اور میری آنکھیں اُس پر آنسو بہا رہی ہیں۔ اے وہ شخص جس کا مکان (قبر) دُور ہے لیکن اُس کا غم میرے قریب ہے۔ بیشک موت ہر اچھے سے اچھے عیش کو مُکدّر کر دیتی ہے۔ وہ مسافر ایک چاند کا ٹکڑا تھا (یعنی اُس کا چہرہ) جو خالص چاندی کی ٹہنی پر تھا (یعنی اُس کے بدن پر) پس چاند کا ٹکڑا بھی قبر میں پہنچ گیا اور چاندی کی ٹہنی بھی قبر میں پہنچ گئی۔

اُس کے بعد ہارون رشید نے بصرہ اُس کی قبر پر جانے کا ارادہ کیا۔ اَبُو عامِرؒ ساتھ تھے۔ اُس کی قبر پر پہنچ کر ہارون رشید نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ "اے وہ مسافر جو اپنے سفر سے کبھی بھی نہ لوٹے گا، موت نے کم عُمری کے ہی زمانہ میں اُس کو جلدی سے اُچک لیا۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک تُو میرے لیے اُنس اور دل کا چین تھا۔ لانبی راتوں میں بھی اور مختصر راتوں میں بھی، تُو نے موت کا وہ پیالہ پیا ہے جس کو عنقریب تیرا بوڑھا باپ بڑھاپے کی حالت میں پیئے گا۔ بلکہ دُنیا کا ہر آدمی اُس کو پیئے گا، چاہے وہ جنگل کا رہنے والا ہو یا شہر کا رہنے والا ہو۔ پس سب تعریفیں اُسی وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ کے لیے ہیں جس کی لکھی ہوئی تقدیر کے یہ کرشمے ہیں۔ اَبُو عامِرؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جو رات آئی تو جب میں اپنے وظائف پورے کر کے لیٹا ہی تھا کہ میں نے خواب میں ایک نُور کا قُبّہ دیکھا جس کے اُوپر اَبر کی طرح نُور ہی نُور پھیل رہا ہے۔ اُس نُور کے اَبر میں سے اُس لڑکے نے مجھے آواز دے کر کہا۔ اَبُو عامِرؒ تمہیں حق تعالیٰ شانہٗ جزائے خیر عطا فرمائے (تم نے میری تجہیز تکفین کی اور

میری وصیّت پوری کی)۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ میرے پیارے تیرا کیا حال گزرا کہنے لگا کہ میں ایسے مولیٰ کی طرف پہنچا ہوں جو بہت کریم ہے اور مجھ سے بہت راضی ہے مجھے اُس مالک نے وہ چیزیں عطا کیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کان نے سُنیں، نہ کسی آدمی کے دل پر ان کا خیال گزرا (یہ ایک مشہور حدیث پاک کا مضمون ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا پاک ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھیں، نہ کان نے سُنیں، نہ کسی کے دِل پر ان کا خیال گزرا)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ تورات میں لکھا ہے کہ حق تعالےٰ شانہٗ نے ان لوگوں کے لئے جن کے پہلو رات کو خواب گاہوں سے دُور رہتے ہیں (یعنی تہجّد گزاروں کے لئے) وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا نہ کسی آدمی کے دِل پر ان کا خیال گزرا نہ اُن کو کوئی مُقرّب فرشتہ جانتا ہے نہ کوئی نبی رسول جانتا ہے۔ اور یہ مضمون قرآن پاک میں بھی ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (سورہ سجدہ۔ ع ۲) کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے (درمنثور) اس کے بعد اُس لڑکے نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ جو بھی دُنیا سے اس طرح نکل آئے جیسا میں نکل آیا اُس کے لئے یہی اعزاز اور اکرام ہیں جو میرے لئے ہوئے۔

صاحبِ روض کہتے ہیں کہ یہ سارا قصہ مجھے اور طریقہ سے بھی پہنچا ہے۔ اُس میں یہ بھی ہے کہ کسی شخص نے ہارون رشید سے اُس لڑکے کے مُتعلّق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بادشاہ ہونے سے پہلے یہ لڑکا پیدا ہوا تھا۔ بہت اچھی تربیت پائی تھی۔ قرآنِ پاک بھی پڑھا تھا اور عُلوم بھی پڑھے تھے۔ جب میں بادشاہ بن گیا تو یہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ میری دُنیا سے اس نے کوئی راحت نہ اُٹھائی۔ چلتے وقت میں نے ہی اسکی ماں سے کہا تھا کہ اس کو یہ انگوٹھی ویدے۔ اس انگوٹھی کا یاقوت بہت زیادہ قیمتی تھا مگر یہ اس کو بھی کام میں نہ لایا۔ مرتے وقت واپس کر گیا یہ لڑکا اپنی والدہ کا بڑا فرمانبردار تھا۔ (روض)

جس باپ کی دُنیا داری سے یہ صاحبزادہ رنجیدہ ہو کر گیا ہے یعنی ہارون رشیدؒ بہت نیک دل بادشاہوں میں ان کا شمار ہے۔ دولت اور ثروت کے ساتھ لغزشیں تو ہو ہی جاتی ہیں۔ لیکن ان

کے دینی کارنامے تاریخ کی کتابوں میں کثرت سے موجود ہیں۔ بادشاہت کے زمانہ میں سو رکعت نفل روزانہ پڑھنے کا معمول مرتے وقت تک رہا اور اپنے ذاتی مال سے ایک ہزار درم روزانہ صدقہ کیا کرتے تھے۔ ایک سال حج کیا کرتے اور ایک سال جہاد میں شرکت کرتے۔ جس سال خود حج کو جاتے اپنے ساتھ سو علماء کو مع ان کے بیٹوں کے حج کو لے کر جاتے اور جس سال خود حج نہ کرتے، تین سو آدمیوں کو ان کے پورے خرچ اور سامان لباس وغیرہ کے ساتھ حج کو بھیجا کرتے۔ جن کو خرچ بھی بہت وسعت سے دیا جاتا اور لباس بھی عمدہ دیا جاتا۔ ویسے بھی عطایا کی بہت کثرت ان کے یہاں تھی۔ سُوال کرنے والوں کے لئے بھی اور بغیر سُوال کے اِبتداءً بھی، عُلماء کا ان کی مجلس میں بہت اِعزاز تھا اور ان سے بہت مُحبّت کرتے تھے۔ ابُو مُعاویہؒ ضَریر مشہور مُحدِّث نابینا نے ایک مرتبہ ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد خود ہارون رشید نے ان کے ہاتھ دُھلائے اور یہ کہا کہ علم کے اعزاز میں مَیں نے دُھلائے ہیں۔

ایک مرتبہ ابُو مُعاویہؒ نے حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسلّم کی حدیث جس میں حضرت آدم اور حضرت موسیٰ عَلَیہِمُ السَّلام کے مُناظرہ کا ذکر تھا بیان کی۔ ایک شخص نے کہہ دیا کہ ان دونوں حضرات کی ملاقات کہاں ہوئی تو بادشاہ کو غصّہ آ گیا اور کہا میری تلوار لاؤ، زِندِیق بد دین حُضورؐ کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے۔ نصیحت کی باتوں پر بہت کثرت سے رونے والے تھے۔ (تاریخ بغداد للخطیب)

(۶۰) ایک مرتبہ ہارون رشیدؒ حج کو جا رہے تھے۔ راستہ میں کوفہ میں چند روز قیام کیا۔ جب وہاں سے روانگی کا وقت ہوا تو لوگ بادشاہ کی سواری کی سیر کے شوق میں شہر سے باہر بہت سے جمع ہو گئے۔ بُہلُول مجنون بھی پہنچ گئے اور راستہ میں ایک کُوڑی پر بیٹھ گئے۔ بچے ان کو ہر وقت ستایا ہی کرتے تھے۔ ڈلے مارتے، مذاق کرتے، وہ حسبِ دستور ان کے گرد جمع ہو گئے۔ جب بادشاہ کی سواری قریب آئی تو بچے تو سب اِدھر اُدھر ہو گئے۔ انہوں نے زور سے آواز دے کر کہا۔ اے اَمیرُ المُؤمِنین اے اَمیرُ المُؤمِنین، ہارون رشید نے سواری کا پردہ اُٹھایا اور کہنے لگے لَبَّیک یا بُہلُولُ لَبَّیک یا بُہلُولُ۔ بُہلول مَیں حاضر ہوں، بُہلول میں حاضر ہوں، کہو کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ مجھ سے اَیمَنؒ نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت قُدامہؓ یہ کہتے ہیں، کہ جب حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم حج کو تشریف لے جا رہے تھے تو مَیں نے منیٰ میں آپ کو ایک اُونٹ پر سوار دیکھا

جس پر معمولی کجاوا تھا۔ نہ لوگوں کو سامنے سے ہٹاتا تھا، نہ ہٹو بچو کا شور تھا۔ امیر المومنین تیرا بھی اس سفر میں تواضع سے چلنا تکبر سے چلنے سے بہتر ہے۔ ہارون رشید یہ سن کر رونے لگے، پھر کہا، بہلول کچھ اور نصیحت کرو، اللہ تعالیٰ شانہٗ تم پر رحم کرے۔ بہلول نے یہ سن کر دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ مان لے تسلیم کر لے کہ تو ساری دنیا کا بادشاہ بن گیا اور ساری دنیا کی مخلوق تیری مطیع ہوگئی، پھر کیا ہوا، کل کو تو بہر حال تیرا ٹھکانہ قبر کا گڑھا ہے۔ ایک ادھر سے مٹی ڈال رہا ہوگا ایک ادھر سے مٹی ڈالتا ہوگا۔ اس پر ہارون رشید پھر بہت روئے اور کہنے لگے، بہلول تم نے بہت اچھی بات کہی، کچھ اور کہو۔ بہلول نے کہا۔ امیر المومنین جس شخص کو حق تعالیٰ شانہٗ مال اور جمال عطا کرے اور وہ اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے اور اپنے جمال کو گناہوں سے محفوظ رکھے وہ اللہ تعالیٰ کے دیوان میں نیک لوگوں میں لکھا جاتا ہے۔ ہارون رشید نے کہا تم نے بہت اچھی بات کہی۔ اس کا صلہ (انعام) ملنا چاہیئے۔ بہلول نے کہا۔ انعام کا روپیہ ان لوگوں کو واپس کر جن سے (ٹیکس وغیرہ کے طور پر) لے رکھا ہے، مجھے تیرے انعام کی ضرورت نہیں، ہارون رشید نے کہا کہ اگر تمہارے ذمہ کسی کا قرض ہو تو میں اس کو ادا کر دوں۔ بہلول نے کہا کہ امیر المومنین قرض سے قرض ادا نہیں کیا جاتا (یعنی یہ روپیہ جو تیرے پاس ہے یہ خود دوسروں کا حق ہے جو تیرے ذمہ ان کا قرض ہے) حق والوں کا حق واپس کرو۔ پہلے اپنا قرضہ ادا کرو، پھر دوسروں کے قرضہ کو پوچھنا۔ ہارون رشید نے کہا۔ تمہارے لئے کوئی وظیفہ مقرر کر دیں جس سے تمہارے کھانے کا انتظام ہو جائے بہلول نے کہا کہ میں اور تم دونوں اللہ تعالیٰ شانہٗ کے بندے ہیں، یہ محال ہے کہ وہ تمہاری روزی کا تو فکر رکھے اور میری روزی کا فکر نہ فرمائے۔ اس کے بعد ہارون رشید نے سواری کا پردہ گرا یا اور آگے چل دیئے۔ (روض)

ہارون رشیدؒ کی مشہور بات ہے کہ نصیحت کے سننے پر بہت کثرت سے رویا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حج کو جا رہے تھے تو سعدون مجنون راستہ میں سامنے آگئے اور چند شعر پڑھے، جن کا مطلب یہی تھا کہ مان لو تم ساری دنیا کے بادشاہ بن گئے ہو، لیکن کیا آخر موت نہ آئے گی۔ دنیا کو اپنے دشمنوں کے لئے چھوڑ دو۔ جو دنیا آج تمہیں خوب ہنسا رہی ہے یہ کل کو تمہیں خوب رلائے گی۔ یہ اشعار سن کر ہارون رشید نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور اتنے طویل وقت تک بیہوشی رہی

کہ تین نمازیں قضا ہوگئیں (روض)۔ ان کی انگوٹھی کی مہر تھی "اَلْعَظَمَۃُ وَ الْقُدْرَۃُ لِلّٰہِ" ہر قسم کی بڑائی اور ہر نوع کی قدرت صرف اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے لئے" یہ مضمون گویا ہر وقت نگاہ کے سامنے رہتا تھا۔

(۶۱) حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بصرہ کے جنگل میں جارہا تھا۔ میں نے حضرت سعدون کو دیکھا جو سعدون مجنون کے نام سے مشہور تھے۔ میں نے اُن سے پوچھا، کیا حال ہے۔ کہنے لگے ایسے شخص کا کیا حال پوچھتے ہو، جو صبح و شام ہر وقت ایک طویل سفر کے لئے تیار بیٹھا ہو اور سفر کے لئے توشہ کسی قسم کا بھی ساتھ نہ ہو، نہ کوئی سفر کا سامان سواری وغیرہ اُس کے پاس ہو اور اُس کو ایسے مولا کے پاس جانا ہو جو نہایت عادل بڑا کریم ہے اور وہ لوگوں کے درمیان اُس وقت فیصلہ کر دیگا۔ یہ کہہ کر وہ بہت زیادہ رونے لگے۔ میں نے پوچھا، کہ رونے کی کیا بات ہے۔ کہنے لگے کہ میں نہ تو دُنیا کے چھوٹنے پر رو رہا ہوں، نہ موت سے گھبرا کر رو رہا ہوں بلکہ اپنی عمر کے اُس دن پر رو رہا ہوں جو کسی نیک عمل سے خالی رہ گیا ہو۔ خدا کی قسم مجھے اپنے سامانِ سفر کی کمی رُلا رہی ہے۔ سفر بہت طویل اور بڑی مَشَقّت کا ہے۔ بہت سی گھاٹیاں اس سفر میں پیش آتی ہیں اور میرے پاس سفر کا کوئی بھی سامان موجود نہیں ہے اور اس سفر کے سب مصائب برداشت کرنے کے بعد یہ بھی پتہ نہیں کہ جنّت میں جاؤں گا یا جہنّم میں ڈال دیا جاؤں گا۔ میں نے اُن سے یہ حکمت کی باتیں سُن کر کہا کہ لوگ آپ کو مجنون کہتے ہیں آپ تو بڑی اچھی باتیں کرتے ہیں۔ کہنے لگے کہ تم بھی دُنیا داروں کے کہنے سے دھوکہ میں پڑ گئے۔ مجھے جنون نہیں ہے، میرے آقا کی مَحَبَّت میرے دِل میں، میرے جگر میں، میرے گوشت پوست میں، میری ہڈیوں میں گھُس گئی ہے۔ اُس کے عشق میں میں حیران و پریشان رہتا ہوں (اس کی وجہ سے دُنیا کے پاگل مجھے مجنون کہتے ہیں)۔ میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں سے بھاگتے ہیں (جنگل میں پڑے رہتے ہیں) اس پر انہوں نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ آدمیوں سے ہمیشہ دُور رہ اور اللہ جلّ شانہٗ کی ہمنشینی ہر وقت اختیار کر، تو آدمیوں کا جس حالت میں دل چاہے تجربہ کرلے تو ہر حالت میں ان کو بچھو پائے گا کہ تکلیف پہنچانے کے سوا ان کا کوئی کام نہ ہوگا" (روض)

(۶۲) حضرت عبدُالواحد بن زیدؒ جو مشائخ چشتیہ میں مشہور بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ میں تین رات تک مسلسل یہ دُعا کرتا رہا کہ یا اللہ جنّت میں جو میرا رفیق ہو اُس کی مجھے دُنیا میں ملاقات کرا دے۔

تین دن کے بعد مجھے بتایا گیا کہ تیری ساتھی میمونہ سوداءؔ (جو ایک حبشی عورت تھیں اتنی کالی کہ ان کا لقب ہی سوداء ہو گیا تھا) میں نے پوچھا کہ وہ کہاں ملیں گی۔ مجھے بتایا گیا کہ کوفہ کے فلاں قبیلہ میں ہیں۔ میں ان سے ملنے چل دیا۔ کوفہ پہنچ کر میں نے ان کا حال دریافت کیا۔ مجھے بتایا گیا کہ وہ بکریاں چرایا کرتی ہیں فلاں جنگل میں ہیں۔ میں اُس جنگل میں پہنچا وُہ ایک گدڑی اوڑھے نماز پڑھ رہی تھیں ان کے قریب ہی بکریاں اور بھیڑیئے اکٹھے پھر رہے تھے۔ جب میں پہنچا تو انہوں نے اپنی نماز کو مختصر کر کے سلام پھیرا اور سلام پھیرنے کے بعد کہنے لگی۔ عبدُالواحد آج نہیں، آج تو چلے جاؤ، ملاقات کا وعدہ کل کو (قیامت میں) ہے۔ میں نے اُن سے کہا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ میں عبدالواحد ہوں۔ کہنے لگے تمہیں معلوم نہیں کہ روحیں (ازل میں) سب ایک لشکر کی طرح مُجْتَمِع تھیں جن کا وہاں آپس میں تعارُف ہو گیا ان کا یہاں بھی تعارُف ہو جاتا ہے (یہ ایک حدیث پاک کا مضمون ہے جو مشہور حدیث ہے) میں نے اُن سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کر دیجئے کہنے لگیں بڑی تعجب کی بات ہے جو خود واعظ ہو وہ دوسرے سے نصیحت کی درخواست کرے (تم تو خود ہی بڑے واعظ ہو)۔ اس کے بعد انہوں نے کہا۔ مجھے بزرگوں سے یہ بات پہنچی ہے کہ جس بندہ کو حق تعالیٰ شانہٗ دُنیا کی کوئی نعمت (مال و دولت وغیرہ) عطا فرمائے اور وہ شخص پھر بھی اُسی کی طلب میں لگا رہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص سے اپنی ساتھ تنہائی کی مَحبّت زائل کر دیتے ہیں اور اپنے سے قُرب کی بجائے اپنے سے بُعد اُس پر مُسَلَّط کر دیتے ہیں۔ اور اپنے ساتھ اُنس کے بجائے اپنے سے وحشت اُس پر سوار کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد اُنہوں نے پانچ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے واعظ تُو لوگوں کو وعظ، نصیحت، اور تنبیہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو لوگوں کو گناہ سے روکتا ہے حالانکہ تو خود ان گناہوں کا بیمار ہے، ان میں مُبتلا ہے۔ اگر تُو دوسروں کو نصیحت سے پہلے اپنی اِصلاح کر لیتا، اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا تو تیرے کہنے کا ان کے دلوں پر اثر پڑتا لیکن جب تُو ایسی حالت میں دوسروں کو منع کرتا ہے کہ تُو خود ان میں مُبتلا ہے تو تُو اپنے اس منع کرنے میں خود شک میں ہے (اور جس کو خود کسی بات میں ترَدُّد ہو وہ دوسرے کو زور سے کیا کہہ سکتا ہے) میں نے پوچھا کہ تمہاری بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ ہی چر رہی ہیں، بھیڑیئے ان کو کچھ کہتے نہیں۔ کہنے لگیں کہ جا اپنا کام کر، میں نے اپنے سردار سے صُلح

کر لی، اُس نے میری بکریوں اور بھیڑیوں میں صُلح کر دی (روض)۔

یہ عجیب بات میں نے اپنے چچا جان مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے یہاں ہمیشہ دیکھی کہ ان کے مکان میں کئی کئی بلّیاں اور مرغیاں تمام دن مکان میں اکٹھی پھرتی رہتیں، پڑی گری چیزیں کھاتی رہتیں۔ نہ وُہ مرغیاں بلّیوں سے بھاگتیں، نہ وہ بلّیاں مرغیوں کو کچھ کہتیں۔

(۶۳) حضرت عُتبہؒ غلام کہتے ہیں کہ میں بصرہ کے جنگل میں جا رہا تھا، مَیں نے جنگلی لوگوں کے چند خیمے دیکھے جن کی کھیتی وہاں تھی۔ ان خیموں میں سے ایک خیمہ میں ایک مجنونہ لڑکی تھی۔ مَیں نے اس کو سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب نہ دیا (ممکن ہے کہ اُس نے سلام نہ سُنا ہو یا انہوں نے جواب نہ سُنا ہو یا کسی ایسی حالت میں ہو کہ اُسوقت سلام کا جواب ساقط ہو جاتا ہے کہ بہت سی جگہ سلام کا جواب ساقط ہو جاتا ہے) اور چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ زاہد اور عابد فلاح کو پہنچ گئے جنہوں نے اپنے مولیٰ کی رضا کے لئے اپنے پیٹوں کو بھوکا رکھا، انہوں نے راتوں کو اپنی آنکھوں کو جگایا، ان کی ساری رات ایسی حالت میں گزرتی ہے کہ وہ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کو حق تعالیٰ شانہٗ کی محبّت نے ایسا حیرت میں ڈال رکھا ہے کہ دُنیا دار ان کو مجنون سمجھتے ہیں حالانکہ زمانہ کے سب سے زیادہ عقلمند لوگ یہی حضرات ہیں لیکن ان کو ان کے اَحوال نے بے چین کر رکھا ہے۔ عُتبہؒ کہتے ہیں کہ مَیں اس مجنونہ کے قریب گیا اور مَیں نے پوچھا کہ یہ کھیتی کس کی ہے۔ کہنے لگی اگر صحیح سالم رہی تو ہماری ہے۔ مَیں اس کے بعد دوسرے خیموں کی سیر کرتا رہا۔ اتنے میں بڑے زور کی بارش شروع ہو گئی اور آسمان سے ایسا موسلا دھار پانی پڑا گویا مشکوں کا منہ کھل گیا۔ مَیں نے سوچا کہ اس مجنونہ کو دیکھوں وہ اس بارش کے مُتعلّق کیا کہتی ہے (اس میں تو ساری کھیتیاں برباد ہو گئیں) میں نے جا کر دیکھا کہ اس کی کھیتی بالکل پانی میں ڈوب گئی، اور وہ کھڑی ہوئی کہہ رہی ہے قسم ہے اُس پاک ذات کی جس نے اپنی خالص مُحبّت کا کچھ حصّہ میرے دل میں رکھ دیا ہے، میرا دِل تجھ سے راضی رہنے میں بالکل پختہ ہے۔ پھر وہ میری طرف مُتوجّہ ہو کر کہنے لگی۔ دیکھو جس اُسی نے تو یہ کھیتی جمائی، اُسی نے اُگائی، اُسی نے اسکو سیدھا کھڑا کیا، اُسی نے اس میں بالیں لگائیں، اُسی نے ان بالوں میں غلّہ پیدا کیا، اُسی نے بارش برسا کر اس کی پرورش کی، اُسی نے اس کی ضائع ہونے سے حفاظت کی اور جب اس کے کاٹنے کا وقت بالکل قریب آ گیا تو اُسی نے اس کو ضائع کر دیا۔

پھر اُس نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ یہ ساری مخلوق تیرے ہی بندے ہیں اور ان سب کی روزی تیرے ہی ذمّہ ہے، تُو جو چاہے کر تجھے اختیار ہے۔ مَیں نے اُس سے کہا کہ اس کھیتی کے برباد ہو جانے پر تجھے کس طرح صبر آگیا۔ کہنے لگی۔ عُتبہ چُپ رہو، میرا مالک بڑا غنی ہے، بڑا قابلِ تعریف ہے۔ اُس کی طرف سے ہمیشہ نئی روزی ملتی رہی۔ تمام تعریفیں اُس پاک ذات کے لئے ہیں جو میرے ساتھ میری خواہش سے بہت زیادہ انعام فرماتا رہا۔ عُتبہ کہتے ہیں کہ مجھے جب بھی اُس کی حالت اور اُس کی باتیں یاد آتی ہیں بے اختیار رونا آجاتا ہے۔ (روض)

(۶۴) حضرت اَبُوالرّبیعؒ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ایک گاؤں میں ایک نیک عورت کی شہرت سُنی جس کا نام فِضّہ تھا۔ میری عادت کسی عورت سے ملنے کی نہ تھی۔ مگر اُس کے اَحْوال میں نے ایسے سُنے کہ مُجھے اُس کے پاس جانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ میں اُس گاؤں میں گیا اور اس کی تحقیق کی تو مجھے لوگوں نے بتایا کہ اُس کے یہاں ایک بکری ہے جس کے تھنوں سے دودھ اور شہد دونوں نکلتے ہیں۔ مجھے یہ سن کر تعجّب ہُوا، مَیں نے ایک نیا پیالہ خریدا اور اُس کے گھر جا کر مَیں نے کہا کہ تمہاری بکری کے مُتعلّق میں نے یہ شہرت سُنی ہے کہ وہ دودھ اور شہد دیتی ہے مَیں بھی اس کی برکت دیکھنا چاہتا ہوں۔ اُس نے وہ بکری میرے حوالہ کر دی۔ مَیں نے اُس کا دودھ نکالا، تو واقعی اُس میں سے دودھ اور شہد نکلا۔ ہم نے اس کو پیا۔ اس کے بعد میں نے پوچھا کہ یہ بکری کہاں سے تمہارے پاس آئی کہنے لگی اس کا قِصّہ یہ ہے کہ ہم غریب آدمی ہیں۔ ایک بکری کے سوا ہمارے پاس کچھ نہ تھا، اُسی پر ہمارا گزر تھا۔ اِتّفاق سے بقرعید آگئی۔ میرے خاوند نے کہا کہ ہمارے پاس کچھ اور تو ہے نہیں، یہ بکری ہمارے پاس ہے لاؤ اسی کی قربانی کر لیں۔ مَیں نے کہا کہ ہمارے پاس گزر کے لئے اس کے سوا تو کوئی چیز ہے نہیں، ایسی حالت میں قربانی کا حکم تو ہے نہیں پھر کیا ضرور ہے کہ ہم قربانی کریں۔ خاوند نے یہ بات مان لی اور قربانی مُلْتَوی کر دی۔ اس کے بعد اتّفاق سے اُسی دن ہمارے یہاں ایک مہمان آگیا تو میں نے خاوند سے کہا کہ مہمان کے اِکرام کا تو حکم ہے اور کوئی چیز تو ہے نہیں، اس بکری ہی کو ذبح کر لو۔ وہ اس بکری کو ذبح کرنے لگا۔ مجھے یہ خیال ہُوا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچّے اس بکری کو ذبح ہوتے دیکھ کر رونے لگیں گے۔ اس لئے میں نے کہا کہ باہر جا کر دیوار کی آڑ میں ذبح کر لو تو بچے نہ دیکھیں۔ وہ باہر لے گئے اور جب اُس پر چُھری چلائی تو یہ بکری ہماری دیوار کے اوپر کھڑی

تھی۔ اور وہاں سے خود اُتر کر مکان کے صحن میں آگئی۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید وہ بکری خاوند کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں اُس کو دیکھنے باہر گئی تو خاوند اُس بکری کی کھال کھینچ رہے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسی ہی بکری گھر میں آگئی۔ اُس کا قصہ میں نے سُنایا۔ خاوند کہنے لگے۔ کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کا بدل ہمیں عطا فرمایا ہو۔ یہ وہ بکری ہے جو دودھ اور شہد دیتی ہے یہ سب کچھ محض مہمان کے اکرام کی وجہ سے ہے۔ پھر وہ عورت کہنے لگی کہ اے میرے بچو! یہ بکری دلوں میں چرتی ہے۔ اگر تمہارے دل نیک رہیں گے تو اس کا دودھ بھی اچھا رہے گا، اور اگر تمہارے دلوں میں کھوٹ آگیا تو اس کا دودھ بھی خراب ہو جائے گا۔ اپنے دلوں کو اچھا رکھو، ہر چیز تمہارے لئے اچھی بن جائے گی (روض)۔

(۶۵) حضرت بہلولؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بصرہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا۔ راستہ میں چند لڑکے اخروٹ اور بادام سے کھیل رہے تھے اور ایک لڑکا ان کے قریب کھڑا رو رہا تھا۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ اس لڑکے پاس بادام اور اخروٹ نہیں ہیں، ان کی وجہ سے رو رہا ہے۔ میں نے اس کو کہا۔ بیٹا تجھے میں اخروٹ بادام خرید دوں گا تُو بھی ان سے کھیلنا۔ اُس نے میری طرف نگاہ اُٹھا کر کہا۔ ارے بے وقوف کیا ہم کھیل کے واسطے پیدا ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا پھر کس کام کے واسطے پیدا ہوئے ہو۔ کہنے لگا کہ علم حاصل کرنے کے واسطے اور عبادت کرنے کے واسطے۔ میں نے کہا۔ اللہ جلّ شانہٗ تیری عمر میں برکت کرے تو نے یہ بات کہاں سے معلوم کی۔ کہنے لگا، حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الآیۃ (مؤمنون۔ ع ۶) کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم نے تم کو یونہی بے کار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ میں نے کہا بیٹا تُو تو بڑا حکیم معلوم ہوتا ہے، مجھے کچھ نصیحت کر۔ اُس نے چار شعر پڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "میں دیکھ رہا ہوں کہ دُنیا ہر وقت چل چلاؤ میں ہے (آج یہ گیا کل وہ گیا) ہر وقت چلنے کے لئے دامن اُٹھائے قدم اور پنڈلی پر (دوڑنے کے لئے تیار رہتی ہے) پس نہ تو دُنیا کسی زندہ کے لئے باقی رہتی ہے، نہ کوئی زندہ دُنیا کے لئے باقی رہتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ موت اور حوادث دو گھوڑے ہیں جو تیزی سے آدمی کی طرف دوڑے چلے آرہے ہیں پس او بیوقوف جو دنیا کے ساتھ دھوکہ میں پڑا ہوا ہے، ذرا غور کر اور دُنیا سے اپنے لئے کوئی (آخرت میں

کام آنے والی، اعتماد کی چیز لے لے" یہ شعر پڑھ کر اُس لڑکے نے آسمان کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ اُٹھائے اور آنسوؤں کی لڑی اُس کے رخساروں پر جاری تھی اور یہ دو شعر پڑھے۔

ے يَا مَنْ اِلَيْهِ الْمُبْتَهَلُ ۔ يَا مَنْ عَلَيْهِ الْمُتَّكَلُ

يَا مَنْ اِذَا مَا اٰمِلٌ ۔ يَرْجُوْهُ لَمْ يَخْطِ الْاَمَلُ

جن کا ترجمہ یہ ہے۔ اے وہ پاک ذات کہ اُسی کی طرف عاجزی کی جاتی ہے اور اُسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اے وہ پاک ذات کہ جب اُس سے کوئی شخص اُمید باندھ لے تو وہ نامراد نہیں ہو سکتا۔ اُس کی اُمید ضرور پوری ہوتی ہے۔

یہ شعر پڑھ کر وہ بیہوش ہو کر گر گیا۔ میں نے جلدی سے اُس کا سر اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اپنی آستین سے اُس کے منہ پر جو مٹی وغیرہ لگ گئی تھی، پوچھنے لگا۔ جب اُسکو ہوش آیا تو میں نے کہا۔ بیٹا ابھی سے تمہیں اتنا خوف کیوں ہو گیا، ابھی تو تم بہت بچے ہو۔ ابھی تمہارے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ بھی نہ لکھا جائے گا۔ کہنے لگا۔ بہلول ہٹ جاؤ، میں نے اپنی والدہ کو ہمیشہ دیکھا کہ جب وہ آگ جلانا شروع کرتی ہیں تو پہلے چھوٹی چھوٹی چھپٹیاں ہی چولہے میں رکھتی ہیں، اس کے بعد بڑی لکڑیاں رکھتی ہیں۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں جہنم کی آگ میں چھوٹی لکڑیوں کی جگہ میں نہ رکھ دیا جاؤں۔ میں نے کہا۔ صاحبزادہ، تم تو بڑے حکیم معلوم ہوتے ہو، مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کرو۔ اُس نے اس پر چودہ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ "میں غفلت میں پڑا رہا اور موت کو ہانکنے والا میرے پیچھے پیچھے موت کو ہانکے چلا آ رہا ہے۔ اگر میں آج نہ گیا تو کل ضرور چلا جاؤں گا۔ میں نے اپنے بدن کو اچھے اچھے اور نرم نرم لباس سے آراستہ کیا۔ حالانکہ میرے بدن کے لئے (قبر میں جا کر) گلنے اور سڑنے کے سوا چارہ کار نہیں وہ منظر گویا اس وقت میرے سامنے ہے جب کہ میں قبر میں بوسیدہ پڑا ہوا ہوں گا۔ میرے اوپر مٹی کا ڈھیر ہو گا اور نیچے قبر کا گڑھا ہو گا۔ اور میرا یہ حسن و جمال سارا کا سارا جاتا رہے گا اور بالکل مٹ جائے گا حتیٰ کہ میری ہڈیوں پر نہ گوشت رہے گا نہ کھال رہے گی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عمر تو ختم ہوتی جا رہی ہے، اور آرزوئیں ہیں کہ پوری نہیں ہو چکتیں، اور بڑا طویل سفر سامنے ہے اور توشہ ذرا سا بھی ساتھ نہیں، اور میں نے کھلم کھلا گناہوں کے ساتھ اپنے نگہبان اور محافظ کا مقابلہ کیا، اور

بڑی بُری حرکتیں کی ہیں جو اَب واپس بھی نہیں ہو سکتیں (یعنی جو گناہ کر چکا ہوں وہ بے کیا نہیں ہو سکتا) اور میں نے لوگوں سے چھپانے کے لئے پردے ڈالے کہ میرا عیب کسی پر ظاہر نہ ہو لیکن میرے جتنے مخفی گناہ ہیں وہ کل کو اُس مالک کے سامنے ظاہر ہوں گے (اس کی پیشی میں پیش ہوں گے) اس میں شک نہیں کہ مجھے اُس کا خوف ضرور تھا لیکن میں اُس کے غایت حلم پر بھروسہ کرتا رہا (جس کی وجہ سے جُرأت ہوتی رہی) اور اس پر اعتماد کرتا رہا کہ وہ بڑا غفور ہے، اس کے سوا کون معافی دے سکتا ہے بے شک تمام تعریفیں اُسی پاک، ذات کے لئے ہیں۔ اگر موت کے اور مرنے کے بعد گلنے اور سڑنے کے سوا کوئی دوسری آفت نہ بھی ہوتی اور میرے رب کی طرف سے جنّت کا وعدہ اور دوزخ کی دھمکی نہ بھی ہوتی، تب بھی مرنے اور سڑنے ہی میں اس بات پر کافی تنبیہ موجود تھی کہ لہو و لعب سے احتراز کیا جاتا لیکن کیا کریں کہ ہماری عقل زائل ہو گئی (کسی بات سے عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ بس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ) کاش گناہوں کا بخشنے والا میری مغفرت کر دے۔ جب کسی غلام سے کوئی لغزش ہوتی ہے، تو آقا ہی اُس کو معاف کرتا ہے۔ بیشک میں بد ترین بندہ ہوں جس نے اپنے مولیٰ کے عہد میں خیانت کی، اور نالائق غلام ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ان کا کوئی قول قرار معتبر نہیں ہوتا۔ میرے آقا جب تیری آگ میرے بدن کو جلائے گی تو میرا کیا حال بنے گا، جب کہ سخت سے سخت پتھر بھی اُس آگ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ میں موت کے وقت بھی تنِ تنہا جاؤں گا، قبر میں بھی اکیلا ہی جاؤں گا، قبر سے بھی اکیلا ہی اٹھوں گا (کسی جگہ بھی کوئی میرا معین مددگار نہ ہو گا)۔ پس اے وہ پاک ذات جو خود اکیلی ہے وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ہے، ایسے شخص پر رحم کر جو بالکل تنِ تنہا رہ گیا۔" بہلولؒ کہتے ہیں کہ اُس کے یہ اشعار سُن کر مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں غش کھا کر گر گیا۔ بڑی دیر میں جب مجھے ہوش آیا تو وہ لڑکا جا چکا تھا۔ میں نے ان بچوں سے دریافت کیا کہ یہ بچہ کون تھا؟ وہ کہنے لگے، تو اُس کو نہیں جانتا، یہ حضرت امام حسین رضی کی اولاد میں ہے۔ میں نے کہا۔ مجھے خود ہی حیرت ہو رہی تھی کہ یہ پھل کس درخت کا ہے؟ واقعی یہ پھل اسی درخت کا ہو سکتا تھا۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں اس خاندان کی برکتوں سے منتفع فرمائے آمین (روض)۔

(۴۶) حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں۔ مجھے ایک مرتبہ میرے دل نے کہا کہ تو بخیل ہے مگر میرے

نفس نے کہا کہ نہیں بخیل نہیں ہوں۔ میرے دِل نے پھر کہا کہ نہیں تُو بخیل ہے۔ مَیں نے اس کے جانچنے کے لئے یہ ارادہ کرلیا کہ سب سے پہلے میرے پاس جو کچھ آئے گا (خواہ وہ کتنا ہی ہو) مَیں سب کا سب اُس فقیر کو دے دونگا، جو مجھے سب سے پہلے ملے گا۔ میری یہ نیت پوری بھی نہ ہونے پائی تھی کہ مجھے ایک شخص نے پچاس دِینار (اشرفیاں) نَذر کئے۔ مَیں نے وہ لے لئے اور اپنی نیت کے مُوافِق کسی فقیر کی تلاش میں نکلا۔ سب سے پہلے مجھے ایک نابینا فقیر ملا جو ایک حَجّام سے حجامت بنوا رہا تھا۔ مَیں نے وہ سب کے سب اُس نابینا کو دے دیئے۔ اُس نے کہا کہ یہ (حجامت کی اُجرت میں) اس حجّام کو دے دو۔ مَیں نے کہا کہ یہ پچاس اشرفیاں ہیں (اتنی اشرفیاں بھی کہیں حجامت کی اُجرت میں دی جاتی ہیں)۔ اُس نابینا نے اُوپر کو سر اُٹھا کر کہا۔ ہم نے کہا نہیں تھا کہ تُو بخیل ہے۔ مَیں نے جلدی سے وہ حجام کو دے دیئے۔ اُس حجّام نے کہا کہ جب یہ نابینا حجامت بنوانے بیٹھا تھا تو مَیں نے اس کی غربت کو دیکھ کر یہ نیت کرلی تھی کہ اس کی اُجرت نہ لُوں گا۔ (مجھے ان دونوں کی گفتگو سُن کر اس قدر غیرت آئی کہ) مَیں نے ان اشرفیوں کو دریا میں پھینک دیا کہ خُدا تیرا ناس کرے۔ تجھ سے جو بھی ذرا دِل لگائے حق تعالیٰ شانُہٗ اُس کو اسی طرح ذلیل کرتے ہیں۔ (روض)

غیرت کی شدت میں اس قِسم کے اُمور کا پیش آجانا مُستَبعَد نہیں۔ اگر حضرت سُلیمان علیٰ نبیّنا وعلیہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلام فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ (ص۔ ع ۳) کرسکتے ہیں اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ حُضورؐ کی موجودگی میں دوسری سَوت کا پیالہ پھوڑ سکتی ہیں اور اُس کا کھانا پھینک سکتی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ عُصفُر کی رنگی ہوئی چادر کو صرف حُضورؐ کے اس سوال پر کہ یہ کیا پہن لیا، تنور میں جلا سکتے ہیں، اور انصاری رضؓ حُضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اپنے سے بے اِلتفاتی دیکھ کر بنے بنائے قُبّہ کو گِرا سکتے ہیں تو حضرت شِبلیؒ کے اشرفیاں پھینک دینے میں کوئی اشکال نہیں۔

(۶۷) حضرت ذُوالنُّون مصریؒ (جو اکابر مشہور صوفیہ میں ہیں) فرماتے ہیں کہ مَیں ایک جنگل میں جارہا تھا۔ مجھے ایک نوجوان نظر پڑا جس کے چہرہ پر داڑھی کی دو لکیریں تھیں (یعنی نکلنی شروع ہی ہوئی تھی)۔ مجھے دیکھ کر اس کے بدن میں کپکپی آگئی اور چہرہ زرد ہوگیا اور مجھ سے بھاگنے

لگا۔ مَیں نے کہا۔ مَیں تو تیرے ہی جیسا انسان ہوں (جِنّ تو نہیں ہوں پھر کیوں اتنا ڈرتا اور بھاگتا ہے) وہ کہنے لگا کہ تم (انسانوں ہی) سے تو بھاگتا ہوں۔ مَیں اُس کے پیچھے چلا اور مَیں نے اُس کو قسم دی کہ ذرا کھڑا ہوجائے، وہ کھڑا ہوگیا۔ مَیں نے پوچھا کہ تو اس جنگل بیابان میں بالکل تنہا رہتا ہے کوئی دوسرا رفاقت کے لئے بھی نہیں ہے، تجھے خوف نہیں معلوم ہوتا؟ کہنے لگا نہیں میرے پاس تو میرا دل لگانے والا ہے (مَیں نے سمجھا کہ اس کا کوئی رفیق کہیں گیا ہوا ہوگا) مَیں نے کہا۔ وہ کہاں ہے؟ کہنے لگا وہ ہر وقت میرے ساتھ ہے۔ وہ میرے دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف ہے مَیں نے پوچھا کہ کچھ کھانے پینے کا سامان بھی تیرے پاس نہیں ہے۔ وہ کہنے لگا وُہ بھی موجود ہے۔ مَیں نے کہا وہ کہاں ہے۔ کہنے لگا جس نے میری ماں کے پیٹ میں مجھے روزی دی اُسی نے میری بڑی عمر میں بھی روزی کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ مَیں نے کہا کہ کھانے پینے کے لئے کچھ تو آخر چاہیئے اُس سے رات کو تہجّد میں کھڑے ہونے کی قوت پیدا ہوتی ہے، دن کے روزے رکھنے میں مدد ملتی ہے اور (بدن کی قوت سے) مولیٰ کی خدمت (عبادت) بھی اچھی طرح ہوسکتی ہے اور مَیں نے کھانے پینے کی ضرورت پر بہت زور دیا تو وہ چند شعر پڑھ کر بھاگ گیا، جن کا ترجمہ یہ ہے "اللہ کے ولی کے لئے کسی گھر کی ضرورت نہیں ہے اور وہ ہرگز اس کو گوارا نہیں کرتا کہ اُس کی کوئی جائداد ہو۔ وہ جب جنگل سے پہاڑ کی طرف چل دیتا ہے تو وہ جنگل اُس کی جُدائی سے روتا ہے جس میں وہ پہلے سے تھا وہ رات کے تہجُّد پر اور دن کے روزہ پر بہت زیادہ صبر کرنے والا ہوا کرتا ہے۔ وہ اپنے نفس کو سمجھا دیا کرتا ہے کہ جتنی محنت اور مَشَقّت ہوسکے کرلے۔ اس لئے کہ رحمٰن کی خدمت میں کوئی عار نہیں ہوتی (وہ بڑی فخر کی چیز ہوتی ہے) وہ جب اپنے رب سے باتیں کیا کرتا ہے تو اُس کی آنکھ سے آنسو بہا کرتے ہیں اور وُہ یہ کہا کرتا ہے کہ یا اللہ! میرا دل اُڑا جارہا ہے (اس کی تو خبر لے)۔ وہ یوں کہا کرتا ہے کہ یا اللہ مجھے نہ تو جنّت میں) یاقوت کا گھر چاہیئے جس میں حوریں رہتی ہوں اور نہ مجھے جنّتِ عَدْن کی خواہش ہے اور نہ جنّت کے پھلوں کی آرزو ہے۔ میری ساری تمنّا صرف تیرا دِیدار ہے۔ اس کا مجھ پر احسان کردے یہی بڑی فخر کی چیز ہے۔" (روض)۔

(۶۸) حضرت ابراہیم خَوّاصؒ کہتے ہیں کہ مَیں ایک مرتبہ جنگل میں جارہا تھا۔ راستہ

میں ایک نصرانی راہب مجھے ملا جس کی کمر میں زُنّار (پٹکہ یا دھاگہ وغیرہ جو کفر کی علامت کے طور پر کافر باندھتے ہیں) بندھ رہا تھا۔ اُس نے میرے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی (کافر فقیر اکثر مسلمان فقراء کی خدمت میں رہتے چلے آئے ہیں) میں نے ساتھ لے لیا۔ سات دن تک ہم چلتے رہے (نہ کھانا نہ پینا) ساتویں دن اُس نصرانی نے کہا۔ اے محمدی کچھ اپنی فتوحات دکھاؤ (کئی دن ہوگئے کچھ کھایا نہیں) میں نے اللہ تعالیٰ شانہٗ سے دُعا کی کہ یا اللہ اس کافر کے سامنے مجھے ذلیل نہ فرما۔ میں نے دیکھا کہ فوراً ایک خوان سامنے رکھا گیا جس میں روٹیاں، بُھنا ہوا گوشت اور تر و تازہ کھجوریں اور پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا۔ ہم دونوں نے کھایا، پانی پیا اور چل دیئے۔ سات دن تک چلتے رہے۔ ساتویں دن میں نے (اس خیال سے کہ وہ نصرانی پھر نہ کہہ دے) جلدی کرکے اُس نصرانی سے کہا کہ اس مرتبہ تم کچھ دکھاؤ۔ اب کے تمہارا نمبر ہے۔ وہ اپنی لکڑی پر سہارا لگا کر کھڑا ہوگیا اور دُعا کرنے لگا۔ جب ہی دو خوان جن میں ہر چیز اُس سے دوگنی تھی جو میرے خوان پر تھی سامنے آگئی۔ مجھے بڑی غیرت آئی۔ میرا چہرہ فق ہوگیا اور میں حیرت میں رہ گیا اور میں نے رنج کی وجہ سے کھانے سے انکار کردیا اُس نصرانی نے مجھ پر کھانے کا اصرار کیا مگر میں عذر ہی کرتا رہا۔ اُس نے کہا کہ تم کھاؤ۔ میں تم کو دو بشارتیں سناؤں گا۔ جن میں سے پہلی یہ ہے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) میں مسلمان ہوگیا ہوں اور یہ کہہ کر زُنّار توڑ کر پھینک دیا۔ اور دوسری بشارت یہ ہے کہ میں نے جو کھانے کے لئے دُعا کی تھی وہ یہی کہہ کر کی تھی کہ یا اللہ اس محمدی کا اگر تیرے یہاں کوئی مرتبہ ہے تو اس کے طفیل تو ہمیں کھانا دے۔ اس پر یہ کھانا ملا ہے اور اسی وجہ سے میں مسلمان ہوا۔ اس کے بعد ہم دونوں نے کھانا کھایا پھر آگے چل دیئے۔ آخر مکہ مکرمہ پہنچے، حج کیا اور وہ نومسلم مکہ ہی میں ٹھیر گیا، وہیں اُس کا انتقال ہوا۔ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ (روض)۔

کافروں کے اس طرح مسلمان ہونے کے بہت سے واقعات تواریخ کی کتب میں موجود ہیں۔ اور اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ بسا اوقات دوسروں کے طفیل کسی کو روزی دیتے ہیں، جن کو وہ ملتی ہے وہ اپنی بے وقوفی سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا کارنامہ ہے، ہماری کوشش کا نتیجہ ہے۔ احادیث میں کثرت سے یہ مضمون آیا ہے کہ تم کو تمہارے ضعفاء

کے طُفَیل (اکثر) روزی دی جاتی ہے۔ نیز اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کافروں پر بھی بسا اوقات مسلمانوں کی وجہ سے فتوحات ہوتی ہے جس کو ظاہر میں ان کی مدد سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ دوسروں کا طفیل ہوتا ہے۔

(۶۹) ایک بُزرگ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ایک غلام خریدا۔ جب میں اُس کو لایا تو مَیں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ کہنے لگا کہ جو نام آقا رکھیں۔ مَیں نے پوچھا کہ تم کیا کام کرو گے۔ کہنے لگا میرے آقا جو آپ حکم دیں گے۔ مَیں نے پوچھا کہ تم کیا کھانا چاہتے ہو (تاکہ مَیں تمہاری خاطر میں اُس کا فکر کروں)۔ کہنے لگا میرے آقا جو آپ کھلائیں گے۔ مَیں نے پوچھا کہ تمہارا ابھی کسی چیز کے کھانے کو دِل چاہتا ہے۔ کہنے لگا، آقا کے سامنے غلام کی خواہش کیا چیز ہے، جو آقا کی مرضی ہے وہی غلام کی خواہش ہے۔ اُس کا یہ جواب سُن کر مُجھے رونا آگیا اور مجھے یہ خیال آیا کہ میرا بھی تو میرے مولیٰ (جَلَّ جلالُہٗ) کے ساتھ یہی معاملہ ہونا چاہیئے۔ مَیں نے اُس سے کہا کہ تم نے تو مجھے اپنے آقا (تعالیٰ ذِکرُہٗ) کے ساتھ ادب کرنا سکھا دیا۔ اُس نے اس پر دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "اگر تیرے کسی بندے کی خدمت مجھ سے پوری پوری ادا ہوجائے تو اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا نعمت ہوسکتی ہے۔ پس تُو محض اپنے فضل سے میری کوتاہی اور غفلت کو معاف کر، اس لئے کہ مَیں تجھے بڑا محسن اور بڑا رحیم سمجھتا ہوں۔" (روض)۔

(۷۰) حضرت مالک بن دِینارؒ مشہور بزرگوں میں ہیں۔ اس رسالہ میں بھی ان کے کئی قصّے ذکر ہوچکے ہیں۔ وہ اِبتداء میں کچھ اچھے حال میں نہ تھے۔ ایک شخص نے اُن سے ان کی توبہ کا قصّہ پوچھا کہ کیا بات پیش آئی، جس پر آپ نے اپنی سابقہ زندگی سے توبہ کی۔ وہ کہنے لگے کہ میں ایک سپاہی تھا اور شراب کا بہت شوقین اور بہت عادی۔ ہر وقت شراب ہی میں مُنہمک رہتا تھا۔ مَیں نے ایک باندی خریدی جو بہت خوبصورت تھی۔ اور مُجھے اُس سے بہت تعلُّق تھا۔ اُس سے میرے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ مجھے اس لڑکی سے بھی مُحبّت تھی اور وہ لڑکی بھی مجھ سے بہت مانوس تھی۔ یہاں تک کہ وہ پاؤں چلنے لگی تو اُس وقت مجھے اُس سے اور بھی زیادہ مُحبّت ہوگئی کہ ہر وقت وہ میرے پاس ہی رہتی، لیکن اُس کی عادت یہ تھی کہ جب مَیں شراب کا گلاس پینے کے لئے لیتا وہ میرے ہاتھ میں سے چھین کر میرے کپڑوں پر پھینک دیتی (مُحبّت کی زیادتی کی وجہ سے

اُس کو ڈانٹنے کو دل نہ مانتا)۔ جب وہ دو برس کی ہوگئی تو اُس کا اِنتقال ہوگیا۔ اس صدمے نے میرے دِل میں زخم کر دیا۔ ایک دن ۱۵ر شعبان کی رات تھی۔ مَیں شراب میں مست تھا۔ عِشا کی نماز بھی نہ پڑھی، اسی حال میں سوگیا۔ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حشر قائم ہوگیا، لوگ قبروں سے نکل رہے ہیں۔ مَیں بھی ان لوگوں میں ہوں جو میدانِ حشر کی طرف جا رہے ہیں۔ مَیں نے اپنے پیچھے کچھ آہٹ سی سُنی۔ مَیں نے جو مُڑ کر دیکھا تو ایک بہت بڑا کالا اژدہا میرے پیچھے دوڑا ہوا آرہا ہے، اُس کی کیری آنکھیں ہیں، مُنہ کھُلا ہوا ہے، اور بے تحاشا میری طرف کو دوڑا ہوا آرہا ہے۔ مَیں اُس کے ڈر سے گھبرا کر خوف زدہ زور سے بھاگ رہا ہوں اور وہ میرے پیچھے بھاگا چلا آرہا ہے۔ سامنے مُجھے ایک بوڑھے میاں، نہایت نفیس لباس، نہایت مہکتی ہوئی خوشبو ان میں آرہی ہے ملے۔ مَیں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے جواب دیا۔ مَیں نے اُن سے کہا، خُدا کے واسطے میری مدد کیجئے۔ وہ کہنے لگے کہ مَیں ضعیف آدمی ہوں، یہ بہت قوی ہے، یہ میرے قابو کا نہیں ہے لیکن تُو بھاگا چلا جا، شاید آگے کوئی چیز ایسی مِل جائے جو اس سے نجات کا سبب بن جائے۔ مَیں بے تحاشا بھاگا جا رہا تھا۔ مجھے ایک ٹیلہ نظر پڑا۔ مَیں اس پر چڑھ گیا، مگر وہاں چڑھتے ہی مجھے جہنّم کی دہکتی ہوئی آگ اُس ٹیلے کے پَرے نظر پڑی۔ اس کی دہشت ناک صورت اور اُس کے مُنظر نظر آئے۔ ان سب حالات کے دیکھنے کے باوجود اُس سانپ کی اتنی دہشت مجھ پر سوار تھی اور ایسی طرح بھاگا جا رہا تھا کہ مَیں قریب ہی تھا کہ جہنّم کے گڑھے میں جا پڑوں، اتنے میں ایک زور کی آواز مجھے سُنائی دی۔ کوئی کہہ رہا ہے۔ پیچھے ہٹ تُو ان (جہنمی) لوگوں میں سے نہیں ہے۔ مَیں وہاں سے پھر پیچھے کو دوڑا۔ وہ سانپ بھی میرے پیچھے کو لوٹ آیا۔ مجھے پھر وہ بڑے میاں سفید لباس نظر پڑے۔ مَیں نے اُن سے پھر کہا کہ مَیں نے پہلے بھی درخواست کی تھی کہ اس اژدھے سے کسی طرح بچائیں، آپ نے قبول نہ کیا۔ وہ بڑے میاں رونے لگے اور کہنے لگے مَیں بہت ضعیف ہوں یہ بہت قوِی ہے۔ مَیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ البتہ سامنے یہ ایک دوسری پہاڑی ہے، اس پر چڑھ جا، اس میں مسلمانوں کی کچھ امانتیں رکھی ہیں ممکن ہے تیری بھی کوئی ایسی چیز امانت رکھی ہو جس کی مدد سے اس اژدھے سے بچ سکے۔ مَیں بھاگا ہوا اُس پر گیا اور وہ اژدہا میرے پیچھے پیچھے چلا آرہا ہے۔ وہاں مَیں نے دیکھا ایک گول پہاڑ ہے، اس

میں بہت سے طاق دکھڑکیاں) کھلے ہوئے ہیں۔ ان پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ہر کھڑکی کے دو کواڑ ہیں سونے کے، جن پر یاقوت جڑے ہوئے ہیں، اور موتیوں سے لَدرہے ہیں اور ہر کواڑ پر ایک ریشمی پردہ پڑا ہوا ہے۔ میں جب اُس پر چڑھنے لگا تو فرشتوں نے آواز دی کہ کواڑ کھول دو اور پردے اُٹھا دو اور باہر نکل آؤ شاید اس پریشان حال کی کوئی امانت تم میں ایسی ہو جو اس وقت اس کو اس مصیبت سے نجات دے۔ اُس کی آواز کے ساتھ ہی ایک دم کواڑ کھل گئے اور پردے اُٹھ گئے اور اُس میں سے چاند جیسی صورت کے بہت سے بچے نکلے۔ مگر میں اِنتہائی پریشان تھا کہ وہ سانپ میرے بالکل ہی پاس آگیا تھا۔ اتنے میں وہ بچے چلّانے لگے، ارے تم سب جلدی نکل آؤ، وہ سانپ تو اس کے پاس ہی آلیا۔ اس پر فوجیں کی فوجیں بچوں کی نکل آئیں۔ ان میں دفعۃً میری نگاہ اپنی اُس دو سالہ بچی پر پڑ گئی جو مر گئی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی رونے لگی اور کہنے لگی۔ خدا کی قسم یہ تو میرے ابا ہیں اور یہ کہتے ہی تیر کی طرح کُود کر ایک نُور کے پلڑے پر چڑھ گئی اور اپنے بائیں ہاتھ کو میرے داہنے ہاتھ کی طرف بڑھایا۔ میں جلدی سے اُس سے لپٹ گیا اور اُس نے اپنے داہنے ہاتھ کو اُس سانپ کی طرف کو بڑھایا۔ وہ فوراً پیچھے کو بھاگنے لگا۔ پھر اُس نے مجھے بٹھایا اور خود وہ میری گود میں بیٹھ گئی اور اپنے داہنے ہاتھ کو میری داڑھی پر پھیرنے لگی اور کہنے لگی میرے اباجان اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا الآیۃ (سورہ حدید۔ ع ۲) "کیا ایمان والوں (میں سے جو لوگ گناہوں میں مُبتلا رہتے ہیں ان) کے لئے اس بات کا وقت ابھی تک نہیں آیا کہ ان کے دِل اللہ کے ذِکر کے واسطے اور اُس حق بات کے واسطے جو اُن پر نازل ہوئی ہے جھک جائیں" اُس کی یہ بات سُن کر میں رونے لگا۔ اور میں نے پوچھا کیا بیٹی تم سب قرآن شریف کو جانتی ہو۔ وہ کہنے لگی کہ ہم سب قرآن شریف کو تم سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ میں نے پوچھا بیٹی یہ سانپ کیا بلا تھی جو میرے پیچھے لگ گئی تھی۔ اُس نے کہا۔ یہ آپ کے بُرے اعمال تھے۔ آپ نے اس کو اپنے گناہوں سے اِتنا قوی کر دیا کہ وہ آپ کو اب جہنم میں کھینچ کر ڈالنے کی فکر میں تھا۔ میں نے پوچھا وہ سفید پوش ضعیف بزرگ کون تھے۔ کہنے لگی وہ آپ کے نیک عمل تھے جن کو آپ نے اتنا ضعیف کر دیا کہ وہ اس سانپ کو آپ سے دفع نہ کر سکے (البتہ اتنی مدد بھی کر دی کہ بچنے کا راستہ بتا دیا) میں نے پوچھا کہ بیٹی تم اس پہاڑ میں کیا کرتی ہو۔ کہنے

لگی کہ ہم سب مسلمانوں کے بچے ہیں، قیامت تک ہم یہاں رہیں گے آپ کے آنے کے منتظر ہیں۔ جب آپ سب آئیں گے تو ہم سفارش کریں گے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی تو اُس سانپ کی دہشت مجھ پر سوار تھی۔ میں نے اُٹھتے ہی اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے سامنے توبہ کی اور اپنے بُرے افعال کو چھوڑ دیا (روض)۔

یہ رسالہ اندازہ سے بہت زیادہ بڑھ گیا۔ شروع میں تو مختصر ہی لکھنے کا خیال تھا مگر بے ارادہ طویل ہوتا چلا گیا، اور اب اس درجہ تک پہنچ گیا کہ اس کے پڑھنے کی اُمید بھی کم ہو چلی کہ دینی رسائل کے پڑھنے کے لئے بھی ہم لوگوں کے پاس وقت نہیں ہے۔ اس لئے دفعۃً ختم کر دیا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے اس ناپاک کو بھی جو ہر وقت معاصی اور دُنیا ہی میں غرق رہتا ہے اپنی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائے اور اس ناپاک دُنیا سے نفرت کا ذائقہ نصیب فرمادے۔

اس رسالہ کی ابتداء شوال ۱۳۶۶ھ میں ہوئی تھی مگر درمیان میں ایسے عوارض پیش آتے رہے کہ اختتام میں دیر ہی لگتی رہی۔ اب بھی اس میں بہت سی چیزوں کے اضافہ کا خیال تھا مگر اس کے طویل ہو جانے کی وجہ سے آج ۲۲ صفر ۱۳۶۸ھ شبِ جمعہ کو ختم ہی کر دیا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

زکریا عفی عنہ کاندھلوی
مقیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ

حج اور عمرہ کو خالص اللہ جلّ شانہٗ کے واسطے پورا کیا کرو۔

فضائلِ حج عکسی

مؤلّف

حضرت مولانا الحافظ الحاج المحدّث محمد زکریّا صاحب قدس سرہ

شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

جس میں

حج، عمرہ، زیارت کے فضائل و آداب اور عاشقانِ خدا کے
بہت سے واقعات شرح وبسط سے بیان کئے گئے ہیں!

ناشر

مکتبہ امدادیہ، ملتان پاکستان

فہرست مضامین

تمت

تمہید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ
نحمدہٗ ونُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا

امّا بعد: اس سیہ کار کے قلم سے تبلیغی سلسلہ میں پہلے بھی چند رسالے شائع ہو چکے ہیں، اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کے فضل سے ان کے دینی مَنافِع کے متعلق اکابر اور احباب کی طرف سے تحریری اور زبانی بیانات بھی خلاف توقع اتنی کثرت سے پہنچے جو موجبِ تعجب ہیں۔ اپنی نااہلیت کی وجہ سے نہ ان سے اس قدر نفع کی توقع تھی۔ نہ اپنی بداعمالیوں اور کم مائگی کی وجہ سے وہ اس قابل تھے کہ ان سے اتنا نفع مخلوق کو پہنچے کیوں کہ جو شخص خود عامل نہ ہو اس کی تحریر و تقریر سے بھی نفع کم پہنچتا ہے۔ مَیں اب تک بھی ان مَنافِع کو اپنے چچا جان حضرت مولانا مولوی محمد الیاس صاحب رحمۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ (جو اپنی تبلیغی مَساعِی میں نہ صرف ہندوستان کے ہر گوشہ میں بلکہ بیرونِ ہند بھی بہت مشہور رہیں) کی توجہ کا اثر سمجھتا رہا اور سمجھتا ہوں۔ اسی وجہ سے ان کے وِصال کے بعد سے جس کو چار سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا یہ سلسلہ بند کر دیا تھا۔ حالانکہ حضرت موصوفؒ نے اپنی حیات کے آخری ایام میں دو[2] رسالوں کی بااِصرار فرمائش کی تھی، اوّلاً تجارت اور کمائی کے فضائل میں ایک رسالہ کا حکم فرمایا تھا جس کا فوری طور پر ایک اجمالی نقشہ بھی اسی بیماری کی شدت میں لکھ کر پیش کرنا تھا۔ مگر مرض کی شدت کی وجہ سے اس کو ملاحظہ فرمانے کی نوبت نہ آئی دوسرے اِنفاق فِی سَبِیۡلِ اللّٰہ، یعنی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے متعلق جس کا تقاضا اخیر زمانہ حیات میں ان پر شدت سے تھا اور اس مضمون کا آخری ایام میں بہت زیادہ اہتمام تھا۔ اس کے مُتعَلِّق ایک رسالہ فضائل میں لکھنے کا بار بار حکم فرمایا۔ حتّٰی کہ ایک بار نماز کھڑی ہو چکی تھی، دوسرا شخص امام تھا تکبیر ہو چکی تھی، صف سے آگے کو منہ نکال کر فرمایا "دیکھنا اس رسالہ کو بھول نہ جانا۔" مگر اس کے باوجود اب تک کوتاہی سے رسالہ کے لکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ اور جب بھی ان

[2] دوسرا رسالہ "فضائلِ صدقات" کے نام سے دو حصوں میں طبع ہو چکا ہے۔

حالات سے واقف اَحباب کی طرف سے ان کے لکھنے کا تقاضہ ہوا اپنی نااہلیت کا تصور غالب ہو کر سدِراہ بنتا رہا کئی مرتبہ ان دونوں رسالوں کے متعلق چچا جانؒ کا اِصرار یاد آکر خیال پیدا ہوا، پھر اپنی حالت اور دُنیا کی رفتار نے اس خیال کو دبا دیا۔

میرے چچازاد بھائی عزیزی الحافظ الحاج مولوی محمد یوسف سلّمہٗ، جو اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کے ضابطہ کے مُوافق اس ایمانی تحریک کی دعوت میں اپنے والد صاحبؒ کے قدم بقدم اور اس جذبہ میں ان کے صحیح اور حقیقی وارث ہیں، ان پر دو سال سے حجاز میں اس تحریک کو فروغ دینے کا جذبہ ہے۔ خود چچا جان پر بھی اسکا تقاضا تھا۔ اسی جذبہ کے ماتحت وہ دو مرتبہ صرف اسی مقصد کے لئے حجاز تشریف لیجا چکے تھے، جس کو حضرت مولانا الحاج ابُوالحسن علی میاں صاحب نے مختصرًا ان کی سوانح میں تحریر فرمایا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عرب ہی وہ برگزیدہ جماعت ہے جس نے ابتداء میں تمام دُنیا میں اسلام کو پھیلایا۔ وہ حضرات اگر اپنے اَسلاف کے نقشِ قدم پر چلیں تو یقینًا اب بھی انشاء اللہ تعالےٰ دُنیا میں اسلام اسی طرح چمک سکتا ہے جس طرح ابتداء زمانہ میں چمکا تھا۔ اس کے علاوہ حُجّاج کی جماعت جو ہر سال ہزاروں کی تعداد میں حج کو جاتی ہے وہ حج کے فضائل اور ثمرات وبرکات سے ناواقفیت اور آدابِ حج کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے جس دینی جذبہ اور جن برکات کے ساتھ اس کو واپس آنا چاہیئے اس سے اکثر خالی ہاتھ واپس آتی ہے۔ ان وُجُوہ سے عزیز موصوف کا دو سال سے اِصرار تھا کہ حج وزیارت کے فضائل میں بھی چند اَحادِیث کا ترجمہ اُمّت کے سامنے پیش کروں تاکہ حج کو جانے والے حضرات ان احادیث کی برکت سے اسی ذوق وشوق کے ساتھ جائیں جو اُن کی شان کے مناسب ہو اور حج سے واپسی بھی انہیں دینی جذبات کے ساتھ ہو جو اس مبارک اور نہایت اَہم عمل کے مُناسِب ہوں۔ نیز ذوق وشوق کے ساتھ جانے والے حُجّاج کی کثرت ہو جو خود بھی دین کا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں، اور وہاں کے قیام میں اہل عرب سے بھی ان کے اصلی اور جدّی کاموں میں اِشتغال کی اور اِنہماک کی اِستدعاء اور درخواست کریں عزیز موصوف دو سال سے اس کی ضرورت کا اظہار اور تکمیل پر اِصرار کر رہے تھے مگر ادھر سے وعدہ سے آگے بڑھنے کی نوبت نہ آئی

لیکن حق سُبحانہٗ وتقدّس جب کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے لئے اسباب بھی غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ چچا جانؒ کے وِصال کے بعد سے اَب تک ہر سال رمضان المُبارک کا مہینہ اس ناکارہ کو نظام الدین میں رہکر گذارنے کی نوبت آتی رہی۔ اور اپنے مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے ۲۹ رشعبان کو آکر ۲ رشوال

ع مولانا موصوف نے ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ کو لاہور میں وصال فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

کو ہمیشہ واپسی ہو جاتی تھی۔ اِمسال بعض مجبوریوں کی وجہ سے عید کے بعد بھی یہاں قیام کرنا پڑا، تو عزیز موصوف کو اِصرار کا زیادہ موقع مِل گیا۔

ادھر عید کی رات سے عُشّاق کی دارِ محبوب پر حاضری کا زمانہ شروع ہو جانے سے اس دیار کی یاد نے بھی طبیعت پر اثر کیا، جو ہر سال شوّال سے وسطِ ذی الحجہ تک اکثر آتا رہتا ہے اور جوں جوں حج کا زمانہ قریب آتا ہے یہ تصوُّر کہ خوش قسمت عاشق اس وقت کیا کر رہے ہوں گے اپنی طرف بے اختیار متوجہ کرتا رہتا ہے۔ اس لئے متوکلاً علی اللہ آج ۳ر شوال ۱۳۶۶ھ چہار شنبہ کو یہ رسالہ شروع کرتا ہوں اور دس فصلوں اور ایک خاتمہ میں مختصر طور پر چند احادیث کا ترجمہ اور کچھ متفرق مضامین پیش کرتا ہوں۔

فصل اوّل ترغیبِ حج میں۔ دوم حج نہ کرنے کی وعیدیں۔ سوم اس سفر میں مشقتوں کے تحمّل میں۔ چہارم حج کی حقیقت میں۔ پنجم حج کے آداب میں۔ ششم مکہ مکرمہ کے آداب و فضائل میں۔ ہفتم عمرہ کے بیان میں۔ ہشتم روضہ مطہرہ کی زیارت اور مسجدِ نبویؐ کی حاضری میں۔ نہم زیارت کے آداب میں۔ دہم مدینہ طیبہ کے آداب و فضائل میں۔ خاتمہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا مفصّل واقعہ ہے، اور بعض دوسرے جاں نثاروں کے حج کے مختصر قصے ہیں۔

پہلی فصل حج کی ترغیب میں

حج کے فضائل اور اس کے احکام میں قرآن پاک کی بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں اور احادیث تو لاتعداد وارد ہوئی ہیں۔ جن میں سے نمونہ کے طور پر تھوڑی سی اس رِسالہ میں ذکر کی جائیں گی۔ میں اپنے ہر رسالہ میں اختصار کی بہت کوشش کرتا ہوں کہ دینی چیزوں کے لئے نہ پڑھنے والوں کے پاس وقت زیادہ ہے نہ رسالہ کے بڑے ہو جانے کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہو جانے کے بعد خریدنے والوں کے پاس پیسہ زائد ہے۔ ہاں سینما دیکھنے کے لئے بیاہ شادیوں میں خرچ کرنے کے لئے غریب سے غریب کے پاس بھی پیسہ کی کمی نہیں۔ یہ اللہ کی شان ہے اس لئے اوّل مختصراً چند آیات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد چند احادیث ذکر کی جائیں گی۔

آیات

(۱) وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ «لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا اعلان کر دو

يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۙ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ الآیۃ (حج - ۴)	(اس اعلان سے) لوگ تمہارے پاس (یعنی تمہاری اس عمارت کے پاس حج کے لئے) چلے آئیں گے پاؤں چل کر بھی اور ایسی اونٹنیوں پر (سوار ہو کر) بھی جو دور دراز راستوں سے چل کر آئی ہوں (اور سفر کی وجہ سے) دُبلی ہو گئی ہوں۔ تاکہ یہ آنے والے اپنے مُنافع حاصل کریں۔

ف : بیت اللہ شریف کی سب سے پہلی بناء میں اختلاف ہے کہ حضرت آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ والسَّلام نے بنایا، یا اس سے پہلے فرشتوں نے بنایا تھا حتی کہ بعض نے کہا ہے کہ زمین کی سب سے پہلی اِبتداء اسی جگہ سے ہوئی کہ پانی پر ایک بُلبُلہ کی شکل تھی جس سے پھر بقیہ زمین کا حصّہ پھیلایا گیا لیکن حضرت نُوح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں جب طوفان آیا تو یہ مکان اُٹھالیا گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام حضرت اسمعیل کی مدد سے اسکی تعمیر کی جسکا ذکر پہلے پارے میں وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ میں ہے اس آیتِ شریفہ سے پہلی آیت میں اسی کا بیان ہے کہ اس گھر کی جگہ کا نشان ہم نے ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام کو بتایا تھا۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے حکم سے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام نے اس مکان کی از سرِ نو تعمیر کی۔

ایک حدیث میں آیا کہ جب اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃ وَالسَّلام کو جنّت سے اُتارا تو ان کے ساتھ اپنا گھر بھی اُتارا اور فرمایا کہ اے آدمؑ میں تیرے ساتھ اپنا گھر اُتارتا ہوں اس کا طواف اسی طرح کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کا طواف کیا جاتا ہے۔ اور اس کی طرف نماز اسی طرح پڑھی جائے گی جس طرح میرے عرش کی طرف نماز پڑھی جاتی ہے۔

اس کے بعد طوفانِ نوح کے زمانہ میں یہ مکان اُٹھالیا گیا، اس کے بعد اَنبیاء کرامؑ اس جگہ کا طواف کرتے تھے، مکان نہ تھا، اس کے بعد حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس جگہ مکان بنانے کا حکم فرمایا اور جگہ کی تعیین خود فرمادی (ترغیب منذری)۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ تعمیر سے فراغت ہو چکی ہے اس پر اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے حکم ہوا کہ لوگوں میں حج کا اِعلان کرو۔ جس کا اوپر کی آیت میں ذکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا

کہ یا اللہ میری آواز کس طرح پہنچے گی۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے فرمایا کہ آواز کا پہنچانا ہمارے ذمہ ہے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے اعلان فرمایا جس کو آسمان و زمین کے درمیان ہر چیز نے سُنا۔ آج اس میں کوئی اشکال نہیں رہا کہ لاسلکی سے ایک مُلک سے دوسرے مُلک تک آواز پہنچ رہی ہے تو لاسلکیوں کے بنانے والوں کا بنانے والا جب آواز پہنچانے کا ارادہ کرے تو اس میں کیا اشکال ہو سکتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اس آواز کو ہر شخص نے سُنا اور لَبَّیْک کہا جس کے معنی ہیں کہ میں حاضر ہوں۔ یہی وہ لَبَّیْک ہے جس کو حاجی احرام کے بعد سے شروع کرتا ہے۔ جس شخص کی قسمت میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے حج کی سعادت لکھی تھی وہ اس آواز سے بہرہ ور ہوا اور لَبَّیْک کہا (اتحاف) دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے بھی خواہ وہ پیدا ہو چکا تھا، یا ابھی تک عالمِ اَرْوَاح میں تھا اس وقت لَبَّیْک کہا وہ حج ضرور کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے ایک مرتبہ لَبَّیْک کہا وہ ایک حج کرتا ہے، جس نے اس وقت دو مرتبہ لَبَّیْک کہا وہ دو مرتبہ حج کرتا ہے۔ اور اسی طرح جس نے اس سے زیادہ جتنی مرتبہ لَبَّیْک کہا اتنے ہی حج اس کو نصیب ہوتے ہیں (در منثور) کس قدر خوش نصیب ہیں وہ روحیں جنہوں نے اسوقت دُمادم لَبَّیْک کہا ہوگا، بیسیوں حج ان کو نصیب ہوئے یا ہوں گے۔

(۲) اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ (بقرہ - ۲۵)

" حج کا زمانہ) چند مہینے ہیں جو (مشہور و) معلوم ہیں (یعنی یکم شوال سے دس ذی الحجہ تک) پس جو شخص ان ایام میں اپنے اوپر حج مقرر کرے (کہ حج کا احرام باندھ لے) تو پھر نہ کوئی فحش بات جائز ہے اور نہ عدول حکمی درست ہے اور نہ کسی قسم کا جھگڑا زیبا ہے (بلکہ اس کو چاہیئے کہ ہر وقت نیک کام میں لگا رہے) اور جو نیک کام کرو گے حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو جانتے ہیں (ان کو ہر شخص کی ہر بات کا ہر وقت علم رہتا ہے اس کے موافق اس کو جزا یا سزا دیتے ہیں۔ اس لئے ان نیکیوں کا بہت بدلہ عطا فرمائیں گے جو اُن مبارک اوقات میں کی جائیں گی)۔"

ف: فحش بات دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ جو پہلے سے بھی ناجائز تھی اس کا گناہ حج کی حالت میں کرنے سے زیادہ ہو جاتا ہے، دوسرے وہ جو پہلے سے جائز تھی جیسا کہ اپنی بیوی سے بے حجابی کی بات کرنا، حج میں وہ بھی جائز نہیں رہتی۔ اسی طرح حکم عدولی بھی دو طرح کی ہے۔ ایک وہ جو پہلے ہی سے ناجائز تھی، جیسا کہ

سارے گناہ ان کی معصیت حج کی حالت میں زیادہ سخت ہو جاتی ہے گی، دوسرے وہ امور جو پہلے سے جائز تھے اب حج کی وجہ سے ناجائز ہو گئے، جیسا کہ، خوشبو لگانا، یہ اب ناجائز ہو گیا۔ ایسے ہی لڑنا جھگڑنا پہلے سے بھی بُرا ہے مگر حج میں اور بھی زیادہ بُرا ہے۔ (بیان القرآن)

اگرچہ عُدُول حکمی میں جھگڑا کرنا بھی داخل ہے، مگر چونکہ حج میں اکثر ساتھیوں میں نزاع ہو ہی جاتا ہے اسلئے اِہتمام کی وجہ سے اس کو خاص طور سے ذکر فرمایا جیسا کہ آئندہ پہلی حدیث کے ذیل میں بھی اس کا ذکر آرہا ہے

(۳) اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ ع ۱)

"آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے (ہر طرح) کامل و مکمل بنا دیا اور تم پر اپنا انعام (آج) پورا کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے (ہمیشہ کو) پسند کر لیا کہ قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا۔ اسکو منسوخ کر کے دوسرا دین تجویز نہ کیا جائے گا۔"

ف: حج کے اہم فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ یہ آیتِ شریفہ جس میں تکمیلِ دین کا مژدہ ہے حج کے موقع پر نازل ہوئی۔ امام غزالیؒ نے احیاء میں لکھا ہے کہ حج اسلام کے بنیادی ارکان میں ہے۔ اسی پر ارکان کا اِختتام ہوا ہے۔ اور اسی پر اسلام کی تکمیل و تتمیم ہوئی ہے اسی میں آیۃ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ نازل ہوئی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہود کے بعض علماء نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ تم قرآن پاک میں ایک آیت پڑھتے ہو اگر وہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بناتے (یعنی سالگرہ کے طور پر اس دن کی خوشی مناتے) حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کونسی آیت ہے، انہوں نے عرض کیا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ کس دن اور کہاں نازل ہوئی۔ بحمد اللہ ہمارے یہاں اس وقت دو عیدیں جمع تھیں ایک جمعہ کا دن (کہ وہ بھی مسلمان کے لئے بمنزلہ عید کے دن کے ہے) دوسرے عرفہ کا دن (کہ وہ بھی بالخصوص حاجی کے لئے عید کا دن ہے)۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت جمعہ کے دن شام کیوقت عصر کے بعد جب کہ حضورِ اقدس صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عرفات کے میدان میں اپنی اونٹنی پر تشریف فرما تھے نازل ہوئی۔ درحقیقت یہ بڑا مژدہ ہے جو اس آیتِ شریفہ میں سُنایا گیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس آیتِ شریفہ کے بعد حلّت و حُرمت کے بارہ میں کوئی جدید حکم نازل نہیں ہوا۔ جب آدمی حج میں یہ خیال کرے کہ اس فریضہ سے دین کی تکمیل قرار دی گئی اور دین مکمل ہونے کا یہ ذریعہ ہوا ہے تو کتنے ذوق شوق سے اس فریضہ کو ادا کرنا چاہیئے وہ ظاہر ہے۔

جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنی اونٹنی پر تھے وہ اونٹنی بوجھ کی وجہ سے بیٹھ گئی، کھڑی نہ ہو سکی، وحی کے وقت حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ میں وزن بہت بڑھ جاتا تھا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضورؐ اونٹنی پر ہوتے اور وحی نازل ہوتی تو وہ اونٹنی اپنی گردن گرا دیتی۔ اور جب تک وحی ختم نہ ہوتی حرکت نہ کر سکتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب وحی نازل ہوتی ہے تو مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ میری جان نکل جائے گی (در منثور) حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جب آیتِ شریفہ لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ (نساء۔ ۱۳) نازل ہوئی تو میں حضورؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا حضورؐ پر غشی سی طاری ہوئی تو آپ کی ران میری ران پر رکھی گئی، اس کے وزن سے میری ران ٹوٹی جا رہی تھی (در منثور)۔ یہ اللہ پاک کے پاک کلام کی عظمت و ہیبت تھی جس کو ہم لوگ ایسا سرسری اور لاپرواہی سے پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ ایک معمولی کلام ہو، یہاں تک چند آیات کا ذکر تھا آگے چند احادیث کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

احادیث

(۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ (متفق علیہ مشکوٰۃ)

"حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے حج کرے اس طرح کہ اس حج میں نہ رفث ہو (یعنی فحش بات) اور نہ فسق ہو (یعنی حکم عدولی) وہ حج سے ایسا واپس ہوتا ہے جیسا اس دن تھا جس دن ماں کے پیٹ سے نکلا تھا۔"

ف: جب بچہ پیدا ہوتا ہے وہ معصوم ہوتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ، کوئی لغزش، کسی قسم کی دارگیر کچھ نہیں ہوتی۔ یہی اثر ہے اس حج کا جو اللہ کے واسطے کیا جائے۔ فضائل نماز کے شروع میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ علماء کے نزدیک اس قسم کی احادیث سے صغیرہ گناہ مراد ہوا کرتے ہیں۔ اگرچہ حج کے بارہ میں جو روایات بکثرت وارد ہوئی ہیں ان کی وجہ سے بعض علماء کی یہ تحقیق ہے کہ حج سے صغائر، کبائر سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں تین مضمون ذکر فرمائے ہیں، اوّل یہ کہ اللہ کے واسطے حج کیا جائے، یعنی

اس میں کوئی دُنیوی غرض، شہرت، ریا وغیرہ شامل نہ ہو۔ بہت سے لوگ شہرت اور عزت کی وجہ سے حج کرتے ہیں وہ اتنا حرج اور خرچ ثواب کے اعتبار سے بے کار ضائع کرتے ہیں اگرچہ حج فرض اس طرح بھی ادا ہوجائے گا، لیکن اگر محض اللہ کی رضا کی نیت ہو تو فرض ادا ہونے کے ساتھ کس قدر ثواب ملے۔ اتنی بڑی دولت کو محض چند لوگوں میں عزت کی نیت سے ضائع کر دینا کس قدر نقصان اور خسارہ کی بات ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب میری امت کے امیر لوگ تو حج محض سیر و تفریح کے ارادہ سے کریں گے (گویا لندن و پیرس کی تفریح نہ کی حجاز کی تفریح کرلی) اور میری امت کا متوسط طبقہ تجارت کی غرض سے حج کریگا کہ تجارتی مال کچھ اِدھر سے لے گئے کچھ اُدھر سے لے آئے، اور علماء ریاء و شہرت کی وجہ سے حج کریں گے (کہ فلاں مولانا صاحب نے پانچ حج کئے دس حج کئے)۔ اور غرباء بھیک مانگنے کی غرض سے جائیں گے (کنز العمال)

عُلماء نے لکھا ہے کہ جو لوگ اُجرت کے ساتھ حجِ بدل کرتے ہیں کہ اس حج سے کچھ دنیوی نفع حاصل ہوجائے وہ بھی اس میں داخل ہیں کہ گویا حج کے ساتھ تجارت کر رہا ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ۱۵ کے ذیل میں آرہا ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ سلاطین اور بادشاہ تفریح کی نیت سے حج کریں گے، اور غنی لوگ تجارت کی غرض سے اور فُقراء سُوال کی غرض سے اور علماء شہرت کی وجہ سے (اتحاف)، ان دونوں حدیثوں میں کچھ تعارض نہیں۔ پہلی حدیث میں جو غنی بتائے گئے ان سے اعلیٰ درجہ کے غنی مراد ہیں جن کو دوسری حدیث میں سلاطین سے تعبیر کیا ہے۔ اور جس کو اس حدیث میں غنی سے تعبیر کیا ہے وہ سلاطین سے کم درجہ مراد ہے۔ جس کو پہلی حدیث میں متوسط طبقہ سے تعبیر کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ صفا مروہ کے درمیان ایک مرتبہ تشریف فرما تھے۔ ایک جماعت آئی جو اپنے اونٹوں سے اُتری اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ صفا مروہ کے درمیان سعی کی۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کیا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ عراق کے لوگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہاں کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا حج کے لئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کوئی اور غرض تو نہ تھی۔ مثلاً اپنی میراث کا کسی سے مطالبہ ہو یا کسی قرضدار سے روپیہ وصول کرنا ہو یا کوئی اور تجارتی غرض ہو؟ انہوں نے عرض کیا نہیں کوئی دوسری غرض نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ از سرِ نو اعمال کرو یعنی پہلے سارے گناہ تمہارے معاف ہوچکے۔

دوسری چیز حدیث بالا میں یہ ہے کہ اس میں رَفَث یعنی فحش بات نہ ہو اس سے قبل قرآن پاک کی

آیتِ شریفہ میں بھی یہ لفظ فَلَا رَفَثَ گذر چکا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ ایک ایسا جامع کلمہ ہے جس میں ہر قسم کی لغو اور بیہودہ بات داخل ہے حتیٰ کہ بیوی کے سامنے صحبت کا ذکر کرنا بھی داخل ہے حتیٰ کہ اس قسم کی بات کا آنکھ سے یا ہاتھ سے اشارہ کرنا بھی داخل ہے کہ اس قسم کا ذکر شہوت کو ابھارتا ہے۔

تیسری چیز جو اس حدیث پاک میں ذکر کی گئی وہ فُسُوق یعنی حکم عدولی نہ ہونا ہے۔ یہ بھی قرآن پاک کی آیتِ مذکورہ میں گذر چکا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ بھی ایک جامع کلمہ ہے جو اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی ہر قسم کی نافرمانی کو شامل ہے اس میں جھگڑا کرنا بھی داخل ہے کہ یہ بھی حکم عدولی ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک حدیث پاک میں اِرشاد فرمایا کہ حج کی خوبی نرم کلام کرنا اور لوگوں کو کھانا کھلانا ہے۔ لہٰذا کسی سے سختی سے گفتگو کرنا، نرم کلام کے مُنافی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے ساتھیوں پر بار بار اعتراض نہ کیا کرے، بدوؤں سے سختی سے پیش نہ آئے۔ ہر شخص کے ساتھ تَواضُع سے اور خوش خلقی سے پیش آئے۔ علماء نے لکھا ہے، کہ خوش خلقی یہ نہیں ہے کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچائے بلکہ خوش خلقی یہ ہے کہ دوسرے کی اَذِیّت کو برداشت کرے۔ سفر کے معنی لُغت میں ظاہر کرنے کے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ سَفَر کو سفر اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں آدمی کے اَخلاق ظاہر ہوتے ہیں

حضرت عمر رضؓ نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ تم فلاں کو جانتے ہو کہ کیسا آدمی ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی جانتا ہوں۔ حضرت عمر رضؓ نے دریافت کیا کہ تم نے کبھی کوئی سفر اس کے ساتھ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ سَفَر تو نہیں کیا۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ پھر تم اس کو نہیں جانتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضؓ کے سامنے ایک صاحب نے کسی کی تعریف کی کہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے دریافت فرمایا کہ تم نے ان کے ساتھ کوئی سفر کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ سفر تو نہیں کیا۔ پھر حضرت عمر رضؓ نے دریافت کیا تمہارا ان کے ساتھ کوئی مُعَامَلہ پڑا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ معاملہ بھی نہیں پڑا تو حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ پھر تمہیں انکے حال کی کیا خبر۔ (اتحاف) حق یہ ہے کہ آدمی کا حال ایسی ہی چیزوں سے ظاہر ہوتا ہے، ویسے دیکھنے میں تو سب ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر سفر میں اکثر کشیدگی ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے قرآن پاک میں حج کے ساتھ وَلَا جِدَالَ کو خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَہٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ۔ متفق علیہ

"حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ نیکی والے حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔"

ف : بعض علماء نے کہا ہے "نیکی والے حج" کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی معصیت نہ ہو اسی واسطے اکثر حضرات اس کا ترجمہ "حج مقبول" سے کرتے ہیں کہ جب آداب و شرائط کی رعایت ہوگی، کوئی لغزش اس میں نہ ہوگی تو وہ حج انشاء اللہ مقبول ہی ہوگا۔ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ حج کی نیکی لوگوں کو کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حج کی نیکی کھانا کھلانا اور لوگوں کو کثرت سے سلام کرنا ہے (ترغیب) ایک حدیث میں ہے کہ جب حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ نیکی والے حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں، تو صحابہؓ نے دریافت کیا کہ حضور نیکی والا حج کیا چیز ہے؟ تو حضورؐ نے فرمایا کہ کھانا کھلانا اور سلام کثرت سے کرنا (کنز)

(۳) عَنْ عَائِشَةَ رضـ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ يَّوْمٍ اَكْثَرُ مِنْ اَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِّنَ النَّارِ مِنْ يَّوْمِ عَرَفَةَ وَاِنَّهٗ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ فَيَقُوْلُ مَا اَرَادَ هٰٓؤُلَآءِ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ) وبمعناہ عن جابر

"حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ کا ارشاد ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زائد بندوں کو جہنم سے نجات دیتے ہوں۔ یعنی جتنی کثیر مقدار کو عرفہ کے دن خلاصی ہوتی ہے اتنی کثیر تعداد کسی اور دن کی نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ شانہٗ۔ (دنیا کے) قریب ہوتے ہیں پھر فخر کے طور پر فرماتے ہیں، یہ بندے کیا چاہتے ہیں"

ف : (اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا قریب ہونا یا نیچے کے آسمان پر اترنا یا اس قسم کے اور جو مضامین ذکر کیے گئے ہیں ان کی اصل حقیقت تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ ہی کو معلوم ہے کہ وہ ہر وقت قریب ہے۔ اترنے چڑھنے کی ظاہری معنی سے بالاتر ہے۔ علماء اس قسم کے مضامین کو رحمت خاصہ کے قریب ہونے سے تعبیر فرمایا کرتے ہیں جو مضمون حدیث بالا میں مذکور ہے اس قسم کے مضامین بہت سی احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب عرفہ کا دن ہوتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ سب سے نیچے کے آسمان پر اتر کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو دیکھو کہ میرے پاس ایسی حالت میں آئے ہیں کہ سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، بدن پر اور کپڑوں پر سفر کی وجہ سے غبار پڑا ہوا ہے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کا شور ہے۔ دور دور سے چل کر آئے ہیں میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اُن کے گناہ معاف کر دیئے فرشتے عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ فلاں شخص گناہوں کی طرف منسوب ہے، اور فلاں مرد اور فلاں عورت (تو بس کیا کہا جائے) حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوتا ہے کہ میں نے ان سب کی مغفرت کر دی۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ اس دن سے زیادہ کسی دن بھی لوگ جہنم کی آگ سے آزاد نہیں ہوتے (مشکوٰۃ)۔

(ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں یہ میرے بندے بکھرے ہوئے بالوں والے میرے پاس آئے ہیں میری رحمت کے امیدوار ہیں (اس کے بعد بندوں سے خطاب فرماتے ہیں) اگر تمہارے گناہ ریت کے ذرّوں کے برابر ہوں اور آسمان کی بارش کے قطروں کے برابر ہوں اور تمام دنیا کے درختوں کے برابر ہوں تب بھی بخش دیئے جاؤ، بخشے بخشائے اپنے گھر چلے جاؤ (کنز)۔)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فخر کے طور پر فرشتوں سے فرماتے ہیں دیکھو میں نے ان بندوں کی طرف اپنا رسول بھیجا، یہ اس پر ایمان لائے، میں نے ان پر کتاب نازل کی یہ اس پر ایمان لائے تم گواہ رہو کہ میں نے ان کے سارے گناہ معاف کر دیئے (کنز)۔

(غرض بہت کثرت سے روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ ان ہی جیسی احادیث کی بنا پر بعض علماء نے کہا ہے کہ حج کی معافی صغیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص نہیں کبیرہ گناہ بھی اس سے معاف ہو جاتے ہیں، وہ با اختیار بادشاہ ہے اس کی نافرمانیوں کا نام گناہ ہے، وہ کسی آدمی کو یا کسی جماعت کو اپنے فضل سے بالکل ہی معاف کر دے تو نہ اس کے لطف و کرم سے بعید ہے نہ کسی دوسرے کا اس میں اجارہ ہے۔)

(شفا قاضی عیاضؒ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک جماعت سعدون خولانیؒ کے پاس آئی، اور ان سے یہ قصہ بیان کیا کہ قبیلہ کنامہ کے لوگوں نے ایک آدمی قتل کیا۔ اور اس کو آگ میں جلانا چاہا رات بھر اس پر آگ جلاتے رہے مگر آگ نے اس پر ذرا بھی اثر نہ کیا بدن ویسا ہی سفید رہا۔ سعدونؒ نے فرمایا کہ شاید اس شہید نے تین حج کئے ہونگے۔ لوگوں نے کہا جی ہاں تین حج کئے ہیں سعدونؒ نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس شخص نے ایک حج کیا اس نے اپنا فریضہ ادا کیا اور جس نے دوسرا حج کیا اس نے اللہ کو قرض دیا اور جو تین حج کرتا ہے تو اللہ جل شانہٗ اس کی کھال کو، اس کے بال کو آگ پر حرام کر دیتا ہے۔)

(۴) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ كُرَيْزٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا رُئِيَ الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ أَصْغَرُ وَلَا أَدْحَرُ وَلَا أَحْقَرُ وَلَا أَغْيَظُ مِنْهُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِمَا يَرٰى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ إِلَّا مَا رُئِيَ يَوْمَ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غزوۂ بدر کا دن تو مستثنیٰ ہے اس کو چھوڑ کر کوئی دن عرفہ کے دن کے علاوہ ایسا نہیں جس میں شیطان بہت ذلیل ہو رہا ہو، بہت راندہ پھر رہا ہو بہت حقیر ہو رہا ہو، بہت زیادہ غصہ میں بھر رہا ہو اور یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ عرفہ کے دن میں اللہ کی رحمتوں کا کثرت سے نازل ہونا بندوں کے بڑے بڑے

بَدْرٍ۔ رواہ مالك مرسلاً (مشكوٰة) گناہوں کا معاف ہوتا دیکھتا ہے "۔

ف: شیطان کو اس دن میں جتنا بھی غصہ ہو، جتنا بھی اس پر رنج و ملال کا اثر ہو، جتنا بھی وہ پریشان حال ہو، قرینِ قیاس ہے۔ کیونکہ اس کی عمر بھر کی محنت کہ بڑی مشقتوں اور محنتوں سے اس نے لوگوں سے گناہ کرائے، وہ آج ایک رحمت کے جھونکے میں سب صاف ہو گئے، اس پر جتنا بھی اس کو غصہ اور رنج ہو وہ ظاہر ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان اپنے شریر لشکر کو اس پر مامور کرتا ہے کہ وہ حاجیوں کے راستہ میں بیٹھ کر ان کو راستہ سے بے راہ کریں (کنز)۔

صوفیہ میں سے ایک صاحبِ کشف کا قصہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ان کو عرفہ کے دن شیطان نظر آیا کہ بہت ہی کمزور ہو رہا ہے، چہرہ زرد پڑا ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، کمر سے سیدھا کھڑا نہیں ہوا جاتا وہ جھک رہی ہے۔ ان بزرگ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو کیوں رو رہا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے یہ چیز رُلا رہی ہے کہ حاجی لوگ بلا (کسی دنیوی غرض) تجارت وغیرہ کے اسکی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ مجھے یہ ڈر اور رنج ہے کہ وہ پاک ذات ان لوگوں کو نامراد نہیں رکھے گی۔ اس غم میں رو رہا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں پھر میں نے اس سے پوچھا کہ تو دُبلا کیوں ہو گیا؟ اس نے کہا کہ گھوڑوں کی آواز سے جو ہر وقت اللہ کے راستوں میں (حج عمرہ جہاد وغیرہ میں) پھرتے رہتے ہیں۔ کاش یہ سواریاں میرے راستے (لہو و لعب بدکاری حرام کمائی وغیرہ) میں پھرتیں تو مجھے کیسی اچھی لگتیں انہوں نے فرمایا کہ تیرا رنگ ایسا زرد کیوں پڑ گیا؟ اس نے کہا کہ لوگ ایک دوسرے کو نیکیوں پر آمادہ کرتے ہیں، اس کام میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اگر یہ آپس کی امداد و اعانت گناہوں کے کرنے میں ہوتی تو میرے لئے کس قدر مسرت کا سبب ہوتی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ تیری کمر کیوں جھک گئی؟ اس نے کہا کہ بندہ ہر وقت یہ کہتا ہے کہ یا اللہ خاتمہ بالخیر عطا کر، ایسا شخص جس کو اپنے خاتمہ کا ہر وقت فکر رہے کب اپنے کسی نیک عمل پر گھمنڈ کرے گا۔

(۵) عَنِ ابْنِ شُمَاسَةَ قَالَ حَضَرْنَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ وَهُوَ فِيْ سِيَاقَةِ الْمَوْتِ فَبَكٰى طَوِيْلًا وَقَالَ فَلَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الْإِسْلَامَ فِيْ قَلْبِيْ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُبْسُطْ يَمِيْنَكَ وَلِأُبَايِعَكَ

(ابن شماسہؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس حاضر ہوئے اُن کا آخری وقت تھا انتقال ہو رہا تھا حضرت عمروؓ اس وقت بہت دیر تک روتے رہے۔ اس کے بعد اپنے اسلام لانے کا قصہ سُنایا اور فرمانے لگے کہ جب اللہ جل شانہٗ نے میرے دل میں اسلام لانے کا جذبہ پیدا کر دیا تو میں حضورِ اقدس

فَبَسَطَ یَدَہٗ فَقَبَضْتُ یَدِیْ فَقَالَ مَالَکَ یَا عَمْرُو قَالَ اَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا قَالَ اَنْ یُّغْفَرَلِیْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ یَا عَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ وَاَنَّ الْھِجْرَۃَ تَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَھَا وَاَنَّ الْحَجَّ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ۔

رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ ھٰکذا مختصراً ورواہ مسلم وغیرہ اطول منہ کذا فی الترغیب۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حاضر ہو کر عرض کیا کہ بیعت کے لئے ہاتھ دیجئے میں مسلمان ہوتا ہوں۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنا دستِ مبارک پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ حضورؐ نے فرمایا یہ کیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضورؐ میں پہلے ایک شرط کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ میرے پچھلے گناہ معاف کر دے۔ حضورؐ نے فرمایا عمرو تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ اسلام ان سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو کفر کی حالت میں کئے گئے ہوں، اور ہجرت اُن سب لغزشوں کو ختم کر دیتی ہے جو ہجرت سے پہلی کی ہوں اور حج ان سب قصوروں کا خاتمہ کر دیتا ہے جو حج سے پہلے کئے ہوں۔)

ف: اس حدیث شریف میں اس چیز سے قطع نظر کہ گناہ صغیرہ مراد ہیں یا کبیرہ جیسا کہ سب سے پہلی حدیث میں گذر چکا ہے یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ ایک کسی کا حق ہوتا ہے اور ایک اس کا گناہ۔ حج وغیرہ سے گناہ تو معاف ہوتے ہیں مگر حقوق معاف نہیں ہوتے، مثلاً کسی شخص کا مال چرا لیا اس میں ایک تو وہ مال ہے جو چُرایا ہے دوسرے اس چوری کا گناہ ہے، گناہ کے معاف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ جس کا مال چُرایا ہے وہ بھی واپس کرنا نہ پڑے گا۔ اس کا واپس کرنا تو ضروری ہے البتہ اس چوری کرنے کا جو گناہ ہوا وہ معاف ہو سکتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے عرفہ کی شام کو عرفات کے میدان میں اُمت کی مغفرت کی دعاء مانگی، اور بہت اِلحاح وزاری سے دیر تک مانگتے رہے، رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا ارشاد ہوا کہ میں نے تمہاری دعا قبول کر لی اور جو گناہ بندوں نے میرے کئے ہیں وہ معاف کر دیئے البتہ جو ایک دوسرے پر ظلم کئے ہیں اُن کا بدلہ لیا جائے گا۔ حضورؐ نے پھر درخواست کی اور بار بار یہ درخواست کرتے رہے کہ یا اللہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ مظلوم کے ظلم کا بدلہ تو عطا فرما دے اور ظالم کے قصور کو معاف فرما دے۔ مُزدلفہ کی صبح کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے

یہ دُعا بھی قبول فرمالی، اس وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے ایسی (الحاح وزاری کی) حالت میں تبسم فرمایا کہ ایسے وقت تبسم کی عادت شریفہ نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب اللہ جل شانہٗ نے میری یہ دُعا قبول فرمائی اور شیطان کو اس کا پتہ چلا تو آہ و واویلا سے چلّانے لگا اور مٹی اپنے سر پر ڈالنے لگا۔ (ترغیب)

(۶) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُلَبِّيْ إِلَّا لَبّٰى مَنْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ مِنْ حَجَرٍ أَوْ شَجَرٍ أَوْ مَدَرٍ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الْأَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا۔ رواه الترمذی وابن ماجة كذا فی المشكوٰة

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب حاجی لبیک کہتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے دائیں اور بائیں جو پتھر درخت ڈھیلے وغیرہ ہوتے ہیں وہ بھی لبیک کہتے ہیں اور اسی طرح سلسلہ زمین کے منتہا تک یہ سلسلہ چلتا ہے۔"

ف: متعدد احادیث میں آیا ہے کہ لبیک کہنا حج کا شعار ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب لبیک کہتے تھے تو حق تعالیٰ شانہٗ جواب میں فرماتے تھے لبیک یا موسیٰ (کنز) حاجی کی ایک لبیک ہی نہیں اس کی ہر چیز میں مستقل اجر اور فضیلت ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں منیٰ کی مسجد میں حاضر تھا کہ دو شخص ایک انصاری اور ایک ثقفی حاضرِ خدمت ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا کہ حضور ہم کچھ دریافت کرنے آئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تمہارا دل چاہے تو تم دریافت کر لو اور تم کہو تو میں بتاؤں کہ تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہی ارشاد فرمادیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم حج کے متعلق دریافت کرنے آئے ہو کہ حج کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کا کیا ثواب ہے، اور طواف کے بعد دو رکعت پڑھنے کا کیا فائدہ، اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنے کا کیا ثواب ہے اور عرفات پر ٹھیرنے اور شیطانوں کے کنکریاں مارنے کا اور قربانی کرنے کا اور طوافِ زیارت کرنیکا کیا ثواب ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس پاک ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ یہی سوالات ہمارے ذہن میں تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ حج کا ارادہ کرکے گھر سے نکلنے کے بعد تمہاری (سواری) اونٹنی جو ایک قدم رکھتی ہے۔ یا اٹھاتی ہے وہ تمہارے اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور طواف کے بعد دو رکعتوں کا ثواب ایسا ہے جیسا ایک عربی غلام کو آزاد کیا ہو اور

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا ثواب ستّر غلاموں کو آزاد کرانے کے برابر ہے۔ اور عرفات کے میدان میں جب لوگ جمع ہوتے ہیں تو حق تعالےٰ شانہٗ دُنیا کے آسمان پر اُتر کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میرے بندے دور دور سے پراگندہ بال آئے ہوئے ہیں میری رحمت کے اُمیدوار ہیں۔ اگر تم لوگوں کے گناہ ریت کے ذرّوں کے برابر ہوں۔ یا بارش کے قطروں کے برابر ہوں یا سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں تب بھی میں نے معاف کر دیئے۔ میرے بندو! جاؤ، بخشے بخشائے چلے جاؤ، تمہارے بھی گناہ معاف ہیں اور جن کی تم سفارش کرو ان کے بھی گناہ معاف ہیں۔

اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ شیطانوں کے کنکریاں مارنے کا حال یہ ہے کہ ہر کنکری کے بدلہ ایک بڑا گناہ جو ہلاک کر دینے والا ہو معاف ہوتا ہے۔ اور قربانی کا بدلہ اللہ کے یہاں تمہارے لئے ذخیرہ ہے اور احرام کھولنے کے وقت سر منڈانے میں ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔ اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ اس سب کے بعد جب آدمی طوافِ زیارت کرتا ہے تو ایسے حال میں طواف کرتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور ایک فرشتہ مونڈھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ آئندہ از سرِ نَو اعمال کر تیرے پچھلے سب گناہ تو معاف ہو چکے (ترغیب) لیکن یہ ضروری ہے کہ حج وہی حج مبرور ہو جو حقیقۃً حج کہلانے کا مستحق ہے۔

مشائخ نے لکھا ہے کہ لبیک اس ندا، کا جواب ہے جو اللہ جَلَّ شانہٗ کے حکم سے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمائی تھی، جس کا ذکر قرآن پاک کی آیت وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ میں گذر چکا ہے۔ اس لئے جیسا کہ حاکم کی پکار پر دربار کی حاضری میں اُمید و خوف کی حالت ہوتی ہے ایسا ہی حال ہونا چاہیئے اس سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں اپنی بد اعمالیوں سے حاضری ہی قبول نہ ہو۔

مُطَرِّف بن عبد اللہؒ عرفات کے میدان میں یہ دُعا کر رہے تھے کہ یا اللہ ان سب کو میری نحوست کی وجہ سے محروم نہ فرما۔

بکر مُزَنیؒ کہتے ہیں کہ ایک بزرگ عَرَفات کے میدان میں حُجّاج کو دیکھ کر کہتے تھے کہ مجھے یہ خیال ہو رہا ہے کہ میں اگر نہ ہوں تو ان سب کی مغفرت ہو جاتی (اتحاف)۔

حضرت علی زین العابدینؒ نے جب حج کے لئے احرام باندھا تو چہرہ زرد ہو گیا۔ اور بدن پر کپکپی آگئی اور لبیک نہ کہہ سکے کسی نے عرض کیا کہ آپ نے احرام کے شروع میں لبیک نہیں کہی تو فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کے جواب میں لَا لبیک نہ کہا جائے۔ یعنی تیری حاضری معتبر نہیں، اس کے بعد بڑی

مشکل سے لبّیک کہا تو غشی آگئی اور اونٹنی پر سے گر گئے۔ اس کے بعد جب لبّیک کہتے یہی حال ہوتا۔ سارا حج اسی طرح پورا کیا۔

احمدؒ کہتے ہیں کہ میں ابوسلیمانؒ کے ساتھ حج کو گیا۔ جب احرام باندھنا شروع کیا تو انہوں نے لبّیک نہ کہی، یہاں تک کہ ہم ایک میل چلے، اس کے بعد ان کو غشی آگئی۔ جب غشی سے افاقہ ہوا تو مجھ سے یہ کہنے لگے کہ احمد حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام والصلوٰۃ کی طرف یہ وحی بھیجی تھی کہ ظالموں سے کہہ دو کہ میرا ذکر کم کیا کریں اس لئے کہ جب آدمی اللہ جلّ شانہٗ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ جلّ شانہٗ کے ارشاد فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ "تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا" کی بنا پر حق تعالیٰ شانہٗ بھی اس ظالم کا ذکر کرتے ہیں۔ اس بنا پر فرمایا کہ میں اس ظالم کا ذکر لعنت سے کرتا ہوں۔ اس کے بعد ابوسلیمانؒ نے کہا کہ احمد مجھے یہ بتایا گیا کہ جو شخص ناجائز امور سے ساتھ حج کرتا ہے اور لبّیک کہتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں لا لبّیک تیری لبّیک مقبول نہیں۔ جب تک ان ناجائز امور کو نہ چھوڑے (اتحاف)

ترمذی شریف میں حضرت شدّاد بن اوسؓ سے روایت کی ہے کہ عقلمند شخص وہ ہے جو اپنے نفس سے حساب کرتا ہے اور آخرت کے لئے عمل کرتا رہے اور عاجز و بیوقوف ہے وہ شخص جو اپنے نفس کو خواہشوں کیطرف لگائے رکھے اور اپنی آرزوؤں کے پورا ہونے کی امیدیں باندھے رہے (نزہتہ) لیکن اس سب کے باوجود اللہ کے لطف و کرم کا امیدوار بھی رہنا چاہیے کہ اس کا فضل اور کرم ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے۔ حضورؐ کی دعاء کے الفاظ ہیں اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ "یا اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے بہت زیادہ وسیع ہے اور تیری رحمت میرے اعمالِ حسنہ سے زیادہ امید کے قابل ہے۔"

ایک بزرگ مکہ مکرمہ میں ستر برس رہے اور برابر حج اور عمرے کرتے رہے لیکن جب وہ حج یا عمرہ کا احرام باندھتے اور لبّیک کہتے تو جواب لا لبّیک ملتا ایک مرتبہ ایک نوجوان نے ان کے ساتھ ہی احرام باندھا اور ان کو جب لا لبّیک کا جواب ملا تو اس نے بھی سنا، تو وہ کہنے لگا چچا جان آپکو تو لا لبّیک کہا۔ کہنے لگے کہ بیٹا تونے بھی سنا؟ اسنے کہا کہ میں نے بھی سنا ہے۔ اس پر شیخ روئے اور کہنے لگے کہ بیٹا میں تو ستر برس سے یہی جواب سنتا ہوں جوان نے کہا پھر کیوں آپ اتنی مشقت ہمیشہ اٹھاتے ہیں؟ شیخ نے کہا کہ بیٹا اسکے سوا اور کونسا دروازہ ہے جس کو پکڑلوں اور اس کے سوا اور کون میرا ہے جس کے پاس جاؤں میرا کام تو کوشش ہے وہ چاہے رد کرے یا قبول کرے۔ بیٹا غلام کو یہ زیبا نہیں کہ وہ اتنی بات کی وجہ سے آقا کے در کو چھوڑ دے۔ یہ کہہ کر شیخ

رو پڑے حتیٰ کہ آنسو سینے تک بہنے لگے اس کے بعد پھر لبیک کہی تو جوان نے سُنا کہ جواب میں کہا گیا کہ ہم نے تیری پکار کو قبول کر لیا اور ہم ایسا ہی کرتے ہیں ہر ایک شخص کے ساتھ جو ہمارے ساتھ حُسنِ ظن رکھے بخلاف اس کے جو اپنی خواہشات کا اتباع کرے اور ہم پر امیدیں باندھے، جوان نے جب یہ جواب سُنا تو کہنے لگا چچا تم نے بھی یہ جواب سُنا؟ شیخ یہ کہہ کر کہ میں نے بھی سُن لیا اتنے روئے کہ چیخیں نکل گئیں۔

اُبُو عبد اللہ جلاء کہتے ہیں کہ میں ذُوالحُلَیفہ میں تھا، ایک نوجوان نے احرام باندھنے کا ارادہ کیا اور وہ بار بار یہ کہہ رہا تھا، اے میرے رب مجھے یہ ڈر ہے کہ میں لبیک کہوں اور تو لا لبیک کہہ دے کئی مرتبہ یہی کہتا رہا۔ آخر ایک مرتبہ اس نے زور سے لبیک اللّٰھم کہا اور اسی میں روح نکل گئی (مسامرات)

علی بن مُوَفّق کہتے ہیں کہ میں عَرَفہ کی شب میں مِنٰی کی مسجد میں ذرا سویا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے سبز لباس پہنے ہوئے آسمان سے اُترے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس سال کتنے آدمیوں نے حج کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ مجھے تو معلوم نہیں تو اس پوچھنے والے نے خود ہی کہا کہ چھ لاکھ آدمی ہیں اس نے پھر سوال کیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ان میں سے کتنے آدمیوں کا حج قبول ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو معلوم نہیں۔ اس نے خُود ہی بتایا کہ ان میں سے صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا۔ یہ کہہ کر وہ دونوں آسمان کی طرف چلے گئے۔ اِبنِ مُوَفّق کہتے ہیں کہ اس خواب کی وجہ سے گھبرا کر میری آنکھ کُھل گئی اور مجھے بڑا سخت فکر و غم سوار ہو گیا خود اپنے بارہ میں سوچ میں پڑ گیا کہ چھ آدمی کل ہیں جن کا حج قبول ہوا۔ میں بھلا ان میں کیسے ہو سکتا ہوں۔ اس کے بعد عَرَفات سے واپسی پر بھی میں مجمع کو دیکھ رہا تھا اور سخت فکر میں تھا کہ اتنا بڑا مجمع اور اس میں سے صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے۔ مُزدلفہ میں اسی سوچ میں میری آنکھ لگ گئی تو وہی دو فرشتے پھر نظر آئے اور وہی سُوال و جواب جو اوپر گذرے آپس میں کئے۔ اس کے بعد اس فرشتے نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جَلّ شانُہٗ نے اس میں کیا حکم فرمادیا؟ دوسرے نے کہا مجھے تو معلوم نہیں، تو اس نے کہا یہ فیصلہ ہوا ہے کہ ان چھ میں سے ہر ایک کے طُفیل میں ایک ایک لاکھ کا حج قبول کر لیا جائے۔ اِبنِ مُوَفّق کہتے ہیں کہ پھر جو میری آنکھ کُھلی تو مجھے اتنی خوشی ہو رہی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔

انہی بزرگ کا ایک اور قصّہ لکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کیا اس کے بعد مجھے ترس آیا کہ بعض آدمی ایسے بھی ہوں گے جن کا حج قبول نہ ہوا ہو تو میں نے دُعا کی کہ یا اللہ میں نے

اپنا حج اس کو بخشا جس کا حج قابلِ قبول نہ ہو۔ رَوضُ الرَّیاحین میں اس قصہ میں کچھ الفاظ کی کمی بیشی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ میں نے پچاس سے زیادہ حج کئے اور ان سب کا ثواب حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور خلفائے راشدینؓ اور اپنے والدین کو بخشتا رہا۔ ایک حج رہ گیا میں نے عَرفات کے میدان میں لوگوں کے رونے کی آوازیں سن کر اس کو بخش دیا۔ جس کا حج قبول نہ ہوا ہو۔ اس کے بعد مزدلفہ میں مجھے خواب میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کی زیارت ہوئی حق تعالیٰ شانُہٗ نے فرمایا کہ اے علی تو مجھ سے زیادہ سخی بننا چاہتا ہے۔ میں نے سخاوت پیدا کی، اور میں نے سخی لوگوں کو پیدا کیا، میں تمام سخی لوگوں سے زیادہ سخی، سارے کریموں سے زیادہ کریم، سارے بخشش کرنیوالوں سے زیادہ بخشش کرنیوالا۔ میں نے ہر اس شخص کا حج جو قابلِ قبول نہ تھا۔ اس کے طفیل قبول کر لیا جس کا حج مقبول تھا (اتحاف) اور رَوض میں ہے کہ میں نے ان سب کو بخش دیا اور ان کے ساتھ ان سے کئی چند لوگوں کو اور ان میں سے ہر شخص کی سفارش اس کے گھر والوں میں اس کے دوستوں میں اور اس کے پڑوسیوں میں قبول کی۔

ابُوعبد اللہ جَوہریؒ کا بھی ایک قصہ اس قسم کا رسالہ کے ختم پر حکایات میں نمبر ۱۳ پر آرہا ہے۔ اور حضرت زینُ العابدینؒ کے لبیک نہ کہہ سکنے کا قصہ حکایات میں نمبر ۷ پر آرہا ہے ان واقعات سے معلوم ہوا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے لطف و کرم سے یہ امید رکھنا چاہئے کہ وہ محض اپنے کرم سے نوازدیگا ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص بہت بڑا گنہگار ہے جو عرفات کے میدان میں بھی یہ سمجھے کہ میری مغفرت نہیں ہوئی۔ (اتحاف)

(۷) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ رَفَعَہٗ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْحَاجُّ یَشْفَعُ فِیْ اَرْبَعِ مِأَۃٍ مِنْ اَھْلِ بَیْتٍ اَوْ قَالَ مِنْ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَیَخْرُجُ مِنْ ذُنُوْبِہٖ کَیَوْمَ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ رواہ البزار وفیہ راو لم یسم کذا فی الترغیب

"حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ حاجی کی سفارش چار سو گھرانوں میں مقبول ہوتی ہے یا یہ فرمایا کہ اس کے گھرانے میں سے چار سو آدمیوں کے بارہ میں قبول ہوتی ہے۔ راوی کو شک ہوگیا کہ کیا الفاظ فرمائے تھے اور یہ بھی فرمایا کہ حاجی اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ پیدائش کے دن تھا۔"

ف: چار سو آدمیوں کے بارہ میں سفارش قبول ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اتنے لوگوں کی مغفرت کا تو گویا اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے وعدہ ہے۔ اور اس سے زیادہ میں کوئی مانع نہیں۔

بہت سی روایتوں میں یہ وارد ہوا ہے کہ حاجی جن کے لئے دُعائے مغفرت کرتا ہے وہ قبول ہوتی ہے۔

حضرت فُضَیل بن عِیاض رحؒ جو مشہور صوفیہ میں ہیں ایک مرتبہ عَرفات کے میدان میں ارشاد فرمانے لگے کہ تم لوگوں کا کیا خیال ہے اگر یہ سارا کا سارا مجمع کسی کریم کے دروازہ پر جا کر ایک چھدام اس سے مانگے کیا وہ کریم انکار کر دے گا۔ لوگوں نے کہا کبھی بھی اِنکار نہیں کر سکتا۔ فرمانے لگے خدا کی قسم اللہ جلَّ شانُہٗ کے نزدیک ان سب کی مغفرت کر دینا اس کریم کے چھدام دینے سے بھی زیادہ آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی نہیں (روض الریاحین)۔

(۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بَيْتَهٗ فَاِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ رواه احمد كذا فى المشكوٰة۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ جب کسی حاجی سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرو، اس سے مُصافحہ کرو اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اپنے لئے دعائے مغفرت کی اس سے درخواست کرو کہ وہ اپنے گناہوں سے پاک صاف ہو کر آیا ہے۔

ف: ایک حدیث میں آیا ہے کہ مجاہد اور حاجی اللہ کا وفد ہیں جو مانگتے ہیں وہ ان کو ملتا ہے، جو دُعا کرتے ہیں وہ قبول ہوتی ہے۔ اور دوسری احادیث میں بھی مختلف الفاظ سے یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں خود حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی یہ دُعا آئی ہے کہ یا اللہ تو حاجی کی بھی مغفرت کر اور جس کی مغفرت کی حاجی دُعا کرے اس کی بھی مغفرت فرما۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے تین مرتبہ یہ دُعا کی اس سے اور بھی زیادہ تاکید معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عُمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے نقل کیا گیا کہ حاجی کی بھی اللہ کے یہاں سے مغفرت ہے۔ اور حاجی ۲۰ ربیع الاول تک جس کے لئے دعائے مغفرت کرے اس کی بھی مغفرت ہے۔

سَلَف کا معمول تھا کہ وہ حُجّاج کی مُشایَعت بھی کرتے تھے اور ان کا اِستقبال بھی کرتے تھے اور ان سے دُعا کی درخواست کرتے تھے۔ (اتحاف)

(۹) عَنْ بُرَيْدَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلنَّفَقَةُ فِى الْحَجِّ كَالنَّفَقَةِ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ حج میں خرچ کرنا جہاد میں خرچ کرنے کی طرح سے ایک (روپیہ) کا بدلہ سات

بِسَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، رواه احمد والطبرانی والبیھقی واسناد احمد حسن کذا فی الترغیب۔ سو (روپیہ) ہے۔

ف: ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے ارشاد فرمایا کہ تیرے عمرہ کا ثواب تیرے خرچ کی بقدر ہے یعنی جتنا زیادہ اس میں خرچ کیا جائے گا اتنا ہی ثواب ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حج میں خرچ کرنا اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے، جس کا ثواب سات سو درجہ المضاعف ہوتا ہے (کنز) ایک حدیث میں آیا ہے کہ حج میں خرچ کرنا ایک درم چار کروڑ درم کے برابر ہے۔ یعنی ایک روپیہ چار کروڑ روپیہ خرچ کرنیکے برابر ہے۔ اس کے بعد بھی اگر مسلمان وہاں جاکر روپیہ خرچ کرنے میں بخل اور کنجوسی کا خیال کرے تو کس قدر خسارہ کی بات ہے۔

مشائخ نے حج کے آداب میں خرچ کرنے میں تنگی نہ کرنا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اسراف سے مراد اچھے اچھے لذیذ چیزوں کے کھانے اور پینے میں خرچ کرنا مراد ہے۔ لیکن وہاں کے لوگوں پر خرچ کرنے میں کوئی اسراف ہے ہی نہیں۔ میرے مشائخ کا ارشاد ہے کہ اگر کھانے پینے کی چیزوں میں بھی وہاں کے تاجروں کی اعانت کا ارادہ کرلے تو یہ بھی پھر اپنی ذات پر خرچ کے بجائے وہاں کے اہلِ ضرورت پر خرچ بن جاتا ہے، اس کا خصوصیت سے خیال رکھنا چاہیئے۔

مجھے اپنے آقا و مرشد حضرتِ اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ہمرکابی میں دو مرتبہ اس پاک زمین پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں نے ہمیشہ حضرت کا یہ معمول بڑی خصوصیت سے دیکھا کہ وہاں کے قیام میں ہند کے واقف جانے والے اگر کوئی ہدیہ پیش کرتے تو اوّل تو حضرت بڑے اصرار سے اس کو یہ کہہ کر واپس فرماتے کہ یہاں کے لوگ زیادہ مستحق ہیں ان کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ مخصوص اہلِ فضل وکمال کا پتہ بھی بتادیتے اس کے بعد اگر کوئی اصرار کرتا تو مجبوراً حضرت قبول فرماکر اس ناکارہ کو اس ارشاد کے ساتھ مرحمت فرمادیتے "اس کی کوئی چیز بازار سے منگالینا کہ یہاں کے تاجروں کی بھی مدد کرنا چاہیئے"۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے کریم ہونے کے آثار میں سے ہے کہ اس کے سفر کا توشہ عمدہ ہو، علماء نے لکھا ہے کہ توشہ کے عمدہ ہونے سے خود اس کا بہتر ہونا بھی مراد ہوسکتا ہے، اور خرچ کرنے میں طبیعت پر بار نہ ہو یہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا دوسرا ارشاد ہے کہ بہترین حاجی وہ ہے جس کی نیت میں اخلاص ہو۔ نفقہ

بہتر ہو اور اللہ کیساتھ یقین کامل ہو (اتحاف) ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کی رضا کی جگہ خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے اس کو اس سے کئی گنا زیادہ اللہ کی ناراضی میں خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اور جو شخص کسی دُنیوی غرض سے حج فرض کو تاخیر کرتا ہے اس کی یہ غرض اس وقت تک مؤخر کردی جاتی ہے جب تک لوگ حج سے فارغ ہو کر نہ آجائیں اور جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد کرنے سے پہلوتہی کرتا ہے اس کو کسی گناہ کی چیز میں اعانت کرنا پڑتی ہے (ترغیب وفی الکنز بروایۃ الطبرانی عن ابی جحیفۃ)

(۱۰) عَنْ جَابِرٍ رضؓ رَفَعَهٗ مَا اَمْعَرَ حَاجٌّ قَطُّ قِيْلَ لِجَابِرٍ مَا الْاِمْعَارُ قَالَ مَا افْتَقَرَ، رواه الطبراني في الاوسط و البزار ورجاله رجال الصحيح كذا في الترغيب

حضرت جابرؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ حاجی فقیر ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ف: ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ حج اور عمرہ کی کثرت فقر کو روکتی ہے (کنز) ایک اور حدیث میں ہے کہ لگاتار حج وعمرہ بُرے خاتمہ سے بھی حفاظت کا سبب ہے۔ اور فقر کو بھی روکتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حج کرو غنی بنو گے، سفر کرو صحت یاب ہوگے (کنز) یعنی تبدیل آب و ہوا اکثر صحت کا سبب ہوتی ہے اور بہت کثرت سے اس کا تجربہ ہوا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ لگاتار حج وعمرہ فقر اور گناہوں کو ایسا دُور کرتے ہیں جیسا آگ کی بھٹی لوہے کے مَیل کو دور کرتی ہے (کنز)

(۱۱) عَنْ عَائِشَةَ رضؓ قَالَتْ اِسْتَاْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ متفق عليه (مشكوٰة)

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا جہاد حج ہے۔"

ف: ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضورؐ سے پوچھا کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں ایسا جہاد ہے جس میں قتال نہیں اور وُہ حج اور عمرہ ہے (مشکوٰۃ)۔ حضرت حُسینؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں ضعیف بھی ہوں، اور کم ہمت بھی ہوں، حضورؐ نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایسا جہاد بتاؤں جس میں کوئی کانٹا بھی نہیں چبھتا (یعنی زخم ذرا بھی نہیں) اور وُہ حج ہے (ترغیب)۔

ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسولَ اللہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد سب اعمال سے افضل ہے کیا ہم عورتیں جہاد نہ کیا کریں؟ حضورؐ نے فرمایا تمہارے لئے افضل جہاد حجِ مقبول ہے۔ (ترغیب)

حضرت ابُوہُریرہؓ فرماتے ہیں حُضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ بوڑھے اور ضعیف لوگوں کا اور عورتوں کا جہاد حج ہے (ترغیب) ایک اور حدیث میں ہے کہ بچّے اور بوڑھے اور ضعیف آدمیوں کا اور عورتوں کا جہاد حج اور عمرہ ہے (کنز)۔

اس قسم کے بہت سے اِرشادات احادیث میں وارد ہیں اور ان سب کے عِلاوہ ایک اِرشاد حُضورؐ کا احادیث میں آیا ہے اور وُہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنے حج کے موقع پر عورتوں سے اِرشاد فرمایا کہ یہ حج ہے جس کو تم کر رہی ہو اس کے بعد اپنے گھر کے بوریوں پر رہنا، اس حدیث پاک کی وجہ سے اُمّہاتُ المؤمنینؓ میں سے حضرت زینبؓ اور حضرت سَودہؓ نے تو کوئی حج اس کے بعد نہیں کیا اور یہ فرمایا کرتی تھیں کہ جب ہم نے حُضورؐ سے خود یہ ارشاد سُنا ہے پھر کیسے گھر سے سفر کے لئے نکلیں، لیکن اور باقی اَزواجِ مُطہرّاتؓ پہلی احادیث کی بناء پر حج اور عمرہ کے لئے تشریف لے جاتی رہیں (ترغیب)۔

حُضورؐ کے دونوں اِرشاد اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہیں اور ان میں کوئی تعارُض نہیں اصل یہ ہے کہ عورتوں کا مسئلہ بڑا نازک ہے ان کا سفر بڑی شرائط کو چاہتا ہے اس لئے جہاں تک کہ حج اور عمرہ اور اس کی فضیلت کا تعلّق ہے عورتوں کے لئے وہ بہترین جہاد اور بہترین عبادت ہے۔ لیکن چونکہ اس میں کچھ شرائط اور پابندیاں ہیں جن کا حاصل ہونا اکثر دشوار ہو جاتا ہے اس لئے اِحتیاطاً حُضورؐ نے یہ فرمادیا، وہ پابندی اِحتیاط کی اور مَحرَم کے وجود کی ہے۔ بہت سی احادیث میں یہ اِرشاد ہے کہ عورت کے لئے سفر ناجائز ہے اس وقت تک کہ اس کے ساتھ کوئی مَحرم نہ ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ کوئی مرد ہرگز کسی اجنبی عورت ساتھ تنہا مکان میں نہ رہے اور کوئی عورت ہرگز بغیر مَحرَم کے سفر نہ کرے (مشکوٰۃ)۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عورت پردہ کی چیز ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اس کی فِکر میں رہتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس جگہ تنہا اجنبی مرد و عورت ہوں گے تیسرا شخص وہاں شیطان ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ہے کہ (نامَحرَم) عورتوں کے پاس جانے سے بہت بچو، کسی نے عرض کیا کہ

حضور اگر دیور ہو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ دیور تو موت ہے (مشکوٰۃ) موت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے ہلاکت کے اسباب بوجہ ہر وقت کے قرب کے بہت زیادہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سی وعیدیں احادیث میں وارد ہیں۔ اور سفر میں بسا اوقات اجنبی مردوں کے ساتھ تنہا مکان میں رہ جانے کی نوبت آجاتی ہے۔ اور بغیر محرم کے تو سفر جائز ہی نہیں چاہے تنہا رہنے کی نوبت آئے یا نہ آئے پس اس صورت میں نیکی برباد گناہ لازم کا قصہ ہو جاتا ہے۔

(۱۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْیَتَعَجَّلْ۔ رواہ ابوداؤد و فی الترغیب بلفظ اٰخر عن الاصبہانی

"حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو حج کا ارادہ کرے اسکو جلدی کرنا چاہئے"۔

ف: دوسری حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ فرض حج میں جلدی کرو نہ معلوم کیا بات پیش آجائے۔ (ترغیب) ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ حج میں جلدی کرو کسی کو بعد کی کیا خبر ہے کہ کوئی مرض پیش آجائے یا کوئی اور ضرورت درمیان میں لاحق ہو جائے (کنز) ایک اور حدیث میں ہے کہ حج نکاح سے مقدم ہے (کنز) ایک حدیث میں ہے کہ جس کو حج کرنا ہے جلدی کرنا چاہیئے۔ کبھی آدمی بیمار ہو جاتا ہے کبھی سواری کا انتظام نہیں رہتا کبھی اور کوئی ضرورت لاحق ہو جاتی ہے (کنز) ایک حدیث میں ہے حج کرنے میں جلدی کرو نہ معلوم کیا عذر پیش آجائے۔ (کنز)

ان احادیث کی بنا پر ائمہ میں سے ایک بڑی جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص پر حج فرض ہو جائے تو اس کو فوراً ادا کرنا واجب ہے تاخیر کرنے سے گنہگار ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ فرض حج ادا کرو وہ بیس مرتبہ جہاد کرنے سے بڑھا ہوا ہے (کنز) ایک حدیث میں ہے کہ حج کرنا جہاد ہے اور عمرہ کرنا نفل ہے (کنز)۔

(۱۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا فَمَاتَ کُتِبَ لَہٗ اَجْرُ الْحَاجِّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَمَاتَ کُتِبَ لَہٗ اَجْرُ الْمُعْتَمِرِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ خَرَجَ غَازِیًا فَمَاتَ کُتِبَ لَہٗ اَجْرُ الْغَازِیْ اِلٰی

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص حج کے لئے جائے اور راستہ میں انتقال کر جائے اس کے لئے قیامت تک حج کا ثواب لکھا جائے گا۔ اور اسی طرح جو شخص عمرہ کے لئے جائے اور راستہ میں انتقال کر جائے اس کو قیامت تک عمرہ کا ثواب ملتا رہے گا۔

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ رواه ابويعلى من رواية ابن اسحٰق وبقية رواته ثقات كذا فى الترغيب۔

اور جو شخص جہاد کے لئے نکلے اور راستہ میں اِنتقال کر جائے اس کیلئے قیامت تک مُجاہد کا ثواب لکھا جائے گا۔"

ف : ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لئے نِکلے اور مر جائے نہ اس کی عدالت میں پیشی ہے نہ حساب کتاب۔ اس سے کہہ دیا جائے گا کہ جنّت میں داخل ہو جا (ترغیب) ایک اور حدیث میں اِرشاد ہے کہ بیت اللہ اسلام کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے جو شخص حج یا عمرہ کے لئے نکلے اور راستہ میں مر جائے تو جنّت میں داخل ہو جائے گا۔ اور جو فراغت کے بعد واپس ہو وہ اجر اور غنیمت کے ساتھ واپس ہوگا۔ (ترغیب) غنیمت کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں بھی اس خرچ کا بدلہ مِلتا ہے جو حج میں خرچ کیا جیساکہ حدیث نمبر۱ کے ذیل میں گذر چکا۔ ایک اور حدیث میں اِرشاد ہے کہ جو مکّہ کے راستہ میں جاتے ہوئے یا واپسی میں مَر جائے اس کی نہ پیشی ہے نہ حساب کتاب ہے۔ (ترغیب) ایک حدیث میں ہے جو شخص حج یا عمرہ کے اِرادہ سے مکّہ کے راستہ میں مر جائے نہ اس کی پیشی ہے نہ حساب کتاب ہے۔ وہ سیدھا جنّت میں داخل ہو جائے گا (کنز)۔

ایک حدیث میں ہے کہ آدمی کے مرنے کی بہترین حالت یہ ہے کہ حج سے فراغت پر یا رمضان کے روزے رکھ کر مرے (کنز) یعنی یہ دونوں حالتیں ایسی ہیں کہ گناہوں سے پاک صاف ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو احرام کی حالت میں مَرے گا وہ حشر میں لبّیک کہتا ہوا اُٹھیگا۔ (کنز)

(۱۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اِنَّ امْرَأَةً مِنْ خَثْعَمَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ فِى الْحَجِّ اَدْرَكَ اَبِىْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ اَفَاَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ وَذٰلِكَ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔ متفق عليه (مشكوٰة)

"ایک صحابی عورت نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ حضور اللہ کے فریضۂ حج نے میرے باپ کو ایسی حالت میں پایا کہ وہ بوڑھے ہیں سواری پر بھی سوار نہیں ہو سکتے کیا میں اُن کی طرف سے حج بدل کروں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں ان کی طرف سے حج کرو۔"

ف : ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک صحابی مَرد نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ میری ہمشیرہ نے حج کی نذر کی تھی، اب ان کا انتقال ہو گیا کیا کرنا چاہیئے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر ان کے ذِمّہ کسی کا قرض ہوتا تو تم ادا کرتے یا نہ کرتے؟ انہوں نے عرض کیا جی حضور ادا کرتا۔ حضورؐ نے فرمایا

کہ یہ اللہ کا قرض ہے اس کو ادا کرو (مشکوٰۃ) ایک اور صحابی کا قصہ ہے انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میرے والد بہت بوڑھے ہیں نہ حج کر سکتے ہیں نہ عمرہ کر سکتے ہیں نہ سفر کر سکتے ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ اپنے والد کی طرف سے حج بھی کرو عمرہ بھی کرو (مشکوٰۃ) ایک حدیث میں حضورؐ نے اس نوع کے سوال کے جواب میں فرمایا اگر تیرے باپ کے ذمہ قرض ہوتا اور تو ادا کرتا تو وہ ادا ہو جاتا یا نہیں۔ انہوں نے عرض کیا ادا ہو جاتا۔ حضورؐ نے فرمایا پھر تو اللہ بڑے رحم والے ہیں (یعنی وہ قرض کیوں نہ قبول کریں گے) اپنے باپ کیطرف سے حج کر (کنز) ایک حدیث میں ارشاد ہے جو شخص اپنے والدین کیطرف سے ان کے انتقال کے بعد حج کرے اس کے لیے جہنم کی آگ سے خلاصی ہے۔ اور والدین کے لئے پورا حج لکھا جاتا ہے۔ اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اور کسی اپنے قریبی رشتہ دار کے لئے اس سے بڑھ کر صلۂ رحمی نہیں کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی طرف سے حج کر کے اس کی قبر میں پہنچائے (کنز)

ایک صحابیؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ جب میرے والدین زندہ تھے تو میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرتا تھا اب انکا انتقال ہو گیا اب میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہتا ہوں تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جب اپنے لئے نماز پڑھو تو ان کے لئے بھی نماز پڑھو، یعنی نماز پڑھ کر اس کا ثواب ان کو پہنچاؤ اور جب اپنے لئے روزے رکھو تو ان کے لئے بھی روزے رکھو۔

ایک صحابیؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مُردوں کیطرف سے صدقہ کرتے ہیں، حج کرتے ہیں، ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں یہ ان تک پہنچتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا پہنچتا ہے اور وہ اس سے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسا کہ تمہارے پاس طباق میں کوئی ہدیہ پیش کیا گیا ہو (مناسک قاری)

دوسرے کی طرف سے حج دو طرح کیا جاتا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی کیطرف سے حج نفل کرے اس کے لئے تو کوئی شرط نہیں جس کا دل چاہے جس کی طرف سے چاہے حج نفل یا عمرہ یا طواف کر سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس کی طرف سے حج بدل کرے اس کے ذمہ حج فرض ہو اس کے لئے کچھ شرائط ہیں جن کو وقت پر علماء سے تحقیق کر لینا چاہیئے۔

(۱۵) اِنَّ اللّٰهَ لَيُدْخِلُ بِالْحَجَّةِ الْوَاحِدَةِ ثَلٰثَةَ نَفَرٍ الْجَنَّةَ الْمَيِّتَ وَالْحَاجَّ عَنْهُ وَالْمُنْفِذَ لِذٰلِكَ عب هب عن جابر كذا في الكنز

"حضورؐ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ (حج بدل میں) ایک حج کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں، ایک مردہ (جس کی طرف سے حج بدل کیا جا رہا ہے) دوسرا حج کرنے والا تیسرا وہ شخص (وارث وغیرہ) جو اب حج

کرا رہا ہے (یعنی حج بدل کے لئے روپیہ دے رہا ہے)۔

ف: ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی طرف سے حج کرے اس حج کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ہوتا ہے جتنا اس شخص کو ہو جس کی طرف سے حج کیا جاتا ہے (کنز)۔

ابنِ مُوَفَّق کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف سے مُتعدِّد حج کئے، ایک مرتبہ خواب میں حضورؐ کی زیارت ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ابنُ الموفّق تو نے میری طرف سے حج کئے؟ میں نے عرض کیا کہ جی حضور کئے۔ حضورؐ نے فرمایا تو نے میری طرف سے لبیک کہا؟ میں نے عرض کیا کہ جی حضرت۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا کہ حشر کے میدان میں تیرا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کر دوں گا اور لوگ اپنا حساب کتاب کرتے رہیں گے (اتحاف)۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ کسی دوسرے کی طرف سے حج کرنے میں چار شخصوں کو حج کا ثواب ملتا ہے۔ ایک وَصیّت کرنے والے کو، دوسرے اس کو جو اس وصیت کو لکھے، تیسرے روپیہ خرچ کرنے والے کو، چوتھے حج کرنیوالے کو (کنز) لیکن ایک بات کا نہایت اِہتمام سے خیال رکھنا چاہئے وہ یہ کہ حج بدل میں نیت خالص رکھنے کی اہتمام سے کوشش کرے۔ مقصد محض حج و زیارت اور دوسرے کی اِعانت ہو، اس حج کی وجہ سے کوئی دُنیوی مُنفعت مقصود نہ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو حج کرانے والے کو تو ثواب مل ہی جائے گا۔ مگر اس حج کرنیوالے کا ثواب تو ختم ہوا۔

اِمام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص اُجرت کے ساتھ حج بدل کرتا ہے وہ دین کے عمل سے دُنیا کما رہا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کو مُستقل مشغلہ اور تجارت نہ بنائے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ دین کے طُفیل دُنیا تو عطا فرما دیتے ہیں لیکن دُنیا کے بدلہ دین عطا نہیں فرماتے یعنی اسکی غرض تو دُنیا کا ایندھن جمع کرنا ہو اور اس کو ثواب ملجائے یہ نہیں ہوتا (اتحاف)۔

دُوسری فصل، حج نہ کرنے کی وَعِید میں

حج ارکانِ اسلام میں ایک اہم رکن ہے اور اسی پر ارکان کی تمامی ہوئی ہے جیسا کہ پہلی فصل میں گذر چکا ہے۔ اس لئے اس میں کوتاہی پر جتنی سختی ہو وہ قرینِ قیاس ہے۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ارشاد ہے:۔

آیات

(۱) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ.

(سورہ آل عمران ع ۱۰)

"اور اللہ جلّ شانہٗ کے (خوش کرنے کے) واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان (یعنی بیت اللہ) کا حج (فرض) ہے اس شخص کے ذمہ ہے جو وہاں جانے کی سبیل رکھتا ہو اور جو منکر ہو تو (اللہ جلّ شانہٗ کا کیا نقصان ہے) اللہ تعالیٰ تمام جہان سے غنی ہیں (ان کو کیا پروا)۔"

ف: عُلماء نے لکھا ہے کہ حج کی فرضیّت کی ابتداء اسی آیتِ شریفہ کے نزول سے ہوئی (عینی)، اس آیتِ شریفہ میں بہت سی تاکیدیں جمع ہوگئیں۔ اوّل لِلّٰہِ کا لام اِیجاب کے لئے ہے جیسا کہ علامہ عینیؒ نے لکھا۔ دوسرے عَلَى النَّاسِ کا لفظ جو نہایت لزوم پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی لوگوں کی گردنوں پر یہ حق لازم ہے۔ تیسرے عَلَى النَّاسِ کے بعد مَنِ اسْتَطَاعَ کو ذکر کرنا جس میں دو طرح کی تاکید ہے ایک بدل کی دوسرے اِجمال کی بعد تفصیل کی۔ چوتھے حج نہ کرنے والے کو مَنْ کَفَرَ سے تعبیر کیا۔ پانچویں اس پر اپنے اِستغناء اور بے پروائی کا ذکر فرمایا جو بڑے غصّہ کی علامت ہے اور اس کی رسوائی پر دلالت کرتا ہے۔ چھٹے اس کے ساتھ سارے جہان سے اِستغناء کا ذکر فرمایا جس سے اور بھی زیادہ غصّہ کا اظہار ہوتا ہے (اتحاف)۔

اس میں کئی نمبر ایسے ہیں جو عربی سے تعلق رکھتے ہیں۔ میرا مقصد ان کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اس ایک ہی آیتِ شریفہ میں کئی وجہ سے تاکید اور حج نہ کرنے والوں پر عتاب ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص تندرست ہو اور پیسہ والا ہو کہ حج کو جا سکے اور پھر بغیر حج کئے مر جائے تو قیامت میں اس کی پیشانی پر کافر کا لفظ لکھا ہوا ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ آیتِ شریفہ وَمَنْ کَفَرَ آخر تک پڑھی ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ، ابراہیم نخعیؒ، مجاہدؒ، طاؤسؒ جو تابعین علماء میں مشہور ہیں۔ ان حضرات میں سے ہر ایک سے یہ نقل کیا گیا کہ اگر مجھے کسی شخص کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ غنی تھا اس پر حج واجب تھا پھر بغیر حج کئے مر گیا تو میں اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھوں۔ (اتحاف) اگرچہ ائمہ اربعہؒ کے نزدیک حج نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا جب تک کہ حج کا انکار نہ کرے۔ لیکن جو وعیدیں اوپر ذکر کی گئیں وہ کیا کم ہیں، اور آئندہ جو حضورؐ کے ارشادات اس بارہ میں آرہے ہیں وہ مزید برآں۔

(۲) وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (سورہ بقرہ ع ۲۴)

"اور تم لوگ خرچ کیا کرو اللہ کے راستہ میں اور اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

ے در منثور

ف: ایک جماعتِ مفسرین سے یہ نقل کیا گیا کہ اس آیتِ شریفہ میں اللہ کے حقوقِ واجبہ میں خرچ نہ کرنے پر وعید ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب حج جیسے اہم فریضہ میں کوئی شخص اللہ کے دیئے ہو مال کو خرچ نہیں کریگا تو اس کی اپنے ہاتھوں ہلاکت میں کیا شک ہے۔

احادیث

(۱) عَنْ عَلِيٍّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا وَّذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔

"حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے پاس اتنا خرچ ہو اور سواری کا انتظام ہو کہ بیت اللہ شریف جا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں، اس بات میں کہ وہ یہودی ہو کر مر جائے یا نصرانی ہو کر۔ اس کے بعد حضورؐ نے اپنے اس ارشاد کی تائید میں وہ آیت پڑھی جو اوپر گذری۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ"

رواه الترمذی وقال هٰذا حديث غريب وفی اسناده مقال كذا فی المشكوٰة۔

ف: محدثین کے قواعد کے موافق اس حدیث کی سند میں کلام ہے لیکن اوپر کی آیتِ شریفہ اور دوسری روایات سے اس حدیث شریف کی تائید ہوتی ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کتنی اہم عبادت ہے کہ اس کا چھوڑنے والا گمراہی میں یہود اور نصاریٰ کے برابر شمار ہوتا ہے۔

(۲) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَّاِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا۔ رواه الدارمی كذا فی المشكوٰة وفی الاتحاف روی الحديث بالفاظ مختلفة وكذا بسط طرقه السيوطی فی الدر۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے لئے کوئی واقعی مجبوری حج سے مانع نہ ہو، ظالم بادشاہ کی طرف سے روک نہ ہو یا ایسا شدید مرض نہ ہو جو حج سے روک دے۔ پھر وہ بغیر حج کے مر جائے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی مرے۔"

ف : حضرت عمرؓ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا کہ انہوں نے تین دفعہ فرمایا کہ ایسا شخص چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی مرے۔

دوسری حدیث میں حضرت عمرؓ سے یہ نقل کیا گیا کہ جو شخص حج کی طاقت رکھتا ہو اور حج نہ کرے قسم کھا کر کہہ دو کہ وہ نصرانی مرا ہے یا یہودی مرا ہے (کنز) حضرت عمرؓ کا یہ اِرشاد ممکن ہے کہ ان کی یہی تحقیق ہو ورنہ علماء کے نزدیک حج نہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا، انکار سے کافر ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا گیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تمام شہروں میں اعلان کرا دوں کہ جو شخص باوجود قدرت کے حج نہ کرے اس پر جزیہ مقرر کر دیا جائے یہ مسلمان نہیں مسلمان نہیں (کنز و اتحاف) جزیہ کافروں پر مقرر کیا جاتا ہے مسلمان پر جزیہ نہیں ہوتا۔

(۳۱) مَنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ يُّبَلِّغُهٗ حَجَّ بَيْتِ رَبِّهٖ اَوْ تَجِبُ عَلَيْهِ فِيْهِ الزَّكٰوةُ فَلَمْ يَفْعَلْ سَاَلَ الرَّجْعَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ (ت عن ابن عباس كنز).

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جس شخص کے پاس اتنا مال ہو جو حج کر سکے اور حج نہ کرے یا اتنا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہو اور زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ مرتے وقت دُنیا میں واپس آنے کی تمنا کرے گا۔"

ف : تمنا کرنے سے قرآن پاک کی اِس آیتِ شریفہ کی طرف اِشارہ ہے جس میں اِرشاد ہے :۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ (سورۂ مومنون ۶۰) ترجمہ :۔ "حتی کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو دنیا میں واپس کر دیجئے تاکہ میں جس (مال و متاع) کو چھوڑ آیا ہوں اس میں پھر نیک کام کروں۔ (اللہ جلّ شانہٗ فرماتے ہیں) ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ اس کی ایک بات ہے جس کو وہ کہے جا رہا ہے اور ان کے آگے بَرزَخ کا عالم (یعنی قبر میں رہنا) ہے قیامت تک کے لئے۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ گنہگاروں کے لئے قبر میں ہلاکت ہے کہ کالے سانپ اس کے سر سے اور پاؤں سے ڈسنا شروع کرتے ہیں یہاں تک کہ ڈستے ڈستے بیچ کے حصہ میں سر اور پاؤں والے مل جاتے ہیں۔ یہی وہ برزخ کا عذاب ہے جس کا اس آیتِ شریفہ میں ذکر ہے (در منثور)

ایک حدیث میں آیا ہے حضرت اِبنِ عباسؓ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس حج کو جانے

کاسامان ہو اور حج نہ کرے یا اس کے پاس مال ہو اور زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ مرتے وقت دُنیا میں واپس کے جانے کی درخواست کریگا کسی شخص نے عرض کیا کہ دُنیا میں واپسی کی تمنا کافر کریں گے۔ یعنی یہ آیت شریفہ مسلمانوں کے لئے نہیں ہے وہ دُنیا میں واپسی کی تمنا نہیں کریں گے۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ میں قرآن پاک کی دوسری آیتیں سُناتا ہوں جن میں مسلمانوں ہی کا ذکر ہے اس کے بعد حضرت ابنِ عباسؓ نے سورہ منافقین کے آخر کی آیتیں۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ آخر سورت تک پڑھیں۔ جن کا ترجمہ یہ ہے "اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو ایسا کرے گا (کہ اس کے مال اور اولاد اس کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیں) ایسے لوگ خسارہ والے ہیں۔ اور ہم نے جو کچھ مال دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے پہلے (اللہ کے کاموں میں) خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کے (سر پر) موت آجائے اور وہ حسرت اور تمنا سے) کہنے لگے اے میرے رب مجھ کو تھوڑے دن کی اور مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا (اب یہ تمنائے کار ہے اس لیے کہ) اللہ جل شانہٗ جب کسی کی عمر ختم ہو جائے تو ہرگز مہلت نہیں دیتے اور اللہ تعالےٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ نے یہی آیتِ شریفہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پڑھی اور فرمایا کہ یہ مسلمان کا ذکر ہے کہ جب اس کو موت آتی ہے۔ اور اس کے پاس مال ہو جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو یا حج نہ کیا ہو اور اللہ کے حق ادا نہ کئے ہوں وہ موت کے وقت دُنیا میں واپس آنے کی درخواست کرتا ہے لیکن اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا الآیۃ اللہ جل شانہٗ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتے جس کی عمر کی میعاد ختم ہو چکی ہو (درمنثور)

(۴) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ عَبْدًا اَصْحَحْتُ لَہٗ جِسْمَہٗ وَ وَسَّعْتُ عَلَیْہِ فِی الْمَعِیْشَۃِ تَمْضِیْ عَلَیْہِ خَمْسَۃُ اَعْوَامٍ لَا یَفِدُ اِلَیَّ لَمَحْرُوْمٌ۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ وقال علی بن

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل جلالہٗ کا فرمان ہے کہ جو بندہ ایسا ہو کہ میں نے اس کو صحت عطا کر رکھی ہو اور اس کی روزی میں وسعت دے رکھی ہو اور اس کے اوپر پانچ سال ایسے گذر جائیں کہ وہ میرے دربار میں حاضر نہ ہو وہ ضرور محروم ہے۔"

المنذر اخبرنی بعض اصحابنا کان حسن بن حُیَیٍّ یُعجبہ ھٰذا الحدیث وبہ یاخذ ویُحِبُّ للرجل الموسر الصحیح ان لا یترك الحج خمس سنین

كذا في الترغيب وفي الباب عن خباب وابي هريرة كما في الكنز۔

ف: اس مضمون کی کئی حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ اس حدیث کا تقاضا یہ تھا کہ ہر صاحبِ ثروت پر اگر اس میں حج کی طاقت ہو تو ہر پانچ سال میں ایک مرتبہ حج فرض ہوتا لیکن چونکہ دوسری احادیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے صاف لفظوں میں یہ ثابت ہو گیا کہ حج عمر بھر میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے۔ اس لئے اس حدیث کو فرض پر تو حمل نہیں کیا جاتا۔ لیکن خیر و برکت کی محرومی سے کیا انکار ہے جب کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ارشاد بھی ہے، اور اس کی عطا کی ہوئی صحت اور رزق کی وُسعت بھی ہے۔ ایسی حالت میں اگر کوئی دوسری دینی ضرورت مُقدّم نہ ہو تو پھر حاضر ہونا ہی چاہیئے۔ البتہ اگر کوئی دوسری دینی ضرورت راجح ہو تو وہ مُقدّم ہوگی اور اسی طرح اگر فقراء کی کثرت ہو تو صَدَقہ حجِ نفل سے افضل ہوگا۔

(۵) رُوِيَ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ وَلَا اَمَةٍ يَضِنُّ بِنَفَقَةٍ يُنْفِقُهَا فِيْمَا يُرْضِى اللّٰهَ اِلَّا اَنْفَقَ اَضْعَافَهَا فِيْمَا يُسْخِطُ اللّٰهَ وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدَعُ الْحَجَّ لِحَاجَةٍ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا اِلَّا رَاَى الْمُخَلَّفِيْنَ قَبْلَ اَنْ تُقْضٰى تِلْكَ الْحَاجَةُ يَعْنِيْ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدَعُ الْمَشْيَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ قُضِيَتْ اَوْ لَمْ تُقْضَ اِلَّا ابْتُلِيَ بِمَعُوْنَةِ مَنْ يَّأْثَمُ عَلَيْهِ وَلَا يُؤْجَرُ فِيْهِ۔ رواه الاصبهاني وفيه نكارة كذا في الترغيب رواه في مجمع الزوائد برواية الطبراني في الكبير عن ابي جحيفة وقال فيه عبيد بن القاسم الاسدي وَهُوَ متروك قلت وهو من رواة ابن ماجة

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے نقل کیا گیا کہ جو کوئی بھی مرد یا عورت کسی ایسے خرچ میں بخل کرے جو اللہ کی رضا کا سبب ہو تو وہ اس سے بہت زیادہ ایسی جگہ خرچ کرے گا جو اللہ کی ناراضی کا سبب ہو اور جو شخص کسی دنیوی غرض سے حج کو جانا ملتوی کریگا وہ اپنی اس غرض کے پورا ہونے سے پہلے دیکھ لے گا کہ لوگ حج سے فارغ ہو کر آگئے اور جو شخص کسی مسلمان کی مدد میں پاؤں ہلانے سے گریز کرے گا اس کو کسی گناہ کی اِعانت میں مبتلا ہونا پڑے گا جس میں کچھ بھی ثواب نہ ہو۔"

وذکرہ صاحب الکنز۔

ف: مُحدِّثین رَحِمَہُمُ اللہُ کے قواعد کے مُوافِق یہ روایت ضعیف ہے لیکن ایسے امور میں ضعیف روایت ذکر کی جاتی ہے اس لئے مُحدِّثین اس کو ذکر فرماتے ہیں۔ اس سے قطعِ نظر تجربہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو لوگ اُمورِ خیر سے بچا بچا کر رکھتے ہیں خواہ مخواہ مُقدِّمات وغیرہ میں رشوتوں میں اور ان سے بڑھ کر بعض اوقات حرام کاریوں میں، ناچ گانوں اور سینماؤں میں خرچ ہونے لگتا ہے۔ اگر اللہ کی اس عطا کی ہوئی دولت کو خیر کے کاموں میں آدمی خرچ کرے تو پھر ان بلاؤں سے حفاظت رہے

یہ امر ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ یہ وعیدیں اسی وقت ہیں جب کہ اِستطاعت کے باوجود حج فرض ادا نہ کرے اور اس کے بِالمُقابِل ناداری کی حالت میں بِالخُصُوص جبکہ دوسروں کے حُقوق اپنے ذِمّہ ہوں ان کے حُقوق کی ذمہ داری حج نفل سے کہیں زیادہ ہے۔

اِبنُ اَمیرِ الحاج مَدخَل میں لکھتے ہیں کہ بعض آدمی اپنے اہل وعیال کو ضیاع میں (یعنی ان کا کوئی انتظام کئے بغیر) چھوڑ کر حج کو چلے جاتے ہیں، حالاں کہ حُضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کا اِرشاد ہے، کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہی کافی ہے کہ جس کا کھانا اپنے ذِمّہ ہے اس کو ضائع کر دے۔

تیسری فصل اس سَفر کی مشقّتوں کے تحمُّل میں

سفر خواہ کیسا ہی ہو وہ فِی نَفسِہٖ مَشَقَّت کا سبب ہے، اسی وجہ سے شریعت نے اس میں خصوصی رعایت یہاں تک فرمائی کہ فرض نمازیں چار رکعت کی جگہ دو رکعت کر دیں۔ خُود نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کا پاک اِرشاد ہے کہ اَلسَّفَرُ قِطعَۃٌ مِّنَ النَّار۔ سفر آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ پس مَشَقَّت تو اس میں ہوتی ہی ہے۔ اور پھر یہ سفر تو خصوصیّت سے عاشِقانہ سفر ہے۔ عُشّاق ہی کیطرح اس کو طے کرنا چاہیئے کہ ان کو کوئی بُرا کہے، گالیاں دے، پتھر مارے جو چاہے کرے وُہ اپنے خیالات میں مست اور اپنے ذوق شوق میں شاداں اور فرحاں رہتے ہیں۔ اور ہر مَشَقَّت کا بشرطیکہ کسی دوسری دینی مصلحت یا صحت کے خلاف نہ ہو تحمُّل کرنا زیادتیِ اجر کا سبب ہے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اس سفر میں آدمی جو کچھ خرچ کرے اس کو نہایت خوش دلی سے کرے اور جو نقصان جانی یا مالی پہنچے اس کو طیبِ خاطر سے برداشت کرے کہ یہ اس کے حج کے قبول ہونے کی علامت ہے۔ حج کے راستہ میں مصیبت، جہاد میں خرچ کرنے کے برابر ہے کہ ایک درم

کے بدلہ میں سات سو درم ملتے ہیں۔ اور حج کے راستہ میں تکلیف کا اُٹھانا جہاد میں تکلیف اُٹھانے کے برابر ہے۔ اس لئے جو مشقت یا نقصان برداشت کرے گا اللہ کے یہاں اس کا بڑا اجر ہے وہ ضائع نہیں ہے۔ (اتحاف)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد، صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عائشہ رضؓ سے ارشاد فرمایا کہ لٰكِنَّ اَجْرَكِ عَلٰى قَدْرِ نَصَبِكِ۔ تیرے عمرہ کا ثواب بقدر تیری مشقت کے ہے۔ اس لئے یہ بات تو ظاہر ہے کہ اس سفر میں جتنی مشقت ہوگی اتنا ہی اجر ہوگا، مگر یہ بات ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ وہی مشقت باعثِ اجر ہے جو ممدوح ہو، بے وجہ کی مشقت ممدوح نہیں۔

بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک شخص پر ہوا جس کے ہاتھ میں رسّی بندھی ہوئی تھی، اور دوسرا شخص اس رسّی سے اس کو کھینچ کر طواف کرا رہا تھا۔ حضورؐ نے اس رسّی کو کاٹ دیا اور فرمایا کہ ہاتھ پکڑ کر کھینچو۔ بظاہر یہ شخص نابینا تھے، یا کوئی اور عارضہ ایسا تھا جس کی وجہ سے دوسرے شخص کی ضرورت تھی۔

اسی طرح ایک اور قصہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے دیکھا کہ دو شخص کسی رسّی وغیرہ سے بندھے ہوئے چل رہے ہیں۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا یہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے یہ مَنّت مانی ہے کہ اسی طرح آپس میں بندھے ہوئے کعبہ تک جائیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس رسّی کو توڑ دو یہ منت صحیح نہیں ہے۔ منّت نیک کام میں ہوتی ہے یہ شیطانی حرکت ہے۔ (عینی علی البخاری) البتہ پیدل چلنا اس راستہ میں ممدوح اور پسندیدہ ہے۔ جس قدر تحمّل ہوسکے اس کو برداشت کرنا چاہیئے۔ بعض علماء نے تو اس آیتِ شریفہ کی بناء پر جو رسالہ کے شروع میں وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا الآیۃ گذری ہے۔ اور اس میں رِجالاً یعنی پیدل چلنے والوں کو سواری پر چلنے والوں سے پہلے ذکر کیا ہے۔ یہ فرمادیا کہ پیدل سفر کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے۔ اور بعض علماء نے یہاں تک فرمادیا کہ جو لوگ پیدل سفر کرنے کے عادی ہیں ان پر حج فرض ہونے کے لئے سواری کے خرچ کی ضرورت نہیں۔ جب بدن میں طاقت ہو راستہ مامون ہو تو ان پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ (عینی)

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات میں بھی حج کے لئے پیدل چلنے کی فضیلتیں کثرت سے وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضؓ مَرْفُوْعًا مَنْ حَجَّ ... حضورؐ سے نقل کیا گیا کہ جو شخص حج کے لئے پیدل جائے

اِلٰی مَکَّۃَ مَاشِیًا حَتّٰی رَجَعَ کُتِبَ لَہٗ بِکُلِّ خُطْوَۃٍ سَبْعُمِائَۃِ حَسَنَۃٍ مِّنْ حَسَنَاتِ الْحَرَمِ قِیْلَ وَمَا حَسَنَاتُ الْحَرَمِ قَالَ کُلُّ حَسَنَۃٍ بِمِائَۃِ اَلْفِ حَسَنَۃٍ۔ صححه الحاكم كذا فى العينى قلت وفى المستدرك بلفظ مَنْ حَجَّ مِنْ مَّكَّةَ مَاشِيًا حَتّٰى يَرْجِعَ اِلٰى مَكَّةَ الحديث وهٰكذا فى الكنز وقال قط فى الافراد طب ك وتعقب هب ق وضعفه۔

اور آئے اس کے لئے ہر ہر قدم پر حرم کی نیکیوں میں سے سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی۔ کسی نے عرض کیا کہ حرم کی نیکیوں کا کیا مطلب، حضورؐ نے فرمایا کہ ہر نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔

ف: اس حساب سے سات سو نیکیاں سات کروڑ کے برابر ہوگئیں۔ اور ہر ہر قدم پر یہ ثواب ہے تو سارے راستہ کے ثواب کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابنِ عَبّاسؓ نے اپنے اِنتقال کے وقت اپنی اولاد کو وَصِیّت فرمائی کہ پیدل حج کیا کرو، پھر اوپر کی حدیث بیان کی (اتحاف السّادۃ)۔

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مُتعدّد روایات میں نقل کیا گیا کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

حَسَن بَصریؒ فرماتے ہیں کہ حرم میں ایک روزہ ایک لاکھ روزوں کا ثواب رکھتا ہے، اور ایک دِرہم صَدَقہ ایک لاکھ درم کا ثواب رکھتا ہے اور اسی طرح ہر نیکی جو حرم میں کی جائے غیر حرم کی ایک لاکھ کے برابر ہے۔ (اتحاف)

یہاں ایک اہم بات یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جیسا حَرَم مُحترَم میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے وہاں گناہ کا وبال بھی بہت زیادہ ہے .... اسی وجہ سے بعض علماء نے مکّہ مُکرّمہ میں قیام کو مکروہ لکھا ہے کہ گناہ آدمی سے ہو ہی جاتا ہے۔ اور وہاں گناہ کرنا بہت سخت ہے۔

حضرت ابنِ عَبّاسؓ فرماتے ہیں کہ میں رُکْیَہ (ایک جگہ کا نام ہے جو حرم سے باہر ہے) میں ستّر گناہ کرلوں یہ اس سے بہتر ہے کہ مکّہ مکرّمہ میں ایک گناہ کروں۔ (اتحاف) چھٹی فصل کی ساتویں حدیث کے ذیل میں یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے۔

(۲) عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا مَرْفُوْعًا اَنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَتُصَافِحُ رُکْبَانَ

حضرت عائشہ رضؓ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نقل فرماتی ہیں کہ فرشتے ان حاجیوں سے جو

الحَاجَّ وَتَعتَنِقُ المُشَاةَ۔ اخرجه ابن الجوزی فی مثیر العزم کذا فی الاتحاف وفی الدر اخرجه البیهقی عنها وضعفه۔

سواری پر آتے ہیں مُصافحہ کرتے ہیں، اور جو پیدل چل کر آتے ہیں اُن سے مُعانقہ کرتے ہیں۔"

ف: حضرت ابنِ عبّاسؓ سے نقل کیا گیا کہ وہ جب بیمار ہوئے تو فرمایا کہ مجھے کسی چیز کا اتنا افسوس نہیں ہے جتنا اس بات کا ہے کہ مَیں نے پیدل حج نہیں کیا اس لئے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ نے وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ الآیۃ اس آیتِ شریفہ میں پیدل چلنے والوں کو پہلے ذکر فرمایا ہے (درمنثور) یہ آیتِ شریفہ اور اس کا ترجمہ رسالہ کے شروع میں گذر چکا ہے۔

مُجاہدؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل عَلَیْہِمَا السَّلَام نے پیدل حج کیا (درمنثور) ایک روایت میں نقل کیا گیا کہ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے ہندوستان سے پیدل حج کر ایک ہزار حج کئے ہیں (ترغیب) دوسری حدیث میں آیا ہے کہ چالیس حج پیدل کئے ہیں (اتحاف) ابن عبّاسؓ فرماتے ہیں کہ اَنبیاءِ کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا معمول پیدل حج کرنے کا تھا (اتحاف) مُلّا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ جب حرم میں داخل ہو تو اسوقت پیدل چلے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص قادر ہو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ پیدل چلے اس لئے کہ حضرت ابنِ عبّاسؓ نے اپنے بیٹوں کو اپنے انتقال کے وقت اس کی وصیّت فرمائی اور یہ فرمایا کہ پیدل چلنے والے کے لئے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہر نیکی ایک لاکھ کے برابر ہے۔ اس لئے جو لوگ چلنے کے عادی ہیں اور راستہ کا امن حاصل ہو ان کے لئے پیدل چلنا افضل ہے۔ البتہ یہ شرط ضروری ہے کہ راستہ پیدل چلنے کے لئے مامون ہو، اور کم از کم مکّہ مکرّمہ سے جب عرفات پر حج کرنے جائیں اس وقت تو جوانوں کو اور پیدل چلنے پر قادر لوگوں کو پیدل ہی چلنا چاہیئے، کہ اس میں علاوہ ثواب کے ہر جگہ پر مستحبات کی رعایت قابو میں رہتی ہے۔ سواری کے پابند ہونے سے ہر جگہ بے بس ہونا پڑتا ہے اور بہت سے مستحبات ترک ہو جاتے ہیں، اور یہ سفر کچھ طویل بھی نہیں ہے۔ آٹھویں تاریخ کو مکّہ مکرّمہ سے منٰی تک جانا ہے جو صرف تین میل ہے، نویں کی صبح کو منٰی سے عرفات پر جانا ہے جو پانچ چھ میل ہے، یہ معمولی معمولی منزلیں ایسی نہیں کہ نوجوانوں کے اور چلنے پر قادر لوگوں کے لئے بار ہوں۔ اور ثواب اتنا زیادہ کہ ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں ملیں۔ حضرت ابنِ عبّاسؓ کی اس روایت میں جو اوپر ذکر گئی ہے، ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب

انہوں نے اپنی اولاد کو پاؤں چلنے کی وصیت فرمائی تو انہوں نے دریافت کیا کہ کہاں سے پاؤں چلا کریں؟ انہوں نے اِرشاد فرمایا کہ مکہ مکرمہ سے جب چلو تو پاؤں چلو۔

ایک حدیث میں حضرت ابن عباس رضؓ سے نقل کیا گیا کہ جو شخص منیٰ سے عرفات تک پاؤں پر جائے اس کو ایک لاکھ نیکیاں حرم کی نیکیوں میں سے ملیں گی۔ علی بن شعیبؒ سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے نیشاپور سے پاؤں چل کر ساٹھ سے زیادہ حج کئے ہیں۔ اور مغیرہ بن حکیمؒ سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے مکہ سے چل کر پچاس سے زیادہ حج پیدل کئے اور ابو العباسؒ سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے اسّی حج پیدل کئے ہیں۔ اور ابو عبد اللہ مغربیؒ نے ستانوے حج کئے ہیں (اتحاف)۔

کیا اندازہ ہے ان حضرات کے ثوابوں کا کہ ہر قدم پر ستّر کروڑ نیکیاں ان کو ملی ہوں گی۔ قاضی عیاضؒ نے شفا میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے حج کا تمام راستہ پیدل قطع کیا لوگوں نے جب مشقت کا ذکر کیا تو فرمایا کہ جو غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہو کیا وہ سواری پر سوار ہو کر حاضر ہو، اگر میں اس کی قدرت پاتا کہ سر کے بل چل کر حاضر ہوں تو اسی طرح حاضر ہوتا۔ یہ ایک معمولی سی مثال ہے اس سفر میں مشقت برداشت کرنے کی۔ اسی طرح ہر اس چیز میں ہے جو خلافِ طبع پیش آئے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اِرشاد جو اس فصل کے شروع میں ہے جس میں حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا کہ تیرا اجر بقدر تیری مشقت اُٹھانے کے ہے ہر تکلیف کو شامل ہے۔ لہٰذا جتنا بھی تکالیف کا تحمل ہو سکے اس کو نہایت بشاشت اور خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیئے شکوے شکایات اور بدکلامی بدگوئی سے اپنے حج کے کثیر اجر و ثواب کو ضائع نہ کرنا چاہیئے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ یہ ہرگز مناسب نہیں کہ اپنے ساتھیوں پر بار بار اِعتراض کرتا رہے اسی طرح اپنے اونٹ والے پر اور دوسرے لوگوں پر بلکہ سب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور خوش خلقی کو مضبوط پکڑے رہے، اور خوش خلقی یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو اذیت نہ پہنچائے بلکہ خوش خلقی یہ ہے کہ اذیت کا تحمل کرے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے سواری پر حج کو افضل بتایا ہے، کہ پاؤں چلنے سے بسا اوقات آدمی میں ہیجان اور غصہ پیدا ہو جاتا ہے اور حج میں اس سے بہت احتیاط رکھنا چاہیئے۔ لہٰذا جن لوگوں کے پیدل چلنے سے اخلاق خراب ہو جاتے ہوں، دل میں تنگی اور ملال پیدا ہوتا ہو ان کو پیدل نہ چلنا چاہیئے (اتحاف)، ذوق شوق اور رغبت و اشتیاق اس عبادت کی خصوصیت سے جان ہے جس طرح ایک عاشق محبوب کے شہر کی طرف سراپا

شوق و اضطراب کے ساتھ چلتاہے کہ نہ دھوپ کی پرواہ نہ بارش کی، نہ راحت کی نہ تکلیف کی، نہ کسی کے طعن تشنیع کی، نہ بُرا بھلا کہنے کی، اسی طرح یہ سفر بھی طے کرنا چاہیئے۔ ؎

ہے ریت عاشقوں کی تن مَن نثار کرنا — رونا ستم اٹھانا دِل سے نیاز کرنا

چوتھی فصل، حج کی حقیقت میں

حج درحقیقت دو منظروں کا نمونہ ہے اور اس کی ہر ہر چیز میں دو حقیقتیں پنہاں ہیں، اگرچہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ہر حکم میں لاکھوں مصلحتیں اور حکمتیں ایسی ہیں کہ جن تک ہر شخص کے خیال کی بھی رسائی نہیں ہوتی، لیکن بعض مَصالح ایسی کُھلی ہوئی اور ظاہر ہوتی ہیں جو ہر شخص کے ذہن میں آجاتی ہیں، اسی طرح حج کے ہر ہر رکن میں بہت سی مَصالح تو ایسی ہیں جن تک ذہن کی رسائی بھی نہیں لیکن یہ دو چیزیں اس کے ہر ہر رکن میں ہر ہر جز میں بالکل عیاں ہیں۔

ایک یہ کہ نمونہ ہے موت کا اور مرنے کے بعد کے حالات کا، دوسرا نمونہ ہے عشق اور مَحبَّت کے اظہار کا اور روح کو حقیقی عشق اور حقیقی مَحبَّت سے رنگنے کا۔

نمونہ کے طور پر دونوں منظروں کی طرف مختصر طریقہ سے تنبیہ کی جاتی ہے، اور اس نمونہ پر غور کرنے سے سب چیزوں میں یہ اُمور ظاہر اور واضح ہو جائیں گے۔

پہلا نمونہ موت اور اس کے مابعد کا منظر ہے کہ آدمی جس وقت گھر سے چلتا ہے سب عزیز اور اَقارِب، گھر باہر، وطن اَحباب کو ایک لخت چھوڑ کر دوسرے ملک گویا دوسرے ——— عالَم کا سفر اختیار کرتا ہے۔ جن چیزوں کے ساتھ دل مشغول تھا گھر باہر، کھیتی باغ، اَحباب کی مجلسیں سب ہی اسوقت چھوٹ رہی ہیں جیسا کہ مرنے کے وقت سب کو بیک وقت خیر باد کہنا پڑتا ہے، حج کو روانگی کے وقت یہی چیز قابلِ غور و فکر اور قابلِ عبرت و اعتبار ہے کہ جیسا آج عارضی مدت کے لئے یہ سب کچھ چھوٹ رہا ہے بہت جلد وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ ہمیشہ کے لئے یہ سب چیزیں چھوٹنے والی ہیں اس کے بعد سواری پر سوار ہونا اگر عبرت اور غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو جنازہ پر سوار ہو کر چل دینے کی یاد تازہ کرتا ہے۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد وہ بھی ہر قدم پر وطن اور احباب سے دوری اور جدائی بڑھاتی رہتی ہے، اور جنازہ اُٹھانے والے بھی ہر قدم پر سب اَعزّہ اور گھر باہر ساز و سامان سے دُور لیجاتے ہیں۔ کچھ لوگ ضرور جنازہ کی نماز تک ساتھ دیتے ہیں اور کچھ

قبر تک بھی پہنچا دیتے ہیں اور کچھ قبر میں رکھنے اور مٹی ڈالنے تک بھی ساتھ دیتے ہیں۔ یہ سارے مُنظر حاجی کے ساتھ بھی پیش آتے ہیں۔ کہ کچھ لوگ گھر ہی سے مُصافحہ کر کے فِی اَمَانِ اللہ کہہ دیتے ہیں، کچھ اسٹیشن تک تکلیف فرمالیتے ہیں۔ اور کچھ بہت ہی خواص ہوتے ہیں جو آگے جہاز تک بھی پہنچا دیتے ہیں، جہاز (اور قبر) میں جانے والے صرف وہی رفیق اور ساتھی ہوتے ہیں جو اس عالم تک ساتھ دینے والے ہوں چاہے وہ عَزِیز و اَقارِب ہوں یا مال وَمتاع ہو، ان میں بعض رفیقِ سفر ایسے مُخلص، غمگسار راحت رساں ہوں گے جو ہَر ہَر قدم پر راحت پہنچاتے ہیں اور بعض رفیق ایسے بدخُلق، کج مزاج، ضدی جھگڑالو ہوتے ہیں جو سفر کی ہر منزل میں بجائے راحت کے اور مصیبت کا سبب بنتے ہیں۔

بِعَینِہٖ یہی ساری صورت آخرت کے سَفر میں پیش آتی ہے کہ قبر میں ساتھ جانے والے وہی رفیقِ سفر ہیں جو آخر تک ساتھ رہنے والے ہیں۔ ان میں اَعمالِ حَسَنَہ ہَر قسم کی راحت اور آرام کا سبب ہیں اور اَعمالِ سَیِّئَہ ہَر قسم کی اَذِیَّت اور تکلیف کا سبب ہیں۔ اَعمالِ حَسَنَہ نہایت حَسِین وَجمیل آدمی کی صورت میں قبر میں ساتھ رہتے ہیں، اور اَعمالِ سَیِّئَہ نہایت قبیح صورت، ڈراؤنی اور گندی بُودار صورت میں ساتھ رہتے ہیں۔

اُس عالَم میں جتنی راحت پہنچتی ہے وہ اپنے نیک اَعمال سے پہنچتی ہے جو مَرنے سے پہلے کر لیے ہوں جیسا کہ سَفرِ حج میں جتنی راحت پہنچتی ہے وہ اس مال وزر اور سامان سے پہنچتی ہے جو سفر سے پہلے مُہیّا کر لیا ہو، ہاں کسی خوش قسمت کے لیے کوئی عزیز قریب یا دوست کچھ پڑھ کر یا صَدَقہ خیرات کر کے کچھ ایصالِ ثواب کر دے تو مرنے کے بعد بھی اپنی نہایت ضرورت کے وقت کام آجاتا ہے، جیسا کہ حاجی کے پاس کوئی اس کا عزیز یا دوست بذریعہ ہنڈی وغیرہ کوئی روپیہ پیسہ بھیج دے تو اس سفر میں کتنی مَسَرّت اور خوشی اور راحت کا سبب اسکے لیے بنے۔ اس کے بعد سفر کے درمیان میں جتنے خطرات ڈاکو، چور، سخت مزاج حاکموں کی طرف سے سامان کی تفتیش حالات کی تحقیقات، پاسپورٹ وغیرہ جانچ پڑتال جتنے مَناظِر حاجی کو دیکھنا پڑتے ہیں وہ قبر کے سارے مَنظروں کی یاد دلاتے رہتے ہیں کہ مُنکر نکیر کا سُوال بھی ہوگا، اپنے ایمان کا اِمتحان بھی ہوگا، اور سانپ بچھو وغیرہ کیڑے مکوڑے بھی قبر میں طرح طرح سے ستائیں گے۔ اَعمال نامہ بھی اپنے ساتھ ہی ہوگا۔ وَکُلَّ اِنسَانٍ اَلزَمنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِی عُنُقِہٖ الآیۃ (بنی اسرائیل۔۲) ہاں بہت سے

مالدار جن کو اللہ نے دولت بے شمار دی ہے وہ معمولی سی تفتیش اور پاسپورٹ وغیرہ کے بعد چند گھنٹوں میں حجاز پہنچ جاتے ہیں، اور جن کے پاس نیک اعمال کا ذخیرہ مالامال کر دینے والا ہو وہ قبر کے ان سارے احوال سے بے خبر اور بے فکر دلہنوں کی طرح اس میں ایسے آرام فرماتے ہیں کہ قیامت تک کا سارا طویل زمانہ اُن کے لئے گھنٹوں اور منٹوں میں گذر جائے گا، جیسا کہ نئی دُلہن پہلی شب میں کمخواب اور مخمل کے بستروں پر سوتی ہے اسی طرح یہ لوگ قبر میں سو جاتے ہیں۔

اس کے بعد احرام کی دو سفید چادریں کفن کی چادروں کی یاد ہر وقت تازہ رکھتی ہیں اگر عبرت کی نگاہ ہو تو جتنے دن احرام بندھا رہے ہر وقت اسی طرح کفن کی دو چادروں میں لپٹے رہنا یاد رہنا چاہیئے اور احرام کے وقت لَبَّیْکَ (حاضر ہوں حاضر ہوں) قیامت میں پکارنے والے کی آواز پر دوڑ پڑنے کی یاد دلاتی ہے۔ یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ ج (طٰہٰ-۶) "اس دن سب کے سب (خدا کی طرف سے) پکارنے والے (یعنی صور پھونکنے والے فرشتہ) کے کہنے پر ہو لیں گے۔" وَتَرٰی کُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً قف کُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓی اِلٰی کِتٰبِهَا (جاثیہ) "تو دیکھے گا ہر اُمت کو زانو پر گری ہوئی اور ہر اُمت پکاری جائے گی اپنی کتاب کی طرف" اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونا گویا اس عالم میں داخل ہو جانا ہے جس میں اللہ کی رحمت کی امید ہے کہ مکہ دار الامن ہے۔ لیکن اپنی بد اعمالیوں سے یہ خوف بھی غالب ہے کہ امن کی جگہ بھی امن نہ ملے، مکہ کا سارا قیام اسی بیم و رجا کی یاد کو تازہ کرتا رہتا ہے کہ اس جگہ کا امن کی جگہ ہونا اللہ کی رحمت اور مغفرت اور کرم اور لطف، انعام و احسان کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے۔ اور اپنی بد اعمالیاں جو ساری عمر کی ہیں وہ یاد آ کر ع "مر کے بھی چین نہ آیا تو کدھر جائیں گے" کی یاد تازہ کرتی ہے۔ اور بَیْتُ اللہ پر نظر پڑنا قیامت میں گھر کے مالک کے دیدار کو یاد دلاتا ہے اور جس قدر خوف اور ہیبت، عظمت اور جلال کا وہ مَظہر ہے، وہی سارے آداب اس وقت ہونا چاہئیں جیسا کہ کسی بڑے بادشاہ کے دربار میں حاضری کے وقت ہوتے ہیں۔ اور بیت اللہ کا طواف ان فرشتوں کی یاد تازہ کرتا ہے کہ جو عرشِ مُعلّٰے کا طواف کرتے رہتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

اور کعبہ کے پردوں سے لپٹ کر رونا اور مُلتزَم کو چمٹنا اس قصوروار کی مثال ہے جو کسی بڑے مُحسن و مُربّی کا بڑا قصور کر کے اس کا دامن پکڑ کر معافی کیلئے روتا ہے اور اس کے گھر کے در و دیوار کو پکڑ کر روتا ہے کہ قصور کی معافی کے یہی راستے ہیں، اور قیامت میں اپنے گناہوں

کو یاد کر کے رونے کی مثال ہے۔

اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا میدانِ حشر میں اِدھر اُدھر دوڑنے کی یاد تازہ کرتا ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ (قمر۔ ۱) "قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے گویا وہ ٹڈی دل ہے جو پراگندہ ہے۔"

یہ منظر بندہ کے ناقص خیال میں قیامت کے ایک عجیب منظر کی یاد تازہ کرتا ہے جس کا بڑا مفصّل قصہ احادیث میں آتا ہے۔ کہ حشر کے دن جب مخلوق نہایت پریشان حال ہوگی اور مصائب کی کثرت سے تنگ ہو کر یہ سوچے گی کہ انبیاء کرامؑ بڑی اونچی ہستیاں ہیں اور اللہ کے مقبول بندے ہیں ان سے جا کر سفارش کی درخواست کریں، اس خیال سے سب سے پہلے حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلَام کے پاس جا کر عرض کریں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، فرشتوں سے سجدہ کرایا، خود ہر چیز کے نام آپکو تعلیم دیئے، وغیرہ وغیرہ۔ آپ ہماری سفارش کر دیں تو وہ فرمائیں گے میں تو نہیں کر سکتا، اگر مجھ سے اس ممنوع دانہ کے کھانے کا سوال ہو گیا تو کیا ہو گا، تم نوحؑ کے پاس جاؤ۔

یہ لوگ پریشان حال حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس جائیں گے وہ بھی عذر فرما دیں گے کہ میں نے طوفان کے زمانہ میں اپنے بیٹے کے بچانے کا بے محل سوال کر لیا تھا، تم حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس جاؤ وہ بھی عذر فرما کر حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا حوالہ دیں گے، وہ بھی عذر فرما کر حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا حوالہ دیں گے وہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں جانے کا مشورہ دیں گے۔ اور یہ فخر حضورؐ ہی کے لئے ہے کہ اس جلال کے دن میں سفارش کی ابتدا فرمادیں گے۔

یہ بہت طویل قصہ ہے مجھے تو صرف یہی منظر سامنے لانا ہے کہ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر مارے مارے پریشان حال ایک دن پھرنا ہے۔ جو بڑا سخت دن ہو گا عرفات کا میدان تو حشر کے میدان کا پورا نمونہ ہے ہی کہ آفتاب کی تمازت اور سب کا ایک لق و دق میدان میں ایسی حالت میں اجتماع کہ مغفرت کی اُمید ہے گناہوں کا خوف ہے۔ بندہ کے ناقص خیال میں عرفات کے میدان میں بڑی غور و فکر کی جو چیز ہے وہ عہد و میثاق ہے جو ازل میں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ سے لیا گیا تھا کہ عالمِ ارواح میں حق سبحانہ وتقدس نے ساری ارواح سے یہ سوال کیا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب نے ایک زبان ہو کر کہا تھا کہ بیشک

آپ ہمارے رب ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں بروایت مُسْنَدِ احمد حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک اِرشاد نقل کیا ہے کہ یہ عہد عَرَفات ہی کے میدان میں ہوا تھا یہ وقت اور یہ جگہ اس کے یاد کرنے کی ہے کہ کیا عہد کیا تھا۔ اور اس عہد کو کس طرح پورا کیا۔

اس کے بعد مُزْدَلِفَہ مِنٰی وغیرہ کے اجتماعات ہیں۔ امام غَزالیؒ فرماتے ہیں کہ ان مَواقع میں لوگوں کا اِزْدِحام اور ان کا شور وشغب، مُخْتَلِف زُبانیں، مختلف آوازیں اور لوگوں کا اپنے اپنے اِماموں کے پیچھے چلنا، قیامت کے میدانوں میں اپنے اپنے اَنْبیاءؑ اور مقتداؤں کے پیچھے چلنے کی اور حیرانی اور پریشانی کے عالم میں کبھی یہاں اور کبھی وہاں جانے کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اِن مَواقع میں عاجزی اور زاری کا اہتمام کرکہ کام آنے والی چیز ہے۔

یہ مُخْتَصر خاکہ ہے حج کے اس مَنْظَر کا جو قیامت کی یاد کو تازہ کرتا ہے، جس کو مُخْتَصَرُ الْاَلفاظ اور مُخْتَصَرُ اَحْوال کے ساتھ اشارات کے طرز پر میں نے لکھا ہے غور کیا جائے تو اسی نمونہ سے بہت سی تفصیلات سمجھ میں آسکتی ہیں۔

دوسرا مَنْظَر اظہارِ عشق ومَحَبَّت کا ہے وہ حاجی کے حال سے ایسا ظاہر اور واضح ہے کہ اس کے لئے کسی تفصیل کی حاجت نہیں، بندوں کا تعلُّق حق تعالیٰ وتَقَدّس کے ساتھ دو طرح کا ہے۔ ایک نیازمندی اور بندگی کا کہ وہ پاک ذات مالک ہے، خالق ہے، اِس تعلُّق کا مُظْہر نماز ہے جو سراسر نیاز واظہارِ عَبْدِیَّت ہے، اسی لئے اس میں ساری چیزیں اسی تعلُّق کا مُظْہر ہیں کہ نہایت وَقار اور سُکون کے ساتھ موزوں لباس اور شاہی آداب کے مناسب حالات کے ساتھ حاضری دربار کی ہے کہ وضو اور پاک کپڑوں کے ساتھ نہایت وقار اور سکون سے اوّل کانوں پر ہاتھ رکھ کر عَبْدِیَّت اور اللّٰہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی بڑائی کا اقرار کرے، پھر ہاتھ باندھ کر مَعْرُوضہ پیش کرے پھر سر جھکا کر تعظیم کرے، اور پھر زمین پر ماتھا رگڑ کر اپنی نیازمندی اور عِجْز کا اظہار کرے اور آقا کی بڑائی کا زبان سے اقرار کرتا رہے، اور کوئی قَوْل وفِعل اُس کی بڑائی اور اپنے عِجْز کے خِلاف نہ ہو۔

اس نَوع میں سُکون ووقار کی جتنی پابندی کی جائے گی وہ اس کے شایانِ شان ہوگا اسی لئے نماز کے لئے بھاگ کر چلنا مَکْرُوہ ہے۔ نماز کے اِنْتظار میں بیٹھے ہوئے بھی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر بیٹھنا مکروہ ہے۔ نماز میں اُنگلیاں چٹخانہ مکروہ ہے، بے ضرورت کھانسنا مکروہ

ہے۔ حتیٰ کہ اِدھر اُدھر نظر کرنا مکروہ ہے، بے ترتیب یعنی ناموزوں ہَیئت سے کپڑا پہننا مکروہ ہے، ایسے ہی بدن پر کپڑا لٹکانا مکروہ ہے۔ یہ عبادت نماز میں بات کرنے سے ضائع ہوجاتی ہے، وضو ٹوٹ جانے سے جاتی رہتی ہے حتیٰ کہ بے اِختیار اور بے ارادہ بھی ہنس پڑنے سے ضائع ہوجاتی ہے حتیٰ کہ سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اُٹھ جانے سے ضائع ہوجاتی ہے اس لئے کہ یہ بھی سکون اور وقار کے خلاف ہے۔

حق تعالیٰ و تقدس کے ساتھ دوسرا تعلق محبّت اور عشق کا ہے کہ وہ مُربّی ہے۔ مُنعِم ہے، مُحسِن ہے، اور جمال وکمال کے جتنے اَوصاف ہو سکتے ہیں ان سب کے ساتھ مُتّصِف ہے اِدھر ہر آدمی میں فطری طور پر عشق ومحبّت کا مادّہ موجود ہے۔

ازل سے حُسن پرستی لکھی تھی قسمت میں
مِرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا

پیدا ہوئے تو ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے
کیا جانیں ہم ہیں کب سے کسی پر مرے ہوئے

مری طفلی میں شانِ عشق بازی آشکارا تھی
اگر بچپن میں کھیلا کھیل تو آنکھیں لڑانیکا

جو چشم کہ بے نم ہو وہ ہو کور تو بہتر
جو دِل کہ ہو بے داغ وہ جل جائے تو اچھا

ترے فراق میں جینا بشر کا کام نہیں
ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام نہیں

شاید بزم ازل نے اک نگاہِ ناز سے
عِشق کو اس انجمن میں مسند آرا کردیا

اسی تعلّق کا مظہر حج ہے کہ سفر کی ابتداء ہی سب تعلّقات کو ختم کر کے، سب عزیز و اقارب گھر باہر سے منہ موڑ کر کوچۂ یار کی طرف جانا ہے اور جنگلوں اور گلی کوچوں میں مارے مارے پھرنا ہے کہ یہی دو چیزیں عاشقوں کا کام ہیں ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عِشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

نیا رنگ لائی مِری بے کسی!
چھُٹا دیس جنگل کی دُھن ہوگئی

چمن سے مجھے شوقِ صحرا ہوا
نئے رنگ کا مجھ کو سَودا ہوا

حسرت و یاس و تمنّا نہیں وحشت کی قسم
بھیڑ چھوڑو مجھے جنگل کو نکل جانے دو

اور یہ ساری وَحشت اور اِشتیاق کیوں ہے، یہ اِضطِراب اور بے چینی آخر کیوں مُسلّط ہوئی اس لئے کہ محبوب کے دَر پر عُشّاق کے اِجتماع کا ایک وقت مُقرّر ہے وہ قریب آگیا ہے

اجازت ہو تو آکر میں بھی شامل انمیں ہوجاؤں
سُنا ہے کل ترے دَر پر ہجوم عاشقاں ہوگا

ے دوست آوارگی ہمی خواہد رفتنِ حج بہانہ افتاد است

یعنی محبوب آوارگی کا نظارہ دیکھنا چاہتا ہے حج کے سفر کو اس کا بہانہ بنا دیا۔ اور جب اس ارادہ اور جذبہ سے گھر سے نکلتا ہے تو یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ عشق میں مصائب ایک لازمی چیز ہے ے

سالکِ راہِ محبّت کا خدا حافظ ہے اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

او دل ذرا سنبھل کے مَحَبّت کا نام لے کمبخت، بارِ عشق اٹھایا نہ جائے گا!

جب عشق کے طُفَیل یہ مُبارک سَفَر ہے تو راستہ کی سب مَشَقَّتیں اسی ذوق اور جذبہ کے ماتحت ہونا ضروری ہیں اور اسی فریفتگی سے ان کو برداشت کرنا چاہیئے ے

مَصائِب حادثے آفت اَلَم ذِلّت قضا تربت ؛ دکھاتی جائے جو اُن کی جوانی دیکھتے جاؤ

درد و غم رنج والم فکر و قلق خوف و ہراس ؛ وہ بلا کونسی ہے جو شبِ ہجراں میں نہیں

اَذِیّت مصیبت ملامت بَلائیں ؛ ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

اُلفت میں برابر ہے جفا ہو کہ وفا ہو ؛ ہر چیز میں لذّت ہے اگر دل میں مزا ہو

اس کے بعد احرام بھی اسی عاشقانہ رنگ کا پورا مُظہر ہے کہ نہ سر پر ٹوپی نہ بدن پر کُرتا فقیرانہ صورت نہ خوشبو نہ زینت، ایک مجنونانہ ہیئت، جو کرب و بے چینی کے کمال کو ظاہر کرتی ہے ے

خوشی سے اپنی رُسوائی گوارا ہو نہیں سکتی ؛ گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے

چشم تر خاک بسر چاک گریباں دل زار ؛ عشق کا ہم نے یہ دُنیا میں نتیجہ دیکھا

نہ رکھ لباس کا اُلجھاؤ تن پہ وحشتِ جنوں ؛ کیا ہے چاک گریباں تو پھاڑ دامن بھی

اصل یہ تھا کہ گھر سے نکلتے ہی یہ حالت شروع ہو جاتی۔ اسی وجہ سے بعض عُلماء کے نزدیک گھر ہی سے احرام باندھ کر جانا افضل ہے، مگر چونکہ احرام کے بعد بہت سی چیزیں ناجائز ہو جاتی ہیں اور اس قسم کے لباس کا تحمُّل بھی بعض نازپروردہ لوگوں کو مُشکل ہو جاتا ہے، اس لئے اللہ کی رحمت نے اس کی اجازت دیدی کہ شروع سے احرام نہ باندھا جائے کہ اس میں مَشَقَّت ہو گی۔ البتہ جب کوئے یار کے قریب پہنچے تو اس کا اہتمام ضروری ہے کہ اس کے کوچہ میں اسی حال سے داخل ہونا ہے کہ سر پر بال بکھرے ہوئے ہوں، لباس میں مجنونانہ ہیئت ہو، میلے کچیلے حال میں از خود رفتہ عاشقوں کی سی صورت ہو، اسی کو حُضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے پاک اِرشاد میں ظاہر فرمایا۔ اَلْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ ”حاجی بکھرے ہوئے بالوں والا میلا کچیلا ہوتا ہے“

یعنی یہ کہ راستہ میں کچھ گرد و غبار بھی بے تابی اور شوق میں بدن پر پڑا ہو۔ اسی حالت کو حق تعالیٰ شانہٗ خود بھی تفاخر کے طور پر فرشتوں سے ظاہر فرماتے ہیں اُنْظُرُوْا اِلٰی زُوَّارِ بَیْتِیْ قَدْ جَآءُوْنِیْ شُعْثًا غُبْرًا "میرے گھر کے مشتاقوں کو دیکھو کہ میری طرف بکھرے ہوئے بالوں اور گرد و غبار کی حالت میں آئے ہیں" ؎

اپنے دیوانوں کی فریاد سے خوش ہوتے ہیں ؛ پس دیوار کھڑے سُنتے ہیں شیوَن ان کا
نالے کرتا جو مَیں پھرتا ہوں تو خوش ہوتے ہیں ؛ غش وُہ اس پر ہیں کہ شہرت میری ہر سو ہو جائے

اور ظاہر ہے کہ جب جنگلوں اور پہاڑوں کی خاک چھانتا ہوا روتا پیٹتا وہاں پہنچتا ہے تو یہ چیزیں ضرور ہوں گی، اور جتنے اثرات اس کے زیادہ ہوں گے اتنا ہی شوق اور بے تابی کا اظہار ہوگا ؎

چھانے ہیں پائے محبّت سے بیاباں کیا کیا ؛ پار تلووں سے ہوئے خارِ مُغیلاں کیا کیا
وحشی نے تیرے خاک اڑائی یہاں تلک ؛ ملتا نہیں زمین کا پتہ آسماں تلک

اِسی حالت میں مستانہ وار لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ (میں حاضر ہوں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں حاضر ہوں) کا نعرہ لگاتا ہوا روتا اور چلاتا ہوا نالہ و فریاد کرتا ہوا پہنچتا ہے۔ اسی کی طرف حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ علیہ وَسلّم نے اپنے پاک اِرشاد اَلْحَجُّ اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ میں اِرشاد فرمایا کہ "حج (کا کمال خوب) چلانا اور قربانی کا خون بہانا ہے۔" بہت سی احادیث میں مردوں کے لئے لَبَّیْک آواز سے پڑھنے کی ترغیب ہے۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا پاک اِرشاد ہے کہ حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام نے مجھ سے کہا یہ کہ اپنے ساتھیوں کو اس کا حکم کر دوں کہ لَبَّیْک پکار کر کہیں، اور ظاہر بات ہے کہ نالہ و فریاد کے ساتھ چلّانا عشق کی جان ہے ؎

نالہ کر لینے دیں للہ نہ چھیڑیں احباب ؛ ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے
فغاں میں آہ میں فریاد میں شیوَن میں نالے میں ؛ سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں
دم بدم سینۂ سوزاں سے نہ کر نالہ گرم ؛ پڑ نہ جائیں تیری منقار میں چھالے بُلبل
بیخودی شوق کی اور عرضِ تمنا ان سے ؛ نہیں معلوم کہ منہ سے مرے کیا کیا نکلا
کسی کی یاد نے کیا کیا نئے تحفے دیئے ہم کو ؛ جگر میں ٹیس دل میں درد لب پر آہ و نالے ہیں

کون ہوتا ہے مُونِس شبِ غم　　نالہ ہوتا ہے آہ ہوتی ہے

اسی بے چینی اور اضطراب نالہ اور فریاد کے ساتھ آخر وُہ محبوب کے شہر تک پہنچ جاتا ہے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہو جاتا ہے ؎

ڈھونڈتے ڈھونڈتے جا پہنچے ہم اسکے گھر تک　　دلِ گم گشتہ میرے حق میں تو رہبر نکلا

جذبِ دل نے آج کوئے یار میں پہنچا دیا　　جیتے جی مَیں گلشنِ جنت میں داخل ہو گیا

مَیں نے اپنے حضرت مُرشدِ عالَم مولانا خلیل احمد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ کو بہت کم شعر پڑھتے سُنا ہے ، لیکن جب حج کے لئے تشریف لے گئے اور مسجدِ حرام میں تشریف فرما تھے تو مَیں نے بہت عجیب انداز سے یہ شعر پڑھتے سُنا ہے ؎

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہتِ گل　　نسیمِ صبح تیری مہربانی

ایک دل کھویا ہوا جس کے دِل میں واقعی زخمِ محبّت ہو جب محبوب کے گھر پہنچ جاتا ہے تو اس پر کیا گذرتی ہے اور وہ کیا سوچتا ہے یہ چیزیں الفاظ سے تعبیر نہیں ہو تیں ؎

تابِ نظارۂ معشوق کہاں عاشق کو　　غش نے موسیٰؑ کو سرِ طور سنبھلنے نہ دیا

وہ کہتا ہے ؎

اے دِل یہ شبِ وصل نہ کل ہو گی مُیَسَّر　　جو کچھ کہ اُڑانے ہیں مزے آج اُڑا لے

اس کے بعد وہ جو جو حرکتیں کرتا ہے وہ کسی ضابطہ اور آئین کی پابند نہیں کہیں محبوب کے گھر کے چکر کاٹتا ہے کہیں اس کے در و دیوار اور چوکھٹ کو چومتا ہے آنکھیں ملتا ہے۔ پیشانی اور سر رگڑتا ہے ؎

سر کو وحشت میں پہاڑوں سے بچا کر لایا　　در و دیوار سر کوچۂ جاناں کیلئے

ہم کو طوافِ کوچۂ جاناں چاہیئے　　زاہد کو کعبہ رِند کو مے خانہ چاہیئے

طواف کی ابتداء حجرِ اسود کے بوسہ سے ہے جس کو حدیثِ پاک میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے دستِ مبارک سے تعبیر کیا ہے اور اس کا بوسہ گویا دست بوسی ہے آقائے کریم کی اور انتہائی لطف و کرم ہے اس مالک کا جس نے یہ سعادت خاک کے پتلوں کو عطا فرمائی۔ عُشّاق کے نزدیک محبوب کے گھر کو ، در و دیوار کو چومنا اس کی عتبہ بوسی ، قدم بوسی ، دست بوسی وغیرہ عشق کے ایسے لوازمات میں سے ہیں کہ شاید ہی کوئی دِل کھویا ہوا شاعر ایسا ہو گا جس نے کسی نہ کسی عُنوان سے اس کو اہم

مقصد نہ بنایا ہو ۔

اَمُرُّ عَلَی الدِّیَارِ دِیَارِ لَیْلیٰ　　اُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَذَا الْجِدَار

"میں جب لیلیٰ کے شہر میں پہنچتا ہوں کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو"

رکھا سر پاؤں پر اس کے تو بولا　　کہ تو بھی بے سر و پا کس قدر ہے

مجھ پر نہ کریں کوئی عنایت　　حسرت ہے یہ کہہ دیں مُسکرا کر

آرام کیا کروں میں جب تک　　آنکھیں تلووں سے تو ملا کر!

ے پامال کر گیا ہے کوئی دل کو راہ میں　　آنکھوں کو مَل رہے ہیں کسی نقش پا سے ہم

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حجرِ اَسْوَد پر اپنے لبِ مبارک رکھے اور بہت دیر تک رکھے رہے اور آنسو جاری تھے، اس کے بعد حضورؐ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ بھی کھڑے رو رہے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا یہی جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں ۔

مختصر یہ ہے ہماری داستان　　خود بخود ہیں آنکھ سے آنسو رَواں

ے رُخسار زرد پر میرے بہتے ہیں اشکِ خوں　　یکجا دکھا رہی ہے خزاں و بہار رنگ

ے زمیں تک مرے آنسو آنے لگے　　فلک تک مرے نالے جانے لگے

ے مِری چشمِ تر کا یہ کیا حال ہے　　کہ دامن سے تا آستیں لال ہے

ے نہ آنکھوں سے لگتی جھڑی آنسوؤں کی　　جو غم کی گھٹا دِل پہ چھائی نہ ہوتی

کعبہ شریف کے پردہ سے لپٹنا چمٹنا بھی اسی عاشقانہ شان کا ایک خاص مُنظَر ہے کہ محبوب کے دامن سے چمٹنا بھی عشق کے مظاہر میں سے ایک مخصوص منظر ہے ۔

اے ناتوانِ عشق تجھے حُسن کی قسم　　دامن کو یوں پکڑ کر کہ چھڑایا نہ جا سکے

ے اے جنوں دیوانگی ایسی بھی کیا　　دامنِ بادِ بہاری چھوڑ دے

مدتوں میں جس کے ہاتھ آئی ہو وہ　　آستیں کیوں کر تمہاری چھوڑ دے

ے اس کے دامن کو پکڑ میں نے کہا　　اَب کوئی چھوڑ دوں ہوں اے رشکِ پری

مُسکرا کر ناز سے کہنے لگا!　　عاشقی کرتے ہو یا زور آوری!

مُلتزَم جو کعبہ شریف کی دیوار کا ایک خاص حِصّہ ہے مُتبرک جگہ ہے۔ اس جگہ خصوصیت سے دُعا قبول ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور صحابہ کرامؓ اس سے

چمٹ رہے تھے اور اپنے چہرہ کو اس سے لگا رہے تھے ؎

آج ارشد کو عجب حال میں دیکھا ہم نے — رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان دوڑنا بھی اسی مجنونانہ انداز کا ایک پُرکیف منظر ہے کہ ننگے سر نہ کرتہ نہ پاجامہ اِدھر سے اُدھر اُدھر سے اِدھر بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں ؎

کیونکر جنوں میں دشت نوردی نہ ہو پسند — پایا ہے آبلوں نے مزا نوکِ خار میں

؎ اَب نہیں دِل کو کسی صورت قرار — اس نگاہِ ناز نے کیا سحر ایسا کر دیا

؎ گر اے زاہد دعائے خیر می گوئی مرا ایں گو — کہ آں آوارہ کوئے بتاں آوارہ تر بادا

یعنی صوفی جی اگر تم اس نارہ کے لئے کبھی دعائے خیر کرو تو یہ دُعا کرنا کہ وہ جو معشوقوں کی گلیوں کا آوارہ گرد ہے اس کی آوارگی اور زیادہ ہو جائے۔ اسی اِضطراب، بے چینی آوارہ گردی صحرا نوردی کا منظر ہے کہ صبح کو مکہ میں رات کو منیٰ میں پھر صبح کو عرفات کا جنگل بیاباں شام ہوتے ہی مزدلفہ بھاگ آئے۔ صبح ہی صبح وہاں سے پھر منیٰ دوپہر کو پھر مکہ مکرمہ واپسی شام کو پھر منیٰ لوٹ گئے۔

؎ عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود — کوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

یعنی مولیٰ کا عشق کیا لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہو سکتا ہے، مولیٰ کے عشق میں تو گلی گلی مارے مارے پھرنا اور بھی زیادہ بہتر ہے ؎

ایک جا رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں — دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

؎ ہے گدائی مجھ کو بہتر تیرے حُسن وعشق کی — ہم بھکاری بھیک کے دَر دَر ہمیں لُٹنا پڑا

؎ وشت میں صحرا میں ویرانہ میں کوئے یار میں — چلتا پھرتا مثل سایہ ہیں انہی چار میں ہوں

؎ عشقِ خانہ خراب کی خاطر — دَربدر شہر یار پھرتے ہیں !!

؎ وحشتِ دل سے ہیں مجنوں کیطرح خاک بسر — چھانتے پھرتے ہیں ہم کوہ و بیاباں دن رات

اس سب کے بعد منیٰ میں شیاطین کے پتھر مارنا اس جنون و وحشت کے آخری حصہ کا نظارہ ہے جو عشاق کو پیش آتا ہے۔ عاشق کا جنوں جب حد سے تجاوز کرتا ہے تو وہ ہر اس شخص کے پتھر مارا کرتا ہے جس کو وہ اپنے کام میں مُخل سمجھتا ہے ع

میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

اور سب سے آخر میں قربانی جو حقیقۃً اپنی جان کی قربانی ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے اپنی

غایتِ رحمت اور رافت سے اس کو جانور کی یعنی مال کی قربانی سے بدل دیا ہے یہی عشق کا منتہا اور آخری حال ہے ؎

موت ہی سے کچھ علاجِ دردِ فرقت ہو تو ہو — غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو

؎ موت ہی ہے علاج عاشق کا — اس سے اچھی نہیں دوا کوئی

؎ کسی کی تیغ ہو میرا گلو ہو! — دلِ مضطر کی پوری آرزو ہو

؎ اے موت جلد آکہ یہ جھگڑا کہیں چکے — کب تک شبِ فراق کے صدمے اٹھائے دل

؎ سسکتا چھوڑ کر جاتا ہے وہ مجھ کو نیم بسمل کو — خدارا بڑھ کے اے شوقِ شہادت روک لے اسکو

یہ مختصر اشارات ہیں حج کے اس منظر کے جو عشق سے تعلق رکھتے ہیں، جس کے دل میں کچھ چوٹ ہوگی کوئی زخم لگا ہوگا، دیوانگی سے کوئی سابقہ پڑا ہوگا وہ ان اشارات کے بعد وہاں پہنچ کر دیکھے گا کہ اس سفر کا ہر جز اس مظہر کو اپنے اندر پوری طرح لئے ہوتے ہے۔ تفصیل کے لئے دفتر بھی کافی نہیں اور پھر جذبات کاغذ پر آتے بھی نہیں ؎

دردِ دل دور سے ہم تم کو سنائیں کیونکر — ڈاک میں بھیجدیں آہوں کی صدائیں کیونکر

؎ کاغذ تمام کلک تمام اور ہم تمام — پر داستانِ شوق ابھی ناتمام ہے

ان کے علاوہ حج کی حکمتیں یا اللہ جل شانہ کے کسی بھی حکم کی حکمتیں کوئی کہاں تک بیان کرسکتا ہے، اللہ جل شانہ کے ہر حکم میں اتنی حکمتیں ہیں کہ ان میں بہت سی مصالح تک ہماری عقول کی رسائی بھی نہیں ہے، اور ہر حکم میں جتنا بھی غور کیا جائے روز بروز فوائد زائد ہی سمجھ میں آتے رہتے ہیں۔ اور ہر شخص اپنی اپنی فہم کے موافق ان پر غور کرتا رہتا ہے۔

سیاسی حضرات کے نزدیک اس حیثیت سے بھی اس میں اتنے فوائد ہیں کہ وہ سب تحریر میں بھی نہیں آسکتے۔ لیکن جیسا کہ مثال کے اور نمونہ کے طور پر اوپر کی دو حکمتوں کی طرف اشارے کئے ہیں۔ اسی طرح نمونہ کے طور پر چند امور کی طرف متوجہ کرتا ہوں اور ان میں غور کرنے سے ہزاروں مصالح سمجھ میں آسکتے ہیں:۔

(۱) ہر حاکم اور بادشاہ کو اپنی رعایا کے مختلف طبقات کو بیک وقت ایک جگہ جمع کرنے کا جتنا اہتمام اور خواہش ہوتی ہے وہ سب کو معلوم ہے کہ اس کیلئے مختلف نوع کے جشن اور مختلف نام سے انجمنیں ہا کر ان کے سالانہ جلسے وغیرہ کرائے جاتے ہیں حج میں یہ مصلحت علیٰ وجہ الاتم پوری ہوتی ہے۔

(۲) مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے مختلف ممالک کے اہل الرائے اگر کوئی لائحہ عمل تجویز کریں تو اس کی تشکیل اور اشاعت کے لئے یہ بہترین موقع ہے۔

(۳) اگر اسلامی ممالک کے افراد کے درمیان اتحاد اور تعلقات کی وسعت کی کوئی صورت ہو سکتی ہے تو حج کے موقع سے بہتر صورت نہیں۔

(۴) علم الالسنہ کے شوقین حضرات کے لئے حج کے زمانہ سے بہترین موقع شاید نہ مل سکے کہ ایک ہی جگہ عربی، اردو، ترکی، فارسی، ہندی، پشتو، چینی، جاوی، انگریزی وغیرہ وغیرہ ہر زبان کے واقف لوگ مل جائیں گے۔

(۵) سپاہیانہ زندگی جو اسلامی زندگی کا خصوصی شعار ہے حج کے سفر میں پورے طور سے پائی جاتی ہے، لباس معاش میں بھی، چلنے پھرنے میں بھی۔

(۶) سرمایہ داری کے مخالف، امیر و غریب میں مساوات پیدا کرنے کی جتنی کوشش کرتے رہتے ہیں اس کو اخبار بیں حضرات بخوبی جانتے ہیں اور یہ بھی ساتھ ہی معلوم ہے کہ کوئی صورت بھی آج تک کامیاب نہیں ہو سکی۔ اسلام کا ہر حکم نماز روزہ حج زکوٰۃ اس مصلحت کو نہایت آسان اور کامیاب طریقہ سے پورا کرتا ہے، اسلامی اصول سے بہتر چیز نہ آج تک پیدا ہو سکی نہ آئندہ ہو سکے، بشرطیکہ ان احکام کو اسلام کی صحیح تعلیم کے ماتحت ادا کیا جائے۔

(۷) دنیا کے مختلف طبقات میں مساوات پیدا کرنے کے لئے بھی حج بہترین عمل ہے کہ امیر غریب، بادشاہ فقیر، ہندی، عربی، ترکی، چینی وغیرہ سب ایک ہی حال میں ایک ہی لباس میں ایک ہی مشغلہ میں معتدبہ زمانہ تک رہتے ہیں۔

(۸) قومی ہفتہ منانے کے لئے لوگ کتنے انتظامات اعلانات اخراجات کرتے ہیں، مسلمانوں کے لئے ذی الحجہ کے پہلے پندرہ دن قومی ہفتہ سے بھی بڑھ کر ہیں کہ جن کے لئے نہ انتظامات خصوصی کرنے کی ضرورت ہے نہ پروپیگنڈہ کی۔

(۹) دنیا کے سب مسلمانوں میں آپس میں اخوت، محبت، تعلقات، تعارف اور رشتۂ اتحاد قائم کرنے کے لئے حج بہترین موقع ہے۔

(۱۰) اشاعت اسلام کے شوقین دینی احکام کی اہمیت اور تبلیغ کو اس موقع پر اہتمام سے لے کر اٹھیں، مقامی حضرات باہر سے آنے والے مہمانوں کی اصل خاطر اور ضیافت اس کو سمجھیں کہ ان میں دینی جذبہ قوت پکڑے، ان میں دین کے احکام پر عمل کا ولولہ اور شوق

پیدا ہو، ان میں جو ضعف یا بد دینی کے اثرات ہوں وہ زائل ہو جائیں، اسی طرح باہر سے آنیوالے حضرات مقامی اصحاب کی اعانت اس کو سمجھیں تو دین کو جس قدر فروغ ہو وہ اظہر من الشمس ہے۔

(۱۱) غرباء اور اُمراء کا اختلاط جو مستقل طور پر ایک مقصود چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ایک طرف اُمراء میں سے نخوت اور غرور دُور ہو، دوسری جانب غرباء کا حوصلہ بڑھے وہ حج میں ایسے کامل طور سے پایا جاتا ہے کہ جس کی نظیر دوسری جگہ نہ ملے گی، امراء اپنی بدنی ضروریات کی وجہ سے غرباء کی طرف متوجہ ہوں گے کہ بار برداری، کھانا پکانا اور آمدورفت کی تمام ضروریات کا ان کو خود پورا کرنا مشکل ہے، دوسری جانب غرباء کی مالی ضروریات ان کو اُمراء کی طرف متوجہ کریں گی جس کی وجہ سے ان دونوں طبقوں کا اختلاط جو لبسا اوقات تعارف اور مدارات سے بڑھ کر مؤدت اور دوستی تک پہنچ جاتا ہے جس کا سفر حج میں پوری طرح سے مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

(۱۲) مسلمانوں کے اجتماع کو بالخصوص جب کہ وہ عاجزی اور مسکنت زاری اور تضرع کے ساتھ ہو اللہ جل شانہ کی رحمت اور لطف و کرم کے متوجہ کرنے میں جتنا دخل ہے وہ عامی سے عامی آدمی سے بھی مخفی نہیں۔ حج کا موقع اس کا بہترین منظر ہے کہ عرفات کا میدان اس کا خصوصی مظہر ہے۔

(۱۳) آثار قدیمہ کا تحفظ اور اسلاف بالخصوص پہلے انبیاء کرامؑ کے احوال کا علم اور استحضار سفر حج کا خصوصی ثمرہ ہے۔

(۱۴) معاشی حیثیت سے دُنیا کی معلومات کا ذریعہ سفر حج سے بہتر نہیں ہے کہ ہر ملک کی مصنوعات، ایجادات، پیداوار کے حالات اور اس قسم کی جتنی تفصیلات معلوم کرنا چاہیں اس سفر میں بہترین طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

(۱۵) علمی حیثیت سے سفر حج نہایت بہتر چیز ہے کہ اس موقع پر ہر جگہ کے علماء موجود رہتے ہیں، ان کی علمی حیثیت اور ہر مقام کے علمی مراکز، علمی کارنامے، ان کی ترقیات اور تنزل اور ان کے اسباب بہ تفصیل سے اطلاع ہو سکتی ہے۔ اور مختلف نوع کے علماء سے افادہ اور استفادہ حاصل ہو سکتا ہے۔

(۱۶) دُنیا بھر کے اولیاء ابدال و اقطاب کا ایک معتدبہ طبقہ ہر سال حج میں شرکت کرتا ہے، ان کے فیوض و برکات، انوار و کمالات سے استفادہ کا بہترین موقع ہے۔

(۱۷) اللہ کی معصوم مخلوق فرشتے جو عرش الٰہی کے طواف میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں

حج میں ان سے تَشَبُّہ حاصل ہوتا ہے ، اور حدیث کے پاک ارشاد مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ "جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے ۔ ان ہی میں شمار کیا جاتا ہے ۔" کی بنا پر فرشتوں کے ساتھ جو کسی وقت اور کسی آن اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی مَنشا کیخلاف نہیں کرتے مُشابہت حاصل ہوتی ہے ۔

(۱۸) پہلی اُمتوں میں مذہبی حیثیت سے رُہبانیت ایک بہت ہی اَہم اور اونچی چیز شمار کی جاتی تھی ، مگر اسلام نے اس کو روک کر اس کا بدل سفرِ حج کو قرار دیا ۔ چنانچہ زینت کی اشیاء بیوی سے صحبت در کنار صحبت کا ذکر تک ناجائز کر دیا ، اور اس کا نِعْمَ الْبَدَل اسکو قرار دیا (اتحاف)

(۱۹) دُنیاوی حیثیت سے ہر قوم میں ایک میلہ لگتا ہے ۔ اور یہ ایک قدیم دستور ہے ہر مُلک اور ہر مذہب کے لوگ اس کے ہمیشہ سے عادی ہیں ۔ عام طور پر لوگ اس کی طرف طَبْعاً مُتَوَجِّہ ہوتے ہیں سال بھر تک اس کا اِنتظار و اہتمام کرتے ہیں ۔ اسلام نے مسلمانوں کے لئے حج کو اس کا نِعْمَ الْبَدَل قرار دیا کہ بجائے لَہْو و لَعِب ، کھیل کود ، شور شَغَب کے مُختلف مظاہروں اور نعروں کے انہی چیزوں کو عبادت کی شکل میں بدل دیا جس میں ان سب جذبات کا جو لَہو و لَعِب کی شکل میں تھے توحید و عشقِ الٰہی کی طرف اِمالہ ہو گیا ۔

(۲۰) حج ان مُتبرک مقامات کی زیارت کا ذریعہ ہے اور بَرَکات حاصل کرنے کا موقع ہے ۔ جہاں لاکھوں عُشاق نے ایڑیاں اور ماتھے رگڑ رگڑ کر جان دے دی ۔

(۲۱) سفر سے ایک طرف تو اَخلاق کی جِلا اور صفائی ہوتی ہے ، دوسری طرف بدن کی صحت کے لئے مُعِین ہے ۔ حضورؐ کا اِرشاد ہے سَافِرُوْا تَصِحُّوْا سفر کرو صحت یاب ہو گے ۔ (کنز) تبدیلِ آب و ہوا صحت کے لئے مُعِین و مددگار ہے حج کا سفر اس کا بہترین ذریعہ ہے ۔

(۲۲) حج اس عبادت کی یادگار اور بقاء ہے جو حضرت آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے زمانہ سے لے کر ہر مذہب و مِلّت میں رہی ہے ۔

(۲۳) اسلام کا ابتدائی دَور جہاں مسلمان نہایت بیکسی کے عالَم میں ہر وقت مظلومانہ زندگی بسر کرتے تھے اور ہر قسم کے ظلم و ستم کا شکار ہوتے تھے اور نہایت صبر و اِستقلال کے ساتھ ان سب مَظالم کو برداشت کرتے تھے جو کفار کیطرف سے ان پر ہوتے رہتے تھے اور اسلام کا انتہائی دَور جہاں وہ ہجرت کے بعد غالب اور فاتح کی شکل میں رہے اور غالب و قوی ہو کر اپنے کمالِ اَخلاق سے نہ صرف یہ کہ پرانے مَظالم کو بالکل نظر انداز کر دیا بلکہ اپنے اخلاق کی خوبی اور وُسعت نے

اسلام کو ایسا پھیلایا کہ دُنیا کے گوشہ گوشہ میں اس کا نور پھیل گیا۔ اس سفر حج میں دونوں شہروں کی زیارت سے دونوں یادگاریں تازہ ہوتی ہیں اور دونوں سبق یاد کرنے کا اُمت کو موقع ملتا ہے۔

(۲۴) مکہ مکرمہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا مولد ہے، پیدائش یہاں ہوئی، اور ۵۳ سال کی عمر تک کے مختلف دَور یہاں گذرے اس کے بعد مدینہ طیبہ ہجرت کا گھر ہے اور مزار مبارک وہاں ہے، رسالت کے اکثر احکام وہاں نازل ہوئے۔ اس سفر سے دونوں یادگاروں کی زیارت حضورؐ کے ہر زمانہ کی یاد کو تازہ کرنے والی ہے۔ اور محبت کی بڑھانے والی ہے۔ لوگ یادگار قائم کرنے کے لئے مختلف چیزیں ایجاد کیا کرتے ہیں اسلام نے حج وزیارت کا حکم دے کر خود اس یادگار کو قائم کر دیا۔

(۲۵) مرکزِ اسلام کی تقویت وقوت اور حرمین شریفین کے رہنے والوں کی اعانت، نصرت، اُن کے حالات کی تحقیق، ان کے ساتھ ہمدردی اور غمگساری کا بہترین ذریعہ حج وزیارت ہے کہ جب اُن سے تفصیلی ملاقات ہوگی تو ان کی اعانت اور مدد کا جذبہ خود بخود دل میں پیدا ہوگا۔ اور وہاں سے واپسی پر بھی عرصہ تک اُن کی یاد رہے گی۔

نمونہ کے طور پر چند اُمور کی طرف مختصر اور مجمل اشارات کئے ہیں غور کرنے سے بہت سے اُمور اور مصالح سمجھ میں آتے رہتے ہیں، لیکن یہ نہایت اہم جزو ہے کہ اصل مقصد اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے ساتھ تعلق کا بڑھانا ہے اور دُنیا کی محبت اور اس سے بے رغبتی پیدا کرنا ہے۔ اس مضمون کو ایک قصہ پر ختم کرتا ہوں جس کو صاحبِ اتحاف نے نقل کیا۔

شیخ المشائخ قطبِ دوراں شبلی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے ایک مرید حج کر کے آئے تو شیخ نے ان سے سوالات فرمائے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ نے دریافت فرمایا کہ تم نے حج کا ارادہ اور عزم کیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ جی پختہ قصدِ حج کا تھا، آپ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ ان تمام ارادوں کو ایک دم چھوڑنے کا عہد کر لیا تھا جو پیدا ہونے کے بعد سے آج تک حج کی شان کے خلاف کئے؟ میں نے کہا یہ عہد تو نہیں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر حج کا عہد ہی نہیں کیا۔

پھر شیخ نے فرمایا کہ احرام کے وقت بدن کے کپڑے نکال دیئے تھے؟ میں نے عرض کیا جی بالکل نکال دیئے تھے۔ آپ نے فرمایا اس وقت اللہ کے سوا ہر چیز کو اپنے سے جدا کر دیا تھا؟ میں نے عرض کیا ایسا تو نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا تو پھر کپڑے ہی کیا نکالے۔

آپ نے فرمایا وضو اور غسل سے طہارت حاصل کی تھی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں بالکل

پاک صاف ہوگیا تھا، آپ نے فرمایا اس وقت ہر قسم کی گندگی اور لغزش سے پاکی حاصل ہوگئی تھی؟ میں نے عرض کیا یہ تو نہ ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا پھر پاکی ہی کیا حاصل ہوئی۔

پھر آپ نے فرمایا لبیک پڑھا تھا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں لبیک پڑھا تھا آپ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کی طرف سے لبیک کا جواب ملا تھا؟ میں نے عرض کیا مجھے تو کوئی جواب نہیں ملا۔ تو فرمایا کہ پھر لبیک کیا کہا۔

پھر فرمایا کہ حرم محترم میں داخل ہوئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ داخل ہوا تھا، فرمایا اس وقت ہر حرام چیز کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ترک کا جزم کر لیا تھا؟ میں نے کہا یہ تو میں نے نہیں کیا، فرمایا کہ پھر حرم میں بھی داخل نہیں ہوئے۔

پھر فرمایا کہ مکہ کی زیارت کی تھی؟ میں نے عرض کیا جی زیارت کی تھی، فرمایا اسوقت دوسرے عالم کی زیارت نصیب ہوئی؟ میں نے عرض کیا اس عالم کی تو کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ فرمایا پھر مکہ کی بھی زیارت نہیں ہوئی۔

پھر فرمایا کہ مسجد حرام میں داخل ہوئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ داخل ہوا تھا فرمایا کہ اس وقت حق تعالیٰ شانہ کے قرب میں داخلہ محسوس ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو محسوس نہیں ہوا، فرمایا کہ تب تو مسجد میں بھی داخلہ نہیں ہوا۔

پھر فرمایا کہ کعبہ شریف کی زیارت کی؟ میں نے عرض کیا کہ زیارت کی، فرمایا کہ وہ چیز نظر آئی جس کی وجہ سے کعبہ کا سفر اختیار کیا جاتا ہے، میں نے عرض کیا کہ مجھے تو نظر نہیں آئی، فرمایا پھر تو کعبہ شریف کو نہیں دیکھا۔

پھر فرمایا کہ طواف میں رمل کیا تھا؟ (خاص طور سے دوڑنے کا نام ہے) میں نے عرض کیا کہ کیا تھا۔ فرمایا کہ اس بھاگنے میں دنیا سے ایسے بھاگے تھے جس سے تم نے محسوس کیا ہو کہ تم دنیا سے بالکل یکسو ہو چکے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں محسوس ہوا، فرمایا کہ پھر تم نے رمل بھی نہیں کیا۔

پھر فرمایا کہ حجر اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا تھا؟ میں نے عرض کیا جی ایسا کیا تھا۔ تو انہوں نے خوف زدہ ہو کر ایک آہ کھینچی اور فرمایا تیرا ناس ہو خبر بھی ہے کہ جو حجر اسود پر ہاتھ رکھے وہ گویا اللہ جل شانہ سے مصافحہ کرتا ہے اور جس سے حق سبحانہ وتقدس مصافحہ کریں وہ ہر طرح سے امن میں ہو جاتا ہے تو کیا تجھ پر امن کے آثار ظاہر ہوئے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھ پر تو امن کے آثار کچھ بھی ظاہر

نہیں ہوئے۔ تو فرمایا کہ تو نے حجرِ اسود پر ہاتھ ہی نہیں رکھا۔

پھر فرمایا کہ مقامِ ابراہیمؑ پر کھڑے ہو کر دو رکعت نفل پڑھی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ پڑھی تھی، فرمایا کہ اس وقت اللہ جلّ شانہٗ کے حضور میں ایک بڑے مرتبہ پر پہنچا تھا کیا اس مرتبہ کا حق ادا کیا؟ اور جس مقصد سے وہاں کھڑا ہوا تھا وہ پورا کر دیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے تو کچھ نہیں کیا، فرمایا کہ تو نے پھر تو مقامِ ابراہیمؑ پر نماز ہی نہیں پڑھی۔

پھر فرمایا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی کے لئے صفا پر چڑھے تھے؟ میں نے عرض کیا چڑھا تھا، فرمایا وہاں کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ سات مرتبہ تکبیر کہی اور حج کے مقبول ہونے کی دعا کی، فرمایا کیا تمہاری تکبیر کے ساتھ فرشتوں نے بھی تکبیر کہی تھی؟ اور اپنی تکبیر کی حقیقت کا تمہیں احساس ہوا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ تم نے تکبیر ہی نہیں کہی۔

پھر فرمایا کہ صفا سے نیچے اُترے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ اُترا تھا، فرمایا اس وقت ہر قسم کی علّت دُور ہو کر تم میں صفائی آگئی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ نہ تم صفا پر چڑھے نہ اُترے۔ پھر فرمایا کہ صفا مروہ کے درمیان دوڑے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ دوڑا تھا۔ فرمایا کہ اس وقت اللہ کے علاوہ ہر چیز سے بھاگ کر اسکی طرف پہنچ گئے تھے (غالبًا فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ کی طرف اشارہ ہے جو سورہ شعراء میں حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں ہے، دوسری جگہ اللہ کا پاک ارشاد ہے فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰهِ (ذاریات-۳) میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ تم دوڑے ہی نہیں۔ پھر فرمایا کہ مروہ پر چڑھے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ چڑھا تھا، فرمایا کہ تم پر وہاں سکینہ نازل ہوا، اور اس سے وافر حصہ حاصل کیا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ مروہ پر چڑھے ہی نہیں۔ پھر فرمایا کہ منٰی گئے تھے؟ میں نے عرض کیا گیا تھا۔ فرمایا کہ وہاں اللہ جلّ شانہٗ سے ایسی اُمیدیں بندھ گئی تھیں جو معاصی کے حال کے ساتھ نہ ہوں، میں نے عرض کیا کہ نہ ہو سکیں، فرمایا کہ منٰی ہی نہیں گئے۔

پھر فرمایا کہ مسجد خیف میں (جو منٰی میں ہے) داخل ہوئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ داخل ہوا تھا۔ فرمایا کہ اس وقت اللہ جلّ شانہٗ کے خوف کا اس قدر غلبہ ہو گیا تھا جو اس وقت کے علاوہ نہ ہوا ہو؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ مسجد خیف میں داخل ہی نہیں ہوئے۔

پھر فرمایا کہ عرفات کے میدان میں پہنچے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ حاضر ہوا تھا، فرمایا کہ وہاں اس چیز کو پہچان لیا تھا۔ کہ دُنیا میں کیوں آئے تھے اور کیا کر رہے ہو اور کہاں اب جانا ہے، اور

ان حالات پر مُتنبّہ کرنے والی چیز کو پہچان لیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ پھر تو عرفات پر بھی نہیں گئے۔

پھر فرمایا کہ مُزدلفہ گئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ گیا تھا۔ فرمایا کہ وہاں اللہ جلّ شانہٗ کا ایسا ذکر کیا تھا جو اس کے ماسوا کو دل سے بھلا دے (جس کی طرف قرآن پاک کی آیۃ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بقرہ۔ ۲۵) میں اشارہ ہے) میں نے عرض کیا کہ ایسا تو نہیں ہوا۔ فرمایا کہ پھر تو مُزدلفہ پہنچے ہی نہیں۔

پھر فرمایا کہ منٰی میں جا کر قربانی کی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ کی تھی۔ فرمایا کہ اس وقت اپنے نفس کو ذبح کر دیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ پھر تو قربانی ہی نہیں کی۔

پھر فرمایا کہ رمی کی تھی (یعنی شیطانوں کے کنکریاں ماری تھیں) میں نے عرض کیا کہ کی تھی فرمایا کہ ہر کنکری کے ساتھ اپنے سابقہ جہل کو پھینک کر کچھ علم کی زیادتی محسوس ہوئی؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ رمی بھی نہیں کی۔

پھر فرمایا کہ طوافِ زیارت کیا تھا؟ میں نے عرض کیا کیا تھا۔ فرمایا کہ اسوقت کچھ حقائق منکشف ہوئے تھے؟ اور اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے تم پر اعزاز و اکرام کی بارش ہوئی تھی؟ اس لئے کہ حضور کا پاک ارشاد ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والا اللہ کی زیارت کرنے والا ہے۔ اور جس کی زیارت کو کوئی جائے اس پر حق ہے کہ اپنے زائرین کا اکرام کرے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھ پر تو کچھ منکشف نہیں ہوا۔ فرمایا تم نے طوافِ زیارت بھی نہیں کیا۔

پھر فرمایا کہ حلال ہوئے تھے (احرام کھولنے کو حلال ہونا کہتے ہیں) میں نے عرض کیا ہوا تھا، فرمایا کہ ہمیشہ حلال کمائی کا اسوقت عہد کر لیا تھا؟ میں نے عرض کیا نہیں، فرمایا کہ تم حلال بھی نہیں ہوئے۔ پھر فرمایا کہ الوداعی طواف کیا تھا؟ میں نے عرض کیا کیا تھا۔ فرمایا اس وقت اپنے تن من کو کُلّیۃً الوداع کہہ دیا تھا؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ تم نے طوافِ وداع بھی نہیں کیا۔

پھر فرمایا دوبارہ حج کو جاؤ اور اس طرح حج کر کے آؤ جس طرح میں نے تم سے تفصیل بیان کی فقط ــــ یہ طویل قصہ اس لئے نقل کیا تاکہ اندازہ ہو کہ اہلِ ذوق کا حج کس طرح ہوتا ہے۔ حق تعالٰی شانہٗ اپنے لُطف و کرم سے کچھ ذائقہ اس نوع کے حج کا اس محروم کو بھی عطا فرمائے۔

پانچویں فصل، حج کے آداب میں

حج کے متعلق بہت سے رسائل علماء نے لکھے ہیں جن میں تفصیلی طور پر حج کے آداب اور ہر ہر رُکن کے آداب ذکر کئے ہیں۔ یہ سفر ساری عمر میں اکثر ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ جب سفرِ حج کا ارادہ ہو تو اس کے متعلق معتبر علماء کے متعدد رسائل منگا کر ان کو بہت اہتمام سے دو چار مرتبہ سفر سے پہلے مطالعہ کرلے تاکہ یہ بڑی رقم جو اس سفر میں خرچ ہوتی ہے آداب کی رعایت کے ساتھ خرچ ہونے کی وجہ سے بہترین مصرف میں خرچ ہو، ایسا نہ ہو کہ جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے کوئی ایسی حرکت کر جائے جس سے حج بھی فاسد ہو جائے۔ سفر سے پہلے اگر ان رسائل کو چند مرتبہ مطالعہ کرلے گا تو مضامین سے ایک مناسبت پیدا ہو کر موقع پر اکثر باتیں یاد آتی رہیں گی۔ اور پھر ان رسائل کو سفر میں بھی ساتھ رکھے تاکہ ہر موقع پر اس جگہ کے احکام اور آداب دیکھے جاسکیں، اہلِ علم بھی ان سے مستغنی نہیں۔ درس کے وقت ان مسائل کو پڑھ لینے سے مستحضر نہیں ہوتے۔ اکثر دیکھا گیا کہ جو حضرات دو تین حج کر چکے ہیں وہ حج کے مسائل میں اہلِ علم سے جن کا پہلا ہی حج ہو فوقیت لیجاتے ہیں۔ اس جگہ تمام آداب کا احاطہ مقصود نہیں ہے۔ وہ ہر جگہ کے علیحدہ ہیں۔ مختصر اً چند اہم امور کا ذکر کیا جاتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد ہے:۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (اور جب حج کا ارادہ کرو) تو خرچ ضرور ساتھ لے لیا کرو، (سورہ بقرہ ۲۵) کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ لینے میں (بھیک مانگنے سے) بچا رہنا ہے۔

ف: اس آیتِ شریفہ میں سب سے اہم اور سب سے مقدم چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حج کو جانے کے وقت راستہ کا خرچ ساتھ ہونا چاہیئے، محض توکل پر چل دینا ہر شخص کا کام نہیں۔ احادیث میں کثرت سے یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ بعض لوگ بغیر خرچ کے حج کو چل دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں، پھر وہاں پہنچکر لوگوں سے سوال کرتے تھے اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی ایک حدیث میں ہے کہ بعض لوگ بغیر زادِ راہ کے حج کو چل دیتے تھے اور کہتے تھے کہ جب

ہم حج کو جاتے ہیں پھر بھی اللہ جَلَّ شَانُہٗ ہمیں نہ کھلائے گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ زادِ راہ لیا کرو۔ بہترین زادِ راہ وُہ ہے جو تمہارے چہروں کو لوگوں کے سامنے ہونے سے روک دے (دُرِّ منثور) یعنی لوگوں سے سُوال کی ذِلّت سے روک دے۔

یہاں ایک اَہم بات یہ قابلِ سمجھنے کے ہے کہ تَوکُّل بہت اونچی اور اعلیٰ اور افضل صفت ہے لیکن وہ زبانی چیز نہیں ہے بلکہ قلبی چیز ہے جس کا دل اس قدر مُطمئِن ہو کہ اس کو اپنی جیب میں پیسہ ہونے پر اِتنا اعتماد نہ ہو جتنا اللہ کے خزانہ میں ہونے پر اعتماد ہوتا ہے اس کو تَوکُّل سزاوار ہے اور اس کی شان کے مناسب ہے، اور جس کو یہ درجہ حاصل نہ ہو اس کے لئے مناسب نہیں۔

یہاں دو واقعے قابلِ غور ہیں ایک حضرت اَبُوبکر صدیق رضؓ کا مشہور قصّہ ہے کہ جب غزوۂ تبوک کے وقت حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے لوگوں سے چندہ کی تحریک فرمائی تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ جو کچھ گھر میں تھا سب کچھ لے آئے کچھ بھی گھر میں نہ چھوڑا۔ بندہ اپنے رسالہ "حکایاتِ صَحابہ" میں اس قصّہ کو مُفصَّل ذکر کر چکا ہے۔

دُوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک صاحب ایک بَیضہ کے بقدر سونے کا ڈلا لائے اور حضُور کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ یہ صدقہ ہے میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں۔ حضُورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس طرف سے اِعراض فرمالیا، وہ دوسری طرف کو سامنے حاضر ہوئے اور یہی عرض کیا۔ اسی طرح حضُورؐ اِعراض فرماتے رہے اور وُہ بار بار سامنے آکر یہی عرض کرتے رہے۔ چوتھی مرتبہ میں حضورؐ نے اس کو لے کر اس زور سے پھینکا کہ اگر ان کے لگ جاتا تو زخمی کر دیتا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ بعض آدمی اپنا سب کچھ صدقہ کر دیتے ہیں، پھر لوگوں کی طرف دستِ سُوال بڑھاتے ہیں۔

ان دُو قصّوں سے اس کا صحیح اندازہ ہوجاتا ہے کہ تَوکُّل کس حالت میں سزوار ہے کہ جو شخص بالکل خالی ہاتھ ہو کر بھی نہ بے صبری کرے، نہ دِل میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ اور بندوں کی طرف سے شکوہ پیدا ہو، نہ لوگوں سے سُوال کرے اس کو یقیناً مناسب ہے، اور جو ایسا نہ ہو بلکہ دوسروں کے لئے بار بنے اور بے صبری ناشکری میں مُبتلا ہو اس کے لئے ہرگز مناسب نہیں کہ بغیر زادِ راہ کے محض تَوکُّل پر چل دے۔ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ الاٰیۃ

یہ آیتِ شریفہ بھی آدابِ حج کے اہم ترین آداب کو شامل ہے، اس کا ترجمہ پہلی فصل میں گذر چکا اور کچھ توضیح پہلی فصل کی احادیث میں سب سے پہلی حدیث میں گذر چکی۔

اَحادیث

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ الْحَاجُّ حَاجًّا بِنَفَقَةٍ طَیِّبَةٍ وَوَضَعَ رِجْلَهٗ فِی الْغَرْزِ، فَنَادٰی لَبَّیْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ نَادَاهُ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ زَادُكَ حَلَالٌ وَرَاحِلَتُكَ حَلَالٌ، وَحَجُّكَ مَبْرُوْرٌ غَیْرُ مَاْزُوْرٍ، وَاِذَا خَرَجَ بِالنَّفَقَةِ الْخَبِیْثَةِ فَوَضَعَ رِجْلَهٗ فِی الْغَرْزِ، فَنَادٰی، لَبَّیْكَ نَادَاهُ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ، لَا لَبَّیْكَ وَلَا سَعْدَیْكَ، زَادُكَ حَرَامٌ وَنَفَقَتُكَ حَرَامٌ وَحَجُّكَ مَاْزُوْرٌ غَیْرُ مَبْرُوْرٍ. رواه الطبرانی فی الاوسط ورواه الاصبهانی من حدیث اسلم مولٰی عمر مرسلًا مختصرًا کذا فی الترغیب وفی الاتحاف بتخریج ابی ذر الهروی فی منسکه عن ابی هریرة بلفظ اخرزائدًا علیه وفی الکنز بمعناه عن عمر وانس وغیرهما.

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے نقل کیا گیا کہ جب حاجی حلال مال کے ساتھ حج کو نکلتا ہے اور سواری پر سوار ہو کر کہتا ہے لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْک تو فرشتہ بھی آسمان سے (اس کی تائید اور تقویت میں) لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْک کہتا ہے (یعنی تیرا لبیک کہنا مقبول ہے) وہ فرشتہ کہتا ہے کہ تیرا توشہ بھی حلال ہے تیری سواری بھی حلال ہے (کہ حلال مال سے حاصل ہوئے) اور تیرا حج مَبرُور ہے (جس کا بیان فصل اوّل حدیث نمبر۲ میں گذر چکا ہے) اور کوئی وبال تجھ پر نہیں، اور جب آدمی حرام مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور سواری پر سوار ہو کر لبیک کہتا ہے تو فرشتہ آسمان سے کہتا ہے کہ نہ لَبَّیْک نہ سَعْدَیْک، یعنی تیری لَبَّیْک غیر مقبول ہے۔ تیرا توشہ حرام ہے، تیرا خرچ حرام ہے تیرا حج معصیت ہے، یہ حج مَبْرُور نہیں۔"

ف: ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی حرام مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور لَبَّیْک کہتا ہے تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا پاک ارشاد ہوتا ہے کہ تیری لَبَّیْک نہیں یہ مردود ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا پاک ارشاد ہوتا ہے کہ یہ حج تیرا مردود ہے۔ یعنی مقبول نہیں۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص حرام کمائی کے ساتھ حج کو جائے اس کا سفر اللہ کی اطاعت میں نہیں ہے، اور جب وہ سواری پر سوار ہو کر لَبَّیْک کہتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ نہ لَبَّیْک نہ سَعْدَیْک تیری کمائی حرام، تیرا لباس حرام (کہ حرام کمائی سے تیار ہوا) تیری سواری حرام، تیرا توشہ حرام تو ایسے حال میں لوٹ کہ تجھ پر وبال ہے اور بُرائی کا مژدہ اپنے ساتھ لیتا جا۔

اور جب آدمی حلال کے مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور سواری پر سوار ہو کر لبیک کہتا ہے تو فرشتہ بھی اس کے ساتھ لبیک و سعدیک کہتا ہے، اور کہتا ہے کہ تیری کمائی حلال ہے، تیرا لباس حلال ہے، تیری سواری حلال ہے، تیرا توشہ حلال ہے، حج مبرور کے ساتھ واپس ہو، تجھ پر کوئی وبال نہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے حج کیا تو صفا مروہ کے درمیان وہ لبیک پڑھتے ہوئے دوڑ رہے تھے کہ آسمان سے آواز آئی لَبَّیْکَ عَبْدِیْ اَنَا مَعَکَ (میرے بندے میں بھی لبیک کہتا ہوں اور تیرے ساتھ ہوں) یہ سنکر حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سجدہ میں گر گئے۔

حضرت زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ رضؓ کا قصہ فصل اوّل کی حدیث نمبر ۶ میں گذر چکا ہے کہ جب احرام باندھا تو لبیک کہنے کے وقت چہرہ زرد ہو گیا اور بدن پر کپکپی آگئی اور لبیک نہ کہہ سکے، کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کے جواب میں لالبیک نہ کہہ دیا جائے کہ تیری لبیک معتبر نہیں۔

اگرچہ فقہاء کے نزدیک حج فرض اس سے بھی ادا ہو جاتا ہے لیکن وہ حج مقبول نہیں ہوتا اور اس حرام کمائی کا گناہ مُستَقِل علیحدہ رہتا ہے ہم لوگ اس میں بہت تساہل اور غفلت کرتے ہیں، اپنی قوت اور زور کے گھمنڈ پر دوسروں کے مال پر ظلم سے قبضہ کر لیتے ہیں اور دل میں خوش ہوتے ہیں کہ کس کی مجال ہے جو ہم سے مطالبہ کر سکے یا ہم پر الزام قائم کر دے، لیکن کل جب ہر مظلوم قوی ہو گا اسوقت اپنے اس ظلم کی حقیقت واضح ہو گی، جب ایک وانق جو تقریباً دو پیسے کے برابر ہوتا ہے اس کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازیں ادا کرنا پڑیں گی، حالانکہ اتنی مقبول نمازیں شاید ہمارے پاس ہوں بھی نہیں لیکن فی دو پیسہ یہ ادائیگی قیامت میں کرنا پڑے گی (شامی)۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے دریافت کیا کہ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس مال و متاع نہ ہو، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مفلس تو وہ ہے جو قیامت کے دن بہت سی نمازیں روزے وغیرہ لے کر آئے، لیکن کسی کو دنیا میں گالیاں دی تھیں، کسی پر تہمت لگائی تھی، کسی کا مال کھالیا تھا، کسی کو مارا تھا، قیامت میں اس کی نیکیوں میں سے کچھ اس نے لے لیا کچھ اس نے لے لیا اور جب نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان مظلوم لوگوں کے گناہ اس کے ظلم کے بقدر لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر جب نیکیاں ختم ہو گئیں، اور گناہ اپنے علاوہ دوسروں کے بھی سر پڑ گئے تو اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ باب الظلم)

؎ درمنثور

دوسری حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک اِرشاد ہے کہ جس کے ذمہ کسی دوسرے کا حق ہو آبروریزی کا ہو یا کسی اور قسم کا ہو وہ آج دنیا میں معاف کرالے قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جسمیں روپیہ پیسہ آدمی کے پاس نہ ہوگا، اگر کوئی نیک عمل اس کے پاس ہے تو اس سے ظلم کا بدلہ ادا کیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیک عمل نہیں ہے تو مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے (مشکوٰۃ)۔

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک اِرشاد ہے کہ جو شخص ایک بالشت زمین کسی دوسرے کی ظلم سے چھین لے گا قیامت کے دن وہ حصہ سات زمینوں تک طوق بنا کر اس ظالم کی گردن میں ڈال دیا جائے گا (مشکوٰۃ) اس کا جتنا بوجھ اور وزن گردن پر پڑے گا وہ ظاہر ہے

ایک مرتبہ حضورؐ سورج گرہن کی نماز پڑھ رہے تھے اس میں حضورؐ کے سامنے جنت اور جہنم کے احوال ظاہر ہوئے تو حضورؐ نے جہنم میں ایک عورت کو دیکھا، جس نے کسی بلی کو دُنیا میں باندھ رکھا تھا اور اس کے کھانے کی خبر گیری میں کوتاہی کی جس کی وجہ سے اس کو عذاب ہو رہا تھا کہ نہ اس نے اس کے کھانے کی خبر رکھی، اور نہ اس کو آزاد چھوڑا، کہ وہ اپنے آپ زمین پر گری پڑی چیزوں سے پیٹ بھر لیتی (مشکوٰۃ)

جو لوگ جانوروں کو پالتے ہیں ان پر ان کی خبر گیری کی بڑی سخت ذمہ داری ہے وہ بے زبان اکثر بھوک پیاس مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان پالنے والوں کو اپنے کاروبار میں خیال بھی نہیں رہتا۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا پاک اِرشاد ہے کہ قیامت میں بدترین شخص وہ ہے جو دوسرے کی دُنیا کی خاطر اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے (مشکوٰۃ) کہ دوسرے نے کسی پر ظلم کیا۔ آپ تعلقات کے زور میں اس کے حامی بن گئے۔ جس سے دُنیا کا نفع تو اسکو حاصل ہوا اور آخرت اس کے ساتھ اپنی بھی برباد ہوئی۔

اس لئے نہایت اہتمام سے ایسے اُمور سے بچنا چاہیئے، اور ہر وقت اسکی فکر چاہیئے کہ نہ معلوم کب موت آجائے اور یہ وبال سر پر رہے، بالخصوص سفرِ حج کو جاتے وقت بہت اہتمام سے ان اُمور سے پاکی حاصل کرے کہ طویل سفر ہے نہ معلوم واپسی مقدر ہے یا نہیں۔

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كَانَ فُلَانٌ رِدْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَجَعَلَ الْفَتٰى يُلَاحِظُ النِّسَاءَ وَيَنْظُرُ اِلَيْهِنَّ فَقَالَ لَهٗ

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک نوعمر لڑکے حضورؐ کے ساتھ سواری پر سوار تھے ان کی نظر عورتوں پر پڑ گئی اور ان کو دیکھنے لگے، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ اَخِیْ اِنَّ ھٰذَا یَوْمٌ مَنْ مَلَکَ فِیْہِ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ وَلِسَانَہٗ غُفِرَ لَہٗ رواہ احمد باسناد صحیح

ارشاد فرمایا۔ بھتیجے! یہ ایسا دن ہے کہ جو شخص اس دن میں اپنے کان، آنکھ اور زبان کی حفاظت رکھے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

کذا فی الترغیب والقصۃ معروفۃ فی کتب الحدیث عن الفضل ابن عباسؓ رویت بطرق عدیدۃ والفاظ مختلفۃ۔

ف: چونکہ مجمع کا قصہ ہوتا ہے، ہر قسم کے مرد و عورت ایک جگہ جمع ہوتے ہیں، اس لئے بہت اہتمام سے اس دن اپنی حفاظت رکھنا ضروری ہے ایسا نہ ہو کہ بدنظری سے یا نامحرم کی آواز لذت سے سننے سے یا کسی ناجائز لفظ کے زبان سے نکالنے سے نیکی برباد گناہ لازم ہو جائے گا، اسی لئے قرآن پاک میں بھی اس کو اہتمام سے ذکر کیا گیا۔ فَمَنْ فَرَضَ فِیْہِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ۔ کہ یہ چیزیں حج میں نہیں ہونی چاہئیں۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ اگر آدمی کی نظر کسی اجنبی عورت پر پڑ جائے اور وہ فوراً اپنی نظر کو ہٹالے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو کسی ایسی عبادت کی توفیق عطا فرماتے ہیں جس کی لذت اور حلاوت اس کو محسوس ہوتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہا مکان میں ہوتا ہے تو تیسرا شخص وہاں شیطان ہوتا ہے (مشکوٰۃ)۔

اس سفر میں اکثر عورتیں نامحرموں کے ساتھ سفر کرتی ہیں اور بسا اوقات محرم کے ساتھ ہونے کی صورت میں بھی عوارض کی وجہ سے مکان میں تنہا ہو جانے کی نوبت آجاتی ہے۔ اس لئے بہت اہتمام سے اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ایسی نوبت نہ آسکے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی عورت کسی نامحرم کے ساتھ تنہا مکان میں نہ ٹھہرے اور کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا نام فلاں غزوہ میں جانے والوں میں لکھا گیا، اور میری بیوی حج کو جا رہی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اپنی بیوی کے ساتھ حج کو جاؤ (مشکوٰۃ) یہاں جہاد جیسی اہم چیز میں جانے والے صحابی کو بیوی کے حج کی وجہ سے حضورؐ نے مؤخر کر دیا۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو ایک شیطان اس کے ساتھ لگ جاتا ہے یعنی خود اس کو بہکانے کے لئے اور دوسروں کو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہر وقت کم بخت تاک میں لگا رہتا ہے اس لئے مَحرم کا ایسی حالت میں ساتھ رہنا ضروری ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے تنہائی میں عورت کے پاس جانے کی ممانعت فرمائی کسی نے عرض کیا حضور اگر جانے والا دیور ہو یعنی خاوند کا بھائی؟ حضورؐ نے فرمایا کہ "دیور تو موت ہے" یعنی اس سے زیادہ اندیشہ اور خوف ہے اور بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ ہر وقت کا پاس رہنا ہے اس میں خطرات کا زیادہ اندیشہ ہے۔

حدیث پاک میں کان آنکھ وغیرہ کی حفاظت کو فرمایا ہے وہ نامحرموں کی بات سُننا یا دیکھنے کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ کسی کی غیبت، چغلخوری وغیرہ سُننا یا زبان سے ادا کرنا سب ہی اس میں داخل ہے۔ اسی طرح ہر قسم کی ناجائز چیز لہو و لعب کو دیکھنا بھی اس میں شامل ہے۔

(۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا الْحَاجُّ قَالَ الشَّعِثُ التَّفِلُ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَىُّ الْحَجِّ اَفْضَلُ قَالَ الْعَجُّ وَالثَّجُّ كذا فى المشكوٰة۔

"ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سُوال کیا کہ حاجی کی کیا شان ہونا چاہیے۔ حضورؐ نے فرمایا بکھرے ہوئے بالوں والا میلا کچیلا ہو، پھر دوسرے صحابی نے سُوال کیا کہ حج کون سا افضل ہے؟ حضورؐ نے فرمایا جس میں خوب لبیک کے ساتھ) چلاتا ہو اور (قربانی کا خوب) خون بہاتا ہو۔"

ف: اس حدیث شریف میں تین مضمون ذکر کئے گئے، اوّل یہ کہ حاجی کی شان یہ ہے کہ بکھرے ہوئے بال ہوں، کپڑے میلے ہوں، یہ اصل حاجی کی شان ہے، اس کے شان کے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ اس حالت میں بھی زیب و زینت کی طرف متوجہ ہو۔ اسی وجہ سے احرام کی حالت میں خوشبو کا استعمال ناجائز قرار دیا گیا کہ عاشق کو ان چیزوں سے کیا کام۔

ایک مرتبہ ذی الحجہ کی ۸ یا ۹ تاریخ تھی، حضرت اقدس مولانا الحاج سید حسین احمد صاحب مدنی اَدَامَ اللّٰهُ ظِلَالَ بَرَکَاتِہٖ تشریف لائے میں نے عطر کی شیشی ملنے کے لئے سامنے کی مولانا

ؔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز وفات پاگئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ؛ تاریخ وفات ۱۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء ہے۔

نے اس کو لے کر ملا اور نہایت ہی ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا کہ آج عُشاق عطر سے روک دیئے گئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جن کے دلوں میں عشق کا زخم ہے وہ مکہ سے دور رہ کر بھی وہاں کے تصوّر کی لذّت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ میں نے اپنے والد صاحبؒ کو اکثر دیکھا کہ ذی الحجہ کی اوائل تاریخوں میں اکثر بے اختیار اُن کے مُنہ سے لبّیک نکل جاتی تھی۔

پہلی فصل کی حدیث نمبر ۳ کے ذیل میں گذر چکا ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ اس بات پر فرشتوں سے فخر کرتے ہیں کہ میرے بندے بکھرے ہوئے بال اور غبار آلود کپڑوں سے آئے ہیں، اور مُتعدّد احادیث میں اس تفاخر کا ذکر آیا ہے۔

دوسرا مضمون لبّیک آواز سے پڑھنا، یہ بھی کثرت سے روایات میں وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اِرشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلام میرے پاس تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے ساتھیوں کو اس کا حکم کرو کہ لبّیک پُکار کر کہیں اس لئے کہ یہ حج کا شعار ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے خود حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا کہ آپ لبّیک پکار کر کہیں کہ یہ حج کا شعار ہے (کنز) پہلی فصل کی حدیث نمبر ۶ میں گذر چکا ہے کہ جب آدمی لبّیک کہتا ہے تو اس کے ساتھ ہر پتھر اور درخت اور زمین بھی لبّیک کہتی ہے۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلام لبّیک کہتے تھے تو حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے لبّیک یا موسیٰ جواب میں اِرشاد ہوتا تھا۔

تیسرا مضمون حدیثِ بالا میں قربانی کی کثرت ہے۔ قُربانی مُستقل عبادت ہے جو صاحبِ نصاب پر واجب ہے۔ اور جو صاحبِ نصاب نہ ہو اس کے لئے مُستحب ہے، لیکن حج میں اس کی فضیلت اور بھی زیادہ ہے اور اس کی کثرت مرغوب ہے، خود نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے حج میں ۱۰۰ اونٹ قُربانی کئے تھے۔ حضورؐ کا پاک اِرشاد ہے کہ قُربانی کرنا حضرت ابراہیمؑ کی سنّت ہے اور قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ قربانی کا جانور جب ذبح ہوتا ہے۔ تو پہلے قطرہ پر قربانی کرنے والے کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور قیامت کے دن قربانی کا جانور مع اپنے خون اور گوشت وغیرہ کے لایا جائے گا۔ اور ستّر درجہ زیادہ وزنی بنا کر اعمال کے ترازو میں رکھا جائے گا (کنز)۔

حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنی اور اپنی تمام اُمّت کی طرف سے قربانی کی تو اُمّت

——— کو بھی زیبا ہے کہ اپنی قربانی کے ساتھ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف سے بھی ایک قربانی کیا کریں۔ حضرت علیؓ ہمیشہ ایک بکرا اپنی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ایک حضورؐ کی طرف سے کسی نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کروں، اس لئے میں ہمیشہ کرتا رہوں گا (کنز)۔

حضرت عمرؓ اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے خود قربانی کیا کرتے تھے۔ قربانی درحقیقت ایک بہت اہم یادگار ہے، جس کی طرف حضورؐ کے پاک ارشاد کہ "حضرت ابراہیمؑ کی سُنّت ہے" میں اشارہ گذر چکا ہے۔ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام کے بڑھاپے کی حالت میں بڑی تمناؤں سے اولاد ہوئی اور جب وہ ہونہار دیکھنے کے قابل ہوئی کہ باپ کی بھی دیکھ کر روح تازہ ہو جائے تو ان کو ذبح کر دینے کا اشارہ ہوا جو حقیقۃً حضرت ابراہیمؑ اور صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل علیٰ نبیّنا وعلیہما الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام کے لئے بڑا سخت اِمتحان تھا۔ دونوں باپ بیٹوں نے اس امتحان کو پورا کرنے میں بَشاشت سے پیش قدمی کی اور حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے تیز چھری لے کر صاحبزادہ کے گلے پر چلادی، لیکن اللہ کی قُدرت کا یہ ادنیٰ کرشمہ تھا کہ اس عمل کی تکمیل بجائے صاحبزادہ کے جانور پر ہوئی لیکن "قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا" "تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا" کا مُژدہ ملا تو حقیقۃً یہ اپنی اولاد کی قربانی کا بَدل ہے جو محض اللہ کے لُطف وکرم سے اس کا بدل بن گیا اس وقت یہی تصوّر ہونا چاہیئے کہ گویا اپنے نفس کو اور آل اولاد کو اللہ کے راستہ میں قربان کر رہا ہے

اِجمالی آداب

شریعت کے ہر حکم اور اسلام کے ہر رُکن کے ساتھ کچھ آداب بھی مقرر ہیں۔ نماز ہو یا روزہ ہو، زکوٰۃ ہو یا حج، ہر چیز میں آداب کی تحقیق اور اس کی رِعایت کی حتّی الوُسع کوشش ہونا چاہیئے حضرتِ اقدس شاہ عبدُالعزیز صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے تفسیر عزیزی میں تحریر فرمایا ہے۔

مَنْ تَهَاوَنَ بِالْآدَابِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ السُّنَّةِ وَمَنْ	(یعنی جو شخص آداب میں سُستی کرتا ہے، وہ سنّت سے محرومی کی بلا میں گرفتار کیا جاتا ہے
تَهَاوَنَ بِالسُّنَّةِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْفَرَائِضِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ	اور جو سنّت میں سُستی کرتا ہے وہ فرائض کے چھوٹنے کی مصیبت میں مُبتلا ہوتا ہے اور جو

عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْمَعْرِفَةِ۔ فرائض میں سستی کرتا ہے وہ معرفت کی محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے اُمور پر اَحادیث میں کفر کا اِطلاق کیا گیا ہے کہ وہ اسی ضابطہ کے مُوافِق کفر تک پہنچا دیتے ہیں، اس لئے شریعت کے ہر حکم میں آداب کا اہتمام چاہئے کسی وجہ عُذر کی وجہ سے نہ ہو سکے مُضائقہ نہیں مگر ان کی وُقعت اور اَہمیّت دل میں ہونا چاہئے لاپروائی اور فضول سمجھ کر ان کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہئے۔ احکام شرعیہ کے آداب ومُستَحبّات علماء نے بڑے اہتمام سے اپنی اپنی جگہ جمع کئے ہیں ان کی تحقیق و تفتیش کی جائے عُلماء کے اِختلاط اور اُنکے مذاکروں سے بھی بہت سے آداب معلوم ہو جاتے ہیں یہاں چند آداب کا ذکر نمونہ اور اجمال کے طور پر کیا جاتا ہے۔

(۱) جب اللہ جَلَّ شَانُہٗ کسی خوش نصیب کو اس سعادت کی توفیق عطا فرمائے مثلاً حج فرض ہو جائے یا حج نفل کے اَسباب پیدا ہو جائیں تو پھر ارادہ کی تکمیل میں عُجلت کرنا چاہئے بالخصوص حج فرض کو معمولی اَعذار کی وجہ سے ہرگز مؤخر نہ کرنا چاہئے کہ شیطان ایسے مَواقع پر لغو خیالات اور بے محل ضروریات دل میں جمع کر دیتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے دل میں ڈالتا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے نقل کیا گیا کہ شیطان کا مقولہ جو قرآن پاک میں سورہ اَعراف میں ذکر کیا گیا۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۚ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ (رکوع ۲)۔

"شیطان نے کہا کہ بسبب اس کے کہ یا اللہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان آدمیوں کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر جا کر بیٹھوں گا اور پھر چاروں طرف سے ان پر حملہ کروں گا آگے سے بھی پیچھے سے بھی، دائیں سے بھی، بائیں سے بھی اور ان میں سے آپ اکثر لوگوں کو شکر گزار نہ پائیں گے"

سیدھی راہ دین کا راستہ ہے اور دین کے سارے ہی شعبے اس میں داخل ہیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ خاص طور پر حج کا راستہ اس سے مراد ہے (اتحاف) یعنی وہ کمبخت اس پر مُسلّط ہو کر چاروں طرف سے آدمی کو پریشانیوں میں مُبتلا کرتا ہے اور طرح طرح کے اَعذار سامنے لا کر حج سے روکتا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب حج سے اس کی ساری محنت بیکار

ہو جاتی ہے، عرفات کا رونا عمر بھر کے گناہوں کو دھو دیتا ہے تو وہ جتنا بھی اس سفر کے خلاف سعی کرے قرینِ قیاس ہے اس لئے موانع کو شیطانی اثر سمجھ کر حتی الوسع ان کے دفع کرنے کی اور ان کو غیر اہم سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

(۲) مناسب ہے کہ جب سفر کا ارادہ ہو تو مسنون استخارہ کرلے، نفسِ حج کے لئے استخارہ کی ضرورت نہیں مثل مشہور ہے "در کارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست"۔ کارِ خیر میں استخارہ کی حاجت نہیں لیکن چونکہ اہم سفر ہے، راستہ دشوار گذار ہے ان امور کے متعلق استخارہ کرے کہ کب چلے، کس راستہ سے جائے، کس جہاز میں جائے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت جابرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہمیں استخارہ کرنے کی تعلیم اس طرح اہتمام سے دیا کرتے تھے جس اہتمام سے قرآن پاک کی سورت یاد کراتے تھے اور یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مہتم بالشان امر پیش آئے تو دو رکعت نفل نماز پڑھنے کے بعد یہ دُعا پڑھے۔ استخارہ کی دُعاء مشہور ہے حج کے سب رسائل میں موجود ہے۔

(۳) حج کے مسائل معلوم کرنے کی سعی کرے۔ ابنُ امیرِ الحاج لکھتے ہیں کہ سب سے اہم چیز ان مسائل کا معلوم کرنا ہے جو حج کو جانے کے قبل اور روانگی کے بعد اور حج کے دوران میں پیش آتے ہیں کہ علم کا سیکھنا حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہر شخص پر فرض کیا ہے، اس لئے حج کے فرائض اور سنن اور جو چیزیں اس میں حرام یا مکروہ ہیں ان کا معلوم کرنا ضروری ہے (مدخل)۔

بہت سے رسائل اُردو میں اس موضوع پر شائع ہو چکے ہیں۔ ان کو بالاستیعاب دو چار مرتبہ سفر سے پہلے پڑھ لے تاکہ ناواقفیت کی وجہ سے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں نقصان نہ رہ جائے۔ عام علماء بھی اس سے بے نیاز نہیں ہیں، درس کے وقت مسائل کا نظر سے گذر جانا دوسری بات ہے، وقت پر مستحضر ہونا اور چیز ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان کو سرسری طور سے دیکھ لینا کافی ہے۔ عوام کو بہت اہتمام سے اور غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ کسی عالم کی رفاقت میں سفر اختیار کرے اور ہر چیز کو اس سے تحقیق کرتا رہے۔ تین رسالوں کے مطالعہ کا بندہ ناکارہ خصوصیت سے مشورہ دیتا ہے۔ ایک زبدۃ المناسک مؤلفہ قطبِ عالم حضرۃ گنگوہی نور اللّٰہ مرقدہ، دوسرے زیارت الحرمین مؤلفہ مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللّٰہ علیہ، تیسرے معلم الحجاج، مؤلفہ مولانا سعید احمد صاحب زاد مجدہم مفتی مظاہر علوم۔ ان کے علاوہ اور جو رسائل معتمد علما

کے مل سکیں۔

(۴) جب سفر کرے تو نیت خالص اللہ کی رضا ہونا چاہیئے۔ لوگوں کا دکھلاوا یا حاجی کہلانے کا شوق یا سیر تفریح وغیرہ فاسد ارادے ہرگز نہ ہونا چاہیئیں جیسا کہ پہلی فصل کی حدیث نمبر ا میں گذر چکا ہے۔

(۵) ایک یا اس سے زیادہ رفیق سفر ایسے لوگ تلاش کئے جائیں جو دیندار صالح نیک ہوں، دین کے کاموں میں دلچسپی اور شوق رکھنے والے ہوں تاکہ راستے میں مُعین و مددگار ہوں اگر یہ کسی کام کو بھول جائیں تو وہ یاد دلائیں اور نیک کاموں کی ترغیب دیتے رہیں اگر کسی کام میں سُستی پیدا ہو تو وہ ہمت بندھائیں، اگر کہیں بزدلی پیدا ہو تو وہ بہادری پیدا کریں، اگر کوئی پریشانی پیدا ہو تو صبر دلائیں۔ کوئی عالم ہو تو اور بھی بہتر ہے کہ مسائل میں بھی مدد دیتا رہے۔ عُلماء نے لکھا ہے کہ رشتہ دار کی بہ نسبت اجنبی زیادہ بہتر ہے کہ راستہ میں بسا اوقات طبائع کے اِختلاف کی وجہ سے آپس میں شکر رنجی پیدا ہو جاتی ہے جس سے قطعِ تعلّق کی نوبت آجاتی ہے۔ اگر رشتہ دار کے ساتھ ایسی نوبت آئے گی تو قطعِ رحمی کا گناہ ہوگا۔ البتہ اگر اپنے اوپر یا رفیق پر اس کا اطمینان ہو کہ ایسی نوبت نہ آئیگی تو مضائقہ نہیں۔

(۶) حج کے لئے حلال مال تلاش کرے جس میں شبہ نہ ہو، حرام مال سے خواہ رشوت کا ہو یا ظلم سے کسی سے حاصل کیا ہو ایسے مال سے حج فرض تو ادا ہو جاتا ہے لیکن وہ حج مقبول نہیں ہوتا جیسا کہ اسی فصل کی پہلی حدیث میں مُفصّل گذر چکا، علماء نے لکھا ہے کہ اگر مال مُشتبہ ہو تو پھر علماء نے اس کی یہ صورت تجویز کی ہے کہ قرض لے کر حج کرے اور پھر اس مال سے قرض ادا کر دے۔

(۷) اپنے سب پچھلے گناہوں سے توبہ کرے اور کسی کا مال ظلم سے لے رکھا ہو تو اس کو واپس کرے اور کسی اور قسم کا کسی پر ظلم کیا ہو تو اس سے مُعاف کرائے جن لوگوں سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہو ان سے کہا سُنا مُعاف کرائے اگر کچھ قرضہ اپنے ذمہ ہو تو اس کو ادا کرے یا ادائیگی کا کوئی انتظام کر دے۔ جو امانتیں لوگوں کی اپنے پاس ہوں ان کو واپس کرے یا کوئی مُناسب اِنتظام امانت رکھنے والوں کی رضا سے کر دے، جن لوگوں کا خرچ اپنے ذمہ ہے جیسے بیوی چھوٹی اولاد وغیرہ ان کے خرچ کا بندوبست اپنی واپسی کے زمانہ تک کر دے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جس شخص پر کوئی ظلم کر رکھا ہو یا اس کا کوئی اور حق اپنے ذمہ ہو تو وہ

بمنزلہ ایک قرض خواہ کے ہے جو اس سے یہ کہتا ہے کہ تو کہاں جارہا ہے کیا تو اس حالت میں شہنشاہ کے دربار میں حاضری کا ارادہ کرتا ہے کہ تو اس کا مجرم ہے اس کے حکم کو ضائع کر رہا ہے۔ حکم عدولی کی حالت میں تو حاضر ہو رہا ہے اس سے نہیں ڈرتا کہ وہ تجھ کو مردود کرکے واپس کر دے اگر تو قبولیت کا خواہشمند ہے تو اس ظلم سے توبہ کرکے حاضر ہو، اس کا مطیع اور فرمانبردار بن کر پہنچ ورنہ تیرا یہ سفر ابتداء کے اعتبار سے مشقت ہی مشقت ہے اور انتہار کے اعتبار سے مردود ہونے کے قابل ہے۔

(۸) حلال و طیب مال سے اتنا خرچہ اپنے ساتھ لے جو بغیر تنگی کے پورے سفر کی آمد و رفت کو کافی ہو جائے بلکہ احتیاطاً کچھ زائد لے تاکہ راستہ میں غرباء کی کچھ اعانت کر سکے، کھانے میں سے اہل ضرورت کی تواضع کر سکے جو لوگ ضرورت کی مقدار سے بھی کم لے کر جاتے ہیں وہ اکثر دوسروں پر بوجھ بن جاتے ہیں اور سوال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حق سبحانہ وتقدس قرآن پاک میں وَتَزَوَّدُوْا کا حکم ارشاد فرمایا جیسا کہ اسی فصل کے شروع میں مفصل گذر چکا۔

(۹) جب سفر شروع کرے تو دو رکعت نفل پڑھے جس میں پہلی رکعت میں قُلْ یا[ع] اور دوسری میں قُلْ ہُوَ اللہ پڑھنا اولیٰ ہے اور بہتر یہ ہے کہ دو رکعت گھر میں پڑھے اور دو رکعت محلہ کی مسجد میں۔

(۱۰) چلنے سے پہلے اور چلنے کے بعد کچھ صدقہ کرے اور اپنی وسعت کے موافق کرتا رہے کہ صدقہ کرنے کو بلاؤں اور مصیبتوں کے دفع کرنے میں خاص دخل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کرنا اللہ کے غصہ کو دور کرتا ہے اور بری موت سے حفاظت کا سبب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو کپڑا پہنائے جب تک اس کے بدن پر کپڑا رہیگا پہنانے والا اللہ کی حفاظت میں رہے گا (مشکوٰۃ)۔

(۱۱) جب گھر سے نکلنے لگے تو اس وقت کی مخصوص دعائیں جو احادیث میں کثرت سے آئی ہیں۔ پڑھ کر نکلے۔ ہر ہر جگہ کی دعائیں اتنی کثیر ہیں کہ اگر اس رسالہ میں سب کو جمع کیا جائے تو اس کا حجم تین حصے بڑھ جائے گا۔ اس لیے اس میں دعائیں ذکر نہیں کی گئیں اگر اللہ نے توفیق عطا فرمائی تو کسی وقت صرف دعائیں ایک رسالہ میں جمع کر دی جائیں گی دوسرے رسائل سے تلاش کرکے جو مل سکیں پڑھ لی جائیں۔ حج کی دعاؤں میں مستقل رسالے بھی شائع ہو چکے ہیں تلاش کرکے کوئی خرید لیا جائے تو بہتر ہے۔

[ع] یعنی قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ پوری سورت۔ ہم ۷۳۱

۱۲:۔ چلتے وقت مقامی رُفقاء اَعِزّہ اَحباب سے ملاقات کرکے ان کو اَلوِداع کہے اور ان سے اپنے لئے دُعا کی درخواست کرے کہ ان کی دعائیں بھی اس کے حق میں خیر کا سبب ہوں گی۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک اِرشاد ہے جب کوئی آدمی تم میں سے سفر کرے تو اپنے بھائیوں کو سلام کرکے جائے، ان کی دعائیں اس کی دُعا کے ساتھ مل کر خیر میں زیادتی کا سبب ہوں گی۔ اَلوِداع کہتے وقت مسنون یہ ہے کہ یوں کہے اَسْتَوْدِعُ اللہَ دِیْنَکُمْ وَاَمَانَتَکُمْ وَخَوَاتِیْمَ اَعْمَالِکُمْ (اتحاف)

(۱۳) جب گھر کے دروازے سے نکلے تو اس وقت کے لئے بھی مُتعدِد دعائیں احادیث میں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی گھر سے نکلتے وقت یہ دُعا پڑھے بِسْمِ اللہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللہِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اپنے مقصد کی طرف راستہ پائے گا اور راستہ میں تیری حفاظت کی جائے گی اور شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے (اتحاف)۔

(۱۴) جب سفر شروع ہونے لگے تو قافلہ میں کسی دیندار سمجھدار تجربہ کار مُتحمّل مزاج جفاکش مُتواضع شخص کو امیر قافلہ بنا لینا چاہیئے، قریشی ہو تو افضل ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک اِرشاد ہے کہ جب تین آدمی بھی سفر کریں تو چاہیئے کہ ایک کو اپنے میں سے امیر قافلہ بنالیں (مشکوٰۃ) حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عام معمول تھا کہ جب کوئی قافلہ روانہ ہوتا تو کسی ایک شخص کو ان میں سے امیر بنا دیتے۔ اور جو شخص امیر بنے اس کو اَمارت کے حُقوق اور اس کے آداب کی رعایت کرنا چاہیئے رُفقاء کے اَحوال کی خبر گیری ان کے سامان کی نگرانی کے اَسباب پیدا کرنا ان کو آرام و راحت پہنچانا امیر کے ذمہ ہے۔ اس سلسلے میں اَشَجِّ عبدُالقیس کی حدیث جو آدابِ زیارت مدینہ نمبر ۱۱ میں آرہی ہے دیکھنی چاہیئے۔

(۱۵) بہتر یہ ہے کہ سفر کی ابتداء پنجشنبہ کے دن صبح کے اوقات میں ہو، ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پنجشنبہ کے روز سفر کی اِبتداء کو پسند فرماتے تھے۔ (مشکوٰۃ) دوسری حدیث میں ہے کہ حضورؐ کسی لشکر یا قافلہ کو روانہ فرماتے تو دن کے اوّل حصہ میں روانہ فرماتے۔ صخر رضؓ ایک بڑے تاجر تھے، حضورؐ کے اس اِہتمام کی وجہ سے ان کو بھی اس کا خاص اہتمام تھا کہ جب اپنا مالِ تجارت روانہ کرتے تو دن کے شروع حصہ میں روانہ کرتے اس میں

ان کو بڑا نفع حاصل ہوتا (مشکوٰۃ)

(۱۶) سواری پر سوار ہونے کی اور اُترنے کی دعائیں بھی احادیث میں مُتعدد وارد ہوئی ہیں، ان کو معلوم اور محفوظ کرنا اَولیٰ ہے کہ ہر منزل پر اترتے چڑھتے پڑھتا رہے اور اگر سواری اور سفر اپنے قبضہ کا ہو تو بہتر یہ ہے کہ رات کا کچھ حصّہ اور صبح کا ابتدائی حصّہ سفر کرنے میں گذرے اور دن کو منزل کرے۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک اِرشاد ہے کہ رات کا سفر اختیار کرو کہ زمین رات کو لپیٹ دی جاتی ہے یعنی مسافت جلدی طے ہو جاتی ہے اور تجربہ بھی اس کا بارہا ہوا، لیکن یہ وہیں ہو سکتا ہے جہاں اونٹوں کا سفر اپنے اختیار کا ہو راستہ مامون و محفوظ ہو، ریلوں کے سفر میں اسکے اوقات کی پابندی ہے

(۱۷) جب کسی جگہ منزل میں پہنچے تو احتیاط یہ ہے کہ چلنے پھرنے میں بھی تنہا نہ جائے، تا وقتیکہ امن اور اطمینان کا حال معلوم نہ ہو کہ اجنبی جگہ کا حال معلوم نہیں ہوتا اور منزل پر بھی احتیاط یہ ہے کہ رُفقاء میں سے نمبر وار ایک دو آدمی سامان کی حفاظت کے ذمہ دار رہیں۔ رات کے وقت اگر منزل ہو تو جاگنے والوں کے اوقات مُرتب کر لئے جاویں کہ نمبر وار ایک دو آدمی جاگتے رہیں کہ یہ جان و مال کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عادتِ شریفہ تھی کہ منزل پر پہنچکر طے فرما دیا کرتے تھے کہ حفاظت کا کام کس کے سپرد ہے۔

میرے والد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ نے کئی مرتبہ یہ قصّہ سُنایا کہ میرے دادا صاحبؒ اکثر بار بار اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کرتے کہ گھر میں تمام رات کوئی نہ کوئی اللہ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے، اور اس پر بار بار شکر کے طور پر مسرّت ظاہر فرمایا کرتے کہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے اور صورت اس کی یہ ہوتی تھی کہ میرے والد صاحبؒ کو کُتب بینی اور مُطالعہ کا بہت ذوق اور شوق تھا، رات کا اکثر حصّہ وہ مطالعہ میں صَرف کیا کرتے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کتاب دیکھنے میں وقت کا اندازہ نہ ہوتا تھا۔ نصف رات تک میں کتاب دیکھتا اور والد صاحب یعنی میرے دادا صاحب آرام فرماتے، نصف لیل کے بعد وہ تہجُّد کے لئے جب اُٹھتے تو فرماتے میاں یحییٰ تم ابتک نہیں سوئے جلدی سو جاؤ، ان کے تقاضہ پر میں مجبوراً کتابیں رکھ کر سوتا اور وہ تہجُّد میں مشغول ہو جاتے اور ثُلثِ لیل تہجّد پڑھ کر وہ تو خود آرام کرنے کے لئے سُدُس آخر میں لیٹ جاتے اور میرے تایا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد صاحب کو آواز دیکر تہجّد کے لئے جگا دیتے وہ صبح صادق تک تہجّد میں مشغول رہتے افسوس کہ اپنے اکابر کے معمولاتِ خیرات و برکات میں سے کچھ بھی نہ کمایا۔ فَیَا لِلْاَسَفْ۔

(۱۸) سفر میں جب کسی اونچی جگہ چڑھے تو علاوہ دوسری دعاؤں کے اللہ اکبر تین مرتبہ اور جب نیچے کی جگہ اُترے تو علاوہ اور دعاؤں کے سُبحانَ اللہ تین مرتبہ کہنا اولیٰ ہے۔ اور جب سفر میں کسی جگہ وحشت سوار ہو اور گھبراہٹ ہونے لگے تو سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ جَلَّلْتِ السَّمٰوٰتُ بِالْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ پڑھنا اولیٰ بھی اور مُجرَّب بھی ہے۔

(۱۹) اگر کوئی شخص بلا مشقت کے پیدل حج کرے تو کیا ہی کہنا بشرطیکہ کسی دوسرے مکروہ میں مُبتلا نہ ہو جائے لیکن اگر سواری پر حج کرے تب بھی اَولیٰ یہ ہے کہ اپنی ہمت اور وُسعت کے موافق جتنا بسہولت تحمّل ہو سکے پاؤں چلے بالخصوص مکہ سے عرفات کے درمیان کہ ہر ہر قدم پر سات سو نیکیاں حرم کی نیکیوں میں سے شمار ہوتی ہیں اور حرم کی نیکی ایک لاکھ کے برابر ہوتی ہے جیسا کہ تیسری فصل کی پہلی حدیث میں مُفصّل گذرا۔ اکابر کا اکثر معمول رہا کہ اونٹوں کے سفر پر جب عصر کی نماز کے لئے اُترتے تو مغرب تک پاؤں چل کر مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر سوار ہوتے کہ یہ وقت مختصر بھی ہوتا ہے اور گرمی، دھوپ یا اندھیرا بھی نہیں ہوتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ مکہ سے عرفات اور منٰی تک پیدل جانا زیادہ پسندیدہ اور بہتر ہے جو لوگ قوی چلنے کے عادی ہوں ان کو اس حصّہ کے لئے سواری کا پابند نہ ہونا چاہیئے کہ اس سے بسا اوقات سواری کی مجبوری سے بہت سے مستحبات ترک ہو جاتے ہیں۔

(۲۰) سواری کے جانور کی رعایت اور اس کے حُقوق کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ اس کے تحمّل سے زیادہ مشقت اس پر ڈالنا جائز نہیں، اَسلاف میں سے متقی اور پرہیزگار حضرات اس پر لیٹ کر سونے سے بھی احتراز کرتے تھے کہ اس سے اس پر بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جانور کو اذیت پہنچانے اور بے وجہ تکلیف دینے کا بھی قیامت میں مطالبہ ہو گا۔

حضرت ابو الدرداء صحابی رضی اللہ عنہ اپنے انتقال کے وقت اپنے اونٹ سے خطاب کر کے فرما رہے تھے کہ اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں مجھ سے جھگڑا نہ کیجیو میں نے تیری طاقت سے زیادہ کام تجھ سے کبھی نہیں لیا (اتحاف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ استنجے کے لئے کسی درخت کی آڑ یا کسی باغ میں تشریف لیجایا کرتے ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے تو ایک اونٹ حضورؐ کو دیکھ کر چلایا حضورؐ اس کے پاس تشریف لے گئے اس کے کان کی جڑ پر دستِ مبارک پھیرا اور فرمایا اس کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوعمر تشریف لائے

اور کہاکہ یہ میرا ہے ۔حضورؐ نے فرمایاکہ اس اونٹ نے تمہاری شکایت کی کہ تم اس سے کام تو زیادہ لیتے ہو اور کھانے کو کم دیتے ہو (ابوداؤد) ۔

(۲۱) اسی طرح سواری کے مالک کے حقوق کی بھی رعایت ضروری ہے اس کی اجازت سے زیادہ سامان رکھنا جائز نہیں ۔ جتنی مقدار کرایہ میں طے ہو چکی ہے اتنی ہی رکھنا جائز ہے ۔ اس میں ریل وغیرہ کا سفر بھی یہی حکم رکھتا ہے کہ چرا چھپا کر استحقاق سے زیادہ سامان بلا محصول ادا کئے رکھنا جائز نہیں ۔ اپنے اسلاف کا معاملہ تو اس میں اس قدر احتیاط کا تھا کہ وہ اب سمجھ میں بھی مشکل سے آتا ہے ۔

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ جو مشہور محدث اور مشہور امام ہیں ایک مرتبہ سفر میں تشریف لیجا رہے تھے کسی نے ان کو ایک خط دیا کہ یہ بھی لیتے جائیں ، انہوں نے فرمایا کہ میں اونٹ والے کو اپنا سامان دکھا چکا ہوں اب اس کو پہلے اطلاع کر دوں کہ یہ اور لیتا ہوں وہ اجازت دے دیگا تو لے لوں گا (اتحاف) ۔ اور علی بن معبدؒ محدث کا مشہور قصہ جو "حکایات صحابہ" میں لکھا جا چکا ہے کہ کرایہ کے مکان سے مٹی اٹھا کر خط کو خشک کرنے پر خواب میں تنبیہ ہوئی ۔

(۲۲) سارے سفر میں تنعّم اور زیب و زینت کے اسباب سے بچے کہ یہ سفر عاشقانہ سفر ہے ۔ معشوقانہ نہیں ہے جیسا کہ مفصّل پہلے گذر چکا ہے ۔خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے اَلْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِلُ جیسا کہ اسی فصل کی تیسری حدیث میں گذرا ۔حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ جب حجاج کو دیکھتے تو فرماتے کہ حاجی کم ہوتے جا رہے ہیں اور سفر کرنے والے بڑھتے جا رہے ہیں اسی میں ایک شخص کو دیکھا کہ معمولی ہیئت اور معمولی لباس میں ہے فرمایا ہاں یہ حجاج میں ہے (اتحاف)

(۲۳) سفر میں جو کچھ خرچ کرے وہ نہایت بشاشت اور فراخدلی سے خرچ کرے ، دل تنگی اس مبارک سفر کے اخراجات میں ہرگز نہ ہونا چاہیئے ۔ پہلی فصل کی حدیث نمبر ۹ میں گذر چکا ہے کہ ایک روپیہ کا ثواب اس سفر میں سات سو روپیہ کے برابر ہے ایسی حالت میں جو پیسہ اس مبارک سفر میں خرچ ہو جائے وہ اجر ہی اجر ہے ۔ اس سے مقصود یہ نہیں کہ اسراف کیا جائے لیکن یہ ضرور ہے کہ ہر خرچ کی زیادتی اسراف نہیں بلکہ اسراف بے محل خرچ کرنا ہے وہاں کے مزدوروں پر ، اونٹ والوں پر ، مکانات کے کرایوں میں جو خرچ کیا جائے اور اس میں ان لوگوں کی اعانت کی نیت بھی شامل کر لی جائے تو پھر کوئی بھی خرچ بار نہیں ۔

(۲۴) البتہ رشوت دینے سے حتّی الوُسع احتراز کرے اور جہاں تک مجبوری نہ ہو جائے رشوت نہ دے کہ وہ حرام ہے حتّٰی کہ بعض عُلماء نے لکھا ہے کہ ٹیکس دینے کی وجہ سے حج نفل کا چھوڑ دینا اَولیٰ ہے کہ ٹیکس دینے میں ظالمین کی اِعانت ہے (احیاء)۔

(۲۵) اس سفر میں جو مشقّتیں تکلیفیں پہنچیں ان کو نہایت خندہ پیشانی اور بشاشت سے برداشت کرے ہرگز ان پر ناشکری اور بے صبری کا اظہار نہ کرے علماء نے لکھا ہے کہ اس سفر میں بدن کو کسی قسم کی تکلیف پہنچنا بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنیکے قائم مقام ہے (اتحاف) کہ جیسا مال خرچ کرنا مالی صدقہ ہے یہ جانی صدقہ ہے۔

(۲۶) مَعاصی سے بچنے کی بہت اِہتمام سے کوشش کرے۔ قرآن پاک میں خاص طور سے اس کو ذکر فرمایا ہے فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ پہلی فصل میں یہ آیت گذر چکی ہے اور اسی فصل کی پہلی حدیث میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ جلّ شانُہٗ تک وُصول اسوقت تک نہیں ہو سکتا جب تک لذّتوں سے اِحتیاط اور شہوتوں سے حفاظت نہ ہو اسی وجہ سے پہلے لوگ رُہبانیت اِختیار کیا کرتے تھے۔ جس کا بَدل حج میں یہ کہا گیا کہ بیوی سے صحبت بھی ناجائز کر دی گئی (اتحاف)۔

(۲۷) نمازوں کا نہایت اِہتمام رکھے، بہت سے حاجی سَفر کی مشقّت اور کاہلی سے اس میں سُستی کر دیتے ہیں، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ عُلماء نے لکھا ہے کہ اگر شب کے سَفر کی وجہ سے آخری رات ہو جائے تو لیٹ کر نہ سوئے بلکہ کُہنی کھڑی کر کے اس پر ٹیک لگا کر سو جائے، ایسا نہ ہو کہ لیٹ کر سونے سے غفلت کی نیند آجائے اور صبح کی نماز فوت ہو جائے کہ نماز کی فضیلت حج کی فضیلت سے زیادہ ہے (اتحاف)۔

علماء نے لکھا ہے کہ حج کے شرائط میں سے ہے کہ نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرنے پر راستہ میں قُدرت ہو اگر راستہ ایسا بن جائے کہ نماز کے ادا کرنیکا وقت نہیں مِل سکتا تو حج کی فرضیت نہیں رہتی

اُبُوالقاسم حکیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جو شخص جہاد میں جاتے ——— اور اس کی وجہ سے اس کی ایک نماز فوت ہو جائے تو اس کو اسکے کفّارہ میں ستّو جہاد کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس ایک نماز کے فوت ہونے کا کفّارہ ہو سکے

اُبُوبکر ورّاق رحمۃ اللہ علیہ جب حج کے ارادہ سے تشریف لے چلے تو ایک ہی منزل پر پہنچکر فرمانے لگے کہ مجھے واپس گھر پہنچاؤ میں نے ایک ہی منزل میں سات سو کبیرہ گناہ کر ڈالے علماء کو بڑا تعجب ہے کہ ایک منزل چلنے میں اتنے گناہ کبیرہ ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں، ایک معمولی فاسق فاجر سے بھی

چند میل چلنے میں اتنے گناہ نہیں ہو سکتے۔ پھر ایک شیخ المشائخ جو اکابر میں ہیں ان سے کیسے صادر ہوئے بعض اکابر نے کہا کہ ایک نماز کی جماعت فوت ہوگئی تھی۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس نے جماعت کی نماز ترک کردی اس نے گویا سات سو کبیرہ گناہ کئے ہیں (شرح لباب) ممکن ہے شیخ کو یہ حدیث پہنچی ہو، معروف کتب میں بندہ کو یہ حدیث نہیں ملی۔ اور حج بھی غالباً نفلی ہوگا۔

(۲۸) سارے سفر کو ذوق وشوق اور عاشقانہ وَالہانہ جذبہ سے کرے جیسا کہ پہلے مُفصّل گذر چکا کہ یہ عبادت ساری ہی مَظہرِ عشق ہے۔ یہ سمجھے کہ اللہ کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے اور ایسا ہے گویا شہنشاہ نے کوئی دربار مقرر کیا ہے اور خوش قسمتی سے دعوتی کارڈ اس کے نام کا بھی آگیا، اس لیے کہ بغیر اللہ جَلَّ شانُہٗ کی توفیق کے کچھ بھی نہیں ہوتا اسی کی طرف سے طلب اور حاضری کی طلب ہوتی ہے جب ہی کوئی شخص جا سکتا ہے ؎

مِری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے ۔۔۔۔ قدم یہ خود نہیں اُٹھتے اٹھاتے جاتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید رکھے کہ جب دنیا میں اس نے اپنے مکان کی زیارت کی سعادت نصیب فرمائی تو آخرت میں اپنی زیارت سے بھی محروم نہ فرمائے گا۔

(۲۹) اپنی ہر عبادت میں اللہ کے لُطف وکرم سے قبول کی امید واثق رکھے وہ بڑا کریم ہے اور اس کے کرم کا ہر شخص کو امیدوار رہنا چاہیئے ع کہ شیوہ ہے کریموں کا نبھانا اپنے چاکر کا

پہلی فصل کی حدیث نمبر ۱۸ کے ذیل میں گذرا ہے کہ وہ شخص بڑا گنہگار ہے جو عرفات کے میدان میں بھی یہ سمجھے کہ میری مغفرت نہیں ہوئی، اور حدیث نمبر ۱۴ اور نمبر ۵ میں تو مغفرت کا بالکل یقین ہے، اللہ کا لُطف وکرم، اس کا فضل وانعام اس کی ذرّہ نوازی، بندہ پروری سے کامل اُمید رکھے کہ ہر عمل قبول ہوگا مگر اس اُمید میں گھمنڈ کا شائبہ ہرگز نہ آئے اپنے اَعمال کے قصور کی وجہ سے اس کو اس کا مستحق سمجھے کہ قابلِ قبول نہیں۔

ابنِ اَبی مُلَیکہ رحؒ کہتے ہیں کہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تیس ۳۰ حضرات سے ملا ہر ایک ان میں سے اپنے منافق ہونے سے ڈر رہا تھا (بخاری) یعنی وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے اَعمال کا باطن ایسا بہتر نہیں ہے جیسا ظاہر ہے اس سے ان کو اپنے اوپر نِفاق کا خوف ہو جاتا تھا۔

ایک صحابی رضؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ ایک شخص جہاد کرتا ہے وہ ثواب کی بھی امید رکھتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا نام ہو جائے۔ حضورؐ نے فرمایا اس کو کوئی ثواب نہیں۔ انہوں نے مکرّر سہ کرّر یہی سوال کیا اور حضورؐ یہی جواب اِرشاد فرماتے رہے اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ جلّ شانُہٗ

صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص اسی کے لئے ہو۔ (ترغیب)

حضرت شُفیؒ ایک تابعی ہیں، مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک صاحب ہیں جن کے پاس بڑا مجمع لگا ہوا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَرْضَاہُ ہیں۔ یہ قریب پہنچے اور عرض کیا کہ میں آپ سے کوئی حدیث سننا چاہتا ہوں جو آپ نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے اچھی طرح سمجھی ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں ہاں میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے حضورؐ سے خوب سمجھا اور اچھی طرح معلوم کیا۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ چیخ مار کر رونے لگے جس سے بیہوشی کے قریب ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد جب سکون ہوا تو فرمایا کہ میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس گھر میں مجھے سنائی تھی اسوقت میں تھا اور حضورؐ تھے کوئی تیسرا ہمارے ساتھ نہ تھا اتنا کہہ کر پھر چیخ مار کر اسی طرح رونے لگے گویا بیہوش ہو جائیں گے۔ پھر جب سکون ہوا تو منہ پونچھ کر فرمایا کہ ہاں میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو حضورؐ نے مجھے اس گھر میں سنائی تھی۔ اسوقت میں تھا اور حضورؐ تھے کوئی تیسرا نہ تھا۔ اتنا کہہ کر پھر اسی طرح چیخ مار کر رونے کی صورت پیش آگئی اور پہلے سے بھی زیادہ سخت اس کے بعد منہ کے بل زمین پر گر گئے میں بہت دیر تک ان کو پکڑے بٹھائے رہا۔ اس کے بعد جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جب اللہ تبارک وتعالیٰ وجل وعلا بندوں کے حساب کی طرف توجہ فرمائیں گے اور ہر آدمی خوف کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہوگا، تو سب سے پہلے تین شخص بلائے جائیں گے۔ ایک حافظِ قرآن، دوسرا مجاہد، تیسرا مالدار۔ اور سب سے اول حافظِ قرآن سے مطالبہ ہوگا کہ میں نے تجھ کو وہ چیز عطا کی جو میں نے اپنے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر اتاری، وہ عرض کرے گا کہ بیشک آپ نے یہ دولت عطا فرمائی تھی۔ تو سوال ہوگا کہ تو نے اپنے اس علم میں کیا عمل کیا؟ وہ عرض کریگا کہ میں دن رات اسکی تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتا تھا ارشاد ہوگا کہ جھوٹ بولتا ہے۔ فرشتے بھی سب ایک زبان ہو کر کہیں گے کہ جھوٹ ہے جھوٹ ہے۔ پھر اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا ارشاد ہوگا کہ یہ محض اس لئے ہوتا تھا کہ لوگ کہیں گے بڑا جیّد قاری ہے سو کہا جا چکا۔

پھر مالدار سے مطالبہ ہوگا کہ میں نے تجھ کو اتنی وسعتِ مال کی عطا کی کہ کسی چیز میں کسی دوسرے کا محتاج تو نہیں رہا۔ وہ عرض کرے گا بیشک ایسا ہی تھا ارشاد ہوگا کہ میرے اس عطا کئے ہوئے

مال میں تو نے کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں صلہ رحمی کرتا تھا اور صدقات کرتا رہتا تھا۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے اور فرشتے بھی سب کہیں گے کہ جھوٹ ہے جھوٹ ہے۔ پھر اللہ پاک کا ارشاد ہوگا کہ یہ اس لئے کیا جاتا تھا کہ لوگ کہیں گے فلاں بڑا سخی ہے سو کہا جا چکا۔ پھر مجاہد سے سوال ہوگا کہ تمہارا کیا عمل ہے؟ وہ عرض کریگا کہ یا اللہ تو نے جہاد کا حکم کیا میں نے تیرے راستہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ جان دیدی ارشادِ عالی ہوگا کہ جھوٹ بولتا ہے فرشتے بھی کہیں گے کہ جھوٹ ہے جھوٹ ہے ارشاد ہوگا کہ یہ تو اسلئے کیا تھا کہ لوگ کہیں گے بڑا بہادر ہے۔ سو کہا جا چکا۔

اس کے بعد حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت اَبُوہُرَیْرَہؓ کے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ تین شخص ہیں جن سے جہنم کی آگ سب سے پہلے بھڑکائی جائے گی۔

اس کے بعد شُفَیؒ امیر معاویہؓ کے پاس گئے تو ان سے حضرت اَبُوہُرَیْرَہؓ کی اس حدیث کا تذکرہ کیا۔ امیر مُعاویہؓ نے فرمایا کہ جب ان تین کا یہ حشر ہوا تو باقی لوگوں کا کیا کچھ حال ہوگا۔ یہ کہہ کر اَمیر مُعاویہؓ اس قدر روئے کہ دیکھنے والوں کو خیال ہوا کہ یہ روتے روتے ہلاک ہو جائیں گے اس کے بعد امیر مُعاویہؓ کو جب اِفاقہ ہوا تو فرمانے لگے اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے بھی حق فرمایا اور اس کے پاک رسولؐ نے بھی۔ پھر امیر مُعاویہؓ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (ہود ۲۔)

(ترغیب)

"اور جو شخص (اپنے نیک اعمال سے) محض دنیا کا طالب ہو اور اس کی رونق حاصل کرنا چاہتا ہو (جیسے شہرت نیک نامی وغیرہ) تو ہم ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دُنیا ہی میں پورے طور سے دیتے ہیں اور دُنیا میں ان کے لئے کچھ کمی نہیں ہوتی اور آخرت میں ایسے لوگوں کے لئے بجز جہنم کے اور کچھ نہیں، انہوں نے جو کچھ (دُنیا میں) کیا تھا وہ آخرت میں سب کا سب بیکار ثابت ہوگا (اور جب نیت خیر نہیں تو) وہ سب کا سب باطل اور لغو ہے۔"

جب یہ حالت ہے، تو اپنے کسی عمل کے متعلق یہ گھمنڈ کہ یہ اللہ کے واسطے ہو گیا بہت مشکل ہے، مگر یہ کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ ہی اپنے فضل و کرم سے تسامح کا معاملہ فرما کر اس کو قبول کرلے تو اس کی رحمت سے بالکل بعید نہیں۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک مرتبہ ایک نوجوان صحابی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے وہ سخت علیل تھے اور انتقال کا وقت قریب تھا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ کی رحمت کا اُمیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر رہا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں اسوقت کسی بندہ کے دل میں جمع نہیں ہوتیں مگر یہ کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اسکو وہ چیز عطا فرماتے ہیں جس کی وہ اُمید کر رہا ہے اور اس چیز سے اَمن نصیب فرماتے ہیں جس سے وُہ ڈر رہا ہے (جمع الفوائد)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر قیامت میں یہ اعلان ہو کہ صرف ایک شخص کی بخشش ہوگی۔ باقی سب جہنّم میں ڈال دیئے جائیں گے تو مجھے (اللہ کی رحمت سے) یہ اُمید ہوگی کہ وہ ایک شخص میں ہی ہونگا۔ اور اگر یہ اعلان ہو کہ صرف ایک شخص جہنّم میں جائے گا باقی سب جنّت میں داخل ہونگے تو مجھے یہ خوف ہوگا کہ وہ ایک میں ہی نہ ہوں۔

حضرت علیؓ کا ارشاد اپنے صاحبزادہ سے ہے کہ بیٹا اللہ سے ایسا خوف کر کہ اگر تو تمام دُنیا کے آدمیوں کی نیکیاں لے کر جائے تو وہ بھی قبول نہ ہوں اور اللہ پاک سے ایسی اُمید رکھ کہ اگر تو ساری دُنیا کے گناہ اپنے ساتھ لے کر جائے تو وہ بھی معاف کر دے (احیاء)

تنبیہ: یہ نمونہ کے طور پر چند آداب پر تنبیہ ہے، زیارتِ مدینہ کے مضمون میں بھی کچھ آداب آرہے ہیں وہ بھی ملحوظ رکھئے۔

چھٹی فصل مکہ مکرمہ اور کعبہ شریف کے فضائل میں

ان دونوں کے اور ان کے خاص خاص مقامات کے بہت سے فضائل قرآن پاک اور احادیث میں آئے ہیں نمونہ کے طور پر چند کا ذکر اس جگہ کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شَانُہٗ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ (آل عمرانؑ)	"یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں (کی عبادت) کے واسطے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو مکّہ میں ہے (یعنی کعبہ شریف) برکت والا مکان ہے، اور تمام لوگوں کے لئے ہدایت (کی چیز) ہے۔

ف: حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے نقل کیا گیا کہ مکانات تو اس سے پہلے بھی تھے لیکن عبادت کے لئے سب سے پہلے یہی مکان موضوع ہوا۔ متعدد صحابہ کرامؓ سے نقل کیا گیا کہ تمام زمین کے پیدا ہونے سے پہلے یہ جگہ پانی پر بُلبلہ کی طرح سے تھی۔ پھر اسی کو پھیلا کر ساری زمین اسی سے بنائی گئی جیسا کہ آٹے

کے پیڑے سے پھیلا کر روٹی بنائی جاتی ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہود بیت المقدس کو سب سے افضل شہر بتایا کرتے تھے کہ وہاں بہت سے انبیاء کرام کا قیام رہا ہے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں (درمنثور)

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۚ (آل عمران - ۱۰) "اس میں بہت سی کھلی ہوئی نشانیاں (اس کی افضیلت کی) موجود ہیں، منجملہ ان کے اس میں مقام ابراہیم ہے۔"

ف: مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کعبہ کی تعمیر کی تھی اور اس پتھر پر آپ کے قدموں کا نشان بن گیا تھا، اور اب وہ کعبہ شریف کے قریب ایک قبہ میں ہے جسکو مقام ابراہیم ہی کہا جاتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس پتھر میں قدم کے نشانات کا ہونا بھی ایک کھلی نشانی ہے۔

وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ (آل عمران - ۱۰) "اور جو شخص اس کے (یعنی حرم کی حدود کے) اندر داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے۔"

ف: دو وجہ سے وہ جگہ مقام امن ہے ایک آخرت کے اعتبار سے کہ اس میں نماز و حج وغیرہ کرنے سے جہنم کے عذاب سے امن ہوتا ہے، اور دوسرے اس وجہ سے کہ جو شخص باہر کسی کو قتل کر کے اس میں داخل ہو جائے تو اس کو بدلہ میں وہاں قتل نہ کیا جائے گا۔ البتہ اس کو کھانا وغیرہ بند کر کے مجبور کیا جائے گا کہ وہاں سے باہر نکلے اور باہر قتل کیا جائے۔

حضرت عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی حرم میں پاؤں تو وہاں اسکو ہاتھ نہ لگاؤں یہاں تک کہ باہر نکلے، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ سے تو یہ نقل کیا گیا ہے کہ اگر میں اپنے باپ حضرت عمرؓ کے قاتل کو وہاں پاؤں تو میں اس کو مجبور نہ کروں۔ حضرت ابن عباس رضؓ سے بھی یہی اپنے والد کے قاتل کے متعلق نقل کیا گیا (درمنثور)۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۗ (البقرہ - ۱۵) "اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس وقت کہ ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے مرجع بنایا اور امن (کی جگہ)۔"

ف: مرجع بنانے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ قبلہ بنایا کہ لوگ نماز میں اسکی طرف رجوع کریں، دوسرے یہ کہ حج و عمرہ کے لئے اس کی طرف چل کر آویں اور ہو سکتا ہے کہ مثابہ ثواب سے ہو کہ ثواب کی جگہ بنایا کہ وہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے۔ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ مرجع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے لوگوں کا دل نہیں بھرتا، ایک مرتبہ حج کو جاتے ہیں پھر بار بار اس کی طرف لوٹتے ہیں۔ (درمنثور)

۵ درمنثور

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (بقرہ، ۱۵)

"اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ بلند کر رہے تھے ابراہیم علیہ السلام دیواریں کعبہ شریف کی اور (ان کے ساتھ مدد کر رہے تھے) اسمٰعیل علیہ السلام اور یہ کہتے جاتے تھے اے ہمارے رب یہ خدمت ہماری قبول کر لیجئے بلاشبہ آپ خوب سننے والے ہیں (دعاؤں کے) اور خوب جاننے والے ہیں (لوگوں کے حالات اور نیتوں کو)۔"

ف: کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی، یہ تو قطعی چیز ہے قرآن پاک میں صاف موجود ہے علماء نے لکھا ہے کہ اس مکان سے افضل کونسا مکان ہوسکتا ہے کہ اللہ جل جلالہٗ نے اس کے بنانے کا حکم فرمایا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کی انجینئری کی (نقشہ بنایا)، حضرت ابراہیم خلیل جیسے بڑے نبی اس کے معمار اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہؑ جیسے جاں نثار تعمیر میں مددگار تھے اللہ اکبر کتنی بڑی عظمت ہے، اس مکان کی۔

ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت سو برس کی تھی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تیس برس کی (در منثور) کعبہ کی تعمیر مؤرخین کے نزدیک متعدد مرتبہ ہوئی، ان میں سے بعض متفق علیہ ہیں اور بعض مختلف فیہ، اس کی بحث یہ ناکارہ مؤطا امام مالکؒ کی عربی شرح[ع] میں تفصیل سے ذکر کر چکا ہے جس کا اجمال یہ ہے۔

۱: مشہور قول کے موافق سب سے اول اس کی تعمیر فرشتوں نے کی ہے۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل، اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ دوسری تعمیر ہے۔ اس سے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ کے امر کُن سے اس کی تعمیر ہوئی جس میں فرشتوں کا بھی دخل نہ تھا۔

۲: حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر ہے جو محدثین اور مؤرخین کے نزدیک مشہور ہے، مگر قطعی روایت نہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے حضرت آدمؑ نے اس کو بنایا تھا۔ لبنان، طور سینا، طور زیتا، جودی، حرا، بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بنیادی حصہ تعمیر کیا تھا اس کے اوپر آسمان سے بیت معمور نازل ہو کر رکھا گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے وصال پر یا طوفان نوحؑ کے وقت وہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

ع یعنی اوجز المسالک جو چھ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔ بے نظیر شرح ہے۔ مصحح

۳: حضرت شیث عَلَیْہِ السَّلَام جو حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے صاحبزادے نبی ہوئے ان کی تعمیر بتائی جاتی ہے۔

۴: حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی بنا جو اوپر گذری اور یہ قطعی ہے۔ مؤرخین نے لکھا ہے۔ کہ یہ بنا نو گز اونچی تھی اور ۳۰ گز لمبی اور ۲۳ گز چوڑی، یہ مُسقّف نہ تھی اور اس کے اندر ایک کنواں تھا جس میں وہ نذر نیاز ڈال دی جاتی تھی جو کعبہ پر نثار کی جاتی تھی۔

(۵)، عمالقہ کی اور ۶: جرہم کی، یہ عرب کے دو قبیلے حضرت نوحؑ کی اولاد میں ہیں۔

۷: قصیّ کی تعمیر ہے جو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پانچویں پشت میں دادا ہیں۔

۸: قریش کی تعمیر، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جوانی کے زمانے میں جس کے بہت سے قصے احادیث میں آتے ہیں، حضور کی عمر شریف اس وقت پچیس سال کی تھی۔ اور بعض نے پینتیس سال کی بتائی ہے۔ اسکی تعمیر میں حضورؐ کی بھی شرکت ہوئی کہ اپنے کاندھے پر پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔ یہی وہ تعمیر ہے جس میں حجرِ اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے میں قریش میں ایسا نزاع پیدا ہوا کہ ہر جانب سے تلواریں نکل آئیں اور ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اس کے حصہ میں آئے حضورؐ نے اس کا یہ بہترین فیصلہ کیا کہ اپنی چادر مبارک پر اس کو رکھ کر فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس چادر کے کنارے کو پکڑ لے اسی طرح اس کو کعبہ کی دیوار تک لیجا کر فرمایا کہ تم سب مجھے اپنی طرف سے وکیل بنا دو کہ اس پر سے اٹھا کر دیوار پر رکھ دوں، سب نے وکیل بنا دیا، اور حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اوپر رکھ دیا۔ قریش نے اس تعمیر میں اس کا عہد کیا تھا کہ اس میں مشتبہ کمائی نہ لگائی جائے گی۔ حلال کمائی کم رہ گئی جس کی وجہ سے حطیم کی جانب دیوار کو پیچھے ہٹا دیا اور کچھ حصہ کعبہ شریف کا باہر رہ گیا۔ اور کعبہ کا دروازہ بھی حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر کے خلاف بہت اونچا کر دیا کہ ہر شخص اس میں داخل نہ ہو سکے بلکہ داخلے کے واسطے سیڑھی لگانا پڑے، جس کو دل چاہے سیڑھی لگا کر داخل کریں جس کو چاہے داخل نہ ہونے دیں، حضورؐ کی خواہش تھی کہ کعبہ شریف کو از سرِ نو قواعدِ حضرت ابراہیمؑ پر تعمیر کیا جائے مگر اس کی نوبت نہ آئی۔

۹: ۶۴ھ میں یزید کی فوج نے جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر مکہ میں چڑھائی کی تو منجنیق سے آگ برسائی جس سے کعبہ کا پردہ بھی جل گیا اور کعبہ کی دیواروں کو بھی نقصان پہنچا، اسی اثناء میں یزید مر گیا اور وہ فوجیں وہاں سے واپس آ گئیں، تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کعبہ کو منہدم کر کے

از سرِ نو تعمیر کیا جس میں حضورؐ کی خواہش کے مُوافق حطیم کے حصّہ کو اندر داخل کیا اور دروازہ زمین کے قریب کر دیا کہ ہر شخص اس میں داخل ہو سکے، اور دوسرا دروازہ اس کے مقابل دیوار میں قائم کر دیا کہ لوگ ایک دروازہ سے داخل ہوں دوسرے سے نکلتے رہیں اور آنے جانے میں مُزاحمت نہ ہو۔

جُمادی الاُخریٰ ۶۴ھ میں یہ تعمیر شروع ہوئی اور رجب ۶۴ھ یا ۶۵ھ میں پوری ہوئی، حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ نے اس کی خوشی میں بہت بڑی دعوت کی جس میں ۱۰۰ اونٹ ذبح کئے۔ کعبہ شریف کی تعمیر تو حضرت ابنُ الزُّبیرؓ نے پوری فرما دی، لیکن اس حادثہ میں ایک اہم نقصان یہ ہوا کہ حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کے فدیہ میں جو مینڈھا جنّت کا ذبح ہوا تھا اس کے سینگ اس وقت سے کعبہ شریف میں محفوظ تھے وہ اس حادثہ میں جل گئے، اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ کے اِنتقال کے بعد عبدالملک بن مروان کے زمانہ حکومت میں حجّاج نے بادشاہ کو بہکایا کہ ابنِ زُبیرؓ نے کعبہ میں تغیُّر کر دیا اور اس حال پر نہیں رہا جس پر حضورؐ کے زمانہ میں تھا۔ عبدالملک نے اس کو اجازت دیدی کہ اسی صورت پر کر دیا جائے۔ اس پر حجّاج نے قدیم طرز کے موافق شرقی دروازہ کو اونچا کر دیا اور اس کے بالمقابل دروازہ کو بند کر دیا اور حطیم کی جانب سے دیوار توڑ کر پیچھے ہٹا دی، اور اندر کے حصّہ میں بھراؤ کر کے کعبہ کی سطح کو اندر سے اونچا کر دیا۔ ۷۳ھ میں یہ تغیُّر ہوا اس کے بعد سے اسی حال پر بیت اللہ شریف ایک عرصہ تک رہا کہ جس کی تین جانبیں حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ کی تعمیر سے تھیں اور حطیم کی جانب حجّاج کی تعمیر سے۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اب تک اصل تعمیر یہی ہے اور آئندہ کے تغیرات مرمّتیں ہیں، مستقل تعمیریں نہیں ہیں۔ محدثین نے روایت کی ہے کہ ہارون رشید وغیرہ بعض سلاطین نے ارادہ کیا کہ کعبہ شریف کو حضرت عبداللہؓ بن زُبیرؓ کی تعمیر کے مُوافق کر دیا جائے اس لئے کہ حضورؐ کی منشا کے موافق تھی، مگر حضرت امام مالکؒ نے بڑے اِصرار سے اس ارادہ کو ملتوی کرایا تاکہ کعبہ کی تعمیر بادشاہوں کا کھیل نہ بن جائے کہ ہر بادشاہ اپنے نام کی خاطر اس میں تعمیر کا سلسلہ شروع کر دے۔

(۱۱) ۱۰۲۱ھ میں سلطان احمد ترکی نے چھت بدلوائی، اور دیواروں میں جہاں جہاں بوسیدگی آگئی تھی اس کی مرمّت کرائی، میزابُ الرحمۃ کو درست کیا، یہ درحقیقت پوری تعمیر کی تجدید نہیں بلکہ اصلاح و مرمت ہے۔

(۱۲) ۱۰۳۹ھ میں سلطان مُراد کے زمانہ میں جب بہت زور سے سَیل کا پانی مسجد میں پہنچ گیا اور بیت اللہ شریف کی بعض دیواریں بھی گر گئیں تو سلطان موصوف نے ان کی تعمیر کرائی۔

غالب یہ ہے کہ جو حصہ منہدم ہوگیا تھا اسی کی تعمیر ہوتی۔ اس لئے اس کو بھی بعض مؤرخین صرف ترمیم بتاتے ہیں اور بعض تعمیرِ جدید واللہ اعلم۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ حجرِ اسود کی جانب کے علاوہ اور جانبوں کی تعمیر کی، اس صورت میں اس وقت بیت اللہ شریف حجر اسود کی جانب سے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی تعمیر ہے اور باقی جانبوں میں سلطان مراد کا تعمیر کیا ہوا ہے۔ امسال محرم ۱۳۶۶ھ میں سلطان ابنِ سعود نے اس کے دروازے کے کواڑوں اور چوکھٹ تجدید کی۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ (مائدہ۔ ۱۳) ”حق تعالیٰ شانہٗ نے کعبہ کو جو محترم گھر ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب بنا دیا۔“

ف: حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے قائم رہنے کا سبب ان کے دین کا رہنا اور نشانات حج کا قائم رہنا ہے، دوسری حدیث میں ان سے نقل کیا گیا کہ ان کا قائم رہنا یہ ہے کہ جو لوگ اس میں پہنچ جائیں وہ مامون ہو جائیں۔ حسن بصریؒ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ لوگ اپنے دین پر قائم رہیں گے جب تک کہ اس گھر کا حج کرتے رہیں اور نماز میں اس طرف منہ کرتے رہیں (درمنثور)۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیت اللہ کا طواف بہت کثرت سے کیا کرو، دو مرتبہ یہ بالکل منہدم ہو چکا ہے اور تیسری مرتبہ جب بالکلیہ منہدم ہو جائے گا تو اٹھا لیا جائے گا۔

امام غزالیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جب دنیا کو برباد کرنے کا ارادہ فرمائیں گے تو سب سے پہلے بیت اللہ کو منہدم کرایا جائے گا پھر دنیا برباد کی جائے گی (اتحاف)۔ علاماتِ قیامت کی روایات میں قیامت کے قریب کعبہ کا منہدم ہونا کثرت سے وارد ہوا ہے۔ حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ وہ حبشی گویا میری نظر کے سامنے ہے۔ جو کعبہ شریف کو ایک ایک پتھر اس کا گرا کر منہدم کرے گا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ لوگ خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک کہ اس کی حرمت کی (یعنی مکہ اور حرم مکہ کی) ایسی تعظیم کرتے رہیں گے جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے، اور جب اس کی تعظیم کو ضائع کر دیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ (مشکوٰۃ)۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک حجرِ اسود اور مقام ابراہیم نہ اٹھا لیے جائیں۔ ایک حدیث میں علاماتِ قیامت میں ہے کہ حبشہ کے لوگ کعبہ پر چڑھائی کریں گے اور وہ اتنا بڑا لشکر ہو گا کہ اس کا اگلا حصہ حجرِ اسود کے پاس

ہوگا اور پچھلا حصّہ جدّہ میں سمندر کے قریب، اور کعبہ شریف کو ایک ایک پتھر گرا کر توڑیں گے (اتحاف)

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰہِ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ عِشْرِیْنَ مِائَۃَ رَحْمَۃٍ تَنْزِلُ عَلٰی ھٰذَا الْبَیْتِ سِتُّوْنَ لِلطَّائِفِیْنَ وَاَرْبَعُوْنَ لِلْمُصَلِّیْنَ وَعِشْرُوْنَ لِلنَّاظِرِیْنَ. کذا فی الدر عن ابن عدی والبیھقی وضعفہ وغیرھما وحسنہ المنذری وفی الکنز بالفاظ اُخر وھو فی المسلسلات للشاہ ولی اللہ الدھلوی

"حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی ایک سو بیس رحمتیں روزانہ اس گھر پر نازل ہوتی ہیں جن میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں پر اور چالیس وہاں نماز پڑھنے والوں پر اور بیس بیت اللہ کو دیکھنے والوں پر ہوتی ہیں۔"

ف: بیت اللہ شریف کا صرف دیکھنا بھی عبادت ہے، حضرت سَعِیدُ بنُ المُسَیَّب رح تابعی فرماتے ہیں کہ جو ایمان و تصدیق کے ساتھ کعبہ کو دیکھے وہ خطایا سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا آج ہی پیدا ہوا۔ اَبُو السَّائِب مدنی رح کہتے ہیں جو ایمان و تصدیق کے ساتھ کعبہ کو دیکھے اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے پتّے درخت سے جھڑ جاتے ہیں اور جو شخص مسجد میں بیٹھ کر بیت اللہ کو صرف دیکھتا رہے چاہے طواف و نمازِ نفل نہ پڑھتا ہو وہ افضل ہے اس شخص سے جو اپنے گھر میں نفلیں پڑھے اور بیت اللہ کو نہ دیکھے۔ حضرت عطاءؒ کہتے ہیں کہ بیت اللہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور بیت اللہ کو دیکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ رات کو جاگنے والا، دن میں روزہ رکھنے والا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا۔ حضرت عطاء رح ہی سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ ایک مرتبہ بیت اللہ کو دیکھنا ایک سال کی عبادت نفل کے برابر ہے۔ طاؤس رح کہتے ہیں کہ بیت اللہ کا دیکھنا افضل ہے اس شخص کی عبادت سے بھی جو روزہ دار، شب بیدار اور مُجاہِد فِی سَبِیْلِ اللّٰہ ہو۔ ابراہیم نخعی رحمہ کہتے ہیں کہ بیت اللہ کا دیکھنے والا مکہ سے باہر عبادت میں کوشش سے لگے رہنے کے برابر ہے (در منثور)

اور طواف کرنے والوں پر جس قدر رحمتیں نازل ہوتی ہیں وہ اس حدیث سے ظاہر ہے اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ مسجدِ حرام میں تَحِیَّۃُ الْمَسْجِد سے طواف افضل ہے۔ اگر کسی وجہ سے طواف نہ کر سکے تو تَحِیَّۃُ الْمَسْجِد پڑھے ورنہ بجائے تَحِیَّۃُ الْمَسْجِد کے مسجد میں جاتے ہی طواف کرنا افضل ہے۔ البتہ اگر نماز کا وقت قریب ہو تو پھر اس وقت طواف نہ کرے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ جل شانہٗ اپنے لطف و فضل سے کثرت سے طواف کرنے کی توفیق عطا فرمائے، کُرز بن وَبرہ رح ایک بزرگ تھے، جن کا معمول ہمیشہ روزانہ ستّر طواف دن میں اور ستّر طواف رات

میں کرنے کا تھا جس کی مسافت تیس میل روزانہ کی ہوئی اور ہر طواف کے بعد دو رکعت تحیۃ الطواف کی کل دو سو اسّی ۲۸۰ رکعتیں ہوئیں۔ ان کے علاوہ دو مرتبہ روزانہ قرآنِ پاک ختم کرنے کا معمول تھا (احیاء) یہی لوگ ہیں جو آخرت کی دائمی زندگی کے لئے بہت کچھ کما کرلے جارہے ہیں۔

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْحَجَرِ وَاللّٰہِ لَیَبْعَثَنَّہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لَہٗ عَیْنَانِ یُبْصِرُ بِھِمَا وَ لِسَانٌ یَنْطِقُ بِہٖ یَشْھَدُ عَلٰی مَنِ اسْتَلَمَہٗ بِحَقٍّ رواہ الترمذی و ابن ماجۃ والدارمی کذا فی المشکوٰۃ

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ حجرِ اسود کو اللہ جل شانہٗ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ اس کے دو۲ آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا اور گواہی دے گا اس شخص کے حق میں جس نے اس کو حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو"

ف: حق کے ساتھ بوسہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان اور تصدیق کے ساتھ بوسہ دیا ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ کعبہ کے لئے ایک زبان ہے اور دو۲ ہونٹ ہیں اس نے (پہلے زمانہ میں) حق تعالیٰ شانہٗ سے شکایت کی کہ اے اللہ میری طرف لوٹنے والے کم ہوگئے اور زیارت کرنے والے کم ہوگئے تو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ میں ایک ایسی قوم (مسلمان) پیدا کرنے والا ہوں جو بڑے خشوع والی ہوگی، بڑے سجدے کرنیوالی (نمازی) ہوگی، وہ تیری طرف ایسے جھکیں گے جیسا کہ کبوتر اپنے بیضہ کی طرف جھکتا ہے (ترغیب)۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حجرِ اسود اور رکن یمانی قیامت کے دن ایسے حال میں اٹھیں گے کہ ان کیلئے دو آنکھیں اور دو زبانیں اور ہونٹ ہوں گے وفا کی گواہی دیں گے ان لوگوں کے لئے جو ان کو بوسہ دیں گے یعنی اس کی گواہی دیں گے کہ ان بوسہ دینے والوں نے اقرار پورا کر دیا (ترغیب) ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود پر پہنچے تو اس کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ تو کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اگر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھتا کہ آپ نے تجھے بوسہ دیا تو کبھی بوسہ نہ دیتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پاس کھڑے تھے انہوں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین یہ نفع اور نقصان پہنچاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کیسے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ازل میں جب اللہ جل شانہٗ نے سارے

بندوں سے اپنے رَبُّ العالمین ہونے کا اقرار لیا تھا تو اس اقرار کو کتاب میں درج کر کے اس پتھر میں محفوظ کر دیا تھا بس یہ قیامت کے دن گواہی دے گا کہ فلاں نے اقرار پورا کر دیا اور فلاں (یعنی کافر) منکر ہوا (اتحاف) غالباً اسی وجہ سے اس جگہ جو دعاء مسنون ہے اس کے الفاظ ہیں :-

اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ وَتَصْدِیْقًا بِکِتَابِکَ وَوَفَاءً بِعَھْدِکَ ط

اے اللہ میں بوسہ دیتا ہوں تجھ پر ایمان لاتے ہوئے اور تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے اور تیرے عہد کو پورا کرتے ہوئے۔

حضرت عمرؓ کو لوگوں کے عقائد کا بہت فکر و اہتمام رہتا تھا کہ مبادا عقیدہ میں کوئی لغزش ہو جائے اسی وجہ سے بَیْعَۃُ الرِّضْوَان جس درخت کے نیچے ہوئی تھی وہ بیعت چونکہ بہت اہم تھی حتی کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے بھی رضا کا پروانہ ان حضرات کے لئے قرآن پاک میں نازل فرمایا چنانچہ ارشاد ہے :-

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (سورۂ فتح)

بے شک اللہ جل شانہٗ راضی ہو گیا ان مسلمانوں سے جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔"

لیکن جب حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا کہ لوگ اس درخت کے پاس برکت کے طور پر جاتے ہیں تو اس درخت کو کٹوا دیا (درمنثور) اسی طرح حضرت عمرؓ کو یہاں بھی خیال ہوا کہ لوگ بت پرستی سے نکل کر آ رہے ہیں ایسا نہ ہو کہ اس پتھر کو بھی بتوں کے پتھر کے مشابہ سمجھ کر بت پرستی کا شائبہ ان میں رہ جائے اس لیے اس پر متنبہ کرنے کیلئے کہ یہ پتھر کی کوئی تعظیم نہیں ہے، بلکہ صرف تعمیل حکم ہے، مشرکین کی طرح یہ بات نہیں کہ اس پتھر میں کوئی تقرب پیدا کرنی کی خاصیت ہے۔ اسی طرح سے خود کعبہ شریف کے متعلق حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ یہ چند پتھروں کا مکان ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمارا قبلہ مقرر کر دیا کہ زندگی میں اس کی طرف نماز پڑھیں اور مرنے کے بعد اس کی طرف منہ کر کے لٹایا جائے (کنز) ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ جب حجرِ اسود پر پہنچے تو فرمایا میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، میرا رب صرف وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر میں یہ نہ دیکھتا کہ حضورؐ نے تجھے بوسہ دیا اور ہاتھ لگایا تو نہ بوسہ دیتا نہ ہاتھ لگاتا (کنز) ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب حجرِ اسود کو بوسہ دیا تو فرمایا :- بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ عَلٰی مَا ھَدَانَا وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الَّذِیْ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَکَفَرْتُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰی وَمَا یُدْعٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتَابَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ ط

اے اتحاف

اس میں ہر قسم کے شرک سے بیزاری کا اظہار فرمایا اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ بیت اللہ شریف کا طواف یا حجرِ اسود وغیرہ کا بوسہ اس کو بُت پرستی سے کوئی مشابہت نہیں۔ اوّل اس وجہ سے کہ اس کا طواف وغیرہ صرف تعمیلِ ارشادِ خداوندی ہے اور بتوں کے طواف کا یا کسی بُت کے طواف کا کوئی حکم مالکُ الملک سے نہیں ہے دوسری اس وجہ سے بھی کہ کعبہ شریف یا حجرِ اسود وغیرہ میں غیر اللہ سے کوئی تعلق یا علاقہ اور نسبت نہیں ہے مولیٰ ہی کا گھر ہے بخلاف بُتوں کے کہ وہ غیرُ اللہ سے تعلّق رکھتے ہیں جس میں شرک ظاہر ہے۔ اور حضرت علی کرّم اللہُ وجہہٗ کا یہ ارشاد کہ نفع دیتا ہے وہ شہادت اور گواہی کا نفع ہے۔ عدالت میں کسی کی گواہی دینا اس کے لئے نافع تو بہت زیادہ ہے مگر اس سے اس کا قابلِ پرستش ہونا لازم نہیں آتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ مؤذن کی اذان کی آواز جہاں تک پہنچے ہر رطب و یابس اس کے لئے قیامت میں گواہی دیگا لیکن اس کی وجہ سے ہر رطب و یابس کا قابلِ پرستش ہونا لازم نہیں آتا۔

(۱۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ رواہ احمد والترمذی وقال ھٰذا حدیث حسن صحیح کذا فی المشکوٰۃ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حجرِ اسود جب جنّت سے دنیا میں اُترا تو وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا آدمیوں کی خطاؤں نے اس کو کالا کر دیا۔

ف: یعنی لوگوں نے جو اس کو گناہوں سے آلودہ ہاتھوں سے چھُوا تو ان کے گناہوں کی تاثیر سے وہ سیاہ ہوگیا۔ بڑی عبرت کا مقام ہے کہ جب محض ہاتھ لگانے سے پتھر پر یہ اثر ہوا تو ان دلوں کا کیا حال ہوتا ہوگا جو گناہوں سے ہر وقت وابستہ رہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ لگ جاتا ہے اگر وہ توبہ استغفار سے اس کو دھو دیتا ہے تو وہ صاف ہو جاتا ہے ورنہ لگا رہتا ہے اور جب دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا داغ لگ جاتا ہے اسی طرح ہوتے ہوتے سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے اسی کی طرف قرآن پاک کی آیت كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (بلکہ اُن کے بُرے اعمال کا اُن کے دلوں پر زنگ جم گیا) میں اشارہ کیا گیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم جنّت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں اگر مشرکین اس کو نہ چھوتے تو جو بھی بیمار خواہ کیسی ہی بیماری ہوتی جب اس کو چھوتا تو

تندرست ہوجاتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حجرِ اسود جنت کے پتھروں سے ایک پتھر ہے، اگر گناہوں کی نحوست جو فاجروں کے چھونے سے اس سے وابستہ ہوگئی نہ ہوتی تو جو اندھا کوڑھی یا کسی اور مرض کا بیمار اس کو چھوتا تو وہ تندرست ہوجاتا (اتحاف)

(۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وُكِّلَ بِهٖ سَبْعُوْنَ مَلَكًا یَعْنِی الرُّكْنَ الْیَمَانِیَ فَمَنْ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالُوْا اٰمِیْن۔ رواه ابن ماجة كذا فی المشكوٰة

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رکنِ یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں جو شخص وہاں جاکر یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ تو وہ فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں (ترجمہ دعا، اے اللہ میں تجھ سے معافی کا طالب ہوں اور دونوں جہاں میں عافیت مانگتا ہوں اے اللہ تو دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور جہنم کے عذاب سے حفاظت فرما)"

ف: رکنِ یمانی بھی بابرکت مقام ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حجرِ اسود یا رکنِ یمانی کا استلام نرمی یا سختی میں نہیں چھوڑا جب سے ہم نے دیکھا کہ حضورؐ ان کا استلام کیا کرتے تھے۔ رکنِ یمانی کا استلام یہ ہے کہ طواف کرتے ہوئے اس پر ہاتھوں کو پھیرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کا مس کرنا خطایا کو ساقط کرتا ہے (کنز) ایک حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رکنِ یمانی کو بھی بوسہ دیا (اتحاف)

اس جگہ اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کا استلام ایسی طرح ہونا چاہیے جس میں دوسروں کو اذیت نہ پہنچے کہ یہ فعل مستحب ہے اور مسلمان کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

(۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضؓ یَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْمُلْتَزَمُ مَوْضِعٌ یُّسْتَجَابُ فِیْهِ الدُّعَاءُ مَا دَعَا اللّٰهَ فِیْهِ عَبْدٌ اِلَّا اسْتَجَابَهَا۔ كذا فی المسلسلات للشاه ولی الله الدهلوی وذكره الجزری فی الحصن مجملاً۔

(۵) حضرت ابن عباسؓ حضورؐ سے نقل کرتے ہیں کہ ملتزم ایسی جگہ ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے کسی بندہ نے وہاں ایسی دعا نہیں کی جو قبول نہ ہوئی ہو۔"

ف : مُلتزَم حجرِ اَسود سے لیکر کعبہ شریف کے دروازہ تک کا حصّہ کہلاتا ہے غالباً اسی وجہ سے اس کا نام مُلتزَم ہے کہ اس کے معنی چمٹنے کی جگہ کے ہیں۔

ابوداؤد میں حضرت ابنِ عبّاس رضؓ سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے اس جگہ کھڑے ہو کر اپنے سینہ اور چہرہ کو دیوار سے چمٹا دیا اور دونوں ہاتھوں کو دیوار پر پھیلا دیا اور یہ کہا کہ میں نے اس طرح حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کرتے دیکھا۔ اس جگہ کے متعلق جو حدیث دُعا کے قبول ہونے کی نقل کیجاتی ہے۔ میرے حضرت نوّر اللہ مرقدہٗ سے لے کر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم تک ہر اُستاذ حدیث سُناتے وقت اپنا ذاتی تجربہ یہ بتاتا ہے کہ میں نے اس جگہ دُعا کی اور وہ قبول ہوئی اور اس ناپاک کا بھی ذاتی تجربہ ہے۔

حسن بصریؒ نے جو خط مکّہ والوں کو لکھا ہے اسمیں تحریر فرمایا ہے کہ وہاں پندرہ جگہ دُعا قبول ہوتی ہے۔ طواف کرتے وقت، مُلتزَم پر، میزابِ رحمت کے پاس اور کعبہ شریف کے اندر اور زمزم کے کنوئیں کے پاس اور صفا اور مروہ پر اور ان کے درمیان دوڑتے ہوئے اور مقامِ ابراہیم کے پاس اور عرفات کے میدان میں، اور مزدلفہ میں اور منیٰ میں اور تینوں شیطانوں کے کنکریاں مارتے وقت (حصن حصین)۔ اور دُرِّ منثور کی روایت میں لکھا ہے کہ مُلتزَم اور میزابِ رحمت کے نیچے اور رکنِ یمانی کے پاس اور صفا اور مروہ پر اور ان کے درمیان اور حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان اور کعبہ شریف کے اندر اور منیٰ مزدلفہ عرفات اور تینوں شیطانوں کے پاس ـــــ ہمارے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنی تفسیر میں اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ بعض علماء نے ان کے علاوہ مَطاف یعنی طواف کرنے کی جگہ اور بیت اللہ شریف پر نظر پڑتے وقت، اور حطیم کو اور حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیانی حصّہ کو بھی خصوصیت سے دُعا کے مقبول ہونے کی جگہ بتایا ہے۔ بعض علماء سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ مُلتزَم رکنِ یمانی سے لے کر کعبہ کے غربی دروازہ تک کا حصّہ ہے۔ جو بند ہے یہ اگرچہ مشہور قول کے خلاف ہے، لیکن بعض اکابر کا قول تو ہے ہی (شرح لباب)

(۶) عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِىْ بَيْتِهٖ بِصَلٰوةٍ وَّصَلٰوتُهٗ فِىْ مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ صَلٰوةً وَّصَلٰوتُهٗ فِى الْمَسْجِدِ الَّذِىْ يُجَمَّعُ فِيْهِ بِخَمْسِمِائَةِ صَلٰوةٍ

حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ آدمی اگر اپنے گھر پر نماز پڑھے تو صرف ایک نماز کا ثواب اس کو ملتا ہے اور محلّہ کی مسجد میں پچیس گنا ثواب ملتا ہے اور جامع مسجد میں پانچ سو گنا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور بیت المقدس کی

وَصَلٰوتُہٗ فِی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ صَلٰوۃٍ وَّصَلٰوتُہٗ فِیْ مَسْجِدِیْ بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ صَلٰوۃٍ وَّفِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَۃِ اَلْفِ صَلٰوۃٍ، رواہ ابن ماجۃ کذا فی المشکوٰۃ۔

مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے، اور میری مسجد میں یعنی مدینہ پاک کی مسجد میں پچاس ہزار کا ثواب ہے، اور مکہ مکرمہ کی مسجد میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے۔

ف: مُتعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ مکۂ معظمہ کی مسجد میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے، حَسن بَصریؒ فرماتے ہیں کہ مکہ میں ایک دن کا روزہ مکہ سے باہر ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے۔ وہاں ایک دِرَم (جو تقریباً چار آنے کا ہوتا ہے) باہر لاکھ دِرَم کے برابر ہے اور اسی طرح وہاں کی ہر نیکی باہر کی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔ (اتحاف)

تیسری فصل کی پہلی حدیث میں خود نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد گذر چکا ہے کہ حرم کی نیکی ایک لاکھ کے برابر ہے بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی کا ثواب مسجد اقصیٰ سے زائد ہے، لیکن اس حدیث میں دونوں کا ثواب پچاس ہزار آیا ہے۔ اس لئے علماء نے ان روایات کی وجہ سے اس حدیث میں یہ توجیہ فرمائی ہے کہ یہاں ہر مسجد کا ثواب اس سے پہلے مسجد کے اعتبار سے ہے۔ یعنی جامع مسجد کا ثواب مسجد قبیلہ کے ثواب سے پانچ سو مرتبہ زائد ہے اس صورت میں جامع مسجد کا ثواب بارہ ہزار پانچ سو (۱۲۵۰۰) ہوگیا اور مسجد اقصیٰ کا ثواب ۶۲ کروڑ ۵۰ لاکھ (۶۲۵۰۰۰۰۰۰) ہوگیا اور مسجد مدینہ کا تین نیل بارہ کھرب پچاس ارب (۳۱۲۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰) ہوا اور مسجد حرام کا اکتیس سنگھ پچیس پدم (۳۱۲۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) ہوا۔ اس صورت میں مسجد مدینہ کا ثواب مسجد اقصیٰ سے بہت زیادہ ہوگیا۔ لیکن عام روایات میں مسجد حرام کا ثواب جو ایک لاکھ ہے اس سے بہت زائد ہوگیا اور بہتر ہے کہ جب مسجد شریف میں داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے۔ اوّل تو ہر مسجد کا یہی حکم ہے کہ جب نماز کے واسطے کسی مسجد میں بھی داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے تاکہ اتنی دیر اعتکاف کا ثواب مُستقل ہوتا ہے اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں تو خاص طور سے اس کا خیال رکھے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ یہ بہت اہم چیز ہے اس کا بہت اہتمام چاہیئے۔

ع: دِرَم چاندی کے ایک سکہ کا نام ہے جس کا وزن ساڑھے تین ماشہ ہے۔ چاندی کے نرخ بڑھنے سے دِرَم کی قیمت بھی بڑھ گئی ہے۔

(۷) عَنْ عُمَرَ رض قَالَ لَاَنْ اُخْطِئَ سَبْعِيْنَ خَطِيْئَةً بِرُكْبَةٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُخْطِئَ خَطِيْئَةً وَّاحِدَةً بِمَكَّةَ۔ كذا فى الكنز۔ عن الازرقى۔

"حضرت عمر رض کا ارشاد ہے کہ مَیں مکہ میں ایک خطا کروں اس سے بہت زیادہ پسند ہے کہ (مکہ سے باہر) رُکبیہ میں ستر خطائیں کروں۔"

ف: جیسا کہ مکہ مکرمہ میں نیکیوں کا ثواب بہت زیادہ ہے ایسے ہی وہاں گناہ کا وبال بھی سخت ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رض فرماتے ہیں کہ مکہ سے باہر ستر لغزشیں مکہ کی ایک لغزش سے بہتر ہے۔ حضرت ابنِ عباس رض کا بھی یہ ارشاد تیسری فصل کی پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکا ہے۔ اور حضرت عمر رض سے بھی مضمون اس کے ہم معنی ذکر کئے گئے۔ اسی وجہ سے بعض اکابر مکہ مکرمہ میں قیام کو پسند نہ کرتے تھے کہ اس کے ادب و احترام کا حق ادا کرنا مشکل ہے۔

امام غزالی رح نے لکھا ہے کہ وہاں خطاؤں کا ارتکاب سخت ممنوع ہے اور قریب ہے، کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے غصہ کا موجب بن جائے (اتحاف)۔

وہیب بن الورد ایک بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ مَیں ایک دن حطیم میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مَیں نے کعبہ کے پردوں کے اندر سے یہ آواز سُنی کہ مَیں اوّلاً اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے شکایت کرتا ہوں اور اس کے بعد اے جبرئیل تم سے شکایت کرتا ہوں لوگوں کی کہ وہ میرے گرد ہنسی مذاق اور لغو باتوں میں مشغول رہتے ہیں، اگر یہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو مَیں ایسا پھٹوں گا کہ ہر ہر پتھر میرا جدا جدا ہو جائیگا (احیاء)

حضرت عمر رض نے ایک مرتبہ قریش کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم سے پہلے قبیلہ عمالقہ اس گھر کا متولی اور منتظم ہوا تھا۔ اُن لوگوں نے اس کے احترام میں تساہل کیا اور تعظیم کا حق ادا نہ کیا تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے انکو ہلاک کر دیا۔ اسکے بعد قبیلہ بنو جرہم اسکے متولی بنے اور جب ان لوگوں نے اسکی بیحرمتی کی تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے ان کو بھی ہلاک کر دیا۔ لہٰذا تم لوگ بہت زیادہ اسکی تعظیم کیا کرو۔ اسمیں سُستی نہ کرو (دُرِّ منثور)

موسیٰ بن محمد رح کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عجمی شخص طواف کر رہا تھا۔ نیک دیندار آدمی تھا، طواف کرتے ہوئے ایک خوبصورت عورت کے پازیب کی آواز جو طواف کر رہی تھی اس کے کان میں پڑی۔ یہ شخص اس عورت کو گھورنے لگا۔ رُکن یمانی سے ایک ہاتھ نکلا اور اس زور سے اس کے تھپڑ مارا کہ آنکھ نکل گئی اور بیت اللہ شریف کی دیوار سے ایک آواز آئی کہ ہمارے گھر کا طواف کرتا ہے اور ہمارے غیر کو دیکھتا ہے۔ یہ تھپڑ اس نظر کے بدلہ ہے اور اگر آئندہ کوئی اور حرکت کریگا تو ہم بھی زیادہ بدلہ دیں گے (مسامرات)

(۸) عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كُنْتُ اُحِبُّ اَنْ اَدْخُلَ الْبَيْتَ وَاُصَلِّيَ فِيْهِ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِيْ فَاَدْخَلَنِيْ فِي الْحِجْرِ فَقَالَ صَلِّيْ فِي الْحِجْرِ اِذَا اَرَدْتِ دُخُوْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِّنَ الْبَيْتِ فَاِنَّ قَوْمَكِ اقْتَصَرُوْا حِيْنَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ فَاَخْرَجُوْهُ مِنَ الْبَيْتِ۔ رواہ ابوداؤد

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں کعبہ شریف کے اندر جاؤں اور اندر جا کر نماز پڑھوں۔ حضور ؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں داخل کر دیا اور فرمایا کہ جب تیرا کعبہ میں داخل ہونے کو دل چاہا کرے تو یہاں آکر نماز پڑھ لیا کر یہ کعبہ ہی کا ٹکڑا ہے، تیری قوم نے جب کعبہ کی تعمیر کی تو اس حصّہ کو (خرچ کی کمی کی وجہ سے) کعبہ سے باہر کر دیا تھا۔"

ف: کعبہ شریف کے اندر داخل ہونا مُستحب ہے، اور وہ بھی قبولیتِ دُعا کی خاص جگہ ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۵ کے ذیل میں گذرا لیکن رشوت دیکر اندر جانا جائز نہیں قریش نے جب بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا جیسا کہ کعبہ کی تعمیروں کے سلسلہ میں نمبر ۸ میں گذر چکا ہے تو اس کے اندر کی سطح کو بُلند کر دیا تھا اور دروازہ بہت بلند کر دیا تھا تاکہ بغیر سیڑھی لگائے آدمی اندر نہ جا سکے۔ اور یہ اپنے اختیار کی بات رہے کہ جس کو دل چاہے داخل ہونے دیں جس کو چاہے نہ داخل ہونے دیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنّا اور خواہش تھی کہ کعبہ کی تعمیر کو سابقہ طرز کے مُوافق کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور ؐ نے حضرت عائشہ رض سے فرمایا کہ عرب نو مسلم ہیں یعنی مبادا کعبہ کے گرانے سے اُن کے جذبات میں اشتعال پیدا ہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کرتا اور حطیم کا حصّہ اندر داخل کر دیتا۔ اور اس کے دو دروازے کر دیتا۔ کہ ایک سے لوگ داخل ہوں اور دوسرے سے باہر نکلیں اور دروازہ کو زمین سے ملا دیتا۔ تیری قوم نے اس لئے اس کے دروازہ کو بلند کیا تاکہ جس کو وہ پسند کریں وہ داخل ہو سکے، دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ حضرت عائشہ رض سے حضور ؐ نے فرمایا کہ بیت اللہ کے بارے میں تیری قوم نے کوتاہی کی اگر وہ کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتے تو میں اس حصّہ کو جس کو انہوں نے باہر نکال دیا بیت اللہ کے اندر داخل کر دیتا اگر میرے بعد کعبہ کے بنانے کی نوبت آئی تو آ میں تجھے دکھا دوں کہ وہ کتنا حصّہ ہے جس کو انہوں نے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد حضور ؐ نے تقریباً سات ہاتھ کے بقدر حصّہ دکھایا۔ یہ اور اس قسم کی دوسری روایات کی بناء پر جب حضرت عبداللہ بن زبیر رض نے اپنے زمانہ میں کعبہ شریف کو بنایا تو حضور ؐ کی خواہش کے مُوافق اس کی تعمیر میں

اصلاحات کر دی اور حطیم کے حصّہ کو اندر داخل کر دیا لیکن اسکے بعد عبد الملک کے زمانہ میں حجاج نے پھر اس کو ویسے ہی کر دیا جیسا کہ حضورؐ کے زمانہ میں تھا اس کی نیت تو جو بھی چاہے ہو لیکن یہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا انعام ہوا کہ یہ حصّہ تعمیر سے باہر ہو گیا جسکی وجہ سے اب کعبہ شریف کے اندر داخل ہونا ہر شخص کے لیے آسان ہو گیا کہ اس حصّہ پر نہ تعمیر ہے نہ رشوت کی ضرورت ہے، جس کا جب دل چاہے وہاں جا کر نماز پڑھے، دعا مانگے کہ یہ کعبہ کے اندر کے حصّے کے حکم میں ہے، اسی لئے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عائشہ رضؓ سے جب انہوں نے اندر داخلی کی تمنا کی تو فرمایا کہ یہاں کھڑی ہو کر نماز پڑھ لے۔ عورتوں کے لئے بالخصوص اندر جانے میں بہت سی مشکلات ہیں۔ ان کے لئے یہ حصّہ خاص طور سے غنیمت اور اللہ کا احسان ہے۔

کعبہ کے اندر داخل ہونا بھی اگرچہ مستحب ہے، اور بہتر ہے لیکن اس کے آداب اور بھی زیادہ ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص داخل ہو تو نہایت وقار عظمت سے داخل ہو اور بہتر یہ ہے کہ موزے پہن کر داخل نہ ہو بلکہ ان کو نکال دے اور داخلی سے پہلے غسل کرے اور نہایت خشوع خضوع کیساتھ روتا ہوا داخل ہو۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ پاؤں اس قابل بھی نہیں کہ میرے رب کے گھر کے چاروں طرف پھر یں تو میں ان کو اس قابل کہاں سمجھتا ہوں کہ اس پاک گھر کے اندر ان کو داخل کروں مجھے ان کا حال معلوم ہے کہ یہ کہاں کہاں چلے پھرے ہیں اور کس کس بُرے ارادہ سے چلے ہیں۔ (اتحاف) ؎

کعبہ کس مُنہ سے جاؤ گے غالبؔ ؛ شرم تم کو مگر نہیں آتی

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد ؛ کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

بطوافِ کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند ؛ کہ برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

کہتے ہیں کہ میں نے جب زمین پر سجدہ کیا تو زمین سے یہ آواز آئی کہ تو نے اس ریا کے سجدہ سے مجھے کیوں خراب کیا اور جب میں کعبہ کو گیا تو مجھے اندر داخل نہ ہونے دیا اور یہ آواز آئی کہ دروازہ سے باہر کیا گل کھلائے جو اندر آنے کی اُمنگ پیدا ہوئی۔

علماء نے لکھا ہے کہ کعبہ شریف میں داخل ہونے والے کو دو چیز سے خصوصیت سے بچنا چاہیئے جس کو گمراہ لوگوں نے گھڑ رکھا ہے ایک دروازہ کے سامنے بالمقابل دیوار میں گڑھا ہے جس کو جاہل لوگ عُروۃُ الوُثقیٰ کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو اس کو پکڑ لے اس نے عُروۃُ الوُثقیٰ کو پکڑ لیا یہ محض جہالت ہے، دوسرے کعبہ شریف کے درمیان میں ایک میخ ہے جس کو احمق سُرۃُ الدُّنیا دُنیا کی ناف کہتے ہیں اور اپنی ناف کو

اس پر رگڑتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں محض لغو اور حماقت ہیں ان کی کوئی اصل نہیں (مناسک نووی واتحاف)

(۹) عَنْ جَابِرٍ رضؓ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهٗ۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے وہی فائدہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔"

رواه ابن ماجة وبسط صاحب الاتحاف فی تخریجه وقال شيخنا الشاه عبد الغنی هذا الحديث مشهور على الالسنة كثيرا واختلف الحفاظ فيه فمنهم من صححه ومنهم من حسّنه ومنهم من ضعّفه والمعتمد الاوّل اه وقال ابن حجر فی شرح مناسك النووی وقد كثر كلام المحدثين فی هذا الحديث والذی استقر عليه امر محققيهم انه حسن او صحيح وقول الذهبی انه باطل وابن الجوزی انه موضوع مردود اه

ف :۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اگر تو اس کو پیاس بجھانے کے واسطے پیئے تو اس کا کام دے اور اگر کھانے کی جگہ پیٹ بھرنے کے لئے پیئے تو اس کا کام دے، اور اگر کسی مرض سے صحت کی نیت سے پیئے تو اس کا کام دے۔ یہ حضرت جبرئیلؑ کی خدمت ہے اور حضرت اسمٰعیلؑ کی سبیل ہے (اتحاف) حضرت جبرئیل علیہ السلام کی خدمت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سعی سے یہ چشمہ زمین سے ابلا تھا جس کا قصہ مشہور و معروف ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحؒ جو مشہور محدث ہیں ان کے پاس ایک شخص آئے اور آکر عرض کیا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ زمزم کا پانی جس کام کے لئے پیا جائے اسی کام کے لئے ہے کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ انہوں نے کہا صحیح ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس لئے پیا تاکہ آپ دو سو حدیثیں مجھے سنائیں۔ انہوں نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور دو سو حدیثیں ان کو سنادیں (ابن عیینہ رحؒ نے) یہ بھی کہا کہ حضرت عمرؓ نے زمزم کا پانی پیتے ہوئے کہا یا اللہ میں قیامت کے دن کی پیاس بجھانے کیلئے پیتا ہوں (کنز اتحاف)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں زمزم کا پانی خوب پیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ خود ڈول بھر کر پیوں۔ مگر پھر سب لوگ خود بھرنے لگیں گے اس لئے نہیں بھرتا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضورؐ نے خود بھرا ممکن ہے کہ کسی وقت خود بھرا ہو اور دوسرے وقت مجمع کی وجہ سے یہ عذر فرما دیا ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے حضرت عباسؓ سے زمزم کا پانی طلب کیا۔ اور انہوں نے عرض کیا کہ اس پانی میں (جو کوئی حوض کی قسم سے پانی کے مجتمع ہونے

کی جگہ تھی) سب لوگ ہاتھ ڈال دیتے ہیں، گھر میں صاف پانی رکھا ہوا ہے اس میں سے لاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں، جس میں سے سب پیتے ہیں اسی میں سے پلاؤ۔ انہوں نے پیش کیا، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پیا اور آنکھوں پر ڈالا، پھر دوبارہ لیکر پیا اور اپنے اوپر دوبارہ ڈالا (کنز) ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ ہم میں اور منافقین میں یہ فرق ہے کہ وہ زمزم کے پانی کو خوب سیراب ہو کر نہیں پیتے (معمولی سا پیتے ہیں) ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ ڈول بھرنے کا حکم فرمایا۔ ڈول بھر کر کنویں کے کنارہ پر رکھا گیا۔ حضورؐ نے اس ڈول کو ہاتھ سے پکڑ کر بِسْمِ اللہ کہہ کر دیر تک پیا۔ پھر فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اس کے بعد پھر بسم اللہ کہہ کر دیر تک پیا۔ پھر فرمایا الحمد للہ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ہم میں اور منافقوں میں یہی فرق ہے کہ وہ خوب سیراب ہو کر اس کو نہیں پیتے۔ ایک حدیث میں آیا حضورؐ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے مُصلّے پر نماز پڑھا کرو اور نیک لوگوں کے پانی سے پانی پیا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نیک لوگوں کا مُصلّے کیا چیز ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ میزابِ رحمت کے نیچے۔ پھر صحابہؓ نے عرض کیا کہ نیک لوگوں کا پانی کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا زمزم[ا]

اُمِّ مَعبدؓ کہتی ہیں کہ میرے خیمہ کے پاس کو ایک غلام گذرے جن کے ساتھ دو مشکیزے پانی کے تھے، میں نے پوچھا یہ مشکیزے کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا والا نامہ میرے سردار کے پاس پہنچا کہ حضورؐ کی خدمت میں زمزم کا پانی بھیجا جائے۔ میں بہت عجلت سے لیجانا چاہتا ہوں، تاکہ راستہ میں خشک نہ ہو جائے (کنز)

حضرت عائشہؓ زمزم کا پانی اپنے ساتھ لیجاتی تھیں، اور یہ نقل کرتی ہیں کہ حضورؐ بھی لیجایا کرتے تھے ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ ساتھ لیجایا کرتے تھے اور بیماروں پر چھڑکتے تھے۔ اور حضرت حسن حسین رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کی تحنیک کے وقت ان کو دیا تھا (شرح لباب) بچہ کے پیدا ہونے کے بعد سب سے پہلے اس کے منہ میں کچھ ڈالنے کو تحنیک کہتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ شبِ معراج میں حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلام آسمان سے براق لائے اور جنت سے سونے کا طشت لائے لیکن قلبِ اطہر کو دھونے کے لئے بجائے جنت کے پانی کے زمزم کا پانی استعمال کیا گیا۔ حالاں کہ حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلام جب بہت سی چیزیں وہاں سے لائے تو جنت کا پانی لانے میں کیا اشکال تھا۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب زمزم کا پانی پیتے تو یہ دعاء پڑھتے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَّاسِعًا ——

ا۔ اتحاف

وَشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ (اتحاف) اے اللہ میں تجھ سے ایسا علم مانگتا ہوں جو نفع دینے والا ہو اور وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفا چاہتا ہوں۔

(۱۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَّةَ مَا اَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَّ اَحَبَّكِ اِلَيَّ وَلَوْلَا اَنَّ قَوْمِيْ اَخْرَجُوْنِيْ مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ۔ رواه الترمذی وقال حدیث حسن غریب اسنادًا کذا فی المشکوٰۃ وفی الاخرٰی له وَاللّٰهِ اِنَّكِ لَخَيْرُ اَرْضِ اللّٰهِ وَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ الحدیث۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تو کتنا بہتر شہر ہے اور مجھ کو کتنا زیادہ محبوب ہے۔ اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو تیرے سوا کسی دوسری جگہ قیام نہ کرتا۔

ف: اس حدیث کی وجہ سے نیز ان احادیث کی وجہ سے جن میں مکہ کی ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ آیا ہے۔ ایک بڑی جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سارے شہروں سے افضل ہے اور وہاں قیام کرنا مستحب اور افضل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب ایک ایک نماز ایک لاکھ کی شمار ہوتی ہو تو پھر کون ہے جس کو یہ مرغوب نہ ہو لیکن اس کے باوجود بڑے اکابر وہاں کے قیام کو پسند نہ فرماتے تھے۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کا قیام صاحبینؒ کے نزدیک مستحب ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہی بعض شافعیہ اور بعض حنابلہ کا مختار ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ وہاں کے مستقل قیام کو مکروہ فرماتے تھے، اور ایک بڑی جماعت کا محتاط لوگوں میں سے یہی مذہب ہے، مبادا وہاں رہ کر آدمی کو وہاں سے کوئی گرانی اور ملال پیدا ہو، یا اس کے احترام میں کسی قسم کی کمی ہو جائے، یا وہاں رہ کر آدمی سے کسی قسم کا گناہ صادر ہو جائے کہ جیسا وہاں نیکیوں کا ثواب کہیں زیادہ ہے ایسے ہی وہاں رہ کر گناہ کرنے کا وبال بھی بہت زیادہ سخت ہے۔ لیکن اللہ کے وہ مخلص بندے جو گناہوں سے محترز ہوں ان کے لئے افضلیت میں کیا کلام ہے لیکن وہ اتنی قلیل مقدار ہے کہ ان پر حکم لگانا بھی ایسا ہے جیسا عام مخلوق میں بادشاہ لیکن پارسائی کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کا اعتبار نہیں کہ ویسے تو ہر شخص اپنے کو یہی کہتا ہے کہ میں وہاں رہنے کے شرائط پورے کر سکتا ہوں، دعویٰ بہت سہل ہے ؎

بہت مشکل ہے بچنا بادہ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظمؒ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے حالات کے لحاظ سے کراہت اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اگر وہ ان حالات کو دیکھتے جن کو ہم اپنے زمانہ میں دیکھ رہے ہیں تو وہ وہاں کے قیام کے حرام ہونے کا فتویٰ دیتے۔ یہ مُلّا علی قاریؒ مشاہیر علماء میں ہیں ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی ہے۔ جب یہ اپنے زمانہ کا یہ حال فرما رہے ہیں تو آج چودھویں صدی کے آخر کا جو حال ہوگا وہ اُظہر من الشمس ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جن محتاط علماء نے مکہ کے قیام کو مکروہ بتایا ہے اس کی تین وجہ ہیں۔ اوّل یہ کہ ایسا نہ ہو کہ وہاں کے قیام سے وہ ذوق شوق اور تڑپ بیقراری جو کعبہ شریف کے ساتھ ہونا چاہیئے وہ کم ہو جاتے، دوسرے یہ کہ اس سے روانگی کے وقت جو فراق کی تڑپ اور دوبارہ لوٹنے کا جذبہ پیدا ہوگا وہ وہاں رہنے میں حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لئے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ تو کسی دوسرے شہر میں رہے اور تیرا دل مکہ مکرمہ میں اٹکا رہے یہ بہتر ہے اس سے کہ تو مکہ میں رہے اور تیرے دل میں کسی دوسری جگہ کا داعیہ پیش آئے۔ اور بعض بزرگوں سے نقل کیا گیا کہ بہت سے لوگ خراسان میں رہنے والے مکہ سے تعلق کے اعتبار سے بعض ان لوگوں سے قریب ہیں جو طواف کر رہے ہوں، بلکہ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ خود کعبہ ان کی زیارت کو جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مبادا وہاں رہ کر کوئی گناہ صادر ہو جائے کہ یہ سخت خطرناک ہے۔ اور اللہ جلّ شانہٗ کے غصہ کا موجب ہے۔ فقط

ویسے تو مکہ مکرمہ سارا ہی بابرکت ہے، اس کی ہر جگہ، ہر در و دیوار، ہر پتھر اور ریت کا ذرہ بابرکت ہے لیکن چند مقامات اور بھی زیادہ خصوصیت رکھتے ہیں جن میں سے بعض اس فصل میں گذر چکے ہیں مستقل احادیث ان کے فضائل میں لکھی جا چکی ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت خدیجہؓ کا دولتکدہ جہاں حضرت فاطمۃ الزہراؓ پیدا ہوئیں اور حضرت ابراہیمؓ کے علاوہ سب اولاد یہیں پیدا ہوئی۔ ہجرت تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اسی مکان میں رہا۔ علماء نے لکھا ہے کہ مسجد حرام کے بعد مکہ کے تمام مکانات میں یہ مکان افضل ہے، دوسرے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ جو مولد نبیؐ کے نام سے مشہور ہے۔ تیسرے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا مکان جو زقاق صواغین (زرگروں کی گلی) میں ہے اس کو دار الہجرت بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ہجرت کی ابتداء اسی مکان سے ہوئی، ہجرت سے قبل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ یہاں تشریف لایا کرتے تھے، وہاں دو پتھر تھے ایک کا نام متکلم ہے، اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تھا۔ دوسرا متکا جس پر حضورؐ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ مولد علیؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیدائش کی جگہ۔ دار ارقم جو

دار خیزران سے مشہور ہے، صفا پہاڑ کے قریب ہے، اس میں حضرت عمرؓ اسلام لاتے تھے اور چالیس کا عدد آپ کے ایمان لانے پر پورا ہوا تھا۔ اور قرآن پاک کی آیت یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (انفال ۵) اس پر نازل ہوئی تھی۔ اسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء اسلام میں مخفی رہا کرتے تھے۔ جبلِ[۶] ثور کا غار جس میں ہجرت کے وقت حضور اقدس اور حضرت ابوبکر صدیقؓ پوشیدہ ہوئے تھے۔ قرآن پاک میں ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ میں اسی غار کا ذکر ہے۔ جبلِ حرا[۷] کا غار جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے کئی کئی دن تک عبادت کیا کرتے۔ اور تنہائی اختیار فرمایا کرتے تھے۔ اور اسی میں سب سے پہلے آپ پر اقرأ نازل ہوئی۔ مسجد الرایۃ[۸] مکہ میں معلّیٰ کی طرف ہے، حضورؐ نے اس میں نماز پڑھی ہے۔ مسجد الجن[۹] جس جگہ جنات کا اجتماع ہوا اور حضور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ساتھ اس جگہ تشریف لے گئے اور حضرت ابن مسعودؓ کو ایک جگہ بٹھاکر خود آگے تشریف لے گئے اور جنات کو تعلیم فرمائی، قرآن پاک سنایا۔ مسجد الشجرہ[۱۰] جو مسجد جن کے مقابل ہے۔ اس جگہ ایک درخت تھا جسکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، وہ زمین کو چیرتا ہوا حاضر خدمت ہو گیا پھر حضورؐ نے فرمایا کہ واپس چلے جاؤ وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ مسجد الغنم[۱۱] جس کو مسجد الاجابہ بھی کہتے ہیں اس جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ میں بیعت لی تھی۔ مسجد اجیاد[۱۲] و مسجد جبل ابو قبیس[۱۳] جو حرم شریف سے نظر آتی ہے لیکن اس جگہ بکری کی سری کھانے کے متعلق جو روایت مشہور ہے وہ غلط ہے۔ مسجد ذی[۱۴] طویٰ جو تنعیم کے راستہ میں ہے حضورؐ کی جب عمرہ یا حج کے لئے تشریف آوری ہوئی تو اس جگہ قیام فرمایا۔ مسجد[۱۵] عائشہؓ تنعیم پر جہاں عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے۔ مسجد العقبۃ[۱۶] منیٰ کے قریب جہاں انصار نے ہجرت سے قبل بیعت کی تھی۔ یہ مسجد مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر راستہ سے علیحدہ کو ہے۔ مسجد الجعرانہ[۱۷] جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد جب طائف سے لوٹ رہے تھے احرام باندھا تھا۔ مسجد الکبش[۱۸] جس کو منحر ابراہیم بھی کہتے ہیں۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کیا تھا۔ مسجد الخیف[۱۹] منیٰ میں مشہور مسجد ہے جس میں کہتے ہیں کہ ستر نبی وہاں مدفون ہیں۔ غار مرسلات[۲۰] جو مسجد خیف کے قریب ہے، سورۃ والمرسلات وہاں نازل ہوئی۔ جنت المعلیٰ[۲۱] مکہ مکرمہ کا مقبرہ جہاں حضرت خدیجہؓ کی قبر ہے اور احادیث میں اس مقبرہ کی فضیلت بھی آئی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے متبرک مقامات ہیں، اور مکہ مکرمہ میں کون سی جگہ ایسی ہوگی

جہاں حضورِ اقدس ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قدمِ مبارک نہ پڑے ہوں، لیکن مُلا علی قاریؒ نے اِن مواضع کو خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

ساتویں فصل عمرہ کے بیان میں

جیساکہ نمازمیں کچھ تو فرض نمازیں ہیں جو پانچ مخصوص اوقات میں فرض کی گئیں اور کچھ نوافل ہیں۔ جو جاں نثار، قدر دانوں کے لئے اس لئے مشروع کی گئیں کہ جب ان کا دربار کی حاضری کو دِل چاہے حاضر ہو جائیں۔ اسی طرح سے بیت اللہ شریف کی زیارت میں ایک تو حج فرض ہے جو مخصوص وقت میں ہوتا ہے۔ دوسرا عمرہ ہے جو سال بھر میں بجز پانچ دن کے یعنی نویں ذی الحجہ سے ۱۳ تک تو عُمرہ کرنا مکروہ ہے کہ یہ حج کا مخصوص وقت ہے۔ اس کے عِلاوہ جس دن جتنے دِل چاہے عُمرے کرے یہ بھی اللہ کا فضلِ عظیم ہے کہ مشتاق لوگوں کی حاضری کے واسطے ہر وقت حاضری کی اجازت فرمادی۔ عمرہ اگرچہ امام اَبُوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک سُنّت ہے لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک واجب ہے۔ اس لئے کم ازکم ایک عمرہ آدمی کو ضرور کرلینا چاہیئے کہ دو اماموں کے نزدیک یہ مستقل واجب ہے۔ اور حَنَفِیہ کے نزدیک بھی ایک عمرہ کم ازکم کرنا سُنّتِ مؤکدہ ہے مشہور قول کے موافق، ورنہ بعض عُلمائے حَنفیہ نے اس کو واجب کہا ہے اور بعض نے فرضِ کِفایہ۔ اس لئے ایک عُمرہ تو جو شخص جانے کی طاقت رکھتا ہو یا وہاں پہنچ جائے وہ ضرور ہی کرلے قرآن پاک میں بھی اس کا حکم فرمایا ہے۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط (سورۃ بقرہ - ۲۴) اور پورا پورا اداکیاکرو حج اور عمرہ کو خالص اللہ جَلّ شَانُہٗ کے واسطے۔"

ف:- ایک حدیث میں آیا ہے کہ حج اور عمرہ کا پورا پورا اداکرنا یہ ہے کہ اپنے گھر سے حج کا یا عمرہ کا اِحرام باندھ کر چلے (درمنثور) اپنے گھر سے اِحرام باندھ کر چلنا افضل ہے مُتعدِد رِوایات میں اسکی فضیلت آئی ہے، لیکن چونکہ اِحرام میں بہت سی چیزوں کی اِحتیاط ضروری ہے اور زیادہ دن تک اِحرام باندھنے میں بسا اوقات ایسی چیزیں صادر ہو جاتی ہیں جو اِحرام کے مُنافی ہیں اس لئے علماء اِحتیاطاً اس میں بتاتے ہیں کہ میقات ہی سے اِحرام باندھا جائے کہ گناہ سے بچنا فضیلت حاصل کرنے سے زیادہ اَہم اور مُقدّم ہے۔

احادیث میں بھی عُمرہ کے فضائل بہت سی رِوایات میں آئے ہیں۔ ان میں سے بعض پہلی

فصل میں حج کے ساتھ گذر چکے ہیں، جیسا کہ حدیث نمبر ۱۱، ۱۴، ۱۵ میں گذرا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد حج تو ایک ہی مرتبہ کیا ہے، لیکن عمرے چار کیے جن میں سے ایک پورا نہ ہو سکا کہ مشرکین نے مکہ میں داخل نہ ہونے دیا اور اس پر فیصلہ ہوا کہ اس سال نہ کریں دوسرے سال آکر کرلیں اور تین عمرے پورے کیے۔

(۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ رضـ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ حَجَّۃٌ مَّبْرُوْرَۃٌ اَوْ عُمْرَۃٌ مَّبْرُوْرَۃٌ۔ اخرجه احمد و الطبرانی کذا فی الدر۔

"حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ افضل ترین عمل نیکی والا حج یا نیکی والا عمرہ ہے۔"

ف: پہلی فصل کی حدیث نمبر ۲ میں نیکی والے حج کا بیان گذر چکا ہے وہی مطلب نیکی والے عمرہ کا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عمرہ چھوٹا حج ہے (درِ منثور) یعنی جو برکات و ثمرات اور فضائل حج کے ہیں وہی سب کچھ کمی کے ساتھ عمرہ کے ہیں۔

(۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضـ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَۃُ اِلَی الْعُمْرَۃِ کَفَّارَۃٌ لِّمَا بَیْنَھُمَا۔ متفق علیه کذا فی المشکوٰۃ۔

"حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی حصہ کے لئے کفارہ ہے۔"

ف: یعنی ایک عمرہ کرنے کے بعد دوسرے عمرہ تک کے درمیان میں جس قدر لغزشیں ہوئی ہوں گی وہ معاف ہو جائیں گی۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کفارہ ہے درمیان کے گناہوں کا اور خطاؤں کا (کنز) اور بھی متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضـ قَالَ جَآءَتْ اُمُّ سُلَیْمٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ حَجَّ اَبُوْ طَلْحَۃَ وَ ابْنُہٗ وَتَرَکَانِیْ فَقَالَ یَا اُمَّ سُلَیْمٍ عُمْرَۃٌ فِیْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّۃً مَّعِیْ۔ رواہ ابن حبان فی صحیحه کذا فی الترغیب

"حضرت امِ سلیم رضـ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ (میرے خاوند) ابو طلحہ رضـ اور ان کے بیٹے تو حج کو چلے گئے اور مجھے چھوڑ گئے۔ حضور نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔"

ف: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر فضیلت رکھتا ہے" مختلف احادیث میں وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضور حج کو تشریف

لے جانے لگے تو ایک صحابی عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ مجھے بھی حضورؐ کے ساتھ حج کرا دو۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں۔ بیوی نے کہا کہ تمہارا فلاں اونٹ ہے۔ خاوند نے فرمایا کہ وہ تو میں اللہ کے راستہ میں وقف کر چکا ہوں مجبوراً وہ بیچاری رہ گئیں۔ جب حضورؐ حج سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تو خاوند نے یہ قصہ حضورؐ سے عرض کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ حج بھی تو اللہ ہی کا راستہ تھا۔ اگر اس اونٹ پر حج کرا دیتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ پھر خاوند نے عرض کیا کہ حضور میری اہلیہ نے سلام عرض کیا ہے اور یہ دریافت کیا ہے کہ آپؐ کے ساتھ حج نہ کرنے کی تلافی اب کیا ہو سکتی ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے ان کو سلام کہہ دینا اور یہ کہہ دینا کہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے (ابوداؤد)۔

اسی قسم کا قصہ حضرت اُمِ سنانؓ کے ساتھ بھی پیش آیا اور اُمِ معقلؓ کے ساتھ بھی، اُمِ طلیقؓ کے ساتھ بھی اور اُمِ ہیثمؓ کے ساتھ بھی۔ کہ یہ سب حج کا ارادہ فرماتی رہیں لیکن کسی نہ کسی عذر کی وجہ سے نہ جا سکیں، تو حضورؐ نے ہر ایک سے یہی ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کا عمرہ حج کے برابر ہے۔

حافظؒ نے فتح الباری میں ان کی روایات ذکر فرمائی ہیں کہ عمرہ کا حج کے برابر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس عمرہ سے حج فرض پورا ہو جائے گا۔ یہ اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی کو بھی خلاف نہیں، کہ حج فرض اس سے ادا نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ عمرہ کے ساتھ رمضان المبارک کی فضیلت مل جانے کی وجہ سے حج کے ثواب کے برابر ہو جاتا ہے۔ ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ بسا اوقات وقت کی فضیلت کی وجہ سے عمل کا ثواب بڑھ جاتا ہے جیسا کہ خلوصِ نیت اور اخلاص کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے۔ (فتح الباری)

(۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ۔ رواہ ابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ۔

(۴) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ جل شانہٗ کا وفد ہیں اگر وہ لوگ دعاء مانگیں تو اللہ جل شانہٗ ان کی دعاء قبول کرتا ہے اور اگر وہ مغفرت چاہیں تو ان کے گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

ف: جیسا کہ بہت سے آدمی ایک جماعت بنا کر بطور وفد کے کہیں سرکاروں، درباروں میں جاتے ہیں ایسے ہی یہ لوگ گویا وفد کے طور پر حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور جیسا کہ وفود کا اکرام و اعزاز ہوتا ہے ایسے ہی ان کا بھی اللہ جل شانہٗ کے یہاں اکرام ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں

آیا ہے کہ اللہ کا وفد تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک مجاہد دوسرے حاجی تیسرے عمرہ کرنے والے (مشکوٰۃ) ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ جل شانہ کا وفد ہیں جب دُعا کرتے ہیں قبول ہوتی ہے۔ اور اللہ سے جو مانگتے ہیں ان کا سُوال پورا کیا جاتا ہے (ترغیب عن جابرؓ) ایک اور حدیث میں ہے کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہیں جو مانگتے ہیں وہ دیا جاتا ہے، جو دُعاء کرتے وہ قبول ہوتی ہے، جو خرچ کرتے ہیں اس کا بدل ان کو ملتا ہے۔ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب کسی اونچی جگہ پر کوئی شخص لبّیک کہتا ہے یا تکبیر کہتا ہے تو اس کے سامنے کا سارا حصّہ زمین کا دنیا کے ختم تک لبّیک اور تکبیر کہنے لگتا ہے (ترغیب)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہیں جو مانگتے ہیں وہ ان کو ملتا ہے۔ جو دُعا کرتے ہیں وہ قبول کی جاتی ہے جو خرچ کرتے ہیں اس کا بدل ان کو ملتا ہے اور ایک ایک درم کے بدلہ میں دس دس لاکھ درم دیئے جاتے ہیں۔ (ترغیب) ایک حدیث میں ہے کہ مکّہ کے رہنے والے اگر اس کو جان لیں کہ حاجیوں کا ان پر کتنا حق ہے تو ان کی آمد پر لوگ یہ جاکر ان کی سواریوں کو بوسہ دیں اس لئے کہ وہ لوگ اللہ کا وفد ہیں (دُر)

(۵) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ۔ رواه الترمذى و النسائى كذا فى المشكوٰة۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مُتابعت کرو، درمیان حج اور عمرہ کے کہ وہ دونوں مفلسی اور گناہوں کو ایسا دور کرتے ہیں جیسا آگ کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو دُور کر دیتی ہے۔

ف: مُتابعت کرنے کا مطلب بعض علماء نے لکھا ہے کہ قِران کرو جو حج کی تین قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک سب قسموں میں سب سے زیادہ افضل یہی صورت ہے اور محققین کے نزدیک حضورؐ کا احرام بھی اسی کا تھا۔ اس میں حج اور عمرہ کا دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا جاتا ہے۔ اور مُتابعت کرنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر پہلے حج کر لیا ہے تو بعد میں عمرہ کرے۔ اور پہلے عمرہ کیا ہے تو بعد میں حج کرے کہ یہ بھی مُتابعت ہو گئی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ کے درمیان متابعت عمر میں اضافہ کرتی ہے اور فقر اور گناہوں کو ایسا زائل کرتی ہے جیسا آگ کی بھٹی میل کو زائل کرتی ہے۔[۱] ایک حدیث میں ہے اَدِیْمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (الحدیث) حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہمیشہ کرتے رہو کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو ایسا زائل کرتے ہیں جیسا بھٹی لوہے کے زنگ کو (کنز) ایک اور حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ کی کثرت فقر کو روک دیتی ہے (کنز) ایک اور حدیث میں ہے کہ لگاتار حج کرنا اور لگاتار عمرہ کرنا فقر اور گناہوں کو ایسا دور کرتے ہیں جیسا کہ آگ لوہے کے میل کو (کنز) ایک اور حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ میں متابعت کرنا عمر کو بھی بڑھاتا ہے اور روزی کو بھی زیادہ کرتا ہے۔ (کنز) اور بھی بہت سی روایات میں یہ مضمون ذکر کیا گیا۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ عمرہ کثرت سے کرنا مستحب ہے۔ اور ابن حجر مکیؒ نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ کوئی مہینہ ایسا نہ جانا چاہیے جس میں بشرط قدرت کم از کم ایک عمرہ نہ کرے۔ اور دو تین کرے تو بہت بہتر ہے۔ (شرح مناسک)۔

(۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جِهَادُ الْكَبِيْرِ وَالضَّعِيْفِ وَالْمَرْاَةِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ۔ رواه النسائی باسناد حسن کذا فی الترغیب۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بوڑھے اور ضعیف لوگوں کا اور عورتوں کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔

ف: پہلی فصل کی گیارہویں حدیث کے ذیل میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے؟ حضورؐ نے فرمایا عورتوں پر ایسا جہاد ہے جس میں قتال نہیں اور وہ حج اور عمرہ ہے (ترغیب) ایک صحابی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں بہت کم ہمت ہوں دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضورؐ نے فرمایا میں تمہیں ایسا جہاد بتاؤں جس میں لڑائی نہ ہو۔ انہوں نے عرض کیا ارشاد فرمادیں۔ حضورؐ نے فرمایا حج اور عمرہ ہے (در)۔

(۷) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رضؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ غُفِرَ لَهٗ۔ رواه ابن ماجه

"حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بیت المقدس سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔"

[۱] ترغیب

تندرست ہوجاتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حجرِ اسود جنت کے پتھروں سے ایک پتھر ہے، اگر گناہوں کی نحوست جو فاجروں کے چھونے سے اس سے وابستہ ہوگئی نہ ہوتی تو جو اندھا کوڑھی یا کسی اور مرض کا بیمار اس کو چھوتا تو وہ تندرست ہوجاتا (اتحاف)

(۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضـ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وُکِّلَ بِهٖ سَبْعُوْنَ مَلَکًا یَعْنِی الرُّکْنَ الْیَمَانِیَ فَمَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالُوْا اٰمِیْنَ۔ رواه ابن ماجة كذا فى المشكوٰة

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رکنِ یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں جو شخص وہاں جاکر یہ دعاء پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ تو وہ فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں (ترجمہ دعاء) اے اللہ میں تجھ سے معافی کا طالب ہوں اور دونوں جہاں میں عافیت مانگتا ہوں اے اللہ تو دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور جہنم کے عذاب سے حفاظت فرما۔"

ف: رکنِ یمانی بھی بابرکت مقام ہے۔ حضرت ابنِ عمر رضـ فرماتے ہیں کہ ہم نے حجرِ اسود یا رکنِ یمانی کا استلام نرمی یا سختی میں نہیں چھوڑا جب سے ہم نے دیکھا کہ حضور ان کا استلام کیا کرتے تھے۔ رکنِ یمانی کا استلام یہ ہے کہ طواف کرتے ہوئے اس پر ہاتھوں کو پھیرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کا مس کرنا خطایا کو ساقط کرتا ہے (کنز) ایک حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رکنِ یمانی کو بھی بوسہ دیا (اتحاف)

اس جگہ اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کا استلام ایسی طرح ہونا چاہیے جس میں دوسروں کو اذیت نہ پہنچے کہ یہ فعل مستحب ہے اور مسلمان کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

(۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضـ یَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْمُلْتَزَمُ مَوْضِعٌ یُّسْتَجَابُ فِیْهِ الدُّعَاءُ مَا دَعَا اللّٰهَ فِیْهِ عَبْدٌ اِلَّا اسْتَجَابَهَا۔ كذا فى المسلسلات للشاه ولى الله الدهلوى وذكره الجزرى فى الحصن مجملاً۔

"حضرت ابن عباس رضـ حضور سے نقل کرتے ہیں کہ ملتزم ایسی جگہ ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے کسی بندہ نے وہاں ایسی دعا نہیں کی جو قبول نہ ہوئی ہو۔"

ف: مُلتَزَم حجرِ اَسوَد سے لیکر کعبہ شریف کے دروازہ تک کا حصّہ کہلاتا ہے غالباً اسی وجہ سے اس کا نام مُلتَزَم ہے کہ اس کے معنی چمٹنے کی جگہ کے ہیں۔

ابوداوُد میں حضرت ابنِ عبّاسؓ سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے اس جگہ کھڑے ہو کر اپنے سینہ اور چہرہ کو دیوار سے چمٹا دیا اور دونوں ہاتھوں کو دیوار پر پھیلا دیا اور یہ کہا کہ میں نے اس طرح حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو کرتے دیکھا۔ اس جگہ کے متعلق جو حدیث دُعاء کے قبول ہونے کی نقل کیجاتی ہے۔ میرے حضرت نَوَّرَ اللّٰہُ مَرقَدَہٗ سے لے کر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تک ہر اُستاذ حدیث سُناتے وقت اپنا ذاتی تجربہ یہ بتاتا ہے کہ میں نے اس جگہ دُعا کی اور وہ قبول ہوئی اور اس ناپاک کا بھی ذاتی تجربہ ہے۔

حسن بصریؒ نے جو خط مکّہ والوں کو لکھا ہے اسمیں تحریر فرمایا ہے کہ وہاں پندرہ جگہ دُعا قبول ہوتی ہے۔ طوافؔ کرتے وقت، مُلتَزَم پرؔ، میزابِ رحمتؔ کے پاس اور کعبہ شریفؔ کے اندر اور زمزمؔ کے کنویں کے پاس اور صفاؔ اور مروہؔ پر اور اُن کے درمیان دوڑتے ہوئےؔ اور مقام ابراہیمؔ کے پاس اور عرفاتؔ کے میدان میں، اور مُزدلفہؔ میں اور منیٰؔ میں اور تینوںؔ شیطانوں کے کنکریاں مارتے وقتؔ (حصن حصین)۔ اور دُرِّ منثور کی روایت میں لکھا ہے کہ مُلتَزَم اور میزابِ رحمت کے نیچے اور رکن یمانی کے پاس اور صفا اور مروہ پر اور ان کے درمیان اور حجرِ اَسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اور کعبہ شریف کے اندر اور منیٰ مُزدلفہ عرفات اور تینوں شیطانوں کے پاس ـــــ۔ ہمارے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرقَدَہٗ نے اپنی تفسیر میں اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ بعض علماء نے ان کے علاوہ مطاف یعنی طواف کرنے کی جگہ اور بیت اللہ شریف پر نظر پڑتے وقت، اور حطیم کو اور حجرِ اَسود اور رکن یمانی کے درمیانی حصّہ کو بھی خصوصیت سے دُعا کے مقبول ہونے کی جگہ بتایا ہے۔ بعض علماء سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ مُلتَزَم رُکن یمانی سے لے کر کعبہ کے غربی دروازہ تک کا حصّہ ہے۔ جو بندہ ہے یہ اگرچہ مشہور قول کے خلاف ہے، لیکن بعض اکابر کا قول تو ہے ہی (شرح لباب)

(۶) عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِيْ بَيْتِهٖ بِصَلٰوةٍ وَصَلٰوتُهٗ فِيْ مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ صَلٰوةً وَصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُجْمَعُ فِيْهِ بِخَمْسِمِائَةِ صَلٰوةٍ

"حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ آدمی اگر اپنے گھر پر نماز پڑھے تو صرف ایک نماز کا ثواب اس کو ملتا ہے اور محلّہ کی مسجد میں پچیس گنا ثواب ملتا ہے اور جامع مسجد میں پانچ سو گنا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور بیت المقدس کی

وَصَلٰوۃٌ فِی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ صَلٰوۃٍ وَّصَلٰوتُہٗ فِیْ مَسْجِدِیْ بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ صَلٰوۃٍ وَّفِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَۃِ اَلْفِ صَلٰوۃٍ، رواہ ابن ماجۃ کذا فی المشکوٰۃ۔

مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے، اور میری مسجد میں یعنی مدینہ پاک کی مسجد میں پچاس ہزار کا ثواب ہے، اور مکہ مکرمہ کی مسجد میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے۔

ف: متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ مکہ معظمہ کی مسجد میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے، حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مکہ میں ایک دن کا روزہ مکہ سے باہر ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے۔ وہاں ایک دِرہم (جو تقریباً چار آنے کا ہوتا ہے) باہر لاکھ دِرہم کے برابر ہے اور اسی طرح وہاں کی ہر نیکی باہر کی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔ (اتحاف)

تیسری فصل کی پہلی حدیث میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد گذر چکا ہے کہ حرم کی نیکی ایک لاکھ کے برابر ہے بہت سی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی کا ثواب مسجد اقصیٰ سے زائد ہے۔ لیکن اس حدیث میں دونوں کا ثواب پچاس ہزار آیا ہے۔ اس لئے علماء نے ان روایات کی وجہ سے اس حدیث میں یہ توجیہ فرمائی ہے کہ یہاں ہر مسجد کا ثواب اس سے پہلے مسجد کے اعتبار سے ہے۔ یعنی جامع مسجد کا ثواب مسجد قبیلہ کے ثواب سے پانچ سو مرتبہ زائد ہے اس صورت میں جامع مسجد کا ثواب بارہ ہزار پانچ سو (۱۲۵۰۰) ہوگیا اور مسجد اقصیٰ کا ثواب ۶۲ کروڑ ۵۰ لاکھ (۶۲۵۰۰۰۰۰۰) ہوگیا اور مسجد مدینہ کا تین نیل بارہ کھرب پچاس ارب (۳۱۲۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰) ہوا اور مسجد حرام کا اکتیس سنکھ پچیس پدم (۳۱۲۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) ہوا۔ اس صورت میں مسجد مدینہ کا ثواب مسجد اقصیٰ سے بہت زیادہ ہوگیا۔ لیکن عام روایات میں مسجد حرام کا ثواب جو ایک لاکھ ہے اس سے بہت زائد ہوگیا اور بہتر ہے کہ جب مسجد شریف میں داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کر لیا کرے۔ اوّل تو ہر مسجد کا یہی حکم ہے کہ جب نماز کے واسطے کسی مسجد میں بھی داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کر لیا کرے تاکہ اتنی دیر اعتکاف کا ثواب مستقل ہوتا ہے اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں تو خاص طور سے اس کا خیال رکھے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ یہ بہت اہم چیز ہے اس کا بہت اہتمام چاہیئے۔

ع: دِرہم چاندی کے ایک سکّہ کا نام ہے جس کا وزن ساڑھے تین ماشہ ہے۔ چاندی کے نرخ بڑھنے سے دِرہم کی قیمت بھی بڑھ گئی ہے۔

(۷) عَنْ عُمَرَ رضؓ قَالَ لَاَنْ اُخْطِئَ سَبْعِيْنَ خَطِيْئَۃً بِرُكْيَةٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُخْطِئَ خَطِيْئَۃً وَّاحِدَۃً بِمَكَّۃَ۔ کذا فی الکنز۔ عن الازرقی۔

"حضرت عمر رضؓ کا ارشاد ہے کہ میں مکہ میں ایک خطا کروں اس سے بہت زیادہ پسند ہے کہ (مکہ سے باہر) رُکیۃ میں ستر خطائیں کروں۔"

ف: جیسا کہ مکہ مکرمہ میں نیکیوں کا ثواب بہت زیادہ ہے ایسے ہی وہاں گناہ کا وبال بھی سخت ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مکہ سے باہر ستر لغزشیں مکہ کی ایک لغزش سے بہتر ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ کا بھی یہ ارشاد تیسری فصل کی پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکا ہے۔ اور حضرت عمرؓ سے بھی مضمون اس کے ہم معنی ذکر کیے گئے۔ اسی وجہ سے بعض اکابر مکہ مکرمہ میں قیام کو پسند نہ کرتے تھے کہ اس کے ادب واحترام کا حق ادا کرنا مشکل ہے۔

امام غزالی رحؒ نے لکھا ہے کہ وہاں خطاؤں کا ارتکاب سخت ممنوع ہے اور قریب ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کے غصہ کا موجب بن جائے (اتحاف)۔

وہیب بن الورؒد ایک بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حطیم میں نماز پڑھ رہا تھا کہ میں نے کعبہ کے پردوں کے اندر سے یہ آواز سنی کہ میں اوّلاً اللہ جلّ شانہٗ سے شکایت کرتا ہوں اور اس کے بعد اے جبرئیل تم سے شکایت کرتا ہوں لوگوں کی کہ وہ میرے گرد ہنسی مذاق اور لغو باتوں میں مشغول رہتے ہیں، اگر یہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو میں ایسا پھٹوں گا کہ ہر ہر پتھر میرا جدا جدا ہو جائیگا (احیاء)

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ قریش کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم سے پہلے قبیلہ عمالقہ اس گھر کا متولی اور منتظم ہوا تھا۔ اُن لوگوں نے اس کے احترام میں تساہل کیا اور تعظیم کا حق ادا نہ کیا تو اللہ جلّ شانہٗ نے انکو ہلاک کر دیا۔ اسکے بعد قبیلہ بنو جرہم اسکے متولی بنے اور جب ان لوگوں نے اسکی بےحرمتی کی تو اللہ جلّ شانہٗ نے ان کو بھی ہلاک کر دیا۔ لہٰذا تم لوگ بہت زیادہ اسکی تعظیم کیا کرو۔ اسمیں سستی نہ کرو (کنز)

موسیٰ بن محمدؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عجمی شخص طواف کر رہا تھا۔ نیک دیندار آدمی تھا، طواف کرتے ہوئے ایک خوبصورت عورت کے پازیب کی آواز جو طواف کر رہی تھی اس کے کان میں پڑی۔ یہ شخص اس عورت کو گھورنے لگا۔ رُکن یمانی سے ایک ہاتھ نکلا اور اس زور سے اس کے تھپڑ مارا کہ آنکھ نکل گئی اور بیت اللہ شریف کی دیوار سے ایک آواز آئی کہ ہمارے گھر کا طواف کرتا ہے اور ہمارے غیر کو دیکھتا ہے۔ یہ تھپڑ اس نظر کے بدلہ ہے اور اگر آئندہ کوئی اور حرکت کریگا تو ہم بھی زیادہ بدلہ دیں گے (مسامرات)

(۸) عَنْ عَائِشَةَ رضـ قَالَتْ كُنْتُ اُحِبُّ اَنْ اَدْخُلَ الْبَيْتَ وَاُصَلِّيَ فِيْهِ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِيْ فَاَدْخَلَنِيْ فِي الْحِجْرِ فَقَالَ صَلِّيْ فِي الْحِجْرِ اِذَا اَرَدْتِ دُخُوْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِّنَ الْبَيْتِ فَاِنَّ قَوْمَكِ اقْتَصَرُوْا حِيْنَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ فَاَخْرَجُوْهُ مِنَ الْبَيْتِ ۔ رواه ابوداؤد

حضرت عائشہ رضـ فرماتی ہیں کہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں کعبہ شریف کے اندر جاؤں اور اندر جا کر نماز پڑھوں حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں داخل کر دیا اور فرمایا کہ جب تیرا کعبہ میں داخل ہونے کو دل چاہا کرے تو یہاں آکر نماز پڑھ لیا کر یہ کعبہ ہی کا ٹکڑا ہے، تیری قوم نے جب کعبہ کی تعمیر کی تو اس حصہ کو خرچ کی کمی کی وجہ سے کعبہ سے باہر کر دیا تھا۔"

ف: کعبہ شریف کے اندر داخل ہونا مستحب ہے، اور وہ بھی قبولیتِ دعا کی خاص جگہ ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۵ کے ذیل میں گذرا لیکن رشوت دیکر اندر جانا جائز نہیں قریش نے جب بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا جیسا کہ کعبہ کی تعمیروں کے سلسلہ میں نمبر ۹ میں گذر چکا ہے تو اس کے اندر کی سطح کو بلند کر دیا تھا اور دروازہ بہت بلند کر دیا تھا تاکہ بغیر سیڑھی لگائے آدمی اندر نہ جا سکے۔ اور یہ اپنے اختیار کی بات رہے کہ جس کو دل چاہے داخل ہونے دیں جس کو چاہے نہ داخل ہونے دیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا اور خواہش تھی کہ کعبہ کی تعمیر کو سابقہ طرز کے موافق کر دیا جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے حضرت عائشہ رضـ سے فرمایا کہ عرب نو مسلم ہیں یعنی مبادا کعبہ کے گرانے سے ان کے جذبات میں اشتعال پیدا ہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کرتا اور حطیم کا حصہ اندر داخل کر دیتا۔ اور اس کے دو دروازے کر دیتا۔ کہ ایک سے لوگ داخل ہوں اور دوسرے سے باہر نکلیں اور دروازہ کو زمین سے ملا دیتا۔ تیری قوم نے اس لئے اس کے دروازہ کو بلند کیا تاکہ جس کو وہ پسند کریں وہ داخل ہو سکے، دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ حضرت عائشہ رضـ سے حضورؐ نے فرمایا کہ بیت اللہ کے بارے میں تیری قوم نے کوتاہی کی اگر وہ کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتے تو میں اس حصہ کو جس کو انہوں نے باہر نکال دیا بیت اللہ کے اندر داخل کر دیتا اگر میرے بعد کعبہ کے بنانے کی نوبت آئی تو آ میں تجھے دکھا دوں کہ وہ کتنا حصہ ہے جس کو انہوں نے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے تقریباً سات ہاتھ کے بقدر حصہ دکھایا۔ یہ اور اس قسم کی دوسری روایات کی بناء پر جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضـ نے اپنے زمانہ میں کعبہ شریف کو بنایا تو حضورؐ کی خواہش کے موافق اس کی تعمیر میں

اِصلاحات کر دی اور حطیم کے حصّہ کو اندر داخل کر دیا لیکن اسکے بعد عبدالملک کے زمانہ میں حجاج نے پھر اس کو ویسے ہی کر دیا جیسا کہ حضورؐ کے زمانہ میں تھا اس کی نیّت تو جو بھی چاہے ہو لیکن یہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کا انعام ہوا کہ یہ حصّہ تعمیر سے باہر ہو گیا جسکی وجہ سے اَب کعبہ شریف کے اندر داخل ہونا ہر شخص کے لیے آسان ہو گیا کہ اس حصّہ پر نہ تعمیر ہے نہ رشوت کی ضرورت ہے جس کا جب دل چاہے وہاں جا کر نماز پڑھے، دُعا مانگے کہ یہ کعبہ کے اندر کے حصّہ کے حکم میں ہے، اسی لئے حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عائشہ رضؓ سے جب انہوں نے اندر داخلی کی تمنا کی تو فرمایا کہ یہاں کھڑی ہو کر نماز پڑھ لے۔ عورتوں کے لئے بالخصوص اندر جانے میں بہت سی مشکلات ہیں۔ ان کے لئے یہ حصّہ خاص طور سے غنیمت اور اللہ کا احسان ہے۔

کعبہ کے اندر داخل ہونا بھی اگرچہ مستحب ہے، اور بہتر ہے لیکن اس کے آداب اور بھی زیادہ ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص داخل ہو تو نہایت وقار عظمت سے داخل ہو اور بہتر یہ ہے کہ موزے پہن کر داخل نہ ہو بلکہ ان کو نکال دے اور داخلی سے پہلے غسل کرے اور نہایت خشوع خضوع کیساتھ روتا ہوا داخل ہو

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ پاؤں اس قابل بھی نہیں کہ میرے رب کے گھر کے چاروں طرف پھریں تو میں ان کو اس قابل کہاں سمجھتا ہوں کہ اس پاک گھر کے اندر ان کو داخل کروں مجھے ان کا حال معلوم ہے کہ یہ کہاں کہاں چلے پھرے ہیں اور کس کس بُرے ارادہ سے چلے ہیں۔ (اتحاف) ؎

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ ∴ شرم تم کو مگر نہیں آتی

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد ∴ کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

بطوافِ کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند ∴ کہ برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

کہتے ہیں کہ میں نے جب زمین پر سجدہ کیا تو زمین سے یہ آواز آئی کہ تو نے اس ریا کے سجدہ سے مجھے کیوں خراب کیا اور جب میں کعبہ کو گیا تو مجھے اندر داخل نہ ہونے دیا اور یہ آواز آئی کہ دروازہ سے باہر کیا گُل کھلائے جو اندر آنے کی اُمنگ پیدا ہوئی۔

علماء نے لکھا ہے کہ کعبہ شریف میں داخل ہونے والے کو دو چیز سے خصوصیت سے بچنا چاہیئے جس کو گمراہ لوگوں نے گھڑ رکھا ہے ایک دروازہ کے سامنے بالمقابل دیوار میں کڑہ ہے جس کو جاہل لوگ عُروۃُ الوُثقیٰ کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو اس کو پکڑ لے اس نے عُروۃُ الوُثقیٰ کو پکڑ لیا یہ محض جہالت ہے، دوسرے کعبہ شریف کے درمیان میں ایک میخ ہے جس کو احمق سُرۃُ الدُّنیا (دُنیا کی ناف) کہتے ہیں اور اپنی ناف کو

اس پر رگڑتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں محض لغو اور حماقت ہیں ان کی کوئی اصل نہیں (مناسک نووی و اتحاف)

(۹) عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهٗ۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے وہی فائدہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔"

رواه ابن ماجة وبسط صاحب الاتحاف فی تخريجه وقال شيخنا الشاه عبد الغنی هذا الحديث مشهور على الالسنة كثيرا واختلف الحفاظ فيه فمنهم من صححه ومنهم من حسّنه ومنهم من ضعّفه والمعتمد الاوّل اه وقال ابن حجر فی شرح مناسك النووی وقد كثر كلام المحدثين فی هذا الحديث والذی استقر عليه امر محققيهم انه حسن او صحيح وقول الذهبی انه باطل وابن الجوزی انه موضوع مردود اه

ف :- ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اگر تو اس کو پیاس بجھانے کے واسطے پئے تو اس کا کام دے اور اگر کھانے کی جگہ پیٹ بھرنے کے لئے پئے تو اس کا کام دے، اور اگر کسی مرض سے صحت کی نیت سے پئے تو اس کا کام دے۔ یہ حضرت جبرئیلؑ کی خدمت ہے اور حضرت اسمٰعیلؑ کی سبیل ہے (اتحاف) حضرت جبرئیل علیہ السلام کی خدمت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سعی سے یہ چشمہ زمین سے اُبلا تھا جس کا قصہ مشہور و معروف ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ جو مشہور محدث ہیں ان کے پاس ایک شخص آئے اور آ کر عرض کیا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ زمزم کا پانی جس کام کے لئے پیا جائے اسی کام کے لئے ہے کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ انہوں نے کہا صحیح ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس لئے پیا تا کہ آپؒ دو سو حدیثیں مجھے سنائیں۔ انہوں نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور دو سو حدیثیں ان کو سنادیں (ابن عیینہؒ نے) یہ بھی کہا کہ حضرت عمرؓ نے زمزم کا پانی پیتے ہوئے کہا یا اللہ میں قیامت کے دن کی پیاس بجھانے کیلئے پیتا ہوں (کنز الحاف)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں زمزم کا پانی خوب پیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ خود ڈول بھر کر پیوں۔ مگر پھر سب لوگ خود بھرنے لگیں گے اس لئے نہیں بھرتا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضورؐ نے خود بھرا ممکن ہے کہ کسی وقت خود بھرا ہو اور دوسرے وقت مجمع کی وجہ سے یہ عذر فرما دیا ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے حضرت عباسؓ سے زمزم کا پانی طلب کیا۔ اور انہوں نے عرض کیا کہ اس پانی میں (جو کوئی حوض کی قسم سے پانی کے مجتمع ہونے

کی جگہ تھی) سب لوگ ہاتھ ڈال دیتے ہیں، گھر میں صاف پانی رکھا ہوا ہے اس میں سے لاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں۔ جس میں سے سب پیتے ہیں اسی میں سے پلاؤ۔ انہوں نے پیش کیا۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پیا اور آنکھوں پر ڈالا، پھر دوبارہ لیکر پیا اور اپنے اوپر دوبارہ ڈالا (کنز) ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ ہم میں اور منافقین میں یہ فرق ہے کہ وہ زمزم کے پانی کو خوب سیراب ہو کر نہیں پیتے (معمولی سا پیتے ہیں) ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ ڈول بھرنے کا حکم فرمایا۔ ڈول بھر کر کنویں کے کنارہ پر رکھا گیا۔ حضورؐ نے اس ڈول کو ہاتھ سے پکڑ کر بسم اللہ کہہ کر دیر تک پیا۔ پھر فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اس کے بعد پھر بسم اللہ کہہ کر دیر تک پیا۔ پھر فرمایا الحمد للہ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ہم میں اور منافقوں میں یہی فرق ہے کہ وہ خوب سیراب ہو کر اس کو نہیں پیتے۔ ایک حدیث میں آیا حضورؐ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے مُصلّے پر نماز پڑھا کرو اور نیک لوگوں کے پانی سے پانی پیا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نیک لوگوں کا مُصلّیٰ کیا چیز ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ میزابِ رحمت کے نیچے۔ پھر صحابہؓ نے عرض کیا کہ نیک لوگوں کا پانی کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا زمزم۔[1]

اُمِّ مَعْبَدؓ کہتی ہیں کہ میرے خیمہ کے پاس کو ایک غلام گذرے جن کے ساتھ دو مشکیزے پانی کے تھے، میں نے پوچھا یہ مشکیزے کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا والا نامہ میرے سردار کے پاس پہنچا کہ حضورؐ کی خدمت میں زمزم کا پانی بھیجا جائے۔ میں بہت عجلت سے لیجانا چاہتا ہوں۔ تاکہ راستہ میں خشک نہ ہو جائے (کنز)

حضرت عائشہؓ زمزم کا پانی اپنے ساتھ لیجاتی تھیں، اور یہ نقل کرتی ہیں کہ حضورؐ بھی لیجایا کرتے تھے ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ ساتھ لیجایا کرتے تھے اور بیماروں پر چھڑکتے تھے۔ اور حضرت حَسَن حُسَین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا کی تَحْنِیک کے وقت ان کو دیا تھا (شرح لباب) بچہ کے پیدا ہونے کے بعد سب سے پہلے اس کے مُنہ میں کچھ ڈالنے کو تحنیک کہتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ شبِ معراج میں حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام آسمان سے براق لائے اور جنت سے سونے کا طشت لائے لیکن قلبِ اطہر کو دھونے کے لئے بجائے جنت کے پانی کے زمزم کا پانی استعمال کیا گیا۔ حالاں کہ حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام جب بہت سی چیزیں وہاں سے لائے تو جنت کا پانی لانے میں کیا اِشکال تھا۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب زمزم کا پانی پیتے تو یہ دُعاء پڑھتے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَّاسِعًا

[1] اتحاف

وَشِفَآءً مِنْ كُلِّ دَآءٍ (اتحاف) اے اللہ میں تجھ سے ایسا علم مانگتا ہوں جو نفع دینے والا ہو اور وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفا چاہتا ہوں۔"

(۱۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَّةَ مَا اَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَّ اَحَبَّكِ اِلَيَّ وَلَوْ لَا اَنَّ قَوْمِي اَخْرَجُوْنِي مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ۔ رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب اسنادًا کذا فی المشکوٰۃ وفی الاخری لہ، وَاللّٰهِ اِنَّكِ لَخَيْرُ اَرْضِ اللّٰهِ وَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ الحدیث۔

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تو کتنا بہتر شہر ہے اور مجھ کو کتنا زیادہ محبوب ہے۔ اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو تیرے سوا کسی دوسری جگہ قیام نہ کرتا۔"

ف: اس حدیث کی وجہ سے نیز ان احادیث کی وجہ سے جن میں مکہ کی ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ آیا ہے۔ ایک بڑی جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سارے شہروں سے افضل ہے اور وہاں قیام کرنا مستحب اور افضل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب ایک ایک نماز ایک لاکھ کی شمار ہوتی ہو تو پھر کون ہے جس کو یہ مرغوب نہ ہو لیکن اس کے باوجود بڑے اکابر وہاں کے قیام کو پسند نہ فرماتے تھے۔ ملا علی قاری رح نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کا قیام صاحبین رح کے نزدیک مستحب ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہی بعض شافعیہ اور بعض حنابلہ کا مختار ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رح اور امام مالک رح وہاں کے مستقل قیام کو مکروہ فرماتے تھے، اور ایک بڑی جماعت کا محتاط لوگوں میں سے یہی مذہب ہے۔ مبادا وہاں رہ کر آدمی کو وہاں سے کوئی گرانی اور ملال پیدا ہو، یا اس کے احترام میں کسی قسم کی کمی ہو جائے، یا وہاں رہ کر آدمی سے کسی قسم کا گناہ صادر ہو جائے کہ جیسا وہاں نیکیوں کا ثواب کہیں زیادہ ہے ایسے ہی وہاں رہ کر گناہ کرنے کا وبال بھی بہت زیادہ سخت ہے۔ لیکن اللہ کے وہ مخلص بندے جو گناہوں سے محترز ہوں ان کے لئے افضلیت میں کیا کلام ہے لیکن وہ اتنی قلیل مقدار ہے کہ ان پر حکم لگانا بھی ایسا ہے جیسا عام مخلوق میں بادشاہ لیکن پارسائی کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کا اعتبار نہیں کہ ویسے تو ہر شخص اپنے کو یہی کہتا ہے کہ میں وہاں رہنے کے شرائط پورے کر سکتا ہوں، دعویٰ بہت سہل ہے ؎

بہت مشکل ہے بچنا بادہ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظمؒ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے حالات کے لحاظ سے کراہت اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اگر وہ ان حالات کو دیکھتے جن کو ہم اپنے زمانہ میں دیکھ رہے ہیں تو وہ وہاں کے قیام کے حرام ہونے کا فتویٰ دیتے۔ یہ مُلّا علی قاریؒ مشاہیر علماء میں ہیں ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی ہے۔ جب یہ اپنے زمانہ کا یہ حال فرما رہے ہیں تو آج چودھویں صدی کے آخر کا جو حال ہو گا وہ اَظْہَرُ مِنَ الشَّمْس ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جن محتاط علماء نے مکہ کے قیام کو مکروہ بتایا ہے اسکی تین وجہ ہیں۔ اوّل یہ کہ ایسا نہ ہو کہ وہاں کے قیام سے وہ ذوق شوق اور تڑپ بیقراری جو کعبہ شریف کے ساتھ ہونا چاہیئے وہ کم ہو جاتے، دوسرے یہ کہ اس سے روانگی کے وقت جو فراق کی تڑپ اور دوبارہ لوٹنے کا جذبہ پیدا ہو گا وہ وہاں رہنے میں حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لئے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ تو کسی دوسرے شہر میں رہے اور تیرا دل مکہ مکرمہ میں اٹکا رہے یہ بہتر ہے اس سے کہ تو مکہ میں رہے اور تیرے دل میں کسی دوسری جگہ کا داعیہ پیش آئے۔ اور بعض بزرگوں سے نقل کیا گیا کہ بہت سے لوگ خراسان میں رہنے والے مکہ سے تعلق کے اعتبار سے بعض ان لوگوں سے قریب ہیں جو طواف کر رہے ہوں، بلکہ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ خود کعبہ ان کی زیارت کو جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مبادا وہاں رہ کر کوئی گناہ صادر ہو جائے کہ یہ سخت خطرناک ہے۔ اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے غصہ کا موجب ہے۔ فقط

ویسے تو مکہ مکرمہ سارا ہی بابرکت ہے، اس کی ہر جگہ، ہر در و دیوار، ہر پتھر اور ریت کا ذرہ بابرکت ہے لیکن چند مقامات اور بھی زیادہ خصوصیت رکھتے ہیں جن میں سے بعض اس فصل میں گذر چکے ہیں مستقل احادیث ان کے فضائل میں لکھی جا چکی ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت خدیجہؓ کا دولتکدہ جہاں حضرت فاطمۃ الزہراءؓ پیدا ہوئیں اور حضرت ابراہیمؓ کے علاوہ سب اولاد یہیں پیدا ہوئی۔ ہجرت تک حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا قیام اسی مکان میں رہا۔ علماء نے لکھا ہے کہ مسجد حرام کے بعد مکہ کے تمام مکانات میں یہ مکان افضل ہے، دوسرے حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیدائش کی جگہ جو مَولِدِ نبی صلعم کے نام سے مشہور ہے۔ تیسرے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا مکان جو زقاق صَوّاغین (زرگروں کی گلی) میں ہے اس کو دار الہجرت بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ہجرت کی ابتداء اسی مکان سے ہوئی، ہجرت سے قبل حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم روزانہ یہاں تشریف لایا کرتے تھے، وہاں دو پتھر تھے ایک کا نام متکلم ہے، اس نے حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو سلام کیا تھا۔ دوسرا متکا جس پر حضورؐ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ مَولِدِ علیؓ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ کی پیدائش کی جگہ۔ دارِ ارقم جو

دارِ خیزران سے مشہور ہے، صفا پہاڑ کے قریب ہے، اس میں حضرت عمرؓ اسلام لاتے تھے اور چالیس کا عدد آپ کے ایمان لانے پر پورا ہوا تھا۔ اور قرآن پاک کی آیت یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (انفال ۵) اس پر نازل ہوئی تھی۔ اسی میں حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ابتداءِ اسلام میں مخفی رہا کرتے تھے۔ جَبَلِ ثَور[٦] کا غار جس میں ہجرت کے وقت حضورِ اقدس اور حضرت ابوبکر صدیقؓ پوشیدہ ہوئے تھے۔ قرآن پاک میں ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ میں اسی غار کا ذکر ہے۔ جَبَلِ حِرا[٧] کا غار جس میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نبوت سے پہلے کئی کئی دن تک عبادت کیا کرتے۔ اور تنہائی اختیار فرمایا کرتے تھے۔ اور اسی میں سب سے پہلے آپ پر اِقرَا نازل ہوئی۔ مسجد الرایہ[٨] مکہ میں مُعلّٰی کی طرف ہے۔ حضورؐ نے اس میں نماز پڑھی ہے۔ مسجد الجن[٩] جس جگہ جنات کا اجتماع ہوا اور حضورؐ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ اس جگہ تشریف لے گئے اور حضرت ابن مسعودؓ کو ایک جگہ بٹھا کر خود آگے تشریف لے گئے اور جنات کو تعلیم فرمائی، قرآن پاک سنایا۔ مسجد الشجرہ[١٠] جو مسجد جن کے مقابل ہے۔ اس جگہ ایک درخت تھا جس کو حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بلایا، وہ زمین کو چیرتا ہوا حاضر خدمت ہو گیا پھر حضورؐ نے فرمایا کہ واپس چلے جاؤ وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ مسجد الغنم[١١] جس کو مسجد الاجابۃ بھی کہتے ہیں اس جگہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فتح مکہ میں بیعت لی تھی۔ مسجد اَجیاد[١٢] مسجد جبلِ ابوقبیس[١٣] جو حرم شریف سے نظر آتی ہے لیکن اس جگہ بکری کی سری کھانے کے متعلق جو روایت مشہور ہے وہ غلط ہے۔ مسجد طُویٰ[١٤] جو تنعیم کے راستہ میں ہے حضورؐ کی جب عمرہ یا حج کے لئے تشریف آوری ہوئی تو اس جگہ قیام فرمایا۔ مسجد عائشہؓ[١٥] تنعیم پر جہاں عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے۔ مسجد العقبۃ[١٦] منٰی کے قریب جہاں انصار نے ہجرت سے قبل بیعت کی تھی۔ یہ مسجد مکہ سے منٰی جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر راستہ سے علیحدہ کو ہے۔ مسجد الجعرانہ[١٧] جہاں حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فتح مکہ کے بعد جب طائف سے لوٹ رہے تھے احرام باندھا تھا۔ مسجد الکبش[١٨] جس کو منحر ابراہیم بھی کہتے ہیں۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کیا تھا۔ مسجد الخیف[١٩] منٰی میں مشہور مسجد ہے جس میں کہتے ہیں کہ ستر نبی وہاں مدفون ہیں۔ غار مرسلات[٢٠] جو مسجد خیف کے قریب ہے، سورۂ والمرسلات وہاں نازل ہوئی۔ جنت المعلّٰی[٢١] مکہ مکرمہ کا مقبرہ جہاں حضرت خدیجہؓ کی قبر ہے اور احادیث میں اس مقبرہ کی فضیلت بھی آئی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے متبرک مقامات ہیں، اور مکہ مکرمہ میں کون سی جگہ ایسی ہوگی

جہاں حضورِ اقدسؐ اور صحابۂ کرامؓ کے قدمِ مبارک نہ پڑے ہوں لیکن مُلّا علی قاریؒ نے اِن مواضع کو خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

ساتویں فصل عمرہ کے بیان میں

جیساکہ نمازیں کچھ تو فرض نمازیں ہیں جو پانچ مخصوص اوقات میں فرض کی گئیں اور کچھ نوافل ہیں۔ جو جاں نثار، قدر دانوں کے لئے اس لئے مشروع کی گئیں کہ جب ان کا دربار کی حاضری کو دِل چاہے حاضر ہو جائیں۔ اسی طرح سے بیت اللہ شریف کی زیارت میں ایک تو حج فرض ہے جو مخصوص وقت میں ہوتا ہے۔ دوسرا عمرہ ہے جو سال بھر میں بجز پانچ دن کے یعنی نویں ذی الحجہ سے ۱۳ تک تو عمرہ کرنا مکروہ ہے کہ یہ حج کا مخصوص وقت ہے۔ اس کے علاوہ جس دن جتنے دِل چاہے عمرے کرے یہ بھی اللہ کا فضلِ عظیم ہے کہ مشتاق لوگوں کی حاضری کے واسطے ہر وقت حاضری کی اجازت فرمادی۔ عمرہ اگرچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک سُنّت ہے لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک واجب ہے۔ اس لئے کم از کم ایک عمرہ آدمی کو ضرور کرلینا چاہیئے کہ دو اماموں کے نزدیک یہ مُستقل واجب ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک بھی ایک عمرہ کم از کم کرنا سُنّتِ مؤکدہ ہے مشہور قول کے موافق، ورنہ بعض عُلمائے حنفیہ نے اس کو واجب کہا ہے اور بعض نے فرضِ کفایہ۔ اس لئے ایک عمرہ تو جو شخص جانے کی طاقت رکھتا ہو یا وہاں پہنچ جائے وہ ضرور ہی کرلے قرآن پاک میں بھی اس کا حکم فرمایا ہے۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط (سورۃ بقرہ ۲۴) اور پورا پورا ادا کیا کرو حج اور عمرہ کو خالص اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے واسطے۔"

ف:۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حج اور عمرہ کا پورا پورا ادا کرنا یہ ہے کہ اپنے گھر سے حج کا یا عمرہ کا اِحرام باندھ کر چلے (درمنثور) اپنے گھر سے اِحرام باندھ کر چلنا افضل ہے مُتعدد روایات میں اسکی فضیلت آئی ہے، لیکن چونکہ اِحرام میں بہت سی چیزوں کی اِحتیاط ضروری ہے اور زیادہ دن تک اِحرام باندھنے میں بسا اوقات ایسی چیزیں صادر ہو جاتی ہیں جو اِحرام کے مُنافی ہیں اس لئے علماء احتیاط اس میں بتاتے ہیں کہ میقات ہی سے اِحرام باندھا جائے کہ گناہ سے بچنا فضیلت حاصل کرنے سے زیادہ اہم اور مقدّم ہے۔

احادیث میں بھی عُمرہ کے فضائل بہت سی رِوایات میں آئے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں

فصل میں حج کے ساتھ گذر چکے ہیں، جیسا کہ حدیث نمبر ۱۱، ۱۴، ۱۵ میں گذرا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد حج تو ایک ہی مرتبہ کیا ہے، لیکن عمرے چار کیے جن میں سے ایک پورا نہ ہوسکا کہ مشرکین نے مکہ میں داخل نہ ہونے دیا اور اس پر فیصلہ ہوا کہ اس سال نہ کریں دوسرے سال آکر کرلیں اور تین عمرے پورے کیے۔

(۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ حَجَّۃٌ مَّبْرُوْرَۃٌ اَوْ عُمْرَۃٌ مَّبْرُوْرَۃٌ۔ اخرجہ احمد و الطبرانی کذا فی الدر۔

"حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ افضل ترین عمل نیکی والا حج یا نیکی والا عمرہ ہے۔"

ف: پہلی فصل کی حدیث نمبر ۲ میں نیکی والے حج کا بیان گذر چکا ہے وہی مطلب نیکی والے عمرہ کا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عمرہ چھوٹا حج ہے (درِ منثور) یعنی جو برکات و ثمرات اور فضائل حج کے ہیں وہی سب کچھ کمی کے ساتھ عمرہ کے ہیں۔

(۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَۃُ اِلَی الْعُمْرَۃِ کَفَّارَۃٌ لِّمَا بَیْنَھُمَا۔ متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی حصہ کے لئے کفارہ ہے۔"

ف: یعنی ایک عمرہ کرنے کے بعد دوسرے عمرہ تک کے درمیان میں جس قدر لغزشیں ہوئی ہوں گی وہ معاف ہوجائیں گی۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کفارہ ہے درمیان کے گناہوں کا اور خطاؤں کا (کنز) اور بھی متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضؓ قَالَ جَآءَتْ اُمُّ سُلَیْمٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ حَجَّ اَبُوْ طَلْحَۃَ وَ ابْنُہٗ وَتَرَکَانِیْ فَقَالَ یَا اُمَّ سُلَیْمٍ عُمْرَۃٌ فِیْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّۃً مَّعِیْ۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ کذا فی الترغیب

"حضرت اُمِّ سُلیم رضؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ (میرے خاوند) ابوطلحہ رضؓ اور ان کے بیٹے تو حج کو چلے گئے اور مجھے چھوڑ گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔"

ف: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر فضیلت رکھتا ہے" مختلف احادیث میں وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضورؐ حج کو تشریف

لے جانے لگے تو ایک صحابی عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ مجھے بھی حضورؐ کے ساتھ حج کرا دو۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں۔ بیوی نے کہا کہ تمہارا فلاں اونٹ ہے۔ خاوند نے فرمایا کہ وہ تو میں اللہ کے راستہ میں وقف کر چکا ہوں مجبوراً وہ بیچاری رہ گئیں۔ جب حضورؐ حج سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تو خاوند نے یہ قصہ حضورؐ سے عرض کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ حج بھی تو اللہ ہی کا راستہ تھا۔ اگر اس اونٹ پر حج کرا دیتے تو کچھ مُضائقہ نہ تھا۔ پھر خاوند نے عرض کیا کہ حضور میری اہلیہ نے سلام عرض کیا ہے اور یہ دریافت کیا ہے کہ آپؐ کے ساتھ حج نہ کرنے کی تلافی اب کیا ہو سکتی ہے؟ حضورؐ نے اِرشاد فرمایا کہ میری طرف سے ان کو سلام کہہ دینا اور یہ کہہ دینا کہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے (ابوداؤد)۔

اسی قسم کا قصہ حضرت اُمِّ سِنانؓ کے ساتھ بھی پیش آیا اور اُمِّ مَعْقِلؓ کے ساتھ بھی، اُمِّ طُلَیقؓ کے ساتھ بھی اور اُمِّ ہُیثمؓ کے ساتھ بھی۔ کہ یہ سب حج کا ارادہ فرماتی رہیں لیکن کسی نہ کسی عذر کی وجہ سے نہ جا سکیں، تو حضورؐ نے ہر ایک سے یہی اِرشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کا عُمرہ حج کے برابر ہے۔

حافظؒ نے فتح الباری میں ان کی روایات ذکر فرمائی ہیں کہ عُمرہ کا حج کے برابر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس عمرہ سے حجِ فرض پورا ہو جائے گا۔ یہ اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی کو بھی خلاف نہیں، کہ حج فرض اس سے ادا نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ عمرہ کے ساتھ رمضان المبارک کی فضیلت مل جانے کی وجہ سے حج کے ثواب کے برابر ہو جاتا ہے۔ ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ بسا اوقات وقت کی فضیلت کی وجہ سے عمل کا ثواب بڑھ جاتا ہے جیسا کہ خلوصِ نیت اور اخلاص کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے۔ (فتح الباری)

(۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ۔ رواه ابن ماجه كذا فی المشكوٰة۔

(۴) حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا وفد ہیں اگر وہ لوگ دُعاء مانگیں تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ ان کی دُعاء قبول کرتا ہے اور اگر وہ مغفرت چاہیں تو ان کے گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

ف: جیسا کہ بہت سے آدمی ایک جماعت بنا کر بطور وَفد کے کہیں سرکاروں، درباروں میں جاتے ہیں ایسے ہی یہ لوگ گویا وفد کے طور پر حق تعالیٰ شانُہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور جیسا کہ وُفود کا اکرام واِعزاز ہوتا ہے ایسے ہی ان کا بھی اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں اِکرام ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں

آیا ہے کہ اللہ کا وفد تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک مجاہد دوسرے حاجی تیسرے عمرہ کرنے والے (مشکوٰۃ) ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ جل شانہ کا وفد ہیں جب دُعا کرتے ہیں قبول ہوتی ہے۔ اور اللہ سے جو مانگتے ہیں ان کا سُوال پورا کیا جاتا ہے (ترغیب عن جابرؓ) ایک اور حدیث میں ہے کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہیں جو مانگتے ہیں وہ دیا جاتا ہے، جو دُعاء کرتے وہ قبول ہوتی ہے، جو خرچ کرتے ہیں اس کا بدل ان کو ملتا ہے۔ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب کسی اونچی جگہ پر کوئی شخص لبّیک کہتا ہے یا تکبیر کہتا ہے تو اس کے سامنے کا سارا حصّہ زمین کا دنیا کے ختم تک لبّیک اور تکبیر کہنے لگتا ہے (ترغیب)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہیں جو مانگتے ہیں وہ ان کو ملتا ہے۔ جو دُعا کرتے ہیں وہ قبول کی جاتی ہے جو خرچ کرتے ہیں اس کا بدل ان کو ملتا ہے اور ایک ایک درم کے بدلہ میں دس دس لاکھ درم دیئے جاتے ہیں۔ (ترغیب) ایک حدیث میں ہے کہ مکّہ کے رہنے والے اگر اس کو جان لیں کہ حاجیوں کا ان پر کتنا حق ہے تو ان کی آمد پر لوگ یہ جا کر ان کی سواریوں کو بوسہ دیں اس لئے کہ وہ لوگ اللہ کا وفد ہیں (دُر)

(۵) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ۔ رواه الترمذى و النسائى كذا فى المشكوٰة۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مُتابعت کرو، درمیان حج اور عمرہ کے کہ وُہ دونوں مُفلسی اور گناہوں کو ایسا دور کرتے ہیں جیسا آگ کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو دُور کر دیتی ہے۔

ف: مُتابعت کرنے کا مطلب بعض علماء نے لکھا ہے کہ قِران کرو جو حج کی تین قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک سب قسموں میں سب سے زیادہ افضل یہی صورت ہے اور محققین کے نزدیک حضورؐ کا احرام بھی اسی کا تھا۔ اس میں حج اور عمرہ کا دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا جاتا ہے۔ اور مُتابعت کرنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر پہلے حج کر لیا ہے تو بعد میں عمرہ کرے۔ اور پہلے عمرہ کیا ہے تو بعد میں حج کرے کہ یہ بھی مُتابعت ہو گئی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ کے درمیان مُتابعت عمر میں اضافہ کرتی ہے اور فقر اور گناہوں کو ایسا زائل کرتی ہے جیسا آگ کی بھٹی میل کو زائل کرتی ہے۔[1] ایک حدیث میں ہے اَدِیْمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (الحدیث) حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہمیشہ کرتے رہو کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو ایسا زائل کرتے ہیں جیسا بھٹی لوہے کے زنگ کو (کنز) ایک اور حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ کی کثرت فقر کو روک دیتی ہے (کنز) ایک اور حدیث میں ہے کہ لگاتار حج کرنا اور لگاتار عمرہ کرنا فقر اور گناہوں کو ایسا دُور کرتے ہیں جیسا کہ آگ لوہے کے میل کو (کنز) ایک اور حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ میں مُتابعت کرنا عمر کو بھی بڑھاتا ہے اور روزی کو بھی زیادہ کرتا ہے۔ (کنز) اور بھی بہت سی روایات میں یہ مضمون ذکر کیا گیا۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ عُمرہ کثرت سے کرنا مستحب ہے۔ اور ابنِ حَجر مکیؒ نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ کوئی مہینہ ایسا نہ جانا چاہیے جس میں بشرط قدرت کم از کم ایک عمرہ نہ کرے۔ اور دو تین کرے تو بہت بہتر ہے۔ (شرح مناسک)۔

(۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جِهَادُ الْكَبِیْرِ وَالضَّعِیْفِ وَالْمَرْأَةِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ۔ رواه النسائی باسناد حسن کذا فی الترغیب۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بوڑھے اور ضعیف لوگوں کا اور عورتوں کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔

ف: پہلی فصل کی گیارہویں حدیث کے ذیل میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے۔ حضرت عائشہ رض نے حضور صلعم سے دریافت کیا کہ کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے؟ حضورؐ نے فرمایا عورتوں پر ایسا جہاد ہے جس میں قِتال نہیں اور وہ حج اور عمرہ ہے (ترغیب) ایک صحابی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں بہت کم ہمت ہوں دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضورؐ نے فرمایا میں تمہیں ایسا جہاد بتاؤں جس میں لڑائی نہ ہو۔ انہوں نے عرض کیا ارشاد فرماویں۔ حضورؐ نے فرمایا حج اور عمرہ ہے (در)۔

(۷) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ مِنْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ غُفِرَ لَهٗ۔ رواه ابن ماجه

"حضرت اُمِّ سلمہ رض فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بیتُ المقدس سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔"

[1] ترغیب

شریف بار بار پڑھے۔ اگر سواری پر ہو تو اس کو تیز چلانے کی کوشش کرے حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ طیبہ قریب ہوتا تو اپنی سواری کو تیز چلاتے ؎

وَاَبْرَحُ مَا یَکُوْنُ الشَّوْقُ یَوْمًا ۔۔۔ اِذَا دَنَتِ الْخِیَامُ اِلَی الْخِیَامِ

ترجمہ: سب سے بڑھا ہوا شوق اس دن ہوتا ہے جب عشاق کے خیمے معشوق کے خیمہ کے قریب ہو جائیں۔

(۹) جب مدینہ طیبہ کی دیواروں پر نظر پڑ جائے اور اسکے معطر باغ نظر آنے لگیں جو بیرِ علیؓ کے بعد سے نظر آنے لگتے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ سواری سے نیچے اتر جائے اور روتا ہوا ننگے پاؤں چلے ؎

وَلَمَّا رَاَیْنَا رَسْمَ مَنْ لَّمْ یَدَعْ لَنَا ۔۔۔ فُؤَادًا لِّعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا

نَزَلْنَا عَنِ الْاَکْوَارِ نَمْشِیْ کَرَامَۃً ۔۔۔ لِمَنْ بَانَ عَنْہُ اَنْ نُّلِمَّ بِہٖ رَکْبًا

ترجمہ: جب ہم نے اس محبوب کے شہر کے نشانات دیکھے جس نے نشانات کے پہچاننے کے واسطے نہ ہمارے پاس دل چھوڑا نہ عقل چھوڑی، تو ہم اپنی سواریوں سے اتر گئے اور اس کے اکرام میں پیدل چلنے لگے اس لئے کہ اس کی شان سے یہ بہت بعید بات تھی کہ اس کے پاس سوار ہو کر جائیں"۔

پہلے اُمراء وزراء کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ذُوالحُلَیفہ سے جو تقریباً چھ میل ہے پیدل چلنے لگتے تھے اور حق یہ ہے کہ اس جگہ پاؤں کے بجائے سر کے بل بھی چلے تو اس جگہ کے حق کا کوئی حصہ بھی ادا نہیں ہو سکتا ؎

لَوْ جِئْتُکُمْ قَاصِدًا اَسْعٰی عَلٰی بَصَرِیْ ۔۔۔ لَمْ اَقْضِ حَقًّا وَّاَیُّ الْحَقِّ اَدَّیْتُ

ترجمہ: اگر میں تمہاری خدمت میں پاؤں کے بجائے آنکھوں سے چل کر آتا تب بھی میں حق ادا نہ کر سکتا تھا اور میں نے آقا تمہارا اور ہی کون سا حق ادا کیا جو یہی ادا کرتا"۔ ؎

وَلَمَّا رَاَیْنَا مِنْ رُّبُوْعِ حَبِیْبِنَا ! ۔۔۔ بِطَیْبَۃَ اَعْلَامًا اَثَرْنَ لَنَا الْحُبَّا

وَبِالتُّرْبِ مِنْہَا اِذْ کَحَلْنَا جُفُوْنَنَا ۔۔۔ شُفِیْنَا فَلَا بَاْسًا نَّخَافُ وَلَا کَرْبًا

ترجمہ: جب مدینہ پاک میں محبوب کی منزل کے آثار نظر آنے لگے تو انہوں نے محبت کو بھڑکا دیا اور جب وہاں کی مٹی کو آنکھوں کا سُرمہ بنایا تو ساری بیماریوں سے شفا ہو گئی کہ اب نہ کسی قسم کا مرض ہے، نہ تکلیف"۔

(۱۰) جب فصیلِ مدینہ آ جائے تو درود شریف کے بعد یہ دُعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ نَبِیِّکَ فَاجْعَلْہُ لِیْ وِقَایَۃً مِّنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ

اَلْحِسَابِ "اے اللہ یہ تیرے نبی کا حرم آگیا اس کو تو میرے آگ سے بچنے کا ذریعہ بنادے اور عذاب سے بچنے کا ذریعہ بنادے اور حساب کی برائی سے بچنے کا سبب بنادے۔

اس کے بعد اس پاک شہر کی خیر و برکت حاصل ہونے کی دُعا کرے اور اس کے آداب بجا لانے کی توفیق کی دُعا کرے اور کسی نامناسب حرکت میں اِبتلاء سے بچنے کی دُعا کرے اور خوب دُعائیں کرے۔

(۱۱) بہتر یہ ہے کہ شہر میں داخل ہونے سے پہلے غُسل کرے اور پہلے مُیَسَّر نہ ہو تو داخل ہونے کے بعد مسجد میں داخل ہونے سے پہلے کرلے۔ اور غسل نہ ہوسکے تو وُضو کم از کم ضرور کرلے لیکن اَولیٰ غسل ہی ہے کہ جتنی نظافت اور طہارت زائد ہوگی اتنا ہی اَولیٰ ہے۔ اس کے بعد بہترین لباس پہنے اور خوشبو لگائے جیسا کہ عِیدَیْن یا جمعہ کے لئے کرتا ہو، مگر تواضُع اور اِنکسار ملحوظ رہے، تفاخر پاس نہ آئے۔

قبیلۂ عبدُالقیس کا وفد جب حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دور سے دیکھ کر سب لوگ شوق واضطراب میں اونٹوں سے کود پڑے اور اونٹ چھوڑ کر حضورؐ کی بارگاہ میں دوڑ پڑے۔ لیکن اس وفد کے رئیس مُنذِر بن عائذ جن کو اشج عبدالقیس سے تعبیر کرتے ہیں وہ اونٹوں کے ساتھ جائے قیام پر پہنچے، اور اپنا اور سب ساتھیوں کا سامان جمع کیا۔ اور اِحتیاط سے رکھا اس کے بعد غسل کیا، نئے کپڑے پہنے اور آہستہ آہستہ وَقار کے ساتھ مسجدِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ اوّل دو رکعت تحیۃُ المسجد پڑھی اور دُعا کی۔ پھر حُضورِ اَقدس صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مجلس میں حاضر ہوئے حُضورؐ نے ان کی اس ادا کو پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ جَلَّ شانُہٗ کو پسند ہیں، ایک حِلم یعنی بردباری، دوسرے وَقار (مظاہر)۔

(۱۲) بعض عُلماء نے اس وقت کچھ صدقہ کرنا بھی آداب میں لکھا ہے یعنی مسجد میں داخل ہونے سے پہلے کچھ صدقہ کردے۔ اِبنِ حجرؒ لکھتے ہیں کہ مسنون یہ ہے کہ کچھ صدقہ کرے چاہے قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس کا اہلِ مدینہ پر صرف کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ یعنی ان لوگوں پر جو خاص مدینہ کے باشندے ہیں البتہ اگر غیر مدنی زیادہ محتاج ہوں تو وہ مُقَدَّم ہیں، بندہ کے خیال میں اسوقت کی خصوصیت غالباً اس آیتِ شریفہ کی وجہ سے ہے جو سورۂ مُجادلہ میں ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ

"اے ایمان والو جب تم رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) سے سرگوشی کیا کرو تو اس سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے (ثواب حاصل ہونے کے

وَ اَطْهَرُ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

لئے) بہتر ہے اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا ذریعہ ہے۔ اگر تم میں صدقہ دینے کی قدرت نہ ہو تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ غفورٌ رحیمٌ ہے۔"

یہ حکم ابتداءً واجب تھا اس کے بعد کی آیت سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس صدقہ والی آیت پر سب سے پہلے میں نے عمل کیا۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو میرے پاس ایک دینار (اشرفی) تھا۔ اس کو میں نے بھنا کر درم بنا لیئے۔ جب حضورؐ سے گفتگو کرتا تو ایک درم پہلے صدقہ کر دیتا۔ اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(۱۳) جب شہر میں داخل ہو تو اس وقت کی خصوصی دعائیں پڑھتا ہوا نہایت خشوع خضوع سے داخل ہو۔ اب تک کی عدم حاضری کا قلق ہو، دنیا میں حضورؐ کی زیارت نصیب نہ ہونے کا رنج ہو، آخرت میں زیارت نصیب ہونے کی آرزو اور تمنا ہو اور اس کا خوف ہو کہ نہ معلوم مقدر ہے یا نہیں اور جیسا کہ کسی بڑے سے بڑے دربار میں حاضری کے وقت رُعب و جلال کا اثر ہو وہی منظر یہاں ہو۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عظمت اور قدر و منزلت ملحوظ ہو، درود شریف لگاتار زبان پہ جاری ہو (لباب)۔

(۱۴) جب قُبّۂ خضراء پر نظر پڑے تو عظمت و ہیبت اور حضورؐ کی علوِّ شان کا استحضار کرے اور یہ سوچے کہ اس پاک قبہ میں وہ ذاتِ اقدس ہے جو ساری مخلوقات سے افضل ہے، انبیاءؑ کی سردار ہے فرشتوں سے افضل ہے، قبر شریف کی جگہ ساری جگہوں سے افضل ہے جو حصہ حضورؐ کے بدن مبارک سے ملا ہوا ہے وہ کعبہ سے افضل ہے عرش سے افضل ہے، کرسی سے افضل ہے حتّٰی کہ آسمان و زمین کی ہر جگہ سے افضل ہے (لباب)۔

(۱۵) شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد نبویؐ میں حاضر ہو۔ اگر مستورات کی یا سامان وغیرہ کی مجبوری ہو تو دوسری بات ہے۔ ورنہ سب علماء نے لکھا ہے کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد میں حاضر ہونا افضل ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عام معمول بھی احادیث میں یہی آیا ہے کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اوّل مسجد میں تشریف لے جاتے۔

(۱۶) عورتوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ اگر شہر میں دن کو داخل ہونے کی نوبت آوے تو وہ رات تک انتظار کریں اور رات کے وقت مسجد میں حاضر ہوں اس لئے کہ ان کے لئے ہر وہ چیز مقدم ہے جو پردہ میں مُعین ہو۔

(۱۷) مسجد میں داخلہ کے وقت اس جگہ کے آداب کی رعایت رکھے کہ دایاں پاؤں پہلے مسجد میں رکھے پھر بایاں پاؤں رکھے اور مسجد میں داخل ہونے کی دعائیں پڑھے۔ اور اعتکاف کی نیت کرے، اگر ہر مسجد میں ہمیشہ داخل ہوتے ہوئے اعتکاف کی نیت کر لیا کرے تو مفت کا ثواب ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ جب کسی مسجد میں داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کر لیا کرے۔

(۱۸) بہتر یہ ہے کہ مسجد نبوی میں باب جبرئیلؑ سے داخل ہو اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اس دروازہ سے داخل ہونے کا تھا جس کی غالباً وجہ یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے حجرے اسی جانب زیادہ تھے (شرح مناسک نووی) لیکن اس دروازہ سے داخل ہونا ضروری نہیں جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔ (شرح لباب)

(۱۹) مسجد میں داخل ہونے کے بعد خشوع خضوع، عجز و انکسار میں بہت اہتمام کرے، وہاں کی زیب و زینت، فرش فروش، جھاڑ فانوس، قالین، قمقموں میں نہ لگ جائے، نہ ان چیزوں کی طرف التفات کرے نہایت ادب اور وقار سے نیچی نظر کئے ہوئے نہایت ہی ادب اور احترام سے جائے۔ بے ادبی اور لاابالی پن کی کوئی حرکت نہ کرے۔ بڑے اونچے دربار میں پہنچ گیا ہے ایسا نہ ہو کہ بے ادبی کی کوئی حرکت حرمان و خسران کا سبب بن جائے۔

(۲۰) مسجد میں جانیکے بعد سب سے پہلے روضہ مقدسہ میں جائے۔ یہ جگہ وہ حصہ ہے جو منبر شریف اور قبر شریف کے درمیان میں ہے۔ اس کو روضہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ میری قبر اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے روضہ باغ کو کہتے ہیں۔ آئندہ فصل میں یہ حدیث آرہی ہے اگر باب جبرئیل سے مسجد میں داخل ہونے کی نوبت آتی ہے تو بہتر یہ ہے کہ حجرہ شریف کے پیچھے سے روضہ میں جائے تاکہ حجرہ کے سامنے سے گذرنے کی صورت میں بغیر سلام کیے آگے بڑھنا نہ پڑے۔

(۲۱) روضہ مقدسہ میں پہنچ کر اول تحیۃ المسجد پڑھے۔ مسجد میں حاضری کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضری سے قبل تحیۃ المسجد کا پڑھنا اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اور رسولؐ کے حق پر مقدم ہے۔ نمبر ۱۱ میں الشیخ عبد القیس کے قصہ میں گذر چکا ہے کہ انہوں نے اول تحیۃ المسجد پڑھی پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں سفر سے آیا تھا۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا حضورؐ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تحیۃ المسجد پڑھ لی، میں

نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا جاؤ پہلے تحیۃ المسجد پڑھ کر بعد میں میرے پاس آنا (شرح مناسک نووی)

(۲۲)۔ تحیۃ المسجد کی ان دو رکعتوں میں قُل یا اور قُل ھُوَ اللہ پڑھنا اَولیٰ ہے۔ اس لئے کہ پہلی صورت میں شرک سے نفی اور انکار ہے اور دوسری صورت میں اللہ کی وحدانیت اور ذات و صفات کا اقرار ہے۔

(۲۳) علماء نے لکھا ہے کہ روضہ میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے کھڑے ہونے کی جگہ برکت کی نیت سے کھڑا ہونا اولیٰ ہے۔ اس جگہ کی تعیین زُبدہ میں اس طرح کی ہے کہ منبر داہنے مونڈھے کی سیدھ پر رہے اور وہ ستون جس کے سامنے صندوق ہے سامنے رہے۔ امام غزالیؒ نے احیاء میں بھی یہی لکھا ہے کہ وہ ستون جس کے پاس صندوق ہے منہ کے سامنے ہو اور وہ دائرہ جو مسجد کی قبلہ کی دیوار میں ہے سامنے رہے۔ لیکن ابن حجرؒ نے شرح مناسک میں لکھا ہے کہ اب وہاں صندوق نہیں رہا وہ جل گیا۔ اب اس جگہ ایک محراب بنادی گئی ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جس کو محرابُ النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کہتے ہیں سب اکابر علماء نے اس جگہ قیام کو اَولیٰ بتایا ہے اس لئے اس بابرکت جگہ کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ لیکن اس ناپاک کو مدینہ طیبہ کے ایک سالہ قیام میں ایک مرتبہ بھی یہاں کھڑے ہونے کی جرأت اور ہمت نہ ہوئی۔ اگر یہ جگہ کسی وجہ سے مُیَسّر نہ ہو سکے تو پھر سارے روضہ میں کسی جگہ تحیۃ المسجد پڑھے۔

(۲۴) تحیۃ المسجد سے فارغ ہونے کے بعد اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرے کہ اس نے یہ نعمتِ جلیلہ عطا فرمائی اور اس پاک ذات سے حج و زیارت کی قبولیت کی دعا کرے اور چاہے سجدۂ شکر کرے، چاہے دو رکعت شکرانہ پڑھے۔ بہت سے علماء نے اس وقت سجدہ شکر کرنے کو لکھا ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ یاد رکھنے کے ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مشہور قول کے موافق شکرانہ کا محض سجدہ مشروع نہیں بلکہ جہاں شکر کا سجدہ وارد ہوا ہے ان کی تحقیق کے موافق وہاں شکرانہ کی نفلیں مراد ہیں، لیکن اس جگہ پر حنفیہ نے سجدۂ شکر کا جواز لکھا ہے جیسا کہ شرح لُباب میں تصریح ہے اور اس کے بالمقابل شافعیہ کی تحقیق کے موافق سجدہ شکر بغیر نفلوں کے بھی مشروع ہے۔ لیکن اس جگہ وہ سجدۂ شکر کے قائل نہیں جیسا کہ شرح مناسک نَوَوِی میں ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے۔

(۲۵) اگر مسجد میں داخل ہونے کے وقت فرض نماز کھڑی ہونے کو ہو تو اس وقت تحیۃ المسجد نہ پڑھے۔ بلکہ فرض نماز میں شرکت کرے اسی میں تحیۃ المسجد کی بھی نیت کرلے تو تحیۃ المسجد کا ثواب بھی مل جائیگا۔ اسی طرح اگر ایسے وقت میں مسجد میں داخل ہوا جبکہ نفلیں مکروہ ہیں جیسا کہ عصر کے بعد تو اس وقت بھی تحیۃ المسجد نہ پڑھے۔

(۲۶) نماز سے فراغت کے بعد قبر شریف کی طرف چلے اس حال میں کہ دل کو سب کدورات اور آلائشوں سے پاک رکھے اور ہمہ تن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کیطرف پوری توجہ کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جس قلب میں دنیا کی گندگیاں اور لہو و لعب، شہوتیں اور خواہشیں بھر رہی ہوں اس دل پر وہاں کی برکات کا کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ ایسے دل والوں پر جو دنیا پر پڑے رہیں اور آخرت سے اور اس کے فکر سے بے تعلق ہوں حضور کے غصہ اور اعراض کا اندیشہ ہے اللہ ہی اپنے فضل سے اس سے پناہ دے۔ لہٰذا ہر شخص کے لئے ضروری ہے جہاں تک ممکن ہو اس وقت اپنے دل کو دنیوی خرافات سے خالی رکھنے کی کوشش کرے اور اللہ کی رحمت کی وسعتِ عفو و کرم کے کمال کی امید رکھے۔ اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمۃ للعالمین پر نظر رکھے اور حضور ہی کے وسیلہ سے اللہ سے معافی کا طالب بن کر حاضر ہو (شرح لباب)۔

(۲۷) جب کسی قبر پر حاضری ہو تو میت کے پاؤں کی طرف سے جائے تاکہ میت کو اگر حق تعالیٰ شانہٗ آنے والے کا کشف عطا فرمائے تو دیکھنے میں سہولت رہے اس لئے کہ جب میت قبر میں دائیں کروٹ لیٹی ہے تو اس کی نظر قدموں کیطرف ہوتی ہے اگر کوئی سرہانے کی جانب سے آئے تو میت کو دیکھنے میں تعب اور مشقت ہوتی ہے (فتح القدیر) اسی ضابطہ کے موافق اسجگہ بھی بعض علماء نے لکھا ہے کہ قدم مبارک کی جانب سے حاضر ہو جیسا کہ ابن حجرؒ نے شرح مناسک میں نقل کیا ہے۔ مواہب میں لکھا ہے کہ زائر کے لئے مناسب یہ ہے کہ قبلہ کی جانب سے ہو کر مواجہ شریف پر حاضر ہو، لیکن اگر پاؤں کیطرف سے حاضر ہو تو یہ ادب کے لحاظ سے اولیٰ ہے، مگر بعض علماء نے عام ضابطہ کے خلاف اس جگہ پر سرہانے سے حاضری کو ترجیح دی ہے، اسوجہ سے کہ تحیۃ المسجد روضہ میں پڑھی گئی جو حضور کے بالکل سرہانے ہے۔ اس صورت میں اگر وہاں سے چل کر پاؤں کی طرف کو آئے گا۔ تو صورت قبر مبارک کے طواف کی سی بن جائے گی اور قبر کا بالکل جائز نہیں اس لئے اس کی صورت سے بچنے کی رعایت سے اس جگہ سرہانے سے حاضری کو گوارا کیا گیا۔ ورنہ عام ادب ہر قبر پر حاضری کا یہی ہے کہ پاؤں کیطرف سے حاضر ہو۔

(۲۸) مواجہ شریف پر حاضر ہو تو سرہانے کی دیوار کے کونہ میں جو ستون ہے اس سے تین چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو اور پشت قبلہ کیطرف کرے اور بائیں طرف کو ذرا مائل ہو تا کہ چہرۂ انور کے بالکل سامنے ہو جائے (زبدہ) صاحب اتحاف کہتے ہیں کہ یہ ستون اب پیتل کی دیوار کے اندر

آ گیا۔ مُلّا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ چاندی کی کیل جو اس دیوار میں ہے اس کے مقابل کھڑا ہو (شرح لباب) لیکن اب تین جھروکے سامنے کی پیتل کی دیوار میں کر دیئے گئے، جن سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخینؓ کی مبارک قبروں کا سامنا ہوتا ہے۔ ابنِ حجرؒ کہتے ہیں کہ چاندی کی میخ جس پر سونے کا جھول ہے وہ چہرۂ انور کی محاذات میں ہے۔

(۲۹) دیوار سے تین چار گز کے فاصلہ پر کھڑا ہو، زیادہ قریب نہ ہو کہ ادب کے خلاف ہے۔ اور نگاہ نیچی رہنا چاہیے۔ اِدھر اُدھر دیکھنا اس وقت سخت بے ادبی ہے۔ ہاتھ پاؤں بھی ساکن اور وقار سے رہیں۔ یہ خیال کرے کہ چہرۂ انور اس وقت میرے سامنے ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میری حاضری کی اطلاع ہے۔ حضورؐ کی علوِّ شان اور علوِّ مرتبت کا استحضار پوری طرح سے دِل میں ہو۔ ابنُ امیر الحاجؒ مدخل میں لکھتے ہیں کہ جتنے بھی تواضع اور آداب اس وقت کی حاضری کے لکھے جاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ تواضع اور عجز و انکسار ہونا چاہیے اس لئے کہ آپ کی ذات ایسی شفیع ہے جس کی شفاعت مقبول ہے جس نے آپ کے در کا ارادہ کیا وہ مراد کو پہنچا۔ اور جو آپ کی چوکھٹ پر حاضر ہو گیا وہ نامراد نہیں رہا۔ جس شخص نے آپ کے وسیلہ سے دُعا کی وہ قبول ہوئی اور جو مانگا وہ ملا۔ تجربہ اور واقعات اسکی شہادت دیتے ہیں اس لئے جتنا زیادہ ادب ہو سکے دریغ نہ کرے اور یہ سمجھے گویا میں زندگی میں آپکی مجلس میں حاضر ہوں، اسلئے کہ اُمّت کے حالات کے مشاہدہ میں اور ان کے ارادہ اور قصد کے ظہور میں اس وقت آپکی حیات اور ممات میں کوئی فرق نہیں (مدخل اوّل)

(۳۰) اس کے بعد حضورؐ پر سلام پڑھے۔ مناسک کے رسائل میں سلام کے الفاظ بہت سے نقل کیے گئے ہیں اس میں سلف کا معمول مختلف رہا ہے۔ بعض اکابر مختلف عنوان اور مختلف الفاظ کے ساتھ سلام پڑھتے تھے اور ذوق و شوق کا تقاضا یہی ہے ۔

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں ❊ واں ایک خامشی تیری سب کے جواب میں

اور بعض حضرات نہایت مختصر الفاظ میں سلام پڑھتے تھے ادب اور ہیبت کا تقاضا یہی ہے ۔

بے زبانی ترجمانِ شوق بیحد ہو تو ہو ❊ ورنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

مُلّا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ بعض اکابر جیسے کہ حضرت ابنِ عمرؓ صرف اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ پر اکتفاء کرتے تھے اور بعض حضرات طویل سلام کو

اختیار کرتے تھے اور احادیث میں مُختلف اَلفاظ اور مُختلف عُنْوانوں سے درود شریف وارد ہونے سے اس کی تائید ہوتی ہے. حضرت گنگوہی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے زُبدہ میں سلام کے الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ سلام میں جس قدر چاہے الفاظ زیادہ کرے مگر ادب اور عجز کے کلمات ہوں لیکن سَلَف یہاں مُختصَر الفاظ کہنے کو پسند کرتے ہیں اور جہاں تک بھی اِختصار ہو سکے مُستحسَن رکھتے ہیں اِمام نَوَوِیؒ نے اپنی مَنَاسِک میں سلام کے طَوِیل الفاظ لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت اِبنِ عُمرؓ وغیرہ سے غایت اِختصار نقل کیا گیا. حضرت اِبنِ عُمرؓ تو اتنا ہی کہتے تھے. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا بَكْرٍ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَتَاہُ. اس ناکارہ کے ناقص خیال میں جو شخص سلام کے الفاظ کا ترجمہ اور مطلب سمجھتا ہو اور ان الفاظ کے بڑھانے سے ذوق میں اِضافہ ہوتا ہو اس کو تو تطوِیل مُناسب ہے اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو طوطے کی طرح سے مُزوّرین کے اَلفاظ دُہرانے کی ضرورت نہیں. انتہائی ذوق وشوق اور غایت سکون اور وقار سے آہستہ آہستہ ٹھیر ٹھیر کر اَلصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ پڑھتا رہے. اور جب تک شوق میں اِضافہ پاوے انہی الفاظ کو یا اور کسی سلام کو بار بار پڑھتا رہے اس سے پہلی فصل کے نمبر۱ پر صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ستر مرتبہ پڑھنا گذرا ہے وہ بھی بہتر ہے مگر سکون اور وقار اور ذوقِ شوق سے پڑھے.

(۳۱) یہ نہایت اَہَم اور ضروری بات ہے کہ سلام پڑھتے وقت شور وشغب ہرگز نہ کرے. نہ زور سے چلّائے. بلکہ اتنی آواز سے کہے کہ اندر تک پہنچ جائے. مُلّا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ نہ تو زیادہ جہر ہو اور نہ بالکل اِخفاء ہو بلکہ مُتَوَسِّط اور مُعْتَدِل آواز حضورِ قلب اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے شرم وحیا لئے ہوئے ہو. بخاری شریف میں ایک قصّہ لکھا ہے حضرت سائبؒ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا ایک شخص نے میرے ایک کنکری ماری میں نے اُدھر دیکھا تو وہ حضرت عمرؓ تھے. انہوں نے مجھے (اشارہ سے بلا کر) کہا کہ یہ دو۲ آدمی جو بول رہے ہیں اُن کو بلا کر لا. میں ان دونوں کو حضرت عمرؓ کے پاس لایا. حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ طائف کے رہنے والے ہیں. حضرت عمرؓ نے فرمایا "اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو تمہیں مزہ چکھاتا. تم حضورِ اقدسؐ کی مسجد میں چلّا کر بول رہے ہو"

محمد بن مَسْلَمہؓ کہتے ہیں کہ کسی شخص کو بھی یہ نہیں چاہیے کہ مسجد میں زور سے بولے (شرح شفاء)

حضرت عمرؓ کے اس قصّہ میں بعض روایات میں حضرت عمرؓ کا اِرشاد نقل کیا گیا کہ ایسے کوڑے مارتا کہ بدن درد کرنے لگتا۔ اب گویا اجنبی دوسرے شہر کے ہونے کی وجہ سے مسئلہ سے ناواقفیت کو عذر قرار دیا۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ جب کہیں قریب کیل میخ وغیرہ کے ٹھوکنے کی آواز سنتیں تو آدمی بھیجکر ان کو روکتیں کہ زور سے نہ ٹھوکیں۔ حضورؐ کی تکلیف کا لحاظ رکھیں۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجہَہٗ کو اپنے مکان کے کواڑ بنوانے کی ضرورت پیش آئی تو بنانے والوں کو فرمایا کہ شہر کے باہر بقیع میں بنا کر لائیں ان کے بنانے کی آواز کا شور حضورؐ تک نہ پہنچے۔ عَلَّامہ قسطلانیؒ مَواہب میں لکھتے ہیں کہ حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم کے ساتھ اَدب کا وہی معاملہ ہونا چاہیے جو زندگی میں تھا۔ اس لیے کہ حضورؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں (شرح مواہب)

حق تعالیٰ سُبْحَانَہٗ وَتَقَدَّس نے قرآن پاک میں سورہ حُجُرات میں خُصُوصیَّت سے اس طرف تَنبیہ فرمائی ہے۔ اِرشاد والا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ الآیۃ

اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ اور نہ آپ سے ایسے زور سے گفتگو کرو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں (ایسا نہ ہو کہ اس حرکت سے تمہارے (پہلے کیے ہوئے نیک عمل برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو"

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حَضَرات شَیخین حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے درمیان کسی مشورہ کی گفتگو میں جو حضورؐ کی مجلس میں تھی اِختِلافِ رائے کی وجہ سے تیز گفتگو ہوگئی تھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جب حضرات شیخینؓ پر یہ عتاب ہے تو ہم تم کس شمار میں ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ اس آیتِ شریفہ کے بعد حضورؐ کی مجلس میں حضرت عمرؓ کی آواز ایسی ہوتی کہ بعض اوقات مُکَرَّر پوچھنا پڑتا کہ کیا کہا۔ حضرت اَبُوبکر صِدِّیقؓ نے عرض کیا یا رسُولَ اللّٰہ میں تو اب سے آپ سے اس طرح گفتگو کروں گا جیسا کہ کوئی راز کی بات کرتا ہو۔

حضرت ثابت بن قیسؓ جَہوَرِیُّ الصَّوت تھے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس رنج و غم میں کہ میں تو ہمیشہ ہی زور سے بولتا ہوں میں تو بس جہنمی ہوگیا، گھر سے نہ نکلتے تھے۔ کئی دن کے بعد حضورؐ نے دریافت فرمایا تو واقعہ معلوم ہوا۔ حضورؐ نے ان کی تسلّی فرمائی اور ان کو جنّتی ہونے کی بشارت دی۔ (درِ منثور) ایسی حالت میں جو لوگ وہاں شور برپا کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے اور بہت اِحتیاط لازم ہے۔

(۳۲) سلام کے بعد اللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ سے حُضورؐ کے وسیلہ سے دعاء کرے اور حضورؐ سے شفاعت کی

درخواست کرے بعض علماء نے توسّل کو منع فرمایا ہے۔ لیکن جمہور علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ مُغنی جو فقہ حنابلہ میں مشہور معروف ہے اس میں اَلفاظِ سلام میں یہ الفاظ بھی ذکر کئے ہیں،

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ قُلْتَ وَقَوْلُکَ الْحَقُّ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًاo وَقَدْ اَتَیْتُکَ مُسْتَغْفِرًا مِّنْ ذُنُوْبِیْ مُسْتَشْفِعًا بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فَاَسْئَلُکَ یَا رَبِّ اَنْ تُوْجِبَ لِیَ الْمَغْفِرَۃَ کَمَا اَوْجَبْتَھَا لِمَنْ اَتَاہُ فِیْ حَیَاتِہٖ الخ

"اے اللہ تیرا پاک ارشاد ہے اور تیرا ارشاد حق ہے اور وہ یہ ہے وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا آخر آیت تک، اب میں آپ کے پاس آیا ہوں اور اپنے گناہوں سے مغفرت چاہتا ہوں اور آپ سے اپنے رب کی بارگاہ میں شفاعت چاہتا ہوں اے اللہ میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تو میری مغفرت کو واجب کر دے جیسا کہ تو نے اس شخص کی مغفرت کو واجب کیا جو حضورؐ کی خدمت میں ان کی زندگی میں حاضر ہوا ہو"

یہی الفاظ شرح کبیر میں بھی نقل کئے گئے۔ اسی طرح ان دونوں کتابوں میں عتبیؒ کا وہ قصہ بھی نقل کیا گیا جو اس سے پہلی فصل کے آخر میں گذرا۔ اور اس میں آیت شریفہ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا۔ الآیۃ کا ترجمہ بھی گذر چکا ہے۔ خلفائے عباسیہ میں سے منصور عباسی نے حضرت امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ دُعاء کے وقت حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف چہرہ کروں یا قبلہ کی طرف تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ آپؐ کی طرف سے منہ ہٹانے کا کیا محل ہے جب کہ آپؐ تیرا بھی وسیلہ ہیں اور تیرے باپ حضرت آدمؑ کا بھی وسیلہ ہیں۔ حضورؐ کی طرف منہ کر کے حضورؐ سے شفاعت چاہو اللہ جلّ شانہٗ ان کی شفاعت قبول کرے۔ علّامہ زرقانیؒ کہتے کہ اس قصہ کو قاضی عیاضؒ نے معتبر اساتذہ سے نقل کیا ہے۔ اس کا انکار کرنا جرأت ہے (شرح مواہب) علّامہ قسطلانی شافعیؒ نے مواہب میں لکھا ہے کہ زائرین کو چاہیئے کہ بہت کثرت سے دعائیں مانگیں اور حضورؐ کا وسیلہ پکڑیں اور حضورؐ سے شفاعت چاہیں کہ حضورؐ کی ذات اقدس ایسی ہی ہے کہ جب ان کے ذریعہ سے شفاعت چاہی جائے تو حق تعالیٰ شانہٗ قبول فرمائیں۔ علّامہ زرقانی مالکیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ علّامہ خلیل (مالکی) کی مناسک میں بھی یہی مضمون لکھا ہے۔

ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے اور اس سے حضرت قدس سرہٗ نے زبدہ میں نقل کیا

ہے کہ سلام کے بعد پھر حضورؐ کے وسیلہ سے دُعاء کرے، اور شفاعت چاہے۔ اور یہ الفاظ کہے۔ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَاَتَوَسَّلُ بِكَ اِلَى اللّٰهِ فِيْ اَنْ اَمُوْتَ مُسْلِماً عَلٰى مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ۔ "اے اللہ کے رسولؐ میں آپ سے شفاعت چاہتا ہوں۔ اور آپ کے وسیلہ سے اللہ سے یہ مانگتا ہوں کہ میری موت آپ کے دین اور آپ کی سنّت پر ہو۔"

امام نوویؒ نے اپنی مناسک میں حضرت عمرؓ پر سلام کے بعد لکھا ہے کہ پھر پہلی جگہ یعنی حضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سامنے آئے اور حضورؐ کے وسیلہ سے اپنے لئے دُعاء کرے اور حضورؐ کی شفاعت کے ذریعہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے دُعاء کرے۔ اور بہتر چیز ہے وہ جو عُتبیؒ سے نقل کی گئی۔ عُتبیؒ کا قصہ اس سے پہلی فصل کے ختم پر گذر چکا۔ ابنِ حجرؒ مکی شافعیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضورؐ کے ساتھ تَوَسُّل کرنا سَلَفِ صالح کا طریقہ رہا ہے اور اَنبیاءؑ اور اَولیاءؒ نے حضورؐ کے وسیلہ سے دُعاء کی ہے۔

حَاکم نے روایت نقل کی ہے اور اس کو صحیح بتایا ہے کہ جب حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے دانہ کھانے کی خطا صادِر ہوئی تو انہوں نے اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے حضورؐ کے طُفیل دُعاء کی اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے دریافت کیا کہ آدمؑ تم نے محمدؐ کو کیسے جانا، ابھی تو میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا تو حضرت آدمؑ نے عرض کیا کہ یا اللہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا اور مجھ میں جان ڈالی تھی تو میں نے عرش کے ستونوں پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا تھا۔ تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ جس کا نام ملایا ہے وہ ساری مخلوق میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو گا۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے فرمایا کہ بیشک وہ ساری مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اور جب اُس کے طُفیل تم نے مغفرت طلب کی تو میں نے تمہاری خطا معاف کر دی۔

نیز نَسائیؒ اور تِرمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک نابینا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بینائی کے لئے دُعاء چاہی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم کہو تو میں دعاء کر دوں لیکن اگر تم صبر کرو تو زیادہ بہتر ہے۔ انہوں نے دُعاء کی درخواست کی۔ حضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کو فرمایا کہ پہلے بہت اچھی طرح سے وضو کرو، اس کے بعد یہ دُعاء پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ	"اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کے نبی
اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ	جو رحمت کے نبی ہیں محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے واسطے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لِتُقْضٰى لِیْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ۔	سے آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اے محمد صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ میں آپ کے طفیل اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے اے اللہ حضورؐ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔"

ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے اور بیہقیؒ نے بھی اس کو صحیح بتایا ہے اور بیہقیؒ کی روایت میں اس کے آگے یہ بھی ہے کہ اس دعاء کے پڑھنے کے بعد وہ صاحب بینا ہو گئے۔ اور طبرانیؒ نے عمدہ سند کے ساتھ حضورؐ کی ایک دعاء کے الفاظ یہ نقل کیے۔ بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِیْ "اے اللہ تیرے نبیؐ کے طفیل اور گذشتہ انبیاءؑ کے طفیل"۔ اس کے بعد ابنِ حجرؒ نے اور بھی تائیدیں اس مضمون کی نقل کیں، اور اس دعاء کے متعلق ایک قصہ زیارت کے قصوں میں نمبر ۳۳ پر بھی آرہا ہے۔

(۳۳) اس مضمون سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس دعاء کے وقت بھی منہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی طرف ہونا چاہیے۔ اگرچہ عام دعاء کا ادب یہ ہے کہ منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے۔ لیکن اس وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے سے حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی طرف پشت ہوتی ہے۔ جو ادب کے خلاف ہے اس لئے اس وقت اسی طرف منہ کر کے دعا کرے۔

(۳۴) اس کے بعد اگر کسی اور شخص نے اپنی طرف سے حضورؐ کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے کی فرمائش کی ہو تو اس کی طرف سے بھی اس طرح سلام عرض کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ يَسْتَشْفِعُ بِكَ اِلٰى رَبِّكَ۔	"آپ پر سلام اے اللہ کے رسول فلاں کی طرف سے جو فلاں کا بیٹا ہے اور وہ آپ سے اللہ کی پاک بارگاہ میں سفارش چاہتا ہے۔"

پہلے فلاں کی جگہ اس شخص کا نام لے دوسرے فلاں کی جگہ اس کے باپ کا نام لے اگر عربی میں کہنا مشکل ہو تو اردو میں عرض کر دے کہ فلاں فلاں آدمیوں نے آپ کی بارگاہ میں سلام عرض کیا اور شفاعت کی درخواست کی ہے۔ علامہ زرقانیؒ لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی سے سلام پہنچانے کی درخواست کی ہو اور اس نے اس درخواست کو قبول کر لیا ہو یعنی وعدہ کر لیا ہو کہ میں سلام پہنچا دوں گا تو اس پر اب اس سلام کا پہنچانا واجب ہو گیا۔ اس لئے کہ یہ بمنزلہ اس کی امانت کے ہے جس کو یہ قبول کر چکا۔ صاحبِ اتحاف لکھتے ہیں کہ سلف خلف سب کا معمول دوسروں

ــــ کذا فی الاصل ۱۲ ز

کی معرفت سلام بھیجنے کا رہا ہے۔ اور سلاطین تو مستقل قاصد مدینہ طیبہ حضورؐ کی خدمت میں سلام پہنچانے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ بھی حضورؐ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لئے مستقل قاصد بھیجا کرتے تھے۔ ناظرین رسالہ سے یہ روسیاہ بھی درخواست کرتا ہے کہ اگر اس مبارک وقت میں یہ سیہ کار کسی کو یاد آجائے تو اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ زَکَرِیَّا ابْنِ یَحْییٰ الْکَانْدَھْلَوِیْ یَسْتَشْفِعُ بِكَ اِلیٰ رَبِّكَ عرض کردیں احسان ہوگا۔ اور یہ الفاظ یاد نہ رہیں تو اردو ہی میں اس ناکارہ کا سلام عرض کردیں۔

۳۵ : حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر سلام پڑھنے کے بعد تقریبا ایک ہاتھ دائیں طرف ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ پر سلام پڑھے۔ مشہور قول کے موافق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک حضورؐ کی قبرِ اطہر کے پیچھے اس طرح سے ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا سر مبارک حضورؐ کے شانہ کے مقابل ہے اس لیے ایک ہاتھ دائیں جانب کو ہو جانے سے حضرت صدیق اکبرؓ کا سامنا ہو جاتا ہے۔

(۳۶) حضرت صدیق اکبرؓ پر سلام سے فراغت کے بعد ایک ہاتھ دائیں جانب ہٹ کر حضرت فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ پر سلام پڑھے۔ اس لئے کہ مشہور قول کے موافق حضرت فاروقؓ کی قبر مبارک حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی قبر مبارک کے پیچھے ایسی طرح ہے کہ حضرت عمرؓ کا سر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے شانہ کے مقابل ہے۔

(۳۷) ان دونوں حضرات کی خدمت میں بھی اگر کسی نے سلام عرض کرنے کی درخواست کردی ہو تو ہر ایک کی خدمت میں اپنا سلام پڑھنے کے بعد اس کا سلام عرض کردے اور یہ سراپا خطا و قصور بھی درخواست کرتا ہے کہ اگر ناظرین کو کسی وقت یاد آجائے تو اس ناپاک کا سلام بھی دونوں بارگاہوں تک پہنچادیں۔ اللہ پاک آپکو اس احسان کا اپنے لطف سے اجر عطا فرمائے۔

(۳۸) بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا پر علیحدہ علیحدہ سلام پڑھنے کے بعد پھر ان دونوں حضرات کے درمیان میں کھڑا ہو۔ یعنی جس جگہ کھڑے ہو کر حضرت عمرؓ پر سلام پڑھا ہے اس سے تقریباً نصف ہاتھ بائیں جانب کو کھڑا ہو تاکہ دونوں کے درمیان میں ہو جائے اور پھر دونوں پر مشترک سلام پڑھے جس کے الفاظ زبدۃ میں یہ لکھے ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمَا یَا ضَجِیْعَیْ (وتم دونوں پر سلام اے حضورؐ کے پہلو میں لیٹنے والو)

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَفِیْقَیْہِ وَوَزِیْرَیْہِ جَزَاکُمَا اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ جِئْنَاکُمَا مُتَوَسِّلُ بِکُمَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَشْفَعَ لَنَا وَیَدْعُوَ لَنَا رَبَّنَا اَنْ یُّحْیِیَنَا عَلٰی مِلَّتِہٖ وَسُنَّتِہٖ وَیَحْشُرَنَا فِیْ زُمْرَتِہٖ وَجَمِیْعَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

تم پر سلام اے حضورؐ کے دونوں ساتھیو۔ تم پر سلام اے حضورؐ کے دونوں وزیرو۔ تمہیں حق تعالیٰ شانہٗ ہماری طرف سے بہترین بدلہ (تمہارے احسانات) کا عطا فرمائے ہم تمہارے پاس اس لئے حاضر ہوئے کہ تم سے حضورؐ کی بارگاہ میں اس بات کی سفارش چاہتے ہیں کہ حضورؐ ہمارے لئے اللہ پاک کی بارگاہ میں شفاعت فرماویں اور اللہ سے یہ دُعا فرماویں کہ وہ ہمیں حضورؐ کے دین پر اور حضورؐ کی سنّت پر زندہ رکھے اور ہمارا اور تمام مسلمانوں کا حشر حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی جماعت میں ہو۔"

بعض حضرات نے اس سلام کے الفاظ بھی کم و بیش لکھے ہیں جیسا کہ سب سلاموں میں بعض حضرات نے مختصر الفاظ نقل فرمائے ہیں اور بعض نے زائد تحریر فرمائے ہیں اور بعض نے اس مشترک سلام کو ذکر ہی نہیں کیا کہ جب علیحدہ علیحدہ سلام عرض کر چکا ہے پھر مشترک کی کیا ضرورت باقی رہی لیکن جن حضرات نے اس کو ذکر فرمایا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے کہ یہاں اب دوبارہ سلام تو بمنزلہ تمہید اور ادب کے ہے۔ اصل مقصود ان دونوں حضرات کی خدمت میں سفارش کی درخواست ہے، کہ یہ حضورؐ کی بارگاہ میں دُعا کی درخواست اور سفارش کر دیں۔ اسی لئے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ اس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ اس مکرّر سلام کی غرض کیا ہے۔

(۳۹) اس کے بعد پھر بائیں طرف آکر دوبارہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سامنے کھڑا ہو کر ہاتھ اُٹھا کر اوّل اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی خوب حمد و ثناء کرے، اس نعمتِ جلیلہ کا اور اس کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرے پھر خوب ذوق و شوق سے حضورؐ پر درود شریف پڑھے پھر آپ کے وسیلہ سے اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے اپنے لئے اپنے والدین کے لیے اپنے مشائخ کے لیے اپنے اہل و عیال کے لیے۔ اپنے عزیز و اقارب کے لیے اپنے دوستوں اور ملنے والوں کے لیے اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے دعاء کی درخواست کی ہو اور تمام مسلمانوں کے لیے زندوں کے لیے اور مُردوں کیلئے خوب دعا کرے اور اپنی دُعا کو آمین پر ختم کرے (شرح لباب) اور یاد آجائے تو ناکارہ زکریا کو بھی اپنی اس مبارک دُعا میں شامل کرلے۔

(۴۰) :- حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی مبارک قبروں کی ترتیب اور صورت میں سات روایات کتبِ حدیث وسِیَر میں آئی ہیں۔ ان سب میں دو روایتیں زیادہ مشہور ہیں۔ ان دونوں کی صورت یہاں لکھی جاتی ہے تاکہ حاضرین کو سمجھنے میں سہولت ہو۔ پہلی صورت یہ ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

علّامہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں ان سب صورتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس صورت کو سب سے زیادہ صحیح اور راجح روایت بیان کیا ہے۔ اس کے اتباع میں

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

صاحبِ اتحاف نے بھی اس کو اشہر الروایات لکھا ہے۔ علامہ سمہودی نے لکھا ہے کہ یہ دو صورتیں ان سب روایات میں زیادہ راجح ہیں جو حضورؐ کی قبر کی تصویر میں وارد ہوئی ہیں۔ ابوداؤد شریف میں یہ دوسری صورت وارد ہوئی اور حاکم نے اس کو صحیح بتایا۔ علّامہ زرقانی نے شرح مواہب میں لکھا ہے کہ ان سات روایات میں سے پانچ ضعیف ہیں اور دو صحیح ہیں۔ ان دو میں بھی پہلی صورت کو اکثر علماء نے راجح قرار دیا اور رزینؒ نے اسی پر وثوق کیا۔ امام نوویؒ نے اس کو مشہور روایت قرار دیا۔

(۴۱) اس کے بعد اُسطوانۂ ابولبابہ کے پاس آکر دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کرے۔ (زبدہ)

(۴۲) پھر دوبارہ روضہ میں جاکر نفلیں پڑھے اور دعا و درود وغیرہ میں خضوع خشوع سے مشغول رہے دسویں فصل میں جہاں مسجد کے ستونوں کا ذکر آرہا ہے۔ اس میں اس ستون کا مفصّل حال آرہا ہے۔

(۴۳) اس کے بعد منبر کے پاس آکر دعا کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ منبر کی اس جگہ پر جس کو رُمّانہ کہتے ہیں ہاتھ رکھ کر دعا کرے اس لئے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے وقت اس پر دستِ مبارک رکھتے تھے۔ امام غزالیؒ نے احیاء میں لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ نیچے والے رمّانہ پر ہاتھ رکھے کہ حضورؐ اس پر ہاتھ رکھتے تھے لیکن مُلّا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ وہ رمّانہ اب باقی نہیں جب مسجد نبوی میں دوسری مرتبہ آگ لگی ہے اس میں جل گیا تھا۔ شفاء قاضی عیاض اور اس کی شرح لعلی القاریؒ میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا گیا کہ منبر پر حضورؐ کے بیٹھنے کی جگہ ہاتھ پھیر کر انہوں نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ اور ابن قسیطؒ اور عتبیؒ کہتے ہیں کہ منبر کے اس رمّانہ پر جو قبر کے نزدیک ہے اور حضورِ اقدس

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس کو اپنے داہنے ہاتھ سے پکڑا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ برکت کی نیت سے اس پر دایاں ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ رُمّانہ منبر کی وہ مونٹھ کہلاتی ہے جو انار کی شکل کناروں پر بنی ہوئی ہوتی ہے

(۴۴) اس کے بعد اُسطُوانہ حَنّانہ کے پاس جاکر درود شریف اور دُعاء اہتمام سے کرے (زبدہ) ستونوں کے بیان میں سب سے پہلے اسی کا ذکر آرہا ہے۔

(۴۵) اس کے بعد باقی مشہور ستونوں کے پاس جاکر دُعا کرے۔ (لباب)

(۴۶) اور اس کی کوشش کرے کہ وہاں کے قیام میں کوئی نماز مسجد نبوی کی جماعت سے فوت نہ ہونے پائے۔ (فتح القدیر) کہ قیام تھوڑا ہے اور ثواب بہت زیادہ، نہ معلوم پھر حاضری مُیَسّر ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

(۴۷) اس کا خیال رکھے کہ زیارت کے وقت نہ دیواروں کو ہاتھ لگاوے کہ یہ بے ادبی اور گستاخی ہے اور نہ دیواروں کو بوسہ دے کہ یہ حَجَرِ اَسْوَد ہی کا عمل ہے نہ دیواروں کو چمٹے نہ طواف کرے اس لئے کہ طواف بیت اللہ شریف کے ساتھ خاص ہے قبر کا طواف حرام ہے۔ مُلّا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ جاہلوں کے فعل کا اِتّباع نہ کرے۔ چاہے وہ صورت سے مشائخ معلوم ہوتے ہوں۔ نہ قبر کے سامنے جھکے نہ زمین کو بوسہ دے نہ قبر کی طرف منہ کرکے اس نیت سے کہ اُدھر قبر ہے نماز پڑھے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اگر قبر کی تعظیم کے لحاظ سے اس طرف منہ کرکے نماز پڑھے تو اس کے کفر کا فتوےٰ دیا جائے گا البتہ حجرہ کی پشت پر چونکہ دیوار حائل ہے اس لئے قبر شریف کا ارادہ کئے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے۔ (شرح لباب)

مُوَفّق ابنِ قُدامہؒ مُغنی میں لکھتے ہیں کہ قبرِ اطہر کی دیوار کو نہ تو چھونا مستحب ہے نہ چومنا۔ امام احمدؒ نے اس کے معروف ہونے کا انکار فرمایا ہے۔ البتہ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ کا یہ فعل نقل کیا کہ وہ منبر پر حضورؐ کے بیٹھنے کی جگہ ہاتھ رکھ کر اپنے منہ پر پھیرا کرتے تھے۔ امام نَوَوِیؒ لکھتے ہیں کہ قبرِ اطہر کا طواف کرنا ناجائز ہے اور پیٹ کا یا کمر کا قبر شریف کی دیوار سے چمٹانا مکروہ ہے، اسی طرح اس پر ہاتھ پھیرنا یا اس کو چومنا، بلکہ اَدب یہ ہے کہ اس سے دور کھڑا ہو جیسا کہ حضورؐ کی حیات میں ادب کی وجہ سے دُور کھڑا ہوتا۔ یہی صحیح ہے اور تمام عُلماء کی مُتّفقہ رائے ہے، اس کے خلاف جو بعض عَوام کا عمل دیکھے تو اس سے دھوکا نہ کھائے اور ان کی جہالت کی باتوں کی طرف اِلتفات نہ کرے۔ اور جو یہ خیال کرے کہ دیوار پر ہاتھ پھیرنے سے برکت مقصود ہے یہ اس کی جہالت ہے۔ اس لئے کہ برکت اس

میں ہوتی ہے جو شریعتِ مطہرہ کے موافق ہو، حق کے خلاف میں برکت کہاں ۔

(۴۸) بلا ضرورتِ شدیدہ قبر شریف کی طرف پشت نہ کرے نہ نماز میں نہ بغیر نماز کے (شرح لباب) بلکہ نماز میں ایسی جگہ کھڑے ہونے کی سعی کرے کہ نہ اس جانب منہ ہو نہ پشت اور بلا نماز تو اس طرف پشت کرنے کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی ۔

(۴۹) اس کا لحاظ رکھے کہ جب قبر شریف کے مقابل سے گذرنا ہو تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھے ۔ حتیٰ کہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مسجد سے باہر بھی قبر شریف کے مقابل سے گذرے تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھے ۔ حضرت ابو حازم صحابی رَضِیَ اللہُ عَنہُ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آئے اور یہ کہا کہ میں نے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خواب میں زیارت کی ۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ابو حازم سے کہدینا کہ تم میرے پاس سے اعراض کرتے ہوئے گذر جاتے ہو کھڑے ہو کر سلام بھی نہیں کرتے ۔ اس کے بعد سے ابو حازمؓ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ جب ادھر سے گذرتے تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھتے (شرحِ لباب) ۔

(۵۰) مدینہ پاک کے قیام میں قبر شریف پر کثرت سے حاضری کا اہتمام رکھے ۔ امام اعظمؒ ، امام شافعیؒ ، امام احمدؒ تینوں حضرات کے نزدیک کثرت سے حاضر ہوتے رہنا پسندیدہ ہے ۔ البتہ امام مالکؒ نے کثرت حاضری کو پسند نہیں کیا جس کی وجہ علماء یہ فرماتے ہیں کہ مبادا بار بار کی حاضری سے طبیعت میں بے رغبتی پیدا نہ ہو جائے (شرح لباب) ۔

(۵۱) مسجد شریف میں رہتے ہوتے حجرہ شریف کی طرف اور مسجد سے جب باہر ہو تو قبۂ شریف جہاں سے نظر آتا ہو بار بار ان کو دیکھنا ان پر نظر جمائے رکھنا بھی افضل ہے ۔ اور انشاء اللہ موجبِ ثواب ہے (شرح لباب وشرح مناسک نووی) نہایت ذوق شوق کے ساتھ چپ چاپ والہانہ نظر جمائے رکھے ہے

سکوتِ عشق کو ترجیح ہے اظہارِ الفت پر مری آہیں رسا نکلیں یہ نالے بے اثر نکلے

(۵۲) مدینہ منورہ کے قیام میں جتنا زیادہ سے زیادہ وقت مسجد نبوی میں گذر سکے غنیمت سمجھے ۔ قرآن پاک کم از کم ایک تو ختم کر ہی لے ۔ اور مستقل اعتکاف بھی جے دن کا نصیب ہو سکے نعمت ہے ۔ راتوں کو جتنا زیادہ سے زیادہ عبادت میں گذار سکے بہتر ہے کہ یہ مبارک راتیں پھر کہاں ملیں گی (شرح لباب) زبدۃ میں حضرت قطبِ عالمؒ نے لکھا ہے ۔ اور جب تک مدینہ منورہ میں رہے

تلاوت اور ذکر کرتا رہے اور صلوٰۃ و سلام خوب کرتا رہے اور راتوں کو بہت جاگے اور وقت ضائع نہ کرے۔

(۵۳) :- زبدہ میں لکھا ہے اور بعد زیارت قبرِ مبارک کے ہر روز یا جمعہ کو زیارت مزاراتِ بقیع کی بھی ضرور کرے۔ کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت عباسؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت ابراہیمؑ اور ازواجِ مطہراتؓ اور اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ شرح لباب میں لکھا ہے کہ زائرین کو روزانہ بقیع میں حاضر ہونا چاہیئے اور مدینہ منورہ کے رہنے والوں کو جمعہ کو حاضر ہونا چاہیئے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ روزانہ بقیع میں حاضر ہو بالخصوص جمعہ کے دن اور یہ حاضری حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر پر حاضری کے بعد ہو۔ اور وہاں جا کر معروف قبروں کی زیارت کرے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت عثمانؓ، حضرت عباسؓ، حضرت حسنؓ، اور حضرت علی بن حسین زین العابدینؒ اور حضرت محمد باقر بن علیؒ اور جعفر بن محمدؒ وغیرہ اور سب سے آخر میں حضور کی پھوپھی حضرت صفیہؓ کی قبر پر حاضری دے۔ اس لئے کہ اہلِ بقیع کی قبور کی فضیلت اور ان کی زیارت کے بارے میں بہت کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض دسویں فصل کی حدیث نمبر۹ کے ذیل میں آرہی ہیں۔ ابنِ حجرؒ شرح مناسک میں لکھتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ وہاں جا کر سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کی قبرِ مبارک پر حاضر ہو۔ اگر کسی دوسرے بزرگ کی قبر راستہ میں پڑ جائے تو اس وقت تو مختصر سلام کر کے آگے بڑھ جائے، اور حضرت عثمانؓ کی قبر شریف کی زیارت کے بعد پھر واپس آکر کھڑا ہو۔ اس لئے کہ حضرت عثمانؓ ان سب میں افضل ہیں جو بقیع میں مدفون ہیں۔ اور ان کے بعد پھر حضرت عباسؓ کی قبر پر حاضر ہو۔ بقیع میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی بہت بڑی جماعت مدفون ہے۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تقریباً دس ہزار صحابی مدفون ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان سب حضرات کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کرے (شرح مناسک نوویؒ) امام غزالیؒ لکھتے ہیں مستحب یہ ہے کہ روزانہ حضورؐ پر سلام پڑھنے کے بعد بقیع کی زیارت کو حاضر ہوا کرے۔ صاحبِ اتحاف بروایت امام مسلم حضرت عائشہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ میری باری کی شب میں ہمیشہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بقیع تشریف لے جاتے تھے۔

شرحِ لباب میں لکھا ہے اس میں اختلاف ہے کہ بقیع میں حاضری کی ابتداء کہاں سے کرے بعض نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا۔ اس لئے کہ وہ سب

حضرات سے جو وہاں آرام فرما رہے ہیں افضل ہیں۔ بعض نے حضرت ابراہیمؓ سے اس لئے کہ وہ حضورؐ کے جگر گوشہ ہیں، حضور نے ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر ابراہیمؓ زندہ رہتے تو نبی ہوتے، بعض نے حضرت عباسؓ سے اس لئے کہ وہ حضور کے چچا ہیں، اور بقیع میں سب سے اوّل ان کی قبر مبارک آتی ہے، وہاں سے بغیر سلام کے آگے چلے جانا بے اُدبی ہے۔ نیز ان کے قریب حضرت حسنؓ اور دیگر اہل بیتؓ ہیں کہ ان سب کا مجموعہ حضرت عثمانؓ کی فضیلت سے بڑھ جائے گا۔ مُلّا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ یہ مُوجَب ہے اور زیارت کرنے والوں کو اسی میں سہولت ہے کہ یہ جگہ بقیع میں سب سے پہلے آتی ہے۔

(۵۴) امام غزالیؒ نے لکھا ہے مستحب یہ ہے کہ ہر پنجشنبہ کو شہداءِ اُحد کی زیارت کرے صبح کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر چلا جائے تاکہ ظہر تک واپسی ہو جائے اور کوئی نماز مسجد نبویؐ کی فوت نہ ہو۔ صاحبِ اتحاف لکھتے ہیں کہ پنجشنبہ کی خصوصیت اس وجہ سے شاید ہو کہ یہ واقعہ اس دن ہوا یا اس وجہ سے کہ یہ دن مدینہ والوں کی فراغت کا ہے یا اس وجہ سے کہ حضورؐ نے پنجشنبہ کی صبح میں اُمّت کیلئے برکت کی خبر یا دُعا فرمائی یا کسی اور وجہ سے ہو سب مُحتمل ہیں۔ مُلّا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ جبل اُحد اور شہداءِ اُحد دونوں کی مُستقل زیارت کی نیت کرے اس لئے کہ جَبل اُحد کے فضائل بھی احادیث میں بہت آئے ہیں۔ مُستحب یہ ہے کہ پنجشنبہ کی صبح کو سویرے نماز کے بعد روانہ ہو جائے تاکہ ظہر تک واپس ہو سکے اور وہاں جا کر سب سے اوّل سَیّدُ الشُّہداء حضرت حمزہؓ کے مزار پر حاضر ہو، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میرے سب چچاؤں میں حضرت حمزہؓ افضل ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب شہداء کے سردار حضرت حمزہؓ ہوں گے، وہاں جا کر حضرت حمزہؓ کی قبر مُبارک پر نہایت خشوع خضوع سے ان کی عظمت و احترام کی رعایت کرتے ہوئے کھڑا ہو، اس کے بعد پھر دوسرے مزارات پر۔

(۵۵) اِمام نَوَوِیؒ نے لکھا ہے کہ قُباء کی حاضری کا اِستحباب بہت مُوکّدہ ہے اور اَولیٰ یہ ہے کہ شنبہ کے دن حاضر ہو، اس حاضری میں اس کی زیارت کی نیت ہو اور اس کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت ہو۔ اس لئے کہ ترمذی شریف وغیرہ میں صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مسجد قُباء میں نماز پڑھنا بمنزلہ عمرہ کرنے کے ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہر شنبہ کے دن مسجد قُباء تشریف لے جاتے تھے۔ مُلّا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ مسجد مکہ، مسجد مدینہ، مسجد اقصیٰ کے بعد سب مساجد سے افضل مسجد قُباء ہے۔ بلکہ ایک روایت میں تو حضورؐ کا ارشاد یہاں تک نقل کیا گیا کہ میں دو رکعت مسجد قُباء میں پڑھوں یہ مجھے مسجد اقصیٰ میں دو دفعہ جانے سے زیادہ محبوب ہے۔ لیکن مشہور

رِوایات سے مسجدِ اقصیٰ کی فضیلت زیادہ معلوم ہوتی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فضیلت اور چیز ہے محبوبیت دوسری چیز ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا معمول زیادہ تر شنبہ کو تشریف لے جانے کا تھا۔ اور دوشنبہ کو تشریف لے جانا اور ۲۰ رمضان کی صبح کو تشریف لے جانا بھی وارد ہوا ہے۔

(۵۶)۔ ان کے بعد مدینہ پاک کے دوسرے مُتبرّک مقامات کی زیارت اَولیٰ ہے۔ امام نَوَوِیؒ نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے مُتبرّک مقامات کی زیارت کرے جو تقریباً تیس۳۰ مواضع ہیں۔ اہلِ مدینہ ان کو جانتے ہیں۔ اور اسی طرح سے ان سات کنوؤں کا پانی پئے جن سے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا وضو یا غسل کرنا وارد ہوا ہے۔ امام غزالیؒ نے بھی یہی مضمون لکھا ہے کہ بیرِ اَرِیس کے پاس جا کے جو مسجد قُبا کے قریب ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ اس کنویں میں حضورؐ نے اپنا لبِ مبارک ڈالا ہے اس سے وضو کرے اور اس کا پانی پئے اور مسجدِ فتح کے پاس آئے جو خندق کے قریب ہے، اور ایسے ہی بقیہ مساجد اور مُتبرّک مقامات جن کی تعداد تقریباً تیس ہے اہلِ مدینہ کے یہاں یہ مَواقع معروف ہیں۔ ایسے ہی ساتوں کنوؤں کا پانی شِفا اور برکت کی نیت سے پئے۔ صاحبِ اتحاف کہتے ہیں کہ یہ سات کنویں بیرِ اَرِیس، بیرِ حاء، بیرِ عرس، بیرِ بُضاعہ، بیرِ بُصّہ ہیں اور ساتویں میں اختلاف ہے کہ بیرِ سُقیا بیرِ عِہن بیرِ جَمَل میں سے کون سا ہے۔ اس کے بعد صاحبِ اتحاف نے ان سب کنوؤں کے متعلق احادیث ذکر کی ہیں۔ صاحبِ لُباب کہتے ہیں کہ حضورؐ کا اِستعمال جن کنوؤں سے نقل کیا جاتا ہے وہ ۱۷ سترہ ہیں لیکن ان میں سب معروف نہیں، اسی طرح نَواحِ مدینہ اور مکّہ کے راستہ میں بہت سی مساجد حضورؐ کی طرف منسوب ہیں جن میں سے اکثر زیارتُ الحَرَمین میں ذکر کی ہیں۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

(۵۷)۔ وہاں کے قیام میں صَدقات کی کثرت رکھے بِالخصوص مدینہ پاک کے رہنے والوں پر۔ صاحبِ لُباب نے لکھا ہے کہ مدینہ کے مُستقل رہنے والے ہوں یا باہر کے لوگ جو وہاں آکر مُقیم ہو گئے ہوں وہ باہر کے رہنے والوں پر مُقدّم ہیں۔ اس لئے کہ مدینہ کے رہنے والوں سے مَحبّت واجب ہے۔ امام نَوَوِیؒ نے لکھا ہے کہ مدینہ کے قیام میں جتنے زیادہ سے زیادہ روزے رکھ سکے رکھے، جتنا زیادہ ممکن ہو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پڑوسیوں پر صدقہ کرے کہ یہ بھی حضورؐ ہی کی خدمت گذاری میں داخل ہے۔

(۵۸) مدینہ کے قیام میں جو کچھ خریدے اس میں یہ نیت رکھے کہ یہاں کے تاجروں کی معاش یہی ہے۔ اگر ان کی تجارت میں وُسعت اور فروغ رہا تو ان کا یہ سلسلۂ مَعاش قائم رہے گا۔ اور یہ حضرات

راحت سے سکون واطمینان کے ساتھ یہاں قیام کرسکیں گے۔ اور ہم لوگ اس کا ذریعہ بنیں گے اور جب اس ارادہ سے خرید ے گا۔ تو اس میں یہ اشکال بھی نہ ہوگا کہ زیادہ پیسے خرچ ہوگئے کہ یہ بھی حقیقت میں ایک نوع کا صدقہ ہے۔ بشرطیکہ یہی نیت ہو، بلکہ کچھ چیزیں اسی نیت سے خرید لے کہ ویسے صدقہ کرنے میں جب تک وہ دام لینے والے کے پاس رہیں گے۔ اس وقت تک وہ مُنتفع ہوسکتا ہے۔ اور اس صورت میں ان کی تجارت کو فروغ ہوگا جس سے دُہ دیر تک مُنتفع ہوسکتے ہیں۔ البتہ جن حضرات کے پاس سلسلۂ تجارتی نہیں ہے ان کو ویسے ہی ہدیہ کرے اور بہتر یہ ہے کہ بجائے صدقہ کے ہدیہ کی نیت کرے کہ یہ اونچے حضرات ہیں۔

(۵۹) سب اہلِ مدینہ کے ساتھ ہر بات میں حُسنِ سُلوک اور اچھا برتاؤ کرے کہ وہ حضورؐ کے پڑوسی ہیں۔ علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ وہاں کے رہنے والوں کا اِکرام کرو۔ اور اگر ان میں سے بعض کے مُتعلق کوئی ایسی بات کہی گئی ہے یعنی کوئی نامناسب حرکت اس کی معلوم بھی ہو تب بھی وُہ حضورؐ کے پڑوسی ہونے کے شرف سے تو بہرہ اندوز ہیں ہی۔ اور اس اَجَلّ محبوب کے پڑوسی ہونے کا فخر تو ان کو ہے ہی اور اگر ان کی کوئی بُرائی بڑی بھی ہو جائے تب بھی پڑوسی ہونے کا تمغہ تو ان سے سَلب نہیں ہوگا۔ حضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد کہ جبرئیلؑ مجھے پڑوسی کے بارہ میں بار بار وصیّت کرتے رہے ہر پڑوسی کو شامل ہے۔ اس میں اچھے بُرے کی تخصیص نہیں۔ وہ ہر مُتقی اور غیر مُتقی کو شامل ہے اور اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کے مُتعلق حضورؐ کا اِتباع چھوڑنے کا اِلزام دے اور یہ بات اس میں ثابت بھی ہو جائے تب بھی پڑوسی ہونے کی وجہ سے جو اکرام اس کا ہے اس میں کمی نہ کی جائے کہ وُہ اس بات کی وجہ سے پڑوسی ہونے کے حق سے محروم نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اللہ کی ذات سے قوی اُمید ہے کہ اس کو مرنے سے پہلے پہلے رجوع کی توفیق عطا ہوگی اور انشاء اللہ خاتمہ بالخیر نصیب ہوگا ؂

فَیَا سَاکِنِیْ اَکْنَافِ طَیْبَۃَ کُلُّکُمْ ۔۔۔ اِلَی الْقَلْبِ مِنْ اَجْلِ الْحَبِیْبِ حَبِیْبٗ

ترجمہ: اے طَیبہ کے رہنے والو تم سب کے سب میرے دل کو محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وجہ سے محبوب ہو۔

اس کے بعد بہت سے اَشعار انہوں نے مَدَنی حضرات کے بارہ میں لکھے۔

حضرت امام مالکؒ جب امیر المؤمنین مہدی کے پاس تشریف لے گئے تو بادشاہ نے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرما دیجئے۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا سب سے اوّل اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا خوف اور تقویٰ اختیار کرنا، اس کے بعد اہلِ مدینہ پر مہربانی کہ وہ حضورؐ کے شہر کے رہنے والے حضورؐ کے پڑوسی

ہیں۔ مجھے حضورؐ کا یہ ارشاد پہنچا ہے کہ مدینہ میری ہجرت کی جگہ ہے اسی میں میری قبر ہوگی، اسی سے میں قیامت کے دن اُٹھوں گا، اس کے رہنے والے میرے پڑوسی ہیں میری اُمت کے ذمہ ضروری ہے کہ ان کی نگہبانی کریں جو میری وجہ سے ان کی خبر گیری کریگا میں اس کے لئے قیامت میں شفیع یا گواہ بنونگا اور جو میرے پڑوسیوں کے بارہ میں میری وصیت کی رعایت نہ کرے حق تعالیٰ شانہٗ اس کو طِینۃُ الخبال پلائے۔" دوسری حدیث میں ہے کہ طِینۃُ الخبال جہنمی لوگوں کا نچوڑ ہے۔ یعنی پسینہ، لہو، پیپ وغیرہ (وفاء الوفاء اوّل)

(۶۰) امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مدینہ طیبہ کے پورے قیام میں اس شہر کی عظمت اور بزرگی کا استحضار رہے اور یہ بات تصوّر میں رہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اس پاک شہر کو اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے لئے پسند فرمایا اور یہاں حضورؐ کا قیام اور اس کو وطن بنانا مقدّر فرمایا۔ اور اس کے گلی کوچوں میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے پھرنے کا استحضار رہے۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ جب سے تیری نظرِ مدینہ پاک پر پڑے اس مضمون کو اپنے ذہن میں رکھ کہ یہ وہ شہر ہے جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے لئے پسند کیا اور اس کی طرف ہجرت تجویز کی۔ اور یہی وہ شہر ہے جس میں اللہ جلّ شانہٗ نے شریعت مطہرہ کے فرائض نازل کئے اور حضورؐ نے اپنی سنّتیں جاری کیں۔ اسی شہر میں آکر دشمنوں سے جہاد کیا اسی شہر میں آپ کے دین کو غلبہ حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ اسی شہر میں آپ کا وصال ہو کر آپ کی قبر مبارک بنی، اور اسی میں آپ کے دو وزیروں کی قبر بنی، اور اس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک جا بجا پڑے۔ اور یہ سوچتا رہ کہ جس جگہ بھی تیرا قدم پڑے وہاں کسی نہ کسی وقت میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک بھی پڑا ہوگا اسلئے اپنا ہر قدم نہایت سکون و وقار کے ساتھ اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ اس جگہ حضورؐ کا قدم مبارک بھی پڑا تھا۔ اور حضورؐ کی رفتار کی جو کیفیت احادیث میں آئی ہے اسکو تصور کرتے ہوئے چل۔ اسکے ساتھ ہی حضورؐ کی عظمت، رفعتِ شان، جلالت و عظمتِ مرتبت کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے پاک نام کیساتھ حضورؐ کا نام مبارک رکھا ذہن میں رکھو، اور اس سے ڈرتے رہو کہ کہیں بے ادبی کی نحوست سے اپنے پہلے نیک عمل بھی ضائع نہ ہو جائیں۔ یہ امام غزالیؒ نے قرآن پاک کی آیت یَآ اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ۔ الاٰیۃ (سورۂ حجرات) کے مضمون کی طرف اشارہ کیا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی نہ کرو، اور نہ اُن سے ایسے زور سے گفتگو کرو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں

(ایسا نہ ہو کہ اس سے، تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔"
نمبر ۳۱ پر یہ مضمون تفصیل سے گذر چکا ہے۔ اس کے بعد امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ پھر اس دور کا تصور کرو جب کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت یہاں حاضر تھی حضورؐ کے مشاہدہ اور حضورؐ کی بابرکت کلام کے سننے سے مستفید ہوتے تھے ؎

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمّل تھا!
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اک شور تھا غل تھا
جب آئے دن خزاں کے کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

اس کے بعد اس پر افسوس اور رنج وغم کرو کہ میں حضورؐ کی اور صحابۂ کرامؓ کی بھی زیارت سے محروم رہ گیا۔ اور دنیا میں تو یہ محرومی ہو ہی گئی آخرت کا حال معلوم نہیں کیا ہو، زیارتِ اقدس شوق سے نصیب ہوتی ہے یا حسرت سے کہ کہیں دربار سے ہٹا نہ دیا جاؤں اور اپنی بداعمالیاں حاضری میں مانع نہ بن جائیں۔ اس لئے کہ حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ قیامت میں بعض آدمی میرے پاس سے ہٹا دیئے جائیں گے میں کہوں گا کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں تو جواب ملے گا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا۔ بس اگر تم نے حضورؐ کی شریعتِ مطہرہ کے احترام کے خلاف ورزی کی، تو اس سے بے فکر نہ رہو کہ کسی وقت یہ بے راہی تمہارے اور حضورؐ کے درمیان حائل نہ ہو جائے، اور اس کے ساتھ ہی اللہ کی پاک ذات سے امیدیں وابستہ رکھو، کہ جب اس نے دنیا میں اتنے دور وطن سے اس دربار کی حاضری کی سعادت نصیب فرمائی تو اس کے لطف وکرم سے بعید نہیں کہ آخرت کی بابرکت زیارت سے محروم نہ فرمائے گا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس سعادت سے اس سیہ کار کو بھی نواز دے آمین یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ بِوَسِیْلَۃِ نَبِیِّکَ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(۶۱) جب زیارت سیّدِ الْاِنْسِ وَالْجَانِّ فخرِ عالم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اور زیارت مشاہدِ متبرکہ سے فراغت کے بعد واپسی کا ارادہ ہو تو ملّا علی قاری نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے، کہ مسجدِ نبوی میں دو رکعت نفل الوداعی پڑھے اور روضہ میں ہو تو بہتر ہے اس کے بعد قبرِ اطہر پر الوداعی سلام کے لئے حاضر ہو۔ صلوٰۃ وسلام کے بعد اپنی ضروریات کے لئے دعائیں کرے۔ اور حج وزیارت کے قبول کی دعائیں کرے اور خیر وعافیت کے ساتھ وطن پہنچنے کی دعا کرے اور یہ دعا کرے کہ یہ حاضری

آخری نہ ہو، پھر بھی اس پاک دربار کی حاضری نصیب ہو، اور اس کی کوشش کرے کہ رخصت کے کچھ آنسو نکل آئیں کہ یہ قبولیت کی علامات میں سے ہے۔ پھر رونا نہ آوے تب بھی رونے والوں کی سی صورت کے ساتھ حسرت و رنج و غم ساتھ لیے ہوئے واپس ہو، اور چلتے وقت بھی کچھ صدقہ جو میّسر ہو کرے اور سفر سے واپسی کے وقت جو دعائیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں وہ پڑھتے ہوئے اور واپسی سفر کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے واپس ہو۔

اُٹھ کے ثاقبؔ گو چلا آیا ہوں اس کی بزم سے ❖ دل کی تسکین کا مگر ساماں اُسی محفل میں ہے

اپنی نااہلیّت سے حاضری کے آداب پورے نہ لکھ سکا۔ نمونہ کے طور پر چند آداب لکھ دیئے ہیں ناظرین اس سے اندازہ لگائیں اور دو اُصول کے تحت میں شریعت مُطہّرہ کے دائرہ کے اندر رہ کر جو کچھ کر سکتے ہوں کسر نہ چھوڑیں۔ اوّل ادب و احترام دوسرے شوق و ذوق۔

اس کے بعد زائرین کے چند واقعات پر اس فصل کو ختم کرتا ہوں کہ ان کے حالات بھی نمونہ اور اُسوہ ہیں۔ عَتبیؒ کا مشہور قصہ اور اس کے علاوہ چند واقعات اس سے پہلی فصل کے ختم پر بھی گذر چکے ہیں۔

۱: حضرت اُوَیس قَرنیؒ مشہور تابعی ہیں۔ سَیِّدُ التَّابِعِین ان کا لقب ہے۔ حضورؐ کا زمانہ انہوں نے پایا ہے مگر ماں کی خدمت کی وجہ سے حضورؐ کی خدمت میں حاضری سے قاصر رہے۔ حضورؐ سے اُن کے متعلق نقل کیا گیا کہ بہترین تابعی اُوَیس قَرنیؒ ہیں۔ ایک روایت میں ان کے متعلق آیا ہے کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھالیں تو اللہ جَلّ شانُہٗ اس کو پورا کریں۔ ایک حدیث میں اُن کے متعلق آیا ہے کہ جو اُن سے ملے ان سے اپنے لیے مغفرت کی دُعا کرائے۔ ایک حدیث میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان سے اپنے لئے اِستغفار کرائیں۔ بڑے فضائل اُن کے احادیث میں وارد ہیں۔ جنگ صِفّین میں حضرت علی رَضِیَ اللہُ عَنہُ کی حمایت میں شہید ہوئے (اِصابہ) جب حج کیا اور مدینہ طیّبہ کی حاضری پر مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے تو کسی نے اِشارہ سے بتایا کہ یہ ہے قبرِ اطہر حضور اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی، تو بیہوش ہو کر گر پڑے، جب غشی سے اِفاقہ ہوا تو فرمانے لگے کہ مجھے لے چلو، مجھے اس شہر میں چَین نہیں ہے جس میں حضورؐ مدفون ہوں (اتحاف)

۲: ایک بَدّو قبرِ اطہر پر حاضر ہوئے اور کھڑے ہو کر عرض کیا یا اللہ تو نے غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ تیرے محبوبؐ ہیں اور میں تیرا غلام ہوں اپنے محبوبؐ کی قبر پر مجھ غلام کو آگ سے

آزادی عطا فرما۔ غیب سے ایک آواز آئی کہ تم نے اپنے تنہا کے لئے آزادی مانگی، تمام آدمیوں کے لئے آزادی کیوں نہ مانگی۔ ہم نے تمہیں آگ سے آزادی عطا کی (مواہب)۔

(۳) اصمعی کہتے ہیں کہ ایک بدو قبر شریف کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا اللہ یہ آپ کے محبوب ہیں اور میں آپ کا غلام اور شیطان آپ کا دشمن۔ اگر آپ میری مغفرت فرمادیں تو آپ کے محبوبؐ کا دل خوش ہو، آپ کا غلام کامیاب ہو جائے اور آپ کے دشمن کا دل تلملانے لگے۔ اور اگر آپ مغفرت نہ فرمائیں، تو آپ کے محبوب کو رنج ہو اور آپ کا دشمن خوش ہو۔ اور آپ کا غلام ہلاک ہو جائے۔ یا اللہ عرب کے کریم لوگوں کا دستور یہ ہے کہ جب ان میں کوئی بڑا سردار مر جائے تو اس کی قبر پر غلاموں کو آزاد کیا کرتے ہیں اور یہ پاک ہستی سارے جہانوں کی سردار ہے تو اس کی قبر پر مجھے آگ سے آزادی عطا فرما۔ اصمعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ اے عربی شخص اللہ جل شانہ نے تیرے اس بہترین سوال پر (انشاء اللہ) تیری ضرور بخشش کر دی (مواہب)۔

۴: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حاتم اصم بلخیؒ جو مشہور صوفیہ میں ہیں کہتے ہیں کہ تیس برس تک ایک قبہ میں انہوں نے چلہ کیا تھا کہ بے ضرورت کسی سے بات نہیں کی، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے تو اتنا ہی عرض کیا کہ اے اللہ ہم لوگ تیرے نبیؐ کی قبر شریف کی زیارت کو حاضر ہوئے تو ہمیں نامراد واپس نہ کیجیو، غیب سے ایک آواز آئی کہ ہم نے تمہیں اپنے محبوب کی قبر کی زیارت نصیب ہی اس لئے کی کہ اس کو قبول کریں۔ جاؤ ہم نے تمہارے اور تمہارے ساتھ جتنے حاضرین ہیں سب کی مغفرت کر دی (زرقانی علے المواہب) بعض اوقات الفاظ چاہے کتنے ہی مختصر ہوں جب اخلاص سے نکلتے ہیں تو وہ سیدھے پہنچتے ہیں۔

۵: شیخ ابراہیم بن شیبانؒ فرماتے ہیں کہ میں حج سے فراغت پر مدینہ منورہ حاضر ہوا اور قبر اطہر پر حاضر ہو کر میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا تو حجرہ شریف کے اندر سے میں نے وعلیک السلام جواب میں سنا (قول بدیع)۔

۶: علامہ قسطلانیؒ جو مشہور محدث ہیں مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اس قدر سخت بیمار ہوا کہ طبیب علاج سے عاجز ہو گئے اور کئی سال تک مسلسل بیمار چلا گیا۔ میں نے ایک مرتبہ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۸۹۳ھ کو جب کہ میں مکہ مکرمہ میں حاضر تھا حضورؐ کے وسیلہ سے دعا کی اس کے بعد میں سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی ہیں جن کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے جس میں یہ لکھا

ہوا ہے کہ یہ دوا احمد بن القسطلانی کے لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضورؐ کے ارشاد سے عطا ہوئی ہے۔ میں خواب سے جاگا تو مرض کا اثر تک بھی نہ تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ۸۸۵ھ میں مجھے ایک واقعہ اور پیش آیا کہ میں قبر شریف کی زیارت سے واپس ہو رہا تھا کہ راستہ میں ایک حبشی ہرن نے میری خادمہ کے ٹکر ماری جس سے وہ گر گئی اور کئی دن تک سخت تکلیف رہی۔ میں نے حضورؐ کے وسیلہ سے اس کے لئے دعائے صحت کی تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہیں جن کے ساتھ ایک جن ہے جس نے ہرن کی صورت میں خادمہ کو ٹکرایا تھا۔ وہ صاحب کہنے لگے کہ اس کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے پاس بھیجا ہے۔ میں نے اس جن کو ملامت کی اور اس کی قسم دی کہ پھر کہیں ایسی حرکت نہ کرنا۔ اس کے بعد جو میری آنکھ کھلی تو اس خادمہ پر کچھ بھی اثر تکلیف کا نہ تھا (مواہب)۔

۷:۔ حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں پیاس سے اس قدر بے چین ہوا کہ چلتے چلتے پیاس کی شدت سے بیہوش ہو کر گر گیا۔ کسی نے میرے منہ پر پانی ڈالا۔ میں نے جو آنکھیں کھولیں تو ایک شخص حسین چہرہ، نہایت خوبصورت گھوڑے پر سوار کھڑا ہے۔ اس نے مجھے پانی پلایا اور کہا کہ میرے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ تھوڑی دیر چلے تھے وہ کہنے لگے یہ کیا آبادی ہے؟ میں نے کہا یہ تو مدینہ منورہ آگیا۔ کہنے لگے اتر جاؤ اور جب روضۂ اقدس پر حاضر ہو تو یہ عرض کر دینا کہ آپ کے بھائی خضر نے بھی سلام عرض کیا ہے (روض ص ۹۰)

۸:۔ شیخ ابو الخیر اقطعؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور پانچ دن ایسے گذر گئے کہ کھانے کو کچھ بھی نہ ملا۔ کوئی چیز چکھنے کی بھی نوبت نہ آئی۔ میں قبر اطہر پہ حاضر ہوا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضؓ پر سلام عرض کر کے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آج رات کو حضورؐ کا مہمان بنوں گا۔ یہ عرض کر کے وہاں سے ہٹ کر منبر شریف کے پیچھے جا کر سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ دائیں جانب حضرت ابو بکر صدیق رضؓ ہیں اور بائیں جانب حضرت عمر فاروق رضؓ ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سامنے ہیں حضرت علی رضؓ نے مجھ کو بلایا اور فرمایا دیکھ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں میں اٹھا تو آپ نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی۔ میں نے آدھی کھائی اور جب میری آنکھ کھلی تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی (روض، وفاء) اسی قسم کا ایک قصہ شیخ ابن جلاءؒ کا نمبر ۲۲ پر آرہا ہے۔

۹:۔ ابدال میں سے ایک شخص نے حضرت خضرؑ سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے سے زیادہ مرتبہ

والا بھی کوئی ولی دیکھا؟ فرمانے لگے ہاں دیکھا ہے۔ میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں حاضر تھا میں نے امام عبدالرزاق محدث کو دیکھا کہ وہ احادیث سنا رہے ہیں اور مجمع ان کے پاس احادیث سن رہا ہے۔ اور مسجد کے ایک کونہ میں ایک جوان گھٹنوں پر سر رکھے علیحدہ بیٹھا ہے۔ میں نے اس جوان سے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ مجمع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سن رہا ہے۔ تم ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتے؟ اس جوان نے نہ تو سر اٹھایا نہ میری طرف التفات کیا اور کہنے لگا کہ اس جگہ وہ لوگ ہیں جو رزاق کے عبد سے حدیثیں سنتے ہیں اور یہاں وہ ہیں جو خود رزاق سے سنتے ہیں نہ کہ اس کے عبد سے ——— حضرت خضر نے فرمایا اگر تمہارا کہنا حق ہے تو بتاؤ کہ میں کون ہوں؟ اس نے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگا کہ اگر فراست صحیح ہے تو آپ خضر ہیں۔ حضرت خضر فرماتے ہیں۔ اس سے میں نے جانا کہ اللہ جل شانہ کے بعض ولی ایسے بھی ہیں جن کے علو مرتبہ کی وجہ سے میں ان کو نہیں پہچانتا تھا۔ حق تعالیٰ شانہ ان سے راضی ہو اور ہم کو بھی ان سے نفع پہنچائے آمین (روض)

۱۰: ایک بزرگ فرماتے ہیں ہم مدینہ منورہ میں حاضر تھے اور ان کرامات کا تذکرہ کر رہے تھے جو اللہ جل شانہ نے اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو عطا فرمائی ہیں، ایک نابینا ہمارے قریب بیٹھے ہوئے ہماری باتیں سن رہا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ مجھے تمہاری باتوں سے انس ہوا ایک بات سنو میں عیالدار آدمی تھا۔ بقیع میں لکڑیاں کاٹنے جایا کرتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ وہاں ایک نوجوان کو دیکھا کہ اس پر کتان کا کرتا ہے ہاتھ میں جوتے لے رکھے ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ کوئی پاگل ہے۔ میں نے اس کے کپڑے چھیننے کا ارادہ کیا اور اس سے کہا کہ اپنے کپڑے اتار دے اس نے کہا جا اللہ کی حفاظت میں چلا جا۔ میں نے دوبارہ سہ بارہ اسی طرح تقاضا کیا۔ اس نے کہا کہ میرے کپڑے ضرور ہی لے گا۔ میں نے کہا اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اس نے دو انگلیوں سے میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا وہ دونوں نکل کر باہر گر پڑیں۔ میں نے کہا تجھے خدا کی قسم تو یہ تو بتا دے کہ تو کون ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میں ابراہیم خواص ہوں۔ صاحب روض کہتے ہیں کہ حضرت خواص نے اپنے لٹیرے پر اندھے ہونے کی بددعاء کی اور حضرت ابراہیم بن ادہم نے اس سپاہی کیلئے جس نے ان کو پیٹا تھا۔ جنت کی دعاء کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت خواص نے چور کی حالت سے یہ اندازہ فرما لیا تھا کہ وہ بغیر سزا کے توبہ نہیں کریگا۔ اور حضرت ابراہیم کو یہ اندازہ ہوا کہ سزا سے وہ توبہ نہ کرے گا اس لئے اس پر دعاء کا احسان کیا جس کی برکت سے اس کو توبہ نصیب ہوئی۔ اور جب وہ معافی چاہنے کے

لئے مَعذرت کے طور پر حاضر ہوا تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ جو سر مَعذرت کا محتاج تھا وہ میں بَلخ میں چھوڑ آیا۔ (روض)

۱۱:۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مَیں مکہ مکرمہ میں تھا میرے پاس ایک یمن کے رہنے والے بزرگ آئے اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایک ہدیہ لایا اس کے بعد انہوں نے ایک دوسرے صاحب سے جو اُن کے ساتھ تھے کہا کہ اپنا قصّہ ان کو سناؤ، انہوں نے اپنا یہ قصّہ سنایا کہ جب میں حج کے ارادہ سے صَنعاء سے چلا تو بڑا مجمع مجھے باہر تک رخصت کرنے کے واسطے آیا رخصت کرتے وقت ایک شخص نے ان میں سے مجھ سے کہدیا کہ جب تم مدینہ طیبہ حاضر ہو تو حضورِ اَقدس صَلَّی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رَضِیَ اللہُ عَنہُما کی خدمات میں میرا بھی سلام عرض کر دینا۔ مَیں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور اس آدمی کا سلام عرض کرنا بھول گیا۔ جب مدینہ طیبہ سے رخصت .... ہو کر پہلی منزل ذُوالحُلَیفہ پہنچا اور اِحرام باندھنے لگا تو مجھے اس شخص کا سلام یاد آیا۔ مَیں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرے اونٹ کا بھی خیال رکھنا مجھے مدینہ طیبہ واپس جانا پڑ گیا، ایک چیز بھول آیا ساتھیوں نے کہا کہ اب قافلہ کی روانگی کا وقت ہے تم پھر مکہ تک بھی قافلہ کو نہ پاسکو گے۔ میں نے کہا کہ تو میری سواری کو بھی اپنے ساتھ لیتے جانا۔ یہ کہہ کر مَیں مدینہ طیبہ لوٹ آیا۔ اور روضۂ اَقدس پر حاضر ہو کر اس شخص کا سلام میں نے حضورؐ کی خدمت میں اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں پہنچایا اس وقت رات ہو چکی تھی مَیں مسجد سے باہر نکلا تو ایک آدمی ذُوالحُلَیفہ کی طرف سے آتا ہوا ملا مَیں نے اس سے قافلہ کا حال پوچھا اس نے کہا کہ وہ روانہ ہو چکا۔ مَیں مسجد میں لوٹ آیا اور یہ خیال ہوا کہ کوئی دوسرا قافلہ کسی وقت جاتا ہوا ملے گا تو اس کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔ مَیں رات کو سو گیا۔ اخیر شب میں مَیں نے حضورِ اَقدس صَلَّی اللہ عَلَیہِ وسلم اور حضرات شیخین رَضِیَ اللہُ عَنہُما کی زیارت کی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضورِ اَقدس صَلَّی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ یہ شخص ہے حضورؐ میری طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا اَبُوالوَفاء مَیں نے عرض کیا یارسول اللہ میری کنیت تو اَبُوالعَبّاس ہے حضورؐ نے فرمایا کہ تم اَبُوالوَفاء ہو (یعنی وفادار) اسکے بعد حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے مسجدِ حرام (یعنی مکہ مکرمہ کی مسجد) میں رکھ دیا۔ مَیں مکہ مکرمہ میں آٹھ دن تک مقیم رہا اس کے بعد میرے ساتھیوں کا قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا (روض) اَبُوعمران واسطیؒ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ سے حضورِ اَقدس صَلَّی اللہ عَلَیہِ وسلم کی قبرِ اطہر کی زیارت کے ارادہ سے چلا۔ جب میں حرم سے باہر نکلا مجھے اتنی شدید پیاس لگی کہ میں اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ مَیں اپنی جان سے نااُمید ہو کر ایک کیکر (ببول)

کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ دفعتہً ایک شہسوار سبز گھوڑے پر سوار میرے پاس پہنچے اس گھوڑے کا لگام بھی سبز تھا زین بھی سبز تھی اور سوار کا لباس بھی سبز تھا ان کے ہاتھ میں سبز گلاس تھا جس میں سبز ہی رنگ کا شربت تھا وہ انہوں نے مجھے پینے کے لئے دیا۔ میں نے تین مرتبہ پیا مگر اس گلاس میں سے کچھ کم نہ ہوا۔ پھر انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا کہ مدینہ طیبہ حاضری کا ارادہ ہے تاکہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں سلام کروں اور حضورؐ کے دونوں ساتھیوں کو سلام کروں۔ انہوں نے فرمایا کہ جب تم مدینہ پہنچ جاؤ اور حضورؐ کی اور حضرات شیخینؓ کی خدمت میں سلام کر چکو تو یہ عرض کر دینا کہ رضوان آپ تینوں حضرات کی خدمت میں سلام عرض کرتے تھے (روض)۔ رضوان اس فرشتہ کا نام ہے جو جنت کے ناظم ہیں۔

۱۲: سید احمد رفاعیؒ مشہور بزرگ اکابر صوفیہ میں ہیں، اُن کا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ میں حج سے فارغ ہو کر زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے مقابل کھڑے ہوئے تو یہ دو شعر پڑھے ؎

فِیْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اُرْسِلُهَا　　تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ وَهِیَ نَائِبَتِیْ

وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ　　فَامْدُدْ یَمِیْنَكَ کَیْ تَحْظٰی بِهَا شَفَتِیْ

ترجمہ: دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو خدمتِ اقدس بھیجا کرتا تھا وہ میری نائب بن کر آستانہ مبارک چومتی تھی، اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے اپنا دستِ مبارک عطا کیجئے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چومیں۔

اس پر قبر شریف سے دستِ مبارک باہر نکلا اور انہوں نے اس کو چوما (الحاوی للسیوطیؒ) کہا جاتا ہے کہ اس وقت تقریباً نوے ہزار کا مجمع مسجد نبویؐ میں تھا جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضورؐ کے دستِ مبارک کی زیارت کی جن میں حضرت محبوب سبحانی قطبِ ربانی شیخ عبد القادر جیلانی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے (البنیان المشید)۔

۱۳: سید نور الدین ایجی شریف عفیف الدین کے والد ماجد کے متعلق لکھا ہے کہ جب وہ روضہ مقدسہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهٗ۔ تو سارے مجمع نے جو وہاں حاضر تھا سنا کہ قبر شریف سے وَعَلَیْكَ السَّلَامُ یَا وَلَدِیْ کا جواب ملا (الحاوی)

۱۴: شیخ ابو نصر عبد الواحد بن عبد الملک بن محمد بن ابی سعد الصوفی الکرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں حج سے فراغت کے بعد زیارت کے لئے حاضر ہوا، حجرہ شریفہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

کہ شیخ ابُو بکر دیار بکری تشریف لائے اور مُواجہ شریفہ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُولَ اللّٰہِ تو میں نے حُجرہ شریفہ کے اندر سے یہ آواز سُنی وَعَلَیْکَ السَّلَامُ یَا اَبَابَکْر اور اس کو سب لوگوں نے جو اس وقت حاضر تھے سُنا (الحاوی)

۱۵ :۔ یُوسُف بن علی کہتے ہیں کہ ایک ہاشمی عورت مدینہ طیّبہ میں رہتی تھی، اور بعض خدام اس کو ستایا کرتے تھے وہ حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمتِ اقدس میں فریاد لیکر حاضر ہوئی تو روضۂ شریفہ سے یہ آواز آئی اَمَالَكِ فِیَّ اُسْوَۃٌ فَاصْبِرِیْ کَمَا صَبَرْتُ اَوْ نَحْوُ ھٰذَا "کیا تیرے لئے میرے اِتباع میں رغبت نہیں جس طرح میں نے صبر کیا تو بھی صبر کر" وہ عورت کہتی ہیں کہ اس آواز کے بعد جس قدر کوفت مجھے تھی وہ سب جاتی رہی اور وہ تینوں خادم جو مجھے ستایا کرتے تھے مر گئے (الحاوی)

۱۶ : حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے منقول ہے کہ جب حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دفن سے فارغ ہوئے تو ایک بَدّو حاضر ہوئے اور قبرِ اطہر پر پہنچکر گر گئے۔ اور عرض کیا یارسول اللّٰہ آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ ہم نے سُنا اور جو اللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے آپ کو پہنچا تھا اور آپ نے اس کو محفوظ فرمایا تھا اس کو ہم نے محفوظ کیا اس چیز میں جو آپ پر اللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ نے نازل کی (یعنی قرآن پاک) یہ وارد ہے۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝ (نساء - ۹)	اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنے نفس پر ظلم کر لیا تھا آپ کے پاس آجاتے اور آکر اللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ سے معافی مانگ لیتے اور رسول اللّٰہ بھی ان کے لئے معافی مانگتے تو ضرور حق تعالیٰ شانُہٗ کو توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنیوالا پاتے۔"

اس کے بعد اس بَدّو نے کہا بیشک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اب میں آپ کے پاس مغفرت کا طالب بن کر حاضر ہوا ہوں۔ اس پر قبرِ اطہر سے آواز آئی کہ بیشک تمہاری مغفرت ہوگئی (حاوی)

۱۷ : حضرت عبداللّٰہ بن سلام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جب دشمنوں نے حضرت عثمانؓ کو محصور کر رکھا تھا، میں ان کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہُوا تو فرمانے لگے بھائی بہت اچھا کیا آئے۔ میں نے اس کھڑکی میں سے حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زیارت کی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا عثمان تمہیں

اُن لوگوں نے محصور کر رکھا ہے، مَیں نے عرض کیا جی کر رکھا ہے۔ پھر حضورؐ نے اِرشاد فرمایا تمہیں پیاسا کر رکھا ہے (کہ ان لوگوں نے پانی اندر جانا بند کر دیا تھا) مَیں نے عرض کیا جی ہاں! اس پر حضورؐ نے ایک ڈول پانی کا لٹکایا جس میں سے مَیں نے پانی پیا اس پانی کی ٹھنڈک اب تک میرے دونوں شانوں اور دونوں چھاتیوں کے درمیان میں محسوس ہو رہی ہے اس کے بعد حضورؐ نے اِرشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کی جائے اور تمہارا دل چاہے تو یہاں ہمارے پاس ہی آکر اِفطار کر لینا۔ مَیں نے عرض کر دیا کہ حضورؐ کی خدمت میں حاضری ہی چاہتا ہوں، اسی دن شہید کر دیئے گئے، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَرْضَاہُ (حاوی)۔

۱۸:۔ مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ جن کو ابنِ ثابت کہا جاتا تھا رہتے تھے۔ ساٹھ سال تک ہر سال حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زیارت کے لئے بھی حاضر ہوا کرتے تھے، اور زیارت کر کے واپس آجاتے۔ ایک سال کسی عارض کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے، کچھ غنودگی کی حالت میں اپنے حجرہ میں بیٹھے تھے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی زیارت کی، حضورؐ نے ارشاد فرمایا ابنِ ثابت تم ہماری ملاقات کو نہ آئے۔ اس لئے ہم تم سے ملنے آئے ہیں (حاوی)۔

(۱۹) حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں قحط پڑا۔ ایک شخص حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی قبرِ اطہر پر حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ کی اُمت ہلاک ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ سے بارش مانگ دیجئے۔ انہوں نے خواب میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زیارت کی اِرشاد فرمایا کہ عمر سے میرا سلام کہہ دو اور یہ کہہ دو کہ بارش ہوگی اور یہ بھی کہہ دینا کہ (عَلَیْکَ الْکَیْسَ اَلْکَیْسَ) ہوشمندی اور ہوشیاری کو مضبوط پکڑیں، وہ شخص حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیام پہنچایا، حضرت عمر رضؓ سُن کر رونے لگے اور عرض کیا یا اللہ میں اپنی قدرت کے بقدر تو کوتاہی نہیں کرتا (وفاء الوفا)

۲۰:۔ محمد بن المنکدر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے میرے والد کے پاس اَسّی اشرفیاں امانت رکھیں اور یہ کہہ کر جہاد میں چلا گیا کہ اگر ضرورت پڑے تو خرچ کر لینا میں واپس آکر لے لوں گا۔ ان کے جانے کے بعد مدینہ منورہ میں تنگی زیادہ پیش آئی۔ میرے والد نے وہ خرچ کر ڈالیں جب وہ صاحب واپس آئے تو انہوں نے اپنی رقم طلب کی، والد صاحب نے کل کا وعدہ کر لیا اور رات کو قبرِ اطہر پر حاضر ہو کر عاجزی کی۔ کبھی قبر شریف کے قریب دُعا کرتے کبھی منبر شریف کے مُتّصل۔ تمام رات یونہی گذر گئی۔ صبح کے قریب حضورِ اقدس صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلّم کی قبرِ اطہر کے قریب دُعا کر رہے تھے کہ اندھیرے

میں ایک شخص کی آواز سنی وہ کہہ رہے ہیں ابو محمد یہ لو میرے والد نے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے ایک تھیلی دی جس میں اسّی اشرفیاں تھیں (وفاء)

۲۱ :- اَبُوبکر بنُ المُقرِی کہتے ہیں کہ میں اور امام طبرانی اور اَبُوالشیخ مدینہ طیبہ میں حاضر تھے کھانے کو کچھ ملا نہیں، روزہ پر روزہ رکھا جب رات ہوئی عشاء کے قریب میں قبرِ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ بھوک۔ یہ عرض کرکے میں لوٹ آیا۔ مجھ سے اَبُوالقاسم (طبرانی) کہنے لگے کہ بیٹھ جاؤ یا تو کچھ کھانے کو آئے گا یا موت آئے گی۔ ابنُ المُنکدِر کہتے ہیں کہ میں اور اَبُوالشیخ تو کھڑے ہو گئے۔ طبرانی وہیں بیٹھے کچھ سوچتے رہے کہ دفعۃً ایک عَلَوی نے دروازہ کھٹکھٹایا ہم نے کواڑ کھولے تو اُن کے ساتھ دو غلام تھے اور ان دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک بہت بڑی زنبیل تھی جس میں بہت کچھ تھا ہم تینوں نے کھایا۔ خیال تھا کہ یہ بچا ہوا یہ غلام کھائیں گے مگر وہ سب کچھ وہیں چھوڑ گئے اور وہ علوی کہنے لگے کہ تم نے حضورؐ سے شکایت کی۔ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی حضورؐ نے حکم فرمایا کہ میں تمہارے پاس کچھ پہنچاؤں۔ (وفاء)

۲۲ :- ابنِ جلاءؒ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا مجھ پر فاقہ تھا۔ میں قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور عرض کیا حضورؐ میں آپ کا مہمان ہوں۔ مجھے کچھ غنودگی سی آگئی تو میں نے حضورؐ کی زیارت کی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی، میں نے آدھی کھائی اور جب میں جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی (وفاء) اس سے قبل نمبر ۸ پر شیخ اَبُوالخیر اقطع کا قصہ اس جیسا گذر چکا وہ دوسرا قصہ ہے۔

۲۳ : صوفی اَبُوعبداللہ محمد بنُ اَبی ذرعہؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد اور اَبُوعبداللہ بن خفیف کے ساتھ مکہ مکرمہ حاضر ہوا بڑی سخت تنگی تھی، فاقہ بہت سخت ہوگیا تھا۔ اسی حالت میں ہم مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ اور خالی پیٹ ہی رات گذاری، میں اس وقت تک نابالغ تھا۔ بار بار والد کے پاس جاتا اور جاکر بھوک کی شکایت کرتا۔ میرے والد اٹھ کر قبر شریف کے قریب حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ میں آج آپ کا مہمان ہوں، یہ عرض کرکے وہیں مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد مراقبہ سے سر اٹھایا اور سر اٹھانے کے بعد کبھی رونے لگتے کبھی ہنسنے لگتے۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ نے میرے ہاتھ میں چند درہم رکھ دیئے، ہاتھ کھولا تو اس میں درہم رکھے ہوئے تھے۔ صوفی جی کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ

شانہٗ نے ان میں اتنی برکت فرمائی کہ ہم نے شیراز لوٹنے تک اسی میں سے خرچ کیا۔ (وفاء)

۲۴: شیخ احمد بن محمد صوفیؒ کہتے ہیں کہ میں جنگل میں تیرہ ماہ تک حیران پریشان پھرتا رہا۔ میرے بدن کی کھال بھی چھل گئی۔ میں اسی میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر حضورؐ کی خدمت میں اور حضرات شیخینؓ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ اس کے بعد میں سو گیا۔ میں نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خواب میں زیارت کی، ارشاد فرمایا احمد تم آ گئے۔ میں نے عرض کیا کہ جی حضور حاضر ہوا ہوں اور میں بھوکا بھی ہوں۔ آپ کا مہمان ہوں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھ کھولو میں نے دونوں ہاتھ کھول دیئے۔ حضورؐ نے ان کو دراہم سے بھر دیا۔ میری جب آنکھ کھلی تو دونوں ہاتھ دراہم سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے اسی وقت روٹی اور فالودہ خریدا اور کھا کر جنگل چلدیا (وفاء)۔

۲۵: ثابت بن احمد ابو القاسم بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک مؤذن کو دیکھا کہ وہ مدینہ پاک میں مسجدِ نبوی میں صبح کی اذان دے رہے تھے۔ اذان میں مؤذن نے کہا اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ تو ایک خادم نے آکر ان کے تھپڑ مار دیا وہ مؤذن رو دیا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللّٰہ آپ کی موجودگی میں میرے ساتھ یہ ہو رہا ہے اس خادم پر فالج گر گیا لوگ اٹھا کر اس کو گھر لے گئے اور تین دن بعد وہ مر گیا۔ (وفاء)

۲۶: سید ابو محمد عبد السلام حسینیؒ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں تھا تین دن تک کچھ کھانے کی نوبت نہ آئی میں نے منبر شریف کے قریب جا کر دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد میں نے کہا دادے ابا مجھے بھوک لگ رہی ہے اور میرا ثرید کھانے کو دل چاہتا ہے اس کے بعد میں سو گیا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک شخص نے آکر مجھے جگایا اور لکڑی کے ایک پیالے میں ثرید اسمیں خوب گھی اور گوشت اور بہت سی خوشبوئیں پڑی ہوئی تھیں مجھے دیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ میرے بچے تین دن سے اس کا تقاضا کر رہے تھے آج مجھے کچھ مقدر سے مل گیا تھا اس لئے میں نے پکایا تھا۔ پھر پکا کر میں سو گیا۔ تو میں نے خواب میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا ارشاد فرما رہے ہیں کہ تیرے ایک بھائی نے اس کی تمنا مجھ سے کی ہے، اس میں سے اس کو بھی کھلانا (وفاء)

۲۷: شیخ عبد السلام بن ابی القاسم صقلیؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں مدینہ طیبہ میں حاضر تھا۔ میرے پاس کوئی چیز نہیں تھی جس سے میں بہت ضعیف ہو گیا میں حجرۂ شریفہ پر حاضر ہوا اور حاضر ہو کر میں نے عرض کیا اے اوّلین و آخرین کے سردار، میں مصر کا رہنے والا ہوں

مَیں پانچ مہینہ سے خدمتِ اُقدس میں حاضر ہوں، اللہ جَلَّ شانُہٗ سے اور آپ سے سُوال کرتا ہوں کہ کسی ایسے شخص کو مُتعیّن فرما دیجئے جو میرے کھانے کی خبر لے لیا کرے یا میرے جانے کا اِنتظام کر دے، پھر مَیں نے اور دُعائیں مانگیں اور منبر شریف کے پاس جا کر بیٹھ گیا دفعتہً مَیں نے دیکھا کہ ایک شخص حجرۂ شریفہ کے پاس حاضر ہوئے اور کچھ بول رہے ہیں۔ اسمیں اے میرے دادے اے میرے دادے بھی کہہ رہے ہیں۔ پھر وہ صاحب وہاں سے میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا اُٹھو مَیں اُٹھ کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر بابِ جبرئیل سے نکلے اور بَقیع میں سے نکل کر باہر ایک خیمہ میں لے گئے اسمیں ایک باندی اور ایک غلام تھے۔ ان سے جا کر کہا اُٹھو اپنے مہمان کے لئے کھانا تیار کرو۔ غلام نے لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلائی اور باندی نے آٹا میں کر ملّہ (ایک خاص قسم کی روٹی) تیار کی اور میزبان نے اتنی دیر مجھے باتوں میں لگائے رکھا جب وہ تیار ہو گئی تو باندی نے لا کر اس کو آدھی آدھی کر کے دو جگہ رکھی، پھر گھی کا ڈبہ لا کر ان دونوں ٹکڑوں پر بہا دیا۔ اس کے بعد صَیحانی کھجوریں جو بہت بڑی بڑی اعلیٰ قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں وہ بہت سی رکھیں۔ پھر مجھ سے کہا کھاؤ۔ میں نے کھایا اس نے تقاضا کیا کہ اور کھاؤ میں نے اور کھایا پھر اس نے اور تقاضا کیا مَیں نے کہا میرے سردار میں نے کئی مہینہ سے گیہوں نہیں کھایا تھا اور نہیں کھایا جاتا اس نے میرے پاس سے جو بچا تھا وہ بھی اور دوسرا ٹکڑا جو رکھا ہوا تھا وہ ایک زنبیل میں رکھا اور دو صاع کھجور جو تقریباً سات سیر ہوئیں اس زنبیل میں رکھ کر مجھ سے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ مَیں نے نام بتایا۔ کہنے لگے تمہیں خُدا کی قسم پھر دادے ابّا سے کبھی شکایت نہ کرنا ان کو اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے جب تک تمہارے جانے کی صورت نکلے اسوقت تک جب تمہیں ضرورت ہوگی کھانا وہیں تمہارے پاس پہنچ جایا کرے گا۔ یہ کہہ کر اپنے غلام سے کہا کہ یہ زنبیل لیکر ان کے ساتھ جاؤ اور ان کو مع اس زنبیل کے حجرۂ شریفہ تک پہنچا کر آؤ میں غلام کے ساتھ چلا۔ بَقیع میں پہنچ کر میں نے غلام سے کہا کہ بس ہیں راستہ پر پہنچ گیا اب تم واپس چلے جاؤ۔ غلام نے کہا اللہ واحد مجھے اس کی قدرت نہیں کہ آپ کو حجرۂ شریف تک پہنچانے سے پہلے واپس ہوں، کبھی حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ میرے سردار کو اس کی خبر نہ کر دیں اس نے مجھے حجرۂ شریفہ تک پہنچایا۔ مَیں چار دن تک اس زنبیل سے کھاتا رہا۔ جب وہ ختم ہو گئی اور مجھے بھوک معلوم ہوئی تو وہی غلام مجھے اور کھانا دے گیا، اسی طرح ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک قافلہ یَنبُوع جانیوالا تیار ہو گیا اور میں اُس کے ساتھ یَنبُوع چلا گیا (وفاء)۔

۲۸ :- اَبُوالعَبّاس بن نَفِیس مُقرِی جو نابینا بھی تھے کہتے ہیں کہ میں تین دن مدینہ طیّبہ میں بھوکا رہا تو میں قبر شریف پر یہ عرض کر کے کہ حضور میں بھوکا ہوں ضعف کی حالت میں سو گیا۔ ایک لڑکی آئی اور پاؤں سے مجھے حرکت دیکر جگایا اور کہا چلو۔ میں ساتھ ہولیا، وہ اپنے گھر لے گئی اور گیہوں کی روٹی اور گھی اور کھجوریں میرے سامنے رکھ کر کہنے لگی کہ اَبُوالعَبّاس کھاؤ، مجھے میرے دادا نے اس کا حکم فرمایا ہے، اور جب بھوک لگا کرے یہاں آکر کھا جایا کرو۔ اَبُوسُلَیمان داؤد اس قصّہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات بہت کثرت سے نقل کئے گئے ہیں اور ان میں بکثرت یہ دیکھا گیا کہ اس قسم کا حکم حضور نے اپنی شریف اولاد ہی کو زیادہ تر فرمایا ہے۔ بِالخُصُوص جبکہ کھانے کی قسم سے کوئی چیز دینے کا ارشاد ہوا ہو۔ اور کریموں کی عادت بھی یہی ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص ضیافت طلب کرے تو اپنے ہی گھر سے اِبتداء فرمایا کرتے ہیں۔ اسی ضابطہ کے مُوافِق آنحضرتؐ نے بھی اکثر کھانے کا حکم اپنی ہی اولاد کو فرمایا ہے (وفاء)۔

۲۹ : بارزیؒ نے تَوشِیق عُروَی الاَیمان میں اَبُوالنُّعمان سے نقل کیا ہے کہ خُراسان کے رہنے والے ایک صاحب ہر سال حج کو جایا کرتے اور جب مدینہ طیّبہ حاضر ہوتے تو سیّد طاہر عَلَوِیؒ کی خدمت میں بھی نذرانہ پیش کیا کرتے۔ ایک صاحب نے جو مدینہ ہی کے رہنے والے تھے ان خُراسانی سے ایک مرتبہ یہ کہا کہ تم طاہر عَلَوی کو جو کچھ دیتے ہو وہ ضائع کرتے ہو وہ اس کو گناہوں میں خرچ کر دیتا ہے۔ خراسانی نے اس سال طاہر صاحب کو کچھ نہ دیا اور دوسرا سال بھی ایسے ہی گذر گیا کہ وہ اپنی عادت کے مُوافِق جو کچھ لے کر آئے تھے وہ اہلِ مدینہ کو تقسیم کر گئے، اور طاہر صاحب کو کچھ نہ دیا۔ جب تیسرے سال وہ حج کے ارادہ سے اپنے گھر سے چلنے لگے، تو حُضُورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی زیارت خواب میں ہوئی۔ حُضُورؐ نے تَنبِیہ فرمائی کہ تو نے طاہر عَلَوِی کے بارہ میں اس کے مُخالِف کی بات کا یقین کر لیا اور جو تو اس کو دیا کرتا تھا وہ بند کر لیا ایسا نہ کرنا چاہیئے جو وظیفہ اس کا رُکا ہوا ہے وہ بھی دو اور آئندہ جب تک جاری رکھ سکو بند نہ کرو۔ وُہ خُراسانی بہت خوف زدہ نیند سے اُٹھے۔ اور ایک تھیلی علیحدہ ان کے نام کی جس میں چھ سو ۶۰۰ اشرفیاں تھیں اپنے ساتھ لے لی اور جب مدینہ مُنَوَّرہ حاضر ہوئے تو سب سے پہلے سیّد طاہر عَلَوِیؒ کے مکان پر پہنچے وہاں محفل بھر رہی تھی۔ عَلَوی صاحب نے ان خُراسانی کا نام لے کر کہا کہ اگر تم کو حُضُورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم اِرشاد نہ فرماتے تو تم مجھ تک نہ آتے۔ تم نے میرے بارہ میں اللہ کے دشمن کی بات کا یقین کر لیا اور اپنا معمول بند کر لیا جب حضورؐ نے ملامت

فرمائی اور حکم فرمایا کہ تین سال کا وظیفہ دو جب دے کر آئے ہو۔ یہ کہہ کر ہاتھ پھیلایا اور کہا لاؤ چھ سو اشرفیاں یہ ساری بات سُن کر خراسانی کو اور بھی دہشت ہوئی۔ اور وہ کہنے لگا کہ واقعہ تو سارا اسی طرح ہے۔ مگر تمہیں اس سارے واقعہ کی کس طرح خبر ہوئی؟ علویؒ نے کہا کہ مجھے سارا حال معلوم ہے پہلے سال جب تم نے کچھ نہ دیا تو اس سے میری معیشت پر اثر پڑا۔ جب دوسرے سال تم آکر چلے گئے اور مجھے تمہارے آنے اور جانے کا حال معلوم ہوا تو مجھے بہت ضیق ہوئی۔ میں نے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خواب میں دیکھا حضورؐ نے ارشاد فرمایا تو رنج نہ کر میں نے فلاں خراسانی کو خواب میں تنبیہ کر دی اور اس سے کہدیا کہ گذشتہ کا بھی ادا کرے اور آئندہ بھی حَتَّی الْمَقْدُور بند نہ کرے۔ میں نے اس خواب پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ جب تم سامنے آئے تو مجھے یقین ہو گیا کہ تم نے خواب دیکھ لیا، یہ سُن کر خراسانی نے چھ سو اشرفیوں کی تھیلی نکالی اور ان کو دے کر ان کی دست بوسی کی اور اپنی کوتاہی کی معافی چاہی کہ میں نے تمہارے مخالف کی بات کا یقین کر لیا۔ سیّد سمہودیؒ نے اس قصّہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ طاہر علویؒ طاہر بن یحییٰ بن حسین بن جعفر الحجۃ بن عبید اللہ بن زین العابدین علی بن الامام حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں (وشفاء)

۳۰:۔ ایک عورت حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ مجھے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی زیارت کرا دو حضرت عائشہؓ نے حجرۂ شریفہ کے اس حصّہ کو جس میں قبر شریف تھی پردہ ہٹا کر کھولا وہ عورت قبر شریف کی زیارت کر کے روتی رہیں اور روتے روتے وہیں انتقال کر گئیں رَضِیَ اللہُ عَنْہَا وَاَرْضَاہَا (شفاء)

۳۱:۔ خالد بن معدانؒ کی بیٹی عَبْدہ کہتی ہیں کہ میرے والد کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ رات کو جب سونے لیٹتے تو حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت کے شوق میں بے چین ہوتے اور مہاجرین اور انصار صحابہ کرامؓ کو نام لے لے کر یاد کرتے اور کہتے یا اللہ یہی حضرات میرے اُصول و فروع ہیں۔ میرا دل ان سے ملنے کو بیتاب ہے۔ میرا اشتیاق بڑھتا جا رہا ہے یا اللہ مجھے جلدی سے موت عطا فرما کہ ان سے ملوں۔ اسی میں نیند آجاتی تو سو جاتے (شفاء)۔

۳۲: عثمان بن حُنیفؓ کہتے ہیں کہ ایک صاحب حضرت عثمانؓ کے پاس اپنی کسی ضرورت سے بار بار حاضر ہوتے تھے وہ ان کی طرف اِلتفات نہ فرماتے تھے نہ ان کی ضرورت کی طرف توجّہ فرماتے تھے۔ ان صاحب نے ابن حُنیفؓ سے اس کی شکایت کی انہوں نے یہ ترکیب بتائی

کہ تم وضو کر کے مسجد نبوی میں جاؤ اور دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعاء پڑھو اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ اَنْ تَقْضِیْ حَاجَتِیْ۔ اور یہ دعاء پڑھ کر اپنی حاجت کو اللہ جل شانہٗ کے سامنے پیش کرو انہوں نے اس کے موافق کیا اس کے بعد وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں گئے۔ وہاں پہنچتے ہی دربان آیا اور ان کو ہاتھوں ہاتھ لے گیا۔ وہاں پہنچے تو حضرت عثمانؓ نے بہت اکرام کیا اپنی جگہ بٹھایا اور ان کی ضرورت کو خود دریافت کر کے پورا کیا اور اس کی معذرت فرمائی کہ اس وقت تک تمہاری ضرورت کو پورا نہ کر سکا۔ اور آئندہ کے لئے ارشاد فرمایا کہ جو ضرورت ہوا کرے بے تکلف کہہ دیا کریں۔ یہ صاحب جب حضرت عثمانؓ کے پاس سے واپس آئے تو ابن حُنیف سے ملے اور ان کا بہت شکریہ ادا کیا کہ تمہاری سفارش سے میرا کام ہو گیا۔ حق تعالےٰ شانہٗ تمہیں اس کی جزائے خیر دے۔ ابن حُنیفؓ نے کہا کہ میں نے کوئی سفارش نہیں کی بلکہ بات یہ ہے کہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک نابینا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بینائی کی شکایت کی، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ صبر کرو اور کہو تو میں دعا کر دوں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی ہاتھ پکڑنے والا ابھی میرے پاس نہیں ہے اس کی بہت تکلیف ہے تو حضورؐ نے یہی ترکیب ان کو بتائی تھی کہ وضو کر کے دو۲ رکعت نماز پڑھیں پھر اس دعا کو پڑھ کر دعا کریں۔ ابن حُنیفؓ کہتے ہیں کہ تھوڑا عرصہ بھی نہ گذرا تھا کہ وہ نابینا ایسے آئے گویا ان کی آنکھوں کو کچھ نقصان ہی نہ پہنچا تھا۔ علامہ سُبکیؒ کہتے ہیں کہ اس قصہ میں عثمان بن حُنیف کے فہم سے استدلال ہے کہ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھے (وفاء) یعنی انہوں نے اس قصہ کو ان نابینا کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھا بلکہ ہر شخص کیلئے اس دعا سے توسّل کو عام سمجھا ان نابینا کا قصہ آدابِ زیارت کے نمبر ۳۲ پر بھی گذر چکا ہے۔

۳۳: عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے سنا کہ جب ایوب سختیانیؒ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو میں بھی مدینہ منورہ میں حاضر تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ میں غور سے دیکھوں کہ یہ کس طرح قبر شریف پر حاضر ہوتے ہیں۔ میں نے جا کر دیکھا کہ وہ حاضر ہوئے اور قبلہ کی طرف پشت اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منہ کر کے کھڑے ہوئے اور بے تصنّع روتے رہے۔ (وفاء) ۔

بے زبانی ترجمانِ شوق بے حد ہو تو ہو ::: ورنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں؟

گرا کر چار آنسو حالِ دل سب کہدیا آہ نے ... دیا مجھ کو زباں کا کام چشمِ خوں فشاں تو نے

۳۴: ابُو محمد اشبیلیؒ لکھتے ہیں کہ غرناطہ کا ایک شخص اس قدر بیمار ہوا کہ حد نہیں، اطبّاء اس کے علاج سے عاجز ہو گئے۔ زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ وزیر ابُو عبد اللہ محمد ابنُ ابی خصال نے ایک خط حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لکھا اس میں چند شعر بھی لکھے جو وفاء الوفاء میں مذکور ہیں۔ وہ خط حُجّاج کے قافلہ میں سے ایک شخص کو دے دیا۔ اس میں بیماری سے صحت کی دُعا کی درخواست کی تھی۔ وہ قافلہ جب مدینہ پاک پہنچا اور وہ خط قبر شریف پر پڑھا گیا اسی وقت وہ بیمار اچھا ہو گیا۔ جب وہ شخص جس کے ہاتھ خط گیا تھا حج سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ بیمار ایسا تھا گویا کبھی کوئی بیماری اس کو پہنچی ہی نہیں (وفاء)۔

۳۵: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب میرے والد حضرت ابُو بکر صدیقؓ بیمار ہوئے تو یہ وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد میری نعش روضۂ اقدس پر لیجا کر عرض کر دینا کہ یہ ابُو بکر ہے آپ کے قریب دفن ہونے کی تمنا رکھتا ہے۔ اگر وہاں سے اجازت ہو جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور اجازت نہ ہو تو بقیع میں دفن کر دینا۔ چنانچہ آپ کے وصال کے بعد وصیت کے مُوافق جنازہ وہاں لے جا کر قبر شریف کے قریب یہی عرض کر دیا گیا وہاں سے ایک آواز ہمیں آئی۔ آدمی کہنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا کہ اعزاز و اکرام کے ساتھ اندر لے آؤ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابُو بکر صدیقؓ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو مجھے اپنے سرہانے بٹھا کر فرمایا کہ جن ہاتھوں سے تم نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا تھا انہی ہاتھوں سے مجھے غسل دینا اور خوشبو لگانا اور مجھے اس حجرہ کے قریب لیجا کر جہاں حضورؐ کی قبر ہے اجازت مانگ لینا اگر اجازت مانگنے پر حجرہ کا دروازہ کھل جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان (بقیع) میں دفن کر دینا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جنازہ کی تیاری کے بعد سب سے پہلے میں آگے بڑھا اور میں نے جا کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ ابُو بکر یہاں دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں تو میں نے دیکھا کہ ایک دم حجرہ کے کواڑ کھل گئے۔ اور ایک آواز آئی کہ دوست کو دوست کے پاس پہنچا دو۔ علامہ سیُوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں ان دونوں کو ذکر کیا ہے۔ محدّثانہ حیثیت سے اس روایت کو مُنکر بتایا ہے۔ لیکن تاریخی حیثیت تو باقی ہے ہی

۳۶: حضرت سعید بنُ المُسیّب مشہور تابعی ہیں، بڑے بڑے عجیب عجیب واقعات ان کی عبادت، زُہد اور کلمۃُ الحق کہنے میں کسی سے نہ ڈرنے کے کُتب میں موجود ہیں بچاس برس تک

کوئی نماز ان کی جماعت سے فوت نہیں ہوئی۔ بلکہ تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی اور چالیس برس تک کسی نماز کی اذان ایسی نہیں ہوئی کہ یہ اذان سے پہلے سے مسجد میں موجود نہ ہوں۔ اور پچاس برس تک صبح کی نماز عشاء کی وضو سے پڑھی۔ (حلیہ) حرّہ کی مشہور لڑائی جو یزید کے لشکروں کی اہلِ مدینہ سے ۶۳ھ میں ہوئی جس میں سب اہلِ مدینہ خوف و ہراس اور جنگ کی کثرت کی وجہ سے کچھ منتشر اور کچھ اپنے گھروں میں چھپ گئے تھے۔ مسجدِ نبوی میں فوجیوں کے گھوڑے کودتے پھرتے تھے۔ سترہ سو اونچے درجہ کے مہاجرین و انصار اس جنگ میں شہید ہوئے۔ اور دس ہزار سے زیادہ عام مومنین علاوہ بچوں اور عورتوں کے (وفاء) اس زمانہ میں کئی دن تک حضرت سعید بن المسیب رح تن تنہا مسجد نبوی میں پڑے رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کئی دن تک اتنے دوسرے آدمی مسجد میں آنا شروع نہیں ہوئے میں ہر نماز کے وقت اذان اور تکبیر کی آواز قبر شریف میں سے سُنا کرتا تھا (خصائص کبریٰ، قولِ بدیع) یہ عشاق و جاں نثاروں کا نمونہ تھا۔ عبرت کے لئے تین واقعات مخالفت کے لکھ کر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں، یہ واقعات اس لحاظ سے اہم ہیں کہ حاضرین کو ایسی کوئی حرکت ظاہری یا باطنی کرنے سے احتراز کرنا چاہیے جو ادب کے خلاف ہو۔

۳۷:۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ان کے ایماء سے یا محض سُرخروئی اور تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کے ایما بغیر مروان نے جو ان کی طرف سے مدینہ منورہ کا امیر تھا یہ چاہا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر شریف جو مسجدِ نبوی میں ہے اس کو یہاں سے اکھاڑ کر شام میں امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا جائے۔ اور اس غرض سے اس کو اکھڑوانا شروع کیا۔ اسی وقت دفعۃً آفتاب گہن ہوگیا۔ اور مدینہ منورہ میں اس قدر سخت اندھیر ہوگیا کہ ستارے نظر آنے لگے۔ مروان نے آکر لوگوں سے معذرت کی اور خطبہ میں اس کا اعلان کیا کہ اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بلکہ امیر معاویہؓ نے یہ لکھا تھا کہ اس کو دیمک لگ جانے کا اندیشہ ہے اس لئے اس کے نیچے اور سیڑھیوں کا اضافہ کر کے اس کو اوپر رکھنے کا ارادہ ہے۔ اسی وقت بڑھئی کو بلوا کر چھ سیڑھیاں بنوائیں اور ان کے اوپر اس منبر شریف کو رکھا۔ جس کی وجہ سے منبر شریف کی کل ۹ سیڑھیاں ہوگئیں۔ ورنہ اس سے قبل حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے کل تین ہی درجے تھے دو سیڑھیاں اور ایک اوپر بیٹھنے کا (نزہتہ)۔

۳۸:۔ سلطان نور الدین عادل بادشاہ متقی اور صاحبِ اوراد و وظائف تھے۔ رات کا بہت سا حصہ تہجد اور وظائف میں خرچ ہوتا تھا ۵۵۷ھ میں ایک شب تہجد کے بعد سوئے تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کیری آنکھوں والے آدمیوں

کی طرف اشارہ فرما کر سلطان سے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں سے میری حفاظت کرو۔ سلطان کی گھبراہٹ سے آنکھ کھلی، فوراً اُٹھ کر وضو کیا اور نوافل پڑھ کر دوبارہ لیٹے تو معاً آنکھ لگی اور یہی خواب بعینہٖ دوبارہ نظر آیا۔ پھر جاگے اور وضو کر کے نوافل پڑھیں پھر لیٹے اور معاً آنکھ لگنے پر تیسری مرتبہ پھر یہی خواب نظر آیا۔ تو اُٹھ کر کہنے لگے کہ اب نیند کی کوئی گنجائش نہیں۔ فوراً رات ہی کو اپنے وزیر کو جو نیک، صالح آدمی تھے جمال الدین نام بتایا جاتا ہے اور اس نام میں اختلاف بھی ہے بلایا اور سارا قصہ سنایا۔ وزیر نے کہا کہ اب دیر کی کیا گنجائش ہے فوراً مدینہ طیبہ چلئے اور اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کیجئے۔ بادشاہ نے فوراً رات ہی کو تیاری کی اور وزیر اور ۲۰ نفر مخصوص خدام کو ساتھ لے کر تیز رو اونٹوں پر بہت سا سامان اور مال متاع لدوا کر مدینہ طیبہ کو روانہ ہو گئے اور رات دن چل کر سولھویں دن مصر سے مدینہ طیبہ پہنچے، مدینہ طیبہ سے باہر غسل کیا، اور نہایت ادب احترام سے مسجد شریف میں حاضر ہوئے اور روضۂ جنت میں دو رکعت نفل پڑھی اور نہایت متفکر بیٹھے سوچتے رہے کہ کیا کریں۔ وزیر نے اعلان کیا کہ بادشاہ زیارت کے لئے تشریف لائے ہیں اور اہل مدینہ پر بخشش اور اموال بھی تقسیم ہوں گے۔ اور بہت بڑی دعوت کا انتظام کیا جس میں سارے اہل مدینہ کو مدعو کیا۔ بادشاہ عطا کے وقت بہت گہری نگاہ سے لوگوں کو دیکھتے۔ سب اہل مدینہ یکے بعد دیگرے آ کر عطائیں لے کر چلے گئے مگر وہ دو شخص جو خواب میں دیکھے تھے نظر نہ آئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کوئی اور باقی رہا ہو تو اس کو بھی بلا لیا جائے۔ معلوم ہوا کہ کوئی باقی نہیں رہا۔ بہت غور خوض اور بار بار کہنے پر لوگوں نے کہا کہ دو نیک مرد، متقی پرہیزگار مغربی بزرگ ہیں وہ کسی کی کوئی چیز نہیں لیتے۔ خود بہت کچھ صدقات خیرات اہل مدینہ پر کرتے رہتے ہیں سب سے یکسو رہتے ہیں۔ گوشہ نشین آدمی ہیں۔ بادشاہ نے ان کو بھی بلوایا۔ اور دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی وہ دونوں ہیں جو خواب میں دکھائے گئے تھے۔ بادشاہ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ کہنے لگے مغرب کے رہنے والے ہیں حج کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ حج سے فراغت پر زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں پڑے رہنے کی تمنا ہوئی تو یہاں قیام کر لیا بادشاہ نے کہا صحیح بتا دو۔ انہوں نے جو پہلے کہا تھا اسی پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے اُن کی قیام گاہ پوچھی معلوم ہوا کہ روضۂ اقدس کے قریب ہی ایک رباط میں قیام ہے۔ بادشاہ نے ان کو تو وہیں روکے رکھنے کا حکم دیا اور خود ان کی قیام گاہ پر گیا وہاں جا کر بہت تجسس کیا۔ وہاں مال و متاع تو بہت سا ملا اور کتابیں وغیرہ رکھی ہوئی ملیں لیکن کوئی ایسی چیز نہ ملا جس سے خواب کے مضمون کی تائید ہوتی۔ بادشاہ

بہت پریشان اور متفکر تھا۔ اہلِ مدینہ بہت کثرت سے سفارش کے لئے حاضر ہو رہے تھے کہ یہ نیک بزرگ دن بھر روزہ رکھتے ہیں، ہر نماز روضہ شریفہ میں پڑھتے ہیں، روزانہ بقیع کی زیارت کرتے ہیں، ہر شنبہ کو قبا جاتے ہیں کسی سائل کو رد نہیں کرتے۔ اس قحط کے سال میں اہلِ مدینہ کے ساتھ انتہائی ہمدردی و غمگساری انہوں نے کی ہے۔ بادشاہ حالات سن کر تعجب کرتے تھے اور اِدھر اُدھر متفکر پھر رہے تھے۔ دفعۃً خیال آیا کہ ان کے مصلے کو جو ایک بوریے پر بچھا ہوا تھا اٹھایا اس کے نیچے ایک پتھر بچھا ہوا تھا۔ اس کو اٹھایا تو اس کے نیچے ایک سرنگ نکلی جو بہت گہری کھودی گئی تھی، اور بہت دور تک چلی گئی تھی، حتیٰ کہ قبرِ اطہر کے قریب تک پہنچ گئی تھی۔ یہ دیکھ کر سب دنگ رہ گئے۔ بادشاہ نے ان کو غصہ میں کانپتے ہوئے پیٹنا شروع کیا کہ صحیح صحیح واقعہ بتاؤ۔ انہوں نے بتایا کہ وہ دونوں نصرانی ہیں اور عیسائی بادشاہوں نے بہت سا مال ان کو دیا ہے اور بہت زیادہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ حاجیوں کی صورت بنا کر آئے ہیں تاکہ قبرِ اطہر سے حضورِ اقدس ﷺ کے جسدِ اطہر کو لیجائیں وہ دونوں رات کو اس جگہ کو کھودا کرتے اور جو مٹی نکلتی اس کو چمڑے کی دو مشکیں ان کے پاس مغربی شکل کی تھیں، ان میں بھر کر رات ہی کو بقیع میں ڈال آیا کرتے تھے۔ بادشاہ اس بات پر کہ اللہ جل شانہٗ نے اور اس کے پاک رسول ﷺ نے اس خدمت کے لئے ان کو منتخب کیا بہت روئے اور دونوں کو قتل کرایا۔ اور حجرۂ شریفہ کے گرد اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی تک پہنچ گئی۔ اور اس میں رانگ یا سیسہ پگھلا کر بھروا دیا کہ جسدِ اطہر تک کسی کی رسائی نہ ہو سکے۔ (وفاء اول)

۳۹: شیخ شمس الدین صوابؒ جو خادمینِ حرمِ نبوی ﷺ کے رئیس تھے کہتے ہیں کہ میرے ایک مخلص رفیق تھے جو امیرِ مدینہ کے یہاں بہت کثرت سے آتے جاتے تھے اور مجھے بھی جس قسم کے کام پیش آتے انہی کے ذریعہ سے امیر تک پہنچاتا تھا۔ ایک دن وہ رفیق میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آج بڑا سخت حادثہ پیش آگیا میں نے کہا کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ حلب کے رہنے والوں کی ایک جماعت امیر کے پاس آئی ہے اور بہت سا مال رشوت کا امیر کو اس لئے دیا ہے کہ وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مبارک اجسام کو یہاں سے لیجانے پر مدد دے۔ امیر نے اس کو قبول کر لیا ہے۔ شیخ صوابؒ کہتے ہیں کہ یہ خبر سن کر میرے رنج کی انتہا نہ رہی۔ میں انتہائی فکر میں تھا کہ امیر کا قاصد مجھے بلانے آگیا میں وہاں گیا۔ امیر نے مجھ سے کہا کہ آج رات کو کچھ لوگ مسجد میں آئیں گے تم ان سے تعرض نہ کرنا اور وہ جو کچھ کریں ان کو کرنے دینا۔ تم کسی بات میں دخل نہ دینا۔ میں بہت اچھا کہہ کر چلا آیا مگر سارا دن حجرۂ شریفہ

کے پیچھے بیٹھے روتے ہوئے گذر گیا۔ ایک منٹ کو آنسو نہ تھمتا تھا اور کسی کو خبر نہ تھی کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے۔ آخرِ عشاء کی نماز سے فراغت پر جب سب آدمی چلے گئے اور ہم نے کواڑ وغیرہ بند کر لئے تو باب السلام سے کہ یہ دروازہ امیر کے گھر کے قریب تھا لوگوں نے دروازہ کھلوا کر اندر آنا شروع کیا، میں ان کو ایک ایک کر کے چپکے چپکے گن رہا تھا۔ چالیس آدمی اندر داخل ہوئے ان کے ساتھ پھاوڑے اور ٹوکریاں اور زمین کھودنے کے بہت سے آلات تھے، وہ اندر داخل ہو کر حجرۂ شریفہ کی طرف کو چلے، خدا کی قسم منبر تک بھی نہ پہنچے تھے کہ ایکدم ان کو مع ان کے سارے ساز و سامان کے زمین نگل گئی۔ اور نشان تک بھی پیدا نہ ہوا۔ امیر نے بہت دیر تک ان کا انتظار کر کے مجھے بلا کر پوچھا کہ صواب وہ لوگ ابھی تک تمہارے یہاں نہیں پہونچے؟ میں نے کہا ہاں آئے تھے اور یہ قصہ ان کے ساتھ گذرا۔ امیر نے کہا دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا بالکل ایسا ہی ہوا آپ چلیں میں وہ جگہ بتاؤں جہاں یہ قصہ گذرا۔ امیر نے کہا اچھا بس یہ بات یہیں تک رہے۔ اگر یہ بات کسی اور پر ظاہر کی گئی تو سر اڑا دیا جائے گا (وفاء الوفاء) حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے وہاں کے آداب کی بجا آوری کی توفیق عطا فرمائے اور محض اپنے لطف و کرم سے بے ادبی کے وبال سے محفوظ فرمائے۔

تنبیہ:۔ گذشتہ واقعات میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب وغیرہ میں زیارت کے متعدد قصے گذرے۔ ان کے متعلق ایک ضروری بات ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ جس شخص نے خواب میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اس نے حقیقت میں حضور ہی کی زیارت کی اس میں تردد نہیں اس لئے کہ متعدد مشہور اور صحیح روایات میں مختلف الفاظ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک ارشاد وارد ہوا ہے کہ "جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے حقیقت میں مجھ ہی کو دیکھا ہے اس لئے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ وہ میری صورت بنا سکے" لیکن اس کے باوجود چونکہ دیکھنے کا آلہ اور ذریعہ خود دیکھنے والے کی ذات ہوتی ہے اور آلہ کے فرق کی وجہ سے اس چیز میں فرق پڑ جاتا ہے جس کو دیکھا جائے مثلاً سرخ عینک، سبز عینک، سیاہ عینک سے جس چیز کو دیکھا جائیگا، وہ ایسی ہی نظر آئے گی جیسی عینک ہوگی، اصل چیز کے رنگ میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ جیسا کہ خوردبین کے تفاوت سے چیز میں تفاوت معلوم ہوتا ہے، اور بھینگی آنکھ ایک کے بجائے دو دیکھتی ہے اس لئے اگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میں کوئی چیز شان والا کے مناسب نظر نہ آئے تو وہ نظر کا قصور ہے۔ اسی طرح اگر شریعتِ مطہرہ کے خلاف کوئی بات سننے میں آئے تو وہ سننے کا

قصور گا۔

ابن امیر الحاج، مدخل میں لکھتے ہیں کہ اس سے بہت احتراز کرنا چاہیئے کہ خواب میں یا غیبی آواز سے جاگتے میں کسی ایسی چیز کی طرف قلب کو طمانینت اور سکون ہو جو صدرِ اوّل کے خلاف ہو، اس طرح سے خواب میں دیکھنے کی وجہ سے کسی ایسی چیز کی طرف مانوس ہو جو سلف کے خلاف ہو اس سے بھی احتراز کرنا چاہیئے، جیسا کہ بعض لوگوں کو پیش آگیا۔ کہ ان کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم فرمایا اور دیکھنے والے نے محض خواب کی بنا پر اس پر عمل شروع کر دیا اور اس کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر پیش کر کے نہیں جانچا، حالاں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (نساء-۸) اور اللہ جلّ شانہٗ کی طرف رد کرنے کا مطلب اس کی کتاب پر پیش کرنا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رد کرنے کا مطلب آپ کی حیات میں آپ کی ذات پر پیش کرنا تھا۔ اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی سنت پر پیش کرنا ہے۔ اگرچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا بے تردد حق ہے لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے خواب پر عمل کا مکلف نہیں بنایا۔ اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین آدمی مرفوع القلم ہیں ان میں ایک وہ شخص ہے جو سو رہا ہو یہاں تک کہ جاگ جائے (دوسرا بچہ تیسرا مجنون) اس کے علاوہ یہ بھی وجہ ہے کہ علم اور روایت اسی شخص سے حاصل کی جا سکتی ہے جو متیقظ ہو حاضر العقل ہو اور سونے والا ایسا نہیں ہوتا اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم یا ممانعت اگر خواب میں دیکھی جائے تو اس کو کتاب وسنت پر پیش کیا جائے۔ اگر ان کے موافق ہو تو خواب بھی حق ہے اور کلام بھی حق ہے اور یہ دیکھنے والے کی طمانینت کے لئے بشارت کے طور پر ہے اور اگر ان کے خلاف ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ خواب تو حق ہے لیکن شیطانی اثر سے سننے والے کے کان میں ایسی چیز پڑی جو حضور نے ارشاد نہیں فرمائی۔ امام نوویؒ نے "تہذیب الاسماء واللغات" کے شروع میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں لکھا ہے کہ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا بیشک اس نے آپ ہی دیکھا کہ شیطان آپکی صورت نہیں بنا سکتا، لیکن اس میں اگر کوئی چیز خواب میں احکام کے متعلق سنی تو اس پر عمل جائز نہیں، نہ اس وجہ سے کہ خواب میں کوئی تردد ہے بلکہ اس وجہ سے کہ دیکھنے والے کا ضبط معتمد نہیں۔ صاحب

مدخل نے آگے بھی اس میں طویل کلام کیا ہے۔ بقدر ضرورت نقل کیا گیا اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء نے اسی کی تصریح فرمائی ہے جو اوپر گذرا۔

دسویں فصل مدینہ طیبہ کے فضائل میں

جس شہر کو اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب، دو جہاں کے سردار کی قیامگاہ تجویز کیا ہو اس کے لئے اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ اللہ پاک نے اپنے محبوب کے رہنے کے لئے اس کو پسند کیا، اور اس کے بعد پھر کسی دوسرے شہر کو اس پر کیا فوقیت ہو سکتی ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ وہ مواقع جو وحی کے نزول کے ساتھ آباد ہوئے ہوں، قرآن پاک اُن میں نازل ہوتا رہا ہو، حضرت جبرئیل حضرت میکائیل علیہما السلام بار بار اُن میں حاضر ہوتے رہے ہوں مقرب فرشتے ان میں اترتے رہے ہوں ان کے میدان اللہ پاک کے ذکر اور تسبیح سے گونجتے رہے ہوں ان کی مٹی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر پھیلی ہوئی ہو، اللہ کے دین اور اس کے پاک رسول کی سنتیں وہاں سے اس قدر کثیر مقدار میں جاری ہوئی ہوں، وہاں فضائل اور برکات وخیرات کے مشاہد ہوں وہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کے اور چلنے پھرنے کے مقامات ہوں وہ اس قابل ہیں کہ ان کے میدانوں کی تعظیم کی جائے، اُن کی خوشبوؤں کو سونگھا جائے، اس کے در و دیوار کو چوما جائے (شفاء) احادیث میں بھی اس پاک شہر اور اس کے بہت سے مواضع کے فضائل وارد ہوئے ہیں جن میں سے چند یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى سَمَّى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ" رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ۔

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل جلالہ نے مدینہ شہر کا نام طابہ رکھا ہے۔"

ف: یعنی حق تعالیٰ شانہ نے وحی کے ذریعہ سے اس کا نام طابہ رکھا، اور ایک روایت میں طیبہ آیا ہے۔ اس کے معنی پاکی کے بھی ہیں اور عمدگی کے بھی کہ یہ شرک کی گندگی سے پاک ہے، یا یہ کہ اس کی آب وہوا عمدہ ہے۔ معتدل مزاج والوں کے موافق ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے اندر

رہنے والے پاکیزہ لوگ ہیں ان کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا (مناسک نووی)

ابنِ حجر مکی لکھتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے تقریباً ایک ہزار نام ہیں جن میں سے امام نووی نے اپنے مناسک میں مشہور ہونے کی وجہ سے پانچ نام ذکر کئے ہیں۔ مدینہ، طیبہ، طابہ، دار، یثرب۔ ان میں سے یثرب زمانہ جاہلیت کا نام ہے۔ حضورؐ نے اس کو پسند نہیں فرمایا چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں یہ مدینہ ہے۔ جیساکہ دوسری حدیث میں آرہا ہے غالباً ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ یثرب کے معنی ملامت اور حزن کے ہیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ بُرا نام بدل کر بہتر نام رکھنے کی تھی، جیساکہ دوسری حدیث کے ذیل میں مفصل آرہا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ دِین سے مشتق ہے جس کے معنی طاعت کے ہیں۔ اس لئے یہ نام رکھا گیا کہ اس شہر میں اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے۔ صاحبِ اتحاف نے بہت سے نام مدینہ طیبہ کے نقل کرکے لکھا ہے کہ ناموں کی کثرت بھی شرافت پر دلالت کرتی ہے۔ اور ان سب میں مشہور نام مدینہ ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَاْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبُ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ۔

"حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے ایک ایسی بستی میں رہنے کا حکم کیا جو ساری بستیوں کو کھالے لوگ اس بستی کو یثرب کہتے ہیں اس کا نام مدینہ ہے وہ (بُرے) آدمیوں کو اس طرح دُور کردیتی ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دُور کر دیتی ہے۔"

ف: اس حدیث شریف میں کئی مضمون ذکر کئے گئے ہیں۔ اوّل یہ کہ مجھے ایسی بستی میں رہنے کا حکم کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا اس شہر میں قیام اپنی خواہش اور اپنے ارادہ سے نہیں تھا۔ بلکہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے یہاں قیام کا حکم کیا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ سے نقل کیا گیا کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدینہ کو پسند کیا (کنز) ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ اللہ جل شانہٗ نے وحی بھیجی ہے۔ کہ ان تین بستیوں میں سے جہاں تم قیام کرو وہی تمہاری ہجرت کی جگہ ہے، مدینہ، بحرین، قِنّسرین (کنز) ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے جو ایک شور زمین دو کنکریلی زمینوں کے درمیان ہے، یہ جگہ ہجر ہو (ایک جگہ کا نام ہے) یا یثرب ہو (کنز)

اِن رِوایات میں کوئی تعارُض نہیں ہے۔ اَقرب یہ ہے کہ اوّل حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو پسندیدگی کا اختیار دیا گیا ہو اس کے بعد حضورؐ نے جب خود حق سبحانہٗ و تقدّس سے اِستخارہ کیا ہو تو اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے مدینہ پاک کی تعیین ہوگئی ہو۔

تاریخِ خمیس میں لکھا ہے کہ اہلِ سیَر نے کہا ہے کہ جب حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اہلِ مدینہ سے بیعتُ العقبہ کرلی اور صحابۂ کرامؓ مشرکین کی ایذارسانی کی وجہ سے مکّہ مکرمہ میں قیام پر قادر نہ رہے تو ان کو مدینہ طیبہ ہجرت کی اجازت فرمادی، اور بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ مجھے ہجرت کی جگہ دکھائی گئی وہ ایک زمین ہے جس میں کھجور کے درخت ہیں۔ میرا خیال ہوا کہ یہ جگہ شاید یمامہ ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ یثرب ہے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اوّل حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ایسی صفت کے ساتھ دکھایا گیا جو مدینہ پاک میں اور دوسری جگہوں میں مُشترک تھی، اس کے بعد ایسی صفات کے ساتھ دکھایا گیا جو مدینہ منورہ کے ساتھ مخصوص تھیں تو وہ متعیّن ہوگیا۔ ایک حدیث میں آیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت چاہی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ٹھیر جاؤ مجھے بھی عنقریب اجازت ہونے کو ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں ایّام میں خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک چاند مکّہ مکرمہ میں اُترا جس کی وجہ سے سارا مکّہ روشن ہوگیا پھر وہ چاند آسمان کی طرف چڑھا، اور مدینہ طیبہ میں جا اُترا جس کی وجہ سے مدینہ کی ساری زمین روشن ہوگئی، یہ طویل خواب ہے اسی میں آخر میں ہے کہ پھر وہ چاند عائشہ رضؓ کے گھر میں گیا۔ اور ان کے گھر کی زمین شق ہوگئی جس میں وہ چاند پوشیدہ ہوگیا کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو فنِ تعبیر سے پہلے ہی سے بہت مناسبت تھی اس خواب سے انہوں نے مدینہ کی ہجرت اور آخر میں حضورؐ کا حضرت عائشہؓ کے مکان میں دفن ہونا سمجھ لیا تھا (خمیس) دوسرا مضمون یہ ہے کہ اس بستی کی صفت یہ بیان کی گئی کہ ساری بستیوں کو کھالے۔ علماء نے اس سے مدینہ طیبہ کی ساری بستیوں سے افضل ہونے پر اِستدلال کیا ہے، اور متعدد اقوال اس کی شرح میں نقل کیے گئے۔ بعض علماء نے اس کا مطلب ہی یہ لکھا ہے کہ وہ بستی یعنی مدینہ ساری بستیوں سے افضل ہے یعنی اس کی فضیلت اتنی غالب اور بڑھی ہوئی ہے کہ اور سب بستیوں کی فضیلتیں اس کے مقابلہ میں مغلوب اور کالعدم ہیں گویا اوروں کی فضیلت اس کے مقابلہ میں معدوم ہوگئی، یہی مراد ہے کھا لینے

سے کہتے ہیں کہ اس مطلب کی تائید توراۃ شریف سے بھی ہوتی ہے اس میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے یَا طَابَةُ یَا مِسْکِیْنَةُ اِنِّیْ سَاَرْفَعُ اَجَاجِیْرَكِ عَلٰی اَجَاجِیْرِ الْقُرٰی (”اے طابہ اے مسکین شہر! میں تیری چھتوں کو ساری بستیوں کی چھتوں پر بلند کروں گا“) اور بعض علماء نے لکھا کہ اس بستی کے رہنے والے دوسرے شہروں کو فتح کرلیں گے اور ان پر غالب ہوجائیں گے جیسا کہ کہتے ہیں۔ فلاں شخص نے فلاں کو کھالیا یعنی قوت سے اس پر غالب ہوگیا۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ دونوں معنی مراد ہیں یعنی اس بستی کی فضیلت دوسری بستیوں پر غالب ہوگی اور اس کے آدمی دوسرے شہروں کے آدمیوں پر فتح اور غلبہ حاصل کریں گے (زرقانی ہمواہب)۔

صاحبِ مظاہرِ حق نے لکھا ہے کہ جو کوئی اس شہر میں رہتا ہے غالب ہوتا ہے اور فتح کرتا ہے اور شہروں کو یہ خاصیت ہے اس شہر عظیم الشان کی کہ جو اس میں آتا ہے اکثر شہروں پر غالب ہوتا ہے، پہلے اس میں قوم عمالقہ آئی وہ غالب ہوئی اور شہروں اور ولایتوں کو فتح کیا، پھر یہود آئے وہ غالب ہوئے عمالقہ پر پھر انصار پہنچے وہ غالب ہوئے یہود پر، پھر سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین آئے ان کو کس طرح غلبہ ہوا کہ مشرق سے مغرب تک لے لیا۔

تیسرا مضمون یہ ہے کہ لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں اس کا نام مدینہ ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس شہر کا نام یثرب تھا۔ ابتداءِ اسلام میں بھی اسی سے ذکر ہوتا رہا۔ صاحبِ مظاہرِ حق نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے اس کو یثرب کہنے سے منع فرمایا، یا تو اس لئے کہ وہ زمانۂ جاہلیت کا نام ہے یا اس لئے کہ وہ مشتق ہے ثرب سے جس کے معنی ہلاک اور فساد کے ہیں، یا اس لئے کہ یثرب اصل میں ایک بت کا نام تھا، اس کے نام پر شہر کا نام رکھا گیا، یا اس لئے کہ یثرب ایک ظالم شخص کا نام تھا۔ اور بخاری نے اپنی تاریخ میں ایک حدیث لکھی ہے کہ جو کوئی ایک بار یثرب کہے چاہیئے کہ دس بار مدینہ کہے تاکہ تدارک اور تلافی ہو۔

حافظ ابنِ حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے اس حدیثؐ سے مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کے مکروہ ہونے پر استدلال کیا ہے، یہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں جو سورۂ احزاب میں یَا اَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ (ع ۲۰) وارد ہوا ہے اور اس میں اس کو یثرب سے تعبیر کیا ہے وہ غیر مسلموں کا قول نقل کیا ہے اس سے جواز پر استدلال نہیں ہوتا۔ اور امام احمدؒ نے حضرت براءؓ کی حدیث سے حضورؐ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو مدینہ کو یثرب کہے اس کو استغفار

کرنا چاہیئے اس کا نام طابہ ہے طابہ ہے ، اور ایک حدیث میں حضرت ابو ایوبؓ سے نقل کیا گیا کہ حضورؐ نے مدینہ کو یثرب کہنے سے منع کیا اسی وجہ سے عیسٰی بن دینار مالکیؒ لکھتے ہیں کہ جو مدینہ کو یثرب کہے اس پر ایک خطا لکھی جاتی ہے ۔ اور ناپسندیدگی کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ تثریب سے ہے جس کے معنی ڈانٹنے کے اور ملامت کرنے کے ہیں یا ترب سے ہے جس کے معنی فساد کے ہیں اور دونوں معنی بُرے ہیں ۔ اور حضورؐ کی عادتِ شریفہ تھی کہ بُرے نام کو بدل کر اچھا نام تجویز فرماتے تھے ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ نام یثرب بن قانیہ بن مہلدیل بن عیل بن عیص بن ارم بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام کے نام پر ہے کہ وہ اس جگہ سب سے پہلے آباد ہوا جس کے نام پر یہ نام رکھا گیا اور اس کا بھائی خیبور تھا جس کے نام پر اس کے رہنے کی وجہ سے خیبر رکھا گیا ۔ چوتھا مضمون یہ ہے کہ بُرے آدمیوں کو اس طرح دُور کر دیتا ہے جیسا کہ آگ کی بھٹی لوہے کے مَیل کو ، اس کا مطلب بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں کفر و شرک کا اس سے بالکلیہ دُور ہو جانا مراد ہے (مظاہر) اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ حضورؐ کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے ۔ ایک حدیث میں ایک قصہ بھی آیا ہے کہ ایک بدو جو مدینہ میں رہتا تھا اس کو شدت سے بخار آیا جس کی وجہ سے اس نے مدینہ میں رہنے سے گھبرا کر حضورؐ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میری بیعت توڑ دیجئے میں یہاں نہیں رہتا ۔ حضورؐ نے بیعت توڑنے سے انکار کیا پھر دوبارہ سہ بارہ آکر اصرار کیا ۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انکار فرماتے رہے مگر وہ نکل گیا جس پر حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مدینہ بھٹی کی طرح سے ہے بُرے کو نکال دیتا ہے اچھے کو خالص کرتا ہے یعنی نکھارتا ہے ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آخر زمانہ میں بھی یہی بات ہوگی یعنی دجال کے زمانہ میں کہ مدینہ پاک سے بُرے بُرے آدمی نکل جائیں گے ۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ مدینہ سے بُرے بُرے آدمی نہ نکل جائیں ۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ہر شہر میں دجال کا گذر ہوگا مگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اس کا داخلہ نہیں ہو سکے گا ۔ فرشتے ان دونوں شہروں کی حفاظت کریں گے ۔ اسوقت مدینہ منورہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا جس سے ہر کافر اور منافق اس سے نکل پڑے گا ۔

حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص مراد ہے جس کے ایمان میں خلوص نہ ہو ۔

پانچواں مضمون یہ ہے کہ اس حدیث پاک سے مدینہ منورہ کے سارے شہروں سے افضل ہونے پر استدلال کیا گیا ہے جیسا کہ دوسرے مضمون میں گذرا ۔ مکہ مکرمہ کے علاوہ اور جتنے شہر ہیں ان

پر مدینہ پاک کی فضیلت تو مُسلَّم ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اس میں علماء میں اختلاف ہو گیا۔ کہ مدینہ پاک کی فضیلت مکّہ مکرّمہ پر بھی ہے یا نہیں۔ اکثر علماء نے مکہ مکرمہ کو سب سے افضل شہر بتایا ہے جیساکہ جمہور علماء کا مذہب ہے۔ اور بعض حضرات نے مدینہ منوّرہ کو مکّہ مکرمہ سے بھی افضل فرمایا ہے جیساکہ امام مالکؒ اور دوسرے بعض علماء سے نقل کیا گیا جیساکہ قریب ہی مفصّل آئے گا۔ لیکن اس سے قبل دو امر یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اوّل یہ کہ مدینہ طیّبہ کی وہ زمین جو حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جسم مُبارک سے مُتّصِل ہے اس میں کوئی اِختلاف علماء میں نہیں ہے وہ بِالاِتّفاق سب علماء کے نزدیک سب جگہوں سے افضل ہے۔ اِبنِ عَساکرؒ، قاضی عِیاضؒ وغیرہ حضرات نے اس پر ساری امت کا اِتّفاق اور اجماع نقل کیا ہے کہ یہ حصّہ زمین کا بیت اللّٰہ شریف سے بھی افضل ہے بلکہ قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے کہ عرشِ مُعلّٰی سے بھی افضل ہے جس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ آدمی جس جگہ دفن ہوتا ہے اسی جگہ کی مٹی سے اِبتداء میں وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ تو گویا حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا بدن مبارک بھی اسی مٹی سے بنا ہے (شرح مناسک نووی)

مَواہِب لَدُنّیہ میں لکھا ہے کہ اجماعی مسئلہ ہے، کہ جو زمین کا حصّہ حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جِسمِ مبارک سے ملا ہُوا ہے وہ ساری دُنیا کی زمین سے افضل ہے۔ حتیٰ کہ کعبہ کی زمین سے بھی افضل ہے۔ بلکہ اِبنِ عَقیل حَنبلیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے بلکہ بعض علماء نے تو اس وجہ سے کہ حضورؐ کا بدن مُبارک زمین میں ہے زمین کو آسمان سے افضل بتایا ہے۔

لیکن جمہور عُلماء کا مذہب یہ ہے کہ آسمان زمین سے افضل ہے اس لئے کہ آسمان پر اللّٰہ کی نافرمانی نہیں ہوتی اور زمین پر کفر و شرک ہوتا ہے۔ البتہ وہ جگہ جو اَنبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے مُبارک بدنوں سے مُتّصِل ہے وہ آسمانوں سے افضل ہے (شرح مواہب) عرش سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ مکان سے بے نیاز ہے اور زمین کے اس حصّہ میں حضورؐ کا جسم مبارک موجود ہے اس کے بعد دوسرا امر یہ بھی ذہن میں رکھنے کا ہے کہ مکّہ مکرّمہ میں کعبہ شریف حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قبر شریف کے عِلاوہ دُنیا کی سب جگہوں سے بِالاِتّفاق افضل ہے۔ اس میں بھی کسی کا اِختلاف نہیں ہے، اِبنِ حجرؒ شرح مَناسک نَوَوی میں لکھتے ہیں کہ عُلماء میں جو اختلاف مکّہ یا مدینہ کے افضل ہونے میں ہے وہ کعبہ شریف کے عِلاوہ میں ہے۔ کعبہ شریف بالاِتّفاق مدینہ مُنوّرہ سے افضل ہے، بجز قبر شریف کے اس حِصّہ کے جو حضورؐ کے بدنِ مُبارک سے مل رہا ہے کہ وہ کعبہ شریف سے بھی افضل ہے۔ ان دو چیزوں

کے بعد پھر اس میں اختلاف ہے کہ مکّہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیّبہ افضل ہے۔ امام نوویؒ اپنے مناسک میں لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یعنی شافعیہ کے نزدیک مکّہ مکرمہ افضل ہے۔ یہی اکثر فقہاء کا مذہب ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کا راجح قول بھی یہی ہے۔ مُلّا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ امام احمدؒ کا۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ابن عبد البرؒ نے اسی کو نقل کیا۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت ابو الدرداء۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مکّہ مکرمہ کے بارے میں جو ثواب اعمال کا روایات میں آتا ہے وہ مدینہ منورہ کے ثواب سے زیادہ ہے یعنی ایک لاکھ نمازوں کا ثواب کثرت سے احادیث میں آیا ہے جیسا کہ تیسری فصل کی حدیث ۱ میں اور چھٹی فصل کی حدیث نمبر ۶ میں گذر چکا ہے۔ نیز اسی فصل کی حدیث نمبر ۱۰ میں گذرا کہ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مکّہ مکرمہ کو فرمایا کہ تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر ہے۔ اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے، دوسرا قول حضرت امام مالکؒ کا ہے کہ مدینہ طیّبہ مکّہ مکرمہ سے افضل ہے۔ امام احمدؒ کا دوسرا قول بھی اسی کے موافق ہے اور حضرت عمرؓ کا مذہب بھی یہی نقل کیا جاتا ہے پہلے قول میں بھی حضرت عمرؓ کا نام نامی گذر چکا ہے اس لئے ان کے بھی اس مسئلہ میں دو قول ہو گئے ان حضرات کی دلیل ایک تو یہی حدیث ہے جس کا بیان ہو رہا ہے۔ نیز ایک حدیث میں حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ ہر شہر تلوار سے فتح ہوا مگر مدینہ طیّبہ قرآن سے فتح ہوا (زرقانی) نیز حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا قیام مدینہ منورہ میں اتنا طویل ہے کہ ہجرت سے لے کر قیامت تک اسی شہر میں قیام ہے۔ اور حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جسم مبارک کے یہاں موجود ہونے کی وجہ سے جس قدر اللہ تعالیٰ شانہ، کی رحمتیں ہر آن اور ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہیں ان کا نہ شمار ہو سکتا ہے نہ اندازہ نیز شریعت مطہرہ کی تکمیل اور شریعت کے جتنے احکام اس شہر میں نازل ہوئے اتنے نہ مکّہ مکرمہ میں نازل ہوئے نہ کسی اور جگہ۔ نیز اسی فصل کے نمبر ۵ پر جو حدیث آرہی ہے اس سے بھی یہ حضرات استدلال فرماتے ہیں جو مدینہ طیّبہ کو مکّہ مکرمہ سے افضل بتاتے ہیں۔

بندہ کے ناقص خیال میں اس حدیث سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے جو اس فصل کے نمبر ۹ کے ذیل میں حضورؐ کا ارشاد آرہا ہے۔ کہ کوئی زمین ایسی نہیں کہ جو مجھے زیادہ محبوب ہو اس اعتبار سے کہ میری قبر وہاں ہو بجز مدینہ کے۔

(۳) عَنْ سَعْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اُحَرِّمُ مَابَیْنَ لَابَتَیِ الْمَدِیْنَۃِ اَنْ یُّقْطَعَ عِضَاھُھَا اَوْ یُقْتَلَ صَیْدُھَا وَقَالَ اَلْمَدِیْنَۃُ خَیْرٌ لَّھُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ لَایَدَعُھَا اَحَدٌ رَغْبَۃً عَنْھَا اِلَّا اَبْدَلَ اللّٰہُ فِیْھَا مَنْ ھُوَ خَیْرٌ مِّنْہُ وَلَا یَثْبُتُ اَحَدٌ عَلٰی لَاْوَائِھَا وَجَھْدِھَا اِلَّا کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا اَوْ شَہِیْدًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ = رواہ مُسلم کذا فی المشکوٰۃ وفی تحریم المدینۃ عن علی عِند الشیخین وفی الصبر علی لاواء المدینۃ روایات کثیرۃ فی الصحاح۔

"حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مدینہ منورہ کی دونوں جانب جو کنکریلی زمین ہے، اس کے درمیانی حصّہ کو میں حرام قرار دیتا ہوں اس لحاظ سے کہ اس کے خاردار درخت کاٹے جائیں یا اس میں شکار کیا جائے اور حضورؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مدینہ مؤمنین کے قیام کے لئے بہترین جگہ ہے اگر وہ اس کی خوبیوں کو جانیں تو یہاں کا قیام نہ چھوڑیں اور جو شخص یہاں کے قیام کو اس سے بددل ہو کر چھوڑے گا اللہ جَلَّ شانُہٗ اس کا نِعمُ البَدَل یہاں بھیج دے گا۔ اور جو شخص مدینہ طیبہ کے قیام کی مشکلات کو برداشت کر کے یہاں قیام کرے گا میں قیامت کے دن اس کا سفارشی یا گواہ ہوں گا۔"

فائدہ: اس حدیث شریف میں کئی مضمون ہیں، اور ہر مضمون بہت سی سے مختلف روایات میں وارد ہوا ہے، اوّل یہ ہے کہ میں مدینہ کو حرام قرار دیتا ہوں، مدینہ منورہ کے دونوں جانب پتھریلی زمین ہے، ان دونوں کے درمیانی حصّہ کا مطلب یہ ہے کہ تمام مدینہ اور اس کے قریب کی زمین کو حرام قرار دیتا ہوں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث میں حضرت علیؓ سے حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جَبَلِ عیر اور جَبَلِ ثَوْر کے درمیانی حصّہ کو حرام قرار دیتا ہوں، جَبَلِ ثَوْر جَبَلِ اُحُد کے قریب ایک چھوٹا سا پہاڑ بتاتے ہیں۔ اور حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جگہ مُحَرَّم اور حَرَم کے حکم میں ہے۔ نہ اس جگہ شکار کیا جائے نہ یہاں کا خودرو گھاس کاٹا جائے جیسا کہ مکہ مکرمہ کے حَرَم میں یہ چیزیں ناجائز ہیں، ایسے ہی حضورؐ نے یہاں کے متعلق بھی ارشاد فرمایا۔ لیکن دوسری روایات کی بنا پر حنفیہ کے نزدیک دونوں جگہ کے حکم میں یہ فرق ہے کہ مکہ مکرمہ کے حَرَم میں یہ چیزیں ناجائز ہیں اور اگر کوئی ایسا کریگا تو بدلہ دینا واجب ہوگا، اور حَرَم مدینہ میں خلاف اَولیٰ ہیں، اور بدلہ دینا واجب نہ ہوگا۔ یہ مُمانعت

بھی دونوں جگہ مکان کی فضیلت کے لحاظ سے ہے جیسا کہ شاہی محلّوں کے آس پاس کی جگہیں ساری دُنیا میں مُحترَم اور قابلِ اَدَب ہوتی ہے۔ وہاں شکار وغیرہ کھیلنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ اور کسی کو وہاں کی پیداوار میں تصرُّف کا بھی حق نہیں ہوتا۔ یہ ایک معروف چیز ہے۔

دوسرا مضمون مدینہ مُنوَّرَہ میں قیام کے مُتعلق ہے۔ یہ مضمون بھی بہت سی روایات میں آیا ہے۔ بُخاری شریف کی ایک حدیث میں حضورِ اَقدس صلّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا ہے کہ یمن فتح ہوگا۔ بعض لوگ اس کے حالات کی تحقیق کریں گے پھر اپنے اہل وعیال کو اور جو لوگ ان کے کہنے میں آجائیں گے ان کو لے کر وہاں چلے جائیں گے حالاں کہ مدینہ اُن کے لئے بہتر تھا۔ کاش وہ یہاں کی بَرَکات کو جانتے، اور شام فتح ہوگا لوگ وہاں کے حالات کی خبریں سُن کر اپنے اہل کو اور جو اُن کے کہنے میں آجائیں گے ان کو لے کر وہاں مُنتقل ہو جائیں گے حالاں کے مدینہ ان کیلئے بہتر تھا۔ کاش وہ اس کو جانتے۔ عِراق فتح ہوگا اور لوگ وہاں کے حالات معلوم کرکے وہاں کے اہل کو اور جو کہنے میں آجائیں ان کو لے کر وہاں مُنتقل ہو جائیں گے، اور مدینہ ان کے لئے بہتر تھا۔ کاش وہ اس کو جانتے۔" حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضورؐ کا اِرشاد اسی طرح پورا ہوا۔ اور یہ شہر اسی ترتیب سے فتح ہوئے (فتح)

حضرت اَبواُسیدؓ فرماتے ہیں کہ جب حُضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو ہم لوگ حضورؐ کے ساتھ حضرت حمزہؓ کی قبر کی پر تھے اور ان کا کفن صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی، جو بدن پر بھی پوری نہ آتی تھی جب اس سے ان کے چہرہ کو ڈھانکا جاتا تو پاؤں کُھل جاتے اور جب پاؤں پر کھینچی جاتی تو چہرہ کُھل جاتا۔ حُضورؐ نے فرمایا کہ چادر کو منہ کی طرف کر دو اور پاؤں پر درخت کے پتے ڈال دو، صَحابۂ کِرامؓ رو رہے تھے۔ حُضورؐ نے فرمایا کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ شاداب زمینوں کی طرف نکلیں گے وہاں جاکر کھانے اور پہننے کو خوب ملیگا کثرت سے سواریاں ملیں گی تو اپنے گھر والوں کو لکھیں گے کہ تم حجاز کی قحط زدہ زمین میں پڑے ہو یہاں آجاؤ، حالاں کہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہے کاش وہ جانتے اس امر کو (ترغیب)

مُسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ عَنقریب لوگ دوسرے شہروں کی ثَروت اور پیداوار کو دیکھ کر اپنے قریبی رشتہ داروں کو وہاں بلاویں گے کہ یہاں بڑی پیداوار ہے یہاں آجاؤ، لیکن مدینہ کا قیام ان کے لئے بہتر ہے۔ کاش وہ اسکی بہتری کو جانتے (زرقانی علی المواہب)، اور ظاہر ہے کہ دُنیا کی ثروت یا پیداوار جتنی بھی زیادہ ہو جائے جو بات مدینہ پاک میں بَرَکات

کے اعتبار سے ہے ،اور حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پڑوسی ہونے کی جو سعادت وہاں حاصل ہے اور دین کی طرف رغبت کے جو اسباب وہاں ہیں وہ کسی دوسری جگہ کہاں مُیَسَّر آسکتے ہیں اوران قیمتی موتیوں کے مقابلہ میں دنیاوی مال و متاع لاکھوں کا ہو یا کروڑوں کا کب مقابلہ کرسکتا ہے۔ مُسْنَدِ بزّار کی ایک حدیث میں حضرت جابرؓ سے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ ایک زمانہ ایسا آتے گا کہ مدینہ مُنَوَّرہ سے بعض آدمی کسی شاداب زمین کی طرف ثروت کی تلاش میں جائیں گے اور وہاں ان کو ثروت اور شادابی مل جائے گی تو وہ اپنے اہل و عیال کو بھی وہاں منتقل کرلیں گے۔لیکن اگر وہ مدینہ کے فضائل سے باخبر ہوتے تو یقیناً مدینہ ان کے لئے بہتر تھا (زرقانی) تیسرا مضمون یہ ہے کہ جو شخص مدینہ کے قیام کو اس سے اعراض کرکے اور بددل ہو کر چھوڑیگا حق تعالیٰ شانہٗ اس کا نِعْمَ الْبَدَل یہاں تجویز کریگا۔ حافظ ابنِ عبد البرؒ، قاضی عیاضؒ وغیرہ نے اس کو حضورؐ کے زمانہ کے ساتھ خاص بتایا ہے لیکن امام نوویؒ اور علّامہ اُبّی مالکیؒ وغیرہ نے اس کو ہمیشہ کے لئے عام بتایا ہے۔ علّامہ زرقانیؒ لکھتے ہیں کہ بات اُن حضرات کے لئے ہے جو وہاں کے باشندے ہیں، وہاں کے مستقل رہنے والے ہیں، اور جو حضرات دوسری جگہ کے مُقیمین محض زیارت کے لئے آتے ہوں وہ اس میں داخل نہیں ہیں لیکن یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض حضرات صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم نے بھی مدینہ طیبہ کے قیام کو ترک کرکے دوسری جگہ کو وطن بنایا ہے لیکن حقیقت میں اشکال نہیں ہے۔اس لئے کہ ان حضرات کا ترکِ وطن درحقیقت ایک بڑا مجاہدہ اور ایثار تھا۔اگر یہ حضرات حق تعالیٰ شانہٗ، ان کی قبروں کو انوار و برکات سے خوب پُر کرے، اپنی ذاتی غرض اور اپنی ذات کے نفع کو مقدم فرماتے تو آج ہندوستان اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں اسلام کیسے پھیلتا، یہ انہی حضرات کی قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ دنیا کے ہر خطہ میں اسلام کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ان حضرات کا دور دراز شہروں میں جاکر قیام فرمانا دین کی خاطر تھا۔ اسلام کی خاطر تھا، اللہ کی رضا کے واسطے تھا اور اس کے پاک رسولؐ کی محنت کو پھیلانے کے واسطے تھا۔ یہ خود حضورؐ ہی کی خوشنودی کے واسطے اپنی دلبستگی کو چھوڑنا تھا ؎

اُرِیْدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیْدُ ھَجْرِیْ فَاَتْرُکُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ

ترجمہ: میں محبوب کا وصال چاہتا ہوں اور وہ مجھ سے جدائی پسند کرتا ہے اس لئے میں اپنی خوشی کو اس کی خوشی پر قربان کرتا ہوں۔"

ان حضرات صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم کے مدینہ پاک چھوڑنے پر وہاں کی برکات سے

وہاں کی نمازوں میں اجر و ثواب کی زیادتی سے جو نقصان واقع ہوا اِنْشَاءَ اللہ اس سے کروڑوں درجہ زائد وہ ثواب ان کو ملتا رہے گا۔ جو ان کی برکت سے دُنیا میں اسلام پھیلنے سے اُن کے حصّہ میں آیا۔ اور قیامت تک آتا رہے گا۔ اس لئے کہ بہت سی اَحادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو شخص کوئی نیک کام کرے تو اُس کو اس کا ثواب تو ہو ہی گا لیکن اس کی وجہ سے جتنے آدمی اس نیک کام کو کرتے رہیں گے ان سب کے کرنے کا ثواب کرنے والوں کو مستقل ملتا رہے گا اور اس شخص کو سب کرنے والوں کے کرنے کا ثواب مستقل ملتا رہے گا۔ اس لحاظ سے مدینہ پاک کے چھوٹنے سے جو اُن حضرات کے اعمال کے ثوابوں میں کچھ کمی ہوئی ہوگی۔ اس سے بَدَرَجہا زائد قیامت تک جتنے آدمی مسلمان ہوتے رہیں گے اور نیک اَعمال کرتے رہیں گے، ان کے اعمال کا ثواب ان حضرات کو اِنْشَاءَ اللہ ہوتا رہے گا جن کی وجہ سے یہاں اسلام پھیلا۔ اسی وجہ سے اکابر تعلیم و تبلیغ پر بہت زیادہ زور دیتے رہے ہیں کہ آدمی اگر خود نیک اعمال کرے تو اس کا ثواب اپنی زندگی تک ہے لیکن اگر دوسروں کو نیک عمل پر لگا جائے تو ان سب کے اعمال کا ثواب اس شخص کو ملتا رہے گا جس کی سعی اور کوشش سے دوسرے لوگوں نے کوئی نیک عمل کیا ہو مفت کا ثواب ہے، اور گویا ایک سرمایہ ہے جو کسی تجارت میں لگا دیا گیا اور ہمیشہ اس کا نفع ملتا رہے گا۔ یا ایک کرایہ کی جائداد ہے جس کا کرایہ گھر بیٹھے ہمیشہ وصول ہوتا رہے گا۔ اس لئے بہت زیادہ کوشش اس کی ہونی چاہیئے کہ اپنی کوشش سے جتنے بھی زیادہ سے زیادہ آدمی دین پر قائم ہو جائیں، دین پر پختہ ہو جائیں نیک عمل کرنے لگیں وہ غنیمت ہے؛ چوتھا مضمون اس حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ کی تکالیف کو برداشت کرکے ان پر صبر کرکے وہاں قیام کرے گا حضورؐ نے فرمایا کہ میں اس کا سفارشی یا گواہ ہوں گا۔ یہ مضمون بہت سی احادیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ حَرَّہ کی لڑائی میں جب کہ مدینہ منورہ پر چڑھائی ہو رہی تھی، ایک شخص حضرت اَبُوسَعِید خُدرِیؓ کے پاس آئے اور جنگ کی وجہ سے مدینہ پاک میں سخت گرانی اور اپنے کنبہ کی کثرت کا ذکر کرکے کہیں باہر جانے کا مشورہ کرنے لگے حضرت اَبُوسَعِید خُدرِیؓ نے فرمایا تیرا ناس ہو میں کبھی بھی تجھے کسی دوسری جگہ منتقل ہونے کا مشورہ نہیں دونگا میں نے خود حضورؐ سے سُنا ہے کہ جو شخص مدینہ کی سختی اور بھوک پر صبر کرے گا میں اس کا قیامت میں سفارشی یا گواہ ہوں گا۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ راوی کو شک ہے کہ حضورؐ نے سفارشی کا لفظ فرمایا یا گواہ کا لفظ فرمایا۔ علّامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ یعنی سفارشی یا گواہ حضرت جابرؓ، حضرت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوہریرہؓ

حضرت اسماء بنتِ عُمَیسؓ، حضرت صفیہ بنتِ ابی عُبیدؓ سب کی حدیثوں میں موجود ہے۔ یہ بات بہت دشوار ہے کہ سب ہی کو شک ہوگیا اس لئے ظاہر یہ ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے خود ہی دونوں لفظ ارشاد فرمائے اور یہ آدمیوں کے اختلاف کی وجہ سے فرمایا کہ بعض لوگوں کے لئے سفارشی بنوں گا اور بعض کے لئے گواہ مثلاً گنہگاروں کے لئے سفارشی اور متّقی لوگوں کے لئے گواہ یا یہ کہ جن حضرات کی وفات حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی حیات میں ہوئی ان کے لئے گواہ اور جن کی وفات حضورؐ کے وِصال کے بعد ہوئی اُن کے لئے سفارشی، بعض روایات میں یا کے بجائے اور کا لفظ آیا ہے کہ میں اُن کے لئے سفارشی اور گواہ ہوں گا۔ اس روایت کے موافق سب کے لئے دونوں چیزیں جمع ہوگئیں اور یہ سفارش اور شہادت جو ان حضرات کے لئے ہوگی وہ عام مؤمنین کے لئے سفارش اور شہادت کے علاوہ خصوصی ہوگی، جو اہلِ مدینہ کے اعزاز واکرام پر دلالت کرتی ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ سفارش ہی خاص قسم کی ہوگی، مثلاً تخفیفِ حساب کی سفارش ہو یا کسی خاص نوع کے اکرام کی سفارش ہو مثلاً عرش کے سایہ تلے ہونے کی یا جنّت میں جلدی داخلہ کی یا خصوصی منبروں کی جیسا کہ احادیث میں بعض لوگوں کے متعلق آتا ہے کہ وہ نُور کے منبروں پر ہوں گے یا اور کوئی اسی قسم کے اعزاز کی، اور جو شخص ان فضائل سے واقف ہوگا۔ وہ کیسے وہاں کی مشقتوں پر رغبت سے راضی نہ ہوگا۔ بالخصوص جب کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا قُرب ہر وقت حاصل ہو ؎

پائے در زنجیر پیشِ دوستاں ؛ بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

ترجمہ: دوستوں کے ساتھ قید میں رہنا بھی غیروں کے ساتھ باغ میں رہنے سے بہتر ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی وہاں کے قیام میں جو ہر عمل میں ثواب میں زیادتی ہے وہ مزید برآں اور یہ تو جب ہے کہ وہاں مشقتیں زائد ہوں بھی ورنہ کون سی جگہ دنیا میں ایسی ہے جہاں کسی نہ کسی نوع کی تکالیف نہیں ہیں، اور خصوصاً اس فتنہ کے زمانہ میں تو ہر جگہ تکالیف ہی تکالیف ہیں اس کے باوجود لوگ جہاں مُقیم ہیں اس سے مُنتقل ہونا خوشی سے گوارا نہیں کرتے تو پھر مدینہ جیسی جگہ کے قیام کا کیا کہنا۔

(۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْاِیْمَانَ لَیَاْرِزُ اِلَی الْمَدِیْنَةِ كَمَا تَاْرِزُ

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ بیشک ایمان مدینہ کی طرف ایسا کھنچ کر آتا ہے جیسا کہ سانپ اپنے

اَلْحَیَّۃُ اِلٰی جُحْرِھَا۔ رواہ البخاری ۔ سوراخ کی طرف آجاتا ہے۔"

فائدہ: بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کے اعتبار سے ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانہ میں اور خلفاءِ راشدین رض کے اور صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن کے زمانہ میں جن لوگوں کے دل میں ایمانی جذبہ تھا وہ جوق جوق مدینہ طیبہ حضور ؐ کی زیارت اور دین کے سیکھنے کے واسطے آتے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ تمام زمانوں کے لئے ہے کہ ایمانی جذبہ رکھنے والے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قبر شریف کی زیارت اور حضور ؐ کی مسجد میں نماز اور آپ کے اور آپ کے صحابۂ کرام رض کے آثار کی زیارت کے شوق میں کھنچے چلے جاتے ہیں۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حضور ؐ نے آخر زمانہ کا حال بتایا ہے کہ ساری دُنیا میں سے دین سمٹ کر مدینہ طیبہ میں آجائے گا۔ اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رض سے نقل کیا ہے۔ کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بستیوں میں سب سے آخری بستی جو قیامت کے قریب ویران ہوگی وہ مدینہ طیبہ ہوگا۔ یعنی اس کی ویرانی ساری آبادیوں کے بعد ہوگی۔ (مشکوٰۃ)

(۵) عَنْ اَنَسٍ رض عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِیْنَۃِ ضِعْفَیْ مَاجَعَلْتَ بِمَکَّۃَ مِنَ الْبَرَکَۃِ۔ متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ۔

حضرت انس رض حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی یہ دُعا نقل کرتے ہیں کہ اے اللہ جتنی برکتیں آپ نے مکہ مکرمہ میں رکھی ہیں اُن سے دُگنی برکتیں مدینہ منورہ میں عطا فرما۔

فائدہ: جو حضرات مدینہ طیبہ کو مکہ مکرمہ سے افضل بتاتے ہیں وہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جیسا کہ حدیث نمبر ۲ کے ذیل میں گذرا اور جو حضرات مکہ مکرمہ کو افضل بتاتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں برکت سے مراد خاص طور سے روزی میں برکت مراد ہے۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں یہ مضمون ذرا تفصیل سے آیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رض فرماتے ہیں کہ صحابہ رض کا معمول یہ تھا کہ جب موسم میں کوئی پھل آتا تو سب سے پہلا پھل حضور ؐ کی خدمت میں پیش کیا جاتا۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس کو لے کر یہ دُعا فرماتے کہ اے اللہ ہمارے پھلوں میں برکت فرما، اور ہمارے شہر میں برکت فرما۔ اور ہمارے صاع میں برکت فرما۔ اور ہمارے مُد میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام تیرے بندے تھے تیرے خلیل تھے تیرے نبی تھے، اور میں بھی تیرا بندہ ہوں اور تیرا نبی ہوں۔ انہوں نے مکہ مکرمہ کے

لئے دُعاء کی میں ویسی ہی دُعاء مدینہ طیبہ کے لئے کرتا ہوں اور اس سے دوچند کی دُعا کرتا ہوں۔ اس کے بعد کسی چھوٹے بچے کو وہ پھل مرحمت فرمادیتے۔ اس حدیث شریف میں حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام کی دُعاء کی طرف اشارہ فرمایا جو قرآن پاک میں مذکور ہے۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ (ابراہیم - ۶)

کہ اے اللہ لوگوں کے دل اس شہر (مکہ مکرمہ) میں رہنے والوں کی طرف مائل کر اور ان کو پھل عطا فرما۔"

ایک حدیث میں حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام کی دُعاء گوشت اور پانی میں برکت کے متعلق وارد ہوئی اور حضورؐ نے اپنی اس دُعا کو حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام کی دُعاء پر مُرتّب فرمایا۔ اس لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ برکت بھی انہی چیزوں کے متعلق ہے۔ صاع اور مُد دو پیمانے ہیں جن سے غلّہ ناپا جاتا ہے ان میں برکت کے یہ معنی ہیں کہ رزق میں فراخی ہو۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس دعاء کا قبول ہونا مشاہدہ میں آتا ہے کہ جو مقدار کھانے کی مدینہ طیبہ میں کافی ہو جاتی ہے اتنی مقدار کھانے کی مدینہ طیبہ سے باہر کافی نہیں ہوتی۔ وہاں رہنے میں اس کا تجربہ ہوتا ہے (فتح)۔

اور جو حضرات مدینہ طیبہ کی افضلیت کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ برکت کے معنی خیر میں زیادتی کے ہیں جو دین اور دُنیا دونوں کی خیر کو شامل ہے اس لئے ہر نوع کی خیر میں مکہ مکرمہ سے دُوچند کی دعاء ہے (فتح) ایک حدیث میں آیا ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ جا رہے تھے جب مدینہ سے باہر حَرّہ میں سُقیا پر پہونچے (ایک جگہ کا نام ہے مدینہ کی آبادی سے باہر) تو حضورؐ نے وضو کا پانی منگایا اور وضو کر کے قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہنے کے بعد یہ دُعا کی:-

اے اللہ حضرت ابراہیمؑ تیرے بندے تھے تیرے خلیل تھے۔ انہوں نے مکہ والوں کے لئے برکت کی دُعا کی اور میں محمد ہوں (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) تیرا بندہ ہوں تیرا رسول ہوں، میں تجھ سے مدینہ والوں کیلئے دُعاء کرتا ہوں کہ تو ان کے مُد میں اور انکے صاع میں ایسی ہی برکت کر جیسی کہ تو نے اہل مکہ کیلئے کی اور اس کے ساتھ دوچند برکتیں زیادہ کر (کنز)، اس حدیث شریف میں تین گنا زیادتی کی دُعا ہوئی۔ صاحب ترغیب نے اسکی سَنَد کو عمدہ اور قوی بتایا ہے

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں گرانی بہت ہوگئی اور لوگ سخت مشقت میں پڑ گئے۔ تو حضورؐ نے صبر کی تلقین فرمائی۔ اور یہ خوشخبری دی کہ میں نے تمہارے لئے تمہارے صاع میں اور تمہارے مُد میں برکت کی دُعا کی ہے، یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کھانا علیحدہ علیحدہ نہ کھایا کرو

اکٹھے ہو کر کھایا کرو اس صورت میں ایک کا کھانا دو کو کافی ہو جاتا ہے اور دو کا کھانا چار کو کافی ہو جاتا ہے اور چار کا پانچ چھ کو کافی ہو جاتا ہے۔ اکٹھے کھانے میں برکت ہوتی ہے جو شخص مدینہ طیبہ کی مشقت پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کے لئے سفارشی اور گواہ بنوں گا۔ اور جو شخص مدینہ سے اعراض کر کے یہاں سے جائے گا حق تعالیٰ شانہ اس کا بہترین بدل یہاں کر دے گا۔ اور جو مدینہ والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسا کہ پانی میں نمک پگھل جاتا ہے (ترغیب) یہ مضمون بھی بہت سی روایات میں نقل کیا گیا جیسا کہ آئندہ حدیث کے ذیل میں آرہا ہے

(۶) عَنْ سَعْدٍ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَکِیْدُ اَهْلَ الْمَدِیْنَةِ اَحَدٌ اِلَّا انْمَاعَ کَمَا یَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ۔ متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو کوئی بھی مدینہ منورہ کے رہنے والوں کے ساتھ مکر کریگا وہ ایسا گھل جائے گا جیسا کہ پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔

فائدہ:۔ یہ مضمون بہت سی احادیث میں بہت مختلف عنوانات سے نقل کیا گیا۔ اس سے پہلی حدیث کے ذیل میں حضرت عمر رضی سے بھی حضور کا ارشاد اس قسم کا نقل کیا گیا۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص مدینہ والوں کے ساتھ کسی قسم کی برائی کا ارادہ کرے گا حق تعالیٰ شانہ اس کو آگ میں اس طرح پگھلاویں گے جس طرح آگ میں رانگ پگھلتا ہے۔ یا پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔ حضرت جابر رضی نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ وہ شخص برباد ہو جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈراتا ہے۔ ان کے صاحبزادے نے پوچھا کہ حضور کا وصال ہو چکا حضور کو کوئی شخص کس طرح ڈرا سکتا ہے۔ تو حضرت جابر رضی نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مدینہ والوں کو ڈراتا ہے وہ اس چیز کو ڈراتا ہے جو میرے پہلو کے درمیان ہے (یعنی میرے دل کو) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص مدینہ والوں کو ڈرائے اللہ جل شانہ اس کو ڈرائے۔ حضرت عبادہ رضی سے حضور کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ اے اللہ جو شخص مدینہ والوں پر ظلم کرے یا ان کو ڈرائے تو تو اس کو ڈرا اور اس پر اللہ کی لعنت فرشتوں کی لعنت اور ساری دنیا کی لعنت، نہ اس کی فرض عبادت مقبول نہ نفل عبادت مقبول، حضرت سائب بن خلاد رضی سے بھی حضور کا یہ ارشاد ایسے ہی نقل کیا گیا جیسا کہ حضرت عبادہ نے نقل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی سے نقل کیا گیا کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو مدینہ والوں کو تکلیف پہنچائے اس کو اللہ تعالیٰ تکلیف پہنچائے۔ اور اس پر اللہ کی

لعنت، فرشتوں کی لعنت، ساری دُنیا کے آدمیوں کی لعنت، نہ اس کا فریضہ مقبول نہ نفل (ترغیب)

حضرت زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے یہ دُعاء کی ہے اے اللہ جو مدینہ والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو اس کو ایسا پگھلاوے جیسا کہ رانگ آگ میں، اور نمک پانی میں اور چکنائی دھوپ میں پگھلتی ہے۔ (کنز العمال) اور بھی بعض صحابۂ کرامؓ سے اس قسم کے مضامین نقل کئے گئے ہیں یہ بڑی سخت وعیدیں ہیں جو لوگ زیارت کے واسطے وہاں حاضر ہوں وہ اس کا بہت زیادہ خیال اور اہتمام رکھیں کہ نہ ان لوگوں کو اذیت پہنچائیں، نہ خریدا ور فروخت میں ان سے کسی قسم کی چالبازی اور مکر کریں۔ یہاں رہتے ہوئے بھی، وہاں کے رہنے والوں کیساتھ کسی قسم کی دغابازی کرنا اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس کا بہت لحاظ رکھیں، جو معاملہ ان کے ساتھ کریں وہ نہایت صفائی کا ہونا چاہیے۔ کسی قسم کی دغا اور فریب ان لوگوں کے ساتھ کرنے سے بہت زیادہ احتراز کریں۔

(۷) عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى فِيْ مَسْجِدِيْ اَرْبَعِيْنَ صَلٰوةً لَا تَفُوْتُهٗ صَلٰوةٌ كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ وَبَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ، رواه احمد والطبرانی فی الاوسط ورجاله ثقات وروی الترمذی بعضه كذا فی مجمع الزوائد

"حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اِرشاد ہے کہ جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں ایسی طرح پڑھے کہ ایک نماز بھی اسکی مسجد سے فوت نہ ہو تو اس کے لئے آگ سے برأت لکھی جاتی ہے عذاب سے براءۃ لکھی جاتی ہے اور وہ شخص نفاق سے بری ہے۔

فائدہ: بڑی اہم فضیلت ہے اور بڑی آسان، زائرین کو چاہیئے کہ کم از کم آٹھ روز کا قیام وہاں ضرور کریں، اور جانے سے پہلے اونٹ یا موٹر والوں سے آٹھ روز کا قیام طے کرلیں تاکہ چالیس نمازیں پوری ہو جائیں، اور اس کا اہتمام کریں کہ اس درمیان میں کوئی نماز فوت نہ ہونے پائے۔ اگر کسی جگہ زیارت وغیرہ کو جانا ہو تو ایسی صورت تجویز کریں کہ صبح کی نماز مسجد نبویؐ میں پڑھ کر جائیں اور ظہر کی نماز واپسی میں مسجد میں میسر ہو جائے۔

(۸) عَنْ عَائِشَةَ رضـ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ لِلْمَرِيْضِ بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى سَقِيْمُنَا۔ رواه البخاری وروی معناه مسلم وابوداؤد وغیرهما۔

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مریض کے لئے فرمایا کرتے تھے بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى سَقِيْمُنَا"

فائدہ: اس دُعا کا ترجمہ یہ ہے کہ "اللہ کے نام کے ساتھ ہماری زمین کی مٹی ہم میں سے بعض آدمیوں کے لب کے ساتھ مل کر ہمارے بیمار کو شفا دیتی ہے۔" مُسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب کوئی آدمی بیمار ہوتا یا اس کے کوئی زخم وغیرہ ہوتا تو حضورؐ ایسا کرتے۔ امام نَوَوِیؒ کہتے ہیں کہ حضورؐ انگلی کو لب لگا کر زمین پر لگاتے تاکہ اس کو مٹی لگ جائے اور یہ دُعا پڑھتے پھر اس کو اس جگہ لگا دیتے جو ماؤف ہے۔ بعض علماء نے اس کو عام کہا ہے وہ ہر جگہ کی مٹی کے متعلق ایسا ہی کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ وطن کی مٹی کو مزاج سے مناسبت میں خاص دخل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حافظ نے فتح الباری میں اس کو وضاحت سے نقل کیا ہے اور بعض علماء نے اس کو مدینہ پاک مٹی کے ساتھ خاص بتایا ہے۔ علامہ قسطلانیؒ نے مَوَاہب لدُنیہ میں مدینہ پاک کی خصوصیت میں لکھا ہے کہ اس کا غبار جذام اور برص کے لئے خصوصیت سے شفا ہے۔ علامہ زُرقانیؒ کہتے ہیں کہ یہ نہ کوئی طبّی چیز ہے نہ عقلی چیز ہے لیکن مُنکر کو نفع نہیں کرتی۔ علامہ زُرقانیؒ نے بعض لوگوں کے حالات بھی لکھے ہیں، جن کو برص کی بیماری تھی اور مدینہ پاک کی مٹی ملنے سے وُہ اچھے ہو گئے۔ علامہ قسطلانیؒ کہتے ہیں بلکہ ہر مرض کے لئے شفا ہے۔ علامہ زرقانیؒ نے لکھا ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم ایک مرتبہ قبیلہ بنو الحارث کے پاس گئے وہ لوگ بیمار تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا حال ہے؟ کہنے لگے حضور ہم لوگ بخار میں مُبتلا ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تمہارے پاس تو صعیب موجود ہے (یہ مدینہ کی خاص جگہ کا نام ہے جو وادیٔ بُطحان میں ہے) انہوں نے عرض کیا کہ حضور صعیب کو کیا کریں؟ حضورؐ نے فرمایا اس کی مٹی لے کر پانی میں ڈال کر اس پر یہ پڑھ کر لب ڈالو:۔ بِسْمِ اللّٰہِ تُرَابُ اَرْضِنَا بِرِیْقِ بَعْضِنَا شِفَاءٌ لِمَرِیْضِنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا۔ ان حضرات نے اس کا استعمال کیا اللہ کے فضل سے بخار جاتا رہا۔

اس قصہ کے نقل کرنے والے ایک راوی کہتے ہیں کہ لوگوں کے اس جگہ سے مٹی اُٹھانے کی وجہ سے وہاں گڑھا بھی پڑ گیا۔ بہت سے لوگوں نے اس کا تجربہ کیا۔ علامہ سَمہُودیؒ کہتے ہیں کہ یہ جگہ اب تک بھی موجود ہے۔ لوگ اس کی مٹی بیماروں کے واسطے لاتے ہیں۔ حضرت ثابت بن قیسؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مدینہ کا غبار کوڑھ کی بیماری کے لئے شفاء ہے (زرقانی)

اس ناکارہ کا تجربہ تو یہاں تک ہے کہ مدینہ طیبہ کی مٹی اس دُعاء کے ساتھ طاعون کی گلٹی تک کے لئے بھی نافع ہوئی ہے۔ اور وفاء الوفاء میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد نقل کیا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کی مٹی میں ہر بیماری کا علاج ہے۔

(۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَاِنِّيْ اَشْفَعُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا : رواه الترمذی وابن ماجة وابن حبان فی صحیحه والبیهقی ولفظ ابن ماجة فَاِنِّیْ اَشْهَدُ لِمَنْ مَّاتَ بِهَا کذا فی الترغیب.

"حضرت ابنِ عمرؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اس کی طاقت رکھتا ہو کہ مدینہ طیبہ میں مرے چاہیے کہ وہیں مرے اس لئے کہ میں اس شخص کا سفارشی ہوں گا جو مدینہ میں مرے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں اس کا گواہ بنوں گا"۔

فائدہ: بہت سے صحابہؓ سے یہ مضمون نقل کیا گیا۔ حضرت صُمَیْتَہؓ کہتی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس کی طاقت رکھتا ہو کہ مدینہ کے سوا کہیں نہ مرے وہ مدینہ ہی مرے میں اس لئے کہ میں اس کے لئے گواہ بنوں گا جو مدینہ میں مرے (ترغیب) علماء نے لکھا ہے کہ شفاعت سے مراد خاص قسم کی شفاعت ہے ورنہ حضورؐ کی عام شفاعت تو سارے ہی مسلمانوں کے لئے ہوگی اور طاقت رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کوشش کرے کہ وہاں آخر تک رہے۔ علامہ زُرقانی کہتے ہیں کہ یہ ترغیب ہے وہاں سے باہر نہ جانے کی کہ مرنے تک وہیں رہے۔ ابنُ الحاجّ کہتے ہیں کہ اس کو طاقت رکھنے سے تعبیر کیا گویا اشارہ ہے اس طرف کہ اس کی انتہائی کوشش کرے۔ میرے محترم بزرگ حضرت مولانا الحاج سید احمد صاحب فیض آبادی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے جو مدرسہ شرعیہ مدینہ طیبہ کے بانی اور حضرت شیخ العرب والعجم حضرتِ اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے بڑے بھائی تھے، کئی مرتبہ فرمایا کہ ہندوستان کے دوستوں سے ملنے کیلئے جانے کو تو ایک مرتبہ دل چاہتا ہے مگر بڑھاپا آگیا ایسا نہ ہو کہ مدینہ کی موت نصیب نہ ہو، میرے آقا حضرتِ اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے مُلتزم پر جو دعائیں کیں منجملہ ان کے یہ بھی تھی کہ حق تعالیٰ شانہٗ مدینہ پاک کی موت نصیب فرمائے اور حضرت عمرؓ کی دعا تو مشہور ہے: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ (اے اللہ مجھے اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسولؐ کے شہر میں موت عطا فرما) ان دونوں دعاؤں کا جمع ہونا بظاہر دشوار تھا کہ مدینہ پاک دار الاسلام اور کفر سے

ے صحح نظر الی الترغیب صـ ۲۲۳، جلد ۲ طبع مصر "ف"

ایسا بعید ہو چکا تھا کہ شیطان بھی اس سے مایوس ہو چکا تھا ایسی حالت میں وہاں شہادت بظاہر دشوار تھی لیکن اللہ جَلَّ شانُہٗ جس کام کا ارادہ فرمالیں تو ان کو اسباب پیدا کرنے کیا مشکل ہیں، خاص مسجد نبوی میں صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُم کے بڑے مجمع کے درمیان عین نماز کی حالت میں ابولؤلؤ کافر کے ہاتھ شہادت نصیب ہوئی۔

یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک قبر کھودی جارہی تھی اور حضور اقدسؐ وہاں تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب تشریف لائے اور قبر کو دیکھ کر کہنے لگے کہ مومن کے لئے یہ کیسی بری جگہ ہے حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ تم نے کیسی بری بات کہی۔ حضور کی مراد غالباً یہ تھی کہ مومن کی قبر کو بری جگہ بتایا حالاں کہ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ وہ صاحب کہنے لگے۔ حضور میرا مقصد تو یہ تھا کہ یہاں مر گئے۔ کہیں جاکر اللہ کے راستے میں شہید ہو جاتے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ شہادت کے برابر تو کوئی چیز ہی نہیں لیکن ساری زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں مجھے اپنی قبر بنائی جانی پسندیدہ ہو بجز مدینہ طیبہ کے، حضورؐ نے تین مرتبہ یہی الفاظ فرمائے۔ (مشکوٰۃ)

مدینہ پاک کی موت ایمان کے ساتھ کسی خوش نصیب کو مُیَسَّر ہو جائے اس سے بڑھ کر مرنے کے وقت کیا دولت ہو سکتی ہے کہ جنّت البقیع کی مٹی نصیب ہو جائے جہاں حضورؐ کے اہل بیت مدفون ہیں۔ دو کے علاوہ ساری اَزْواجِ مُطَہَّرات مدفون ہیں اور صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُم اَجْمَعِیْن کی کتنی بڑی جماعت مدفون ہے حضرت امام مالکؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ دس ہزار صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُم اَجْمَعِیْن اس مَقْبَرہ میں مدفون ہیں (زرقانی) ان پاک ارواح پر اللہ جَلَّ شانُہٗ کی کس قدر رحمتیں ہر وقت نازل ہوتی ہوں گی یہ ظاہر چیز ہے۔

ابن نجارؒ نے حضورؐ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ دو قبرستان آسمان والوں کے لئے زمین پر ایسے چمکتے ہیں جیسا کہ زمین والوں کے لئے آسمان پر چاند اور سورج۔ ایک بقیع کا قبرستان دوسرا مقبرہ عسقلان، اور کعب احبارؒ جو توراۃ کے بڑے عالم تھے فرماتے ہیں کہ توراۃ میں لکھا ہے کہ جنّت البقیع ایک قبہ کی طرح سے ہے جس پر مستقل فرشتوں کی جماعت مقرر ہے کہ جب وہ پُر ہو جائے اس کو جنت میں اُلٹ دیں (زرقانی) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت میں سب سے اوّل میری قبر شق ہو گی پس اس میں

سے نکلوں گا پھر ابوبکرؓ اپنی قبر سے نکلیں گے پھر عمرؓ، پھر میں جنت البقیع میں جاؤں گا اور وہاں جتنے مدفون ہیں ان سب کو اپنے ساتھ لوں گا۔ پھر مکہ مکرمہ کے قبرستان والوں کا انتظار کروں گا وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان آکر مجھ سے ملیں گے، امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے (زرقانی)

(۱۰) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ

(۱۰) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو جگہ میرے گھر یعنی میری قبر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔"

رواہ البخاری ومسلم وغیرھما وفی حدیث سعد بن ابی وقاص عند البزار بسند رجالہ ثقات وعند الطبرانی من حدیث ابن عمر بلفظ القبر وعلٰی ھٰذا المراد بالبیت بیت عائشۃ رضؓ الذی صار فیہ قبرہ کذا فی الفتح :

فائدہ: اس حدیث شریف میں دو مضمون وارد ہیں۔ اوّل یہ کہ مسجد نبوی ؐ کا وہ حصہ جو قبرِ اطہر اور منبر شریف کے درمیان ہے وُہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یہ مشہور قول کے موافق ہے کہ میرے گھر سے مراد حضرت عائشہ رضؓ کا گھر ہے جس میں بعد میں حضورؐ کی قبر بنی۔ بعض علماء نے میرے گھر سے عام مراد لیا ہے۔ یعنی تمام اَزواج کے گھر اور زوائدِ مسند احمد کی ایک روایت سے اس کی تائید کی جس میں وارد ہوا ہے کہ ان گھروں کے اور منبر کے درمیان ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے۔ اس صورت میں اَزواجِ مطہرات کے جو مکانات ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں مسجد نبوی ؐ میں داخل ہوئے ہیں وہ سارا حصہ روضہ ہی ہے (نزہتہ) اس کے مطلب میں علماء کے تین قول ہیں۔

اوّل یہ کہ اللہ کی رحمتوں کے نازل ہونے میں یہ حصہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جنت کا باغ ہو کہ جس طرح وہاں ہر وقت اللہ جلّ شانہٗ کی رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں اسی طرح یہاں بھی ہر وقت اللہ جلّ شانہٗ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس جگہ عبادت جنت کے باغ کا ذریعہ ہے۔ یعنی اس جگہ عبادت کرنے سے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ عبادت کرنے والے کو ملیگا۔ اور تیسرا قول یہ ہے

کہ یہ جگہ حقیقت میں جنّت کا ایک ٹکڑا ہے جو اس دُنیا میں مُنتقل کیا گیا ہے اور بِعَینِہٖ یہ ٹکڑا جنت میں منتقل کیا جائے گا۔

حافظ ابنِ حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بھی مدینہ طیبہ کے مکہ مکرمہ سے افضل ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اس لئے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصّہ جنّت کا ٹکڑا ہے۔ اور دوسری احادیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جنّت کا ایک کمان کے بقدر حصّہ بھی دُنیا اور جو کچھ دُنیا میں ہے۔ سب سے افضل ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ تیسرا قول راجح ہے۔ ابنِ حجرؒ مکی شرح مناسکِ نوَوِی میں لکھتے ہیں سب سے بہتر قول وہ ہے جو امام مالکؒ وغیرہ سے نقل کیا گیا کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور یہ جگہ جنّت میں مُنتقل ہو جائے گی۔

دوسرا مضمون حدیث بالا میں یہ ہے کہ میرا منبر میرے حَوض پر ہوگا اس کے معنی میں بھی عُلماء کے تین قول ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ منبر شریف جو مسجد میں ہے یہ بِعَینِہٖ حوضِ کوثر پر منتقل ہو جائے گا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حَوضِ کوثر کا حال بیان فرمایا کہ اس پر میرے لئے ایک منبر ہوگا اس صورت میں مسجد کے اس منبر سے کوئی تعلّق نہیں، تیسرے معنی یہ ہیں کہ مسجد میں جو منبر شریف ہے اس کے مُتّصل عبادت کرنے کا ثمرہ اور اثر یہ ہے کہ اس کی برکت سے قیامت میں حوضِ کوثر پر حاضری نصیب ہوتی ہے۔ قاضی عیاضؒ نے شفا میں لکھا ہے کہ پہلے معنی سب سے زیادہ ظاہر ہیں۔ حافظ ابنِ حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اکثر علماء نے یہی فرمایا ہے کہ وہی منبر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ اور حضرت ابُوسعید خُدریؓ کی روایت سے اسی کی تائید ہوتی ہے وُہ حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میرے منبر کے پائے جنّت میں ستون بنا دیئے جائیں گے اور بھی بہت سے عُلماء نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ اسی وجہ سے مسجد نبویؐ کے درمیان میں یہ دو جگہ ایک روضہ دوسرے منبر کی جگہ خاص طور سے اہم ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بعض مَواقع خُصوصی ہیں جن کے پاس جا کر خُصوصیّت سے درود و دعاء وغیرہ کرنا چاہیئے، حج کی کتابوں میں ان کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے چند کو یہاں بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جن ستونوں کی خاص فضیلت ہے اور اسی طرح سے ان کے علاوہ جو مُتبرک مقامات ہیں اُن کی زیارت کرنا چاہیئے اور ان کے پاس خصوصیت سے نوافل، دُعاء وغیرہ کرنا چاہیئے، بالخُصوص مسجد کا جو حصّہ حضورؐ کے زمانہ میں مسجد تھا وہ خاص طور سے زیادہ اہم اور زیادہ قابل

اہتمام ہے۔ اور اس حصہ میں جتنے ستون ہیں وہ خاص طور پر متبرک ہیں کہ بخاری شریف کی حدیث کے موافق صحابہ کرام ستونوں کے قریب کثرت سے نماز پڑھا کرتے تھے، ان میں سے آٹھ ستون خاص طور سے افضل اور متبرک اور معروف ہیں۔

۱: اُسطوانہ مُخلّقہ: یہ جگہ سب سے زیادہ متبرک ہے یہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ اسی کو اُسطوانہ حنّانہ بھی کہتے ہیں۔ اس جگہ کھجور کا وہ تنہ تھا جس پر ٹیک لگا کر حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم منبر بننے سے پہلے خطبہ پڑھا کرتے تھے، جب منبر شریف تیار ہوا اور حضور خطبہ کے لئے اس پر تشریف فرما ہوئے تو اس میں سے بہت زور سے رونے کی آواز آئی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے رونے سے مسجد گونج گئی، دوسری روایت میں ہے کہ اس کے رونے سے اور اس کی حالت سے مسجد والے بھی رونے لگے۔ حضورِ اقدسؐ اس کے پاس آئے اور اس پر دستِ مبارک رکھا جس سے اس کا رونا بند ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس کے قریب اللہ کا ذکر ہوتا تھا۔ اب منبر بن جانے سے یہ اس سے محروم ہو گیا، اس کی وجہ سے رو رہا ہے۔ اگر میں اس پر ہاتھ نہ رکھتا تو قیامت تک اسی طرح روتا رہتا۔ اس کے بعد اس کو دفن کر دیا گیا۔ بہت مشہور قصہ ہے۔ دس صحابہ کرامؓ نے اسکو نقل کیا ہے۔ حسن بصریؒ جب اس کا قصہ نقل فرماتے تو رونے لگتے اور فرماتے کہ اللہ کے بندو کھجور کے درخت کو تو حضورؐ کا اتنا اشتیاق ہو تم تو اس سے بھی زیادہ شوق کے اہل تھے (شفاء) ایک حدیث میں ہے کہ جب منبر تیار ہو گیا اور حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جمعہ کے دن اس پر تشریف فرما ہوئے تو یہ ستون ایسے زور سے چلّایا قریب تھا کہ پھٹ جائے۔ حضورؐ منبر سے اترے اور اسے اپنے سے لگایا تو اس طرح سسکیاں لے رہا تھا جیسا بچہ کیا کرتا ہے۔ جس وقت کہ اس کو روتے ہوئے کو چپ کیا جائے (بخاری شریف) اسی وجہ سے اس کو اُسطوانہ حنّانہ کہتے ہیں جس کے معنی رونے والی اونٹنی کے ہیں۔ اور مُخلّقہ خلوق سے جو ایک مرکب خوشبو کا نام ہے وہ اس پر خاص طور سے ملی جاتی تھی اگرچہ اور ستونوں پر بھی مل جاتی تھی۔ اور اس لئے اور بھی بعض ستونوں کو مخلّقہ کہا جاتا تھا۔ مگر اکثر اسی کو کہا جاتا ہے۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں نماز کے لئے سب سے افضل جگہ یہی ہے۔ اسی جگہ محرابُ النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نام سے محراب بنا دی گئی جو حضورؐ کے زمانہ میں نہ تھی۔ بلکہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بحیثیت امیر مدینہ ہونے کے مسجد کی تعمیر کرائی ہے اس وقت سے محراب بنی ہے (نزہۃ الناظرین)

۲: اُسطوانہ عائشہ رضؓ جس کو اُسطوانۃ المہاجرین بھی کہتے ہیں اس لئے کہ مہاجرین کی اکثر نشست اسی جگہ رہتی تھی۔ اِبتداءً حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مُصلّےٰ اسی جگہ تھا۔ اس کے بعد آگے کے ستون کی طرف جو نمبر ایک میں گذرا تجویز ہوا اس کو اُسطوانۃ القُرعہ بھی کہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے حضورؐ سے نقل کیا کہ اس مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو جائے تو اس کے لئے ہجوم کی وجہ سے قُرعہ ڈالنا پڑے۔ لوگوں نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا کہ وہ کونسی جگہ ہے تو انہوں نے اسوقت بتانے سے انکار فرمایا اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ کے اصرار پر حضرت عائشہ رضؓ نے ان کو بتایا۔ اسی لئے اُسطوانہ عائشہ رضؓ کہتے ہیں کہ ان کی حدیث اور ان کی تعیین سے اسکی تعیین ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمر رضؓ اکثر اس کے قریب نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اسجگہ دُعاء قبول ہوتی ہے۔

۳: اُسطوانۃ التوبہ: اور اس کو اُسطوانہ اَبُو لُبابہ رضؓ بھی کہتے ہیں۔ حضرت اَبُو لُبابہ رضؓ مشہور صحابی ہیں۔ غزوہ بنو قُریظہ کے وقت ایک غلطی ان سے سرزد ہو گئی تھی، وہ یہ کہ جس وقت یہود بنی قریظہ کا مُحاصرہ ہو رہا تھا تو انہوں نے تنگ آکر ہتھیار ڈالنے کا ارادہ کیا اور اَبُو لُبابہ رضؓ سے زمانہ جاہلیت سے بہت زیادہ تعلقات تھے تو انہوں نے مشورہ کے لئے ان کو بلایا کہ حضورؐ کا عندیہ ان سے اپنے متعلق معلوم کریں۔ یہ وہاں تشریف لے گئے وہ سب انکو دیکھ کر بے تحاشا رونے لگے ان کے رونے کو دیکھ کر ان کا بھی دل بھر آیا اور ان کے دریافت کرنے پر انہوں نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا گویا کہ حضورؐ کا عندیہ قتل کرنے کا ہے۔ لیکن اس کے بعد معاً تنبہ ہوا کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی، وہاں سے واپس آکر اپنے آپکو اس جگہ جو کھجور کا ستون تھا اس سے باندھ دیا، کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہو گی اپنے کو نہ کھولوں گا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کھولیں گے تو اس جگہ سے رہائی کروں گا۔ حضورؐ کو جب اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں اللہ جل شانہٗ سے ان کے لئے استغفار کرتا۔ مگر اب وہ براہِ راست اپنی توبہ کے قبول پر مدار رکھ چکے ہیں تو جب تک توبہ قبول نہ ہو میں کیسے کھول سکتا ہوں، کئی دن اسی حال میں گذر گئے کہ نماز کے یا بشری ضرورت کے وقت ان کی بیوی یا بیٹی کھول دیتیں اور بعد فراغت پھر باندھ دیتیں کئی دن اسی حال میں گذر گئے کہ نہ کھانا نہ پینا، بھوک کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے اندھیر ہو گیا کانوں سے اونچا سنائی دینے لگا۔ کئی دن کے بعد ایک شب میں کہ اس دن حضورؐ حضرت

اُمِّ سلمہؓ کے مکان پر تھے تہجد کے وقت ان کی توبہ قبول ہوئی حضورؐ نے اس کی اطلاع فرمائی صحابہ کرامؓ نے ان کو کھولنا چاہا اور قبولِ توبہ کی بشارت دی، مگر انہوں نے کہا کہ جب تک حضورؐ ہی اپنے دستِ مبارک سے نہ کھولیں گے مجھے کھلنا منظور نہیں، چنانچہ حضورؐ جب صبح کی نماز کے لئے باہر تشریف لائے تو ان کو کھولا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ غزوہ تبوک میں جو حضرات رہ گئے تھے ان میں ابولبابہؓ بھی تھے اور اس غزوہ میں شرکت نہ ہونے سے رنج وغم میں انہوں نے اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ دیا تھا، اور اسی حال میں جب کئی دن گذر گئے اور آیتِ شریفہ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ (توبہ ۔ ۱۳۰) نازل ہوئی تو ان کو کھولا گیا۔ اس ستون کے قریب قبلہ کی جانب حضورؐ نے اعتکاف بھی کیا ہے اور اکثر ضعفاء مساکین وغیرہ اس ستون کے قریب بیٹھتے تھے تو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک ان کے پاس تشریف فرما ہوتے تھے۔

۴ :- اُسْطُوَانَۃُ السَّرِیْر :- حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اعتکاف اس جگہ بھی بتایا جاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اعتکاف کے زمانہ میں اسجگہ شب کو آرام فرمایا کرتے تھے، اس لئے یہ نام ہوا۔ سَرِیْر کے اصل معنی تخت کے ہیں حضورؐ کے آرام فرمانے کے لئے کوئی چیز اس جگہ بچھائی جاتی تھی جو لکڑی کی ہوگی۔

۵ : اُسْطُوَانَہ عَلیؓ : جس کو اُسْطُوَانَۃُ الْمَحْرَس اور اُسْطُوَانَۃُ الْحَرَس بھی کہتے ہیں۔ حَرَس کے معنی حفاظت کے ہیں۔ بعض صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ دربانی کے طور پر اس جگہ تشریف فرما ہوتے تھے اور اکثر حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ تشریف رکھتے تھے اس لئے اُسْطُوَانَہ علیؓ بھی نام ہو گیا۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حضرت عائشہؓ کے حُجرہ سے جب تشریف لاتے تھے تو اس جگہ کو گذرتے۔

۶ : اُسْطُوَانَۃُ الْوُفُوْد : حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں جو عرب کے وفود آتے تھے وہ اکثر اسی جگہ بٹھائے جاتے تھے۔ حضورؐ اس جگہ تشریف لاکر ان سے گفتگو فرماتے ان کو احکام کی تلقین فرماتے۔ علماء کا ان دونوں ستون نمبر ۵، ۶ کی تعیین میں اختلاف ہے جس کو نُزْہَۃُ النّاظرین وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔

۷ :- اُسْطُوَانَہ تہجد : کہتے ہیں کہ اکثر شب کے وقت جب سب آدمی چلے جاتے تو اس جگہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے لئے ایک بوریا بچھایا جاتا تھا اور حضورؐ یہاں تہجد ادا فرماتے تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے رمضان المبارک میں

تین رات جو نماز پڑھی ہے اور بہت مجمع جمع ہو جاتا تھا اور حضورؐ نے تراویح کے فرض ہونے کے خوف سے پھر نہیں پڑھی وہ اسی جگہ پڑھی گئی ہے۔ مگر اکثر روایات میں اس کا مسجد نبوی میں ہونا معلوم ہوتا ہے (نزہتہ) اور یہ جگہ اُس وقت مسجد نبوی میں داخل نہیں تھی۔

۸: **اُسطوانہ جبرئیلؑ**: علماء نے لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے کی یہ خاص جگہ تھی لیکن یہ ستون اس وقت حجرۂ شریفیہ کی تعمیر کے اندر آگیا ہے باہر سے اس کی زیارت نہیں ہوتی۔ یہ آٹھ ستون علماء نے خاص گنوائے ہیں لیکن یہ ظاہر بات ہے کہ مسجد نبویؐ کا کون سا حصہ ایسا ہوگا جہاں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک نہ پڑے ہوں اور صحابہ کرامؓ نے نمازیں نہ پڑھی ہوں۔ اور نہ صرف مسجد نبویؐ بلکہ مدینہ طیبہ کے سارے شہر کا کون سا حصہ ایسا ہوگا جہاں ان بابرکت ہستیوں کے قدم بار ہا نہ پڑے ہوں اس لئے وہاں کی ہر جگہ بابرکت ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کی برکت سے انتفاع کی توفیق عطا فرمائے کہ اصل توفیق ہی ہے۔

خاتمہ

اس میں سارے علماء کا اتفاق ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صرف ایک ہی مرتبہ حج کیا ہے۔ سنہ ۱۰ھ میں جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری سال تھا اور اس سفر میں ایسے واقعات کا حضورؐ کی طرف سے ظہور ہوا جیسا کہ کسی سے رخصت ہوتے وقت ہوا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کا نام حجۃ الوداع یعنی رخصت کا حج پڑ گیا۔ کہ گویا حضورِ اقدسؐ، حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں جانے کے لئے اس سفر کے اجتماع کے وقت سارے مسلمانوں سے جو حاضر تھے رخصت ہو گئے۔ سفر حج کی ابتداء کے وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارادے کا اعلان فرمایا تو ہزاروں کی مقدار میں صحابہ کرامؓ نے ہمرکابی اور معیت کا فخر حاصل کرنے کے لئے حج کا ارادہ فرما لیا۔ اور جو خبر سنتا گیا وہ ہمرکابی کی کوشش کرتا گیا ان میں سے ایک بڑی مقدار مدینہ طیبہ روانگی سے قبل پہنچ گئی، اور جو وہاں حاضر نہ ہو سکے تھے وہ راستہ میں ملتے رہے اور جن کو اتنا وقت نہ ملا وہ مکہ مکرمہ اور بعض براہِ راست عرفات پر پہنچے۔ غرض بہت کثیر مجمع اس حج میں ہمرکاب تھا جس کی مقدار ایک لاکھ چوبیس ہزار تک بتائی جاتی ہے (لمعات حاشیہ ابوداؤد) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے

اور عصر کی نماز ذُوالحُلَیفہ میں پہنچ کر ادا فرمائی۔ اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ روانگی کی تاریخ کیا تھی۔ ۲۴، ۲۵، ۲۶ ذیقعدہ تین قول ہیں۔ اور اسی طرح دن کے متعلق بھی پنجشنبہ، جمعہ، شنبہ، تین قول ہیں جن میں سے جمعہ کا دن جن حضرات نے کہا ہے وہ صحیح روایات کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ روانگی سے قبل مدینہ پاک میں چار رکعت ظہر کی پڑھنا مشہور روایات میں ہے۔ اس ناکارہ کے نزدیک ۲۵ ذیقعدہ شنبہ کے دن روانگی روایات سے راجح معلوم ہوتی ہے۔ شب کو ذُوالحُلَیفہ میں قیام فرمایا اور تمام ازواجِ مطہراتؓ سے جو ہمراہ تھیں صحبت کی، اسی وجہ سے علماء کے نزدیک اگر بیوی ساتھ ہو تو احرام سے قبل صحبت کرنا مستحب ہے کہ احرام کے طویل زمانہ میں دونوں کے لئے عفت کا سبب ہے،

دوسرے دن ظہر کے وقت حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے احرام کے لئے غسل کیا، اور احرام کی چادریں زیبِ تن فرمائیں، اور ذُوالحُلَیفہ کی مسجد میں ظہر کی نماز کے بعد قِران کا احرام باندھا۔ محققین علماء کے نزدیک حضورؐ کا احرام شروع ہی سے قِران کا تھا۔ یہاں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابۂ کرامؓ کو اختیار دیدیا کہ جس کا دل چاہے اِفراد، تمتع، قِران میں جونسا چاہے باندھ لے۔ خود حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قِران کا باندھا۔ کہ حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام نے رات کو تشریف لاکر یہ فرمایا تھا کہ یہ وادی عقیق مبارک وادی ہے آپؐ اس میں نماز پڑھیں، اور حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھیں۔ اس کے بعد مسجد سے باہر تشریف لاکر اونٹنی پر سوار ہوئے اور زور سے لبیک پڑھا چونکہ مسجد کی آواز قریب کے آدمیوں نے سُنی تھی اور یہاں اونٹنی پر تشریف رکھنے کے بعد دور تک آواز گئی، اس لئے بہت سے حضرات نے یہ سمجھا کہ اسی وقت حضورؐ نے احرام کی ابتداء فرمائی۔ اس کے بعد حضورؐ کی مبارک اونٹنی آپ کو اپنی پشت پر لے کر چلی اور بَیداء کی پہاڑی پر چڑھی جو ذُوالحُلَیفہ کے قریب ہے چونکہ حاجی کے لئے ہر اونچی جگہ چڑھتے ہوئے لبیک زور سے پڑھنا مستحب ہے اس لئے حضورؐ نے یہاں بھی زور سے لبیک پڑھا جس کی آواز پہاڑی کا اونچان ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ دُور تک گئی، اس کی وجہ سے صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت اسی جگہ حضورؐ کا احرام باندھنا نقل کرتی ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے لبیک پڑھتے ہوئے مکہ مکرمہ کی طرف روانگی شروع کی۔ حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام نے آکر یہ درخواست کی کہ صحابۂ کرامؓ کو حکم فرما دیجئے کہ لبیک زور سے پڑھیں چنانچہ حضورؐ نے اس کا حکم فرمایا۔ راستہ میں جب وادی رَوحا پر پہنچے تو حضورؐ نے وہاں نماز پڑھی اور یہ فرمایا کہ ستر نبیوں نے اس جگہ نماز پڑھی۔ حضور

اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا سامان اور حضرت اَبُوبکر صِدیقؓ کا سامان سب ایک اونٹ پر تھا جو حضرت اَبُوبکرؓ کے غلام کی سپردگی میں تھا۔ جب وادیٔ عَرج میں پہنچے تو دیر تک یہ حضرات ان کا انتظار فرماتے رہے۔ دیر میں وہ آئے اور کہا کہ اونٹ تو کھویا گیا۔ حضرت اَبُوبکرؓ نے ان کو مارا کہ ایک ہی تو اونٹ تھا وہ بھی گم کر دیا۔ اور حضورؐ تبسم فرما کر ارشاد فرما رہے تھے کہ ان مُحرِم کو دیکھو یہ کیا کر رہے ہیں۔ یعنی احرام کی حالت میں مارتے ہیں۔

صَحابہؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضورؐ کے سامان کے اونٹنی گم ہوگئی تو جلدی سے کھانا تیار کر کے لاتے حضورؐ نے حضرت اَبُوبکرؓ کو بلایا کہ آؤ اللہ تعالیٰ نے بہترین غذا عطا فرمائی، مگر حضرت اَبُوبکرؓ کو غصہ آرہا تھا۔ حضورؐ نے ان کو فرمایا کہ اَبُوبکرؓ غصہ کو جانے دو۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ اور حضرت اَبُوقیسؓ اپنے سامان کی اونٹنی لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضورؐ یہ قبول فرمالیں۔ مگر حضورؐ نے فرمایا اللہ تمہیں برکت عطا فرمائے ہماری اونٹنی اللہ کے فضل سے مل گئی۔ جب وادیٔ عُسفان میں جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے، تشریف فرما تھے تو حضرت سُراقہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں حج کا طریقہ اس طرح بتادیجئے کہ گویا ہم آج ہی پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی اس پر اطمینان نہ فرماویں کہ یہ بات تو ان کو پہلے سے معلوم ہوگی، حضورؐ نے ان حضرات کو بتایا کہ مکہ میں داخل ہو کر کیا کیا کریں، سَرِف میں پہنچ کر حضرت عائشہؓ کو حیض آنے لگا۔ وہ بہت پریشان ہوئیں، رونے لگیں کہ میرا تو سفر ہی بیکار ہوگیا۔ حج کا وقت قریب آگیا اور میں ناپاک ہوگئی۔ حضورؐ نے تسلی دی کہ یہ تو ساری ہی عورتوں کو پیش آتا ہے، پھر ان کو بتایا کہ وہ اب کیا کریں۔ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ارشاد فرمایا کہ جن کے ساتھ ہَدْی نہیں ہے۔ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر عمرہ کر کے اپنا احرام کھول دیں۔ مکہ مکرمہ کے قریب جب وادیٔ اَزرق پر پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے اس وقت وہ مَنظر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ پر حج کے لئے گذر رہے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے کر زور سے لبیک پڑھ رہے تھے، اس کے بعد حضرت اَقدسؐ ذُوطُویٰ پہنچے جو مکہ مکرمہ کے بالکل قریب ہے اور شب کو وہاں قیام فرمایا اور صبح کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی غرض سے غسل کیا اور چاشت کے وقت ۴ ذِی الحجہ یکشنبہ کی صبح کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے اس دن اور تاریخ میں علماء کا سب کا قریب قریب اتفاق ہے، کہ مکہ مکرمہ میں داخلہ کی یہی تاریخ اور یہی دن تھا۔ بندہ کے نزدیک ذِیقعدہ کا یہ مہینہ ۲۹ دن کا تھا۔ اس لئے شنبہ کو چل کر نویں دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں پہنچ کر

سب سے اوّل مسجدِ حرام میں تشریف لے گئے اور حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور طواف کیا، تحیۃ المسجد بھی نہیں پڑھی۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی طواف شروع فرمادیا۔ طواف سے فراغت پر مقامِ ابراہیم پر طواف کا دوگانہ ادا کیا جس میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھی اس کے بعد پھر حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ اور بابُ الصَّفا سے نکل کر صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے۔ اور اوپر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ نظر آنے لگا۔ پھر بڑی دیر تک تکبیر و تحمید اور دُعاء کرتے رہے اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سات چکر پورے فرمائے اور مروہ پر جب سعی سے فراغت فرمائی تو جن حضرات کے ساتھ ہدی نہیں تھی ان کو احرام کھولنے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد قیام گاہ پر تشریف لائے اور چار دن قیام فرمایا۔ ۸ ذی الحجہ پنجشنبہ کو چاشت کیوقت منیٰ تشریف لے گئے اور سب صحابہ کرام نے بھی حج کا احرام باندھکر ہمرکاب تھے پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھیں۔ اسی شب میں سورۂ والمرسلات حضور پر نازل ہوئی، جمعہ کی صبح کو طلوعِ آفتاب کے بعد عرفات تشریف لے گئے اور نمرہ میں جو خیمہ حضور کے لئے خدام نے پہلے سے لگا دیا تھا تھوڑی دیر قیام فرمایا۔ پھر زوال کے بعد اپنی اونٹنی پر جس کا نام قصویٰ تھا، سوار ہو کر بطنِ عُرنہ میں جو وہیں قریب ہے، تشریف لائے، اور بہت طویل خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ میں ایسے الفاظ بھی تھے کہ شاید تم اس سال کے بعد مجھے نہ دیکھو اور یہ کہ اس سال کے بعد کبھی بھی میرا تمہارا یہاں اجتماع نہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ خطبہ کے بعد حضرت بلال رضؓ کو تکبیر کا حکم فرمایا اور ظہر اور عصر کی نمازیں ظہر ہی کے وقت میں پڑھائیں۔ نماز سے فراغت کے بعد عرفات کے میدان میں تشریف لائے اور مغرب تک اپنی اونٹنی پر دُعاء میں بڑے اہتمام سے مشغول رہے۔

اسی دوران میں حضرت اُمِّ فضلؓ نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آپ کا روزہ ہے یا نہیں ایک پیالہ میں دودھ بھیجا جس کو حضورؐ نے اپنی اونٹنی پر سارے مجمع کے سامنے نوش فرمایا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ روزہ نہیں ہے۔ اِسی دوران میں ایک صحابی اونٹ پر سے گر کر مر گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کے احرام کے کپڑوں ہی میں ان کو کفنا دو یہ قیامت میں لبیک ہی پڑھتے ہوئے اٹھیں گے اس جگہ نجد کی ایک جماعت براہِ راست پہنچی، اور حضورؐ سے ایک آدمی کے ذریعہ سے آواز دے کر دریافت کرایا کہ حج کیا ہے۔ حضورؐ نے ایک آدمی کو حکم فرمایا کہ اعلان کر دو کہ حج عرفہ میں ٹھہرنے کا نام ہے۔ جو شخص ۱۰ ذی الحجہ کی صبح سے پہلے پہلے یہاں پہنچ جائے اس کا حج ہو گیا (ابوداؤد)

حضورؐ مغرب تک اُمت کیلئے مغفرت کی دُعا بہت ہی الحاح اور زاری سے مانگتے رہے، حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سے اُمت کیلئے مظالم کے سوا اور سب چیزوں کی مغفرت کا وعدہ ہو گیا۔ مگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی التجا فرماتے رہے کہ یا اللہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مظلوم کو تو اپنے

پاس سے بدلہ عطا فرمادے اور ظالموں کو معاف فرمادے۔ اسی دوران میں آیت شریفہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ نازل ہوئی (مائدہ) جس کا بیان سب سے پہلی فصل میں گذر چکا ہے جس وقت یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو وحی کے بوجھ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی کھڑی نہ ہو سکی۔ غروب کے بعد نماز سے قبل حضورؐ وہاں سے روانہ ہوئے، اونٹنی ایسے زوروں پر تھی کہ نہایت شدت سے اس کی باگ کھینچ رکھی تھی۔ وہ جوش میں دوڑنا چاہتی تھی جہاں ذرا چڑھائی آتی تو حضورؐ اونٹنی کی باگ ذرا ڈھیلی فرما دیتے تھے۔ پھر اس کو زور سے کھینچ لیتے حتیٰ کہ اس کا سر باگ کے زیادہ کھینچنے کی وجہ سے کجاوے سے لگا جا رہا تھا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ حضورؐ کے پیچھے اونٹنی پر تھے۔ راستہ میں ایک جگہ مزدلفہ کے قریب حضورؐ کو پیشاب کی ضرورت ہوئی اُتر کر پیشاب کیا، وضو کیا حضرت اسامہؓ نے وضو کرایا۔ حضرت ابن عمرؓ کا معمول اتباع کے شوق میں ہمیشہ یہ رہا کہ جب حج کرتے تو اس موقع پر اُتر کر وضو کیا کرتے اور ذوق میں کہا کرتے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں وضو کیا تھا۔ حضرت اسامہؓ نے وضو کے بعد حضورؐ سے نماز کی یاد دہانی کی۔ حضورؐ نے فرمایا آگے چلو، مزدلفہ پہنچ کر سب سے پہلے حضورؐ نے نئے وضو کے بعد مغرب اور عشاء کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد دُعا میں مشغول ہوئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس جگہ مظالم کے بارہ میں بھی حضورؐ کی دُعا قبول ہو گئی۔ حضورؐ نے بچوں اور عورتوں کو نیز ضعفاء کو ہجوم میں تکلیف ہونے کے خیال سے رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ کو روانہ کر دیا اور خود تمام رفقاء کے ساتھ صبح صادق کے بعد سویرے سے نماز پڑھ کر طلوعِ آفتاب سے قبل منیٰ کے لئے روانہ ہوئے اور اس وقت حضرت اسامہؓ تو پیدل چلنے والوں میں تھے اور حضرت فضل بن عباسؓ حضورؐ کے پیچھے اونٹنی پر سوار تھے راستہ میں ایک نوجوان لڑکی نے حضورؐ سے اپنے باپ کے حجِ بدل کا مسئلہ دریافت کیا، حضرت فضل بھی نوعمر تھے ان کی نگاہ اس عورت پر پڑی۔ حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت فضلؓ کے چہرے کو دوسری طرف پھیر دیا کہ نامحرم کو نہ دیکھیں اور یہ ارشاد فرمایا کہ آج کا دن ایسا دن ہے کہ جو شخص اس میں اپنی آنکھ، کان اور زبان کی حفاظت کرے اس کی مغفرت ہوتی ہے۔ راستہ ہی سے حضرت فضلؓ نے حضورؐ کے لئے کنکریاں چنیں، لوگ مسائل بھی دریافت کرتے جاتے تھے اور حضورؐ جواب فرماتے جا رہے تھے۔ ایک صاحب نے دریافت کیا حضور میری والدہ اتنی بوڑھی ہیں کہ اگر سواری پر ان کو باندھ کر بٹھایا جائے تو ان کی موت کا اندیشہ ہے کیا میں ان کی طرف سے حج کر

سکتا ہوں ؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تمہاری والدہ کے ذمہ کسی کا قرض ہوتا تو کیا تم ادا نہ کرتے ، ایسے ہی حج کو بھی سمجھو ۔ جب حضورؐ راستہ میں وادیِ مُحَسّر پر پہنچے جہاں حق تعالیٰ شانہٗ نے اَبرَہہ کے ہاتھی کو ہلاک کیا تھا جب کہ اس نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی ، تو حضورؐ نے اپنی اونٹنی کو تیز کر دیا کہ جلدی سے اس عذاب کی جگہ سے آگے بڑھ جائیں ، منیٰ پہنچ کر سیدھے جمرۂ عَقَبَہ پر پہنچے اور سات کنکریاں اس کے ماریں اور لبیک کا پڑھنا جو احرام کے بعد سے اب تک وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا اس وقت بند کر دیا ۔ اس کے بعد منیٰ میں قیامگاہ پر تشریف لائے اور بڑا طویل وعظ فرمایا جس میں بہت سے اَہم احکام کا اعلان کیا ، اور اس قسم کے مضامین بھی ارشاد فرمائے جیسا کہ اَلوداع کے وقت کہے جاتے ہیں ۔ پھر قربانی کی جگہ تشریف لے گئے اور اپنی عمر کے سالوں کے مطابق ترسیٹھ ۶۳ اونٹ اپنے دستِ مبارک سے قربانی کیے جن میں ۶ ، ۷ اونٹ امنڈ کر قربان ہونے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے ہر ایک زبانِ حال سے جلدی قربان ہونا چاہتا تھا ؎

داغ جاتے تو ہیں مقتل میں پر اول سب سے دیکھئے وار کرے وہ سِتم آرا کس پر

۶۳ کے علاوہ باقی اونٹوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے قربان کیا ۔ کل عدد ۱۰۰ تھے ۔ قربانی کے بعد اعلان فرما دیا کہ جس کا دل چاہے ان میں سے گوشت کاٹ کر لے جائے اس کے بعد حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ ہر اونٹ میں سے ایک ایک بوٹی لے کر سب کو ایک برتن میں جوش دیں ان کا شوربا حضورؐ نے پیا تاکہ ہر اونٹ کو حضورؐ کے نوش فرمانے کی سعادت حاصل ہو ۔ اپنی اَزواجِ مُطہرات کی طرف سے گائے ذبح کی ۔ قربانی سے فراغت کے بعد حضرت مَعمرؓ یا حضرت خراشؓ کو بلایا اور ان سے حجامت بنوائی ۔ سر منڈایا لبیں بنوائیں ، ناخن ترشوائے اور یہ بال اور ناخن جاں نثاروں میں تقسیم کرا دیئے ، کہتے ہیں کہ کہیں کہیں جو بالِ مُبارک موجود ہیں وہ انہی میں کا بقیہ ہے اس کے بعد احرام کی چادریں اُتار کر کپڑے پہنے ، خوشبو لگائی ۔ اِس دوران میں کثرت سے صحابۂ کرامؓ اکر حج کے متعلق مسائل دریافت کرتے رہے اس دن میں چار کام کرنے ہیں ، رمی ، ذبح ، سر منڈانا ، طوافِ زیارت کرنا ۔ یہی ترتیب ان کی ہے ، اس میں بہت سے حضرات سے بھول وغیرہ کی وجہ سے ترتیب میں تقدم و تأخر ہوا ۔ ہر شخص آکر عرض کرتا کہ مجھ سے بجائے اس کے ایسے ہوگیا ۔ حضورؐ فرماتے اس میں کوئی گناہ نہیں ہوا ۔ البتہ اس میں گناہ ہے کہ کسی مسلمان کی آبرو ریزی کی جائے ۔ ظہر کے وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم طوافِ زیارت کے لئے مکہ

مکرّمہ تشریف لے گئے اور ظہر کی نماز مکّہ مکرّمہ میں پڑھی یا منیٰ واپس آکر۔ روایات میں اختلاف ہے اور طواف سے فراغت پر زمزم شریف کے کنویں پر تشریف لے گئے اور خود ڈول کھینچ کر پیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ نے خود نہیں کھینچا بلکہ یہ فرمایا کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غلبہ کرنے لگیں گے تو خود کھینچ کر پیتا۔ لیکن ان دونوں میں کچھ اشکال نہیں زمزم شریف کا پینا بار بار ہوا اس لئے کسی موقع پر خود کھینچ کر پیا ہو جب ہجوم نہ ہو اور کسی موقع پر ہجوم کی وجہ سے ایسا فرما دیا ہو اس میں اشکال نہیں۔ آپؐ نے زمزم شریف کھڑے ہو کر پیا اور پھر صفا مروہ کی دوبارہ سعی کی یا نہیں کی اس میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے قواعد کے موافق تو کی ہے اس کے بعد منیٰ واپس تشریف لے گئے اور تین دن وہاں قیام کیا اور روزانہ زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کیا کرتے تھے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ان ایام میں جب منیٰ میں قیام تھا روزانہ رات کو بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف کے لئے تشریف لاتے اور منیٰ کے قیام میں متعدد وعظ بھی حضورؐ نے فرمائے جن میں اس قسم کے الفاظ بھی ہیں کہ میں شاید تم سے پھر نہ مل سکوں۔ منیٰ ہی کے قیام میں سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ حج سے قبل مدینہ طیبہ ہی میں نازل ہو چکی تھی، اور متعدد روایات میں ہے کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ اس سورۃ میں میری وفات کی خبر دی گئی ہے میں عنقریب جانے والا ہوں۔ اس کے بعد ۱۳ ذی الحجہ سہ شنبہ کو زوال کے بعد آخری رمی سے فارغ ہو کر حضورؐ منیٰ سے روانہ ہوئے۔ اور مکّہ مکرّمہ کے باہر محصّب کے جس کو بطحا اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں ایک خیمہ میں جس کو حضورؐ کے غلام حضرت ابو رافعؓ نے حضورؐ کے یہاں تشریف لانے سے پہلے ہی اس جگہ لگا رکھا تھا قیام کیا، اور چار نمازیں ظہر سے عشاء تک وہاں ادا فرمائیں اور عشاء کے بعد تھوڑی دیر اس میں آرام کیا۔ یہ وہی جگہ ہے جس جگہ کفار نے بیٹھ کر ابتداءِ اسلام یعنی نبوت کے چھٹے برس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کا بائیکاٹ کر دیا جائے کہ نہ ان سے لین دین کسی قسم کا کیا جائے نہ ان کو کھانے کو دیا جائے نہ ان سے کوئی ملاقات کرے، نہ صلح کی بات کرے جب تک یہ لوگ (نعوذ باللہ) حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو ہمارے حوالہ نہ کر دیں تاکہ ہم حضورؐ کو قتل کریں یہ معاہدہ اسی جگہ لکھا گیا تھا جس کا قصّہ مشہور ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے آج دو جہان کا سردار ہونے کی حیثیت سے یہاں قیام کیا اور عشاء کے بعد تھوڑی دیر آرام فرما کر طوافِ وداع کے لئے مکّہ مکرّمہ تشریف لائے اور اسی رات میں حضرت عائشہؓ کو ان کے بھائی کے ساتھ عمرہ کا احرام

باندھنے کے لئے تنعیم بھیجا اور عمرہ کرایا حضرت عائشہؓ جب عمرہ سے فارغ ہو کر محصّب پہنچ گئیں تو حضورؐ نے قافلہ کو مدینہ طیبہ کیطرف روانگی کا حکم فرمایا۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس حج کے موقع پر حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوئے یا نہیں، داخل ہونا تو محقق ہے لیکن بعض علماء حج کے ایام میں داخل ہونا بتاتے ہیں اور بعض حضرات اس زمانہ کے بجائے فتح مکہ کے زمانہ میں بتلاتے ہیں۔ اور طوافِ وداع سے فراغت کے بعد بعض روایات کے موافق صبح کی نماز مکہ مکرّمہ میں پڑھا کر جس میں سورۂ والطّور حضورؐ نے پڑھی۔ ۱۴ ر ذی الحجہ ۱۰ھ چہار شنبہ کی صبح کو مدینہ طیبہ کیطرف مع خدّام جان نثاران واپسی ہوئی اور جب ۱۸ ر ذی الحجہ یکشنبہ کو غدیرِ خم پر جو جُحفہ کے قریب ایک جگہ ہے پہنچے تو حضورؐ نے ایک اونچی جگہ منبر کی شکل پر کھڑے طویل وعظ فرمایا جس میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے مناقب بھی ارشاد فرماتے۔ یہی وہ چیز ہے جس کو رافضیوں نے بگاڑ کر عیدِ غدیر سے مشہور کیا۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ میرے بارہ میں دو جماعتیں ہلاک ہوں گی ایک وہ جو محبت کے دعوے میں افراط کریں اور دوسرے وہ جو عداوت میں افراط کریں (تاریخ الخلفاء بروایۃ حاکم وغیرہ) یعنی رافضی اور خارجی۔ اس کے بعد جب ذو الحلیفہ پہنچے تو شب کو وہاں قیام فرمایا۔ اور صبح کے وقت مُعرَّس کے راستہ سے مدینہ منورہ میں یہ دعاء پڑھتے ہوئے تشریف لے گئے۔ آئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ (ہم لوٹنے والے ہیں ایسی طرح کہ توبہ کرنے والے ہیں اپنے گناہوں سے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں فقط) اس ناپاک نے ۱۳۴۲ھ میں ایک رسالہ عربی زبان میں حجۃ الوداع میں لکھا تھا تاکہ حضورؐ کے حج کی روایات متفرقہ مسلسل طریقہ سے مستحضر رہیں اس میں ہر قول کا ماخذ اور فقہی مباحث بھی لکھے تھے اور اس میں ہر روایت کا حوالہ بھی درج کیا تھا اسی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے اس میں ہر واقعہ کا حوالہ موجود ہے۔ ابھی تک اس کے طبع ہونے کا وقت نہیں آیا کیا بعید ہے کسی وقت اللہ جلّ شانہٗ کے فضل سے آجائے[ع] اس کے بعد دو ماہ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم اس عالم میں تشریف فرما رہے۔ پھر رفیق اعلیٰ

ع: بحمد اللہ پاکستان میں یہ رسالہ بہترین ٹائپ میں طبع ہو چکا ہے۔ ناشر

کے ساتھ جاملے اور حضرت صدیق اکبرؓ خلیفۂ اوّل ہوئے۔ پہلے سال حضرت عمرؓ کو امیر الحج بنا کر بھیجا اور خود تشریف نہ لیجا سکے دوسرے سال خود امیر الحج بن کر تشریف لے گئے اور پھر وہ بھی اس عالم سے رخصت ہو گئے تو حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی ہوئے اور خلافت کے پہلے سال میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا اور اس کے بعد سے دس سال تک مسلسل خود امیر الحج بن کر تشریف لے گئے اور اپنی حیات کے آخری سال میں اَزْوَاجِ مُطَہَّرات کو خصوصیت کے ساتھ اپنے ساتھ حج کرایا اس کے بعد حضرت عثمانؓ خلیفۂ ثالث ہوئے تو پہلے سال یعنی ۲۴ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا اور ۲۵ھ سے ۳۴ھ تک ہر سال خود حج کے لئے تشریف لیجاتے رہے اس کے بعد محصور کر دیئے گئے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا۔ حضرت سَیِّدُ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبْ علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ خلافت سے قبل تو بکثرت حج کرتے رہے لیکن خلافت کے زمانہ میں جنگِ جمل و صِفّین وغیرہ کی وجہ سے خود تشریف لے جانے کی نوبت نہ آسکی (مسامرات)

اب آخر میں چند قصے اللہ والوں کے حج کے رَوضُ الرَّیاحِین وغیرہ سے نقل کرتا ہوں، کہ وہ حج کرنیوالوں کے لئے نمونہ اور عبرت ہیں۔ اس کے بعد اس رسالہ کو ختم کر دوں گا۔

(۱) **حضرت ذُوالنّون مصریؒ** فرماتے ہیں کہ میں ایک دن بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا، لوگوں کی آنکھیں بیت اللہ پر لگ رہی تھیں جس سے آنکھوں کو سکون مل رہا تھا کہ دفعتہً ایک شخص بیت اللہ کے قریب آئے اور یہ دُعاء کرنے لگے "اے میرے رب تیرا مسکین بندہ جو تیرے دربار سے دھتکارا ہوا ہے اور تیرے در سے بھاگا ہوا ہے اے اللہ میں تجھ سے وہ چیز مانگتا ہوں جو سب چیزوں سے زیادہ قریب ہو اور وہ عبادت مانگتا ہوں جو سب سے زیادہ تجھے محبوب ہو۔ اے اللہ میں تجھ سے تیرے برگزیدہ بندوں کے طفیل اور تیرے انبیاءؑ کے وسیلہ سے یہ مانگتا ہوں کہ اپنی محبت کی شراب کا ایک پیالہ مجھے پلا دے اور میرے دل پر سے اپنی مَعرفت سے جہل کے پردے ہٹا دے تاکہ میں شوق کے بازوؤں سے اُڑ کر تیرے تک پہنچ جاؤں اور عرفان کے باغوں میں تیرے سے سرگوشیاں کروں"۔

اس کے بعد وہ شخص اتنے روئے کہ آنسو ٹپ ٹپ زمین پر گر رہے تھے۔ پھر ہنسے اور چل دیئے ذُوالنّونؒ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے چل دیا اور میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ شخص یا تو بڑا کامل ہے یا کوئی پاگل ہے وہ مسجد سے باہر نکل کر ایک ویرانہ کی طرف چل دیئے میں پیچھے

پیچھے جا رہا تھا وہ مجھ سے کہنے لگے تمہیں کیا ہوا کیوں چلے آ رہے ہو اپنا کام کرو، میں نے پوچھا اللہ تم پر رحم کرے تمہارا کیا نام ہے؟ کہنے لگے عبداللہ (اللہ کا بندہ) میں نے پوچھا کہ آپ کے والد کا کیا نام ہے کہنے لگے عبداللہ۔ میں نے کہا یہ تو ظاہر ہے کہ سب ہی اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے بندوں کی اولاد ہیں تمہارا نام کیا ہے؟ کہنے لگے میرے باپ نے میرا نام سَعدُون رکھا تھا۔ میں نے کہا جو سَعدون مجنون کے نام سے مشہور ہیں کہنے لگے کہ ہاں وہی ہوں، میں نے پوچھا کہ وہ کون برگزیدہ لوگ ہیں جن کے وسیلہ سے تم نے دُعاء کی؟ کہنے لگے وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف ایسے چلتے ہیں جیسے وہ شخص چلتا ہے جس نے عشق کو اپنا نُصبُ العَین بنا رکھا ہو اور وہ دُنیا سے ایسے الگ ہو گئے ہوں جیسا وہ شخص ہو جس کے دل کو کسی چیز نے پکڑ لیا ہو۔ اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ ذُو النُّون میں نے سُنا ہے تم یہ کہتے ہو کہ میں اَسبابِ معرفت سننا چاہتا ہوں میں نے کہا آپ کے علوم سے تو نفع پہنچنا ہی چاہیئے۔ تو انہوں نے دو شعر عربی کے پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ "عارفین کے دِل ہر وقت مولیٰ کی یاد میں مشتاق رہتے ہیں۔ اور اشتیاق میں نالہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کے قرب میں منزل بنا لیتے ہیں۔ اپنے مولیٰ کے عشق میں ایسے خلوص سے لگتے ہیں کہ اس کے عشق سے ہٹانے والی ان کے لئے کوئی چیز نہیں رہتی" (روض، ص ۲۲)

۲: **حضرت جُنَید بغدادیؒ** فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تنہا حج کو گیا اور مکہ مکرمہ میں کچھ قیام کر لیا۔ میری عادت تھی کہ جب رات کا اندھیرا زیادہ ہو جاتا تو میں طواف کیا کرتا۔ ایک مرتبہ میں نے ایک نو عمر لڑکی کو دیکھا کہ وہ طواف کر رہی ہے اور یہ اشعار گا رہی ہے ؎

اَبَی الحُبُّ اَن یَّخفٰی وَکَم قَد کَتَمتُہٗ　　فَاَصبَحَ عِندِی قَد اَنَاخَ وَطَنَّبَا

"میں نے اپنے عشق کو کتنا چھپایا مگر اب وہ کسی طرح مخفی نہیں رہتا اب تو اس نے کھلم کھلا میرے پاس ڈیرہ ڈال دیا۔

اِذَا اشتَدَّ شَوقِی ھَامَ قَلبِی بِذِکرِہٖ　　وَاِن رُمتُ قُربًا مِن حَبِیبِی تَقَرَّبَا

جب معشوق کے شوق کا مجھ پر غلبہ ہوتا ہے تو میرا دل اس کے ذکر سے پھڑکنے لگتا ہے اور اگر میں اپنے محبوب سے قربت چاہتی ہوں تو وہ فوراً مجھ سے تقرُّب کرتا ہے۔

وَیَبدُو فَاَفنٰی ثُمَّ اُحیَا بِہٖ لَہٗ　　وَیُسعِدُنِی حَتّٰی اَلَذَّ وَاَطرَبَا

اور جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو میں اس میں فنا ہو جاتی ہوں اور پھر اسی کے لئے اسی کی بدولت زندہ ہو جاتی ہوں اور وہ میری حاجت روائی کرتا ہے حتّٰی کہ میں خوب لذت

پاتی ہوں اور مزے میں آجاتی ہوں۔

حضرت جُنیدؒ فرماتے ہیں میں نے اس سے کہا اے لڑکی تو اللہ سے نہیں ڈرتی ایسی بابرکت جگہ ایسے شعر پڑھتی ہے۔ وہ میری طرف مُتوجّہ ہوئی اور کہنے لگی کہ جُنیدؒ ؎

لَوْلَا التُّقٰی لَمْ تَرَنِیْ　　اَهْجُرُ عَنْ طِیْبِ الْوَسَنِ

"اگر اللہ کا ڈر نہ ہوتا تو تو مجھے نہ دیکھتا کہ میں میٹھی نیند کو چھوڑے پھرتی ہوں۔

اِنَّ التُّقٰی شَرَّدَنِیْ　　کَمَا تَرٰی عَنْ وَّطَنِیْ

"تو تو دیکھ ہی رہا ہے کہ اللہ کے خوف ہی نے مجھ کو میرے وطن سے دھکیلا اور بھگایا ہے۔

اَفِرُّ مِنْ وَّجْدِیْ بِهٖ　　فَحُبُّهٗ هَیَّمَنِیْ

"اسی کا عشق میرے ساتھ لگا ہوا ہے جس کی وجہ سے میں بھاگی پھر رہی ہوں۔ اور اسی کی محبت نے مجھے حیران و پریشان کر رکھا ہے۔

اس کے بعد اس نے پوچھا کہ جنیدؒ تم اللہ کا طواف کرتے ہو یا بیت اللہ کا طواف کرتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتا ہوں تو اس نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور کہنے لگی سُبحانَ اللہ آپ کی بھی کیا عجیب مَشیّت ہے جو مخلوق خود پتھر جیسی ہے وہ پتھروں ہی کا طواف کرتی ہے۔ اس کے بعد اس نے تین شعر اور پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ "لوگ پتھروں کا طواف کر کے آپ کا قرب ڈھونڈھتے ہیں ان لوگوں کے دل بھی خود پتھروں سے زیادہ سخت ہیں اور حیرانی میں حیران و پریشان پھر رہے ہیں۔ اور اپنے خیال میں تقرُّب کے محل میں اُترے ہوئے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے عشق میں سچے ہوتے تو ان کی صِفات اپنی تو غائب ہو جاتیں اور اللہ کی مُحبّت کی صِفات ان میں پیدا ہو جاتیں۔" حضرت جُنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کی اس گفتگو سے غش کھا کر گر گیا۔ جب مجھے غشی سے اِفاقہ ہوا تو وہ لڑکی جا چکی تھی۔ (روض)

۳: حضرت بِشر حافیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عَرفات کے میدان میں شام کے وقت ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نہایت بیتابی سے رو رہا ہے اور بے چینی سے روتے ہوئے چند شعر پڑھ رہا ہے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ "کہ وہ کتنی پاک ذات ہے، وہ ہر عیب سے پاک ہے اگر ہم کانٹوں پر اور گرم سوئیوں پر اس کے سامنے سجدے میں گریں تب بھی اس کی نعمتوں کے حق کا عُشرِ عَشیر بھی ادا نہ ہو بلکہ عُشرِ عَشیر کا عُشرِ عَشیر بھی ادا نہ ہو۔" اس کے بعد انہوں نے یہ شعر پڑھے ؎

كَمْ قَدْ زَلَلْتُ فَلَمْ اُذْكُرْكَ فِيْ زَلَلِيْ ÷ وَاَنْتَ يَا مَالِكِيْ بِالْغَيْبِ تَذْكُرُنِيْ

كَمْ اَكْشِفُ السِّتْرَ جَهْلًا عِنْدَ مَعْصِيَتِيْ ÷ وَاَنْتَ تَلْطُفُ بِيْ حِلْمًا وَّتَسْتُرُنِيْ

"اے پاک ذات میں نے کتنی مرتبہ لغزشیں کیں اور کبھی اپنی لغزش میں تجھے یاد نہ کیا، اور میرے مالک تو مجھے غائبانہ ہمیشہ یاد کرتا رہا، میں اپنی جہالت سے کتنی مرتبہ گناہوں کے ساتھ اپنی پردہ دری کر چکا ہوں اور تو اپنے حلم کے ساتھ مجھ پر لطف و مہربانی کرتا ہے اور میری پردہ پوشی کرتا ہے۔

حضرت بشرؒ کہتے ہیں کہ پھر وہ میری نظروں سے غائب ہو گئے، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ تھے؟ تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابو عُبَیدہ خواص تھے جو ممتاز بزرگوں میں ہیں، ان کے متعلق مشہور ہے کہ ستر برس تک آسمان کی طرف منہ نہیں اٹھایا، کسی نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ اتنے بڑے محسن کی طرف اس سیاہ منہ کو اٹھاؤں، کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اللہ کے فرماں بردار بندے تو اس قدر عاجزی کریں اور اپنی حسنِ عبادت کے باوجود اللہ جلّ شانہٗ سے اس قدر شرمائیں، اور گنہگار اپنے گناہوں پر نہ شرمائیں، اور ناز کریں یا اللہ اپنے پاک چہرے کی طرف نظر کرنے سے قیامت میں ہم کو محروم نہ کیجیو، اور اپنے صالح بندوں کی برکات سے ہمیں بھی منتفع فرما اور دارین میں ان کے زیر سایہ رکھ (روض، ص ۵۷)

۴: حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے جا رہا تھا، راستہ میں ایک نوجوان کو دیکھا کہ پیدل چل رہا ہے، نہ تو اس کے پاس سواری نہ توشہ نہ پانی میں نے اس کو سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا جوان کہاں سے آرہے ہو؟ کہنے لگا اسی کے پاس سے میں نے کہا کہاں جا رہے ہو کہا اسی کے پاس، میں نے کہا توشہ کہاں ہے؟ کہا اسی کے ذمہ ہے میں نے کہا، یہ راستہ بغیر توشہ اور پانی کے طے نہیں ہوگا۔ آخر تیرے ساتھ کچھ ہے بھی؟ اس نے کہا میں نے سفر کے شروع کے وقت پانچ حرف توشہ کے لئے پکڑ لئے تھے۔ میں نے پوچھا، وہ پانچ حرف کون سے ہیں؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد کٓھٰیٰعٓصٓ، میں نے پوچھا اس کے کیا معنی ہوئے؟ کہنے لگا کاف کے معنی کافی، کفایت کرنیوالا، ہ کے معنی ہادی، ہدایت کرنے والا، یا کے معنی مُؤوِی ٹھکانا دینے والا، عین کے معنی عالِم ہر بات کا جاننے والا، صٓ کے معنی صادِق اپنے وعدہ کا سچا، پس جس شخص کا ساتھی کفایت کرنے والا، ہدایت کرنے والا، جگہ دینے والا، باخبر

اور سچا ہو وُہ برباد ہو سکتا ہے ؟ یا اس کو کسی بات کا خوف ہو سکتا ہے ؟ کیا وُہ شخص بھی اس کا محتاج ہے کہ توشہ اور پانی لادے لادے پھرے ؟

حضرت مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی گفتگو سن کر اپنا کُرتہ اس کو دینا چاہا، اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا، بڑے میاں دُنیا کے کُرتہ سے ننگا رہنا اچھا ہے، دُنیا کی حلال چیزوں کا حساب دینا ہے اور اس کی حرام چیزوں کا عذاب بھگتنا ہے، جب رات کا اندھیرا ہوا تو اس جوان نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا، اور یہ کہا :۔

"اے وہ پاک جس کو بندوں کی طاعت سے خوشی ہوتی ہے، اور بندوں کے گناہوں سے اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا، مجھے وہ چیز عطا فرما جس سے تجھے خوشی ہوتی ہے۔ یعنی طاعت اور وہ چیز معاف فرما دے جس سے تیرا کوئی نقصان نہیں یعنی گناہ"

اس کے بعد جب لوگوں نے احرام باندھا اور لبیک کہا تو وہ چپ تھا، میں نے کہا تم لبیک نہیں پڑھتے ہو کہنے لگا مجھے یہ ڈر ہے کہ میں لبیک کہوں اور وہاں سے جواب ملے لَا لَبَّیْکَ وَلَا سَعْدَیْکَ نہ تیری لبیک معتبر نہ سَعْدَیک معتبر، نہ میں تیرا کلام سنتا ہوں نہ تیری طرف التفات کرتا ہوں۔

اس کے بعد وہ چلا گیا، اس کے بعد میں نے سارے راستے اس کو نہیں دیکھا، آخر میں منیٰ میں وُہ نظر پڑا، اور اس نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ :۔

"وُہ محبوب جس کو میرا خون بہانا اچھا معلوم ہوتا ہے، میرا خون اس کے لئے حَرَم میں بھی حلال ہے اور حَرَم سے باہر بھی، خُدا کی قسم اگر میری روح کو یہ پتہ چل جائے کہ وہ کس پاک ذات کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے تو وہ قَدَم کے بجائے سَر کے بل کھڑی ہو جائے اور ملامت کرنے والے مجھے اس کے عشق میں ملامت نہ کر اگر تجھے وہ نظر آجائے جو میں دیکھتا ہوں تو کبھی بھی لب کشائی نہ کرے، لوگ اپنے بدن سے بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، اگر وہ اللہ کی پاک ذات کا طواف کرتے تو حَرَم سے بھی بے نیاز ہو جاتے عید کے دن لوگوں نے تو بھیڑ بکری کی قربانی کی، لیکن معشوق نے میری جان کی اس دن قربانی کی، لوگوں نے حج کیا ہے اور میرا حج اپنی سکون کی چیز کا ہے، لوگوں نے قربانیاں کی ہیں، میں تو اپنے خون کی اور اپنی جان کی قربانی کرتا ہوں"

اس کے بعد یہ دُعاء کی :۔ اے اللہ لوگوں نے قربانیوں کے ساتھ تیرا تقرب حاصل کیا میرے

پاس کوئی چیز قربانی کے لئے نہیں ہے سوائے اپنی جان کے ، میں اس کو تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں ، تو اس کو قبول کرلے " اس کے بعد ایک چیخ ماری ، اور مُردہ ہو کر گر گیا ، اس کے بعد غیب سے ایک آواز آئی کہ یہ اللہ کا دوست ہے خُدا کا قتیل ہے ۔ مالکؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور رات بھر اس کی سوچ میں پریشان اور متفکر رہا ۔ اسی میں آنکھ لگ گئی ، تو خواب میں اس کو دیکھا ، میں نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا ، کہنے لگے جو شہداءِ بدر کے ساتھ ہوا ، بلکہ اس پر بھی کچھ زیادہ ہوا ، میں نے پوچھا کہ زیادہ ہونے کی کیا وجہ ؟ کہنے لگے کہ وہ کافروں کی تلوار سے شہید ہوئے تھے اور میں عشقِ مولیٰ کی تلوار سے (روض) ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر بات میں ان سے زیادتی ہو ، کسی بات میں زیادتی ہو جانا کافی ہے ورنہ ان حضرات کے لئے صحابی ہونے کا جو فضل ہے اس کو غیر صحابی کہاں پہنچ سکتے ہیں ۔

۵ : **حضرت ذُوالنُّونؒ** فرماتے ہیں کہ حج کے سفر میں ایک جنگل میں مجھے ایک نوجوان خوبصورت لڑکا ملا ۔ گویا چاندی کا ٹکڑا ہے ، اور عشق اس کے بدن میں جوش مار رہا تھا ، وُہ بھی حج کے لئے جا رہا تھا ، میں نے اس کو ساتھ لے لیا ۔ میں نے اس سے کہا کہ بڑا طویل سفر ہے تو اس نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ " کاہلوں اور اُکتا جانے والوں کے لئے یہ سفر بعید ہے لیکن مشتاقوں کے لئے کچھ بھی دُور نہیں (روض)

۶ : **حضرت شِبلیؒ** : جب عرفات پر پہنچے تو بالکل چپ چاپ رہے ، کوئی لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا ، جب وہاں سے منیٰ کی طرف چلے حدِ حرم کے جو دو نشان ہیں ان سے آگے بڑھ گئے ، تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ، اور چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے ۔

" میں چل رہا ہوں اس حال میں کہ میں نے اپنے دِل پر تیری محبت کی مُہر لگا دی ، تاکہ اس دل پر تیرے سوا کسی کا گذر نہ ہو ، کاش میں اپنی آنکھوں کو ایسی طرح بند کرتا کہ تیرا دیدار نصیب ہونے تک کسی کو بھی نہ دیکھتا ، دوستوں میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں جو ایک ہی کے ہو رہتے ہیں ، اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن میں دوسروں کی بھی شرکت ہوتی ہے لیکن جب آنکھوں سے آنسو نکل کر رخساروں پر بہنے لگتے ہیں ۔ جب ظاہر ہو جاتا ہے کہ کون واقعی رو رہا ہے ، اور کون بناوٹی رونا رو رہا ہے "ؔ

عدو میں اور مجھ میں غور کر لو فرق اتنا ہو
کوئی بنتا ہے دیوانہ کوئی ہوتا ہے دیوانہ

ؔ (روض)

۷: حضرت فضیل بن عیاض رحؒ عرفات کے میدان میں غروب تک بالکل چپ رہے اور جب آفتاب غروب ہوگیا تو فرمانے لگے "اے اللہ اگرچہ تونے معاف فرمادیالیکن میری بدحالی پر پھر بھی افسوس ہے۔" (روض)

۸: ابراہیم بن مہلب کہتے ہیں کہ میں طواف کررہا تھا میں نے ایک باندی کو دیکھا کہ وہ کعبہ شریف کا پردہ پکڑ کر کہہ رہی تھی۔ "اے میرے سردار تجھے مجھ سے محبت کرنے کی قسم میرا دل پھیر دے۔" میں نے اس سے پوچھا کہ اے لڑکی تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ تجھ سے محبت کرتے ہیں، کہنے لگی کہ اس کی شفقتوں سے معلوم ہوا، میرے پکڑنے کے لئے اسلامی لشکر بھیجے، ان پر کتنے کتنے مال خرچ کئے، جب کہیں مجھے کافروں کے پنجہ سے نکالا، مجھے مسلمان بنایا، اپنی معرفت عطافرمائی، حالانکہ میں اسکو بالکل نہیں جانتی تھی، اے ابراہیم کیا یہ اس کی محبت اور شفقت نہیں؟ میں نے اس سے پوچھا کہ تجھے اللہ سے کتنی محبت ہے؟ کہنے لگی زیادہ سے زیادہ اور بڑی سے بڑی جو چیز ہوسکتی ہو، میں نے پوچھا وہ کیسی ہے؟ کہنے لگی کہ شراب سے زیادہ لطیف اور گلاب کے عرق سے زیادہ دِل پسند اس کے بعد اس نے تین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ "بے چین آدمی صبر وسکون کو نہیں جانتا کہ کیا ہوتا ہے، اس کے پاس تو بہنے والی آنکھیں ہوتی ہیں جن کو رونے نے بیکار کر دیا ہو اور ایک بدن ہوتا ہے جو عشق کے شعلوں کی وجہ سے دُبلا ہوگیا ہو اور فریفتہ کی بیماری کا کیا علاج ہوسکتا ہے اور محبت کا انجام بڑا سخت ہے۔ بالخصوص جبکہ مہربانی کرنے والے اس کی طرف تیروں سے مہربانی کرتے ہوں۔" وہ یہ شعر پڑھتی ہوئی چل دی (روض)

۹: مالک بن دینار رحؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کو ایک دفعہ دیکھا کہ قبولیت کے آثار اس کے چہرہ پر ظاہر ہیں اور آنکھوں سے آنسو لگاتار رخساروں پر بہہ رہے ہیں، میں نے اس کو دیکھ کر پہچانا کہ عرصہ ہوا بصرہ میں ایک زمانہ میں اس کو بڑی ناز و نعمت میں دیکھ چکا تھا اس وقت دیکھ کر میں نے اس کو پہچانا اور اس کی یہ حالت دیکھ کر مجھے بھی رونا آگیا۔ اس نے بھی مجھے دیکھ کر پہچان لیا اور مجھے سلام کیا، اور کہنے لگا مالک تمہیں خدا کی قسم، خاص وقت میں مجھے یاد رکھنا، اور میرے لئے اللہ تعالیٰ شانہٗ سے مغفرت کی دعا مانگنا، کیا بعید ہے اللہ جل شانہٗ میرے حال پر رحم فرمائے، اور میرے گناہوں کو معاف کردے، اور یہ کہہ کر دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "جب

محبوب تیری طرف متوجہ ہو تو میرا بھی اس سے ذکر کر دیجیو، اور یہ کہہ دینا کہ کسی وقت بھی تیری یاد سے اس کا دل خالی نہیں ہوتا۔ شاید وہ جب میرا نام سُنے تو یوں پوچھ لے کہ فلاں شخص پر کیا گذر رہی ہے" مالکؒ کہتے ہیں کہ یہ شعر پڑھ کر وہ روتا ہوا چل دیا، اتنے میں حج کا زمانہ آگیا۔ میں حج کے لئے روانہ ہوا۔ اتفاق سے میں مسجدِ حرام میں بیٹھا تھا۔ کہ میں نے ایک شخص کے گرد مجمع اکٹھا دیکھا اور وہ شخص بیتاب ہو کر رو رہا ہے، اور اس کی تڑپ اور بیتابی سے لوگوں کو طواف مشکل ہو گیا میں نے جو اُٹھ کر اس کو دیکھا تو وہی جوان تھا۔ میں اس کو دیکھ کر خوش ہوا اور میں نے اس سے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تیری تمنا پوری کر دی، تو اس نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"لوگ بلا خوف و خطر منٰی کی طرف چلے اور جب وہ منٰی میں پہنچ گئے، تو اپنی آرزوؤں کو پالیا لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں مانگیں اللہ نے ان کو اُن کی تمنائیں عطا کیں، اور ان کی خالص توبہ کی بدولت ان کو فحش اور بدکاری سے محفوظ رکھا، ان کے اوپر ساقی نے شراب کا دَور چلایا، اور جب انہوں نے پوچھا کہ ساقی کون ہے تو کہا کہ ؎

أَنَا اللّٰهُ فَادْعُوْنِيْ أَنَا اللّٰهُ رَبُّكُمْ ؞ لِيَ الْمَجْدُ وَالْعُلْيَا وَالْمُلْكُ وَالثَّنَاءُ

"میں ہوں تمہارا معبود تم مجھے پکارو، میں تمہارا رب ہوں، میرے ہی لئے بزرگی ہے میرے ہی لئے بڑائی ہے، میرا ہی ملک ہے، اور میرے ہی لئے ساری تعریفیں ہیں"۔

مالکؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ واللہ مجھے اپنا حال بتا؛ کیا گذری؟ کہنے لگا بڑی اچھی گذری مجھے اپنے فضل سے یہاں بلایا، میں حاضر ہو گیا، اور جو میں نے مانگا وہ مجھے ملا پھر اس نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "جب محبوب نے مجھے بُلایا تو میں نے کہا مُبارک مُبارک کیا ہی بہتر ہے تیرا وصال اور کتنی شیریں ہے تیری محبت اور کتنا مزیدار ہے تیرا عشق، تیرے حق کی قسم تو ہی مطلوب ہے تو ہی مقصود ہے، تیری ہی آرزوئیں ہیں، لوگ مجھے تیری محبت میں ملامت کرتے ہیں، کیا کریں، اور جتنی دل چاہے ملامتیں کریں، میرا دل تیرے سوا کسی چیز کا مشتاق نہیں، لوگ اپنے اپنے معشوقوں کے شہروں کو فلاں فلاں کو یاد کرتے ہیں، کیا کریں، مجھے تو جب کسی شہر کا تذکرہ آجائے تو ہی یاد آتا ہے"۔ مالکؒ کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر وہ طواف میں مشغول ہو گیا، پھر مجھے خبر نہیں کہاں گیا (روض)۔

۱۰: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال سخت ترین گرمی کے زمانہ میں حج کو چلا، تو بڑی

شدت سے چلتی تھی، ایک دن جب کہ میں وسطِ حجاز میں پہنچ گیا، اتفاقاً قافلہ سے بچھڑ گیا، اور مجھے کچھ غنودگی سی آگئی، دفعتہً آنکھ جو کھلی تو مجھے اس جنگل بیابان میں ایک آدمی نظر آیا تو میں جلدی جلدی اس کی طرف چلا۔ دیکھا تو ایک کم سن لڑکا تھا، جس کے ڈاڑھی بھی نہ نکلی تھی، اور اس قدر حسین کہ گویا چودھویں رات کا چاند ہے بلکہ دوپہر کا سورج، اس پر ناز و نعمت کے کرشمے چمک رہے ہیں۔ میں نے اس کو سلام کیا۔ اس نے کہا ابراہیم وعلیکم السلام، میرا نام لینے پر مجھے انتہائی حیرت ہوئی، اور مجھ سے سکوت نہ ہوسکا، میں نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ صاحبزادے تجھے میرا نام کس طرح معلوم ہوا، تونے تو مجھے کبھی دیکھا بھی نہیں؟ کہنے لگا کہ ابراہیم جب سے مجھے معرفت حاصل ہوئی میں انجان نہیں بنا، اور جب سے مجھے وصال نصیب ہوا کبھی فراق نہیں ہوا۔ میں نے پوچھا کہ اس سخت گرمی میں اس جنگل میں تجھے کیا مجبوری کھینچ کر لائی؟ کہنے لگا کہ ابراہیم اس کے سوا میں نے کبھی کسی سے اُنس پیدا نہیں کیا اور نہ اس کے سوا کبھی کسی کو ساتھی اور رفیق بنایا، میں اس کی طرف بالکلیہ منقطع ہوچکا ہوں اور اس کے معبود ہونے کا اقرار کرچکا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تیرے کھانے پینے کا ذریعہ کیا ہے؟ کہنے لگا کہ محبوب نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے، میں نے کہا خدا کی قسم مجھے ان عوارض کی وجہ سے جو میں نے ذکر کئے تیری جان کے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ ہے تو اس نے روتے ہوئے کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی موتیوں کی طرح سے اس کے رخساروں پر پڑ رہی تھی چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔"

کون شخص ڈرا سکتا ہے مجھ کو جنگل کی سختی سے حالاں میں اس جنگل کو اپنے محبوب کی طرف چل کر قطع کر رہا ہوں اور اس پر ایمان لاچکا ہوں، عشق مجھ کو بے چین کر رہا ہے اور شوق ابھارے لئے جاتا ہے اور اللہ کا چاہنے والا کبھی کسی آدمی سے نہیں ڈر سکتا، اگر مجھے بھوک لگے گی تو اللہ کا ذکر میرا پیٹ بھر دیگا اور اللہ کی حمد کی وجہ سے میں پیاسا نہیں ہوسکتا، اور اگر میں ضعیف ہوں تو اس کا عشق مجھے حجاز سے خراسان تک (یعنی پورب سے پچھم تک) لے جاسکتا ہے، تو میرے بچپن کی وجہ سے مجھے حقیر سمجھتا ہے اپنی ملامت کو چھوڑ جو ہونا تھا ہوچکا"، میں نے پوچھا تجھے خدا کی قسم اپنی صحیح صحیح عمر بتا کیا ہے؟ کہنے لگا کہ تونے بڑی سخت قسم مجھ کو دیدی جو میرے نزدیک بہت ہی بڑی ہے، میری عمر بارہ ۱۲ برس کی ہے۔ پھر وہ کہنے لگا کہ ابراہیم تجھے میری عمر پوچھنے کی کیا ضرورت پیش آئی، میں نے بتا تو دی ہی، میں نے کہا مجھے تیری باتوں نے حیرت میں ڈال دیا، کہنے لگا اللہ کا شکر ہے، اس نے بڑی نعمتیں عطا فرمائیں، اور اللہ کا فضل ہے کہ اس نے اپنے بہت سے مؤمن بندوں سے افضل بنایا۔

ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ مجھے اس کی حُسنِ صورت، حُسنِ سیرت اور اس شیریں کلام پر بڑا ہی تعجب ہوا، میں نے کہا سُبْحَانَ اللہ حق تعالیٰ شانہٗ نے کیسی کیسی صورتیں بنائی ہیں، اس نے تھوڑی دیر نیچے کو سر جھکا لیا، پھر اوپر کی طرف منہ اُٹھا کر بہت ترچھی کڑوی نگاہ سے مجھے دیکھا اور چند شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: "اگر میری سزا جہنم ہو تو میرے لئے ہلاکت ہے، اس وقت میری یہ رونق اور خوب صورتی کیا بنائے گی اس وقت میری ساری خوبیوں کو عذاب عیب دار بنا دے گا۔ اور جہنم میں طویل عرصہ تک رونا پڑے گا۔ اور جبار جَلَّ جلالہٗ یہ فرمائے گا او بدترین غلام تو میرے نافرمانوں میں ہے، تو نے دُنیا میں میرا مقابلہ کیا، میری حکم عُدولی کی کیا تو میرے عہد و پیمان کو (جو ازل میں ہوئے تھے) بھول گیا تھا یا میری (قیامت کی) ملاقات کو بھول گیا تھا (اے ابراہیم) تو اس دن دیکھے گا کہ فرمانبرداروں کے منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے، اور حق تعالیٰ شانہٗ اپنے اوپر سے اَنوار کے پردے ہٹا دیں گے جس کی وجہ سے یہ فرمانبردار اس ذات پاک کی زیارت سے ایسے مبہوت ہو جائیں گے کہ اس کے مقابلہ میں ہر نعمت اور ہر راحت کو بھول جائیں گے اور حق تعالیٰ شانہٗ ان فرمانبرداروں کو ہیبت اور خوشنودی کا لباس پہنائیں گے اور ان کے چہروں کو رونق اور شادابی عطا ہوگی"۔

یہ اَشعار پڑھ کر کہنے لگا اے ابراہیم مَہجُور وہ ہے جو دوست سے مُنقطِع ہو گیا ہو، اور وِصال اس کو حاصل ہے جس نے اللہ کی اطاعت سے وافر حِصّہ لیا، لیکن ابراہیم اپنے رُفقاءِ سفر سے بچھڑ گئے ہو، میں نے کہا ہاں میں ایسا ہی رہ گیا تجھ سے اللہ کے واسطے سُوال کرتا ہوں کہ تو میرے لیے دُعا کرے کہ میں اپنے ساتھیوں سے جا ملوں، میرے اس کہنے پر اس لڑکے نے آسمان کی طرف دیکھا اور کچھ آہستہ آہستہ زبان سے کہا کہ مجھے اس کے اونٹ حرکت کرتے ہوئے معلوم ہوئے، اس وقت مجھے دَفعتہً نیند کا جھونکا سا آیا بیہوشی سی ہوئی، اس سے جو میں نے اِفاقہ پایا تو قافلہ کے بیچ میں اونٹ پر اپنے آپ کو پایا، اور میرے اونٹ پر جو میرا ساتھی تھا وہ مجھ سے کہہ رہا تھا، ابراہیم ہوشیار ہو سنبھلے رہو ایسا نہ ہو اونٹ پر سے گر جاؤ، اور اس لڑکے کا مجھے کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ آسمان پر اڑ گیا یا زمین کے اندر اتر گیا جب ہم سارا راستہ طے کر کے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور میں حرم شریف میں داخل ہوا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ لڑکا کعبہ شریف کا پردہ پکڑے ہوئے رو رہا ہے اور چند شعر پڑھ رہا ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے۔

، وہ میں کعبہ کا پردہ پکڑ رہا ہوں اور بیت اللہ کی زیارت بھی کر رہا ہوں لیکن دل میں جو کچھ ہے اس کو اور راز کی بات کو تو خوب جانتا ہے میں بیت اللہ کی طرف پیدل چل کر آیا ہوں کہیں سوار نہیں ہوا، اس لئے کہ میں باوجود اپنی کم سنی کے فریفتہ عاشق ہوں میں بچپن ہی سے تجھ پر مرنے لگا ہوں جب کہ میں عشق کو جانتا بھی نہ تھا، اور اگر لوگ مجھے ملامت کریں کسی بات پر تو میں ابھی عشق کا طفلِ مکتب ہوں، اے اللہ اگر میری موت کا وقت آگیا ہو تو شاید میں تیرے وصل سے بہرہ یاب ہو سکوں۔" اس کے بعد وہ بے اختیار سجدہ میں گر گیا اور میں دیکھتا رہا اس کے بعد میں اس کے پاس گیا اور اس کو ہلایا، تو وہ انتقال کر چکا تھا رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ مجھے اس کے انتقال کا بہت سخت صدمہ ہوا، میں وہاں سے اُٹھ کر اپنی قیامگاہ پر آیا اور اس کے کفن دینے کے لئے کپڑا لیا، اور مدد کے لئے ایک دو آدمی ساتھ لئے اور وہاں پہنچا جہاں اس کو مُردہ چھوڑ کر آیا تھا، تو اس کی نعش کا کہیں پتہ نہ چلا، وہاں دوسرے حاجیوں سے دریافت کیا مگر کسی کو بھی پتہ نہ تھا، نہ کسی نے اس کو دیکھا تو میں سمجھا کہ اللہ جل شانہٗ نے اس کو لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ فرما رکھا تھا، میں وہاں سے اپنی قیامگاہ پر واپس آگیا اور مجھے کچھ غنودگی سی آگئی تو میں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے مجمع میں ہے اور سب سے پیش پیش ہے اور اس پر اس قدر نور چمک رہا ہے اور ایسے عمدہ جوڑے ہیں کہ ان کی صفت بیان میں نہیں آسکتی، میں نے اس سے پوچھا کہ تو وہی لڑکا ہے؟ کہنے لگے کہ میں وہی ہوں، میں نے پوچھا کیا تیرا انتقال نہیں ہوا؟ اس نے کہا ہاں ہو گیا میں نے کہا کہ میں نے تو تجھے تجہیز و تکفین کے لئے بہت تلاش کیا کہیں پتہ نہ چلا۔ کہنے لگا ابراہیم سُن! جس نے مجھے میرے شہر سے نکالا اور اپنی محبت میں فریفتہ کیا، اور میرے عزیز و اقارب سے جُدا کیا اسی نے مجھے کفن دیا، اور کسی دوسرے کا محتاج نہیں بننے دیا، میں نے پوچھا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مرنے کے بعد تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا اللہ جل شانہٗ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ الٰہا تو ہی مقصود ہے اور تیری ہی مجھے آرزو ہے، فرمایا کہ بیشک تو میرا سچا بندہ ہے اور جو تو مانگے اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے زمانہ کے تمام آدمیوں میں میری سفارش قبول فرمالے، ارشاد ہوا کہ ان سب کے بارے میں تیری سفارش مقبول ہے۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس لڑکے نے خواب میں مجھ سے

رخصتی مُصافحہ کیا اور مَیں نیند سے بیدار ہوگیا، مَیں نے اپنے حج کے جو اَرکان باقی تھے وہ پورے کئے، لیکن اُس لڑکے کی یاد سے اور اس کے رنج سے میرے دل کو قرار نہ تھا، مَیں حج سے فارغ ہوکر واپس ہُوا لیکن راستہ میں سارے قافلہ والے یہ کہتے تھے کہ ابراہیم تیرے ہاتھ کی مہک سے ہر شخص حیران ہے کہ کیسی خوشبو آرہی ہے اور اس واقعہ کے نقل کرنے والے کہتے ہیں کہ مرنے تک ابراہیم کے ہاتھوں میں سے وہ خوشبو آتی رہی (روض)۔

(۱۱) حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال حج کے لئے جا رہا تھا بہت سے رفیق ساتھ تھے، چلتے چلتے ایک مرتبہ مجھے تنہائی کا غلبہ ہُوا اور یہ دل میں تقاضا ہُوا کہ سب کا ساتھ چھوڑ کر اکیلے چلوں، مَیں نے اس راستہ کو چھوڑ کر جس پر سب چل رہے تھے ایک دوسرا تنہائی کا راستہ اختیار کرلیا، اور میں تین دن اور تین رات برابر چلتا رہا، نہ تو مجھے اُن میں کھانے کا خیال آیا نہ پینے کا نہ کوئی اور حاجت پیش آئی، تین دن رات چلنے کے بعد میں ایک ایسے جنگل میں پہنچ گیا جو بڑا شاداب سرسبز اور ہر قسم کے پھل اور پھول اس میں لگے ہوئے جو بڑے مہکدار تھے اور اس کے بیچ میں ایک چشمہ ہے، مجھے یہ خیال ہُوا کہ یہ تو جنّت ہے، اور میں سخت حیرت میں پڑ گیا، میں اسی فکر و سوچ میں تھا کہ ایک جماعت آتی نظر آئی، جن کے چہرے تو آدمیوں جیسے تھے، اور ان پر مُرقّع چادریں اور خوشنما لنگیاں تھیں، ان لوگوں نے آکر مجھ کو گھیر لیا، اور سلام کیا، میں نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ تم کہاں میں کہاں۔ پھر مجھے خیال ہُوا کہ یہ جنّات کی قوم ہے، اتنے میں ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم میں ایک مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے، اور ہم جنّات میں سے ہیں جنہوں نے بَیعۃُ العَقَبہ کی رات میں حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے اللہ کا پاک کلام سُنا تھا۔ حضورؐ کے پڑھنے کی آواز نے ہمیں دُنیا کے سارے کاموں سے چھٹا دیا اور یہ جگہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے ہمارے لئے مُزیّن فرمادی۔ مَیں نے پوچھا کہ اس جگہ سے وہ جگہ کتنی دُور ہے جہاں مَیں نے اپنے سفر کے ساتھیوں کو چھوڑا ہے، میرے اس سُوال پر ایک شخص نے اُن میں سے تبسّم کرتے ہوئے کہا کہ ابُو اِسحٰق اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے بہی عجیب بھید ہیں، اس جگہ تمہاری قوم کا کبھی کوئی شخص بجز ایک آدمی کے نہیں آیا، ایک جوان تمہاری جنس سے آیا تھا۔ اس کا یہاں انتقال ہوگیا تھا، اور یہ دیکھ اس کی قبر ہے۔ اس کی قبر مَیں نے دیکھی کہ اس پانی کے تالاب کے کنارہ تھی، اس کے گرد چھوٹا سا باغیچہ تھا جس میں ایسے پھول لگ رہے تھے کہ مَیں نے اس جیسے کبھی نہیں دیکھے تھے

پھر وہ جن کہنے لگا کہ اسجگہ کے اور اسجگہ کے درمیان اتنے اتنے مہینوں کا کہا، یا اتنے اتنے برسوں کا راستہ ہے ابراہیم نے کہا کہ اچھا اس جوان کا حال مجھے بتاؤ، ان میں سے ایک نے سنایا کہ ہم لوگ اس چشمہ کے کنارے بیٹھے ہوئے عشق کے بارہ میں بحث کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک جوان آیا اور اس نے آکر سلام کیا، ہم نے سلام کا جواب دیا اور ہم نے پوچھا کہ جوان کہاں سے آئے ہو، اس نے کہا کہ شہر نصیبین سے آیا ہوں، ہم نے پوچھا کہ اس شہر کو چھوڑے ہوئے کتنے دن ہوئے اس نے کہا سات دن ہوئے ہیں ہم نے کہا کہ شہر سے کس ارادہ سے چلے تھے، اس جوان نے کہا کہ میں نے اللہ جل شانہٗ کا پاک ارشاد سنا ہے۔ " وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ " (زمر - ۶) "تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو، اور اس کی فرمانبرداری کرو، قبل اس کے کہ تم پر عذاب ہونے لگے، پھر اس وقت تمہاری کسی کی طرف سے بھی کوئی مدد نہ کی جائے" ہم نے اس جوان سے پوچھا کہ انابت کیا ہے، اور عذاب کیا ہے اس نے بیان کرنا شروع کیا، اور جب عذاب بیان کرنا شروع کیا تو ایک چیخ ماری اور مر گیا۔ ہم لوگوں نے اس کو اس قبر میں دفن کر دیا۔ ابراہیم کہتے ہیں مجھے اس قصہ سے بڑی حیرت ہوئی، اس کے بعد میں اس جوان کی قبر کے نزدیک گیا، تو اس کے سرہانے نرگس کے پھولوں کا ایک بہت بڑا گلدستہ رکھا تھا، اتنا بڑا تھا جیسے بڑی چکی ہو، اور اس کی قبر پر یہ لفظ لکھے ہوئے تھے۔ هٰذَا قَبْرُ حَبِيْبِ اللّٰهِ قَتِيْلِ الْغَيْرَةِ " یہ اللہ کے دوست کی قبر ہے جو غیرت کا قتل کیا ہوا ہے۔" اور نرگس کے ایک پتہ پر انابت کی تفسیر لکھی ہوئی تھی، میں نے اس کو پڑھا ان جنات نے مجھ سے اس کا مطلب پوچھا، میں نے اس کا مطلب بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے، اور مزے میں لوٹنے لگے، جب اس سے انہیں سکون سا ہوا تو کہنے لگے کہ ہمارا وہ مسئلہ جس میں جھگڑا تھا حل ہو گیا۔ ابراہیم کہتے ہیں پھر مجھے کچھ غنودگی سی آئی، اس کے بعد جو میری آنکھ کھلی تو میں مسجد عائشہؓ کے پاس تھا (جو تنعیم کے پاس مکہ مکرمہ کے قریب ہے) اور میرے کپڑوں میں پھولوں کا گلدستہ تھا، جو ایک سال تک میرے پاس رہا، ایک سال تک اس میں کوئی تغیر نہ ہوا اس کے چند ایام بعد وہ خود بخود گم ہو گیا۔

۱۲ :۔ تاجروں کی ایک جماعت ایک مرتبہ حج کو گئی، راستہ میں جہاز ٹوٹ گیا، اور حج کا وقت تنگ ہو گیا تھا، ان میں سے ایک شخص کے ساتھ پچاس ہزار کا مال تھا وہ اس کو چھوڑ کر حج کو چل دیا، ساتھیوں نے اس کو مشورہ دیا کہ اگر تو یہاں ٹھہر جائے تو تیرا سامان کچھ نکل سکتا ہے

وُہ تاجر کہنے لگا خُدا کی قسم اگر ساری دُنیا کا مال مجھے مل جائے تب بھی حج کے مقابلہ میں اس کو ترجیح نہ دوں، کہ وہاں کی حاضری میں اَولیاءُ اللہ کی زیارت نصیب ہوگی اور میں ان حضرات میں جو کچھ دیکھ چکا ہوں بس دیکھ چکا ہوں (بیان سے باہر ہے) لوگوں نے پوچھا کہ آخر تُو نے کیا دیکھا؟ اس تاجر نے سُنایا کہ ہم ایک مرتبہ حج کو جا رہے تھے کہ پیاس کی شدت نے سب کو پریشان کر دیا۔ اور ایک ایک گلاس اتنے اتنے داموں میں مل رہا تھا، میں نے ایک دن پیاس کی شدت میں سارے قافلہ کو چھان ڈالا، کہیں پانی کا گھونٹ نہ قیمت سے ملا نہ کسی اور طرح، اور پیاس کی وجہ سے میرا دم نکلنے لگا، میں چند قدم آگے چلا، تو ایک فقیر جس کے ساتھ ایک برچھا تھا اور ایک پیالہ، اس نے اپنے برچھے کو ایک حوض کی نالی میں گاڑ دیا اس کے نیچے سے پانی اُبلنے لگا۔ اور نالی کے ذریعہ سے حوض میں جمع ہونے لگا، میں حوض کی طرف گیا، اور خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اپنا مشکیزہ بھی بھر لیا۔ اس کے بعد قافلہ والوں کو میں نے خبر کی، سب قافلہ والے اس سے سیراب ہوئے اور وہ حوض اسی طرح لبریز تھا، وُہ تاجر کہنے لگا، ایسی جگہ حاضری سے کوئی باز رہ سکتا ہے جہاں ایسے ایسے بزرگ جمع ہوتے ہوں (روض) ابنِ عَرَبی نے بھی مُحاضرات میں اس قِصّہ کو نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس کا تمام مال پچاس ہزار اشرفیوں کا تھا جن میں ایک موتی ۴ ہزار اشرفیوں کا تھا۔

۱۳ : ابو عبداللہ جَوہَری کہتے ہیں کہ میں ایک سال عَرَفات کے میدان میں تھا میری ذرا سی آنکھ لگی، تو مَیں نے دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اُترے، ایک نے ان میں سے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس سال کتنے آدمیوں نے حج کیا، ساتھی نے جواب دیا کہ چھ لاکھ آدمیوں نے حج کیا لیکن ان میں سے صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا۔ مجھے یہ بات سُن کر اس قدر رنج ہوا دِل چاہا کہ اپنے منہ پر طمانچے ماروں اور اپنی حالت پر خوب روؤں۔ اتنے میں اس پہلے فرشتہ نے پوچھا کہ جن لوگوں کا حج قبول نہیں ہوا ان کے بارہ میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے کیا معاملہ فرمایا، دوسرے فرشتے نے جواب دیا کہ کریم نے کرم کی نگاہ فرمائی اور مقبولین میں سے ہر ایک کے طُفَیل ایک ایک لاکھ کا حج قبول فرمایا، اور یہ خُدا تعالیٰ کا فضل ہے وہ اپنا فضل و انعام جس کو چاہے بخش دے (روض) اس قِسم کا ایک واقعہ علی بن مُوَفّق کا پہلی فصل کی حدیث نمبر ۶ کے ذَیل میں بھی گذر چکا ہے۔

۱۴: علی بن موفق کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حرم شریف میں بیٹھا ہوا تھا، اور اس وقت تک ساٹھ حج کر چکا تھا، میرے دل میں یہ وسوسہ گذرا کہ کب تک ان جنگل بیابانوں میں پھرتا رہوں گا، (اب ختم کروں بہتیرے حج کر لئے) مجھ پر دفعۃً نیند کا غلبہ ہوا، تو میں نے ایک غیبی آواز دینے والے کو دیکھا وہ کہہ رہا ہے کہ اے ابن موفق تو اپنے گھر اسی کو بلاتا ہے جس کے بلانے نے تیرا دل خوش ہو، مبارک ہیں وہ لوگ جن کو اللہ جلّ شانہٗ چاہیں، اور اعلیٰ جگہ بلائیں اس کے بعد اس آواز دینے والے نے دُو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ ”میں نے زیارت کے لئے اپنے سے محبت رکھنے والوں کو بلایا ہے، اور ان کے علاوہ کسی کو نہیں بلایا، یہ لوگ میرے گھر کی طرف اکرام کے ساتھ آئے ہیں، پس مبارک ہیں یہ کریم لوگ بھی اور وہ ذات بھی جس نے ان کو بلایا۔ (روض)۔

۱۵: حضرت ذُوالنّون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کو کعبہ شریف کے پاس دیکھا کہ وہ دائم رکوع سجدے کر رہا ہے، میں نے پوچھا کہ بڑی کثرت سے نمازیں پڑھ رہے ہو، وہ کہنے لگا کہ واپسی وطن کی اجازت مانگ رہا ہوں، اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک کاغذ کا پرچہ اوپر سے گرا اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اللہ جلّ شانہٗ جو بڑی عزت والا بڑی مغفرت والا ہے کی طرف سے اپنے سچے شکر گزار بندے کی طرف ہے کہ تو واپس چلا جا اس طرح کہ تیرے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے گئے (روض)۔

۱۶: سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ کسی ولی کا لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا اس کی ذلت کا سبب ہوتا ہے، اور صرف اللہ جلّ شانہٗ کے ساتھ لگاؤ اس کی عزت کا سبب ہوتا ہے، میں نے بہت کم ولی ایسے دیکھے ہیں جو یک سو نہ رہتے ہوں، عبداللہ بن صالحؒ ایک بزرگ تھے جن پر اللہ جلّ شانہٗ کی خاص عطایا تھیں، اور بہت انعامات تھے، وہ لوگوں سے بھاگ کر ایک شہر سے دوسرے شہر میں پھرتے رہتے تھے، اسی طرح آخر مکہ مکرمہ پہنچ گئے، اور وہاں بہت طویل قیام کیا، میں نے ان سے کہا کہ اس شہر میں تو آپ نے بہت زیادہ قیام کیا، کہنے لگے کہ میں اس شہر میں کیوں کر نہ ٹھہروں، میں نے ایسا کوئی شہر نہیں دیکھا جس میں اس شہر سے زیادہ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہوں۔ اس شہر میں صبح کو اور شام کو فرشتے اترتے ہیں، میں نے اس شہر میں بڑے بڑے عجائبات دیکھے ہیں، فرشتے مختلف صورتوں میں بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ اگر میں ان سب عجائبات کو بیان کروں جو میں نے یہاں

دیکھے ہیں تو جن کا ایمان (کامل) نہیں ان کی عقلیں اس کو برداشت بھی نہ کر سکیں گی، میں نے دریافت کیا کہ تمہیں خدا کی قسم کچھ اپنے دیکھے ہوئے عجائبات مجھے بھی سناؤ، کہنے لگے کہ کوئی ولی کامل جس کی ولایت صحیح ہو چکی ہو ایسا نہیں جو ہر جمعہ کی شب میں اس شہر میں نہ آتا ہو انہی لوگوں کے دیکھنے کے واسطے میرا یہاں قیام ہے، میں نے ان میں سے ایک صاحب کو دیکھا جن کا نام مالک بن قاسم جبلیؒ تھا۔ وہ آئے اور ان کے ہاتھ میں سے گوشت کی خوشبو آرہی تھی میں نے کہا کہ تم شاید ابھی کھانا کھا کر آئے ہو، کہنے لگے اَسْتَغْفِرُ اللہ، میں نے تو ایک ہفتہ سے کچھ نہیں کھایا، البتہ اپنی والدہ کو کھانا کھلا کر آیا ہوں، اور جلدی اس لئے کی تاکہ مکہ مکرمہ میں صبح کی نماز میں شرکت کر لوں، عبد اللہؒ کہتے ہیں کہ جہاں سے مالکؒ آئے تھے اس جگہ کا اور مکہ مکرمہ کا نو سو فَرسَخ کا فاصلہ ہے (ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، تو ستائیس سو میل ہوئے) اس کے بعد عبد اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ تجھے اس قصہ کا یقین آگیا؟ سہل کہتے ہیں میں نے کہا کہ ہاں یقین آگیا، کہنے لگے اللہ کا شکر ہے کہ مجھے ایک مؤمن آدمی ملا، اور بعض بزرگوں نے بیان کیا کہ انہوں نے کعبہ شریف کے گرد فرشتوں کو اور اَنبیاءؑ کو اور اَولیاء کو بسا اوقات دیکھا۔ اور زیادہ تر جمعہ کی شب میں، اور دوشنبہ اور پنجشنبہ کی شب میں دیکھا، اس کے بعد اور عجائب اَنبیاءؑ کی زیارت کے متعلق ذکر کئے (روض)۔

۱۷: کہتے ہیں کہ ہشام بن عبد الملک جب کہ وہ شاہزادہ تھا اور خود اس وقت تک بادشاہ نہیں بنا تھا، حج کو گیا اور طواف کرتے ہوئے اس نے حجرِ اَسود کو بوسہ دینے کا ارادہ کیا، اور انتہائی کوشش کے باوجود ہجوم کی کثرت سے اس پر قدرت نہ ہوئی، اتنے میں حضرت زَینُ العَابِدِین عَلی بنُ الاِمَام حُسینؓ طواف کرتے ہوئے حجرِ اَسود پر پہنچے، تو ایک دم سارا مجمع ٹھہر گیا، اور ان کے راستہ سے ادھر اُدھر ہو گیا، وہ اطمینان سے بوسہ دے کر چل دیئے۔

کسی نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے (جس کا اعزاز شاہزادہ سے بھی زیادہ ہے) ہشام نے کہہ دیا کہ میں نہیں جانتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ وہ جان بوجھ کر انجان بن کر انکار کرتا تھا تاکہ اس کے مُصاحبین وغیرہ جو شام سے اس کے ساتھ آئے ہوئے تھے، ان کے دل میں حضرت زَینُ العَابِدِینؓ کی وُقعت زیادہ پیدا نہ ہو، اور یہ بنو اُمیہ اہلبیتؓ کی وُقعت کو گوارا نہ کرتے تھے، فَرَزدَق جو عرب کا مشہور شاعر ہے وہ بھی وہاں کھڑا تھا، اس نے کہا میں ان کو جانتا ہوں، پھر اس نے یہ چند شعر پڑھے

هٰذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللّٰهِ كُلِّهِمُ ۱ هٰذَا التَّقِيُّ النَّقِيُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

هٰذَا الَّذِيْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ ۲ وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

يَكَادُ يُمْسِكُهُ عِرْفَانَ رَاحَتِهِ ۳ رُكْنُ الْحَطِيْمِ إِذَا مَا جَاءَ يَسْتَلِمُ

مَا قَالَ لَا قَطُّ إِلَّا فِيْ تَشَهُّدِهِ ۴ لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُهُ نَعَمُ

إِذَا رَأَتْهُ قُرَيْشٌ قَالَ قَائِلُهَا ۵ إِلٰى مَكَارِمِ هٰذَا يَنْتَهِي الْكَرَمُ

إِنْ عُدَّ أَهْلُ التُّقٰى كَانُوْا أَئِمَّتَهُمْ ۶ أَوْ قِيْلَ مَنْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ قِيْلَ هُمُ

هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةَ إِنْ كُنْتَ جَاهِلَهُ ۷ بِجَدِّهِ أَنْبِيَاءُ اللّٰهِ قَدْ خُتِمُوْا

وَلَيْسَ قَوْلُكَ مَنْ هٰذَا بِضَائِرِهِ ۸ اَلْعُرْبُ تَعْرِفُ مَنْ أَنْكَرْتَ وَالْعَجَمُ

يُغْضِيْ حَيَاءً وَيُغْضٰى مِنْ مَهَابَتِهِ ۹ فَلَا يُكَلَّمُ إِلَّا حِيْنَ يَبْتَسِمُ

جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "یہ[۱] اللہ کے بندوں میں سے بہترین کی اولاد ہے، یہ متّقی پاک صاف اور سردار ہے۔ یہ[۲] وہ شخص ہے جس کے قدم کو سارا مکہ جانتا ہے، یہ وہ شخص ہے جس کو بیت اللہ جانتا ہے اس کو حِل و حَرَم پہچانتے ہیں، یہ[۳] وہ شخص ہے کہ جب حجرِ اسود کا بوسہ دینے کے لئے اس کے قریب جائے تو اس کے ہاتھوں کو پہچان کر قریب ہے، کہ حجرِ اسود کا کونہ اس کے ہاتھوں کو پکڑلے (اس صورت میں ہاتھوں کی خصوصیت اس وجہ سے ہے، کہ حجرِ اسود کے بوسہ کے وقت دونوں ہاتھ اس کونے پر رکھے جاتے ہیں، اس مطلب کے موافق رُکنُ الحطیم سے مجازاً رکن کعبہ مراد ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ یہ ترجمہ کیا جائے کہ "جب یہ شخص طواف کرتے ہوئے حُطیم کی طرف پہنچتا ہے تو قریب ہے، کہ حطیم والا کونہ اس کے ہاتھوں کو پہچان کر ان کو چومنے کے لئے پکڑلے، اس مطلب کے موافق رُکنُ الحُطیم اپنے ظاہر پر ہوگا، اور ہاتھوں کے پہچاننے کی خصوصیت عطا اور جُود کی کثرت کی طرف اشارہ ہوگا"۔

یہ[۴] وہ شخص ہے جس نے کبھی لا نہیں کہا (لا کے معنی نہیں کے ہیں، یعنی کبھی کسی مانگنے والے کو انکار نہیں کیا) اور بجز کلمہ طیبہ کے کہ اس میں لا اِلٰہ میں لا کہنا پڑتا ہے اس کی مجبوری ہے اور یہ ہر التحیات میں پڑھا جاتا ہے، اگر یہ مجبوری نہ ہوتی تو اس کی زبان سے لا کبھی نہ نکلتا۔

جب[۵] قبیلہ قُریش جو کرم میں مشہور قبیلہ ہے، اس کو دیکھتا ہے تو کہنے والا بے ساختہ کہہ دیتا ہے کہ اس کے اخلاق پر کرم کا منتہا ہے یعنی اس سے زیادہ کریم کوئی نہیں۔ اور[۶] جب کہیں اہل

تقوے کا شمار ہونے لگے تو یہی لوگ اس میں بھی مُقتدا ہوں گے۔ اور جب یہ پوچھا جائے کہ دُنیا کی بہترین ہستیاں کون ہیں تو انہی لوگوں کی طرف انگلیاں اُٹھیں گی؛ او ہشام اگر تو اس سے جاہل ہے تو سُن کہ یہ فاطمہؓ کی اولاد ہے، اور اسی کے داد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) پر نبوت ختم کر دی گئی، تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہے اس کو عیب نہیں لگاتا جس کے پہچاننے سے تُو نے انکار کر دیا اس کو عَرَب جانتا ہے عَجَم جانتا ہے؛ یہ وہ شخص ہے جو شرم کی وجہ سے اپنی آنکھ نیچے رکھتا ہے اور ساری دُنیا اس کی عظمت اور ہیبت سے آنکھ نیچے رکھتی ہے، کوئی شخص اس کے سامنے اس وقت تک رعب کی وجہ سے بات نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ وہ خندہ پیشانی سے پیش نہ آئے۔

اَشعار کا ترجمہ ختم ہوگیا، صاحب رَوض نے اتنے ہی اَشعار نقل کئے ہیں، یہ قصیدہ بڑا ہے اور بہت سے اَشعار شاعر نے ان کی اور اس خاندان کی فضیلت میں برجستہ کہے ہیں وَفَیاتُ الْاَعْیان، مِرْآۃُ الْجِنان، حَیٰوۃُ الْحَیوان وغیرہ میں اس قصیدہ کو ذکر کیا ہے، دُررِ نضید اس قصیدہ کی مستقل شرح ہے، اس میں نقل کیا ہے کہ ہشام نے اس قصیدہ کو سُن کر غصہ میں آکر فرزدق کو قید کرا دیا۔ درحقیقت حضرت زَیْنُ الْعَابِدِیْن کی عبادت اور جُود و کَرَم اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ ان کے واقعات کا اِختصار بھی دشوار ہے، رات دن میں ایک ہزار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے، اور جب وضو کرتے تو چہرہ کا رنگ زرد ہو جاتا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تو بدن پر کپکپی آجاتی، کسی نے اس کی وجہ پوچھی، تو فرمایا تمہیں خبر نہیں کہ کس پاک ذات کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔ ایک مرتبہ سجدہ میں تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی، لوگوں نے شور مچایا اے رسول اللہؐ کے بیٹے آگ لگ گئی، آگ آگ، مگر یہ اطمینان سے نماز پڑھتے رہے جب فارغ ہوئے تو آگ بجھ بجھا چکی تھی، کسی نے ان سے پوچھا تو فرمایا کہ اس سے زیادہ سخت آگ (یعنی جہنم کی آگ) کے خوف نے اس کی طرف مُتوجہ نہ ہونے دیا۔

آپ کا معمول تھا کہ رات کو اندھیرے میں پوشیدہ لوگوں کے گھروں پر جا کر ان کی اِعانت فرمایا کرتے تھے، اور بہت سے گھرانے ایسے تھے جن کا گذارا آپ کی امداد پر تھا، اور ان کو یہ بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ کون شخص ہے، جب آپ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ سَو گھر مدینہ طیبہ میں ایسے تھے جن پر آپ خرچ فرمایا کرتے تھے (روض) ایسی حالت میں فرزدق جو کہے صحیح ہے۔

حضرت امام مالکؒ کا اِرشاد ہے کہ خاندانِ نُبُوّت میں حضرت زَیْنُ الْعَابِدِیْنؒ جیسا شخص

کوئی بھی نہ تھا، (یعنی اپنے زمانے میں) یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ ہاشمی خاندان میں جتنے حضرات کا زمانہ میں نے پایا ہے ان میں آپ افضل ترین شخص تھے۔ سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ آپ سے زیادہ متقی میں نے نہیں دیکھا، ان حالات پر بھی جب آپ حج کو تشریف لے گئے اور احرام باندھنے کا وقت آیا تو آپ کا چہرہ زرد ہوگیا، اور لبیک نہ کہہ سکے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ لبیک نہیں پڑھتے تو فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں جواب میں لا لبیک نہ کہہ دیا جائے مگر جب لوگوں نے اصرار کیا کہ احرام کے وقت لبیک کہنا ضروری ہے تو آپ نے لبیک پڑھا اور بیہوش ہو کر سواری پر سے گر پڑے اور حج کے ختم تک یہی صورت رہی کہ جب لبیک کہتے یہی حالت ہوتی۔ حضرت امام مالکؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب حضرت زین العابدینؓ نے احرام باندھا اور لبیک کہنے کا ارادہ کیا تو بیہوش ہو کر اونٹنی پر سے گر گئے اور ہڈی ٹوٹ گئی (تہذیب التہذیب) حضرت زین العابدینؓ سے بڑی حکمت کے ارشادات کتابوں میں نقل کئے گئے، آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی عبادت بعض لوگ اُس کے خوف سے کرتے ہیں یہ غلاموں کی عبادت ہے کہ ڈنڈے کے زور سے کام کریں، اور بعض لوگ اس کے انعامات کے واسطے کرتے ہیں، یہ تاجروں کی عبادت ہے (کہ ہر کام میں کمائی کی فکر ہے) احرار کی عبادت یہ ہے کہ اس کے شکر میں عبادت کریں۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت باقرؒ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد حضرت زین العابدینؓ نے وصیت فرمائی ہے کہ پانچ قسم کے آدمیوں کے پاس مت لگنا، حتیٰ کہ راستہ چلتے بھی ان کا رفیقِ سفر نہ بننا، ایک فاسق شخص کہ وہ ایک لقمہ کے بدلہ میں تجھے بیچ دیگا۔ بلکہ ایک لقمہ سے کم میں بھی بیچ دیگا، میں نے عرض کیا کہ ایک لقمہ سے کم کا کیا مطلب؟ فرمایا کہ محض اس اُمید پر کہ لقمہ کسی سے مل جائے پھر وہ اس کی امید پوری بھی نہ ہو۔ دوسرے بخیل کے پاس نہ لگنا کہ وہ تیری سخت حاجت کے وقت بھی تجھ سے کنارہ کشی کریگا تیسرے جھوٹ بولنے والا شخص کہ وہ بمنزلہ اس بالو کے ہے جو دور سے پانی معلوم ہوتا ہو، وہ قریب آنیوالوں کو دُور بتائے گا، دُور ہونے والی چیزوں کو قریب کر کے بتائیگا چوتھے بیوقوف احمق سے دُور رہنا کہ وہ نفع پہنچانے کا ارادہ کرے گا اور نقصان پہنچادے گا، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ سمجھ دار دشمن نادان دوست سے بہتر ہے، پانچویں اس سے دُور رہنا جو اپنے رشتہ داروں سے قطع رحمی کرتا ہو، اس لئے کہ میں نے ایسے شخص کو قرآن پاک میں تین جگہ ملعون پایا (روض)۔

۱۸ : حضرت امام زین العابدینؒ کے صاحبزادے حضرت امام باقر محمد بن علیؒ جب حج کو تشریف لے گئے اور بیت اللہ شریف پر نظر پڑی تو اتنے زور سے روئے کہ چیخیں نکل گئیں لوگوں نے کہا کہ سب لوگوں کی نظریں ادھر لگ گئیں، آپ چیخیں نہ ماریں، فرمایا کہ شاید اللہ جل شانہٗ میرے رونے کی وجہ سے رحمت کی نظر فرمالے جس کی وجہ سے کل قیامت کے دن کامیاب ہو جاؤں، اس کے بعد طواف کیا، اور طواف کے بعد مقام ابراہیم پر جاکر نفلیں پڑھیں تو سجدہ کی جگہ آنسوؤں کی وجہ سے بھیگ گئی تھی، آپ نے اپنے ایک ساتھی سے فرمایا کہ مجھے سخت رنج ہے کہ میرا دل سخت فکر میں مشغول ہے کسی نے پوچھا کہ آپ کو کس چیز کا رنج ہے؟ فرمایا کہ جس کے دل میں اللہ کا خالص دین داخل ہو جائے وہ اس کو اللہ کے ماسوی سے خالی کر دیتا ہے، اور دنیا ان چیزوں کے علاوہ اور کیا چیز ہے، یہی سواری ہے جس پر سوار ہو کر آئے ہو، یہی کپڑا ہے جس کو پہن رکھا ہے یہی بیوی ہے جو مل گئی ہے یہی کھانا ہے جو کھایا ہے (روض)۔

۱۹ : حضرت لیث بن سعدؒ کہتے ہیں کہ میں ۱۱۳ھ میں پیدل حج کو گیا، جب میں مکہ مکرمہ پہنچ گیا تو عصر کی نماز کے وقت جبل ابو قبیس پر چڑھ گیا، وہاں میں نے ایک صاحب کو بیٹھے دیکھا کہ وہ دعائیں مانگ رہے ہیں اور یارب یارب اتنی مرتبہ کہا کہ دم گھٹنے لگا، پھر انہوں نے یا ربّاہ یا ربّاہ اسی طرح کہا کہ دم نکلنے لگا۔ پھر اسی طرح یا اللہ یا اللہ کہتے رہے کہ دم گھٹنے لگا، پھر اسی طرح یا حی یا حی لگاتار کہتے رہے اسی طرح یا رحمن و یا رحمن پھر یا رحیم یا رحیم اسی طرح کہا کہ دم گھٹنے لگا، پھر یا ارحم الراحمین بھی اسی طرح کہا کہ دم گھٹنے لگا۔

اس کے بعد وہ کہنے لگے یا اللہ میرا انگوروں کو جی چاہ رہا ہے وہ عطا فرما اور میری چادریں پرانی ہو گئیں، لیثؒ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ان کی زبان سے یہ لفظ پورے نکلے بھی نہیں تھے کہ میں نے ایک ٹوکری انگوروں سے بھری ہوئی رکھی دیکھی، حالاں کہ اس وقت روئے زمین پر کہیں انگور کا نشان بھی نہ تھا اور دو چادریں رکھی ہوئی دیکھیں، انہوں نے انگور کھانے کا ارادہ کیا، تو میں نے کہا کہ میں بھی ان میں آپ کا شریک ہوں، فرمایا کیسے، میں نے کہا جب آپ دعا کر رہے تھے تو میں آمین آمین کہہ رہا تھا۔ فرمانے لگے آؤ کھاؤ، لیکن اس میں سے کچھ ساتھ نہ لے جانا، میں آگے بڑھا، اور ان کے ساتھ ایسی عجیب چیز کھائی کہ عمر بھر ایسی چیز نہ کھائی تھی، وہ عجیب قسم کے انگور تھے کہ ان میں بیج بھی نہ تھا، میں نے خوب پیٹ بھر کر کھائے، مگر اس ٹوکری میں کچھ کمی نہ ہوئی، پھر انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں چادروں میں سے جونسی تمہیں پسند ہو لے لو، میں نے کہا کہ چادر کی مجھے ضرورت

نہیں ہے پھر فرمانے لگے کہ ذرا سامنے سے ہٹ جاؤ میں ان کو پہن لوں، میں پرے کو ہٹ گیا تو انہوں نے ایک چادر لنگی کی طرح باندھ لی دوسری اوڑھ لی، اور جو چادریں پہلے سے پہنے ہوئے تھے ان کو ہاتھ میں لے کر پہاڑ سے نیچے اُترے، میں پیچھے ہولیا جب صفا مروہ کے درمیان پہنچے تو ایک سائل نے کہا کہ رسول اللہ کے بیٹے یہ کپڑا مجھے دیدیجئے اللہ جَلّ شانہٗ آپ کو جنت کا جوڑا عطا فرمائے، وہ دونوں چادریں اس کو دے دیں، میں نے اس سائل کے قریب جاکر اس سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ حضرت امام جعفر صادقؒ ہیں، پھر ان کے پاس واپس آیا، کہ ان سے کچھ سنوں مگر کہیں پتہ نہ چلا (روض) یہ حضرت امام باقر کے صاحبزادے ہیں، حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں بارہا ان کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے ہمیشہ تین عبادتوں میں سے کسی نہ کسی میں مشغول پایا۔ نماز یا تلاوت یا روزہ، اور بغیر وضو کے حدیث نقل نہ کرتے تھے (تہذیب التہذیب)۔

سُفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر صادقؒ سے سُنا فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں سلامتی کم یاب ہوگئی اگر وہ کہیں مل سکتی ہے تو گوشۂ گمنامی میں ہے، اور اگر اس میں نہیں (یعنی یہ مُیَسّر نہ ہوسکے) تو پھر یکسوئی اور تنہائی میں تلاش کی جائے، لیکن تنہائی گمنامی کے برابر نہیں ہوسکتی اور اگر وہاں بھی نہ ہو سکے تو پھر چپ رہنے میں اور چپ رہنا تنہائی کی برابری نہیں کر سکتا، اور اگر خاموشی میں بھی نہ ہوسکے تو پھر سَلَفِ صالح کے کلام میں، اور سعید شخص وہ ہے جو اپنے نفس میں خَلوت اور یکسوئی پائے، حضرت جعفرؒ اپنے باپ دادا کی روایت سے حضورؐ کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص پر اللہ جَلّ شانہٗ کا کوئی اِنعام ہو اس کو ضروری ہے کہ اس کا شکر ادا کرے اور جس پر رزق میں تنگی ہو وہ اِستغفار کی کثرت کرے اور جس کو کوئی پریشانی لاحق ہو وہ لاحَوْلَ پڑھا کرے (روض)

۲۰: حضرت شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ میں ۱۴۹ھ میں حج کو جا رہا تھا، راستہ میں قادسیہ (ایک شہر کا نام ہے) میں اُترا۔ میں لوگوں کی زیب و زینت اور ان کا ہجوم اور کثرت دیکھ رہا تھا، میری نظر ایک نوجوان خوبصورت پر پڑی کہ اس نے کپڑوں کے اوپر ایک بالوں کا کپڑا پہن رکھا تھا، پاؤں میں جوتا بھی تھا اور سب سے عَلیحدہ بیٹھا تھا، میں نے خیال کیا کہ یہ لڑکا صوفی قسم کے آدمیوں میں سے معلوم ہوتا ہے کہ راستہ میں دوسروں پر بوجھ ہی بنے گا، میں اس کو جاکر فہمائش کروں، اس خیال سے میں اس کے قریب گیا۔ جب اس نے مجھے اپنی طرف آتے دیکھا، کہنے لگا اے شقیق اِجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (حجرات-۲) بدگمانی سے

بعض گناہ گمان ہوتے ہیں۔" اور یہ کہہ کر مجھے چھوڑ کر چل دیا، میں نے سوچا کہ یہ تو بڑی مشکل بات ہوگئی، میرا نام لے کر (حالانکہ مجھ کو جانتا بھی نہیں) میرے دل کی بات کہہ کر چل دیا، یہ تو کوئی واقعی بزرگ آدمی ہے میں اس کے پاس جا کر اپنے گمان کی معافی کراؤں، میں جلدی جلدی اس کے پیچھے چلا مگر وہ میری نظروں سے غائب ہوگیا، پتہ نہ چلا، جب ہم واقصہ پہنچے تو دفعۃً اس پر نظر پڑی، کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور اس کا بدن کانپ رہا ہے اور آنسو بہہ رہے ہیں میں نے اس کو پہچان لیا اور اس کی طرف بڑھا تاکہ اپنے اس گمان کی معافی کراؤں، مگر میں نے اس کی نماز سے، فراغت کا انتظار کیا، اور جب وہ سلام پھیر کر بیٹھا تو میں اسکی طرف بڑھا، جب اس نے مجھ کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا اے شقیق پڑھو، وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی (سورۂ طٰہٰ-۴) اور بلاشبہ میں بڑا بخشنے والا ہوں، ایسے لوگوں کا جو توبہ کرلیں، اور ایمان لے آئیں اور پھر سیدھے راستہ پر قائم رہیں۔"

یہ آیت پڑھ کر وہ پھر چل دیا، میں نے کہا یہ شخص تو ابدال میں سے معلوم ہوتا ہے، دو مرتبہ میرے دل کی بات پر متنبہ کرچکا، پھر جب ہم زبالا میں پہنچے تو دفعۃً میری نظر اس جوان پر پڑی، کہ وہ ایک کنویں پر کھڑا ہے، ایک بڑا سا پیالہ اسکے ہاتھ میں ہے اور کنویں سے پانی لینے کا ارادہ کر رہا ہے کہ وہ پیالہ کنویں میں گر پڑا میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "تو ہی میرا پرورش کرنے والا ہے جب میں پیاسا ہوں پانی سے اور تو ہی میری روزی (کا ذریعہ) ہے جب میں کھانے کا ارادہ کروں۔" اس کے بعد اس نے کہا اے میرے اللہ تجھے معلوم ہے اے میرے معبود میرے آقا کہ اس پیالہ کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے پس اس پیالہ سے مجھے محروم نہ فرمائیے، شقیق کہتے ہیں خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ کنویں کا پانی اوپر کو آگیا اس نے ہاتھ بڑھایا اور پیالہ پانی سے بھر کر نکال لیا۔ اوّل وضو کیا، اور چار رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد ریت اکٹھا کر کے ایک ایک مٹھی بھر کر اس پیالہ میں ڈالتا جاتا تھا، اور اس کو ہلا کر پی رہا تھا، میں اس کے قریب گیا، اور سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا، میں نے کہا اللہ نے جو نعمت تمہیں عطا کی ہے اس میں سے کچھ اپنا بچا ہوا مجھے بھی کھلا دیجئے، کہنے لگا کہ شقیق اللہ جل شانہ کی ظاہری اور باطنی نعمتیں ہم پر رہی ہیں اپنے رب کے ساتھ نیک گمان رکھو، یہ کہہ کر وہ پیالہ مجھے دے دیا، میں نے جو اس کو پیا تو خدا کی قسم اس میں ستو اور شکر گھلی ہوئی تھی، اس سے زیادہ خوش ذائقہ اور اس

سے زیادہ خوشبودار چیز میں نے کبھی نہیں کھائی تھی، میں نے خوب پیٹ بھر کر پیا، جس کی برکت سے کئی دن تک نہ تو مجھے بھوک لگی نہ پیاس لگی، اس کے بعد مکہ مکرمہ داخل ہونے تک میں نے اس کو نہیں دیکھا جب ہمارا قافلہ مکہ مکرمہ پہنچ گیا تو میں نے قُبۃُ الشراب کے قریب ایک مرتبہ آدھی رات کے قریب نماز پڑھتے دیکھا بڑے خشوع سے نماز پڑھ رہا تھا، اور خوب رو رہا تھا۔ صبح تک اسی طرح نماز پڑھتا رہا، جب صبح صادق ہوگئی تو وہ اسی جگہ بیٹھا تسبیح پڑھتا رہا، اس کے بعد صبح کی نماز پڑھی اور پھر بیت اللہ کا طواف کیا، پھر وہ باہر جانے لگا تو میں اس کے پیچھے لگ لیا، باہر جا کر دیکھا تو راستہ میں جس حالت پر دیکھا تھا اس کے بالکل خلاف بڑے حَشَم و خَدَم غلام اس کے موجود ہیں، چاروں طرف سے اس کو گھیر رکھا ہے سلام کر کے حاضر ہو رہے ہیں، میں نے ایک شخص سے جو میرے قریب تھا دریافت کیا کہ یہ بزرگ کون ہیں، اس نے بتایا کہ یہ حضرت موسیٰ بن جعفرؒ یعنی حضرت جعفر صادقؒ کے صاحبزادے ہیں مجھے تعجب ہوا اور میں نے خیال کیا کہ یہ عجائب واقعی ایسے ہی سید کے ہونے چاہئیں (روض)۔

حافظ ابنِ حجرؒ نے تہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کاظمؒ کے مناقب بہت ہیں، ان حضرات کا تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ یہ اس خاندان کے چاند سورج اور ستارے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ نے اس خاندان ہی میں وہ خصوصی جوہر اور اخلاق کا کمال رکھا ہے جہاں تک ہم جیسوں کی پرواز بھی نہیں ہے، سیدوں کے خاندان کا معمولی سے معمولی آدمی بھی کوئی عجیب عادت اپنے اندر رکھتا ہے

ع این خانہ ہمہ آفتاب است۔

۲۱ :- **حضرت ابو سعید خرازؒ** فرماتے ہیں کہ میں مسجد حرام میں گیا تو میں نے ایک فقیر کو دیکھا کہ اس پر دو پھٹے ہوئے کپڑے ہیں، اور لوگوں سے سوال کر رہا ہے میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ایسے ہی لوگ آدمیوں پر بوجھ ہوتے ہیں، اس نے میری طرف دیکھا اور یہ آیت پڑھی :-

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ (بقرہ ع ۳۰) ترجمہ: اس کا یقین رکھو کہ اللہ جل شانہٗ جانتا ہے اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے پس اس سے ڈرتے رہا کرو۔"

ابو سعیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں اپنی بدگمانی سے توبہ کی تو اس نے مجھے آواز دی اور یہ آیت پڑھی وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ (شوریٰ ع ۳)

ترجمہ: اور وہ ایسی پاک ذات ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔" (روض)

۲۲ : ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں ایک قافلہ کے ساتھ جا رہا تھا، راستہ میں میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ قافلہ سے آگے آگے جا رہی ہے، میں نے خیال کیا کہ یہ ضعیفہ اس لئے قافلہ سے آگے چل رہی ہے کہ کہیں قافلہ کا ساتھ نہ چھوٹ جائے میرے ساتھ چند درم تھے وہ میں جیب سے نکال کر اس کو دینے لگا، اور اس سے میں نے کہا کہ جب قافلہ منزل پر ٹھہرے تو مجھے تلاش کر کے مل لینا، میں قافلہ والوں سے کچھ چندہ جمع کر کے تجھ کو دے دوں گا۔ اس سے سواری کرایہ کر لینا، اس نے اپنا ہاتھ اوپر کو کیا، اور مٹھی میں کوئی چیز لی، تو وہ درم تھے، وہ اس نے مجھے دیدیئے، اور یہ کہا کہ تو نے جیب سے لئے ہم نے غیب سے لئے۔ اس کے بعد میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے چند اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ "اے دلوں کے محبوب! میرے لئے تیرے سوا کوئی کوئی نہیں، آج تو رحم کر دے اس پر جو تیری زیارت کو حاضر ہوئی، میرا صبر جاتا رہا اور تیرا اشتیاق بہت بڑھ گیا اور دل کو اس سے انکار ہے کہ وہ تیرے سوا کسی سے بھی محبت کرے، تو ہی میرا سوال ہے تو ہی میرا مطلوب ہے، تو ہی میری مراد ہے، کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تیری ملاقات کب ہو سکے گی، مجھے جنت سے اس کی نعمتیں مقصود نہیں، مجھے جنت اس لئے مطلوب ہے کہ اس میں تیرا دیدار ہو گا۔ (روض)

۲۳ :- ابو عبدالرحمٰن خفیف رح کہتے ہیں کہ میں حج کے ارادہ سے چلتا ہوا بغداد پہنچا اور میرے دماغ میں صوفیانہ گھمنڈ تھا، یعنی عقیدت کی پختگی، مجاہدہ کی شدت اور اللہ کے ماسوی کو پس پشت ڈال دینا، میں نے چالیس دن تک کچھ نہیں کھایا نہ پیا اور حضرت جنید بغدادی رح کی خدمت میں بھی حاضر نہ ہوا، اور میں ہر وقت باوضو رہتا، اسی حالت میں بغداد سے بھی چل دیا، میں نے جنگل میں ایک کنویں پر ایک ہرنی کو پانی پیتے دیکھا، مجھے بھی پیاس شدت کی لگ رہی تھی، جب میں کنویں کے قریب پہنچا تو وہ ہرنی مجھے دیکھ کر چلی گئی اور کنویں کا پانی جو منہ تک آ رہا تھا اور ہرنی اس سے پی رہی تھی وہ بھی کنویں کے اندر نیچے اتر گیا، میں آگے چل دیا۔ اور میں نے عرض کیا، اے میرے سردار میری قدر تیرے یہاں اس ہرنی کے برابر بھی نہیں، تو میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی وہ یہ تھی کہ ہم نے تیرا امتحان کیا تھا تو نے صبر نہ کیا (شکوہ شروع کر دیا) جا کنویں پر لوٹ جا، پانی پی لے ہرنی بغیر پیالہ اور رسی کے آئی تھی، تیرے پاس پیالہ بھی تھا رسی بھی تھی۔ میں جب کنویں پر لوٹا تو وہ لبریز تھا میں نے اپنا پیالہ بھر لیا، اسی میں سے میں پانی بھی پیتا رہا اور وضو بھی کرتا

رہا، مگر وہ پانی ختم نہ ہوا، یہاں تک کہ میں طیبہ پہنچ گیا۔ اس کے بعد حج سے فارغ ہو کر جب میں بغداد پہنچا اور جامع بغداد میں گیا تو حضرت جُنیدؒ کی نظر مجھ پر پڑی، فرمانے لگے کہ اگر تو صبر کرتا تو پانی تیرے قدموں کے نیچے سے اُبلنے لگتا۔

۴۲: ایک بزرگ فرماتے ہیں وہ جنگل میں جا رہے تھے، ان کو ایک فقیر ملے جو ننگے پاؤں ننگے سر جا رہے تھے، دو پُرانے کپڑے ان کے پاس تھے، ایک کی لنگی باندھ رکھی تھی، اور ایک چادر کی جگہ اوڑھ رکھا تھا، نہ ان کے ساتھ کوئی کھانے کی چیز، نہ پیالہ، میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر ان کے پاس پانی کا برتن اور رسّی ہی ہوتی تو اچھا تھا۔ جب پانی کی ضرورت ہوتی تو پانی کھینچ کر وضو وغیرہ کر لیتے، میں ان کے ساتھ ہی لگ گیا، گرمی بڑی سخت پڑ رہی تھی، میں نے اس فقیر سے کہا کہ جوان اگر یہ چادر جو کاندھے پر اوڑھ رہے ہو، سر پر ڈال لو تو اچھا ہے دھوپ سے بچاؤ ہو جائے گا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا، خاموش چلتا رہا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے ان سے کہا کہ تم ننگے پاؤں چل رہے ہو، اگر رائے ہو تو میرا جوتا پہن لو، تھوڑی دیر میں ننگے پاؤں چل لوں، تھوڑی دیر تم ننگے پاؤں چل لو، وہ کہنے لگے تم تو بڑے فضول گو آدمی ہو، تم نے حدیث نہیں پڑھی، میں نے کہا پڑھی ہے، کہنے لگے تم نے اس میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد نہیں پڑھا: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ۔ آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے بیکار بات کا چھوڑنا ہے۔" یہ کہہ کر وہ چُپ ہو گیا، اور ہم چلتے رہے، اتنے میں مجھے پیاس لگی، اور ہم سمندر کے کنارہ پر چل رہے تھے، وہ میری طرف مُتوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ تمہیں پیاس لگ رہی ہے؟ میں نے کہا نہیں، اس کے بعد ہم آگے چلتے رہے، مگر مجھے پیاس کی اتنی شدت ہوئی کہ دم گھٹنے لگا، وہ پھر میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کیا پیاس لگ رہی ہے؟ میں نے کہا ہاں پیاس تو لگ رہی ہے، مگر تم ہی اسوقت کیا کر سکتے ہو، اس نے میرے ہاتھ سے پیالہ لیا اور سمندر میں گھس گیا، اور پانی بھر کر مجھے لا کر دیا کہ لو پی لو، میں نے جو اس کو پیا تو دریائے نیل کے پانی سے زیادہ میٹھا اور زیادہ صاف تھا، اور اس میں کچھ گھاس سا بھی تھا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ تو کوئی بڑا ولی اللہ ہے اب تو میں کچھ نہیں کہتا، جب منزل پر پہنچوں گا تو ان سے درخواست کروں گا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ رکھیں، وہ وہیں کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا کہ تمہیں کون سی صورت پسند ہے، یا تو تم آگے آگے چلو یا میں آگے چلوں، میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر یہ آگے چل دیا تو ایسا نہ ہو کہ میں ساتھ نہ لگ سکوں، اور یہ مجھ سے فوت ہو جائے، اس لئے میں آگے بڑھ جاؤں، اور چلتے چلتے کسی جگہ بیٹھ جاؤں گا، جب یہ وہاں پہنچے گا، تو میں اس سے درخواست کروں گا کہ مجھے اپنا رفیقِ سفر بنا لے،

مجھے یہ خیال آیا ہی تھا، وہ کہنے لگا کہ اگر تو بکریا تو تم آگے بڑھ جاؤ میں یہاں بیٹھ جاتا ہوں، یا تم بیٹھ جاؤ میں جاتا ہوں، میرا تمہارا ساتھ نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر وہ جا وہ جا، میں ایک منزل پر پہنچا، وہاں میرا ایک دوست تھا، ان لوگوں کے یہاں ایک شخص بیمار پڑا تھا، میں نے اپنا پیالہ ان کو دیا کہ اس میں سے ذرا سا پانی اس بیمار پر چھڑک دو، انہوں نے چھڑکا وہ اللہ کے فضل سے اسی وقت اچھا ہو گیا، اس کے بعد میں نے ان لوگوں سے اس فقیر کے متعلق دریافت کیا، کسی کو بھی اس کا حال معلوم نہ تھا، سب نے کہہ دیا کہ ہم نے تو اس کو نہیں دیکھا (روض)۔

۲۵:۔ شیخ فتح موصلیؒ کہتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک نابالغ لڑکا دیکھا کہ وہ پیدل چل رہا ہے اور اس کے ہونٹ حرکت کر رہے ہیں، میں نے اس کو سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا صاحبزادہ کہاں جا رہے ہو، کہنے لگا کہ بیت اللہ شریف جا رہا ہوں، میں نے پوچھا کہ تمہارے ہونٹ حرکت کر رہے تھے، کہنے لگا کہ قرآن شریف پڑھ رہا تھا، میں نے کہا ابھی تو تم مکلّف بھی نہیں بنے کہنے لگا کہ میں دیکھتا ہوں کہ موت مجھ سے کم عمر والوں کو بھی پکڑ لیتی ہے، میں نے کہا تمہارے قدم چھوٹے ہیں، اور راستہ بہت دور ہے، کہنے لگا میرا کام قدم اٹھانا ہے، اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا کام مقصود پر پہنچانا ہے۔ میں نے کہا کوئی توشہ کوئی سواری کہنے لگا کہ میرا توشہ یقین ہے۔ اور میری سواری پاؤں ہیں۔ میں نے کہا میں تو روٹی اور پانی پوچھتا ہوں، کہنے لگا چچا جان اگر کوئی آدمی تمہیں بلائے تو تمہیں یہ زیبا ہے کہ اس کے گھر کھانے کے واسطے اپنا کھانا لے جاؤ میں نے کہا نہیں، کہنے لگا کہ میرے آقا نے اپنے بندوں کو اپنے گھر بلایا ہے اور زیارت کی اجازت دی ہے، ان لوگوں کے ضعفِ یقین نے ان کو مجبور کر رکھا ہے کہ اپنے توشے ساتھ لئے جا رہے ہیں، مجھے تو یہ بات بہت ناپسند ہوئی اور میں نے اس کے احترام کا لحاظ کیا، ایسی حالت میں تمہارا خیال ہے کہ وہ مجھے ضائع کر دیگا؟ میں نے کہا ہرگز نہیں، حَاشَا وَ کَلَّا۔ اس کے بعد وہ بچہ مجھ سے غائب ہو گیا۔ میں نے پھر اس کو مکہ مکرمہ میں دیکھا، جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو کہنے لگا یا شیخ! تم اب تک بھی اپنے اسی ضعفِ یقین پر ہو، اس کے بعد اس بچے نے چند شعر پڑھے جن کا یہ ترجمہ ہے:۔

وہ سارے جہانوں کا مالک میری روزی کا ذمہ دار ہے، پھر میں کیوں مخلوق کو اپنی روزی کی تکلیف دوں، میرے مالک نے جو کچھ میرا نفع اور نقصان ہے میرے پیدا ہونے سے پہلے میرے مقدر میں لکھ دیا ہے، وہ میری فراخی کی حالت میں بڑی بخشش والا عطا کرنے والا ہے، اور

میری تنگدستی میں میری نیک نیتی میری ساتھی ہے، جیسا کہ میرا عاجز اور بیوقوف ہونا میری روزی کو نہیں ہٹا سکتا، ایسے ہی میری ذہانت میری روزی کو نہیں کھینچ سکتی ۔ (روض)۔

۲۶ : ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں حجاز کے جنگل میں کئی دن تک اس حالت میں رہا کہ کچھ نہ کھایا، ایک دن میرا دل روٹی اور گرم گرم باقلا (عرب کا مشہور سالن، لوبیے کی قسم کا ہوتا ہے) کو چاہا، میں نے سوچا کہ میں جنگل بیابان میں ہوں، اور یہاں سے عراق تک کی مسافت بہت دور ہے، یہاں گرم گرم باقلا کہاں۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ ایک بدو آواز لگاتا ملا، لے لو روٹی، گرم باقلا، میں اس کی طرف بڑھا، میں نے پوچھا گرم ہے؟ کہنے لگا ہاں ہے، اور اپنی لنگی بچھائی، اس پر روٹی اور گرم گرم باقلا رکھا، اور کہا کہ لو کھاؤ، میں نے کھایا، کہنے لگا اور کھاؤ، میں نے اور کھایا، پھر تیسری مرتبہ اس نے تقاضا کیا، میں نے اور بھی کھالیا، پھر چوتھی مرتبہ اس نے جب تقاضا کیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اس ذات کے حق کی قسم جس نے تجھے میرے لئے اس جنگل بیابان میں بھیجا تو مجھے یہ بتا کہ تو کون ہے کہنے لگے میں خضر ہوں؛ یہ کہہ کر وہ غائب ہوگئے (روض)۔

۲۷ : حضرت شقیق بلخیؒ کہتے ہیں کہ مجھے مکہ مکرمہ کے راستہ میں ایک اپاہج ملا۔ جو گھسٹ کر چل رہا تھا، میں نے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو، کہنے لگا سمرقند سے، میں نے پوچھا وہاں سے چلے ہوئے کتنا عرصہ گذرا؟ کہنے لگا، دس برس سے زیادہ ہوگئے، میں بڑے تعجب اور حیرت سے اس کو دیکھنے لگا، وہ کہنے لگا شقیق کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا تمہارے ضعف اور سفر کی درازی سے تعجب میں پڑ گیا، کہنے لگا کہ شقیق سفر کی دوری کو میرا شوق قریب کر دیگا، اور میرے ضعف کا متحمل میرا مولیٰ ہے اے شقیق! تم ایک ضعیف بندے سے تعجب کر رہے ہو، جس کو اس کا مالک اٹھائے لئے جا رہا ہے، پھر اس نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ "میرے آقا! میں آپ کی زیارت کو جا رہا ہوں، اور عشق کی منزل کٹھن ہے، لیکن شوق اس شخص کی مدد کیا کرتا ہے جس کی مال مدد نہیں کرتا، جس کو راستہ کی ہلاکت کا خوف ہو جائے وہ عاشق نہیں ہے ہرگز نہیں ہے اور نہ وہ عاشق ہے جس کو راستوں کی سختی ارادے سے روک دے (روض) ؎

راہ یابم یا نیابم آرزوئے می کنم
حاصل آید یا نہ آید جستجوئے می کنم

۲۸: شیخ نجم الدین اصفہانی مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ کے جنازے میں شریک ہوئے جب لوگ ان کو دفن کر چکے تو تلقین کرنے والے نے قبر کے پاس بیٹھ کر تلقین کی، شیخ نجم الدین ہنسنے لگے، اور ان کی عادت ہنسنے کی بالکل نہیں تھی، بعض خدّام نے ہنسی کی وجہ پوچھی، تو شیخ نے جھڑک دیا، کسی دن بعد فرمایا کہ میں اس لئے ہنسا تھا کہ جب تلقین کرنیوالا قبر پر تلقین کیلئے بیٹھا تو میں نے ان بزرگ کو جو دفن کئے گئے تھے یہ کہتے ہوئے سُنا، دیکھو جی حیرت کی بات ہے کہ ایک مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے (روض)۔

عرب میں بعض ائمہ مذہب کے موافق یہ دستور ہے کہ جب میت کو دفن کر دیتے ہیں تو ایک شخص اس کی قبر کے پاس بیٹھ کر کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھتا ہے، اور منکر نکیر کے سُوال جواب دہراتا ہے، اس کو تلقین کہتے ہیں، ان بزرگ کا یہ ارشاد کہ مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے، ظاہر ہے کہ مرنے والا اللہ کے عشق کی وجہ سے زندہ ہے، اور جو تلقین کر رہا تھا وُہ اس دولت سے خالی ہوگا۔

۲۹: شیخ مزنی فرماتے ہیں کہ مَیں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا، مجھ پر ایک گھبراہٹ بہت شدت سے سوار ہوئی، اور میں مدینہ پاک کی حاضری کے ارادہ سے مکہ مکرمہ سے چل دیا، جب بیرِ میمُونہ پر پہونچا تو ایک نوجوان کو پڑا ہوا پایا، کہ اس کی نزع کی حالت ہے، میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پڑھو، اس نے فوراً آنکھیں کھولدیں اور ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اگر میں مر جاؤں تو میرا دل عشقِ مولیٰ سے بھرا ہوا ہے، اور کریم لوگ عشق ہی کی بیماری میں مَرا کرتے ہیں"

یہ کہہ کر وُہ مر گیا، میں نے اس کو غسل دیا، کفنایا، جنازہ کی نماز پڑھی، اور جب اس کو دفنا چکا تو وہ گھبراہٹ جو مجھ پر سوار تھی جس کی وجہ سے میں نے سفر کا بے اختیار ارادہ کیا تھا وہ بھی جاتی رہی، میں اس کو دفنا کر مکہ مکرمہ واپس آ گیا (روض)۔

۳۰: ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں تھا، ہمارے قریب ایک نوجوان رہا کرتا تھا، اس کے پاس پرانی چادریں تھیں، وہ نہ ہمارے پاس آتا جاتا نہ کبھی پاس بیٹھتا، میرے دل میں اس کی محبّت گھر کر گئی، میرے پاس ایک جگہ سے بہت حلال ذریعہ سے دو سو درم آئے، مَیں وہ لے کر اس جوان کے پاس گیا، اور میں نے اس کے مُصلّے پر اُن کو رکھ کر کہا کہ بالکل حلال ذریعہ سے مجھے ملے ہیں ان کو تم اپنی ضروریات میں خرچ کر لینا۔ اس جوان نے مجھے ترچھی اور

تیز تُرش نگاہ سے دیکھا اور یہ کہا کہ اللہ پاک کے ساتھ یہ ہمنشینی (پاس بیٹھنا) میں نے ستر ہزار اشرفیاں نقد جو میرے پاس تھیں، علاوہ جائداد کے اور کرایہ کے مکانات کے ان سب کے بدلے اپنے کو فارغ کر کے خریدا ہے، تو ان دَراہم کے ساتھ مجھے دھوکہ میں ڈالنا چاہتا ہے، یہ کہہ کر اپنا مُصلّٰے جھاڑ کر کھڑا ہو گیا جس اِستغنار سے وہ اُٹھ کر جا رہا تھا اور میں بیٹھا ان دَراہم کو چُن رہا تھا، اس وقت کی اس کی سی عزّت اور اپنی سی ذِلّت میں نے عمر بھر کسی کی نہیں دیکھی (روض) یعنی اس وقت اس کی عزّت جتنی میری نگاہ میں تھی اتنی عزّت کبھی کسی کی نہیں ہوئی اور جتنی اس وقت دِرَم چنتے ہوئے مجھے اپنی ذِلّت محسوس ہو رہی تھی اتنی ذِلّت کبھی اپنی یا کسی اور کی مجھے محسوس نہیں ہوئی۔

۳۱:- ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں حاضر تھا۔ روضۂ مُقدّسہ پر میں حاضر ہوا تو میں نے ایک عجمی شخص کو دیکھا جو روضہ پر اَلوِداعی سلام کر رہا تھا جب وہ جانے لگا تو میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا، جب وہ ذُوالحُلَیفہ پہنچا تو نماز پڑھی، اور احرام باندھا، میں نے بھی نماز پڑھی اور احرام باندھ لیا، اور جب وہ چلنے لگا تو اس کے پیچھے ہو لیا، وہ میری طرف مُتوجّہ ہوا اور کہنے لگا، تمہارا کیا مقصد ہے؟ میں نے کہا، تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہوں، اس نے انکار کر دیا میں نے خوشامد اور عاجزی کی، اس نے کہا اگر یہی کرنا ہے تو میرے قدم پر قدم رکھتے چلے آؤ، میں نے کہا اچھا، وہ غیر معروف راستہ پر چل دیا، اور میں قدم بقدم اس کے پیچھے ہو لیا، تھوڑی ہی رات گذری تھی کہ چراغ نظر آئے، مجھے کہنے لگا کہ یہ مسجدِ عائشہؓ ہے (جو مکّہ مکرّمہ سے تین میل تنعیم پر ہے) یا تو تم آگے بڑھ جاؤ یا میں آگے بڑھ جاؤں، میں نے کہا جیسے تمہاری رائے ہو، وہ تو آگے بڑھ گئے، اور میں وہاں سو گیا، جب سَحری کا وقت ہوا میں مکّہ مکرّمہ پہنچا اور طواف اور سَعْی کے بعد شیخ اَبُوبکر کَتّانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کی خدمت میں بہت سے مشائخ تشریف رکھتے تھے، وہ فرمانے لگے، کب آئے؟ میں نے عرض کیا ابھی حاضر ہوا، فرمایا کدھر سے آ رہے ہو، میں نے عرض کیا مدینہ طیبہ سے، کہنے لگے مدینہ سے کب چلے تھے؟ میں نے عرض کیا گذشتہ رات وہیں تھا وہ مشائخ جو حاضرِ مجلس تھے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے، شیخ کَتّانی نے کہا کس کے ساتھ آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ایک بُزرگ کے ساتھ آیا ہوں، جن کے یہ حالات اور یہ قصّہ گذرا، شیخ کَتّانی نے کہا یہ شیخ اَبُوجعفر دامغانیؒ ہیں، اور تم نے جو حالات سُنائے وہ ان کے احوال میں سے بہت معمولی چیز ہیں۔

اس کے بعد شیخ کتانیؒ نے اپنے ساتھیوں سے کہا، چلو شیخ وامغانیؒ کی تلاش کریں، کہاں ہیں، اور مجھ سے فرمایا کہ تمہارا یہ حال نہیں تھا کہ ایک شب میں یہاں پہنچ جاؤ (اس لئے میں نے تفصیل پوچھی)، پھر دریافت فرمایا کہ چلتے ہوئے زمین کیسی معلوم ہو رہی تھی؟ میں نے عرض کیا جیسے دریا کی موج کشتی کے نیچے معلوم ہوتی ہے (روض)۔

۳۲: حضرت سفیان بن ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں مولد النبیؐ کے پاس ابراہیم بن ادہمؒ کو بہت روتے ہوئے دیکھا، وہ مجھے دیکھ کر راستہ سے پرے کو ہٹ گئے، میں نے ان کو سلام کیا، اور وہاں نماز پڑھی، پھر ان سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی، کیوں رو رہے ہو؟ وہ کہنے لگے خیریت ہے کچھ نہیں میں نے دوبارہ سہ بارہ یہی سوال کیا، وہ یہی جواب دیتے رہے، میں نے بار بار سوال کیا تو وہ کہنے لگے کہ اگر میں وجہ بتا دوں تو تم اس کو پوشیدہ رکھو گے یا لوگوں پر ظاہر کر دو گے؟ میں نے کہا، تم شوق سے کہو (یعنی میں مخفی رکھوں گا) کہنے لگے کہ تیس برس سے میرا دل سکباج (ایک قسم کا کھانا جس میں سرکہ اور گوشت اور میوہ جات پڑتے ہیں) کھانے کو چاہتا تھا اور میں مجاہدہ کے طور پر اس کو روکتا تھا، رات مجھ پر نیند کا بہت غلبہ ہوا، میں نے خواب میں ایک جوان کو دیکھا کہ وہ نہایت حسین شخص ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک سبز پیالہ ہے جس سے بھاپ اٹھ رہی ہے، اور سکباج کی خوشبو اس میں سے آرہی ہے، میں نے اپنے دل کو سنبھالا، اس نے میرے پاس آکر کہا، ابراہیم لو اس کو کھالو، میں نے کہا جس چیز کو اللہ کے واسطے چھوڑ دیا اس کو اب نہیں کھانا ہے، وہ کہنے لگا اگرچہ اللہ جل شانہٗ خود کھلائیں مجھ سے رونے کے سوا اس کا کوئی جواب بن نہ پڑا، وہ کہنے لگا اللہ تجھ پر رحم کرے اس کو کھالے، میں نے کہا ہمیں یہ حکم ہے کہ جب تک ہمیں پورا حال کسی چیز کا معلوم نہ ہو جائے (کیا چیز ہے کہاں سے آئی ہے)، اس وقت تک اپنے برتن میں نہ ڈالیں، وہ کہنے لگے، اللہ تمہاری حفاظت کرے اس کو کھالو، یہ مجھے (جنت کے ناظم) رضوان نے دی ہے اور یہ کہا ہے کہ اے خضر یہ ابراہیم کو کھلا دو، اس نے بہت صبر کرلیا، اور خواہشات کو بہت روک لیا، پھر انہوں نے کہا کہ ابراہیم اللہ جل شانہٗ کھلاتے ہیں، اور تم انکار کرتے ہو؟ میں نے فرشتوں سے سنا ہے کہ جو شخص بے طلب ملنے پر انکار کرتا ہے اس کو طلب پر بھی نہیں ملتا، میں نے کہا اگر یہ بات ہے تو میں آپ کے سامنے حاضر ہوں، میں نے تو اپنے عہد کو اب تک نہیں توڑا، اتنے میں ایک جوان اور آیا اور اس نے حضرت خضر کو

کچھ دیکر یہ کہا کہ اس کا لقمہ بنا کر ابراہیم کے منہ میں دیدو، وہ مجھے اپنے ہاتھ سے کھلاتے رہے، اور جب میری آنکھ کھلی تو اس کی شیرینی میرے منہ میں تھی اور زعفران کا رنگ میرے ہونٹوں پر تھا، میں زمزم کے کنویں پر گیا، اور منہ کو دھویا، مگر نہ منہ میں سے مزہ جاتا ہے نہ ہونٹوں پر سے رنگ جاتا ہے میں نے بھی دیکھا تو واقعی اس کا اثر موجود تھا، میں نے اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے یہ دُعا کی اے وہ پاک ذات جو ایسے لوگوں کو کھلاتی ہے جو اپنی خواہشات کو روکتے ہوں، جب کہ وہ اپنی روک کو صحیح کر لیں، اے وہ پاک جس نے اپنے اولیاء کے دلوں کے لئے صحیح رہنا لازم کر دیا، اے وہ پاک ذات جس نے ان کے دلوں کو اپنی محبت کی شراب سے سیراب کیا، تو اپنے لطف سے سُفیان کو بھی یہ چیزیں عطا فرما۔ پھر میں نے ابراہیم بن اَدْہَمؒ کا ہاتھ پکڑ کر اس کو آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کیا کہ اے اللہ اس ہاتھ کی برکت سے اور اس ہاتھ والے کی برکت سے اور اس کے اس مرتبہ کے طفیل جو اس کا تیرے نزدیک ہے اور تیرے اس جود و عطا کے طفیل جو اس نے تجھ سے پایا تو اپنے اس بندے سفیان پر بھی بخشش فرما جو تیری عطا کا انتہائی محتاج ہے اور تیرے احسان کا نہایت ضرورت مند ہے یا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن محض اپنی رحمت سے اگرچہ اے رَبُّ الْعَالَمِیْن یہ سُفیان اس کا مستحق بالکل نہیں ہے (روض)۔

۳۳ : حضرت ابراہیم بن اَدْہَمؒ ہی کا یہ قصہ ہے کہ جب یہ حج کو تشریف لے گئے تو یہ طواف کر رہے تھے کہ ان کی نگاہ ایک حسین نوجوان پر پڑی جس کے حسن و جمال سے لوگ تعجب کر رہے تھے، حضرت ابراہیم نے اس کو بہت غور سے دیکھا اور رونے لگے ان کے بعض ساتھی (بدگمانی سے) کہنے لگے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، شیخ پر تو غفلت طاری ہوگئی (کہ ایک حسین لڑکے کو دیکھ کر گھورنے لگے)، پھر اس مُعترض نے شیخ سے عرض کیا اے میرے سردار! یہ دیکھنا کیسا جس کے ساتھ رونا بھی ہے (جس سے خیال ہوتا ہے کہ اس لڑکے کے عشق نے پکڑ لیا)، شیخ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے ایک عہد کیا ہے جس کے توڑنے پر قدرت نہیں، ورنہ اس لڑکے کو اپنے پاس بلاتا اور اس سے ملتا، اس لئے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے، میں اس کو بچپن میں بہت کم عمر کا چھوڑ کر گھر سے نکل گیا تھا، اب یہ جوان ہوگیا تم دیکھ ہی رہے ہو، مگر مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ جس چیز کو اس کے لئے چھوڑ آیا تھا اب پھر اُدھر کو لوٹوں۔

اس کے بعد حضرت شیخ ابراہیمؒ نے تین شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "محبت سے

میں نے اس پاک ذات کو پہچانا ہے اس وقت سے اب تک جدھر بھی میں نے نظر کی اپنے محبوب کو ادھر ہی پایا، مجھے اپنی نگاہ پر یہ غیرت ہے کہ میں اس کے سوا کسی کو نہ دیکھوں، اے میرے ذخیرہ کی انتہا اے میرے سُوال کی غایت! اے میرے اُثاثہ کی پوری پونجی! کاش تیری محبّت حشر تک میرے دل میں رہے۔" پھر شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تم اس لڑکے کے پاس جاؤ اور اس کو سلام کرو، شاید اسی سے مجھے تسلّی ہو، میں اس لڑکے کے پاس گیا، اور میں نے اس سے کہا حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے والد کو برکت عطا فرمائے، وہ کہنے لگا، چچا جان! میرے والد کہاں، وہ تو میرے بچپن ہی میں اللہ کے راستہ میں لگ گئے تھے، کاش میں ایک مرتبہ ان کی زیارت کر لوں، اور پھر اسی وقت میری جان نکل جائے، ہائے افسوس! یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور رونے کی کثرت سے اس کا دم گھٹنے لگا۔ پھر اس نے کہا کہ "واللہ میری یہ تمنّا ہے کہ میں ایک مرتبہ ان کی زیارت کر لوں، پھر اسی وقت مر جاؤں" اس کے بعد چند شعر ذوق شوق کے پڑھے۔ میں حضرت ابراہیمؒ کے پاس لوٹ کر آیا، تو وہ سجدے میں پڑے ہوئے تھے اور آنسوؤں سے سجدہ کی جگہ تر تھی اور اللہ کے سامنے عاجزی اور زاری کر رہے تھے، اس کے بعد حضرت ابراہیم نے ۲/ دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:۔ "میں نے ساری دُنیا کو تیرے عشق میں چھوڑا اور اپنے عیال کو یتیم بنایا تاکہ تجھے دیکھ لوں اگر تو عشق میں میری حاجت روائی نہ کرے گا تو یہ دل تیرے سوا کسی جگہ بھی سکون نہ پائے گا۔" میں نے حضرت ابراہیم سے کہا آپ اس لڑکے کے لئے دُعا کریں، حضرت ابراہیم نے کہا حق تعالیٰ شانہٗ اس کو گناہوں سے محفوظ فرمائے اور اپنی مرضیات پر عمل میں اسکی اعانت فرمائے (روض ۸۵)

۴۳: ابُو بکر دقاقؒ کہتے ہیں کہ میں نے بیس برس مکّہ مکرّمہ میں قیام کیا، میرا جی دودھ کو چاہتا ہی رہا (مگر عمداً نہیں پیا یا میسّر نہ ہوا) جب مجھے خواہش بہت بڑھی تو میں عسقلان گیا اور وہاں عرب کے ایک قبیلہ کا مہمان بنا، وہاں میری نگاہ ایک حسین لڑکی پر پڑ گئی اس قدر حسین تھی کہ اس نے میرے دِل کو پکڑ لیا وہ لڑکی مجھ سے کہنے لگی کہ اگر تو سچا ہوتا تو دُودھ کی خواہش تیرے دِل سے نکل جاتی۔ میں یہ سُن کر مکّہ مکرّمہ لوٹ آیا اور بیت اللہ کا طواف کیا، میں نے خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کی، میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی اللہ جلّ شانہٗ آپ کی آنکھ کو ٹھنڈا رکھے، آپ زلیخا سے خوب بچے، حضرت یوسفؑ نے ارشاد فرمایا بلکہ اے مُبارک اللہ جلّ شانہٗ تیری آنکھ کو ٹھنڈا رکھے، عُسقلان کی لڑکی سے بچ گئے، پھر حضرت یوسف

عَلیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ (رحمٰن ۳۰) "اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہیں" ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ آدمی نفس کے پھندے سے نفس کے ذریعے سے نہیں نکل سکتا البتہ نفس کے پھندے سے اللہ تعالیٰ کے ذریعہ سے نکل سکتا ہے، ان بزرگ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ راحت پکڑو، اللہ تعالیٰ سے راحت نہ پکڑو، جس شخص نے اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے ساتھ راحت پکڑی اس نے نجات پائی اور جس نے اللہ سے علیحدہ ہو کر راحت پکڑی وہ ہلاک ہو گیا، اللہ کے ساتھ راحت پکڑنا دل کا اس کے ذکر کے ساتھ معطّر ہونا اور بس جانا ہے۔ اور اللہ سے راحت پکڑنا دِل کا غافل رہنا ہے (روض)۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ جب آدمی کی نظر کسی عورت کے حسن پر پڑ جائے اور وہ فوراً اپنی نظر کو اس سے ہٹالے تو حق تعالےٰ شانہٗ اس کو کسی ایسی عبادت کی توفیق عطا فرماتے ہیں جس کی لذت اس کو محسوس ہوتی ہے (مشکوٰۃ)۔

۳۵: حضرت شیخ ابُو تراب نخشبیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی ایسے شخص کو جو اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے ساتھ مشغول ہو رہا ہے کسی دوسرے شغل میں لگا دے اسی وقت حق تعالیٰ شانہٗ کا غصہ فوراً اس کی پکڑ کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں اپنے غصہ اور عذاب سے پناہ دے (روض)۔

یہ بہت اہم چیز ہے، بہت سے لوگ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے ساتھ کی مشغولی کی ناقدری کرتے ہوئے ایسے حضرات کو جو ذکر و شغل میں مشغول ہوتے ہیں آوازیں دینے لگتے ہیں، اس کا بہت لحاظ رکھنا چاہئے، بالخصوص اہل اللہ کے اوقات کی خصوصی رعایت رکھنا چاہیئے۔

۳۶: ایک بزرگ کا قصہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے تنہا حج کیا، عزیز و اقارب کوئی ساتھ نہ تھا، اور یہ عہد کیا کہ کسی سے سُوال نہ کروں گا، چلتے چلتے راستہ میں ایک وقت ایسا آیا کہ ایک زمانہ تک کہیں سے کچھ نہ مِلا، حتیٰ کہ ضعف کی وجہ سے چلنے سے عاجز ہو گئے، اور دِل میں یہ خیال آیا کہ اب اضطرار کا درجہ پہنچ گیا، اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے ممانعت فرمائی ہے، اس لئے اب مجھے سُوال کر لینا چاہیئے، لیکن پھر دل میں ایک کھٹک پیدا ہوئی، اور آخر یہ طے کر لیا کہ اللہ تعالیٰ سے جو عہد کر لیا وہ نہیں توڑوں گا چاہے مر جاؤں چونکہ ضعف کی وجہ سے چلنے سے عاجز ہو گئے تھے اسلئے رہ گئے اور سارا قافلہ روانہ ہو گیا اور یہ موت کے انتظار میں قبلہ رو ہو کر ایک جگہ لیٹ گئے، اتنے میں

ایک سوار ان کے قریب آیا اس کے پاس ایک برتن میں پانی تھا وہ اس نے ان کو پلایا۔ اور جو حاجت تھی وہ سب پوری کی، اور پھر پوچھا کہ تم قافلہ کے ساتھ ملنا چاہتے ہو، ان بزرگ نے فرمایا کہ قافلہ اَب کہاں، نہ معلوم کتنی دُور نکل چکا، اس سوار نے کہا کہ کھڑے ہو اور میرے ساتھ چلو، یہ چند ہی قدم اس کے ساتھ چلے تھے اس نے کہا کہ تم یہاں ٹھہر جاؤ قافلہ تم سے آملے گا، یہ وہاں ٹھہر گئے تو قافلہ پیچھے سے آتا ہوا ان کو ملا (روض)۔

۳۷: **ابوالحسن سراج** کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا، میں طواف کر رہا تھا میری نگاہ ایک ایسی حسین عورت پر پڑی، جس کے چہرہ کا حُسن چمک رہا تھا، میں نے کہا واللہ ایسی حسین عورت میں نے آج تک نہیں دیکھی یہ اس کے چہرہ کی ساری رونق اس وجہ سے ہے کہ اس کو کبھی کوئی رنج وغم نہیں پہنچا، اس نے میری یہ بات سُن لی، کہنے لگی تم نے یہ کیا کہا، واللہ میں غموں میں جکڑی ہوئی ہوں اور میرا دل فکروں سے اور آفتوں سے زخمی ہے اور کوئی بھی میرے غموں میں میرا شریک نہیں رہا، میں نے پوچھا کیا ہوا کہنے لگی میرے خاوند نے قربانی کی، ایک بکری ذبح کی، میرے دو چھوٹے بچے کھیل رہے تھے، اور ایک بچہ دُودھ پیتا میری گود میں تھا، میں گوشت پکانے کے لئے اُٹھی تو ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا میں تجھے بتاؤں کہ ابا نے بکری کس طرح ذبح کی، اس نے کہا بتا، تو اس نے چھوٹے بھائی کو لِٹا کر بکری کی طرح ذبح کر دیا پھر وہ اس کو ذبح کر کے ڈر کے مارے بھاگ گیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا، وہاں ایک بھیڑیئے نے اس کو کھا لیا، باپ اس کی تلاش میں نکلا، اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے پیاس کی شدت سے مر گیا، میں دودھ پیتے بچے کو بٹھا کر دروازہ تک گئی، کہ شاید خاوند کا کچھ پتہ کسی سے ملے تو وہ بچہ گھسٹتا ہُوا ہانڈی کے پاس پہنچ گیا جو چولہے پر رکھی ہوئی جوش سے پک رہی تھی، اس کو جو اس نے ہلایا وہ پکتی پکتی اس پر گر گئی جس سے اس بچہ کا سارا بدن کا گوشت جل کر ہڈیوں سے الگ ہو گیا، میری ایک بڑی لڑکی تھی، جو اپنے خاوند کے گھر تھی، اس کو جب اس سارے قصہ کی خبر پہنچی، تو وہ خبر سُن کر زمین پر گر گئی، اسی میں اس کی بھی موت مُقدّر تھی، وہ بھی مر گئی، مُقدّر نے ان سب کے درمیان سے مجھے اکیلی کو چھوڑ دیا، میں نے کہا ان مصیبتوں پر تجھے کس طرح صبر آیا وہ کہنے لگی کہ جو شخص صبر اور بے صبری میں الگ الگ غور کرے گا وہ ان کے درمیان بہت بُون بعید پائے گا، صبر کا انجام محمود ہے اور بے صبری پر کوئی اجر نہیں ملتا، پھر اس نے تین شعر پڑھے اور چل دی، جن کا ترجمہ یہ ہے:۔ کہ میں نے صبر کیا اس لئے کہ صبر

بہترین اعتماد کی چیز ہے ۔ اور اگر بے صبری سے مجھے کوئی فائدہ پہنچ سکتا تو کرتی ، میں نے ایسی مصیبتوں پر صبر کیا کہ اگر وہ مصائب سخت پہاڑوں پر پڑتیں تو وہ پہاڑ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ، میں نے اپنے آنسوؤں پر قدرت پائی پس ان کو نکلنے سے روک دیا ، اب وہ آنسو اندر ہی اندر میرے دل پر گر رہے ہیں (روض) ۔

۳۸ : حضرت شیخ علی بن مُوَفَّق رحمۃ اللہ علیہ : فرماتے ہیں کہ میں ایک سال سواری پر حج کو جا رہا تھا ، راستہ میں پیدل حج کو جانے والوں کا قافلہ ملا ، مجھے وہ لوگ پیدل چلتے ہوئے بہت اچھے لگے ، میں بھی سواری سے اُتر کر ان کے ساتھ پیدل چلنے لگا ، اور اپنی سواری پر ایک اور شخص کو اپنی جگہ بٹھا دیا ، اور ہم معروف راستہ سے ہٹ کر دوسری طرف کو چل دیئے چلتے چلتے ایک جگہ جا کر ہم سونے لیٹ گئے ، تو میں نے خواب میں دیکھا کہ چند لڑکیاں آئیں جن کے ہاتھ میں سونے کے طُشت اور چاندی کے آفتابے ہیں اور وہ پیدل چلنے والوں کے پاؤں دھو رہی ہیں اور میرے سوا سب کے پاؤں دھوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ بھی تو انہی میں ہے ، باقی سب کہنے لگیں نہیں ، اس کے پاس سواری موجود ہے ، اس لڑکی نے کہا نہیں ، یہ بھی ان میں شامل ہے ، اس لئے کہ ان کے ساتھ چلنے کو اس نے پسند کیا ہے تو انہوں نے میرے بھی پاؤں دھوئے ، اس کی وجہ سے پیدل چلنے کا جس قدر تکان اور تعب مجھ پر تھا سارا بالکل جاتا رہا (روض) ۔

۳۹ : حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں جا رہا تھا ، مجھے بڑی مَشَقَّت اٹھانا پڑی ، اور بڑی مصیبت پیش آئی ، جس کو میں نے برداشت کیا ، اور خندہ پیشانی سے اس پر صبر کیا ، جب میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو مجھ میں اس کارنامہ پر ایک عُجب سا پیدا ہوا ، طواف ہی کی حالت میں پیچھے سے ایک بڑھیا نے آواز دی ، کہ ابراہیم اس جنگل میں یہ بندی بھی تیرے ہی ساتھ تھی ، مگر میں نے تجھ سے اس لئے کوئی بات نہیں کی تھی کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ سے تیرا دھیان ہٹ کر دوسری طرف لگے گا ، یہ وسوسہ جو تجھے اس وقت آگیا اس کو اپنے دل سے نکال دے (روض)

۴۰ : ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سَمنُون رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ طواف میں جھومتے ہوئے (مزے لے کر) چل رہے ہیں ، میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا ، اور کہا تمہیں اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کی قسم مجھے یہ بتاؤ کہ تم کس طریقہ سے اللہ تک پہنچے ، جب انہوں نے اللہ کے سامنے

کھڑے ہونے کا لفظ سُنا تو بیہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش آیا تو دو شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے:
"وہ کہ بہت سے مصیبت زدہ ایسے ہیں کہ بیماریاں ان کے بدن میں گھسی ہوئی ہیں اور ان کا دل سب دلوں سے زیادہ بیمار ہے، اگر وہ خوف اور ہراس سے مرجائیں تو برمحل ہے، اس کے لئے کہ یَوْمُ الحِسَاب میں اللہ کے سامنے کھڑا ہونا بہت سخت چیز ہے۔"

اس کے بعد حضرت سَمنونؒ نے فرمایا کہ میں نے پانچ باتیں لازم پکڑ لی تھیں، اور اپنے دِل پر ان کو پکا کر لیا ہے، اوّل یہ کہ جو چیز مجھ میں زندہ تھی یعنی خواہشِ نفس اس کو میں نے مار دیا اور جو چیز مردہ تھی یعنی میرا دل اس کو زندہ کر لیا، دوسری بات یہ ہے کہ جو چیز مجھ سے غائب تھی یعنی آخرت اس کو میں نے ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے کر لیا، اور جو چیز میرے سامنے تھی یعنی دُنیوی اَغراض، ان کو میں نے اپنے سامنے سے ہٹا دیا، تیسری بات یہ ہے کہ جو چیز مجھ سے فنا ہو رہی تھی یعنی تقوےٰ اس کو میں نے باقی رکھا، اور جو میرے پاس جمع تھی یعنی خواہشات ان کو فنا کر دیا۔ چوتھی چیز یہ ہے کہ جس سے تم سب کو وحشت ہوتی ہے اس سے میں نے اُنس پیدا کر لیا، اور جس سے تم سب کو اُنس ہے اس سے میں بھاگنے لگا۔ اس کے بعد وہ چند شعر پڑھتے ہوئے چل دیئے، جن کا ترجمہ یہ ہے، کہ "میری روح پوری کی پوری آپ کی طرف مُتوجّہ ہے، اگر اس میں وہ ہلاک ہو جائے تب بھی میں آپ سے اس کو جُدا نہیں کر سکتا، میری روح آپ سے خوف میں اور افسوس میں روتی رہتی ہے حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ وہ رونے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ پس ایک کرم کی نظر اس پر کر دیجئے اگرچہ دنیاوی مَنافع آپ نے بہت سے عطا فرمائے اور ان سے ہمیشہ نفع ہوتا رہا (روض)

شروع میں پانچ باتیں ذکر کی تھیں تفصیل میں چار ہی آئی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سب کی روح بھی ایک ہی چیز ہے، وُہ خواہشاتِ نفس کو قابو میں رکھنا اسی لئے شیخ فرماتے ہیں ؎

بعلم اللہ از دو قدم راہِ خُدا بیش نیست   یک قدم بر نفس خود نہ دیگرے بر کوئے دوست

"خدا کی قسم اللہ جلّ شانُہٗ کے یہاں کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں، پہلا قدم اپنے نفس پر رکھ دے دوسرا محبوب کی گلی میں رکھا ہوا ہے۔"

(۱۴) شیخ اَبُو یَعقُوب بصری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حَرم شریف میں دس دن تک بھوکا رہا، مجھے بہت ہی ضعف ہو گیا، میرے دِل نے مجھے مجبور کیا، کہ باہر چلوں شاید کچھ مِل جائے جس سے بھوک میں کچھ کمی ہو، میں باہر نکلا، تو ایک شلغم سڑا ہوا پڑا ہوا مِلا، میں نے

اس کو اُٹھا لیا مگر دِل میں اس سے ایک وحشت سی ہوئی گویا کوئی یہ کہہ رہا ہے، کہ دس دن تک بھوکا رہا اور آخر میں مِلا تو یہ سڑا ہوا شلغم، میں نے اس کو پھینک دیا، اور پھر مسجد حرام میں آکر بیٹھ گیا، اتنے میں ایک شخص میرے سامنے آکر بیٹھا اور ایک جزدان میرے سامنے رکھا اور کہا اس میں ایک تھیلی ہے جس میں پانچسو دینار (اشرفیاں) ہیں، یہ آپ کی نذر ہیں، میں نے اس سے پوچھا کہ میری کیا خصوصیت ہے جس کی وجہ سے یہ مجھے دے رہے ہو، اس نے کہا کہ ہم لوگ دس دن سے سمندر میں چکر کھا رہے تھے، ہماری کشتی ڈوبنے لگی تھی تو ہم میں سے ہر شخص نے الگ الگ کوئی مَنّت مانی تھی، میں نے یہ نَذر کی تھی کہ اگر میں زندہ سلامت پہنچ جاؤں تو یہ تھیلی اس شخص کو دوں گا جس پر مکّہ کے رہنے والوں میں سب سے پہلے میری نگاہ پڑے، یہاں پہنچ کر سب سے پہلے آپ پر نظر پڑی، میں نے کہا اس کو کھولو، اس نے کھولا تو سفید مصری اور کعک (ایک خاص قسم کی روٹی ہوتی ہے) اور چھلے ہوئے بادام اور شکر پارے تھے، میں نے ہر ایک میں سے ایک ایک مُٹھی بھر لی، اور میں نے کہا یہ باقی لیجاؤ میری طرف سے اپنے بچوں کو تقسیم کر دینا۔ تمہاری نَذر میں نے قبول کر لی، پھر میں نے اپنے دِل میں کہا کہ تیرا رِزق دس دن سے تیرے پاس کھنچا ہوا آرہا ہے اور تو اس کو یوں ڈھونڈتا پھرتا ہے (روض)۔

۲۴ : **شیخ بنانؒ** فرماتے ہیں کہ میں مصر سے حج کو جارہا تھا، میرا توشہ میرے ساتھ تھا، راستہ میں ایک عورت مِلی، کہنے لگی بنان تم بھی حمّال (مزدور) ہی نکلے، توشہ لادے لئے جارہے ہو، تمہیں یہ وہم ہے کہ وہ تمہیں روزی نہیں دے گا، میں نے اس کی بات سُن کر اپنا توشہ پھینک دیا۔ تین دن تک مجھے کچھ کھانے کو نہ مِلا، راستہ میں چلتے چلتے مجھے ایک پازیب (پاؤں کا زیور) پڑا ہوا مِلا، میں نے یہ سوچ کر اُٹھا لیا کہ اس کا مالک مِل جائے گا تو اس کو دوں گا، وہ شاید اس پر مجھے کچھ دیدے، تو وہ عورت پھر سامنے آئی، کہنے لگی تم تو دوکاندار ہی نکلے، کہ وہ پازیب کے بدلہ میں شاید کچھ دیدے۔ اس کے بعد اس عورت نے میری طرف کچھ دِرَم پھینک دیئے کہ لے انہیں خرچ کرتا رہیو، میں نے ان کو خرچ کرنا شروع کیا اور واپسی میں مصر تک انہوں نے مجھے کام دیا۔

ایک شاعر نے کہا ہے ؎

(۱) كَمْ مِنْ قَوِيٍّ قَوِيٌّ فِيْ تَقَلُّبِهٖ ‌ ‌ ‌ ‌ مُهَذَّبُ الرَّأْيِ عَنْهُ الرِّزْقُ مُنْحَرِفُ

کتنے ہی قوی آدمی ہیں جو اپنے کاروبار میں بھی قوی ہیں اور رائے بھی بہت بہتر رکھتے ہیں،

لیکن روزی اُن سے ہٹی ہوئی ہے۔"

(۲) وَكَمْ ضَعِيْفٌ ضَعِيْفٌ فِيْ تَقَلُّبِهٖ كَاَنَّهٗ مِنْ خَلِيْجِ الْبَحْرِ يَغْتَرِفُ

"اور کتنے ضعیف آدمی ہیں جو اپنے کاروبار میں بھی ضعیف ہیں لیکن روزی ایسی کماتے ہیں گویا سمندر سے پانی بھر رہے ہیں۔"

(۳) هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْاِلٰهَ لَهٗ فِي الْخَلْقِ سِرٌّ خَفِيٌّ لَيْسَ يَنْكَشِفُ

"یہ دلیل ہے اس پر کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بارہ میں مخفی بھید ہیں جو ہر کسی پر ظاہر نہیں ہوتے (روض)

۴۳ :- شیخ ابُوبکر کتّانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے زمانہ میں مکّہ مکرمہ میں مشائخ کے درمیان عشقِ الٰہی کے مسئلہ میں بحث ہوئی، اور بڑے بڑے مشائخ نے اس میں کلام کیا۔ حضرت جُنیدِ بغدادیؒ بھی مجمع میں تشریف رکھتے تھے، اور وہ اس مجلس کے چھوٹوں میں تھے مشائخ نے ان سے فرمایا کہ عراقی تم بھی کچھ کہو، حضرت شیخ جنیدؒ نے سر جھکایا اور آنسو آنکھوں سے بہنے لگے اور فرمایا عاشق وہ بندہ ہے جو اپنے نفس سے جاتا رہا ہو، اپنے رب کے ذکر میں ہر وقت لگا رہے، اس کے حقوق کی ادائیگی میں مُستعد رہے، اپنے دل سے ہر وقت اس کو دیکھتا رہے، مولیٰ کی ہَیبت کے انوار نے اس کے دِل کو جلا رکھا ہو، اور اس کی محبّت کی شراب خالص پی رکھی ہو، اور جبّار سُبحانہٗ اپنی غیبت کے پردوں سے نکل کر اس پر ظاہر ہو گیا ہو، پس وہ عاشق اگر کلام کرے تو اللہ ہی کے ساتھ ہو، کوئی حرف زبان سے نکالے تو اللہ ہی کی طرف سے ہو، کوئی حرکت کرے تو اسی کے حکم سے، اور اگر ساکن ہو تو اسی کیساتھ سکون ہو، پس وہ ہر وقت اللہ ہی سے والبستہ ہے اللہ ہی کے واسطے ہے اللہ ہی کے ساتھ ہے اس تقریر پر سب مشائخ رونے لگے اور فرمانے لگے کہ اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی، اللہ تیری ٹوٹی کو بنائے اے عارفوں کے تاج (روض)

۴۴ : حضرت ضحّاک بن مُزاحمؒ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کی شب میں کوفہ میں جامع مسجد کے ارادہ سے نکلا، چاندنی رات تھی، مسجد کے صحن میں ایک جوان کو میں نے دیکھا کہ سجدہ میں پڑا ہوا بے تحاشا رو رہا ہے، میں نے خیال کیا کہ یہ کوئی ولی ہے میں اس کے قریب گیا تاکہ اس کی بات سنوں، تو وہ یہ کہہ رہا تھا

۱ : عَلَيْكَ يَاذَا الْجَلَالِ مُعْتَمَدِيْ طُوْبٰى لِمَنْ كُنْتَ اَنْتَ مَوْلَاهُ

"اے عزت والے تیرے ہی اوپر مجھ کو بھروسہ ہے خوشحال ہے وہ جس کا تو مقصود ہو۔

(۲) طُوبیٰ لِمَنْ بَاتَ خَائِفًا وَجِلاً ۔ یَشْکُوْ اِلیٰ ذِی الْجَلَالِ بَلْوَاہُ

"خوشحال ہے وہ جو ساری رات خوف اور ڈر میں گذار دے اور عزت والے ہی سے اپنی مصیبت کا اظہار کرے۔

(۳) وَمَا بِہٖ عِلَّۃٌ وَلَا سَقَمٌ ۔ اَکْثَرُ مِنْ حُبِّہٖ لِمَوْلَاہُ

"اور اس کو اس سے بڑھ کر کوئی علت اور کوئی مرض نہ ہو کہ اس کو اپنے مولیٰ سے عشق ہے۔

(۴) اِذَا خَلَا فِی الظَّلَامِ مُبْتَہِلاً ۔ اَجَابَہُ اللّٰہُ ثُمَّ لَبَّاہُ

جب وہ اندھیری رات میں تن تنہا عاجزی کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی پکار کا جواب ہو اور لبیک ہو"

وہ شخص پہلا مصرع عَلَیْکَ یَا ذَا الْجَلَالِ مُعْتَمِدِیْ بار بار پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا، اس کے بے اختیار رونے سے مجھے بھی اس پر ترس کھا کر رونا آگیا، پھر اس نے ایسا کلام کیا جس سے میں یہ سمجھا کہ اس کو کوئی خاص نور نظر آیا، اور اس نے کسی کو یہ دو پڑھتے ہوئے سنا جن کا ترجمہ یہ ہے "میرے بندے، میں موجود ہوں، تو میری حفاظت میں ہے اور جو کچھ تو کہہ رہا ہے ہم اس کو سن رہے ہیں، تیری آواز کے میرے فرشتے مشتاق ہیں اور تیرے سارے گناہ ہم نے معاف کر دیئے"

حضرت ضحاکؒ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اس کو سلام کیا، اس نے جواب دیا۔ میں نے کہا حق تعالیٰ شانہٗ تمہاری اس رات میں برکت عطا فرمائے اور تم میں برکت فرمائے اور تم پر رحم کرے، تم کون ہو، کہنے لگے میں راشد بن سلیمان ہوں، میں نے نام سے ان کو پہچان لیا، کیونکہ میں پہلے سے ان کے حالات سنتا رہتا تھا اور ان سے ملنے کا مشتاق تھا، مگر اس پر قادر نہ ہو سکا تھا، آج اللہ جل شانہٗ نے ایسا سہل کر دیا۔ میں نے خدمت میں رہنے کی درخواست کی، تو فرمایا یہ بہت دشوار ہے بھلا جو شخص رب العالمین سے مناجات کی لذت پاتا ہو وہ مخلوق سے کب اُنس رکھ سکتا ہے، کہنے لگے واللہ اگر ہمارے زمانے کے آدمیوں پر پہلے مشائخ میں سے کسی کا گذر ہو تو وہ کہہ دے گا کہ یہ لوگ تو آخرت کے دن پر ایمان بھی نہیں رکھتے، یہ کہہ کر راشد میری نظر سے غائب ہو گئے اللہ جانے وہ آسمان پر چڑھ گئے یا زمین میں اتر گئے، مجھے ان کی جدائی سے رنج ہوا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مرنے سے پہلے پہلے ان سے پھر ملاقات نصیب ہو جائے، اتفاق سے میں ایک

مرتبہ حج کو گیا، تو کعبہ شریف کی دیوار کے سایہ تلے ان کو بیٹھے دیکھا، اور ایک مجمع اُن کے پاس تھا جو سورۂ اَنعام ان کو سُنا رہا تھا، جب انہوں نے مجھے دیکھا تو تبسّم فرمایا کہ یہ علماء کی مہربانی ہے اور وہ اولیاء کی تواضع تھی، پھر اُٹھے اور مجھ سے مُصافحہ اور مُعانقہ کیا، اور فرمایا کہ تم نے اللہ سے دُعا کی تھی کہ مرنے سے پہلے ان سے ملاقات ہو جائے میں نے عرض کیا، جی ہاں، دُعا کی تھی۔

فرمایا اَلحمدُ للہِ علیٰ ذٰلک، میں نے عرض کیا اللہ آپ پر رحم کرے، اس رات کو جو کچھ آپ نے دیکھا تھا اور سُنا تھا وہ مجھے بتا دیجئے، انہوں نے زور سے ایک ایسی چیخ ماری، جس سے میں یہ سمجھا کہ ان کا دِل کا پردہ پھٹ گیا، اور بیہوش ہو کر گر گئے اور جو مجمع ان کے پاس تھا اور پڑھ رہا تھا وہ چلا گیا، جب ان کو ہوش آیا تو فرمایا میرے بھائی کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ کے چاہنے والوں کے دلوں میں کس قدر خوف اور ہیبت اس کے اَسرار کے کھولنے میں ہوتی ہے، میں نے پوچھا اچھا یہ کون لوگ ہیں جو آپ کے پاس پڑھ رہے تھے، فرمایا یہ جنّات کی جماعت تھی، قدیم تعلّقات کی بناء پر میں ان کا احترام کرتا ہوں، یہ ہر سال میرے ساتھ حج کیا کرتے ہیں، اور مجھ کو قرآن شریف سُنایا کرتے ہیں، پھر انہوں نے مجھ کو رخصت کیا، اور فرمایا حق تعالیٰ شانہٗ جنّت میں تم کو ملا دے جہاں نہ جدائی ہو گی نہ مشقت، نہ غم ہو گا نہ کُلفت، یہ کہہ کر پھر مجھ سے غائب ہو گئے، اس کے بعد میں نے ان کو نہ دیکھا (روض)۔

۴۵ : کہتے ہیں حرم شریف کے عابدوں میں ایک عابد تھے، جو ہر وقت خُدا تعالیٰ میں مشغول رہتے ہمیشہ روزہ رکھتے، اور شام کو روزانہ ایک آدمی ان کو دو روٹیاں دیجاتا، ان سے روزہ افطار کر لیتے، ایک دن ان کے دِل میں خیال آیا کہ تو اپنی روزی میں اس آدمی پر اطمینان رکھتا ہے، اور ساری مخلوق کے رازق کو بھلا رکھا ہے یہ بڑی غفلت کی بات ہے، جب شام کو حسبِ معمول وہ روٹی دینے والا آیا، تو اس کی روٹی واپس کر دی وہ تو چلا گیا لیکن اس عابد پر تین دن ایسے گذرے کہ کچھ کھانے کو نہ ملا، حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں اِلتجا کی تو رات کو خواب میں دیکھا کہ حق تعالےٰ شانہٗ کی بارگاہ میں کھڑا ہوں اور حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ میرے بندے تو نے وہ روٹیاں جو میں نے اپنے ایک بندے کے ہاتھ بھیجی تھیں کیوں واپس کر دی تھیں، میں نے عرض کیا یا اللہ مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ اس میں تیرے غیر کی طرف قلب کو طمانیت ہوتی ہے، ارشاد ہوا اس کو تیرے پاس کون بھیجتا تھا، میں نے عرض کیا کہ آپ ہی بھیجتے تھے، ارشاد ہوا کہ تو کس سے لیتا تھا، عرض

کیاکہ آپ ہی سے لیتا تھا، ارشاد ہوا کہ ان کو لے لے پھر ایسا نہ کرنا۔ اس کے بعد خواب ہی میں دیکھا کہ وہ روٹی دینے والا بھی حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں کھڑا ہے، اس سے ارشاد ہوا کہ میرے بندے تو نے میرے بندے کی روٹی کیوں بند کر دی، اس نے عرض کیا یا اللہ تجھے خوب معلوم ہے، ارشاد ہوا کہ تو وہ روٹی کس کو دیتا تھا، اس نے عرض کیا یا اللہ آپ ہی کو دیتا تھا ارشاد ہوا کہ تو وہ روٹی حسبِ معمول جاری کر دے تجھے اس کے بدلہ میں جنت ملے گی (روض)۔

۴۶: **احمد بن ابی الحواریؒ** کہتے ہیں کہ میں ابوسلیمان دارانیؒ کے ساتھ مکہ مکرمہ کے راستہ میں جا رہا تھا، کہ میرا مشکیزہ گر گیا، میں نے ابوسلیمان سے اسکی خبر کی، انہوں نے کہا یَارَادَّ الضَّالَّۃِ اُرْدُدْ عَلَیْنَا الضَّالَّۃَ (اے گم شدہ چیز کے لوٹانیوالے ہماری گمشدہ چیز ہم پر لوٹا دے) تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ ایک شخص آواز دے رہا تھا کہ یہ مشکیزہ کس کا گرا ہے، میں نے دیکھا تو وہ میرا ہی تھا، میں نے لے لیا تو ابوسلیمان کہنے لگے کہ اے احمد کیا تجھے یہ گمان ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں بغیر پانی ہی کے رکھیں گے۔

اس کے بعد ہم تھوڑی دور چلے سردی بڑی سخت پڑ رہی تھی اور ہم پوستینیں پہن رہے تھے ہم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس پر دو پرانی چادریں ہیں اور اس کو پسینہ آرہا ہے، اس کی ابوسلیمان نے تواضع کی، کہ ہم سردی کے کپڑوں سے کچھ تمہاری مدد کریں، تو اس نے یہ جواب دیا کہ گرمی اور سردی دونوں اللہ جل شانہٗ کی مخلوق ہیں، اگر وہ حکم کرے تو یہ مجھ پر مسلط ہو سکتی ہیں، اور وہ ارشاد فرمادے تو مجھے چھوڑ دیں گی، میں تو اس جنگل میں تیس برس سے پھر تا رہتا ہوں، نہ سردی سے کبھی مجھے کپکپی ہوتی، نہ گرمی میں پسینہ آیا، وہ اپنی محبت کی گرمی کا لباس مجھے سردی کے زمانہ میں پہنا دیتا ہے اور گرمی کے زمانہ میں اپنی محبت کی ٹھنڈک کے ذوق میں لپیٹ دیتا ہے، اے دارانی تم کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہو اور زہد کو چھوڑتے ہو، اس لئے سردی تم کو ستاتی ہے، اے دارانی تم روتے اور چلاتے ہو اور پنکھوں سے راحت پاتے ہو۔ ابوسلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ مجھے حقیقت میں اس شخص کے سوا کسی نے نہیں پہچانا، یعنی میری کمی پر متنبہ کیا (روض)۔

۴۷: ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے طواف میں ایک ادھیڑ عمر کے آدمی کو دیکھا، کہ عبادت کی کثرت نے اس کو ضعیف کر رکھا ہے، اس کے ہاتھ میں لکڑی تھی جس کے سہارے سے وہ طواف کر رہا تھا، میں نے اس سے اس کا شہر پوچھا، اس نے خراسان بتایا، پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے شہر کا راستہ یہاں سے کتنی دور کا ہے، میں نے کہا دو تین ماہ کا، کہنے لگا کہ پھر بھی تم ہر سال حج کو نہیں

آتے، میں نے پوچھا کہ تمہارے شہر سے یہاں تک کا راستہ کتنے دن کا ہے؟ کہنے لگا کہ پانچ برس کا (کہ اس زمانہ میں راستوں کی سہولت کے یہ اسباب حاصل نہ تھے جو اب ہیں، میں نے کہا واللہ یہ حق تعالیٰ شانہٗ کا کھلا فضل ہے، اور اس کے ساتھ سچی محبت کا اثر ہے (کہ اتنا لمبا سفر طے کر کے حاضری میسر ہو جائے) اس پر وہ ہنسا اور دو شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے، "جس سے تجھے عشق ہے اس کی زیارت کر اگرچہ تیرا گھر دور رہو اور اس تک حاضری میں بند شیں اور موانع ہوں، تیرے گھر کی دوری اس کی زیارت سے مانع نہ ہونا چاہیئے اس لئے کہ عاشق اپنے معشوق کا بڑی کثرت سے زیارت کرنے والا ہوتا ہے (روض)۔

۴۸ :- ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ کے راستہ میں ایک جوان کو دیکھا وہ ایسی مزے کی چال چل رہا ہے، اکڑتا ہوا جیسا اپنے گھر میں ٹہل رہا ہو، میں نے پوچھا یہ کیسی چال ہے کہنے لگا یہ چال ان جوانوں کی ہے جو رحمٰن کے خادم ہیں، اور دو شعر پڑھے جن کا یہ ترجمہ ہے "میں تیری وجہ سے فخر کرتا ہوا حیران و سرگرداں پھرتا ہوں، مگر جب تیرا ذکر ہو تو خوف کی وجہ سے پگھلنے لگتا ہوں، اگر مجھ میں مرنے کی قدرت ہوتی تو تیرے اشتیاق میں اور تیرے عظیم مرتبہ کے اکرام میں مر جاتا، پھر میں نے پوچھا کہ تیری سواری اور توشہ کہاں ہے؟ تو اس نے بُری طرح مجھے گھورا، پھر کہنے لگا ارے غور تو کر اگر کوئی ضعیف غلام کسی کریم آقا کے دولت کدہ پر زیارت کی غرض سے حاضر ہوا اور اپنا کھانا پینا باندھ کر ساتھ لائے تو وہ آقا اپنے غلاموں کو حکم دے گا کہ اس کو یہاں سے نکال دو، میرے آقا جل جلالہٗ نے جب مجھے اپنے گھر بلایا تو اپنے اوپر توکل اور اعتماد مجھے عطا فرما دیا، یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔

۴۹ : ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں تھا، ایک فقیر کو دیکھا، کہ اس نے طواف کیا، اس کے بعد اپنی جیب سے ایک پرچہ نکالا اور اس کو پڑھا، دوسرے اور پھر تیسرے دن بھی ایسا ہی کیا، اس کے بعد ایک دن اس نے طواف کیا، اور جیب سے نکال کر پرچہ پڑھا اور تھوڑی دور چلا، اور مر کے گر گیا، میں نے اس کی جیب سے پرچہ نکال کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (طور، ع ۲) تو اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر رہ، کیوں کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، (روض)۔

اصل آیتِ شریفہ میں تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے جس کا اوپر سے بیان ہے کہ آپ کے ان ظالم مخالفین کے لئے عذاب تجویز ہے، آپ اپنے رب کی اس تجویز پر صبر

سے بیٹھے رہیں (اور کچھ فکر نہ کریں) اس لئے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں، مگر آیتِ شریفہ کے عموم کا ترجمہ وہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔

۵۰: حضرت بشر حافی رح کی خدمت میں ایک مجمع حاضر ہوا، اور سلام کیا، حضرت نے دریافت فرمایا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا ہم شام کے رہنے والے ہیں، حج کے ارادہ سے جا رہے ہیں آپ کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوتے ہیں، فرمایا حق تعالیٰ شانہ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے عرض کیا ہماری یہ تمنا ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں، تاکہ آپ کی برکات سے ہم منتفع ہوں، آپ نے انکار فرما دیا، ان لوگوں نے جب بہت زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کہ جب تم نے یہی طے کر رکھا ہے تو تین شرطوں کے ساتھ میں چل سکتا ہوں، اوّل یہ کہ ہمارے ساتھ کچھ سامان نہ ہو، دوسرے یہ کہ ہم راستہ میں کسی سے سوال نہ کریں، تیسرے یہ کہ اگر راستہ میں کوئی ہم کو کچھ دے تو ہم قبول نہ کریں، لوگوں نے عرض کیا کہ پہلی دو شرطیں کہ نہ ہم کچھ ساتھ رکھیں اور نہ کسی سے سوال کریں یہ تو ہو سکتا ہے لیکن باوجود احتیاج کے کوئی شخص کچھ دے اس کو ہم قبول نہ کریں، اس کی طاقت ہم میں نہیں ہے فرمانے لگے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم اپنے گھر سے دوسروں کے توشوں پر بھروسہ کر کے نکلے ہو، اللہ جل شانہ پر بھروسہ نہیں ہے، میں اس حالت میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور تم جاؤ اپنا کام کرو، پھر فرمایا کہ، بہترین فقراء تین قسم کے ہیں، اوّل وہ جو خود سوال نہ کرے اور اگر دیا جائے تو قبول نہ کرے، یہ روحانی لوگوں میں سے ہے، یا یہ کہا کہ روحانیین کے ساتھ ہے۔ دوسری قسم وہ ہے کہ خود تو سوال نہ کرے لیکن اگر دیا جائے تو قبول کر لے، اس کے لئے حضرتِ قدس میں دسترخوان بچھائے جاتے ہیں، تیسری قسم یہ کہ سوال کرے اور بقدرِ ضرورت لے لے اس کی صداقت اس کے فعل کا کفارہ ہو جاتی ہے (روض)۔

۵۱: حضرت شیخ ابو جعفر حداد رح جو حضرت شیخ جنید بغدادی رح کے استاد ہیں فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تھا، میری حجامت بہت بڑھ گئی، اور پیسہ پاس نہ تھا کہ حجامت بنوالوں میں ایک حجام کے پاس جو چہرہ سے بھلا آدمی معلوم ہوتا تھا گیا، اور اس سے کہا کہ اللہ کے واسطے میری حجامت بنا دوگے؟ کہنے لگا، ہاں ہاں، بڑے اکرام کے ساتھ، وہ ایک دنیا دار کی حجامت بنا رہا تھا، اس کو درمیان میں روک کر پہلے میری حجامت بنائی، اور پھر مجھے ایک کاغذ کی پڑیا دی اس میں چند دراہم تھے، میں نے وہ لے لئے، اور یہ ارادہ کیا کہ جب مجھے سب سے پہلے کچھ ملے گا تو

اس حجام کو دوں گا، میں مسجد میں گیا وہاں میرا ایک بھائی ملا، اس نے کہا کہ تمہارے ایک بھائی بصرہ سے ایک تھیلی تمہارے واسطے لائے ہیں، اس میں تین سو اشرفیاں ہیں وہ اللہ کے واسطے تمہیں دے گئے ہیں، میں نے وہ تھیلی لے لی، اور حجام کے پاس جاکر کہا کہ یہ تین سو اشرفیاں ہیں، ان کو تم اپنی ضروریات میں خرچ کرلینا۔ حجام نے کہا شیخ تمہیں شرم نہ آئی، اوّل تو تم نے یہ کہا کہ اللہ کے واسطے حجامت بناؤ پھر میں اس پر اُجرت لیلوں، جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ معاف کرے (روض) حضرت شبلیؒ کا بھی اس قسم کا ایک قصہ مشہور ہے (روض)۔

۵۲: حضرت ابراہیم بن اَدہمؒ نے ایک شخص سے طواف کی حالت میں فرمایا کہ یہ بات سمجھ لے کہ تو صالحین کے درجہ کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ چھ گھاٹیوں کو پار نہ کرلے اوّل یہ کہ تو نعمت کے دروازہ کو بند کرے اور سختی کا دروازہ کھولے، دوسرے یہ کہ عزت کے دروازہ کو بند کرے، اور ذلت کے دروازہ کو کھولے تیسرے یہ کہ راحت کے دروازہ کو بند کرے اور مشقت کے دروازہ کو کھولے، چوتھے یہ کہ سونے کے دروازہ کو بند کرے اور جاگنے کے دروازہ کو کھولے، پانچویں یہ کہ غنیٰ کے دروازہ کو بند کرے اور فقر کے دروازہ کو کھولے، چھٹے یہ کہ امیدوں کے دروازے کو بند کرے اور موت کی تیاری کے دروازے کو کھولے (روض)۔

۵۳: محمد بن حسین بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال حج کو گیا، میں اتفاق سے مکہ کے بازار سے گذر رہا تھا کہ ایک بوڑھا آدمی ایک لڑکی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا، لڑکی کا رنگ متغیر ہو رہا تھا، بدن بہت لاغر، لیکن اس کے چہرے پر ایک نورانی چمک تھی، وہ بوڑھا پکار رہا تھا، کہ کوئی اس لڑکی کا خریدار ہے، کوئی ہے جو اس کو پسند کرے، کوئی ہے جو بیس ۲۰ اشرفی سے اس کی قیمت زیادہ دے اس شرط پر کہ میں اس کے ہر عیب سے بَری ہوں، میں نے اس شیخ کے قریب جاکر پوچھا کہ اس باندی کی قیمت کا حال تو معلوم ہو گیا اس میں عیب کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ یہ لڑکی پاگل ہے، ہر وقت غمزدہ رہتی ہے، رات بھر نماز پڑھتی ہے، دن بھر روزہ رکھتی ہے، نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے ہر جگہ بالکل تنہائی پسند کرتی ہے۔ جب میں نے اس کی بات سُنی، تو وہ لڑکی مجھے پسند آگئی، اور میں نے اس کو خرید لیا اور اپنی قیام گاہ پر لے گیا، میں نے اس کو دیکھا کہ وہ زمین کی طرف سر جھکائے بیٹھی ہے، پھر اس نے سر اٹھایا اور کہنے لگی، کہ میرے چھوٹے آقا! آپ کا وطن کہاں ہے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، میں نے کہا عراق ہے، کہنے لگی کہ کونسا عراق، بصرہ یا کوفہ؟ میں نے کہا دونوں نہیں،

کہنے لگی تو کیا آپ بغداد کے رہنے والے ہیں؟ میں نے کہا ہاں، کہنے لگی واہ واہ وہ تو عابدوں کا شہر ہے، زاہدوں کا شہر ہے، مجھے تعجب ہوا کہ یہ باندی ایک کوٹھری سے دوسری کوٹھری میں جانے والی اسکو عابدوں زاہدوں کی کیا خبر، میں نے اس سے دل لگی کے طور پر پوچھا کہ تو ان میں سے کن کن عابدوں کو جانتی ہے کہنے لگی، مالک بن دینارؒ کو، بشر حافیؒ کو، صالح مریؒ کو، ابو حاتم سجستانیؒ کو، معروف کرخیؒ کو، محمد بن حسین بغدادیؒ کو، رابعہ عدویہؒ کو، شعوانہؒ کو، میمونہؒ کو۔

میں نے اس سے پوچھا کہ تجھے ان سب کا حال کس طرح معلوم ہوا؟ کہنے لگی اے جوان میں ان کو کیسے نہ جانوں، خدا کی قسم یہ لوگ دلوں کے طبیب ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو عاشق کو معشوق کا راستہ بتاتے ہیں، پھر اس نے چار شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

"یہ قوم وہ لوگ ہیں جن کے فکر اللہ کے ساتھ وابستہ ہو گئے، پس ان کے لئے کوئی فکر ہی کسی اور کا نہیں رہا، ان لوگوں کا مقصد صرف ان کا مولیٰ اور ان کا سردار ہے، کیا ہی بہترین مقصد ہے جو صرف ایک بے نیاز ذات کے واسطے ہے، نہ تو دنیا ان سے الجھتی ہے اور نہ کھانوں کی عمدگی، نہ دنیا کی لذتیں، نہ اولاد، نہ ان سے اچھا لباس جھگڑتا ہے، نہ مال کی روز افزوں زیادتی نہ تعداد کی کثرت۔"

اس کے بعد میں نے کہا اے لڑکی میں محمد بن حسین ہی ہوں، کہنے لگی کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ تم سے میری کہیں ملاقات ہو جائے، تمہاری وہ دل کش آواز کیا ہوئی جس سے تم مریدین کے دلوں کو زندہ کیا کرتے تھے، اور سننے والوں کی آنکھیں اس سے بہہ جایا کرتی تھیں، میں نے کہا بحالہٖ موجود ہے، کہنے لگی، خدا کی قسم مجھے قرآن پاک کچھ سنا دو، میں نے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ پڑھی تو اس نے بہت زور سے ایک چیخ ماری، اور بیہوش ہو گئی، میں نے اس پر پانی چھڑکا جس سے اس کو افاقہ ہوا، تو کہنے لگی جس کے نام کا یہ اثر ہے اگر میں اس کو پہچان لوں اور جنت میں اس کو دیکھ لوں گی تو کیا حال ہوگا، پھر کہنے لگی اچھا پڑھئے، اللہ جل شانہٗ آپ پر رحم کرے، میں نے یہ آیت پڑھی:۔

اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ اجۡتَرَحُوا	"وہ جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ گمان کرتے
السَّيِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِيۡنَ	ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر کر دیں گے
اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے کہ ان سب کا

سَوَآءً مَّحۡيَاهُمۡ وَمَمَاتُهُمۡ ۚ سَآءَ مَا يَحۡكُمُونَ (جاثیہ ع ٢) جینا مرنا ایک سا ہو جائے (جو ایسا گمان کرتے ہیں) بہت بُری تجویز کر رہے ہیں۔"

یہ آیت سُن کر وہ کہنے لگی کہ اللہ کا شکر ہے ہم نے کبھی کسی کی نہ پرستش کی، نہ کسی صنم کو بوسہ دیا، اور کچھ پڑھیے اللہ آپ پر رحم کرے، میں نے پڑھا :

إِنَّآ أَعۡتَدۡنَا لِلظَّٰلِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمۡ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِن يَسۡتَغِيثُواْ يُغَاثُواْ بِمَآءٍ كَٱلۡمُهۡلِ يَشۡوِي ٱلۡوُجُوهَ ۚ بِئۡسَ ٱلشَّرَابُ وَسَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا ۝ (سورۂ کہف، ع ۴)

"بیشک ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گی، اور اگر وہ لوگ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو تیل کے تلچھٹ کی طرح (بدہیئت) ہوگا (اور ایسا سخت گرم) کہ مونہوں کو پکا دے گا، کیا ہی بُرا پانی ہوگا، اور (جہنم) کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہوگا۔"

وُہ کہنے لگی تم نے اپنے دِل پر نا امیدی لازم کر دی، اپنے دِل کو امید اور خوف کے درمیان معتدل کرو، کچھ اور پڑھو، اللہ جلّ شانُہٗ آپ پر رحم کرے، تو میں نے پڑھا :

وُجُوهٌ يَوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ ۝ (عبس)

"بہت سے چہرے اس دن خنداں وشاداں ہوں گے۔"

اور یہ پڑھا : وُجُوهٌ يَوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (قیمہ، ع ١)

"بہت سے چہرے اس دن بارونق ہوں گے، اور اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

اس پر وہ کہنے لگی ہائے مجھے اس دن اس کی ملاقات کا کتنا اشتیاق ہوگا جس دن وہ اپنے دوستوں کے لئے تجلی فرمائے گا، کچھ اور پڑھئے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، میں نے یہ آیت پڑھی : يَطُوفُ عَلَيۡهِمۡ وِلۡدَٰنٌ مُّخَلَّدُونَ ۝ بِأَكۡوَابٍ وَأَبَارِيقَ ۝ وَكَأۡسٍ مِّن مَّعِينٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنۡهَا وَلَا يُنزِفُونَ ۝ چند آیتیں لِأَصۡحَٰبِ ٱلۡيَمِينِ تک یعنی سورۂ واقعہ کے پہلے رکوع کے ختم تک پڑھیں جن کا ترجمہ یہ ہے : کہ

"ان (اعلیٰ درجہ والوں) کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر ہمیشہ آتے جاتے رہیں گے آبخورے اور آفتابے اور ایسے گلاس جو بہتی ہوئی شراب سے بھرے

گئے ہوں گے کہ نہ اس شراب سے ان کو سر کا درد ہوگا (یعنی چکر آئے گا) نہ عقل میں فتور آئے گا، اور ایسے میوے لے کر آئیں گے جن کو یہ لوگ پسند کریں، اور پرندوں کا گوشت جوان کو مرغوب ہو اور ان کے لیے خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی، جیسا کہ (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا موتی، یہ سب کچھ بدلہ ہے ان اعمال کا جو وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے (یہ لوگ جنت میں) نہ بک بک سنیں گے نہ کوئی اور بیہودہ بات، بس سلام ہی سلام کی آواز (ہر طرف سے) آئے گی، اور (نمبر ۲ کے حضرات) جو داہنے والے ہیں (یعنی ان کے اعمال نامے داہنے ہاتھ میں ملے ہیں) وہ داہنے والے بھی کیسے اچھے آدمی ہیں، وہ ان باغوں میں رہیں گے جہاں بغیر کانٹوں کی بیریاں ہونگی، اور تہ بتہ کیلے لگے ہوئے ہوں گے، اور بہت لمبا سایہ ہوگا اور بہتا ہوا پانی ہوگا، اور بہت کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے، اور نہ ان میں کسی قسم کی روک ٹوک ہوگی (جتنا جس کا دل چاہے کھائے) اور اونچے اونچے فرش ہوں گے اور (ان کے لیے بھی عورتیں ہوں گی جن کو) ہم نے خاص طور سے بنایا یعنی ایسا بنایا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کنواریاں ہی رہیں گی، (یعنی صحبت کے بعد پھر کنواری بن جائیں گی) اور (ناز وانداز کے لحاظ سے) محبوبہ ہوں گی، (اور جنت والوں کی) ہم عمر ہوں گی، اور یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں (ترجمہ ختم ہوا)

پھر وہ لڑکی مجھ سے کہنے لگی، میرا خیال ہے کہ تم نے بھی حوروں سے منگنی کی ہے، کچھ ان کے مہروں کے واسطے بھی خرچ کیا ہے؟ میں نے پوچھا کہ مجھے بتادے ان کا مہر کیا ہوگا، میں تو فقیر آدمی ہوں کہنے لگی رات کو تہجد پڑھنا، دن کو روزہ رکھنا اور فقراء و مساکین سے محبت رکھنا، اس کے بعد اس باندی نے چھ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے :-

دو اے وہ شخص جو حوروں سے ان کے پردہ میں منگنی کرتا ہے اور ان کے عالی مرتبہ کے باوجود ان کا طالب ہے، کوشش کے ساتھ کھڑا ہو جا سستی ہرگز نہ کر، نفس سے مجاہدہ کر، اس کو صبر کا عادی بنا، رات کو تہجد پڑھا کر، دن کو روزہ رکھا کر، یہ ان کا مہر ہے، اگر تیری دونوں آنکھیں ان کو اس حال میں دیکھ لیں جب کہ وہ تیری طرف متوجہ ہو رہی ہوں اور ان کے سینوں پر اناروں کی طرح سے ان کے پستان ابھر رہے ہوں اور وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ چل رہی ہوں، اور ان کے سینوں پر چمکتے ہوئے ہار

پڑے ہوئے ہوں، تو اس وقت تیری نگاہ میں یہ دُنیا کی جتنی زیب و زینت ہے ساری ہی مُسک بن جائے۔"

یہ اشعار پڑھ کر اس کو بیہوشی طاری ہوگئی، میں نے پھر اس کے چہرہ پر پانی وغیرہ چھڑکا تو اس کو افاقہ ہوا اور اس نے یہ شعر پڑھے ؎

اِلٰهِیْ لَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنِّیْ مُقِرٌّ بِالَّذِیْ قَدْ کَانَ مِنِّیْ

"اے اللہ تعالیٰ تو مجھے عذاب سے بچائیو، بے شک میں اپنے گناہوں کا جو مجھ سے صادر ہوئے اقرار کرنے والی ہوں۔

فَکَمْ مِّنْ زَلَّةٍ لِّیْ فِی الْخَطَایَا غَفَرْتَ وَاَنْتَ ذُوْفَضْلٍ وَّمَنٍّ

تو نے کتنی کثرت سے میری خطاؤں کی لغزشیں معاف فرمائی ہیں، تو بڑے فضل والا ہے، بڑے احسان والا ہے۔"

یَظُنُّ النَّاسُ بِیْ خَیْرًا وَّاِنِّیْ لَشَرُّ النَّاسِ اِنْ لَّمْ تَعْفُ عَنِّیْ

لوگ مجھے اچھا آدمی گمان کرتے ہیں، لیکن اگر تو میری خطائیں معاف نہ کر دے تو میں بدترین آدمی ہوں۔"

وَمَالِیْ حِیْلَةٌ اِلَّا رَجَائِیْ لِعَفْوِكَ اِنْ عَفَوْتَ وَحُسْنُ ظَنِّیْ

میرے لئے کوئی تدبیر نہیں اس کے سوا کہ تیری بخشش کی امید ہے، اور تیرے ساتھ مجھے حسنِ ظن ہے (کہ تو ضرور کرم کرے گا)۔

یہ اشعار پڑھ کر اس باندی کو پھر غشی ہوگئی، میں جو اس کے قریب پہنچا تو مر چکی تھی مجھے اس کے انتقال کا بیحد صدمہ ہوا، میں اُٹھ کر بازار گیا کہ اس کی تجہیز و تکفین کا سامان خرید کر لاؤں، جب میں بازار سے لوٹا تو وہ کفنی کفنائی خوشبو لگی ہوئی معطر نعش رکھی ہوئی تھی، دو سبز کپڑوں میں اس کا کفن تھا جو جنت کا لباس تھا، کفن میں دو سطریں نور سے لکھی ہوئی تھیں، پہلی سطر پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا، دوسری پر یہ آیت اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس) - خبردار رہو کہ اللہ کے ولیوں کو نہ تو خوف ہوتا ہے نہ غمگین ہوتے ہیں" میں اور میرے ساتھی اس کے جنازہ کو اُٹھا کر لے گئے، جنازہ کی نماز پڑھ کر دفنا دیا، اور اس کی قبر پر سورہ یٰسین شریف پڑھ کر اپنے حجرہ میں چلا آیا، میری آنکھوں سے

آنسو بہہ رہے تھے، دِل اس کے فراق سے غمگین تھا، واپس آکر میں نے دو رکعت نماز پڑھی، اور سو رہا، خواب میں دیکھا کہ وہ لڑکی جنّت میں پھر رہی ہے نہایت مہکتے ہوئے زعفران کے باغیچہ میں ہے، ریشم کے اور اِستبرق کے جوڑے پہن رہی ہے، اس کے سر پر ایک موتیوں سے جڑا ہُوا تاج ہے اور پاؤں میں سُرخ یاقوت کے جوتے ہیں مشک وعنبر کی خوشبو اس سے مہک رہی ہے، اس کا چہرہ شمس وقمر سے زیادہ روشن ہے، مَیں نے کہا اے لڑکی ذرا ٹھہر تو یہ تو بتادے کہ یہ مرتبہ کس عمل کی بدولت تجھے مِلا؟ کہنے لگی کہ فقراء اور مساکین کی محبّت سے اور اِستغفار کی کثرت سے اور مسلمانوں کے راستہ میں سے تکلیف دینے والی چیز کے ہٹادینے سے، پھر اس نے تین شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

وہ مُبارک ہے وہ شخص جس کی آنکھیں راتوں کو جاگتی ہوں اور اپنے مالک کے عشق کی بے چینی میں رات گذار دے اور کسی دن اپنی کوتاہیوں پر نوحہ کرلیا کرے، اور اپنی خطاؤں پر رولیا کرے اور شب کو اکیلا کھڑا ہو، اللہ کے عذاب کے خوف سے اختر شماری کرتا ہو، اس حال کی حق تعالیٰ کی نگاہ حفاظت کر رہی ہو (روض)۔

۵۴:۔ حضرت شیخ ابراہیم خوّاصؒ کا معمول تھا کہ جب کہیں سفر کو تشریف لے جاتے نہ کسی سے تذکرہ کرتے، نہ کسی کو خبر ہوتی، ایک لوٹا ہاتھ میں لیا، اور چلدیتے، حامد اسوَد کہتے ہیں ایک مرتبہ میں بھی مسجد میں حاضرِ خدمت تھا، آپ حسبِ معمول لوٹا لے کر چل دیئے میں بھی پیچھے پیچھے ہولیا، جب ہم قادسیہ میں پہنچے تو آپ نے دریافت فرمایا، حامد کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو ہمر کابی کے لئے چل پڑا، فرمایا میرا ارادہ تو مکّہ مکرمہ جانے کا ہے، مَیں نے عرض کیا میں بھی اِنشاءاللہ وہیں چلوں گا، جب ہم کو چلتے چلتے تین دن ہوگئے تو ایک نوجوان ہمارے ساتھ اور بھی ہولیا، اور ایک دن رات وہ ہمارے ساتھ چلتا رہا، لیکن اس نے ایک بھی نماز نہ پڑھی۔

میں نے شیخ سے عرض کیا کہ یہ تیسرا آدمی جو ہمارے ساتھ مِل گیا نماز نہیں پڑھتا شیخ نے اس سے پوچھا کہ تو نماز کیوں نہیں پڑھتا! اس نے کہا میرے ذمہ نماز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، کیوں، کیا تو مسلمان نہیں ہے؟ اس نے کہا نہیں میں تو نصرانی ہوں، لیکن میں نصرانیت میں بھی توکّل پر گذر کرتا ہوں، میرے نفس نے یہ دعوےٰ کیا تھا کہ وہ توکّل میں پختہ ہوگیا، میں نے اس کو جھٹلایا اور اس جنگل بیابان میں جہاں معبود کے سوا کوئی بھی نہیں ہے، لا ڈالا، تاکہ اس کے دعوے

کا امتحان کروں،

شیخ اس کی یہ بات سُن کر چل دیئے، اور مجھ سے فرمایا کہ اس سے تعرّض نہ کرو تمہارے ساتھ پڑا چلتا رہے، وہ ہمارے ساتھ چلتا رہا، یہاں تک کہ ہم بطن مَرّو پر پہنچے وہاں شیخ نے اپنے میلے کپڑے بدن سے اُتارے اور ان کو دھویا، پھر اس لڑکے سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا، عبدالمسیح، شیخ نے فرمایا، عبدالمسیح یہ مکّہ کی دہلیز ہے یعنی حرم آگیا، اور اللہ جلّ شانہٗ نے مشرکوں کا داخلہ اس میں ممنوع قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:- اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (توبہ - ۴) "مشرکین ناپاک ہیں یہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ ہوں"

اور اپنے نفس کا جو تو امتحان کرنا چاہتا تھا وہ تجھ پر ظاہر ہی ہو گیا، پس ایسا نہ ہو کہ تو مکّہ میں داخل ہو جائے، اگر ہم تجھے وہاں دیکھیں گے تو اعتراض کریں گے۔

حامد کہتے ہیں کہ ہم اس کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، مکّہ مکرّمہ پہنچے، اس کے بعد جب ہم عرفات پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لڑکا احرام باندھے ہوئے لوگوں کے منہ دیکھتا ہوا ہمارے پاس پہنچ گیا، اور شیخ کے اوپر گر پڑا، شیخ نے پوچھا عبدالمسیح کیا گذری، کیا ہوا؟ کہنے لگا، ایسا نہ کہو، اب میں عبدالمسیح نہیں ہوں، بلکہ اس کا غلام ہوں جس کے حضرت مسیح عَلَیْہِ السَّلَام بھی غلام تھے، حضرت ابراہیمؒ نے پوچھا کہ اپنی سرگذشت تو سناؤ، کہنے لگے کہ جب تم مجھے وہاں چھوڑ کر چلے آئے تو میں اسی جگہ بیٹھ گیا، اور جب مسلمانوں کا ایک اور قافلہ آیا، تو میں بھی مسلمانوں کی طرح احرام باندھ کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے ان کے ساتھ ہو لیا، جب مکّہ مکرّمہ پہنچ کر بیت اللہ پر میری نظر پڑی، تو اسلام کے علاوہ جتنے مذاہب تھے وہ سب ایک دم میری نگاہ سے گر گئے، میں نے غسل کیا، مسلمان ہوا اور احرام باندھا اور آج صبح سے تم کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں، اس کے بعد سے ہم اور وہ ساتھ ہی رہے یہاں تک کہ صوفیہ ہی کی جماعت میں اس کا انتقال ہوا (روض)۔

۵۵ حضرت ابُو سعید خرّازؒ فرماتے ہیں کہ میں مکّہ مکرّمہ میں تھا، ایک مرتبہ باب بنی شیبہ سے گذر رہا تھا کہ میں نے ایک نوجوان کی نعش رکھی ہوئی دیکھی جو نہایت حسین چہرہ والا تھا، میں نے جو اس کے چہرہ کو غور سے دیکھا تو وہ تبسّم کرتے ہوئے کہنے لگا ابُو سعید تمہیں معلوم نہیں کہ عشّاق مرتے نہیں، بلکہ وُہ زندہ ہی رہتے ہیں، اگرچہ ظاہر میں مر جائیں ان کی موت ایک عالم سے دوسرے عالم میں انتقال ہوتا ہے۔

شیخ ابو یعقوب سُنوسیؒ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید مکہ مکرمہ میں آیا اور کہنے لگا کہ اے استاد میں کل کو ظہر کے وقت مر جاؤں گا، یہ اشرفی لے لیجئے اس میں سے نصف تو قبر کھودنے والے کی اُجرت ہے، اور نصف کفن وغیرہ کی قیمت ہے۔ جب دوسرے دن ظہر کا وقت آیا......

وہ مسجدِ حرام میں آیا اور طواف کیا اور تھوڑی دُور جا کر مر گیا، میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی، جب اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا، کیا مرنے کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا، ہاں میں زندہ ہوں، اور اللہ جلّ شانہٗ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے (روض)۔

ہمارے اکابر میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید تھانویؒ کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحبؒ بڑے صاحبِ تصرّف بزرگ تھے، ان کے تصرُّفات اور زود اثر تعویذوں کے بہت سے قصے میں نے اپنے اکابر سے جنہوں نے ان کی زیارت کی اور ان کے تصرُّفات دیکھے بکثرت سُنے ہیں۔

یہ قصہ میں نے اپنے ماموں مولوی محمود صاحب رامپوری سے سُنا ہے کہ انہوں نے اِنتقال سے ایک دن قبل مولوی محمود صاحب سے فرمایا کہ ہمیں بہت سے چٹکلے معلوم ہیں، ایک تمہیں بھی بتا دیں گے، گھر بیٹھے دو سو روپے ماہوار ملتے رہیں گے کسی وقت پوچھ لینا، میں نے کہا بہتر ہے، خیال کیا کہ کسی دن فرصت کے وقت پوچھ لوں گا، شام کو عصر کی نماز کے وقت جب تکبیر ہو رہی تھی صف سے ذرا آگے منہ نکال کر میری طرف چپکے سے اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ بات یاد رکھنا، پھر ہم چلے جائیں گے،

مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا وقت اس کا تھا، دوسرے دن صبح کو دیوبند وغیرہ متعدد جگہ احباب کو خطوط لکھوائے جن میں مختلف اُمور کے ساتھ یہ لفظ بھی تھا کہ میرا آج سفر کا ارادہ ہے ہم لوگ یہ سمجھے تو ہے کہ اکثر بھوپال قیام رہتا ہے، وہاں تشریف لے جانے کا ارادہ ہو گا یا کہیں اور، رعب کی وجہ سے ہر شخص ہر وقت بات کرنے کی جُرأت نہ کرتا تھا، اگرچہ طبع مُبارک میں مزاح بےحد تھا لیکن اس کے ساتھ ہی جلال بھی بہت تھا۔ شام کو عصر کی نماز پڑھ کر جب ہم سب گھر کی طرف چلے، وُہ اکثر اوقات مسجد میں تشریف رکھا کرتے تھے اس لئے مسجد میں رہ گئے، چند ہی قدم باہر چلے تھے کہ ایک شخص پیچھے سے دوڑا ہوا آیا کہ حضرت حافظ صاحبؒ کا وصال ہو گیا، ہم لوگ حیرت سے واپس

ہوئے کہ ابھی سب کے ساتھ نماز پڑھی ہے، مسجد میں آکر دیکھا تو چارپائی پر قبلہ رُخ لیٹے ہوئے ہیں، لنگی جو ہمیشہ کا معمول تھی بندھی ہوئی ہے اور کرتہ نکلا ہوا سرہانے رکھا ہے رَحِمَہُ اللہُ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً۔

۵۶ :- سعید بنُ اَبی عَرُوبَہ رح فرماتے ہیں کہ حجّاج ثقفی (جس کا ظلم و ستم شہرۂ آفاق ہے) جب حج کو گیا تو راستہ میں ایک جگہ منزل پر خادموں سے ناشتہ طلب کیا اور اپنے دربان سے کہا کہ دیکھو یہاں کوئی مقامی آدمی ہو تو اس کو میرے ساتھ کھانا کھانے کے لئے بلا لا، تاکہ میں اس سے یہاں کے حالات کی تحقیق کروں، وہ گیا اور پہاڑ پر ایک بدو دو چادروں میں پڑا ہوا سو رہا تھا، اس کو لات مار کر اٹھایا کہ چل تجھ کو امیر بلا رہے ہیں، وہ آیا تو حجّاج نے کہا کہ ہاتھ دھو کر میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ۔ اس بدو نے کہا کہ مجھے اس نے دعوت دے رکھی ہے جو تجھ سے بھی افضل ہے۔ حجاج نے کہا وہ کون؟ کہنے لگا کہ حق تعالےٰ شانہٗ نے مجھے روزہ کی دعوت دی ہے۔ حجّاج کہنے لگا ایسی سخت گرمی میں روزہ؟ بدّو نے کہا ہاں، ایسے دن کے لئے جو اس سے بھی زیادہ سخت گرم ہوگا، حجّاج نے کہا آج افطار کرلو کل قضا رکھ لینا، بدّو نے کہا اگر تم اس کا ذمہ لو کہ میں کل تک زندہ رہوں گا تو میں افطار کرلوں۔ حجاج نے کہا اس کا کون ذمہ لے سکتا ہے، کہنے لگا تو پھر نقد کو ایسے اُدھار پر مُحوّل کرتا ہے جس کا ذمہ بھی نہیں لیتا، حجّاج نے کہا یہ کھانا بہت لذیذ ہے، بدّو نے کہا کہ نہ تم اس کو لذیذ بنایا نہ باورچی نے، بلکہ تندرستی نے اس کو اچھا کر رکھا ہے مُصنِّف نے دو شعروں میں اس کی توضیح کی ہے، کہ "کھانے کو باورچی اچھا نہیں کرتا بلکہ تندرستی سے کھانا اچھا ہوتا ہے، اگر میری صحت اچھی نہیں تو کوئی بھی کھانا لذیذ نہیں، اور صحت اچھی ہے تو ساری کھانے کی چیزیں لذیذ ہیں۔" (روض)

۵۷ :- حجّاج بن یوسف جب حج کو گیا تو ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی موجودگی میں کعبہ کے گرد زور سے لبیک کہتا ہوا طواف کر رہا ہے، حجّاج نے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس پکڑ کر لاؤ، وہ حاضر کیا گیا، حجّاج نے پوچھا، تو کن لوگوں میں سے ہے اس نے کہا، مسلمانوں میں سے، حجّاج نے کہا میں یہ نہیں پوچھتا، اس نے کہا اور کیا مقصد ہے، حجّاج نے کہا کس شہر کا رہنے والا ہے، اس نے کہا یمن کا، حجّاج نے پوچھا کہ تو نے محمد بن یوسف (جو حجّاج کا حقیقی بھائی تھا) کو کس حال میں چھوڑا؟ کہنے لگا بہت موٹا تازہ کثرت سے کپڑے پہننے والا، بہت کثرت سے سواری پر پھرنے والا، کبھی شہر کے اندر کبھی شہر کے باہر گھومنے والا، حجّاج نے کہا میرا یہ سوال نہیں، اس نے

کہا اور کیا مقصد ہے، حجاج نے کہا اس کی عادتیں کیسی ہیں؟ کہنے لگا بڑا ظالم، بڑا جابر، مخلوق کا مُطیع، خالق کا گنہگار،

حُجاج نے کہا تجھے ایسی سخت باتیں کہنے کی کیسے ہمت ہوئی، جبکہ تو اس کا مرتبہ میری نگاہ میں درشتہ داری کی وجہ سے، جانتا ہے، اس نے کہا کیا اس کا مرتبہ تیری نگاہ میں اس سے زیادہ ہے جو میرا مرتبہ اللہ جل شانہٗ کی نگاہ میں ہے، میں اس کے گھر کی زیارت کیواسطے آیا ہوں، اسکے نبی کی تصدیق کرنیوالا ہوں، اس کا فرض ادا کر رہا ہوں، اس کے دین کی اِطاعت کر رہا ہوں۔ یہ سُن کر حجاج چُپ ہو گیا کچھ جواب نہ دے سکا، وہ آدمی واپس چلا گیا اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر کہنے لگا اے اللہ تجھی سے پناہ مانگتا ہوں، اور تجھی کو جائے پناہ بناتا ہوں، اے اللہ تیری کشائش ہی قریب ہے، اور تیرا ہی احسان قدیم ہے اور تیری ہی عادات بہترین ہیں۔ (روض)

۵۸ : ایک بُزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ طواف کر رہا تھا، وفعتہً میں نے ایک لڑکی کو دیکھا، کہ اس کے کاندھے پر ایک بچہ بہت کم سن بیٹھا ہے، اور وہ یہ ندا کر رہی ہے کہ اے کریم اے کریم تیرا گذرا ہوا زمانہ (یعنی کیسا موجب شکر ہے) میں نے پوچھا وہ کیا چیز ہے جو تیرے اور مولیٰ کے درمیان گذری، کہنے لگی کہ میں ایک مرتبہ کشتی پر سوار تھی اور تاجروں کی ایک جماعت ہمارے ساتھ تھی، طوفانی ہوا ایسے زور سے آئی کہ وہ کشتی غرق ہو گئی اور سب کے سب ہلاک ہو گئے میں اور یہ بچہ ایک تختہ پر رہ گئے، اور ایک حبشی آدمی دوسرے تختہ پر، ہم تین کے سوا کوئی بھی ان میں سے نہ بچا جب صبح کا چاندنا ہوا تو اس حبشی نے مجھے دیکھا اور پانی کو ہٹاتا ہٹاتا میرے تختہ کے پاس پہنچ گیا، اور جب اس کا تختہ میرے تختہ کے ساتھ مل گیا تو وہ بھی میرے تختہ پر آ گیا اور مجھ سے بُری بات کی خواہش کرنے لگا، میں نے کہا اللہ سے ڈر ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں اس سے خلاصی اس کی بندگی سے بھی مشکل ہو رہی ہے چہ جائیکہ اس کا گناہ ایسی حالت میں کریں، کہنے لگا ان باتوں کو چھوڑ، خدا کی قسم یہ کام ہو کر رہے گا، یہ بچہ میری گود میں سو رہا تھا، میں نے چپکے سے ایک چٹکی اس کے بھر لی جس سے یہ ایک دم رونے لگا، میں نے اس سے کہا اچھا ذرا ٹھہر جا، میں اس بچہ کو سُلا دوں، پھر جو مقدر میں ہو گا ہو جائے گا، اس حبشی نے اس بچہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس کو سمندر میں پھینک دیا، میں نے اللہ پاک سے کہا اے وہ پاک ذات جو آدمی کے اور اس کے دلی ارادہ میں بھی حائل ہو جاتی ہے، میرے اور اس حبشی کے درمیان تو ہی اپنی طاقت اور قدرت سے جدائی کر، بے تردد

تو ہر چیز پر قادر ہے، خدا کی قسم میں ان الفاظ کو پورا ابھی نہ کرنے پائی تھی کہ سمندر سے ایک بہت بڑے جانور نے منہ کھولے ہوئے سر نکالا، اور اس حبشی کا ایک لقمہ بنا کر سمندر میں گھس گیا اور مجھے اللہ جل شانہٗ نے محض اپنی طاقت اور قدرت سے اس حبشی سے بچا یا وہ ہر چیز پر قادر ہے، پاک ہے اس کی بڑی شان ہے، اس کے بعد سمندر کی موجیں مجھے تھپیڑتی رہیں یہاں تک کہ وہ تختہ ایک جزیرہ کے کنارہ سے لگ گیا، میں وہاں اتر پڑی اور یہ سوچتی رہی کہ یہاں گھاس کھاتی رہوں گی پانی پیتی رہونگی جب تک اللہ جل شانہٗ کوئی سہولت کی صورت پیدا کرے، اسی کی مدد سے کوئی صورت ہو سکتی ہے

چار دن مجھے اس جزیرہ میں گذر گئے پانچویں دن مجھے ایک بڑی کشتی سمندر میں چلتی ہوئی نظر آئی، میں نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر اس کشتی کی طرف اشارہ کیا، اور کپڑا جو میرے اوپر تھا اس کو خوب ہلایا، اس میں سے تین آدمی ایک چھوٹی سی ناؤ پر بیٹھ کر میرے پاس آئے میں ان کے ساتھ اس ناؤ پر بیٹھ کر اس کشتی پر پہنچی تو میرا یہ بچہ جس کو حبشی نے سمندر میں پھینک دیا تھا ان میں سے ایک آدمی کے پاس تھا میں اس کو دیکھ کر اس پر گر پڑی، میں نے اس کو چوما گلے سے لگایا اور میں نے کہا کہ یہ میرا بچہ ہے میرا جگر پارہ ہے، وہ کشتی والے کہنے لگے تو پاگل ہے، تیری عقل ماری گئی ہے، میں نے کہا نہیں پاگل، نہ میری عقل ماری گئی، میرا عجیب قصہ ہے۔

پھر میں نے ان کو اپنی سرگذشت سنائی، یہ ماجرا سُن کر سب نے حیرت سے سر جھکا لیا، اور کہنے لگے تو نے بڑی حیرت کی بات سُنائی، اور اب ہم تجھے ایسی ہی بات سنائیں، جس سے تجھے تعجب ہوگا، ہم اس کشتی میں بڑے لطف سے چل رہے تھے، ہوا موافق تھی اتنے میں ایک جانور سمندر کے پانی کے اوپر آیا، اس کی پشت پر یہ بچہ تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک غیبی آواز ہم نے سُنی کہ اگر اس بچہ کو اسکی پشت پر سے اُٹھا کر اپنے ساتھ نہ لیا تو تمہاری کشتی ڈبو دی جائے گی، ہم میں سے ایک آدمی اٹھا اور اس بچہ کو اس کی پشت پر سے اُٹھا لیا، اور وہ جانور پھر پانی کے اندر چلا گیا، تیرا واقعہ اور یہ واقعہ دونوں بڑی حیرت کے ہیں، اور اب ہم سب عہد کرتے ہیں کہ آج کے بعد سے اللہ جل شانہٗ ہمیں کبھی کسی گناہ پر نہ دیکھے گا۔

اس کے بعد ان سب نے توبہ کی وہ پاک ذات کتنی مہربان ہے، بندوں کے احوال کی خبر رکھنے والی ہے، بہترین احسانات کرنے والی ہے وہ پاک ذات مصیبت زدوں کی مصیبت کے وقت مدد کو پہنچنے والی ہے، (روض)۔

۵۹: حضرت ابُوعمرو زجاجی رحؒ فرماتے ہیں کہ میں حج کے ارادہ سے چلا اور حضرت جُنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے ایک دِرم مجھے عطا فرمایا، میں نے اس کو اپنے کمر بند میں باندھ لیا اس کے بعد جس جگہ بھی پہنچا خود بخود میرا انتظام ہوتا چلا گیا جب حج سے فارغ ہو کر حضرت جُنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ہاتھ پھیلا دیا اور فرمایا کہ لاؤ ہمارا دِرم، میں نے خدمت میں پیش کر دیا، فرمایا اس کی مُہر کیسی پائی میں نے کہا بڑی چالو (روض)۔

۶۰: شیخ یوسُف بن حمدانؒ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کے راستہ سے مکہ مکرمہ کو چلا، فقراء کی ایک جماعت میرے ساتھ تھی، ان میں ایک جوان تھا جس کی بہترین صحبت اور اوقات کی حفاظت اور ذکر میں ہر وقت کی مشغولی سے مجھے اس پر رشک آتا تھا، وہ ہر وقت اللہ کے ذکر و مناجات میں مشغول رہتا جب ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو وہ جوان بیمار ہوا، اور سخت بیمار ہو کر ہم سے جُدا ہو گیا، ایک دن میں اپنے چند رُفقاء کو ساتھ لے کر اس کی بیمار پُرسی کو گیا ہم نے جب اس کی حالت اور بیماری کی شدت دیکھی تو ہم میں سے بعض نے مشورہ دیا کہ اس وقت کسی طبیب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے کہ اس کی بیماری کی تشخیص کرے شاید کوئی دوا مفید ہو جائے، اس جوان نے یہ گفتگو سن کر آنکھیں کھول دیں اور مسکرایا اور کہنے لگا بزرگو اور دوستو موافقت کے بعد مخالفت کس قدر بُری چیز ہے جب اللہ جلّ شانُہٗ کسی بندے کے لئے ایک حال کو پسند کرے اور بندہ دوسری حالت کی کوشش کرے تو کیا یہ اللہ کے ارادہ کی مخالفت نہیں ہے ہم لوگ اس کی بات سے شرمندہ ہوئے، پھر اس نے ہمیں دیکھا اور کہنے لگا کہ اگر عشق کے مارے ہوئے کی بیماری کے لئے کوئی دوا کسی صحت پائے ہوئے کے پاس تمہیں ملے تو عشق کے بیمار کے لئے دوا طلب کرو باقی یہ بیماریاں تو بدن کی پاکی اور گناہوں کا کفارہ ہیں آخرت کو یاد دلانیوالی ہیں، اور عشق کے مارے ہوئے کی بیماری نفس کا مُشاہدہ اور خواہشات کا اتباع ہے۔

پھر اس نے تین شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ "اللہ کے ہاتھ میں میری دوا ہے۔ اور وہی میری بیماری سے واقف ہے میں اپنے نفس پر خواہشات کے اِتباع سے ظلم کر رہا ہوں جب کسی بیماری کی دوا کرتا ہوں تو مرض میری دوا پر غالب ہو جاتا ہے۔ (روض)

۶۱: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک مرتبہ قبض (دل تنگی) اور خوف کا شدید غلبہ ہوا میں پریشان حال ہو کر بغیر سواری اور توشہ کے مکہ مکرمہ چل دیا، تین دن تک اسی طرح بغیر کھائے پیئے چلتا رہا، چوتھے دن مجھے پیاس کی شدت سے اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہو گیا، اور جنگل

میں کہیں سایہ دار درخت کا بھی پتہ نہ تھا کہ اس کے سایہ میں ہی بیٹھ جاتا میں نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا، اور مجھے نیند سی آگئی تو میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا کہ میری طرف ہاتھ بڑھا کر فرمایا لاؤ ہاتھ بڑھاؤ میں نے ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور فرمایا تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ تم صحیح سالم حج بھی کروگے اور قبرِ اطہر کی زیارت بھی کروگے، میں نے کہا اللہ آپ پر رحم کرے آپ کون ہیں، فرمایا میں خضر ہوں، میں نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا کیجئے فرمایا یہ الفاظ تین مرتبہ کہو یَا لَطِیْفًا بِخَلْقِهٖ یَا عَلِیْمًا بِخَلْقِهٖ یَا خَبِیْرًا بِخَلْقِهٖ اُلْطُفْ بِیْ یَا لَطِیْفُ یَا عَلِیْمُ یَا خَبِیْرُ۔" اے وہ ذات پاک جو اپنی مخلوق پر مہربان ہے اپنی مخلوق کے حال کو جانتا ہے ان کی ضروریات سے باخبر ہے، تو مجھ پر لطف و مہربانی فرما اے لطیف اے علیم اے خبیر۔" پھر فرمایا کہ یہ ایک تحفہ ہے جو ہمیشہ کام آنے والا ہے جب تجھے کوئی تنگی پیش آئے یا کوئی آفت نازل ہو تو ان کو پڑھ لیا کر تو تنگی رفع ہو جائے گی اور آفت سے خلاصی ہوگی، یہ کہہ کر وہ تو غائب ہو گئے، مجھے ایک شخص نے یا شیخ یا شیخ کہہ کر آواز دی میں اس کی آواز سے نیند سے جاگا تو وہ شخص اونٹنی پر سوار تھا، مجھ سے پوچھنے لگا کہ ایسی صورت ایسے حلیہ کا کوئی نوجوان تو تم نے نہیں دیکھا، میں نے کہا کہ میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا، کہنے لگا ہمارا ایک نوجوان سات دن ہو گئے، گھر سے چلا گیا ہمیں یہ خبر ملی کہ وہ حج کو جارہا ہے۔

پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں کا ارادہ کر رہے ہو؟ میں نے کہا جہاں اللہ تعالیٰ لے جائے، اس نے اپنی اونٹنی بٹھائی، اور اس سے اتر کر ایک توشہ دان میں سے دو روٹیاں سفید جن کے درمیان میں حلوا رکھا ہوا تھا نکالیں، اور اونٹ پر سے پانی کا مشکیزہ اتارا اور مجھے دیا، میں نے پانی پیا، اور ایک روٹی کھائی، وہی مجھے کافی ہو گئی، پھر اس نے مجھے اپنے پیچھے اونٹ پر سوار کر لیا، ہم دو رات اور ایک دن چلے، تو قافلہ ہمیں مل گیا، وہاں اس نے قافلہ والوں سے اس جوان کا حال دریافت کیا، معلوم ہوا کہ وہ قافلہ میں ہے۔

وہ مجھے وہاں چھوڑ کر تلاش میں گیا، تھوڑی دیر کے بعد جوان کو ساتھ لئے ہوئے میرے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا کہ بیٹا اس شخص کی برکت سے اللہ جل شانہ نے تیری تلاش مجھ پر آسان کر دی، میں ان دونوں کو رخصت کر کے قافلہ کے ساتھ چل دیا، پھر مجھے وہ آدمی ملا، اور مجھے ایک لپٹا ہوا کاغذ دیا اور میرے ہاتھ چوم کر چلا گیا، میں نے جو اس کو دیکھا تو اس میں پانچ اشرفیاں تھیں، میں نے اس میں سے اونٹ کرایہ کیا اور اسی سے کھانے پینے کا انتظام کیا،

اور حج کیا اور اس کے بعد مدینہ طیبہ گیا میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے روضۂ اطہر کی زیارت کی، اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی قبرِ مبارک کی زیارت کی، اور جب کبھی کوئی تنگی یا آفت پیش آئی تو حضرت خضرؑ کی بتائی ہوئی دعاء پڑھی، میں اُن کی فضیلت اور اُن کے احسان کا معترف ہوں اور اس نعمت پر اللہ پاک کا شکر گذار ہوں (روض)۔

۶۲: ایک بزرگ حضرت خضرؑ سے اپنی ملاقات کا بہت طویل قصہ نقل کرتے ہیں آخر میں حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ میں صبح کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھتا ہوں اور طلوعِ آفتاب تک حطیم میں رُکنِ شامی کے قریب [illegible] ہوں اور ظہر کی نماز مدینہ طیبہ میں پڑھتا ہوں اور عصر کی بیت المقدس میں اور مغرب کی طورِ سینا پر اور عشاء کی سدِّ سکندری پر (روض)۔

۶۳: ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں بعض رفقاء کے ساتھ عدن سے چلا جب رات ہوئی تو میرے پاؤں میں کوئی چیز لگ گئی جس کی وجہ سے میں چل نہ سکا، تنہا سمندر کے کنارہ بیٹھا رہ گیا، میں دن بھر کا روزہ دار تھا اور کھانے کی کوئی چیز میرے پاس نہ تھی، میں نے اسی حال میں سونے کا ارادہ کر لیا، دفعۃً میرے سامنے دو روٹیاں ان میں ایک پرندہ بھنا ہوا رکھا تھا، آئیں میں نے پرندہ کو اُٹھا کر الگ کو رکھ دیا، کہ ایک کالا حبشی میرے سامنے آیا اس کے ہاتھ میں لوہے کا گز تھا، مجھ سے کہنے لگا اور یا کار کھالے۔ میں نے ایک روٹی اور تھوڑا سا پرندہ کھایا، اور باقی ایک کپڑے میں لپیٹ کر اپنے سرہانے رکھ کر سو گیا، جب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کپڑا اسی طرح میرے سر کے نیچے رکھا ہوا ہے، اور خالی ہے نہ روٹی نہ پرندہ۔ (روض)

۶۴: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ صلحاء کی ایک جماعت کے ساتھ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہم میں ایک ہاشمی بزرگ بھی تھے، اُن پر غشی سی طاری ہوئی جب ان کو افاقہ ہوا تو کہنے لگے میں نے جو کچھ دیکھا وہ تم نے بھی دیکھا ہم نے کہا ہمیں تو کچھ نظر نہیں آیا، کہنے لگے کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ احرام باندھے ہوئے طواف کر رہے ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہنے لگے کہ ہم فرشتے ہیں، میں نے پوچھا کہ تمہاری محبت حق تعالٰی شانہٗ سے کیسی ہے کہنے لگے ہماری محبت اندر سے ہے، اور تمہاری محبت باہر سے ہے (روض)۔

۶۵: شیخ ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سال تجرید کے ساتھ حج کا اور حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی قبر شریف کی زیارت کا ارادہ کیا۔ میں چل رہا تھا، راستہ میں

ایک نوجوان عراقی مِلا، جس کی جوانی زوروں پر تھی، وہ بھی اسی طرح سفر کا اِرادہ کر رہا تھا، لیکن جب وہ قافلہ کے ساتھ چلتا تو قرآن پاک کی تلاوت کرتا رہتا، اور جب منزل پر قافلہ ٹھہرتا تو وہ نماز میں مشغول ہو جاتا، رات بھر نماز پڑھتا دن بھر روزہ رکھتا، اس نے سارا راستہ اسی طرح طے کیا، حتیٰ کہ ہم مکّہ مکرمہ پہنچ گئے تو وہ جوان مجھ سے رخصت ہونے لگا، میں نے اس سے پوچھا کہ بیٹا کس چیز نے تجھے ایسے سخت مُجاہدہ پر آمادہ کیا، جو مَیں سارے راستہ دیکھتا چلا آیا۔

کہنے لگا اَبُو سلیمان میں نے خواب میں جنّت کا ایک محل دیکھا کہ وہ سارا اس طرح بنا ہُوا تھا کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی پھر ایک اینٹ چاندی کی، اوپر تک اس کے بالا خانے بھی، اسی طرح بنے ہوئے تھے اور ان میں ہر دو برجیوں کے درمیان ایک ایک حور ایسی تھی کہ اس کا سا حُسن وجمال اور اس کی سی چہرہ کی رونق کسی نے نہ دیکھی ہوگی، اُن کی زلفیں سامنے لٹک رہی تھیں ان میں سے ایک مجھے دیکھ ہنسنے لگی تو اس کے دانتوں کی روشنی سے جنّت چمکنے لگی، اس نے کہا اے جوان اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے لئے مُجاہدہ کرتا کہ میں تیرے لئے ہو جاؤں، تو میرے لئے، پھر میری آنکھ کھل گئی، یہ میرا قصّہ ہے، اَب مجھ پر ضروری ہے کہ میں انتہائی کوشش کروں اور جو کوشش کرتا ہے وہ پالیتا ہے، یہ تم نے جو کچھ میرا مجاہدہ دیکھا ہے اس حور سے منگنی کے واسطے ہے۔

مَیں نے اس سے دُعا کی درخواست کی، وہ میرے لئے دُعا کرکے چلا گیا۔

اَبُو سُلیمان کہتے ہیں اس کے جانے کے بعد میں نے اپنے نفس کو کہا کہ ایک حور کی طلب میں اگر اتنی کوشش ہو سکتی ہے تو حُور کے رب کی طلب میں کیسی کوشش ہونا چاہیئے۔
(روض)

۶۶: حضرت ذُوالنُّون مِصریؒ فرماتے ہیں کہ میں مکّہ مکرمہ کے ارادہ سے ایک جنگل میں چل رہا تھا، مجھے پیاس کی ایسی سخت شدّت ہوئی کہ میں اس سے عاجز ہو گیا، قریب ہی ایک قبیلہ بَنی مُخزُوم میں گیا، وہاں میں نے ایک بہت کم سن لڑکی کو جو نہایت ہی حسین تھی دیکھا کہ وہ اشعار کے ساتھ گنگنا رہی تھی، مجھے اس کی عمر کے لحاظ سے اس سے بہت تعجب ہُوا اس لئے کہ وہ بہت کم عمر تھی، میں نے اس سے کہا کہ تجھے حیا نہیں آتی یوں گا رہی ہے، کہنے لگی ذُوالنُّون چپ رہو، رات میں نے خوشی خوشی شرابِ عشق کا ایک گلاس پیا ہے جب

سے میں اپنے مولیٰ کے عشق میں نشہ میں ہوں، میں نے کہا تو تو بڑی حکیم معلوم ہوتی ہے، مجھے کچھ نصیحت کر، کہنے لگی، ذُوالنُّون چپ رہنے کو لازم کرلو اور دُنیا میں سے صرف اتنی روزی پر قناعت کرو جس سے آدمی زندہ رہے، تاکہ جنت میں اس پاک ذات کی زیارت ہو سکے جس کو کبھی فنا نہیں۔

میں نے پوچھا یہاں پینے کا پانی بھی ہے، کہنے لگے تجھے پانی کی جگہ بتاؤں؟ میں نے سوچا کوئی کنواں چشمہ وغیرہ بتائے گی، میں نے کہا ہاں بتاؤ، کہنے لگی قیامت میں پانی پینے والوں کے چار درجے ہوں گے، ایک جماعت تو وہ ہوگی جس کو فرشتے پانی پلائیں گے جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِيْنَ میں ارشاد فرمایا (سورۂ صافات، رکوع ۲ میں ہے) کہ ان کے پاس بہتی ہوئی شراب کا گلاس لایا جائے گا جو سفید ہوگی، پینے والوں کے لئے لذیذ ہوگی" دوسری جماعت کو رضوان (جنت کے ناظم) پلائیں گے، جس کو اللہ جل شانہٗ نے مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ سے تعبیر فرمایا (جو عمّ کے پارہ میں سورۂ تطفیف میں ہے کہ اس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی جو ایک چشمہ ہے جس سے مقرب آدمی پیتے ہیں) اور تیسرا فرقہ وہ ہے جس کو خود حق سبحانہٗ وتقدس پلائیں گے جس کو اللہ جل شانہٗ نے وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا سے تعبیر فرمایا (جو سورۂ دہر میں ہے کہ ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پلائے گا) وہ لڑکی کہنے لگی کہ ذُوالنُّون تم اپنا بھید دُنیا میں اپنے مولیٰ کے سوا کسی سے نہ کہو تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ تمہیں آخرت میں خود پانی پلائیں،

مُصنّف کہتے ہیں کہ شروع میں چار جماعتوں کا ذکر تھا، آخر میں تین ہی ذکر کی گئیں، شاید چوتھی جماعت وہ ہے جن کو نوعمر لڑکے پلائیں گے جس کو وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ‎۔ سے تعبیر کیا، "جو سورۂ واقعہ میں ہے کہ ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمد ورفت رکھیں گے آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا" (روض)

۶۷۔ حضرت عمرؓ کے دروازے ایک مرتبہ چند لوگ حاضر تھے، ایک باندی گذری، لوگوں نے کہا کہ یہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کی باندی ہے، آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ امیر المومنین کی نہیں ہے نہ اس کے لئے حلال ہے، یہ بیت المال کی ہے اس کو بیت المال سے صرف یہ چیزیں جائز ہیں، ایک جوڑا گرمی کا ایک سردی کا اور وہ چیز جس سے حج اور عمرہ کر سکے اور ایک متوسط آدمی کی روزی جو نہ زیادہ امیر ہو نہ زیادہ غریب، اسلم حضرت عمرؓ کے غلام فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت

عمرؓ کی رغبت تازہ مچھلی کی معلوم ہوئی، آپ کے غلام یَرْفَاءؓ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر سمندر کے کنارہ سے مچھلی خرید کر لائے اور تیز آمد و رفت کی وجہ سے اونٹنی کو پسینہ آگیا، انہوں نے واپس آکر اونٹنی کو خوب دھو دیا کہ پسینہ معلوم نہ ہو، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ چلو تمہاری اونٹنی کو دیکھیں تشریف لائے تو اس کے کان کے نیچے پسینہ تھا جو دھونے سے رہ گیا تھا اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ دھونا بھول گئے (گویا یہ طعن تھا کہ اس کا پسینہ صاف کر دیا)۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک آدمی کی خواہشِ نفس کے واسطے تم نے اس جانور کو عذاب میں مبتلا کیا، عمرؓ اس مچھلی کو واللہ بالکل نہیں چکھے گا، عبداللہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ حج کو گیا، آپ کے لئے نہ خیمہ لگتا تھا نہ چھولداری ایک چادر یا چمڑہ کسی درخت کے نیچے ڈال دیا جاتا اس کے سایہ میں آپ تشریف رکھتے (تاریخ الخلفاء)

۶۸: حضرت فُضَیل بن عِیاضؒ مشہور بزرگ ہیں، عَرَفات کے میدان میں لوگ تو سب کے سب کثرت سے دعائیں مانگ رہے تھے، اور وہ ایسی بُری طرح رو رہے تھے جیسے کسی عورت کا بچہ مر گیا ہو اور وہ آگ میں جل رہی ہو، جب غروب کا وقت ہونے لگا تو اپنی داڑھی پکڑ کر آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور فرمانے لگے اگر تو معاف بھی کر دے تب بھی میری بدحالی پر انتہائی افسوس ہے (احیاء)

ابنِ عَرَبی نے بھی محاضرات میں اس قصہ کو نقل کیا، اور اس پر یہ اضافہ کیا کہ مُطَرِّفؒ یہ دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ میری موجودگی کی وجہ سے ان سب کو تو محروم نہ فرما اور بکر بن عبداللہ کہہ رہے تھے، یہ عَرَفات کا میدان کس قدر اشرف مقام ہے، اور اس کے حاضرین کے لئے کس قدر باعثِ رضا ہے اگر میرا وجود یہاں نہ ہوتا۔

۶۹: رَبیع بن سُلیمانؒ کہتے ہیں کہ میں حج کے لئے جا رہا تھا میرے ساتھ میرے بھائی تھے، اور ایک جماعت بھی جب ہم کوفہ میں پہنچے تو وہاں ضروریاتِ سفر خریدنے کے لئے میں بازاروں میں گھوم رہا تھا کہ ایک ویران سی جگہ میں ایک خچر مرا ہوا پڑا تھا، اور ایک عورت جس کے کپڑے بہت پرانے بوسیدہ تھے، چاقو لئے ہوئے اس کے ٹکڑے گوشت کے کاٹ کاٹ کر ایک زنبیل میں رکھ رہی تھی مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ مُردار گوشت لے جا رہی ہے، اس پر سکوت کرنا ہرگز نہ چاہیے، عجب نہیں یہ کوئی بھٹیاری عورت ہے، یہی پکا کر لوگوں کو کھلا دے گی، میں چپکے سے اس کے پیچھے ہولیا اس طرح کہ وہ مجھے نہ دیکھے، وہ عورت ایک بڑے مکان میں پہنچی، جس کا دروازہ بھی اونچا تھا،

اس نے جا کر دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے آواز آئی کون ہے، اس نے کہا کھولو میں ہی بدحال ہوں، دروازہ کھولا گیا اور اس میں سے چار لڑکیاں آئیں جن کے چہرے سے بدحالی اور مصیبت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے، وہ عورت اندر گئی، اور وہ زنبیل ان لڑکیوں کے سامنے رکھ دی، میں کواڑوں کی درزوں سے جھانک رہا تھا میں نے دیکھا اندر سے گھر بالکل برباد خالی تھا، اس عورت نے روتے ہوئے لڑکیوں کو آواز دی کہ لو اس کو پکالو اور اللہ کا شکر ادا کرو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر اختیار ہے اسی کے قبضہ میں لوگوں کے قلوب ہیں،

وہ لڑکیاں اس کو کاٹ کاٹ کر آگ پر بھوننے لگیں، مجھے بہت ضیق ہوئی، میں نے باہر سے آواز دی اے اللہ کی بندی اللہ کے واسطے اس کو نہ کھا، وہ کہنے لگی تو کون ہے؟ میں نے کہا میں ایک پردیسی آدمی ہوں، کہنے لگی اے پردیسی تو ہم سے کیا چاہتا ہے ہم خود ہی مقدّر کے قیدی ہیں، تین سال سے ہمارا نہ کوئی معین نہ مددگار، تو ہم سے کیا چاہتا ہے، میں نے کہا مجوسیوں کے ایک فرقہ کے سوا مردار کا کھانا کسی مذہب میں جائز نہیں، وہ کہنے لگی ہم خاندانِ نبوّت کے شریف (سید) ہیں، ان لڑکیوں کا باپ بڑا شریف تھا، وہ اپنے ہی جیسوں سے ان کا نکاح کرنا چاہتا تھا، اس کی نوبت نہ آئی اس کا انتقال ہو گیا، جو ترکہ اس نے چھوڑا تھا وہ ختم ہو گیا ہمیں معلوم ہے کہ مردار کھانا جائز نہیں لیکن اضطرار میں جائز ہو جاتا ہے، ہمارا چار دن کا فاقہ ہے۔

ربیعؒ کہتے ہیں اس کے حالات سن کر مجھے رونا آ گیا اور میں روتا ہوا دل بے چین وہاں سے واپس ہوا، اور میں نے اپنے بھائی سے آ کر کہا کہ میرا ارادہ تو حج کا نہیں رہا اس نے مجھے بہت سمجھایا، حج کے فضائل بتائے کہ حاجی ایسی حالت میں لوٹتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا وغیرہ وغیرہ میں نے کہا بس لمبی چوڑی باتیں نہ کرو، یہ کہہ کر میں نے اپنے کپڑے اور احرام کی چادریں اور جو سامان میرے ساتھ تھا وہ سب لیا اور نقد چھ سو درم تھے، وہ لئے اور ان میں سے سو درم کا آٹا خریدا، اور سو درم کا کپڑا خریدا، اور باقی درم جو بچے وہ آٹے میں چھپا کر اس بڑھیا کے گھر پہنچا اور یہ سب سامان اور آٹا وغیرہ اس کو دیدیا۔

اس عورت نے اللہ کا شکر ادا کیا، اور کہنے لگی اے ابن سلیمان جا، اللہ جلّ شانہٗ تیرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کرے اور تجھے حج کا ثواب عطا کرے، اور اپنی جنّت میں تجھے جگہ عطا فرمائے اور اس کا ایسا بدل عطا فرمائے جو تجھے بھی ظاہر ہو جائے، سب سے بڑی

لڑکی نے کہا اللہ جلّ شانہٗ تیرا اجر دو چند کرے، اور تیرے گناہ معاف کرے، دوسری نے کہا اللہ جلّ شانہٗ تجھے اس سے بہت زیادہ عطا فرمائے جتنا تو نے ہمیں دیا، تیسری نے کہا حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے دادا کے ساتھ تیرا حشر کرے، چوتھی نے جو سب سے چھوٹی تھی کہا اے اللہ جس نے ہم پر احسان کیا تو اس کا نِعمَ البَدل اس کو جلدی عطا کر اور اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر،

رَبیعؒ کہتے ہیں حُجّاج کا قافلہ روانہ ہوگیا، مَیں کوفہ ہی میں مجبوراً پڑا رہا کہ وہ سب حج سے فارغ ہو کر لوٹ بھی آئے، مجھے خیال ہوا کہ ان حُجّاج کا اِستقبال کروں، ان سے اپنے لئے دُعا کراؤں، کسی کی مقبول دُعا مجھے بھی لگ جائے، جب حُجّاج کا ایک قافلہ میری آنکھوں کے سامنے آگیا، تو مجھے اپنے حج سے محرومی پر بہت افسوس ہوا اور رنج کی وجہ سے میرے آنسو نکل آئے، جب میں ان سے مِلا تو میں نے کہا اللہ جل شانہٗ تمہارا حج قبول کرے اور تمہارے اِخراجات کا بَدَل عطا فرمائے، ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ دُعا کیسی، مَیں نے کہا ایسے شخص کی دُعا۔ جو دروازہ تک کی حاضری سے محروم رہا ہو، وہ کہنے لگے بڑے تعجُّب کی بات ہے، اب تو وہاں جانے سے اِنکار کرتا ہے۔ تو ہمارے ساتھ عَرَفات کے میدان میں نہیں تھا؟ تو نے ہمارے ساتھ رَمْیِ جَمَرات نہیں کی؟ تو نے ہمارے ساتھ طواف نہیں کئے؟

مَیں اپنے دِل میں سوچنے لگا کہ یہ اللہ کا لُطف ہے اتنے میں خود میرے شہر کے حاجیوں کا قافلہ آگیا۔ میں نے کہا حق تعالیٰ شانہٗ تمہاری سَعْی مشکور فرمائے تمہارا حج قبول فرمائے وہ بھی یہی کہنے لگے کہ تو ہمارے ساتھ عَرَفات پر نہیں تھا؟ یا رَمْیِ جَمَرات نہیں کی؟ اب انکار کرتا ہے، ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا، اور کہنے لگا کہ بھائی آپ انکار کیوں کرتے ہو، کیا بات ہے؟ آخر تم ہمارے ساتھ مکہ میں نہیں تھے، یا مدینہ میں نہیں تھے، جب ہم قبرِ اطہر کی زیارت کرکے بابِ جبرئیل سے باہر کو آرہے تھے اس وقت اِزْدِحام کی کثرت کی وجہ سے تم نے یہ تھیلی میرے پاس امانت رکھوائی تھی، جس کی مُہر پر لکھا ہوا ہے مَنْ عَامَلَنَا رَبِحَ (جو ہم سے معاملہ کرتا ہے نفع کماتا ہے) یہ تمہاری تھیلی واپس ہے۔

رَبیعؒ کہتے ہیں کہ واللہ میں نے اس تھیلی کو کبھی اس سے پہلے دیکھا بھی نہ تھا، اس کو لے کر گھر واپس آیا عشاء کی نماز پڑھی اپنا وظیفہ پورا کیا، اس کے بعد اسی سوچ میں جاگتا رہا کہ آخر یہ قصّہ کیا ہے، اسی میں میری آنکھ لگ گئی، تو میں نے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خواب میں زیارت

کی، میں نے حضورؐ کو سلام کیا اور ہاتھ چومے، حضورؐ نے تبسم فرماتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا اے رَبیع آخر ہم کتنے گواہ اس پر قائم کریں کہ تو نے حج کیا، تو مانتا ہی نہیں، سن بات یہ ہے کہ جب تو نے اس عورت پر جو میری اولاد بھی صدقہ کیا، اور اپنا زادِ راہ ایثار کرکے اپنا حج ملتوی کر دیا تو میں نے اللہ جلّ شانہٗ سے دعا کی کہ وہ اس کا نِعمَ البَدَل تجھے عطا فرمائے، تو حق تعالیٰ شانہٗ نے ایک فرشتہ تیری صورت بنا کر اس کو حکم فرما دیا کہ وہ قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کیا کرے، اور دنیا میں تجھے یہ عوض دیا کہ چھ سو درم کے بدلہ چھ سو دینار (اشرفیاں) عطا کیں تو اپنی آنکھ کو ٹھنڈی رکھ، پھر حضورؐ نے بھی یہی الفاظ ارشاد فرمائے مَنْ عَا مَلْنَا رَبِحَ رَبیع کہتے ہیں، جب میں سو کر اٹھا تو اس تھیلی کو کھولا اس میں چھ سو اشرفیاں تھیں (اتحاف السادۃ)

۷۰۔ سید سمہودیؒ نے جواہر میں اسی قسم کا دوسرا قصہ لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا معمول یہ تھا کہ وہ ایک سال حج کیا کرتے اور ایک سال جہاد کیا کرتے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک سال جب کہ میرا حج کا سال تھا میں پانسو اشرفیاں لے کر حج کے ارادہ سے چلا، اور کوفہ میں جس جگہ اونٹ فروخت ہوتے ہیں پہنچا، تاکہ اونٹ خریدوں، وہاں میں نے دیکھا کہ کوڑی پر ایک بطخ مری ہوئی پڑی ہے اور ایک عورت اس کے پاس بیٹھی ہوئی اس کے پَر نوچ رہی ہے میں اس عورت کے قریب گیا اور اس سے پوچھا یہ کیا حرکت کر رہی ہے وہ کہنے لگی جس کام سے تمہیں کوئی واسطہ نہیں اس کی تحقیق کی کیا ضرورت، مجھے اس کے کہنے سے کچھ سوچ سا ہوا، تو میں نے پوچھنے پر اصرار کیا۔ وہ کہنے لگی تمہارے اصرار نے مجھے اپنا حال ظاہر کرنے پر مجبور ہی کر دیا، میں سیدانی ہوں، میرے چار لڑکیاں ہیں، ان کے باپ کا ابھی انتقال ہو گیا آج چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ نہیں چکھا، ایسی حالت میں مُردار حلال ہے میں یہ بطخ لے جا کر ان لڑکیوں کو کھلاؤں گی۔

ابن مبارکؒ کہتے ہیں مجھے اپنے دل میں ندامت ہوئی، اور میں نے اس عورت سے کہا کہ اپنی گود پھیلا، اس نے پھیلائی، میں نے وہ پانچسو اشرفیاں اس کی گود میں ڈال دیں وہ سر جھکائے بیٹی رہی، میں وہ اشرفیاں ڈال کر اپنے گھر چلا آیا، اور حج کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اپنے گھر واپس ہو گیا، جب حجاج حج سے فراغت کے بعد آئے میں ان سے ملا تو جس سے میں ملتا، اور یہ کہتا کہ حق تعالیٰ شانہٗ تمہارا حج قبول کرے وہی یہ کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا بھی حج قبول کرے، اور جب میں کوئی بات کرتا تو وہ کہتے ہاں ہاں فلاں جگہ جب تم سے ملاقات ہوئی تھی، میں بڑی حیرت میں تھا یہ کیا معاملہ ہے۔

میں نے رات کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عبداللہ تعجب کی بات نہیں ہے، تو نے میری اولاد میں سے ایک مصیبت زدہ کی مدد کی تھی، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ تیری طرف سے ایک فرشتہ مقرر کر دے جو ہر سال تیری طرف سے قیامت تک حج کرتا رہے، اب تجھے اختیار ہے چاہے حج کرنا چاہے نہ کرنا (رشفہ)۔

عُشاق او مُخلصین کے واقعات کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا، پونے چودہ سو سال میں سے ہر سال میں کتنے عُشاق اور مُخلصین ایسے ہوں گے جن کے عجیب واقعات گذرے، کوئی لکھنے تو کہاں تک لکھے ستر کا عدد احادیث میں بھی کثرت پر دلالت کرتا ہے، اس لئے اسی عدد پر اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں۔

البتہ ان واقعات میں تین امر قابلِ لحاظ ہیں:۔

(۱) اوّل یہ کہ یہ احوال اور واقعات جو گذرے ہیں وہ عشق اور محبّت پر مبنی ہیں اور عشق کے قوانین عام قوانین سے بالاتر ہیں ؎

مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے ٭ اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

عشق کے ضوابط کسی اصول کے ماتحت نہیں ہوتے نہ یہ پڑھنے لکھنے سے آتے ہیں بلکہ عشق پیدا کرنے سے آتے ہیں ؏

محبت تجھ کو آدابِ محبّت خود سکھاوے گی

اپنا کام کوشش اور سعی کر کے اس سمندر میں کود پڑنا ہے، اس کے بعد ہر محنت آسان ہے۔ اور ہر مشقّت لذیذ ہے، ہر وہ چیز جو عشق سے بے بہرہ ہے لوگوں کے لئے مصیبت اور ہلاکت ہے، وہ اس سمندر کے غوطہ لگانے والوں کے لئے آسان اور لطف و فرحت کی چیز ہے، اس سمندر میں غوطہ لگانے والے انجام اور عواقب کی مصلحت بینیوں سے بالاتر ہوتے ہیں ؎

عبث ہے جستجو بحرِ محبّت کے کنارہ کی!

بس اس میں ڈوب ہی جانا ہے اے دل پار ہو جانا

لہٰذا ان واقعات کو اسی عینک سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور اس رنگ میں رنگے جانے کی کوشش کرنا چاہیئے، لیکن جب تک عشق پیدا نہ ہو اس وقت تک نہ تو ان واقعات سے استدلال

کرنا چاہیئے، اور نہ ان پر اعتراض کرنا چاہیئے، اس لئے کہ وُہ عشق کے غلبہ میں صادر ہوتے ہیں، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص مُحبّت کا پیالہ پی لیتا ہے وہ مخمُور ہوجاتا ہے، اور جو مخمور ہوتا ہے اس کے کلام میں بھی وُسعت آجاتی ہے، اگر اس کا وُہ نشہ زائل ہوجائے تو وہ دیکھے کہ جو کچھ اس نے غلبہ میں کہا ہے وہ ایک حال ہے حقیقت نہیں، اور عُشاق کے کلام سے لذّت تو حاصل کی جاتی ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا، (احیاء ۳)

دوسرا امر یہ ہے کہ ان قصوں میں اکثر مواقع میں توکّل کی وہ مثالیں گذری ہیں جو ہم جیسے نااہلوں کے عمل تو دور کنار ذہنوں سے بھی بالاتر ہیں، ان کے مُتعلق یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ توکّل کا منتہا یہی ہے جو ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ پسندیدہ بھی ہے اور اس کے کمال پر پہنچنے کی سعی اور کم سے کم تمنا تو ہونا ہی چاہیئے، لیکن جب تک یہ درجہ حاصل نہ ہو اس وقت تک ترک اسباب نہ کرنا چاہیئے۔

ایک بُزرگ کہتے ہیں کہ مَیں نے حضرت عبدالرحمٰن بن یحییٰؒ سے پوچھا کہ توکّل کی حقیقت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ اگر بہت بڑے اژدہے کے منہ میں تو ہاتھ دیدے اور وہ پہنچے تک اس کو کھالے تو اس وقت بھی تجھے اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو، میں اس کے بعد بایزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا کہ ان سے اس کے متعلق دریافت کروں، ان کے کواڑ بند تھے، مَیں نے دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے اندر ہی سے جواب دیدیا کہ تجھے عبدالرحمٰن کے جواب سے کفایت نہ ہوئی جو میرے پاس پوچھنے کے واسطے آیا ہے، میں نے عرض کیا کہ کواڑ تو کھول دیجئے، فرمایا تم اس وقت ملاقات کے لئے تو آئے نہیں، بات پوچھنے آئے تھے اس کا جواب مِل گیا، اور کواڑ نہ کھولے، ایک سال کے بعد میں دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہُوا تو فوراً کواڑ کھول دیئے، اور فرمایا کہ اس وقت تم ملنے کے لئے آئے ہو، (روض)۔

مُلّا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ اسباب کا اختیار کرنا توکّل کے منافی نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص خالص توکّل کا ارادہ کرے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ مُستقیم الحال ہو، اسباب چھوڑ کر پریشان نہ ہو، بلکہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے سوا کسی دوسرے کا خیال بھی اس کو نہ آوے اور جن حضرات نے ترکِ اسباب کی مذمّت فرمائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس کا حق ادا نہیں کرتے، بلکہ دوسرے لوگوں کے توشہ دانوں پر نگاہ رکھتے ہیں (مرقاۃ ۳)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اگر تم اللہ جل شانہٗ پر ایسا توکل کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، تو تم کو ایسی طرح رزق عطا فرمائے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس ہوتے ہیں۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو اللہ جل شانہٗ کی طرف بالکلیہ منقطع ہو جائے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کی ہر ضرورت کو پورا کرتے ہیں، اور ایسی طرح روزی پہنچاتے ہیں کہ جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوتا، ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ مستغنی ہو وہ ایسا بن جائے کہ اس کو اللہ جل شانہٗ کی عطا پر اس سے زیادہ بھروسہ ہو جتنا اس مال پر ہوتا ہے جو اپنے پاس موجود ہے (احیاء ۴)

اس کا اندازہ دو قصوں سے ہوتا ہے جو احادیث میں مشہور ہیں، ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مشہور قصہ کہ جب حضورؐ نے غزوۂ تبوک کے لئے چندہ کیا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ جو کچھ گھر میں تھا سب کچھ لے آئے، اور جب حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ گھر میں کیا چھوڑا، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ اور اس کا رسولؐ، حکایاتِ صحابہ میں یہ قصہ نقل بھی کر چکا ہوں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ایک سونے کی ڈلی انڈے کے برابر پیش کی، اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے یہ ایک معدن سے مل گئی ہیں اس کو اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں اس کے سوا میرے پاس کوئی چیز نہیں، حضورؐ نے اس سے اعراض فرمایا، ان صاحب نے دوسری اور تیسری مرتبہ اسی طرح اصرار پیش کیا، حضورؐ نے اس کو لے کر ایسے زور سے پھینکا کہ اگر ان کے لگ جاتی تو زخمی کر دیتی، اور یہ ارشاد فرمایا کہ بعض آدمی اپنا سارا مال صدقہ کر دیتے ہیں پھر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے واسطے بیٹھ جاتے ہیں (ابوداؤد)۔

ان صاحب کا اعتماد علی اللہ اور توکل حضرت صدیق اکبرؓ کے مقابلہ میں کیا ہو سکتا تھا، اسی وجہ سے حضورؐ نے وہاں سب کچھ قبول فرمالیا، اور یہاں ناراضی کا اظہار فرمایا اس سلسلہ میں ہمارے اکابر کا طرزِ عمل بہت ہی عجیب اور پسندیدہ ہے، اور وہ وہ ہے جس کو حضرتِ اقدس سید الطائفہ شیخ المشائخ شاہ ولی صاحبؒ نے اپنے اس رسالہ میں تحریر فرمایا ہے جس میں اپنے مبشرات کو جمع کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی سوال کیا، کہ اسباب کے اختیار کرنے میں اور ان کے چھوڑنے میں افضل چیز کون سی ہے، تو مجھ پر حضورؐ

کا ایک رُوحانی فیض ہوا جس کی وجہ سے میرا قلب اسباب اور اولاد وغیرہ کی طرف سے بالکل سرد پڑ گیا، اس کے تھوڑی دیر بعد یہ حالت زائل ہوئی، تو میں نے اپنی طبیعت کو اسباب کی طرف مائل پایا اور اپنی روح کو اسباب سے ہٹا کر اللہ کو سونپ دینے کی طرف مائل پایا (درثمین)۔

حقیقت میں یہ بہترین صورت ہے کہ اس میں وہ اشکالات بھی پیدا نہیں ہوتے جو ترکِ اسباب میں اکثر پیدا ہو جاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غنیٰ مال کی کثرت سے نہیں ہوتا بلکہ غنیٰ حقیقت میں دِل کا غنیٰ ہے (مشکوٰۃ)۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ تَوَکُّل کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ تو ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی مقدمہ میں کسی ہوشیار ماہر تجربہ کار کو وکیل بنالے کہ وہ ہر چیز میں اس وکیل کی طرف رجوع کرتا ہے، لیکن اس کا یہ توکل فانی ہے، کسبی ہے اس کو اپنے توکل کا شعور اور احساس ہے، دوسرا درجہ جو پہلے سے اعلیٰ ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ ناسمجھ بچہ کا اپنی ماں کی طرف کہ وہ ہر بات میں اسی کو پکارتا ہے، اور جب کوئی گھبراہٹ یا تکلیف کی بات اس کو پیش آتی ہے تو سب سے پہلے اس کے منہ سے اماں نکلتا ہے، ان ہی دونوں کی طرف حضرت سہلؒ نے اشارہ کیا ہے جب کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ توکل کا ادنیٰ درجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ امیدوں کا ختم کر دینا، پھر سائل نے پوچھا کہ درمیانی درجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اختیار کا چھوڑ دینا، پھر سائل نے پوچھا کہ اعلیٰ درجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اس کو وہ پہچان سکتا ہے جو دوسرے درجہ پر پہنچ جائے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ تیسرا درجہ جو سب سے اعلیٰ ہے وہ یہ کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے ساتھ ایسا ہو جائے جیسا کہ مُردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں کہ اس کی اپنی کوئی حرکت رہتی ہی نہیں، اسی درجہ پر پہنچ کر اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے مانگنے کا بھی محتاج نہیں رہتا وہ خود ہی بلا طلب اس کی ضروریات کا تکفل کرتا ہے، جیسا کہ نہلانے والا خود ہی میت کی ضروریاتِ غسل کو پورا کرتا ہے، (احیاء ۳)

اس پر یہ اشکال کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عام طریق اسباب کے اختیار کا تھا صحیح ہے، لیکن حق یہ ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے شایانِ شان وہی حالت تھی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا، اگر حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حالات ان واقعات کی نوعیت کے ہوتے تو امت بڑے سخت ابتلاء میں پڑ جاتی، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

کو امت پر شفقت کی وجہ سے اس کا بہت اہتمام تھا کہ ایسی چیز اختیار نہ فرمائیں جس میں اُمت کو مشقت ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز نہ پڑھتے تھے اور میں پڑھتی ہوں، بیشک حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض عمل باوجودیکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اس کے کرنے کی ہوتی تھی، اس خوف سے چھوڑ دیتے تھے کہ کہیں اُمت پر فرض نہ ہو جائے (ابوداؤد)۔

حضرت عائشہ رضؓ کے اس ارشاد کا مطلب کہ حضورؐ نہیں پڑھتے تھے اور میں پڑھتی ہوں اہتمام اور دوام ہے، کہ جس شدتِ اہتمام سے حضرت عائشہ رضؓ پڑھتی تھیں حضورؐ اتنے اہتمام سے نہ پڑھتے تھے، ورنہ بیسیوں روایات میں حضورؐ کا چاشت کی نماز پڑھنا وارد ہوا ہے، اور یقیناً حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رُوحِی فِدَاہُ وَاَبِی وَاُمِّی اگر اتنے شدید اہتمام سے پڑھتے تو یہی چیز اس کو واجب بنا دیتی، تراویح کے بارہ میں بڑی کثرت سے روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضورؐ نے چند رات پڑھیں، اور پھر چھوڑ دیں، صحابۂ کرام رضؓ کو اشتیاق اتنا بڑھا کہ حد نہیں، جب چند راتوں کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ سے باہر تشریف نہیں لائے تو صحابۂ کرام رضؓ کو یہ خیال ہوا کہ شاید نیند کی وجہ سے آنکھ لگ گئی، اس لئے ایسی چیزیں اختیار کیں جن سے بغیر جگائے آنکھ کھل جائے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری حرکتیں دیکھتا رہا، اور میں بحمد اللہ اس رات میں غافل بھی نہ تھا لیکن مجھے اس کے سوا کوئی چیز نکلنے سے مانع نہ ہوئی کہ میں اس سے ڈرا کہ تم پر فرض نہ ہو جائے اگر تم پر فرض ہو جاتی تو اس کا نباہنا تمہیں مشکل ہو جاتا (مشکوٰۃ، ابوداؤد)۔

اور جب یہ حالت ہے کہ حضور باوجود خواہش کے عمداً رخصت پر عمل فرماتے تھے تو حضورؐ کے لئے اس کا ثواب بھی واجب اور عزیمت ہی کا ہوتا تھا، حضرت عبد اللہ بن عمرو رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سنا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھا ہوتا ہے، میں حضورؐ کی خدمت میں ایک مرتبہ حاضر ہوا تو حضورؐ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، میں سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا، حضورؐ نے فرمایا کہ عبد اللہ بن عمر و تمہیں کیا ہو گیا، انہوں نے عرض کیا، حضورؐ میں نے یہ سنا تھا کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھا ہے، اب میں نے دیکھا کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں، حضورؐ نے

فرمایا کہ تم نے صحیح سُنا، لیکن میں اس میں تم جیسا نہیں ہوں۔

حضورؐ کے اس پاک اِرشاد کا مطلب کہ "تم جیسا نہیں ہوں" یہی ہے کہ میرے لئے آدھا ثواب نہیں ہے، حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان تو بہت اعلیٰ وارفع ہے، اس میں علماء کا درجہ بھی مشائخ سلوک سے ممتاز ہے اور دونوں جماعتوں کی دو علیحدہ شانیں ہیں، ایک حدیث میں اس قسم کا مضمون وارد ہوا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو ہدیہ دے اور اس کے پاس اور لوگ بھی ہوں تو وہ ہدیہ مشترک ہے اس حدیث کا کیا مطلب ہے، اور کس قسم کا ہدیہ اس سے مراد ہے اور محدثانہ حیثیت سے یہ حدیث کس درجہ کی ہے، یہ مستقل بحثیں اپنی جگہ پر ہیں، لیکن اس حدیث کی بنا پر اہلِ علم کی زبان پر اَلْهَدَايَا مُشْتَرَكَةٌ "ہدیہ میں شرکت ہے" شائع ہے۔

ایک بزرگ کی خدمت میں کسی شخص نے کوئی ہدیہ بھیجا، حاضرین میں سے کسی نے مزاحًا کہہ دیا کہ "اَلْهَدَايَا مُشْتَرَكَةٌ"، ان بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ شرک ہی سے بچنے کے واسطے تو ان دنوں سے مجاہدے کر رہے ہیں، شرکت ہمیں گوارا نہیں، یہ تمہاری نذر ہے اور جب وہ چیز ان سے نہ اُٹھی تو خادم سے فرمادیا کہ یہ ان کے گھر دے آؤ۔

حضرت امام ابویوسفؒ کی خدمت میں کسی نے ہدیہ بھیجا، وہاں بھی کسی نے مجمع میں سے کہا "اَلْهَدَايَا مُشْتَرَكَةٌ"، حضرت امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ یہ ہدیہ اس سے مراد نہیں ہے یہ کہہ کر خادم سے فرمادیا کہ اس کو میرے گھر دے آؤ۔

علماء کا ارشاد ہے کہ دونوں قصے اپنی اپنی جگہ پر نہایت موزوں ہیں، ایک زاہد بزرگ کی وہی شان تھی اور ایک فقیہ کے لئے یہی مناسب تھا، اس لئے کہ اگر یہ مشترک قرار دیتے تو فقہ کے اعتبار سے ایک امام کا مذہب بن جاتا اور اُمت کے لئے دِقت ہوتی۔

صاحبِ روض لکھتے ہیں کہ جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کے اسباب کا اختیار کرنا ہی طریقہ جمہور انبیاء اور جمہور اولیاءؒ کا ہے، لیکن اس سے ان اولیاءِ کرام پر جو مضرتوں سے نہ بچتے تھے اور اپنے لئے اسباب اختیار نہ فرماتے تھے اعتراض نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم شریعت مطہرہ پر چلانے والے تھے اس لئے ایسے سہل راستہ پر چلاتے تھے جس پر عوام و خواص سب چل سکیں، اور اگر قافلوں کا چلانے والا کسی ایسے مشکل راستہ پر قافلہ کو لے جائے جس پر وہ خود تو اپنی قوت سے چل سکتا ہو، لیکن قافلہ کی اکثریت اس راستہ کی متحمل نہ ہو تو

وہ قافلہ والوں کے اوپر مہربان شمار نہ ہوگا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی شان خود حق سبحانہ وتقدس نے یہ بتائی :۔

عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ط

(توبہ، ۱۶) پوری آیتِ شریفہ کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے :۔

(اے لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے، تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، (یہ بات تو سب کے ساتھ ہے، پھر بالخصوص) مؤمنین کے ساتھ تو بڑے شفیق اور مہربان ہیں :۔

پس اگر قافلہ کے قوی لوگ کسی مصلحت سے سخت راستہ کو اختیار کریں، تو قافلہ کا لیجانے والا ان کو نہ روکے گا (روض)۔

یہی وجہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اماموں کو طویل نماز پڑھانے پر نہایت شدت سے ڈانٹتے تھے، اور یہ ارشاد فرماتے تھے کہ جو امام بنے وہ ضرور ہلکی نماز پڑھے اور جو اپنی تنہا نماز پڑھے وہ جتنی چاہے لمبی نماز پڑھے،

تیسری بات جو ان واقعات میں قابلِ لحاظ ہے اور وہ بھی حقیقت میں پہلی ہی بات پر متفرع ہے، وہ یہ ہے کہ بعض واقعات میں ایسی شدت ملتی ہے جو سرسری نظر میں اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالنا ہے، اور بظاہر یہ ناجائز معلوم ہوتا ہے، اس کے متعلق یہ بات ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ واقعات بمنزلۂ دوا کے ہیں اور دوا میں طبیب حاذق بسا اوقات سنکھیا بھی استعمال کرایا کرتا ہے، لیکن اس کا استعمال طبیب کی رائے کے موافق تو مناسب ہے، بلکہ بسا اوقات ضروری لیکن بدون اس کے مشورہ کے ناجائز، اور موجب ہلاکت، اسی طرح ان واقعات میں جن حاذق طبیبوں نے ان دواؤں کا استعمال کیا ہے اُن پر اعتراض اپنی نادانی اور فن سے ناواقفیت پر مبنی ہے، لیکن جو خود طبیب نہ ہو اور کسی طبیب کا اس کو مشورہ حاصل نہ ہو، اس کو ایسے امور جو شریعت مطہرہ کے خلاف معلوم ہوتے ہوں اختیار کرنا جائز نہیں ہیں۔ البتہ فن کے ائمہ پر قواعد سے واقف لوگوں پر اعتراض میں جلدی کرنا بالخصوص ایسے لوگوں کی طرف سے جو خود واقفیت نہ رکھتے ہوں غلط چیز ہے، اور ہلاکت میں اپنے آپ کو ڈالنا ہر حال میں ناجائز نہیں ہے، اگر دینی مصلحت اس کی

متقاضی ہو تو پھر مباح سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ دو شخصوں پر بڑا تعجب فرماتے ہیں، یعنی ان سے بہت راضی ہوتے ہیں، ایک وہ شخص جو اپنے نرم نرم بستر پر لحاف کے اندر محبوبہ بیوی کے ساتھ لیٹا ہوا لیٹا ہو، اور ایک دم بشاشت کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر نماز کے لئے کھڑا ہو جائے حق تعالیٰ شانُہٗ فرشتوں کے سامنے اس شخص پر تفاخر فرماتے ہیں،

دوسرا وہ شخص جو ایک لشکر کے ساتھ مل کر جہاد میں شرکت کر رہا ہو، اور وہ لشکر شکست کھا کر بھاگنے لگے اور اس میں سے کوئی شخص بھاگنے میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا خوف کرے اور تنِ تنہا واپس ہو کر مقابلہ کرے حتیٰ کہ شہید ہو جائے، تو حق تعالیٰ شانُہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھو میرا یہ بندہ میرے انعامات میں رغبت اور میری ناراضی کے خوف سے لوٹا، حتیٰ کہ اس کے خون بھی بہا دیا گیا (مشکوٰۃ)۔

اب یہ شخص جو تنہا لوٹا ہے ظاہر ہے کہ مرنے ہی کے واسطے لوٹا ہے کہ جب پورا لشکر شکست کھا کر بھاگنے لگا تو اس میں ایک آدمی کیا کر سکتا ہے، اس کے باوجود حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر تفاخر فرماتے ہیں۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے۔ آدمیوں کی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو اپنے گھوڑے کی باگ ہاتھ میں رکھے، اللہ کے راستہ میں اس کی کمر پر اڑا اڑا پھرے، جہاں کہیں کوئی گھبراہٹ اور خوف کی بات سن لے فوراً اس کی طرف اڑ جائے، موت اور قتل کو ڈھونڈھتا پھرتا ہو، جہاں کہیں اس کا گمان ہو وہیں پہنچ جائے (مشکوٰۃ)۔

اگر یہ حضرات اللہ کے راستہ میں اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دیں تو ان پر اعتراض مشکل ہے، بالخصوص جب کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد یہ بھی ہے اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ (مشکوٰۃ) کامل جہاد کرنے والا وہ ہے، جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔

دوسری حدیث کے الفاظ ہیں: اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ هَوَاهُ "اصل مجاہد وہ ہے، جو اپنی خواہشِ نفسانی سے جہاد کرے (اور اس کو مغلوب کرے (التشرف)۔

اسی لئے صوفیہ کی اصطلاح میں اس کا نام "جہادِ اکبر" ہے، خود حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بھی اس قسم کا مضمون نقل کیا گیا۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں جہاد کی فضیلت بہت زیادہ ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اس کا حاصل

آدمی کی سب سے زیادہ محبوب چیز جان کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے، اور اللہ کی رضا کے واسطے اس پر سخت مشقتیں ڈالنا ہے اور اس جہاد سے بڑھ کر نفس کو طاعات کی پابندی پر مجبور کرنا ہے، اور اس کو اس کی خواہشات سے بچانا ہے، اسی لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:۔

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ، — ہم لوگ چھوٹے جہاد سے اب بڑے جہاد کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت جابرؓ سے نقل کیا گیا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ غزوہ کرنے والے حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا تم نے بہت اچھا آنا آئے کیوں جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف آئے یعنی مجاہدہ کرنا بندہ کا اپنی ہوائے نفسانی سے (التشرف ۲) پس اگر یہ حضرات اس جہادِ اکبر میں اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، دشمن کے مغلوب کرنے کے واسطے اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالنا باعثِ اجر ہے نہ باعثِ اعتراض حضورِ اقدسؐ کا پاک ارشاد ہے:۔

أَعْدَى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ، اخرجه البیهقی مرفوعًا کما فی کنوز الحقائق کذا فی التشریف، ۲

"تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلوؤں کے درمیان ہے۔"

لہٰذا اس بڑے دشمن کو مغلوب کرنے کے واسطے بھوکا رہنا، پیاسا رہنا، خطرات میں اپنے کو ڈالنا، مشقتوں کو برداشت کرنا، جہاں تک کسی دوسرے اہم دینی کام کے نقصان کا سبب نہ بنے مرغوب ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ان مرمتوں کے طفیل سے ان کے فیوض و برکات کا کچھ حصہ اس ناپاک سیہ کار کو بھی عطا فرماوے تو اس کی عطاء و کرم سے بعید نہیں، کہ وہ کریم جس کو چاہے نواز دے۔

یہ رسالہ شوال ۱۳۶۶ھ میں نظام الدین کے قیام میں لکھا تھا، بعد میں اس میں ان حکایات کے اضافہ کا خیال ہوا، لیکن سہارن پور واپسی کے بعد مشاغل کے ہجوم نے کئی ماہ تک اس کو اٹھا کر دیکھنے کی بھی مہلت نہ دی، آخر ربیع الثانی میں ان کے لکھنے کی نوبت آئی، اور آج ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ جمعہ کو اس سے فراغت ہوئی۔ ناظرین سے استدعاء ہے، کہ کسی مبارک وقت میں یہ ناپاک یاد آجائے تو دعاء سے مدد کریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ
بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ط

تمت

زکریا کاندھلوی

مقیم مظاہر علوم، سہارنپور